دینی معلومات پر مبنی عوام و خواص کے لئے ایک بہترین کتاب

فتاوی حدیثیہ

تصنیف

شیخ الاسلام احمد بن محمد بن علی بن حجر الہیتمی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ

متوفی ۹۷۴ھ

ترجمہ

مفتی شیخ فرید مدظلہ العالی

ڈپٹی ڈائریکٹر نظامت امور مذہبیہ آزاد کشمیر

مکتبہ اعلیٰ حضرت

کچھ ابو حنظلہ کے قلم سے

اللہ عزوجل کے فضل وکرم سے ہماری ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ قارئین کو دینی کتب منفرد انداز میں پیش کیں جائیں اسی سلسلے کی کڑی زیر نظر کتاب ''فتاوی حدیثیہ'' ہے جو کہ شیخ الاسلام شہاب الدین امام احمد بن محمد بن علی بن حجر مکی شافعی علیہ الرحمۃ اللہ الکافی کی تصنیف ہے۔

اس کتاب کا موضوع ''فقہ'' ہے اگر چہ اس کے نام سے یوں ظاہر ہوتا ہے کہ علمائے دین اور مفتیان کرام کے لئے خاص ہوگی لیکن اس کے مضامین، عنوانات اور انداز تحریر پر نظر ڈالیں تو پتہ چلتا ہے کہ یہ کتاب تمام شعبۂ زندگی سے تعلق رکھنے والے ہر عام وخاص فرد کے لئے انتہائی معلوماتی کتاب ہے۔

سونے پر سہاگہ یہ کہ اس کا اُردو ترجمہ عہد حاضر کی عظیم علمی اور روحانی شخصیت حضرت علامہ مولانا مفتی شیخ فرید مدظلہ العالی نے فرمایا جو کہ اس وقت ڈپٹی ڈائریکٹر زامور مذہبیہ ودینی امور مظفر آباد کشمیر کے منصب پر فائز ہیں۔

آپ نے انتہائی محنت وجانفشانی کے ساتھ اس کا ترجمہ فرمایا اور پھر انتہائی شفقت ومہربانی فرماتے ہوئے ہمارے ادارہ کو اس عظیم کتاب کی اشاعت کے لئے منتخب فرمایا جس پر میں ذاتی طور پر ان کا شکر گزار ہوں۔

نیز کراچی سے ہمارے دوست مفتی محمد ہاشم صاحب انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد ڈائریکٹر دی اسلامک ریسرچ سنٹر کراچی پاکستان نے اس کتاب کی تخریج کی ذمہ داری اٹھائی اور پروف ریڈنگ حضرت مولانا محمد جمیل صاحب نے فرمائی۔ اس طرح یہ کتاب بڑی محنت شاقہ کے بعد پایۂ تکمیل کو پہنچی اور اب بعد اشاعت آپ کی علمی پیاس بجھانے کے لئے آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

اللہ عزوجل کی بارگاہ میں دعا گو ہوں کہ اللہ عزوجل ہماری اس کوشش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور جن جن احباب نے تعاون فرمایا سب کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

خادم العلم والعلماء

محمد اجمل مدنی

۵۔ جمادی الاولیٰ / ۳۔ فروری ۲۰۱۷ء

حالاتِ مصنف

نام

ابوالعباس شہاب الدین احمد بن محمد بن علی بن حجر الھیتمی المکی السعدی الانصاری الشافعی المحدث الفقیہ الصوفی جو محلہ ابی الہیتم کی طرف منسوب ہیں جو مصر کی مغربی نظامت کے ماتحت ہے اور امیر اپنی فہرست المشناۃ الفوقیۃ میں کہتے ہیں کہ آپ کو الھیاتم بستی کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے الھیتمی کہتے ہیں۔

تاریخ وجائے پیدائش

الھیاتم مصر کی ایک بستی کا نام ہے۔ جہاں آپ ۸۹۹ھ میں پیدا ہوئے۔ صغر سنی ہی میں آپ کے والد کا انتقال ہو گیا اور آپ کی کفالت دو کامل اماموں شمس الدین بن ابی الحمائل اور شمس الدین الشناوری نے کی پھر شمس الدین شناوری آپ کو محلہ ابی الہیتم سے سیدی احمد البدوی کے پاس طنطا میں لے گیا۔ وہاں آپ نے مبادی العلوم پڑھے اور قرآن پاک حفظ کیا پھر وہ آپ کو ۹۲۴ھ میں کعبۃ العلوم جامع از ہر میں لے آئے اور آپ نے اس وقت کے علماء مصر سے علم حاصل کیا۔

علم روایت میں آپ کے شیوخ

آپ نے حصول کے بعد جلیل القدر علماء سے روایت کی جن میں الشہاب الرملی، الشمس اللقانی، الشمس السمہودی، الشمس المشہدی، الطبلاوی، شہاب بن النجار الحنبلی، شہاب بن الصائغ شامل ہیں۔ نیز آپ نے قاضی زکریا، معمر الزین، عبدالحق السنباطی، امین الغمری، جو ابن حجر عسقلانی کا شاگرد ہے اور آپ نے سیوطی اور ابی الحسین البکری سے بھی روایت کی ہے۔ اس نے اپنے مشائخ کے لئے معجم الاوسط اور معجم الصغیر لکھی ہے اور انہوں نے اسے ان کتب کے لئے بھی اجازت دی ہوئی تھی جو ان سے روایت کی ہیں اور معجم الاوسط تو مصر کے دار الکتب میں بھی موجود ہے۔ ان شمس العلماء اور عبقری حضرات کے مدرسہ سے علامہ ابن حجر فقہ، اصول، حدیث، کلام، تصوف، فرائض، صرف ونحو، معانی، منطق اور حساب وغیرہ علوم کثیرہ میں ایک پختہ کار عالم بن کر نکلے۔

ان علوم کی تحصیل اور پختگی میں خدا تعالیٰ کی عطا کردہ قوت حفظ نے آپ کو بڑی مدد دی کیونکہ آپ حافظ بھی تھے۔ آپ کے ملفوظات میں ایک نمونہ المنہاج الفرعی ہے۔ نیز چھوٹی عمر میں ہی آپ کی شہرت یہاں تک پھیل گئی تھی کہ آپ کے شیوخ نے آپ کو افتاء اور تدریس کی اجازت دے دی تھی جبکہ آپ کی عمر بیس سال سے بھی کم تھی۔ آپ دنیا سے بے رغبت، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے سلف صالح کا نمونہ تھے۔

سفرِ حج

آپ ۹۳۳ھ میں حج کی خاطر مکہ تشریف لائے تو یہیں رہ پڑے پھر مصر واپس گئے اور دوبارہ ۹۳۷ھ میں اہل وعیال سمیت حج کیا پھر ۹۴۰ھ میں مستقل رہائش کے لئے مکہ منتقل ہو گئے۔ وہاں کے امام الحرمین درس وتدریس افتاء اور تالیفات کا کام کرتے تھے۔

الشوکانی نے آپ کے مکہ منتقل ہونے کا سبب یہ بتایا ہے کہ آپ نے مقری کی کتاب ''الروض'' کا اختصار کیا اور اس کی شرح لکھی تو بعض حاسدین نے اسے لے کر پھاڑ دیا تو آپ پر یہ بات بڑی گراں گزری اور آپ اس وجہ سے مکہ منتقل ہو گئے۔ مکہ اور مصر میں آپ کی بیشمار کتب موجود ہیں جو علم فقہ سے تعلق رکھتی ہیں جن میں فتاویٰ الشافعیہ فی الحجاز والیمن ومصر اور دیگر کتب شامل ہیں۔

آپ کے پاس عظیم القدر علماء خصوصاً خوشہ چینی اور حصول علم کے لئے حاضر ہوتے تھے۔ آپ کے بارے میں شہاب الخفاجی کا قول بالکل سچ ہے کہ حجاز کے علامۃ الدھر ہیں۔ کتنے ہی فضلاء کے وفود نے آپ کے کعبہ علم کا حج کیا اور اس کے قبلہ کی طرف طلب علم کے لئے متوجہ ہوئے اگر وہ فقہ وحدیث کے بارے میں گفتگو کرتے تو کسی نے قدیم وجدید میں سے ایسی باتیں نہ سنی ہوتیں۔ علامہ خفاجی علیہ الرحمۃ نے ذکر کیا ہے کہ آپ کا ایک بیٹا محمد نام کا تھا جس کی کنیت ابوالخیر تھی اور بعض یمنیوں نے اس سے روایت بھی کی ہے۔

النور السافر مؤلفہ عیدروس اور خفاجی کی ریحانۃ الالباء اور ابی الفلاح ابن العماد کی شذرات الذھب اور شوکانی کی البدر الطالع اور مرتضیٰ زبیدی کی تاج العروس اور کتانی کی فہرس الفہارس اور محدثین اور ان کے مشائخ کی فہارس اور معاجم میں آپ کے حالات زندگی مرقوم ہیں۔

وفات

آپ کی وفات شذرات اور البدر الطالع کے مطابق ۹۷۳ھ میں ہوئی اور مشرع الروی اور تاج العروس زبیدی کے مطابق آپ نے ۹۷۴ھ میں وفات پائی اور فہرست الدفتی الکبیر میں آپ کا سن وفات ۹۶۴ھ بیان کیا گیا ہے اور المحبی کے نزدیک آپ ۹۹۵ھ میں فوت ہوئے۔

صحیح روایت یہی ہے کہ آپ ۹۷۴ھ میں فوت ہوئے۔ الدفتی اور المحبی کی بیان کردہ تاریخ وفات قطعی طور پر غلط ہے جیسے کہ الکتانی نے بیان کیا ہے۔ آپ کی وفات مکہ مکرمہ میں ہوئی اور معلاۃ میں طبریوں کی زمین میں آپ آسودۂ خواب ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی روح کو شادکام کرے اور آپ کی قبر کو نور سے روشن فرمائے اور آپ کو انبیاء، شہداء اور صدیقین کے ساتھ اعلیٰ علیین میں جگہ دے۔

تالیفات

آپ نے علم فقہ میں مندرجہ ذیل کتب تحریر کی ہیں:

شرح مختصر الروض ، شرح مختصر ابی الحسن البکری، تحفة المحتاج ، شرح المنهاج ،فتح الجواد ،شرح الارشاد،الامداد شرح الارشاد ،تحذیر الفسات عن اکل القات ، کف الرعاع عن محرمات اللهو والسماع ،الاعلام بقواطع الاسلام،الزواجر عن اقتراب الکبائر ،درالغمامة فی الزر وایطلیان والعمامة ، الجوهر المنظم فی زیارة القبر النبی المعظم .

علم حدیث میں آپ کی کتب کے نام یہ ہیں۔

شرح المشکوٰة ،الفتاوی الحدیثیة ، جزئی ما ورد فی المهدی ،جز فی العمامة النبویة ، الاربعون حدیثا فی العدل الاربعون فی الجهاد ،فتح المبین فی شرح الاربعین النوویة ،الایضاح شرح احادیث النکاح ،الصواعق المحرقة فی الرد علی اهل البدع والزندقة ،تطهیر الجنان واللسان عن الخطور والتفوة بثلب معاویة بن ابی سفیان ،کتاب الخیرات الحسان فی مناقب ابی حنیفة النعمان ،المولد النبوی ،شرح الهمزیة ،المنهج القویم فی مسائل التعلیم علی الغیة ،عبدالله بافضل شرح علی قطعة من الفیة بن مالک، اتحاف اهل الاسلام بخصوصیات الصیام ،اتمام النعمة الکبری علی العالم بمولد سید ولد آدم، ارشاد اهل الغنی ولاناقة فیما جاء فی الصدقة والضیافة ،اسعاف الابرار ،شرح مشکاة الانوار فی الحدیث ،اسنی المطالب فی صلة الاقارب ، اشرف الوسائل الی فهم المسائل ،والامداد شرح الارشاد ،تحریر الکلام فی القیام عند ذکر مولد سید الانام ،تحریر المقال فی ادب واحکام وفوائد یحتاج الیها مودب والاطفال ،تحفة الزوار الی قبر النبی المختار اربع مجلدات،تطهیر العیبة عن دنس الغیبة ،تلخیص الاحری فی حکم الطلاق بالابراز ،تنبیه الاخیار علی معضلات وقعت فی کتب الوظائف والاذکار ،الدر المنضود فی الصلوٰة علی صاحب اللواء المقصود ،الدر المنظوم فی تسلیة الهموم ،زوائد سنن ابن ماجه ،الفتاوی الفقهیة ، فتح الاله بشرح المشکاة ،الفضائل الکاملة لذوی الولایة ،القول الجلی فی خفض المعتلی ،قرة العین فی ان التبرع لایبطله الدین ،القول المختصر فی علامات المهدی المنتظر ،مبلغ الارب فی فضل العرب ،المساهل العذبة فی اصلاح مادهی من الکعبة ،معدن الیواقیت المتمعة فی مناقب الائمة الاربعة، المنح المکیة فی شرح الهمزیة النخب الجلیلة فی الخطب الجزیلة وغیر ذلک من الرسائل والحواشی.

آپ کی تالیفات اپنے موضوعات کے اعتبار سے بڑی جامع ہیں اور جس طرح سورج اپنے مدار میں گردش کرتا ہے اسی طرح ان کا دیار وامصار میں چلن ہے۔

سورۃ اخلاص کی قرأت

سوال ......کیا سورۃ اخلاص سو مرتبہ پڑھنے کے بارے میں خصوصیت کے ساتھ کوئی حدیث وارد ہے یا کہ نہیں؟ ہمیں بخوبی اس بات کا علم ہے جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ اس سورۃ پاک کی فضیلت کسی پر بھی مخفی نہیں لیکن اس سوال سے سائل کا مقصد یہ ہے کہ اس خاص مقدار کے بارے میں خصوصیت کے ساتھ کوئی حدیث وارد ہے یا کہ نہیں؟

جواب ......ہاں اس خاص مقدار کے بارے میں احادیث وارد ہیں۔ان میں سے ایک حدیث وہ ہے جسے ابن عدی اور امام بیہقی رحمہما اللہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے تخریج کیا ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

مَنْ قَرَءَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ مِائَةَ مَرَّةٍ غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ خَطِيْئَةَ خَمْسِيْنَ عَامًا مَا اجْتَنَبَ خِصَالاً اَرْبَعًا ۔ اَلدِّمَاءَ وَالْاَمْوَالَ وَالْفُرُوْجَ وَالْاَشْرِبَةَ .

(شعب الایمان، تخصیص سورۃ الاخلاص بالذکر، حدیث: 2318، ج4، ص151 احمد بن الحسین بن علی بن موسی الخراسانی ابوبکر البیہقی المتوفی: 458ھ، مکتبۃ الرشید، ریاض، السعودیہ)

ترجمہ: جو شخص قل ھو اللہ احد سو مرتبہ پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کے پچاس سال کے گناہ معاف فرمادے گا بشرطیکہ وہ چار خصلتوں سے اجتناب کرے۔(اور وہ چار خصلتیں یہ ہیں)

(۱) ناحق قتل کرنا۔(۲) لوگوں کے ناحق اموال ہتھیانا۔(۳) زنا کرنا۔(۴) شراب نوشی کرنا۔

ایک اور حدیث وہ ہے جسے امام طبرانی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

مَنْ قَرَءَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ مِائَةَ مَرَّةٍ فِي الصَّلٰوةِ وَغَيْرِهَا كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ بَرَاءَةً مِّنَ النَّارِ.

(المعجم الکبیر، باب الفاء، فیروز الدیلمی، حدیث: 852، ج18، ص331، سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی الشامی ابوالقاسم المتوفی: 360ھ مکتبۃ ابن تیمیۃ، قاہرہ، مصر)

ترجمہ: جو قل ھو اللہ احد نماز اور غیر نماز میں سو مرتبہ پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے حق میں جہنم سے برأت لکھ دے گا۔

حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ:

مَنْ قَرَءَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ فِيْ يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ ذُنُوْبَ مِائَةِ سَنَةٍ .

(شعب الایمان، تخصیص سورۃ اخلاص بالذکر، حدیث: 2311، ج 4، ص 146، مکتبۃ الرشید، ریاض، السعودیہ)

ترجمہ: جو ایک دن میں سو بار قل ھو اللہ احد پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کے سو سال کے گناہ معاف فرمادے گا۔

حضرت ابن عدی اور حضرت امام بیہقی رحمہما اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی یہ حدیث مرفوعًا روایت کی ہے کہ:

مَنْ قَرَءَ فِيْ يَوْمٍ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ مِائَتَيْ مَرَّةٍ كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ اَلْفًا وَّخَمْسَ مِائَةِ حَسَنَةٍ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ عَلَيْهِ دَيْنٌ .

(شعب الایمان، تخصیص سورۃ اخلاص بالذکر، حدیث: 2316، ج 4، ص 149)

ترجمہ: جو شخص دن میں دو سو بار قل ھو اللہ احد پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے حق میں ایک ہزار پانچ سو نیکیاں لکھ دے گا مگر یہ کہ اس کے ذمہ کوئی قرض ہو۔

(اگر اس نے کسی کا قرض دینا ہے اور ادا نہیں کرتا تو پھر وہ ان نیکیوں کا حق دار نہ ہوگا۔)

ابن نصر رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی مرفوعًا یہ حدیث روایت کی ہے کہ:

مَنْ قَرَءَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ خَمْسِيْنَ مَرَّةً غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ ذُنُوْبَ خَمْسِيْنَ سَنَةً .

(مختصر قیام اللیل وقیام رمضان وکتاب الوتر، باب ما یکفی من القرآن باللیل، ص 162، ابو عبد اللہ محمد بن نصر بن الحجاج المروزی المتوفی: 294ھ، حدیث اکیڈمی، فیصل آباد، پاکستان)

ترجمہ: جو شخص پچاس بار "قل ھو اللہ احد" پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے پچاس سال کے گناہ بخش دے گا۔

علامہ خرائطی رحمہ اللہ نے اپنے "فوائد" میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعًا یہ حدیث تخریج کی ہے کہ:

مَنْ قَرَءَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَلْفَ مَرَّةٍ فَقَدِ اشْتَرٰى نَفْسَهٗ مِنَ اللّٰهِ .

(فیض القدیر، باب کان وہی الشمائل الشریفۃ، حرف المیم، حدیث: 8953، 12549، ج 6، ص 203، زین الدین محمد المدعو بعبد الرؤوف بن تاج العارفین الحدادی المناوی القاھری المتوفی: 1031ھ، المکتبۃ التجاریۃ الکبری، مصر)

ترجمہ: جس نے "قل ھو اللہ احد" کی ایک ہزار بار قراءت کی بے شک اس نے اپنی ذات کو اللہ تعالیٰ سے خرید لیا ہے۔ (واللہ سبحانہ اعلم بالصواب)

علم الاوفاق (نقوش) کا حکم کیا ہے؟

سوال...... علم الاوفاق کا کیا حکم ہے؟

جواب...... علم الاوفاق کا تعلق اعداد کی نسبتوں کو معلوم کرنا اور پھر ان سے ایک خاص نقش تیار کرنے کے ساتھ ہے مثلاً

ایک نو خانوں پر مشتمل ایک نقش اس طرح پر کیا جاتا ہے اس کی جس جہت سے بھی اعداد کو جمع کیا جائے تو جواب پندرہ کا عدد آتا ہے اور ابجد کے اعتبار سے اس کا ضابطہ:

بطد......زہج......واح، ہے۔

اس کی شکل یہ بنتی ہے:

د	ط	ب
۴	۹	۲
ج	ہ	ز
۳	۵	۷
ح	الف	و
۸	۱	۶

ان اعداد کو جس جہت سے بھی جمع کیا جائے حاصل عدد پندرہ آتا ہے۔

یہ نقش حاجات ومشکلات اور قیدی کی آزادی اور بچے کی ولادت میں آسانی اور اس طرح کی ہر مشکل کے لئے فائدہ مند ہے۔

حضرت امام غزالی رحمہ اللہ اس نقش کو بہت اہمیت دیتے تھے حتیٰ کہ اس کو ان کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔ان نقوش کو مباح کاموں کے لئے استعمال کیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔حرام کاموں کے لئے استعمال کرنا جائز نہیں۔

امام قرافی رحمہ اللہ سے جو منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ اوفاق کا سحر وجادو سے تعلق ہے تو ان کا یہ قول اسی پر محمول ہے یعنی اگر ان نقوش کو حرام کاموں پر مدد لینے کے لئے استعمال کیا جائے تو پھر یہ سحر وجادو سے تعلق رکھیں گے۔

خواب کی حقیقت کیا ہے؟

سوال......خواب کی حقیقت کیا ہے؟

جواب...... جمہور اہل سنت کے نزدیک خواب کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سوئے ہوئے انسان کے دل اور اس کے حواس میں اس طرح کچھ اشیاء تخلیق فرماتا ہے جس طرح انہیں بیدار انسان میں پیدا فرماتا ہے۔اللہ تعالیٰ جو چاہے کرتا ہے اسے نیند وغیرہ کوئی چیز ایسا کرنے سے مانع نہیں اور اسی وجہ سے بسا اوقات وہ اشیاء خارج میں ایسے ہی وقوع پذیر ہوتی ہیں جیسے اس نے خواب میں انہیں مشاہدہ کیا تھا۔اور بسا اوقات خواب میں اس نے جو کچھ دیکھا ہوتا ہے وہ ان دیگر امور کے لئے علامت بنائی جاتی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ حال

میں تخلیق فرماتا ہے یا ماضی میں تخلیق فرماتا ہے یعنی وہ خواب ان امور کے لئے جو اس کی تعبیر ہیں کے لئے علامت بن جاتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بادلوں کو بارش کے لئے علامت بنایا ہے۔

اور جن لوگوں نے خواب کے بارے میں کہا کہ وہ باطل خیالات ہوتے ہیں کیونکہ نیند ادراک کی ضد ہے۔ ان لوگوں کا یہ قول، قولِ باطل اور نا قابلِ اعتبار و التفات ہے۔ان کا یہ قول کیسے قابلِ التفات ہو سکتا ہے؟ حالانکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے صراحتاً مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے خواب وحی ہیں اور حضور ﷺ کا اپنا ارشاد گرامی ہے:

رُؤْيَاءُ الْمُؤْمِنِ جُزْءٌ مِّنْ اَرْبَعِيْنَ جُزْءٌ مِّنَ النُّبُوَّةِ .

(صحیح البخاری، باب الرؤیا الصالحۃ جزء من حدیث: 6987، ج 9، ص 30، محمد بن اسماعیل ابو عبداللہ البخاری الجعفی، دار طوق النجاۃ)

ترجمہ: مومن کا خواب نبوت کے چالیس اجزاء میں سے ایک جزء ہے۔

اور خود قرآن پاک میں حضرت یوسف علیہ السلام اور دیگر کے خوابوں کا تذکرہ موجود ہے۔

اور جن لوگوں نے کہا ہے کہ نیند کی حالت میں ادراک خلاف عادت امر ہے کیونکہ عادت ایسی حالت میں مطردہ نہیں ہے۔ یہ بات اولاً تو قابل تسلیم ہی نہیں کہ نیند کی حالت میں ادراک خلاف عادت ہے اور اگر تسلیم کیا جائے تو بھی صادق و مصدوق ﷺ کی خبر اس کے خلاف ہے اور آپ ﷺ کی خبر کے مقابلے میں یہ قابل التفات ہی نہیں۔

نبی کریم ﷺ کے عمامہ مبارک کا طول وعرض

سوال ...... حضور ﷺ کے عمامہ مبارک کے طول وعرض کے بارے میں سوال کیا گیا کہ وہ کتنے طول وعرض پر مشتمل تھا؟

جواب...... حضور ﷺ کے عمامہ پاک کے طول وعرض کے بارے میں کوئی چیز ثابت نہیں۔اسی لئے حدیث ودیگر فنون کے جامعین حفاظ کی ایک جماعت نے فرمایا کہ ہمارے سامنے اس بارے میں کوئی چیز تحریر شدہ نہیں۔ اسی لئے حافظ عبدالغنی رحمہ اللہ سے اس بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کسی چیز کا اظہار نہیں فرمایا۔

البتہ بعض متاخرین حفاظ حدیث نے فرمایا ہے کہ میں نے ایسے شخص کو دیکھا ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب کیا کرتا تھا کہ نبی کریم ﷺ کا عمامہ مبارک سفر میں سفید رنگ کا ہوتا تھا اور حضر میں سیاہ رنگ کا اونی عمامہ مبارک ہوتا تھا۔جس کا طول وعرض دونوں سات سات گز کے ہوتے تھے۔اور عمامہ کا شملہ سفر میں عمامہ ہی کا حصہ ہوتا تھا اور حضر میں کسی دوسرے کپڑے کا حصہ ہوتا تھا۔انتہی

ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو منقول ہے جس کی کوئی اصل نہیں۔لہٰذا اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ابن الحاج نے ''المدخل'' میں اسی پر اعتماد کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

''رسول اللہ ﷺ کا عمامہ مبارک سات گز کا تھا''

وَنَحْوُهَا مِنْهَا التَّلَحِّيَةُ وَالْعُذْبَةُ وَالْبَاقِيْ عِمَامَةٌ عَلٰى مَانَقَلَهُ الطَّبَرِيُّ فِيْ كِتَابِهِ.

(المدخل لابن الحاج، فصل فی الملباس، ج 1 ص 140، ابوعبداللہ محمد بن محمد العبدری الفاسی المالکی الشہیر بابن الحاج المتوفی: 737ھ دارالتراث)

کیا ملک الموت ہی تمام حیوانات کی روح قبض کرتے ہیں؟

سوال ......کیا ملک الموت ہی سارے حیوانات کی روح قبض کرتا ہے؟ یا صرف انسانوں کی روح قبض کرتا ہے؟اور روح قبض کرنے کے بعد اس کا مقام ومستقر کہاں پر ہے؟

جواب......احادیث تو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ملک الموت ہی تمام حیوانات کی ارواح کو قبض کرتا ہے خواہ وہ انسان ہو یا غیر انسان۔

ان احادیث میں سے ایک حدیث وہ ہے جس میں ملک الموت ہمارے نبی اکرم ﷺ سے مخاطب ہوکر عرض کرتے ہیں:

وَاللّٰهِ يَا مُحَمَّدُ لَوْ اِنِّيْ اَرَدْتُّ اَقْبِضَ رُوْحَ بَعُوْضَةٍ مَا قَدَرْتُ عَلٰى ذٰلِكَ حَتّٰى يَكُوْنَ اللّٰهُ هُوَ الْاٰمِرُ بِقَبْضِهَا.

(تفسیر القرطبی، سورۃ السجدۃ، آیۃ 11، ج14، ص93، ابوعبداللہ محمد بن احمد شمس الدین القرطبی المتوفی: 671ھ دارالکتب المصریۃ، القاہرۃ، مصر)

ترجمہ: اے محمد (ﷺ) اللہ کی قسم! اگر میں ایک مچھر کی روح قبض کرنا چاہوں تو مجھے اس پر بھی قدرت حاصل نہیں حتی کہ اللہ تعالیٰ ہی وہ ذات ہے جو اس کی روح قبض کرنے کا حکم فرمانے والا ہے۔

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ ملک الموت ہی کو ہر جاندار کی روح قبض کرنے کا کام تفویض کیا گیا ہے۔اور اس کا سارا تصرف اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی تخلیق وایجاد کے تابع ہے۔

ان احادیث میں سے وہ حدیث بھی ہے جو واقعہ معراج کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ذات کے بارے میں فرمایا کہ:

فَقُلْتُ يَا مَلَكَ الْمَوْتِ كَيْفَ تَقْدِرُ عَلٰى قَبْضِ اَرْوَاحِ جَمِيْعِ مَنْ فِي الْاَرْضِ بَرِّهَا وَبَحْرِهَا.

(تفسیر الثعلبی، الکشف والبیان عن تفسیر القرآن، سورۃ الاسراء، آیۃ 1.3، ج6، ص61، احمد بن محمد بن ابراہیم الثعلبی المتوفی: 427ھ داراحیاء التراث العربی، بیروت، لبنان) ☆......التذکرۃ باحوال الموتی وامور الآخرۃ، باب ماجاء فی سبب قبض ملک الموت، ص264، ابوعبداللہ محمد بن احمد شمس الدین القرطبی المتوفی: 671ھ مکتبۃ دارالمنہاج للنشر والتوزیع، الریاض، السعودیۃ)

ترجمہ: میں نے کہا اے ملک الموت! روئے زمین کی خشکی وتری میں رہنے والی تمام مخلوق کی

ارواح قبض کرنے میں تمہیں کیسے قدرت حاصل ہے؟

حضرت ابونعیم رحمہ اللہ نے حضرت ثابت بنانی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

اَللَّیۡلُ وَ النَّھَارُ اَرۡبَعٌ وَّ عِشۡرُوۡنَ سَاعَةً لَیۡسَ مِنۡھَا سَاعَةٌ تَاۡتِیۡ عَلٰی ذِیۡ رُوۡحٍ اِلَّا وَمَلَکُ الۡمَوۡتِ قَائِمٌ عَلَیۡھَا فَاِنۡ اُمِرَ بِقَبۡضِھَا قَبَضَھَا وَ اِلَّا ذَھَبَ .

(حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، باب ثابت البنانی ومنہم الحعبد، ج2، ص326 مطبوعہ: دارالکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان)

ترجمہ: دن ورات چوبیس ساعتوں پر مشتمل ہیں۔ان میں سے کسی جاندار پر کوئی ایسی ساعت نہیں کہ ملک الموت اس کے سر پر کھڑا نہ ہوتا ہو۔پس اگر اسے روح قبض کرنے کا حکم ملتا ہے قبض کر لیتا ہے ورنہ چلا جاتا ہے۔

امام قرطبی رحمہ اللہ ہی نے فرمایا کہ یہ ہر ذی روح میں عام ہے۔اس لئے جب حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے پسوؤں کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا ملک الموت ہی ان کی ارواح بھی قبض کرتا ہے؟ تو حضرت امام مالک رحمہ اللہ نے تھوڑی دیر کے بعد اپنا سر مبارک جھکایا اور فرمایا: کیا ان میں جان ہے؟ جواب یہی عرض کیا گیا جی ہاں! ان میں بھی جان ہے تو آپ نے فرمایا ملک الموت ہی ان کی ارواح قبض فرماتا ہے کیونکہ اللہ فرماتا ہے:

اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الۡاَنۡفُسَ حِیۡنَ مَوۡتِھَا . (سورۃ الزمر، آیت:42)

ترجمہ: اللہ جانوں کو وفات دیتا ہے ان کی موت کے وقت۔ (کنز الایمان)

امام مالک رحمہ اللہ نے اس آیت کریمہ کو ذکر فرما کر اس بات کی طرف اشارہ فرمایا۔اللہ تعالیٰ کے فرمان: اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الۡاَنۡفُسَ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ملک الموت کو ان کے قبض کرنے کا حکم فرماتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں تصریح ہے:

تَوَفَّتۡہُ رُسُلُنَا . (سورۃ الانعام، آیت:61)

ترجمہ: ہمارے فرشتے اس کی روح قبض کرتے ہیں۔ (کنز الایمان)

یہ اللہ تعالیٰ کے ان ارشادات کے منافی نہیں:

خَلَقَ الۡمَوۡتَ وَ الۡحَیٰوةَ . (سورۃ الملک، آیت:1)

ترجمہ: جس نے موت اور زندگی پیدا کی۔ (کنز الایمان)

اَللّٰہُ یُحۡیٖ وَ یُمِیۡتُ . (آل عمران، آیت:156)

ترجمہ: اور اللہ جلاتا اور مارتا ہے۔ (کنز الایمان)

کیونکہ موت کا فرشتہ ارواح کو قبض کرتا ہے اور معاون فرشتے اس کی مدد کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ارواح کو اجسام سے نکالتا ہے۔ اسی سے تمام آیات واحادیث کے درمیان تطبیق پیدا ہو جاتی ہے۔

"توفّی" (روح قبض کرنے) کی اضافت ملک الموت کی طرف اسی لئے ہے کہ ملک الموت کے ذریعہ یا بذاتِ خود اس کام کو انجام دینے کی ذمہ داری عائد کی گئی ہے۔ جیسا کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی مسلم کی حدیث میں خلق کی اضافت فرشتے کی طرف فرمائی گئی ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ:

اِذَا مَرَّ بِالنُّطْفَةِ ثِنْتَانِ وَ اَرْبَعُوْنَ لَيْلَةً بَعَثَ اللّٰهُ مَلَكًا فَصَوَّرَهَا فَخَلَقَ سَمْعَهَا وَبَصَرَهَا وَجِلْدَهَا وَلَحْمَهَا وَعَظْمَهَا .

(صحیح مسلم، باب کیفیۃ خلق الآدمی...... الخ رقم الحدیث: 2645، جلد 4، ص 2037، مطبوعہ: داراحیاء التراث، بیروت)

ترجمہ: جب نطفہ پر بیالیس راتیں گزرتی ہیں تو اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کو بھیجتا ہے جو اس کی صورت بناتا ہے اور اس میں اس کے کان، آنکھ، پوست وگوشت اور ہڈیاں پیدا کرتا ہے۔

اشکال

ابن عطیہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ حدیث میں مروی ہے:

اِنَّ الْبَهَائِمَ كُلَّهَا يَتَوَفَّى اللّٰهُ اَرْوَاحَهَا دُوْنَ مَلَكِ الْمَوْتِ.

(تفسیر ابن عطیہ (المحرر الوجیز)، سورۃ السجدۃ الآیۃ: 12 تا 15، ج 4، ص: 360، مطبوعہ: دارالکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان)

ترجمہ: کہ تمام چوپایوں کی ارواح اللہ تعالیٰ خود قبض فرماتا ہے ملک الموت کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

گویا کہ اللہ تعالیٰ ان کی حیات کو معدوم فرما دیتا ہے۔

ابن عطیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"انسانوں کی ارواح کے قبض میں بھی ایسا ہی ہے یعنی سب کی ارواح اللہ تعالیٰ ہی قبض فرماتا ہے البتہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی ارواح کے قبض کرنے میں ملک الموت اور اپنے فرشتوں کو تصرف عطا فرما کر اپنے شرف کا اظہار فرمایا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کو پیدا فرمایا اور اس کے ہاتھ پر قبض ارواح اور اجسام سے کشید واخراج کو پیدا فرمایا ہے اور مددگار فرشتوں کی ایک جماعت کو پیدا فرمایا جو ملک الموت کے ساتھ ہوتی ہے اور اس کے حکم کے تابع رہ کر اسی عمل کی انجام دہی میں مصروف رہتی ہے جس عمل کو ملک الموت انجام دیتا ہے"۔

جواب

''ابن عطیہ رحمہ اللہ کے اس قول کا جواب یہ ہے کہ جس حدیث سے انہوں نے یہ استدلال فرمایا وہ مذکورہ حدیث کے ثبوت پہ موقوف ہے اور اگر اس کا ثبوت تسلیم بھی کیا جائے تو تب بھی اس حدیث اور سابقہ احادیث کے درمیان تطبیق ممکن ہے۔اس حدیث پاک میں آپ کے ارشاد ''دون ملك الموت'' کا مطلب یہ ہے کہ ملک الموت غیر انسانوں بلکہ غیر مومنوں کی ارواح قبض کرنے میں وہ رعایت نہیں برتتے جو مومنوں کی ارواح قبض کرنے میں برتتے ہیں۔

یا''دون الملك'' کا مطلب یہ ہے کہ ملک الموت سے قبض ارواح کی نفی حقیقت ہے۔کیونکہ یہ اپنی جگہ مسلّم ہے کہ حقیقت میں موجد صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور ملک الموت تو فقط ایک واسطہ ہیں۔پس جہاں کہیں بھی کسی حدیث یا آیت میں ''توفی'' کی نسبت ملک الموت کی طرف ہے اس سے مراد ملک الموت کے حق میں وہ تصرف ثابت کرنا ہے جو ''مامور به'' ہے۔اور جہاں کہیں کسی حدیث یا آیت میں ''توفی'' کی ملک الموت سے نفی ہے اس سے مراد حقیقت کی نفی اور سلب ہے۔کیونکہ حقیقت تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے''۔

امام غزالی رحمہ اللہ نے احیاء العلوم میں یہ حدیث نقل فرمائی ہے:

إِنَّ مَلَكَ الْمَوْتِ وَمَلَكَ الْحَيَاةِ تَنَاظَرَا فَقَالَ مَلَكُ الْمَوْتِ أَنَا أُمِيتُ وَأُحْيَاءُ وَقَالَ مَلَكُ الْحَيَاةِ أَنَا أُحْيِ الْمَوْتٰى فَأَوْحَى اللّٰهُ إِلَيْهِمَا كُونَا فِي عَمَلِكُمَا لَهُ مِنَ الصُّنْعِ وَأَنَا الْمُمِيتُ وَالْمُحْيِي وَلَا يُمِيتُ وَلَا يُحْيِي سِوَایَ.

(احیاء علوم الدین، بیان حقیقۃ التوحید...... آلخ ج:4،ص:257،مطبوعہ:دار المعرفۃ، بیروت)

ترجمہ: موت وحیات پر مامور دونوں فرشتوں کے درمیان مناظرہ ہوا تو موت کے فرشتے نے کہا میں زندوں کو مارتا ہوں تو حیات کے فرشتے نے کہا میں مُردوں کو جلاتا ہوں۔پس اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی فرمائی کہ تم اپنے اپنے عمل اور اس کام میں مصروف رہو جس کی ذمہ داری تم پر ڈالی گئی ہے۔میں ہی مارنے اور جلانے والا ہوں میرے سوا کوئی بھی نہ ہی مارتا ہے اور نہ ہی جلاتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ حقیقت میں تمام مخلوق کی ارواح کو قبض کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے ملک الموت اور اس کے معاون فرشتے صرف وسائط ہیں۔

تمام اسباب عادیہ میں بھی یہی بات ہے کہ ان سب کا وجود بھی اللہ تعالیٰ کی ایجاد وخلق سے ہے اس میں اللہ تعالیٰ

کے سوا کسی کو کوئی دخل نہیں:

سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا. (سورۃ اسراء، آیت:43)

ارواح کہاں ہوتی ہیں؟

ابن رجب رحمہ اللہ نے ذکر فرمایا ہے:

''انبیاء کرام صلوات اللہ وسلامہ علیہم کی ارواح مقام اعلیٰ علیین میں ہیں۔''

رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد بھی ان کی اس بات کی تائید کرتا ہے:

اَللّٰهُمَّ الرَّفِيْقُ الْاَعْلٰى. (اے اللہ! رفیق اعلیٰ۔)

(احیاء علوم الدین، بیان دواء الرجاء والسبیل الخ ج:4،ص:161،مطبوعہ:دارالمعرفۃ،بیروت)

اور اکثر علماء نے نقل کیا ہے کہ شہداء کی ارواح سبز رنگ کے پرندوں کے پنجروں میں ہیں جن کے لئے قندیلیں ہیں جو عرش کے ساتھ معلق ہیں اور وہ جنت میں جہاں چاہتی ہیں سیر کرتی ہیں۔ جیسا کہ مسلم وغیرہ میں ہے:

اور باقی مومنوں کے بارے میں حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے تصریح فرمائی ہے کہ ان میں سے جو حد تکلیف تک پہنچنے سے پہلے وفات پاچکے ہیں ان کی ارواح جنت میں جہاں چاہیں سیر کرتی ہیں اور پھر عرش کے ساتھ معلق قندیلوں کی طرف لوٹتی ہیں۔

اس کو ابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ لیکن مکلف مومنوں کے بارے میں علماء کے درمیان بہت اختلاف ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے ایک قول کے مطابق ان کی ارواح جنت میں ہیں اور حضرت وہب رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ مومنوں کی ارواح ساتویں آسمان میں ایک مقام میں ہیں جس کو ''بیضاء'' کہا جاتا ہے۔

اور حضرت مجاہد سے منقول ہے: مومنوں کی ارواح، دفن سے لے کر سات دنوں تک قبور پر رہتی ہیں۔ ان ایام میں وہ میت سے جدا نہیں ہوتی ہیں اور اس مدت کے بعد جدا ہوجاتی ہیں۔ قبور پر سلام کا مسنون ہونا اس قول کے منافی نہیں کیونکہ قبور پر سلام کی سنیت ارواح کے ہمیشہ اپنی قبور پر استقرار و قیام پر دلالت نہیں کرتا کیونکہ انبیاء کرام اور شہداء عظام کی قبور مقدس پر بھی سلام پیش کیا جاتا ہے حالانکہ ان کی ارواح اعلیٰ علیین کے مقام میں ہوتی ہیں۔

لیکن اس کے باوجود ارواح کا اپنے ابدان واجسام کے ساتھ ایک سریع اتصال موجود ہوتا ہے جس کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ ابن ابی الدنیا رحمہ اللہ نے حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں:

بَلَغَنِيْ اَنَّ الْاَرْوَاحَ مُرْسَلَةٌ تَذْهَبُ حَيْثُ شَاءَتْ.

(احوال القبور، فصل ما یمنع من دخول...... الخ ج:1،ص:116،مطبوعہ:دارالغد الجدید، مصر)

ترجمہ: میرے تک یہ ارشاد پہنچا ہے کہ مومنوں کی ارواح آزاد ہوتی ہیں جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی اسی کی مثل منقول ہے اور حدیث پاک میں ہے:

مَا مِنْ اَحَدٍ يَمُرُّ بِقَبْرِ اَخِيْهِ الْمُؤْمِنِ كَانَ يَعْرِفُهُ فِي الدُّنْيَا فَيُسَلِّمُ عَلَيْهِ اِلَّا عَرَفَهُ وَرَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ.

(التذکرۃ باحوال الموتی وامور الآخرۃ، باب ماجاء ان المیت یسمع......الخ، ج:1 ص:410، مطبوعہ: مکتبہ دار المنہاج، الریاض)

ترجمہ: جو کوئی اپنے کسی مومن بھائی کی قبر سے گزرتا ہے جو اسے دنیا میں جانتا تھا اور اس پر سلام کرتا ہے تو وہ اسے پہچانتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔

اور حدیث "الجریدتین" (دو تر شاخیں رقبر پر رکھنے والے واقعہ کی حدیث) روح کے قبر پر موجود ہونے پر دلالت نہیں کرتی۔ یہ بھی گذشتہ حدیث کی نظیر ہے۔ یہ جس چیز پر دلالت کررہی ہے وہ یہ ہے کہ اس کی حقیقت نفسانیت روح کے ساتھ متصل ہے۔ اور ایک قول کے مطابق ارواح ہمیشہ اپنی قبور کی زیارت کرتی رہتی ہیں۔ اسی لئے جمعہ کے دن اور رات اور ہفتہ کے دن صبح کے وقت قبور کی زیارت مسنون قرار دی گئی ہے۔

اور ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے اس قول کو راجح قرار دیا ہے کہ غیر شہداء کی ارواح اپنی قبور کے میدانوں میں ہوتی ہیں اور جہاں چاہتی ہیں سیر کرتی ہیں۔ اور ایک جماعت کا قول ہے کہ ارواح زمین کے ایک خاص مقام پر جمع ہوتی ہیں جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

اَرْوَاحُ الْمُؤْمِنِيْنَ تُجْتَمَعُ بِالْجَابِيَةِ وَ اَمَّا اَرْوَاحُ الْكُفَّارِ فَتُجْتَمَعُ بِسَبْخَةِ حَضْرَمُوْتَ يُقَالُ لَهَا بَرَهُوْتَ.

(تسلیۃ اہل المصائب، الباب السادس والعشرون، ج:1 ص:211، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت)

ترجمہ: مومنوں کی روحیں مقام "جابیہ" میں جمع کی جاتی ہیں اور کفار کی ارواح کو "حضر موت" کی زمین شور میں جمع کیا جاتا ہے جسے "برہوت" کہا جاتا ہے۔

اسی لئے حدیث پاک میں اس کے بارے میں وارد ہے:

اَبْغَضُ بُقْعَةٍ فِي الْاَرْضِ وَادٍ بِحَضْرَمُوْتَ يُقَالُ لَهَا بَرَهُوْتَ فِيْهِ اَرْوَاحُ الْكُفَّارِ.

(احوال القبور، فصل: مایمنع من دخول......الخ ج:1 ص:119، مطبوعہ: دار الغد الجدید، مصر)

ترجمہ: زمین کا سب سے زیادہ ناپسندیدہ خطہ "حضر موت" کے مقام میں واقع ایک وادی ہے جسے "برہوت" کہا جاتا ہے جس میں کفار کی ارواح ہیں۔

اس وادی میں پانی کا ایک کنواں موجود ہے دن کے وقت اس کا پانی اتنا سیاہ نظر آتا ہے گویا کہ پیپ ہے اور رات

کے وقت حشرات الارض اس میں جمع ہوتے ہیں۔

حضرت سفیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے حضرموت کے رہنے والے لوگوں سے اس وادی کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ رات کے وقت کوئی بھی انسان وہاں ٹھہرنے کی سکت نہیں کرتا۔ واللہ سبحانہٗ اعلم

مرنے کے بعد زندہ ہونے کے بارے شرعی حکم؟

سوال...... ایک شخص کی موت واقع ہوگئی اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اسے دوبارہ زندہ فرمادیا تو اس کے ترکہ اور اس کی بیویوں کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

جواب...... اگر وہ مَر جائے اور اس کے بعد دوبارہ اس کو زندگی مل جائے تو اس کی دو صورتیں ہیں۔

(1) ایک تو یہ ہے، کہ اگر اس کی موت کا یقین خبر معصوم یعنی نبی کی خبر سے حاصل ہوجائے تو اس کی حیات کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس قسم کی حیات خلافِ عادت ہوا کرتی ہے اور جو اس طرح خلافِ عادت واقع ہو وہ حکم کا مدار نہیں ہوا کرتی ہے۔ علاوہ ازیں اس طرح جو زندہ ہوتا ہے وہ غالباً زیادہ دیر زندہ نہیں رہتا۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر زندہ ہونے والوں کے بارے میں واقع ہے کہ وہ زیادہ دیر زندہ نہیں رہے۔ پس جب یہ ثابت ہوا کہ اس طرح زندہ ہونے والے کی حیات کا کوئی اثر نہیں ہوتا تو اس کی بیواؤں کے ساتھ نکاح کیا جائے گا اور اس کا مال اس کے وارثوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ اگرچہ اس میں حیات ثابت ہوچکی ہے۔ کیونکہ شارع علیہ السلام نے موت کو اموال اور زوجات کے حلال ہونے کا سبب قرار دیا ہے۔ پس جہاں کہیں بھی یہ سبب پایا جائے گا مسبب بھی پایا جائے گا۔ اور موت کے بعد کی حیات کو شارع علیہ السلام نے اس حل کے لوٹنے کا سبب قرار نہیں دیا۔ پس ہمارے لئے یہ جائز نہیں کہ ہم اس کو حکم کا مدار بنائیں۔ کیونکہ یہ تو ایسی چیز کو شریعت قرار دینا ہے جو نہ خود وارد ہے اور نہ ہی اس کی کوئی نظیر ومثال وارد ہے بلکہ ایسی چیز بھی وارد نہیں جو اس کے قریب ہو۔ اور اس طرح کی چیز کو شریعت قرار دینا بغیر کسی شک وشبہ کے ممتنع ہے۔

اگر تم یہ کہو کہ یہ بات اللہ تعالیٰ کے ارشاد:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ هُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ. (سورۃ البقرۃ، آیت: ۲۴۳)

ترجمہ: اے محبوب! کیا تم نے نہ دیکھا تھا انہیں جو اپنے گھروں سے نکلے اور وہ ہزاروں تھے موت کے ڈر سے تو اللہ نے ان سے فرمایا مَر جاؤ پھر انہیں زندہ فرمادیا۔ (کنز الایمان)

مذکورہ آیت کے واقعہ میں مفسرین نے جو بیان کیا ہے اس کے بعض حصہ کے مخالف ہے۔

تو میں کہتا ہوں کہ مفسرین نے اس واقعہ یا اس کے مثل دیگر واقعات میں جو کچھ بیان کیا ہے اس کے اکثر حصہ کے بارے میں نبی کریم ﷺ سے کوئی صحیح حدیث ثابت نہیں۔ مفسرین نے اس بارے میں اسرائیلی اخبار پر اعتماد کیا ہے اور اسرائیلی اخبار اختلاف ونزاع کی صورت میں حجت نہیں بن سکتی ہیں اور اگر مفسرین نے جو کچھ بیان کیا ہے اسے تسلیم بھی کیا جائے تو تب بھی وہ لوگ ہماری شریعت سے پہلی شریعت کے زمانے میں تھے لہذا ان کے واقعہ کا اعتبار نہ کیا جائے گا کیونکہ سابقہ شریعتوں کے بارے میں صحیح مذہب یہ ہے کہ وہ ہمارے لئے شریعت نہیں۔ اگر چہ ہماری شریعت کی کوئی چیز سابقہ شریعتوں کے موافق ہے تو تب بھی سابقہ شریعتیں ہمارے لئے شریعت نہیں تو مذکورہ واقعہ ہمارے لئے کیسے شریعت بن جائے گا۔؟

جب کہ ہماری شریعت میں قواعد کی رُو سے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ یقینی موت کے بعد حیات کا کوئی اعتبار نہیں۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ اگر اس کی موت یقینی نہیں تو یہ حکم کریں گے کہ اس پر غشی وغیرہ طاری ہوگئی تھی اور اب ہوش میں آ چکا ہے۔ لہذا اس کی بیویاں اس کے نکاح میں باقی تھیں اور اس کے اموال اس کی ملکیت میں ہی تھے۔

اس مسئلہ میں یہ تفصیل بڑی واضح ہے اگر چہ میں اس کی اس سے پہلے تصریح کرنے والے کسی کو نہیں جانتا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب

کیا مومنین ہمیشہ جنت میں اور کافر ہمیشہ جہنم میں ہوں گے۔؟

سوال نمبر 1...... کیا اہل ایمان کا جنت میں خلود اسی جسمانی ترکیب کے ساتھ ہوگا یعنی اسی گوشت، پوست اور انہیں ہڈیوں وغیرہ کے ساتھ ہوگا اور کافروں کا جہنم میں خلود ان کی اسی دنیاوی صورتوں اور شکلوں کے ساتھ ہوگا؟

جوابات

جواب نمبر 1...... احادیث اس بات پر دلالت کر رہی ہیں کہ مومنوں کا جنت میں اور کافروں کا جہنم میں خلود ان کی ان دنیاوی صورتوں کے ساتھ ہوگا جو ہڈیوں اور گوشت وغیرہ پر مشتمل ہے۔

صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّكُمْ تُحْشَرُوْنَ اِلَى اللّٰهِ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلاً.

(شعب الایمان للبیہقی فصل فی کیفیۃ انتہاء الحیاء، ج:1 ص:548 مطبوعہ: مکتبۃ الرشد، الریاض)

ترجمہ: اے لوگو! بے شک تمہیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ننگے پاؤں، ننگے جسموں، غیر مختون حالت میں جمع کیا جائے گا۔

آئمہ کرام فرماتے ہیں: آپ ﷺ کے ارشاد "غـــــــرلا" (غیر مختون حالت میں اٹھائے جائے گے) اس

کا مطلب یہ ہے کہ انسان کی جلد کا وہ حصہ جو بوقت ختنہ کاٹ دیا گیا تھا اسے واپس اس کے جسم کے ساتھ جوڑ دیا جائے گا اس طرح انسان کی زندگی میں اس کے جسم سے جو اجزاء جدا ہو چکے ہوں گے مثلاً بال، ناخن وغیرہ توان اجزاء کو بھی انسانی جسم میں واپس لوٹا دیا جائے گا تاکہ وہ اجزاء بھی ثواب کی لذت ولطف اٹھا سکیں اور عذاب کا درد والم چکھ سکیں۔اس بات پر خوب غور کریں۔

یہ تمام اجزاء مومن انسان کے ساتھ جنت میں اور کافر انسان کے ساتھ جہنم میں ہوں گے تاکہ مومن کے اجزاء جنت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوں اور کافر کے اجزاء جہنم کے عذاب اور سختیاں جیل لیں۔

ابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے جریر رحمہ اللہ کے طریق سے حضرت ابن عباس سے جو حدیث تخریج کی وہ اس پر دلالت کر رہی ہے۔

قَالَ فِی حَقِّ الْکَافِرِ اَلسِلْسِلَۃُ تُدْخَلُ مِن استہ ثُمَّ تُخْرَجُ مِنْ فِیْہِ ثُمَّ یُنظَمُوْنَ فِیْھَا کَمَا یُنظَمُ الْجَرَادُ فِی الْعُوْدِ ثُمَّ یُشْوٰی.

(التخویف من النار والتعریف بحال دار البوار الباب الخامس، فی ذکر......الخ ج:1 ص:127، مطبوعہ:مکتبۃ المؤید، دمشق)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کافر کے بارے میں فرمایا کہ زنجیر اس کی سرین سے داخل کی جائے گی پھر وہ اس کے منہ سے لگائی دی جائے گی پھر ان کافروں کو اس زنجیر میں اس طرح پرو دیا جائے گا جس طرح ٹڈی کو کٹی ہوئی ٹہنی میں پرو دیا جاتا ہے اور پھر دہن کو بھونا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: "**فَیُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِیْ وَ الْاَقْدَامِ**" کے بارے میں امام بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے تخریج کیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

یُجْمَعُ بَیْنَ رَأْسِہٖ وَ رِجْلَیْہِ ثُمَّ یقصف کَمَا یقصف الْعُوْدُ الْحَطَبُ.

(الترغیب والترہیب، فصل فی تفاوتہم فی العذاب......الخ رقم الحدیث: 5611، ج:4 ص:268، مطبوعہ: دار الکتب العلمیۃ بیروت)

ترجمہ: کافر کے سر اور پاؤں کو آپس میں ملا دیا جائے گا پھر اس کو اس طرح توڑا جائے گا جس طرح ایندھن والی ٹہنی کو توڑا جاتا ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے ابوصالح رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

اِذَا اُلْقِیَ الرَّجُلُ فِی النَّارِ لَمْ یَکُنْ لَھَآ مُنْتَھٰی حَتّٰی یَبْلُغَ قَعْرَھَا ثُمَّ تَجِیْشُ بِہٖ جَھَنَّمُ فَتَرْفَعُہُ اِلٰی اَعْلٰی جَھَنَّمَ قَالَ: وَ مَا عَلٰی عِظَامِہٖ مِزْعَۃُ لَحْمٍ فَتَضْرِبُہُ الْمَلَآئِکَۃُ بِالْمَقَامِعِ فَیَھْوِیْ فِیْ قَعْرِھَا فَلَا یَزَالُ کَذٰلِکَ.

(البعث والنشور للبیہقی، باب ماجاء فی ثیاب اہل النار، رقم الحدیث: 536، ج:1 ص:298، مطبوعہ: مرکز الخدمات والابحاث الثقافیۃ، بیروت)

ترجمہ: جب کوئی شخص جہنم میں پھینکا جائے گا تو اس کے رکنے کی کوئی انتہاء نہ ہوگی حتیٰ کہ وہ جہنم کی گہرائی تک پہنچ جائے گا۔ پھر جہنم اس کی وجہ سے ابلنے لگے گی اور اسے جہنم کے بالائی حصہ کی طرف لے آئے گی۔ اور اس کی ہڈیوں میں گوشت کا ذرہ بھی باقی نہیں رہے گا۔ پس فرشتے اُسے گرزوں کے ساتھ ماریں گے تو وہ پھر دوزخ کی گہرائی میں جا گرے گا۔ پس ہمیشہ اس کے ساتھ یہ معاملہ ہوتا رہے گا۔

شیخین رحمہما اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ مرفوع حدیث تخریج کی ہے کہ:

مَا بَيْنَ مَنْكِبِي الْكَافِرِ مَسِيرَةُ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ لِلرَّاكِبِ الْمُسْرِعِ.

(البعث والنشور للبیہقی، باب قول اللہ ان الذین ...... الخ رقم الحدیث: 563، ج: 1 ص: 313 مطبوعہ ایضا)

ترجمہ: کافر کے دونوں شانوں کے درمیان تیز رفتار سوار کے تین دنوں کی مسافت ہوگی۔

اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے پانچ دنوں کا لفظ روایت کیا ہے۔ امام مسلم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ضِرْسُ الْكَافِرِ مِثْلُ اُحُدٍ وَ غِلَظُ جِلْدِهٖ مَسِيرَةُ ثَلَاثٍ.

(شعب الایمان للبیہقی فصل ما یحق معرفتہ فی ...... الخ رقم الحدیث: 388، ج: 1 ص: 603 مطبوعہ: ایضا)

ترجمہ: کافر کی داڑھ اُحد پہاڑ کی مانند ہوگی اور اس کی جلد کی موٹائی کی مقدار تین دن کی مسافت ہوگی۔

امام ترمذی اور امام بیہقی رحمہما اللہ نے تخریج کیا ہے:

اِنَّ مَجْلِسَهٗ مِنْ جَهَنَّمَ مَا بَيْنَ مَكَّةَ وَ الْمَدِيْنَةِ.

(التخویف من النار والتعریف بحال دار البوار، ج: 1 ص: 168 مطبوعہ: ایضا)

ترجمہ: دوزخ میں کافر کے بیٹھنے کی جگہ کی مقدار اتنی ہوگی جتنی مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان کا فاصلہ ہے۔

امام احمد، امام طبرانی، امام بیہقی رحمہم اللہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

يُعظَمُ اَهْلُ النَّارِ فِي النَّارِ حَتّٰى اِنَّ بَيْنَ شَحْمَةِ اُذُنِ اَحَدِهِمْ اِلٰى عَاتِقِهٖ مَسِيرَةَ سَبْعَةِ عَامٍ وَ اِنَّ غِلَظَ جِلْدِهٖ سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا وَ اِنَّ ضِرْسَهٗ مِثْلُ اُحُدٍ.

(الترغیب والترہیب، فصل فی عظم اہل النار ...... الخ، رقم الحدیث: 5597، ج: 4 ص: 263 مطبوعہ: دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

ترجمہ: جہنمیوں کے جسم جہنم میں بڑھ جائیں گے حتی کہ اس کے کان کی لوح سے گردن تک کا فاصلہ سات سال کی مسافت ہوگا۔ اور اس کی جلد کی موٹائی ستر گز ہوگی اور اس کا دانت اُحد کی مثل ہوگا۔

ترمذی وغیرہ آئمہ رحمہم اللہ کے نزدیک ایک روایت یہ بھی ہے:

اِنَّ الْکَافِرَ لَیَسْحَبُ لِسَانَہُ الْفَرْسَخَ وَالْفَرْسَخَیْنِ فَیَطُوْہُ النَّاسُ.

(الترغیب والترہیب، فصل فی عظم اہل النار.....الخ، رقم الحدیث: 5595، ج: 4 ص: 363، مطبوعہ: ایضا)

ترجمہ: قیامت کے دن دوزخی کی زبان کو ایک اور دو فرسخ کی مقدار تک کھینچ کر لمبا کر دیا جائے گا جس کو لوگ روندتے ہوئے چلیں گے۔

امام طبرانی اور امام ابو نعیم رحمہما اللہ نے مرفوعاً روایت کیا ہے:

اِنَّ جَھَنَّمَ لَمَّا سَبَقَ اِلَیْھَا اَھْلُھَا تلقتھم بعنت فَلَفَحَتْھُمْ لَفْحَۃً فَمَا اَبْقَتْ لَحْمًا عَلٰی عَظْمٍ اِلَّا اَلْقَتْہُ عَلَی الْعَرْقُوْبِ .

(البعث والنشور للبیہقی، باب ماجاء فی شدۃ.....الخ، رقم الحدیث: 510، ج: 1 ص: 289، مطبوعہ: مرکز الخدمات والابحاث الثقافیہ، بیروت)

ترجمہ: جب دوزخی دوزخ کی طرف جائیں گے تو دوزخ ان کے ساتھ سختی کے ساتھ پیش آئے گی۔ پس انہیں اس طرح جھلسا دے گی کہ کسی ہڈی پر کوئی گوشت باقی نہ چھوڑے مگر اسے ایڑی کے اوپر والے پٹھے پر ڈال دے گی۔ (یعنی سارا گوشت جھلس کر ایڑی کے پٹھے میں آ کر جمع ہو جائے گا۔)

جنتیوں کا قد؟

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ اور حضرت امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے تخریج کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فَکُلُّ مَنْ یَّدْخُلُ الْجَنَّۃَ عَلٰی صُوْرَۃِ آدَمَ وَ طُوْلُہُ سِتُّوْنَ ذِرَاعًا.

(صحیح مسلم، باب یدخل الجنۃ اقوام.....الخ، رقم الحدیث: 2831، ج: 4 ص: 2183، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت)

ترجمہ: جنت میں داخل ہونے والے ہر آدمی کی شکل وصورت حضرت آدم علیہ السلام کی صورت کے مطابق ہوگی اور اس کی لمبائی ستر گز ہوگی۔

امام طبرانی رحمہ اللہ اور امام ابن ابی الدنیا رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سند حسن کے ساتھ تخریج کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يَدْخُلُ اَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ جُرْدًا مُرْدًا بِيْضًا مُكَحَّلِيْنَ اَبْنَاءَ ثَلَاثٍ وَّ ثَلَاثِيْنَ وَ هُمْ عَلٰى خَلْقِ آدَمَ طُوْلُهُ سِتُّوْنَ ذِرَاعًا فِيْ عَرْضِ سَبْعَةِ اَذْرُعٍ۔

(الترغیب والترہیب، فصل فی صفۃ دخول ......الخ، رقم الحدیث: 5628، ج:4 ص:274، مطبوعہ: ایضا)

ترجمہ: جنتی لوگ جنت میں سفید رنگ، بغیر داڑھیوں کے سرگیں آنکھوں اور تینتیس سال عمر کی حالت میں داخل ہوں گے۔ ان سب کی صورت حضرت آدم علیہ السلام کی صورت کے مطابق ستر گز لمبی اور سات گز چوڑی قد و قامت والی ہوگی۔

امام ترمذی وغیرہ آئمہ رحمہ اللہم کے نزدیک ایک روایت میں ہے:

مَنْ مَّاتَ مِنْ اَهْلِ الدُّنْيَا مِنْ صَغِيْرٍ اَوْ كَبِيْرٍ يُرَدُّوْنَ بَنِيْ ثَلَاثٍ وَّ ثَلَاثِيْنَ سَنَةً فِي الْجَنَّةِ وَلَا يَزِيْدُوْنَ عَلَيْهَا اَبَدًا وَكَذٰلِكَ اَهْلُ النَّارِ۔

(النہایۃ، ذکر بعض ماورد فی سن ......الخ، ج:2 ص:132، مطبوعہ: دار الجیل، بیروت)

(سنن ترمذی، باب ماجاء مالادنی اہل ......الخ، رقم الحدیث: 2562، ج:4 ص:286، مطبوعہ: دار الغرب الاسلامی، بیروت)

ترجمہ: دنیا والوں میں سے جو بھی مرجائے خواہ چھوٹی عمر کا ہو یا بڑی عمر کا ان سب کو جنت میں ۳۳ سال کی عمر کی طرف لوٹایا جائے گا اور ہمیشہ اسی عمر کا رہے گا اس پر کوئی اضافہ نہ کیا جائے گا اور اسی طرح دوزخیوں کی عمر ہوگی۔

امام ابن ابی الدنیا رحمہ اللہ کے ہاں ایک روایت یہ بھی ہے:

يَدْخُلُ اَهْلُ الْجَنَّةِ فِي الْجَنَّةِ عَلٰى طُوْلِ آدَمَ سِتُّوْنَ ذِرَاعًا بِذِرَاعِ الْمَلِكِ وَ عَلٰى حُسْنِ يُوْسُفَ وَ عَلٰى مِيْلَادِ عِيْسٰى ثَلَاثٌ وَّ ثَلَاثِيْنَ وَ عَلٰى لِسَانِ مُحَمَّدٍ جُرْدًا مُرْدًا مُكَحَّلِيْنَ۔

(النہایۃ، ذکر بعض ماورد فی سن اہل الجنۃ ......الخ، ج:2 ص:131، مطبوعہ: دار الجیل، بیروت)

ترجمہ: جنت میں جنتی لوگوں کا قد و قامت حضرت آدم علیہ السلام کے قد و قامت کے برابر فرشتے کے گز کی مقدار ستر گز طویل ہوگا۔ اور ان کا حسن حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن کی مانند ہوگا اور ان کی عمر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر کے برابر ۳۳ سال ہوگی اور اُن کی زبان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان یعنی عربی ہوگی۔ اور بغیر داڑھی اور سرگیں آنکھوں والے ہوں گے۔

تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اہل سنت کا اس بات پر اجماع ہے کہ اجسام جس طرح دنیا میں تھے قیامت میں انہیں اپنے انہی اعیان والوان اور اعراض کے ساتھ لوٹایا جائے گا۔ اور یہ اجماع جنتیوں کی طوالتِ قد بیان کرنے والی

حدیث کے بعض ان طرق کے منافی نہیں جن میں ہے:

یُخْرِجُوْنَ مِنْهَا شَبَابًا اَبْنَاءَ ثَلَاثٍ وَّ ثَلَاثِیْنَ سَنَةً.

(التذکرہ، باب ذکر النفخ الثانی......الخ، ج:1 ص:484، مطبوعہ: مکتبہ دار المنہاج، الریاض)

جنتی لوگوں کو اُن کی قبروں سے ۳۳ سال کی عمر کے نوجوانوں کی حالت میں اٹھایا جائے گا۔

صحیح بلکہ زیادہ درست بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس چیز کا اعادہ فرمائے گا وہ وہی دنیاوی اجسام ہوں گے۔ ان کے علاوہ کوئی چیز نہ ہوگی۔ اور جو اس کے بغیر کسی دوسری چیز کا قائل ہے وہ میرے نزدیک غلطی پر ہے، کیونکہ اس کا یہ قول ظاہر قرآن وحدیث کے مخالف ہے۔ محشر میں انسان کی دونوں آنکھیں اس کے چہرے میں ہی ہوں گیں جس طرح دنیا میں تھیں۔ اور ایک حدیث میں وارد ہے کہ قیامت کے دن آنکھیں سر پر ہوں گیں حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے قیامت کے روز قابل ستر اعضاء کے منکشف ہونے کا سن کر تعجب کا اظہار فرمایا تو حضور ﷺ نے انہیں جواب میں فرمایا:

''اس روز ہر ایک کو اپنی پڑی ہوگی دوسرے کی طرف نگاہ اٹھانے کی فرصت ہی نہ ہوگی''۔

اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آنکھیں چہرے ہی میں ہوں گیں اور میدانِ حشر میں ہر انسان کا قد وقامت وہی ہوگا جس پر اس کی موت واقع ہوئی تھی پھر دخولِ جنت کے وقت سب کے اجسام کی طوالت برابر ہوگی۔ کیونکہ یہ معاملہ عمر کے اعتبار سے ہے اور عمر میں سب برابر ہوں گے۔

البتہ ابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے حضرت خالد بن معدان رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی ہے جس سے مذکورہ اعتراض کی تائید ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں:

اِنَّ سَقْطَ الْمَرْاَةِ یَکُوْنُ فِیْ نَهَرٍ مِّنْ اَنْهَارِ الْجَنَّةِ یَتَقَلَّبُ فِیْهِ حَتّٰی تَقُوْمَ السَّاعَةُ یُبْعَثُ ابْنُ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً.

(فتاوی الرملی، باب فی مسائل شتی، الاطفال والسقط الی یأتون الی الحشر رکبانا کالمتقین، ج:4 ص:233، مطبوعہ: دار اسلامیہ۔)

ترجمہ: عورت سے ساقط ہونے والا حمل جنت کی نہروں میں سے ایک نہر میں ہوگا جو قیام قیامت تک اس میں غوطے لگاتا رہے گا۔ قیامت کے روز اسے چالیس سال کی عمر میں اٹھایا جائے گا۔

چھوٹے بچے اور ساقط ہونے والے حمل کے بارے میں قرآن کریم جس بات پر دلالت کررہا ہے وہ یہ ہے کہ ان دونوں کو اپنی اپنی اصل عمر کے مطابق اٹھایا جائے گا، پس اس کے مطابق وہ دونوں اس سابقہ حدیث یعنی تینتیس سال کی عمر میں اٹھائے جانے پر دلالت کرنے والی حدیث سے مستثنیٰ ہوں گے۔

یہ ساری بحث تو اس صورت میں ہے جب کہ حدیث درجہ صحت کو پہنچتی ہو ورنہ علماء کرام کے کلام کا مقتضی یہ ہوگا

کہ لوگ محشر میں اپنی مختلف دنیاوی ومتفاوت صفات ہی پر ہوں گے حتیٰ کہ ان کی عمریں بھی اسی طرح متفاوت ہوں گیں۔لیکن ان میں تبدیلی اس وقت واقع ہوگی جب وہ جنت میں داخل ہوں گے۔

صحیح میں ہے: يُبْعَثُ كُلُّ عَبْدٍ عَلٰى مَا كَانَ عَلَيْهِ......الخ

(اثبات عذاب القبر للبیہقی، باب تمنی من غفرلہ.....الخ، ج:1ص:127،مطبوعہ:دارالفرقان،عمان)

ترجمہ: ہر بندے کو اسی صورت میں اٹھایا جائے گا جس پر وہ (دنیا میں) تھا۔

صفات جنت بیان کرنے والی وہ صحیح حدیث جس کو میں نے ذکر کیا ہے اس میں ہے:

وَ يُبْعَثُوْنَ بِشَعُوْرِهِمْ ثُمَّ يُدْخَلُوْنَ الْجَنَّةَ جَرْدًا مَرْدًا.

(مفہوما، جواہر من اقوال الرسول، الجزء الرابع، الجنۃ والنار، ج:1ص:1662،مطبوعہ:دارالحرمین،مصر)

ترجمہ: جنتیوں کو ان کے بالوں سمیت اٹھایا جائے گا پھر وہ جنت میں بغیر داڑھی کے داخل ہوں گے جیسا کہ صحیح حدیث میں ثابت ہے۔(انتہیٰ)

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''تمام لوگ جنت میں برابر عمر کے ہوں گے۔البتہ حوریں اہل جنت کی خواہش کے مطابق چھوٹی بڑی مختلف عمروں کی ہوں گیں۔

جنت میں اہل جنت کے چہروں پر داڑھی نہ ہوگی

ابوالشیخ رحمہ اللہ نے ''العظمۃ'' میں اور ابن عساکر رحمہ اللہ نے نبی کریم ﷺ کی حدیث تخریج فرمائی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

لَيْسَ اَحَدٌ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ اِلاَّ اجرد امرد اِلاَّ مُوْسٰى بن عِمْرَانَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَ السَّلاَمُ فَاِنَّ لِحْيَتَهٗ تَبْلُغُ سُرَّتَهٗ فِي الْجَنَّةِ وَغَيْرُ آدَمَ يكنى فِيْهَا بِاَبِيْ مُحَمَّدٍ.

(کشف الخفاء ومزیل الالباس، حرف الہمزۃ مع النون، ج:1ص:266،مطبوعہ:المکتبۃ العصریۃ)

ترجمہ: جنت میں حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام کے سوا ہر شخص بے داڑھی ہوگا۔حضرت موسیٰ کی داڑھی ان کی ناف تک پہنچتی ہوگی اور جنت میں حضرت آدم علیہ السلام کے سوا کوئی ایسا شخص نہ ہوگا جس کی کنیت ابومحمد ہوگی۔

ایک روایت میں ہے:

لَيْسَ اَحَدٌ فِي الْجَنَّةِ لَهٗ لِحْيَةٌ اِلاَّ آدَمَ عَلَيْهِ السَّلاَمُ لَهٗ لِحْيَةٌ سَوْدَاءُ اِلٰى سُرَّتِهٖ.

(کشف الخفاء ومزیل الالباس، حرف الہمزۃ مع النون، ج:1ص:266،مطبوعہ:المکتبۃ العصریۃ)

ترجمہ: جنت میں سوائے آدم علیہ السلام کے کسی کی ریش نہ ہوگی آپ کی سیاہ رنگ کی ریش مبارک ناف تک ہوگی۔

یہ اس لئے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی دنیا میں داڑھی نہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں لوگوں کے چہروں پر داڑھیاں حضرت آدم علیہ السلام کے بعد پیدا فرمائی ہیں۔

سوال نمبر 2......کیا جنت میں اہل جنت جب اپنی بیویوں کے ساتھ جماع کریں گے تو ان پر جس طرح دنیا میں غسل واجب ہے جنت میں بھی غسل واجب ہوگا؟

جواب نمبر 2......

جنت دار تکلیف نہیں۔اس لئے وہاں غسل وغیرہ واجب نہ ہوگا۔برخلاف دنیا کے،لہٰذا اس دار کو اس دار پر قیاس نہیں کیا جائے گا۔

امام طبرانی رحمہ اللہ نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے تخریج کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جنتیوں کے بارے میں فرمایا کہ:

اِنَّ الْبَوْلَ وَ الْجَنَابَةَ عِرْقٌ يَسِيْلُ مِنْ تَحْتِ جَوَانِبِهِمْ اِلٰى اَقْدَامِهِمْ مِسْكٌ.

(الترغیب والترہیب،فصل فی اکل اہل الجنۃ......الخ،رقم الحدیث:5686،ج:4،ص:291،مطبوعہ:دارالکتب العلمیہ،بیروت)

ترجمہ: پیشاب وجنابت ان کے پہلوں کے نیچے سے پاؤں کی جانب پسینے کی صورت میں کستوری کی خوشبو بن کر بہے گا۔

اصفہانی رحمہ اللہ نے بھی حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

لَيْسَ فِى الْجَنَّةِ لَا مَنِيٌّ وَّ لَا مَنِيَّةٌ.

(البعث والنشور للبیہقی،باب ماجاء فی صفۃ حور......الخ،رقم الحدیث:368،ج:1،ص:222،مطبوعہ:ایضا)

ترجمہ: جنت میں نہ مادہ منویہ ہوگا اور نہ موت ہوگی۔

اور امام اصفہانی رحمہ اللہ ہی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے تخریج کیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: کیا ہم جنت میں جماع کریں گے؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا:

نَعَمْ وَ الَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ دحمًا دَحْمًا فَاِذَا قَامَ عَنْهَا رَجَعَتْ مُطَهَّرَةً بِكْرًا.

(النہایۃ،ذکر جماع اہل الجنۃ......الخ،ج:2،ص:342......تقریب التہذیب،ج:1،ص:235)

ترجمہ: ہاں جنت میں نکاح ہوگا جب جنتی مرد جنتی عورت کے ساتھ جماع کر کے الگ ہوگا تو وہ پہلے کی طرح پاک اور کنواری ہی ہوگی۔

اور ابی یعلی، طبرانی اور بیہقی رحمہم اللہ کے ہاں ایک روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے سوال کیا کہ کیا جنتی لوگ نکاح کریں گے؟ تو آپ نے فرمایا:

دَحَامًا دَحَامًا لَا مَنِيٌّ وَ لَا مَنِيَّةَ.

(البعث والنشور للبیہقی، باب ماجاء فی صفۃ حور......الخ رقم الحدیث: 368، ج: 1 ص: 222، مطبوعہ: ایضا)

ترجمہ: جنت میں نکاح ہی ہوگا (لیکن) وہاں نہ منی ہوگی اور نہ موت۔

ترمذی وغیرہ ائمہ رحمہم اللہ کی ایک روایت ہے:

يُعْطَى الْمُؤْمِنُ فِي الْجَنَّةِ قُوَّةَ مِائَةٍ.

(سنن الترمذی، باب ماجاء فی صفۃ جماع اہل الجنۃ، رقم الحدیث: 2536، ج: 4 ص: 677، مطبوعہ: شرکۃ مصطفی البابی الحلبی، مصر)

ترجمہ: مومن مرد کو جنت میں سو مردوں کی قوت عطا کی جائے گی یعنی جماع میں۔

ایک روایت میں ہے:

إِنَّ الرَّجُلَ لَيَصِلُ فِي الْيَوْمِ الْوَاحِدِ إِلَى مِائَةِ عَذْرَاءَ.

(روضۃ المحبین ونزہۃ المشتاقین، الباب التاسع عشر فی ذکر فضیلۃ الجمال ومیل النفوس الیہ علی کل حال، ص: 252، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ بیروت)

(موسوعۃ فقہ القلوب، باب صفۃ الجنۃ، ج: 4 ص: 3569، مطبوعہ: بیت الافکار، مصریہ)

جنت میں) ایک مرد ایک وقت میں سو کنواری عورتوں کے ساتھ جماع کرنے کی قوت رکھے گا۔

عبداللہ بن امام احمد رحمہ اللہ کے ہاں ایک روایت میں ہے:

إِنَّ الْمُؤْمِنَ كُلَّمَا أَرَادَ زَوْجَتَهُ وَجَدَهَا عَذْرَاءَ.

(تخریج احادیث احیاء علوم الدین، کتاب ذکر الموتی وما بعدہ، وقال عبداللہ بن عمر......

رقم الحدیث: 4217، ج: 6 ص: 6778، مطبوعہ: دار العاصمہ للنشر، الریاض، السعودیہ)

ترجمہ: مومن جب بھی اپنی زوجہ کے ساتھ جماع کا ارادہ کرے گا تو وہ اسے کنواری پائے گا۔

کیا جنتیوں کے ہاں اولاد ہوگی؟

امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث تخریج کی ہے جسے حسن قرار دیا ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَلْمُؤْمِنُ إِذَا اشْتَهَى الْوَلَدَ فِي الْجَنَّةِ كَانَ حَمْلُهُ وَضْعُهُ فِي سَاعَةٍ كَمَا يَشْتَهِي فِي سَاعَةٍ.

(صحیح ابن حبان، باب وصف الجنۃ واہلہا، ذکر الاخبار بان المرء من اہل الجنۃ......رقم الحدیث: 7404، ج: 16 ص: 417، مطبوعہ: مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، لبنان)

ترجمہ: مومن اگر جنت میں بچے کی خواہش کرے گا تو اس کی خواہش کے مطابق بچے کا حمل اور اس کی ولادت ایک گھڑی میں ہوگی۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس بارے میں اہل علم کا اختلاف نقل کیا ہے کہ حضرت طاؤس، نخعی اور مجاہد رحمہم اللہ سے منقول ہے کہ:

اِنَّ فِی الْجَنَّةِ جِمَاعًا وَّ لَا وَلَدَ.

(سنن الترمذی، ابواب صفۃ الجنۃ، باب ماجاء ملا دنی، رقم الحدیث: 2563، ج:4 ص:695، مطبوعہ: شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفی البابی الحلبی، مصر)

ترجمہ: جنت میں مجامعت ہوگی مگر اولاد نہ ہوگی۔

اسحاق بن ابراہیم رحمہ اللہ نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا کہ مومن جنت میں بچے کی خواہش کرے تو بچہ ہوگا لیکن اس کی خواہش نہ کرے گا۔

اسی طرح لقیط کی مروی حدیث میں ہے:

اِنَّ اَهْلَ الْجَنَّةِ لَا يَكُوْنُ لَهُمْ وَلَدٌ.

(سنن الترمذی، ابواب صفۃ الجنۃ، باب ماجاء ملا دنی، رقم الحدیث: 2563، ج:4 ص:695، مطبوعہ: شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفی البابی الحلبی، مصر)

ترجمہ: اہل جنت کے ہاں اولاد نہ ہوگی۔ (امام ترمذی کا کلام ختم ہوگیا)

اور علماء کی ایک جماعت نے فرمایا: بلکہ جنت میں جب انسان اولاد کی چاہت کرے گا تو اولاد ہوگی۔

اس قول کو استاذ ابو سہیل صعلوکی رحمہ اللہ نے راجح قرار دیا ہے اور حضرت ابو سعید نے زہد کے بارے میں جو حدیث روایت کی ہے اس کا پہلا حصہ بھی اس مذکورہ قول کی تائید کرتا ہے۔

اس حدیث کا ابتدائی حصہ یہ ہے:

قُلْنَا يَا رَسُوْلُ اِنَّ الْوَلَدَ مَنْ قُرَّةِ الْعَيْنِ وَ تَمَامِ السُّرُوْرِ فَهَلْ يُوْلَدُ لِاَهْلِ الْجَنَّةِ؟ قَالَ اِذَا اشْتَهٰى

(النہایۃ، کتاب صفۃ اہل الجنۃ ...... الخ، باب ما قیل من منع الاطفال ...... الخ ج:2 ص:344، مطبوعہ: دار الجیل، بیروت، لبنان)

ترجمہ: ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! بچہ آنکھ کی ٹھنڈک اور مسرت کی تکمیل ہے۔ پس کیا جنتیوں کے ہاں اولاد ہوگی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا اگر وہ اس کی خواہش کرے تو۔

اسی حدیث کو امام بیہقی رحمہ اللہ نے مرفوعا ان الفاظ کے ساتھ تخریج کیا ہے:

اِنَّ الرَّجُلَ يَشْتَهِى الْوَلَدَ فِى الْجَنَّةِ فَيَكُوْنُ حَمْلُهٗ وَ رِضَاعُهٗ وَ شَبَابُهٗ فِىْ سَاعَةٍ وَّاحِدَةٍ.

(النہایۃ، کتاب صفۃ اہل الجنۃ ...... الخ، باب ما قیل من منع الاطفال ...... الخ ج:2 ص:345، مطبوعہ: دار الجیل، بیروت، لبنان)

ترجمہ: کوئی شخص جنت میں بچے کی چاہت کرے تو بچے کے حمل، رضاعت اور شباب کی مدت ایک ساعت میں مکمل ہوگی۔

سابقہ حدیث کے یہ الفاظ "غَیْرُ اَنْ لَا تَوَالُدَ" (سوائے اس کے جنت میں ولادت کا سلسلہ نہ ہوگا) اس حدیث کے منافی نہیں۔ کیونکہ نفی اصل ولادت کی ہے جو غالباً جماع کا نتیجہ ہوتی ہے جیسا کہ دنیا میں ہوتا ہے۔ اور اس حدیث میں چاہت کے وقت اولاد کے حصول کا اثبات ہے، جیسا کہ کھیتی کی خواہش کے وقت کھیتی حاصل ہوگی حالانکہ جنت میں سارے زمانے میں کھیتی نہ ہوگی۔ اور یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ جنت کے لئے ایسی مخلوق پیدا فرمائے گا جنہیں وہ جنت کی فضاء میں آباد فرمائے گا، پس اس حال میں جنتیوں سے اولاد کے پیدا کرنے میں کوئی امر مانع نہیں۔

سوال نمبر 3...... کیا فرشتے جنت میں لطف اندوز ہوں گے؟ اگر لطف اندوز ہوں گے تو کس چیز سے لطف اندوز ہوں گے؟

جواب نمبر 3......

آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ بعض فرشتے جنت میں (مامور) ہوں گے اور بعض فرشتے دوزخ میں (مامور) ہوں گے اور جو فرشتے دوزخ میں مامور ہوں گے انہیں دوزخ کی آگ کی الناکی کا احساس تک نہ ہوگا۔ بلکہ تمام فرشتے اللہ تعالیٰ کی جانب اپنے اوپر ہونے والی نوازشات وانعامات سے لطف اندوز ہوتے رہیں گے۔

کیا فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی زیارت نصیب ہوگی؟

فرشتوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے والے انعامات میں سے ایک نعمت اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے جس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں۔ اور بعض آئمہ کے کلام میں واقع ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار انسانوں میں سے مومن کے ساتھ خاص ہے اور فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کا دیدار نہ ہوگا۔ ان آئمہ نے اپنے اس قول پر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے دلیل دی ہے۔

لَا تُدْرِکُهُ الْاَبْصَارُ. (سورۃ الانعام: آیت: 103)

آنکھیں اللہ تعالیٰ کا دیدار نہ کر پائیں گیں۔ (کنزالایمان)

یہ آیت "عام مخصوص البعض" ہے جس کی آیت کریمہ اور آحادیث نے مومن کے ساتھ تخصیص کی ہے لہذا وہ فرشتوں کے بارے میں وہ اپنے عموم پر باقی ہے۔

ان آئمہ کا یہ استدلال مردود ہے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے اس کے خلاف تصریح فرمائی ہے۔ چنانچہ انہوں نے "کتاب الرؤیۃ" میں ایک باب یہ قائم کیا ہے:

بَابُ مَا جَآءَ فِی رُؤْیَةِ الْمَلَائِکَةِ رَبَّهُمْ.

باب اُن احادیث کے بارے میں جن میں فرشتوں کا اپنے رب کی زیارت کرنے کا بیان ہے۔

اس باب کے تحت انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ حدیث تخریج کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

خَلَقَ اللّٰهُ الْمَلَائِکَةَ لِعِبَادَتِهٖ اَصْنَافًا وَ اِنَّ مِنْهُمْ مَلَائِکَةٌ قِیَامًا صَافِیْنَ مِنْ یَوْمِ خَلْقِهِمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ وَمَلَائِکَةٌ رُکُوْعًا خُشُوْعًا مِنْ یَوْمِ خَلْقِهِمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ وَ مَلَائِکَةٌ سُجُوْدًا مِنْ یَوْمِ خَلْقِهِمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ فَاِذَا کَانَ یَوْمُ الْقِیَامَةِ تَجَلّٰی لَهُمْ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی وَ نَظَرُوْا اِلٰی وَجْهِهِ الْکَرِیْمِ قَالُوْا سُبْحَانَکَ مَا عَبَدْنَاکَ حَقَّ عِبَادَتِکَ.

(کیف نحب اللہ، خطابہ الودود الذی یخاطب......الخ، باب من انت، ج:1 ص:47، مطبوعہ: مؤسسۃ اقرا، قاہرہ، مصر)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے لئے فرشتوں کی کئی اصناف پیدا کیں ہیں ان میں سے کچھ فرشتے اپنی تخلیق کے دن سے قیامت کے دن تک ہاتھ باندھے قیام کی حالت میں ہیں اور کچھ فرشتے اپنی پیدائش کے دن سے قیامت کے روز تک رکوع وخشوع کی حالت میں ہیں اور کچھ فرشتے اپنی تخلیق کے دن سے قیامت کے دن تک سجدے کی حالت میں ہیں جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے لئے اپنا جلوہ فرمائے گا۔ اوروہ اللہ تعالیٰ کی ذات کریم کی زیارت سے مشرف ہوں گے تو عرض کریں گے۔ اے اللہ! تو پاک ہے ہم تیری عبادت اس طرح نہ کر سکے جس طرح تیری عبادت کرنے کا حق تھا۔

اورامام بیہقی رحمہ اللہ نے ایک دوسری سند کے ساتھ عدی بن ارطاۃ رضی اللہ عنہ سے تخریج کیا ہے انہوں نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے کسی صحابی سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ لِلّٰهِ مَلَائِکَةٌ ترعد فَرَائِصُهُمْ مِنْ مَخَافَتِهٖ مَامِنْهُمْ مَلَکٌ تَقْطُرُ دَمْعَةٌ مِنْ عَیْنِهٖ اِلَّا وَقَعَتْ مَلَکًا یُسَبِّحُ اللّٰهَ وَ مَلَائِکَةٌ سُجُوْدًا لِلّٰهِ مُنْذُ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَمْ یَرْفَعُوْا رُؤُسَهُمْ وَ لَا یَرْفَعُوْنَهَا اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ. وَ صُفُوْفًا لَا یَنْصَرِفُوْنَ عَنْ مُصَافِهِمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ فَاِذَا کَانَ یَوْمُ الْقِیَامَةِ تَجَلّٰی لَهُمْ رَبُّهُمْ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْهِ قَالُوْا سُبْحَانَکَ مَا عَبَدْنَاکَ کَمَا یَنْبَغِیْ لَکَ.

(کیف نحب اللہ، خطابہ الودود الذی یخاطب......الخ، باب من انت، ج:1 ص:47، مطبوعہ: مؤسسۃ اقراء، قاہرہ، مصر)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو اللہ کے خوف سے ہمیشہ کانپتے رہتے ہیں ان میں سے جس کسی کی آنکھ سے آنسو گرتا ہے تو وہ ایک فرشتہ بن جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتا رہتا ہے۔ اور کچھ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدے کی حالت میں ہیں۔ جب سے اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا ہے انہوں نے اپنے سروں کو سجدے سے نہیں اٹھایا اور نہ ہی قیامت کے دن تک اپنے سروں کو اٹھائیں گے۔ اور کچھ فرشتے قطار باندھے ہوئے ہیں اور قیامت کے دن تک وہ اپنی جگہ سے نہیں ہٹیں گے جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ ان کے لئے اپنا جلوہ عطا فرمائے گا۔ پس وہ اللہ تعالیٰ کی زیارت سے مشرف ہوں گے اور عرض کریں گے اے اللہ! تو پاک ہے ہم تیری عبادت اس طرح نہ کر سکے جس طرح تیرے لائق تھی۔

سوال نمبر 4...... کیا منکر و نکیر ہر میت سے سوال کریں گے خواہ بچہ ہے یا بڑا، مسلمان ہے یا غیر مسلم، قبر میں مدفون ہے یا غیر مدفون؟

جواب نمبر 4......

فرشتے ہر میت سے سوالات کریں گے خواہ بچہ ہو یا قبر میں مدفون نہ بھی ہو مثلاً وہ مُردے جو آگ میں جل چکے ہوں یا پانی میں ڈوب چکے ہوں یا درندے ان کے اجسام کو کھا چکے ہوں اسی پر آئمہ کی ایک جماعت نے جزم فرمایا ہے۔

آئمہ کرام نے جو یہ فرمایا ہے کہ فرشتے قبر میں مدفون مُردے سے سوالات کریں گے ان آئمہ نے حدیث پاک کے الفاظ سے تبرک حاصل کرنے کے لئے یہ الفاظ استعمال کئے ہیں۔ (کیونکہ حدیث شریف میں اسی طرح الفاظ وارد ہیں) البتہ بعض حفاظ حدیث اور محققین آئمہ نے فرمایا ہے کہ فرشتوں کا سوال ان مُردوں کے ساتھ خاص ہوگا جو دنیا میں مکلف تھے۔ اسی پر ہمارے شافعیہ آئمہ میں سے کئی آئمہ نے جزم فرمایا ہے۔ اسی لئے انہوں نے قبر پر مُردے کے لئے تلقین مستحب قرار نہیں دی۔ لیکن امام قرطبی وغیرہ علماء رحمہم اللہ نے ان کے ساتھ اس بارے میں اختلاف کرتے ہوئے فرمایا کہ ہر مُردے سے سوالات ہوں گے خواہ وہ مکلف ہو یا غیر مکلف، پس انہوں نے اس بات پر جزم کا اظہار فرمایا ہے کہ چھوٹے بچے سے بھی سوال ہوگا۔ لیکن شہید سے قبر میں سوال نہیں ہوگا جیسا کہ احادیث صحیحہ میں وارد ہے اور ظاہر حدیث کی بناء پر جو شخص جہاد فی سبیل اللہ کی حالت میں وفات پاجائے اس کو بھی شہید کے حکم میں داخل سمجھا گیا ہے۔ چنانچہ امام احمد و امام ابوداؤد رحمہما اللہ کی مروی حدیث میں ہے:

كُلُّ مَيِّتٍ يُخْتَمُ عَلٰى عَمَلِهٖ اِلَّا الَّذِيْ مَاتَ مُرَابِطًا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاِنَّهٗ يَنْمُوْا عَمَلُهٗ

اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ وَ یُؤْمِنُ مِنْ فَتَّانِی الْقَبْرِ.

(المستدرک علی الصحیحین، کتاب الجہاد، باب احادیث ابی ہریرۃ......الخ، رقم الحدیث: 2417، ج:2، ص:156، مطبوعہ: دارالکتب العلمیۃ، بیروت)

ترجمہ: ہر مُردے کا عمل ختم ہوجائے گا مگر وہ شخص جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے مرجائے اس کا عمل قیامت کے دن تک بڑھتا رہے گا اور وہ قبر میں امتحان لینے والے دونوں فرشتوں سے امن میں رہے گا۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے شہید کے ساتھ صرف شہید آخرت اور صدیق کو شامل سمجھا ہے کیونکہ صدیق کا مرتبہ شہید سے بھی اعلیٰ ہے۔ اسی حدیث سے رسول اللہ ﷺ اور دیگر تمام انبیاء کرام کے حق میں فرشتوں کے سوال کے انتفاء کو اخذ کیا جائے گا۔

بعض محققین اور حفاظ حدیث نے بحث کرتے ہوئے فرمایا کہ فرشتے سے سوال نہیں کیا جائے گا کیونکہ سوال ان افراد کے ساتھ مختص ہے جن کا حال قابل امتحان ہوگا۔

ایک حدیث جسے امام ترمذی وامام بیہقی رحمہما اللہ نے حسن قرار دیا ہے اور امام طحاوی رحمہ اللہ نے ضعیف کہا ہے، اس میں ہے:

مَنْ مَاتَ لَیْلَۃَ الْجُمُعَۃِ اَوْ یَوْمَھَا لَا یُسْئَلُ.

(سنن الترمذی بلفظ: مامن مسلم یموت یوم الجمعۃ اولیلۃ الجمعۃ الا وقاہ اللہ فتنۃ القبر، ابواب الجنائز، باب ماجاء فیمن مات یوم الجمعۃ، رقم الحدیث: 1074، ج:3، ص:378، مطبوعہ: شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر)

ترجمہ: جس کو موت جمعہ کی رات یا جمعہ کے دن میں ہوگی اس سے سوال نہیں کیا جائے گا۔

اور اسی کی مثل احادیث اس شخص کے بارے میں وارد ہیں جو ہر رات کو سورہ تَبَارَکَ الَّذِیْ تلاوت کرتا ہے اور بعض احادیث میں سورہ تبارک الذی کے ساتھ سورہ سجدہ کو ملا کر تلاوت کرنے والے کا بیان ہے۔ اور جو شخص اپنے کفر کا سرعام اعلان واظہار کرنے والا ہے اس کے بارے میں حکیم ترمذی رحمہ اللہ نے جزم فرمایا ہے کہ اس سے سوال نہ ہوگا (سوال ایمان وکفر کے درمیان امتیاز اور پرکھ کے لئے ہوگا جو شخص اعلانیہ طور پر کافر ہے تو اس کے کفر کے امتیاز کی ضرورت ہی نہیں) اس باب میں امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے حکیم ترمذی رحمہ اللہ سے اتفاق فرمایا ہے اور اسی کو بعض کبار تابعین نے روایت کیا ہے لیکن علامہ قرطبی رحمہ اللہ اور ابن قیم نے ان سے اختلاف کیا ہے اور ان کا استدلال قرآن کریم کی اس آیت کریمہ سے ہے:

یُثَبِّتُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ. (سورۃ ابراہیم، آیت: ۲۷)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو ثابت رکھتا ہے حق بات پر دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں۔

اور بخاری شریف کی اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے جس میں "وَ اَمَّا الْکَافِرُ وَ الْمُنَافِقُ" کے الفاظ واؤ عاطفہ کے ساتھ وارد ہیں۔ نہ کہ اُن الفاظ سے جن میں اَوْ کے ساتھ روایت ہے کیونکہ "او" شک کے لئے آتا ہے۔ اسی قول کو شیخ الاسلام ابن حجر رحمہ اللہ نے ابن سینا پر راجح قرار دیا ہے احادیث اس پر متفق ہیں اور وہ تمام احادیث اپنے کثیر طرق صحیحہ کے باوجود مرفوع بھی ہیں۔

قبر کا سوال اس امت کے خواص میں سے ہے؟

حکیم ترمذی اور ابن عبدالبر رحمہما اللہ نے اپنے جزم کا اظہار فرمایا ہے کہ قبر کا سوال اس امت کے خواص میں سے ہے۔ کہ مسلم شریف کی حدیث ہے:

اِنَّ هٰذِهِ الْاُمَّةَ تُبْتَلٰی فِیْ قُبُوْرِهَا.

(صحیح مسلم، کتاب صفۃ القیامۃ ...... الخ، باب عرض مقعد المیت ...... الخ، رقم الحدیث: 2867، ج: 4، ص: 2199، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت)

ترجمہ: بے شک اس امت کی اپنی قبور میں آزمائش ہوگی۔

علماء کی ایک جماعت نے اس بارے میں ان دونوں اماموں سے اختلاف کیا ہے۔ اختلاف کرنے والوں سے ایک ابن قیم ہیں وہ فرماتے ہیں:

> ''احادیث میں ایسی کوئی چیز وارد نہیں جو سابقہ امتوں سے قبر میں ہونے والے سوال کی نفی کرتی ہو۔ نبی کریم ﷺ نے صرف اپنی امت کو قبر میں پیش آنے والے امتحان سے آگاہ فرمایا۔ آپ نے سابقہ امتوں سے اس امتحان کی نفی نہیں فرمائی۔''

اور علماء کرام کی ایک جماعت نے اس بارے میں توقف فرمایا، توقف کی یہ توجیہ ہوسکتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے ارشاد میں ''اِنَّ هٰذِهِ الْاُمَّةَ'' کے الفاظ ہیں ان میں تخصیص موجود ہے۔ لہٰذا سوال قبر میں اس اُمت کے علاوہ سابقہ امتوں کے داخل ہونے کے لئے دلیل کی ضرورت ہوگی اور اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ قبروں میں سوال اس اُمت کی خصوصیات میں سے ہے تو پھر یہ اس اُمت کے درجات میں زیادتی اور اس پر قیامت کے دن کی ہولناکیوں میں تخفیف کے لئے ہوگا۔ اس لحاظ سے اس خصوصیت میں اُمت پر سابقہ اُمتوں کے مقابلے زیادہ مہربانی اور عنایت الٰہی ہے۔

کیونکہ لگاتار اور مسلسل پیش آنے والے امتحانات اور آزمائشوں کے مقابلے میں متفرق طور پر پیش آنے والے امتحانات و آزمائشیں آسان اور ہلکی محسوس ہوتی ہیں۔ پس اس اُمت پر موت کے وقت اور قبر میں اور محشر میں متفرق طور پر پیش آنے والے امتحانات اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اس اُمت پر دیگر امتوں کے مقابلے میں زیادہ عنایات و کرم نوازیاں ہیں اور قبر میں ہونے والے سوال کا اس اُمت کے ساتھ اختصاص ان تخفیفات میں سے

ہے جو اس اُمت کے ساتھ خاص ہیں اس پر غور کیجئے۔

فرشتوں کے سوال سے متعلق احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ مومن خواہ فاسق ہی کیوں نہ ہو وہ ان کا جواب اسی طرح دے گا جس طرح عادل مومن دے گا۔لیکن اسے جو خوشخبری دی جائے گی اس میں احتمال ہے کہ وہ اس کے حسب حال ہوگی۔ابن یونس رحمہ اللہ کا قول اس بات کے موافق ہے۔

سوال کرنے والے فرشتے گناہگار انسان پر پیش ہوں گے تو ان کا نام "مُنْكَرٌ" ہوگا۔(کاف کی زبر کے ساتھ) اور مطیع وصالح انسان کے پاس آئیں گے تو ان کا نام "مُبَشِّرٌ وَّبَشِيْرٌ" ہوگا۔(خوشخبری دینے والے)

سوال نمبر 5......کیا مومن سے بھی منکر نکیر ہی سوال کریں گے یا اِن کے علاوہ کوئی اور فرشتے کریں گے۔؟

سوال نمبر 6......کیا منکر کے کاف پر زبر ہے یا زیر۔؟

جواب نمبر 5,6

بعض متاخرین نے فرمایا کہ ناکور اور رومان کے اضافہ پر ہمیں کوئی دلیل نہیں ملی۔

احادیث سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ قبر میں سوال کرنے والے فرشتے تمام انسانوں کے ساتھ اپنے ناموں "منکر ونکیر" کے ساتھ پیش ہوں گے جیسا کہ ترمذی کی حدیث میں ہے جسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے حسن غریب قرار دیا ہے۔منکر بالاتفاق کاف کے زبر کے ساتھ ہے۔

ایک مرسل ضعیف حدیث میں دوسرے دو فرشتوں کا اضافہ بیان فرمایا گیا ہے اور وہ "ناکور ورومان" ہیں۔اس حدیث کی رو سے سوال کرنے والے فرشتوں کی تعداد چار ہوگی اور وہ منکر ونکیر اس صفت سے متصف ہوں گے جس کا ذکر آرہا ہے۔کیونکہ ابن حبان اور ترمذی رحمہ اللہما کی مروی حدیث میں ہے:

يَاْتِيْهِ مَلَكَانِ اَسْوَدَانِ اَزْرَقَانِ.

(سنن ترمذی، ابواب الجنائز، باب ماجاء فی عذاب القبر، رقم الحدیث:1071، ج:3 ص:375، مطبوعہ: مکتبہ مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر)

ترجمہ: میت کے پاس دو سیاہ رنگت اور زرد آنکھوں والے فرشتے آئیں گے۔

امام طبرانی رحمہ اللہ نے ان الفاظ کا اضافہ نقل کیا ہے:

اَعْيُنُهُمَا مِثْلُ قَدْرُ النُّحَاسِ وَ اَنْيَابُهَا مِثْلُ صياصى الْبَقَرِ وَ اَصْوَاتُهُمَا مِثْلُ الرَّعْدِ...الخ

(الترغیب والترہیب، الترغیب فی سوال......الخ، کتاب الجنائز، رقم الحدیث:5398، ج:4 ص:198، مطبوعہ: ایضاً)

ترجمہ: اُن کی آنکھیں تانبے کی ہنڈیوں اور ان کے دانت گائے کے سینگوں اور اُن کی آواز بجلی کی کڑک جیسی ہوگی۔

امام عبدالرزاق رحمہ اللہ نے عمرو بن دینار رضی اللہ عنہ کی سند سے اسی کی مثل روایت کیا ہے اور ان الفاظ کا اضافہ نقل کیا ہے:

يَحْفِرَانِ بِأَنْيَابِهِمَا يَطَأنُ أَشْعَارَهُمَا مَعَهُمَا مِرْزَبَةٌ لَوِ اجْتَمَعَ عَلَيْهَا أَهْلُ مِنًى لَمْ يَحْمِلُوْهَا.

(مصنف عبدالرزاق، کتاب الجنائز، باب فتنۃ القبر، رقم الحدیث: 6838، ج: 3 ص: 582، مطبوعہ: المکتب الاسلامی، بیروت)

ترجمہ: ان کے دانت تیز اور لمبے ہوں گے اپنے مکروہ دانتوں سے قبر کو کھودیں گے (اور ان کے بال اتنے طویل ہوں گے (کہ وہ اپنے بالوں سے روندمیں گے (اور ان کے ساتھ اتنا وزنی ہتھوڑا ہوگا) اگر منیٰ والے مل کر اٹھانا چاہیں تو نہیں اٹھا سکیں گے۔

سوال نمبر 7.....کیا منکر و نکیر ہر میت سے اس کی زبان میں سوال کریں گے خواہ اس کی زبان عربی ہے یا غیر عربی؟

جواب نمبر 7

سابقہ بحث سے معلوم ہوا کہ مومن اور غیر مومن ہر ایک سے منکر و نکیر ہی سوال کریں گے۔ ان کے سوال سے متعلق احادیث کے ظاہر سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ عربی زبان میں سوال کریں گے۔ صور کے بارے میں وارد طویل حدیث کے بعض وہ طرق جو علی بن معبد رضی اللہ عنہ کے ہاں ثابت ہیں ان میں ہے:

تُخْرِجُوْنَ مِنْهَا شَبَابًا كُلُّكُمْ اَبْنَاءُ ثَلَاثٍ وَّ ثَلَاثِيْنَ سَنَةً وَ اللِّسَانُ يَوْمَئِذٍ بِالسُّرْيَانِيَّةِ سِرَاعًا اِلٰى رَبِّهِمْ يُسْئَلُوْنَ.

(التذکرۃ باحوال الموتی، باب ذکر النفخ الثانی.....آلخ، ج: 1 ص: 484، مطبوعہ: دار المنہاج، الریاض)

ترجمہ: قبروں سے تمہیں جوانی کی حالت میں اٹھایا جائے گا تم سب تینتیس (۳۳) سال کے جوان ہوگے اور اس دن زبان سریانی ہوگی۔ تیز رفتاری کے ساتھ اپنے ربّ کے حضور حاضر ہوں گے۔

اس حدیث میں اگر اُس دن سے مراد صور پھونکے جانے کا دن مراد ہو تو پھر اس دن سریانی زبان میں کلام کرنے کا اختصاص سابقہ حدیث کے منافی نہیں۔ اور اگر اُس دن سے مراد اہل محشر کے قبور میں موجود ہونے کا وقت مراد ہے تو پھر یہ حدیث سابقہ حدیث کے منافی ہوگی۔ خلاصہ کلام یہ کہ ظاہر حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ تمام لوگوں سے عربی زبان میں سوال ہوگا۔ اور تمام انسانوں سے عربی زبان میں سوال کیا جانا نظیر ہے اس سابقہ تحقیق کی کہ اہل جنت کی زبان عربی ہے۔ الا یہ کہ اس کے خلاف کوئی بات ثابت ہوجائے اور غیر عربی کا عربی زبان میں گفتگو کرنا کوئی بعید امر نہیں کیونکہ وہ وقت خرقِ عادات کا وقت ہوگا۔ اسی لئے علامہ قرطبی اور امام غزالی رحمہما اللہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے

تخریج کیا ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا:

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا اَوَّلُ يُلْقِي الْمَيِّتُ اِذَا دَخَلَ فِيْ قَبْرِهٖ قَالَ يَا ابْنَ مَسْعُوْدٍ مَا سَأَلَنِيْ عَنْهُ اِلَّا اَنْتَ فَاَوَّلُ مَا يَاْتِيْهِ مَلَكٌ اِسْمُهٗ رُوْمَانُ يَجُوْسُ خِلَالَ الْمَقَابِرِ فَيَقُوْلُ يَا عَبْدَ اللّٰهِ اُكْتُبْ عَمَلَكَ فَيَقُوْلُ مَا مَعِيَ دَوَاةٌ وَ لَا قِرْطَاسٌ فَيَقُوْلُ هَيْهَاتَ كَفَنُكَ قِرْطَاسٌ وَ مِدَادُكَ رِيْقُكَ وَ قَلَمُكَ اِصْبَعُكَ فَيَقْطَعُ لَهٗ قِطْعَةً مِنْ كَفَنِهٖ ثُمَّ يَجْعَلُ الْعَبْدُ يَكْتُبُ وَ اِنْ كَانَ غَيْرُ كَاتِبٍ فِي الدُّنْيَا فَيَذْكُرُ حَسَنَاتِهٖ وَ سَيِّاٰتِهٖ كَيَوْمٍ وَّاحِدٍ. (الحديث بطوله)

(التذکرۃ باحوال الموتی، باب فی سوال الملکین للعبد.....الخ، ج:1 ص:353، مطبوعہ: ایضا)

ترجمہ: یارسول اللہ! مُردہ جب قبر میں داخل کیا جاتا ہے تو سب سے پہلے اس کا سامنا کس سے ہوتا ہے۔؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے ابن سعد! اس بارے میں مجھ سے تیرے سوا کسی نے نہیں پوچھا۔ سب سے پہلے اس کے پاس فرشتہ آتا ہے جس کا نام ''رومان'' ہے جو قبروں میں (نئے آنے والے کو) تلاش کرتا رہتا ہے۔ پس وہ کہتا ہے اے اللہ کے بندے! تو اپنے عمل کو لکھ تو مُردہ کہتا ہے میرے پاس نہ روشنائی ہے اور نہ کاغذ ہے تو وہ فرشتہ کہتا ہے تجھے افسوس ہے تیرا کفن تیرا کاغذ ہے اور تیری روشنائی تیرا لعاب ہے، تیرا قلم تیری انگلی ہے پس وہ فرشتہ مُردے کے کفن سے ایک ٹکڑا کاٹ کر اسے دیتا ہے پھر وہ بندہ لکھنے لگتا ہے اگرچہ وہ دنیا میں لکھنا نہ جانتا ہو پس وہ اپنی نیکیاں اور برائیاں یاد کرتا ہے ایک دن کی طرح۔ (یہ حدیث آگے طویل ہے)

اس تحریر کے بعد مجھے علم ہوا کہ حضرت شیخ الاسلام صالح بلقینی رحمہ اللہ نے فتوی دیا ہے کہ قبر میں ہر مُردے سے سوال سریانی زبان میں ہوگا۔ شاید انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جیسے کہ میں ذکر کر چکا ہوں۔ لیکن تمہیں معلوم ہے کہ اس حدیث میں جو تحقیق میں نے کی ہے اس کے مطابق اس میں اس بات پر کوئی دلالت نہیں پائی جاتی۔

اسی لئے شیخ بلقینی رحمہ اللہ کے شاگرد حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس بارے میں شیخ بلقینی کے سوا کسی دوسرے عالم کی رائے مجھے نہیں ملی۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب

سوال...... کیا حضور ﷺ کے شرف میں اضافہ کی طلب درست ہے؟

فاتحہ، ایصالِ ثواب پڑھنا نبی کریم ﷺ کے شرف میں زیادتی کا سبب ہے۔ تو اہل علم میں سے ایک شخص نے اسے کہا جو بات تو نے کی ہے اس بات کا دوبارہ اعادہ مت کرنا ورنہ تم کافر ہو جاؤ گے۔ تو کیا اس اہل علم کا یہ انکار اور اس قائل پر کفر کا حکم لگانا جائز ہے؟ اگر جائز نہیں تو اس انکار کرنے والے پر کیا چیز لازم

آتی ہے؟

جواب......اس بارے میں منکر کی رائے صائب نہیں اس کا یہ انکار اس کے قلت علم اور سوء فہم کی دلیل ہے بلکہ اللہ تعالیٰ
کے دین میں ایسی قبیح جسارت ہے جو بسا اوقات اس کو اس کے کفر تک پہنچنے کا سبب ہے۔العیاذ باللہ.
اس شخص کا یہ انکار حرام ہے یا کفر ہے البتہ حرام ہونا تو محقق ہے۔اس کے کفر ہونے میں شک ہے کیونکہ کفر
کی شرط محقق نہیں۔شریعت مطہرہ کے حاکم وقاضی پر واجب ہے کہ وہ اس منکر نے شریعت مطہرہ کے خلاف
جتنی بڑی جسارت کا مظاہرہ کیا ہے اور بڑا افتراء باندھا ہے اس کے مطابق اس کی سرزنش اور زجر وتوبیخ کے
لئے تعزیری سزا دینے میں خوب مبالغہ سے کام لے،اس نے ایسی بات کہی ہے جو آج تک اہل شریعت
میں سے کسی نے نہیں کہی بلکہ ہمارے بعض آئمہ نے اس کے خلاف تصریح فرمائی ہے۔بلکہ قرآن وسنت
اس پر دلالت کر رہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے لئے شرف میں زیادتی طلب کرنا مطلوب ومحمود امر ہے
چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا. (سورۃ طٰہ، آیت:114)

اے میرے رب! میرے علم میں اضافہ فرما۔ (کنزالایمان)

اور امام مسلم رحمہ اللہ کی مروی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی دعا میں اللہ تعالیٰ سے یوں درخواست
کیا کرتے تھے:

وَ اجْعَلِ الْحَيَاةَ زِيَادَةً لِّيْ فِيْ كُلِّ خَيْرٍ.

(صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء والتوبۃ والاستغفار، باب التعوذ من شر ما الخ، رقم الحدیث:2720، ج:4، ص:2087 دار احیاء التراث العربی بیروت، لبنان)

ترجمہ: اے اللہ! میری زندگی کو میرے لئے ہر بھلائی میں اضافہ کا سبب بنا۔

فاتحہ وغیرہ کے ایصال ثواب کے ذریعہ آپ کے شرف میں اضافہ طلب کرنا آپ کے علم میں اضافہ اور آپ
کے کمالات عالیہ کے مدارج میں ترقی طلب کرنا ہے۔اگرچہ حقیقت میں آپ کے کمالات اس انتہاء تک
پہنچ چکے ہیں جہاں تک کسی مخلوق کا کوئی کمال نہیں پہنچ سکا ہے۔پس معلوم ہوا کہ مذکورہ آیت کریمہ اور صحیح
حدیث اس بات پر دلالت کر رہی ہیں کہ آپ کا مقام وکمال علم، ثواب اور باقی تمام درجات، مراتب میں
اضافہ اور زیادتی کے قابل ہیں۔باوجود یہ کہ آپ کے کمال کی غایات کی کوئی حدود اور انتہاء نہیں بلکہ آپ
ہمیشہ ان مقامات عالیہ اور درجات رفیعہ میں ایسی ترقی فرماتے ہیں جس پر کوئی بھی مطلع نہیں اور جس کی
حقیقت کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔اور حضور ﷺ کا کمال اپنی جلالت وعظمت کے باوجود مزید
ارتقاء اور اللہ تعالیٰ کے (بے حد) بے پایاں اور بے انتہاء ذاتی فضل وجود اور کرم کے فیض سے استمرار کا محتاج
ہے۔اور یہ بات بھی یقینی ہے کہ زیادتی کی طلب اس مقام میں اس چیز کی ہرگز علامت نہیں کہ یہاں پر کوئی

کی نقل و حسارہ تھا۔ حضور ﷺ یقیناً تمام علوم سے کامل ترین ہیں اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے علم میں زیادتی طلب کرنے کا حکم دیا ہے۔ پس ہم بھی آپ کے لئے اس میں زیادتی طلب کرنے کے لئے مامور ہوں گے۔

حدیث شریف میں کعبہ معظمہ کی زیارت کے وقت جو دعا مندوب ہے اس میں ہمارے لئے یہ حکم وارد ہے کہ ہم ہر اس شخص کے شرف میں زیادتی کی دعا کریں جس نے اس کا حج کیا ہے یا عمرہ کیا ہے۔ وہ دعا ان الفاظ کے ساتھ وارد ہے:

وَ زِدْ مَنْ شَرَّفَهُ وَ عَظَّمَهُ وَ حَجَّهُ وَ اعْتَمَرَهُ تَشْرِيفًا.

(سنن الصغیر للبیہقی، کتاب المناسک باب دخول المکۃ، رقم الحدیث: 1607، ج: 2 ص: 171 مطبوعہ: جامعۃ الدراسات الاسلامیۃ کراتشی، باکستان)

ترجمہ: یا اللہ! اس شخص کے شرف میں اضافہ فرما، یا جس نے کعبہ معظمہ کی تکریم و تعظیم کی اور جس نے اس کا حج و عمرہ کیا ہے۔

حضور ﷺ ان تمام انبیاء کرام کی طرح جنہوں نے بیت اللہ شریف کا حج کیا ہے کعبہ کی تکریم و تعظیم اور اس کے حج و عمرہ کرنے والوں میں داخل ہیں۔ کعبہ معظمہ کا حج و عمرہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام نے فرمایا ہے۔ سوائے چند انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں اختلاف ہے کہ انہوں نے حج و عمرہ کیا ہے یا کہ نہیں؟ لہٰذا تمام انبیاء کرام علیہم السلام اس عموم میں ظنی یا قطعی طور پر داخل ہوں گے کیونکہ عام کی دلالت قطعی یا ظنی ہونے کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے پس اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ اور دیگر مذکورہ انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے شرف و تکریم کی زیادتی طلب کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ اور آپ ﷺ کے لئے شرف و تکریم کی دعا کرنا مندوب و مستحسن امر ہے۔ امام طبرانی رحمہ اللہ کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث بھی اس کی تائید کرتی ہے۔ اگرچہ اس کی سند ابن کثیر کے نزدیک قابل نظر ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حضور ﷺ پر درود بھیجنے کی تعلیم دیتے ہوئے خیر و بھلائی اور عطائے جزیل کی مضاعفات میں آپ ﷺ کے لئے زیادتی طلب کرنے کی تصریح فرمائی ہے جو کچھ میں نے اس مسئلہ کی وضاحت میں ذکر کیا ہے میں نے سابقین علماء کرام سے کسی کو اس میں ان میں سے کسی دلیل سے استدلال کرنے والا نہیں پایا۔

شیخ الاسلام بلقینی رحمہ اللہ اور شیخ الاسلام حافظ ابن حجر رحمہ اللہ پر ردّ

اس مسئلہ میں جو دلائل میں نے ذکر کیے ان سے شیخ الاسلام صالح البلقینی رحمہ اللہ کے اس قول کا ردّ بھی واضح ہو گیا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں: بغیر کسی دلیل کے اس کا اقدام نہ کیا جائے۔ ان سے بڑے ادب کے ساتھ عرض کیا جائے گا کہ قرآن و سنت سے بڑھ کر کون سی دلیل ہے؟ جو کچھ میں نے ذکر کیا ہے اس سے نبی اکرم ﷺ کے

لئے ان کے شرف میں زیادتی طلب کرنے پر قرآن وسنت کی دلالت ورہنمائی واضح ہو چکی ہے کیونکہ اہل لغت کے قول کے مطابق شرف سے مراد علو ہے۔اور یہاں پر شرف سے مقام ومرتبہ کا علو مراد ہے۔اور مقام ومرتبہ کا علو، علم ،خیر اور تمام درجات ومراتب میں زیادتی کے سبب ہوتا ہے۔اور علم وخیر میں سے ہر ایک میں رسول اللہ ﷺ کے لئے زیادتی طلب کرنے کا ہمیں اس طریقہ کے ساتھ جس کا ہم ذکر کر چکے ہیں حکم دیا گیا ہے۔لہٰذا ہم آپ ﷺ کے زیادتی شرف طلب کرنے کے لئے بھی مامور ہوں گے۔

ہمارے ان مذکورہ دلائل سے شیخ الاسلام حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے اس قول کا بھی ردّ واضح ہو گیا جس میں انہوں نے فرمایا ہے کہ زیادتی شرف کی دعا رجل عصر کا اختراع وایجاد ہے اگر ان کے سامنے امام نووی رحمہ اللہ کا قول مستحضر ہوتا تو وہ ایسا نہ فرماتے بلکہ امام نووی رحمہ اللہ سے بھی قبل حضرت امام مجتہد ابو عبداللہ حلیمی رحمہ اللہ جو ہمارے اصحاب شافعیہ کے اکابر اور متقدمین میں سے ہیں اور بیہقی رحمہ اللہ جیسے امام آپ کے اصحاب میں سے ہیں۔وہ آپ ﷺ کے شرف میں زیادتی طلب کرنے کے جواز پر تصریح فرما چکے ہیں اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا یہ فرمانا کہ اس کی قرآن وسنت میں کوئی اصل نہیں ،کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ بلکہ قرآن وسنت دونوں میں اس کی اصل موجود ہے جیسا کہ ثابت ہو چکا ہے۔پتہ یہ چلتا ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یہ بات اس وقت فرمائی ہے جب انہیں اس کی اصل پر اطلاع نہیں تھی۔اور بعد میں وہ اس کی دلیل پر مطلع ہو چکے، چنانچہ ان کی آئندہ آنے والی عبارت تصریح کر رہی ہے۔

اور یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ ان دونوں آئمہ نے اس کے جواز میں اختلاف نہیں فرمایا۔ان کا اختلاف صرف اس بات میں ہے کہ کیا اس کی طلب پر کوئی دلیل وارد ہے یا کہ نہیں؟ اگر وارد ہے تو عمل کیا جائے اور وارد نہیں تو اس کا کرنا مناسب نہ ہوگا۔اور سابقہ بحث سے معلوم ہو چکا ہے اس بارے میں دلیل وارد ہے۔لہٰذا (اس پر عمل کروانا چاہیے)

اسی لئے حضرت امام نووی رحمہ اللہ جو سنت کے زیور سے اس درجہ آراستہ تھے کہ ان کے بعد آنے والا کوئی محدث اس میں آپ کے برابر نہیں جیسا کہ بعض حفاظ حدیث نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔انہوں نے اپنی کتابوں "الروضیۃ اور المنہاج" کہ جن پر شافعی مذہب کا مدار ہے ان دونوں کے خطبوں میں رسول اللہ ﷺ کے لئے شرف میں طلب زیادتی کی دعا کی ہے۔چنانچہ ان دونوں میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان الفاظ کے ساتھ درخواست کرتے ہیں:

زَادَهُ فَضْلاً وَّ شَرَفًا لَّدَيْهِ. اور اللہ تعالیٰ اپنے ہاں رسول اللہ ﷺ کے فضل وشرف میں اضافہ فرمائے۔

یہ عبارت تقریباً تین صدیوں تک (مصنف کے زمانے تک) علماء کرام کے ہاتھوں میں متداول رہی ہے۔ ہمارے علم میں کوئی ایسا عالم نہیں جس نے ان کی کتاب "الروضیۃ یا المنہاج" میں کوئی کلام کیا ہو یا ان کی مذکورہ

عبارت پر کسی طرح کا کوئی اعتراض کیا ہو۔شاید ان دونوں اماموں (بلقینی وحافظ ابن حجر) سے امام نووی رحمہ اللہ کی اس مذکورہ عبارت سے غفلت ہوئی ہے دوسرے یعنی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ سے غفلت کی دلیل تو ان کا وہ قول ہے جس میں انہوں نے فرمایا ہے کہ یہ دُعا اہل عصر کی اختراع ہے اگر امام نووی رحمہ اللہ کا قول ان کے سامنے مستحضر ہوتا تو وہ ایسا نہ کہتے ۔بلکہ امام نووی رحمہ اللہ سے بھی پہلے اور امام عبداللہ مجتہد الحلبی رحمہ اللہ جو ہمارے اصحاب شافعیہ کے اکابر اور حقدمین میں سے ہیں اور امام بیہقی رحمہ اللہ ان کے شاگرد ہیں انہوں نے بھی اس کی مثل دُعا کی ہے۔میں نے ان دونوں بزرگوں کی عبارت اپنے ایک دفتر میں نقل کی ہیں جو اس سے زیادہ تفصیلی ہے۔

پہلے امام یعنی امام نووی رحمہ اللہ نے اس کی تصریح کرتے ہوئے فرمایا:

"حضور ﷺ کے اجروثواب میں کثرت اور اولین وآخرین کے سامنے آپ کا فضل کا اظہار اور تمام مقربین پر آپ کی تفضیل ،مقام محمود کے ذریعہ ہوگی ۔اگرچہ اللہ تعالیٰ یہ امور آپ کو عطا فرما چکا ہے۔ کیونکہ ہر چیز کے کئی مراتب ودرجات ہوتے ہیں ۔پس جائز ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی امت میں سے کوئی آپ پر درود بھیجے اور اس کی دعا قبول ہوجائے تو اس دعا کی وجہ سے ان تمام اشیاء میں جنہیں ہم نے درجہ اور رتبہ کا نام دیا ہے ان میں نبی کریم ﷺ کے لئے زیادتی اور اضافہ ہوجائے ۔ امام نووی رحمہ اللہ کی مذکورہ عبارت میں اس بات کی تصریح ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے شرف میں اضافہ طلب کرنا آپ پر درود بھیجنے میں داخل ہوتا ہے اور ہمیں آپ پر درود بھیجنے کا حکم دیا گیا ہے۔

لہٰذا درود جس امر پر مشتمل ومتضمن ہے اس کے ہم مامور ہوئے ۔جیسا کہ اس کی امام نووی رحمہ اللہ نے تصریح فرمائی ہے اور تمہارے لئے اتنا ہی کافی ہے ۔اور دوسری امام یعنی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی تصریح "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ" کا معنی بیان کرتے ہوئے فرمائی ہے وہ فرماتے ہیں:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ سَلَّمَكَ اللّٰهُ وَ اَعْزَامَ وَ النَّقَائِصَ .فَاِذَا قُلْتَ اَللّٰهُمَّ سَلِّمْ عَلٰى مُحَمَّدٍ اِنَّمَا تُرِيْدُ اَللّٰهُمَّ اُكْتُبْ فِى دَعْوَتِهٖ وَ اُمَّتِهِ السَّلَامَ مِنْ كُلِّ نَقْصٍ وَ زِدْ دَعْوَتَهٗ عَلٰى مَمَرِّ الْاَيَّامِ عُلُوًّا وَ اُمَّتَهٗ تَكَاثُرًا وَ ذِكْرَهٗ اِرْتِفَاعًا .انتهى المقصود منه .

(فضل الصلوۃ علی النبی، باب معنی التسلیم ......الخ، ج:1 ص:15، مطبوعہ: دارابن الخزیمۃ)

ترجمہ:اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ کا معنی ہے اے نبی! اللہ تعالیٰ آپ کو مذموم نقائص سے سلامتی عطا فرمائے تم جب اَللّٰهُمَّ سَلِّمْ عَلٰى مُحَمَّدٍ کہتے ہو تو تمہاری یہ مراد ہوتی ہے ۔اے اللہ ! نبی اکرم ﷺ کی دعوت اور آپ کی امت کو ہر نقص وعیب سے سلامتی

لکھدے اور تمام زمانوں میں آپ کی دعوت میں بلندی اور آپ کی امت میں کثرت کا اور آپ کے ذکر میں ارتفاع کا اضافہ فرما۔ (حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی اس تصریح سے مقصود پورا ہو گیا)

حافظ حجر رحمہ اللہ کے قول بِمَنْ اِعْزَامٍ وَّ النَّقَائِصِ اور مِنْ كُلِّ نَقْصٍ میں غور وفکر کیجئے کہ یہ سلام کا وہی مفہوم ہے جس کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ لہٰذا ہمیں رسول اللہ ﷺ کے لئے زیادتی شرف کے طلب کرنے کا حکم دینے کے بارے میں تم اس قول کو صراحت کرنے والا پاؤ گے۔ اگر حضور ﷺ کے حق میں شرف کی زیادتی اور اضافے کی طلب کو یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ اس چیز پر دلالت کر رہی ہے جس کا اس جاہل اور منکر شخص نے وہم کیا ہے تو تب بھی یہ زیادہ سے زیادہ کمال مطلق کے عدم پر دلالت کرے گی۔ اور اس کو ہم تسلیم کرتے ہیں کیونکہ مطلق کمال تو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہے۔ نبی اکرم ﷺ اگرچہ تمام مخلوقات میں سے کامل ترین ہیں مگر آپ کا کمال، مطلق نہیں، پس آپ کا کمال زیادتی اور زیادتی کے مراتب کو قبول کرتا ہے۔ اور ان میں سے ہر کمال اپنے سے مافوق اور اپنے سے اعلیٰ کمال کی نسبت عدم کمال ہے۔ اسی طرح ہر کمال اپنے سے اعلیٰ اور اوپر والے کمال کے مقابلے میں عدم کمال ہے۔ یوں ہی یہ سارا سلسلہ آگے تک بڑھتا رہے گا۔

حافظ سخاوی رحمہ اللہ نے اپنے شیخ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے درود شریف کے بارے میں حضرت ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کا آخری حصہ:

اَجْعَلُ لَکَ صَلَاتِیْ كُلَّهَا.

(سنن الترمذی، ابواب صفۃ القیامۃ ..... رقم الحدیث: 2457، ج:4 ص:218، مطبوعہ: شرکۃ العلمیۃ مصطفی البابی، مصر)

میں اپنی ساری دعا آپ کے لئے مختص کروں گا۔

جیسا کہ دوسری روایت میں اَجْعَلُ لَکَ دُعَائِیْ كُلَّهٗ کے الفاظ وارد ہیں۔

کے جواب میں آپ نے فرمایا:

اِذًا تُكْفٰى هَمُّكَ وَ يُغْفَرُ ذَنْبُكَ.

اس آخری حصہ کو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس شخص کے لئے اصل عظیم قرار دیا ہے جو اپنی قرأت کے بعد کہتا ہے کہ میں اپنی قرأت کا ثواب سیدنا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ہدیۃً پیش کرتا ہوں۔ گویا ابن حجر رحمہ اللہ نے اپنی اس تصریح سے اپنے شیخ، شیخ الاسلام سراج بلقینی رحمہ اللہ کے اس قول کی تردید کی ہے جس میں انہوں نے فرمایا تھا۔ بغیر کسی دلیل کے ایسا نہیں کرنا چاہئے۔ اور شیخ بلقینی رحمہ اللہ کا یہ وہی قول جسے ان کے بیٹے علم الدین رحمہ اللہ نے ان سے اخذ کیا ہے جس کا سابقاً تذکرہ ہو چکا ہے۔ اور جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اس سے ان دونوں کے اقوال کی تردید بھی تمہیں معلوم ہو چکی ہے۔

شیخ سخاوی رحمہ اللہ نے شیخ ابن حجر رحمہ اللہ سے ہی ایک اور مقام پر نقل کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

"جو شخص رسول اللہ ﷺ کے شرف میں کمال کے علم کے باوجود یہ کہتا ہے اس کے مثل ثواب سے آپ ﷺ کے شرف میں اضافہ ہوتا ہے۔ تو شاید اس نے آپ کے شرف میں زیادتی طلب کرنے کے معنی میں اس بات کو ملحوظ رکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس قرأت کو قبول فرما کر اس پر آپ ﷺ کو ثواب عطا فرمائے گا کیونکہ امت میں کسی کو اس کی کسی اطاعت پر ثواب ملتا ہے تو اس کے معلم کو بھی اجر ملتا ہے اور معلّم اعلیٰ جو کہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں آپ کو ان کے تمام معلّمین کی مثل ثواب ملتا ہے۔ پس شرف میں زیادتی کا معنی یہ ہے اگرچہ رسول اللہ ﷺ کو دائما شرف حاصل ہے۔ پس اس صورت میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں قرأت کا ثواب ہدیہ کرتا ہوں کا مطلب یہ ہوگا کہ میں اپنی اس قرأت کا ثواب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں یا اللہ تو اسے قبول فرما تا کہ اس کی مثل ثواب نبی اکرم ﷺ کو حاصل ہو جائے۔ (آپ اس طاعت اور نیکی کے معلّم ہیں۔)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے لئے زیادتی شرف کی طلب آپ کے اتباع خصوصاً علماء کی کثرت طلب کرنے اور آپ کے درجات و مراتب عالیہ کی بلندی طلب کرنے میں ہے۔ جیسا کہ حضرت حلیمی رحمہ اللہ کی اس بارے میں تصریح گزر چکی ہے۔

شیخ الاسلام ابو عبداللہ القایانی کا سراج بلقینی اور ان کے بیٹے کا رد

شیخ الاسلام ابو عبداللہ القایاتی رحمہ اللہ، علامہ بلقینی رحمہ اللہ نے اور ان کے بیٹے علم الدین کے سابقہ قول کا رد کرتے ہوئے "الروضہ" میں فرمایا ہے:

"جب کوئی قاری قرآن پڑھتا ہے اور اس سے حاصل ہونے والے ثواب و اجر کو میت کے لئے بخشتا ہے تو یہ اس کی طرف سے دعا ہوتی ہے کہ یہ اجر و ثواب اس میت کو ملے اور اسے نفع پہنچے۔"

اور امام نووی رحمہ اللہ کی کتاب "الاذکار" میں ہے۔ ایصال ثواب کی دعا میں یوں عرض کرنا چاہیے:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ ثَوَابَهَا وَاصِلاً لِفُلَانٍ.

اے اللہ! اس قرأت قرآن کا ثواب فلاں شخص تک پہنچنے والا بنا۔

درود شریف کی جامع ترین کیفیت

حضرت ابن ہمام رحمہ اللہ کے قول کے مطابق درود شریف کی کیفیات میں سب سے زیادہ جامع کیفیت:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ اَبَدًا اَفْضَلَ صَلٰوتِکَ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ. الخ

ترجمہ: اے اللہ! حضرت محمد (ﷺ) پر ہمیشہ اپنی افضل صلوٰۃ نازل فرما۔

قدرت الٰہیہ جب بھی کسی شے سے متعلق ہوتی ہے تو وہ محال نہیں ہوتی، علم الکلام میں یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ
اللہ تعالیٰ کی قدرت غیر متناہی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیر و بھلائی کا سلسلہ کبھی ختم نہیں ہوتا، درجات کمال
میں ترقی کرنے والا کامل دائما کامل ہوتا ہے۔ (انتہی)

سابقہ مذکورہ مسئلہ میں شیخ الاسلام ابو عبد اللہ القایاتی رحمہ اللہ کے شاگرد حضرت شیخ الاسلام شرف مناوی رحمہ اللہ
نے بھی القایاتی رحمہ اللہ کی موافقت کرتے ہوئے اس دعا کے مستحسن ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔ جس نے یہ دعویٰ کیا ہے
اپنے جھوٹ کی وجہ سے شدید تعزیر اور سزا کا مستحق ہے۔ اور اس کا زعم کہ یہ جائز نہیں۔ حق اس کے مخالف ہے بلکہ یہ
جائز ہے، تعجب ہے کہ عدم جواز پر مسلمانوں کے اجماع اور متقدمین و متاخرین علماء کے افتاء پر اس کو دعویٰ کی جرأت
کیسے ہوئی؟ یہ اس کا اللہ تعالیٰ کے دین میں مجازفت اور بے تکی بات ہے۔ ایصال ثواب کی دعا کا جواز تمام اعصار
وامصار میں رائج و مشہور، شائع و ذائع ہے۔ جیسا کہ تم دیکھتے ہو۔

ایک اہم سوال و جواب

سوال...... اگر تم یہ کہو کہ رسول اللہ ﷺ کے شرف میں زیادتی کی دعا ممتنع ہے؟ کیونکہ یہ اس بات کی مقتضی ہے کہ
آپ ﷺ اس کی ضد سے متصف ہیں حتیٰ کہ آپ کے لئے زیادتی طلب کی جائے اور یہ بات آپ کے
حق میں محال ہے۔

جواب...... اے میرے بھائی! اللہ تعالیٰ مجھے اور تجھے توفیق سے نوازے کہ ہمارے نبی ﷺ تمام مخلوقات سے
اشرف واکمل ہیں اور اس کے باوجود آپ ﷺ اپنے کمال و شرف میں دائما ایک کمال سے دوسرے کمال
جس کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ کے سواء کوئی نہیں جانتا کی طرف ترقی فرماتے رہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ
اکمل المخلوقات ہونے کے باوجود آپ کے لئے اپنی ذات کے اعتبار سے کمالات نبویہ کے تزائد وارتقاء
میں کوئی محال نہیں۔

اور ہم آپ ﷺ کے لئے کمال میں اس مرتبہ تک زیادتی کی درخواست کرتے ہیں جس مرتبہ کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ
کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ہمارا آپ ﷺ کے لئے اس مرتبہ کا طلب کرنا کہ جو مرتبہ یقیناً آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے

وعدہ کے مطابق حاصل ہے اس میں چند امور کا فائدہ ہے، جو درج ذیل ہیں:

1......اس میں حضور ﷺ کے شرف اور آپ کے مرتبہ کمال اور آپ کے عظیم حق اور آپ کے ذکر کی بلندی اور آپ کی توقیر کا اظہار ہے۔

2......اس میں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اپنے اوپر ہونے والی احسان مندی کا اظہار ہے آپ ﷺ نے دین حنیف کی ہدایت ورہنمائی فرما کر تمام انسانوں پر احسان فرمایا ہے۔

3......اس میں ہمارے اپنے لئے حصول ثواب بھی ہے جیسے کہ تمام عبادات کی ادائیگی میں ہمیں ثواب ملتا ہے۔

مذکورہ مسئلہ پر مزید دلیل

اس مسئلہ سے متعلق جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی صحیح حدیث ہمارے علم میں اضافے کا باعث ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

كَانَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَجْوَدُ النَّاسِ وَ كَانَ اَجْوَدُ مَا يَكُوْنُ فِيْ رَمَضَانَ حِيْنَ يَلْقَاهُ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلاَمُ.

(مسند احمد، من مسند بنی ہاشم، باب کلمۃ الاستاذ الشیخ محمد حامد، رقم الحدیث: 3425، ج:3 ص:440، مطبوعہ: دارالحدیث، قاہرہ، مصر)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے ماہ رمضان المبارک میں آپ جتنی زیادہ سخاوت فرماتے تھے اس سے بھی زیادہ سخاوت جبریل امین سے ملاقات کے وقت فرماتے تھے۔

اس حدیث پاک میں غور وفکر کریں کہ اس میں علی سبیل الترقی تخصیص کے بعد تخصیص ہے۔

اولاً: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے آپ کے جود وسخا کو تمام لوگوں پر فضیلت دی اور ثانیاً: آپ کے ماہ رمضان میں جود وسخا کو آپ کے دیگر تمام اوقات کے جود وسخا پر فضیلت دی اور ثالثاً: جبریل امین کی ملاقات کے وقت کے جود وسخا کو مطلقاً آپ کے جود وسخا پر فضیلت دی۔ پس اس میں حضور ﷺ کی اپنی ذات مقدسہ کے اعتبار سے **علی سبیل الترقی تزائد وتفاضل** ہے۔ ہم جس مسئلہ میں بحث کر رہے ہیں اس کو اس پر قیاس کر لیجئے۔

جس مسئلہ کی ہم تحقیق کر رہے ہیں یہ نظیر ہے بیت اللہ شریف کے حق میں زیادتی شرف کی طلب میں وارد اس دعا کی:

اَللّٰهُمَّ زِدْ هٰذَا الْبَيْتَ تَشْرِيْفًا. (اے اللہ! اس گھر کے شرف میں اضافہ فرما۔)

بیت اللہ کے شرف میں اضافہ کی دعا مامور بہ ہے اور کسی نے بھی اس کے ممتنع ہونے کا قول نہیں کیا۔ (شیخ الاسلام ابوزکریا انصاری رحمہ اللہ کا کلام ختم ہوگیا) ان کا یہ کلام تحقیق واتقان (ہونے) میں اعلیٰ درجہ وبلند پایہ ہے اللہ تعالیٰ ان کی سعی کو قبول فرمائے۔ پس اس میں اور اس سے قبل جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اس میں غور کرو گے تو تمہیں معلوم ہوگا کہ یہ منکر اپنے انکار میں اس جگہ اندھی سواری کی پشت پر سوار ہوا ہے اور شب کوری اونٹنی کی مانند ڈگمگا گیا ہے کاش

کہ وہ اپنے دین کو اپنے لئے سلامت رکھتا۔اور ایسی بات نہ کرتا وہ شخص مباح بلکہ حسن کے انکار سے بھی آگے بڑھ کر کفر قرار دینے تک پہنچ گیا ہے۔یہ اس کی عظیم غلطی ہے اور اس کے گناہ کی سزا بہت بڑی ہے پس اس کی سزا دنیا و آخرت دونوں میں اس پر لازم ہے نیز قائل کا یہ قول کہ "اَلْفَاتِحَةُ زِيَادَةٌ فِيْ شَرَفِهٖ عليه السلام" کی نحوی اعتبار سے مختلف تراکیب بنتی ہیں "اَلْفَاتِحَةُ" مبتداء ہے یا خبر ہے یا مفعول ہے "اِقْرَءُوْا" مقدر کا یا مفعول ثانی ہے "اِجْعَلُوْا" مقدر کا۔ان میں سے ہر تقدیر پر اس کا معنی دوسری تقدیر کے مغائر ہے۔

اگر منکر کے خیال کے مطابق اس کی بات تسلیم بھی کی جائے تو اس پر لازم تھا کہ وہ قائل سے ان معانی میں سے ہر ایک کی تفصیل طلب کرتا اور اس کے بعد ہر ایک پر اس کے مناسب حکم لگاتا لیکن ظاہر ہے کہ یہ منکر ان معانی کے درمیان تغائر کو نہیں سمجھتا ہے اور سمجھ بھی کیسے سکتا ہے؟ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

سوال......ایک شخص نے کہا کیا فاتحہ (ایصال ثواب) نبی اکرم ﷺ کے شرف میں اضافے کا سبب ہے۔؟ تو اہل علم میں سے ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے اس قائل کو کہا! تو کافر ہو گیا ہے۔یہ قول جو تجھ سے صادر ہوا ہے اس کا اعادہ نہ کرنا اس طرح کافر ہو جاؤ گے۔کیا معاملہ ایسا ہی ہے؟ اور کیا اس کے قائل کو "تم کافر ہو چکے ہو یا کافر ہو جاؤ گے" کہنا جائز ہے؟ اور جس نے ایسے کیا اس پر کیا لازم آتا ہے؟ حالانکہ وہ اپنے آپ کو اہل علم میں سے سمجھتا ہے؟ [1]

جواب......فاتحہ کے بارے میں مذکورہ قول کے قائل کے بارے میں جس شخص نے یہ کہا ہے وہ اہل علم میں سے نہیں بلکہ اس کا کلام اور اس کا انکار اس کی جہالت اور حماقت پر دلالت کر رہا ہے وہ جو کہہ رہا ہے اسے سمجھ نہیں رہا اور وہ نہیں جانتا کہ اس نے جو کچھ کہا ہے۔اس پر علماء نے اس کو جاہل اور فاسق قرار دیا ہے اور اس کے خلاف بتلور (بے باکی اور لاپرواہی) کا فیصلہ دیا ہے کیوں نہ ایسا فیصلہ دیتے کہ اس نے ایک ایسے مسلمان کو کافر بنا دیا ہے جس کی تکفیر کا کوئی بھی قائل نہیں بلکہ متقدمین و متاخرین کی ایک جماعت اس کے مستحسن ہونے کی قائل ہے۔جیسا کہ عنقریب میں تمہارے سامنے ان کے کلام کو بیان کروں گا۔اگر اس شخص نے اپنے تکفیری قول میں فاتحہ کے قائل کے دین کو کفر کا نام دینے کا ارادہ کیا تو یہ خود کافر ہو گیا ہے اگر وہ توبہ نہ کرے تو اس کی گردن اڑا دی جائے گی۔کیونکہ اس نے اسلام کو کفر کا نام دیا ہے اور اگر اس کا ارادہ نہیں کیا تو یہ انکار حرام ہے۔وہ اس پر زجر اور شدید تعزیر کا مستحق ہے اور شریعت مطہرہ کے حاکم پر واجب ہے کہ وہ اس کی زجر اور تعزیر میں اپنی صواب دید کے مطابق خوب مبالغہ سے کام لے تا کہ وہ ان مجازفات قبیحہ اور تہورات شنیعہ سے باز رہے۔

[1]......سوال مصنف رحمہ اللہ پر دوبارہ پیش ہوا ہے۔اس لئے اس کا جواب بھی دوبارہ دیا گیا ہے۔

اور مجھے یہ بھی پتہ چلا ہے کہ اس شخص نے قائل کے کفر کا فیصلہ دیا اور اس سے تجدید ایمان اور شہادتین کا مطالبہ کیا ہے اس کا یہ فعل معصیت وفسق اور اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی ﷺ اور شریعت مطہرہ کے خلاف جسارت میں مبالغہ ہے۔ اس نے اس بارے ایک ایسی نئی چیز ایجاد کی جو اس سے پہلے نہ تھی اور اگر اس کی اس بات کو تسلیم بھی کیا جائے تو تب بھی اس پر واجب تھا کہ وہ اس عام انسان کو اس کا حکم بتاتا اگر وہ اس کو مان جاتا تو پھر تو ظاہر تھا۔ اور اگر اس کی مخالفت کرتا تو اسے منع کرتا لیکن اس نے ایک ایسے عام انسان کو جلدی سے کافر قرار دے دیا جس سے ایسا کلمہ صادر ہوا ہے جس سے صرف رسول اکرم ﷺ کی بارگاہِ رفیع کی انتہائے تعظیم واجلال ہی سمجھا جاتا ہے۔

اور اس کا اس عام انسان کو صرف اس بنیاد پر کہ اس سے یہ کلمہ صادر ہوا ہے۔ ''تو کافر ہو گیا ہے'' کہنا یا اس کی مثل کوئی اور بات کہنا اس کی جہالت وغباوت کی دلیل ہے۔ اور اس کا یہ کہنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' کی شرط کو بھی نہیں جانتا۔ اور وہ اس بات سے بھی نابلد ہے کہ انسان کس وجہ سے کافر ہوتا اور کس وجہ سے کافر ہوتا اور کس وجہ سے کفر سے محفوظ رہتا ہے۔

اس واقعہ میں اس شخص سے جو کچھ صادر ہوا ہے وہ اس کی کم علمی اور قصور فہمی پر نا قابلِ تردید شہادت ہے۔ حالانکہ اس مسئلہ میں علماء کرام نے بہت بحث وتمحیص کی ہوئی ہے مگر اس شخص کے علم وفہم کی وہاں تک رسائی نہیں ہو گی۔ اس پر لازم تھا کہ جس چیز کی اسے معرفت نہ تھی اس کے بارے میں اہل علم کی طرف رجوع کرتا تا کہ اہل علم ومعرفت اسے اس چیز کا حکم اور اس میں علماء نے جو تحقیق فرمائی تھی وہ بیان فرماتے۔ اور یہ مسئلہ متاخرین کا اختراعی نہیں بلکہ امام حلیمی رحمہ اللہ اور ان کے شاگرد امام بیہقی رحمہ اللہ جیسے متاخرین اکابر اس کی طرف اشارہ فرما چکے ہیں۔ ان دونوں بزرگوں کی امامت وجلالت تمہارے لئے کفایت کرتی ہے اور امام المتاخرین محررِ مذہب شافعی حضرت ابو ذکریا نووی رحمہ اللہ نے ان دونوں بزرگوں کی اتباع کی ہے۔ چنانچہ وہ اپنی کتاب'' الروضۃ اور المنہاج'' کے خطبوں میں کہتے ہیں:

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ وَ زَادَهُ فَضْلاً وَّ شَرَفًا لَدَيْهِ.

اللہ تعالیٰ آپ پر درود بھیجے اور سلام اور اپنے ہاں آپ کے فضل وشرف میں اضافہ فرمائے۔

تمہارے اطمینان کے لئے ان دونوں کتابوں میں لکھا جانا ہی کافی ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس منکر نے نہ فقہ میں کچھ پڑھا ہے اور نہ ہی اس نے ''المنہاج'' پڑھی ہے۔ جس کی یہ حالت ہو وہ کیسے اس انکار اور اس بے باکی اور لاپرواہی میں جلد بازی کر سکتا ہے؟ جب تمہیں ان دو کتابوں میں جو شافعی مذہب کا ستون ہیں اس مسئلہ میں امام نووی رحمہ اللہ کی تصریح معلوم ہو چکی ہے تو اس جاہل کے انکار کا فساد بھی معلوم ہو گیا ہے۔ اور اس جاہل کا یہ توہم کہ شرف میں زیادتی کا سوال آپ ﷺ کے مرتبہ میں کمی کا تقاضا کرتا ہے۔ یہ وہم باطل ہے جس پر کوئی دلیل نہیں۔ یہ

وہم باطل کیوں نہ ہو کہ دو جلیل القدر امام حضرت حلیمی اور بیہقی رحمہما اللہ نے جو تصریح فرمائی ہے وہ اس کے اس قول کو باطل اور جھوٹا قرار دے رہی ہے۔

امام حلیمی رحمہ اللہ کی "شعب الایمان" میں یہ عبارت ہے:

"جب ہم اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کہتے ہیں تو ہم چاہتے ہیں کہ اے اللہ! حضرت محمد (ﷺ) کو دنیا میں ان کے ذکر کو بلندی کے ساتھ اور ان کے دین کے اظہار وغلبہ اور ان کی شریعت کو قیامت تک باقی رکھنے اور آخرت میں ان کی امت کے حق میں ان کی شفاعت کی قبولیت اور ان کے اجر وثواب میں زیادتی اور مقام محمود کے ذریعہ ان کی اولین وآخرین پر فضیلت کے اظہار اور تمام مقربین پر تقدیم کے سبب عظمت عطا فرما۔"

اور فرماتے ہیں:

یہ مذکورہ امور اگرچہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو عطا فرما چکا ہے۔ لیکن ان میں سے ہر چیز کے کئی درجات ومراتب ہیں جب آپ کا کوئی اُمتی آپ پر درود بھیجتا ہے اور اس کی اس بارے میں دعا مقبول ہوتی ہے تو جائز ہے کہ اس دعا کے سبب نبی کریم ﷺ کے حق میں اس چیز میں اضافہ فرمایا جائے جس کو ہم نے درجہ اور رتبہ کا نام دیا ہے۔

اسی لئے نبی اکرم ﷺ پر درود بھیجنے سے آپ کے حق کی ادائیگی اور اس ادائیگی کے سبب اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے اور ہمارا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ عرض کرنا اے اللہ! حضرت محمد (ﷺ) پر ہماری جناب سے تُو درود بھیج کہ ہم آپ کی شان کو عظیم بنانے اور آپ کی قدر ومنزلت کو بلند کرنے والی کسی چیز کے ایصال کے مالک نہیں۔ یہ سب کچھ تیرے قبضۂ قدرت میں ہے۔ پس ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ پر ہمارا درود بھیجنا آپ ﷺ کے لئے ان مذکورہ امور کی دعا ہے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے ان کی آپ ﷺ کے لئے طلب ہے۔ (امام حلیمی رحمہ اللہ کی عبارت ختم ہوگئی)

امام حلیمی رحمہ اللہ کی مذکورہ عبارت میں اگر آپ غور کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ عبارت صراحت کر رہی ہے کہ آپ ﷺ کا مقام ثواب میں زیادتی وغیرہ تمام درجات ومراتب کو قبول کرتا ہے اور اس کی تائید یہ بات بھی کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اگرچہ تمام مخلوق سے اکمل وافضل ہیں لیکن آپ کے کمالات عالیہ کی غایات کا شمار اور ان کا احصار واحاطہ نہیں ہوسکتا۔ بلکہ آپ ﷺ ان غیر متناہی وغیر محدود غایات اور ان مقامات رفیعہ میں جن کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا ہے اُن میں ہمیشہ ترقی فرماتے رہتے ہیں۔ آپ ﷺ کے کمالات اپنی جلالت قدر کے باوجود مزید اضافہ وترقی اور اللہ تعالیٰ کے فضل اور اُس کے جود وکرم سے استمداد کے محتاج ہونے سے مانع نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے وسیع فضل کی کوئی انتہاء نہیں اور نہ ہی نبی اکرم ﷺ کے اللہ تعالیٰ کے اس فضل وسیع سے

فیض و مدد حاصل کرنے والے کمال کی کوئی انتہا ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ کی اپنی تفسیر میں یہ عبارت ہے:

"اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ" میں یہ احتمال ہے کہ یہاں سلام بمعنی سلامتی ہو۔یعنی اللہ تعالیٰ آپ کے حق میں سلامتی کا فیصلہ فرمائے اور "السلام" المقام اور المقامة کی مانند ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ آپ کو مذمتوں اور نقائص سے سلامت رکھے۔جب تم "اَللّٰهُمَّ سَلِّمْ عَلٰى مُحَمَّدٍ" کہتے ہو تو اس سے تمہاری مراد یہ ہوتی ہے کہ اے اللہ! حضرت محمد ﷺ کے لئے ان کی دعوت اور ان کی امت اور ان کے ذکر کے بارے میں ہر نقص سے سلامتی لکھ دے۔تاکہ تمام زمانوں میں ان کی دعوت میں بلندی اور ان کی امت میں کثرت کا اور ان کے ذکر میں ارتفاع و اضافہ ہوتا رہے۔(امام بیہقی رحمہ اللہ کی عبارت ختم ہوگئی)

پس اس میں غور کریں آیا عبارت اس چیز کی صراحت کر رہی ہے جس کا افادہ گذشتہ سطور میں ان کے شیخ الحلیمی رحمہ اللہ کے کلام نے کیا تھا۔جب یہ دو نابغہ روزگار امام اس کی تصریح کر چکے ہیں اور امام نووی رحمہ اللہ ان دونوں بزرگوں کی اس بات میں اتباع کر چکے ہیں تو اس محل میں کونسا شبہ باقی رہ گیا ہے جس کا یہ جاہل منکر شخص سہارا پکڑ رہا ہے گویا کہ اس شخص کو وہ دعا بھی مستحضر نہیں جو ہر سال کعبہ معظمہ کی زیارت کے وقت وہ مانگا کرتا ہوگا اور جو حدیث میں وارد ہے۔اور وہ دعا یہ ہے:

اَللّٰهُمَّ زِدْ هٰذَا الْبَيْتَ تَشْرِيْفًا وَّ تَكْرِيْمًا وَ زِدْ مَنْ شَرَّفَهٗ.

ترجمہ:اے اللہ! اس گھر کے شرف اور اس کی تکریم میں اضافہ فرما اور اس شخص کے شرف میں اضافہ فرما جس نے اس کی تعظیم کی ہے۔

یہ دعا نبی کریم ﷺ کے حق میں شرف کے اضافہ کی دعا مانگنے کی زیادتی کی دعا کسی کمی کے ثبوت کا تقاضا نہیں کرتی۔اس کی توضیح یہ ہے کہ اس میں کعبہ معظمہ کے لئے زیادتی شرف کی دعا ہے۔حالانکہ کعبہ معظمہ میں اس دعا سے قبل کوئی کمی نہیں حتی کہ اس دعا کے ذریعہ اس کمی کی تلافی طلب کی جائے۔گویا کہ اس میں اضافہ اور زیادت سے مراد کعبہ معظمہ کے اس کمال میں اضافہ و زیادت مراد ہے جس کی کوئی انتہاء نہیں۔نبی اکرم ﷺ کے شرف میں اضافہ و زیادتی کی دعا بھی اسی طرح ہے۔علاوہ ازیں کعبہ معظمہ کی زیادت کے وقت جو دعا مطلوب اور منقول ہے وہ دعا نبی اکرم ﷺ کو بھی شامل ہے کیونکہ اس میں یہ الفاظ وارد ہیں:

زِدْ مَنْ شَرَّفَهٗ وَ عَظَّمَهٗ وَ حَجَّهٗ وَ اعْتَمَرَهٗ الخ.

ترجمہ:اور اے اللہ! اس شخص کے شرف و عظمت میں اضافہ فرما جس نے اس کی تکریم و تعظیم کی اور جس نے اس کا حج اور عمرہ کیا۔

یہ دعا نبی اکرم ﷺ اوران تمام انبیاء کرام کوشامل ہے جنہوں نے بیت اللہ شریف کا حج کیا ہے۔تمام انبیاء کرام علیہم السلام نے اس کا حج کیا ہے سوائے انبیاء کرام علیہم السلام کے ایک گروہ نے ، کہ ان کے بارے میں اختلاف ہے کہ انہوں نے بیت اللہ کا حج کیا ہے یا کہ نہیں۔

پس اس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ اور تمام انبیاء کرام کے شرف میں اضافہ کی دعا ماثور و منقول اور حدیث میں وارد ہے۔

اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی یہ مشہور حدیث بھی اس کی دلیل ہے:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ قَامَ فَقَالَ يَاأَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا اللّٰهَ جَآءَتِ الرَّاجِفَةُ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ قَدْ جَآءَ تِ الْمَوْتُ بِمَا فِيْهِ قَالَ أُبَيٌّ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ إِنِّيْ أُكْثِرُ الصَّلٰوةَ عَلَيْكَ فَكَمْ أَجْعَلُ لَكَ مِنْ صَلَاتِيْ فَقَالَ مَاشِئْتَ قُلْتُ الرُّبُعَ قَالَ مَا شِئْتَ وَ إِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ قُلْتُ أَجْعَلُ لَكَ صَلَاتِيْ كُلَّهَا قَالَ إِذًا تُكْفِيْ هَمَّكَ وَ يُغْفَرُ ذَنْبُكَ.

(ریاض الصالحین، کتاب بدایۃ الکتاب باب ذکرالموت وقصر، رقم الحدیث: 579، ج:1 ص: 195، مطبوعہ: دار ابن کثیر، بیروت)

جب رات کا تہائی (وقت) ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اٹھتے اور فرماتے اے لوگو! اللہ کی یاد کرو تھرتھرا دینے والی آ گئی ہے اس کے پیچھے اور آنے والی ہے۔موت اپنی تلخیوں کے ساتھ آ پہنچی۔ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم میں حضور پر کثرت سے درود پڑھتا ہوں ارشاد فرمایئے کہ اس میں کس قدر پڑھا کروں۔فرمایا جتنا دل چاہے۔ میں نے عرض کیا کیا وقت کا چوتھائی حصہ؟ فرمایا جتنا جی چاہے اور اگر اس سے زیادہ پڑھے تو تیرے لئے بہتر ہے۔میں نے عرض کیا میں اپنے اوراد کا سارا وقت حضور پر درود پڑھتا رہوں گا فرمایا تب یہ درود شریف تیرے رنج والم دور کرنے کے لئے کافی ہے اور تیرے سارے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

اس حدیث کوامام ترمذی رحمہ اللہ نے حسن قرار دیا ہے اور امام حاکم رحمہ اللہ نے "المستدرک" میں دو مقام پر اسے صحیح قرار دیا ہے۔

ایک روایت میں ہے:

إِذَا ذَهَبَ رُبُعُ اللَّيْلِ ۔ یعنی حضور ﷺ جب رات کا چوتھائی حصہ گزر جاتا تو اٹھتے۔

(مستدرک علی الصحیحین ،کتاب التفسیر، باب تفسیر سورۃ الاحزاب، رقم الحدیث: 3578، ج:2 ص: 457، مطبوعہ: دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

اور دوسری روایت میں ہے:

قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَيْتَ صَلَاتِيْ كُلَّهَا لَكَ قَالَ اِذَنْ يَكْفِيْكَ هَمَّكَ مِنْ اَمْرِ دِيْنَاكَ وَ آخِرَتِكَ.

(الانس بذکر اللہ، الصلوٰۃ علی النبی، رقم الحدیث:5، ج:1 ص:262 مطبوعہ: مکتبہ سوق الاخرہ مصر)

ترجمہ: صحابی نے عرض کی یارسول اللہ! میں اپنے اوراد کا سارا وقت آپ پر درود پڑھنے میں صَرف کردوں؟ حضور ﷺ نے فرمایا تب اللہ تعالیٰ تیرے دنیا وآخرت کے ہر رنج والم کے لئے کافی ہوجائے گا یعنی ہر رنج والم دور فرمادے گا۔

امام بزار رحمہ اللہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَجْعَلُ شَطْرَ صَلَاتِيْ دُعَاءً لَكَ؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاَجْعَلُ صَلَاتِيْ كُلَّهَا دُعَاءً لَكَ قَالَ اِذًا يَكْفِيْكَ اللّٰهُ هَمَّ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ.

(المنجیات من النار، کثرۃ صلاۃ علی الرسول، ج:1 ص:63 مطبوعہ: دار المعہود مصر)

ترجمہ: ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی یارسول اللہ! میں اپنے اوراد کا کچھ حصہ آپ کے اوپر درود پڑھتے ہوئے گزاروں گا حضور ﷺ نے فرمایا: ہاں (ایسا ہی کرو) تو اس نے عرض کی میں اپنے اوراد کا سارا وقت آپ کے لئے دعا میں صرف کروں گا تو آپ ﷺ نے فرمایا: تب اللہ تعالیٰ دنیا وآخرت کے رنج والم میں تیرے لئے کافی ہوگا۔

اور ایک روایت میں ہے:

اَجْعَلُ لَكَ نِصْفَ دُعَائِيْ قَالَ مَا شِئْتَ قَالَ الثُّلُثَيْنِ قَالَ مَا شِئْتَ قَالَ اَجْعَلُ دُعَائِيْ كُلَّهُ لَكَ قَالَ اِذًا يَكْفِيْكَ اللّٰهُ هَمَّ الدُّنْيَا وَ هَمَّ الْاٰخِرَةِ.

(الانس بذکر اللہ، الصلاۃ علی النبی، رقم الحدیث:4، ج:1 ص:262 مطبوعہ: ایضا)

ترجمہ: عرض کی یارسول اللہ! میں اپنی نصف دعا آپ کے لئے مختص کروں گا آپ نے فرمایا: جتنا جی چاہے۔ اس نے عرض کی دوتہائی دعا آپ کے لئے مختص کروں گا فرمایا جتنا جی چاہے۔ اس نے عرض کی میں اپنی ساری دعا آپ کے لئے مختص کروں گا۔ آپ نے فرمایا: تب اللہ تعالیٰ تیری کفایت فرمائے گا دنیا وآخرت کے رنج والم میں۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ پہلی اور اس کے بعد والی روایت میں "صلاۃ" سے مراد دعا ہے۔ اور جس نے "صلاۃ" کی تفسیر حقیقی صلوٰۃ یعنی نماز کے ساتھ کی اور اس سے مراد اس کا ثواب لیا ہے اور یہ تفسیر زیادہ بعید ہے۔ بلکہ اس کا معنی یہ ہے

کہ میں نے اپنے لئے ایک خاص وقت مقرر رکھا ہے جس میں میں اپنے لئے دعا کیا کرتا ہوں پس اس وقت میں سے کتنا وقت میں آپ کے لئے دعا میں صرف کروں؟

اسی لئے شیخ الاسلام حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ حدیث اس شخص کے لئے عظیم دلیل ہے جو قرآن کی تلاوت کے بعد دعا کرتے ہوئے کہتا ہے اس کا ثواب میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ہدیہ کرتا ہوں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے اس قول کو ان کے شاگرد حافظ سخاوی رحمہ اللہ نے نقل کر کے اس کی تحسین فرمائی ہے۔ اور جو شخص رسول اللہ ﷺ کے شرف میں کمال کے علم کے باوجود یہ کہتا ہے کہ اس ثواب کی مثل ثواب حضور ﷺ کے شرف میں زیادتی کا سبب ہے تو شاید آپ ﷺ کے شرف میں زیادتی کی طلب کے معنی میں اس بات کا لحاظ رکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی تلاوت کو قبول فرما کر اس پر اسے ثواب عطا فرمائے گا۔ اور جب کسی امتی کو اپنی کسی اطاعت پر ثواب ملتا ہے تو اس شخص کو بھی اس کی مثل اجر و ثواب ملتا ہے جس نے اسے اس اطاعت کی تعلیم دی ہے۔ اور معلّم اوّل جو کہ نبی اکرم ﷺ ہیں انہیں بھی ان تمام لوگوں کے ثواب کی مثل ثواب ملتا ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ کے شرف میں زیادتی سے مراد یہی ہے اگرچہ آپ کو دائما شرف حاصل ہے۔

کعبہ معظمہ کی زیارت کے وقت یہ دعا وارد ہے:

اَللّٰھُمَّ زِدْ ھٰذَا الْبَیْتَ تَشْرِیْفًا وَّ تَکْرِیْمًا وَّ تَعْظِیْمًا.

اے اللہ! اس گھر کے شرف، اس کی تکریم و تعظیم میں اضافہ فرما۔

جب یہ دعا معلوم ہوئی تو اسی سے دعا کرنے والے کے اس قول کا معنی بھی معلوم ہوا (اجعل مثل ثواب ذالک) اس کا معنی یہ ہے کہ یا اللہ! اس قرأت کو تو قبول فرما تاکہ اس کی مثل ثواب نبی اکرم ﷺ کو ملے۔

(ابن حجر رحمہ اللہ کی عبارت ختم ہوگئی۔)

خلاصۂ کلام یہ کہ رسول اللہ ﷺ کے حق میں زیادتی کی طلب مثلاً آپ کے متبعین بالخصوص علماء کی کثرت اور آپ کے درجات و مراتب عالیہ کی بلندی طلب کرنے میں ہے۔ جیسا کہ حضرت حلبی رحمہ اللہ کی تصریح گزر چکی ہے۔

اسی سے شیخ الاسلام بلقینی رحمہ اللہ کے فتاویٰ میں اس مسئلہ سے متعلق جو فتویٰ موجود ہے اس کا بھی ردّ ہو جاتا ہے چنانچہ ان سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جو اپنی دعا میں کہتا ہے۔ یا اللہ اس ختم قرآن کو سیدنا محمد ﷺ کے لئے ہدیہ بنا۔ تو انہوں نے اس کے جواب میں جو کچھ فرمایا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ تلاوت کا ثواب نبی کریم ﷺ کو خود بخود پہنچتا ہے کیونکہ آپ اس کے مبلغ و مبین ہیں اس لئے قاری کو اس کے ذکر کی ضرورت نہیں۔ اور اگر اس کا ذکر کرنا چاہتا ہے تو "اَللّٰھُمَّ اٰتِ سَیِّدَنَا مُحَمَّدَ نِ الْوَسِیْلَةَ وَ الْفَضِیْلَةَ" کی مثل دُعا کرے۔ تو منع نہیں۔ بلکہ

مناسب یہ ہے کہ ان میں سے کسی کا اقدام نہ کرے الا یہ کہ اس بارے میں شریعت کی جانب کوئی اجازت پائی جائے۔ اگرچہ حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس طرح کی کسی دعا کی اجازت دی تھی کیونکہ رسول اللہ ﷺ کو حضرت عمر کے بارے میں یہ علم تھا کہ وہ نبی اکرم ﷺ سے تعلق رکھنے والی چیز میں ادب کی رعایت کریں گے۔ جبکہ دعا کرنے والا ہر شخص اس ادب کی رعایت نہیں رکھ سکتا اس لئے اس کے لئے اس وقت تک مناسب نہیں جب تک اس میں ادب کا طریقہ نہیں سیکھتا ان میں سے کسی شے کا اقدام کرے۔

(بلقینی رحمہ اللہ کے جواب کا خلاصہ ختم ہو گیا)

شیخ الاسلام بلقینی رحمہ اللہ کے صاحبزادے شیخ الاسلام علم الدین رحمہ اللہ نے اپنا وہ قول اس جواب سے اخذ کیا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں:

"کسی کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ اپنی دعا میں بغیر کسی دلیل کے یہ کہے: اے اللہ! جو تلاوت ہم نے کی ہے اس کے ثواب کو سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے شرف میں اضافے کا سبب بنا۔"

(علم الدین کی عبارت ختم ہوگئی)

تم بخوبی جانتے ہو کہ شیخ الاسلام علم الدین رحمہ اللہ اور شیخ بلقینی رحمہ اللہ دونوں اس دعا کی ممنوعیت کے قائل نہیں بلکہ وہ تو صرف اتنی بات کہہ رہے ہیں کہ یہ اپنی دعا میں بغیر دلیل کے یہ کہنا مناسب نہیں یعنی ایسی دعا کرنا مستحب نہیں۔ جب تک اس کے استحباب پر کوئی دلیل دلالت نہ کر رہی ہو۔ ان دونوں علماء کے کلام میں ایسی کوئی چیز نہیں جو اس بات پر دلالت کر رہی ہو کہ یہ کہنا جائز نہیں۔

نیز ان علماء کے کلام سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ یہ دونوں بزرگ حضرت امام نووی رحمہ اللہ وغیرہ کی اس تصریح سے بے خبر تھے جو ہم نے سابقاً ذکر کی ہے۔ اسی لئے شیخ الاسلام القایاتی رحمہ اللہ نے ان سے اختلاف کرتے ہوئے "الروضۃ" میں فرماتے ہیں:

"قاری جب تلاوت کرے اور اس کے بعد اس سے ملنے والا ثواب کسی مردے کے لئے ہدیہ کرے تو یہ میت کے لئے اس ثواب کے حصول کی دعا ہوگی جو میت کو نفع دے گی۔"

اور "الاذکار" میں فرمایا:

مختار قول یہ ہے کہ قاری اپنی دعا میں یوں کہے اے اللہ! اس تلاوت کے ثواب کو فلاں کو پہنچنے والا بنا۔

تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ قدرت الٰہیہ کا جب بھی کسی شے سے تعلق ہوتا ہے وہ شے یقیناً وجود پذیر ہوتی ہے اور علم کلام میں یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت غیر متناہی ہے اور یہ بات بھی ثابت شدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی

طرف سے خیر و بھلائی کا سلسلہ ختم ہونے والا نہیں اور درجات کمال میں ترقی کرنے والا کامل دائما کامل ہوتا ہے۔

(شیخ الاسلام القایاتی رحمہ اللہ کی عبارت ختم ہوگئی)

شیخ الاسلام القایاتی رحمہ اللہ کی مذکورہ عبارت تحریر و تنقیح کے حوالہ سے نہایت ہی عمدہ عبارت ہے اس مسئلہ میں القایاتی کے شاگرد شیخ الاسلام شرف مناوی رحمہ اللہ نے بھی ان سے اتفاق فرماتے ہوئے اس دعا کے مستحسن ہونے کا فتویٰ دیا ہے اور "المنہاج" کے خطبہ کی عبارت "زَادَهُ فَضْلاً وَّ شَرَفًا لَّدَيْهِ" کو اس پر بطور دلیل کے پیش کیا ہے۔

اور ان دونوں اماموں کے شاگرد امام الحنفیہ کمال ابن ہمام رحمہ اللہ نے بھی ان دونوں علماء سے اتفاق کیا ہے بلکہ انہوں نے اس دعا کی اہمیت اور عظمتِ شان میں ان دونوں سے بھی زیادہ مبالغہ فرمایا ہے۔ چنانچہ انہوں نے حضور ﷺ پر درود بھیجنے کی جتنی بھی کیفیات صحیحہ وارد ہیں ان سب کو زیادتی شرف کی دعا والی کیفیت میں موجود قرار دیا ہے۔ اور من جملہ وہ کیفیت یہ ہے:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ اَبَدًا اَفْضَلُ صَلٰوتِكَ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَ نَبِيِّكَ وَ رَسُوْلِكَ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَ سَلِّمْ عَلَيْهِ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا وَ زِدْهُ شَرَفًا وَّ تَكْرِيْمًا وَ اَنْزِلْهُ الْمَنْزِلَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

ترجمہ: اے اللہ! اپنے درود میں سے ہمیشہ افضل درود بھیج ہمارے سردار حضرت محمد ﷺ پر جو تیرے بندے، تیرے نبی، تیرے رسول ہیں اور ان کی آل پر اور ان پر سلام بھیج کثرت سے اور ان کی تعظیم و تکریم میں اضافہ فرما اور قیامت کے نزدیک انہیں قریب کی منزل عطا فرما۔

(ابن ہمام رحمہ اللہ کی عبارت ختم ہوگئی)

غور کیجئے کہ علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ نے حضور ﷺ پر درود بھیجنے کی تمام عمدہ کیفیات مثلاً تشہد میں پڑھنے والا درود جو متعدد طرق سے ثابت ہے یا اس کی مثل دوسرے درود ان سب کو اس کیفیت میں موجود قرار دیا ہے جو کیفیت "وَ زِدْهُ تَشْرِيْفًا وَّ تَكْرِيْمًا" (یعنی زیادتی شرف و تکریم کی دعا) پر مشتمل ہے۔

اور زیادتی شرف کی دعا رسول اللہ ﷺ سے وارد تمام کیفیات پر مشتمل ہونے کو اس کیفیت کی فضیلت کے اسباب مقتضیہ میں سے قرار دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے لئے شرف میں اضافہ طلب کرنے کی فضیلت پر یہ عبارت اس امام محقق رحمہ اللہ کی واضح تصریح ہے۔ پس اس کے باوجود کیسے یہ وہم کیا جا سکتا ہے کہ اس میں کوئی ممنوعیت پائی جاتی ہے؟

شیخ الاسلام ابوزکریا کا فتویٰ

اس مسئلہ میں حضرت شیخ الاسلام ابوزکریا الانصاری رحمہ اللہ نے بھی ان علماء کے ساتھ اتفاق کیا ہے چنانچہ ان سے ایک ایسے واعظ کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے کہا تھا قرآن وحدیث کے قاری کے لئے بالاجماع یہ جائز نہیں کہ وہ اس کے مثل ثواب کا ہدیہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کرے۔ متقدمین ومتاخرین علماء نے اس کے عدم جواز کا فتویٰ دیا ہے۔

ابوزکریا انصاری رحمہ اللہ نے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ اس قلیل المعرفت واعظ نے جو دعویٰ کیا ہے اس کے سبب وہ حاکم وقت کی صواب دید کے مطابق قید یا کوڑوں کی شدید تعزیری سزا کا مستحق ہے۔ اور اسے سزا دینے والے کو ثواب ملے گا اور اس کی مدد کرنے والا گناہگار ہوگا۔ اب میں آپ کے سامنے اس کا مفصل جواب رکھتا ہوں۔ اس نے جو دعویٰ کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے لئے تلاوت قرآن کریم کے ثواب کا ہدیہ کرنا جائز نہیں۔ حق اس کے اس دعویٰ کے خلاف ہے بلکہ ایسا کرنا جائز ہے۔ تعجب ہے کہ اس شخص کو اس کے عدم جواز پر مسلمانوں کے اجماع اور متاخرین ومتقدمین علماء کے فتویٰ دینے پر دعویٰ کرنے کی کیسے جرأت ہوئی ہے؟ یہ اللہ تعالیٰ کے دین میں مجازفت (بے تکا) قول ہی ہے۔ تلاوت قرآن کریم کے ثواب کا ہدیہ کرنے کا جواز تمام امصار واعصار میں شائع وذائع ہے جیسا کہ تم دیکھتے ہو۔

ایک شبہ

اگر تم یہ کہو کہ رسالت مآب ﷺ کے شرف میں اضافہ کی دعا کرنا ممنوع ہے کیونکہ یہ اس بات کا تقاضہ کرتی ہے کہ آپ ﷺ اس کی ضد (شرف میں کمی) کے ساتھ متصف ہیں حتیٰ کہ ان کے لئے زیادتی شرف کی دعا کی جائے اور یہ بات آپ ﷺ کے حق میں محال ہے۔

اس کا جواب

میں کہوں گا تمہیں معلوم ہونا چاہیے اے میرے بھائی! اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو توفیق دے کہ ہمارے نبی اکرم ﷺ تمام مخلوقات سے اشرف واکمل ہیں اور آپ اپنے کمال اور اپنے کمال کی زیادتی میں دائما ایک کمال سے دوسرے کمال تک اور اس سے آگے تک کہ جس کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے ترقی فرماتے رہتے ہیں اور آپ ﷺ اکمل المخلوقات ہونے کے باوجود اپنی ذات کے اعتبار سے آپ کے کمالات کے درمیان زیادتی وترقی ہوتی رہتی ہے۔ اور ہم آپ ﷺ کے لئے کمال میں اس درجہ تک زیادتی کی طلب کرتے ہیں جس درجہ کی حقیقت سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔ اور اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق یقیناً وہ درجہ آپ کو حاصل ہے اس کے باوجود ہمارا آپ کے لئے اس درجہ کی طلب میں چند امور

کا فائدہ ہے جو درج ذیل ہیں۔

1......اس میں سرور کائنات ﷺ کے شرف اور کمال مرتبہ اور آپ کے حق کی عظمت آپ کے ذکر کی بلندی اور آپ ﷺ کی تعظیم و توقیر کا اظہار ہے۔

2......رسول اعظم، محسن کائنات ﷺ نے دین حق کی طرف پوری انسانیت کی رہنمائی فرما کر سب انسانوں پر احسان فرمایا ہے اس دعا سے آپ اس احسان کا اعتراف اور اس کی جزاء مطلوب ہے۔

3......ہم اس دعا کے ذریعہ اپنے لئے ثواب حاصل کرنا چاہتے ہیں جس طرح تمام عبادات سے ثواب حاصل کیا جاتا ہے۔

اس مسئلہ میں ہم نے جو دلائل ذکر کئے ہیں ان میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی صحیح حدیث مزید رہنمائی فرماتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَجْوَدُ النَّاسِ وَ كَانَ اَجْوَدُ مَا يَكُوْنُ فِیْ رَمَضَانَ حِيْنَ يَلْقَاهُ جِبْرِيْلُ .

(مسند احمد، من مسند بنی ہاشم، باب کلمۃ الاستاذ الشیخ محمد حامد، رقم الحدیث: 3425، ج:3 ص:440، مطبوعہ: ایضا)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ تمام لوگوں سے زیادہ سخاوت فرمانے والے تھے اور آپ ماہ رمضان میں جتنی زیادہ سخاوت فرمانے والے تھے اس سے بھی زیادہ سخاوت فرمانے والے ہوتے اس وقت جب جبریل امین آپ کے ساتھ ملاقات کرتے تھے۔

اس حدیث میں غور و فکر کریں کہ بطور ترقی تخصیص کے بعد تخصیص ہے۔ اولاً تو آپ کے جود و سخا کو تمام لوگوں پر فضیلت دی اور ثانیاً رمضان پاک کے مہینے میں آپ کے جود و سخا و دیگر اور آپ کے دیگر تمام اوقات ......فضیلت دی اور ثالثاً جبریل امین کی ملاقات کے وقت کے جود و سخا کو آپ کے ماہِ رمضان کے جود و سخا پر مطلقاً ترجیح دی۔ پس اس میں آپ ﷺ کی اپنی ذاتِ مقدس کے اعتبار سے علی سبیل الترقی تزائد و تفاضل ہے۔ بس جس مسئلہ کی ہم تحقیق کر رہے ہیں اس کو اس پر قیاس کیجئے۔

کعبہ معظمہ کے بارے میں دعا وارد ہے:

اَللّٰهُمَّ زِدْ هٰذَا الْبَيْتَ تَشْرِيْفًا . (اے اللہ اس گھر کے شرف میں اضافہ فرما۔)

جس مسئلہ میں ہم گفتگو کر رہے ہیں وہ اس دعا ہی کی نظیر ہے۔ کیونکہ کعبہ معظمہ کے شرف و عظمت میں اضافہ طلب

کرنے کی دعا مامور بہ ہے۔ جسے کسی نے بھی ممتنع نہیں کہا۔ (شیخ الاسلام ابو یحییٰ ذکریا انصاری رحمہ اللہ کی عبارت ختم ہوئی)

حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ کا یہ فتویٰ انتہائی تحقیق واتقان پر مشتمل ہے اللہ تعالیٰ ان کی سعی کو قبول فرمائے۔ اس میں غور کریں۔ اس فتویٰ اور اس سے قبل جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے۔ اس کی روشنی میں اس معترض کی جہالت ومجازفت (بے تکا) ومبادرت کا فیصلہ کیجئے اس معترض نے جس امر کے انکار کی گنجائش نہ تھی اس کے انکار کی جرأت کی ہے اور ہدایت یافتہ لوگوں کی راہ سے نکل کر حد سے تجاوز کرنے والے لوگوں کی گمراہیوں اور عیوب تک پہنچ گیا ہے۔ یہ محض انکار مباح بلکہ انکار حسن جیسا کہ متعدد علماء کے بارے میں گزرا ہے کہ انہوں نے اس کے مباح ہونے یا حسن ہونے کا انکار کیا ہے۔ اس شخص نے اس سے آگے بڑھ کر اس کو کفر قرار دیا ہے یہ اللہ تعالیٰ کے دین میں مجازفت اور اللہ تعالیٰ پر افتراء ہی ہے اس پر اس کی سزا دنیا وآخرت میں لازم ہے۔

امام طبرانی رحمہ اللہ نے ایک ایسی سند موقوف کے ساتھ جس میں ابن کثیر نے تنقید کی ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپ نے لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے کی تعلیم دیتے ہوئے ایک طویل دعا کا تذکرہ فرمایا وہ دعا ان الفاظ پر مشتمل ہے:

اَللّٰھُمَّ افْسَحْ لَہٗ مُتَفَسَّمًا فِیْ عَدْلِکَ وَاجْزِہٖ مُضَاعَفَاتِ الْخَیْرِ مِنْ فَضْلِکَ لَہٗ مُھَنِّئَاتٌ غَیْرُ مُکَدَّرَاتٍ مِنْ فَوْزِ ثَوَابِکَ الْمَعْلُوْمِ وَجَزِیْلِ عَطَائِکَ الْمَجْلُوْلِ. اَللّٰھُمَّ اَعْلِ عَلٰی بِنَاءِ الْبَاقِیْنَ بِنَاءَہٗ وَاَکْرِمْ مَثْوَاہُ لَدَیْکَ وَنُزُلَہٗ اَتْمِمْ لَہٗ نُوْرَہٗ وَاَجْزِہٖ مِنِ ابْتِعَاثِکَ لَہٗ مَقْبُوْلَ الشَّھَادَۃِ مَرْضَی الْمَقَالَۃِ ذَا مَنْطِقٍ عَدْلٍ وَکَلِمَۃٍ فَصْلٍ حُجَّۃٍ وَّبُرْھَانٍ عَظِیْمٍ.

(المعجم الاوسط للطبرانی، باب المیم، من اسمہ مسعدۃ، رقم الحدیث: 9089، ج: 9، ص: 43، مطبوعہ: دار الحرمین، قاہرہ)

ترجمہ: اے اللہ! کشادہ فرما دے ان کی جگہ جنت میں اور جزا دے ان کو کئی گناہ ان کی نیکیوں کی اپنے فضل سے جو خوشگوار ہوں آپ کے لئے کدورت سے پاک ہوں اور وہ بہرہ ور ہوں تیرے ثواب سے جو محفوظ ہے اور تیری اعلیٰ بخششوں سے جو پے در پے نازل ہو رہی ہیں اور اے اللہ! بلند کر آپ کی منزل کو تمام لوگوں کی منازل پر اور باعزت بنا آپ کی آرام گاہ کو اپنے پاس اور آپ کی مہمانی کو اور مکمل فرما آپ کے لئے آپ کے نور کو اور آپ کو جزاء دے

بایں سبب کہ تو مبعوث کرے گا اس حال میں کہ ان کی شہادت مقبول ہوگی اور ان کا قول پسندیدہ ہوگا وران کی گفتگو سچی ہوگی اور ان کا طریقہ حق کو باطل سے جدا کرنے والا ہوگا اور ان کی دلیل بزرگ ہوگی۔

یہ دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے طلب زیادت کی تصریح کر رہی ہے۔

مشکل الفاظ کی تشریح

عدنک، سے مراد جنت عدن ہے۔ عطائک المعلوم، العل سے ماخوذ ہے اور العل بار بار لینے کو کہا جاتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کئی گنا ہے گویا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بار بار عطا فرماتا ہے۔ اعل علی بناء الناس، یعنی عمارات بنانے والوں کی عمارات پر آپ کی بناء کو بلند فرما جیسا کہ ایک دوسری روایت میں بناء البانین کے الفاظ وارد ہیں بناہ، یعنی عمل کرنے والوں کے اعمال پر آپ کے عمل کو بلند فرما۔ مثواہ سے مراد آپ کا مقام و منزل ہے۔ نزلہ سے مراد آپ کا رزق ہے۔ خطۃ۔ خاء معجمہ کے ساتھ ہے جس کا معنی قصہ ہے اور الفصل کا معنی قطع کرنا ہے۔

جمہور کے نزدیک رَحِمَ اللّٰہُ مُحَمَّدًا کہنا جائز ہے

قاضی عیاض رحمہ اللہ وغیرہ کے قول کے مطابق جمہور کے نزدیک رحم اللہ محمدا کہنا جائز ہے اور انہوں نے علماء کی اس جماعت کی رائے کو کوئی اہمیت نہیں دی جو کہتے ہیں ایسا کہنا جائز نہیں ان کی دلیل یہ ہے رحمت غالبا ایسے فعل کی وجہ سے ہوتی ہے جس پر جھڑکا اور دھتکارہ جاتا ہے۔

مصنف فرماتے ہیں علماء کی اس جماعت کی رائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد صحیح احادیث کے مخالف ہے۔ ان میں سب سے زیادہ صحیح حدیث وہ ہے جو نماز کے تشہد میں وارد ہے۔ اس میں "اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَ رَحْمَۃُ اللّٰہِ وَ بَرَکَاتُہٗ" کے الفاظ موجود ہیں اس کے علاوہ وہ حدیث بھی ہے جس میں ایک اعرابی نے کہا تھا:

اَللّٰھُمَّ ارْحَمْنِیْ وَ ارْحَمْ مُحَمَّدًا وَ لَا تَرْحَمْ مَعَنَا اَحَدًا.

ترجمہ: اے اللہ! مجھ پر رحم فرما اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر رحم فرما ہمارے ساتھ کسی اور پر رحم نہ فرما۔

یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَقَدْ تَحَجَّرْتَ وَاسِعًا۔ (تو نے وسیع چیز کو تنگ کر دیا۔)

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعرابی کے پہلے لفظ جملہ ثابت رکھا اور دوسرے لفظ کا انکار فرمایا ہے۔ ایک حدیث کہ جس کی سند میں ایک راوی مجہول ہے اور باقی راوی صحیح کے راوی ہیں میں ہے:

وَ تَرَحَّمْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا تَرَحَّمْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ.

ترجمہ: اے اللہ! حضرت محمد (ﷺ) پر اور آل محمد پر رحم فرما جیسا کہ تو نے حضرت ابراہیم اور آل ابراہیم پر رحم فرمایا ہے۔

لہذا آپ ﷺ کے شرف میں اضافے کی دعا بدرجہ اولیٰ جائز ہونی چاہیے کیونکہ شرف میں زیادتی کی طلب اس چیز کی خبر نہیں دے رہی جس کی خبر رحمت کی طلب دے رہی ہے۔

فتح الباری میں ہے:

ابوالعالیہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے نبی پر درود بھیجنے کا معنی اللہ تعالیٰ کا فرشتوں کے سامنے اپنے نبی کی تعریف فرمانا ہے اور فرشتوں کا نبی اکرم ﷺ پر درود بھیجنے کا معنی یہ کہ فرشتے آپ کے حق میں دعا کرتے ہیں اور یہ سب سے بہتر قول ہے۔

پس اللہ تعالیٰ کا نبی کریم ﷺ پر سلام بھیجنے کا یہ معنی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی تعریف فرماتا ہے اور آپ کی عظمت کا اظہار فرماتا ہے۔

اور فرشتوں وغیرہ کا آپ پر درود بھیجنے کا معنی ہوگا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے نبی اکرم ﷺ کے لئے ان مذکورہ امور کو طلب کرتے ہیں اور اس سے مراد زیادتی طلب کرنا ہے نہ کہ اصل "صلاۃ" طلب کرنا ہے۔

(فتح الباری کی عبارت ختم ہوگئی)

یہ عبارت صراحت کر رہی ہے کہ نبی اکرم ﷺ پر ہمارا درود بھیجنا آپ کے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے اضافہ طلب کرنا ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں۔ اس میں حرج ہو بھی کیسے سکتا ہے؟ حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے بذاتِ خود اپنی دعا میں اضافہ طلب کیا ہے۔ آپ کی دعا میں وارد مسلم کی حدیث کے بعض حصہ میں ہے:

وَاجْعَلِ الْحَيَاةَ لِيْ زِيَادَةً فِيْ كُلِّ خَيْرٍ.

(المعجم الاوسط للطبرانی، باب المیم من اسمہ مسعدۃ، رقم الحدیث: 9089، ج: 9 ص: 43، مطبوعہ: دار الحرمین، قاہرہ)

ترجمہ: اے اللہ! زندگی کو میرے لئے ہر خیر میں زیادتی کا سبب بنا۔

اور خود اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ میں زیادتی طلب کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ قُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا. (پ: 16، سورۃ طٰہٰ، آیت: 114)

اے محبوب آپ فرمادیجئے۔ اے میرے ربّ! میرے علم میں اضافہ فرما۔ (کنز الایمان)

اگر زیادتی کی طلب وہ کچھ بتاتی جس کا وہم اس غبی جاہل منکر نے کیا ہے تو نبی اکرم ﷺ اس کی کبھی بھی دعا نہ کرتے اور اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی بھی اس کی طلب کا حکم نہ فرماتا۔ پس یہ چیز آپ ﷺ کے لئے شرف میں زیادتی طلب کرنے کے جواز پر دلالت کر رہی ہے بلکہ اس کے مستحب اور مستحسن ہونے پر دلالت کر رہی ہے اور یہی حق ہے

اسی پر اعتماد کرو اور اس کے خلاف ہر فریب سے بچو۔

شیخ الاسلام ابن حجر رحمہ اللہ نے بعض مقامات میں اس دعا کے بارے میں جو یہ فرمایا ہے یہ دعا بعض اہل عصر کی اختراع ہے جس کی سنت میں کوئی اصل نہیں، ظاہر یہ ہوتا ہے کہ انہوں نے یہ اس کی اصل پر مطلع ہونے سے قبل فرمایا ہے جیسا کہ اس کے بارے میں ان کی عبارت سابقا گزر چکی ہے جو اس بات کی تصریح کر رہی ہے کہ اس دعا کی سنت میں اصل اصیل موجود ہے۔ مجھے اس کے بعد معلوم ہوا کہ شیخ الاسلام بلقینی رحمہ اللہ نے اس بارے میں جو کچھ فرمایا ہے۔ جیسا کہ ان کی عبارت گزر چکی ہے۔ ان سے پہلے ابن تیمیہ اسی رائے کا اظہار کر چکا ہے اور امام سبکی رحمہ اللہ نے ابن تیمیہ کا خوب ردّ فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ سبکی رحمہ اللہ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

سانپوں کو مارنے کا جواز

سوال ..... گھر میں بسنے والے سانپوں کو ماردیں یا چھوڑ دیں؟ اور اگر آپ فرماتے ہیں کہ تین بار اسے ڈرایا جائے تو تین سے مراد تین دن ہیں یا تین ساعتیں؟ اور کیا اس میں سارے سانپ مثلاً "افعاء" (ایک قسم خبیث سانپ) اور درواز (سانپ کی ایک قسم ہے) اور اژدھاء برابر ہیں یا ان ہی سے کسی خاص نوع کو چھوڑنے کا حکم ہے؟ اور کیا آبادیوں مثلاً باغات اور جن کنوؤں سے کھیتی اور درخت سیراب کیے جاتے ہیں ان میں رہنے والے سانپ کا حکم گھر میں رہنے والے سانپ ہی کا حکم ہے؟ اور کیا ان میں سے کسی کو غیر آباد جگہوں میں یا آبادی والی جگہوں میں مارنا مکروہ ہے۔؟ اور اس کلام کا کیا حکم ہے جو سانپوں کے ساتھ آمنا سامنا ہونے کے وقت لوگ کہتے ہیں اور وہ کون سا عہد تھا جو حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام نے سانپوں سے لیا تھا؟

جواب..... جاننا چاہیے کہ نبی اکرم ﷺ نے سانپوں کے مارنے کا جو امر فرمایا ہے وہ امر ندب ہے۔

بخاری اور نسائی رحمہما الرحمہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِيْ غَارٍ بِمِنًى وَ قَدْ نَزَلَتْ عَلَيْهِ سُوْرَةُ وَ الْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا فَنَحْنُ نَاخُذُهَا مِنْ فِيْهِ رَطِبَةً اِذْ خَرَجَتْ عَلَيْنَا حَيَّةٌ فَقَالَ اقْتُلُوْهَا فَابْتَدَرْنَا لِنَقْتُلَهَا فَسَبَقَتْنَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَقَاكُمُ اللّٰهُ شَرَّهَا كَمَا وَقَاهَا شَرَّكُمْ.

(بخاری، کتاب جزاء الصید، باب ما یقتل المحرم.....الخ، رقم الحدیث: 1830، ج:3 ص:14، مطبوعہ: کلیۃ الشریعۃ، دمشق)

(صحیح البخاری، کتاب بدء خلق اللہ، باب خمس من الدواب فواسق یقتلن فی الحرم، رقم الحدیث: 3317، ج:4 ص:129، مطبوعہ: دار طوق النجاۃ)

ہم منیٰ کے مقام میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک غار میں بیٹھے ہوئے تھے اور آپ ﷺ پر سورہ والمرسلات نازل ہو چکی تھی۔ ہم آپ ﷺ کی زبان اقدس سے اس سورۃ کو نئی نئی طلب

کر رہے تھے۔ اچانک ایک سانپ ہم پر نکل آیا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسے قتل کردو۔
پس ہم جلدی سے اٹھے تاکہ اسے ماردیں لیکن وہ ہم سے بچ نکلا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا
اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس کے شر سے بچایا جس طرح اس کو تمہارے شر سے بچایا۔
سانپ کی انسان کے ساتھ عداوت مشہور ہے۔ کیونکہ جمہور کے قول کے مطابق اللہ تعالیٰ کے ارشاد:
اِهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ. (سورۃ البقرۃ، آیت: 38,36)
میں خطاب حضرت آدم، حضرت حوا اور ابلیس اور سانپ سے ہے۔
حیاۃ الحیوان میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
مَا سَالَمْنَاهُنَّ مُنْذُ عَادَيْنَاهُنَّ.

(حیاۃ الحیوان، الحیۃ، الحکم، ج:1 ص: 397، مطبوعہ: دارالکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان)

جب سے ہم نے سانپوں کے ساتھ عداوت کی ہے ان کے ساتھ ہم نے مصالحت نہیں کی۔
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
مَنْ تَرَكَهُنَّ فَلَيْسَ مِنَّا . (جو سانپوں کو زندہ چھوڑ دے وہ ہم میں سے نہیں۔)
(حیاۃ الحیوان، الحیۃ، الحکم، ج:1 ص: 397، مطبوعہ: دارالکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان)
اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:
مَنْ تَرَكَ حَيَّةً خَشْيَةً مِنْ ثَأْرِهَا. فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَ الْمَلَائِكَةِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِيْنَ.
(حیاۃ الحیوان، الحیۃ، الحکم، ج:1 ص: 397، مطبوعہ: دارالکتب العلمیۃ بیروت، لبنان)
ترجمہ: جو سانپ کو اس کے انتقام کے خوف سے چھوڑ دے اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔
مسند احمد میں نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:
مَنْ قَتَلَ حَيَّةً فَكَاَنَّمَا قَتَلَ مُشْرِكًا وَ مَنْ تَرَكَ حَيَّةً خَوْفَ عَاقِبَتِهَا فَلَيْسَ مِنَّا.
(حیاۃ الحیوان، الحیۃ، الحکم، ج:1 ص: 397، مطبوعہ: دارالکتب العلمیۃ بیروت، لبنان)
ترجمہ: جس کسی نے سانپ کو قتل کیا گویا اس نے مشرک کو قتل کیا اور جس نے سانپ کو اس کے انتقام کے خوف سے چھوڑا وہ ہم میں سے نہیں۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
اَلْحَيَّاتُ مُسِخَتِ الْجِنُّ كَمَا مُسِخَتِ الْقِرَدَةُ مِنْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ.
(مصنف ابی شیبہ، کتاب الصید، باب ما قالوا فی قتل الحیات.....الخ، رقم الحدیث: 19908، ج:4 ص: 261، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد والریاض)

ترجمہ: سانپ مسخ شدہ جنات ہیں جیسا کہ بندر بنی اسرائیل سے مسخ کیے گئے تھے۔

اس حدیث کی تخریج امام طبرانی رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ذریعہ نبی اکرم ﷺ سے کی ہے۔اوراسی طرح اس کوابن حبان رحمہ اللہ نے بھی روایت کیا ہے۔

یہ تمام احادیث ان سانپوں کے بارے میں ہیں جوگھروں میں نہیں بستے لیکن وہ سانپ جن کامسکن گھر ہیں ان کوجب تک تین بار ڈرایانہ جائے نہ مارا جائے گا۔

علماء نے تین کے بارے میں اختلاف کیا ہے کہ اس سے مراد تین دن ہیں یا تین بار، جمہور کے نزدیک تین دن مراد ہیں اور یہی رائے زیادہ بہتر ہے۔اگرچہ ان میں سے ہرایک کے متعلق حدیث وارد ہے۔

امام مالک، امام مسلم، امام ابوداؤد علیہم الرحمہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

اَنَّ اَبَا السَّائِبَ اَرَادَ اَنْ يَّقْتُلَ حَيَّةً بِدَارِ اَبِيْ سَعِيْدٍ وَ هُوَ يُصَلِّيْ فَاَشَارَ اِلَيْهِ اَنْ لَّا تَفْعَلُ ثُمَّ لَمَّا قَضٰى صَلَاتَهٗ حَدَّثَهٗ وَ قَدْ اَشَارَ لَهٗ فِيْ بَيْتٍ فِي الدَّارِ كَانَ فِيْهِ فَتًى حديث عهد بعرس فَخَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِلَى الْخَنْدَقِ فَكَانَ ذَالِكَ الْفَتٰى يَسْتَاذِنُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ بِاَنْصَافِ النَّهَارِ يَرْجِعُ اِلٰى اَهْلِهٖ فَاسْتَاذَنَهٗ يَوْمًا فَقَالَ لَهٗ ﷺ خُذْ عَلَيْكَ سَلَاحَكَ فَاِنِّيْ اَخْشٰى عَلَيْكَ قُرَيْظَةَ فَاَخَذَ الرَّجُلُ سَلَاحَهٗ فَاِذَا اِمْرَاَتُهٗ بَيْنَ الْبَابَيْنِ قَائِمَةٌ فَاَهْوٰى اِلَيْهَا بِالرُّمْحِ ...... بِهٖ وَ اَصَابَتْهُ غَيْرَةٌ فَقَالَتْ اَكْفِفْ عَلَيْكَ رُمْحَكَ وَ اَدْخِلِ الْبَيْتَ حَتّٰى تَنْظُرَ الَّذِيْ اَخْرَجَنِيْ فَدَخَلَ فَاِذَا بِحَيَّةٍ مُطْوِيَةٍ عَلَى الْفِرَاشِ فَاهوىٰ اِلَيْهَا بِالرُّمْحِ فَانْتَظَمَهَا بِهٖ ثُمَّ خَرَجَ بِهٖ فَرَكَزَهٗ فِي الدَّارِ فَاضْطَرَبَتْ عَلَيْهِ وَخَرَّ الْفَتٰى مَيْتًا فَمَا يُدْرٰى اَيُّهُمَا كَانَ اَسْرَعُ مَوْتًا اَلْفَتٰى اَمِ الْحَيَّةَ .قَالَ فَجِئْنَا النَّبِيَّ ﷺ وَ اَخْبَرْنَا بِذَالِكَ وَقُلْنَا اُدْعُ اللّٰهَ لَهٗ اَن يحييه فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ اِسْتَغْفِرُوْا لِصَاحِبِكُمْ ثُمَّ قَالَ ﷺ اِنَّ بِالْمَدِيْنَةِ جِنًّا قَدْ اَسْلَمُوْا فَاِذَا رَاَيْتُمْ مِنْهُمْ شَيْئًا فَاٰذِنُوْهُ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ فَاِنْ بَدَا لَكُمْ بَعْدَ ذَالِكَ فَاقْتُلُوْهُ اِنَّمَا هُوَ شَيْطَانٌ وَ فِيْ لَفْظٍ اِنَّ لِهٰذِهِ الْبُيُوْتَ عَوَامِرَ فَاِذَا رَاَيْتُمْ شَيْئًا مِنْهَا فَحَرِّجُوْا عَلَيْهِ ثَلَاثًا فَاِنْ ذَهَبَ وَ اِلَّا فَاقْتُلُوْهُ فَاِنَّهٗ كَافِرٌ.

(صحیح مسلم، کتاب السلام، باب قتل الحیات وغیرہا، رقم الحدیث: 2236، ج:4 ص: 1756، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت)

ترجمہ: حضرت ابوسائب رحمہ اللہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے گھر میں سانپ کو مارنا چاہا اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نماز پڑھ رہے تھے تو انہوں نے حضرت ابوسائب رحمہ اللہ

کو اشارہ کیا کہ ایسا نہ کرنا۔ پھر جب ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے نماز مکمل کر لی تو گھر میں موجود ایک کمرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان سے فرمایا کہ اس میں ایک نوجوان رہتا تھا جس کی ابھی ابھی شادی ہوئی تھی۔

رسول اللہ ﷺ جب غزوہ خندق کے لیے تشریف لے گئے تو ہم بھی آپ کے ساتھ گئے۔ پس وہ نوجوان دوپہر کے وقت حضور ﷺ سے اجازت طلب کرتا اور اپنی بیوی کے پاس لوٹ جاتا تھا۔ ایک دن حسب معمول نبی اکرم ﷺ سے اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے اسے فرمایا اپنا ہتھیار اپنے ساتھ رکھ لے مجھے تیرے بارے میں بنی قریظہ کے ضرر کی فکر ہے پس اس نوجوان نے اپنا ہتھیار اپنے ساتھ رکھا اور (جب گھر کے قریب پہنچا تو اس نے دیکھا کہ) اس کی بیوی دروازے پر کھڑی ہے۔ اسے غیرت آئی اور اس نے بیوی کی طرف نیزہ تان لیا تاکہ اسے نیزہ مارے اس کی بیوی فوراً بولی اپنے نیزے کو روک لے اور گھر میں داخل ہو تاکہ تو وہ چیز دیکھ لے جس نے مجھے گھر سے نکالا ہے۔ وہ گھر میں داخل ہوا، اچانک اس کے سامنے ایک بڑا سانپ بستر پر کنڈلی مارے بیٹھا تھا۔ پس اس نے سانپ کی طرف نیزہ تان لیا اور اسی چھید کر پار کر دیا پھر اس کو باہر نکالا اور مکان کے صحن میں گاڑ دیا، سانپ تڑپا اور نوجوان مُردہ حالت میں زمین پر آ گرا۔ پس معلوم نہ ہو سکا ان دونوں میں سے پہلے کس کی موت ہوئی، نوجوان کی یا سانپ کی؟

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس واقعہ کی ہم نے آپ کو اطلاع دی اور عرض کی یا رسول اللہ! اس نوجوان کے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ اسے زندہ فرما دے۔

حضور ﷺ نے فرمایا۔ تم اپنے ساتھی کے لئے مغفرت طلب کرو۔ پھر فرمایا: مدینہ منورہ میں کچھ جنات ہیں جو اسلام قبول کر چکے ہیں۔ پس تم ان میں سے کسی کو دیکھ لو تو تم تین مرتبہ اس کو خبردار کرو اور اگر اس کے بعد تمہیں نظر آئے تو اسے قتل کر دو اس لئے کہ وہ شیطان ہے۔ اور ایک روایت میں ہے، ان گھروں میں کچھ آباد رہنے والے ہیں۔ پس ان میں سے کسی چیز کو تم دیکھو تو تین دن تک تم اسے تنگ کرو اگر وہ چلا جائے تو فبہا ورنہ اسے قتل کر دو بے شک وہ کافر ہے۔

امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے تخریج کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ الْهَوَامَ مِنَ الْجِنِّ مَنْ رَاى فِي بَيْتِهِ شَيْئًا فَلْيُحَرِّجْ عَلَيْهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَإِنْ عَادَ فَلْيَقْتُلْهُ فَإِنَّهُ شَيْطَانٌ.

(سنن ابی داود، کتاب الادب، ابواب النوم، باب فی قتل الحیات، رقم الحدیث: 5256، ج:4 ص:364، مطبوعہ: المکتبۃ العصریۃ، بیروت، لبنان)

ترجمہ: بے شک حشرات جنات میں سے ہیں جو اپنے گھر میں کوئی چیز دیکھے تو اسے چاہیے کہ وہ تین بار اسے تنگ کرے اور اگر وہ لوٹ آئے تو اسے قتل کردے کیونکہ وہ شیطان ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی پہلی حدیث سے بعض علماء نے استدلال کیا ہے کہ سانپ کو تین بار خبردار کرنا مدینہ منورہ کے ساتھ خاص ہے کیونکہ حدیث میں آیا ہے: اِنَّ بِالْمَدِيْنَةِ جِنًّا، یعنی مدینہ میں جنات ہیں۔ اور بعض علماء نے فرمایا کہ صحیح یہ ہے کہ یہ حکم ہر جگہ کے لئے عام ہے کہ جب تک سانپ کو تین بار خبردار نہ کیا جائے اسے نہ مارا جائے۔

سانپوں کو انتباہ مستحب ہے واجب نہیں

ظاہر یہ ہے کہ سانپوں کو انتباہ مستحب ہے اگرچہ بعض حنبلی علماء کے کلام سے انتباہ کا وجوب ثابت ہوتا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

سانپ کو بغیر کسی جرم کے مارنا جائز نہیں جیسا کہ انسان کو بغیر کسی حق کے مارنا جائز نہیں خواہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔ جنات مختلف صورتیں بدلتے اور مختلف اشکال میں متشکل ہوتے رہتے ہیں گھروں میں رہنے والے سانپ بسا اوقات جنات ہوتے ہیں اس لئے انہیں تین بار انتباہ کیا جائے۔ اگر چلے جائیں تو فبہا ورنہ انہیں مار دیا جائے۔ اور اگر وہ اصلی سانپ ہے تو اسے مار دیا جائے گا اور اگر وہ جناتی سانپ ہے تو پھر وہ انسان کے سامنے سانپ کی صورت میں ظاہر ہو کر سرکشی اور ظلم کر رہا ہے۔ اور انسانوں کو اپنی اس صورت کے ذریعہ خوف زدہ کر رہا ہے۔

(حنبلی علماء کی عبارت ختم ہوگئی)

ان علماء نے فرمایا کہ وہ سرکشی وظلم پر اصرار کر رہا ہے۔ ان کے اس قول سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جن کا سانپ کی صورت میں ظاہر ہونا سرکشی وظلم ہے پس اس حال میں اسے انتباہ واجب نہ ہوگا۔

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ابناء الغمران میں علامہ ثوری انصاری رحمہ اللہ متوفی ۱۰۰۸ھ سے جو نقل کیا وہ بھی اسی کی تائید کرتا ہے:

وہ نقل کرتے ہیں کہ علامہ ثوری رحمہ اللہ کا ایک خوفناک اژدھا کے ساتھ آمنا سامنا ہوا تو انہوں نے اسے مار دیا۔ انہیں فوری طور پر اپنی جگہ سے اٹھا لیا گیا اور جنات کے پاس پہنچا دیا گیا

اور جنات نے انہیں اپنے قاضی کے سامنے پیش کیا

سامنے قتل کا دعویٰ دائر کر دیا۔ قاضی نے ان سے پوچھا کیا تو نے قتل کیا ہے انہوں نے اس کا اور مقتول جن کے وارث نے قاضی کے

انکار کیا کہ میں نے جن کو قتل نہیں کیا بلکہ سانپ کو مارا ہے۔ قاضی نے دریافت کیا کہ مقتول قتل

کے وقت کس شکل میں تھا؟ تو کہا گیا کہ وہ اژدھا کی شکل میں تھا۔ قاضی نے اپنی دائیں جانب

موجود ایک جن کی طرف توجہ کی تو اس نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ

فرمارہے تھے۔ "مَنْ تَزَيَّا لَكُمْ فَاقْتُلُوْهُ" (جو جن تمہارے سامنے شکل بدل کر آئے اسے قتل

کردو۔) قاضی نے یہ سن کر اس کو آزاد کرنے کا حکم دیا۔ پس جنات انہیں واپس ان کے گھر

چھوڑ گئے۔

ایک عجیب حکایت

اسی کی مثل ایک حکایت ابن عساکر رحمہ اللہ نے اپنی "تاریخ" میں تحریر کی ہے کہ ایک شخص پیشاب کرنے کے

لئے کسی ویران جگہ داخل ہوا تو اچانک ایک سانپ کے ساتھ سامنا ہوگیا۔ اس نے سانپ کو ماردیا۔ سانپ کو مارنا ہی

کیا تھا کہ سانپ کے ساتھ زمین کے اندر اُتر گیا۔ اور اسے ایک جماعت نے گھیر لیا اور کہنے لگے اس نے فلاں کو قتل

کردیا ہے ہم اسے اس کے بدلے میں قتل کریں گے۔ ان میں سے بعض نے کہا اسے شیخ کے پاس لے چلو۔ پس وہ

اسے شیخ کے پاس لے کر گئے۔ وہ شیخ سن رسیدہ، خوبصورت شکل وصورت اور سفید بڑی ریش والا ایک بزرگ تھا۔ اس

نے کہا تمہیں کیا حادثہ پیش آیا ہے؟ تو انہوں نے سارا ماجرا بیان کردیا۔ جس پر شیخ نے کہا مقتول جن کس شکل میں ظاہر

ہوا تھا؟ انہوں نے بتایا وہ سانپ کی شکل میں ظاہر ہوا تھا اس نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو "لیلۃ الجن"

میں ہمیں یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے:

مَنْ تَصَوَّرَ مِنْكُمْ فِيْ صُوْرَةٍ غَيْرِ صُوْرَتِهٖ فَقُتِلَ فَلَا شَيْئَ عَلٰى قَاتِلِهٖ.

(تاریخ دمشق لابن عساکر، حرف الحاء، الحسن بن احمد بن ابی البختری، ج:13 ص:23، مطبوعہ: دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع)

ترجمہ: تم میں سے جو اپنی صورت کے سوا کسی اور صورت کو اپنائے اور وہ قتل کردیا جائے تو اس

کے قتل کرنے والے پر کچھ بھی لازم نہیں۔

اس کو آزاد کردو۔ پس انہوں نے مجھے چھوڑ دیا۔

کیا جنات سے روایت کرنا جائز ہے؟

ان مذکورہ دونوں واقعات سے استدلال جنات سے روایت کا جواز کا پتا رہا ہے۔ امام طبرانی، ابن عدی وغیرہ

محدثین علیہم الرحمہ نے جنات سے روایت کیا ہے ۔لیکن بعض حفاظ حدیث نے اس میں توقف فرمایا ہے کہ راوی کے لئے عدالت اور ضبط شرط ہے ۔ایسے ہی نبی اکرم ﷺ کی صحبت سے مستفیض ہونے کا دعویٰ کرنے والے کے لئے بھی عدالت شرط ہے ۔اور جنات کی عدالت ہمیں معلوم نہیں ہوسکتی اور شیاطین انسانوں کے درمیان افواہیں پھیلاتے ہیں انہیں گھروں سے نکلنے کی وارننگ دینے کے متعلق احادیث بھی وارد ہیں (حفاظ حدیث کی عبارت ختم ہوئی)

اس میں توقف قابل توجہ ہے ۔بہرحال مناسب قول یہی ہے کہ وارننگ اور انتباہ واجب نہیں کیونکہ صورت میں اصل یہ ہے وہ اپنی صورت اصلیہ میں باقی رہنے والی ہے اور شارح نے جنات کی صورت کو اس کی تمام انواع کے ساتھ "مباح الدم" قرار دیا ہے اور اسے فواسق میں شمار فرمایا ہے ۔اس جواب کا پہلا حصہ گزر چکا ہے یعنی شریعت میں اس کے قتل پر تحریض وترغیب پائی جاتی ہے ۔اور یہ تمام امور اس بات کا تقاضا کررہے ہیں کہ سانپ کو وارننگ دینا اور اسے انتباہ کرنا واجب نہیں کیونکہ اس کا جناتی صورت میں ہونا احتمالی امر ہے کوئی یقینی بات نہیں ۔لیکن بخاری ومسلم شریف کی حدیث اس کے وجوب کا تقاضا کرتی ہے ۔ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ سے مروی بخاری شریف کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

اِنَّ ابْنَ عُـمَرَ كَانَ يَقْتُلُ الْحَيَّاتَ ثُمَّ نَهٰى قَالَ اِنَّ النَّبِیَّ ﷺ هَدَمَ حَائِطًا لَهٗ فَوَجَدَ فِيْهِ سَلْـخَ حَيَّةٍ فَقَالَ انْظُرُوْا اَيْنَ هُوَ؟ فَنَظَرُوْهُ فَقَالَ اُقْتُلُوْهُ فَكُنْتُ اَقْتُلُهَا لِذٰلِكَ فَلَـقِيْتُ اَبَا لُبَابَةَ فَاَخْبَرَنِیْ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ لَا تَقْتُلُوا الْحَيَّاتَ اِلَّا كُلَّ اَبْتَرِ ذِی الطُّفْيَتَيْنِ فَاِنَّهٗ يُسْقِطُ الْوَلَدَ وَ يُذْهِبُ الْبَصَرَ فَاقْتُلُوْهُ.

(صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، باب خیر مال المسلم ......الخ، رقم الحدیث: 3310,11، ج:4 ص:129، مطبوعہ:ایضا)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ پہلے سانپوں کو ماردیا کرتے تھے پھر ایسا کرنے سے منع فرمانے لگے آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دیوار گرائی تو اس میں سانپ کی کھال ملی ۔آپ نے فرمایا تلاش کرو سانپ کہاں ہے؟ پس صحابہ نے سانپ کو دیکھ لیا تو آپ نے فرمایا اُسے ماردو۔پس میں اس لئے سانپوں کو مارتا تھا۔میری جب حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے مجھے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ سانپوں کو نہ مارو سوائے اس سانپ کے جو بے دُم، سرپر دو نقطے والا ہے ۔کیونکہ یہ حمل گراتا ہے اور آنکھ کی بینائی ضائع کردیتا ہے ۔پس اسے مارڈالو۔

اور حضرت سالم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے جو حدیث روایت کی ہے بخاری میں اس کے الفاظ یہ ہیں:

اِنَّـهٗ سَمِـعَ النَّبِیَّ ﷺ يَخْطُبُ عَلَى الْمِنْبَرِ. اُقْتُلُوا الْحَيَّاتَ وَ اقْتُلُوْا ذَا الطُّفْيَتَيْنِ وَ

الْاَبْتَرِ فَاِنَّهُمَا يَطْمِسَانِ الْبَصَرَ وَ يَسْتَسْقِطَانِ الْحَمْلَ قَالَ عَبْدُاللّٰهِ بَيْنَمَا اُطَارِدُ حَيَّةً لِاَقْتُلَهَا فَنَادَانِيْ اَبُوْ لُبَابَةَ لَا تَقْتُلْهَا فَقُلْتُ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَدْ اَمَرَ بِقَتْلِ الْحَيَّاتِ قَالَ اِنَّهُ نَهٰى بَعْدَ ذَالِكَ عَنْ ذَوَاتِ الْبُيُوْتِ وَ هُنَّ الْعَوَامِرُ.

(صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق، باب قول اللہ تعالیٰ وبث فیہا ... رقم الحدیث: 3297، ج: 4، ص: 127، مطبوعہ: ایضاً)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کو منبر پر خطبہ دیتے ہوئے سنا آپ فرماتے ہیں: کہ سانپوں کو مار ڈالو، خاص کر ان سانپوں کو جن کے سروں پر دو نقطے ہوں اور بے دُم والے کو۔ اس لئے کہ ان کے کاٹنے سے بینائی جاتی رہتی ہے اور حمل ساقط ہو جاتا ہے۔ عبداللہ نے کہا میں ایک سانپ کو مارنے کے لئے بھاگ رہا تھا کہ ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے مجھے پکار کر کہا۔ اسے مت مار، میں نے کہا، کہ رسول اللہ ﷺ نے سانپوں کو مار ڈالنے کا حکم دیا ہے انہوں نے کہا اس کے بعد حضور ﷺ نے گھر والے سانپوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے اور یہ عوامر ہیں۔

مسلم شریف میں حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

قَالَ كَانَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُمَرَ يَوْمًا عِنْدَ هَدْمٍ لَهُ فَرَاٰى الْبَيْضَ جَان فَقَالَ اتَّبِعُوْا هٰذَا الْجَانَ فَاقْتُلُوْا فَقَالَ اَبُوْ لُبَابَةَ الْاَنْصَارِيُّ اِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى عَنْ قَتْلِ الْجَانِ الَّذِيْ يَكُنَّ فِي الْبُيُوْتِ اِلَّا الْاَبْتَرِ وَ ذَا الطفتين فَاِنَّهُمَا اللَّذَانِ يُخْطِفَانِ الْبَصَرَ وَ ......مَا فِيْ بُطُوْنِ النِّسَاءِ.

(صحیح مسلم، کتاب السلام، باب قتل الحیات......الخ، رقم الحدیث: 132، ج: 4، ص: 1754، مطبوعہ: ایضاً)

ترجمہ: حضرت نافع رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ایک دن اپنی ایک منہدم دیوار کے پاس تھے آپ نے ایک سفید رنگ کے سانپ کو دیکھا تو فرمایا اس سانپ کا پیچھا کرو اور اسے مار ڈالو۔ ابولبابہ انصاری رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اُن سانپوں کے مارنے سے منع کرتے ہوئے سنا ہے جو گھروں میں رہتے ہیں سوائے اس سانپ کے جو بے دُم ہے اور جس کے سر میں دو نقطے ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان دو قسم کے سانپوں کے کاٹنے سے بینائی چلی جاتی ہے اور عورتوں کے حمل ساقط ہو جاتے ہیں۔

بخاری شریف میں آپ ﷺ کے فرمان "لَا تَقْتُلُوا الْحَيَّاتَ" اور مسلم شریف میں "نَهٰی" کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ مذکورہ دو قسم کے سانپوں کے علاوہ دیگر سانپوں کو مارنے کی حرمت معلوم ہوتی ہے۔ مگر ممکن ہے کہ یہ

کہا جائے کہ ان احادیث کے ظاہر پر عمل نہیں، کیونکہ انتباہ کے بعد ان کو مارنا حرام نہیں۔ لیکن یہ قول محل نظر ہے کیونکہ اس روایت کے مطلق کو ان روایات کے مقید پر محمول کیا جائے گا۔ جن میں انذار وانتباہ کے بعد سانپوں کو مطلقاً مارنے کا حکم ہے۔ امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے جو حدیث نقل کی ہے اس میں بھی اس سانپ کی قید موجود ہے۔

اُقْتُلُو الْحَيَّاتِ كُلَّهَا اِلَّا الْجَانَ الْاَبْيَضَ الَّذِىْ كَاَنَّهٗ قُضَيْبُ فِضَّةٍ.

(سنن ابی داؤد، کتاب النوم، باب فی قتل الحیات......الخ، رقم الحدیث: 5261، ج:4 ص:366، مطبوعہ: مکتبۃ العصریۃ، بیروت)

ترجمہ: سانپوں کو مار ڈالو۔ سوائے اس سفید رنگ کے سانپ کے جو گویا کہ چاندی کی شاخ ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ سانپوں کی تمام انواع کو ہلاک کرنے سے پہلے انذار وانتباہ لازم ہے۔ اس صورت میں سابقہ جواب کا اول حصہ جس میں کہا گیا ہے کہ سانپوں کو مطلقاً ہلاک کرنے کا حکم ہے وہ اس حدیث کا معارض ہوگا۔ ممکن ہے کہ اس کا جواب یہ دیا جائے کہ مطلقاً سانپوں کو ہلاک کرنے کا حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ جیسا کہ بخاری کی سابقہ حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے اور یہ جواب بھی دیا جا سکتا ہے کہ مطلقاً مار ڈالنے کا حکم انذار وانتباہ کے باوجود سانپ کے نہ جانے پر محمول ہے کہ اس وقت اسے قتل کر دیا جائے خواہ وہ سانپ ہو یا اور کوئی چیز۔ لیکن بے دم اور دو نقطوں والے سانپوں کا استثناء اس جواب کے معارض ہے کیونکہ ان کو ہر حال میں مار ڈالنے کا حکم ہے۔ البتہ اس کا یہ جواب ہو سکتا ہے کہ ان دونوں کا استثناء اس بات کا مقتضی ہے کہ جنات ان دونوں کی شکل میں متشکل نہیں ہوتے پس اس لئے ان دونوں کو مطلقاً مار ڈالنا مسنون ہے۔ اس کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ علامہ زرکشی نے علامہ ماوردی رحمہ اللہ سے یہی جواب نقل کیا ہے۔ چنانچہ ماوردی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> ان دونوں سانپوں کو ہلاک کرنے کا حکم ہے کیونکہ جنات ان دونوں کی شکل میں متشکل نہیں ہوتے۔ اور گھروں میں بسنے والے سانپوں کو ہلاک کرنے سے اسی لئے منع فرمایا گیا ہے کہ جنات ان کی اشکال میں متشکل ہوتے ہیں۔

صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

وَاقْتُلُوْهُمَا فَاِنَّهُمَا يَطْمِسَانِ الْبَصَرَ وَيُسْقِطَانِ الْحَبَالٰى.

(المعجم الکبیر للطبرانی، باب الزاء، زید بن الخطاب......الخ، رقم الحدیث: 4644، ج:5 ص:81، مطبوعہ: مکتبۃ ابن تیمیہ قاہرہ)

ترجمہ: ان دونوں کو مار ڈالو، کہ ان کے کاٹنے سے بینائی جاتی ہے اور حاملہ عورتوں کے حمل ساقط ہو جاتے ہیں۔

امام زہری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہماری سمجھ کے مطابق ایسا ان کے زہر کی وجہ سے ہوتا ہے۔ سابقہ احادیث کے

ظاہر ہے ثابت ہوتا ہے کہ وارننگ دینے کا حکم گھروں میں بسنے والے سانپوں کے ساتھ خاص ہے۔اور یہ اس کا احتمال بھی رکھتا ہے۔اور یہ احتمال بھی ہے کہ گھروں میں بسنے والے سانپوں کے ساتھ وارننگ اس لئے خاص ہو کہ زیادہ تر تاکید انہیں کے بارے میں ہے کہ انہیں مارنے سے پہلے وارننگ دی جائے۔ورنہ سابقہ احادیث سے انذار و وارننگ کی جو علت معلوم ہوتی ہے وہ اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ بے دُم اور دو نقطوں والے سانپوں کے سوا ہر قسم کے سانپ کو وارننگ دی جانی چاہیے خواہ وہ گھر میں بسنے والے ہوں یا باغات میں، کنویں میں رہنے والے ہوں یا کسی اور جگہ۔اور بخاری شریف کی سابقہ روایت میں گھروں میں رہنے والے سانپوں کی تعبیر وهن العوامر کے ساتھ گویا کہ غالب ہونے کی وجہ سے ہے۔

ابوالشیخ اور ابن ابی الدنیا علیہما الرحمہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے جو حدیث تخریج کی ہے وہ انذار کے عدم وجوب کے منافی نہیں۔اور وہ حدیث یہ ہے:

اَنَّ عَائِشَةَ اَمَرَتْ بِقَتْلِ جَانٍ اَوْ حَيَّةٍ فَقِيْلَ لَهَا اِنَّهُ مِمَّنِ اسْتَمَعَ الْوَحْىَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَتَصَدَّقَتْ بِاِثْنَىْ عَشَرَ اَلْفَ دِرْهَمٍ۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اژدھا یا سانپ کو ہلاک کرنے کا حکم دیا۔تو اُن سے عرض کی گئی کہ یہ سانپ ان سانپوں میں سے تھا جس نے رسول اللہ ﷺ کی معیت میں وحی کی سماعت کی تھی اس پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بارہ ہزار درہم صدقہ کئے۔

ایک اور روایت میں ہے:

اِعْتَقَتْ اَرْبَعِيْنَ رَأْسًا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے چالیس غلام آزاد کئے۔

یہ حدیث انذار کے عدم وجوب کے اس لئے منافی نہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ صدقہ بطور تورع اور تقویٰ کے تھا۔سابقہ تحقیق سے معلوم ہوا کہ سانپوں کے ظاہر ہونے کی وجہ سے گھروں کو نہیں چھوڑنا چاہیے بلکہ تین مرتبہ انہیں وارننگ دی جائے۔اگر چلے جائیں تو فبہا ورنہ انہیں ماردیا جائے۔اور تین سے مراد جمہور علماء کے نزدیک تین دن ہیں۔اور دیگر علماء کے نزدیک تین ساعتیں ہیں۔وارننگ دینے کے بارے میں تمام سانپ برابر ہیں سوائے بے دم اور دو نقطوں والے سانپوں کے کیونکہ ان کو وارننگ نہیں دی جائے گی۔گھروں میں بسنے والے سانپوں کا بھی یہی حکم ہے کہ انہیں بھی وارننگ دی جائے گی۔اور جو سانپ گھروں سے باہر رہتے ہیں ان کا گھروں میں بسنے والے سانپوں کے ساتھ الحاق بعید نہیں۔

سانپ کو انتباہ کے وقت بولی جانے والی گفتگو کی کیفیت

امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے ابی لیلیٰ رحمہ اللہ سے یہ حدیث تخریج کی ہے:

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ سُئِلَ عَنْ حَیَّاتِ الْبُیُوْتِ فَقَالَ اِذَا رَأَیْتُمْ مِنْهَا شَیْئًا فِیْ بُیُوْتِكُمْ فَقُوْلُوْا:

"اَنْشُدُكُنَّ الْعَهْدَ الَّذِیْ اَخَذَ عَلَیْكُنَّ نُوْحٌ، اَنْشُدُكُنَّ الْعَهْدَ الَّذِیْ اَخَذَ عَلَیْكُنَّ سُلَیْمَانُ اَنْ لَّا تُؤْذُوْنَا فَاِنْ عُدْنَ فَاقْتُلُوْهُنَّ."

(سنن ابی داؤد، ابواب النوم، باب فی قتل الحیات، رقم الحدیث: 5260، ج:4 ص:366، مطبوعہ: مکتبۃ العصریۃ، بیروت)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ سے گھر میں بسنے والے سانپوں کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا جب تم ان میں سے کسی چیز کو دیکھو تو یہ کہو۔

"میں تمہیں اس عہد کی قسم دیتا ہوں جو عہد حضرت نوح علیہ السلام نے تم سے لیا تھا اور میں تمہیں اس عہد کی قسم دیتا ہوں جو حضرت سلیمان علیہ السلام نے تم سے لیا تھا کہ تم ہمیں اذیت نہ دو اگر وہ اس کے بعد لوٹ آئیں تو ان کو مار ڈالو۔"

مذکورہ حدیث "اسد الغابۃ" میں ابی لیلیٰ رحمہ اللہ سے ان الفاظ کے ساتھ ذکر کی گئی ہے:

اِذَا ظَهَرَتِ الْحَیَّةُ فِی الْمَسْكَنِ فَقُوْلُوْا لَهَا اِنَّا نَسْئَلُكَ بِعَهْدِ نُوْحٍ عَلَیْهِ السَّلَامُ وَ بِعَهْدِ سُلَیْمَانَ بْنِ دَاوٗدَ عَلَیْهِمَا السَّلَامُ لَا تُؤْذِیْنَا فَاِنْ عَادَتْ فَاقْتُلُوْهَا .

(الآداب للبیہقی، باب فی قتل الحیات، رقم الحدیث: 364، ج:1 ص:152، مطبوعہ: مؤسسۃ الکتاب الثقافیۃ، بیروت)

ترجمہ: جب گھر میں سانپ ظاہر ہو تو اسے کہو، ہم نوح علیہ السلام کے عہد اور حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کے عہد کے مطابق تیرے سے سوال کرتے ہیں کہ تو ہمیں اذیت نہ دے۔ اگر اس کے بعد لوٹ آئے تو اسے قتل کر دو۔

اس کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ حنفی مذہب کے آئمہ حدیث وفقہ میں سے امام طحاوی رحمہ اللہ نے انذار کے واجب نہ ہونے کی وہی تصریح فرمائی ہے جو سابقاً ہم بیان کر چکے ہیں ان کی عبارت یہ ہے۔

"تمام سانپوں کو مار ڈالنے میں کوئی حرج نہیں، اولیٰ یہ ہے کہ انذار کے بعد سانپ کو قتل کیا جائے۔"

ہم نے حدیث اور علت سے استدلال کرتے ہوئے سابقہ سطور میں یہ تصریح کی تھی کہ انذار تمام سانپوں میں مستحب ہے سوائے ان دو قسم کے سانپوں کے جن کا ذکر ہو چکا ہے۔ امام طحاوی رحمہ اللہ کی عبارت میں اس پر کوئی تصریح نہیں۔ امام طحاوی رحمہ اللہ کی مذکورہ عبارت سے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ حنفی علماء سے جو یہ منقول ہے کہ سفید رنگ کے سانپ کو ہلاک نہیں کرنا چاہیے کیونکہ وہ جنات میں سے ہے۔ یہ قول اس پر محمول ہے کہ اس سانپ کی تخصیص کا سبب یہ ہے کہ اس کے جنات میں سے ہونے کا گمان اس کے باقی سانپوں میں سے ہونے کے گمان سے

زیادہ قوی ہے۔ جس کی وجہ سے اس کی تخصیص کی گئی ہے تاکہ انذار اور اس کے قتل سے اجتناب اس کے حق میں زیادہ تاکیدی ہو جائے دوسرے سانپوں کے مقابلے میں۔

حضرت نوح علیہ السلام نے جو عہد لیا تھا یا حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو عہد لیا تھا اس کی تفصیل سے متعلق میں نے کسی عالم کی تصریح نہیں دیکھی اور نہ ہی اس کی تصریح کی ضرورت ہے۔ اس پر کوئی بڑا فائدہ مرتب نہیں ہوتا۔ اس مسئلہ کو ہم نے جس طرح مفصلاً ذکر کیا ہے اور میں کسی کو نہیں جانتا کہ اُس نے اِس میں اِس طرح کی یا اِس کے قریب قریب تفصیلی بحث کی ہو۔ زیادہ سے زیادہ انہوں نے سابقہ احادیث میں سے بعض انذار میں تین سے مراد تین دن ہیں یا تین ساعتیں ہیں اور کیا انذار مدینہ منورہ کے ساتھ خاص ہے یا کہ نہیں؟ یہ چند چیزیں ذکر کی ہیں۔ احادیث پر بھی گفتگو نہیں کی اور ان کے تعارض کو بھی بیان نہیں کیا اور انذار کے وجوب یا ندب پر دلالت کرنے والے امر سے بھی تعرض نہیں کیا جن میں محنت کرنا حالانکہ یہ نہایت اہم امور ہیں جن پر توجہ دینا لازم ہے۔ امید ہے کہ ہمیں معتبر آئمہ میں سے کسی ایک کی اس سے متعلق کوئی تحقیق مل جائے گی جو ہماری تحقیق کے موافق یا اس کے مخالف ہوگی۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب

احادیث سے اتنی بات ثابت ہوتی ہے کہ سانپ کو وارننگ دی جائے اگر چلا جائے تو فبہا ورنہ اسے مار دیا جائے کیونکہ وہ شیطان ہے۔ جیسا کہ روایت میں ہے اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ وہ کافر ہے۔ اور بہت ساری احادیث میں جو کچھ وارد ہے اس کے مطابق سانپ کی تمام اقسام اس میں برابر ہیں۔ لیکن بعض احادیث میں بے دم اور دو نقطوں والے سانپ کا استثناء ہے (کہ ان کو وارننگ دیئے بغیر قتل کر دیا جائے)

صحیحین کی حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے استثناء کی علت یہ بیان فرمائی ہے کہ ان کے کاٹنے سے بینائی جاتی ہے اور حمل ساقط ہو جاتا ہے۔ امام زہری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہماری سمجھ کے مطابق ایسا ان کے زہر کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اور بعض احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ انذار (وارننگ) کا حکم گھر میں بسنے والے سانپوں کے ساتھ خاص ہے۔ اور بعض آئمہ کا قول ہے کہ گھروں میں بسنے والے سانپوں کے علاوہ جو بھی سانپ ہیں ان کو مطلقاً مار دیا جائے۔ ان کے لئے انذار کی ضرورت نہیں۔ ان کے اس قول سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے بعض احادیث سے ہی استدلال کیا ہے ان کے اس قول پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "مَنْ رَاٰی فِیْ بَیْتِہٖ" (جو اپنے گھر میں دیکھے) یا اس کے علاوہ دوسری حدیثوں میں گھروں میں بسنے والے سانپوں کی جو قید وارد ہے وہ غالب احوال کی وجہ سے وارد ہے یا مزید تاکید کے لئے وارد ہے۔ ورنہ انذار (وارننگ) کے عمل کا حکم اس احتمال کے پیش نظر ہے کہ شاید کوئی جن سانپ کی شکل میں ظاہر ہو جائے جیسا کہ اس پر احادیث دلالت کر رہی ہیں اور یہ احادیث واضح طور پر بتا رہی ہیں انذار کے حکم میں سانپوں کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ خواہ سانپ گھر میں رہنے

والے ہوں یا باغات میں یا کسی اور جگہ میں ان کو انذار (وارنگ دینے) کا حکم ہے اور انذار کے بعد ان کو مار دیا جائے گا حتی کہ چاندی کی طرح سفید رنگت والے سانپ کو بھی مار دیا جائے گا۔

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول قول اس سانپ کے مطلقاً عدم قتل کا مقتضی ہے ان کے اس قول کو اس صورت پر محمول کیا جائے گا کہ جب تک اس کو وارنگ نہ دی جائے اسے قتل نہ کیا جائے۔ اس کو وارنگ دینے کی تاکید ہے۔ کیونکہ یہ سانپ دیگر سانپوں کے مقابلے میں جنات کی شکل وصورت کے زیادہ قریب ہے۔ اسی پر مسلم شریف کی یہ حدیث بھی محمول کی جائے گی:

اَنَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ قَتْلِ الْجَانِ اِلَّا الْاَبْتَرِ وَ ذَاالطُّفَتَيْنِ ۔

(صحیح مسلم، کتاب السلام، باب قتل الحیات، الخ، رقم الحدیث: 2233، ج: 4، ص: 1754، مطبوعہ: ایضاً)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے سانپوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے سوائے بے دُم اور دو نقطوں والے سانپ کے۔

امام ابوداؤد وغیرہ آئمہ نے ایک مرسل حدیث تخریج کی ہے جس میں انذار کی کیفیت کا بیان یوں ہے:

اَنْشُدُكُنَّ الْعَهْدَ الَّذِىْ اَخَذَ عَلَيْكُنَّ نُوْحٌ، اَنْشُدُكُنَّ الْعَهْدَ الَّذِىْ اَخَذَ عَلَيْكُنَّ سُلَيْمَانُ اَنْ لَّا تُؤْذُوْنَا.

(سنن ابی داؤد، ابواب النوم، باب فی قتل الحیات، رقم الحدیث: 5260، ج: 4، ص: 366، مطبوعہ: ایضاً)

ترجمہ: میں تمہیں اس عہد کی قسم دیتا ہوں جو عہد حضرت نوح علیہ السلام نے تم سے لیا تھا اور میں تمہیں اس عہد کی قسم دیتا ہوں جو حضرت سلیمان علیہ السلام نے تم سے لیا تھا کہ تم ہمیں اذیت نہ دو۔

میں ایسے کسی شخص کو نہیں جانتا جس نے اس عہد کی تشریح کی ہو اور نہ ہی اس کی تشریح کی ضرورت ہے۔ کیونکہ اس سے یہ صرف اس قدر مقصود ہے کہ ان دونوں نبیوں نے جنات کو پابند کیا ہے کہ وہ انسانوں کو اذیت نہ دیں۔ ان میں سے جو مومن ہیں ان کو جب یہ عہد یاد دلایا جاتا ہے وہ اس پابندی کی رعایت کرتے ہیں اور جو کافر ہیں وہ اس کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ اس لئے ان کو اس عہد کے تذکرہ کے بعد قتل کر دیا جائے گا اگر وہ جن ہے تو کافر ہے اور اگر واقعی سانپ ہے تو وہ مباح الدم ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک کو شرعاً قتل کیا جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

حوض کوثر پر نبی کریم ﷺ کی معیت میں اولیاء کی آمد انبیاء کرام سے پہلے ہوگی؟

سوال ...... ایک نے خطبہ کے دوران کہا تھا کہ حوض کوثر پر نبی اکرم ﷺ کی معیت میں اولیاء کرام علیہم الرحمہ کی آمد انبیاء کرام علیہم السلام سے پہلے ہوگی۔ اور اس پر احوالِ دنیا کی ایک مثال بیان کی کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی عظیم شخصیت کے خدام ومتبعین اس کے ساتھ اپنے قرب کی وجہ سے اس کی رہائش گاہ پر ان لوگوں سے پہلے

پہنچ جاتے ہیں جن میں اس عظیم شخصیت کا شمار ہوتا ہے؟ کیا اُس خطیب نے جو کچھ کہا ہے صحیح ہے؟۔
جواب……اُس خطیب نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ اس صورت میں صحیح ہوگا جب یہ ثابت ہوجائے کہ حضور ﷺ کے حوض کوثر پر انبیاء کرام علیہم السلام کی تشریف آوری ہوگی۔ حوضِ کوثر کے بارے میں پچاس سے زائد صحابہ کرام سے وارد احادیث کی تلاش وجستجو کے بعد مجھے کوئی ایسی چیز نہیں ملی جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام بھی حضور ﷺ کے حوض کوثر پر تشریف لائیں گے ان احادیث کی تفصیل کا یہ مقام نہیں۔ بلکہ مجھے اس بارے میں ایسی احادیث ملی ہیں جو اس کے خلاف پر دلالت کررہی ہیں۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے تخریج کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَ اِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوْضًا وَ اِنَّهُمْ يَتَبَاهُوْنَ اَيُّهُمْ اَكْثَرُهُمْ وَارِدَةً وَ اِنِّيْ اَرْجُوْا اَنْ اَكُوْنَ اَكْثَرَهُمْ وَارِدَةً.

(سنن ترمذی، ابواب صفۃ القیامۃ الخ، باب ماجاء فی صفۃ الحوض الخ، رقم الحدیث: 2443، ج:4، ص:628، مطبوعہ: مکتبہ ابن تیمیۃ القاہرہ، مصر)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر نبی کا حوض ہے۔ اور انبیاء کرام علیہم السلام فخر ومباہات کا اظہار فرمائیں گے۔ کہ کس کے حوض پر زیادہ لوگوں کی آمد ہوگی۔ اور میں امید کرتا ہوں کہ میرے حوض پر سب سے زیادہ لوگوں کی آمد ہوگی۔

اور امام طبرانی رحمہ اللہ نے سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ:

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ وَ اِنَّ الْاَنْبِيَاءَ يَتَبَاهُوْنَ اَيُّهُمْ اَكْثَرُهُمْ اَصْحَابًا مِنْ اُمَّتِهٖ فَاَرْجُوْا اَنْ اَكُوْنَ يَوْمَئِذٍ اَكْثَرَهُمْ وَكُلُّهُمْ وَارِدَةً وَ اِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ مِنْهُمْ يَوْمَئِذٍ قَائِمٌ عَلٰى حَوْضٍ مَلْاٰنٍ مَعَهٗ عَصَا يَدْعُوْا مَنْ عَرَفَ مِنْ اُمَّتِهٖ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ نَبِيٌّ سِيْمَا يَعْرِفُهُمْ بِهَا نَبِيُّهُمْ.

(المعجم الکبیر، باب السین، سلیمان بن سمرۃ الخ، رقم الحدیث: 7053، ج:7، ص:259، مطبوعہ: مکتبہ ابن تیمیۃ القاہرہ، مصر)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (قیامت کے دن) انبیاء کرام علیہم السلام باہم اس بات پر فخر کا اظہار فرمائیں گے کہ ان میں سے کس کے صحابہ زیادہ ہیں؟ ان سب کی حوض کوثر پر آمد ہوگی۔ اور اس دن ان میں سے ہر نبی ایک لبریز حوض پر کھڑا ہوگا اور اس کے پاس ایک عصا ہوگا۔ اور جس کو وہ اپنا امتی سمجھے گا اس کو (حوض پر) بلائے گا۔ ہر نبی کی امت کے لئے ایک علامت ہوگی اس علامت کی وجہ سے ان کا نبی انہیں پہچانے گا۔

مذکورہ دونوں حدیثیں صراحت کررہی ہیں کہ ہر نبی کا ایک مستقل حوض ہوگا جس پر اس کی امت کی آمد ہوگی۔ لہٰذا

اس خطیب نے جو بیان کیا وہ درست نہیں ۔اُس سے اِس بات پر دلیل کا مطالبہ کیا جائے گا اور اگر وہ اپنی اس بات پر کوئی قابل اعتماد دلیل پیش کر دے تو پھر اس پر کوئی ملامت نہیں بلکہ اسے محسن اور مطلع تصور کیا جائے گا اور اگر اس پر دلیل بیان نہ کر سکے تو دین میں مجازفت سے کام لینے کی بناء پر اسے شدید تعزیری سزا دی جائے گی تاکہ وہ حوض کے بارہ میں غور و خوض سے باز آ جائے ۔اور اس مشکل امر میں بحث و تمحیص نہ کرے ۔امور آخرت مغیبات میں سے ہیں۔

ہمارے لئے یہ جائز نہیں کہ ہم ان میں سے کسی کی خبر دینے کا اقدام کریں سوائے اس امر کے جو نبی اکرم ﷺ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے ۔اور جو چیز نبی اکرم ﷺ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت نہیں اس کا ذکر کرنا جائز نہیں الا یہ کہ اس کے ساتھ اس کا ضعف اور اس کے مخرج کا بیان ہو۔اور جزم کے ساتھ بیان کرنا جیسا کہ اس خطیب نے کیا ہے جائز نہیں سوائے اس چیز کے جس کا نبی اکرم ﷺ سے صحیح ثابت ہونا معلوم ہے ۔اور اس خطیب کا یہ کہنا کہ ولی کبھی نبی ﷺ کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے اس کا یہ قول کفر تک پہنچانے والے اقوال میں سے ہے۔

کیونکہ جو یہ عقیدہ رکھے کہ ولی ، نبی ﷺ کے درجہ تک پہنچتا ہے وہ کافر ہو جاتا ہے ۔اس خطیب پر لازم ہے کہ وہ اس قسم کے مشکل مسائل میں الجھنے ان میں غور و خوض سے بچے کہ جن کو علوم سمعیہ اور نظریہ میں کامل دسترس نہیں ہوتا اس کی غلطیاں اس کی درستگیوں سے زیادہ ہوتی ہیں ۔نَسْاَلُ اللّٰہَ التَّوْفِیْقَ۔(اللہ تعالیٰ سے ہم توفیق کی درخواست کرتے ہیں)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت کے کون لوگ حوض کوثر پر آئیں گے؟

ابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے المسند میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تخریج کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

اَوَّلُ مَنْ یَّرِدُ عَلَیَّ الْحَوْضَ اَھْلَ بَیْتِیْ وَ مَنْ اَحَبَّنِیْ مِنْ اُمَّتِیْ.

(شعب الایمان للبیہقی ،کتاب الزہد،الخ باب الزہد وقصر،الخ رقم الحدیث: 10003،ج:13ص:91،مطبوعہ:ایضا)

ترجمہ:حوض کوثر پر سب سے پہلے میری خدمت میں حاضر ہونے والے میرے اہل بیت ہوں گے اور میری امت کے وہ لوگ ہوں گے جو میرے ساتھ محبت رکھتے ہیں ۔

اور مسلم شریف کی حدیث میں ہے:

تَرِدُ عَلَیَّ امتی الْحَوْضَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ آنِیَتُہٗ عَدَدُ الْکَوَاکِبِ یُخْتَلَجُ عَبْدٌ مِّنْھُمْ فَاَقُوْلُ یَا رَبِّ اِنَّہٗ مِنْ اُمَّتِیْ فَیَقُوْلُ اِنَّکَ لَا تَدْرِیْ مَا اَحْدَثَ بَعْدَکَ .

(صحیح مسلم ،کتاب الطہارۃ ،باب استحباب الخ رقم الحدیث: 247،ج:1ص:218،مطبوعہ:ایضا)

ترجمہ:قیامت کے دن حوض کوثر پر میری امت پیش ہوگی ۔حوض کوثر کے آب خورے ستاروں کی تعداد کے برابر ہوں گے ان میں سے ایک بندے کو (حوض پر آنے سے) روک دیا جائے

گا۔ تو میں عرض کروں گا اے میرے رب! یہ میری امت میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تمہیں معلوم نہیں اس نے آپ کے بعد کیا کیا ہے؟۔

اور امام طبرانی رحمہ اللہ کے ہاں ایک حدیث میں ہے:

لَا يَشْرِبُ مِنْهُ مَنْ قَصَرَ ذِمَّتِيْ وَ لَا مَنْ قَتَلَ مِنْ اَهْلِ بَيْتِيْ.

(المعجم الکبیر للطبرانی، باب الحاء، الحسین بن علی ..... الخ، رقم الحدیث:2882، ج:3 ص:126، مطبوعہ: ایضا)

ترجمہ: میرے حوض کوثر سے وہ شخص سیراب نہ ہو سکے گا جس نے میرے عہد کو توڑا ہوگا۔ اور نہ وہ شخص سیراب ہو سکے گا جس نے میرے اہل بیت میں سے کسی کو شہید کیا ہوگا۔

امام مسلم، امام احمد، امام ترمذی، امام ابن ماجہ علیہم الرحمہ نے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ:

حَوْضِيْ مِنْ عَدَنٍ اِلٰى عُمَّانَ مَاءٌ اَشَدُّ بَيَاضًا مِنَ اللَّبَنِ وَ اَحْلٰى مِنَ الْعَسَلِ وَ اكوسه عَدَدُ نُجُوْمِ السَّمَاءِ مَنْ شَرِبَ مِنْهُ شَرْبَةً لَا يَظْمَأُ بَعْدَهَا اَبَدًا اَوَّلُ النَّاسِ عَلَيَّ وُرُوْدًا فُقَرَاءُ الْمُهَاجِرِيْنَ فَقَالَ عُمَرُ مَنْ هُمْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ .قَالَ اَشْعَثُ رُؤُسًا الدَّنَسِ ثِيَابًا لَا يَنْكِحُوْنَ الْمُنَعَّمَاتِ وَ لَا تُفْتَحُ لَهُمُ السُّدَدُ.

(سنن ترمذی، ابواب صفۃ القیامۃ الخ، باب ماجاء فی صفۃ اوانی الحوض، رقم الحدیث:2444، ج:4 ص:629، مطبوعہ: ایضا)

ترجمہ: میرے حوض کوثر کی لمبائی عدن سے لے کر عمان تک کی مقدار ہوگی اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں ہوگا اور اس کے آبخوروں کی تعداد آسمانوں کے ستاروں کی تعداد کے برابر ہوگی جو ایک مرتبہ اس سے سیراب ہوگا اس کے بعد ہمیشہ اسے تشنگی محسوس نہ ہوگی۔ اور میرے پاس (حوض کوثر کے مقام پر) سب سے پہلے حاضر ہونے والے مہاجرین کے فقراء ہوں گے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کپڑے میلے ہوں گے۔ اور وہ آسودہ حال عورتوں کے ساتھ نکاح نہ کر سکنے والے ہوں گے۔ اور نہ ان کے لئے (حکمرانوں) کے بند دروازے کھولے جائیں گے۔

مسلم شریف اور ابن ماجہ کی ایک روایت میں ہے:

اِنِّيْ لَاَذُوْدُ عَنْهُ الرِّجَالَ كَمَا يَذُوْدُ الرَّجُلُ الْاِبِلَ الْغَرِيْبَةَ عَنْ حَوْضِهٖ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَ وَ تَعْرِفُنَا .قَالَ نَعَمْ تَرِدُوْنَ عَلَيَّ غُرًّا مُحَجَّلِيْنَ مِنْ اٰثَارِ الْوُضُوْءِ لَيْسَتْ لِاَحَدٍ

غَيْرِكُمْ.

(سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، باب ذکر الحوض، رقم الحدیث: 4302، ج: 2 ص: 1438، مطبوعہ: ایضا)

ترجمہ: میں اپنے حوض سے کچھ لوگوں کو اس طرح دور کروں گا جس طرح کوئی شخص اجنبی اونٹ کو اپنے گھاٹ سے دور کرتا ہے۔ عرض کی گئی یارسول اللہ! کیا آپ ہمیں پہچان لیں گے؟ فرمایا: ہاں تم میرے پاس اس حال میں آؤ گے کہ آثار وضو کی وجہ سے تمہارے ہاتھ پاؤں اور چہرے چمک رہے ہوں گے۔ یہ علامت تمہارے سوا کسی اور کی نہ ہوگی۔

امام احمد اور امام حاکم علیہما الرحمہ نے تخریج کیا ہے کہ:

مَا اَنْتُمْ بِجُزْءٍ مِنْ مِائَةِ اَلْفِ جُزْءٍ مِمَّنْ يَرِدُ عَلَيَّ الْحَوْضَ .

(مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الفضائل، باب ما اعطی اللہ تعالی الخ، رقم الحدیث: 31687، ج: 6 ص: 310، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد، الریاض)

ترجمہ: حوض کوثر کے مقام پر میرے پاس حاضر ہونے والے ایک لاکھ اجزاء کے مقابلے میں تم ایک جزء بھی نہیں ہو۔

یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی کثرت کی طرف اشارہ ہے۔

ماوردی رحمہ اللہ وغیرہ نے تخریج کیا ہے: حَوْضِيْ اَشْرَبُ مِنْهُ۔ (میں اپنے حوض سے پانی نوش فرماؤں گا۔)

ابن حبان اور طبرانی علیہما الرحمہ نے روایت کیا ہے:

تزدحم هٰذِهِ الْاُمَّةُ عَلَى الْحَوْضِ اِزْدِحَامَ الْاِبِلِ اِذَا وَرَدَتِ الْخِمْسُ.

(المعجم الکبیر للطبرانی، باب العین، مسعود بن جبلۃ بن عرباض، الخ، رقم الحدیث: 632، ج: 18 ص: 253، مطبوعہ: ایضا)

ترجمہ: اس امت کا حوض کوثر پر ازدحام اس طرح ہوگا جس طرح پانچ جماعتی لشکر یعنی میمنہ، میسرہ، قلب، ساقہ اور مقدمۃ الجیش کے گھاٹ پر اترنے کے وقت اونٹوں کا ازدحام ہوتا ہے۔

ترمذی و امام حاکم علیہما الرحمہ نے کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ہمارے پاس تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّهُ سَيَكُوْنُ اُمَرَاءُ بَعْدِيْ فَمَنْ دَخَلَ عَلَيْهِمْ فَصَدَّقَهُمْ بِكِذْبِهِمْ وَ اَعَانَ عَلٰى ظُلْمِهِمْ فَلَيْسَ مِنِّيْ وَ لَيْسَ بِوَارِدٍ عَلَيَّ الْحَوْضَ وَ مَنْ لَمْ يَدْخُلْ عَلَيْهِمْ وَ لَا يُعِنْهُمْ عَلٰى ظُلْمِهِمْ وَ لَمْ يُصَدِّقْهُمْ بِكِذْبِهِمْ فَهُوَ مِنِّيْ وَ اَنَا مِنْهُ وَ هُوَ وَارِدٌ عَلَيَّ الْحَوْضَ.

(مسند ابن ابی شیبہ، باب حدیث کعب... الخ، رقم الحدیث: 508، ج: 1 ص: 345، مطبوعہ: دار الوطن، الریاض)

ترجمہ: عنقریب میرے بعد کچھ حکمران ہوں گے۔ جو ان کے پاس جائے گا تو ان کے جھوٹ کی تصدیق کرے گا اور ان کے ظلم پر ان کی مدد کرے گا وہ میری امت میں سے نہیں اور نہ وہ حوض کوثر کے مقام پر میرے پاس حاضر ہوگا۔ اور جو ان کے پاس نہیں جائے گا اور ان کے ظلم پر ان کی مدد نہیں کرے گا اور ان کے جھوٹ کی تصدیق نہیں کرے گا وہ میری امت میں سے ہے اور حوض کوثر کے مقام پر وہ میرے پاس حاضر ہوگا۔

فائدہ

امام قرطبی رحمہ اللہ نے علماء سے نقل کیا ہے کہ حوض کوثر سے ہر اس شخص کو دور کیا جائے گا جو ارتداد کا مرتکب ہو یا جس نے کوئی بدعت ایجاد کی ہوگی جیسا کہ روافض اور وہ ظالم لوگ جو اپنے ظلم میں حد سے تجاوز کرنے والے ہیں اور وہ لوگ جو اعلانیہ معاصی کا ارتکاب کرتے ہیں۔

کبیرہ گناہ کے مرتکب مسلمان کو پانی پینے کی حالت میں حوض کوثر سے دور کیا جائے گا پھر جب وہ جہنم میں داخل ہوگا تو تشنگی کا عذاب نہیں دیا جائے گا۔ (ملخصا)

حوض کوثر کس مقام پر ہوگا؟

ان علماء کے مذکورہ قول کی بنیاد اس پر ہے کہ حوض کوثر پل صراط سے پہلے ہے اور حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے جس چیز کو ترجیح دی ہے وہ یہ ہے کہ حوض کوثر پل صراط کے بعد ہے اور حوض کوثر سے سیرابی حساب وکتاب اور جہنم سے نجات کے بعد ہوگی۔ اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اس کی تائید فرمائی ہے کہ احادیث کے ظاہر سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حوض کوثر جنت کی ایک جانب ہوگا تاکہ اس میں اس نہر سے پانی گرایا جائے گا جو نہر جنت کے اندر ہے۔ اگر حوض کوثر پل صراط سے پہلے ہوتا تو جہنم اس کے اور اس پانی کے درمیان حائل ہو جاتی جو کوثر سے اس میں بھرا جائے گا۔ اور ایک جماعت کو حوض کوثر کے دیکھنے کے بعد اسے دور کر کے جہنم میں دھکیلے جانا اس کے منافی نہیں کیونکہ وہ اس کے اتنے قریب ہوں گے کہ اسے دیکھ لیں گے۔ مگر انہیں پل صراط کے باقی حصے سے نجات سے پہلے ہی جہنم میں دھکیل دیا جائے گا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب

کسی بستی میں جانے کی دعا مع تشریح امام نووی رحمہ اللہ

سوال...... کیا تشریح ہے حضرت امام نووی رحمہ اللہ کے اس قول کے بارے میں سوال کیا گیا جو "الاذکار" میں ہے:

بَابُ مَا يَقُوْلُ اِذَا رَاٰى قَرْيَةً يُرِيْدُ دُخُوْلَهَا اِلاَّ يُرِيْدُهٗ .

ترجمہ: باب اس شخص کے بارے میں جو کسی بستی کو دیکھے اس میں داخل ہونے کا ارادہ کرے یا

اس میں داخل نہ ہونے کا ارادہ کرے تو کیا پڑھے؟

امام نووی رحمہ اللہ نے اس باب کے تحت دو حدیثیں ذکر کی ہیں اور دونوں دخول کے ساتھ مقید ہیں عدم دخول کے ارادہ پر کوئی حدیث ذکر نہیں فرمائی۔ حالانکہ عنوان میں عدم دخول کا ارادہ بھی ذکر فرمایا ہے۔ تو کیا ان دونوں مذکورہ حدیثوں کے سیاق سے یا ان میں سے کسی ایک حدیث کے سیاق سے ارادۂ دخول کی قید کا معتبر نہ ہونا سمجھا جائے گا؟ یا امام نووی نے ان مذکورہ دونوں حدیثوں کے علاوہ کسی اور حدیث سے ذکر دخول کی قید کا معتبر نہ ہونا سمجھا ہے؟

ریاض الصالحین اور الاذکار کے تراجم ابواب میں بسا اوقات انسان ان احادیث سے زائد چیز دیکھتا ہے جو احادیث ان ابواب کے تحت امام نووی رحمہ اللہ ذکر کرتے ہیں۔ تو کیا یہ ان کے احادیث میں دقت فہم کی دلیل ہے کہ وہ ان مذکورہ احادیث سے ایسی چیز سمجھ لیتے ہیں جو حدیث میں مہارت نہ رکھنے والے پر مخفی ہوتی ہے؟ یا ان کے پاس ان مذکورہ احادیث کے علاوہ کوئی اور دلیل اس زائد چیز پر موجود ہوتی ہے اس بارے میں فتویٰ دیجئے اللہ تعالیٰ آپ کو اجر اور اپنے فضل وکرم سے دنیا وآخرت میں ابدی نعمت کی جزاء عطا فرمائے۔ آمین

جواب...... امام نووی رحمہ اللہ نے حدیث میں ارادہ دخول کی قید کے باوجود ترجمۃ الباب میں عدم ارادہ دخول کا ذکر یہ بتانے کے لئے کیا ہے کہ جس چیز کی وجہ سے یہ دعا مانگنی مستحب ہے اس کے مقصد کے پیش نظر حدیث میں ارادہ دخول کی قید معتبر نہیں۔ اور وہ مقصد اس جگہ یا اس کے علاوہ کسی اور جگہ میں بسنے والے جنات اور جمادات کی اذیت رسانی کا خوف ہے۔ جب ثابت ہوا کہ اس دعا کے پڑھنے کا سبب حال یہ ہے تو یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ حدیث میں ارادۂ دخول کی قید معتبر نہیں، بلکہ اس کا ذکر غالب احوال کی وجہ سے ہے نیز "شرح المهذب" میں امام نووی رحمہ اللہ نے ظاہر حدیث پر ہی عمل کیا ہے چنانچہ آپ رحمہ اللہ نے فرمایا:

"جب کوئی شخص کسی ایسی بستی یا کسی پڑاؤ کی جگہ کے قریب پہنچ جائے جس میں وہ داخل ہونے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے لئے مستحب ہے وہ یہ کہے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ خَیْرَهَا.

اے اللہ میں تجھ سے اس میں موجود بھلائی کا سوال کرتا ہوں۔

البتہ امام نووی رحمہ اللہ نے اس تعبیر میں ایک دوسرے استنباط کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ حدیث میں بستی کی تعبیر اس کے مشروط ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ غالب احوال کی وجہ سے

ہے۔ اسی لئے پڑاؤ کے تمام مقامات اس دعا کے مستحب ہونے میں قریہ کے ساتھ ملحق ہیں جب بھی کسی جگہ کے قریب پہنچ جائے اور وہ جگہ قریہ نہ بھی ہو تب بھی وہاں مذکورہ دعا کرنا مستحب ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ کی دونوں کتابوں میں مذکور کلام کے مجموعہ سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ حدیث میں ارادۂ دخول اور بستی کی قید معتبر نہیں اور پڑاؤ کا مقام بھی بستی کی مانند ہے اور عدم ارادۂ دخول۔ ارادۂ دخول کی طرح ہے۔

اس دعا کا سبب حال وہ چیز ہے جس کا میں نے ذکر کیا ہے۔ یعنی اس دعا کی طلب جس چیز کی وجہ سے ہے وہ بستی اور مقام پڑاؤ کی رویت میں موجود ہے اور دخول اور عدم دخول میں بھی موجود ہے شہر کہ انسانی جان لوگوں کی اجتماع گاہ اور ان کی منازل اور جو چیزیں ان کے تابع ہیں ان سب سے خوف زدہ رہتی ہیں کہ کہیں ان کی طرف سے اسے کسی قسم کا کوئی ضرر پہنچ جائے گا۔ اس لئے یہ دعا اس کے اطمینان اور اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی مزید عاجزی اور ضعف اور اپنی محتاجی پیش کرنے کی راہنمائی کے لئے مشروع ہوئی ہے تاکہ یہ اسے ہر موذی چیز سے سلامتی کی ضامن بن جائے۔ مذکورہ تحقیق سے حضرت امام نووی رحمہ اللہ کی حدیث میں حسنِ مہارت، دقتِ فہمی، باریک بینی اور حقائق حدیث تک ان کے اشارات کی رسائی کا علم ہوتا ہے۔ اور ان کے دیگر وہ اقوال جو اس طرح کے ہیں ان سب کو اسی طرح قیاس کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ ان کے انفاس طاہرہ کی برکات کا ہم پر فیضان فرمائے اور دنیا و آخرت میں ہمیں ان کے زمرہ میں اور ان کے پاؤں میں رکھے اور اللہ تعالیٰ اس دنیا سے لے کر اپنی ملاقات تک ہم پر اپنی رضا کا احسان فرمائے۔ بے شک وہ جواد اور رحیم ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب

کیا زمین کی تخلیق آسمان سے پہلے ہے؟

سوال...... کیا زمین، آسمان سے پہلے پیدا کی گئی ہے؟

جواب...... ہاں زمین کی پیدائش آسمان سے پہلے ہوئی ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی بخاری شریف کی حدیث سے واضح ہے اور قرآن کریم بھی اسی کا ناطق ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ بَنٰهَا رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰهَا وَ اَغْطَشَ لَيْلَهَا وَ اَخْرَجَ ضُحٰهَا وَ الْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا. (سورۃ النازعات، آیت: 27)

کیا تمہاری سمجھ کے مطابق تمہارا بنانا مشکل یا آسمان کا۔ اللہ نے اسے بنایا۔ اس کی چھت اونچی کی پھر اسے ٹھیک کیا۔ رات اندھیری کی اور اس کی روشنی چمکائی اور اس کے بعد زمین پھیلائی۔

اس آیت کریمہ میں زمین کے پھیلاؤ کا بیان ہے کہ زمین کو آسمان کی تخلیق سے پہلے آٹے کے پیڑے کی مانند پیدا کیا گیا اور آسمان کی تخلیق کے بعد اس کو پھیلایا گیا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب

دن افضل ہے یا شب؟

سوال.....سوال کیا گیا کہ کیا دن افضل ہے یا شب؟

جواب.....علماء کے ایک گروہ نے فرمایا ہے کہ دن رات سے افضل ہے۔دن میں قرآن کریم کی تلاوت، سماعت درس وتدریس اور ذکر الٰہی کے لئے جمع ہونے کی فضیلت پائی جاتی ہے اور دیگر علماء نے فرمایا کہ رات افضل ہے کیونکہ شب قدر ہزار ماہ سے افضل ہے اور ایسا کوئی دن نہیں جو ہزار ماہ سے افضل ہو۔رات کی افضلیت پر فقہاء کرام علیہم الرحمہ کا یہ قول بھی دلیل ہے۔کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو یہ کہے کہ تجھے افضل اوقات میں طلاق ہے۔تو وہ عورت شب قدر میں طلاق والی ہو جائے گی۔اور تجلی اکبر اور معراج کے لئے رات کی تخصیص اس کی افضلیت کی دلیل ہے۔

عرش افضل ہے یا کرسی؟

سوال.....سوال کیا گیا کہ کیا عرش کرسی سے افضل ہے؟

جوب.....عرش افضل ہے۔جیسا کہ ابن قتیبہ رحمہ اللہ نے اس کی صراحت کی ہے۔اور ابن قتیبہ رحمہ اللہ نے یہ تصریح بھی کی ہے کہ کرسی آسمان سے افضل ہے۔اور شام، عراق سے افضل ہے، اور حجر اسود، رکن یمانی سے افضل ہے۔اور رکنِ یمانی، کعبہ معظمہ کی تمام دیواروں اور بنیادوں سے افضل ہے۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب

کیا آسمان میں زمین کی طرح رات ہے؟

سوال.....سوال کیا گیا کہ آسمان میں زمین کی طرح رات ہوتی ہے؟

جواب.....قرآنی آیات اس پر دلالت کر رہی ہیں کہ رات اہل زمین کے ساتھ خاص ہے۔اللہ تعالیٰ نے رات کے سبب ہم پر احسان فرمایا کہ جب ہم تھکن اور اکتاہٹ محسوس کرتے ہیں تو رات ہمارے لئے راحت کا باعث ہوتی ہے۔بخلاف آسمانی مخلوق (فرشتوں) کے وہ اس کمزوری سے پاک ہیں اور قرآن مجید میں جو ارشاد ہے:

يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ . (سورۃ الانبیاء، آیت:20)

ترجمہ: فرشتے رات دن اس کی پاکی بولتے ہیں اور سستی نہیں کرتے۔

اس کا مطلب ہے کہ فرشتے ہمیشہ اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔دن رات میں تسبیح بیان کرنے کا تذکرہ دوام سے کنایہ ہے۔اور معراج کا رات میں واقع ہونا زمین والوں کی نسبت سے ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب

دوائی سے نقصان ہوا تو فیس کا حکم؟

سوال: ایسے شخص کے متعلق پوچھا گیا ہے طب کی مکمل معرفت نہیں، مریض اس کے پاس آئے تو طب کی کتاب کو
دیکھ کر جو چیز اس کو اپنی طبیعت کے موافق ملتی ہے ۔اس کے ساتھ علاج کرتا ہے ۔بیماری کی تشخیص نہیں جانتا
اس کے ہاتھوں کچھ مریض صحت یاب ہوجاتے ہیں اور کچھ نہیں ہوتے ۔اس شخص کے بارے میں شرعی حکم
کیا ہے؟ اور مریضوں سے ان کی خوش دلی اور رضامندی سے جو فیس وصول کرتا ہے اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: جو شخص طب کی کتب کا مطالعہ کر کے ان میں موجود نسخوں کے مطابق مرض کی تشخیص کے بغیر علاج کرتا ہے وہ
بے تکا کام کر رہا ہے اور لوگوں کی جانوں سے کھیل رہا ہے ۔جو شخص بیماری کی تشخیص نہ کر سکے اور علم طب کی
کلیات میں رسوخ نہ رکھے اس کے لئے علم طب کی جزئیات پر عمل کرنا جائز نہیں ۔جزئیات کو کلیات ہی
منضبط کرتی ہیں ۔اسی لئے بعض ماہرینِ طب نے فرمایا ہے کہ ہماری کتابیں فقہاء کے لئے قاتل ہیں کہ
جب وہ ان میں دیکھتے ہیں کہ فلاں شے، فلاں بیماری کا علاج ہے ۔تو وہ اس بیماری کے لئے اس شے کو بطور
دوا استعمال کرنے لگتے ہیں اور اس بات سے بے خبر رہتے ہیں کہ مریض کے جسم میں ایک اور مخفی بیماری بھی
ہے جو اس دوا کے متضاد ہے ۔پس ایسی صورت حال میں مریض کی ہلاکت واقع ہوجاتی ہے ۔حالانکہ
انہوں نے اس کو فائدہ مند سمجھا تھا ۔دوا اسی مریض کے لئے مفید ہوتی ہے جس کے متعلق یہ علم ہو کہ اس کے
جسم میں اس دوا کے متضاد کوئی بیماری نہیں ہے ۔اس چیز کو ماہر طبیب ہی سمجھ سکتا ہے جس نے کتاب کی سطور
کی بجائے ماہر فن اساتذہ کے صدور سے علم حاصل کیا ہوگا ۔اس میں علم طب ہی کی خصوصیت نہیں بلکہ جس
کسی نے بھی علم کتب کی سطور سے حاصل کیا ہے وہ ضال و مضل ہے اسی لئے امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا
کہ اگر کوئی شخص ایک مسئلہ دس کتابوں میں دیکھے تو اسے اس کا فتویٰ دینا جائز نہیں ۔ممکن ہے کہ وہ ساری
کتابیں کسی ضعیف قول یا ضعیف راہ پر گامزن ہوں۔

اس معالج نے اگر علاج اس دوا کے مفید ہونے کے خیال سے کیا تھا مگر اس سے اُلٹا مریض کو نقصان ہوا ہے
تو اس پر سوائے شدید گناہ اور آخرت میں عذاب عظیم کے کچھ لازم نہیں اس کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے
ڈرے اور اس کام سے باز آئے ورنہ وہ تباہ و برباد ہونے والوں میں شامل ہوگا۔

غیر ماہر معالج کی فیس کا حکم

اور یہ معالج مریضوں سے جو فیس وصول کر رہا ہے ۔اس کا کھانا اس پر حرام ہے ۔مریض اسے یہ فیس اپنے اس
گمان سے دے رہے ہیں کہ وہ دواؤں کی معرفت رکھتا ہے اگر انہیں یہ علم ہوتا کہ وہ اپنے اس فعل کے سبب گناہ
کا مرتکب اور عذاب آخرت کا مستحق ہے تو ان میں سے کوئی بھی اسے کچھ نہ دیتا ۔پس یہ شخص فریب، جھوٹ اور ظلم

وعدوان سے فیس وصول کر رہا ہے۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب

تعویزات لکھنے اور ڈالنے کا حکم

سوال ......تعویزات لکھنے اوران کو بچوں اور جانوروں کے گلے میں ڈالنے کا کیا حکم ہے؟

جواب...... ان تعویزات کو لکھنا جن میں ایسے اسماء شامل نہیں جن کا معنی معلوم نہیں تو جائز ہے اور ایسے ہی ان کو بچوں اور جانوروں کے گلے میں ڈالنا بھی جائز ہے۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب

دنوں اور راتوں کے اچھے اور بُرے ہونے کا سوال

سوال ......سعد ونحس کے متعلق دریافت کیا گیا اور ان دنوں اور راتوں کے بارے میں پوچھا گیا جو سفر وغیرہ کے لیے مناسب ہیں؟

جواب...... جو شخص نحس وسعد کے متعلق سوال کرتا ہے اسے سوائے اعراض کے جواب نہ دیا جائے اور جو کچھ وہ کر رہا ہے اس پر اس کی حماقت اور اس کے فعل کی قباحت بیان کی جائے ۔کہ یہ یہودیوں کا طریقہ ہے۔ مسلمانوں کا طرز عمل یہ نہیں ،مسلمان اپنے خالق ومالک پر توکل کرنے والے ہیں ۔ایام منقوطہ (جن دنوں کے نام نقطوں والے ہیں)وغیرہ کے بارے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جو منقول ہے ۔وہ باطل اور سراسر جھوٹ ہے جس کی کوئی اصل نہیں اسے احتراز کرنا چاہیے ۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب

قریب المرگ کا ملک الموت کو دیکھنا

سوال ......مجھ سے سوال کیا گیا کہ کیا ہر قریب الموت خواہ چھوٹا ہو، بڑا ہو، بینا ہو، نابینا ہو، انسان ہو، غیر انسان ہو، ملک الموت کو دیکھتا ہے؟

جواب......میں نے اس کا جواب دیا ہے کہ قریب الموت جس کی ابھی کچھ سانسیں باقی ہیں ملک الموت کی یا اُس کے مددگار فرشتوں کی اچانک آمد کے معائنہ پر دلالت کرنے والی احادیث وارد ہیں ۔ان احادیث میں سے ایک حدیث حضرت ابو نعیم رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَحْضُرُوْا مَوْتَاكُمْ وَ لَقِّنُوْهُمْ لاَ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَ بَشِّرُوْهُمْ بِالْجَنَّةِ فَاِنَّ الْحَلِيْمَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَاءِ يَتَحَيَّرُ عِنْدَ ذَالِكَ الْمَصْرَعِ وَ اِنَّ الشَّيْطَانَ اَقْرَبُ مَا يَكُوْنُ مِنَ ابْنِ آدَمَ عِنْدَ ذَالِكَ الْمَصْرَعِ وَ الَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ لِمُعَايَنَةِ مَلَكِ الْمَوْتِ اَشَدُّ مِنْ اَلْفِ ضَرْبَةٍ بِالسَّيْفِ.

(تنبیہ الغافلین ،باب ماجاء فی فضل......الخ،رقم الحدیث:638،ص:416،مطبوعہ:دار ابن کثیر،دمشق)

اپنے مرنے والوں کے پاس جاؤ اور انہیں "لا الہ الا اللہ" کہنے کی تلقین کرو اور انہیں جنت کی بشارت دو۔ کیونکہ عقل مند مرد اور عورت بھی اس حالت میں حیرت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اور اس حالت میں شیطان انسان کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے ملک الموت کو دیکھنا تلوار کی ہزار ضربات سے زیادہ سخت ہے۔

اس حدیث پاک میں نبی اکرم ﷺ کا فرمان:

وَ الَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لِمُعَایَنَۃِ مَلَکِ الْمَوْتِ اَشَدُّ مِنْ اَلْفِ ضَرْبَۃٍ بِالسَّیْفِ.

(تنبیہ الغافلین، باب ماجاء فی فضل ...... الخ، رقم الحدیث: 638، ص: 416، مطبوعہ: دار ابن کثیر، دمشق)

ترجمہ: قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے ملک الموت کو دیکھنا تلوار کی ہزار ضربات سے زیادہ سخت ہے۔

یعنی ہر قریب الموت کے لئے تلقین اور اسے متعلقہ دیگر امور کے لئے بیان علت کی مانند ہے اور اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قریب الموت جسے تلقین کا حکم ہے وہ ملک الموت کا معاینہ کرتا ہے۔ ورنہ اس پر قسم اٹھانا بلکہ اس کا تذکرہ کرنا بھی اس مقام کے مناسب نہ تھا۔ اور ایک حدیث میں ہے:

اِنَّ مَلَکَ الْمَوْتِ اِذَا سَمِعَ الصَّرَاخَ یَقُوْلُ وَیْلُکُمْ مِمَّ الْجَزْعِ و فِیْمَ الْجَزْعِ مَا اَذْھَبْتُ لِوَاحِدٍ مِنْکُمْ رِزْقًا وَلَا قَرَّبْتُ لَہٗ اَجَلاً وَلَا اَتَیْتُہٗ حَتّٰی اُمِرْتُ وَ لَا قَبَضْتُ رُوْحَہٗ حَتّٰی اسْتَاْمَرْتُ وَ اِنَّ فِیْکُمْ عَوْدَۃً ثُمَّ عَوْدَۃً حَتّٰی لَا اَبْقٰی مِنْکُمْ اَحَدًا قَالَ ﷺ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَوْ یَرَوْنَ مَکَانَہٗ اَوْ یَسْمَعُوْنَ کَلَامَہٗ لَذَھَلُوْا عَنْ مَیِّتِھِمْ وَ لَبَکَوْا عَلٰی اَنْفُسِھِمْ.

(الکبائر للذہبی، کتاب الکبیرۃ التاسعۃ والاربعون ...... الخ، باب فصل فی التعزیۃ، رقم الحدیث: ص: 182، مطبوعہ: دار الندوۃ الجدیدہ، بیروت)

ملک الموت جب میت پر رونے والوں کی آواز سنتا ہے تو کہتا ہے تمہیں افسوس ہو کس سبب سے روتے ہو؟ اور کس بارے میں روتے ہو؟ میں نے تم میں سے کسی کا رزق نہیں چھینا میں تم میں سے کسی کی موت کو اس کے قریب نہیں لایا۔ میں اس کے پاس نہیں آیا یہاں تک کہ مجھے حکم دیا گیا اور میں نے اس کی روح قبض نہیں کی یہاں تک کہ میں نے اس کی اجازت طلب کی اور میں تمہارے پاس بار بار آؤں گا یہاں تک کہ تم میں سے کسی کو بھی باقی نہیں چھوڑوں گا۔

حضور ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر میت کے گھر والے ملک الموت کا کھڑا ہونا دیکھ لیں اور اس کا کلام سن لیں تو اپنی میت سے غافل

ہو جائیں اور اپنے اوپر روئیں۔

ایک اور حدیث میں ہے:

اَنَّہٗ ﷺ نَظَرَ مَلَکَ الْمَوْتِ عِنْدَ رَجُلٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ فَقَالَ ارْفُقْ بِصَاحِبِنَا فَاِنَّہٗ مُؤْمِنٌ فَقَالَ مَلَکُ الْمَوْتِ عَلَیْہِ السَّلَامُ یَا مُحَمَّدُ طِبْ نَفْسًا اَقِرَّ عَیْنًا فَاِنِّیْ بِکُلِّ مُؤْمِنٍ رَفِیْقٌ وَ اَعْلَمُ اَنَّ مَا مِنْ اَھْلِ بَیْتِ دَارٍ وَ لَا شَعْرٍ فِیْ بَرٍّ وَ لَا بَحْرٍ اِلَّا اَنَا اتصفھم فِیْ کُلِّ یَوْمٍ خَمْسَ مَرَّاتٍ فِی لانا اَعْرِفُ بِصَغِیْرِھِمْ وَ کَبِیْرِھِمْ مِنْھُمْ بِاَنْفُسِھِمْ .وَ اللّٰہِ یَا مُحَمَّدُ لَوْ اِنِّیْ اَرَدْتُّ اَنْ اَقْبِضَ رُوْحَ بَعُوْضَۃٍ مَا قَدَرْتُ عَلٰی ذَالِکَ حَتّٰی یَکُوْنَ اللّٰہُ ھُوَ الْاٰمِرُ بِقَبْضِھَا.

(تنبیہ الغافلین، باب ھول الموت......الخ، رقم الحدیث: 25، ص: 38، مطبوعہ: ایضاً)

ترجمہ: حضور ﷺ نے ایک قریب الموت انصاری صحابی کے پاس ملک الموت کو دیکھا تو فرمایا ہمارے دوست کے ساتھ نرمی سے پیش آنا کہ وہ مومن ہے۔ ملک الموت علیہ السلام نے عرض کی اے محمد (ﷺ) خوش ہو جایئے اور اپنی آنکھ کو ٹھنڈا کیجئے کہ میں ہر مومن کے ساتھ نرمی سے پیش آنے والا ہوں۔ اور جان لو کہ نہیں کوئی مکان والے اور نہ کوئی خیمہ والے کسی خشک جگہ میں اور نہ کوئی سمندر میں مگر میں ان کو ہر روز پانچ مرتبہ تلاش کرتا ہوں یہاں تک کہ میں ان میں سے چھوٹے اور بڑے کو ان سے زیادہ پہچاننے والا ہوں۔[1] اور اے محمد (ﷺ) مجھے اللہ کی قسم! اگر میں ایک مچھر کی روح قبض کرنا چاہوں تو میں ایسا کرنے پر قدرت نہیں رکھتا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہی اس کی روح قبض کرنے کا حکم فرمانے والا ہے۔

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ حدیث اس چیز کی دلیل ہے کہ ملک الموت ہی ہر جاندار کی روح قبض کرنے پر مقدر ہیں اور ملک الموت کے تمام تصرفات اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی تخلیق و ارادہ کے تابع ہیں۔ قرآن پاک کی یہ آیت اس کے مخالف نہیں:

اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِھَا وَ الَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِھَا. (سورۃ الزمر، آیت: 42)

اللہ جانوں کو وفات دیتا ہے ان کی موت کے وقت اور جو نہ مریں انہیں ان کے سوتے میں۔

حَتّٰی اِذَا جَآءَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْہُ رُسُلُنَا. (سورۃ الانعام، آیت: 61)

یہاں تک کہ جب تم میں کسی کو موت آتی ہے ہمارے فرشتے اس کی روح قبض کرتے ہیں۔

---

[1] اگر ملک الموت علیہ السلام کے علم، نظر اور حافظے کا یہ عالم ہے تو سید المخلوقات جناب محمد مصطفیٰ علیہ السلام کے حافظے کا کیا عالم ہوگا۔؟

اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ

(سورۃ الانفال، آیت: 50)

ترجمہ: جب فرشتے کافروں کی جان نکالتے ہیں۔

اور یہ حدیث بھی اس کے مخالف نہیں:

اِنَّ الْبَهَائِمَ كُلَّهَا يَتَوَفَّى اللّٰهُ اَرْوَاحَهَا دُوْنَ مَلَكِ الْمَوْتِ......الخ

(التذکرہ باحوال الموتی، باب ماجاء ان الملک الموت......الخ ص:360، مطبوعہ: ایضا)

ترجمہ: تمام چارپایوں کی ارواح اللہ تعالیٰ قبض فرماتا ہے نہ کہ ملک الموت۔

مذکورہ آیات اور حدیث اس قول کے اس لئے منافی نہیں کہ ملک الموت ارواح کو قبض کرتا ہے اور اس کے معاون فرشتے ان کو محفوظ کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہی ارواح کو اجسام سے نکالتا ہے۔ اس طرح تمام آیات واحادیث کے درمیان تطبیق ہو جاتی ہے۔

ملک الموت بالواسطہ یا بلا واسطہ ارواح کو قبض کرتا ہے اسی لئے "توفی" کی اضافت اس کی طرف کی گئی ہے جیسا کہ مسلم کی حدیث میں خلق کی نسبت فرشتے کی طرف کی گئی ہے:

اِذَا بِالنُّطْفَةِ ثِنْتَانِ وَ اَرْبَعُوْنَ لَيْلَةً بَعَثَ اللّٰهُ اِلَيْهَا مَلَكًا فَصَوَّرَهَا وَ خَلَقَ سَمْعَهَا وَ بَصَرَهَا وَجِلْدَهَا وَلَحْمَهَا وَ عِظَامَهَا.

(صحیح مسلم، کتاب القدر، باب کیفیۃ خلق الآدمی......الخ، رقم الحدیث:2645، ج:4 ص:2037، مطبوعہ: ایضا)

ترجمہ: جب نطفہ بیالیس راتیں گزر جاتی ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کے پاس ایک فرشتہ بھیجتا ہے وہ اس کی صورت بناتا ہے اس کے کان، آنکھیں، کھال، گوشت اور اس کی ہڈیاں بناتا ہے۔

ایک اور روایت میں ہے:

اَنَّ مَلَكَ الْمَوْتِ قَالَ لِلنَّبِيِّ ﷺ لَيْلَةَ الْاِسْرَاءِ بَعْدَ كَلَامٍ طَوِيْلٍ. فَاِذَا نَفَدَ اَجَلُ عَبْدٍ نَظَرْتُ اِلَيْهِ فَاِذَا نَظَرْتُ اِلَيْهِ عَرَفُوْا اَعْوَانِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اَنَّهُ مَقْبُوْضٌ غَدٍ وَ انْبَطَشُوْا بِهٖ يُعَالِجُوْنَ نَزْعَ رُوْحِهٖ فَاِذَا بَلَغُوْا بِالرُّوْحِ الْحَلْقُوْمِ عَرَفْتُ ذٰلِكَ فَلَمْ يَخْفَ عَلَيَّ شَيْءٌ مِنْ اَمْرِهٖ مَدَدْتُ يَدِيْ فَاَنْزِعُهُ وَاِلَيَّ قَبْضُهُ.

(التذکرہ باحوال الموتی، باب کیفیۃ التوفی......الخ ص:252، مطبوعہ: ایضا)

ملک الموت نے معراج کی شب طویل کلام کے بعد نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا۔ جب کسی بندے کی عمر ختم ہوتی ہے تو میں اس کی طرف دیکھتا ہوں۔ جب میں اس کی طرف دیکھتا ہوں تو میرے معاون فرشتے سمجھ جاتے ہیں کہ اس بندے کی روح کل قبض کی جائے گی اور وہ اسے

پکڑتے ہیں اور اس کی روح نکالنے میں مصروف ہو جاتے ہیں اور جب روح کو حلقوم تک پہنچاتے ہیں تو میں اس کو جان جاتا ہوں پس اس بندے سے متعلق کوئی چیز مجھے خوف زدہ نہیں کرتی میں اپنا ہاتھ بڑھاتا ہوں اور اس کی روح کو کھینچ لیتا ہوں اور اس پر قابض و متصرف ہوتا ہوں۔

ایک اور حدیث میں ہے:

اَنَّهٗ يَنْزِلُ عَلَيْهِ اَرْبَعَةٌ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مَلَكٌ يَجْذِبُ النَّفْسَ مِنْ قَدَمِهِ الْيُمْنٰى وَ مَلَكٌ يَجْذِبُهَا مِنْ قَدَمِهِ الْيُسْرٰى وَمَلَكٌ يَجْذِبُهَا مِنْ يَدِهِ الْيُمْنٰى وَ مَلَكٌ يَجْذِبُهَا مِنْ يَدِهِ الْيُسْرٰى.

(التذکرہ باحوال الموتی، باب کیفیۃ التوفی......الخ، ص:252، مطبوعہ:ایضا)

ترجمہ: قریب الموت شخص کے پاس چار فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ایک فرشتہ اس کے دائیں پاؤں کی جانب سے روح کو کھینچتا ہے اور ایک فرشتہ اس کے بائیں پاؤں کی جانب سے روح کو کھینچتا ہے اور ایک فرشتہ اس کے دائیں ہاتھ کی جانب سے روح کو کھینچتا ہے اور ایک فرشتہ اس کے بائیں ہاتھ کی جانب سے روح کو کھینچتا ہے۔

یہ حدیث امام غزالی رحمہ اللہ نے ذکر کی ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ بسا اوقات غرغرہ سے پہلے میت پر ملکوتی امر منکشف ہو جاتا ہے اور وہ فرشتوں کو اپنے عمل کی حقیقت کے مطابق دیکھتا ہے اگر اس کی زبان جاری ہوئی تو وہ فرشتوں کی موجودگی کی خبر دیتا ہے۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب

خواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کُرتہ مبارک زیب تن کرنا

سوال ......ایک شخص نے خواب دیکھا کہ اسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کرتہ مبارک زیب تن کرایا گیا ہے اور وہ اس پر بڑی مسرت کا اظہار کر رہا ہے۔اس خواب کی تعبیر کیا ہوگی؟

جواب...... جو شخص خواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زیارت سے مشرف ہوا ہے اللہ تعالیٰ اسے حج ادا کرنے کی سعادت عطا فرمائے گا اور اس کو اپنے دشمنوں کے خلاف نصرت و مدد نصیب ہوگی۔اور اسے کسی ظالم کی جانب خوف و ضرر لاحق ہوگا اور پھر اللہ تعالیٰ اس کی نصرت فرمائے گا اور اسے نعمت اور مومنہ بیوی ملے گی اور وہ خوف زدہ ہوگا۔اور اسے غلبہ واقتدار ملے گا۔اگر کوئی حکمران اسے ضرر پہنچانے کا ارادہ کرے تو اللہ تعالیٰ ان کے ضرر سے اس کو محفوظ رکھے گا۔اگر فقیر ہے تو غنی بن جائے گا اور غنی ہے تو اس کے مال و دولت میں اضافہ ہوگا اور اس کے ہاں بڑھاپے اور اولاد سے ناامیدی کے بعد مبارک بچے کی ولادت ہوگی۔ اور اسی شہر میں اسے وسعت و شادمانی نصیب ہوگی اور اس کی پریشانیاں ختم ہو جائیں گی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خواب میں زیارت ان تمام باتوں میں سے بعض کی خبر دیتی ہے اور بعض اوقات اس بات کی بھی اطلاع دیتی ہے کہ وہ خواب دیکھنے والا اپنے باپ یا اس کی مثل کسی قریبی رشتہ دار کی مخالفت کرے گا اور اس کی یہ مخالفت خیر کی مخالفت ہوگی اور اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف رجوع کرنے کے لئے اور اللہ تعالیٰ کے دین کی نصرت ومدد کی خاطر یہ مخالفت ہوگی۔ اور خواب میں کرتا دیکھنے کی تعبیر دین، تقویٰ عمل اور بشارت ہے اور اگر کوئی مرد کسی عورت کو کرتا پہنائے تو وہ اس عورت کے ساتھ نکاح کرے گا اور اگر کوئی عورت کسی مرد کو پہنائے تو وہ عورت اس کے ساتھ شادی کرے گی۔

خواب میں کرتا زیب تن کرتے ہوئے دیکھنے کی تعبیر کرتا پہننے والے کی دینی اور دنیاوی حالت سے بھی کی جاتی ہے اگر کرتا مکمل ہے تو یہ خواب دیکھنے والے کے دین ودنیا میں کامل ہونے کی دلیل ہے اور اگر وہ ناقص یا چھوٹا یا تنگ ہے تو پھر وہ اس کے الٹ کی دلیل ہے جیسا کہ اس پر بخاری شریف کی حدیث دلالت کررہی ہے:

بَیْنَمَا اَنَا نَائِمٌ رَاَیْتُ النَّاسَ یُعْرَضُوْنَ عَلَیَّ وَ عَلَیْهِمْ قُمُصٌ مِنْهَا مَا یَبْلُغُ الثُّدِیَّ وَ مِنْهَا مَا یَبْلُغُ دُوْنَ ذٰلِکَ مَرَّ عَلَیَّ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَ عَلَیْهِ قَمِیْصٌ یَجُرُّهٗ قَالُوْا مَا اَوَّلْتَهٗ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اَلدِّیْنُ.

(صحیح البخاری، کتاب التعبیر، باب القمیص فی المنام، رقم الحدیث: 7008، ج:9 ص:35، مطبوعہ: ایضاً)

ترجمہ: جس وقت میں سویا ہوا تھا میں نے دیکھا کہ لوگ پیش کیے جارہے ہیں دران حالیکہ انہوں نے قمیصیں پہنی ہوئی ہیں بعض لوگوں کی قمیص پستانوں تک تھیں اور بعض کی اس سے کم تھیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا تو ان کی قمیص گھسیٹ رہی تھی صحابہ نے عرض کی یارسول اللہ! آپ نے اس کی تعبیر کیا کی ہے؟ آپ نے فرمایا: دین۔

کرتے کی تعبیر دین کے ساتھ کرنے کی ایک وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ کرتا دنیا میں قابل ستر اعضاء کی پردہ پوشی کرتا ہے اور دین آخرت میں ان کی پردہ پوشی کرے گا اور انہیں ہر ناپسندیدہ چیز سے محفوظ رکھے گا۔ اور اس کی دلیل قرآن پاک کی یہ آیت کریمہ:

وَلِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِکَ خَیْرٌ. (سورۃ الاعراف، آیت:26)

ترجمہ: تقویٰ والا لباس بہتر ہے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اسی لئے اہل تعبیر کا اتفاق ہے کہ کرتے کی تعبیر دین ہے۔ اور اس کی طوالت کرتا پہننے والے کے آثار کا اس کے بعد باقی رہنے کی دلیل ہے۔

مذکورہ تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ خواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قمیص پہنے دیکھنا اس قمیص کے حسب حال

جس نے اسے پہنا ہے خواب دیکھنے والے کی دینداری کے حسن وکمال کی دلیل ہے۔ یہ تعبیر تو قمیص کے حوالے سے تھی اگر وہ اس کے ساتھ خواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زیارت سے بھی مشرف ہوا ہے تو یہ دلیل ہے ان تمام باتوں کی جو ہم نے خواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زیارت کے حوالہ سے سابقاً بیان کیں ہیں۔

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی نَبِیِّنَا وَ عَلٰی سَائِرِ الْاَنْبِیَاءِ وَ الْمُرْسَلِیْنَ وَسَلِّمْ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا دَائِمًا اَبَدًا.

سقمونیا کی حقیقت

سوال...... سقمونیا کی حقیقت کیا ہے؟

جواب...... سقمونیا ایک درخت کی گوند ہے جو مشہور ملک انطاکیہ سے برآمد کیا جاتا ہے۔ اور یہ دوا لوگوں کے ہاں "**محمودہ**" کے نام سے مشہور ہے اور یہ خاص کر صفراء کے لئے سہل ہے اور اس کی خوراک دو قیراط کی مقدار ہے۔ ماہر معالج سے مشاورت کے بغیر کسی کو بھی یہ استعمال نہیں کرنی چاہیے۔ بلکہ طب کی کتب میں موجود تمام ادویہ ماہر معالج کی مشاورت کے بعد استعمال کرنی چاہئیں ورنہ ان کو ترک کرنا متعین ولازم ہے اسی لئے بعض حاذق اطباء نے کہا ہے کہ:

''ہماری کتابیں فقہاء کے لئے قاتل ہیں''۔

یعنی فقہاء کسی باب میں کوئی مفرد یا مرکب دیکھتے ہیں جس کے بارے میں لکھا ہوتا ہے کہ اسے فلاں بیماری کے لئے استعمال کیا جاتا ہے تو وہ اس کو لے کر اس بیماری کے لئے استعمال شروع کر دیتے ہیں اور وہ اس بات سے بے خبر ہوتے ہیں کہ اس کا استعمال چند دیگر شرائط کے ساتھ مشروط ہے جن کو کسی دوسرے باب میں ذکر کیا گیا ہے۔ دواء کو اس کے استعمال کی تمام شرائط پر عمل کئے بغیر استعمال کیا جائے تو وہ شدید ضرر دیتی ہے۔ حتیٰ کہ بسا اوقات ہلاکت تک پہنچا دیتی ہے۔ اور کسی انسان کو اس فریب میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے کہ اس نے کبھی کوئی چیز استعمال کی تھی اور اس نے اسے نقصان نہیں پہنچایا۔ ایسا کرنے والا اس شخص کی طرح ہے جس نے درندوں کی کسی آماجگاہ کو دیکھ کر ڈرا اور ایک بار وہاں سے گزر ہی گیا اور درندوں میں سے کسی درندے نے کسی عارضہ کے لاحق ہونے کی وجہ سے اس کے ساتھ کوئی تعرض نہیں کیا۔ پس وہ فریب میں مبتلا ہوا اور دوسری مرتبہ بھی وہاں سے گزرا تو لوگوں نے اسے دیکھا کہ پہلی بار درندوں کو جو عوارض لاحق تھے اس بار معدوم ہونے کی وجہ سے انہوں نے اسے چیر پھاڑ کے رکھ دیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ فریب خوردہ انسان قابل تعریف نہیں اگرچہ وہ سلامت ومحفوظ بھی رہ جائے۔

عہد، میثاق اور یمین میں فرق

سوال...... عہد، میثاق اور یمین میں کیا فرق ہے؟

جواب......عہد، پختہ وعدے کو کہا جاتا ہے۔"لسان العرب" میں عہد کے درج ذیل معانی بیان کئے گئے ہیں:
وصیت، ضمان، امر، رؤیت، منزل۔
اور میثاق اس عہد کو کہا جاتا ہے جس کی یمین کے ساتھ تاکید کی گئی ہو اور یمین اللہ تعالیٰ کی ذات یا کسی صفت کے ساتھ حلف اٹھانے کو کہا جاتا ہے جیسا کہ ان کے اپنے مقام ومحل میں ثابت ہے۔اللہ تعالیٰ کے فرمان:
اَلَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ بَعْدِ مِیْثَاقِهٖ۔ میں عہد سے کیا مراد ہے؟ اس میں علماء کے مختلف اقوال ہیں:

1......انبیاء کرام پر جو کتب نازل کی گئیں ہیں ان سب میں اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو اپنی اطاعت وفرمانبرداری کا حکم دیا ہے اور معصیت سے منع فرمایا ہے اس عہد سے یہی مراد ہے۔

2......اس سے مراد وہ عہد ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں سے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کے ظہور کے وقت لیا تھا۔جس کا تذکرہ اس آیت کریمہ میں ہے:
وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْۢ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ ۔ (سورۃ الاعراف، آیت: 172)
ترجمہ: یاد کرو جب تمہارے رب نے اولادِ آدم کی پشت سے ان کی نسل نکالی تھی۔
متکلمین نے فرمایا کہ اس سے یہ عہد مراد لینا درست نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر کسی ایسے عہد ومیثاق کو حجت نہیں بناتا جس کا انہیں شعور تک نہیں ہوتا۔جس طرح کہ اللہ تعالیٰ سہو ونسیان کی وجہ سے ان کا مؤاخذہ نہیں فرماتا۔

3......اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ عہد ہے جو اس نے ان سے سماوی کتب میں لیا تھا کہ وہ اس کی توحید کا اقرار کریں گے اور اس کی نعمتوں کا اعتراف کریں گے اس کے انبیاء کرام ورسل عظام علیہم السلام اپنے ہمراہ جو احکام لے کر آئیں گے اس کی تصدیق کریں گے۔
قرآن کریم میں اس کا تذکرہ یوں ہے:
وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ لَتُبَیِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَ لَا تَکْتُمُوْنَهٗ ۔
(آل عمران، آیت: 187)
ترجمہ: اور یاد کرو جب اللہ نے عہد لیا ان سے جنہیں کتاب عطا ہوئی کہ تم ضرور اسے لوگوں سے بیان کرنا اور نہ چھپانا۔

4......اس سے مراد وہ عہد ہے جو اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے متبعین سے لیا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی حضرت محمد ﷺ کا انکار نہیں کریں گے اور اس کے نبی حضرت محمد ﷺ کی نصرت وتعظیم کریں گے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ. (سورۃ آل عمران، آیت: 81)

اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا جو میں تمہیں کتاب اور حکمت دوں پھر تمہارے پاس وہ رسول تشریف لائے جو تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے۔

5......اس سے مراد وہ عہد ہے جو اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے متبعین سے لیا تھا کہ وہ حضرت محمد ﷺ اور آپ کی رسالت پر آپ کی بعثت سے پہلے ایمان لائیں گے۔ یہ قول اپنے ماقبل والے قول کے قریب قریب ہے لیکن بعینہ وہ نہیں۔

6......اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید اور اپنے رسول حضرت محمد ﷺ کی صداقت پر ان کی عقلوں میں جو حجت رکھی ہے، اس سے مراد وہ ہے کہ قرآن کریم کے اعجاز اور اس کی صداقت اور حضرت محمد ﷺ کی نبوت پر دلالت کرنے والے معجزات کے اعتبار سے ان کی عقول میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضور ﷺ کی رسالت کی صداقت پر جو حجت رکھی گئی ہے عہد سے مراد وہی ہے۔

7......عہد سے مراد وہ امانت ہے جس کو آسمانوں اور زمین پر اور تمام کائنات پر پیش کیا گیا تھا مگر جس کا بار ذمہ انسان نے اٹھایا۔

8......اس سے مراد اللہ تعالیٰ نے انسانوں سے جو عہد لیا تھا کہ وہ خون ریزی نہ کریں گے اور لوگوں کو ان کے گھروں سے نہ نکالیں گے۔ یہ مراد ہے۔

9......اس سے مراد ایمان اور التزام شرائع ہے۔

10......اس سے مراد وہ دلائل ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت پر آسمانوں اور زمین اور تمام مخلوقات میں قائم فرمائے ہیں یہ بمنزلہ عہد کے ہے۔

11......اس سے مراد وہ عہد ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے لیا ہے جنہیں کتاب عطا فرمائی تھی کہ وہ حضرت محمد ﷺ کی نبوت کو بیان کریں گے اور آپ کی صفات کو نہیں چھپائیں گے۔

قرآن کریم کی آیت:

وَ اَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ. (سورۃ البقرہ، آیت: 40)

ترجمہ: تم میرا عہد پورا کرو میں تمہارا عہد پورا کروں گا۔

اس آیت میں بنی اسرائیل سے خطاب ہے جس میں دو عہدوں کا ذکر ہے ایک اللہ تعالیٰ کا عہد اور دوسرا بنی اسرائیل کا عہد ہے۔ ان عہدوں سے کیا مراد ہے اس میں علماء کے چوبیس مختلف اقوال ہیں جو کہ درج ذیل پیش کیے جاتے ہیں:

1.....اللہ تعالیٰ کے عہد سے مراد وہ پختہ عہد ہے جو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے لیا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائیں گے اور اس کے رسولوں کی تصدیق کریں گے۔اور بنی اسرائیل کے عہد سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ وعدہ جو اس نے اس کے بدلے میں انہیں جنت عطا فرمانے کا کیا تھا۔

2.....اللہ تعالیٰ کے عہد سے مراد وہ چیز ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو حکم دیا تھا اور بنی اسرائیل کے عہد سے مراد وہ چیز ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ وعدہ فرمایا تھا۔

3.....اللہ تعالیٰ کے عہد سے مراد وہ چیز ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے تورات میں بنی اسرائیل کے لئے حضور ﷺ کی جو صفات ذکر کی ہیں وہ مراد ہے اور بنی اسرائیل کے عہد سے اللہ تعالیٰ نے ان سے اس کے بدلے میں جنت کا جو وعدہ کیا تھا وہ مراد ہے۔

4.....اللہ تعالیٰ کے عہد سے مراد اللہ تعالیٰ نے ان سے فرائض کی ادائیگی کا جو وعدہ لیا تھا وہ ہے۔اور بنی اسرائیل کے عہد سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے فرائض کو قبول فرمائے گا۔اس پر انہیں اجر عطا فرمائے گا۔

5.....اللہ تعالیٰ کے عہد سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ لیا تھا کہ وہ کبائر سے اجتناب کریں گے اور بنی اسرائیل کے عہد سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ فرمایا تھا کہ وہ ان کے صغائر معاف فرمادے گا۔

6.....اللہ تعالیٰ کے عہد سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے دین کی اصلاح کا وعدہ لیا تھا اور بنی اسرائیل کے عہد سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلے ان کی آخرت کی بہتری کا وعدہ فرمایا تھا۔

7.....اللہ تعالیٰ کے عہد سے مراد یہ تھا کہ وہ مجاہدہ وریاضت کریں گے اور بنی اسرائیل کے عہد سے مراد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس میں مدد فرمائے گا۔

8.....اللہ تعالیٰ کا عہد تھا کہ وہ ان کے باطن کی اصلاح فرمائے گا۔اور بنی اسرائیل کا عہد یہ تھا کہ وہ اپنے ظاہر کی اصلاح کریں گے۔

9.....ان عہدوں سے مراد وہ ہے جس کا بیان اس آیت کریمہ میں ہے:

خُذُوْا مَآ اٰتَیْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ . (سورۃ البقرہ، آیت:63)

ترجمہ: لو جو ہم تمہیں دیتے ہیں زور سے۔

10.....ان عہدوں سے مراد وہ ہے جس کا بیان اس آیت کریمہ میں ہے:

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَیِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَ لَا تَكْتُمُوْنَهٗ .

(آل عمران، آیت: 187)

ترجمہ: اور یاد کرو جب اللہ نے عہد لیا ان سے جنہیں کتاب عطا ہوئی کہ تم ضرور اسے لوگوں سے

بیان کرنا اور نہ چھپانا۔

11......اللہ تعالیٰ کے عہد سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے عبادات میں اخلاص کا وعدہ لیا تھا اور بنی اسرائیل کے عہد سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ فرمایا تھا کہ وہ ان کو ان کی چاہت کی منازل تک پہنچائے گا۔

12......اللہ تعالیٰ کے عہد سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے ایمان واطاعت کا وعدہ لیا تھا اور بنی اسرائیل کے عہد سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حسنات پر انہیں حسن ثواب دینے کا وعدہ فرمایا تھا۔

13......اللہ تعالیٰ کے عہد سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ لیا تھا کہ وہ اپنے ظاہر کی حفاظت کریں گے اور بنی اسرائیل کے عہد سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلے ان کے باطن کی حفاظت فرمانے کا وعدہ کیا تھا۔

14......اللہ تعالیٰ کے عہد سے مراد اللہ تعالیٰ کا ان سے وہ وعدہ ہے جو اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ ان سے لیا تھا کہ میں حضرت اسماعیل کی اولاد میں سے ایک نبی مبعوث کروں گا۔ پس جو ان کی اتباع کرے گا اور جو روشنی وہ (قرآن کریم) اپنے ساتھ لے کر آئیں گے اس کی جو تصدیق کرے گا اس کی میں بخشش کروں گا اور اس کو جنت میں داخل کروں گا اور اسے دُگنا اجر دوں گا۔

15......اللہ تعالیٰ کے عہد سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے اپنی بندگی کا وعدہ لیا تھا اور بنی اسرائیل کے عہد سے مراد یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ فرمایا تھا کہ وہ ان کی کفالت وتربیت فرمائے گا۔

16......اللہ تعالیٰ کے عہد سے مراد یہ ہے کہ اس نے ان سے یہ فرمایا تھا کہ تم دنیا میں میری غلامی میں میری حرمتوں کی حفاظت کرنے کا وعدہ پورا کرو تو میں آخرت میں اپنے قول اور اپنی زیارت کے ساتھ تمہارا عہد پورا کروں گا۔

17......تم میدانِ جہاد سے راہِ فرار اختیار نہ کرو گے تو میں تمہیں جنت میں داخل کروں گا۔

18......اللہ تعالیٰ کے عہد سے مراد وہ چیز ہے جس کا بیان اس آیت کریمہ میں ہے:

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ وَ بَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَیْ عَشَرَ نَقِیْبًا.

(سورۃ المائدہ، آیت:12)

ترجمہ: اور بے شک اللہ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ہم نے ان پر بارہ سردار قائم کیے۔

19......اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی اور اس کے احکام پر عمل کرنے کا وعدہ ہے اور اس میں رسول اللہ ﷺ کا وہ ذکر بھی داخل ہے جو تورات میں موجود تھا۔

20......اس سے مراد ہے کہ تم میری ذات پر توکل کرنے کا عہد پورا کرو گے تو میں تمام مہمات ومشکلات میں تمہاری کفایت وحمایت کا عہد پورا کروں گا۔

21......تم ظاہر و باطن میں میری حدود کی حفاظت کا عہد پورا کرو گے تو میں تمہارے پوشیدہ معاملات و اسرار کی حفاظت کا عہد پورا کروں گا۔ کہ ان کو میرے سوا کوئی بھی مشاہدہ نہ کر سکے گا۔

22......اللہ تعالیٰ کے عہد سے مراد معرفت کی حفاظت ہے اور ہمارے عہد سے مراد معرفت تک پہنچانے کا وعدہ ہے۔

23......تم میرے اس عہد کو پورا کرو جو میں نے تم سے یوم میثاق میں لیا تھا اور میں قیامت کے دن تمہارے اس عہد کو پورا کروں گا جو میں نے اپنے ذمۂ کرم پر لیا تھا۔

24......تم میرے سے میری ذات ہی کی طلب پر اکتفا کرو میں تمہارے عہد کو پورا کروں گا تم سے تمہاری ذات ہی پر راضی ہو کر۔

پس ان دو عہدوں کی تفسیر میں سلف کے یہ اقوال منقول ہیں۔

بحر محیط میں ان اقوال کے ذکر کے بعد فرمایا کہ انسانوں نے اللہ تعالیٰ سے جس اطاعت کا التزام کیا ہے اس کے ایفاء کا مطالبہ اور اس ایفاء پر اللہ تعالیٰ نے ان سے جس جزاء کا وعدہ کیا ہے اس کے ترتب کا یہ مطلب ہے کہ ان میں علیت پائی جاتی ہے یعنی انسانوں کا اپنے عہد کو پورا کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں جزاء دینے کی علت نہیں بلکہ یہ تو محض اس کا فضل و کرم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے جس چیز کا وعدہ فرمایا ہے اس کو عہد سے موسوم کیا جانا علی سبیل المقابلہ کے ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان پر جو فضل و کرم فرمایا ہے اسے مشروط و ملزوم کی صورت میں ظاہر فرمایا گیا ہے۔

میثاق میں مفسرین کے اقوال

وَ اَخَذْنَا مِیْثَاقَكُمْ وَ رَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ. (سورۃ البقرہ، آیت:63)

ترجمہ: (اور یاد کرو) جب ہم نے تم سے پیمان لیا اور کوہ طور کو تمہارے سروں پر بلند کیا۔

اس آیت کریمہ میں میثاق سے کیا مراد ہے۔؟ اس پر علماء کرام کے چھ اقوال ہیں:

1......اللہ تعالیٰ نے اپنے وجود اپنی قدرت و حکمت اور اپنے انبیاء و رسل علیہم السلام کی صداقت پر عقول میں جو دلائل ودیعت فرمائے ہیں وہ مراد ہیں۔

2......اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمان "اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰی" کے ساتھ حضرت آدم علیہ السلام کی ذریت سے جو وعدہ لیا تھا وہ مراد ہے۔

3......حضور ﷺ پر ایمان لانے کا عہد مراد ہے۔

4......انبیاء کرام علیہم السلام کی اتباع کا عہد مراد ہے۔

5......اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے وعدہ لیا تھا کہ وہ تورات میں موجود احکام پر عمل کریں گے لیکن جب حضرت موسیٰ علیہ السلام تورات لے کر تشریف لائے تو انہوں نے دیکھا کہ اس میں مشکل احکام ہیں تو وہ تورات پر عمل

کرنے سے باز رہے۔

6......اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ لیا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں گے۔

سابقہ تحقیق سے معلوم ہوا کہ عہد و میثاق میں سے ہر ایک کا دوسرے پر اطلاق ہوتا رہتا ہے۔اوران کے کئی معانی ہیں اپنے سیاق کے مناسب معنی میں استعمال ہوتے ہیں اور یہ کسی خاص معنی کے ساتھ مقید نہیں بلکہ جو معنی ان کے ماقبل کے مناسب ہے اس پر محمول کرنا جائز ہے۔

تَمَلُّق و مُدَارَات کا حکم۔؟

سوال......تملق کی حقیقت اوراس کا حکم کیا ہے؟

جواب......تملق اور مدارات سے مراد دوسرے کے سامنے تواضع اختیار کرنا اوراس کے افعال واقوال پر اعتراض نہ کرنا ہے۔اور کبھی اس کے ساتھ اس کے سامنے بشاشت کے اظہار اوراس کی تعظیم وجلال کے ساتھ اس کے افعال کی تعریف ومدح اوراس کے اقوال واحوال کے صحیح ہونے کی حمایت کرے گا۔ان سب کا حکم یہ ہے کہ اگر ایسا کرنے سے کسی باطل پر مدد اور شریعت نے جس چیز کو قبیح قرار دیا ہے اس کی تحسین یا شریعت نے جس کو حسن قرار دیا ہے اس کی تقبیح وغیرہ وہ مفاسد وخرابیاں پیدا ہو سکتیں ہوں جن کا ادراک ان دانشور علماء ہی کو ہو سکتا ہے۔جو قرآن وسنت کا علم رکھتے ہیں اور جو ہر سانس اور ہر لحہ حق پر کاربند ہیں۔تب تو ایسا کرنا شدید حرام ہے خواہ کوئی ایک خرابی پائی جائے یا کسی خرابی کے وقوع کا ظن غالب پایا جائے۔ورنہ مکروہ ہے،اور اگر ان مذکورہ خرابیوں میں سے کوئی بھی خرابی پیدا نہیں ہوئی تو ایسا کرنا مباح ہے۔اور اگر تملق ومدارت سے حق پر اعانت ونصرت حاصل ہوتی ہے یا حق کی قبولیت میں الفت پیدا ہوتی ہے یا ان کی مثل دیگر عام وخاص مصلحتیں حاصل ہوتی ہیں تو پھر تملق اور مدارات سے پیش آنا تاکیدی مندوب ومستحب ہوگا۔بلکہ کبھی یہ حالت وجوب کی حد تک ارتقاء پذیر ہوگی۔جیسا کہ بعض علماء کرام نے قیام کے متعلق فرمایا ہے۔چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

''اگر کسی کی آمد کے وقت ترک قیام قطع رحمی اور وقوع فتنہ کا سبب بن سکتا ہے تو اس حالت میں ان مفاسد کے دفاع کی خاطر قیام واجب ہو جائے گا اوراس میں کوئی شک نہیں کہ قیام کے ترک سے جب ضرر وفتنہ اور قلوب کے درمیان نفرت یا ان کی مثل دیگر امور کے وقوع کے خوف کے وقت قیام کرنا مدارات ہی ہے اور مدارت اس قسم کے حالات میں مندوب تاکید ہے یا واجب مؤکد ہے۔''

ہماری یہ گفتگو اس شخص کے لئے قیام کرنے میں ہے جس میں استحباب قیام کی مقتضی صفات مثلاً علم، صالحیت، قرابت

شرف نسب یا امام دوسری اخیرہ کی صفات نہ پائی جائیں ہوں۔ اس تفصیل کو خوب ذہن نشین کرلو کہ رسول اللہ ﷺ کے اقوال وافعال سے ماخوذ ہے اور یہ تفصیل بہت سارے ان لوگوں پر مشتبہ رہتی ہے جنہیں سنت اور آئمہ کے کلام کا احاطہ نہیں ہوتا۔ بسا اوقات وہ افراط سے کام لیتے ہوئے مدارات کو مطلقاً منع کرتے ہیں اور بسا اوقات تفریط کا شکار ہو کر اس کی مطلقاً مدح وتعریف کرتے ہیں۔ افراط وتفریط میں سے ہر ایک غلط ہے درست وہی ہے جس کی تفصیل وتحقیق ہم نے کی ہے۔

کیا بدبو سے فرشتوں کو اذیت پہنچتی ہے۔؟

سوال نمبر 1 ......کیا بدبودار اشیاء کے کھانے اور بیت الخلاء میں بار بار آمد ورفت اور ناپاک مقامات اور غصب شدہ اور شبہ والی جگہ میں جانے اور بدبودار ڈکار اور گندہ بغلی کی وجہ سے محافظ فرشتوں کو اذیت ہوتی ہے؟

2......اگر وہ ان سے اذیت پاتے ہیں تو کیا وہ اذیت دینے والے کے خلاف موت کی دعا کرتے ہیں یا اس کے اصلاح احوال کے لئے دعا کرتے ہیں تاکہ وہ اس سے راحت حاصل کرلیں؟

3......ہر انسان پر کتنے فرشتے مقرر ہیں؟

4......اور کیا محافظ فرشتے ماں کے پیٹ میں جنین کی بھی حفاظت کرتے ہیں؟

5......کیا کافر کے ساتھ بھی محافظ فرشتے ہیں؟

6......اور ان کی حفاظت کی حقیقت کیا ہے؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تقدیر میں جو لکھا ہے وہ یقیناً ہو کر رہے گا؟

7......جب انسان مرجاتا ہے تو محافظ فرشتوں کو کہاں بھیجا جاتا ہے؟

8......اور کیا محافظ فرشتے، کراماً کاتبین فرشتوں کے علاوہ ہیں؟

9......اور ان کے لکھے ہوئے اعمال ناموں کی کیا حقیقت ہے؟

جواب نمبر 1 ...... صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ انسان جن چیزوں سے اذیت پاتے ہیں فرشتے بھی ان اشیاء سے اذیت پاتے ہیں چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے بدبودار اشیاء مثلاً پیاز، مولی، گندنا (ایک ترکاری جو لہسن کے مشابہ ہوتی ہے) وغیرہ کھانے والے کو مسجد میں داخل ہونے سے منع فرمایا ہے اور نہی کی علت اسی چیز کو قرار دیا ہے کہ ان چیزوں کی بدبو سے فرشتوں کو اذیت پہنچتی ہے آپ کا ارشاد گرامی ہے:

مَنْ اَکَلَ ثُوْمًا اَوْ بَصَلاً اَوْ کُرَّاثًا اَوْ فُجلاً فَلاَ یَقْرُبَنَّ مَسْجِدَنَا اَوِ الْمَسَاجِدَ فَاِنَّ الْمَلاَئِکَۃَ تَتَاَذّٰی مِمَّا یَتَاَذّٰی مِنْہُ بَنُوْ اٰدَمَ.

(صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب ما جاء فی الثوم......الخ، رقم الحدیث: 564،561، ج:1 ص:171 مطبوعہ: ایضاً)

ترجمہ: جو لہسن، پیاز، گندنا، یا مولی کھائے وہ ہماری مسجد یا (فرمایا) مساجد کے قریب نہ آئے۔ کیونکہ فرشتوں کو بھی ان چیزوں سے تکلیف ہوتی ہے جن سے انسانوں کو تکلیف ہوتی ہے۔

یہ حدیث محافظ فرشتوں کو شامل ہونے میں ظاہر ہے۔اور جن چیزوں کی بدبو سے انسانوں کو تکلیف پہنچتی ہے ان سے تمام فرشتوں کو بھی اذیت پہنچتی ہے ،اس پر بھی یہ حدیث واضح دلالت کررہی ہے ۔اوراس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ فرشتے ہر بدبودار چیز سے تکلیف پاتے ہیں خواہ وہ بیت الخلاء کی بدبو ہو یا کسی اور چیز کی ۔البتہ عنقریب اس کا بیان آئے گا کہ محافظ فرشتے بیت الخلاء میں داخل ہونے کے وقت انسان سے جدا ہوجاتے ہیں ۔

فرشتے بددعانہیں کرتے

ظاہر نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے اذیت پانے کے باوجود انسان کے لئے بددعانہیں کرتے بلکہ اس کے حق میں دعا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَہٗ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّھِمْ وَیُؤْمِنُوْنَ بِہٖ وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ آمَنُوْا رَبَّنَا وَسِعْتَ کُلَّ شَیْئٍ رَّحْمَۃً وَّعِلْمًا .فَاغْفِرْ لِلَّذِیْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِیْلَکَ وَقِھِمْ عَذَا بَ الْجَحِیْمِ......ذَالِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ.

(سورۃ المؤمن، آیت:7)

ترجمہ:اوروہ (فرشتے) جوعرش اٹھاتے ہیں اور جو اس کے گرد ہیں ۔اپنے رب کی تعریف کے ساتھ اس کی پاکی بولتے ہیں اوراس پر ایمان لاتے ہیں ،اورمسلمانوں کی مغفرت مانگتے ہیں ۔ اے ہمارے رب تیرے رحمت وعلم میں ہر چیز سمائی ہے ۔توانہیں بخش دے جنہوں نے توبہ کی اور تیری راہ پر چلے،اور انہیں دوزخ کے عذاب سے بچالے ۔اے ہمارے رب انہیں جنت کے باغوں میں داخل کر جن کا تونے اُن سے وعدہ فرمایا ہے اوران کو جو نیک ہوں ۔ان کے باپ دادا اور بی بیوں اور اولادیں انہیں بھی داخل کر۔

قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس آیت کریمہ میں بمن حولہ (جو اس کے گرد ہیں) سے مراد فرشتے ہیں اور عبدالرزاق اور عبد بن حمید رضی اللہ عنہما نے قتادہ سے نقل کیا ہے کہ وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (اورمسلمانوں کی مغفرت مانگتے ہیں) کے تحت مطرف رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ کے بندوں کے لئے اللہ کے بندوں میں سے فرشتے سب سے زیادہ خیر خواہ ہیں اوراللہ تعالیٰ کے بندوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے شیاطین سب سے زیادہ کینہ ور ہیں ۔اورقتادہ رضی اللہ عنہ ہی سے فَاغْفِرْ لِلَّذِیْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِیْلَکَ (توانہیں بخش دے جنہوں نے توبہ کی اور تیری راہ پر چلے) کے تحت نقل کیا ہے کہ:

یعنی جنہوں نے شرک سے توبہ کی اور تیری فرمانبرداری کی ۔وَقِھِمُ السَّیِّئَاتِ (اورانہیں

گناہوں کی شامت سے بچالے) کے تحت فرمایا کہ یعنی توانہیں عذاب سے بچالے۔

اور اللہ تعالیٰ فرشتوں ہی کے متعلق فرماتا ہے:

وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِى الْاَرْضِ .

(سورہ شوریٰ، آیت:5)

اور وہ (فرشتے) زمین والوں کے لئے معافی مانگتے ہیں۔

مذکورہ دونوں آیتیں بتارہی ہیں کہ فرشتے کسی کو بھی مرنے کی بددعانہیں دیتے اگرچہ وہ اس سے اذیت پاتے ہوں، وہ تو انسان کے لئے مغفرت اور عذابِ الٰہی سے بچائے جانے کی دعا کرتے ہیں۔

ہاں عنقریب یہ بات آئے گی کہ جو شخص گناہ پر اصرار کرتا ہے اس کے لئے یہ کہتے ہیں اے اللہ ہماری اس سے جان چھڑا۔ لیکن یہ ان کی اپنے لئے دعا ہے۔ انسان کے حق میں بددعا نہیں۔

محافظ فرشتوں کی تعداد

سائل نے پوچھا ہے کہ ہر انسان کے ساتھ محافظ فرشتوں کی تعداد کتنی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس بارے میں مختلف اقوال وارد ہیں۔ ابن المنذر اور ابوالشیخ رحمہما اللہ نے ابن جریج سے تخریج کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں:

لِكُلِّ اِنْسَانٍ مَلَكَانِ اَحَدُهُمَا عَنْ يَمِيْنِهٖ يَكْتُبُ الْحَسَنَاتِ وَمَلَكٌ عَنْ يَسَارِهٖ يَكْتُبُ السَّيِّئَاتِ وَالَّذِىْ عَنْ يَمِيْنِهٖ يَكْتُبُ بِغَيْرِ شَهَادَةٍ مِنْ صَاحِبِهٖ وَالَّذِىْ عَنْ يَسَارِهٖ لَا يَكْتُبُ اِلَّا عَنْ شَهَادَةٍ مِنْ صَاحِبِهٖ .اِنْ قَعَدَ فَاَحَدُهُمَا عَنْ يَمِيْنِهٖ وَالْآخَرُ عَنْ يَسَارِهٖ وَ اِنْ مَشٰى فَاَحَدُهُمَا اِمَامَهٗ وَالْآخَرُ خَلْفَهٗ وَاِنْ رَقَدَ فَاَحَدُهُمَا عِنْدَ رَاْسِهٖ وَالْآخَرُ عِنْدَ رِجْلَيْهِ .

(العظمۃ لاً صفہانی، ذکر خلق جبریل علیہ وعلی نبیا...... الخ، رقم الحدیث: 519، ج:3 ص:999، (بالفاظ مختلف) مطبوعہ: دار العاصمۃ، الریاض)

ہر انسان کے ساتھ دو فرشتے ہیں۔ ایک اس کی دائیں جانب ہوتا ہے جو نیکیاں لکھتا ہے اور ایک فرشتہ اس کی بائیں جانب ہوتا ہے جو گناہ لکھتا ہے۔ دائیں جانب والا اپنے ساتھی فرشتے کی شہادت کے بغیر لکھتا ہے۔ اور بائیں جانب والا اپنے ساتھی کی شہادت کے بغیر نہیں لکھتا۔ اگر انسان بیٹھ جاتا ہے تو ان میں سے ایک اس کی دائیں جانب اور ایک بائیں جانب ہوتا ہے اور اگر چلتا ہے تو ان میں سے ایک فرشتہ اس کے آگے اور دوسرا اس کے پیچھے ہوتا ہے۔ اور اگر وہ سوتا ہے ان میں سے ایک اس کے سر کی جانب اور دوسرا اس کے پاؤں کی جانب ہوتا ہے۔

ابن المبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَكُلٌّ بِهٖ خَمْسَةُ أَمْلَاكٍ مَلَكَانِ بِاللَّيْلِ وَمَلَكَانِ بِالنَّهَارِ يَجِيئَانِ وَيَذْهَبَانِ وَمَلَكٌ خَامِسٌ لَا يُفَارِقُهٗ لَيْلًا وَّلَا نَهَارًا.

ہرانسان کے ساتھ پانچ فرشتے مقرر ہیں۔دوفرشتے رات کے وقت اور دو دن کے وقت اس کے ساتھ ہوتے ہیں۔دو آتے ہیں اوردو جاتے ہیں۔اور پانچواں فرشتہ دن ورات اس سے جدانہیں ہوتا۔

ابن جریر رحمہ اللہ نے "کنانۃ العددی" سے تخریج کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ:

دَخَلَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ أَخْبِرْنِيْ عَنِ الْعَبْدِ كَمْ مَعَهٗ مِنْ مَلَكٍ قَالَ مَلَكٌ عَنْ يَمِيْنِكَ عَلٰى حَسَنَاتِكَ وَهُوَ أَمِيْرٌ عَلَى الشِّمَالِ إِذَا عَمِلْتَ حَسَنَةً كُتِبَتْ عَشْرًا وَإِذَا عَمِلْتَ سَيِّئَةً قَالَ الَّذِيْ عَلَى الشِّمَالِ لِلَّذِيْ عَلَى الْيَمِيْنِ أَأَكْتُبُ قَالَ لَا لَعَلَّهٗ يَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَيَتُوْبُ فَإِذَا قَالَ ثَلَاثًا قَالَ نَعَمْ أُكْتُبْهُ أَرَاحَنَا اللّٰهُ مِنْهُ فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ مَا أَقَلَّ مُرَاقَبَتَهٗ لِلّٰهِ وَأَقَلَّ اِسْتِحْيَاءَهٗ لِلّٰهِ مِنْهُ يَقُوْلُ اللّٰهُ: مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ . وَمَلَكَانِ مِنْ بَيْنِ يَدَيْكَ وَمِنْ خَلْفِكَ يَقُوْلُ اللّٰهُ (لَهٗ مُعَقِّبَاتٌ مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ أَمْرِ اللّٰهِ)وَمَلَكٌ قَابِضٌ عَلٰى نَاصِيَتِكَ فَإِذَا تَوَاضَعْتَ لِلّٰهِ رَفَعَكَ وَإِذَا تَجَبَّرْتَ عَلَى اللّٰهِ قَصَمَكَ مَلَكَانِ عَلٰى شَفَتَيْكَ لَيْسَ يَحْفَظَانِ عَلَيْكَ إِلَّا الصَّلَاةَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ وَمَلَكٌ قَائِمٌ عَلٰى فِيْكَ لَا يَدَعُ أَنْ تَدْخُلَ الْحَيَّةُ فِيْ فِيْكَ.وَمَلَكَانِ عَلٰى عَيْنَيْكَ فَهٰؤُلَاءِ عَشْرُ أَمْلَاكٍ عَلٰى كُلِّ بَنِيْ آدَمَ يَنْزِلُوْنَ مَلَائِكَةُ اللَّيْلِ عَلٰى مَلَائِكَةِ النَّهَارِ لِأَنَّ مَلَائِكَةَ اللَّيْلِ سِوٰى مَلَائِكَةِ النَّهَارِ فَهٰؤُلَاءِ عِشْرُوْنَ مَلَكًا عَلٰى كُلِّ آدَمِيٍّ وَإِبْلِيْسُ بِالنَّهَارِ وَوَلَدُهٗ بِاللَّيْلِ .

(شعب الایمان، کتاب الایمان، باب الایمان بالیوم......الخ رقم الحدیث:255،ج:1 ص:416،مطبوعہ:ایضا)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اورعرض کی یارسول اللہ ﷺ مجھے خبر دیجئے کہ بندے کے ساتھ کتنے فرشتے ہوتے ہیں؟حضور ﷺ نے فرمایا: ایک فرشتہ تیری داہنی جانب تیری نیکیوں پر مقرر ہے اوروہ بائیں جانب والے پر امیر ہے۔جب تم کوئی ایک نیکی کا عمل کرتے ہوتو دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔اور جب تم کوئی گناہ کرتے ہوتو بائیں جانب والا فرشتہ دائیں جانب والے فرشتہ سے کہتا ہے۔کیا میں لکھو؟ تو داہنی جانب والا

فرشتہ کہتا ہے نہ لکھ شاید وہ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہ کی معافی مانگ لے اور توبہ کر لے۔ اور جب وہ تین بار پوچھتا ہے تو کہتا ہے ہاں اب اس کو لکھ لو اللہ تعالیٰ ہماری اس سے جان چھڑائے۔ یہ کتنا برا ساتھی ہے۔ تعجب ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ سے کتنا کم ڈرنے والا ہے اور کتنا کم حیاء کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ. (سورۃ ق، آیت:18)

کوئی بات وہ زبان سے نہیں نکالتا مگر اس کے پاس ایک محافظ تیار بیٹھا ہے۔) اور وہ فرشتے تیرے آگے اور پیچھے ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ. (سورۃ الرعد، آیت:13)

آدمی کے لئے بدل والے فرشتے ہیں اس کے آگے پیچھے کہ بحکم خدا اس کی حفاظت کرتے ہیں۔

انسان کوئی بات زبان سے نہیں نکالتا مگر اس کے پاس ایک محافظ تیار ہے۔

اور ایک فرشتہ تمہاری پیشانی پر قابض ہے جب تم اللہ تعالیٰ کے لئے تواضع کرتے ہو تو وہ تمہیں بلند کرتا ہے۔ اور جب تم اللہ تعالیٰ کے سامنے تکبر کرتے ہو تو وہ تمہیں ہلاک کر دیتا ہے۔ اور دو فرشتے تمہارے ہونٹوں پر مقرر ہیں تم نبی اکرم ﷺ پر جو درود بھیجتے ہو وہ صرف اس کی حفاظت پر مامور ہیں۔ اور ایک فرشتہ تمہارے منہ پر محافظ ہے جو سانپ کو تمہارے منہ میں داخل نہیں ہونے دیتا۔ اور دو فرشتے تمہاری آنکھوں پر پہرہ دار ہیں۔ یہ دس فرشتے ہر انسان کے ساتھ مقرر ہیں۔ رات کے محافظ فرشتے دن کے محافظ فرشتوں کی جگہ لیتے ہیں۔ کیونکہ رات کے محافظ فرشتے دن کے محافظ فرشتوں کے علاوہ ہوتے ہیں پس یہ کل بیس (۲۰) فرشتے ہیں ہر انسان پر محافظ اور ہر انسان کے ساتھ دن میں ابلیس اور رات کے وقت اس کی اولاد ہوتی ہے۔

ابن ابی الدنیا اور الصابونی رحمہما اللہ نے حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے تخریج کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وُكِّلَ بِالْمُؤْمِنِ سِتُّوْنَ وَثَلٰثُمِائَةِ مَلَكٍ يَدْفَعُوْنَ عَنْهُ مَالَمْ يَقْدِرْ عَلَيْهِ مِنْ ذٰلِكَ لِلْبَصَرِ سَبْعَةَ اَمْلَاكٍ يَذُبُّوْنَ عَنْهُ كَمَا يَذُبُّ عَنْ قَصْعَةِ الْعَسَلِ مِنَ الذُّبَابِ فِي الْيَوْمِ الصَّائِفِ اَمَا لَوْ بَدَالَكُمْ لَرَاَيْتُمُوْهُ عَلٰى كُلِّ سَهْلٍ وَجَبَلٍ وَكُلُّ بَاسِطٍ يَدَيْهِ فَاغِرْفَاهُ وَمَالَوْ وُكِّلَ الْعَبْدُ فِيْهِ اِلٰى نَفْسِهٖ طَرْفَةَ عَيْنٍ لَاخْتَطَفَتْهُ الشَّيَاطِيْنُ.

(المعجم الکبیر للطبرانی، باب الضاد، عفیر بن معدان...... الخ رقم الحدیث: 7704، ج:8 ص:168، مطبوعہ: ایضاً)

حضور ﷺ نے فرمایا: مؤمن کے ساتھ تین سو ساٹھ فرشتے مقرر ہیں جو اس کی ہر اس چیز کا دفاع کرتے ہیں جس پر وہ قدرت نہیں رکھتا ان میں سے سات فرشتے آنکھ پر مقرر ہیں جو آنکھ کا اس طرح دفاع کرتے ہیں جس طرح گرمیوں کے دن میں شہد کے برتن سے مکھیوں کا دفاع کیا جاتا ہے۔ اگر فرشتے تم پر ظاہر ہوتے تو تم انہیں یہ میدان، پہاڑ پر دیکھتے کہ ان میں سے ہر ایک نے ہاتھ پھیلائے ہوئے اور منہ کھولا ہوا ہے اور اگر بندہ ایک لمحہ کے لئے بھی اپنی ذات کے سپرد ہوتا تو شیاطین اسے اُچک لیتے۔

عنقریب وہ حدیث بھی آئے گی جس میں فرشتوں کی تعداد اس تعداد سے مختلف بیان فرمائی گئی ہے۔ ان تمام مذکورہ احادیث کی صحت کی تقدیر پر ان کے تخالف کا یہ جواب ممکن ہے کہ حضور ﷺ نے جہاں فرشتوں کی تعداد قلیل بیان فرمائی ہے۔

اس میں یہ احتمال ہے کہ آپ ﷺ نے وہاں خاص محافظ فرشتے مراد لیے ہوں اور جہاں آپ نے کثیر تعداد بتائی ہے اس میں احتمال ہے کہ آپ نے وہاں عام محافظ فرشتے مراد لئے ہوں۔

اور یہ احتمال بھی ہے کہ حضور ﷺ کو پہلے فرشتوں کی قلیل تعداد کا علم دیا گیا ہو اور اس کے بعد ان کی کثیر تعداد کا علم عطا فرمایا گیا ہو۔

اور یہ بھی ممکن ہے فرشتوں کی تعداد میں اختلاف اشخاص کے اختلاف کی وجہ سے ہوتا ہو۔ کہ بعض انسانوں کے ساتھ فرشتوں کی قلیل تعداد مقرر ہوتی ہو اور بعض کے ساتھ کثیر تعداد کی۔

فرشتے ماں کے پیٹ میں بھی محافظ ہیں۔

سوال...... کیا فرشتے ماں کے بطن میں بھی جنین کی حفاظت کرتے ہیں؟

جواب...... ہاں فرشتے ماں کے بطن میں جنین کی حفاظت پر مامور ہیں۔

ابن ابی الدنیا، ابن ابی حاتم اور ابو نعیم رحمہم اللہ نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے تخریج کیا ہے اور فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ:

إِنَّ بَنِي آدَمَ لَفِي غَفْلَةٍ عَمَّا خُلِقَ إِنَّ اللّٰهَ إِذَا أَرَادَ خَلْقَهُ قَالَ لِلْمَلَكِ اُكْتُبْ رِزْقَهُ اُكْتُبْ أَثَرَهُ اُكْتُبْ أَجَلَهُ اُكْتُبْ شَقِيًّا أَوْ سَعِيدًا ثُمَّ يَرْفَعُ ذَالِكَ الْمَلَكُ وَيَبْعَثُ اللّٰهُ مَلَكًا فَيَحْفَظُهُ حَتّٰى يُدْرِكَ. ثُمَّ يَرْفَعُ ذَالِكَ الْمَلَكُ ثُمَّ يُوَكِّلُ بِهِ مَلَكَيْنِ يَكْتُبَانِ حَسَنَاتِهِ وَسَيِّئَاتِهِ فَإِذَا حَضَرَهُ الْمَوْتُ إِرْتَفَعَ ذَالِكَ الْمَلَكَانِ وَجَاءَهُ

مَلَکُ الْمَوْتِ لِیَقْبِضَ رُوْحَهٗ فَاِذَا دَخَلَ قَبْرَهٗ رَدَّ الرُّوْحَ اِلَیْهِ فِیْ جَسَدِهٖ وَجَاءَهٗ الْمَلَکَانِ فَامْتَحَنَاهُ ثُمَّ یَرْتَفِعَانِ ثُمَّ اِذَا کَانَتِ السَّاعَةُ انْحَطَّ عَلَیْهِ مَلَکُ الْحَسَنَاتِ وَمَلَکُ السَّیِّئَاتِ وَانْتَشَطَا کِتَابًا مَعْقُوْدًا فِیْ عُنُقِهٖ ثُمَّ حَضَرَ مَعَهٗ وَاحِدٌ سَائِقٌ وَآخَرُ شَهِیْدٌ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ قُدَّامَکُمْ لَاَمْرًا عَظِیْمًا لَا تَقْدِرُوْنَهٗ فَاسْتَعِیْنُوْا بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ.

(حلیۃ الاولیاء، فمن طبقۃ الاولی الخ، باب محمد بن علی باقر الخ، رقم الحدیث:.....ج:3ص:190، مطبوعہ: دارالکتب العربی، بیروت)

بے شک انسان اس چیز سے بے خبر ہے جس کے لئے اس کی تخلیق کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ جب اس کی تخلیق کا ارادہ فرماتا ہے تو ایک فرشتے کو فرماتا ہے اس کا رزق لکھ دے اس کی عمر لکھ دے اس کی موت لکھ دے۔ بدبخت یا سعادت مند لکھ دے۔ پھر یہ فرشتہ اوپر چلا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ ایک اور فرشتے کو بھیجتا ہے جو اس کی حفاظت فرماتا ہے اس کے بالغ ہونے تک پھر یہ فرشتہ چلا جاتا ہے۔ پھر اس پر دو فرشتے مقرر کئے جاتے ہیں جو اس کی نیکیاں اور گناہ لکھتے ہیں جب اس کی موت کا وقت قریب آتا ہے تو یہ دونوں فرشتے چلے جاتے ہیں اور اس کے پاس موت کا فرشتہ آتا ہے تاکہ اس کی روح قبض کرے جب اسے قبر میں داخل کیا جاتا ہے تو اس کی روح کو اس کے جسم میں لوٹا دیا جاتا ہے اور اس کے پاس قبر کے دو فرشتے آجاتے ہیں جو اس کا امتحان لیتے ہیں اور پھر چلے جاتے ہیں۔ پھر جب قیامت آئے گی تو اس کی نیکیاں اور بدیاں لکھنے والے دونوں فرشتے اس کے پاس آئیں گے اور وہ اعمال نامہ کھولیں گے جو اس کی گردن میں لٹک رہا ہوگا اس کے بعد اس کے پاس ایک ہانکنے والا فرشتہ (جو اسے محشر کی طرف ہانکے گا) اور ایک گواہی دینے والا فرشتہ (جو اس کے عملوں کی گواہی دے گا) حاضر ہوں گے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہارے آگے ایک عظیم امر ہے جس کی تم قدرت نہیں رکھتے ہو۔ پس اللہ عظیم سے مدد طلب کرو۔

کافر کے ساتھ بھی محافظ فرشتے مقرر ہوتے ہیں؟

سوال..... کیا کافر کے ساتھ بھی محافظ فرشتے مقرر ہیں؟

جواب..... ہاں کافر کے ساتھ بھی محافظ فرشتے مقرر ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کافر کو بھی شامل ہے۔ بلکہ اس کے شامل ہونے کی صراحت کر رہا ہے:

کَلَّا بَلْ تُکَذِّبُوْنَ بِالدِّیْنِ ٥ وَاِنَّ عَلَیْکُمْ لَحَافِظِیْنَ ٥ کِرَامًا کَاتِبِیْنَ ٥ یَعْلَمُوْنَ مَا

تَفْعَلُوْنَ o اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ o وَّاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ o

(سورۃ الانفطار، آیت:14-9)

ہرگز نہیں بلکہ تم تو جزا وسزا کے دن کو جھٹلاتے ہو، یقیناً تم پر نگہبان عزت والے لکھنے والے مقرر ہیں جو کچھ تم کرتے ہو وہ جانتے ہیں یقیناً نیک لوگ (جنت کے عیش وآرام اور) نعمتوں میں ہوں گے اور یقیناً بدکار دوزخ میں ہوں گے۔

ابن جریر رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

جَعَلَ اللّٰہُ عَلٰی ابْنِ آدَمَ حَافِظِیْنَ فِی اللَّیْلِ وَحَافِظِیْنَ فِی النَّھَارِ یَحْفَظَانِ عَمَلَہٗ، وَیَکْتُبَانِ اَثَرَہٗ.

(موارد الظمآن لدروس الزمان، الجزء الخامس، باب الحذر ان الحتقی.....الخ، ج:5 ص:362، بالفاظ مختلف مطبوعہ: ایضا)

اللہ تعالیٰ نے انسان پر دو نگہبان رات میں اور دو نگہبان دن میں مقرر کئے ہیں جو اس کے عمل کی حفاظت کرتے ہیں اور اس کے آثار کو دیکھتے ہیں۔

اور ابن جریر رحمہ اللہ نے حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

مَعَ کُلِّ اِنْسَانٍ مَلَکَانِ مَلَکٌ عَنْ یَمِیْنِہٖ وَآخَرُ عَنْ شِمَالِہٖ فَاَمَّا الَّذِیْ عَنْ یَمِیْنِہٖ فَیَکْتُبُ الْخَیْرَ وَاَمَّا الَّذِیْ عَنْ شِمَالِہٖ فَیَکْتُبُ الشَّرَّ.

(الابانۃ الکبرٰی لابن بطہ العکبری، باب الثانی، عبداللہ بن عمرو، رقم الحدیث: 1657، ج:4 ص:171 مطبوعہ: دارالرایۃ، الریاض)

ہر انسان کے ساتھ دو فرشتے ہیں۔ایک فرشتہ اس کی داہنی طرف ہوتا ہے اور دوسرا اس کی بائیں جانب ہوتا ہے۔اور دائیں جانب والا اس کی اچھائیاں لکھتا ہے اور بائیں جانب والا اس کی برائیاں لکھتا ہے۔

محافظ فرشتوں کی حقیقت کیا ہے؟

سوال......محافظ فرشتوں کی حفاظ کی حقیقت کیا ہے؟

جواب......عنقریب ہمارے بیان سے یہ حقیقت تم پر واضح ہو جائے گی۔

ابوالشیخ رحمہ اللہ نے اس آیت کریمہ لَہٗ مُعَقِّبَاتٌ مِنْ بَیْنِ یَدَیْہِ وَمِنْ خَلْفِہٖ یَحْفَظُوْنَہٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰہِ. کے تحت سدی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ہر انسان کے ساتھ محافظ فرشتے ہیں۔دو فرشتے اس کے آگے ہوتے ہیں۔جو اس کے ساتھ رات تک رہتے ہیں جب رات ہوتی ہے تو وہ آسمانوں کی طرف چڑھ جاتے ہیں اور ان کے بعد دو فرشتے اور آجاتے ہیں جو انسان کے ساتھ صبح ہونے تک رہتے ہیں اور اس کی حفاظت کرتے ہیں۔

اور وہ کسی ایسی مصیبت میں گرفتار نہیں ہوتا جو اس کی تقدیر میں لکھی نہیں ہوتی ہے اور اگر اس میں سے کوئی چیز اس کو اپنی
گرفت میں لینا چاہتی ہے تو یہ فرشتے اس کا دفاع کرتے ہیں کیا تم نہیں دیکھتے کہ انسان جب کسی گرنے کے قریب
دیوار کے پاس سے گزر کر آگے بڑھتا ہے تو وہ گر جاتی ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں مقدر کوئی چیز اس پر آتی ہے
تو فرشتے اس کی تقدیر میں لکھی ہوئی مصیبت اور اس کے درمیان حائل نہیں ہوتے وہ تو اسی چیز سے انسان کی حفاظت
کرتے ہیں جس چیز سے اللہ تعالیٰ نے انہیں حفاظت کرنے کا حکم دیا ہے۔

سعید بن منصور، ابن جریر، ابن المنذر اور ابن ابی حاتم رحمہم اللہ نے مذکورہ آیت کریمہ کے تحت حضرت ابن
عباس رضی اللہ عنہما سے تخریج کیا ہے کہ وہ پڑھا کرتے تھے:

لَهٗ مُعَقِّبَاتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ. (سورۃ الرعد، آیت:11)

انسان کے آگے پہرہ دار ہیں اور اس کے پیچھے بھی نگہبان ہیں جو اس کی اللہ تعالیٰ کے امر سے
حفاظت کرتے ہیں۔

(شأن الدعاء، باب تفسیر ہذہ الاسماء، تفسیر ہذہ الاسماء، رقم الحدیث:39، ج:1 ص:68 مطبوعہ: دار الثقافۃ العربیۃ، مصر)

ابن المنذر اور ابو الشیخ رحمہما اللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس آیت کریمہ کے تحت تخریج کیا ہے کہ انہوں نے
فرمایا:

''ہر انسان کے ساتھ کچھ فرشتے مقرر ہیں جو اس کی حفاظت کرتے ہیں کہ اس پر کوئی دیوار نہ گر
پڑے یا وہ خود کسی کنویں میں نہ گر پڑے۔ یا اسے کوئی درندہ کھا نہ جائے۔ یا وہ پانی میں ڈوب نہ
جائے یا آگ میں جل نہ جائے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ کی تقدیر آتی ہے تو پھر وہ انسان اور تقدیر
کے درمیان حائل نہیں ہوتے۔''

امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے تقدیر کے عنوان کے تحت اور ابن ابی الدنیا اور ابن عساکر رحمہما اللہ نے حضرت
علی رضی اللہ عنہ ہی سے تخریج کیا ہے کہ ہر بندے کے ساتھ محافظ فرشتے ہیں جو اس کی حفاظت کرتے ہیں کہ اس پر کوئی
دیوار نہ گر جائے۔ یا وہ خود کسی کنویں میں نہ گر جائے۔ یا کوئی چوپایہ اسے گزند نہ پہنچائے۔ لیکن جب اس کی تقدیر آتی
ہے تو فرشتے اس سے الگ ہو جاتے ہیں پھر اسے وہ پہنچ کے رہتی ہے جس کا پہنچانا اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے۔

(الابانۃ الکبریٰ، باب الثانی، امیر المؤمنین علی بن ابی طالب، رقم الحدیث:1573، ج:4 ص:136 مطبوعہ: ایضا)

اور ابو داؤد رحمہ اللہ کی ایک روایت میں ہے:

''ہر انسان کے ساتھ ایک فرشتہ مقرر ہے جب کوئی چوپایہ یا کوئی اور چیز اس کو تکلیف دینا چاہتی
ہے تو وہ فرشتہ کہتا ہے ٹھہر جا۔ لیکن جب تقدیر آتی ہے تو فرشتہ اسے چھوڑ دیتا ہے۔''

موت حفاظت کرنے والی ڈھال ہے

ابن جریر رحمہ اللہ نے ابو مجاز رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ:

جَاءَ رَجُلٌ مِنْ مُرَادَةٍ اِلٰی عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْھَهُ الْکَرِیْمُ وَھُوَ یُصَلِّیْ فَقَالَ اَحْتَرِسْ فَاِنَّ نَاسًا مِنْ مُرَادَةٍ یُرِیْدُوْنَ قَتْلَکَ فَقَالَ اِنَّ مَعَ کُلِّ رَجُلٍ مَلَکَیْنِ یَحْفِظَانِ مِمَّا لَمْ یَقْدِرْ فَاِذَا جَاءَ الْقَدَرُ خَلَّیَا بَیْنَهُ وَبَیْنَهُ وَاِنَّ الْاَجَلَ جُنَّةٌ حَصِیْنَةٌ .

(صفۃ الصفوۃ، ذکر المشہورین بالعلم الخ، باب ابوالحسن علی بن ابی طالب الخ، ج:1 ص:125، مطبوعہ: دار الحدیث، قاہرہ، مصر)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نافرمانی کرنے والے لوگوں میں سے ایک شخص حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس آیا آپ اس وقت نماز ادا کر رہے تھے۔ اس نے عرض کی آپ اپنی حفاظت کیجئے کہ سرکشوں میں کچھ لوگ آپ کو شہید کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہر شخص کے ساتھ دو فرشتے مقرر ہیں جو اس کی ہر اس چیز سے حفاظت کرتے ہیں جو اس کی تقدیر میں نہیں ہوتی۔ لیکن جب تقدیر آتی ہے تو فرشتے اس شخص اور تقدیر کے درمیان حائل نہیں ہوتے بے شک موت حفاظت کرنے والی ڈھال ہے۔

ابن جریر رحمہ اللہ حضرت ابو مایہ رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ:

مَامِنْ آدَمِیٍّ اِلَّا وَمَعَهُ مَلَکٌ یَذُوْدُ عَنْهُ ، حَتّٰی یُسَلِّمَهُ لِلَّذِیْ قُدِّرَ عَلَیْهِ .

(تفسیر ابن کثیر، سورۃ الرعد، آیت: 11، ج:4 ص:439، مطبوعہ: دار الطیبہ، الریاض)

ہر انسان کے ساتھ ایک فرشتہ مقرر ہے جو اس کی حفاظت کرتا ہے یہاں تک کہ اسے اس چیز کے سپرد کر دیتا ہے جو اس کے اوپر مقدر ہو چکی ہے۔

ابن جریر رحمہ اللہ نے حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ سے تخریج کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ

لَوْتَجَلّٰی لِابْنِ آدَمَ کُلُّ سَھْلٍ وَّحُزْنٍ رَاٰی کُلَّ شَیْءٍ مِنْ ذَالِکَ الشَّیَاطِیْنِ لَوْلَا اَنَّ اللّٰہَ وَکَّلَ بِکُمْ مَلَائِکَةً یَذُبُّوْنَ عَنْکُمْ فِیْ مَطْعَمِکُمْ وَشُرْبِکُمْ وَعَوْرَاتِکُمْ اِذًا لَتَخَطَّفَتْکُمْ .

(تفسیر ابن کثیر، سورۃ الرعد، آیت: 10، ج:4 ص:439، مطبوعہ: ایضا)

اگر انسان پر ہر خوشی وغمی منکشف ہو جاتی تو ان میں سے ہر چیز کو شیاطین دیکھ لیتے اور اگر اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ فرشتے مقرر نہ کرتا جو تمہاری حفاظت کرتے ہیں تمہارے کھانے اور پینے میں اور تمہارے قابل ستر اعضاء میں تو شیاطین تمہیں اُچک لیتے۔

ابن جریر رحمہ اللہ نے حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے تخریج کیا کہ انہوں نے فرمایا کہ:

مَامِنْ عَبْدٍ اِلَّا بِہٖ مَلَکٌ مُوَکَّلٌ یَحْفَظُہٗ فِیْ نَوْمِہٖ وَیَقْظَتِہٖ، مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالْھَوَامِ فَمَا مِنْھَا شَیْءٌ یَاْتِیْہِ یُرِیْدُہٗ اِلَّا قَالَ وَرَاءَکَ اِلَّا شَیْئًا یَاْذَنُ اللہُ فِیْہِ فَیُصِیْبُہٗ۔

(تفسیر ابن کثیر، سورۃ الرعد، آیت: 10، ج:4 ص:439، مطبوعہ: ایضا)

ہر انسان کے ساتھ ایک فرشتہ مقرر ہے جو اس کی نیند اور بیداری کی حالت میں جنات اور انسانوں اور حشرات الارض سے اس کی حفاظت کرتا ہے۔ ان میں سے جو چیز بھی اس کے پاس نقصان دینے کے ارادہ سے آتی ہے تو فرشتہ کہتا ہے پیچھے ہٹ جا۔ سوائے اس چیز کے جسے اللہ تعالیٰ اس کے حق میں اجازت دیتا ہے۔ پس وہ اسے پہنچ کر رہتی ہے۔

عبدالرزاق، الفریابی، ابن جریر، ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے مذکورہ آیت کے تحت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے تخریج کیا کہ آپ نے فرمایا کہ:

مَلَائِکَۃٌ مِنْ بَیْنِ یَدَیْہِ وَمِنْ خَلْفِہٖ یَحْفَظُوْنَہٗ فَاِذَا جَاءَ الْقَدْرُ خَلَوْا عَنْہُ۔

(موارد الظمآن لدروس الزمان، الجزء الرابع، باب کلام ابن رجب......الخ، ج:4 ص:449، مطبوعہ: ایضا)

انسان کے آگے اور پیچھے کچھ فرشتے مقرر ہیں جو اس کی حفاظت کرتے ہیں لیکن جب تقدیر آتی ہے تو وہ انسان سے الگ ہو جاتے ہیں۔

اسی آیت کریمہ کے تحت ابوالشیخ رحمہ اللہ نے عطاء رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

ھُمُ الْکِرَامُ الْکَاتِبُوْنَ حَفَظَۃٌ مِنَ اللہِ عَلٰی بَنِیْ آدَمَ اُمِرُوْا بِہٖ۔

(تفسیر الدر المنثور للسیوطی، سورۃ الرعد، آیت: 11، ج:4 ص:13، مطبوعہ: دار الفکر بیروت)

ان سے مراد وہ کراماً کاتبین فرشتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانوں کی نگہبانی پر مامور ہیں۔

اور اسی آیت کریمہ کے تحت ابن جریر اور ابن المنذر نے حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ ان سے مراد محافظ فرشتے ہیں۔

اور ابن المنذر رحمہ اللہ نے اسی آیت کے تحت ایک دوسری سند کے ساتھ مجاہد رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ان سے مراد وہ فرشتے ہیں جو دن رات میں ایک دوسرے کے بعد آتے ہیں اور مجھے رسول اللہ ﷺ سے یہ حدیث پہنچی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

یہ فرشتے تمہارے پاس نماز عصر اور نماز فجر کے وقت جمع ہوتے ہیں۔

من بين يديه اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی مثل ہے۔عن اليمين وعن الشمال نیکیاں انسان کے سامنے اور گناہ اس کی پشت کے پیچھے ہوتے ہیں۔دائیں جانب والا فرشتہ نیکیاں لکھتا ہے اور بائیں جانب والا گناہ لکھتا ہے۔ دائیں جانب والا بغیر کسی شہادت کے لکھتا ہے اور بائیں جانب والا دائیں جانب والے کی شہادت کے بغیر نہیں لکھتا۔ اگر انسان چلتا ہے تو ان میں سے ایک اس کے آگے ہوتا ہے اور دوسرا اس کے پیچھے۔اور اگر وہ بیٹھتا ہے تو ایک فرشتہ اس کی دائیں جانب اور دوسرا اس کی بائیں جانب ہوتا ہے اور اگر وہ سوتا ہے تو ان میں سے ایک فرشتہ اس کے سر کے پاس ہوتا ہے اور دوسرا اس کے پاؤں کی جانب ہوتا ہے اور اس کی حفاظت کرتے ہیں۔

اور اسی آیت کے تحت ابن المنذر، ابن ابی حاتم رحمہما اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے تخریج کیا کہ آپ نے فرمایا کہ "معقبات" سے مراد وہ فرشتے ہیں جو دن ورات میں اس کی نگہبانی کرتے ہیں اور جو انسانوں کے اعمال لکھتے ہیں۔

اور ابن جریر رحمہ اللہ نے سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے اسی آیت کے تحت تخریج کیا ہے کہ کہ "معقبات" سے مراد وہ فرشتے ہیں جو انسانوں کی اللہ تعالیٰ کے امر سے حفاظت کرتے ہیں اور ابن جریر رحمہ اللہ نے حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے اسی آیت سے تخریج کیا کہ آپ نے فرمایا کہ اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو اللہ کے امر سے حفاظت کرتے ہیں۔

ابن جریر، ابن المنذر اور ابن ابی حاتم رحمہم اللہ نے اسی آیت کے تحت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے تخریج کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو انسان کی اللہ تعالیٰ کی اجازت کے ساتھ حفاظت کرتے ہیں یعنی آیت کریمہ میں حرف من حرف باء کے معنی میں ہے۔اور ابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے يحفظونه من امر الله کے تحت نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے امر سے وہ فرشتے انسان کی اس کے سامنے کی جانب سے اور اس کی پشت کی جانب سے حفاظت کرتے ہیں۔

دیگر مخلوق پر محافظ فرشتے مقرر نہیں

جواب......انسان کے علاوہ دیگر مخلوق پر محافظ فرشتے ان کے اعمال لکھنے، ضبط کرنے اور شمار کرنے کے لئے مقرر نہیں۔ جیسا کہ سابقہ آیت کریمہ یعنی ان علیکم لحافظین (بے شک ہر نگہبان مقرر ہیں) اس کی صراحت کرتی ہے۔

انسان کی موت کے بعد محافظ فرشتے کہاں ہوتے ہیں؟

جواب......ابوالشیخ رحمہ اللہ اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے تخریج کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

وَكَّلَ اللّٰهُ بِعَبْدِهِ الْمُؤْمِنِ مَلَكَيْنِ يَكْتُبَانِ عَمَلَهُ فَإِذَا مَاتَ قَالَ الْمَلَكَانِ اللَّذَانِ

وَكَّلَا بِهٖ قَدْ مَاتَ فَأْذَنْ لَنَا فَنَصْعَدُ إِلَى السَّمَاءِ فَيَقُولُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ سَمَائِيْ مَحْلُوَّةٌ مِنْ مَلَائِكَتِيْ يُسَبِّحُوْنِيْ فَيَقُوْلَانِ فَأَيْنَ؟ فَيَقُوْلُ قُوْمَا عَلٰى قَبْرِ عَبْدِيْ فَسَبِّحَانِيْ وَحَمِّدَانِيْ وَكَبِّرَانِيْ وَاكْتُبَا ذٰلِكَ لِعَبْدِيْ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ.

(شعب الایمان للبیہقی ،کتاب باب فی الصبر ،الخ فصل ذکر مانی الاوجاع الخ ،رقم الحدیث:9462،ج:12،ص:324،مطبوعہ:ایضا)

اللہ تعالیٰ نے اپنے مؤمن بندے کے ساتھ دوفرشتے مقرر کیے ہیں جو اس کے اعمال کو لکھتے ہیں جب اس کا انتقال ہوتا ہے تو وہ دوفرشتے جو اس کے ساتھ مامور تھے عرض کرتے ہیں۔وہ انسان مرگیا ہے (جس کے ساتھ ہم مقرر تھے) پس ہمیں اجازت دے کہ ہم آسمان کی طرف لوٹ جائیں۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرا آسمان میرے فرشتوں سے بھرا ہوا ہے جو میری تسبیح بیان کرتے ہیں۔وہ عرض کرتے ہیں پس کہاں جائیں؟ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے کی قبر پر کھڑے رہو اور میری تسبیح بیان کرو اور میری حمد کرو اور میری کبریائی بیان کرو اور اس کا ثواب قیامت کے دن تک میرے اس بندے کے حق میں لکھتے رہو۔

محافظ فرشتے کراماً کاتبین کے علاوہ ہیں

جواب......سابقہ تفصیل سے معلوم ہوا ہے کہ انسان کے ساتھ مقرر فرشتوں کی کئی قسمیں ہیں کچھ ان میں سے صرف حفاظت پر مامور ہیں۔ان میں سے دو صرف اعمال لکھنے پر مامور ہیں اور ان میں سے کچھ اعمال لکھنے اور حفاظت کرنے پر مامور ہیں۔اور جو دوفرشتے اعمال لکھنے پر مامور ہیں ان دو کے بارے میں وارد ہے کہ وہ انسان سے جدا ہوتے ہیں۔بزار نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے تخریج کیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

إِنَّ اللّٰهَ يَنْهٰكُمْ عَنِ التَّعَرِّيْ فَاسْتَحْيُوْا مِنَ الْمَلَائِكَةِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ مَعَكُمُ الْكِرَامِ الْكَاتِبِيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُفَارِقُوْنَكُمْ إِلَّا عِنْدَ ثَلَاثِ حَالَاتِ الْجَنَابَةِ وَالْغَائِطِ وَالْجِنَابَةِ الْغُسْلِ.

(دلیل الواعظ الی ادلۃ المواعظ ،تنبیہات قبل قراۃ ،الخ ،باب حرف الالف ،رقم الحدیث:۷۴۹،ج:2،ص:147،مطبوعہ:دار الفرقان للتراث ،بیروت)

بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہیں برہنگی سے منع فرماتا ہے پس تم اللہ تعالیٰ کے ان فرشتوں سے حیاء کرو جو معزز اور لکھنے والے ہیں اور جو تم سے جدا نہیں ہوتے سوائے تین موقعوں کے۔جنابت کے وقت اور قضائے حاجت کے وقت اور غسل کرنے کے وقت۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بالکلیہ جدا نہیں ہوتے بلکہ اس سے ذرا دور ہٹ جاتے ہیں۔

ابن مردویہ رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ انہوں نے کہا کہ:

خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عِنْدَ الظَّهِيْرَةِ فَرَاى رَجُلاً يَغْتَسِلُ بِفَلاةٍ مِنَ الْاَرْضِ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اَمَّا بَعْدُ! فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَكْرِمُوا الْكِرَامَ الْكَاتِبِيْنَ الَّذِيْنَ مَعَكُمْ لَيْسَ يُفَارِقُوْنَكُمْ اِلَّا عِنْدَ اِحْدٰى مَنْزِلَتَيْنِ حَيْثُ يَكُوْنُ الرَّجُلُ عَلٰى خَلاَئِهِ اَوْيَكُوْنُ مَعَ اَهْلِهِ لِاَنَّهُمْ كِرَامٌ كَمَا سَمَّاهُمُ اللّٰهُ فَلْيَسْتَتِرْ اَحَدُكُمْ عِنْدَ ذٰلِكَ بِجَرْمِ حَائِطٍ اَوْبِبَعِيْرَةٍ فَاِنَّهُ لاَيَنْظُرُوْنَ.

(الزواجر عن اقتراف الکبائر، باب الغسل، الکبیرۃ الرابعۃ والسبعون الخ، ج:1 ص:212 مطبوعہ: دار الفکر بیروت)

رسول اللہ ﷺ دوپہر کے وقت باہر تشریف لائے تو آپ نے ایک مرد کو دیکھا جو ایک بیابان جگہ میں غسل کر رہا تھا۔ پس آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی اور اس کے بعد فرمایا اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور کراماً کاتبین کی تکریم کرو جو تمہارے ساتھ ہیں اور جو تم سے جدا نہیں ہوتے سوائے دو مقامات میں سے کسی ایک مقام کے جہاں انسان قضائے حاجت کے لئے بیٹھتا ہے یا اپنی بیوی کے ساتھ ہوتا ہے کیونکہ وہ مکرم ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں موسوم کیا ہے۔ پس تم میں سے ہر ایک کو چاہیے کہ وہ ایسے مقام میں کسی دیوار کی اوٹ یا اپنے اونٹ کی اوٹ سے پردہ کرلے کیونکہ وہ (پردہ کی حالت میں) نہیں دیکھتے۔

کراماً کاتبین کے لکھنے کی حقیقت کیا ہے؟

جواب...... عنقریب ہم جو بیان کریں گے اس سے ان کے لکھنے کی حقیقت تم پر واضح ہوجائے گی۔ ابونعیم اور دیلمی رحمہما اللہ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے تخریج کیا ہے کہ:

اِنَّ اللّٰهَ لَطَّفَ الْمَلَكَيْنِ الْحَافِظَيْنِ حَتّٰى اَجْلَسَهُمَا عَلَى النَّاجِزَيْنِ وَجَعَلَ لِسَانَهُ قَلَمَهُمَا وَرِيْقَهُ مِدَادَهُمَا.

(احیاء العلوم الدین، کتاب المراقبۃ والمحاسبۃ، باب المقام الاول من المرابطۃ الخ، ج:4 ص:464 مطبوعہ: دار المعرفۃ، بیروت)

بے شک اللہ تعالیٰ نے دونوں محافظ فرشتوں کو اتنا لطیف بنایا ہے کہ ان کو انسان کے دونوں داڑھوں پر بٹھایا ہے اور اس کی زبان کو فرشتوں کی قلم اور اس کے لعاب دہن کو ان کی روشنائی بنایا ہے۔

ابن جریر اور ابن ابی حاتم رحمہما اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے "مَايَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ" کے تحت تخریج کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ: "انسان خیر یا شر میں سے جو بھی بولتا ہے فرشتہ سب کو لکھتا ہے حتی

کر فرشتہ اس کی ان باتوں کو بھی لکھتا ہے کہ میں نے کھایا ہے، میں نے پیا ہے، میں گیا ہوں، میں آیا ہوں، میں نے دیکھا ہے، جب جمعرات کا دن ہوتا ہے تو اس کے اعمال واقوال پیش کیے جاتے ہیں پس جو خیر یا شر اس سے صادر ہوا ہے اسے ثبت کیا جاتا ہے اور باقی سب کو پھینک دیا جاتا ہے۔

(مکارم الاخلاق، باب حفظ اللسان، ص:45، ج: مطبوعہ: ایضا)

اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اسی چیز کو بیان کر رہا ہے۔

وَيَمْحُو اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ عِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ. (سورۃ الرعد، آیت:39)

اور اللہ جو چاہے مٹاتا ہے اور ثابت کرتا ہے اور اصل لکھا ہوا اسی کے پاس ہے۔

اور ابن ابی شیبہ، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، امام حاکم اور ابن مردودیہ رحمہم اللہ نے عکرمہ رضی اللہ عنہ کے طریق سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مذکورہ آیت کریمہ کے تحت ان کا یہ قول تخریج کیا ہے اور حاکم رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

فرشتہ خیر اور شر کو لکھتا ہے مگر غیر ضروری باتوں کو نہیں لکھتا مثلاً اے بچے گھوڑے پر زین رکھ اور اے بچے مجھے پانی پلا اس قسم کے اقوال نہیں لکھتا۔

ابن المنذر اور ابن ابی شیبہ رحمہما اللہ نے خود عکرمہ رضی اللہ عنہ ہی سے تخریج کیا ہے، ابن ابی الدنیا رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے تخریج کیا کہ انہوں نے فرمایا کہ نیکیاں لکھنے والا فرشتہ انسان کی دائیں جانب اور گناہ لکھنے والا اس کی بائیں جانب ہوتا ہے۔ جب انسان ایک نیکی کرتا ہے تو دائیں طرف والا دس لکھتا ہے اور جب ایک گناہ کرتا ہے تو دائیں جانب والا فرشتہ بائیں والے سے کہتا ہے اسے چھوڑ دو شاید کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرے یا اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے، جب جمعرات کا دن آتا ہے تو جس کے ساتھ خیر یا شر قائم ہے اسے لکھ لیا جاتا ہے اور اس کے سوا باقی کو پھینک دیا جاتا ہے۔ پھر اس کو ام الکتاب پر پیش کیا جاتا ہے پس وہ اسے مکمل طور پر ام الکتاب میں پائے گا۔

(تفسیر الدر المنثور، سورۃ ق، آیت: 17، ج: 7 ص: 594 مطبوعہ: ایضا)

ابن ابی الدنیا رحمہ اللہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے تخریج کیا کہ آپ نے فرمایا کہ انسان کی زبان فرشتے کا قلم اور اس کا لعاب دہن فرشتے کی روشنائی ہے۔ ابن ابی الدنیا اور ابن المنذر رحمہما اللہ نے اس آیت کے تحت عن الیمین وعن الشمال قعید۔ احنف بن قیس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے انہوں نے فرمایا:

دائیں جانب والا خیر کو لکھتا ہے اور وہ بائیں جانب والے پر امین ہے بندہ اگر کسی گناہ کا ارتکاب

کرتا ہے تو وہ کہتا ہے رُک جا اور اگر بندہ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہ کی مغفرت مانگتا ہے تو دائیں جانب والا فرشتہ بائیں جانب والے کو اُس گناہ کے لکھنے سے منع کرتا ہے اور اگر بندہ گناہ پر اصرار کرتا ہے تو پھر وہ اسے لکھ لیتا ہے۔

(شعب الایمان، کتاب حفظ اللسان، الخ فصل فی فضل السکوت، الخ، رقم الحدیث: 4728، ج: 7 ص: 97، مطبوعہ: ایضا)

انسان کے ذکرِ قلبی کو فرشتے لکھتے ہیں

ابن المنذر اور ابوالشیخ رحمہما اللہ نے حجاج بن دینار رحمہ اللہ سے تخریج کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے ابومعشر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ بندہ اللہ تعالیٰ کو اپنے دل میں یاد کرتا ہے فرشتے اسے کیسے لکھتے ہیں؟ ابومعشر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایسی حالت میں فرشتے خوشبو محسوس کرتے ہیں۔ عبداللہ بن احمد رحمہ اللہ نے "زوائد الزھد" میں ابن عمران الجونی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ ملائکہ ہر شام کو عصر کے بعد اپنے مکتوبات لے کر آسمان دنیا کی طرف چڑھتے ہیں تو ایک فرشتہ پکارتا ہے۔ اس صحیفہ کو پھینک دو اور پھر دوسرا فرشتہ آواز دیتا ہے اس صحیفہ کو پھینک دو تو فرشتے کہتے ہیں اے ہمارے ربّ! تیرے بندوں نے اچھی بات کی ہے اور ہم نے ان کی اس بات کو محفوظ کیا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان فرشتوں سے فرماتا ہے۔ ان بندوں نے یہ اچھائی میری رضا کی خاطر نہیں کی، اور میں اسی چیز کو قبول کرتا ہوں جو میری رضا کے لئے کی گئی ہو۔ اور ایک دوسرا فرشتہ پکارتا ہے کہ فلاں کے حق میں یہ یہ لکھ تو فرشتہ عرض کرتا ہے اے میرے ربّ! اس نے یہ عمل نہیں کیا ہے تو اللہ فرماتا ہے اس نے اس کی نیت کی ہے۔

ابن المبارک، ابن ابی الدنیا اور ابوالشیخ رحمہما اللہ نے ضمرۃ بن حبیب رضی اللہ عنہ سے تخریج کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

إِنَّ الْمَلَائِكَةَ يَصْعَدُوْنَ بِعَمَلِ الْعَبْدِ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ تَعَالٰى فَيُكْثِرُوْنَهُ وَيُشْكِرُوْنَهُ حَتّٰى يَنْتَهُوْا بِهٖ حَيْثُ شَاءَ اللّٰهُ مِنْ سُلْطَانِهٖ فَيُوْحٰى إِلَيْهِمْ أَنَّكُمْ حَفَظَةٌ عَلٰى عَمَلِ عَبْدِيْ وَأَنَا رَقِيْبٌ عَلٰى مَافِيْ نَفْسِهٖ أَنَّ عَبْدِيْ هٰذَا لَمْ يَخْلُصْ فِيْ عَمَلِهٖ فَاجْعَلُوْهُ فِيْ سِجِّيْنَ قَالَ وَيَصْعَدُوْنَ بِعَمَلِ الْعَبْدِ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ تَعَالٰى فَيَسْتَقِلُّوْنَهُ وَيَحْتَقِرُوْنَهُ حَتّٰى يَنْتَهُوْا بِهٖ حَيْثُ شَاءَ اللّٰهُ مِنْ سُلْطَانِهٖ فَيُوْحٰى إِلَيْهِمْ أَنَّكُمْ حَفَظَةٌ عَلٰى عَمَلِ عَبْدِيْ وَأَنَا رَقِيْبٌ عَلٰى مَا فِيْ نَفْسِهٖ فَضَاعِفُوْهُ لَهٗ وَاجْعَلُوْهُ فِيْ عِلِّيِّيْنَ.

(الزہد والرقائق، باب ذم الریاء الخ، رقم الحدیث: 452، ج: 1 ص: 153، مطبوعہ: دار الکتب العلمیۃ بیروت)

ترجمہ: بے شک فرشتے اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے ایک بندے کے عمل کو لے کر آسمان کی

طرف چڑھتے ہیں جسے وہ کثیر سمجھتے ہیں اور اس کی تعریف کرتے ہیں حتی کہ وہ اس کو لے کر وہاں تک پہنچ جاتے ہیں جہاں تک اللہ تعالیٰ اپنی سلطنت میں سے چاہتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو وحی فرماتا ہے کہ تم میرے بندے کے عمل پر نگہبان تھے اور میں اس کے باطن پر نگہبان ہوں میرے اس بندے نے اپنے عمل میں اخلاص سے کام نہیں لیا ہے پس اس کے عمل کو سجین میں پھینک دو۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے ایک بندے کے عمل کو لے کر آسمان کی طرف چڑھتے ہیں جسے وہ قلیل وحقیر سمجھ رہے ہوتے ہیں یہاں تک اسے لے کر وہ وہاں تک پہنچ جاتے ہیں جہاں تک اللہ تعالیٰ اپنی سلطنت میں سے چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو وحی فرماتا ہے کہ تم میرے بندے کے عمل پر نگہبان تھے اور میں اس کے باطن پر نگہبان ہوں۔ پس تم اس کے لئے اس کے عمل کو دگنا کردو اور اسے علیین میں رکھ دو۔

طبرانی، ابن مردویہ اور بیہقی رحمہم اللہ نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے تخریج کیا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

صَاحِبُ الْيَمِيْنِ اَمِيْنٌ عَلٰى صَاحِبِ الشِّمَالِ وَاِذَا عَمِلَ الْعَبْدُ حَسَنَةً كُتِبَ عَشْرَ اَمْثَالِهَا وَاِذَا عَمِلَ سَيِّئَةً وَاَرَادَ صَاحِبُ الشِّمَالِ اَنْ يَّكْتُبَهَا قَالَ صَاحِبُ الْيَمِيْنِ اَمْسِكْ فَيُمْسِكُ سِتَّ سَاعَاتٍ اَوْ سَبْعَ سَاعَاتٍ فَاِنِ اسْتَغْفَرَ اللّٰهَ لَمْ يُكْتَبْ عَلَيْهِ شَيْئًا وَّاِنْ لَّمْ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ كُتِبَ عَلَيْهِ سَيِّئَةً وَّاحِدَةً.

(المعجم الکبیر، باب الصاد، ثور بن یزید، رقم الحدیث: 7787، ج: 8 ص: 191 مطبوعہ: ایضاً)

دائیں جانب والا فرشتہ بائیں جانب والے فرشتے پر نگہبان ہوتا ہے اور جب بندہ ایک نیکی کرتا ہے تو فرشتہ اس کو دس نیکیوں کے برابر لکھتا ہے، اور جب بندہ ایک گناہ کرتا ہے اور بائیں جانب والا فرشتہ اسے لکھنا چاہتا ہے تو دائیں جانب والا فرشتہ کہتا ہے رُک جا تو وہ چھ ساعتیں یا سات ساعتیں رُک جاتا ہے اگر بندہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہے تو اس کے خلاف کچھ بھی نہیں لکھتا اور اگر اللہ تعالیٰ سے استغفار نہیں کرتا تو ایک گناہ لکھتا ہے۔

ابوالشیخ رحمہ اللہ نے حسان بن عطیہ رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: ایک مجلس میں مکحول اور ابن ذکریا رحمہما اللہ موجود تھے اس میں یہ تذکرہ کیا جا رہا تھا کہ بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے خلاف تین ساعتوں تک کچھ نہیں لکھا جاتا اگر استغفار کرتا ہے تو فبہا ورنہ اس کے خلاف ایک گناہ لکھا جاتا ہے۔ ابن ابی شیبہ اور امام بیہقی رحمہما اللہ

نے ان سے ہی تخریج کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ گدھے پر سوار کوئی شخص گدھے سے اچانک گرتا ہے تو کہتا ہے تو ہلاک ہو جا، دائیں جانب والا فرشتہ کہتا ہے یہ کوئی نیکی نہیں کہ میں اس کو لکھوں اور بائیں جانب والا فرشتہ بھی کہتا ہے یہ کوئی گناہ نہیں کہ میں اسے لکھوں۔ تو بائیں جانب والے فرشتے کو نداء دی جاتی ہے کہ جس کو دائیں جانب والے نے چھوڑا ہے تم اسے لکھ لو۔ امام مالک اور مجاہد علیہما الرحمہ کے طریق سے مروی ہے کہ فرشتہ ہر اس چیز کو لکھتا ہے جو انسان بولتا ہے حتیٰ کہ بیماری کی حالت میں اس کے کراہنے کو بھی لکھتا ہے۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب

امام مہدی اور بعض علاماتِ قیامت کا ذکر

سوال ...... ایک ایسے گروہ کے بارے میں سوال کیا گیا ہے کہ جو چالیس سال قبل مرے ہوئے ایک انسان کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ وہی مہدی ہے جن کے آخر زمانے میں ظہور کا وعدہ کیا گیا ہے اور جو اس کے مہدی ہونے کا انکار کرے وہ کافر ہے ایسے لوگوں کا کیا حکم ہے؟

جواب ...... یہ اعتقاد باطل اور ضلالتِ قبیحہ اور جہالتِ شنیعہ ہے۔ اعتقاد تو اس لئے باطل ہے کہ یہ ان احادیث کے مخالف ہے جو حدِ تواتر تک پہنچتی ہیں اور جو اس اعتقاد کے خلاف تصریح کر رہی ہیں۔ جیسا کہ عنقریب ہم آپ کے سامنے ذکر کریں گے۔ اور قبیح ضلالت اس لئے ہے کہ اس پر ان آئمہ کرام رحمہم اللہ کی تکفیر لازم آتی ہے جنہوں نے اپنی کتابوں میں جو تصریح کی ہے وہ تصریح اس گروہ کی تکذیب کر رہی ہے کہ یہ مُردہ انسان مہدی موجود نہیں ہے اور جو کسی مسلمان کو اس کے دین کی وجہ سے کافر قرار دے وہ خود کافر اور مرتد ہے، اگر وہ توبہ نہ کرے تو اس کی گردن اڑا دی جائے گی اور نیز یہ لوگ اُس مہدی کے منکر بھی ہیں جن کے آخری زمانے میں ظہور کا وعدہ کیا گیا ہے۔ ابوبکر الاسکافی رحمہ اللہ کے ہاں ایک حدیث میں وارد ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ:

مَنْ كَذَّبَ بِالدَّجَّالِ فَقَدْ كَفَرَ مَنْ كَذَّبَ بِالْمَهْدِيِّ فَقَدْ كَفَرَ.

(المصنف عبدالرزاق، کتاب الطلاق، باب الرجم الخ، رقم الحدیث: 13364، ج:7 ص:330، بالفاظ مختلف، مطبوعہ: المجلس العلمی، ہند)

جو دجال کے آنے کی تکذیب کرے گا وہ کافر ہو جائے گا اور جو امام مہدی کی تکذیب کرے گا وہ کافر ہو جائے گا۔

یہ لوگ امام مہدی کی صراحت کے ساتھ تکذیب کر رہے ہیں اس لئے ان پر کفر کا خدشہ ہے۔ اسلامی ریاست کے حکمران (اللہ تعالیٰ اس کے سبب دین کی تائید فرماتا اور اس گمراہ، باغی زندیق اور دین سے خارج فرقہ کی مثل سرکشوں، بدعتیوں اور فسادیوں کی گردنوں کو اس کی تلوار کے ذریعہ توڑ دے) پر لازم ہے کہ وہ ان کی مثل ناپاک لوگوں

کے وجود سے زمین کو پاک کر دے اور ان کے اقوال وافعال کی قباحتوں سے لوگوں کو راحت وسکون بخشے اور اس شریعت غراء کی نصرت میں خوب محنت سے کام لے، اس روشن شریعت کی رات اس کے دن کی طرح چمکدار ہے اور اس کا دن اس کی رات کی طرح پُر امن وسکون ہے۔ اس سے نہیں بھٹکتا مگر ہلاک ہونے والا۔

اسلامی ریاست کے حکمران پر لازم ہے کہ وہ ان لوگوں کو سخت سزا دے تاکہ وہ ہدایت کی طرف لوٹ آئیں اور ہلاکت کی راہ سے رُک جائیں اور شرک اکبر کے شرک سے نکل آئیں۔ اور اعلان کر دے کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ سے توبہ نہ کریں گے تو ان کی بیخ کنی کی جائے گی کیونکہ یہ دین کے اہم معاملات میں سے ہے اور اسلام کے عظیم سلاطین اور فاضل ترین آئمہ نے جن چیزوں کو اہمیت دی ہے ان میں سب سے افضل کام یہ ہے حضرت امام غزالی رحمہ اللہ نے اس قسم کے فرقہ کے متعلق فرمایا ہے کہ:

إِنَّ قَتْلَ الْوَاحِدِ مِنْهُمْ اَفْضَلُ مِنْ قَتْلِ مِائَةِ كَافِرٍ. ان میں سے ایک کو قتل کرنا سو کافروں کو قتل کرنے سے افضل ہے۔

کیونکہ ان سے دین کو بہت زیادہ خطرہ اور شدید ضرر لاحق ہوتا ہے۔ کیونکہ عام لوگ کافر کے برے حال کو جانتے ہیں جس کی وجہ سے وہ اس سے اجتناب کرتے ہیں۔ کافروں میں سے کسی کو گمراہ کرنے پر قدرت نہیں رکھتا۔ مگر یہ گمراہ فرقے لوگوں کے سامنے فقراء اور صالحین کے لباس میں آتے ہیں اور ان کا باطن فاسد عقائد اور قبیح بدعتوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ پس عام لوگ ان کے اس ظاہر ہی کو دیکھتے ہیں جس کو انہوں نے خوب آراستہ کیا ہوتا ہے اور ان کا باطن جن قباحتوں اور خباثتوں سے پُر ہوتا ہے عام لوگوں کو اس کا اندازہ نہیں ہوتا اور وہ اس سے بے خبر ہوتے ہیں وہ ان کی ان علامات کا ادراک نہیں کر پاتے جو ان کے باطن پر دلالت کر رہی ہوتی ہیں پس وہ ان کے ظاہر سے فریب کھا جاتے ہیں اور ان کی ظاہری شکل وصورت کے سبب ان کے بارے میں اچھا اعتقاد رکھنے لگتے ہیں اور ان سے بدعات اور کفر خفی وغیرہ جو بھی سنتے ہیں اسے حق گمان کرتے ہوئے قبول کر لیتے ہیں اور اس کو اپنا عقیدہ بنا لیتے ہیں پس یہ چیز ان کو گمراہ کرنے کا سبب بن جاتی ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ اس فساد عظیم کے پیش نظر فرمایا ہے کہ ان کی مثل لوگوں میں سے ایک کو قتل کرنا سو کافروں کو قتل کرنے سے افضل ہے۔ کیونکہ مفاسد ومصالح کے تفاوت سے اعمال میں تفاوت پیدا ہوتا ہے اور اعمال کے اعتبار سے ثواب میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس تحقیق کے بعد اب ہم تمہارے سامنے ان احادیث کو ذکر کرنا چاہتے ہیں جو صراحتاً ان لوگوں کی تکذیب، تضلیل اور تفسیق کر رہی ہیں۔ اور ان میں تدبیر کرنے والے کے لئے سامانِ تسلی وتشفی موجود ہے۔

ابو نعیم رحمہ اللہ نے تخریج کیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ:

يَخْرُجُ الْمَهْدِيُّ وَعَلٰى رَأْسِهٖ عِمَامَةٌ وَمَعَهٗ مُنَادٍ يُنَادِيْ هٰذَا الْمَهْدِيُّ خَلِيْفَةُ اللّٰهِ فَاتَّبِعُوْهُ.

(مسند الشامیین للطبرانی، مسند صفوان بن عمرو، صفوان عن عبدالرحمٰن بن جبیر الخ رقم الحدیث: 937، ج:2 ص:71 مطبوعہ:)

امام مہدی تشریف لائیں گے اور ان کے سر پر عمامہ ہوگا اور ان کے ساتھ ایک منادی یہ آواز بلند کرتے ہوئے آئے گا۔ یہ مہدی ہیں جو اللہ کے خلیفہ ہیں سو تم ان کی اتباع وپیروی کرو۔

ابونعیم اور خطیب رحمہما اللہ نے ایک دوسری روایت تخریج کی ہے کہ:

يَخْرُجُ الْمَهْدِيُّ وَعَلٰى رَأْسِهٖ مَلَكٌ يُنَادِيْ اَنَّ هٰذَا الْمَهْدِيُّ فَاتَّبِعُوْهُ .

(مسند الشامیین للطبرانی، مسند صفوان بن عمرو، صفوان عن عبدالرحمٰن بن جبیر الخ رقم الحدیث: 937، ج:2 ص:71 مطبوعہ:)

امام مہدی تشریف لائیں گے ان کے ساتھ ایک فرشتہ ہوگا جو یہ آواز بلند کرے گا یہ مہدی ہیں پس تم ان کی اتباع کرو۔

امام طبرانی رحمہ اللہ نے اوسط میں تخریج کیا کہ:

اَنَّهٗ ﷺ اَخَذَ بِيَدِ عَلِيٍّ فَقَالَ يَخْرُجُ مِنْ صُلْبِ هٰذَا فَتًى يَمْلَاُ الْاَرْضَ قِسْطًا وَّعَدْلًا مَاذَا رَاَيْتُمْ ذَالِكَ فَعَلَيْكُمْ بِالْفَتَى التَّمِيْمِيِّ فَاِنَّهٗ يَقْبَلُ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ وَهُوَ صَاحِبُ رَايَةِ الْمَهْدِيِّ .

(کتاب الفتن، الرایات السود للمہدی...... الخ رقم الحدیث: 906، ج:1 ص:313، بالفاظ مختلف، مطبوعہ: مکتبۃ التوحید، قاہرہ)

حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: ان کی پشت سے ایک نوجوان کا ظہور ہوگا جو زمین کو عدل وانصاف سے بھر دے گا پس جب تم اسے دیکھو تو تم پر لازم ہے کہ تم تیمی نوجوان کے ساتھ ہو جاؤ جو مشرق کی طرف سے آئے گا اور وہ امام مہدی کا پرچم اٹھانے والا ہوگا۔

امام احمد، نعیم بن داؤد، امام حاکم اور ابونعیم رحمہم اللہ نے تخریج کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

اِذَا رَاَيْتُمُ الرَّايَاتِ الْاَسْوَدَ قَدْ اَقْبَلَتْ مِنْ خُرَاسَانَ فَاْتُوْهَا وَلَوْ حَبْوًا عَلَى الثَّلْجِ فَاِنَّ فِيْهَا خَلِيْفَةُ اللّٰهِ الْمَهْدِيُّ .

(کتاب الفتن، الرایات السود للمہدی...... الخ رقم الحدیث: 895، ج:1 ص:310، بالفاظ مختلف، مطبوعہ: مکتبۃ التوحید، قاہرہ)

جب تم خراسان کی طرف سے سیاہ پرچموں (کا قافلہ) آتے ہوئے دیکھو تو اس میں ضرور شامل ہو جانا اگرچہ برف پر گھسٹ کر آنا پڑے، کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کے خلیفہ مہدی ہوں گے۔

نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

تَكُوْنُ وَقْعَةٌ بِالزَّوْرَاءِ قِيْلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا الزَّوْرَاءُ قَالَ مَدِيْنَةٌ بِالْمَشْرِقِ بَيْنَ

الْأَنْهَارِ يَسْكُنُهَا شِرَارُ خَلْقِ اللّٰهِ جَبَابِرَةٌ مِنْ أُمَّتِي تُقْذَفُ بِأَرْبَعَةِ أَصْنَافٍ مِنَ الْعَذَابِ بِالسَّيْفِ وَخَسْفٍ وَقَذْفٍ وَمَسْخٍ.

(کتاب الفتن، الروایات السود للمہدی ... الخ رقم الحدیث: 895، ج: 1 ص: 310، بالفاظ مختلف مطبوعہ: مکتبۃ التوحید، قاہرہ)

زوراء میں ایک حادثہ رونما ہوگا۔ عرض کی گئی کہ یارسول اللہ زوراء کیا ہے؟ آپ نے فرمایا وہ مشرق میں ایک شہر ہے جس میں اللہ کی مخلوق میں سے شریر لوگ اور میری امت کے ظالم لوگ آباد ہوں گے۔ جن پر چار طرح کا عذاب نازل ہوگا۔ تلوار کا۔ اور زمین میں دھنسائے جانے کا اور پتھر برسائے جانے کا اور صورتوں کو مسخ کیے جانے کا۔

امام مہدی کا قتال کرنا

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

إِذَا خَرَجَتِ السُّوْدَانُ طَلَبَتِ الْعَرَبُ فَيَكْشِفُوْنَ حَتّٰى يَلْحَقُوْا بِبَطْنِ الْأَرْضِ أَوْقَالَ بِبَطْنِ الْأُرْدُنِ، فَبَيْنَمَا كَذَالِكَ إِذْ خَرَجَ السُّفْيَانِيُّ فِيْ سِتِّيْنَ وَثَلَاثِ مِائَةِ رَاكِبٍ حَتّٰى يَأْتِيَ دِمَشْقَ فَلَا يَأْتِيْ عَلَيْهِمْ شَهْرٌ حَتّٰى يُتَابِعَهُ مِنْ كَلْبٍ ثَلَاثُوْنَ أَلْفًا فَيَبْعَثُ جَيْشَهُ إِلَى الْعِرَاقِ فَيَقْتُلُ بِالزَّوْرَاءِ مِائَةَ أَلْفٍ وَيَخْرُجُوْنَ إِلَى الْكُوْفَةِ فَيَنْتَهِبُوْنَهَا، فَعِنْدَ ذَالِكَ تَخْرُجُ رَايَةٌ مِنَ الْمَشْرِقِ وَيَقُوْدُهَا رَجُلٌ مِنْ تَمِيْمٍ يُقَالُ لَهُ شُعَيْبُ بْنُ صَالِحٍ فَيَسْتَنْقِذُ مَا فِيْ أَيْدِيْهِمْ مِنْ سَبْيِ أَهْلِ الْكُوْفَةِ وَيَقْتُلُهُمْ، وَيَخْرُجُ جَيْشٌ آخَرُ مِنْ جُيُوْشِ السُّفْيَانِيِّ إِلَى الْمَدِيْنَةِ فَيَنْتَهِبُوْنَهَا ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ ثُمَّ يَسِيْرُوْنَ إِلٰى مَكَّةَ حَتّٰى إِذَا كَانُوْا بِالْبَيْدَاءِ بَعَثَ اللّٰهُ جِبْرِيْلَ فَيَقُوْلُ يَاجِبْرِيْلُ عَذِّبْهُمْ فَيَضْرِبُهُمْ بِرِجْلِهِ ضَرْبَةً يَخْسِفُ اللّٰهُ بِهِمْ فَلَا يَبْقٰى مِنْهُمْ إِلَّا رَجُلَانِ فَيَقْدِمَانِ عَلَى السُّفْيَانِيِّ وَيُخْبِرَانِهِ بِخَسْفِ الْجَيْشِ فَلَا يَهُوْلُهُ، ثُمَّ أَنَّ رِجَالًا مِنْ قُرَيْشٍ يَهْرُبُوْنَ إِلَى الْقُسْطُنْطُنِيَّةِ فَيَبْعَثُ السُّفْيَانِيُّ إِلٰى عَظِيْمِ الرُّوْمِ أَنْ يَبْعَثَ بِهِمْ فِي الْمَجَامِعِ فَيَبْعَثُ بِهِمْ إِلَيْهِ فَيَضْرِبُ أَعْنَاقَهُمْ عَلٰى بَابِ الْمَدِيْنَةِ بِدِمَشْقَ.

(السنن الواردۃ فی الفتن، باب ماروی فی الوقیعۃ التی تکون ...... الخ، ج: 5 ص: 1089 مطبوعہ: دار العاصمۃ، الریاض)

جب حبشی لوگ عربوں کی تلاش میں نکلیں گے تو عرب چھپ جائیں گے حتی کہ وہ زمین کے پیٹ کے ساتھ لگ جائیں گے یا فرمایا وہ اردن کے پیٹ کے ساتھ مل جائیں گے۔ اسی اثناء میں سفیانی تین سو ساٹھ سواروں کے ساتھ نکلے گا یہاں تک کہ وہ دمشق پہنچ جائے گا۔ ہر ماہ قبیلہ

کلب کے تیس ہزار لوگ سفیانی کے تابع ہوتے جائیں گے اور وہ اپنا لشکر عراق کی طرف بھیجے گا اور زوراء کے مقام میں ایک لاکھ لوگوں کو قتل کرے گا پھر وہاں سے کوفہ کی طرف جائیں گے اور کوفہ کو خوب لوٹیں گے پس اس وقت مشرق سے ایک لشکر نمودار ہوگا جس کی قیادت قبیلہ تمیم کا ایک مرد کررہا ہوگا جس کا نام شعیب بن صالح ہوگا۔شعیب ،ان سے اہل کوفہ کے قیدیوں کو آزاد کرائے گا اور سفیانی لشکر کو قتل کردے گا اور سفیانی لشکروں میں سے ایک اور لشکر مدینہ منورہ کی طرف آئے گا اور تین دن مدینہ منورہ میں لوٹ مار مچائے گا پھر مکہ مکرمہ کی طرف چلے جائیں گے۔جب مقام بیداء کے قریب پہنچیں گے تو اللہ تعالیٰ جبریل علیہ السلام کو بھیجے گا اور فرمائے گا اے جبریل انہیں سزا دو۔جبریل امین علیہ السلام اپنے پاؤں سے ایک ایسی ٹھوکر ماریں گے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو زمین میں دھنسا دے گا ان میں سے صرف دو مرد زندہ رہ جائیں گے پھر سفیانی کے پاس جا کر لشکر کے زمین میں دھنس جانے کی خبر اسے دیں گے۔سفیانی اس سے خوف زدہ نہ ہوگا۔پھر قریش کے کچھ لوگ قسطنطنیہ کی طرف بھاگیں گے۔سفیانی روم کے بادشاہ کو پیغام بھیجے گا کہ وہ ان قریش کو مجامع میں بھیج دیں تو روم کا بادشاہ ان کو اس کے پاس بھیج دے گا۔سفیانی ان سب کو دمشق میں باب المدینہ کے قریب شہید کردے گا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سفیانی کے مظالم اس حد تک ہوں گے کہ ایک عورت کو ایک دن میں پوری مجلس کے گرد گھمایا جائے گا یہاں تک کہ وہ جب سفیانی کی ران پر آئے گی تو وہ اس کے اوپر بیٹھ جائے گی حالانکہ وہ محراب میں بیٹھا ہوگا پس مسلمانوں میں سے ایک مسلمان کھڑا ہوکر کہے گا تم پر ہلاکت ہو،کیا تم ایمان کے بعد کافر ہوچکے ہو یہ کام (جو تم کررہے ہو۔) حلال نہیں۔یہ سن کر سفیانی اٹھ کر اس مسلمان کو دمشق کی مسجد میں شہید کردے گا اور اس کے تمام ساتھیوں کو بھی شہید کردے گا۔پس اسی اثناء میں آسمان سے ایک پکارنے والے کی آواز بلند ہوگی کہ اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے ظالموں ،منافقوں اور ان کے ساتھیوں سے تم کو بچا لیا ہے اور اس نے تم پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے ایک بہترین شخص کو حکمران بنا دیا ہے تم مکہ میں جا کر ان سے ملو وہ مہدی ہے اس کا نام احمد بن عبداللہ ہے۔حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں عمران بن حصین رضی اللہ عنہ اٹھے اور عرض کی یارسول اللہ ہمیں اس کی پہچان کیسے ہوگی؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امام مہدی میری اولاد میں سے ہوگا۔وہ ایسا نظر آئے گا گویا بنی اسرائیل کے مردوں میں سے کوئی مرد ہے اس نے اپنے اوپر دوسوتی قبا زیب تن کیے ہوں گے

اس کا چہرہ اس قدر حسین ہوگا گویا کہ چمکدار ستارہ ہے اس کے داہنے رخسار پر ایک سیاہ تل ہوگا اس کی عمر چالیس سال ہوگی ۔ وہ شام سے ابدال اور ان کی مانند صالح لوگوں کے ساتھ تشریف لائے گا ۔ اور عصر کے نجباء اور اہل مشرق کے گروہ اور ان کی مثل لوگ اس کے پاس آئیں گے ۔ حتی کہ وہ مکہ مکرمہ میں آئیں گے اور رکن اور مقام ابراہیم کے درمیان امام مہدی کی بیعت کریں گے ۔ پھر امام مہدی مکہ سے تمام کی جانب رخ کرتے ہوئے نکلیں گے ۔ حضرت جبریل علیہ السلام ان کے لشکر کے اگلے دستہ میں ہوں گے اور میکائیل علیہ السلام لشکر کے پچھلے دو دستوں میں ہوں گے ۔ امام مہدی کی وجہ سے زمین اور آسمان والے اور پرندے ، اور وحشی جانور اور مچھلیاں سمندر میں اپنی خوشی کا اظہار کریں گے ۔ ان کی سلطنت میں پانیوں میں اضافہ ہوگا اور لمبی نہریں کھینچی جائیں گیں اور خزانے نکالے جائیں گے ۔ امام مہدی شام پہنچ کر سفیانی کو اس درخت کے نیچے ذبح کردیں گے جس کی ٹہنیاں بحیرہ طبریہ کی جانب جھکی ہوں گیں اور کلب قبیلہ کو قتل کردیں گے ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پس ناکام وہ ہے جو کلب کے دن مال غنیمت حاصل کرنے سے ناکام رہا اگرچہ ایک نکیل ہی حاصل کرتا ہو ۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ قتال کیسے حلال ہوگا ؟ حالانکہ وہ موحدین ہی ہوں گے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے حذیفہ رضی اللہ عنہ ! وہ اُس زمانے میں مرتد ہوچکے ہوں گے اور وہ شراب کو حلال سمجھتے ہوں گے اور نماز نہیں پڑھتے ہوں گے ۔

اور ابو نعیم بن حماد رضی اللہ عنہ نے تخریج کیا ہے :

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مہدی مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ آئیں گے اور لوگ انہیں بحیثیت مہدی پہچان کر اپنے درمیان سے نکال کر (بیت اللہ میں لے آئیں گے) مقام ابراہیم اور رکن کے درمیان زبردستی ان سے بیعت خلافت کریں گے اور امام مہدی اسے ناپسند کرنے والے ہوں گے ۔

(الحاوی للفتاوی، کتاب الاداب والرقائق ، باب العرف الوردی......الخ ، ج:2 ص:73 مطبوعہ: دار الفکر بیروت)

ابو نعیم رحمہ اللہ نے تخریج کیا :

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے اور لوگوں کے امیر حضرت امام مہدی ان سے عرض کریں گے آگے تشریف لائیں اور ہمیں نماز پڑھائیں ۔ حضرت عیسیٰ

السلام فرمائیں گے خبردار! اس امت کی تکریم کے پیش نظر تم لوگوں میں سے بعض، بعض کے اوپر امراء ہو۔

(کتاب الفتن، نسبۃ المہدی، رقم الحدیث: 1103، ج:1 ص:373، مطبوعہ: ایضا)

ابو عمرو الدوانی رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں تخریج کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِيْ تُقَاتِلُ عَلَى الْحَقِّ حَتّٰى يَنْزِلَ عِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ عِنْدَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ بِبَيْتِ الْمُقَدَّسِ يَنْزِلُ عَلَى الْمَهْدِيِّ فَيُقَالُ تَقَدَّمْ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ فَصَلِّ بِنَا فَيَقُوْلُ هٰذِهِ الْاُمَّةُ اُمَرَاءُ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ .

(کتاب الفتن، نسبۃ المہدی، رقم الحدیث: 1103، ج:1 ص:373، مطبوعہ: ایضا)

میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ حق پر جہاد کرتا رہے گا یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بیت المقدس میں طلوع فجر کے وقت نازل ہوں گے حضرت امام مہدی کے پاس تشریف لائیں گے تو ان سے عرض کی جائے گی اے اللہ کے نبی! آگے آئیں اور ہمیں نماز پڑھائیں تو وہ فرمائیں گے اس امت کے بعض دوسرے بعض پر امراء ہیں۔

اور ایک حدیث میں وارد ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ:

فِي الْمُحَرَّمِ يُنَادِيْ مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ اَلَا اَنَّ صِفْوَةَ اللّٰهِ فُلَانٌ فَاسْمَعُوْا لَهٗ وَاَطِيْعُوْا.

(الفتن لنعیم بن حماد، علامۃ آخری عند خروج المہدی، رقم الحدیث: 980، ج:1 ص:338، مطبوعہ: مکتبۃ التوحید، قاہرہ)

محرم کے مہینے میں آسمان سے ایک پکارنے والا پکارے گا خبردار! اللہ تعالیٰ کا منتخب بندہ فلاں ہے تم اس کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو۔

حضرت امام مہدی کے دور کی خصوصیات

ایک حدیث میں ہے:

يَكُوْنُ فِيْ اُمَّتِي الْمَهْدِيُّ اِنْ طَالَ عُمْرُهُ اَوْ قَصُرَ وَيَمْلِكُ سَبْعَ سِنِيْنَ اَوْ ثَمَانَ سِنِيْنَ اَوْ تِسْعَ سِنِيْنَ فَيَمْلَؤُهَا قِسْطًا وَّعَدْلًا كَمَا مُلِئَتْ ظُلْمًا وَّجَوْرًا وَتُمْطِرُ السَّمَاءُ مَطَرَهَا وَتُخْرِجُ الْاَرْضُ بَرَكَتَهَا وَتَعِيْشُ اُمَّتِيْ فِيْ زَمَانِهٖ عَيْشًا لَمْ تَعِشْهُ قَبْلَ ذَالِكَ.

(مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الفتن، باب ما ذکر فی فتنۃ الرجال، رقم الحدیث: 37638، ج:7 ص:512، المطبوعہ: مکتبۃ الرشد، الریاض، السعودیہ)

میری امت میں مہدی ہوگا خواہ ان کی عمر دراز ہو یا چھوٹی اور وہ حکمرانی کریں گے سات سال یا

(فرمایا) آٹھ سال یا نو سال، زمین کو عدل وانصاف سے بھردیں گے جس طرح پہلے وہ ظلم وستم سے بھری ہوگی ان کے لئے کہ آسمان اپنی بارش برسائے گا اور زمین (ان کے لئے) اپنی برکات نکال دے گی میری امت ان کے زمانے میں ایسی پرلطف زندگی گزارے گی کہ اس سے پہلے کبھی نہ گزاری ہوگی۔

ایک اور حدیث میں ہے:

سَيَكُوْنُ فِيْ رَمَضَانَ صَوْتٌ وَفِيْ شَوَّالٍ مَعْمَعَةٌ وَفِيْ ذِي الْقَعْدَةِ تَحَارَبَ الْقَبَائِلُ وَعَلَامَتُهُ نُهِبَ الْحَجَّاجُ وَتَكُوْنُ لَلحمة بِمِنًى يُكْثَرُ فِيْهَا الْقَتْلُ وَتُسِيْلُ فِيْهَا الدِّمَاءُ حَتّٰى تَسِيْلَ دِمَاؤُهُمْ عَلَى الْجَمْرَةِ حَتّٰى يَهْرَبَ صَاحِبُهُمْ فَيُؤْتٰى بَيْنَ الرُّكْنِ وَالْمَقَامِ فَيُبَايِعُ وَهُوَ كَارِهٌ وَيُقَالُ لَهُ إِنْ أَبَيْتَ ضَرَبْنَا عُنُقَكَ يَرْضٰى بِهٖ سَاكِنُ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ.

(مسند الامام احمد بن حنبل، مسند ابی سعید الخدری رقم الحدیث: 11326، ج: 17 ص: 426، المطبوعہ: مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

عنقریب رمضان کے مہینے میں ایک آواز بلند ہوگی اور شوال کے مہینے میں اور ذی قعدہ کے مہینے میں قبائل کے درمیان جنگ ہوگی اور اس کی علامت یہ ہے کہ حاجیوں پر ڈاکہ پڑے گا اور منی کے مقام پر جنگ ہوگی جس میں بکثرت قتل ہوں گے اور اس میں خون بہیں گے یہاں تک کہ ان کا خون جمرہ کے اوپر سے بہہ جائے گا حتیٰ کہ ان کا قائد بھاگے گا تو اسے رکن اور مقام کے درمیان لاکر زبردستی اس کی بیعت خلافت کی جائے گی اور اسے کہا جائے گا اگر تم نے بیعت سے انکار کیا تو ہم تمہیں شہید کردیں گے اس پر آسمان وزمین کے باسی راضی ہوں گے۔

ایک اور حدیث میں ہے:

اَلْمَهْدِيُّ طَاءُوْسُ أَهْلِ الْجَنَّةِ. مہدی جنتیوں کے طاؤس ہیں۔

(الحاوی للفتاوی، کتاب الادب والرقائق، العرف الوردی فی اخبار المہدی، ج: 2 ص: 99، المطبوعہ: دار الفکر للطباعۃ والنشر، بیروت، لبنان)

حضرت ابو نعیم رحمہ اللہ نے تخریج کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مِنَّا الْمَهْدِيُّ يُصَلِّيْ عِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ خَلْفَهٗ.

(کتاب الفتن، نسبۃ المہدی، رقم الحدیث: 1103، ج: 1 ص: 373، مطبوعہ، ایضا)

مہدی ہم میں سے ہیں عیسیٰ بن مریم ان کے پیچھے نماز ادا کریں گے۔

ابن ماجہ، الرویانی، ابن خزیمہ، ابوعوانہ، حاکم اور ابونعیم رحمہم اللہ نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے

تخریج کیا ہے اور یہ الفاظ ابونعیم رحمہ اللہ کے ہیں کہ ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطبہ ارشاد فرمایا اور (اس میں) دجال کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ مدینہ منورہ سے خبث کو ایسے دور کیا جائے گا جیسے دھونکی لوہے کے زنگ کو دور کرتی ہے اور اس دن کو یوم خلاص (نجات کا دن) کہا جائے گا ام شریک رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ اس دن عرب کہاں ہوں گے؟

آپ نے فرمایا اس دن عرب کی تعداد کم ہوگی وہ ان کی اکثریت بیت المقدس میں ہوگی۔ ان کا امام مہدی ہوگا جو ایک صالح مرد ہوگا ان کا امام آگے بڑھ کر انہیں نماز فجر پڑھانے کا ارادہ کر رہا ہوگا کہ اسی اثناء میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے ہاں صبح کے وقت تشریف لائیں گے تو وہ امام الٹے پاؤں پیچھے آجائے گا تا کہ عیسیٰ علیہ السلام آگے تشریف لائیں پس عیسیٰ علی علیہ السلام اپنا ہاتھ ان کے کندھوں پر رکھیں گے اور فرمائیں گے آگے بڑھ کر نماز پڑھائیں کیونکہ یہ (نماز کی جماعت کی امامت) کے لئے قائم کی گئی ہے پس ان کو ان کا امام نماز پڑھائے گا۔

ابونعیم رحمہ اللہ نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَلْمَهْدِیُّ مِنْ وَلَدِیْ اِبْنُ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً كَاَنَّ وَجْهَهٗ كَوْكَبٌ فِیْ خَدِّهِ الْاَیْمَنِ خَالٌ اَسْوَدُ عَلَیْهِ عَبَاءَتَانِ قَطَوَانِیَّتَانِ، كَاَنَّهٗ مِنْ رِجَالِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ یَسْتَخْرِجُ الْكُنُوْزَ وَیَفْتَحُ مَدَائِنَ الشِّرْكِ.

(المعجم الکبیر، باب الصاد، سلیمان بن حبیب، الخ، رقم الحدیث: 7390، جلد 8 ص: 101، مطبوعہ: مکتبہ ابن تیمیہ، القاہرہ)

مہدی میری اولاد میں سے ہوں گے ان کی عمر چالیس سال ہوگی ان کا چہرہ گویا نور افشاں ستارہ ہوگا ان کے دائیں رخسار پر ایک سیاہ تل ہوگا اور وہ دو سوتی قباء زیب تن کیے ہوں گے وہ (جسمانی ساخت میں) اسرائیلی مردوں کی طرح ہوں گے اور وہ زمین سے خزانے نکالیں گے اور شرک زدہ شہروں کو فتح کریں گے۔

پوری روئے زمین پر چار افراد حکمران ہوتے ہیں

ابن الجوزی رحمہ اللہ نے تخریج کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

مَلَكَ الْاَرْضَ اَرْبَعَةٌ مُؤْمِنَانِ وَكَافِرَانِ فَالْمُؤْمِنَانِ ذُو الْقَرْنَیْنِ وَسُلَیْمَانُ وَالْكَافِرَانِ نَمْرُوْدُ وَبُخْتُ نَصْرٍ. وَسَیَمْلِكُهَا خَامِسٌ مِّنْ اَهْلِ بَیْتِیْ.

(التبصرۃ لابن جوزی، المجالس الحادی عشر فی قصۃ ذی القرنین، الخ، ج: 1 ص: 170، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت)

پوری روئے زمین پر چار افراد نے حکمرانی کی ہے دو مؤمن اور دو کافر ہیں۔ مؤمن حضرت ذوالقرنین اور حضرت سلیمان علیہما السلام ہیں اور کافر نمرود اور بخت نصر ہیں عنقریب پانچواں بھی زمین پر حکمرانی کرے گا جو میری اہل بیت میں سے ہوگا۔

الرویانی رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں اور ابونعیم رحمہ اللہ نے تخریج کیا ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَلْمَهْدِیُّ رَجُلٌ مِنْ وَلَدِیْ وَجْهُهٗ كَالْكَوْكَبِ الدُّرِّیِّ.

(مسند الشامیین، ما انتہی الینا من مسند سلیمان بن حبیب الخ، سلیمان بن عن ابی امامۃ، الخ رقم الحدیث: 1600، ج: 2 ص: 410، مطبوعہ: مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

مہدی میری اولاد میں سے ہوگا وہ نور افشانی کرنے والے ستارہ کی مانند ہوگا۔

اور الرویانی اور ابونعیم رحمہما اللہ نے ہی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے تخریج کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

اَلْمَهْدِیُّ رَجُلٌ مِنْ وَلَدِیْ لَوْنُهٗ لَوْنٌ عَرَبِیٌّ وَجِسْمُهٗ جِسْمٌ اِسْرَائِیْلِیٌّ، عَلٰی خَدِّهِ الْاَیْمَنِ خَالٌ كَاَنَّهٗ كَوْكَبٌ دُرِّیٌّ یَمْلَاُ الْاَرْضَ عَدْلًا كَمَامُلِئَتْ جَوْرًا، یَرْضٰی بِخَلَافَتِهٖ اَهْلُ الْاَرْضِ وَاَهْلُ السَّمَاءِ وَالطَّیْرُ فِی الْجَوِّ.

(الحاوی للفتاوی، کتاب الادب والرقاق، العرف الوردی فی اخبار المہدی، ج: 2 ص: 79، المطبوعہ: دار الفکر للطباعۃ والنشر، بیروت، لبنان)

مہدی میری اولاد میں سے ہوں گے۔ ان کا رنگ عربی ہوگا۔ اور ان کی جسمانی ساخت اسرائیلی ہوگی ان کے دائیں رخسار پر تل ہوگا گویا وہ نور افشاں ستارہ ہوں گے۔ وہ (مہدی) زمین کو عدل سے بھر دیں گے جس طرح وہ پہلے ظلم سے بھری ہوئی تھی۔ ان کی خلافت پر اہل زمین اور اہل آسمان سب راضی ہوں گے اور فضاء میں پرندے بھی راضی (خوش) ہوں گے۔

ابونعیم رحمہ اللہ وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ:

یَخْرُجُ الْمَهْدِیُّ مِنْ قَرْیَةٍ یُقَالُ لَهَا كُرْعَةُ.

(الحاوی للفتاوی، کتاب الادب والرقاق، العرف الوردی فی اخبار المہدی، ج: 2 ص: 79، المطبوعہ: دار الفکر للطباعۃ والنشر، بیروت، لبنان)

امام مہدی ایک بستی سے تشریف لائیں گے جس کو کرعہ کہا جاتا ہے۔

الخطیب نے حدیث تخریج کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

یَحْبِسُ الرُّوْمُ عَلٰی وَالٍ مِنْ عِتْرَتِیْ اِسْمُهٗ یُوَاطِئُ اِسْمِیْ فَیَقْبَلُوْنَ بِمَكَانٍ یُقَالُ لَهَا الْعَمْلَقُ فَیَقْتُلُوْنَ فَتَقْتُلُ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ اَلافٌ اَوْ نَحْوُ ذَالِكَ ثُمَّ یُقْتَلُوْنَ یَوْمًا آخَرَ

لَيُقْتَلُ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ نَحْوَ ذَالِکَ ثُمَّ يَقْتَتِلُوْنَ الْيَوْمَ الثَّالِثَ فَيَكُوْنُ عَلَى الرُّوْمِ فَلَا يَزَالُوْنَ حَتّٰى يَفْتَحُوا الْقُسْطُنْطُنِيَةَ فَبَيْنَمَا هُمْ يَقْتَسِمُوْنَ فِيْهَا اِذَا اَتَاهُمْ صَارِخٌ اِنَّ الدَّجَّالَ خَلَفَكُمْ فِيْ ذَارِكُمْ.

(کنز العمال، کتاب القیامۃ، المھدی علیہ السلام، رقم الحدیث: 39656، ج:14 ص:585، المطبوعۃ: مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

رومی میری عترت میں سے ایک حکمران کو روک لیں گے۔ اس کا نام میرے نام کے مطابق ہوگا رومی ایسے مقام میں ان کا مقابلہ کریں گے جسے العملق کہا جاتا ہے۔ پس ان میں لڑائی ہوگی مسلمانوں کے ہزاروں یا اس کے قریب افراد شہید کر دیئے جائیں گے۔ پھر دوسرے دن بھی لڑائی ہوگی مسلمانوں کی اتنی ہی تعداد کو شہید کر دیا جائے گا۔ پھر تیسرے دن لڑائی ہوگی اور تیسرا دن رومیوں کے خلاف ہوگا۔ (یعنی ان کو شکست ہو جائے گی) پس مسلمان اس وقت تک لڑتے رہیں گے حتیٰ کہ قسطنطنیہ کو فتح کر لیں گے۔ پس وہ اس میں مال غنیمت تقسیم کر رہے ہوں گے کہ اسی اثناء میں ایک چیخنے والا ان کے پاس آئے گا (اور اطلاع دے گا) کہ دجال تمہارے بعد تمہارے اہل وعیال کے پاس پہنچ گیا ہے۔

ایک دوسری سند کے ساتھ نبی کریم ﷺ سے یہ حدیث مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ:

مہدی آپ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد کے واسطہ سے آپ کی عترت سے ہوں گے اور وہ روشن ترین پیشانی والے اور بلند بینی والے ہوں گے۔ ایک روایت میں "اشم الانف" (بلند بینی والے) کا لفظ وارد ہے۔

(الفتن لنعیم بن حماد، صفۃ المھدی ونعتہ، رقم الحدیث: 1063، ج:1 ص:364)

ایک اور دوسری روایت میں ہے کہ:

مہدی بلند پیشانی والے اور سامنے کے دانتوں کے درمیان کشادگی والے ہوں گے۔ اور وہ سات سال زمین میں حکمرانی کریں گے۔ زمین کو عدل سے بھر دیں گے۔ کیونکہ وہ لوگوں میں مال یکساں طور پر تقسیم کریں گے۔ (یعنی وہ اپنی عطا میں کسی سے امتیاز نہیں برتیں گے) اور محمد (ﷺ) کی امت کے دلوں کو استغناء اور بے نیازی سے بھر دیں گے اور ان کا انصاف سب کو عام ہوگا۔ اور وہ اپنے منادی کو حکم دیں گے کہ عام اعلان کر دے کہ جسے مال کی حاجت ہے وہ میرے پاس آئے۔ اس اعلان پر بجز ایک شخص کے کوئی بھی کھڑا نہ ہوگا، مہدی منادی کو حکم دیں گے کہ (وہ اس کو عطا کرے) تو منادی اسے عطا کر دے گا۔ مہدی پھر منادی کو حکم دیں گے

کہ وہ اس کے دامن کو بھر دے پس منادی اس کی (حسبِ تمنا) اس کے دامن کو اتنا بھر دے گا
کہ وہ اس مال کو اٹھانے کی طاقت نہ رکھے گا۔تو وہ اس مال سے کچھ واپس رکھ دے گا تاکہ
(باقی کے) اٹھانے پر قادر ہو جائے۔ پھر وہ اپنے دل میں سوچے گا کہ امت محمدیہ ﷺ کے
تمام لوگوں نے مال لینے سے انکار کیا اور تو نے لے لیا۔اس ندامت پر وہ مہدی کے خازن کے
پاس آ کر مال واپس کرنا چاہے گا مگر اس سے یہ مال قبول نہ کیا جائے گا۔اور مہدی کا نام رسول
اللہ ﷺ کے اسم مبارک کے مطابق ہوگا اور ان کے والد کا نام حضور ﷺ کے والد گرامی
کے اسم مبارک کے موافق ہوگا۔ اور ایک خلیفہ کی موت کے وقت اختلاف پیدا ہوگا۔تو اہل
مدینہ میں سے ایک شخص (مہدی) مکہ مکرمہ کی طرف نکلے گا۔مکہ والے اس کے پاس آ کر اسے
زبردستی واپس مکہ لے آئیں گے اور رکن اور مقام ابراہیم کے درمیان اس کی بیعتِ خلافت
کریں گے شام سے مہدی کی طرف ایک لشکر بھیجا جائے گا جب وہ مکہ اور مدینہ کے درمیان
مقامِ بیداء تک پہنچے گا تو اسے زمین کے اندر دھنسا دیا جائے گا۔جب لوگوں کو اس کی اطلاع
ملے گی تو مہدی کے پاس شام کے ابدال اور عراق کی جماعتیں حاضر ہو کر ان کی بیعت کریں
گے۔قریش کا ایک شخص ظاہر ہوگا جس کے ننھال قبیلہ کلب میں سے ہوگا۔مہدی اس کے لشکر
کے مقابلے کے لئے ایک لشکر بھیجیں گے۔پس مہدی کا لشکر ان کو قتل کر دے گا۔اور ان سے ملنے
والا مالِ غنیمت مہدی کا لشکر باہم تقسیم کرے گا۔اور مہدی لوگوں کے درمیان رسول اللہ ﷺ
کی سنت کے مطابق عمل کریں گے۔اور ان کی مدت حکمرانی اگر کم ہوئی تو سات سال ہوگی ورنہ
نو سال ہوگی اور ان کے زمانے میں لوگ اتنے خوشحال ہوں گے کہ اس سے پہلے اس کی مثل
خوشحالی انہوں نے کبھی نہ سنی ہوگی۔ زمین اپنے خزانوں کو اُگل دے گی اور ان سے کوئی چیز
پوشیدہ نہ رکھے گی اور مشرق سے کچھ لوگ آئیں گے اور امام مہدی کی حکمرانی تسلیم کریں گے۔
(راوی کہتے ہیں اسی اثناء میں) رسول اللہ ﷺ انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتے ہوئے اٹھ بیٹھے
تو حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کس وجہ سے آپ نے یہ پڑھا
تو فرمایا اس لشکر کی وجہ سے جو عراق کی جانب سے اہل مدینہ میں سے ایک شخص کی تلاش
میں آئے گا جسے اللہ تعالیٰ ان سے محفوظ فرمائے گا۔وہ لشکر جب ذی الحلیفہ کے قریب چٹیل
میدان میں پہنچے گا تو ان کو زمین کے اندر دھنسا دیا جائے گا اور قیامت تک پچھلوں کو اگلوں کی
اور اگلوں کو پچھلوں کی خبر نہ ہوگی۔اور مہدی لوگوں کو بغیر کسی شمار کے دامن بھر کر مال عطا کریں

گے۔اور مقام ابراہیم اور رکن کے درمیان مہدی کی بیعت کی جائے گی۔اور ان کے ساتھ جو لوگ ہوں گے ان کی تعداد تین سے زیادہ ہوگی۔پھر ان کے پاس اہل عراق کی جماعتیں اور اہل شام کے ابدال آئیں گے اور وہ سب مل کر شام کے لشکر کے ساتھ جہاد کریں گے۔پس شامی لشکر کو بیداء کے مقام میں زمین کے اندر دھنسا دیا جائے گا۔

(تذکرہ باحوال الموتی، باب منہ فی المہدی، الخ، ج:1 ص:1206 مطبوعہ:ایضا)

حدیث پاک میں ہے:

کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ ان کی پشت سے ایک نوجوان کا ظہور ہوگا جو زمین کو عدل وانصاف سے بھر دے گا۔تم جب اسے پاؤ تو اُس تمیمی نوجوان کا ساتھ دینا تم پر لازم ہے جو مشرق کی جانب آئے گا یہ شخص وہی ہے جو مہدی کا پرچم اٹھانے والا ہوگا۔اور سفیانی جو ابوسفیان کی ذریت میں سے ہوگا۔شام سے نکلے گا۔اس کے ساتھیوں کی اکثریت قبیلہ کلب میں سے ہوگی۔سفیانی خواتین کے پیٹ چاک کرے گا اور بچوں کو قتل کردیگا۔ اس کے بعد مہدی کو بھیجا جائے گا سفیانی نے ایک لشکر مقام مرو کی طرف بھیجا ہوگا جسکو مہدی شکست دیں گے۔سفیانی اور اس کے ساتھی مہدی کے مقابلے کے لئے آئیں گے۔جب وہ مقام بیداء تک پہنچ جائیں گے تو ان کو زمین میں دھنسا دیا جائے گا ان میں سے سوائے ایک خبر دینے والے کے کوئی نہ بچے گا۔امام مہدی رسول اللہ ﷺ کی عترت میں سے ہوں گے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کی امامت میں نماز ادا کریں گے۔

(مسند الشامین للطبرانی، ما انتہی الینا من مسند ابراہیم ... الخ، رقم الحدیث:44، ج:1 ص:49، مطبوعہ:ایضا)

خلاصہ

سابقہ سوال میں جن لوگوں کا تذکرہ کیا گیا ہے مذکورہ تمام احادیث ان کی تکذیب کررہی ہیں اور ان کے بدعتی اور گمراہ ہونے کو بیان کررہی ہیں اور ان کے خلاف فیصلہ دے رہی ہیں کہ وہ حد سے بڑھی ہوئی جہالت اور بہت بڑی حماقت میں مبتلا ہیں۔صحابہ کرام اور تابعین رضی اللہ عنہم سے وارد آثار بھی ان احمقوں کی تردید کررہے ہیں۔

چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے وارد ہے کہ عنقریب ایک بڑا فتنہ رونما ہوگا اور اس فتنے کا سبب اہل شام نہیں ہوں گے بلکہ شام کے ظالم لوگ ہوں گے کیونکہ اہل شام میں ہی ابدال ہیں۔اور ان لوگوں پر آسمان سے بارش کا سیلاب بھیجا جائے گا جو ان کو غرق کردے گا۔پھر اس وقت اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کی عترت میں سے ایک شخص کو بھیجے گا۔ان کے ساتھیوں کی تعداد اگر قلیل ہو تو بارہ ہزار اور کثیر ہو پندرہ ہزار ہوگی۔اور وہ تین پرچموں کے تلے سات پرچموں والوں

کے ساتھ جہاد کریں گے۔اور سات پرچموں والوں میں سے ہرایک پرچم والا حکمرانی کی لالچ میں مبتلا ہوگا۔ پس ان کے درمیان لڑائی ہوگی اور سات پرچموں والے شکست کھاجائیں گے۔پھر اللہ تعالیٰ ان پر ہاشمی مرد کو غلبہ عطا فرمائے گا اور ہاشمی مرد مسلمانوں پر الفت ونعمت لوٹا دے گا۔مسلمان اسی خوشحالی پر قائم رہیں گے حتیٰ کہ دجال کا خروج ہوجائے گا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس وقت بیان کی جس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ مجھے سمجھ نہیں آتا کہ میں کعبہ معظمہ کے خزانے اوراس میں موجود مال واسلحہ اسی میں رہنے دوں یا اللہ کی راہ میں تقسیم کروں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا اے عمر! اس کو رہنے دو اس کی تقسیم تمہارے ہاتھوں سے نہیں ہوگی بلکہ اس کی تقسیم کرنے والا شخص ہمارے واسطہ سے قریش کا ایک نوجوان ہوگا۔جوان کو آخر زمانے میں تقسیم کرے گا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مہدی اس وقت ظاہر ہوں گے جب آسمان سے ایک پکارنے والا پکارے گا بے شک حق آل محمد میں ہے پس اس وقت سے لوگوں کی زبانوں پران کے ظہور کا اعلان ہوگا اورلوگوں کے دلوں میں ان کی اتنی محبت ڈال دی جائے گی کہ وہ ان کے سوا کسی کا ذکر نہ کریں گے اور (حضرت علی نے فرمایا) سیاہ پرچموں والا ایک لشکر نکلے گا جوسفیانی کے ساتھ جہاد کرے گا اسی لشکر میں بنی ہاشم کا ایک نوجوان شامل ہوگا جس کی دائیں ہتھیلی میں تل ہوگا۔اوراس لشکر کے اگلے دستہ میں قبیلہ تمیم کا ایک شخص ہوگا جس کا نام شعیب بن صالح ہوگا۔ہاشمی کا لشکر سفیانی لشکر کو شکست دے گا اور سفیانی کا لشکر جب نکلے گا تو وہ اسے اہل خراسان کی طرف بھیجے گا اورخراسان والے مہدی کے پاس آجائیں گے سفیانی اور ہاشمی کے درمیان مقابلہ ہوگا۔ہاشمی کے ساتھ سیاہ پرچموں والا لشکر ہوگا۔ہاشمی کے لشکر کے اگلے دستہ میں شعیب بن صالح ہوں گے،شعیب اورسفیانی کے درمیان باب اصطخر میں مقابلہ ہوگا۔دونوں کے درمیان زبردست لڑائی چھڑ جائے گی۔اورسیاہ پرچموں والے لشکر کو فتح نصیب ہوگی اورسفیانی کا لشکر راہِ فرار اختیار کرے گا پس اس حال میں لوگ مہدی کی تمنا کریں گے اورانہیں تلاش کریں گے اورمہدی سے پہلے ان کے اہل بیت میں سے ایک شخص مشرق سے آئے گا جواٹھارہ مہینے سے اپنے کندے پرتلوار لٹکائے ہوئے کافروں کا قتل اوران کا مثلہ کررہا ہوگا اوروہ بیت المقدس کی طرف جائے گا مگر وہاں پہنچنے سے پہلے ہی اس کا وصال ہوجائے گا۔اورسفیانی مدینہ منورہ کی طرف ایک لشکر بھیجے گا۔محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل میں سے جوبھی اس کو ملے گا سفیانی لشکر اسے گرفتار کرلے گا۔

اور بنی ہاشم کے مردوں اورخواتین کو شہید کردے گا۔اس حال میں مہدی اورایک دوسرا مرد مدینہ منورہ سے نکل کر مکہ معظمہ کی طرف چلے جائیں گے۔سفیانی ان کی تلاش میں لوگ بھیجے گا مگر وہ دونوں اللہ تعالیٰ کے حرم اورامن میں پہنچ چکے ہوں گے اورسفیانی جب مہدی کے تعاقب میں لشکر بھیجے گا تو وہ لشکر بیداء کے مقام پر زمین میں دھنسا دیا جائے گا۔یہ خبر جب اہل شام کو پہنچے گی تو وہ اپنے خلیفہ سے کہیں گے مہدی کا ظہور ہوچکا ہے۔تو اُن کی بیعت کر،

اوران کی اطاعت میں داخل ہوجا ورنہ ہم تجھے قتل کردیں گے۔تو وہ مہدی کے ہاں بیعت کا پیغام بھیجے گا۔اورامام مہدی (پیغام پاکر) شام کی طرف روانہ ہوں گے حتیٰ کہ بیت المقدس تشریف لائیں گے اوران کی خدمت میں خزانے پیش کیے جائیں گے اورعرب وعجم،اوراہل عرب وروم وغیرہ سب بغیر کسی لڑائی کے ان کی اطاعت قبول کرلیں گے حتیٰ کہ مہدی قسطنطنیہ اوراس کے علاوہ دیگر شہروں میں مساجد تعمیر کریں گے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مہدی کی ولادت مدینہ منورہ میں،رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت میں ہوگی۔اوران کا نام میرے نام پراوران کے باپ کا نام میرے والدگرامی کے نام پرہوگا۔ان کی ہجرت گاہ بیت المقدس ہوگا۔اوروہ گھنی داڑھی اورسرگین آنکھوں والے ہوں گے۔ان کے اگلے دانت نہایت چمکدار ہوں گے اوران کے چہرے پرتل ہوگا۔اوران کے ہاتھ میں نبی اکرم ﷺ کا پرچم ہوگا جوسیاہ دھاری دار مربعہ کپڑے سے بنا ہوگا۔رسول اللہ ﷺ کے وصال سے لے کرمہدی کے ظہورتک جسے نہ ظاہر کیا گیا ہوگا اورنہ کبھی لہرایا گیا ہوگا۔اللہ تعالیٰ مہدی کی تین ہزار فرشتوں سے مددفرمائے گا جوان کے مخالفین کے چہرے اورپشت پر ضربیں لگارہے ہوں گے۔اورامام مہدی تیس اورچالیس سال کی درمیانی عمر میں ظاہر ہوں گے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مہدی میرے واسطے سے قریش میں سے ہوں گے۔ان کا رنگ گندم گوں ہوگا اورحضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب وہ سیاہ پرچم لے کرسفیانی کی طرف بڑھیں گے جن میں شعیب بن صالح ہوں گے تولوگ مہدی کی تمنا کریں گے اورانہیں تلاش کریں گے اورمہدی مکہ مکرمہ سے باہرتشریف لے جائیں گے توان کے پاس رسول اللہ ﷺ کا پرچم ہوگا۔

(الحاوی للفتاوی،کتاب الادب والرقاق،العرف الوردی فی اخبار المہدی،ج:2ص:88،المطبوعۃ:دارالفکر للطباعۃ والنشر،بیروت،لبنان)

اورلوگ ابتلاء کی طوالت کی وجہ سے مہدی کے ظہور سے مایوس ہوچکے ہوں گے تو مہدی اس حال میں مکہ سے باہرتشریف لائیں گے ان کے پاس رسول اللہ ﷺ کا پرچم ہوگا اوروہ دورکعات نماز ادا کریں گے نماز سے فارغ ہوکرلوگوں کی طرف متوجہ ہوکرفرمائیں گے:

اے لوگو!اے امت محمد!بالخصوص اے اہل بیت!ہمیں مغلوب کیا گیا اورہمارے خلاف بغاوت کی گئی ہے اورحضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مہدی ہم میں سے ہوگا حضرت فاطمہ کی اولاد میں سے ہوگا اوروہ لوگوں پرتیس یا چالیس سال حکمرانی کرے گا۔

(الحاوی للفتاوی،کتاب الادب والرقاق،العرف الوردی فی اخبار المہدی،ج:2ص:88،المطبوعۃ:دارالفکر للطباعۃ والنشر،بیروت،لبنان)

(مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں)یہ حدیث سابقہ احادیث کے منافی ہے جس میں مہدی کی مدت حکمرانی سات یا نوسال بتائی گئی ہے۔اگریہ دونوں حدیثیں صحیح ہوں تواس کا یہ جواب ممکن ہے کہ جس حدیث میں سات یانوسال کی

مدت کاذکر ہے اس میں امام مہدی کی حکمرانی کی آخری مدت کا بیان ہے اور جس میں تیس سے چالیس سال کی مدت
ذکر ہے اس میں ان کی حکمرانی کی مدت کی ابتداء کا بیان ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے یہ تمام آثار اُس مذکورہ
دین سے خارج گمراہ فرقہ کی تکذیب کر رہے ہیں۔

عبدالغافر الفارسی، ابن الجوزی اور ابن الاثیر رحمہم اللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں جو کچھ فرمایا ہے وہ بھی اس فرقہ کی تردید کرتا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں: مہدی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہوں گے اور ان کے دونوں رانوں کے درمیان قدر بعدو فاصلہ ہوگا۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:

''رَی کے مقام میں قبیلۂ تمیم کا ایک میانہ قد گندمی رنگت والا، ہلکی داڑھی والا مجذوم مرد ہوگا جسے شعیب بن صالح کہا جائے گا۔ وہ چار ہزار کے لشکر میں شامل ہوگا ان کا لباس سفید ہوگا اور ان کے جھنڈے سیاہ رنگ کے ہوں گے اس لشکر کے اگلے حصے میں مہدی ہوں گے اور جو بھی (کافر) ان کو ملے گا اس کو قتل کر دیں گے۔''

(الحاوی للفتاوی، کتاب الادب والرقاق، العرف الوردی فی اخبار المہدی، ج:2 ص:88، المطبوعہ: دارالفکر للطباعۃ والنشر، بیروت، لبنان)

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا:

امام مہدی ہم میں سے ہوں گے جو عیسیٰ بن مریم سے ملاقات کریں گے اور مہدی کو ناامیدی کے وقت بھیجا جائے گا حتیٰ کہ لوگ کہیں گے کوئی مہدی نہیں۔ مہدی کے مددگار اہل شام میں سے کچھ لوگ ہوں گے جن کی تعداد اصحاب بدر کی تعداد کے مطابق تین سو پندرہ ہوگی وہ شام سے چل کر مہدی کے پاس آئیں گے یہاں تک وہ لوگ امام مہدی کو بطن مکہ میں صفاء کے قریب ایک گھر سے تلاش کر کے نکالیں گے اور زبردستی ان کی بیعت کریں گے بیعت کے بعد امام مہدی ان کو مقام ابراہیم میں دو رکعت نماز پڑھائیں گے اور اس کے بعد منبر پر جلوہ افروز ہوں گے۔

(الحاوی للفتاوی، کتاب الادب والرقاق، العرف الوردی فی اخبار المہدی، ج:2 ص:88، المطبوعہ: دارالفکر للطباعۃ والنشر، بیروت، لبنان)

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے وارد ہے کہ:

''راستوں پر جب ڈاکے پڑیں گے اور فتنوں کی کثرت ہوگی تو مختلف گوشوں سے مختلف اوقات میں سات علماء نکلیں گے ان میں سے ہر ایک کی تین سو پندرہ مرد بیعت کریں اور وہ بیعت کرنے والے سب لوگ مکہ مکرمہ میں جمع ہو جائیں گے اور ان سات علماء کی آپس میں ملاقات ہو جائے

کی وہ آپس میں ایک دوسرے سے پوچھیں گے کونسی چیز تمہیں یہاں لے کر آئی ہے؟ تو وہ کہیں گے ہم یہاں پر اُس شخص کی تلاش میں آئے ہیں جس کے ہاتھوں یہ فتنے ٹھنڈے ہوں گے اور جس کے سبب قسطنطنیہ فتح ہوگا ہمیں اس کا نام اور اس کے باپ کا نام اور اس کی قومیت معلوم ہے۔ پس وہ لوگ اس شخص کو مکہ میں پائیں گے۔ وہ ان کے ہاتھوں سے نکل کر مدینہ منورہ کی طرف چل پڑے گا۔ تو وہ لوگ اسکو تلاش کرتے ہوئے مدینہ منورہ پہنچ جائیں گے۔ وہ ان کے برعکس مدینہ منورہ سے مکہ کی طرف آئے گا تو لوگ اس کا پیچھا کرتے ہوئے مکہ مکرمہ آئیں گے اور مکہ مکرمہ میں رکن کے پاس ان کے ساتھ ملاقات ہوجائے گی۔ تو لوگ اس سے کہیں گے اگر تم نے بیعت کرنے کے لئے ہاتھ نہ بڑھایا تو ہمارے گناہ اور ہمارے خون آپ کی گردن پر ہوں گے۔ سفیانی کا لشکر ہماری تلاش میں یہاں پہنچ گیا ہے اس کے لشکر کی قیادت ایک ایسا شخص کررہا ہے جو نطفہ حرام سے ہے۔ (یہ گزارشات سن کر) مہدی رکن اور مقام ابراہیم کے درمیان تشریف رکھیں گے اور بیعت کے لئے اپنا ہاتھ دراز کریں گے لوگ ان کی بیعت کریں گے۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں اُن کی محبت ڈال دے گا۔ اور وہ ایسی قوم کے ساتھ چل پڑیں گے جو دن کے وقت شیر اور رات کے وقت راہب نظر آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ مہدی کے ہاتھوں رومیوں کو شکست دے گا۔ اور فقر ختم کردے گا مہدی شام میں داخل ہوجائے گا۔"

(الحاوی للفتاوی، کتاب الادب والرقاق، العرف الوردی فی اخبار المہدی، ج:2 ص:88، المطبوعہ: دار الفکر للطباعۃ والنشر، بیروت، لبنان)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

مہدی کے ظہور کی علامت یہ ہے کہ ایک لشکر کو مقام بیداء میں زمین کے اندر دھنسا دیا جائے گا۔

(الحاوی للفتاوی، کتاب الادب والرقاق، العرف الوردی فی اخبار المہدی، ج:2 ص:88، المطبوعہ: دار الفکر للطباعۃ والنشر، بیروت، لبنان)

یہ تمام آثار بھی مذکورہ فرقہ کی تکذیب کررہے ہیں۔

امام مہدی کے ظہور کی علامت

اس بارے میں اکابر اہل سنت سے جو اقوال منقول ہیں ان میں حضرت محمد بن علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے کہ ہمارے مہدی کی دو نشانیاں ہیں۔ آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے لے کر ابھی تک وہ دو نشانیاں وجود میں نہیں آئی ہیں (ایک تو یہ ہے کہ) رمضان کی پہلی رات کو چاند گرہن ہوگا (اور دوسری یہ ہے کہ) اور اسی رمضان کی نصف تاریخ کو سورج گرہن ہوگا یہ دونشانیاں آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے لے کر ابھی تک وجود میں نہیں آئی ہیں۔

اور محمد بن الحنفیہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ بنو عباس رضی اللہ عنہ کا سیاہ جھنڈوں والا لشکر نکلے گا۔ اور اس کے بعد خراسان کی

طرف سے ایک اور لشکر نکلے گا جن کی ٹوپیاں سیاہ رنگ کی اور کپڑے سفید رنگ کے ہوں گے اور اُن کے اگلے دستہ میں قبیلہ تمیم کا ایک شخص ہوگا جس کو شعیب بن صالح کہا جائے گا اور یہ لشکر سفیانی کے لشکر کو شکست دے گا اور یہ لشکر بیت المقدس میں پڑاؤ ڈالے گا۔ اور امام مہدی کی خلافت کو تسلیم کرے گا اور امام مہدی کی خدمت میں شام سے تین سو افراد آئیں گے۔ امام مہدی کے ظہور اور ان کی خلافت کو تسلیم کرنے کے درمیان ستر ماہ کا عرصہ ہوگا۔ اور ابو جعفر رحمہ اللہ کا قول ہے کہ امام مہدی کا ظہور اس وقت ہوگا جب لوگ ظالموں کو دیکھیں گے اور آسمان سے ایک پکارنے والا پکارے گا حق آل محمد میں ہے۔ اور زمین سے ایک پکارنے والا پکارے گا حق آل عیسیٰ میں ہے یا فرمایا آل عباس رضی اللہ عنہما میں ہے۔ (اس میں راوی کو شک ہے) نچلی آواز شیطان کی بات ہے اور اوپر والی آواز اللہ تعالیٰ کا کلمہ علیا ہے۔

اور امام جعفر رحمہ اللہ کا قول ہے کہ امام مہدی دو سو سنتوں کو زندہ فرمائیں گے اور مہدی کا مکہ مکرمہ میں عشاء کے وقت ظہور ہوگا ان کے پاس رسول اللہ ﷺ کا پرچم مبارک اور آپ کا کرتہ مبارک اور تلوار مبارک ہوگی اور دیگر نشانیاں روشنی اور بیان ہوگا۔ نماز عشاء کے بعد بلند آواز کے ساتھ خطبہ ارشاد فرمائیں گے اور انہوں نے خطبہ کی طوالت کا تذکرہ فرمایا اور اس کے بعد فرمایا: بغیر کسی طے شدہ میعاد کے اصحاب بدر کی تعداد کے مطابق تین سو تیرہ افراد میں ان کا ظہور ہوگا یہ لوگ دن میں شیر اور رات میں راہب ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ اُن کے لئے زمین فتح فرما دے گا۔ اور امام مہدی بنی ہاشم کے جتنے لوگ قید میں ہوں گے انہیں آزادی دلا دیں گے اور کوفہ میں سیاہ جھنڈوں والا ایک لشکر آئے گا جسے حضرت امام مہدی کے مقابلے کے لئے بھیجا جائے گا۔ اور امام مہدی اپنے لشکر کو آفاق واطراف کی طرف بھیجیں گے اور ظلم کے وجود اور ظالموں کا خاتمہ کریں گے اور تمام شہروں میں اپنی خلافت قائم کریں گے اور اللہ تعالیٰ ان کے ہاتھوں قسطنطنیہ فتح فرمائے گا۔

حضرت محمد بن حسین رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ:

> حضرت امام مہدی باریک ابرو والے روشن آنکھوں والے ہوں گے، وہ دمشق کے منبر پر ۱۸ سال کی عمر میں جلوہ افروز ہوں گے۔ (مصنف فرماتے ہیں) سابقہ حدیث اس قول کے معارض ہے اس حدیث میں ہے کہ ظہور کے وقت ان کی عمر چالیس سال ہوگی البتہ ان دونوں کے درمیان تطبیق ممکن ہے کہ حدیث میں ظہور خلافت اور انتہائے خلافت کے عرصہ کا بیان ہے اور دمشق میں منبر پر جلوہ افروز ہونے کا واقعہ اس سے پہلے رونما ہوگا۔

(الحاوی للفتاوی، کتاب الادب والرقاق، العرف الوردی فی اخبار المہدی، ج:2 ص:88، المطبوعہ: دار الفکر للطباعۃ والنشر، بیروت، لبنان)

- اس کی تائید صباح رحمہ اللہ سے منقول یہ قول بھی کر رہا ہے کہ امام مہدی لوگوں میں انتالیس سال رہیں گے اور

سات یا نو سال خلافت کریں گے (آپ کی خلافت کے عرصہ میں امن، سکون، عدل وانصاف اور معاشی خوشحالی کے پیش نظر) چھوٹی عمر والا تمنا کرے گا کہ کاش میں بڑی عمر کا ہوتا اور بڑی عمر والا تمنا کرے گا کاش میری عمر چھوٹی ہوتی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

مہدی تیس یا چالیس سال خلافت کریں گے۔

(الحاوی للفتاوی، کتاب الادب والرقاق، العرف الوردی فی اخبار المہدی، ج:2 ص:88، المطبوعہ: دار الفکر للطباعۃ والنشر، بیروت، لبنان)

(مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں) سابقہ حدیث جس میں ہے کہ وہ سات یا نو سال خلافت پر متمکن رہیں گے۔ وہ اس قول کے منافی نہیں کیونکہ حدیث کو اس چیز پر محمول کرنا ممکن ہے کہ امام مہدی کی خلافت اور قوت وغلبہ کا زیادہ ظہور سات یا نو سال کی مدت میں ہوگا۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

امام مہدی کے ظہور کی علامت یہ ہے کہ مغرب کی جانب جھنڈے اٹھائے ہوئے ایک لشکر آئے گا جس کی قیادت قبیلہ کندہ کا ایک لنگڑا شخص کر رہا ہوگا وہ اللہ تعالیٰ کے حضور اس طرح خشوع وخضوع کرے گا جس طرح شاہین اپنے پروں کے ساتھ جھکتا ہے۔ اور وہ رومیوں سے جہاد کرے گا اور تابوت سکینہ کو انطاکیہ کے ایک غار سے برآمد کرے گا۔ اور وہ مہدی کے نام سے اس لئے موسوم ہیں کہ وہ ایک مخفی چیز کی رہنمائی کریں گے کہ تابوت سکینہ کو ایسی زمین سے نکالیں گے جسے انطاکیہ کہا جاتا ہے۔ اور اُن کے لشکروں کی قیادت کرنے والے اچھے لوگ ہوں گے۔ اور ان کی نصرت وبیعت کرنے والے لوگ کرمان، یمن کے لوگ اور شام کے ابدال ہوں گے اور ان کے لشکر کے پہلے دستہ پر جبریل امین علیہ السلام مقرر ہوں گے اور آخری دستہ پر حضرت میکائیل علیہ السلام ہوں گے۔ اور وہ مخلوق کے درمیان نہایت محبوب ہوں گے۔ اور اللہ تعالیٰ اُن کے سبب اندھے فتنہ کو بجھا دے گا اور زمین میں اس قدر امن پیدا ہوگا کہ ایک خاتون پانچ خواتین کے ساتھ حج ادا کرنے جائے گی ان کے ساتھ کوئی مرد نہیں ہوگا۔ اور خواتین کو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا ڈر نہ ہوگا۔ زمین اپنے خزانے اُگل دے گی اور آسمان اپنی برکات نازل کرے گا۔

(الحاوی للفتاوی، کتاب الادب والرقاق، العرف الوردی فی اخبار المہدی، ج:2 ص:88، المطبوعہ: دار الفکر للطباعۃ والنشر، بیروت، لبنان)

اور حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

کہ میں نے انبیاء سابقین کے صحائف، کتب میں حضرت امام مہدی کے بارے میں پڑھا کہ ان

کے عمل میں کوئی ظلم و زیادتی اور کوئی عیب و نقص نہ ہوگا۔سب سے پہلے وہ اپنی بیعت کے لئے ترک میں لشکر بھیجیں گے۔اور ترک کو شکست دیں گے اور مال غنیمت حاصل کریں گے اس کے بعد شام کی طرف جائیں گے اور اسے فتح کریں گے۔اور پھر ان کے پاس جتنے بھی غلام ولونڈیاں ہوں گے ان سب کو آزاد کردیں گے اور اپنے ساتھیوں کو ان کی قیمت ادا کریں گے۔
کعب احبار رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ امام مہدی کے بعد ان کا ایک دینی بھائی اہل یمن کے قحطان قبیلہ سے تعلق رکھنے والا شخص خلیفہ بن جائے گا جو حضرت امام مہدی کی طرز خلافت پر خلافت اور ان کے عمل کے مطابق عمل کرے گا۔اور امام مہدی ہی روم کے شہر کو فتح کریں گے اور ان سے مال غنیمت حاصل کریں گے۔اور دجال بیت المقدس میں مسلمانوں کا محاصرہ کرے گا۔محاصرہ کے دوران مسلمان اس قدر شدید بھوک و پیاس میں مبتلا ہوں گے کہ بھوک کی شدت سے اپنی کمانوں کے اوتار کھانے پر مجبور ہو جائیں گے اسی اثناء میں لوگ صبح اندھیرے منہ ایک آواز سنیں گے۔اور کہیں گے یہ آواز کسی سیر شدہ انسان کی ہے جب دیکھیں گے تو وہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ہوں گے۔اور نماز فجر کی امامت ہوگی تو مسلمانوں کے امام حضرت مہدی پیچھے ہٹ جائیں گے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے آگے جائیں آپ کے لئے نماز کی جماعت قائم کی گئی ہے۔امام مہدی اس دن کی فجر کی نماز پڑھائیں گے اور اس کے بعد عیسیٰ علیہ السلام امامت کریں گے۔ اور کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب ایک شخص شام کا حکمران اور ایک دوسرا مصر کا حکمران بن جائے گا۔شامی اور مصری کے درمیان لڑائی چھڑ جائے گی۔اہل شام مصر کے بہت سے قبائل کو گرفتار کرلیں گے تو مشرق کی جانب سے ایک شخص چھوٹے چھوٹے سیاہ پرچموں والے لشکر کے ساتھ شام کی طرف آئے گا اور یہ شخص حضرت امام مہدی کی اطاعت قبول کرے گا۔

(الحاوی للفتاوی، کتاب الادب والرقاق، العرف الوردی فی اخبار المہدی، ج:2 ص:88، المطبوعہ: دار الفکر للطباعۃ والنشر، بیروت، لبنان)

(مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں) امام مہدی کی کچھ دیگر علامات باقی رہ گئی ہیں جن کی معرفت میری کتاب۔ "القول المختصر فی علامات المہدی المنتظر"[1] سے حاصل کی جاسکتی ہیں۔

جو خطیب بغیر حوالہ تاجر کے بارے حدیث بیان کرے؟

سوال......ایک خطیب ہر جمعۃ المبارک کے دن منبر پر چڑھ کر بہت ساری احادیث روایت کرتا ہے لیکن ان احادیث

1......اس موضوع پر یہ ایک علمی تحقیقی کتاب ہے۔ابو حنظلہ محمد اجمل عطاری

کے تخریج کرنے والے اور روایت کرنے والے کون ہیں ؟ ان کا نام تک نہیں لیتا ،اس کی بیان کردہ احادیث میں سے ایک حدیث یہ ہے:

اِنَّ التُّجَّارَ هُمُ الْفُجَّارُ اِلَّا مَنْ قَالَ بِيَدِهٖ هٰكَذَا وَهٰكَذَا.

(المعجم الکبیر، باب الراء، رفاعۃ بن رافع الزرقی......الخ، رقم الحدیث: 4540، ج:5 ص:44 مطبوعہ ایضا)

بے شک تجار ہی فجار (بدکار) ہیں سوائے اس تاجر کے جو اپنے ہاتھ سے یوں یوں کریں یعنی مال صدقہ کرے۔

اور اس خطیب کا یہ حال ہے کہ وہ شہر میں لائے جانے والے خربوزوں ، سبزیوں وغیرہ سے ٹیکس وصول کرتا ہے۔خربوزوں کی ہر گٹھڑی پر ایک خربوزہ اور کھجور کے ہر ٹوکرے پر ایک عثمانی سکہ اور ہر قسم کی سبزیوں پر ایک معین حصہ ٹیکس مقرر کیا ہوا ہے۔اور یہ ٹیکس ایک طویل مدت سے ہر روز وہ اپنے ہاتھوں سے وصول کررہا ہے امانت میں بھی احتیاط نہیں کرتا مثلاً کسی مالک کی کوئی چیز فروخت کرتا ہے تو خریدنے والے سے دس روپے وصول کرے گا اور بائع (مالک) کو ان میں سے نو روپے دے گا اس کے اس کی طرح اور بھی احوال ہیں اس کے باوجود یہ شخص رفعت علم اور اعلیٰ دینداری کا دعویٰ کرتا ہے ایسے شخص کا شرعا کیا حکم ہے؟ اور اگر وہ ان چیزوں کو حلال سمجھتا ہے تو اس پر کیا لازم آتا ہے؟ اور حلال نہ سمجھتا ہو تو کیا لازم ہے؟

جواب......اس شخص کا خطبہ میں احادیث کو ان کے راویوں اور ان کو ذکر کرنے والوں کے تذکرہ کے بغیر بیان کرنا اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ وہ خود حدیث میں معرفت رکھنے والوں میں سے ہو یا ایسی کتاب سے نقل کرے جس کا مؤقف حدیث میں معرفت رکھنے والوں میں ہو۔لیکن اگر اس نے احادیث ایسی کسی کتاب میں دیکھیں جس کا مؤقف حدیث میں معرفت نہیں رکھتا یا خطابات کے کسی ایسے مجموعہ میں دیکھی جس کا مؤلف حدیث کی معرفت رکھنے والوں میں سے نہیں تو ایسی کتابوں میں صرف احادیث دیکھنے پر اعتماد کرتے ہوئے احادیث بیان کرنا جائز نہیں اور جو ایسا کرے اسے شدید تعزیری سزا دی جائے گی۔اکثر خطباء کا یہی حال ہے کہ وہ کسی خطبے کی کتاب میں احادیث دیکھ کر ان کو یاد کر لیتے ہیں اور پھر خطبہ کے دوران بیان کر دیتے ہیں ،انہیں اس چیز کی کوئی معرفت نہیں ہوتی کہ آیا ان احادیث کی کوئی اصل بھی ہے یا کہ نہیں ۔ہر شہر کے حکام پر واجب ہے کہ وہ اپنے شہر کے خطباء کو اس عمل سے روکیں ۔اگر مذکورہ خطیب واقعی اس عمل کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کے شہر کے حکام پر واجب ہے کہ وہ اسے منع کریں۔

اس خطیب نے جو حدیث ذکر کی ہے اس کا پہلا حصہ ثابت ہے بلکہ امام ترمذی رحمہ اللہ کے قول کے مطابق صحیح ہے اور وہ یہ ہے:

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ خَرَجَ اِلَى الْمُصَلّٰى فَرَاَى النَّاسَ يَتَبَايَعُوْنَ فَقَالَ يَامَعْشَرَ

الفُجَّارِ فَاسْتَجَابُوْا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَرَفَعُوْا اَعْنَاقَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ اِلَيْهِ. فَقَالَ اِنَّ التُّجَّارَ يُبْعَثُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فُجَّارًا اِلَّا مَنِ اتَّقَى اللّٰهَ وَبَرَّ وَصَدَقَ.

(نضرة النعیم فی مکارم اخلاق الرسول الکریم، ابواب العلة، الصفات المستحبة، رقم الحدیث:32، ج:4 ص:1116 مطبوعہ: دار الوسیلة، جدہ)

رسول اللہ ﷺ عیدگاہ کی طرف تشریف لے جارہے تھے کہ آپ نے لوگوں کو خرید وفروخت میں مشغول پا کر فرمایا اے تاجروں کے گروہ! تاجر لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے (اور آپ کا ارشاد سننے کے لئے) اپنی گردنیں اور آنکھیں حضور کی طرف بلند کیں۔ آپ نے فرمایا: تجار قیامت کے دن فجار (بدکار) اٹھائے جائیں گے۔ مگر جو تاجر متقی ہو اور لوگوں کے ساتھ احسان سے پیش آئے اور سچ بولے۔

اور ایک صحیح روایت میں ہے:

اِنَّ التُّجَّارَ هُمُ الْفُجَّارُ قِيْلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَلَيْسَ قَدْ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ يُحَدِّثُوْنَ فَيَكْذِبُوْنَ وَيَحْلِفُوْنَ فَيَاْثِمُوْنَ.

(موسوعة الاخلاق والزہد والرقائق، کتاب حفظ اللسان، باب الاعذار المرخصة الخ، ج:2 ص:143 مطبوعہ: مؤسسة اقراء، القاہرة)

بیشک تاجر فاجر ہیں عرض کیا گیا یارسول اللہ! کیا اللہ تعالیٰ نے بیع حلال نہیں فرمائی؟ آپ نے فرمایا ہاں (بیع حلال ہے) لیکن تاجر گفتگو کرتے ہیں تو جھوٹ بولتے ہیں اور قسمیں کھاتے ہیں۔ پس وہ اس طرح گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں۔

اور مذکورہ خطیب کی بیان کردہ حدیث کا آخری حصہ کہ (الامن قال بیدہ ھکذا وھکذا) تلاش بسیار کے باوجود کتب حدیث میں اس کا کوئی نام ونشان نہیں ملا۔ اس خطیب پر لازم ہے کہ وہ اس روایت کا مستند ماخذ بتائے۔ اگر اس کا ماخذ مستند اور صحیح ہے تو خطیب پر کوئی اعتراض نہیں اور نہ اس کا اعتراض بجا ہوگا۔ بلکہ اسلامی ریاست کے حکمران (اللہ تعالیٰ اس کے سبب دین کی تائید فرمائے اور اس کے عدل وانصاف کے سبب معاندین کا قلع قمع فرمائے) کے لئے اس خطیب کو اس اہم مرتبہ پر بغیر کسی اہلیت کے جرأت کرنے سے روکنے کی خاطر اس عہدۂ خطابت سے معزول کرنا جائز ہے۔ اگر اس خطیب کے پاس علم ہوتا تو وہ اس حدیث کی روایت کی بجائے وہ روایت کرتا جس کو ہم نے ذکر کیا ہے: اِنَّ التُّجَّارَ يُبْعَثُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فُجَّارًا اِلَّا مَنِ اتَّقٰى وَبَرَّ وَ صَدَقَ.

یہ حدیث صحیح بھی ہے اور اس کا مطلب بھی واضح ہے۔ کہ تاجروں کی دو قسمیں ہیں ایک قسم کے تاجر وہ ہیں جو خرید وفروخت میں اپنے سارے معاملات کو تمام محرمات مثلاً سود، ملاوٹ، دھوکہ، جھوٹ، اور باطل پر حلف وغیرہ سے محفوظ رکھتے ہیں اور اس کے علاوہ ان کی جان ومال کے ساتھ جو حقوق اللہ اور حقوق العباد متعلق ہیں ان کو بھی ادا کرتے ہیں اس قسم کے تاجر

قرآن وسنت کی نصف اور مسلمانوں کے آئمہ کے اجماع کے مطابق قیامت کے دن فاجر ہونے کی حالت میں نہیں اٹھائے جائیں گے بلکہ یہ تاجر آخرت میں اسی طرح سعادت مند ہوں گے جس طرح دنیا میں سعادت مند تھے۔ بلکہ علماء کی ایک جماعت کے قول کے مطابق اس قسم کے تاجر صابر فقراء سے بھی افضل ہیں۔ان کے اس قول کی دلیل یہ حدیث پاک ہے:

اِنَّ فُقَرَاءَ الصَّحَابَةِ قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ ذَهَبَ اَهْلُ الْاَمْوَالِ الدُّثُوْرَ اَیْ الْاَمْوَالِ بِالْاُجُوْرِ یُصَلُّوْنَ کَمَا نُصَلِّیْ وَیَصُوْمُوْنَ کَمَا نَصُوْمُ وَیَزِیْدُوْنَ بِالصَّدَقَةِ بِفَضْلِ اَمْوَالِهِمْ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ لَکُمْ بِکُلِّ تَکْبِیْرَةٍ صَدَقَةٌ وَبِکُلِّ تَسْبِیْحَةٍ صَدَقَةٌ وَبِکُلِّ تَحْمِیْدَةٍ صَدَقَةٌ قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَأَیْتَ لَوْفَعَلُوْا ذَالِکَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ذَالِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَشَاءُ وَاللّٰهُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْمِ.

(سنن ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلاۃ الخ، باب مایقال بعد التسلیم، الخ، رقم الحدیث: 927، ج:1ص:299، مطبوعہ: داراحیاء الکتب العربیۃ، بیروت)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے غریب صحابہ نے عرض کی یارسول اللہ! دولت مند لوگ اجر وثواب لے گئے کہ وہ ہماری طرح نماز پڑھتے ہیں اور ہماری طرح روزہ رکھتے ہیں اور اپنی ضروریات سے زائد اموال صدقہ کرنے کی وجہ سے وہ اپنے ثواب میں اضافہ کرتے ہیں۔حضور ﷺ نے ان سے فرمایا: تمہارے لئے ہر تکبیر میں صدقہ ہے اور ہر تسبیح میں صدقہ ہے اور ہر تحمید میں صدقہ ہے۔یہ سن کر انہوں نے عرض کی یارسول اللہ اگر وہ یہ عمل بھی کریں تو پھر ان کے بارے میں آپ کی کیارائے ہے تو حضور ﷺ نے فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ جسے چاہے اپنا فضل عطا فرماتا ہے اور اللہ فضلِ عظیم کا مالک ہے۔

یہ حدیث اس چیز پر دلالت کررہی ہے کہ شاکر اغنیاء (یہ وہی لوگ ہیں جن کا پہلے ذکر ہو چکا ہے) صابر فقراء سے افضل ہیں کیونکہ یہ لوگ وہ عبادات بھی ادا کرتے ہیں جو صابر فقراء ادا کرتے ہیں اور زکوٰۃ وصدقات کی ادائیگی کے ساتھ فقراء پر سبقت بھی رکھتے ہیں اور زکوٰۃ وصدقات میں مسلمانوں کا فائدہ ہے جس کی وجہ سے ان کا ثواب بہت سارے اعمال قاصرہ سے بڑھ جاتا ہے۔اور یہ تاجروں کی پہلی قسم ہے سابقہ حدیث میں حضور ﷺ کے ارشاد اِلَّا مَنِ اتَّقٰی وَبَرَّ وَ صَدَقَ. سوائے اُس تاجر کے جو متقی ہو اور احسان کرے اور سچ بولے۔اس سے تاجروں کا یہی گروہ مراد ہے۔اور اس صحیح حدیث میں بھی یہی لوگ مراد ہیں۔

اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِیْنُ یُحْشَرُ مَعَ النَّبِیِّیْنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِیْنَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ.

(سنن الدارقطنی، کتاب البیوع، باب 13، رقم الحدیث: 2813، ج:3ص:387، مطبوعہ: موسسۃ الرسالۃ، بیروت)

قیامت کے دن سچے امانت دار تاجر کا حشر انبیاء کرام، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ ہوگا۔

اور حدیث میں وارد ہے:

اَلتَّاجِرُ الصُّدُوْقُ لَا یُحْجَبُ مِنْ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ

(مصنف ابن ابی شیبۃ، کتاب الاوائل، باب اول ما فعل ومن فعلہ، رقم الحدیث: 36043، ج: 7، ص: 275، مطبوعہ: مکتبۃ الرشید، الریاض)

سچے تاجر کو جنت کے دروازوں (میں داخل ہونے) سے نہیں روکا جائے گا۔

اور یہ بھی وارد ہے:

اَلتَّاجِرُ الصُّدُوْقُ تَحْتَ ظِلِّ الْعَرْشِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ۔

(بشارۃ المحبوب بتکفیر الذنوب، باب التاجر الصدوق فی الجنۃ، ج: 1، ص: 108، مطبوعہ: مکتبۃ القرآن، القاہرہ)

سچا تاجر قیامت کے دن عرش کے سایہ تلے ہوگا۔

تجارت، زراعت سے افضل ہے

امام شافعی رحمہ اللہ کے اصحاب میں سے ایک جماعت کا قول ہے کہ تجارت، زراعت اور صنعت سے افضل ہے۔ اس قول پر سابقہ احادیث سے استدلال کیا گیا ہے۔ اور تجارت کے افضل ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ حضور ﷺ نے کئی مرتبہ تجارت فرمائی ہے اور آپ کے بارے میں یہ ثابت نہیں کہ آپ نے زراعت فرمائی ہو۔ اور نہ آپ ﷺ کے ہاں کوئی صنعت تھی۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے حق میں افضل چیز ہی پسند فرماتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اصول معیشت جو کہ تجارت، صنعت اور زراعت ہیں ان میں سے آپ ﷺ کے لئے زراعت و صنعت کی بجائے تجارت کو پسند فرمایا ہے یہ تجارت کے افضل ہونے کی دلیل ہے۔

صابر فقیر سے شاکر غنی افضل ہے

ابن عبدالسلام رحمہ اللہ نے صابر فقیر پر شاکر غنی کے افضل ہونے پر یہ استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے لئے افضل چیز پسند فرماتا ہے۔ اور حضور ﷺ کے احوال میں سب سے افضل حالت وہ ہے جس پر آپ کا وصال ہوا ہے۔ اور آپ کی یہ حالت آپ ﷺ کے غنا کی انتہائی حالت تھی۔ پس یہ اس چیز کی دلیل ہے کہ پیوستہ ہے تو وہ فقر پر فضیلت رکھتا ہے۔

ابوالشیخ، ابونعیم اور بیہقی رحمہم اللہ نے یہ حدیث روایت کی ہے کہ:

مَنْ طَلَبَ الدُّنْیَا حَلَالًا تَعَفُّفًا عَنِ الْمَسْئَلَةِ وَسَعْیًا عَلٰی عِیَالِهٖ وَتَعَطُّفًا عَلٰی جَارِهٖ لَقِیَ اللّٰهَ تَعَالٰی وَوَجْهُهٗ کَالْقَمَرِ لَیْلَةَ الْبَدْرِ.

(شعب الایمان للبیہقی، باب فی الصبر الخ، الزہد وقصر الخ، رقم الحدیث: 9889، ج: 13، ص: 17، مطبوعہ: ایضا)

جو دنیا کی تلاش حلال رزق کے لئے اور دستِ سوال دراز کرنے سے بچنے کے لئے اور اپنے عیال کی کفالت کے لئے اور اپنے پڑوسی پر احسان ومہربانی کرنے کے لئے کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی ملاقات اس حال میں ہوگی کہ اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح (چمک رہا) ہوگا۔

حضرت لقمان رحمہ اللہ کی وصیت

حضرت لقمان رحمہ اللہ نے اپنے بیٹے سے فرمایا کہ:

(اے بیٹے!) کسب حلال کے ذریعہ فقر سے بے نیاز ہو جا کیونکہ جو کوئی فقر میں مبتلا ہو جاتا ہے اسے تین چیزوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس کے دین میں رقت (کمزوری) پیدا ہوتی ہے اور اس کے عقل میں ضعف آ جاتا ہے۔ اور اس کی مروت وخود داری چلی جاتی ہے۔ اور ان تین چیزوں سے بھی ایک بڑی آفت کا سامنا ہوتا ہے کہ لوگ اس کو حقیر سمجھنے لگتے ہیں۔

تاجر افضل یا عابد؟

بعض تابعین رحمہم اللہ سے دریافت کیا گیا کہ تمہارے نزدیک سچا تاجر زیادہ پسندیدہ ہے یا وہ شخص جو دنیا کے تمام معاملات سے یکسو ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہتا ہے؟ انہوں نے فرمایا میرے نزدیک سچا تاجر زیادہ پسندیدہ ہے اس لئے کہ وہ ہر وقت جہاد کر رہا ہوتا ہے اس کے پاس شیطان کبھی ناپ تول کی راہ سے آتا ہے اور کبھی لین دین کی راہ سے آتا ہے۔ تو وہ اس کے ساتھ جہاد کرتا رہتا ہے کہ شیطان محرمات پر اُکساتا ہے لیکن وہ اس کی بات نہیں مانتا۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا فتویٰ

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے عرض کیا گیا کہ آپ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو اپنے گھر یا اپنی مسجد میں بیٹھ کر کہتا ہے میں کوئی کام نہیں کروں گا میرا رزق خود بخود مجھے پہنچ جائے گا۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا اس شخص تک علم نہیں پہنچا کیا اِس نے نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد نہیں سنا۔

إِنَّ اللّٰهَ جَعَلَ رِزْقِي تَحْتَ رُمْحِي...... الخ

(مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب السیر، باب ما قالوا فیما ذکر...... الخ، رقم الحدیث: 33016، ج:6 ص:471، مطبوعہ: ایضا)

اللہ تعالیٰ نے میرا رزق میرے نیزے کے نیچے رکھا ہے۔

اور رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خشکی اور سمندروں میں تجارت کیا کرتے تھے اور اپنے باغات

میں کام کیا کرتے تھے۔ وہ حضرات ہی ہمارے لئے نمونہ عمل ہیں۔

محرمات سے نہ بچنے والے تاجر

اور تاجروں کی دوسری قسم ہے وہ جو خرید وفروخت میں اور اپنے معاملات میں محرمات مثلاً سود، ملاوٹ، دھوکہ اور جھوٹی قسموں وغیرہ اُن قباحتوں سے اجتناب نہیں کرتے جن میں اکثر تاجر مبتلا ہیں۔ تاجروں کی یہ قسم دنیا وآخرت دونوں میں فجار کا گروہ ہے۔ یہ وہی لوگ ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَیْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِیْلًا اُولٰٓئِكَ لَاخَلَاقَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ وَلَا یُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْهِمْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ. (سورۃ آل عمران، آیت: 77)

جو اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے بدلے ذلیل دام لیتے ہیں آخرت میں ان کا کچھ حصہ نہیں اور اللہ نہ ان سے بات کرے نہ ان کی طرف نظر فرمائے قیامت کے دن۔ (ترجمہ کنزالایمان)

مسلم شریف کی حدیث میں ہے:

ثَلَاثَةٌ لَا یُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْهِمْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ رَجُلٌ حَلَفَ عَلٰی سِلْعَتِهٖ لَقَدْ اُعْطِیَ بِهَا اَكْثَرَ مِمَّا اُعْطٰی وَهُوَ كَاذِبٌ.

(صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب قول تعالیٰ: وجوہ یومئذ ناضرۃ.....الخ، رقم الحدیث: 7446، ج:9 ص:133، مطبوعہ: ایضاً)

تین شخصوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کلام نہیں فرمائے گا نہ ان کی طرف نظر کرم فرمائے گا۔ ایک وہ شخص ہے جو سامان تجارت پر قسم اٹھاتا ہے کہ اُسے اس کے بدلے زیادہ مل رہا تھا جتنا (خریدنے والے) نے دیا ہے۔ حالانکہ وہ جھوٹ بول رہا ہوتا ہے۔

ابویعلیٰ رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ:

لَا یَزَالُ قَوْلُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ یَرْفَعُ عَنِ الْخَلْقِ سُخْطَ اللّٰهِ مَالَمْ یُؤْثِرُوْا صَفْقَةَ دُنْیَاهُمْ عَلٰی آخِرَتِهِمْ.

(احیاء العلوم، کتاب آداب الکسب والمعاش، ج:2 ص:76، بالفاظ مختلف، مطبوعہ: دار المعرفۃ، بیروت)

"لاالٰہ الااللّٰہ" کا کلمہ مخلوق سے ہمیشہ (اس وقت تک) اللہ تعالیٰ کے غضب کو دور کرتا رہے گا جب تک وہ اپنی دنیاوی تجارت کو اپنی آخرت پر ترجیح نہ دیں گے۔

اور رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد میں اس قسم سے تعلق رکھنے والے تاجر مراد ہیں۔ ان التجار هم الفجار (تاجر فاجر ہیں) جب یہ ثابت ہوگیا کہ تاجروں کی دو قسمیں ہیں۔ تو اس خطیب کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ اپنے خطبہ میں ایسی چیز بیان کرے جس سے سارے تاجروں کی مذمت ہوتی ہو بلکہ اس پر لازم ہے کہ وہ جس کو وہ روایت

کررہا ہے یا جس کے ساتھ خطبہ دے رہا ہے اگر اس میں اجمال پایا جاتا ہے اور یہ اجمال کو وضاحت کرنے کا اہل ہے تو اس اجمال کی خوب وضاحت کرے ورنہ علماء کی طرف رجوع کرے اور ان سے احادیث اور ان کے احکام پوچھے اور اس کے بعد ان کو اپنے خطبہ میں بیان کرے اس کی بغیر اس کے لئے ایسا کرنا ہرگز مناسب نہیں۔ بہت سارے عام لوگ اس روایت کی مانند جو اس خطیب نے بیان کی ہے۔اجمال الفاظ سن کر کہنا شروع کردیں گے کہ تمام تاجر فاجر ہیں سوائے اس کے جو اپنا مال تقسیم کرے۔حالانکہ اس کا مسلمانوں میں سے کوئی بھی قائل نہیں ،اس بارے میں جو وارد ہے بلکہ صحیح احادیث ہیں ان میں سے ایک حدیث یہ ہے کہ:

يَامَعْشَرَ التُّجَّارِ اَنَّ الشَّيْطَانَ وَالْاِثْمَ يَحْضُرَانِ الْبَيْعَ فَشَرِبُوْا بَيْعَكُمْ بِالصَّدَقَةِ .

(سنن ترمذی، ابواب البیوع، باب ماجاء فی التجار،الخ، رقم الحدیث: 1208، ج:3 ص:506 مطبوعہ: ایضا)

اے گروہ تجار! شیطان (کی مداخلت) اور گناہ کا ارتکاب بیع میں ہوتا رہتا ہے تم اپنی بیع کو صدقہ کے ساتھ مخلوط کرو۔

ہماری مذکورہ تحقیق کے معلوم ہونے کے بعد اس خطیب پر لازم ہے کہ وہ ان چیزوں کا خیال رکھے جو ہم نے بیان کی ہیں اور ان کی منشاء پر عمل کرے ورنہ اسے اپنے افعال کی سزا بھگتنی پڑے گی۔اور سوال میں اس کے ٹیکس وصول کرنے کی جو تفصیل درج ہے اگر وہ اس کے خلاف واقعی ثابت ہے تو وہ فاسق ہے اور مردود الشہادۃ ہے اللہ تعالیٰ اس کے نہ کسی فرض کو اور نہ نفل کو قبول فرمائے گا۔

اور وہ اپنے بارے میں جو یہ دعویٰ کررہا ہے کہ اسے علم میں رفعت اور دینی معاملات میں بلندی حاصل ہے۔اس کے افعال کی یہ مذکورہ قباحت اس کے اس دعوے کے جھوٹ اور افتراء ہونے پر سچی شہادت ہے بلکہ وہ شخص تمام جاہلوں سے بڑھ کر جاہل اور تمام فاسقوں سے بڑھ کر فاسق ہے۔اور بہت سارے علماء کے نزدیک اس کی امامت ہی صحیح نہیں۔لوگوں پر لازم ہے کہ اس کا بائیکاٹ کریں اور اس کے پیچھے نماز ادا کرنے سے اجتناب کریں۔اور جو علماء اس قسم کے شخص کے پیچھے نماز کے صحیح ہونے کے قائل ہیں۔وہ ساتھ یہ بھی فرماتے ہیں اس نماز کی جماعت میں کوئی ثواب نہیں ملے گا۔(صرف فرض ادا ہوجائے گا) اور یہ شخص جب بھی ٹیکس وصول کرنے میں اگر کسی چیز کو حلال سمجھے گا تو کافر ہوگا اور توبہ نہ کرے تو واجب القتل بن جائے گا۔واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

وہ دعا جو حرام ہے لیکن کفر نہیں

سوال ...... شیخ شہاب الدین القرافی مالکی رحمہ اللہ نے اپنے قواعد میں نقل کیا ہے کہ وہ دعا جو حرام تو ہے لیکن کفر نہیں وہ انسان کا اپنی ذات کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو ہمیشہ صحت مند، تندرست وتوانا اور امراض سے محفوظ رکھے تاکہ وہ اپنی تمام عمر رنج وآلام ،بیماریوں دشواریوں ،آفات

وبلیات اور ہر طرح کے خوف وغیرہ سے سلامت رہے، حالانکہ عقل ان تمام چیزوں کو محال سمجھتی ہے۔امام قرافی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جب یہ امور اللہ تعالیٰ کے حق میں عقلاً محال ہیں تو اللہ تعالیٰ سے ان کی طلب سوءِ ادبی ہے کیونکہ محال امور کی طلب کو عرف وعادت میں "مطلوب منہ" (جس سے طلب کی جاری ہے) کے ساتھ مذاق اور ہنسی شمار کیا جاتا ہے اور مخلوق کی جتنی تعظیم واجب ہے اس سے کہیں بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی تعظیم واجب ہے۔الخ (یہ امام قرافی کی عبارت تھی)

امام قرافی رحمہ اللہ کی اس تصریح کی روشنی میں اگر کوئی دعا کرنے والا یہ دعا کرے، اے اللہ میرے لئے میری پسندیدہ چیز آسان فرمایا مجھے میری پسند کی ہر چیز عطا فرما اور میرے سے میری ہر ناپسندیدہ چیز کو دور فرما۔تو کیا یہ دعا اس کی دعا کے قبیل سے تعلق رکھے گی جس کا ذکر امام قرافی رحمہ اللہ نے کیا ہے کیونکہ دعا کرنے والے کو امراض و پریشانیوں اور انکی مثل دیگر چیزیں لاحق ہوتی رہتی ہیں (اور وہ ان سے محفوظ رکھنے کی دعا کررہا ہے) اگر آپ کا جواب ہاں میں ہے تو پھر یہ دعا حرام ہونی چاہیے اگر اس کا جواب نفی میں ہے پھر ان دونوں طرح کی دعا میں کیا فرق ہے؟

جواب......امام القرافی رحمہ اللہ نے جو ذکر فرمایا ہے وہ صحیح ہے۔ ہمارے آئمہ کی ایک جماعت نے اسے تسلیم کیا ہے اس صورتِ حال کے پیش نظر جب دعا کرنے والا یہ کہتا ہے۔اے اللہ میرے لئے آسان فرما اور مجھے وہ چیز عطا کر جسے میں پسند کرتا اور مجھ سے وہ چیز دور فرما جسے میں ناپسند سمجھتا ہوں۔اگر وہ اس سے وہ عموم مراد لیتا ہے جس کا ذکر امام قرافی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے تو ایسی دعا کرنا اُس پر حرام ہے۔اور اگر اس کی اس سے اپنی پسندیدہ چیزوں میں سے مخصوص انواع کا عطا ہے اور اپنی ناپسندیدہ چیزوں میں سے مخصوص انواع سے حفاظت مراد ہے تو یہ دعا جائز ہے۔یا وہ مطلق دعا کرتا ہے اور اس کی مراد کوئی چیز نہیں تو تب بھی یہ دعا حرام نہیں۔مخصوص انواع مراد لینے کی صورت تو واضح ہے اور اطلاق کی صورت میں اس لفظ کے استعمال سے عرف وعادت میں اللہ تعالیٰ سے محبوبات میں سے اہم اشیاء کے حصول اور مکروہات میں سے اہم اشیاء سے حفاظت کا سوال متبادر ہے۔لہٰذا حرمت کی وہ وجہ متحقق نہیں ہوتی جس کو قرافی رحمہ اللہ نے علت قرار دیا ہے انہوں نے حرمت کے علت یہ بیان کی ہے کہ دعا کرنے والے نے جن چیزوں کو ذکر کیا ہے ان کی طلب عرف وعادت میں مطلوب منہ کے ساتھ مذاق اور ہنسی شمار کی جاتی ہے۔اور ہمیں عرف وعادت کی بناء پر یہ معلوم ہے۔جو اللہ تعالیٰ سے مرغوبات کے حصول کی اور مکروہات سے دور کی دعا کرتا ہے وہ مذاق اور استہزاء کرنے والا نہیں ہوتا۔الّا یہ کہ وہ اُس معنی میں عموم مراد لے جس کا تذکرہ قرافی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب

تمام مؤمنین کے لئے عدمِ دخولِ دوزخ کی دُعا کرنا کیسا ہے؟

سوال ...... مؤمنین ومؤمنات کے تمام گناہوں کی مغفرت کی دعا کرنا جائز ہے؟ اور کیا تمام مؤمنین ومؤمنات کے دوزخ میں عدمِ دخول کی دعا کرنا جائز ہے؟

جواب......اس کا پہلا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ایسی دعا کرنا جائز نہیں۔آئمہ مالکیہ میں سے امام ابن عبدالسلام اور امام قرافی رحمہ اللہ نے بیان فرمایا ہے کہ یہ دعا جائز نہیں کیونکہ ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی خبر کے مطابق اس بات کا یقین رکھتے ہیں مؤمنین ومؤمنات میں سے کچھ لوگ دوزخ میں داخل ہوں گے۔قرآن پاک میں حضرت نوح علیہ السلام سے مؤمنین ومؤمنات کے گناہوں کی مغفرت کے متعلق جو دعا مذکور ہے:

رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَعَنْ دَخَلَ بَیْتِیَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ. (سورۃ نوح،آیت:28)

اے میرے ربّ! مجھے بخش دے اور میرے ماں، باپ کو اور اسے جو ایمان کے ساتھ میرے گھر میں ہے۔اور سب مسلمان مردوں اور سب مسلمان عورتوں کو۔ (کنز الایمان)

اور یا اس کی مثل جو بھی دعا منقول ہے، وہ دعا کے سیاق میں بصیغۂ فعل وارد ہے۔اور یہ عموم کا مقتضی نہیں۔کیونکہ افعال نکرہ ہوتے ہیں اور معہود خاص مراد لینا جائز ہے مثلاً حضرت نوح علیہ السلام کی دعا میں مؤمن ومؤمنات سے مراد آپ کے زمانے کے مؤمن ومؤمنات ہوں۔(پہلا جواب مکمل ہو گیا)

اور دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ چند امور کے پیشِ نظر یہ دعا کرنی جائز ہے۔ایک یہ کہ آئمہ کرام رحمہم اللہ نے ذکر کیا ہے کہ خطیب کے لئے مؤمنین ومؤمنات کے حق میں دعا کرنا مسنون ہے۔اور دوسرا یہ کہ امام مستغفری رحمہ اللہ نے اپنی دعوات میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً یہ روایت کی ہے کہ:

مَامِنْ دَعَا اَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ مِنْ قَوْلِ الْعَبْدِ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِاُمَّۃِ مُحَمَّدٍ رَحْمَۃً عَامَّۃً.

(نزہۃ المجالس، باب قولہ تعالیٰ سبحان الذی الخ، ذکر ابراہیم وموسیٰ، عیسیٰ علیہم السلام الخ، ج:2 ص:184، مطبوعہ: المطبعۃ الکاستلیۃ، مصر)

اے اللہ! حضرت محمد (ﷺ) کی امت کی بخشش فرما رحمت شاملہ کے طور پر۔

اسی طرح سے، العجالہ وغیرہ ادعیہ میں تمہارے علم میں ہیں۔

اور تیسرا یہ کہ شیخ شرف الدین البرمادی رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ کیا تمام گناہوں کی مغفرت اور قیامت کے دن حساب وکتاب کے لئے عدم وقوف کی دعا کرنا جائز ہے؟ تو آپ نے جواب دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے تمام گناہوں کی مغفرت کا سوال کرنا جائز ہے؟ کہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے کہ وہ دعا کرنے والے کے ذمہ جن لوگوں کے حقوق واجب ہیں ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ راضی فرمالے اور داعی کو تمام حقوق العباد اور حقوق اللہ سے آزاد فرمادے۔اور

قیامت کے دن حساب وکتاب کے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عدم وقوف کی دعا، طلب محال ہے۔اس لئے اس کی دعا جائز نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کرنا چاہیے کہ وہ اس مؤقف میں اپنے لطف وکرم کا اظہار فرمائے۔آپ کے ہاں ان دونوں میں سے کونسا جواب راجح ہے؟

جواب...... تمام مؤمنین میں سے کسی کے بھی دوزخ میں داخل نہ ہونے کی دعا کرنا حرام بلکہ کفر ہے۔کیونکہ اس میں ان نصوص کی تکذیب ہے جو اس چیز پر دلالت کررہی ہیں کہ بعض گناہگار مؤمنوں کا جہنم میں داخل ہونا لازمی ہے۔اور تمام مؤمنوں کی مغفرت کی دعا سے اگر ایسی مغفرت مراد ہے جس سے یہ لازم آئے کہ کوئی بھی مؤمن جہنم میں داخل نہ ہو تو اس کا حکم معلوم ہو چکا ہے کہ ایسی مغفرت طلب کرنا محال اور ناجائز ہے۔اور اگر اس سے ایسی مغفرت مراد ہے کہ بعض مؤمنوں کے گناہوں میں تخفیف ہو جائے اور دیگر بعض سے گناہوں کو مٹا دیا جائے یا مطلق مغفرت کی دعا ہے تو اس میں کوئی امر مانع نہیں۔ارادہ کی صورت تو واضح ہے اس میں طلب محال نہیں اور اطلاق کی صورت میں بھی کوئی امر مانع نہیں کیونکہ مطلق مغفرت تمام گناہوں کے کلی طور پر محو کرنے کو مستلزم نہیں کیونکہ مطلق مغفرت تمام گناہوں کو کلی طور پر مٹانے کے معنی میں بھی استعمال ہوتی ہے اور گناہوں کی تخفیف کے معنی میں بھی استعمال ہوتی ہے۔بلکہ اگر دعا کرنے والا یہ دعا کرے کہ اے اللہ! تمام مؤمنوں کے تمام گناہ معاف فرمادے اور وہ اس سے گناہوں کی تخفیف مراد لے رہا ہے تو یہ دعا حرام نہیں بخلاف اس کے کہ وہ اس صورت میں مطلق مغفرت طلب کرے تو یہ دعا حرام ہوگی کیونکہ یہ الفاظ عموم میں ظاہر بلکہ صریح ہیں۔

خلاصۃ الکلام یہ ہے کہ دعا کرنے والا جب یہ کہے اے اللہ! مسلمانوں کے گناہوں کی مغفرت فرمادے۔تو اس صورت میں مطلق مغفرت طلب کرے یا بعض مسلمانوں سے گناہوں کا محو اور بعض کے گناہوں کی تخفیف مراد لے تو یہ دعا جائز ہے۔اور اگر اس صورت میں مسلمانوں میں سے کسی کے بھی جہنم میں داخل نہ ہونا مراد لے تو جائز نہیں اور اگر یہ دعا کرتا ہے کہ اے اللہ! تمام مسلمانوں کے تمام گناہوں کی مغفرت فرمادے تو اس صورت میں وہ مطلق مغفرت کو مراد لے یا مسلمانوں میں سے کسی ایک کے بھی دوزخ میں داخل نہ ہونا مراد لے تو یہ حرام ہوگی اور اگر گناہوں کی تخفیف کو شامل ہونے والی مغفرت مراد ہے تو جائز ہے۔

ہمارے بیان سے دونوں صورتوں میں فرق واضح ہے۔اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو حکم فرمایا کہ وہ مؤمنوں اور مؤمنات کے لئے استغفار کریں۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِکَ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ. لہٰذا امام عبدالسلام اور ان کے شاگرد امام القرافی رحمہما اللہ کے کلام کو ہم نے جو تفصیلاً بیان کیا اس پر محمول کرنا متعین ہے۔اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مجیب اول کا اس دعا کو مطلقاً حرام قرار دینا اور مجیب ثانی کا اس کو مطلقاً جائز قرار دینا صحیح نہیں اور امام مستغفری کی مروی حدیث

سے استدلال کرنا بھی درست نہیں کیونکہ رحمت عامہ سابقہ معنی میں تمام گناہوں کی مغفرت کو مستلزم نہیں۔
حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے وارد ہے کہ "اَلْغَالِبَةُ رَحْمَةٌ عَلٰی اَهْلِ النَّارِ فِيْهَا" اللہ تعالیٰ کی دوزخ
والوں پر دوزخ میں رحمت ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان کو دوزخ میں اس سے بھی زیادہ شدید عذاب دینے
والے پر قادر ہے، لیکن اس سے زیادہ شدید عذاب نہ دینا اس کی رحمت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے
"وَمَا اَرْسَلْنَاکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ" پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارسال میں رحمت ہے حتیٰ کہ دشمنوں
پر بھی رحمت ہے کہ ان کو دنیا میں سزا دے کر انتقام نہیں لیا گیا۔ اس سے (معلوم ہوا کہ رحمت عامہ تمام
گناہوں کی مغفرت کو مستلزم نہیں) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب

کیا علم نجوم جائز ہے؟

سوال...... بعض فقہاء کرام علیہم الرحمہ کی عبارات میں علم نجوم کو حرام قرار دینے کی تصریح پائی جاتی ہے۔ کیا اس سے علوم نجوم کی حسابیات مراد ہیں یا کہ اس کے احکام؟ اور اگر آپ کے ہاں حرمت، علم نجوم کے احکام کے ساتھ خاص ہے اور اس کی علت اس چیز کو قرار دیں کہ یہ غیب کی خبر دینا ہے تو طبعیات کے علم کو حرام قرار دینے کی کیا علت ہے؟ حالانکہ فقہاء کے ظاہر کلام سے یہ واضح ہوتا ہے کہ دونوں حکم ایک علت میں مشترک ہیں؟

جواب..... ستاروں سے تعلق رکھنے والے علوم میں سے بعض واجب ہیں مثلاً ستاروں سے قبلہ، اوقات اور مطالع کا اختلاف واتحاد وغیرہ امور معلوم کرنا اور بعض علوم جائز ہیں مثلاً ستاروں سے چاند کی منازل، عرض البلد وغیرہ معلوم کرنا اور ان میں سے کچھ علوم حرام ہیں۔ مثلاً ستاروں سے غائب اشیاء کے وقوع پر استدلال کرنا یعنی ستاروں سے استدلال کرتے ہوئے بعض اشیاء کے وقوع کا فیصلہ کیا جائے۔ بخلاف اس کے کہ یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کا ہمیشہ سے یہ قانون ہے کہ جب اس ستارے میں یوں ہوتا ہے وہ فلاں چیز کے واقع ہونے کی علامت ہوتا ہے۔ تو اس میں کوئی ممانعت نہیں کیونکہ اس میں کوئی خرابی نہیں اور طبعیات میں بحث وتحقیق سے اہل شریعت کے طریقے پر نفس الامر کے مطابق اشیاء کی معرفت مراد ہے تو اس میں کوئی ممانعت نہیں کیونکہ یہ ستاروں سے تعلق رکھنے والے اس علم کے مشابہ نہیں جو حرام ہے۔ اور اگر اس سے فلاسفہ کے طریقے پر نفس الامر کے مطابق اشیاء کی معرفت مراد ہے تو یہ حرام ہے کیونکہ یہ بہت سارے مفاسد کا سبب ہے مثلاً قدم عالم وغیرہ کا اعتقاد جو ان کی ان قباحتوں سے تعلق رکھتا ہے جو کسی پر مخفی نہیں ہیں لہذا اس صورت میں اس کی حرمت نجوم سے تعلق رکھنے والے علم حرام کی حرمت کے مشابہ ہوگی کیونکہ ان میں سے ہر ایک مفاسد کا موجب ہے۔ اگرچہ مفاسد میں نوع اور قبح کا اختلاف ہوگا۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب

جن اسماء کا معنی معلوم نہ ہو اُن کی کتابت کا حکم؟

سوال..... جن اسماء کا معنی معلوم نہیں ان کی کتابت اوران کے ساتھ توسل مکروہ ہے یا حرام؟ اور کیا ان کی کتابت اوران کے ساتھ توسل دونوں مکروہ ہیں۔یا صرف توسل حرام ہے اور کتابت حرام نہیں؟ حضرت امام غزالی رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ کسی شخص کے لئے کسی بھی امر کا اقدام اس وقت تک جائز نہیں جب تک اس میں اللہ تعالیٰ کا حکم معلوم نہ کرلے۔اور کیا صالحین مثلاً حضرت عبداللہ بن اسعد الیافعی رحمہ اللہ وغیرہ کی کتب میں اس طرح کے جو اسماء موجود ہیں ان میں اور دیگر لوگوں کی کتب میں اس طرح کے جو اسماء موجود ہیں ان کے درمیان کوئی فرق ہے؟

جواب..... حضرت عز بن عبدالسلام رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں جو فتویٰ دیا ہے میں نے اس کو شرح العباب میں ذکر کیا ہے ان کا فتویٰ یہ ہے کہ امراض کے لئے حروف مجہولہ کے تعویذ لکھنا اوران کے ساتھ جھاڑ پھونک کروانا اور جھاڑ پھونک کرنا جائز نہیں۔کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جھاڑ، پھونک کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

اَعْرِضُوْا عَلَیَّ رِقَاکُمْ فَعَرَضُوْھَا فَقَالَ لَابَاسَ،......الخ

(الآداب للبیہقی، باب الرخصۃ فی الرقیۃ الخ، رقم الحدیث:69، ج:1 ص:283 مطبوعہ: مؤسسۃ الکتب الثقافۃ، بیروت)

اپنے جھاڑ، پھونک میرے پاس پیش کرو تو لوگوں نے ان کو آپ کی خدمت میں پیش کردیا تو فرمایا کوئی حرج نہیں۔

آپ نے پیش کرنے کا حکم اس لئے دیا تھا کہ بعض منتر کفر ہیں جب ان کا لکھنا حرام ہے، توان کے ساتھ توسل بھی حرام ہوگا۔ہاں اگر ایسے اسماء ان علماء کی کتب میں ملیں، جن کے علم اور دینداری پر وثوق واعتماد کیا جاتا ہے اور انہوں نے ان کے لکھنے یا پڑھنے کا امر کیا ہے تو اس صورت میں جواز کے قول کا احتمال ہے۔کیونکہ ان کے لکھنے یا پڑھنے کے امر سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان علماء کو ان کا معنی بھی معلوم تھا اور انہیں یہ بھی علم تھا کہ ان کے لکھنے اور پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔اس علم کے بعد انہوں نے ان کے لکھنے یا پڑھنے کا حکم دیا ہے۔اور اگر قابل اعتماد علماء نے کسی دوسرے ایسے شخص سے بطور حکایت ان اسماء کو ذکر کیا ہے جو اس درجہ کا نہیں ہے یا ان اسماء کو ذکر کیا ہے لیکن ان کے پڑھنے کا حکم نہیں دیا ہے اور نہ ہی ان کے معنیٰ سے کوئی تعرض کیا ہے تو ان کی حرمت کا حکم اپنے حال پر باقی رہے گا۔کسی امام کا ان اسماء کو صرف ذکر کرنا اس بات کا مقتضی نہیں کہ وہ امام ان کے معنی سے بھی واقف تھا۔اس قسم کی تصانیف کے مصنفین کا اکثر حال ایسا ہوتا ہے، ان کو جو بھی اسماء ملتے ہیں ان کا تذکرہ کردیتے ہیں، لیکن ان کے معنیٰ کی تحقیق نہیں کرتے اوران کی اصل کا تجربہ نہیں کرتے ہیں۔وہ صرف اس لئے ذکر کرتے ہیں بسا اوقات ان چیزوں کو استعمال

میں لانے والے کو فائدہ ہوا ہے۔
اسی لئے تمہیں امام الیافعی رحمہ اللہ کے اوراد میں بہت ساری چیزوں کے منافع وخواص کا ذکر ملے گا مگر ان کے استعمال کرنے والے کو اپنے اعمال اور اپنے باطن کے تزکیہ کے باوجود ان میں سے کوئی چیز حاصل نہیں ہوئی اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے اوراد میں شامل تمام چیزوں کو اپنے تجربہ کی بنیاد پر جمع نہیں کیا بلکہ انہوں نے ان کے بارے میں جو خواص ومنافع بتائے گئے ہیں ان کو ذکر کر دیا ہے جیسا کہ علامہ دمیری رحمہ اللہ نے ''حیاۃ الحیوان'' میں کیا ہے کہ انہوں نے حیوانات سے متعلق خواص ومنافع ذکر کئے ہیں لیکن اس کے باوجود تمہیں سینکڑوں چیزیں ایسی ملیں گی کہ ان میں سے ایک بھی صحیح نہیں ہے۔
واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب

قلبی ذکر افضل ہے یا لسانی؟

سوال ...... امام نووی رحمہ اللہ نے مسلم شریف کی شرح میں باب مجالس ذکر کے آخر میں فرمایا ہے کہ حضور قلب کے ساتھ زبان سے کیا جانے والا ذکر قلبی ذکر سے افضل ہے۔ اعلم انتہی۔
امام نووی رحمہ اللہ کے اس قول سے کیا یہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ انسان معذوری کی حالت میں جب اللہ تعالیٰ کو اپنے دل میں یاد کرے تو اسے ذکر کی فضیلت حاصل ہوگی یا نہیں؟ اور کیا جب انسان بغیر کسی عذر کے دل میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے تو اسے ذکر کی فضیلت حاصل ہوگی یا نہیں؟
جواب ...... ذکر قلبی میں اس اعتبار سے کوئی فضیلت نہیں کہ ذکر اپنے الفاظ کے ساتھ عبادت تعبدی ہے اور ذکر کا معنی یعنی اللہ تعالیٰ کی تنزیہہ اور اس کا اجلال اپنے دل میں مستحضر کرنے کے اعتبار سے اس میں فضیلت ہے ہمارے اس جواب سے امام نووی رحمہ اللہ کے مذکورہ قول اور دیگر علماء کے اس قول کے درمیان تطبیق پیدا ہو جاتی ہے کہ ذکر قلبی میں کوئی ثواب نہیں ہے۔ پس جن علماء نے ذکر قلبی سے ثواب کی نفی کی ہے ان کی مراد ذکر قلبی باعتبار لفظ کے ہے اور جو علماء اس میں حصول ثواب کے قائل ہیں ان کی مراد ذکر قلبی باعتبار حضور قلب کے ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔ اس میں غور کر یہ اہم چیز ہے اور ان سب صورتوں میں معذور اور غیر معذور کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

جنت میں کون سا شوہر ساتھ ہوگا؟

سوال ...... جس خاتون نے دنیا میں کئی مردوں کے ساتھ یکے بعد دیگرے نکاح کئے ہوں وہ جنت میں اپنے آخری خاوند کے ساتھ ہوگی یا دنیا میں جس کا اخلاق سب سے اچھا تھا اُس کے ساتھ ہوگی؟
''شرح الروض'' کے خصائص میں ہے کہ ایسی عورت اپنے آخری شوہر کے ساتھ ہوگی جیسا کہ ابن

القشیری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے۔ انتہیٰ۔

محمد بن الحسن العلاء رحمہ اللہ کی کتاب "مجموع الاحباب" اور ابوالفرج رحمہ اللہ کی کتاب "تذکرہ اولی الالباب" میں ہے کہ حضرت ابوالدرداء اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے کہ عورت جنت میں اپنے اس خاوند کے ساتھ ہوگی جس کے ساتھ اس کا دنیا میں سب سے آخر میں نکاح ہوا تھا اور ایک روایت میں ہے کہ وہ عورت ان میں سے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہوگا اس کے ساتھ ہوگی۔

ابوبکر بن النجار رحمہ اللہ نے کہا کہ ہمیں بیان کیا ہے جعفر بن محمد رحمہ اللہ نے اور انہوں نے کہا ہمیں بیان کیا ہے عبید بن اسحٰق العطار رحمہ اللہ نے اور انہوں نے کہا ہمیں بیان کیا ہے سفیان بن ہارون نے حمید بن انس سے کہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ:

يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَلْمَرْاَةُ يَكُوْنُ لَهَا الزَّوْجَانِ فِي الدُّنْيَا فَلِاَيِّهِمَا تَكُوْنُ ؟ قَالَ لِاَحْسَنِهَا خُلُقًا كَانَ مَعَهَا فِي الدُّنْيَا ثُمَّ قَالَ يَا اُمَّ حَبِيْبَةَ ذَهَبَ حُسْنُ الْخُلُقِ بِخَيْرِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ .

(النہایۃ فی الفتن والملاحم، کتاب صفۃ اہل الجنۃ، باب فی المراۃ تتزوج الخ، ج:2 ص:413، مطبوعہ: دارالجیل، بیروت)

یارسول اللہ جس عورت کے دنیا میں دو خاوند ہوں تو وہ جنت میں کس کی زوجیت میں ہوگی؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دنیا میں ان میں جو اس کے ساتھ سب سے زیادہ اچھے اخلاق سے پیش آیا ہے وہ اس کی زوجیت میں ہوگی اور اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ام حبیبہ! (رضی اللہ عنہا) اچھا اخلاق دنیا و آخرت کی بھلائی لے گیا۔ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے اس کی مثل حدیث مروی ہے۔ (انتہیٰ)

سعید معین الدین الصفوی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر "جامع البیان" میں دوسری حدیث پر اقتصار کرتے ہوئے کہا کہ جس خاتون کے کئی خاوند ہیں اسے اختیار دیا جائے گا تو وہ ان میں سب سے اچھے اخلاق والے کو ترجیح دے گی یہ معلوم نہ ہوسکا کہ یہ ان کا اپنا کلام ہے یا سابقہ حدیث کا بقیہ حصہ ہے۔

جواب...... امام طبرانی رحمہ اللہ نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

اَلْمَرْاَةُ لِزَوْجِهَا الْاٰخِرِ۔ عورت اپنے آخری خاوند کو ملے گی۔

(النہایۃ فی الفتن والملاحم، کتاب صفۃ اہل الجنۃ، باب فی المراۃ تتزوج...... الخ، ج:2 ص:413، مطبوعہ: دارالجیل، بیروت)

عبد بن حمید، سمویہ، طبرانی نے اور الخرائطی علیہم الرحمہ نے "مکارم الاخلاق" میں اور ابن لال رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے تخریج کیا ہے کہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یارسول اللہ جس عورت کے دنیا میں دو خاوند ہوں تو وہ جنت میں ان میں سے کس کو ملے گی۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

تُخَيَّرُ فَتَخْتَارُ اَحْسَنَهُمْ خُلُقًا كَانَ مَعَهَا فِي الدُّنْيَا فَيَكُونُ زَوْجَهَا يَا اُمَّ حَبِيْبَةَ ذَهَبَ حُسْنُ الْخُلُقِ بِخَيْرِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ.

(المعجم الکبیر للطبرانی، کتاب ام سلمۃ ...... الخ باب ام الحسن، عن ام سلمۃ الخ، رقم الحدیث:870، ج:23 ص:367 مطبوعہ: مکتبہ ابن تیمیہ، القاہرۃ)

اس عورت کو اختیار دیا جائے گا۔ پس وہ ان میں سے دنیا میں جو اس کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آیا ہے اسے اختیار کرے گی پس (جنت میں بھی) وہ اس کا خاوند ہوگا۔ اے ام حبیبہ! (رضی اللہ عنہا) اچھا اخلاق دنیا اور آخرت کی بھلائی لے گیا۔

امام طبرانی رحمہ اللہ اور خطیب رحمہ اللہ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے تخریج کیا ہے:

اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَهَا يَا اُمَّ سَلَمَةَ اِنَّهَا تُخَيَّرُ فَتَخْتَارُ اَحْسَنَهُمْ خُلُقًا فَتَقُوْلُ يَارَبِّ هٰذَا كَانَ اَحْسَنَهُمْ خُلُقًا فِيْ دَارِ الدُّنْيَا فَزَوِّجْنِيْهِ يَا اُمَّ سَلَمَةَ ذَهَبَ حُسْنُ الْخُلُقِ بِخَيْرِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ.

(المعجم الکبیر للطبرانی، کتاب ام سلمۃ الخ باب ام الحسن، عن ام سلمۃ الخ، رقم الحدیث:870، ج:23 ص:367 مطبوعہ: مکتبہ ابن تیمیہ، القاہرۃ)

نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا اے ام سلمہ! (رضی اللہ عنہا) اس عورت کو اختیار دیا جائے گا۔ تو وہ ان میں سب سے اچھے اخلاق والے کو ترجیح دے گی اور وہ عورت عرض کرے گی اے میرے رب! یہ شخص دنیا میں ان سب سے زیادہ اچھے اخلاق والا تھا مجھے اس کی زوجیت میں دے۔ اے امّ سلمہ! (رضی اللہ عنہا) اچھا اخلاق دنیا وآخرت کی اچھائی لے گیا۔

اگر تم یہ کہو کہ حضرت ام سلمہ اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہما سے مروی دونوں حدیثیں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے مخالف ہیں تو میں کہوں گا ان میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ ان کے درمیان تطبیق ممکن ہے کہ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث کو اس خاتون پر محمول کہا جائے گا جو کسی خاوند کی زوجیت میں انتقال کر چکی ہے اور وہ عورت اس سے پہلے کئی خاوندوں سے نکاح کر چکی تھی۔

پس یہ عورت ان میں سے آخری خاوند کو ملے گی اور ایسے ہی اگر اس کا خاوند اس سے پہلے مرجائے اور یہ عورت کسی دوسرے خاوند سے نکاح کئے بغیر وفات پاجاتی ہے تو وہ ان میں سے آخری خاوند کو مل جائے گی کیونکہ اس کا آخری خاوند سے تعلق برقرار ہے اور اسے کسی چیز نے منقطع نہیں کیا (اگرچہ موت سے نکاح منقطع ہوجاتا ہے لیکن مصنف رحمہ اللہ کا مطلب یہ ہے اس کے بعد کسی دوسرے کے ساتھ نکاح نہیں ہوا اس لئے اس کو فلاں کی بیوہ کہا جاتا ہے۔ نکاح اگرچہ موت سے منقطع ہوگیا ہے لیکن درمیان میں دوسرا نکاح حائل نہ ہونے کی وجہ سے کچھ نہ کچھ نسبت باقی رہتی ہے۔) اور حضرت ام سلمہ اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ

عنہا سے مروی حدیث اس خاتون پر محمول کی جائے گی جس نے کئی خاوندوں کے ساتھ یکے بعد دیگرے نکاح کیا تھا لیکن ان سب نے اسے طلاق دے دی تھی پس اس صورت میں اس عورت کو ان کے درمیان اختیار دیا جائے گا تو وہ ان میں سے سب سے اچھے اخلاق والے کو ترجیح دے گی۔ یہاں اختیار دیا جانا واضح ہے کہ ان میں سے ہر کسی کی عصمتِ نکاح منقطع ہو چکی ہے۔ ان میں سے کسی ایک کے لئے بھی مرجح نہیں پایا جاتا۔ کیونکہ وہ سب برابر ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ اس کا تعلق پیدا ہوا تھا اور پھر ہر ایک سے تعلق منقطع بھی ہو گیا ہے اس صورت میں عدم مرجح کی بناء پر اسے اختیار دیا جانا زیادہ مناسب ہے۔ حضرت ام سلمہ اور ام حبیبہ رضی اللہ عنہما سے مروی مذکورہ حدیثوں سے یہ معلوم ہوا کہ اختیار دیئے جانے کا بیان حدیث میں موجود ہے یہ سید معین الدین رحمہ اللہ کا کلام نہیں ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب

نوٹ...... مصنف رحمہ اللہ کا آئندہ آنے والا فتویٰ بھی اسی سوال سے متعلق ہے۔

سوال...... جس عورت کے دنیا میں کئی خاوند ہوں تو وہ آخرت میں ان میں سے کس کو ملے گی؟

جواب...... امام طبرانی رحمہ اللہ نے اہل جنت کے متعلق حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ایک طویل حدیث تخریج کی ہے اور اس میں ہے میں نے عرض کی یا رسول اللہ! جو عورت دنیا میں دو یا تین یا چار خاوندوں کے ساتھ نکاح کرتی ہے اور پھر وہ مرجاتی ہے تو جنت میں داخل ہو جاتی ہے اور اس کے ساتھ اس کے خاوند بھی جنت میں داخل ہو جاتے ہیں تو ان میں سے اس کا خاوند کون ہوگا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس عورت کو اختیار دیا جائے گا پس وہ ان میں سے سب سے اچھے اخلاق والے کو اختیار کرے گی۔ وہ عورت عرض کرے گی اے میرے رب! یہ شخص دار دنیا میں ان سے زیادہ اچھے اخلاق والا تھا مجھے اس کی زوجیت میں دیجئے۔ اے ام سلمہ! (رضی اللہ عنہا) اچھا اخلاق دنیا و آخرت کی بھلائی لے گیا۔

(المعجم الکبیر للطبرانی، کتاب ام سلمۃ الخ باب ام الحسن، عن ام سلمۃ الخ، رقم الحدیث: 870، ج: 23 ص: 367، مطبوعہ: مکتبہ ابن تیمیۃ، القاہرۃ)

اور خرائطی رحمہ اللہ نے ''مکارم الاخلاق'' میں اور امام طبرانی و امام بزار علیہما الرحمہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے تخریج کیا کہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ! جس عورت کے دنیا میں دو خاوند ہوں اور وہ عورت مر جائے اور اس کے دونوں خاوند بھی وفات پا جائیں پھر وہ سب جنت میں جمع ہو جائیں تو وہ عورت ان میں سے کس کو ملے گی؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دنیا میں اس کے ہاں ان میں سے جو زیادہ اچھے اخلاق والا تھا اس کو ملے گی اچھا اخلاق دنیا و آخرت کی اچھائی لے گیا۔

(النہایۃ فی الفتن والملاحم، کتاب صفۃ اہل الجنۃ، باب فی المرأۃ تتزوج الخ، ج: 2 ص: 413، مطبوعہ: ایضا)

یہ حدیث حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے معارض نہیں۔ ابن سعد رحمہ اللہ نے حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے تخریج کیا کہ ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے

سنا کہ عورت آخرت میں اپنے آخری خاوند کو ملے گی۔ان احادیث کے درمیان تطبیق ممکن ہے کہ پہلی دونوں حدیثیں اس عورت کے بارے میں ہیں جسے سب خاوندوں نے طلاق دیدی تھی اور اس کا انتقال ان میں سے کسی کی عصمتِ نکاح میں نہیں ہوا۔حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث اس عورت کے متعلق ہے جس کا انتقال اپنے خاوند کی عصمتِ نکاح میں ہوا ہے یا اس کا خاوند انتقال کر گیا تھا اور اس نے اس کے انتقال کے بعد کسی دوسرے کے ساتھ نکاح نہیں کیا اس کے بعد مجھے ایسی حدیث ملی جو اس کی تائید کر رہی ہے۔

ابن سعد رحمہ اللہ نے اپنے "طبقات الکبری" میں حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں اور وہ ان کے ساتھ سختی سے پیش آتے تھے۔حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے اپنے والد ماجد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر اس بارے میں شکایت کی۔تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے بیٹی! صبر کرو کیونکہ جس خاتون کا خاوند صالح ہو اور وہ اس خاتون کی زندگی میں وصال کر جائے اور وہ خاتون اس کے بعد دوسرے کسی کے ساتھ نکاح نہ کرے تو ان دونوں کو جنت میں جمع کیا جائے گا۔

(النہایۃ فی الفتن والملاحم، کتاب صفۃ اہل الجنۃ، باب فی المرأۃ تتزوج الخ، ج:2 ص:413،مطبوعہ:ایضا)

ابن وہب رحمہ اللہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ہی روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ جس عورت کا سب سے پہلا نکاح جس مرد کے ساتھ ہوگا تو قیامت میں بھی وہ مرد اس عورت کے ساتھ نکاح کرے گا۔یہ حدیث سابقہ حدیث کے منافی نہیں کہ اس کو اس صورت پر محمول کیا جانا ممکن ہے کہ جب وہ عورت اسی کے نکاح میں انتقال کر جائے یا مرد انتقال کر جائے اور عورت اس کے بعد نکاح نہ کرے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

(النہایۃ فی الفتن والملاحم، کتاب صفۃ اہل الجنۃ، باب فی المرأۃ تتزوج الخ، ج:2 ص:413،مطبوعہ:ایضا)

کیا جنت میں کسی کو داڑھی ہوگی؟

سوال……کیا جنت میں کوئی داڑھی کے ساتھ داخل ہوگا؟

جواب……ہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ خصوصیت ہے کہ جنت میں آپ کی ریش مبارک ہوگی جیسا کہ "التذکرہ" میں اس بارے میں ایک حدیث منقول ہے۔

اہل جنت کا ایک دوسرے کو جاننا اور کلام کرنا

سوال……کیا جنتی لوگ جنت میں ایک دوسرے کو پہچانیں گے اور ایک دوسرے کی زیارت کریں گے اور دنیا میں ان

کے درمیان جو معاملات گزرے تھے ان کا آپس میں تذکرہ کریں گے؟

جواب...... "ترغیب المنذری" میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ:

إِذَا دَخَلَ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ فَيَشْتَاقُ الْإِخْوَانُ بَعْضُهُمْ إِلٰى بَعْضٍ فَيَسِيرُ سَرِيرُ هٰذَا إِلٰى سَرِيرِ هٰذَا وَسَرِيرُ هٰذَا إِلٰى سَرِيرِ هٰذَا حَتّٰى يَجْتَمِعَا جَمِيعًا فَيَتَّكِئُ هٰذَا وَيَتَّكِئُ فَيَقُولُ أَحَدُهُمَا لِصَاحِبِهِ أَتَعْلَمُ مَتٰى غَفَرَ اللّٰهُ لَنَا؟ فَيَقُولُ صَاحِبُهُ نَعَمْ يَوْمَ كُنَّا فِي مَوْضِعِ كَذَا وَكَذَا فَدَعَوْنَا اللّٰهَ فَغَفَرَ لَنَا.

(الترغیب والترہیب، الجزء 4، فصل فی تزاورہم ومراکبہم، رقم الحدیث: 5733، ج: 4 ص: 304 مطبوعہ: ایضاً)

جب اہل جنت جنت میں داخل ہوں گے تو وہ ایک دوسرے کی (ملاقات) کی خواہش کریں گے پس اُس کی کرسی اُس کی کرسی کے پاس اور اس کی کرسی اس کی کرسی کے قریب آ جائے گی حتیٰ کہ وہ ایک جگہ جمع ہو جائیں گے۔ پس دونوں ٹیک لگائیں گے اور ان میں سے ایک دوسرے سے کہے گا کیا تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری بخشش کب فرمائی تھی؟ تو دوسرا کہے گا ہاں فلاں دن ہم فلاں فلاں مقام میں تھے اور ہم نے اللہ تعالیٰ سے التجا کی تھی تو اس نے ہمیں بخش دیا۔

تعبدی عبادت افضل ہے یا معقول المعنیٰ؟

سوال...... تعبدی عبادت افضل ہے یا معقول المعنی؟

جواب...... حضرت عز بن عبد السلام رحمہ اللہ کے کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ تعبدی عبادت افضل ہے کیونکہ یہ محض اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی بجا آوری کے لئے ہوتی ہے بخلاف اس عبادت کے جس کی علت ظاہر ہوتی ہے کہ اس کو انجام دینے والا کبھی اپنی مصلحت اور اپنا فائدہ حاصل کرنے کے لئے بھی انجام دیتا ہے۔ لیکن علامہ بلقینی رحمہ اللہ نے عز بن عبد السلام رحمہ اللہ کی اس رائے سے اختلاف کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ معقول المعنی عبادت من حیث الجملہ افضل ہے کیونکہ شریعت کا اکثر حصہ اسی پر مشتمل ہے۔ اور جزئیات کے اعتبار سے کبھی تعبدی عبادت افضل ہوتی ہے مثلاً وضو اور غسل نجاست کہ ان میں سے نجاست کا دھونا معقول المعنی ہے اور وضو تعبدی ہے، وضو تعبدی ہونے کے باوجود غسلِ نجاست سے افضل ہے۔ اور کبھی معقول المعنی افضل ہوتا ہے۔ مثلاً طواف اور رمی (کہ طواف منقول المعنی ہے اور رمی تعبدی ہے) لیکن طواف افضل ہے۔ ان کے درمیان یہ افضلیت دلائل اور متعلقات کے اعتبار سے ہے (انتہیٰ) (بلقینی رحمہ اللہ کی عبارت ختم ہوگئی ہے) وضوء کا تعبدی ہونا یہ امام بلقینی رحمہ اللہ کی رائے ہے اور یہ راجح بات اس کے برعکس ہے۔ اور طواف کا معقول المعنی ہونا اور رمی کا معقول المعنی نہ ہونا بھی قابل نظر ہے۔ بلکہ ان دونوں کو یا تو معقول المعنی کہنا

چاہیے جیسا کہ میں نے "حاشیۃ الایضاح" میں بیان کیا ہے یا دونوں کو تعبدی کہنا چاہیے جیسا کہ بعض علماء نے ذکر فرمایا ہے اور عزبن عبدالسلام کا کلام امام بلقینی رحمہ اللہ مذکورہ تفصیل کے منافی نہیں کیونکہ انہوں نے افضلیت کی حیثیت ذکر کی ہے پس بعید نہیں کہ تعبدی ایک حیثیت سے افضل ہو اور معقول المعنی دوسری حیثیت سے افضل ہو۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب

ابن العربی اور ابن الفارض کے بارے میں کیا اعتقاد رکھنا چاہیے؟

سوال.....تصوف سے متعلق سوال کیا گیا ہے جس کی تلخیص یہ ہے کہ علماء کرام رحمہم اللہ ابن العربی و ابن الفارض رحمہما اللہ اور ان دونوں گروہ کے متعلق کیا کہتے ہیں؟ کیا یہ لوگ محق ہیں یا مبطل؟ اور اس پر دلیل کیا ہے ہمیں شرح وبسط کے ساتھ جواب عنایت فرمایا جائے۔

جواب.....ابن العربی اور ابن الفارض رحمہما اللہ ان دونوں بزرگوں کی حق کے ساتھ اتباع کرنے والے اور ان دونوں کے طریقے پر معاملات اور مکاشفات کے علوم میں انتہائے اتقاق ورسوخ اور خلوتوں میں غایت درجہ زہد کا ورع تجرد اور انقطاع الی اللہ اور عبادات میں جانفشانی اور مخلوق کو دفعۃ واحدۃ بولنے اور ہر لحہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا تعلق جوڑنے اور ہر لحہ میں اسی کی ذات کا دھیان کے ساتھ ان بزرگوں کے طریقہ پر چلنے والے (جیسا کہ یہ ساری چیزیں ان دونوں عظیم لوگوں سے تواتر کے ساتھ منقول ہیں) لوگوں کے بارے میں ہمارا جو اعتقاد ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ لوگ اخیار اولیاء اور ابرار کا گروہ ہے بلکہ مقربین ہیں اور ماسوی اللہ کی غلامی سے آزاد ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں۔ اگر کسی کے ہاں اس میں کوئی شک ہے تو وہ بے بصیرت ہے۔

ان دونوں بزرگوں کی ولایت پر اتنی دلیل کافی ہے کہ بہت سارے اکابر نے ان کی ولایت اور ان کے اخیار مقربین میں سے ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔ مثلاً مکہ مکرمہ کے عالم حضرت شیخ عارف، امام، فقیہ، محدث، متقن عبداللہ الیافعی نزیل مکہ مشرفہ نے تصریح فرمائی ہے۔ اسی لئے بطحاء مکہ کے فاضل اور اس کے عالم حضرت علامہ دسنوی رحمہ اللہ نے امام الیافعی رحمہ اللہ کے تعارف میں فرمایا کہ:

"تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے ہماری کتب کا آغاز حضرت امام شافعی رحمہ اللہ سے فرمایا اور ان کا اختتام حضرت امام یافعی رحمہ اللہ پر فرمایا۔" شیخ الاسلام تاج بن عبداللہ رحمہ اللہ جن کی جلالت اور امام مالک رحمہ اللہ وغیرہ آئمہ کے مذہب سے متعلق جن کے علم اور جن کی معرفت پر اجماع ہے اور جن کی کتاب "حکم اور تنویر" ان کی جلالت وعلم پر بہترین دلیل ہیں۔ حتیٰ کہ علماء نے فرمایا ہے کادت الحکم ان تکون قرانا یتلی۔ (قریب تھا کہ حکم قرآن کی طرح تلاوت کی جاتی۔) اور شیخ، امام، علامہ،

محقق شافعی، اصول حضرت تاج الدین السبکی اور ہمارے شیخ فاتحۃ المتاخرین، واسطہ جمع المحققین حضرت ذکریا الانصاری اور شیخ علامہ البرھان بن ابی شریف رحمہم اللہ وغیرہ ان تمام علماء کرام نے شیخ ابن العربی اور شیخ ابن الفارض کی ولایت اور ان کے اولیاء اخیار میں سے ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔حضرت ذکریا انصاری اور علامہ برھان بن ابی شریف کی تصریح ہی تمہارے لئے کافی ہے۔

قطب وقت سے ملاقات کا واقعہ

اور فقہاء میں سے ایک ثقہ اور صاحب استقامت شخص نے حکایت بیان کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے مکہ مکرمہ میں مجاورت اختیار کی ہوئی تھی۔مکہ مکرمہ میں میرا ایک دوست تھا جو اولیاء اللہ میں سے تھا میں نے ایک دن اس سے کہا کہ مجھے قطب وقت کی زیارت کروائیے۔تو وہ ایک مدت تک خاموش رہا۔پھر اس نے مجھ سے کہا جب تم اس کی زیارت کرو تو خاموش رہنا ان کے ساتھ کوئی بات نہ کرنا میں ایک مدت تک انتظار میں رہا بالاخر مجھے اُن کی زیارت نصیب ہوئی میں نے اُن کے ہاتھوں کا بوسہ لیا اور خاموش بیٹھ گیا۔پھر قطب نے توجہ فرمائی اور فرمایا:

صاحب مصر، تم میں سے ہے۔اے فقہاء کے گروہ! میں نے دل میں سوچا کہ ان سے میں صاحبِ مصر کے بارے میں دریافت کروں کہ وہ کون ہے؟ لیکن مجھے اس کی ہمت نہ ہوئی۔پھر ایک مدت کے بعد ان کے ساتھ ملاقات ہوئی اور میں نے دل میں سوچ رکھا تھا کہ جب بھی ان کے ساتھ ملاقات ہوگی تو میں اس شخص کی تعیین کے بارے میں ان سے سوال کروں گا پس وہ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا صاحبِ مصر اس وقت شیخ برھان الدین ابی شریف رحمہ اللہ ہیں اور پھر ان کے بعد شیخ ذکریا انصاری رحمہ اللہ ہوں گے۔ان دونوں اماموں کے متعلق قطب وقت کی اس شہادت پر غور کریں۔بے شک یہ دونوں بزرگ مصر کی زینت بلکہ پوری دنیا کی زینت تھے۔یہ دونوں بزرگ اللہ تعالیٰ کی ذات سے محبت میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے تھے۔شیخ ذکریا رحمہ اللہ تو برسر منبر سلطان قاتبیانی رحمہ اللہ کو اس کے منہ پر واضح طور پر برا بھلا کہتے تھے۔اور وہ سامنے بیٹھے خطبہ سن رہا ہوتا تھا اور آپ ان دنوں دیار مصریہ کے قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) تھے۔اور وہ سلطان سے نہ ڈرتے تھے اور نہ اس کی کوئی پرواہ کرتے تھے۔وہ ایسا کیوں نہ کرتے کہ ان پر سادات صوفیاء کرام کی نگاہ کرم تھی اور انہوں نے صوفیاء کرام کے معارف کے سینے کا دودھ نوش کیا ہوا تھا اور ان کے اشارات کے پرچم تلے داخل تھے اور ان کے گروہ میں شامل تھے حتی کہ ان کا باطن روشن چمک گیا تھا اور اپنے زمانے کے بے نظیر ولی تھے۔

حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات

حقائق و معارف ان پر منکشف ہو چکے تھے۔شیخ ذکریا رحمہ اللہ نے اپنے شیخ حضرت بلقینی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے

کہ ان کی حضرت کیسانی رحمہ اللہ سے ملاقات ہوئی تھی اور مجھے ان کے متعلق یہ خبر ملی ہے کہ وہ اپنے خلوت کے زمانے میں ایک دفعہ جامع ازھر کی چھت پر چڑھے ہوئے تھے انہیں جاننے والا ایک شخص ان کے پاس آیا جسے آشوب چشم کی بیماری لاحق تھی حتیٰ کہ امراض چشم کے معالجین اس کی آنکھوں کے بارے میں اپنی مایوسی ظاہر کر چکے تھے۔ اس شخص نے اپنی بیماری کے متعلق آپ کی خدمت میں گزارش کی۔ تو آپ نے اس کی آنکھوں کی شفایابی کے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی۔ دوسرے ہی دن جب وہ شخص آیا تو اس کو بیماری سے نجات مل چکی تھی۔ اور وہ جس بینائی سے مایوس ہو چکا تھا وہ پہلے سے بھی زیادہ اچھی ہو چکی تھی۔

شیخ کی بددعا کا اثر

اور شیخ کا ایک شاگرد سلطنت اریسہ میں ایک اعلیٰ منصب پر فائز تھا ایسا منصب سلطنت ترکیہ میں ہر ایک کو نہیں دیا جاتا تھا صرف اس شخص کو یہ منصب دیا جاتا تھا جو بادشاہ سے ایک یا دو درجہ کم ہوتا تھا اس شاگرد سے شیخ کو کوئی اذیت پہنچی تھی جس پر شیخ نے اس کو بددعا دی۔ پس تھوڑی سی مدت کے اندر اللہ تعالیٰ نے اس سے وہ تمام چیزیں سلب فرما دیں جن میں وہ عیش و عشرت کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ اور مصر سے بھاگ کر استنبول آ گیا۔ اور وہاں پر وہ نہایت کمزور اور ذلت آمیز حالت میں رہا۔

شیخ برھان کی استقامت وحق گوئی

شیخ برھان بن ابی الشریف رحمہ اللہ کا سلطان غوری کے ساتھ پیش آنے والا واقعہ مشہور ہے جس کی وجہ سے سلطان غوری نے ان کے ساتھ دشمنی شروع کر دی تھی۔ شیخ نے ایک معاملہ میں سلطان غوری کی خواہش کے برعکس فتویٰ دیا تھا۔ واقعہ یہ تھا کہ ایک شخص نے زنا کا اقرار کیا اور اس کے بعد اس نے اپنے اقرار سے رجوع کر لیا تھا۔ شیخ نے اس کے رجوع کو قبول کرنے کا فتویٰ دیا۔ اور سلطان غوری اسے قتل کرنا چاہتا تھا۔ سلطان غوری نے اپنی خواہش کے مطابق شیخ سے فتویٰ حاصل کرنے کے لئے آدمی بھیجا کیونکہ بعض مبغوض قسم کے علماء نے سلطان کے ذہن میں یہ بات ڈال دی تھی کہ شریعت اس کے رجوع کو قبول نہیں کرتی شیخ برھان رحمہ اللہ نے اس کے خلاف فتویٰ صادر کیا۔ پس سلطان نے اپنے قلعہ میں علماء کی ایک میٹنگ بلائی اور اس بارے میں ان سے گفتگو کی تو جس طرح شیخ برھان الدین رحمہ اللہ نے حق کا اظہار کیا ان علماء میں سے کسی کوئی بھی اس طرح کا اظہار نہ کر سکا اور صرف شیخ زکریا رحمہ اللہ نے ان کی حمایت کی اور ان کے قول کی تائید کی اور اعلان فرمایا کہ شیخ برھان الدین حق بجانب ہیں۔ سلطان ان سے بھی ناراض ہو گیا کہ انہوں نے شیخ برھان الدین رحمہ اللہ کے فتویٰ کے موافق فتویٰ دیا ہے۔ شیخ برھان الدین رحمہ اللہ نے اپنے فتویٰ میں فرمایا تھا کہ زنا کے اقرار سے رجوع کرنے والے شخص کو جو قتل کرے گا اس

کے بدلے میں اُس قتل کرنے والے کو قتل کیا جائے گا۔

سلطان اس پر بہت زیادہ برہم ہوگیا حتیٰ کہ اس نے زانی مرد اور زانیہ عورت کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ پس ان دونوں کو شیخ برھان الدین رحمہ اللہ کے گھر کے دروازے پر پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ شیخ نے وہ دروازہ بند کر کے اور دوسرے دروازے سے باہر نکل آئے۔ اور انہوں نے سلطان کی کوئی پرواہ نہ کی اور نہ اُس کا کوئی اثر لیا باوجود اس کے کہ پہلے انہیں یہ خیال آیا کہ جس کی پھانسی کا حکم دیا گیا ہے وہ میں ہی ہوں۔ اِسی لئے وہ طہارت وغیرہ کر کے اس کے لئے تیار ہوگئے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو محفوظ رکھا۔ اس واقعہ کے بعد حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کو خواب میں دیکھا گیا کہ اپنے اس قول سے شیخ کی تائید فرما رہے ہیں۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا خواب میں فرمایا ہوا فرمان پورا ہوگیا

اگر میرے ہاں تمہارے سوا کسی اور کی کوئی جگہ ہوتی تو میں کسی دن اس کی تیاری کرتا، مگر میں اس کے ساتھ ملاقات نہ کرتا۔ اور وہ یہ فرما رہے تھے ہم اس لئے آئیں ہیں تا کہ ابراہیم کو سلام کریں (یہ اشارہ اس بات کا اشارہ تھا کہ انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح جابر حکمران کے ساتھ کلمہ حق بلند کیا ہے۔) اور اسی رات امام شافعی کو خواب میں دیکھا گیا کہ وہ فرما رہے ہیں: ''ہم نے سلطان غوری کو اس کی رگوں سمیت اس مملکت سے اکھیڑ پھینک دیا ہے۔ اور ایسے ہی ہوا کہ اس کے بعد اس کا وہاں اقتدار تھوڑی مدت رہا۔ اور وہ اپنے فوجیوں اور لشکر کو لے کر حلب کی جانب گیا پھر وہاں ایک اور جگہ کی طرف گیا جسے مرج دابق سے موسوم کیا جاتا ہے اسی اثناء میں اس کی سلطان سلیم بن عثمان کے ساتھ لڑائی ہوئی اللہ تعالیٰ نے غوری اور اس کی فوج کو رسوا کیا اور شکست کھا گئے اور متفرق و منتشر ہوگئے اور ایک گھنٹہ بھی جنگ نہ کر سکے اور غوری مفقود ہوگیا اور کچھ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ کیسے پیش آیا۔

پس ان آئمہ عارفین، علماء فقہاء، اولیاء عظام رحمہم اللہ نے جو فرمایا ہے اور اس بارے میں جو انہوں نے تصریح کی ہے کہ ان دونوں مذکورہ امام (ابن العربی وابن الفارض رحمہما اللہ) اور ان کے ساتھ ان کی اتباع کرنے والے لوگ اولیاء، اخیار، اتقیاء ابرار ہیں (جیسا کہ ہم نے گذشتہ سطور میں ذکر کیا ہے) تمہارے لئے اتنا ہی کافی ہے۔ آئمہ دین جنہوں نے دین کے چہرے سے معترضین کے شبہات کو دور کیا اور سرکش و گمراہ لوگوں کے دلائل کا ابطال فرمایا ان ائمہ دین نے ابن العربی اور ابن الفارض علیہما الرحمہ اور ان کے متبعین کے بارے میں جو تصریح فرمائی ہے اس کے بعد کوئی عقل مند اور دیندار انسان ان لوگوں کی ولایت کے بارے میں جو کچھ ذکر کیا گیا ہے اس میں کیسے شک کر سکتا ہے؟ تعجب ہے کہ ہم احکام میں ان ائمہ اقوال سے دلیل لائیں اور اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کے معاملات میں ان کے اقوال پر عمل کریں اور حلال و حرام میں اور قصاص میں جانوں کے قتل اور چوری میں انسانوں کے ہاتھوں

وغیرہ ہڈیوں کے کاٹنے میں تو ان کے اقوال پر اعتماد کریں اور مسلمانوں کے ان اماموں (ابن العربی و ابن الفارض رحمہما اللہ وغیرہ) کے بارے میں ان ائمہ کے اقوال کو تسلیم نہ کریں، جنہوں نے کتاب وسنت سے سیرابی حاصل کی اور اس کے ساتھ فروع اجتہادیہ اور ان تمام علوم ادبیہ اور عربیہ کو ملایا جو ان کے ساتھ مناسبت رکھتے تھے۔ان تمام علوم وفنون میں اتقان ورسوخ کے بعد اپنے دلوں کے تصفیہ وتزکیہ میں مشغول ہو گئے حتیٰ کہ وہ روشن ومنور اور اتنے شفاف ہو گئے کہ ان کے سامنے آنے والی ہر چیز ان کے مشابہ بن گئی پس انہیں علوم اور ان کے باطنی احکام واسرار کے اظہار سے مطلع کیا گیا بلکہ موجودات مثلاً عبادات وغیرہ کے احکام وباطنی اسرار سے بھی مطلع کیا گیا تو ان صوفیاء کرام رحمہم اللہ نے ان علوم کو اس مقصد کے پیش نظر مدوّن کیا کہ ان کی راہ پر چلنے والے لوگ فائدہ اٹھائیں اور ان کے ذریعہ محق، مبطل سے ممتاز ہو جائے۔کہ محق ان علوم (صوفیاء کرام کے مدون) کے مشابہ علوم کی بات کرے گا اور ان علوم (صوفیاء کرام کے مدون) میں ہی مقید نہیں رہے گا اور مبطل صرف زبان سے رٹ لگائے گا اور اگر اس سے ان (صوفیاء کرام کے مدون) علوم کی تحقیق کا مطالبہ کیا جائے تو وہ ان کی مثل علوم کا اظہار تو دور کی بات ہے وہ تو ان علوم کے اظہار میں بھی ناکام رہے گا۔

امام ذہبی رحمہ اللہ کا بیان کردہ واقعہ

امام ذہبی رحمہ اللہ نے ایک واقعہ نقل کیا ہے جو صوفیاء کرام کے ان مذکورہ علوم میں اتقاق ورسوخ کی دلیل ہے وہ حالانکہ امام ذہبی رحمہ اللہ خود شیخ ابن العربی رحمہ اللہ کے ناقدین میں سے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ غرب کے حکمران نے حکم دیا کہ میرے علاقے میں علماء میں سے وہی شخص اقامت پزیر ہو سکتا ہے جو درجۂ اجتہاد پر اس طرح فائز ہو کہ وہ کسی ایک کے مذہب کی پابندی نہ کرتا ہو اس ملک کے تمام علماء نے حکمران کے اس حکم پر غور وفکر شروع کر دیا بالآخر تمام علماء کی متفقہ رائے کے مطابق اس درجہ کے چھ علماء کرام تھے۔ان میں سے ایک شیخ ابن العربی رحمہ اللہ تھے۔علامہ بقاعی رحمہ اللہ شیخ کے ناقدین میں سے تھے بلکہ سب سے بڑے ناقد تھے انہوں نے شیخ ابن العربی رحمہ اللہ کی وہ کتاب جو شیخ نے معاملات کے اسرار ورموز کے بارے میں تصنیف فرمائی ہے اس کے متعلق فرمایا ہے کہ یہ کتاب امام غزالی رحمہ اللہ کی تصنیف سے زیادہ عظیم اور جلیل القدر ہے بقاعی رحمہ اللہ کا یہ قول شیخ کے ان مذکورہ علوم میں اتقان کی دلیل ہے۔غور کیجئے کہ شیخ ابن العربی رحمہ اللہ کتنے عظیم وبے نظیر مرتبہ پر فائز شخصیت ہیں ان کے متعلق کیسے ایسی قبیح لغویات کا گمان کیا جا سکتا ہے؟ جن کو کم سے کم درجہ کا بھی کوئی دیندار انسان پسند نہیں کرتا۔شیخ پر الزامات محض تغلب اور اللہ تعالیٰ کے غضب کے مقامات میں اپنا ٹھکانا بنانے کی سعی ہے۔اللہ تعالیٰ اس سے ہمیں اپنی پناہ میں رکھے۔

صوفیاء کا مخالف نفع علم سے محروم

ہمیں ہمارے شیخ عارف علامہ ابوالحسن البکری رحمہ اللہ نے شیخ علامہ جمال الدین الصابی رحمہ اللہ جو شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ کے اجل تلامذہ میں سے تھے ان کا واقعہ بتایا کہ علامہ جمال الدین الصابی رحمہ اللہ، شیخ شرف بن الفارض رحمہ اللہ کے مخالفین میں سے تھے انہوں نے ایک مرتبہ خواب دیکھا کہ قیامت برپا ہو چکی ہے اور وہ حساب وکتاب کے بوجھ تلے بڑی مشقت میں گرفتار ہیں پھر انہوں نے کسی کی آواز سنی کہ جو کہہ رہا ہے ابن الفارض رحمہ اللہ کی جماعت کہاں ہے؟ شیخ کہتے ہیں میں نے یہ سن کر آگے بڑھا تا کہ میں بھی اس جماعت کے ساتھ شامل ہو جاؤں مجھے کہا گیا پیچھے ہٹ جاؤ تم ان میں سے نہیں ہو۔ میں نہایت خوف وحسرت اور غم کی حالت میں بیدار ہو گیا۔ میں نے اس کے بعد شیخ ابن الفارض رحمہ اللہ کی مخالفت سے توبہ کی۔ اور میں نے اللہ تعالٰی کے ساتھ اپنے عقیدہ کو خالص کر لیا اور میں نے شیخ کے بارے میں یہ یقین کر لیا کہ وہ اولیاء اللہ میں سے ہیں۔ سو آئندہ سال پھر اسی کی مثل کسی رات کو میں سو گیا تو میں نے بعینہ یہی خواب دیکھا پھر کسی کہنے والے کو یہ کہتے ہوئے سنا، ابن الفارض رحمہ اللہ کی جماعت کہاں ہے؟ وہ جنت میں داخل ہو جائیں تو میں ان کے ساتھ آگے بڑھا تو مجھے کہا گیا اب تم داخل ہو جاؤ کہ تم ان میں سے ہو۔

اس واقعہ میں غور کیجئے کہ کسی معمولی انسان کا واقعہ نہیں بلکہ یہ ایک عالم وفقیہ کا واقعہ ہے۔ میرے خیال میں ان کو اپنے شیخ زکریا الانصاری رحمہ اللہ کی برکت سے توبہ کی توفیق نصیب ہوئی۔ ورنہ صوفیاء کرام کے کتنے منکر ایسے ہیں جو اپنی اس بری روش اور اندھے پن میں قائم رہتے ہیں اور خسارہ وہلاکت ان کے نصیب میں ہوتی ہے۔

ترجیح طریقہ صوفیاء کے بارے سوال

سوال ...... اگر تم یہ کہو کہ کئی اجل آئمہ نے بھی صوفیاء کی مخالفت کی ہے اور مثلاً علامہ بلیقینی، علامہ بقاعی رحمہم اللہ وغیرہ اور ان کے تلامذہ نے صوفیاء کی مخالفت کی ہے اور ان میں سے بعض نے یہ عمل بقاعی رحمہ اللہ ہی سے سیکھا ہے اس کے باوجود تم صوفیاء کرام کے طریقہ کو ان علماء کے طریقہ پر ترجیح کیوں دیتے ہو؟

جواب ...... میں نے صوفیاء کرام کے طریقہ کو چند امور کی وجہ سے ترجیح دی ہے۔

1 ...... محقق اسلام علامہ سعد الدین تفتازانی رحمہ اللہ نے جو اس میدان کے شہسوار اور تاریکیوں کی محبت کا ازالہ کرنے والے اور دین کی بلند روشنی سے شبہات کو دور کرنے والے ہیں انہوں نے اس بارے میں جو ذکر کیا ہے وہ بڑا واضح ہے۔ ہمارے شیخ نے "الروض" کی شرح میں ان کی پوری عبارت نقل کی ہے۔ تم وہاں اسے ملاحظہ کر سکتے ہوں ہم یہاں پر اس کا خلاصہ نقل کرتے ہیں: علامہ تفتازانی ابن المقری رحمہ اللہ کے اس قول کے رد میں فرماتے

ہیں جو انہوں نے کہا تھا کہ جو ابن عربی رحمہ اللہ کے طائفہ کے کفر میں شک کرے وہ کافر ہے۔

حق بات یہ ہے کہ یہ لوگ اخیار آئمہ ہیں اور امام یافعی، ابن عطاء اللہ وغیرہ آئمہ نے ابن العربی رحمہم اللہ کی ولایت کی تصریح کی ہے اور ان کے وہ الفاظ جن کو انہوں نے خاص اصطلاحات کے لئے استعمال کیا ہے وہ اپنی اصطلاحات میں اہل اصطلاحات کے ہاں اس اہل اصطلاح کی حقیقت ہیں اور عارف جب توحید کے سمندروں میں غرق ہو جاتا ہے تو بسا اوقات اس سے ایسی عبارات کا صدور ہو جاتا ہے جن سے حلول واتحاد کا وہم ہوتا ہے حالانکہ حقیقت میں ان کا حلول واتحاد سے دور کا واسطہ بھی نہیں ہوتا۔

2...... ہمارے آئمہ مثلاً امام الرافعی رحمہ اللہ نے "العزیز" میں اور نووی رحمہ اللہ نے "الروضہ" اور "المجموع" وغیرہ میں اس بات کی صراحت کی ہے کہ مفتی سے جب کسی ایسے لفظ کے بارے میں سوال کیا جائے جو کفر اور غیر کفر دونوں کا احتمال رکھتا ہے تو نفی فوری طور پر اس میں یہ نہ کہے کہ اس کا قائل مباح الدم ہے یہ اس کو قتل کر دیا جائے۔ یا اس طرح کی کوئی اور بات نہ کرے بلکہ اس کو یہ کہنا چاہیے کہ اس کے قائل سے اس کی مراد پوچھی جائے اور وہ جو تشریح کرے اس پر عمل کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ تمہیں توفیق عطا فرمائے۔

تم اس عبارت پر غور کرو گے تو تم ابن عربی رحمہ اللہ کے اُن مخالفین کو جو اس مردِ عظیم پر حملے کر رہے ہیں اور اس کے کفر کا یقین کرتے ہیں تو تم ان لوگوں کو، اندھی سواری پر سوار اور اندھی روشنی کی ڈگمگاہٹ کی طرح ڈگمگانے والے پاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں ان کی آنکھوں کو اندھا اور ان کے کانوں کو بہرا کر دیا ہے۔ حتیٰ کہ وہ اس میں جا گرے جس میں وہ گر چکے ہیں اور یہ ان کے مبغوض ہونے اور ان کے علم سے عدم انتفاع کا سبب ہے۔

3...... صوفیاء کرام کا علم، زہد، ترک دنیا اور درستگی معاملات وغیرہ سب چیزیں ان نفوس قدسیہ کا ان مقالات شنیعہ سے پاک ہونے کی دلیل ہیں۔ اسی سے ان کی عدم مخالفت کے پہلو کو ترجیح ملتی ہے۔ صوفیاء کی عبارات اپنی ان اصطلاحات میں جن کے لئے مقرر ہیں ان میں حقیقت ہیں صوفیاء کے کلام کے مدلول کی معرفت کے بغیر ان پر اعتراض جائز نہیں۔ سب سے پہلے ان کے کلام کے مدلول کی معرفت ہونی چاہیے اور اس کے بعد ان کی اصطلاحات کی معرفت اور اس کے بعد اس اصطلاح کو اس کے مدلول پر منطبق کر کے دیکھا جائے کہ کیا یہ اصطلاح اس کے مطابق ہے یا کہ نہیں۔ الحمد للہ! صوفیاء کے تمام منکرین اس سے جاہل ہیں۔ ان میں ایک بھی ایسا نہیں جس کو عدم مکاشفات میں اتقان ورسوخ حاصل ہو، بلکہ ان میں سے کسی نے اس کی خوشبو تک نہیں سونگھی ہوئی ہے۔ اور نہ ہی ان میں سے کسی نے صوفیاء کرام میں سے کسی کو اپنی تکیل کا مالک بنایا ہے (یعنی نہ اپنے معاملات ان کے سپرد کئے اور نہ ان کے دامن سے وابستہ ہے) تا کہ وہ ان

کی اصطلاحات کا احاطہ کر لیتا۔

اعتراض......اگر تم یہ کہو کہ لفظ جس اصطلاح کے لئے مقرر کیا گیا ہے اس میں وہ حقیقت ہے اور مجاز نہیں ۔ میں اس بات کو تسلیم نہیں کرتا۔

جواب......میں کہتا ہوں کہ اس کا انکار عناد ہے ۔اور جو کچھ ذکر کیا ہے اس کو تسلیم نہ کرنے کی تقدیر پر بھی معترض کے لئے بہتر یہ ہے کہ وہ اپنی عبارت میں یہ کہے کہ یہ عبارات کئی وجوہ کا احتمال رکھتی ہیں ۔ پھر ان وجوہات کو بیان کرے اور اس کے بعد کہے اگر اس کی مراد یہ ہے تو اس کا حکم یہ ہے یا یہ مراد ہے تو اس کا حکم یہ ہے اور آغاز میں ہی یہ نہ کہے کہ یہ کفر ہے اور یہ جہالت ہے اور یہ اس تعجب کے دائرہ سے خروج ہے جس کے متعلق اس کا خیال ہے کہ اس نے اس سے مراد یہ لی ہے۔

ابن المقری کا ردّ

تم نہیں دیکھتے کہ ابن المقری رحمہ اللہ کی غرض اگر خیر خواہی ہوتی تو وہ اس میں مبالغہ کرتے ہوئے یہ نہ کہتے جو ابن العربی رحمہ اللہ کے گروہ کے لئے کہا ''جو ان کے کفر میں شک کرے وہ کافر ہے۔'' دیکھئے کہ انہوں نے ان (صوفیاء پر کفر کا حکم لگانے کے بعد ان لوگوں پر بھی کفر کا حکم لگا دیا جو ان صوفیاء کے کفر کا یقین نہیں رکھتے ۔اس تعصب پر غور کریں کہ جو اپنی انتہاء کو پہنچا ہوا ہے جس کی وجہ سے وہ اجماع امت سے جدا ہو چکے ہیں ۔ان لوگوں پر بھی کفر کا حکم لگا دیا جو صوفیاء کے کفر کا یقین رکھنے والے نہیں ہیں۔

سُبْحَانَکَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَالَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَتَحْسِبُوْنَهٗ هَيِّنًا وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ۔

اور ابن المقری رحمہ اللہ کی عبارت سے میں جو سمجھا ہوں اس پر بھی غور کیجئے ۔میں ان کی عبارت سے یہ سمجھا ہوں کہ ابن المقری رحمہ اللہ کے نزدیک تمام مسلمانوں پر ان صوفیاء کرام کے کفر کا عقیدہ رکھنا واجب ہے ورنہ وہ کافر ہو جائیں گے ۔حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں، بلکہ اس پر تو ایک ایسی خرابی لازم آتی ہے جس کی تصریح خود ابن المقری رحمہ اللہ نے اس سے پہلے اپنی ''کتاب الروض'' میں اپنے ہی بیان کردہ اصول کی اتباع کرتے ہوئے کی ہے ۔جو انہوں نے کہا ہے ۔جو کسی مسلمان کو گناہ کی وجہ سے بغیر کسی تاویل کے کافر قرار دے وہ خود کافر ہو جائے گا اور یہاں یہ خود مسلمانوں کو کافر قرار دے رہے ہیں ۔اور انہوں نے جو تاویل کی ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں ۔ابن المقری رحمہ اللہ نے تاویل میں جو کچھ کہا ہے وہ اُس شخص کے حق میں تو قبول کیا جائے گا جو صوفیاء کرام کا منکر واقعۃ ہے کیونکہ اس کے اعتقاد کے مطابق ان صوفیاء کرام کے کلمات سے اس بات کا وہم ہوتا ہے ۔اور وہ لوگ جو صوفیاء کرام کے کلام کو برحق سمجھتے ہیں اور اس کو اپنے لئے نور و روشنی قرار دیتے ہیں اور ان کی ولایت کا اعتقاد رکھتے ہیں پس کوئی

مسلمان ان کی تکفیر پر کیسے جرأت کرسکتا ہے اس کی جرأت سوائے اس شخص کے کوئی نہیں کرسکتا جو اپنے لئے کفر کو پسند کرتا ہے (کیونکہ بلاوجہ مسلمان کی تکفیر سے انسان خود کافر ہو جاتا ہے) ابن المقری رحمہ اللہ کے ان کلمات سے تمام مسلمانوں کے خلاف ان کا تعصب اور ظلم ظاہر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ہم سوال کرتے ہیں کہ وہ اپنے فضل سے ان کلمات کے قائل کی مغفرت فرمائے۔

صوفیاء کے منکرین کی آزمائش

تواتر سے ثابت ہے اور مشہور و معروف ہے کہ جس نے بھی صوفیاء کرام کا انکار کیا اور ان کی مخالفت وعیب جوئی کی اللہ تعالیٰ نے اس کے علم کو علم نافع نہیں بنایا اور اسکو انتہائے خبیث اور نہایت ہی قبیح امراض میں مبتلا فرمایا ہے۔ اور ہم نے بہت سارے منکرین کے بارے میں اس کا تجربہ کیا ہے۔ اور ہمیں اس کا بہت سارے منکرین میں تجربہ ہوا ہے حتیٰ کہ علامہ بقاعی (اللہ تعالیٰ ان کی بخشش فرمائے) اکابر اہل علم میں سے تھے اور بہت زیادہ عبادت کرنے والے اور تمام علوم بالخصوص تفسیر اور حدیث کے علم میں کمال درجہ یادداشت اور اعلیٰ درجہ کی ذھانت کے مالک تھے اور بہت ساری کتابیں تصنیف کیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے علم سے کسی بھی کو کچھ فائدہ نہیں دیا۔ ان کی ایک کتاب مناسبات قرآن کے موضوع پر تقریباً دس جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کے متعلق صرف خواص نے سن رکھا ہے کہ ان کی اس قسم کی کتاب ہے۔ اور عوام تو سرے سے اس کی معرفت نہیں رکھتے، اگر یہ کتاب ہمارے شیخ زکریا رحمہ اللہ یا کسی اور بزرگ کی ہوتی جن کے لوگ عقیدت مند ہیں۔ تو اس کتاب کو آب زر سے لکھا جاتا کیونکہ حقیقت میں اس کی مثل کوئی کتاب نہیں لکھی گئی ہے لیکن:

كلا غدهؤلاء وَهٰؤُلَاءِ مِنْ عَطَاءِ رَبِّکَ وَمَا کَانَ عَطَاءُ رَبِّکَ مَحْظُوْرًا۔

بقاعی رحمہ اللہ نے صوفیاء کرام پر انکار میں بہت مبالغہ سے کام لیا ہے اور اس کے متعلق کئی کتابیں تصنیف کیں ہیں اور ان سب سے انتہائی تعصب اور جادۂ استقامت سے جھکاؤ نمایاں ہوتا ہے۔ اسی لئے ان کو اس کی وہ سزا ملی جس کا ہونے کا ذکر کیا ہے اور اس سے بھی زیادہ قبیح سزا یہ ملی کہ انہیں اپنی کتاب مناسبات کی وجہ سے گرفتار کیا گیا اور ان پر کفر اور مباح الدم ہونے کا حکم لگایا گیا۔ اور اگر بعض اکابر سے اس سلسلہ میں وہ مدد طلب نہ کرتے تو انہیں قتل کر دیا جاتا ان اکابر کی مدد سے وہ اس مصیبت سے نجات پا گئے اور مصر میں ان سے توبہ کروائی گئی اور اپنے ایمان کی تجدید کی ان سے زندگی کے آخری ایام میں پوچھا گیا کہ آپ نے شیخ محی الدین ابن العربی رحمہ اللہ پر جو تنقید کی ہے وہ کس وجہ سے کی ہے؟

تو انہوں نے کہا میں نے ان پر ان کی کتاب "فتوحاتِ مکیہ" کے چند مقامات کی وجہ سے تنقید کی ہے۔ وہ

پندرہ یا اس سے بھی زیادہ کم مقامات ہیں، اس شخص کی طرف دیکھئے کہ اس نے اپنی تصانیف میں شیخ کی فتوحات وغیرہ کتابوں کے بہت سارے مقامات ذکر کر کے ان کی مخالفت کی ہے اور ان مقامات کے بارے میں تصریح کی ہے کہ یہ کفر ہیں۔ اس کا یہ عمل صرف اس کے تعصب کی زیادتی کی دلیل ہے۔ اس شخص کے اکابر تلامذہ نے اس کے قول واعتقاد پر عمل کیا اور ان میں سے بعض میرے اساتذہ ومشائخ ہیں لیکن ان کا علم ظاہر نہیں ہوا۔ کیونکہ ان میں سے بعض کو تصنیف کی توفیق نہیں ملی اور بعض نے فقہ کے فن میں بہت ساری کتابیں تصنیف کیں جو اپنی تراکیب کی عمدگی، حسن روانی اور بلاغت میں علامہ سعد الدین تفتازانی رحمہ اللہ وغیرہ علماء کی تصانیف کے مشابہ ہیں۔ لیکن کسی نے بھی ان کتابوں کو نہ کوئی اہمیت دی اور نہ ہی ان کی طرف کسی نے التفات کیا بلکہ لوگ ان کتابوں سے بہت زیادہ اعراض کرتے ہیں مجھے اس شخص کے ساتھ ایک واقعہ پیش آیا کہ میں اس کے پاس قرأت کی تعلیم حاصل کرنے جایا کرتا تھا اور اسی عرصہ میں اسے دمہ کا عارضہ لاحق ہو گیا۔ اور مجھے اس بات کا بھی علم نہ تھا یہ شخص صوفیاء کرام کے گروہ کا مخالف ہے۔ کسی مجلس میں شیخ عمر بن الفارض قدس سرہ کا تذکرہ چھڑ گیا تو اس سے کہا گیا کہ ان کے بارے میں تم کیا کہتے ہو تو اس نے کہا وہ عجیب قسم کے شعر کہنے والا شاعر ہے پھر اس سے پوچھا گیا کہ اس کے علاوہ وہ کیا ہیں؟ تو اس نے کہا وہ کافر ہیں۔ مجھے اس کی یہ بات ناگوار گزری اور میں نے اس کے پاس جانا چھوڑ دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد مجھے اس کے متعلق معلوم ہوا کہ اس نے توبہ کی ہے تو دوبارہ پڑھنے کے لئے اس کے پاس گیا تو میں نے دیکھا کہ وہ شدید قسم کے دمہ میں مبتلا ہے تو میں نے اس سے کہا اگر تم شیخ ابن الفارض رحمہ اللہ کے بارے میں اپنا عقیدہ درست کر لو تو میں تمہیں ضمانت دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں شفایاب فرمائے گا۔ تو اس نے مجھ سے کہا، ان کی وجہ سے یہ مرض مجھے کئی سالوں سے لاحق ہے۔ میں نے اس کو کہا ان کے بارے میں ہاتھ ہلکا رکھو، تو اس کے بعد اس نے ایسا ہی کیا۔ ایک دن میں اس کی عقیدت کی درستگی کے لئے اس کے ساتھ چل رہا تھا تو اس نے میرے ساتھ مخاطب ہو کر کہا میں اس شخص (ابن العربی رحمہ اللہ) کی ذات پر کفر کا حکم نہیں لگاتا لیکن اس کے کلام میں ایسی چیزیں پائی جاتی ہیں جو کفر ہیں تو میں نے کہا یہ ظلم دون ظلم۔ اس کے بعد میں نے اس سے پڑھنا چھوڑ دیا۔ اور یہ مرض اس کے ساتھ آخر دم تک رہا البتہ پہلے کی نسبت اس میں کچھ کمی آ گئی تھی۔

علامہ بقاعی رحمہ اللہ کے بعض شاگرد ایسا ہی کیا کرتے تھے کہ اس شخص (ابن العربی رحمہ اللہ) کی ذات پر ہم کفر کا حکم نہیں لگاتے لیکن اس کے کلام میں کفریہ کلمات ضرور ہیں۔ بقاعی رحمہ اللہ کے بعض شاگردوں سے میری مراد شیخ علامہ نور الدین محلی رحمہ اللہ ہیں۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

اگر تم یہ کہو کہ صوفیاء کرام کے بعض منکرین ومخالفین کے علم سے اللہ تعالیٰ نے نفع پہنچایا ہے (پھر تمہارا یہ کہنا کہاں تک درست ہے کہ ان کے منکرین کا علم، علم نافع نہیں ہوتا)۔

میں کہتا ہوں کہ منکرین کی دو قسمیں ہیں ایک قسم وہ ہے جن کے انکار کا مقصد مسلمانوں کی خیر خواہی نہیں بلکہ محض تعصب ہے اور اس کو ان لوگوں نے مد نظر رکھا ہے اور ان پر کسی قدر حسد اور اپنے ہم عصر لوگوں کے ساتھ مخالفت ظاہر کرنے کا شوق بھی غالب تھا۔ اور ایسا کرنے میں ان کے پیش نظر دو چیزیں تھیں ایک تو وہ اپنے معاصرین سے ممتاز ہونا چاہتے تھے اور دوسری چیز وہ اپنے بارے میں یہ مشہور کروانا چاہتے ہیں کہ یہ لوگ برائی کی مخالفت کرتے ہیں اور کسی سے نہیں ڈرتے۔ اور اسی طرح دیگر ایسے مفاسد ان کا مقصود تھے جن میں کسی طرح کا اخلاص شامل نہیں تھا۔ اس قسم میں شیخ البقاعی اور علاء الدین البخاری اور ان کی مثل لوگ شامل ہیں۔

امام غزالی رحمہ اللہ کے ایک متنازع قول کا مطلب

شیخ بقاعی کا تعصب اس انتہاء درجہ کا ہے کہ اس نے شیخ کو حجۃ الاسلام امام غزالی رحمہ اللہ کی مخالفت تک پہنچایا ہے امام غزالی رحمہ اللہ نے فرمایا تھا کہ لَیْسَ فِی الْاِمْکَانِ اَبْدَعُ مِمَّا کَانَ (یعنی اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو ماضی میں وجود بخشا ہے۔ اس سے زیادہ حسین اور زیادہ عجیب کی تخلیق ممکن نہیں۔)

شیخ البقاعی رحمہ اللہ نے امام غزالی رحمہ اللہ کے اس قول پر شدید تنقید کی اور ان کو اتنا برا بھلا کہا ہے کہ جس پر سینے غصے سے بھڑک اٹھتے ہیں۔ حتیٰ کہ شیخ البقاعی رحمہ اللہ کسی صاحب علم شخص کی ملاقات کے لئے گئے تو ان کے ساتھ ایک خالی مکان میں ملاقات ہوئی جس میں سوائے اس عالم دین کے کوئی اور شخص موجود نہ تھا اس عالم دین نے اپنا عصا اٹھایا اور اس کے ساتھ البقاعی کو خوب مارا پیٹا حتیٰ کہ وہ ہلاکت کے قریب پہنچ گیا۔ وہ عالم دین بقاعی کو پیٹتے بھی جاتے اور ساتھ کہتے کیا تم امام غزالی رحمہ اللہ کی مخالفت کرنیوالے ہو؟ کیا تم نے ان کے حق میں یہ یہ بکا ہے؟ یہاں تک اِدھر اُدھر سے لوگ جمع ہو گئے اور انہوں نے شیخ بقاعی رحمہ اللہ کو اس عالم کے ہاتھوں سے نجات دلا دی۔ اور اس کے بعد ان شیخ بقاعی رحمہ اللہ کے معاصرین اٹھے اور انہوں نے ان کی مخالفت کی اور امام غزالی رحمہ اللہ کے دفاع اور بقاعی رحمہ اللہ کے رد میں کئی کتب تصنیف کیں۔

امام غزالی رحمہ اللہ کے مذکورہ جواب کا خلاصہ یہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارادہ جب اس عالم کے ایجاد سے متعلق ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس عالم کو ایجاد فرمایا اور ساتھ ہی اس نے یہ فیصلہ بھی فرما دیا کہ اس کا ایک حصہ ایک حد تک باقی رہے گا اور اس کے دوسرے حصہ کی بقاء کی کوئی حد نہ ہوگی

اور وہ حصہ جنت و دوزخ ہیں ۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ ۔ اس پورے عالم کے اعدام کے ساتھ قدرت الٰہیہ کے تعلق سے مانع ہے کیونکہ قدرت کا تعلق صرف ممکن کے ساتھ ہوتا ہے اور جمیع عالم کا اعدام محال ہے اور یہ لذاتہ محال نہیں بلکہ محال لغیرہ ہے ۔ اس کا تعلق اس چیز کے ساتھ ہے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کے اس فیصلہ کے ساتھ اس کا تعلق ہے) جب جمیع عالم کا اعدام (اس کے امر کی وجہ سے جس کا بیان ہو چکا ہے) محال ہے تو اس کی ایجاد اول نہایت ہی حکمت اور پختگی پر مشتمل ہوگی اور جو بھی ایجاد ممکن ہے اس سے زیادہ حسین و بدیع ہوگی کیونکہ سابقہ ثابت شدہ حقیقت کے مطابق اس کا غیر وجود میں نہیں آئے گا۔

اور صوفیاء کرام کے منکرین کی دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جن کے انکار سے مقصد محض مسلمانوں کی خیر خواہی ہے اور ان جاہل متصوفین کو روکنا ہے جو علامت رسمیہ اور احوال کشفیہ سے خالی ہونے اور جہالت سے متصف ہونے کے باوجود شیخ ابن العربی رحمہ اللہ اور ان کے اتباع کی کتب کے مطالعہ میں مشغول رہتے ہیں اور ان کتب کو وہ رہنما بنا لیتے ہیں حتیٰ کہ وہ ان سے ان کی مراد سمجھنے کی بجائے اس کے برعکس سمجھتے ہیں ۔ اسلام کی نسبت کفر ان لوگوں کے زیادہ قریب ہے۔

جاہل متصوفین کے قبیح اعمال واقوال

ہم نے ان لوگوں میں سے ایک جماعت کا مشاہدہ کیا ہے کہ وہ رمضان المبارک کے مہینے میں دن کے وقت کھاتے، پیتے ہیں اور بے ریش نوجوانوں کے ساتھ حمام میں جاتے ہیں اس سے بھی زیادہ قبیح کام کرتے ہیں ۔ اور کہتے ہیں ہم تو صرف اللہ ہی کی شہادت دیتے ہیں اور ان تحلیلات و تحریمات کے مخاطب تو ان منکرین فقہاء کی مثل وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ سے "محجوب" ہیں اور ان میں سے ایک گروہ لوگوں کے اموال کھانے کو مباح سمجھتا ہے اور کہتا ہے ساری اشیاء اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں اور ہم اس کے بندے اور ایک گروہ شیخ ابن العربی رحمہ اللہ کی کتب کے مطالعہ میں اس قدر مشغول ہوتا ہے کہ وہ جماعت اور فرائض کو اپنے اوقات میں ادا کرنے سے غافل رہتا ہے پس ان لوگوں کی حماقت اور جہالت میں شک نہیں کیا جا سکتا ۔ ایسے لوگوں کو شیخ ابن العربی رحمہ اللہ کی کتب کے مطالعہ سے روکنا واجب ہے ۔ اور یہ اس لئے نہیں کہ ان کتب میں کوئی نقص وعیب پایا جاتا ہے بلکہ اس لئے ہے کہ ان لوگوں میں نقص عیب پایا جاتا ہے ۔ جو چیزیں ہم نے ان کے بارے میں ذکر کی ہیں ان میں سے بہت ساری چیزیں ان میں سے بعض لوگوں نے خود مجھے اپنی زبانی بتائی ہیں ۔

اور ان میں سے بعض لوگ کہتے ہیں کہ عالم قدیم ہے اور کفار کو دوزخ میں عذاب نہیں دیا جائے گا ۔ میں نے ان سے پوچھا کہ یہ تمہیں کہاں سے پتہ چلا ہے تو انہوں نے مجھے جواب دیا کہ اسکو ابن العربی رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے

غور کیجئے کہ یہ شیخ کی عبارت کو ظاہر پر محمول کر کے اسے کیا سمجھا؟ اور اس کو اس نے اپنا عقیدہ بنالیا ہے اور اس جاہل فریب خوردہ کو یہ معلوم نہیں کہ اس سے مراد کوئی اور چیز ہے جیسا کہ شیخ نے خود اپنی بعض کتب میں اس کی تصریح کی ہے۔ حضرت شیخ ابن العربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ہماری کتب کا مطالعہ ہماری اصطلاحات سے واقف انسان کے بغیر دوسروں پر حرام ہے۔ دیکھیں کہ یہ شیخ کی طرف سے اس بات پر صریح نص ہے کہ ان جاہل فریب خوردہ دین کے ساتھ استہزاء کرنے والوں پر شیخ کی کتب کا مطالعہ حرام لہٰذا منکرین کا انکار سے مقصد اگر اس طرح کے لوگوں کو روکنا ہے تو پھر ان پر کوئی جرح نہیں اور وہ شیخ اور ان کے اتباع کی طرف سے امن میں ہیں کیونکہ یہ لوگ شیخ کی غرض اور مقصد ہی کے لئے جدوجہد کرنے والے ہیں کہ ان جاہل لوگوں کو شیخ کی کتب کے مطالعہ سے روک رہے ہیں۔

مجھے بعض منکرین کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ ان سے کہا گیا کہ کیا تم اس بات کو پسند کرو گے کہ قیامت کے دن شیخ محی الدین ابن العربی رحمہ اللہ جو کہ اولیاء اللہ میں سے ہیں وہ تمہارے خلاف مدعی بن جائیں تو اُس نے کہا ہاں کیونکہ شیخ اگر حق پر ہو تو انہیں منکشف ہوگا کہ ان کے خلاف میرا انکار اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہے جس پر وہ خوشی کا اظہار فرمائیں گے اور اگر وہ باطل پر ہیں تو پھر غلبہ مجھے نصیب ہوگا ہر صورت میں شیخ کی طرف سے مامون ومحفوظ رہوں گا۔

غور کریں کہ اس شخص نے درجۂ کمال سے پست ہونے کے باوجود اس بارے میں کیسا انصاف کیا ہے؟ بہر حال ابن العربی رحمہ اللہ وغیرہ صوفیاء کرام کو تسلیم کرنے میں ہی زیادہ سلامتی ہے لیکن اس قسم سے تعلق رکھنے والے منکرین کا حال قسم اول سے تعلق رکھنے والے منکرین کے حال سے زیادہ اچھا ہے اور منکرین میں سے جن کا علم پھیلا اور لوگوں نے ان کے علم سے استفادہ کیا ہمارے علم کے مطابق وہ پہلی قسم سے تعلق نہیں رکھتے بلکہ دوسری قسم سے تعلق رکھتے ہیں۔

شیخ ابن العربی رحمہ اللہ کے مخالفین پر تعجب ہے کہ وہ امام غزالی رحمہ اللہ کو کیسے تسلیم کرتے ہیں؟ حالانکہ امام غزالی رحمہ اللہ نے منصور حلاج رحمہ اللہ کی حمایت میں جس تعصب کا اظہار فرمایا ہے وہ اسے خوب جانتے ہیں باوجود کہ منصور حلاج رحمہ اللہ کی باتیں اتنی صریح ہیں ان میں سے اکثر تاویل قریب کا احتمال تک نہیں رکھتی ہیں اور شیخ ابن العربی رحمہ اللہ کے کلام کی تاویل نہیں کرتے۔ ان کا یہ طرز بتا رہا ہے کہ ان پر شیخ کے متعلق زیادہ تعصب سوار ہے۔

اللہ تعالیٰ سے ہم سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اس سے محفوظ رکھے اور رسول اللہ ﷺ کے طفیل ان اکابر آئمہ واخیار کے قدموں کی روندی ہوئی خاک سے ہمارا حشر فرمائیں۔ آمین

کن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان مواخات قائم ہوئی؟

سوال ......ان حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد کتنی ہے جن کے درمیان رسول اللہ ﷺ نے مواخات قائم فرمائی ہے۔

جواب......رسول اللہ ﷺ نے حضرت سلیمان وابی الدرداء رضی اللہ عنہما کے درمیان اور حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ اور سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کے درمیان مواخات قائم فرمائی جیسا کہ بخاری نے ذکر کیا ہے۔ اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہما کے درمیان مواخات قائم کی اور (اس کو مسلم نے ذکر کیا ہے) اور "السیرۃ" میں ابن اسحاق رحمہ اللہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے مہاجر اور انصار صحابہ کے درمیان مواخاۃ قائم فرمائی۔ اور ہمیں جو پہنچا ہے اس میں آپ نے فرمایا (نعوذ باللہ ہم آپ کے ذمہ وہ بات لگائیں جو آپ نے نہیں فرمائی) تم اللہ تعالیٰ کی محبت میں دو بھائی بھائی بن جاؤ اور پھر دو بھائی بن جاؤ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا یہ میرے بھائی ہیں۔ اور حضرت حمزہ اور حضرت زید بن حارثہ بھائی بن گئے اور جعفر بن ابوطالب اور معاذ بن جبل بھائی تھے اور ابن ہشام رحمہ اللہ نے کہا کہ حضرت جعفر اُن دنوں مدینہ منورہ میں موجود نہ تھے بلکہ حبشہ تشریف لے گئے ہوئے تھے اور ابن اسحاق نے کہا کہ حضرت ابوبکر صدیق اور خارجہ بن زید بن زہیر بھائی تھے اور حضرت عمر وعتبہ بن مالک اور ابوعبیدہ وسعد بن معاذ اور عبدالرحمٰن وسعد بن الربیع اور زبیر وسلامہ بھائی تھے جو کہ قبیلہ عبدالاشھل سے تعلق رکھتے تھے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ بلکہ زبیر وعبداللہ بن مسعود بھائی تھے۔ اور حضرت عثمان اور اوس بن ثابت اور طلحہ وکعب بن مالک اور سعید بن زید بن عمرو بن نفیل وابی بن کعب اور مصعب بن عمیر وابوایوب اور خالد بن زید اور ابوحذیفہ اور عباد بن بشر اور عمار بن یاسر وحذیفہ بن الیمان بھائی تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ بلکہ عمار بن یاسر اور ثابت بن قیس بن شماس بھائی تھے۔ اور ابوذر، المنذر بن عمرو اور حاطب بن ابی بلتعہ دعویمر بن ساعدہ اور سلمان فارسی دعویمر بن ثعلبہ اور بلال (جو کہ حضرت ابوبکر کے آزاد کردہ غلام تھے) وابورویحہ بھائی تھے پس رسول اللہ ﷺ نے جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان مواخات قائم فرمائی تھی ان میں سے مذکورہ حضرات کا نام ہمیں معلوم ہے۔

بعد دُرود پھونک کر ہاتھ مس کرنا

سوال......رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجنے کے بعد اپنے دونوں ہاتھوں پر پھونک کر اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرنا بدعت ہے یا نہیں؟

جواب......سونے کے وقت پڑھنے کی جو دعائیں وارد ہیں ان کے پڑھنے کے بعد رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرتے ہوئے پھونکنا سنت ہے جیسا کہ امام نووی رحمہ اللہ نے "الاذکار" وغیرہ میں بیان فرماتے ہیں کہ دعا سے پہلے اور دعا کے بعد رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھنا بالا جماع سنت ہے اور سونے کے وقت خصوصیت کے ساتھ درود پڑھنے کا حکم وارد ہے۔جب یہ ثابت ہے تو اسی سے معلوم ہوا کہ درود شریف پڑھنے کے بعد بعض اوقات مذکورہ طریقہ سے پھونکنا سنت ہے۔لیکن ایسا کرنا درحقیقت سونے کے وقت جو ذکر مطلوب ہے اس کی وجہ سے ہے۔درود شریف کی وجہ سے نہیں۔اس کی دلیل یہ ہے کہ ذکر اگر منفرد ہو تو تب بھی پھونکنا سنت ہے اور اگر درود شریف منفرد ہو تو پھونکنا سنت نہیں۔

پس اسی سے ثابت ہوا کہ پھونکنا درحقیقت درود شریف کی وجہ سے نہیں۔اور جو شخص صرف درود شریف پڑھنے کے بعد یا ان مقامات میں جہاں پھونکنا سنت نہیں پھونکتا ہے تو وہ غیر مستحب امر کا ارتکاب کرتا ہے اسے اجتناب کرنا چاہیے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں "کرم اللہ وجہہ" کے استعمال کی حکمت

سوال......حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے حق میں "رضی اللہ تعالیٰ عنہ" کی جگہ "کرم اللہ وجہہ" استعمال کرنے کی کیا حکمت ہے؟اور کیا یہ ان کے علاوہ دیگر صحابہ میں کسی صحابی کے حق میں استعمال کیا جا سکتا ہے؟

جواب......اس کی حکمت یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی جبینِ مبارک کبھی بھی کسی بُت کے سامنے نہیں جھکی اور آپ نے کبھی بھی کسی بُت کے سامنے سجدہ نہیں کیا اس لئے آپ کے حال کے مطابق آپ کی جبینِ اقدس کی تعظیم وتکریم کی دعا مانگنا مناسب تھی۔

وجہہ (جبین) سے مراد یا حقیقت ہے یا ذات اقدس سے کنایہ ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی عبادت میں غیر کی طرف متوجہ ہونے سے محفوظ رکھا اس صفت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی ان کے ساتھ شریک ہیں کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کبھی بھی کسی بت کے سامنے سجدہ نہیں کیا۔جیسا کہ ان کے بارے میں منقول ہے۔اس لئے ان کے لئے بھی اس کی دعا مانگنا مناسب ہے۔البتہ اس کا زیادہ استعمال حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں ہے کیونکہ ان کے سجدہ نہ کرنے پر اجماع ہے۔کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب مشرف باسلام ہوئے تو اس وقت آپ صبی ممیز تھے اور آپ کا اس وقت اسلام قبول کرنا درست تھا کیونکہ آپ کے اسلام لانے کے وقت احکام کا تعلق بلوغ کی بجائے تمیز کے ساتھ تھا اور بعد میں یہ امر منسوخ ہو گیا اور احکام کا مدار بلوغ کو قرار دیا گیا جیسا کہ امام بیہقی رحمہ اللہ وغیرہ نے بیان فرمایا ہے۔

اعتراض......اگر تم یہ کہو کہ بہت سارے صحابہ کرام کے بارے میں یہ ثابت ہے کہ انہوں نے کبھی کسی بت کو سجدہ

نہیں کیا مثلاً عبادلہ ثلاثہ، حضرت عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم نے کبھی کسی بت کو سجدہ نہیں کیا اس کے باوجود لوگ ان کے حق میں یہ الفاظ استعمال نہیں کرتے بلکہ دوسرے صحابہ کی طرح ان کے حق میں بھی "رضی اللہ تعالیٰ عنہ" کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔

جواب......تو میں کہوں گا کہ یہ حضرات اور ان کی مثل دوسرے صحابہ شرک کے اضمحلال اور گمراہی وفتنہ کی آگ کے بجھنے کے بعد پیدا ہوئے ہیں اس لئے یہ صحابہ کرام ان دونوں خلفاء راشدین اور اماموں کے مشابہ نہیں ہو سکتے کہ ان دونوں امامانِ برحق نے شرک کے فتنوں میں سے سب سے بڑے فتنے یعنی بت کو سجدہ کرنے سے اپنے آپ کو اس وقت محفوظ رکھا ہے جب کہ اہل شرک لوگوں کو اس کی طرف بلاتے تھے اور جو اس سے اپنے آپ کو بچاتا تھا اس کو خوب اذیت پہنچاتے تھے ان حالات میں عزیز واقارب کی مخالفت کے باوجود اپنے آپ کو اس سے محفوظ رکھنا جتنا مشکل تھا اسلام کے غلبہ اور کفر وضلال کے مٹ جانے کے بعد اتنا مشکل نہ تھا۔ اسی لئے ان دونوں بزرگوں کے مناسب حال یہ بات تھی کہ ان کو اس خصوصیتِ عظمیٰ کے ساتھ باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ممتاز کیا جائے۔

اِنَّ مِنْ اِجْلاَلِ اللّٰہِ اِکْرَامَ ذِی الشَّیْبَۃِ الْمُسْلِمِ الخ کا مطلب

سوال......رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کے متعلق سوال کا کیا گیا:

اِنَّ مِنْ اِجْلاَلِ اللّٰہِ اِکْرَامَ ذِی الشَّیْبَۃِ الْمُسْلِمِ وَحَامِلِ الْقُرْآنِ غَیْرِ الْغَالِیْ فِیْہِ وَلاَالْجَافِیْ عَنْہُ وَاِکْرَامُ السُّلْطَانِ الْمُقْسِطِ۔

(مصنف ابن ابی شیبۃ، کتاب فضائل القرآن، باب من قال من اجلال اللہ الخ، رقم الحدیث: 30258، ج:6 ص:150، مطبوعہ: ایضا)

بے شک عمر رسیدہ مسلمان اور اُس حامل قرآن کی تکریم جو قرآن میں حد سے تجاوز کرنے والا بھی نہیں اور نہ ہی اس سے اعراض کرنے والا ہے اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہے اور عادل حکمران کی تکریم بھی اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہے۔

اس حدیث پاک میں تجاوز کرنے والے سے کیا وہ شخص مراد ہے جو قرآن کریم کو بغیر کسی تدبر وفکر کے پڑھتا ہے اور اسے اعراض کرنیوالے سے مراد وہ شخص ہے جو قرآن کی تلاوت چھوڑ کر اس کی تفسیر وتاویل میں مشغول رہتا ہے؟ یا اس کی وہ تشریح ہے جو مصابیح کے بعض حاشیوں میں ہے۔ کہ غالی وہ شخص ہے جو قرأتِ قرآن میں حد سے تجاوز کرتا ہے کیونکہ امر میں میانہ روی کا حکم ہے۔ اور امور میں بہترین امر درمیانی امر ہے اور اعتدال کی دونوں اطراف مذموم ہیں۔ انتہی

اگر آپ کے خیال میں اس کا یہ معنی ہے تو پھر اس حدیث اور حضور ﷺ کے اس فرمان کے درمیان تناقض ہے یا کہ نہیں؟

لَاحَسَدَ اِلَّا فِی اثْنَیْنِ رَجُلٌ اٰتَاہُ اللّٰہُ الْقُرْاٰنَ فَھُوَ یَقُوْمُ بِہٖ اٰنَاءَ اللَّیْلِ وَاَطْرَافَ النَّھَارِ.

(الامور المیسر ۃ لقیام اللیل فضل قیام اللیل، ج:1 ص:21 مطبوعہ: دار الضیاء، السعودیۃ)

قابل رشد دو ہی انسان ہیں۔ایک وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم عطا فرمایا اور وہ دن رات ساعات میں اس کے ساتھ مشغول رہتا ہے۔

یتیم کے بارے حدیث کا مطلب؟

سوال......اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟

مَنْ مَسَحَ رَاْسَ یَتِیْمٍ کَانَ لَہٗ بِکُلِّ شَعْرَۃٍ تَمُرُّ عَلَیْھَا یَدُہٗ حَسَنَاتٌ.

جو کسی یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرے تو اس کا ہاتھ جن بالوں سے گزرے گا ان میں سے ہر ایک بال کے بدلے اسے نیکیاں ملیں گی۔

مسح سے مراد اس کا حقیقی معنی ہے یا کہ یتیم کے ساتھ شفقت و مہربانی سے پیش آنے سے کنایہ ہے اگر کنایہ ہے تو پھر کَانَ لَہٗ بِکُلِّ شَعْرَۃٍ تَمُرُّ عَلَیْھَا یَدُہٗ حَسَنَاتٌ (اس کو ہر اس بال کے بدلے میں نیکیاں ملیں گی جس پر اس کا ہاتھ گزرا ہے) سے کیا مراد ہے؟

جواب...... حدیث پاک میں (الغالی فیہ) سے مراد وہ شخص ہے جو قرآن کریم میں موجود حدود و احکام اعتقادیہ وعملیہ اور ظاہری و باطنی آداب و اخلاق وغیرہ وہ تمام کمالات جن کی قرآن کریم نے ترغیب دی ہے، ان سے تجاوز کرنے والا ہے پس جو قرآن کریم حفظ کرلے اور ان مذکورہ اشیاء میں سے کسی سے تجاوز کرے تو وہ اپنے ارتکاب تجاوز کے حساب سے تکریم و تعظیم کا مستحق نہیں اس کا مطلب یہ ہے اس کا مواخذہ اور اس کی مذمت اس کے ارتکاب تجاوز کی حیثیت سے ہوگا۔اگرچہ دوسری جہات سے وہ تعظیم و تکریم کا مستحق ہوگا کیونکہ وہ مسلمان ہے یا حافظ قرآن ہے یا اس کی مثل دوسری صفات اس میں پائی جاتی ہیں مطلقاً اس کی تعظیم کی نفی مراد نہیں بلکہ اس اعتبار سے ہے جس کا تذکرہ میں نے کیا۔اس میں فکر کریں۔

اور سائل نے اپنی طرف سے اس کا جو مطلب بیان کیا ہے وہ حدیث کے الفاظ اور معنی دونوں کے اعتبار سے بعید ہے "المصابیح" کے بعض حواشی سے جو مطلب نقل کیا ہے وہ ایسا کلام ہے جس کے ظاہر سے اعراض واجب ہے۔ کیونکہ سنت اس کو تسلیم نہیں کرتی کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ: اَعْبَدُ النَّاسِ اَکْثَرُھُمْ تِلَاوَۃً (رواہ الدیلمی) لوگوں

میں سب سے زیادہ عبادت کرنے والا، ان میں سب سے زیادہ کثرت کے ساتھ تلاوت کرنے والا ہے۔

اور فرمایا:

اَفْضَلُ الْعِبَادَةِ تِلَاوَةُ الْقُرْآنِ. افضل عبادت قرآن کریم کی تلاوت ہے۔

(حلیۃ الاولیاء، سفیان ثوری، ج:7 ص:58 مطبوعہ: ایضا)

اور فرمایا:

اَفْضَلُ عِبَادَةِ اُمَّتِیْ تِلَاوَةُ الْقُرْآنِ. میری امت کی افضل عبادت قرآن کریم کی تلاوت ہے۔

اور امام طبرانی رحمہ اللہ نے "معجم الاوسط" میں روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ:

اَلْقُرْآنُ اَلْفُ اَلْفِ حَرْفٍ وَّخَمْسَةٌ وَّعِشْرُوْنَ اَلْفِ حَرْفٍ فَمَنْ قَرَاَ صَابِرًا مُحْتَسِبًا كَانَ لَهٗ بِكُلِّ حَرْفٍ زَوْجَةٌ مِّنَ الْحُوْرِ الْعِيْنِ.

(المعجم الاوسط، باب المیم من اسمہ: محمد، رقم الحدیث:6616، ج:6 ص:361، مطبوعہ: دار الحرمین، القاہرہ)

قرآن کریم ایک لاکھ پچیس ہزار حروف پر مشتمل ہے پس جو شخص صبر اور ثواب کی نیت سے اس کی تلاوت کرے گا تو اسے ہر حرف کی بدلے حور عین (جنت کی حوروں میں) سے ایک حور ملے گی)

النحاس، الاجری، اور الخطیب رحمہم اللہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِقْرَءُوا الْقُرْآنَ فَاِنَّكُمْ تُؤْجَرُوْنَ عَلَيْهِ اِمَّا اِنِّیْ لَا اَقُوْلُ آلٓمّٓ حَرْفٌ بَلْ اَلِفٌ عَشَرٌ وَلَامٌ عَشَرٌ وَمِيْمٌ عَشَرٌ فَتِلْكَ ثَلَاثُوْنَ. (رواہ الترمذی والحاکم وغیرھما)

(المعجم الکبیر للطبرانی، باب العین رقم الحدیث:8648، ج:9 ص:130، مطبوعہ: ایضا)

قرآن کریم کی تلاوت کرو کہ تمہیں اس پر اجر دیا جائے گا۔ میں نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے بلکہ الف کے بدلے دس اور لام کے بدلے دس اور میم کے بدلے دس نیکیاں ہیں، پس یہ تیس نیکیاں ہیں۔

امام ابوداؤد و ترمذی رحمہما اللہ نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

اَحَبُّ الْعَمَلِ اِلَى اللّٰهِ الْحَالُ الْمُرْتَحِلُ الَّذِیْ يَضْرِبُ مِنْ اَوَّلِ الْقُرْآنِ اِلٰى آخِرِهٖ وَمِنْ آخِرِهٖ اِلٰى اَوَّلِهٖ كُلَّمَا حَلَّ ارْتَحَلَ.

(سنن الترمذی، ابواب القراءت، باب 13، رقم الحدیث:2948، ج:5 ص:48، مطبوعہ: ایضا)

اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے پسندیدہ عمل کرنے والے وہ ہیں جو اترنے والا کوچ کرنے والا ہے یہ وہ شخص ہے جو قرآن کریم کے اول کا آخر تک سفر کرتا ہے اور پھر آخر سے اول کی طرف

آتا ہے۔جب بھی اترتا ہے تو کوچ کرتا ہے۔

یعنی جب قرآن کریم کی تلاوت مکمل کرتا ہے تو پھر دوبارہ اول سے شروع کر دیتا ہے۔اور امام احمد اور طبرانی رحمہما اللہ کے ہاں ایک حدیث ہے کہ:

اِقْرَاءُ و الْقُرْآنَ فِيْ ثَلَاثٍ اِنِ اسْتَطَعْتَ.

(سلسلۃ فی آداب، آداب تلاوۃ القرآن، باب من آداب التلاوۃ الخ، ج:13 ص:25 مطبوعہ: ایضاً)

اگر تمہیں استطاعت ہے تو تین دنوں میں قرآن کریم کی تلاوت مکمل کرو۔

ایک دن میں قرآن پاک ختم کرنا کیسا ہے؟

اور المصابیح کے حاشیہ میں جو تشریح کی گئی ہے اس کو سلف رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کی سیرت کے معروف احوال بھی رد کرتے ہیں کیونکہ اکثر سلف ہر رات میں قرآن کریم کی تلاوت مکمل کیا کرتے تھے اور بہت سارے سلف دن ورات میں قرآن کریم کا ایک ختم مکمل کرتے تھے۔اور سلف کی ایک جماعت ہر دن ورات میں قرآن کریم کی تلاوت دو مرتبہ مکمل کرتے اور کچھ حضرات دن ورات میں تین مرتبہ ختم قرآن کیا کرتے تھے۔

دن اور رات میں آٹھ مرتبہ ختم قرآن

اور بعض حضرات دن ورات میں آٹھ ختم پڑھتے تھے چار دن میں اور چار رات میں مکمل کرتے تھے۔حضرت امام نووی رحمہ اللہ اس تذکرہ کے بعد فرماتے ہیں۔سید جلیل ابن الکاتب صوفی رضی اللہ عنہ ان بزرگوں میں سے تھے جو قرآن کریم کے چار ختم رات کو اور چار ختم دن میں پڑھا کرتے تھے۔دن ورات میں زیادہ سے زیادہ ختمات سے متعلق جو چیز ہمیں پہنچی ہے یہ ان میں سب سے زیادہ تعداد ہے اور سید جلیل احمد الدوی رحمہ اللہ اپنی سند کے ساتھ حضرت منصور بن زادان بن عباد تابعی رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ وہ ظہر وعصر کے درمیان قرآن پاک کا ایک ختم پڑھتے تھے اور مغرب وعشاء کے درمیان ایک قرآن کا ختم پڑھتے تھے۔

ابن ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت مجاہد رحمہ اللہ ماہ رمضان میں مغرب اور عشاء کے درمیان قرآن کریم کا ایک ختم مکمل کیا کرتے تھے۔

ایک رکعت میں مکمل قرآن

ایک رکعت میں پورا قرآن کریم پڑھنے والوں کی اتنی کثرت ہے کہ ان کا شمار ممکن نہیں ان میں حضرت عثمان بن عفان، تمیم الداری، سعید بن جبیر رضی اللہ عنہم سرفہرست ہیں۔الجافی عنہ سے مراد وہ شخص ہے جو قرآن مجید میں موجود آیات باہرہ اور دلائل محکاثرہ کے سامنے خضوع اختیار نہیں کرتا اور نظم قرآن جن عجیب معانی اور پختہ عبارات ومبانی

پر مشتمل ہے۔ان میں غور و فکر نہیں کرتا۔ بلکہ اپنے دل کی قساوت اور عقل کی جفاوت کے ساتھ زبان سے رٹ لگائے ہوئے گزر جاتا ہے۔یہ شخص چکی کے گدھے اور کھیتی جوتنے والے اور پانی کھینچنے والے بیل کی طرح ہے، حالانکہ ہم قرآن کریم کے صرف الفاظ کو حفظ کرنے کے مکلف نہیں ۔قرآن کریم کے نزول کا مقصودِ اعظم اور اس کے الفاظ کے حفظ کو عبادت قرار دیئے جانے کا مقصودِ اعظم دلوں کی ہدایت ورہنمائی اور ان کا عاجزی وخضوع کے ساتھ علام الغیوب کی طرف رجوع کرنا اور ہر برے اخلاق اور ہر برے عمل سے پاک ہونا ہے پس جو شخص حفظ قرآن کے ساتھ ان مذکورہ اشیاء میں کامیابی حاصل کرتا ہے تو وہ بہت بڑے خزانے کو حاصل کرنے میں کامیاب رہا ہے۔اور جس نے حفظ نہیں کیا صرف مذکورہ امور حاصل کیے ہیں تو اس نے وہ کمال حاصل کرلیا ہے جس کے سبب وہ تعظیم وتکریم کا مستحق بن گیا ہے۔اور جس نے الفاظ کے حفظ پر قناعت کی اور معانی بایں طور حاصل نہ کرسکا کہ اس نے حد سے تجاوز کیا یا اس سے اعراض کیا تو وہ کمال سے دور رہا اور کامل لوگوں کے مقامات تک پہنچنے کا مستحق نہ رہا۔

اس حدیث سے یہی مراد ہے۔اور اللہ تعالیٰ ہی اپنے نبی ﷺ کی مراد کو خوب جاننے والا ہے۔اس حدیث کی جو تشریح میں نے کی ہے اس کی تائید وہ حدیث بھی کرتی ہے جسے امام احمد، ابویعلی، طبرانی اور بیہقی رحمہم اللہ نے روایت کیا ہے کہ:

اِقْرَءُوا الْقُرْآنَ وَاعْمَلُوْا بِهٖ وَلَا تَجْفُوْ عَنْهُ وَلَا تَغْلُوْا فِيْهِ وَلَا يَأْكُلُوْا بِهٖ وَلَا تَسْتَكْثِرُوْا بِهٖ .

(مسند الامام احمد بن حنبل، مسند المکیین، زیادۃ فی حدیث عبدالرحمٰن الخ رقم الحدیث: 15529، ج:24 ص:288، المطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

قرآن کی تلاوت کرو اور اس پر عمل کرو اور اس سے اعراض نہ کرو اور اس میں حد سے تجاوز نہ کرو اور اس کے بدلے لوگوں کے اموال نہ کھاؤ اور اس کے ساتھ مال ودولت کی کثرت طلب نہ کرو۔

اور مختار امر یہ ہے کہ تلاوت کی مقدار اشخاص کے اختلاف سے مختلف ہونی چاہیے جس شخص کو قرآن کریم کے دقیق معانی اور لطیف معارف معمولی مقدار پڑھنے سے واضح ہوتے ہیں تو اس کو اتنی ہی مقدار پر اکتفاء کرنا چاہیے۔ اسی طرح وہ شخص جو تلاوتِ قرآن کریم کی کثرت سے زیادہ اہم کام میں مشغول ہے مثلاً درس وتدریس اور علم کی نشر واشاعت میں مشغول ہے تو وہ بھی معمولی مقدار کی تلاوت پر اقتصار کرے۔اور جو اس طرح نہیں تو وہ جتنی مقدار ممکن ہے اتنی کثرت کرے بشرطیکہ اکتاہٹ وجلد بازی کا شکار نہ ہو۔متقدمین کی ایک جماعت نے اس صحیح حدیث کے پیش نظر دن ورات میں ختمِ قرآن کو مکروہ قرار دیا ہے:

لَا يُفْقِهُ مَنْ قَرَاءَ الْقُرْآنَ فِيْ اَقَلَّ مِنْ ثَلَاثٍ .

وہ شخص فقیہ نہیں بن سکتا جو تین دن سے کم میں قرآن کریم کی تلاوت مکمل کرتا ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ کا یہ کلام "المصابیح" کے حواشی سے تلاوت میں کثرت اور افراط کا مطلقاً مذموم ہونے کا جو

وہم پیدا ہوتا ہے اس کا رد کر رہا ہے۔ اگر جلدی کی سزا یہ ہے تو پھر معاملہ ایسا نہیں جیسا کہ انہوں نے سمجھا ہے۔ مذمت اسی شخص کے ساتھ خاص ہے جو اکتاہٹ محسوس کرے یا تدبر سے کام نہ لے اور جو تیز رفتاری اور جلد بازی کا مظاہرہ کرے یہ خلاف اس کے جسے ان میں سے کوئی چیز عارض نہ ہو اور نہ وہ اس سے زیادہ اہم کسی چیز میں مشغول ہے تو اس کے لئے مناسب ہے کہ وہ اپنی پوری طاقت اور پوری محنت قرآن کریم کی کثرتِ تلاوت میں صرف کرے کیونکہ تلاوتِ قران کریم تمام اذکار سے افضل ہے سوائے ان اذکار کے جن کے لئے کوئی خاص وقت مقرر ہے یا کسی خاص حالت کے ساتھ مخصوص ہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ اور ختمِ قرآن

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ علوم باہرہ اور معانی ظاہرہ اور کمالات متکاثرہ میں مشغول ہونے کے باوجود غیر رمضان میں ہر دن و رات میں قرآن کریم کی تلاوت کا ایک ختم مکمل کیا کرتے تھے اور ماہِ رمضان میں ایک ختم رات کے وقت اور ایک ختم دن میں مکمل کیا کرتے تھے۔ بہت سارے خطرناک امراض لاحق ہونے کے باوجود آپ کا یہ معمول تھا۔ حتیٰ کہ آپ فرمایا کرتے تھے میرے سینے اور ناف کے درمیان ایسی خوفناک بیماریاں ہیں اگر ان میں سے ایک بھی ہو تو ہلاک کرنے کے لئے کافی ہے۔

سلف کی سیرت اور ان کے احوال کا جائزہ لیں اور ان لوگوں کی باتوں کی طرف توجہ نہ دیں جن کو سلف کے حالات کی خبر تک نہیں اور نہ ہی انہیں سلف کے معارف کا ذوق حاصل ہے۔ یہ لوگ تو بس اپنی کوتاہ رائے اور اپنی ناقص سمجھ کے مطابق اس گمان کے تحت باتیں کرتے ہیں کہ علومِ نقلیہ اور معارف واحوالِ ذوقیہ کا ادارک صرف تدبر و فکر کے ذریعہ کیا جا سکتا ہے اور اس میں سلف کے آثار کی اقتداء اور ان کے روشن کردہ چراغوں سے ہدایت حاصل کرنا کوئی ضروری نہیں۔ حاشا وکلا ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا بلکہ سلف کے معارف حاصل کرنے میں صرف وہی شخص کامیاب ہو سکتا ہے جس کو ان کے آثار کا علم ہے اور جو ان کے احوال کی اتباع کرتا ہے اور جس کا سینہ سنت سے لبریز ہے جس کا عزم وارادہ ان بزرگوں کی بلند ہمتی میں مستغرق ہونے کی وجہ سے بلند ہو چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان بزرگوں کی حسن اقتداء اور ان کی آراء و بلند ہمتی کی اتباع کی توفیق عطا فرمائے بے شک وہ جواد، کریم، رؤف رحیم ہے۔

یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرنے کا ثواب

دوسری حدیث میں مسح سے مراد حقیقت مسح ہی ہے۔ جیسا کہ حدیث کے آخری حصہ میں بیان ہے:

مَنْ مَسَحَ رَأسَ يَتِيمٍ لَمْ يَمْسَحْ اِلَّا لِلّٰهِ كَانَ لَهُ بِكُلِّ شَعْرَةٍ مَرَّ عَلَيْهَا يَدَهُ

عَشْرُ حَسَنَاتٍ وَمَنْ اَحْسَنَ اِلٰى يَتِيْمٍ اَوْ يَتِيْمَةٍ عِنْدَهُ كُنْتُ اَنَا وَهُوَ فِي الْجَنَّةِ كَهَاتَيْنِ وَقَرَنَ بِاِصْبَعَيْهِ.

(الزہد والرقائق، باب ما جاء فی الاحسان الی الیتیم، رقم الحدیث 655، ج:1، ص230، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

جس نے کسی یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اس میں اس کے پیش نظر صرف اللہ تعالیٰ کی رضا تھی تو جتنے بالوں پر اس کا ہاتھ گزرا ان میں سے ہر بال کے بدلے اسے دس نیکیاں ملیں گیں جس شخص نے اپنی کفالت میں موجود کسی یتیم بچے یا یتیم بچی پر احسان کیا تو میں اور وہ جنت میں ان دو انگلیوں کی طرح ہوں گے۔ اور آپ نے اپنی دونوں انگلیوں کو ملایا۔

ہاتھ پھیرنا اور سر کی تخصیص میں حکمت

حدیث میں ہاتھ پھیرنے کے ساتھ سر کو خاص فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ سر پر ہاتھ پھیرنے سے اس کی تعظیم اور اس پر شفقت و مہربانی اور اس کے ساتھ محبت کا اظہار اور اس کی دل جوئی مقصود ہوتی ہے، یتیم کے ساتھ ان مذکورہ اعمال کے ساتھ پیش آنا ثواب جزیل کا مقتضی ہے اور حدیث میں ہاتھ پھیرنے کو احسان سے کنایہ قرار دینے کی ضرورت نہیں کیونکہ احسان کا ثواب اس سے اعلیٰ و افضل ہے جو نبی کریم ﷺ نے اس کے بعد ذکر فرمایا ہے، میں اور وہ جنت میں ان دو انگلیوں کی طرح ہوں گے، کہاں جنت میں رسول اللہ ﷺ کا قرب اور کہاں سر کے بالوں کی تعداد کے مطابق نیکیوں کی عطا، دونوں کے درمیان بہت بڑا واضح فرق ہے۔ کیونکہ جنت میں اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ کا قرب اعظم و اکمل ہے۔ اور اگر علی سبیل التنزل یہ تسلیم بھی کیا جائے کہ یہ اس سے مراد مذکورہ کنایہ ہے تو كَانَ لَهُ بِكُلِّ شَعْرَةٍ تَمُرُّ عَلَيْهَا يَدُهُ عَشْرُ حَسَنَاتٍ. جزاء عظیم سے کنایہ ہوگا۔ یعنی جزاء اپنی عظمت کے باوجود اگر خارج میں پائی جائے تو سر کے بالوں کی تعداد سے کہیں زیادہ ہوگی۔ پس اس اعتبار سے مجاز اور کنایہ دونوں طرفوں یعنی فعل اور جزاء دونوں طرفوں میں ہوگا۔ کنایہ اگرچہ حقیقت سے زیادہ بلیغ ہوتا ہے۔ مگر یہ بات وہاں ہوتی ہے جہاں کنایہ پر حمل کرنے سے کوئی چیز مانع نہ ہو۔ اور تم جانتے ہو کہ یہاں پر حدیث شریف کے آخری حصہ نے حقیقت پر حمل کرنے کو متعین کر دیا ہے کیونکہ یہ اپنے مابعد کے تاسیس ہونے کا فائدہ دیتا ہے۔ (اور اگر کنایہ پر محمول کیا جائے تو یہ اپنے ماقبل کی تاکید بن جائے گی حالانکہ کلام میں تاکید کی بجائے تاسیس معتبر ہوتی ہے۔) لہٰذا مذکورہ تاسیس اس تاکید سے بہتر ہے جو کنایہ پر عمل کرنے سے لازم آتی ہے اس کو سمجھئے اور اس میں غور کیجئے۔

یتیم کے سر پر ہاتھ کس جانب سے پھیرا جائے؟

اس کے بعد مجھے ایسی احادیث ملیں جو صراحت کر رہی ہیں کہ مسح سے مراد حقیقتِ مسح ہی ہے۔ ان میں سے ایک

حدیث الخطیب اور ابن عساکر رحمہما اللہ کے ہاں کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ:

اِمْسَحْ رَأسَ الْيَتِيْمِ هٰكَذَا اِلٰى مُقَدَّمِ رَأسِهٖ وَمَنْ لَهٗ اَبٌ هٰكَذَا اِلٰى مُؤَخَّرِ رَأسِهٖ .

(مسند احمد، مسند ابی ہریرۃ، رقم الحدیث 9018، ج:14 ص:558 مطبوعہ: ایطا)

یتیم کے سر پر یوں سر کے اگلے حصے کی طرف ہاتھ پھیرو اور جس بچے کا باپ زندہ ہے اس کے سر پر یوں سر کے پچھلے حصہ کی طرف ہاتھ پھیرو۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے "التاریخ" میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَلصَّبِيُّ الَّذِيْ لَهٗ اَبٌ يَمْسَحُ رَأسَهٗ اِلٰى خَلْفٍ وَّيَتِيْمٌ يَمْسَحُ رَأسَهٗ اِلٰى قِدَامٍ.

(المعجم الاوسط للطبرانی، باب الالف، من اسمہ ◻ احمد، رقم الحدیث 1279، ج:2 ص:69 مطبوعہ: ایطا)

جس بچے کا باپ زندہ ہے اسکے سر پر (آگے سے) پچھلے حصہ کی طرف ہاتھ پھیرا جائے اور یتیم کے سر پر (پچھلے حصہ سے) اگلے حصے کی طرف ہاتھ پھیرا جائے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِنْ اَرَدْتَّ اَنْ يَلِيْنَ قَلْبُكَ فَاَطْعِمِ الْمَسَاكِيْنَ وَامْسَحْ رَأسَ الْيَتِيْمِ .

(مسند احمد، مسند ابی ہریرۃ، رقم الحدیث 7576، ج:13 ص:21 مطبوعہ: ایطا)

اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارا دل نرم ہو جائے تو مسکین کو کھانا کھلایا کرو اور یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا کرو۔

کیا فرشتوں کی تخلیق ایک ہی دفعہ ہوئی یا کہ نہیں؟

سوال نمبر 1......کیا فرشتے ایک ہی دفعہ پیدا کیے گئے یا کہ مرحلہ وار ان کی تخلیق ہوئی ہے؟ جیسا کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ يَخْلُقُ بِكُلِّ قَطْرَةٍ مَلَكًا۔ (اللہ تعالیٰ ہر قطرہ سے ایک فرشتہ پیدا فرماتا ہے)

حدیث نور

جواب......ظاہر سنت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ فرشتوں کو ایک ہی دفعہ پیدا نہیں کیا گیا ہے۔ حضرت امام عبدالرزاق رحمہ اللہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن جابر انصاری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ:

قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ بِاَبِيْ اَنْتَ وَاُمِّيْ اَخْبِرْنِيْ عَنْ اَوَّلِ شَيْءٍ خَلَقَهُ اللّٰهُ قَبْلَ الْاَشْيَاءِ ؟ قَالَ يَا جَابِرُ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ قَبْلَ الْاَشْيَاءِ نُوْرَ نَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ ﷺ مِنْ نُوْرِهٖ فَجَعَلَ ذَالِكَ النُّوْرُ يَدُوْرُ بِالْقُدْرَةِ حَيْثُ شَاءَ اللّٰهُ وَلَمْ يَكُنْ فِيْ ذَالِكَ الْوَقْتُ لَوْحٌ وَلَا قَلَمٌ وَلَا جَنَّةٌ وَّلَا نَارٌ وَّلَا مَلَكٌ وَلَا سَمَاءٌ وَلَا اَرْضٌ وَلَا شَمْسٌ وَّلَا قَمَرٌ وَّلَا اِنْسٌ وَّلَا جِنٌّ فَلَمَّا اَرَادَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَنْ يَخْلُقَ اللّٰهُ الْخَلْقَ قَسَّمَ ذَالِكَ النُّوْرُ اَرْبَعَةَ اَجْزَاءٍ

فَخَلَقَ مِنَ الْجُزْءِ الْاَوَّلِ الْقَلَمَ وَمِنَ الثَّانِیْ اللَّوْحَ وَمِنَ الثَّالِثِ الْعَرْشَ ثُمَّ قَسَّمَ الرَّابِعَ اَرْبَعَةَ اَجْزَاءٍ فَخَلَقَ مِنَ الْاَوَّلِ حَمَلَةَ الْعَرْشِ وَمِنَ الثَّانِیْ الْكُرْسِیَّ وَمِنَ الثَّالِثِ بَاقِی الْمَلَائِكَةِ ثُمَّ قَسَّمَ الرَّابِعَ اَرْبَعَةَ اَجْزَاءٍ فَخَلَقَ مِنَ الْاَوَّلِ السَّمٰوٰتِ وَ مِنَ الثَّانِیْ الْاَرْضِیْنَ وَمِنَ الثَّالِثِ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ ثُمَّ قَسَّمَ الرَّابِعَ اَرْبَعَةَ اَجْزَاءٍ فَخَلَقَ مِنَ الْاَوَّلِ نُوْرَ اَبْصَارِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَمِنَ الثَّانِیْ نُوْرَ قُلُوْبِهِمْ وَهِیَ الْمَعْرِفَةُ بِاللّٰهِ وَمِنَ الثَّالِثِ نُوْرَ اُنْسِهِمْ وَهُوَ التَّوْحِیْدُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ.

(المواہب اللدنیہ، باب تشریف اللہ تعالیٰ لہ الخ، ج:1 ص:48، مطبوعہ: مکتبہ توفیقیہ، قاہرہ)

میں نے عرض کیا یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان مجھے خبر دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے ساری اشیاء سے پہلے کس چیز کو پیدا کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے جابر! بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبی محمد ﷺ کے نور کو اپنے نور کے فیض سے پیدا کیا پس وہ اللہ کی قدرت کے ساتھ جہاں اللہ نے چاہا دائر رہا، اس وقت نہ لوح تھی نہ قلم تھا، نہ جنت تھی نہ دوزخ تھی نہ کوئی فرشتہ تھا نہ کوئی آسمان تھا اور نہ زمین تھی نہ سورج تھا نہ چاند تھا اور نہ کوئی انسان تھا اور نہ کوئی جن تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی تخلیق کا ارادہ فرمایا تو اس نور کے چار حصے کیے پہلے حصہ سے قلم کو اور دوسرے حصہ سے لوح کو اور تیسرے حصہ سے عرش کو پیدا کیا۔ پھر چوتھے حصے کے چار حصے کیے پہلے حصہ سے عرش اٹھانے والے فرشتے پیدا کیے اور دوسرے سے کرسی پیدا کی اور تیسرے حصے سے دیگر تمام فرشتوں کو پیدا کیا۔ پھر چوتھے حصے کے چار حصے کیے پہلے حصہ سے آسمانوں کو اور دوسرے حصہ سے زمینوں کو اور تیسرے حصہ سے جنت و دوزخ کو پیدا کیا پھر چوتھے حصے کے چار حصے بنائے پہلے حصہ سے مومنوں کی آنکھوں کا نور پیدا کیا اور دوسرے حصے سے مؤمنوں کے دلوں کے نور کو پیدا کیا اور یہی معرفتِ الٰہیہ ہے اور تیسرے حصے سے ان کی اُنس و محبت کے نور کو پیدا کیا اور وہ توحید ہے یعنی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت۔

اس حدیثِ پاک میں غور کریں تو آپ پر واضح ہوگا کہ یہ حدیث دیگر فرشتوں کی تخلیق سے پہلے حاملین عرش فرشتوں کی تخلیق پر ظاہر ہے یا صریح ہے۔

ابن جریج، ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ رحمہم اللہ نے ''العظمۃ'' میں حضرت ابوالعالیہ رضی اللہ عنہ سے تخریج کیا ہے کہ حضرت ابوالعالیہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی خَلَقَ الْمَلَاَ الْاَعْلٰی الْمَلَائِكَةَ یَوْمَ الْاَرْبَعَاءِ وَخَلَقَ الْجِنَّ یَوْمَ

الْخَمِيسِ وَخَلَقَ آدَمَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ.

(المنہیات للحکیم ترمذی، الجلسۃ یوم الاربعاء الخ، رقم الحدیث:193، مطبوعہ، مکتبۃ القرآن، قاہرہ، مصر)

بے شک اللہ تعالیٰ نے ملاء اعلیٰ فرشتے بدھ کے دن پیدا کیے اور جنات کو جمعرات کے دن پیدا کیا اور حضرت آدم علیہ السلام کو جمعہ کے دن پیدا فرمایا ہے۔

اور ابوالشیخ رحمہ اللہ نے تخریج کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

إِنَّ لِلّٰهِ نَهَرًا فِي الْجَنَّةِ يَدْخُلُهُ جِبْرِيْلُ فَيَنْفِضُ قَطْرًا فَيَخْلُقُ اللّٰهُ مِنْ قَطْرٍ تَقْطُرُ مِنْهُ مَلَكًا.

(العظمۃ للاصبہانی، ذکر خلق الملائکۃ وکثرۃ عددہم......الخ، ج:2 ص:235 مطبوعہ: دار العاصمۃ، الریاض)

جنت میں اللہ تعالیٰ نے ایک نہر تخلیق فرمائی ہے۔جس میں جبریل داخل ہوتے ہیں اور (باہر نکل کر) پانی کے قطروں کو جھاڑتے ہیں تو جھڑنے والے ہر قطرے سے اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ پیدا فرماتا ہے۔

اور ابوالشیخ رحمہ اللہ نے ہی حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ سے تخریج کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ

إِنَّ اللّٰهَ نَهَرٌ فِي الْهَوَاءِ بِسِعَةِ الْأَرْضِ كُلِّهَا سَبْعَ مَرَّاتٍ فَيَنْزِلُ عَلٰى ذَالِكَ النَّهْرِ مَلَكٌ مِنَ السَّمَاءِ فَيَمْلَؤُهُ مَابَيْنَ أَطْرَافِهِ ثُمَّ يَغْتَسِلُ مِنْهُ فَإِذَا خَرَجَ مِنْهُ قَطَرَاتٌ مِنْ نُوْرٍ فَيَخْلُقُ اللّٰهُ مِنْ كُلِّ قَطْرَةٍ مِنْهَا مَلَكًا يُسَبِّحُ اللّٰهَ بِجَمِيْعِ تَسْبِيْحِ الْخَلَائِقِ كُلِّهِمْ.

(الدعاء للطبرانی، باب تحمید الملائکۃ وتسبیحہم، رقم الحدیث:1750، ج:1 ص:497، مطبوعہ: دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

فضاء میں اللہ تعالیٰ نے ایک نہرا پیدا کی ہے۔جو اتنی وسیع ہے کہ تمام زمینوں کو سات بار اپنے اندر سما سکتی ہے۔پس اس نہر میں آسمان سے ایک فرشتہ اترتا ہے۔جو اسے بھر دیتا ہے۔اور اس کے تمام کناروں کو ڈھانپ دیتا ہے پھر اس سے غسل کرتا ہے۔جب وہ اس سے باہر آتا ہے۔ تو نور کے قطرات اس سے ٹپکتے ہیں۔پاس اللہ تعالیٰ ان میں سے ہر ایک قطرہ سے ایک فرشتہ پیدا فرماتا ہے جو تمام مخلوق کی ساری تسبیح کے برابر اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتا ہے۔

اور ابوالشیخ رحمہ اللہ ہی نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے تخریج کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

لَا تَقْطُرُ عَيْنُ مَلَكٍ مِنْهُمْ إِلَّا كَانَتْ مَلَكًا يَطِيْرُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ.

(العظمۃ للاصبہانی، ذکر خلق الملائکۃ وکثرۃ عددہم، ج: 2 ص:745، مطبوعہ: ایضاً)

فرشتوں میں سے کسی بھی فرشتے کی آنکھ سے آنسوں کا جو بھی قطرہ گرتا ہے وہ فرشتہ بن جاتا ہے جو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی خشیت سے اڑتا رہتا ہے۔

ابوالشیخ رحمہ اللہ نے ہی حضرت العلاء بن ہارون رضی اللہ عنہ سے تخریج کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

لِجِبْرِيْلَ كُلَّ يَوْمٍ اِغْتِمَاسَةٌ فِي الْكَوْثَرِ ثُمَّ يَنْتَفِضُ فَكُلُّ قَطْرَةٍ يُخْلَقُ مِنْهَا مَلَكٌ .

(العظمۃ للاصبہانی، ذکر خلق الملائکۃ وکثرۃ عددہم، ج: 2 ص:746، مطبوعہ: ایضاً)

حضرت جبریل علیہ السلام ہر روز نہر کوثر میں غوطہ خوری کرتے تھے اور پھر اپنے آپ کو جھاڑتے ہیں تو ہر قطرے سے ایک فرشتہ پیدا کیا جاتا ہے۔

اور انہوں نے ہی تخریج کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

لَيْسَ مِنْ خَلْقِ اللّٰهِ اَكْثَرُ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مَامِنْ شَيْءٍ يَنْبُتُ اِلَّا وَ مَلَكٌ مُوَكَّلٌ بِهٖ .

(العظمۃ للاصبہانی، ذکر خلق الملائکۃ وکثرۃ عددہم، ج: 2 ص:746، مطبوعہ: ایضاً)

اللہ تعالیٰ کی کوئی مخلوق فرشتوں سے زیادہ نہیں جو چیز بھی اُگتی ہے تو اس کے ساتھ ایک فرشتے کو مقرر کردیا جاتا ہے۔

اور انہوں نے ہی الحاکم رحمہ اللہ سے تخریج کیا ہے کہ الحاکم رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ:

بَلَغَنِيْ اَنَّهٗ يَنْزِلُ مَعَ الْمَطَرِ مِنَ الْمَلَائِكَةِ اَكْثَرُ مِنْ وُلْدِ آدَمَ وَوُلْدِ اِبْلِيْسَ يَحْصُوْنَ مِنْ قَطْرَةٍ

(العظمۃ للاصبہانی، ذکر خلق الملائکۃ وکثرۃ عددہم، ج: 2 ص:746، مطبوعہ: ایضاً)

مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ بارش کے ساتھ فرشتوں کی اتنی بڑی تعداد اترتی ہے جو انسانوں اور شیاطین کی اولاد کی تعداد سے زیادہ ہوتی ہے۔

وہ ہر قطرہ بارش کو اور اس کے گرنے کی جگہ کو اور اس سے اُگنے والی چیز، جس کے نصیب میں ہوتی ہے ان سب چیزوں کو شمار کرتے ہیں۔

فرشتوں کے دس حصے ہیں

ابن المنذر رحمہ اللہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کرتے تھے:

وَالْمَلَائِكَةُ عَشَرَةُ اَجْزَاءٍ تِسْعَةُ اَجْزَاءٍ الْكَرُوْبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ يُسَبِّحُوْنَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ وَقَدْ وُكِّلُوْا بِخَزَانَةِ كُلِّ شَيْءٍ وَّمَا مِنَ السَّمَاءِ مَوْضِعٌ اِلَّا فِيْهِ مَلَكٌ سَاجِدٌ اَوْ مَلَكٌ رَاكِعٌ . اِنَّ الْحَرَمَ بِحِيَالِ الْعَرْشِ وَاِنَّ الْبَيْتَ الْمَعْمُوْرَ بِحِيَالِ الْكَعْبَةِ لَوْسَقَطَ لَسَقَطَ عَلَيْهَا يُصَلِّيْ فِيْهِ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَكٍ لَا يَعُوْدُوْنَ اِلَيْهِ .

(امالی ابن بشران، مجلس فی جمادی الآخرۃ من سنۃ، رقم الحدیث:529، ج:1 ص:230، بالفاظ مختلف، دارالوطن، الریاض)

فرشتوں کے دس حصے ہیں۔ان میں سے نو حصے کروبیون کے ہیں جو دن رات اللہ تعالیٰ کی تسبیح

میں مشغول رہتے ہیں اس میں کوئی کوتاہی نہیں کرتے۔ اور ہر چیز کے خزانے پر مامور ہیں۔ اور آسمان میں کوئی جگہ ایسی نہیں مگر اس میں کوئی فرشتہ سجدہ کر رہا ہے یا کوئی رکوع کر رہا ہے۔ اور حرم شریف عرش کے بالمقابل ہے اور بیت المعمور کعبہ معظمہ کے بالمقابل ہے۔ اگر کوئی فرشتہ (بیت المعمور کا طواف کرتے ہوئے) نیچے کو اتر آئے تو وہ کعبہ معظمہ پر اتر آئے گا اور بیت المعمور میں روزانہ ستر ہزار فرشتے نماز ادا کرتے ہیں اور پھر وہ کبھی واپس نہیں لوٹتے۔

اوّلاً چار فرشتوں کی تخلیق

ابوالشیخ، امام بیہقی، الخطیب اور ابن عساکر رحمہم اللہ نے تخریج کیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ:

اِنَّ لِلّٰهِ مَلاَئِكَةً تَرْعَدُ فَرَائِصُهُمْ مِنْ مَخَافَتِهٖ مَامِنْهُمْ مَلَكٌ تَقْطُرُ مِنْ عَيْنِهٖ دَمْعَةٌ اِلَّا وَقَعَتْ مَلَكًا قَائِمًا يُسَبِّحُ وَمَلاَئِكَةٌ سُجُوْدًا مُنْذُ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَرْفَعُوْا رُؤُسَهُمْ وَلاَيَرْفَعُوْنَهَا اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَمَلاَئِكَةٌ رُكُوْعًا لَمْ يَرْفَعُوْا رُؤُسَهُمْ وَلاَيَرْفَعُوْنَهَا اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَصُفُوْفًا لَمْ يَنْصَرِفُوْا عَنْ مَصَافِّهِمْ وَلاَيَنْصَرِفُوْنَ عَنْهَا اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ فَاِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ تَجَلّٰى لَهُمْ رَبُّهُمْ عَزَّوَجَلَّ فَيَنْظُرُوْنَ اِلَيْهِ وَقَالُوْا سُبْحَانَكَ مَاعَبَدْنَاكَ كَمَايَنْبَغِيْ لَكَ.

(العظمۃ لابی الاصفہانی، ذکر خلق جبریل الخ، رقم الحدیث 515، ج:3 ص:993 مطبوعہ: ایضاً)

اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے اللہ تعالیٰ کے خوف سے کانپتے رہتے ہیں ان میں سے جس کسی فرشتے کی آنکھ سے آنسو گرتا ہے تو وہ فرشتہ بن جاتا ہے جو قیام کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں مشغول رہتا ہے۔ اور کچھ فرشتے آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے سجدہ کی حالت میں ہیں اور انہوں نے اپنے سر سجدے سے نہیں اٹھائے اور نہ قیامت کے دن تک اٹھائیں گے۔ اور کچھ فرشتے رکوع کی حالت میں ہیں جنہوں نے اپنے سر رکوع سے نہ اٹھائے ہیں اور نہ قیامت کے دن تک اٹھائیں گے اور کچھ فرشتے صفیں باندھے ہوئے ہیں جو اپنی صف بندی کی جگہ سے نہ ہٹے ہیں اور نہ قیامت کے دن تک ہٹیں گے۔ جب قیامت کا دن ہوگا تو ان کا رب عزوجل ان کو اپنا جلوہ نصیب فرمائے گا۔ پس وہ اللہ تعالیٰ کی زیارت کریں گے اور کہیں گے تیری ذات پاک ہے ہم تیری عبادت اس طرح نہ کر سکے جس طرح تیرے لئے عبادت کرنے کا حق تھا۔

ابوالشیخ رحمہ اللہ نے حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ سے تخریج کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

هٰؤُلَاءِ الْأَرْبَعَةُ أَمْلَاكٍ جِبْرِيلُ وَمِيكَائِيلُ وَإِسْرَافِيلُ وَمَلَكُ الْمَوْتِ أَوَّلُ مَنْ خَلَقَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى مِنَ الْخَلْقِ آخِرُ مَنْ يُمِيتُهُمْ وَأَوَّلُ مَنْ يُحْيِيهِمْ هٰؤُلَاءِ المدبرات امرا والمقسمات امرا.

(العظمۃ للاصبہانی، ذکر حملۃ العرش الخ، رقم الحدیث:483، ج: 3 ص:957، بالالفاظ مختلف، مطبوعہ: ایضا)

یہ چار فرشتے حضرت جبریل، میکائیل، اسرافیل علیہم السلام اور ملک الموت وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے باقی مخلوق سے پہلے پیدا فرمایا ہے اور سب سے آخر میں انہیں موت دے گا۔ اور پھر سب سے پہلے ان کو زندہ فرمائے گا۔ اور یہی وہ فرشتے امر کی (تمام کائنات کی تدبیر) تدبیر کرنے والے اور امر کی تقسیم کرنے والے ہیں۔

یہاں پر کچھ فوائد ہیں ان کی طرف اشارہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

1......امام حلیمی رحمہ اللہ کی "المنہاج" اور امام بیہقی رحمہ اللہ کی "شعب الایمان" اور علامہ القونوی رحمہ اللہ کی "الابتھـــاج" میں فرشتوں کے بارے میں ایک قول نقل کیا ہے کہ بعض لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ فرشتے جنات میں سے ہیں لیکن جنات سے افضل ہیں یہ اس پر اس آیت سے استدلال کرتے ہیں:

وَجَعَلُوا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا. (سورۃ الصافات، آیت:158)

اور اس میں اور جنوں میں رشتہ ٹھہرایا۔

یعنی مشرکوں نے کہا فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ تَعَالَى اللّٰهُ عَنْ ذَالِكَ عُلُوًّا كَبِيرًا. (اس آیت میں فرشتوں پر جن کا اطلاق ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ فرشتے جنات میں سے ہیں) اور سورہ رحمٰن کی اس آیت سے بھی استدلال کیا ہے:

وَخَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ٥ وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ.. (سورۃ رحمٰن، آیت:14,15)

اور اس نے آدمی کو بنایا بجتی مٹی سے جیسے ٹھیکری اور جن کو پیدا فرمایا آگ کے لوکے سے۔

اس آیت میں انسان و جن کے علاوہ تیسری کسی مخلوق کا ذکر نہیں (اگر فرشتے جنات سے الگ مخلوق ہوتے تو ان کا ذکر بھی ہوتا۔)

اس مذکورہ قول کو ردّ کیا گیا ہے کہ کبھی فرشتوں کو بھی جن کے ساتھ موسوم کیا جاتا ہے کہ جن کا لغوی معنی پوشیدہ مخلوق ہے فرشتے بھی لوگوں کی آنکھ سے پوشیدہ ہوتے ہیں اور یہ آیت کریمہ بھی فرشتوں اور جنات کے درمیان مغایرت کی تصریح کر رہی ہے:

فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ. (سورۃ الکہف، آیت:50)

سب نے سجدہ کیا سوا ابلیس کے جو قوم جن سے تھا۔

اور سورہ رحمٰن کی آیت میں فرشتوں کی تخلیق کا ذکر اس لئے نہیں کیا گیا کہ اس آیت میں انسانوں اور جنوں کی، جن سابقہ مخلوق اجزاء و عناصر سے ترکیب وتابعیت کی گئی ہے اس کا بیان ہے اور فرشتوں کی تخلیق اس طرح نہیں ہوئی ان کی تخلیق اللہ تعالیٰ کے فرمان "کـن" سے ہوتی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ ان کو فرمایا ہو جاؤ تو وہ ہو گئے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس عنصر کو جس سے جن کی تخلیق ہوئی ہے اور اس عنصر کو جس سے انسان کی تخلیق ہوتی ہے ان کو فرمایا ہو جاؤ تو وہ ہو گئے اور وہ عناصر مٹی، پانی، آگ اور ہوا ہے۔ پس ملائکہ تخلیق میں جن وانسان کے عناصر کی تخلیق کی مثل ہیں نہ کہ جن وانسان کی ذات کی طرح۔ اسی لئے فرشتوں کو انسان وجنات کے ساتھ ذکر نہیں فرمایا گیا۔

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فرشتوں اور جنات کے اصناف کی مغایرت پر ان سب دلائل سے واضح دلیل مسلم شریف کی یہ حدیث ہے کہ:

خُلِقَتِ الْمَلَائِكَةُ مِنْ نُوْرٍ وَّخُلِقَتِ الْجَانُّ مِنْ مَارِجٍ مِّنْ نَّارٍ وَّخُلِقَ آدَمُ مِمَّا وُصِفَ لَكُمْ.

(صحیح مسلم، کتاب الزہد والرقائق، باب فی احادیث متفرقۃ، رقم الحدیث:2996، ج:4ص:2294، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت)

فرشتے نور سے پیدا کیے گئے ہیں اور جن آگ کی لو سے پیدا کیے گئے ہیں اور انسان یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو اس چیز سے پیدا کیا گیا جس کا تذکرہ تمہارے سامنے کیا جا چکا ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: فرشتوں اور جنوں کو ایک دوسرے سے الگ کر کے تذکرہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ فرشتوں کی تخلیق میں نور سے مراد ایک الگ نور ہے جو آگ کے نور (شعلہ) کے مغایر ہے۔

علامہ حلبی، بیہقی، القونوی رحمہم اللہ تینوں نے فرشتوں اور جنات کے درمیان تباین وتغایر پر اس آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے:

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ○ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ. (سورۃ السباء، آیت:40,41)

جس دن اللہ سب کو اٹھائے گا۔ پھر فرشتوں سے فرمائے گا کیا یہ تمہیں پوجتے تھے وہ عرض کریں گے پاکی ہے تجھ کو تو ہمارا دوست ہے نہ وہ بلکہ وہ جنوں کو پوجتے تھے۔

فائدہ نمبر 2...... مذکورہ تینوں علماء نے یہ بھی فرمایا ہے کہ فرشتوں کو روحانیین کے ساتھ موسوم کیا جاتا ہے۔ راء کو فتحہ اور ضمہ دونوں کے ساتھ پڑھا جاتا ہے ضمہ اس لئے کہ فرشتے ارواح ہیں جن کے ساتھ نہ پانی ہے نہ آگ ہے نہ مٹی ہے اور جو اس کا قائل ہے وہ روح کے جوہر ہونے کا قائل ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ارواح کی تالیف فرمائے اور پھر ان کو اجسام بنا دے اور ان اجسام سے ایک ناطق، عاقل مخلوق پیدا فرما دے پس اس صورت میں روح

مخترع (تھی کسی عنصر سے وجود پذیر نہ ہوگی بلکہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کن سے موجود ہوگی) پھر اس کا جسم بن جانا اور اس میں لطف وملل کو رکھنا اس کے بعد حادث ہوں پس جائز ہے کہ فرشتوں کے اجساد نفس الامر میں مخترع ہوں جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو اختراع فرمایا ہے۔ اور رداء پر نص اس لئے ہے کہ فرشتے ڈھانچوں عمارتوں اور سایوں میں محصور نہیں بلکہ وہ تو نہایت بساطت وسعت میں سیاحت کرنے والی مخلوق ہے۔

فائدہ نمبر3...... حسن اور جمہور فلاسفہ اور بہت سے جبری فرقہ سے تعلق رکھنے والے لوگوں نے کہا ہے کہ فرشتے ایمان لانے پر مجبور ہیں کہ ان سے کفر متصور بھی نہیں ہوسکتا۔ اور جمہور اہل السنۃ والجماعۃ نے فرمایا ہے کہ فرشتے مجبور نہیں بلکہ وہ مختار اور عارف ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَنْ يَقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ. (سورۃ الانبیاء، آیت:29)

اور ان میں سے جو کہے کہ میں اللہ کے سوا معبود ہوں تو ہم اسے جہنم کی سزا دیں گے۔

اگر ان سے مخالفت متصور نہ ہوتی تو پھر ان کا اس کے ساتھ مواخذہ نہ ہوتا۔

فائدہ نمبر4...... مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ فرشتے بہترین مؤمنین ہیں اور آئمۃ المسلمین کا اتفاق ہے کہ فرشتوں میں سے جو فرشتے انبیاء کرام کے پاس پیغام لے کر آئے تھے وہ انبیاء کرام کی طرح معصوم ہیں لیکن زیادہ صحیح بلکہ درست بات یہ ہے کہ تمام فرشتے معصوم ہیں۔

ہاروت وماروت کا قصہ

فائدہ نمبر5...... ہاروت وماروت کا جو واقعہ ہے حضور ﷺ کی صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ یہ دو فرشتے تھے بشکل انسانی دنیا میں بھیجے گئے۔ زہرہ نامی عورت پر عاشق ہوگئے جو اپنے زمانے کی تمام عورتوں سے زیادہ حسین وجمیل تھی اس کے عشق میں مبتلا ہوکر دونوں نے شراب پی اور بدکاری کی قتل کا ارتکاب کیا۔ اور وہ عورت ستارہ کی شکل میں مسخ ہوگئی اور آسمان کی طرف چڑھ گئی کیونکہ ان دونوں کے پاس اسم اعظم کا علم تھا جس کی وجہ سے وہ آسمانوں میں آتے جاتے تھے اور انہوں نے اس عورت کو بھی اسم اعظم کی تعلیم دی تھی وہ بھی اسم اعظم کی برکت سے آسمان کی طرف چڑھ گئی اور زہرہ نامی روشن ستارہ وہ وہی زہرہ نامی مسخ شدہ عورت ہے۔

یہ واقعہ خارق عادت ہے۔ کیونکہ فرشتوں نے حضرت آدم کی تخلیق کے وقت کہا تھا:

اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ. (سورۃ البقرہ، آیت:30)

کیا تو اس میں ایسے کو بنائے گا جو اس میں فساد برپا کردے گا اور خون بہائے گا؟۔

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی اس بات پر ان کی تادیب کے لئے یہ واقعہ بیان فرمایا ہے جو صحیح حدیث میں بھی ہے:

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے بیان فرمایا کہ انسان کے اندر جو جذبات رکھے گئے ہیں اگر وہ جذبات فرشتوں کے اندر رکھ دیئے جائیں تو وہ بھی فساد پھیلائیں گے۔اس پر فرشتوں نے اپنے تعجب کا اظہار کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ وہ اپنے میں سے تین فرشتوں کا اس کے لئے انتخاب کریں تو انہوں نے تین فرشتے منتخب کئے مگر ان میں سے ایک نے معذرت کر لی تو اس کی معذرت قبول فرمائی گئی۔اور ہاروت و ماروت زمین میں اتر آئے۔پھر ان کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا۔یہ واقعہ درحقیقت باقی تمام فرشتوں کی تادیب اور ان کو جس چیز کا علم نہیں اس میں دخل اندازی سے روکنے کے لئے پیش آیا۔

میں نے اس قصہ کے جواب میں جو بات ذکر کی ہے کہ یہ خارق عادت امر ہے۔اور اس کی جو حکمت میں نے بیان کی ہے اس سے ان لوگوں کا رد ہو جاتا ہے جنہوں نے اس قصہ کے انکار میں مثبت طویل گفتگو کی ہے۔حتیٰ کے بعض نے اس حد تک مبالغہ کیا ہے جو ہاروت و ماروت میں اس کا اعتقاد رکھے گا وہ کافر ہو جائے گا۔حالانکہ بات ایسی نہیں جیسا کہ انہوں نے کہی ہے۔اس لئے کہ تم جانتے ہو کہ اس بارے میں احادیث صحیحہ وارد ہیں۔اور اس حکمت کے پیش نظر اس کا وقوع فرشتوں کی عصمت بحیثیت فرشتوں کی عصمت کے قول نہیں (یعنی خاص حکمت کے تحت فرشتوں کو پیکر انسانی اور جذبات بشری دیئے گئے تھے اور وہ ملکوتی الاصل انسان بشری جذبات سے مغلوب ہو گئے اور اس میں کوئی استحالہ نہ شرعی ہے اور نہ عقلی)

اور نہ ہی دلائل و قواعد میں سے کوئی چیز اس کے منافی ہے۔جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اس کو محفوظ کیجئے اور اس میں غور کیجئے کیونکہ اس محل میں مثبت الکلام کہا گیا ہے اور اس میں آراء و ظنون میں تعارض ہے اور جو میں نے بیان کیا ہے وہی سنت کے زیادہ موافق ہے اور قواعد کے بھی منافی نہیں۔اگرچہ یہ مجھے معلوم نہیں کہ مجھ سے پہلے بھی کسی نے یہ جواب دیا ہو اور بعض لوگوں نے یہ جواب دیا ہے کہ ہاروت و ماروت فرشتے نہ تھے بلکہ جن تھے مگر وہ فرشتوں میں رہتے تھے۔اگر یہ بات صحیح ہے تو پھر ان کا قصہ محتاج جواب نہیں۔جیسا کہ ابلیس فرشتوں میں سے نہ تھا لیکن ان کے درمیان رہتا تھا۔وہ درحقیقت جن تھا۔

فرشتہ کی توہین کرنے والے کا حکم

ایک جماعت نے فرمایا ہے کہ جو کسی ایسے فرشتے کی تنقیص کرے جس کے فرشتوں میں سے ہونے پر اجماع ہے یا خبر متواتر سے اس کا فرشتہ ہونا ثابت ہے تو ایسے شخص کو قتل کر دیا جائے گا۔مثلاً کوئی شخص یہ کہے کہ اس شخص کا دل تو داروغۂ دوزخ مالک سے بھی سخت ہے یا یہ شخص منکر و نکیر سے بھی زیادہ وحشت ناک ہے بشرطیکہ یہ بات اس نے

وحشت وقساوت کے ساتھ نقص وعیب سے تعریض کرتے ہوئے کی ہو ورنہ توہین نہ بنے گی۔

نبی کریم ﷺ فرشتوں کی طرف بھی مبعوث ہیں

فائدہ نمبر 6......علماء کی ایک جماعت نے فرمایا ہے کہ ہمارے نبی اکرم ﷺ فرشتوں کی طرف بھی مبعوث ہیں، اس کے متعلق میں نے ایک دوسرے فتویٰ میں تفصیلی گفتگو کی ہے۔اور زیادہ صحیح قول یہی ہے کہ آپ کی بعثت فرشتوں کی طرف بھی ہے۔

فائدہ نمبر 7......علامہ سبکی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "حلبیات" میں بیان کیا ہے کہ آدمیوں کی طرح فرشتوں کے ساتھ بھی نماز باجماعت کا ثواب حاصل ہوتا ہے۔انہوں نے یہ مسئلہ "فتاوی الحناطی" سے نقل کیا ہے اور میں نے اس کے متعلق شرح الارشاد میں طویل بحث کی ہے۔

فائدہ نمبر 8......ابن الصلاح رحمہ اللہ نے اپنے فتاویٰ میں فرمایا ہے کہ فرشتوں کو تلاوتِ قرآن کریم کی فضیلت نہیں عطا فرمائی گئی ہے۔اسی لئے وہ انسانوں سے قرآن کریم کی تلاوت سننے کا بہت شوق رکھتے ہیں۔

اس مسئلہ کو میں نے اس کے ضعف سمیت "شرح العباب" کے باب الاحداث میں بیان کیا ہے۔

جنات فرشتوں کی طرح مختلف اشکال اختیار کرتے ہیں

فائدہ نمبر 9...... جنات کے مختلف صورتوں میں متشکل ہونے پر گفتگو عنقریب آئے گی۔اور فرشتے بھی اسی طرح مختلف صورتوں میں متشکل ہوتے ہیں۔امام الحرمین رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جبریل علیہ السلام کا حضور ﷺ کی خدمت میں انسانی شکل میں آنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کی تخلیق میں جو زائد چیزیں رکھی ہیں اس وقت ان کو فنا فرما دیتا تھا اور ان سے ان کو الگ فرما دیتا تھا۔اور اس کے بعد پھر ان کو اُن میں لوٹا دیتا تھا۔اور ابن عبدالسلام رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حضرت جبریل علیہ السلام جب حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کی صورت میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے تو اُن کی روح کہاں ہوتی تھی اس جسد میں ہوتی تھی جو حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کی صورت میں ہوتا تھا یا ان کے اس اصل جسد میں ہوتی تھی جس کے چھ سو پر ہیں اگر اصل جسد میں ہوتی تھی تو پھر لازم آتا ہے کہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے والی چیز نہ جبریل علیہ السلام کی روح تھی اور نہ ان کا جسد تھا اور اگر اس جسد میں ہوتی تھی جو حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کے جسم کی طرح تھا تو پھر کیا اصلی جسد پر موت طاری ہوتی تھی۔جیسا کہ اجساد پر ارواح کی مفارقت سے موت طاری ہوتی ہے؟

میں کہتا ہوں کہ اس میں کوئی بُعد نہیں کہ روح کا اصلی جسد سے انتقال جسد کی موت کا موجب نہ ہو۔کیونکہ روح کی مفارقت سے جسد کی موت عقلاً واجب نہیں پس جائز ہے کہ اصلی جسد زندہ حالت میں باقی رہے اور اس کے اعمال

میں کوئی نقص بھی واقع نہ ہو۔ اور اس کی روح کا دوسرے جسد کی طرف انتقال شہداء کی ان ارواح کے انتقال کی مانند ہے۔ جو سبز پرندوں کے ڈھانچوں میں منتقل ہوتیں ہیں۔ (انتھیٰ)

اور سراج البلقینی رحمہ اللہ نے اس کے جواب میں فرمایا ہے کہ جائز ہے کہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضری دینے والی ذات حضرت جبریل علیہ السلام اپنی اصل شکل کے ساتھ ہوں کہ انہوں نے اپنے آپ کو انسانی ہیئت کی مقدار تک سمیٹ لیا ہو اور بعد میں وہ اپنی اصلی ہیئت کی طرف لوٹ گئے ہوں جیسا کہ روئی کو دھنے کے بعد جمع کیا جائے تو تھوڑی سی لگتی ہے اور دھنے سے اس کی صورت بڑی بنتی ہے حالانکہ دونوں صورتوں میں اس کی ذات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ (انتھیٰ)

اور "السخاوی" کے شارح علامہ القونوی رحمہ اللہ نے اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو ان کی زندگی میں کوئی خاص ملکہ قدسیہ اور قوت عطا فرمادے جس کے سبب وہ اپنے معہود مخصوص بدن کے علاوہ دوسرے بدن میں تصرف کرنے پر قادر ہوجاتے اور بدن اول میں بھی اس کا تصرف بدستور قائم رہے کہا جاتا ہے کہ ابدال کو ابدال کے ساتھ موسوم اس لئے کیا گیا ہے کہ وہ ایک جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ جاتے ہیں تو ان کی پہلی جگہ میں ایک اور جسم پیدا ہوتا ہے جو ان کے اصلی جسم کے مشابہ ہوتا ہے اور یہ مثالی جسم اصلی جسم کا بدل ہوتا ہے اور صوفیاء کرام رحمہم اللہ نے عالم اجساد اور عالم ارواح کے درمیان ایک متوسط عالم ثابت کیا ہے جسے عالم مثال کے ساتھ موسوم کرتے ہیں۔ اور وہ فرماتے ہیں کہ یہ عالم اجساد سے زیادہ لطیف اور عالم ارواح سے زیادہ کثیف ہے اور اسی پر انہوں نے اس بات کی بنیاد رکھی ہے کہ ارواح عالم مثال کی مختلف صورتوں میں ظاہر اور مجسم ہوتی ہے۔ اور اس کی مانوسیت کے لئے کبھی اس آیت کریمہ کو پیش کیا جاتا ہے:

فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا. (سورہ مریم، آیت: 17)

وہ اس کے سامنے ایک تندرست آدمی کے روپ میں ظاہر ہوا۔

پس ایک ہی روح مثلاً حضرت جبریل علیہ السلام کی روح ایک ہی وقت میں اپنے اصلی جسد کی مدبر بھی ہے اور اس مثالی جسد کی بھی مدبر ہے۔ اور اسی سے وہ چیز بھی واضح ہوئی جس کا بعض آئمہ رحمہم اللہ سے منقول ہونا مشہور ہے کہ انہوں نے بعض اکابر سے حضرت جبریل علیہ السلام کے جسم کے متعلق سوال کرتے ہوئے کہا کہ اگر جبریل علیہ السلام کا جسم اول وہ ہے جو اپنے بازوؤں کے ساتھ افق کو ڈھانپ لیتا ہے تو پھر اس کو حضور ﷺ نے نہیں دیکھا اور جبریل امین علیہ السلام جب حضور ﷺ کی خدمت میں حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کی صورت میں حاضر ہوتے تھے تو اس وقت ان کی اصلی صورت کیا ہوتی تھی؟

بعض اکابر نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ ممکن ہے کہ جبریل علیہ السلام حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کی صورت میں بارگاہ نبوت

میں حاضر ہوتے تھے تو ان کے جسم کا بعض حصہ بعض حصہ میں داخل ہو کر سکڑ جاتا ہو جس کی وجہ سے ان کا جسم چھوٹا ہو کر دحیہ رضی اللہ عنہ کی صورت کے برابر ہو جاتا ہو اور اس کے بعد دوبارہ اپنی اصلی صورت کی طرف لوٹتا اور اپنی اصلی ہیئت تک پھیلتا ہو۔اور صوفیاء کرام رحمہم اللہ نے اس بارے میں جو ذکر کیا ہے وہ زیادہ بہتر ہے۔اور ممکن ہے کہ حضرت جبریل امین علیہ السلام کا جسم اول بغیر کسی تبدیلی کے اپنی اصل حالت پر قائم رہا ہو اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایک اور مثالی جسم پیدا کیا ہو اور ان کی روح دونوں جسموں میں بیک وقت تصرف کرتی ہو۔(انتہیٰ)

اور بعض علماء کرام نے فرمایا ہے یہاں پر شاہد کو غائب پر قیاس کرنے سے غلطی واقع ہوئی ہے ان لوگوں کے خیال میں روح اجسام میں معروف چیز کی جنس میں سے ہے کہ اجسام جب کسی مکان میں ہوتے ہیں تو پھر ان کا کسی دوسرے مکان میں ہونا ممکن نہیں ہوتا (ایسی ہی روح جب ایک جسم میں ہوگی تو دوسرے میں اس کا ہونا ممکن نہیں) اور ان کا یہ خیال محض غلط ہے کیا تمہیں معلوم نہیں کہ روح رفیق اعلیٰ میں ہونے کے باوجود میت کے بدن کے ساتھ متصل ہوتی ہے۔

مُردے کی روح، سلام کا جواب دیتی ہے

اسی لئے جب مُردے کو سلام کیا جاتا ہے تو روح اس کا جواب دیتی ہے حالانکہ وہ اپنے اس مکان (رفیق اعلیٰ) میں ہوتی ہے۔

التابع بن عطاء رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ایسا ہے جو کائنات کی ایک تہائی کو بھرتا ہے۔اور اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ایسا ہے جو کائنات کی دو تہائیوں کو بھرتا ہے اور ایک فرشتہ ایسا ہے جو ساری کائنات کو بھرتا ہے۔جب ایک فرشتہ ساری کائنات کو بھرتا ہے تو باقی دو فرشتے کہاں گئے؟ اس کا جواب یہ ہے لطافت کثافت کی مانند آپس میں مزاحم نہیں ہوتے۔اس کی مثال یہ ہے جب ایک چراغ گھر میں داخل کیا جاتا ہے تو اس کی روشنی پورے گھر کو بھر دے گی۔جب دوسرا چراغ یا بہت سارے چراغ داخل کئے جائیں تو ان کے انوار اور روشنیاں باہم مزاحم نہیں ہوں گیں۔

فائدہ نمبر 10......حضرت امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ فرشتے نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں اور نہ نکاح کرتے ہیں اور جنات کھاتے، پیتے اور نکاح کرتے ہیں اور ان کے ہاں اولاد بھی ہوتی ہے۔اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَايَفْتُرُوْنَ. (سورۃ الانبیاء، آیت:20)

رات اور دن اس کی پاکی بولتے ہیں اور سستی نہیں کرتے۔

اس آیت کریمہ کے ظاہر سے ثابت ہے کہ فرشتے نیند سے بھی پاک ہیں اور یہی بات امام فخر الدین رحمہ اللہ کے

کلام میں منقول ہے۔

فائدہ نمبر 11 ...... بعض حنفی علماء نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن ملک الموت کو لوگوں کے ساتھ اٹھایا جائے گا اور لوگ اس سے خوف زدہ نہیں ہوں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں اس دن ملک الموت سے امن کا پیغام دیا ہے:

اُدْخُلُوْهَا سَلَامٌ آمِنِیْنَ ۔ یعنی جنت میں داخل ہو امن وسلامتی کے ساتھ۔

نہ یہاں سے نکالے جاؤ اور نہ موت آئے۔

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

لَا یَذُوْقُوْنَ فِیْهَا الْمَوْتَ ۔ (سورۃ الدخان، آیت:56)

اور فرشتے جنت میں ہوں گے۔ بعض تسبیح پڑھتے ہوئے عرش کا طواف کریں گے اور بعض اللہ تعالیٰ کی طرف سے مؤمنین پر سلام پہنچائیں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالْمَلَائِکَةُ یَدْخُلُوْنَ عَلَیْهِمْ مِنْ کُلِّ بَابٍ ٥ سَلَامٌ عَلَیْکُمْ ۔ (سورۃ الرعد، آیت:23,24)

اور فرشتے ہر دروازے سے ان پر یہ کہتے ہوئے آئیں گے سلامتی ہو تم پر۔

اور حنفیوں کی ایک جماعت نے ذکر کیا ہے کہ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی زیارت نہیں ہوگی لیکن زیادہ راجح اس کے برعکس ہے۔ عنقریب اس کی بحث آئے گی۔

فرشتے ذکورت وانوثت سے متصف نہیں

فائدہ نمبر 12 ...... اللہ تعالیٰ کے ارشاد:

وَعَلَی الْاَعْرَافِ رِجَالٌ ۔ (سورۃ الاعراف، آیت:46)

اور اعراف پر کچھ مرد ہوں گے۔

اس آیت کے تحت ایک جماعت نے ابومجلز رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ یہاں رجال سے مراد فرشتے ہیں تو ان سے کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے رجال (مرد) فرمایا ہے اور تم کہتے ہو وہ فرشتے ہوں گے تو انہوں نے فرمایا، فرشتے مذکر ہی ہیں مؤنث نہیں۔ اور علامہ حلیمی نے ابومجلز رحمہما اللہ کے اس قول کو نقل کرنے کے بعد اس کو ناممکن قرار دیا ہے کہ الرجال جمع مذکر کا صیغہ ہے اور اس کا اطلاق عقلاء پر ہی ہوتا ہے اور فرشتے مذکر ومؤنث کے درمیان تقسیم نہیں۔ اس قول کے ناممکن ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اعراف والوں کے بارے میں خبر دی ہے کہ وہ جنت میں داخل ہونے کی خواہش کریں گے۔ اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ فرشتے نہیں ہوں گے کیونکہ فرشتوں کو جنت میں داخل ہونے سے

نہیں روکا جائے گا کیونکہ روکنے میں ایک طرح کی سزا ہے اور قیامت کے دن کسی فرشتے پر عذاب نہ ہوگا۔

القونوی رحمہ اللہ نے "المنہاج" کے اختصار میں فرمایا ہے کہ:

سوال وجواب اور جنت ودوزخ میں داخل ہونے میں جنات انسانوں کی طرح ہیں لیکن یہ احتمال ہے کہ جنات اور انسان جنت میں مخلوط نہیں ہوں گے کیونکہ ان میں باہمی تضاد دیا جاتا ہے۔ اور فرشتوں کے زیادہ مناسب یہ ہے کہ ان کا کوئی عمل نہیں لکھا جائے گا اور نہ ان کا محاسبہ ہوگا۔ وہ گناہ سے پاک ہیں۔ پس وہ ان انسانوں کی طرح ہیں جو معصوم ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ فرشتوں کو مکلف نہ ہونے کی وجہ سے ثواب نہیں دیا جائے گا کیونکہ فرشتے کھانے، پینے اور نکاح کرنے والوں میں سے نہیں تاکہ وہ جنت کے ان مقامات میں داخل ہوجائیں جن میں انسان داخل ہوں گے۔

اور یہ احتمال ہے کہ فرشتے مکلف نہ ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے کوئی اور نعمت رکھی ہو جس کا ہماری عقلیں ادراک نہیں کرسکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَعْدَدْتُ لِعِبَادِی الصَّالِحِیْنَ مَا لاَ عَیْنَ رَاَتْ وَلاَ اُذُنَ سَمِعَتْ وَلاَ خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ.

میں نے اپنے صالح بندوں کے لئے کچھ تیار کیا ہے جس کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی انسان نے تصور کیا۔

قیامت کے دن آسمانوں کے لپیٹے جانے کی تشریح کرتے ہوئے علامہ نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں آسمان جب پھٹ جائیں گے تو فرشتہ مضبوطی کے ساتھ انہیں لپیٹ دے گا۔ جیسا کہ کاتب جس فائل میں قطعی فیصلہ لکھا ہوا ہوتا ہے اس کو بکھرنے سے بچانے کے لئے بڑی مضبوطی کے ساتھ لپیٹ دیتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِیّٰتٌ بِیَمِیْنِہٖ . (سورۃ الزمر، آیت:67)

اور اس کی قدرت سے سب آسمان لپیٹ دیئے جائیں گے۔

دایاں ہاتھ قوت کی علامت ہے۔ مضبوطی سے لپیٹنے کے لئے بطور مثال ذکر کیا گیا ہے اور جب آسمان لپیٹ دیئے جائیں گے تو فرشتے زمین سے اتر آئیں گے۔ اور انسان اس وقت فرشتوں کو دیکھیں گے جیسا کہ سورۃ الفرقان میں ہے:

یَوْمَ یَرَوْنَ الْمَلٰٓئِکَۃَ ۔ (سورۃ الفرقان، آیت:22)

جس دن وہ فرشتوں کو دیکھیں گے۔

بوقت قضائے حاجت فرشتوں کا جدا ہونا

فائدہ نمبر 13...... محافظ فرشتے ہم سے صرف قضائے حاجت، جماع اور غسل کے وقت الگ ہوتے ہیں جیسا کہ ساتھ مذکورہ حدیث میں ہے ایک دوسری حدیث میں ہے:

اِنَّ مَجْلِسَ الحَافِظِیْنَ مِنَ الْاِنْسَانِ اَلْصَی اَضْرَاسِہٖ .

(یہ حدیث صرف فتاوی ہذا میں ہے اس کے علاوہ کسی مختلف الفاظ سے بھی نہیں ملی.....)

محافظ فرشتوں کی انسان میں نشست گاہ انسان کی سب سے بڑی داڑھ ہے۔

ایک حدیث میں ہے:

اِتَّقُوْا اَفْوَاھَکُمْ بِالخَلَالِ فَاِنَّہٗ مَجْلِسُ المَلَکَیْنِ الکَرِیْمَیْنِ الحَافِظِیْنَ وَاِنَّ مِدَادَھُمَا الرِّیْقُ وَقَلَمَھُمَا اللِّسَانُ .

(فتاوی الخلیلی، کتاب امہات الاولاد، مطلب محل کم عدد الخ، ج:2 ص:287، المطبوعہ:مطبعہ معریۃ قدیمۃ)

تم اپنے چہروں کو خلال کے ساتھ صاف رکھو کیونکہ یہ دونوں مکرم محافظ فرشتوں کی قیام گاہ ہے۔ اوران کی روشنائی لعاب دہن اوران کاقلم زبان ہے۔

اوراسی لئے فرمایا ہے کہ:

لِسَانُ الْاِنْسَانِ قَلَمُ المَلَکِ وَرِیْقُہٗ مِدَادُہٗ.

انسان کی زبان فرشتے کاقلم اوراس کا لعاب دہن فرشتے کی روشنائی ہے۔

منکر ونکیر ایک وقت میں متعدد جگہ

اور منکر ونکیر اپنے جسم کے عظیم ہونے کے سبب ایک ہی وقت میں دور دراز جگہوں میں متعدد مُردوں کے ساتھ مخاطب ہونے پر قادر ہیں اور ہر مخاطب یہ خیال کرتا ہے کہ وہ ہی مخاطب ہے اوراس کے سوا کوئی دوسرا مخاطب نہیں۔ اور علامہ الحلیمی رحمہ اللہ کا مختار یہ ہے کہ سوال قبر کے فرشتے متعدد ہیں اور ان سب کا نام منکر ونکیر ہے۔ اور ہر مُردے سے سوال کرنے کے لئے دو فرشتوں کو بھیجا جاتا ہے جیسا کہ ہر انسان کا نامہ اعمال لکھنے پر دو فرشتے مامور ہیں۔

فائدہ نمبر 14...... انبیاء علیہم السلام کے سوا جو انسان فرشتے کو تنہائی میں دیکھے گا اس کی بینائی چلی جائے گی۔

فائدہ نمبر 15...... امام غزالی رحمہ اللہ اور دیگر علماء کرام نے ذکر کیا ہے کہ اس وقت بھی فرشتوں کو بطور کرامت دیکھنا ممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں جس کو چاہے اس کرامت سے نوازتا ہے اور صحابہ کرام کی ایک جماعت کے ساتھ ایسے واقعات پیش آتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جبریل امین علیہ السلام کی زیارت کی تو حضور ﷺ نے ان سے فرمایا تھا کہ:

لَنْ يَّرَاهُ خَلْقٌ اِلَّا عُمِيَ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ نَبِيًّا وَّلٰكِنْ يَّكُوْنُ ذَالِكَ آخِرُ عُمْرِكَ.

(المستدرک علی الصحیحین، کتاب معرفۃ الصحابۃ، ذکر عبداللہ بن عباس رقم الحدیث 6287، ج:3 ص:617، المطبوعہ: دارالکتب العلمیۃ، بیروت)

جبریل علیہ السلام کو کوئی مخلوق نہ دیکھے گی مگر وہ بینائی سے محروم ہو جائے گی سوائے اس کے کہ وہ نبی ہو۔لیکن یہ (بینائی کا زائل ہونا) تمہاری عمر کے آخری حصہ میں ہوگا۔

اور ایسی ہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، زید بن ارقم رضی اللہ عنہ اور ایک مخلوق نے حضرت جبریل علیہ السلام کو اسی وقت دیکھا جب جبریل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ایمان سے متعلق سوال کیا تھا یہ حضرات بینائی سے محروم نہیں ہوئے کہ ظاہر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بینائی سے محروم ہونے والے سے مراد وہ شخص ہے جو انفرادی صورت میں بطور کرامت فرشتے کی زیارت کرے۔(تو اس کی بینائی زائل ہوگی) ان حضرات نے انفرادی طور پر زیارت نہیں کی تھی۔

(المستدرک علی الصحیحین، کتاب معرفۃ الصحابۃ، ذکر عبداللہ بن عباس رقم الحدیث 6287، ج:3 ص:617، المطبوعہ: دارالکتب العلمیۃ، بیروت)

فائدہ نمبر 16......اور صور پھونکنے کے سبب تمام فرشتوں پر موت واقع ہو جائے گی سوائے حاملین عرش اور جبریل، اسرافیل، میکائیل علیہم السلام اور ملک الموت کے اور پھر اس کے بعد انہیں بھی موت آجائے گی۔

حضرت وہب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ چار فرشتے وہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے مخلوق سے پہلے پیدا فرمایا اور سب سے آخر میں انہیں موت سے ہمکنار فرمائے گا اور سب سے پہلے انہیں زندہ فرمائے گا۔امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مجھے اس بات کا علم نہ ہو سکا کہ موت کے بعد فرشتوں کی ارواح کہاں ہوں گیں۔

فرشتے شفاعتِ کبریٰ میں داخل ہوں گے

اور ظاہر احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے شفاعتِ عظمیٰ میں داخل ہوں گے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

اَخَّرْتُ الثَّالِثَةَ لِيَوْمٍ تَرْغَبُ اِلَيَّ فِيْهِ الْخَلْقُ حَتّٰى اِبْرَاهِيْمَ.

(صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ المسافرین وقصرہا، باب بیان ان القرآن علی سبعۃ احرف، الخ، رقم الحدیث 820، ج:1 ص:561، مطبوعہ: ایضا)

میں نے تیسری دعا اس دن کے لئے مؤخر کی ہے جس میں تمام مخلوق حتی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی میری طرف متوجہ ہوں گے۔

قیامت کے دن فرشتے انسانوں کے ساتھ ہوں گے

اور اللہ تعالیٰ کے حضور قیام کے وقت فرشتے انسانوں کے ساتھ ہوں گے اور حدیث میں وارد ہے کہ میدان محشر میں فرشتے انسانوں، جنوں اور تمام مخلوق کا احاطہ کئے ہوں گے۔

فرشتوں کے اعمال کا وزن نہیں کیا جائے گا۔

حضرت حلیمی رحمہ اللہ کا اس سے پہلے یہ قول گزر چکا ہے فرشتوں سے محاسبہ نہ ہوگا اور نہ ان کا کوئی عمل لکھا جائے گا۔اس قول سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ فرشتوں کے اعمال کا وزن نہیں کیا جائے گا۔کیونکہ وزن حساب اور کتابتِ اعمال کی فرع ہے کہ اعمال ناموں کو میزان میں رکھا جائے گا (جب حساب وکتاب نہیں تو وزن کا ہے کا ہوگا؟) اور فرشتے علماء اور صلحاء کی طرح گنہگار انسانوں کی شفاعت کریں گے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی (سورۃ الانبیاء، آیت:28)

اور شفاعت نہیں کرتے مگر اس کے لئے جسے وہ پسند فرمائے۔

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِی السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِیْ شَفَاعَتُهُمْ شَیْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ یَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَرْضٰی. (سورۃ النجم، آیت:26)

کتنے ہی فرشتے ہیں آسمانوں میں کہ ان کی سفارش کچھ کام نہیں آتی مگر جب کہ اللہ تعالیٰ اجازت دیدے جس کے لئے چاہے اور پسند فرمائے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

اور ایمان والے جنت میں فرشتوں کو دیکھیں گے۔اور فرشتوں میں سب سے افضل جبریل واسرافیل علیہما السلام ہیں۔اور ان دونوں میں سے افضل کون ہے؟ اس بارے میں احادیث متعارض ہیں اکثر احادیث حضرت اسرافیل علیہ السلام کی فضیلت پر دلالت کرتی ہیں۔اور امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ اطلاق کے قائل ہیں کہ تمام فرشتے اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔اور اس آیت کریمہ میں بعض فرشتوں کا رسول ہونا معلوم ہوتا ہے:

اَللّٰهُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ. (سورۃ الحج، آیت:75)

اللہ چن لیتا ہے فرشتوں میں سے رسول اور آدمیوں میں سے۔ (کنز الایمان)

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہاں مِن تبعیضیہ نہیں بلکہ مِن بیانیہ ہے۔امام رازی رحمہ اللہ کے علاوہ دیگر علماء کی ایک جماعت کا قول ہے کہ فرشتوں میں سے کچھ رسول ہیں اور کچھ غیر رسول ہیں۔اور سب سے بلند درجہ حاملین عرش کا ہے اور اس کے بعد عرش کے گرد طواف کرنے والوں کا اور پھر اکابر فرشتوں حضرت جبریل، میکائیل، اسرافیل، اور عزرائیل علیہم السلام کا اور پھر جنت ودوزخ پر مامور فرشتوں کا اور پھر انسانوں کے ساتھ مقرر فرشتوں کا اور پھر اس عالم کے اطراف میں جو فرشتے مامور ہیں ان کا ہے۔جیسا کہ حضرت امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔

امام رازی رحمہ اللہ کا یہ کلام حضرت جبریل علیہ السلام کے مرتبہ کا اپنے ساتھ والے دیگر فرشتوں کے مرتبہ کے بعد ہونے کورد کر رہا ہے بلکہ خود امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے اپنی "تفسیر کبیر" میں صراحت کی ہے کہ جبریل، میکائیل اور اسرافیل علیہم السلام تمام فرشتوں سے اشرف ہیں اور جبریل اسرافیل علیہما السلام سے افضل ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ جِبْرِیْلَ وَمِیْکَالَ.

(سورۃ البقرہ، آیت:98)

اور جبریل اور خیرات روحانیہ کے مظہر ہیں اور خیرات روحانیہ، خیرات جسمانیہ سے افضل ہے۔ جبریل انبیاء کرام کی طرف علم کی وحی پر مامور ہیں اور میکائیل صاحب ارزاق ہیں۔

نوٹ:......(یہ سابقہ تمام امور فرشتوں سے متعلق تھے)

شیاطین، انسانوں کی طرح جیتے اور مرتے ہیں؟

سوال نمبر 2.....کیا شیاطین انسانوں کی طرح پیدا ہوتے اور مرتے ہیں یا کہ پیدا ہوتے ہیں اور قیامت تک مریں گے نہیں؟ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا ذکر افضل ہے یا کہ صرف کلمہ جلالت (اللہ) کا۔؟

جنات سے متعلق کلام

جنات سے متعلق مفصل کلام کرنے میں کوئی جرح نہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ:

اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی مِمَّا خَلَقَ اَبَا الْجِنِّ سَمُوْعًا مِّنْ مَّارِجٍ مِّنَ النَّارِ قَالَ لَهٗ تَمَنَّ عَلَیَّ قَالَ اَتَمَنّٰی اَنْ نَرٰی وَلَا نُرٰی وَاَنْ نَغِیْبَ فِی الثَّرٰی وَیَصِیْرَ کُهْلُنَا شَابًّا فَاُعْطِیَ ذٰلِکَ.

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، باب ذکر الجن وثوابہم وعقابہم، ج:15 ص:185 مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت)

اللہ تعالیٰ نے جب جنات کے باپ کو آگ کے شعلہ کی لو سے پیدا فرمایا تو اُسے فرمایا میری بارگاہ سے تمنا کرو تو اس نے عرض کی میں اس بات کی تمنا کرتا ہوں کہ ہم دیکھیں اور ہمیں دیکھا نہ جائے۔ اور ہم مٹی میں غائب ہو جائیں اور ہم سے بوڑھا جوان ہو جائے۔ پس اس کو یہ چیزیں دے دی گئیں۔

پس اسی لئے وہ دیکھتے ہیں اور ان کو دیکھا نہیں جاتا اور جب وہ مر جائیں گے تو اُن کو مٹی میں غائب کر دیا جائے گا اور ان میں سے بوڑھا نہیں ہوتا حتیٰ کہ وہ پھر سے جوان ہو جاتا ہے یعنی وہ بچے کی طرح ہو جاتا ہے اور پھر اس کے بعد ارذل عمر کی طرف لوٹایا جاتا ہے۔ قرآن وسنت سے ثابت ہے کہ جنات کی اصل آگ ہے اور اس کے باوجود شہاب ثاقب ان کو جلاتے ہیں کیونکہ آگ کی طرف ان کی نسبت ایسی ہی ہے جیسے انسان کی نسبت مٹی، گھارے اور ٹھیکری کی طرف نسبت ہے۔ اس سے یہ مراد ہے کہ انسان کی اصل گھارا ہے اور اس سے یہ مراد نہیں کہ وہ حقیقت میں مٹی ہے۔

اسی طرح جنات اصل میں آگ تھے نہ کہ وہ حقیقتاً آگ ہیں کیونکہ صحیح حدیث شریف میں ہے:

عَرَضَ لِيَ الشَّيْطَانُ فِي صَلَاتِي فَخَنَقْتُهُ فَوَجَدْتُ بَرْدَ رِيقِهٖ عَلٰى يَدَيَّ.

(سبل الہدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد، الثالث فی سترۃ اذا صلی، بالفاظ مختلف، ج:8 ص:108، مطبوعہ: دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

نماز میں شیطان میرے سامنے آ گیا تو میں نے اس کا گلا دبوچا پس میں نے اس کے تھوک کی برودت اپنے ہاتھوں میں محسوس کی۔

جو جلانے والی آگ ہو تو اس کے تھوک کی برودت کیسے محسوس کی جاتی ہے؟ کیونکہ اس کا سرے سے تھوک ہی نہیں ہوتا۔ اس کا ٹھنڈا ہونا تو دور کی بات ہے۔ اور حضور ﷺ نے جنات کو قبطیوں سے تشبیہ دی ہے۔ اگر ان کی اشکال وصورتیں غیر ناری نہ ہوتیں تو آپ ﷺ صورتوں کا ذکر نہ فرماتے اور شعلوں اور چنگاریوں کے ذکر کو ترک نہ فرماتے۔

امام باقلانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ: جنات کے اصل میں آگ ہونے کے باوجود ہم اس بات کا انکار نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ ان کے اجسام کو کثیف وغلیظ بناتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کے لئے ایسے اعراض پیدا فرماتا ہے جو آگ میں موجود چیز سے کوئی زائد چیزیں ہوتیں ہیں جن کی وجہ سے وہ آگ رہنے سے نکل جاتے ہیں اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ مختلف اشکال اور صورتیں پیدا فرماتا ہے۔

اور قاضی ابو یعلی الفراء رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ جنات اجسام مرکبہ اور اشخاص ممثلہ ہیں اور ان کا کثیف ورقیق ہونا جائز ہے۔ اس میں معتزلہ کا اختلاف ہے کہ ان کا خیال ہے کہ جنات رقیق ہوتے ہیں اسی لئے ہم انہیں نہیں دیکھ سکتے۔ اور الباقلانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ جنات کو جن لوگوں نے دیکھا ہے یقیناً انہوں نے ان کو ہی دیکھا ہے کیونکہ جنات اجساد واجسام مرکبہ ہیں۔

امام مسلم رحمہ اللہ کے ہاں حدیث ہے کہ:

خُلِقَتِ الْمَلَائِكَةُ مِنْ نُوْرٍ وَخُلِقَ الْجَانُّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ وَّخُلِقَ آدَمُ مِمَّا وُصِفَ لَكُمْ.

(صحیح مسلم، کتاب الزہد والرقائق، باب فی احادیث متفرقۃ، رقم الحدیث 2996، ج:4 ص:2294، مطبوعہ: ایضاً)

فرشتے نور سے پیدا کئے گئے ہیں اور جنات آگ کے شعلہ سے پیدا کئے گئے ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام اس چیز سے پیدا کئے گئے ہیں جس کا بیان تم سے کیا جا چکا ہے۔

ابن ابی الدنیا، حکیم ترمذی، ابو الشیخ اور ابن مردویہ رحمہم اللہ نے تخریج کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

خَلَقَ اللّٰهُ الْجِنَّ ثَلَاثَ أَصْنَافٍ، صِنْفٌ حَيَّاتٌ وَعَقَارِبُ وَخَشَاشُ الْأَرْضِ وَصِنْفٌ كَالرِّيْحِ فِي الْهَوَاءِ وَصِنْفٌ عَلَيْهِمُ الْحِسَابُ وَالْعِقَابُ.

(العظمۃ لابی اصبہانی، ذکر الجن وخلقہم، ج:5 ص:1639، مطبوعہ: ایضاً)

اللہ تعالیٰ نے جنوں کو تین اصناف میں پیدا فرمایا ہے۔ایک صنف سانپ ،بچھوؤں اور حشرات الارض ہے۔اورایک صنف فضاء میں ہوا کی طرح ہے۔اورایک صنف پر حساب وعقاب ہے۔

سہیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :اگر یہ بات صحیح ہو کہ جنات نہ کھاتے ہیں اور نہ پیتے ہیں۔تو پھر حدیث میں صنف ثانی سے مراد وہ جنات ہیں جو نہ کھاتے ہیں اور نہ پیتے ہیں اور بہت سارے محدثین نے تخریج کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

اَلْجِنُّ ثَلاثُ اَصْنَافٍ فَصِنْفٌ لَهُمْ اَجْنِحَةٌ يَطِيْرُوْنَ بِهَا فِي الْهَوَاءِ وَصِنْفٌ حَيَّاتٌ وَكِلابٌ وَصِنْفٌ يَحِلُّوْنَ وَيَظْعَنُوْنَ.

(العظمۃ لابی اصبہانی، ذکر الجن وخلقھن ،ج:5 ص1638،مطبوعہ:ایضا)

جنات کی تین قسمیں ہیں ۔ایک قسم کے بازوں ہیں جن کے ساتھ وہ فضاء میں اڑتے ہیں اورایک قسم سانپوں اور کتوں کی ہے۔اورایک قسم مقیم ہوتی ہے اور کوچ کرتی ہے۔

سہیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ۔یہ آخری قسم بھوتوں کی ہے۔ابویعلی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ :شیاطین کا بذات خود مختلف صورتوں میں منتقل ہونا ممکن نہیں اور ایسے ہی فرشتوں کا بھی ۔ہاں اللہ تعالیٰ انہیں کسی قول یا فعل کا علم عطا فرما دیتا ہے جب وہ اس قول کو کہتے ہیں یا فعل کو کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو ایک صورت سے دوسری صورت میں منتقل فرما دیتا ہے۔کیونکہ جن یا فرشتے کا بذات خود صورتیں بدلنا محال ہے۔ایک صورت سے دوسری صورت کی طرف انتقال تب ہی ممکن ہے جب ان کا ڈھانچہ ٹوٹ پھوٹ جائے اوراجزاء متفرق ہو جائیں اور جب ڈھانچہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جائے گا تو حیات باطل ہو جائے گی اور جماد رہ جائیں گے اور جمادات سے کسی فعل کا وقوع محال ہے اور جماد بذات خود کیسے دوسری صورت میں منتقل ہو سکتا ہے اور ابلیس کے بارے میں جو منقول ہے کہ اس نے سراقہ کی صورت اختیار کی تھی اور جبریل علیہ السلام کے بارے میں ہے کہ وہ حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کی صورت میں متمثل ہوئے تھے۔تو اس کو اسی پر محمول کیا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی فعل یا قول کا علم عطا فرمایا تھا جب وہ قول وفعل ان سے صادر ہوتا تھا تو اللہ تعالیٰ انہیں دحیہ رضی اللہ عنہ کی صورت میں منتقل فرماتا تھا اور شیطان کو سراقہ کی صورت میں منتقل کر دیتا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں جب آسیب کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

اِنَّ اَحَدًا لا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يَّتَغَيَّرَ عَنْ صُوْرَتِهِ الَّتِي خَلَقَهُ اللّٰهُ عَلَيْهَا .وَلٰكِنَّ لَهُمْ سَحَرَةٌ كَسَحَرَتِكُمْ فَاِذَا رَاَيْتُمْ مِنْ ذَالِكَ شَيْئًا فَاَذِّنُوْا.

(مصنف ابن ابی شیبۃ ،کتاب الدعاء ،باب الغیلان اذا......الخ،رقم الحدیث 29742،ج:6 ص:94،مطبوعہ:ایضا)

کوئی اپنی اس صورت سے بدل نہیں سکتا جس پر اللہ تعالیٰ نے اس کی تخلیق فرمائی ہے لیکن جنات

کے ہاں جادوگر ہیں جس طرح تمہارے ہاں جادوگر ہیں۔ جب تم ایسی کسی چیز کو دیکھو تو وارننگ دو۔
حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ سے آسیب کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:
هُمْ سِحْرَةُ الْجِنِّ. وہ جنوں کے جادوگر ہیں۔

(الجامع فی الحدیث لابن وہب، فی الطیرۃ والعدوی......الخ، رقم الحدیث 632، ج:1، ص:725، مطبوعہ: دار ابن الجوزی، الریاض)

قاضی ابویعلیٰ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ انسانوں کی طرح جنات کھاتے، پیتے اور نکاح کرتے ہیں۔ ظاہر معلومات سے معلوم ہوتا ہے تمام جنات ایسے ہی ہیں اور علماء کی ایک جماعت کی یہی رائے ہے اور ان علماء میں سے بعض کا خیال ہے کہ جنات کے کھانے، پینے کا طریقہ سونگھنا ہے چباتے اور نگلتے نہیں ان کی اس رائے پر کوئی دلیل نہیں اور ان میں اکثر علماء نے فرمایا کہ بلکہ وہ چباتے اور نگلتے ہیں اور ایک جماعت کا خیال ہے کہ تمام جنات نہ کھاتے ہیں اور نہ پیتے ہیں یہ قول ساقط الاعتبار ہے اس پر کوئی دلیل نہیں۔ اور ایک جماعت کی رائے ہے کہ جنات کی ایک قسم کھاتی اور پیتی ہے اور ایک قسم نہ کھاتی ہے اور نہ پیتی ہے۔

ابن جریج رحمہ اللہ نے حضرت وہب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ جنات کی کئی اقسام ہیں اور ان میں سے خالص جنات وہ ہیں، جو نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں اور نہ مرتے ہیں اور نہ ان میں توالد و تناسل کا سلسلہ ہے۔ اور ان میں سے کچھ اقسام کھاتی، پیتی اور شادی کرتی ہیں اور مرتی ہیں۔ ان میں بھوت اور آسیب اور ان کی امثال شامل ہیں۔

مومن اور کافر جنات کا کھانا

امام احمد بن حنبل، امام مسلم اور امام ترمذی رحمہم اللہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے تخریج کیا ہے کہ:
أَنَّهُ لَمْ يَصْحَبْهُ أَحَدٌ لَيْلَةَ الْجِنِّ وَإِنَّمَا افْتَقَدُوهُ ذَاتَ لَيْلَةٍ فَبَاتُوا بِشَرِّ لَيْلَةٍ فَلَمَّا أَصْبَحُوا فَإِذَا بِهِ هُوَ يَجِيءُ مِنْ قِبَلِ حِرَاءَ فَذَكَرُوا لَهُ مَا كَانُوا فِيهِ فَقَالَ أَتَانِي دَاعِي الْجِنِّ فَذَهَبْتُ مَعَهُ فَقَرَأْتُ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنَ فَانْطَلَقَ بِنَا فَأَرَانَا آثَارَهُمْ وَآثَارَ النَّارِ وَسَأَلُوهُ الزَّادَ فَقَالَ لَكُمْ كُلُّ عَظْمٍ ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَكَانُوا مِنْ جِنِّ الْجَزِيرَةِ.

(مسند احمد، مسند عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، رقم الحدیث 4150، ج:4، ص:160، مطبوعہ: دار الحدیث، قاہرہ)

لیلۃ الجن میں کوئی بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نہ تھا اور صحابہ رضی اللہ عنہم پوری رات آپ کو تلاش کرتے رہے اور کرب میں رات گزاری، جب صبح ہوئی تو حضور ﷺ اچانک غار حراء کی جانب سے تشریف لائے صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ سے جس کرب میں رات گزاری تھی اس کا تذکرہ

کیا تو آپ نے فرمایا میرے پاس جنوں کا دعوت دینے والا آیا تھا میں اس کے ساتھ گیا اور ان پر قرآن کریم کی تلاوت کی پس آپ ہمیں ساتھ لے گئے اور ہمیں جنوں کے آثار اور ان کی آگ کے آثار دکھائے۔ اور جنوں نے آپ سے اپنی خوراک کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا تمہاری خوراک ہر وہ ہڈی ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہے اور یہ جزیرہ کے جنات تھے۔

ترمذی شریف کے الفاظ یہ ہیں:

لَمْ یُذْکَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ یَقَعُ فِیْ اَیْدِیْکُمْ اَوْفَرُ مَا یَکُوْنُ لَحْمًا وَکُلُّ بَعَرَةٍ عَلَفًا لِدَوَابِّکُمْ۔

(سنن ترمذی، ابواب تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ الاحقاف، رقم الحدیث:3258، ج:5 ص:382، مطبوعہ: ایضا)

ہر وہ ہڈی تمہاری خوراک ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو وہ گوشت سے پر ہو کر تمہارے ہاتھوں میں آئے گی اور ہر مینگنی تمہارے جانوروں کی خوراک ہے۔

اور حضور ﷺ نے فرمایا:

فَلَا تَسْتَنْجُوْا بِهِمَا فَاِنَّهُمَا طَعَامُ اَخَوَاتِکُمُ الْجِنِّ۔

(مسند احمد، مسند عبداللہ بن مسعود، رقم الحدیث:4150، ج:4 ص:160، مطبوعہ: ایضا)

تم ان دونوں (ہڈی اور گوبر) کے ساتھ استنجانہ کرو کہ یہ تمہارے بھائی جنوں کی خوراک ہے

ان دونوں حدیثوں کے درمیان تطبیق یہ ہے کہ پہلی حدیث مؤمن جنات کے حق میں ہے اور دوسری کافر جنوں کے بارے میں ہے۔ سہیلی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ تطبیق کا یہ قول صحیح ہے۔ احادیث اس کی تائید کررہی ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ:

اِنَّ وَفْدَ جِنِّ نَصِیْبِیْنَ اَتَوْهُ ﷺ فَسَاَلُوْهُ الزَّادَ فَدَعَا اللّٰهَ لَهُمْ اَنْ لَّا یَمُرُّوْا بِعَظْمٍ وَّلَا رَوْثٍ اِلَّا وَجَدُوْا عَلَیْهِ طَعَامًا۔

(صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب ذکر الجن، رقم الحدیث:3860، ج:5 ص:46، مطبوعہ: ایضا)

مقام نصیبین کے جنات کا وفد حضور ﷺ کی خدمت میں (دوسری مرتبہ مدینہ منورہ میں) حاضر ہوا، پس انہوں نے آپ ﷺ سے اپنی خوراک کے بارے میں پوچھا تو آپ نے ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی کہ وہ جس ہڈی یا گوبر سے گزریں تو اس پر ان کو خوراک ملے۔

(عنقریب وہ حدیث آئے گی جس میں ہے کہ جنات مکہ میں بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔)

ابونعیم رحمہ اللہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ:

اَنَّہٗ ﷺ خَرَجَ قَبْلَ الْهِجْرَةِ نَوَاحِيَ مَكَّةَ قَالَ فَخَطَّ لِيْ خَطًّا وَقَالَ لَا تُحْدِثَنَّ شَيْئًا حَتّٰى آتِيَكَ ثُمَّ قَالَ لَا يَهُوْلَنَّكَ اَوْ لَا يَهُوْلَنَّكَ شَيْءٌ نَزَلَ فَتَقَدَّمَ شَيْئًا ثُمَّ جَلَسَ فَاِذَا رِجَالٌ سَوْدَاءُ كَاَنَّهُمْ رِجَالُ الزُّطِّ وَكَانُوْا كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى (كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا) ثُمَّ اَنَّهُمْ تَفَرَّقُوْا عَنْهُ فَسَمِعْتُهُمْ يَقُوْلُوْنَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ شُقَّتُنَا بَعِيْدَةٌ وَنَحْنُ مُنْطَلِقُوْنَ فَزَوِّدْنَا قَالَ لَكُمُ الرَّجِيْعُ.

(المعجم الکبیر للطبرانی، باب العین، باب من ذکر عن عبداللہ بن مسعود،.....الخ رقم الحدیث:9968، ج:10 ص:66 مطبوعہ:ایضا)

رسول اللہ ﷺ ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ کے گردونواح میں تشریف لے گئے اور میرے لئے ایک خط کھینچا اور فرمایا میرے آنے تک تم نے کوئی حرکت نہیں کرنی پھر فرمایا تمہیں کوئی چیز خوف زدہ نہیں کرے گی۔ پس آپ تھوڑا سا آگے تشریف لے گئے۔ پھر بیٹھ گئے تو اچانک آپ کے سامنے سیاہ رنگ کے کچھ مرد تھے جو قبیلہ زط کے مردوں کی طرح لگتے تھے۔ اور وہ ایسے ہی تھے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے (تو قریب تھا کہ وہ جن اس پر ٹھٹھ کے ٹھٹھ ہو جائیں) پھر وہ متفرق ہونے لگے تو میں نے سنا کہ وہ کہہ رہے تھے یا رسول اللہ! دوری نے ہمیں مشقت میں ڈالا ہے اور ہم جانے والے ہیں ہمیں زادِ راہ عطا فرمایئے تو آپ نے فرمایا تمہارا زادِ راہ گوبر ہے۔

جنات کی طرف مبعوث نبی

ابن حزم رحمہ اللہ کے قول کے مطابق ہمارے نبی اکرم ﷺ سے قبل جنات کی طرف قطعاً کوئی نبی مبعوث نہیں ہوئے۔ البتہ جنات مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اپنی خوش دلی کے ساتھ ایمان لائے اور ان کی شریعت میں داخل ہوئے تھے۔ اور علامہ سبکی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ سابقہ امتوں میں جنات اس امت کی طرح مکلف تھے وہ یا تو براہ راست اس زمانے کے رسول سے سن کر مکلف تھے یا رسول سے سچی خبر دینے والے سے سن کر مکلف تھے اور رسول سے سچی خبر دینے والے کا انسان ہونا یا جن ہونا کوئی قطعی بات نہیں اور ضحاک رحمہ اللہ اور اکثر علماء کرام اس قول کے مخالف ہیں اور ظاہر قرآن بھی ان لوگوں کی تائید کر رہا ہے۔ (انتہیٰ)

اور ہمارے نبی کریم ﷺ کا جنات کی طرف رسول ہونا قطعی ہے جس پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ اور نو جنات نے نبی اکرم ﷺ سے وادیٔ نخلہ میں قرآن سنا ہے جیسا کہ اس کے متعلق حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے صحیح حدیث مروی ہے:

الا انه بهم شجرة و كانوا يهوذا.

(صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب الجہر بالقراءۃ ... الخ، رقم الحدیث 450، ج 1 ص 333، مطبوعہ ایضا)

میں نے نبی کریم ﷺ کو ایک درخت کے پاس ان کے ساتھ مخاطب ہوتے سنا اور وہ یہودی تھے۔

اور حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ایک دوسرے واقعہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہونے والے جنات کی تعداد بارہ ہزار تھی۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں کئی مرتبہ جنات حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا جن کو دفن کرنا

امام بیہقی رحمہ اللہ نے تخریج کیا ہے کہ: حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ جا رہے تھے راستے میں آپ نے ایک مردہ جن کو دیکھا تو اس کے لئے قبر کھودوائی اور ایک کپڑے میں کفن دیا اور اس کی تدفین فرمائی۔ تو آپ نے کسی آواز دینے والے کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا اے سرق! (اس جن کا نام تھا) اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اے سرق! تمہیں ایک صحرا میں موت آئے گی اور تمہیں میری امت کا ایک بہترین شخص دفن کرے گا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا: اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم فرمائے تو کون ہے؟ تو اس نے کہا میں جنات میں سے ایک شخص ہوں اور یہ سرق ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی جن جنات نے بیعت کی تھی ان میں سے میرے اور اس سرق کے سوا کوئی باقی نہیں رہا اور میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا کہ اے سرق! تمہیں ایک صحراء میں موت آئے گی اور تمہاری تدفین میری امت کے ایک بہترین انسان کے ہاتھوں ہوگی۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ حضور ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے ساتھ تھے انہوں نے ایک مقتول جن کو دیکھا تو صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے بعض نے اپنی چادر کے ساتھ اس جن کو کفن دیا اور اس کے بعد دفن کر دیا۔ جب رات کا اندھیرا چھا گیا تو دو عورتیں اس کو تلاش کرتے ہوئے آئیں اور انہوں نے بتایا کہ فاسق جنات کی مومن جنوں کے ساتھ لڑائی ہوئی تھی اور اس لڑائی میں فاسق جنوں نے اس جن کو قتل کر دیا تھا۔ اور یہ جن ان جنات کے گروہ میں شامل تھا جنہوں نے نبی کریم ﷺ سے قرآن پاک کی تلاوت سماعت کی تھی اور پھر اپنی قوم کی طرف مبلغ بن کر لوٹے تھے۔

ابن ابی الدنیا رحمہ اللہ نے تخریج کیا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے دو سانپوں کو آپس میں لڑتے ہوئے دیکھا پھر ان میں سے ایک نے دوسرے کو مار دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مرنے والے سانپ سے خوشبو محسوس ہوئی تو وہ اس کی خوشبو اور خوبصورتی پر تعجب کرنے لگے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ایک نے اس سانپ کو کپڑے میں لپیٹ کر

زمین کے اندر دفن کر دیا۔ اور اسکے بعد انہوں نے ایک گروہ کی آواز سنی جو ان کو سلام کر رہا تھا اور اس نے بتایا کہ یہ مقتول ان جنوں میں سے ایک جن تھا جو نبی اکرم ﷺ پر ایمان لائے تھے اس کو ایک کافر جن نے قتل کر دیا ہے۔

منقول ہے کہ ایک شخص نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اسی کی مثل ایک واقعہ سنایا کہ میں نے بہت سارے (مرے ہوئے) سانپوں کو دیکھا اور میری آنکھوں نے اتنے زیادہ سانپ کبھی نہیں دیکھے تھے اور مجھے ان میں سے ایک سانپ سے کستوری کی خوشبو محسوس ہوئی تو میں نے اس کو کپڑے میں لپیٹ کر زمین میں دفن کر دیا۔ اسی اثناء میں میں نے ایک خبر دینے والے کو سنا کہ وہ کہہ رہا تھا کہ یہ سانپ جنات میں سے ہے اور وہ سانپ جس کو تم نے دفن کیا ہے وہ ان جنات میں سے تھا جنہیں رسول اللہ ﷺ سے وحی سننے کا شرف حاصل تھا۔

ابورجا العطاردی کا سانپ کو دفن کرنا

ابن ابی الدنیا اور ابونعیم رحمہم اللہ نے ابورجاء العطاردی رحمہ اللہ سے تخریج کیا ہے کہ انہوں نے کسی سفر کے دوران ایک پانی میں جمع سانپوں کو ہٹانے لگے تو ایک سانپ کو دیکھا کہ وہ تڑپ رہا ہے، انہوں نے اس پر پانی بہایا تھوڑی دیر کے لئے اس کے اضطراب میں سکون پیدا ہوا اور اس کے بعد وہ مر گیا۔ ابورجاء العطاردی رحمہ اللہ نے اس کو کفن پہنایا اور دفن کر دیا اور اپنے سفر پر روانہ ہو گئے اس دن کا باقی حصہ اور آنے والی ساری رات اپنا سفر جاری رکھا حتیٰ کہ صبح ہو گئی تو ایک پانی کے قریب آرام کرنے کے لئے اُترے تو انہوں نے ایک ہزار سے زائد افراد کو سنا کہ وہ ان کو سلام کر رہے ہیں اور ان کے لئے دعا کر رہے ہیں اور سانپ کی تکفین و تدفین کا جو عمل انہوں نے کیا تھا، وہ اس پر ان کی تعریف کر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ حضور ﷺ کی جن جنات نے بیعت کی تھی یہ جن ان میں سے آخری تھا۔

امام احمد بن حنبل، الدراوردی، حاکم، طبرانی اور ابن مردویہ رحمہم اللہ نے حضرت صفوان ابن المعطل رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ وہ کچھ لوگوں کے ساتھ حج ادا کرنے کی غرض سے مکہ مکرمہ جا رہے تھے جب مقام عرج میں پہنچے تو انہوں نے ایک سانپ کو دیکھا کہ وہ تڑپ رہا ہے۔ اور اس کے بعد وہ مر گیا قافلہ میں شریک ایک شخص نے اس کو کفن دیا اور دفن کر دیا۔ جب قافلہ مکہ مکرمہ پہنچا تو ان لوگوں نے کسی کو یہ آواز دیتے ہوئے سنا کہ تم میں سے فلاں مقام پر سانپ کو دفن کرنے والا کون ہے؟ اور پھر اس کے اس عمل پر اس کی تعریف کرے گا۔ اور اس نے بتایا یہ ان نوجنوں میں شامل تھا جنہوں نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر قرآن کریم سنا تھا اور اس کی موت ان سب کے آخر میں ہوئی ہے۔ اور سابقاً یہ ذکر ہو چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے جنات نے کئی مرتبہ قرآن کریم سنا ہے اور جنات کے کئی گروہ نے سنا ہے اس میں کوئی امر مانع نہیں کہ ان مذکورہ جنوں میں سے ہر ایک اپنے ساتھ

بیعت کرنے والے گروہ کا آخری جن ہو۔

طبرانی کی یہ روایت بھی حضور ﷺ کی بیعت کرنے والے جنات کے گروہوں کی تعداد کی تائید کرتی ہے

أَنَّهُمْ اِسْتَمَعُوْا إِلَيْهِ وَهُوَ بِوَادِيْ نَخْلَةَ يُصَلِّيْ بِأَصْحَابِهِ الْفَجْرَ.

(سنن ترمذی، ابواب تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ الجن، رقم الحدیث 3223، ج 5 ص 426، مطبوعہ ایضاً)

کہ جنات قرآن کریم سننے کے لئے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے، جبکہ آپ وادی نخلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نماز فجر پڑھا رہے تھے۔

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

أَنَّهُ انْطَلَقَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِيْ إِذَا كَانَ بِأَعْلٰى مَكَّةَ خَطَّ لَهٗ بِرِجْلِهٖ خَطًّا وَأَجْلَسَهٗ فِيْهِ ثُمَّ افْتَتَحَ ﷺ الْقُرْآنَ فَغَشِيَهٗ أَسْوِدَةٌ كَثِيْرَةٌ حَالُوْا بَيْنَهُمَا حَتّٰى لَمْ يَسْمَعْ صَوْتَهٗ ثُمَّ تَفَرَّقُوْا عَنْهُ كَقِطَعِ السَّحَابِ وَفَرَغَ ﷺ مَعَ الْفَجْرِ.

(تخریج الاحادیث، الکشاف، سورۃ الاحقاف، رقم الحدیث 1195، ج 3 ص 289، مطبوعہ دار ابن خزیمہ، الریاض)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ گئے حتی کہ دونوں مکہ مکرمہ کے بالائی حصہ میں پہنچے تو حضور ﷺ نے اپنے پاؤں مبارک سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے لئے ایک خط کھینچا اور اس کے اندر ان کو بیٹھا دیا۔ پھر آپ ﷺ نے قرآن کریم کی تلاوت شروع فرمائی تو بہت سارے اجساد نے آپ کو گھیر لیا اور وہ رسول اللہ ﷺ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے درمیان حائل ہو گئے یہاں تک کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ آپ کی آواز نہ سن سکے۔ اس کے بعد وہ بادلوں کے ٹکڑوں کی طرح آپ سے متفرق ہو گئے۔ اور حضور ﷺ وقت فجر کے قریب فارغ ہو گئے۔

ابن جریر اور ابو نعیم رحمہما اللہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ:

أَنَّهُ ﷺ خَرَجَ لَيْلًا وَهُمَا بِالْمَدِيْنَةِ وَأَخَذَهٗ حَتَّى انْتَهَيَا إِلَى الْبَقِيْعِ فَخَطَّ بِعَصًا خَطًّا ثُمَّ أَجْلَسَ لَهٗ فِيْهِ ثُمَّ انْطَلَقَ يَمْشِيْ حَتّٰى ثَارَتْ مِثْلَ الْعَجَاجَةِ السَّوْدَاءِ فَحَالَتْ بَيْنَهُمَا ثُمَّ سَمِعَهٗ يَقْرَعُهُمْ بِعَصَاهُ وَيَقُوْلُ اِجْلِسُوْا حَتّٰى كَادَ يَنْشَقُّ عَمُوْدُ الصُّبْحِ ثُمَّ جَاءَ فَسَأَلَهٗ هَلْ رَأٰى مِنْ شَيْءٍ فَأَخْبَرَهٗ أَنَّهٗ رَأٰى رِجَالًا سُوْدًا عَلَيْهِمْ ثِيَابٌ بِيْضٌ فَقَالَ أُولٰئِكَ جِنُّ نَصِيْبِيْنَ يَسْأَلُوْنِي الزَّادَ بِمَتْعَتِهِمْ بِكُلِّ عَظْمٍ حَائِلٍ أَوْ رَوْثَةٍ أَوْ بَعْرَةٍ قُلْتُ وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ ذٰلِكَ؟ قَالَ إِنَّهُمْ لَا يَجِدُوْنَ عَظْمًا إِلَّا وَجَدُوْا عَلَيْهِ لَحْمَهُ الَّذِيْ كَانَ عَلَيْهِ يَوْمَ أُكِلَ وَلَا رَوْثَةً إِلَّا وَجَدُوْا عَلَيْهَا حَبَّهَا

الَّذِیْ کَانَ عَلَیْہِ یَوْمَ اَکَلَتْ.

(مسند الشامین للطبرانی، ما انتہی الینا من مسند معاویۃ، معاویۃ عن زید بن سلام، رقم الحدیث: 2871، ج:4 ص:113، مطبوعہ: مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

حضور ﷺ ایک رات باہر تشریف لائے۔ اور حضور ﷺ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں تھے حضور ﷺ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو پکڑا یہاں تک کہ دونوں جنت البقیع میں پہنچ گئے۔ حضور ﷺ نے عصا کے ساتھ ایک خط کھینچا اور اس میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو بٹھایا۔ اس کے بعد آپ آگے چلے یہاں تک کہ سیاہ غبار کی طرح کوئی چیز اٹھی اور وہ دونوں کے درمیان حائل ہوگئی۔ اور اس کے بعد ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کو سنا کہ آپ اپنے عصا کے ساتھ ان کو مار رہے تھے اور فرماتے تھے بیٹھ جاؤ حتی کہ صبح کی روشنی پھوٹنے کے قریب تھی۔ پھر حضور ﷺ تشریف لائے اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا انہوں نے کوئی چیز دیکھی؟

ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے آپ کو بتایا کہ انہوں نے سیاہ رنگ کے کچھ لوگ دیکھے جن کے لباس سفید تھے حضور ﷺ نے فرمایا یہ نصیبین کے جنات تھے جو مجھ سے زاد راہ مانگ رہے تھے میں نے ان کو ہر حاصل ہونے والی ہڈی یا گوبر یا مینگنی سے استفادہ کرنے کی اجازت دی ہے۔ میں نے عرض کی وہ ان کو کیا فائدہ دے گی؟ تو آپ نے فرمایا ان کو جو بھی ہڈی ملے گی اس کو وہ اس گوشت سے پُر پائیں گے جو گوشت اس کے کھانے کے وقت تھا۔ اور ان کو جو بھی گوبر ملے گا اس پر وہ دانہ ملے گا جو اس پر اس کے کھانے کے دن تھا۔

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

وَ مَا وَجَدُوْا مِنْ رَوْثٍ وَجَدُوْا تَمَرًا فَلَا یَسْتَنْجِیْ اَحَدٌ مِنْکُمْ بِعَظْمٍ وَلَا رَوْثٍ.

(قوت المغتذی علی جامع الترمذی، ابواب الطہارۃ، ج:1 ص:51، مطبوعہ: ایضا)

وہ گوبر میں سے جو بھی چیز پائیں گے اسے پھل پائیں گے تم میں سے کوئی ہڈی اور گوبر کے ساتھ استنجا نہ کرے۔

امام طبرانی رحمہ اللہ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے تخریج کیا ہے:

اَنَّہٗ ﷺ اِنْطَلَقَ وَمَعَہُ الزُّبَیْرُ اِلٰی اِنْ غَابَتْ عَنْھَا جِبَالُ الْمَدِیْنَۃِ فَاِذَا رِجَالٌ طِوَالٌ کَاَنَّھُمُ الرِّمَاحُ فَارْعَدَ دِیْنَھُمْ حَتّٰی کَادَ یَسْقُطُ فَخَطَّ لَہٗ ﷺ خَطًّا فِی الْاَرْضِ

بِاِبْهَامِ رِجْلِهٖ وَاَجْلَسَهٗ وَسْطَهٗ ثُمَّ ذَهَبَ وَتَلَا قُرْآنًا وَمَا تَفَرَّقُوْا حَتّٰى طَلَعَ الْفَجْرُ.

(المعجم الکبیر للطبرانی نسبۃ الزبیر بن العوام، ومما اسند الزبیر بن العوام الخ، رقم الحدیث:251، ج:1، ص:125، مطبوعہ: ایضا)

حضور ﷺ باہر تشریف لے گئے اور آپ کے ہمراہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ تھے۔ دونوں اتنا دور نکلے کہ مدینہ منورہ کے پہاڑ آنکھوں سے اوجھل ہوگئے۔ اچانک کچھ دراز قامت لوگوں کا سامنا ہوا گویا کہ وہ نیزے تھے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ان سے ڈر گئے حتی کہ گرنے کے قریب تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے لئے اپنے پاؤں مبارک کے انگوٹھے سے زمین پر ایک لکیر کھینچی اور ان کو اس کے درمیان بٹھا دیا۔ اور اس کے بعد آپ (جنات کے پاس) تشریف لے گئے اور قرآن کریم کی تلاوت فرمائی۔ جنات طلوع فجر تک (تلاوت سنتے) رہے۔

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے دیگر روایات بھی منقول ہیں:

اَنَّهُ انْطَلَقَ مَعَهٗ ﷺ فِيْ وَقَائِعَ اُخْرٰى مِنْهَا اَنَّهُمُ اجْتَمَعُوْا بِهٖ ﷺ وَقَرَءَ عَلَيْهِمْ وَقَضٰى بَيْنَهُمْ فِيْ قَتِيْلٍ تَنَازَعُوْا فِيْهِ

جنات کے کئی دوسرے واقعات میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، حضور ﷺ کے ساتھ تشریف لے گئے تھے ان میں سے ایک واقعہ میں جنات آپ کے پاس جمع ہو گئے اور آپ نے ان پر قرآن کریم کی تلاوت فرمائی۔ اور ان کے درمیان ایک مقتول کا تنازع تھا اس کا فیصلہ فرمایا۔

ابو نعیم رحمہ اللہ نے ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے کچھ ساتھی نبی اکرم ﷺ کے ساتھ حج کے لئے گئے تھے۔ (ہمارے پاس موجود نسخے میں یہاں سے شاید عبارت ساقط ہے) جنات نے آپ سے سوال کیا کہ ہمیں زادِ راہ عطا فرمائیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا تمہارے لئے گوبر (زادِ راہ) ہے جس ہڈی سے بھی گزرو گے اس پر تمہارے لئے گوشت ہوگا۔ اور جس گوبر سے بھی گزرو گے وہ تمہارے لئے پھل ہوگا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب وہ ساتھی واپس لوٹے تو میں نے ان سے پوچھا وہ کون تھے؟ تو انہوں نے بتایا، وہ نصیبین کے جنات تھے۔

علامہ زرکشی رحمہ اللہ نے "الخادم" میں فرمایا ہے کہ امام غزالی رحمہ اللہ کی "احیاء العلوم" میں جو ہے کہ جنات ہڈیوں کی بُو سے اپنی خوراک حاصل کر لیتے ہیں۔ یہ سنت سے بے خبری ہے کیونکہ اس مذکورہ حدیث اور مسلم شریف کی سابقہ حدیث سے تصریح ہے کہ جنات ہڈیوں کے اوپر جو گوشت ہوتا ہے اسے کھاتے ہیں۔

شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا پیتا ہے

امام مسلم رحمہ اللہ وغیرہ نے تخریج کیا ہے کہ:

إِنَّ الشَّيْطَانَ يَأْكُلُ بِشِمَالِهِ وَيَشْرَبُ بِشِمَالِهِ.

(صحیح ابن حبان، باب آداب الشرب، ذکر الزجر عن اکل......الخ، رقم الحدیث:5331، ج:12، ص:148، مطبوعہ: مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

شیطان اپنے بائیں ہاتھ سے کھاتا اور پیتا ہے۔

یعنی حقیقتا وہ ایسا ہی کرتا ہے۔ اس کو مجاز پر محمول کرنے کو ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے رد کیا ہے کہ حقیقت ممکنہ سے اعراض کا کوئی مطلب نہیں بنتا۔ امام مسلم رحمہ اللہ وغیرہ محدثین نے روایت کیا ہے کہ:

أَنَّهُ ﷺ مَسَكَ يَدَيْ مَنْ لَمْ يُسَمِّيَا عَلٰى طَعَامٍ بَيْنَ يَدَيْهِ وَقَالَ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَسْتَحِلُّ الطَّعَامَ الَّذِيْ لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَأَنَّهُ جَاءَ هٰذَيْنِ يَسْتَحِلُّ بِهِمَا فَأَخَذْتُ بِيَدَيْهِمَا وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ إِنَّ يَدَهُ فِيْ يَدِيْ مَعَ أَيْدِيْهِمَا.

(مستخرج ابی عوانہ، کتاب الحدود، باب من ذکر وجوب التسمیۃ الخ، رقم الحدیث 8236، ج:5، ص:160، مطبوعہ: دارالمعرفۃ، بیروت)

حضور ﷺ نے ان دو آدمیوں کے ہاتھ روک دیئے جن کے لئے کھانا تھا، اور فرمایا شیطان اس کھانے میں اترتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو اور شیطان ان دونوں کے ساتھ آیا اور ان دونوں کے ساتھ کھانے میں شریک ہونا چاہتا تھا کہ میں نے ان دونوں کے ہاتھوں کو پکڑ لیا۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے شیطان کا ہاتھ ان دونوں کے ہاتھوں کے ساتھ میرے ہاتھ میں ہے۔

کیا جنات کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے یا کہ نہیں؟

جنات کے باہمی نکاح پر تو قرآن کریم کی اس آیت سے استدلال کیا گیا ہے:

أَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ. (سورۃ الکھف، آیت:50)

بھلا کیا شیطان اور اس کی اولاد کو میرے سوا دوست بناتے ہو۔

اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ جنات اولاد کی خاطر آپس میں نکاح کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ. (سورۃ الرحمن، آیت:56)

ان سے پہلے جنتی حوروں کو نہ کسی انسان نے چھوا اور نہ کسی جن نے۔

یہ آیت اس بات پر دلالت کر رہی ہے، جنات میں طمث یعنی جماع اور اختلاط پایا جاتا ہے۔

ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ رحمہما اللہ نے "العظمۃ" میں پہلی آیت کریمہ کے تحت حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے تخریج کیا ہے کہ: ذُرِّيَّتَهٗ سے مراد شیطان کی اولاد ہے۔ شیاطین کے ہاں انسانوں کی طرح بچوں کی پیدائش ہوتی ہے اور ان کی تعداد انسانی بچوں سے زیادہ ہوتی ہے۔

امام عبدالرزاق، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم اور حاکم رحمہم اللہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ:

إِنَّ اللّٰهَ جَزَّءَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ عَشَرَ اَجْزَاءٍ فَتِسْعَةٌ مِنْهُمُ الْجِنُّ وَالْاِنْسُ جُزْءٌ وَاحِدٌ فَلَا يُوْلَدُ مِنَ الْاِنْسِ وَلَدٌ اِلَّا وُلِدَ مِنَ الْجِنِّ تِسْعَةٌ.

(الزہد لاسد بن موسیٰ، باب نزول اللہ تبارک وتعالیٰ الخ، رقم الحدیث:52، ج:1 ص:43، مطبوعہ: مکتبۃ التوعیۃ الاسلامیۃ، بیروت)

اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور جنوں کے دس حصے بنائے ہیں ان میں سے نو حصے جنات ہیں اور ایک حصہ انسان ہیں۔ انسان کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے مقابلے میں جنات کے ہاں نو بچے پیدا ہوتے ہیں۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ:

بَلَغَنَا اَنَّ اِبْلِيْسَ قَالَ يَارَبِّ اِنَّكَ خَلَقْتَ آدَمَ وَجَعَلْتَ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةً فَسَلِّطْنِيْ عَلٰى اَوْلَادِهِ؟ فَقَالَ صُدُوْرُهُمْ مَسَاكِنُ لَكَ. قَالَ يَارَبِّ زِدْنِيْ؟ قَالَ لَا يُوْلَدُ لِآدَمَ وَلَدٌ اِلَّا وُلِدَ لَكَ عَشَرَةٌ قَالَ يَارَبِّ زِدْنِيْ قَالَ اَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرِجْلِكَ وَشَارِكْهُمُ الْاَمْوَالَ وَالْاَوْلَادَ.

(شعب الایمان للبیہقی، معالجۃ کل ذنب بالتوبۃ، رقم الحدیث:6669، ج:9 ص:288، مطبوعہ: ایضاً)

ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ شیطان نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کہا اے میرے رب! تو نے آدم کو پیدا کیا اور میرے اور ان کے درمیان عداوت ڈال دی ہے۔ پس مجھے ان کی اولاد پر مسلط فرما۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا انسانوں کے سینے تیری رہائش گاہیں ہیں۔ شیطان نے کہا اے میرے رب! اضافہ فرما، اللہ تعالیٰ نے فرمایا انسان کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوگا تو اس کے مقابلے میں تیرے ہاں دس بچے ہوں گے۔ شیطان نے کہا اے میرے رب! اور اضافہ فرما، اللہ تعالیٰ نے فرمایا انسانوں پر تو اپنے سواروں اور پیادوں کے ذریعہ حملہ کر۔ اور ان کے اموال واولاد میں شریک ہوجا۔

ابن المنذر رحمہ اللہ نے حضرت شعبی رحمہ اللہ سے تخریج کیا ہے کہ ان سے ابلیس کی بیوی کے بارے میں سوال کیا گیا کہ کیا اس کی بیوی ہے؟ تو انہوں نے فرمایا۔ میں نے اس کی شادی کے بارے میں کچھ نہیں سنا۔ ابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے سفیان رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ: ابلیس نے پانچ انڈے دیئے اور ان انڈوں سے اس کی اولاد پھیلی ہے۔ اور فرمایا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ ابلیس کی اولاد ایک معرض پر قبیلہ ربیعہ ومضر کی تعداد سے بھی زیادہ تعداد میں جمع

ہوئی ہے۔آیت کریمہ:

وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ. (سورۃ اسراء، آیت:64)

ان کا شریک ہو جا مالوں اور اولاد میں۔

بعض حضرات نے اس آیت سے یہ استنباط کیا ہے کہ: کبھی جن مرد اور انسانی عورت کے درمیان اور کبھی اس کے برعکس بھی شادی ہوتی ہے۔اور یہ قول ان حضرات کے مخالف ہے جو اس طرح کی شادی کو محال سمجھتے ہیں۔

ابن جریر رحمہ اللہ وغیرہ آئمہ نے حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ مرد جب بِسْمِ اللّٰهِ پڑھے بغیر اپنی بیوی کے ساتھ صحبت کرتا ہے تو جن اس کی شرمگاہ کے ساتھ لپٹ جاتا ہے اور وہ مجامعت میں شریک ہو جاتا ہے۔اسی لئے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ. (سورۃ الرحمٰن، آیت:56)

بعض حنبلی اور حنفی علماء نے فرمایا ہے کہ جن کی مجامعت سے غسل واجب نہیں ہوتا لیکن حق بات اس کے برعکس ہے۔یعنی ایسی صورت میں اگر احتلام ہو جائے تو غسل واجب ہوگا۔

ایک قول کے مطابق ملکہ بلقیس کے والدین میں سے ایک جنات سے تعلق رکھتا تھا اس پر ایک حدیث بھی دلالت کر رہی ہے جسے ابوالشیخ، ابن مردویہ اور ابن عساکر رحمہم اللہ نے روایت کیا ہے: جنات کے ساتھ شرعاً نکاح کے جواز میں علماء کا اختلاف ہے۔حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے اس کو جائز قرار دیا ہے لیکن اس کو پسند نہیں فرمایا کہ کہیں زنا سے حاملہ عورتیں یہ دعویٰ نہ کریں کہ یہ جن کا حمل ہے۔اسی طرح حکم بن عینیہ، قتادہ، حسن عقبۃ الاصم اور حجاج بن ارطاۃ رحمہم اللہ نے بھی مکروہ قرار دیا ہے۔ابن جریر رحمہ اللہ نے حضرت امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق رحمہما اللہ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔اسی لئے اسحاق رحمہ اللہ نے اس کو مکروہ کہا ہے لیکن احناف کے "فتاویٰ سراجیہ" میں ہے کہ اختلاف جنس کی وجہ سے انسان، جن اور سمندری انسان کے درمیان نکاح جائز نہیں۔اور ہمارے شافعی آئمہ میں سے شیخ الاسلام البارزی رحمہ اللہ نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان جتلایا ہے کہ اس نے ہمارے لئے ہم سے ہی جوڑے پیدا فرمائے ہیں۔اور اگر جنات کے ساتھ نکاح جائز ہوتا تو پھر اس کے ساتھ احسان جتلانے کا فائدہ نہ ہوتا۔

اور سورۃ النحل اور سورۃ الروم کی آیت میں ہے:

وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا. (سورۃ النحل، آیت:72)

اور اللہ نے تمہارے لئے تمہاری جنس سے عورتیں بنائیں۔

مفسرین نے اس کا مطلب بیان کیا ہے کہ اللہ نے تمہاری جنس اور تمہاری نوع سے تمہاری تخلیق کے مطابق

تمہارے لئے عورتیں بنائیں۔ابن یونس رحمہ اللہ نے "شرح الوجیز" میں جنات کے ساتھ نکاح کو جائز قرار دیا ہے اورابن حماد نے ان کے اس قول کی تصویب فرمائی ہے۔اور حضرت اعمش رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ایک جن نے ہمارے ہاں آیا تو میں نے اس سے پوچھا کہ تمہارے ہاں پسندیدہ کھانا کونسا ہے)تو اس نے کہا ہمارا سب سے پسندیدہ کھانا چاول ہیں۔اعمش رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہم نے ان کے لئے چاول پیش کئے میں لقمہ کو اٹھتے ہوئے دیکھ رہا تھا مگر نظر کوئی نہیں آرہا تھا۔میں نے کہا کیا تم میں وہ خواہشات ہیں جو ہمارے درمیان ہیں تو اس نے کہا ہاں۔میں نے کہا تمہارے درمیان رافضہ کا کیا مقام ہے تو اس نے کہا وہ ہم میں سب سے زیادہ شریر ہیں۔

امام طبرانی ،ابونعیم ، اور ابوالشیخ رحمہم اللہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ہاں مسلمان اور مشرک جنوں نے مقدمہ پیش کیا تو آپ ﷺ نے ان میں سے مسلمانوں کو بستیوں اور پہاڑوں میں سکونت رکھنے کا حکم دیا اور مشرکوں کو پہاڑوں اور سمندروں کے درمیان رہنے کا حکم دیا۔

ابن عدی رحمہ اللہ کے ہاں ایک حدیث میں ہے کہ:

اَنَّهٗ ﷺ نَهٰى عَنِ الْبَوْلِ فِى الْقَزَعِ وَقَالَ اِنَّهٗ مَسَاكِنُ الْجِنِّ .

(سنن ابی داود،کتاب الطہارۃ،باب النہی عن البول فی الجحر،رقم الحدیث:29،ج:1،ص:23،مطبوعہ:دارالرسالۃ،بیروت)

حضور ﷺ نے کھیتی کے درمیان خالی جگہ میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے اور فرمایا کہ یہ جگہ جنات کی رہائش گاہ ہے۔

القزع قاف،زای اور عین مہملہ تینوں کے فتح کے ساتھ ہے۔کھیتی کے درمیان سفید جگہ کو "قزع" کہا جاتا ہے۔

(مصنف فرماتے ہیں)حق بات یہ ہے کہ جنات مکلف ہیں امام رازی رحمہ اللہ وغیرہ آئمہ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔عزبن جماعۃ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ فرشتے اوّل فطرت سے ہی مکلف ہیں یعنی اپنی پیدائش سے ہی مکلف ہوتے ہیں بلوغ کی قید نہیں۔

زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ جنات میں نہ کوئی نبی ہوا ہے اور نہ کوئی رسول

جمہور خلف وسلف کے نزدیک جنات میں نہ کوئی رسول ہوا ہے اور نہ کوئی نبی ۔اس میں ضحاک رحمہ اللہ کا اختلاف ہے۔اور اللہ کا ارشاد (رُسُلٌ مِّنْكُمْ) کا مطلب ہے کہ تمہارے مجموعہ سے رسول بھیجے اور وہ مجموعہ انسان ہیں۔یا اس سے مراد رسولوں کے رسول ہیں۔اور ضحاک رحمہ اللہ کے قول کی دلیل وہ صحیح حدیث ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے آیت کریمہ (وَمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ) کے تحت فرمایا ہے:

سَبْعُ اَرْضِيْنَ فِىْ كُلِّ اَرْضٍ نَبِىٌّ كَنَبِيِّكُمْ وَآدَمُ كَآدَمِكُمْ وَنُوْحٌ كَنُوْحٍ وَاِبْرَاهِيْمُ

کَاِبْرَاهِیْمَ وَعِیْسٰی کَعِیْسٰی.

سات زمین ہیں ہر زمین میں ہمارے نبی کی طرح نبی اور تمہارے آدم کی طرح آدم اور نوح کی طرح نوح اور ابراہیم کی طرح ابراہیم اور عیسیٰ کی طرح عیسیٰ علیہم السلام ہیں۔

نوٹ......اگلی عبارت کا ماقبل کے ساتھ ربط نہیں بنتا ممکن ہے کہ یہاں سے عبارت ساقط ہے یا اختصار ہے۔

کیونکہ تشبیہ مطلق نذارت میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جنات کے ایک گروہ نے زمین میں نبی اکرم ﷺ کا وہ کلام سنا جو آپ انسانوں سے فرمارہے تھے۔ اور اس کے بعد وہ جنات اپنی قوم کے پاس لوٹ کر آئے اور انہوں نے اپنی قوم کو ڈرایا۔ (نوٹ: اس عبارت کا بھی ماقبل سے ربط نہیں) اور وہ لوگ حج ادا کرنے کے لئے نکلے تو انہوں نے ایک سفید سانپ کو راستے کی ایک جانب تڑپتے ہوئے دیکھا جس سے کستوری کی خوشبو مہک رہی تھی۔ ان حاجیوں میں ایک حاجی اسی سانپ کے پاس کھڑا رہا حتیٰ کہ وہ مرگیا تو اُس نے اس کو کفن دیا اور اسے دفن کردیا اور اس کے بعد اپنے قافلہ سے آملا۔ اور ان کے پاس مغرب کی سمت سے چار عورتیں آئیں اور ان میں سے ایک نے کہا تم میں سے کس نے عمر کو دفن کیا ہے۔ ہم نے کہا کون عمر؟ تو اس نے کہا تم میں سے کس نے سانپ کو دفن کیا ہے؟ میں نے کہا کہ میں نے دفن کیا ہے۔ اس عورت نے کہا اللہ کی قسم تم نے کثرت سے روزہ رکھنے والے اور کثرت سے قیام کرنے والے کو دفن کیا ہے جو اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق عمل کرتا اور امر دیتا تھا۔ اور اس نے ہمارے نبی اکرم ﷺ پر ان کی بعثت سے چار سو سال پہلے ایمان لایا تھا اور ان کے اوصاف آسمان میں سنے تھے۔ یہ سن کر ہم نے اللہ تعالیٰ کی حمد بجالائی اور پھر حج ادا کیا۔ اور اس کے بعد میں مدینہ منورہ میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا تو میں نے انہیں اس سانپ کا سارا ماجرا سنایا تو حضرت عمر نے فرمایا تم سچ کہتے ہو میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ وہ جن میری بعثت سے چار سو سال قبل ایمان لاچکا ہے۔

ابن ابی الدنیا رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ حضرت خاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے ایک سانپ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ کو خبر دی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: یہ "عمر بن الهومايه" ہے جو نصیبین کے جنات کے وفد میں شامل تھا۔ اس کے ساتھ محسن بن دوش نصرانی کی ملاقات ہوئی تو اس نے محسن کو ماردیا ہے۔

(المرجع السابق بالفاظ مختلف......)

متعدد طرق کے ساتھ یہ حدیث منقول ہے سب حسن کے درجہ تک پہنچی ہوئی ہیں۔

کہ ہامہ بن ہیم بن لاقیس بن ابلیس نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت حضور ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ تہامہ کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ پر تشریف فرما تھے اس نے آپ کو بتایا کہ قابیل نے جس زمانے میں ہابیل کو قتل کیا تھا اس وقت وہ بچہ تھا اور وہ نوح علیہ السلام پر ایمان لانے والوں میں سے ہے۔ اور اس نے حضرت

نوح علیہ السلام کو اپنی قوم کے خلاف دعا کرنے پر عتاب کیا تھا حتی کہ نوح علیہ السلام اس پر رو پڑے اور اس کو بھی رُلا دیا اور اس نے بتایا کہ قاتل کے قتل میں وہ بھی شریک تھا۔ اور کیا اس کی توبہ قبول ہوئی ؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو چند اعمال کی بجا آوری کا حکم دیا من جملہ ان اعمال کے ایک یہ تھا کہ وہ وضو کر کے اللہ تعالی کی بارگاہ میں دو سجدے کرے اس نے آپ کے حکم پر عمل کرتے ہوئے اسی وقت وضو کیا اور سجدے کیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اطلاع دی کہ آسمان سے اس کے توبہ کی مقبولیت نازل ہوگئی ہے تو وہ فورا سجدہ میں گر گیا۔ اور اس نے بتایا کہ وہ حضرت ہود علیہ السلام پر ایمان لانے والوں میں سے بھی ہے اور نوح علیہ السلام کی طرح حضرت ہود علیہ السلام کے ساتھ بھی اسے اس طرح کا واقعہ پیش آیا ہے اور اس نے بتایا کہ اس نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی زیارت بھی کی ہے اور وہ یوسف علیہ السلام کے ہاں اس کا مرتبہ امین کا تھا۔ اور وہ انسانوں کے ساتھ وادیوں میں ملاقات کیا کرتا تھا اور اب بھی وہ انسانوں کے ساتھ ملتا رہتا ہے۔ اور بتایا کہ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات کی ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو تورات کی تعلیم دی ہے اور حکم فرمایا تھا کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اس کی ملاقات ہو جائے تو ان کو میرا سلام پہنچانا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اس کی ملاقات ہوئی اور موسیٰ علیہ السلام کا سلام ان کو پہنچایا۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس کو حکم دیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہو جائے تو ان کو میرا سلام پہنچانا۔ چنانچہ اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا سلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر رو دیئے اور سلام کا جواب دیتے ہوئے فرمایا: جب تک دنیا قائم ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر سلام ہو اور اے ہامہ امانت کی ادائیگی پر تجھے بھی سلام ہو۔ اور اس کے بعد ہامہ نے عرض کی مجھے قرآن سکھائیں جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تورات سکھائی تھی۔ تو اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سورہ واقعہ، المرسلات، عم، الکوثر، سورۃ اخلاص اور معوذتین کی تعلیم دی اور فرمایا اے ہامہ! اپنی حاجت ہمارے ہاں پیش کیا کرو اور زیارت ترک نہ کرنا۔ اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ ہامہ جنت میں ہے۔

علامہ سبکی رحمہ اللہ نے اپنے "فتاویٰ" میں بیان فرمایا ہے کہ: جنات ہر معاملہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے مکلف ہیں، بخلاف فرشتوں کے ان میں یہ احتمال بھی ہے وہ جنات کی طرح ہر معاملہ میں شریعت کے مکلف ہوں اور یہ احتمال بھی ہے کہ وہ کسی خاص شئی میں مکلف ہوں۔

ابن مفلح حنبلی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ جنات فی الجملہ مکلف ہیں ان میں سے کافر دوزخ میں ہوں گے اور مؤمن اپنے ثواب کی مقدار کے مطابق جنت میں ہوں گے۔ یہ ان علماء کے قول کے خلاف ہے جو اس چیز کے قائل ہیں کہ جنات ہیں نہ کھائیں گے نہ پئیں گے۔ اور ان علماء کے قول کے بھی خلاف ہے جو کہتے ہیں کہ مؤمن جنات جنت کی بجائے جنت کے گرد و نواح میں ہوں گے۔

اور ابن مفلح رحمہ اللہ نے اپنے شیخ ابن تیمیہ سے نقل کیا ہے کہ جنات جنس امرد بھی ہے اور تحلیل و تکریم میں ہمارے

ساتھ شریک ہیں لیکن ہمارے ساتھ مساوی نہیں اور میرے علم کے مطابق اس بارے میں علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے اور جنات کے باہمی نکاح ودیگر معاملات اوران کے توابع میں طویل گفتگو کی ہے اور سابقاً یہ بات ذکر ہوچکی ہے کہ جنات میں تمام خواہشات پائی جاتی ہیں۔ حضرت قتادہ اور سدی رضی اللہ عنہ وغیرہ سے منقول ہے کہ جنات میں قدریہ، مرجیہ، رافضہ اور شیعہ وغیرہ فرقے موجود ہیں۔

حضرت بزار رضی اللہ عنہ نے تخریج کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

مَنْ صَلّٰى مِنكُمْ مِنَ اللَّيْلِ فَلْيَجْهَرْ بِقِرَاءَتِهِ، فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ يُصَلِّيْ وَسَمِعُوْا لِقِرَاءَتِهِ وَإِنَّ مُؤْمِنِي الْجِنِّ الَّذِيْنَ يَكُوْنُوْنَ فِي الْهَوَاءِ اَجِيْرَانَهُ يَسْكُنُ فِيْ مَسْكَنِهِ يُصَلُّوْنَ لِصَلَاتِهِ وَيَسْمَعُوْنَ لِقِرَاءَتِهِ وَاَنَّهُ لَيَطْرُدُ بِجَهْرِهِ لِقِرَاءَتِهِ عَنْ دَارِهِ وَعَنِ الدُّوْرِ الَّتِيْ حَوْلَهُ فُسَّاقَ الْجِنِّ اَمَرَدَةَ الشَّيَاطِيْنِ.

(مسند بزار، مسند معاذ بن جبل، اول الخامس والعشر ون، رقم الحدیث: 2655، ج: 7 ص: 97 مطبوعہ: مکتبۃ العلوم والحکم، مدینہ منورہ)

تم میں سے جو رات کو نماز ادا کرے اس کو چاہیے کہ وہ اپنی قرأت میں جہر کرے کیونکہ فرشتے نماز ادا کرتے ہیں اور اس کی قرأت کو سنتے ہیں اور وہ مؤمن جنات جو فضاء میں ہوتے ہیں اس کے وہ پڑوسی جنات جو اس کے ساتھ اس کی رہائش گاہ میں قیام پذیر ہیں وہ سب اس کی نماز کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں اور اس کی قرأت کو سنتے ہیں اور اس کی بلند آواز کے ساتھ قرأت کرنے سے اس کے گھر سے اور اس کے گھر کے اردگرد گھروں سے فاسق جنات اور سرکش شیاطین بھاگ جاتے ہیں۔

اور دوسرے کئی آثار واخبار میں ہے کہ مؤمن جنات نماز ادا کرتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں اور حج کرتے ہیں طواف کرتے ہیں قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں اور علوم حاصل کرتے ہیں اور انسانوں سے علوم حاصل کرتے ہیں اگرچہ انسانوں کو ان کا پتہ نہیں چلتا۔ اور اسی طرح احادیث روایت کرتے ہیں۔

شیرازی رحمہ اللہ نے تخریج کیا ہے کہ: حضرت سلیمان علیہ السلام نے شیاطین کو سمندروں میں قید کیا ہوا ہے جب 135ھ کا زمانہ آئے گا تو وہ سمندروں سے انسانوں کی شکلوں اور صورتوں میں نکلیں گے اور ان کی مجالس اور مساجد میں ان کے ساتھ شریک ہوں گے اور قرآن وحدیث کے بارے میں ان کو اختلافات میں مبتلا کردیں گے۔

اسی حدیث کو عقیلی اور ابن عدی نے زیادتی کے ساتھ نقل کیا ہے کہ (سمندروں سے نکلنے کے بعد) ان کے نو حصہ عراق کی طرف جائیں گے اور ایک حصہ شام میں رہے گا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے سفیان ثوری رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ جو جنات کو دیکھا کرتا تھا تو اس نے مسجد خیف میں ایک قصہ گو کو قصہ بیان کرتے ہوئے دیکھا وہ شیطان تھا

اس نے اس کی کھوج لگائی تو پتہ چلا کہ وہ شیطان ہے۔اس کی مثل دیگر آثار بھی مروی ہیں۔

جنات کے لئے ثواب وعذاب ہوگا؟

علماء کا اتفاق ہے کہ جنات میں سے جو کافر ہیں ان کو آخرت میں عذاب دیا جائے گا۔حضرت امام ابوحنیفہ، ابوالزناد اور لیث بن ابی سلیم رحمہم اللہ سے منقول ہے کہ مؤمن جنوں کو کوئی ثواب نہیں ملے گا سوائے اس کے کہ ان کو دوزخ سے نجات ملے گی۔اور اس کے بعد جانوروں کی طرح ان کو بھی کہا جائے گا کہ تم مٹی بن جاؤ۔اور اسی بارے میں صحیح قول وہ ہے جس کے قائل ابن ابی لیلیٰ، اوزاعی، امام مالک وامام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ ہیں کہ جنات کو ان کی طاعات پر ثواب دیا جائے گا۔اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور آپ کے اصحاب رحمہم اللہ سے منقول ہے کہ جنات جنت میں داخل ہوں گے۔اسی کو ابن حزم رحمہ اللہ نے جمہور سے نقل کیا ہے۔انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال کیا ہے کہ:

وَلِكُلٍّ دَرَجَاتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا. (سورۃ الانعام، آیت:132)

اور ہر ایک کے لئے ان کے عملوں میں درجات ہیں۔

جنات اور انسانوں کے تذکرہ کے بعد اس کو بیان فرمایا گیا ہے۔

جنت میں جنات کو دیکھنا ہوگا؟

ابوالشیخ رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ:

اِنَّ الْمَلاۤئِكَةَ كُلُّهُمْ فِي الْجَنَّةِ وَالشَّيَاطِيْنَ كُلُّهُمْ فِي النَّارِ وَالَّذِيْنَ فِيْهَا الْاِنْسُ وَالْجِنُّ.

(موسوعۃ فقہ القلوب، الباب فقہ الطاعات والمعاصی، باب فقہ النعیم والعذاب، ج:4 ص:294 مطبوعہ: ایضاً)

تمام فرشتے جنت میں ہوں گے اور تمام شیاطین دوزخ میں ہوں گے۔اور جنت دوزخ دونوں میں انسان اور جنات ہوں گے۔

الحارث المحاسبی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ دنیا کے برعکس جنت میں ہم جنات کو دیکھیں گے اور وہ ہمیں نہیں دیکھ سکیں گے اور بعض حنفی علماء کی رائے کہ جنات کو اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں ہوگا ابن عبد السلام رحمہ اللہ کا کلام بھی اسی رائے کی طرف مائل ہے کہ انہوں نے تصریح کی ہے کہ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی زیارت نہیں ہوگی (جب فرشتے محروم ہوں گے تو جنات کو کیسے نصیب ہوگی؟) حنفی علماء کی ایک جماعت نے اس بارے میں ابن عبد السلام رحمہ اللہ کی رائے سے اتفاق کیا ہے لیکن زیادہ راجح مذہب یہ ہے کہ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی زیارت نصیب ہوگی۔جیسا کہ امام اہل السنۃ والجماعۃ حضرت شیخ ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الابانۃ فی اصول الدیانۃ" میں تصریح فرمائی ہے۔

اور امام سبکی رحمہ اللہ وغیرہ علماء نے اس میں ان کی اتباع کی ہے۔ مثلاً ابن القیم، الحداد، اور جلال بلقینی رحمہم اللہ وغیرہ فرماتے ہیں۔ باری تعالیٰ کی رؤیت پر قائم دلائل کے عموم سے ثابت ہوتا ہے کہ جنات کو بھی اللہ تعالیٰ کی زیارت ہوگی۔ فرشتوں سے متعلق احادیث میں تصریح گزر چکی ہے۔ بیہقی، ابوالشیخ، الخطیب اور ابن عساکر رحمہم اللہ کی مروی حدیث میں ہے، "لَا يَرَوْنَ رَبَّهُمْ" کہ جنات اپنے رب کا دیدار کریں گے۔

ابن عبدالسلام رحمہ اللہ شاید اس حدیث پر مطلع نہیں ہو سکے ورنہ وہ اس کی مخالفت نہ کرتے۔

ابلیس مرتا نہیں

ابن ابی الدنیا اور ابن جریر علیہما الرحمہ نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ حضرت حسن ﷺ نے فرمایا کہ "اَلْجِنُّ لَا يَمُوْتُوْنَ" کہ جنات کو موت نہیں آئے گی۔ (مصنف فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْ أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ ۔
(سورۃ الاحقاف، آیت:18)

آخر کار ان پر بھی وہی فیصلہ عذاب چسپاں ہو کر رہا جو ان سے پہلے گزرے ہوئے جنوں اور انسانوں کے گروہوں پر چسپاں ہو چکا تھا۔

اس آیت میں جنات کے مرنے پر دلیل ہے۔ حضرت حسن ﷺ نے جو فرمایا جنات نہیں مریں گے تو اس سے اگر ان کی مراد یہ ہے کہ وہ انسانوں کی طرح نہیں مریں گے، بلکہ ابلیس کے ساتھ ان کو مہلت دی جائے گی۔ جب ابلیس مرے گا تو وہ بھی اس کے ساتھ مریں گے۔ تو ہم کہتے ہیں کہ اگر اس سے ان کی مراد بعض جنات ہیں مثلاً ابلیس کے شیاطین اور اس کے مددگار تو یہ ممکن ہے۔ اور اگر ان کی مراد تمام جنات ہیں تو پھر وہ تمام واقعات کثیرہ جن کو ہم نے سابقاً بیان کیا ہے کہ جنات مرے اور ان کی تکفین وتدفین کی گئی۔ یہ سارے واقعات اس کے منافی ہیں۔

ابوالشیخ رحمہ اللہ نے تخریج کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ کیا جنات مرتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ ہاں! جنات موت سے ہمکنار ہوتے ہیں سوائے ابلیس کے۔

ابن شاہین رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ مرور زمانہ کی وجہ سے ابلیس بوڑھا ہوتا ہے اور پھر سے تیس سال کا ہو جاتا ہے۔

ابن ابی الدنیا رحمہ اللہ نے ربیع بن یونس ﷺ سے نقل کیا ہے کہ: ان سے عرض کی گئی کہ انسان کے ساتھ جو شیطان ہے اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے کہ کیا یہ نہیں مرتا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا وہ ایک شیطان ہے مگر

وہ قبیلہ ربیعہ اور قبیلہ مضر کے برابر مسلمانوں کو فتنہ میں مبتلا کرتا ہے (یعنی اس کی عمر اتنی لمبی ہوتی ہے کہ وہ مسلمانوں کی اتنی کثیر تعداد کو فتنہ میں ڈالتا ہے)

ابن ابی الدنیا اور ابوالشیخ رحمہما اللہ نے حضرت عبداللہ بن الحارث رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ: جنات مرتے ہیں لیکن شیطان بکر البکرین (اپنے والدین کا پہلا بچہ) ہے وہ نہیں مرتا۔ قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: شیطان کا باپ بکر ہے یعنی اپنے والدین کا پہلا بچہ ہے اور اس کی ماں بکر ہے یعنی اپنے ماں باپ کی پہلی بچی ہے اور شیطان ان دونوں کا پہلا بچہ بکر ہے۔ ھامہ سے متعلق حدیث میں جو واقعہ گزرا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جنات کی عمریں طویل ہوتی ہیں۔

چین آٹھ مرتبہ ویران ہو چکا اور آٹھ مرتبہ آباد

حجاج بن یوسف کو یہ خبر ملی کہ چین میں ایک جگہ ایسی ہے جہاں لوگ راستہ بھول جائیں تو ایک آواز سنتے ہیں جس میں کوئی کہنے والا کہتا ہے۔ راستے کی طرف آؤ، حجاج بن یوسف نے کچھ لوگ اس جگہ کی طرف بھیجے اور حکم دیا کہ وہ جان بوجھ کر راستہ کو چھوڑ دیں جب وہ ان کے ساتھ ہمکلام ہو جائیں تو ان پر حملہ کر دیں اور دیکھیں کہ وہ کون ہیں جب ان لوگوں نے وہاں پہنچ کر حجاج کے حکم پر عمل کیا اور ان پر حملہ کیا تو انہوں نے کہا تم ہمیں نہیں دیکھ سکتے ہو۔ تو ان لوگوں نے کہا تم یہاں پر کب سے ہو؟ تو انہوں نے کہا ہم سالوں کو شمار نہیں کر سکتے البتہ چین آٹھ بار ویران ہوا ہے اور آٹھ بار آباد ہوا ہے اور ہم یہاں ہی ہیں۔ یعنی ان ویرانیوں اور آبادیوں کا سلسلہ ہماری اس جگہ موجودگی کے عرصہ میں ہوا ہے۔

ابن جریر رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ: ملک الموت کو مؤمنوں اور فرشتوں کو روحیں قبضہ کرنے کے لئے مقرر کیا گیا ہے اور ایک فرشتے کو جنات پر اور ایک فرشتے کو شیاطین پر اور ایک فرشتے کو پرندوں، وحشی جانوروں، درندوں، اور سانپوں پر مقرر کیا گیا ہے پس وہ چار فرشتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کا جن مسلمان ہو گیا؟

امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ: ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان اور ایک فرشتہ ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ کے ساتھ بھی ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ہاں لیکن اللہ تعالیٰ نے میری مدد فرمائی کہ وہ اسلام قبول کر چکا ہے۔

اور مسلم ہی کی ایک روایت ہے کہ: تم میں سے ہر ایک کے ساتھ جنات میں سے اس کا ایک ساتھی ہے اور فرشتوں میں سے اس کا ایک ساتھی ہے۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ کیا آپ کے ساتھ بھی ہے؟ تو آپ نے فرمایا میرے ساتھ بھی ہے مگر اللہ تعالیٰ نے میری مدد فرمائی کہ وہ مسلمان ہو چکا ہے۔ مجھے وہ سوائے بھلائی کے کچھ

نہیں کہتا ۔اسلم کا مطلب ہے کہ وہ مسلمان ہو چکا ہے ۔اور یہ آپ ﷺ کے خصائص میں سے ہے ۔چنانچہ ابونعیم رحمہ اللہ کی روایت میں ہے:

فُضِّلْتُ عَلٰی آدَمَ بِخَصْلَتَيْنِ كَانَ شَيْطَانِيْ كَافِرًا فَاَعَانَنِي اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ حَتّٰی اَسْلَمَ وَكُنَّ اَزْوَاجِيْ عَوْنًا لِيْ وَكَانَ شَيْطٰنُ آدَمَ كَافِرًا وَزَوْجَهُ عَوْنًا عَلٰی خَطِيْئَتِهٖ.

(احیاء علوم الدین، کتاب آداب النکاح، ج:2 ص:31 مطبوعہ: ایضا)

مجھے حضرت آدم علیہ السلام پر دو خصلتوں کی وجہ سے فضیلت دی گئی ہے ۔میرا ہمزاد کافر تھا پس اللہ تعالیٰ نے میری مدد فرمائی حتیٰ کہ وہ مسلمان ہو گیا اور میری ازواج مطہرات میری مددگار رہی ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام کا ہمزاد کافر تھا اور ان کی زوجہ ان کی لغزش پر مددگار تھیں۔

مصنف فرماتے ہیں حضرت آدم علیہ السلام کی لغزش کو خطاء کے ساتھ تعبیر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ صورۃ خطاء تھی (حقیقت میں خطاء نہ تھی) کیونکہ یہ بات ثابت شدہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام عمداً وسہواً قبل نبوت اور بعد از نبوت کبائر وصغائر سے معصوم ہیں ۔اور وہ تمام چیزیں جو اس کے مخالف ان سے منقول ہیں ان کی تاویل کی جائے گی جیسا کہ محققین علماء نے اس کو اس کے اپنے قیام پر بیان فرمایا ہے یہ قول ان لوگوں کے مخالف ہے جو اس بارے میں وہم میں مبتلا ہوتے ہیں مثلاً مفسرین کی ایک جماعت اور وہ اخباریین جو بغیر کسی تحقیق کے باتیں کرتے ہیں اور ان باتوں پر مرتب ہونے والے اپنے گناہ میں اضافہ کرتے جاتے ہیں ۔اس لئے ان کے کلمات اور ان کے جھوٹے قصص اور جھوٹی حکایات کی مصیبتوں سے اعراض واجب ہے۔

ابن ابی الدنیا، ابویعلی اور امام بیہقی رحمہم اللہ نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ:

اِنَّ الشَّيْطَانَ وَاضِعٌ خَرْطُوْمَهٗ عَلٰی قَلْبِ ابْنِ آدَمَ فَاِنْ ذَكَرَ اللّٰهَ خَنَسَ وَاِنْ نَسِيَ اللّٰهَ الْتَقَمَ قَلْبَهٗ.

(احیاء علوم الدین، باب معنی النفس والروح......الخ، ج:3 ص:28 مطبوعہ: ایضا)

بے شک شیطان نے اپنی سونڈ انسان کے دل پر رکھی ہوئی ہوتی ہے ۔اگر وہ اللہ کا ذکر کرتا ہے تو ہٹ جاتا ہے اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غفلت برتتا ہے تو شیطان اس کے دل کو نگل لیتا ہے۔

یعنی انسان اگر اللہ کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے تو شیطان اپنا وسوسہ اس کے دل میں پیوست کر دیتا ہے اور اس میں بُرے افکار وخیالات ڈال دیتا ہے ۔کیونکہ شیطان انسان کے جسم میں خون کی طرح دورہ کرتا ہے جیسا کہ حدیث صحیح میں ہے اور اس پر یہ آیت کریمہ بھی دلالت کرتی ہے:

اَلَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ. (سورۃ الناس، آیت:5)

جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے۔

آسیب زدہ انسان کے بدن میں جن داخل ہوتا ہے؟

اس سے ان لوگوں کا بھی رد ہو جاتا ہے جنہوں نے انسان کے جسم میں شیطان کے دخول کا انکار کیا ہے۔ مثلاً معتزلہ وغیرہ۔ اسی لئے حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے جب یہ عرض کیا گیا کہ ایک گروہ کہتا ہے کہ جن آسیب زدہ انسان کے بدن میں داخل نہیں ہوتا ہے؟ تو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وہ جھوٹ بولتے ہیں۔ وہ جن ہی تو ہے جو آسیب زدہ انسان کی زبان پر بولتا ہے۔ پس جن کا آسیب زدہ انسان کے بدن میں دخول اہل سنہ وجماعہ کا مذہب ہے۔ (یعنی حضرت امام احمد رحمہ اللہ کے قول سے ثابت ہوتا ہے کہ اہل السنۃ والجماعۃ کے مذہب کے مطابق جن آسیب زدہ انسانوں کے بدن میں داخل ہوتا ہے)

متعدد طرق کے ساتھ منقول ہے کہ حضور ﷺ کی خدمت میں ایک مجنون شخص کو لایا گیا تو آپ نے اس کی پشت پر (ہاتھ) مارا اور فرمایا اللہ کے دشمن نکل جا۔ وہ نکل گیا اور دوسرے کسی انسان کے منہ میں تھوک دیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اے اللہ کے دشمن! نکل جا میں اللہ کا رسول ہوں۔

ابن تیمیہ نے کہا ہے کہ جھاڑ پھونک اور تعویذات کا عمل کرنے والے آسیب زدہ پر جو چیزیں پڑھتے ہیں ان میں اکثر شرکیہ کلمات ہوتے ہیں ان سے بچنا چاہیے۔ علماء کی ایک جماعت نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے ایک آسیب زدہ انسان کے کان میں "اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا" سے آخر سورۃ تک پڑھ کر دم کیا تو وہ صحت یاب ہو گیا۔ اس کے بعد ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ بات رسول اللہ ﷺ کو بتائی تو آپ نے فرمایا:

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَوْ اَنَّ رَجُلاً مُؤْمِنًا قَرَاَهَا عَلٰی جَبَلٍ لَزَالَ.

(الدعوات الکبیر، باب ماجاء فی رقیۃ المریض، رقم الحدیث: 594، ج:2 ص: 231 مطبوعہ غراس للنشر والتوزیع، الکویت)

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر کوئی مؤمن شخص اس کو کسی پہاڑ پر پڑھتا تو وہ بھی اپنی جگہ سے ہٹ جاتا۔

متعدد طرق سے منقول ہے کہ: وضو پر ایک شیطان حاضر رہتا ہے۔ جسے "ولھان" کہا جاتا ہے۔ التیمی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وسوسہ ڈالنے والا شیطان سب سے پہلے وضو میں وسوسہ ڈالنے سے آغاز کرتا ہے اسی لئے نبی کریم ﷺ نے وضو کے وسوسہ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے اور طاؤس نے فرمایا کہ "ولھان" تمام شیاطین سے زیادہ شدت والا ہے۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت عثمان بن العاص سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی یا رسول اللہ شیطان میرے اور میری نماز وقراءت کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور نماز

کو مجھ پر خلط ملط کر دیتا ہے۔تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ذَالِکَ شَیْطَانٌ یُقَالُ لَہٗ خَنْزَبٌ فَإِذَا اَحْسَسْتَہٗ فَتَعَوَّذْ بِاللّٰہِ مِنْہُ وَاتْفُلْ عَنْ یَسَارِکَ ثَلَاثًا.

(مسند احمد، مسند الشامیین، حدیث عثمان بن ابی العاص، الخ رقم الحدیث: 17897، ج:29 ص:429 مطبوعہ ایضا)

یہ شیطان ہے جسے خنزب کہا جاتا ہے۔جب تمہیں اس کا احساس ہو تو اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگا کرو اور اپنی بائیں جانب تین بار تھوک دیا کرو۔

شیاطین ایک دوسرے کو اطلاع دیتے ہیں

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ ایک شخص کو وسوسہ میں ڈالنے والا شیطان دوسرے کے شیطان کو خبر دیتا ہے۔اسی لئے خفیہ باتیں افشاء ہوتی ہیں۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے کوئی بات اپنے دل میں ہی سوچی تھی اور ابھی کسی کے سامنے اس کا اظہار نہیں کیا تھا لیکن لوگوں کو اس کا پتہ چل گیا۔تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس بات کو حناس (شیطان) نے لوگوں کے درمیان پھیلا دیا ہے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے علاوہ دیگر بزرگوں کے ساتھ بھی اس طرح کے واقعات پیش آئے ہیں۔اس سوال کے جواب میں میں نے طویل گفتگو اس لئے کی ہے کہ اس میں عجیب وغریب فوائد اور بہترین یکتا موتی پائے جاتے ہیں۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا ذکر افضل ہے یا کہ صرف کلمہ جلالت (اللہ) کا

سوال...... لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا ذکر افضل ہے یا کہ صرف کلمہ جلالت (اللہ) کا ذکر افضل ہے؟

جواب...... آئمہ ظاہر کے نزدیک لا الہ الا اللہ کا ذکر کلمۂ جلالت (اللہ) کے ذکر سے مطلقاً افضل ہے۔اگر اہل باطن کے ہاں سالک کے احوال کا اختلاف سے حال مختلف ہوتا ہے۔جو سالک اپنے سلوک کے آغاز میں ہے اور شہود اغیار کی مشقت اٹھا رہا ہے اور اغیار کے تعلق سے اپنے آپ کو جدا نہیں کر سکا ہے اور جو اپنی خواہشات وارادہ کا قیدی ہے اور جس کا نفس امارہ کے ساتھ تعلق باقی ہے وہ نفی کے بعد ہمیشہ اثبات کا محتاج ہے۔یعنی اس کے لئے کلمہ طیبہ کا ورد لازم ہے جو نفی واثبات پر مشتمل ہے۔یہاں تک اس پر سلطان ذکر اور اس پر مرتب ہونے والے جواذب حق غالب آ جائیں اور جب جواذب حق اس پر اس حد تک غالب آ جائیں تو اسے اس کو خواہشات اور حظوظ نفسانیہ نفس امارہ کے تمام اغراض سے الگ کر دیں کہ وہ اغیار کے شہود سے دور ہو جائے اور اس پر مراقبۂ حق اور شہود حق غالب آ جائیں تو وہ اس حال جمع احدی اور شہود صمدی فردی کے حقائق میں مستغرق ہو جائے گا تو اس کے بعد اس کے حال کے یہ مناسب ہے کہ وہ اغیار کے ذکر سے اعراض کرے اور فقط ذکر جلالت جو کہ اس کے حال کے مناسب ہے میں غرق ہو جائے۔کیونکہ اسی میں اس کے ذوق ولذت کی تکمیل ہے۔اور اسی میں ہی اس کی دائمی مسرت وشادمانی ہے۔

اوراس میں ہی اس کی محبت وعشق کی انتہاء ہے۔ بلکہ سالک جب اس مقام تک پہنچتا ہے تو وہ جب اپنے نفس کو شہود غیر کی جانب مجبور کرنا چاہیے تاکہ وہ غیر کی نفی کر سکے تو اس کا نفسِ مطمئنہ اس کی اطاعت نہیں کرتا ہے۔ کیونکہ وہ حقائق وہبیہ، معارف ذوقیہ، اور عوارف لدنیہ کا مشاہدہ کر دیا ہے اس لئے اب وہ غیر کی طرف التفات نہیں کرتا۔ ہم نے آپ کے لئے ایک دروازہ کھول دیا ہے۔ اس دروازے کے کھولنے کے متعلق جو کچھ ذکر کیا ہے تم اس کی رہنمائی میں اس دروازے کے پیچھے جو کچھ ہے اس تک پہنچ سکتے ہو۔

ہر حرام وملامت سے محفوظ قوم (صوفیاء کرام) کے مقاصد کو سمجھنے کی کوشش کرو اور ان کی سلامتی کو تسلیم کرو اور ان کے حقائق میں سے کسی حقیقت پر تنقید نہ کرو ورنہ تمہیں ندامت اٹھانی پڑے گی، ان کو جو معاملہ تم پر واضح نہ ہو سکے تو تم اس سے متعلق واللہ اعلم (اللہ ہی خوب جاننے والے ہے) کہہ دیا کرو۔

اسی طرح قلب وزبان کے ذکر اور صرف زبان کے ذکر کے متعلق بھی جواب دیا جائے گا۔ اہل ظاہر کی زبان میں زبان اور دل کا ذکر مطلقاً افضل ہے۔ اور اہل طریقت کے نزدیک اس میں تفصیل ہے۔ سابقاً ہم نے جو کچھ ذکر کیا ہے اگر تمہیں ہو یاد ہے اور اس میں ہم نے غور وفکر کیا ہے تو اسی سے اس کی تفصیل تمہیں معلوم ہو جائے گی۔ کیونکہ سالک مستغرق کو کبھی کسی ایسے حال سے سابقہ پڑھتا ہے جو اسکی زبان کو لگام دے دیتا ہے۔ اور وہ کبھی حیرت ودہشت کے ایسے لگام میں ہوتا ہے جہاں وہ نطق پر قدرت نہیں رکھتا۔ یا ان احوال کی جو بلندیاں اس کے ساتھ متمثل ہیں وہ نطق کے سبب متفرق ہو جاتی ہیں۔ یا وہ کمال وعرفان کے جن سمندروں میں مستغرق ہے نطق کی وجہ سے اس میں تفرق پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے اس کے ذکر خفی افضل ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ان معارف تک پہنچنے سے پہلے سالک کے لئے زیادہ بہتر یہ ہے کہ وہ اپنے شیخ ومرشد جو شریعت وحقیقت دونوں کا جامع ہے ہمیشہ اس کے حکم پر عمل کرے کیونکہ اس کے لئے وہ طبیب اعظم ہے۔۔ پس وہ معارف ذوقیہ اور حکم ربانیہ کے تقاضوں کے مطابق ہر جسم وروح کو اس کے لائق شفاء اور لائق غذاء جس چیز کو سمجھتا ہے وہ اسے عطا کرتا ہے۔ اگر سالک کو شریعت وحقیقت کا جامع شیخ میسر نہیں تو ہمیشہ اپنی زبان ودل سے لاالٰہ الا اللہ کا ذکر رہے اور اس سے کبھی اعراض نہ کرے۔ اور اس میں مداومت اختیار کرے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس کے لئے اپنے علم کے مطابق خیر الامرین کھول دے۔ اور شہود العین تک ترقی عطا فرمادے۔ اللہ تعالیٰ اپنے احسان وکرم سے ہم سب پر اس کا تحقق فرمادے۔ آمین

ذکر جلی افضل ہے یا ذکر خفی؟

سوال..... کیا ذکر میں حضور قلب کے ساتھ زبان سے ذکر کرنا افضل ہے یا ذکر خفی افضل ہے؟ اور افضلیت کی وجہ

کیا ہے۔؟ذکرِ خفی سے سانس کے ذریعہ کیا جانے والا ذکر مراد ہے یا کہ اس سے مراد وہ ذکر ہے جو سانس اور اپنی ذات کو سنائے بغیر زبان کے ملفوظ پر مشتمل ہوتا ہے۔

جواب......ذکرِ خفی سے کبھی فقط ذکرِ قلبی مراد ہوتا ہے اور کبھی اس سے زبان و دل دونوں کے ساتھ اس طرح ذکر کرنا کہ انسان خود سن سکے لیکن دوسرا کوئی نہ سن پائے مراد ہوتا ہے۔اسی کے بارے میں ہے کہ:

خَیْرُ الذِّکْرِ اَلْخَفِیُّ. کہ بہترین ذکر ذکرِ خفی ہے۔

اسکے خیر الذکر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں ریاء کے داخل ہونے کی کوئی راہ نہیں۔اور جس حال میں ذاکر خود نہیں سنتا اس میں زبان کی حرکت معتبر نہیں۔اعتبار اس چیز کا ہے جو اس کے دل میں ہے۔علماء کی ایک جماعت نے فرمایا ہے کہ فقط قلبی ذکر پر کوئی ثواب نہیں اور اس ذکر پر بھی کوئی ثواب نہیں جو دل اور زبان دونوں کے ساتھ ہو مگر انسان خود نہ سن پائے۔ان کے اس قول کو اس بات پر محمول کرنا مناسب ہے کہ ذکر مخصوص ہونے کی حیثیت سے اس پر ثواب نہیں ملے گا۔لیکن دل کا اس کے ساتھ مشغول ہونے اور اس میں غور وفکر کرنے اور اس کے شہود میں مستغرق ہونے کی حیثیت سے اس پر بے شک ثواب جزیل ملے گا اور یہی دلائل کا تقاضا ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ کی یہ حدیث اس کی تائید کرتی ہے:

اَلذِّکْرُ الَّذِیْ لَا تَسْمَعُہُ الْحَفَظَۃُ یَزِیْدُ عَلَی الذِّکْرِ الَّذِیْ تَسْمَعُہُ الْحَفَظَۃُ سَبْعِیْنَ ضِعْفًا.

ترجمہ:جس ذکر کو نگہبان فرشتے نہ سنیں اس کو ستر درجہ فضیلت ہے اس ذکر پر جسے نگہبان فرشتے سنیں۔

(شعب الایمان للبیہقی ،محبۃ اللہ فصل فی ادامۃ......الخ،رقم الحدیث:551،ج:2،ص:83)

لا الہ الا اللہ کی فضیلت

لا الہ الا اللہ کی فضیلت میں بہت احادیث وارد ہیں اس مقام پر ان میں سے بعض کے ذکر کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

1......ترمذی ،نسائی ،ابن ماجہ ،ابن حبان ،اور حاکم رحمہم اللہ کی حدیث میں ہے کہ:

اَفْضَلُ الذِّکْرِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَفْضَلُ الدُّعَاءِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ.

ترجمہ:افضل ذکر لا الہ الا اللہ ہے اور افضل دعا الحمد للہ ہے۔

(سنن ابن ماجہ،ابواب الادب،باب فضل الحامدین،رقم الحدیث:3801،ج:4،ص:712،مطبوعہ:ایضاً)

یعنی دعا کے مقدمات و متممات میں سے افضل الحمد للہ ہے۔

2......امام بخاری رحمہ اللہ کی حدیث میں ہے:

اَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِیْ مَنْ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ خَالِصًا مُخْلِصًا مِنْ قَلْبِہٖ

ترجمہ: میری شفاعت کی بدولت لوگوں میں سب سے زیادہ سعادت مند وہ ہے جس نے اپنے دل کے اخلاص کے ساتھ لا الہ الا اللہ کہا ہے۔

(سنن ابن ماجہ، ابواب الادب، باب فضل الحامدین، رقم الحدیث 3801، ج 4 ص 712، مطبوعہ ایضا)

3......امام دیلمی رحمہ اللہ کی حدیث میں ہے:

اَفْضَلُ الْعَمَلِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَفْضَلُ الدُّعَاءِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ.

ترجمہ: افضل عمل لا الہ الا اللہ ہے اور افضل دعاء استغفر اللہ ہے۔

(سنن ابن ماجہ، ابواب الادب، باب فضل الحامدین، رقم الحدیث 3801، ج 4 ص 712، مطبوعہ ایضا)

4......امام ابویعلیٰ رحمہ اللہ اور ابن عدی رحمہ اللہ کی حدیث ہے کہ:

اَکْثِرُوْا مِنْ شَھَادَۃِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ قَبْلَ اَنْ یُّحَالَ بَیْنَکُمْ وَ بَیْنَھَا وَ لَقِّنُوْا مَوْتَاکُمْ.

لا الہ الا اللہ کی شہادت میں کثرت کرو اس سے پہلے کہ تمہارے اور اس کے درمیان پردہ (موت) حائل ہوجائے، اور اپنے قریب الموت لوگوں کو اس کی تلقین کیا کرو۔

(الدعاء للطبرانی، باب تلقین المیت، الخ، رقم الحدیث 1143، ج 1 ص 348)

5......بخاری و مسلم شریف کی حدیث ہے:

اِنَّ اللّٰہَ قَدْ حَرَّمَ عَلَی النَّارِ مَنْ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ یَبْتَغِیْ بِذٰلِکَ وَجْہَ اللّٰہِ.

بے شک اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو دوزخ کی آگ پر حرام کردیا ہے جس نے لا الہ الا اللہ اللہ تعالیٰ کی رضا طلب کرکے پڑھا۔

(صحیح بخاری، کتاب الصلوۃ، باب المساجد فی البیوت، رقم الحدیث 425، ج 1 ص 92)

6......طبرانی شریف کی حدیث میں ہے:

لَیْسَ مِنْ عَبْدٍ یَّقُوْلُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مِائَۃَ مَرَّۃٍ اِلَّا بَعَثَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَ وَجْھُہٗ کَالْقَمَرِ لَیْلَۃَ الْبَدْرِ وَلَمْ یُرْفَعْ یَوْمَئِذٍ لِاَحَدٍ عَمَلٌ اَفْضَلُ مِنْ عَمَلِہٖ اِلَّا مَنْ قَالَ مِثْلَ قَوْلِہٖ اَوْ زَادَ.

(مسند الشامیین للطبرانی، ما انتہی الینا من مسند صفوان الخ، صفوان عن یزید الخ رقم الحدیث 994، ج 2 ص 103)

ترجمہ: جو بھی بندہ لا الہ الا اللہ سو بار پڑھے گا۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو اس حال میں اٹھائے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح ہوگا۔ اور اس دن اس کے عمل سے کسی کے

عمل کو افضل نہیں اٹھایا جائے گا۔ سوا اس شخص کے جو اس کے ذکر کی مثل ذکر کرے یا اس سے زیادہ کرے۔

7......امام احمد اور امام حاکم رحمہما اللہ کی حدیث شریف میں ہے:

جَدِّدُوْا اِيْمَانَكُمْ اَكْثِرُوْا مِنْ قَوْلِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ.

ترجمہ: اپنے ایمان کی تجدید کرو، کلمۂ لا الہ الا اللہ کی کثرت کرو۔

(مسند احمد، مسند المکثرین من الصحابۃ، مسند ابی ہریرۃ الخ، رقم الحدیث 8709، ج:14 ص:323)

8......امام ابن عساکر رحمہ اللہ کی حدیث میں ہے:

حَدَّثَنِيْ جِبْرِيْلُ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ حِصْنِيْ فَمَنْ دَخَلَهُ اَمِنَ مِنْ عَذَابِيْ.

ترجمہ: مجھے جبریل امین نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بیان کیا ہے کہ لا الہ الا اللہ میرا قلعہ ہے۔ پس جو اس میں داخل ہو گیا وہ میرے عذاب سے محفوظ ہو گیا۔

(معجم ابن عساکر، ذکر من اسمہ عثمان، عثمان بن علی الخ رقم الحدیث:845، ج:2 ص:680)

9......ابن ابی الدنیا اور امام بیہقی رحمہما اللہ کی حدیث شریف میں ہے:

حَضَرَ مَلَكُ الْمَوْتِ رَجُلاً فَشَقَّ اَعْضَاءَهُ فَلَمْ يَجِدْهُ عَمِلَ خَيْرًا فَفَكَّ لِحْيَيْهِ فَوَجَدَ طَرْفَ لِسَانِهِ لَاصِقًا بِحَنَكِهِ يَقُوْلُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَغَفَرَ لَهُ بِكَلِمَةِ الْاِخْلَاصِ.

(شعب الایمان للبیہقی، عیادۃ المریض فصل فی آداب العیادۃ، رقم الحدیث 8799، ج:11 ص:439)

ملک الموت ایک شخص کے پاس روح قبض کرنے کے لئے آئے۔ پس اس کے اعضاء شق کئے مگر ملک الموت کو اس کا کوئی اچھا عمل نہ ملا۔ اور انہوں نے اس کے جبڑے جدا کئے تو اس کی زبان کے کنارہ کو تالو کے ساتھ چمٹا ہوا پایا کہ وہ لا الہ الا اللہ پڑھ رہا تھا۔ پس کلمہ اخلاص کی وجہ سے اس کی بخشش فرما دی گئی۔

10......امام احمد اور امام حاکم رحمہما اللہ کی حدیث میں ہے:

مَنْ كَانَ آخِرَ كَلَامَهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ.

ترجمہ: جس کی (زندگی) کا آخری کلام لا الہ الا اللہ ہو وہ جنت میں داخل ہو گیا۔

(مسند احمد، تتمہ مسند انصار، حدیث معاذ بن جبل، رقم الحدیث 22034، ج:36 ص:363)

11......امام ابن ماجہ رحمہ اللہ کی حدیث میں ہے:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ لَا يَسْبِقُهَا عَمَلٌ وَ لَا تَتْرُكُ ذَنْبًا.

ترجمہ: لا الہ الا اللہ (پڑھنے) سے بڑھ کر کوئی عمل نہیں کہ جو کوئی گناہ باقی نہیں چھوڑتا۔

(سنن ابن ماجہ، ابواب الادب، باب فضل الحامدین، رقم الحدیث: 3801، ج: 4 ص: 712)

12.....ابن عدی رحمہ اللہ کی حدیث میں ہے:

ثَمَنُ الْجَنَّةِ لاَ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ.

ترجمہ: جنت کی قیمت، لا الہ الا اللہ ہے۔

الحاوی الفتاوی، کتاب الادب والرقائق، مسائل متفرقہ، ج: 1 ص: 428، بالفاظ مختلف)

13.....امام ابویعلیٰ رحمہ اللہ کی حدیث میں ہے:

عَلَيْكُمْ بِلاَ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَ الْاِسْتِغْفَارُ فَاَكْثِرُوْا مِنْهُمَا فَاِنَّ اِبْلِيْسَ قَالَ اَهْلَكْتُ النَّاسَ بِالذُّنُوْبِ وَ اَهْلَكُوْنِىْ بِلاَ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَ الْاِسْتِغْفَارِ فَلَمَّا رَاَيْتُ ذَالِكَ اَهْلَكْتُهُمْ بِالْاَهْوَاءِ وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُهْتَدُوْنَ.

(مسند احمد، مسند المکثرین من الصحابۃ، مسند ابی سعید الخدری، رقم الحدیث 11238، ج: 17 ص: 338)

لا الہ الا اللہ اور استغفار کو اپنے اوپر لازم کرو۔ ان دونوں کی کثرت کرو، ابلیس کہتا ہے میں نے لوگوں کو گناہوں کے سبب ہلاک کیا اور لوگوں نے مجھے لا الہ الا اللہ اور استغفار کے سبب ہلاک کیا۔ جب مجھے اس کا پتہ چلا تو میں نے ان خواہشات کے سبب ہلاک کرنا شروع کیا وہ سمجھتے کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں۔

14.....طبرانی کی حدیث میں ہے:

كَلِمَتَانِ اِحْدَاهُمَا لَيْسَ لَهَا نِهَايَةٌ دُوْنَ الْعَرْشِ وَالْاُخْرٰى تَمْلَاءُ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَ الْاَرْضِ لاَ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَ اللّٰهُ اَكْبَرُ.

ترجمہ: دو کلمے ایسے ہیں جن میں سے ایک کی انتہاء سوائے عرش کے نہیں اور دوسرا آسمان اور زمین کو بھر دیتا ہے۔ (وہ دونوں کلمات یہ ہیں) لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ اور اَللّٰهُ اَكْبَرُ۔

(الدعاء للطبرانی، باب فضل قول لا الہ الا اللہ، رقم الحدیث 1472، ج: 1 ص: 433)

15.....امام طبرانی رحمہ اللہ کی حدیث میں ہے:

لِكُلِّ شَيْءٍ مِفْتَاحٌ وَمِفْتَاحُ السَّمٰوٰتِ قَوْلُ لاَ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ.

ترجمہ: ہر چیز کی چابی ہے اور آسمانوں کی چابی لا الہ الا اللہ پڑھنا ہے۔

(المعجم الکبیر للطبرانی، باب المیم، معاویہ بن قرۃ، الخ، رقم الحدیث: 497، ج: 20 ص: 215)

16......ترمذی شریف کی حدیث میں ہے کہ:

مَاقَالَ عَبْدٌ لاَ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ قَطُّ فَمُلَخَصًا اِلاَّ فُتِحَتْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ حَتّٰی یُفْضِیَ اِلَی الْعَرْشِ مَااجْتَنَبَ الْکَبَائِرَ.

ترجمہ: جب بھی بندہ اخلاص کے ساتھ لاَ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ پڑھتا ہے تو آسمانوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں حتیٰ کہ وہ عرش تک پہنچ جاتا ہے جب تک وہ کبائر سے اجتناب کرتا ہے۔

(جامع ترمذی، کتاب الدعوات، باب دعاام سلمۃ، رقم الحدیث 3590، ج:5 ص:464)

مطلقاً ذکر کی فضیلت

بہت ساری احادیث میں مطلقاً ذکر کی فضیلت منقول ہے۔ان میں سے چند مفید جامع ترین احادیث کی درج ذیل ہیں۔

1......امام بیہقی رحمہ اللہ کی حدیث میں ہے:

اَکْثِرُوْا ذِکْرَ اللّٰهِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ فَاِنَّهٗ لَیْسَ عَمَلٍ اَحَبُّ اِلَی اللّٰهِ وَ لاَ اَنْجٰی لِعَبْدِهٖ مِنْ ذِکْرِ اللّٰهِ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ.

ترجمہ: ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو۔اللہ تعالیٰ کے ہاں دنیا وآخرت میں اللہ کے ذکر سے زیادہ کوئی عمل پسندیدہ نہیں اور دنیا وآخرت میں بندے کو نجات دلانے میں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے بڑھ کر کوئی عمل نہیں۔

(شعب الایمان، محبۃ اللہ، فصل فی ادامۃ اللہ، رقم الحدیث:517، ج:2 ص:60)

2......امام دیلمی رحمہ اللہ کی حدیث میں ہے:

لِذِکْرِ اللّٰهِ بِالْغَدَاةِ وَ الْعَشِیِّ خَیْرٌ مِنْ حطمِ السُّیُوْفِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ.

ترجمہ: صبح وشام اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا، اللہ کی راہ میں تلواریں توڑنے (جہاد) سے افضل ہے۔

(الزہد والرقائق لابن مبارک، باب فضل ذکر اللہ، رقم الحدیث 1116، ج:1 ص:394)

3......امام بیہقی رحمہ اللہ کی حدیث میں ہے:

اِنَّ ذِکْرَ اللّٰهِ شِفَاءٌ وَ اِنَّ ذِکْرَ النَّاسِ دَاءٌ

ترجمہ: بے شک اللہ کا ذکر شفاء ہے۔اور لوگوں کا ذکر بیماری ہے۔

(شعب الایمان للبیہقی، محبۃ اللہ، الفصل الثانی فی ذکر آثار الخ، رقم الحدیث:705، ج:2 ص:184)

4......امام بیہقی اور امام طبرانی رحمہما اللہ کی حدیث میں ہے:

لَيْسَ يَتَحَسَّرُ اَهْلُ الْجَنَّةِ عَلٰى شَيْءٍ اِلَّا عَلٰى سَاعَةٍ مَرَّتْ بِهِمْ لَمْ يَذْكُرُوا اللّٰهَ عزوجل فِيْهَا.

جنتی لوگ کسی چیز پر حسرت نہیں کریں گے سوائے اس گزری ہوئی گھڑی کے جس میں انہوں نے اللہ کو یاد نہیں کیا۔

(شعب الایمان للبیہقی، محبۃ اللہ، الفصل الاول فی ادامۃ الخ، رقم الحدیث:509، ج:2 ص:55)

5......امام حاکم رحمہ اللہ کی حدیث میں ہے:

مَنْ ذَكَرَ اللّٰهَ فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ حَتّٰى يُصِيْبَ الْاَرْضَ مِنْ دُمُوْعِهٖ لَمْ يُعَذِّبْهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

ترجمہ: جس نے اللہ کو یاد کیا پس اس کی آنکھیں اللہ کے خوف سے رو پڑیں حتیٰ کہ اس کے آنسوؤں سے زمین تر ہوگئی۔ تو اللہ تعالیٰ اس کو قیامت میں عذاب نہیں دے گا۔

(المستدرک للحاکم، کتاب التوبۃ، الخ، رقم الحدیث 7668، ج:4 ص:289)

6......امام طبرانی رحمہ اللہ کی حدیث میں ہے:

لَا يَذْكُرُنِيْ عَبْدٌ فِيْ نَفْسِهٖ اِلَّا ذَكَرْتُهٗ فِيْ مَلَاءٍ مِنْ مَلَائِكَتِيْ وَ لَا يَذْكُرُنِيْ فِيْ مَلَاءٍ اِلَّا ذَكَرْتُهٗ فِي الرَّفِيْقِ الْاَعْلٰى.

ترجمہ: بندہ میرا ذکر اپنے دل میں نہیں کرتا مگر میں اس کا ذکر اپنے فرشتوں کی جماعت میں کرتا ہوں۔ اور بندہ میرا ذکر کسی جماعت میں نہیں کرتا مگر میں اس کا ذکر رفیق اعلیٰ میں کرتا ہوں۔

(الدعاء للطبرانی، باب ماجاء فی فضل ذکر اللہ، رقم الحدیث:1863، ج:1 ص:522)

7......امام ترمذی، امام حاکم، اور امام ابن ماجہ رحمہم اللہ کی حدیث ہے:

اَلَا اُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرِ اَعْمَالِكُمْ وَاَزْكَاهَا عِنْدَ مَلِيْكِكُمْ وَاَرْفَعِهَا فِيْ دَرَجَاتِكُمْ وَخَيْرٌ لَّكُمْ مِنْ اِنْفَاقِ الذَّهَبِ وَ الْوَرَقِ وَ خَيْرٌ لَّكُمْ مِنْ اَنْ تَلْقَوْا عَدُوَّكُمْ فَتَضْرِبُوْا اَعْنَاقَهُمْ وَ يَضْرِبُوْا اَعْنَاقَكُمْ ؟ قَالُوْا بَلٰى قَالَ ذِكْرُ اللّٰهِ.

(سنن ترمذی، ابواب الدعوات، رقم الحدیث:3377، ج:5 ص:459)

ترجمہ: کیا میں تمہیں خبر نہ دوں تمہارے اعمال میں سے افضل عمل کی اور تمہارے رب پروردگار کے ہاں سب سے پاکیزہ عمل کی اور تمہارے درجات میں سب سے زیادہ بلندی والے عمل

اور (اللہ کی راہ میں) سونا اور چاندی خرچ کرنے سے بھی زیادہ اچھے عمل کی اور ایسے عمل کی جو تمہارے لئے اس سے (جہاد سے بھی) افضل ہے کہ تم اپنے دشمنوں (کفار) کے ساتھ ملاقات کرو پس تم ان کی گردنوں کو مارو اور وہ تمہاری گردن زنی کریں، صحابہ نے عرض کی ہاں یارسول اللہ، حضور ﷺ نے فرمایا (وہ) اللہ کا ذکر ہے۔

8......امام احمد، ابن حبان اور امام بیہقی رحمہم اللہ کی حدیث میں ہے:

خَيْرُ الذِّكْرِ الْخَفِيّ وَ خَيْرُ الرِّزْقِ مَا يَكْفِيْ.

ترجمہ: بہترین ذکر ذکر خفی ہے۔اور بہترین رزق قدر کفایت ہے۔

(صحیح ابن حبان، کتاب الرقائق، باب الاذکار، ذکر البیان ان ذکر الخ، رقم الحدیث:809، ج:3، ص:91)

تَفَكُّرُ سَاعَةٍ خَيْرٌ مِّنْ عِبَادَةِ سَنَةٍ. کا مطلب؟

سوال......اور اس قول کا کیا مطلب ہے:

تَفَكُّرُ سَاعَةٍ خَيْرٌ مِّنْ عِبَادَةِ سَنَةٍ.

(تنبیہ الغافلین، باب التفکر، رقم الحدیث:923، ص:572، مطبوعہ: دار ابن کثیر، بیروت)

ایک گھڑی کا تفکر ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

کیا تفکر سے مراد اللہ تعالیٰ کا ذکر یا اللہ تعالیٰ کی عظمت کا ذکر ہے؟ یا علوم کا استخراج واستنباط ہے یا مراقبہ ہے یا اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان جو معاملات ہیں ان کا تفکر مراد ہے؟ اور تفکر کے مقابلے میں جس عبادت کا ذکر ہے کیا وہ نوافل وغیرہ نمازوں کو شامل ہے؟ اگر انکو شامل ہے تو پھر تفکر کو فضیلت دینے کی کیا وجہ ہے حالانکہ ان کے متعلق احادیث وارد ہیں؟۔

تفکر کی فضیلت

جواب......تفکر کی فضیلت اور تفکر کا مطلب بیان کرنے والی کئی احادیث وارد ہیں جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

1......ابوالشیخ رحمہ اللہ کی "العظمۃ" میں حدیث ہے:

تَفَكُّرُ سَاعَةٍ خَيْرٌ مِّنْ عِبَادَةِ سِتِّيْنَ سَنَةً.

ترجمہ: ایک گھڑی کا تفکر ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبۃ، کتاب الزہد، کلام الحسن البصری، رقم الحدیث:35223، ج:7، ص:190)

2......ابوالشیخ رحمہ اللہ ہی کی حدیث میں ہے:

تَفَكَّرُوْا فِيْ كُلِّ شَيْءٍ وَ لَا تَفَكَّرُوْا فِيْ ذَاتِ اللّٰهِ فَإِنَّ بَيْنَ السَّمَاءِ السَّابِقَةِ إِلَى

كُرْسِيِّهٖ سَبْعَةُ اٰلافِ نُوْرٍ وَفَوْقَ ذَالِكَ.

ترجمہ: ہر چیز میں تفکر کرو، اور اللہ تعالیٰ کی ذات میں تفکر نہ کرو کیونکہ ساتویں آسمان سے کرسی تک سات ہزار نور ہیں اور اللہ تعالیٰ کی شان اس سے بھی بلند ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبۃ، کتاب الزہد، کلام الحسن البصری، رقم الحدیث: 35223، ج:7 ص:190، بالفاظ مختلف)

3......اور ابو الشیخ رحمہ اللہ ہی کی حدیث میں ہے:

تَفَكَّرُوْا فِيْ خَلْقِ اللّٰهِ وَ لَا تَفَكَّرُوْا فِي اللّٰهِ فَتَهْلِكُوْا.

ترجمہ: اللہ کی مخلوق میں تفکر کرو اور اللہ کی ذات میں تفکر نہ کرو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔

(المعجم الکبیر للطبرانی، باب العین، عطاء بن ابی رباح الخ، رقم الحدیث: 13580، ج: 12 ص:430)

4......اور انہی کی حدیث میں ہے:

تَفَكَّرُوْا فِي الْخَلْقِ وَ لَا تَفَكَّرُوْا فِي الْخَالِقِ فَإِنَّكُمْ لَا تَقْدِرُوْنَ قَدْرَهٗ.

ترجمہ: مخلوق میں فکر کرو، اور خالق میں فکر نہ کرو کہ تم اس کی شان کا اندازہ نہیں کر سکتے۔

(المعجم الکبیر للطبرانی، باب العین، عطاء بن ابی رباح الخ، رقم الحدیث: 13580، ج: 12 ص:430، بالفاظ مختلف)

5......اور ابو الشیخ رحمہ اللہ کی طبرانی، ابن عدی اور بیہقی رحمہم اللہ کی طرح حدیث ہے:

تَفَكَّرُوْا فِيْ اٰلَاءِ اللّٰهِ وَ لَا تَفَكَّرُوْا فِي اللّٰهِ.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں فکر کرو اور اللہ تعالیٰ کی ذات میں فکر نہ کرو۔

(المعجم الکبیر للطبرانی، باب العین، عطاء بن ابی رباح الخ، رقم الحدیث: 13580، ج: 12 ص:430)

6......اور ابو الشیخ رحمہ اللہ کی حدیث ابو نعیم رحمہ اللہ کی حدیث کی طرح ہے کہ:

تَفَكَّرُوْا فِيْ خَلْقِ اللّٰهِ وَ لَا تَفَكَّرُوْا فِي اللّٰهِ.

ترجمہ: اللہ کی مخلوق میں تفکر کرو، اور اللہ کی ذات میں تفکر نہ کرو۔

(المعجم الکبیر للطبرانی، باب العین، عطاء بن ابی رباح الخ، رقم الحدیث: 13580، ج: 12 ص:430)

7......امام دیلمی رحمہ اللہ کی حدیث میں ہے:

عَوِّدُوْا قُلُوْبَكُمُ التَّرَقُّبَ وَ اَكْثِرُوْا التَّفَكُّرَ وَ الْاِعْتِبَارَ.

ترجمہ: اپنے دلوں کو مراقبہ کا عادی بناؤ اور کثرت کے ساتھ تفکر کرو اور عبرت حاصل کرو۔

(المعجم الکبیر للطبرانی، باب العین، عطاء بن ابی رباح الخ، رقم الحدیث: 13580، ج: 12 ص:430)

ان مذکورہ تمام احادیث میں تم غور کرو گے تو تمہیں معلوم ہوگا کہ سوال کرنے والے نے تفکر سے متعلق جن چیزوں

کا تذکرہ کیا ہے ان سب سے بھی تفکر مراد ہے اوران سے عام بھی ہے۔ جیسا کہ ان دونوں حدیثوں سے مستفاد ہے:

تَفَكَّرُوْا فِيْ كُلِّ شَيْءٍ. ہر چیز میں تفکر کرو۔

تَفَكَّرُوْا فِيْ خَلْقِ اللّٰهِ. اللہ کی مخلوق میں تفکر کرو۔

اور یہ حدیث ان دونوں حدیثوں کے منافی ہے: تَفَكَّرُوْا فِيْ آلَاءِ اللّٰهِ، اللہ کی نعمتوں میں تفکر کرو۔

بندے کا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں تفکر کرنا اپنے رب کے حضور زیادہ خشوع وخضوع اور اس کی بارگاہ کی طرف اپنی عاجزی وانکساری کے ساتھ رجوع وتوبہ کا سبب اور مخلوق کے ساتھ تواضع سے پیش آنے کا ذریعہ ہے اوردن ورات کے لمحات میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہمیشہ وسیلہ پیش کرنے کا سبب ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مزید فضل اور اپنی مزید نعمتوں سے اس کو محروم نہ فرمائے اور اپنے دست جودوکرم کو اس سے سلب نہ کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں تفکر سے انحراف واعراض کا انجام بہت بھیانک اور اس کا نتیجہ نعمتوں کا چھن جانا اور سزایابی اور کریم کے دروازے سے دور دھکیلے جانے کی نحوست پر مشتمل ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ کے اس ارشاد میں اسی طرف اشارہ ہے:

وَ مَا بَطَرَ اَحَدُ النِّعْمَةِ فَعَادَتْ اِلَيْهِ.

ترجمہ: جس کی نے بھی نعمت کی ناقدری نہیں کی وہ نعمت اس کے پاس لوٹ آتی ہے۔

(المعجم الکبیر للطبرانی، باب العین، عطاء بن ابی رباح الخ، رقم الحدیث: 13580، ج: 12 ص: 430)

مخلوق میں تفکر کی حکمت

ہمیں تمام مخلوقات میں تفکر کا حکم دیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات میں تفکر سے منع فرمایا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا میں تفکر کرنے سے معارف میں زیادتی ہوتی ہے اور اس کی سبب اللہ تعالیٰ کے عطیات اور عوارف کا سلسلہ پے درپے جاری رہتا ہے اور دل سے ماسوی اللہ کا زنگ اتر جاتا ہے اور ہر طرح کی نفسانی خواہش سے پاک ہوجاتا ہے۔ اور انسان کی تمام حرکات وسکنات اور ارادات اللہ تعالیٰ کی رضا کے تابع ہوجاتی ہیں۔ کیونکہ جو اپنی بصیرت کی آنکھ سے عالم علوی اور عالم سفلی کو دیکھتا ہے اور اپنی جدوجہد اور اپنی فکر کو عالم علوی اور عالم سفلی میں مستغرق کرتا ہے اس کے سامنے سے حجابات اٹھ جاتے ہیں اور تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ آسمانوں اور زمین میں تفکر کی صلاحیت رکھنے والے صرف عقل کامل اور لب ناصل والے لوگ ہیں۔ چنانچہ سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران کی یہ آیات اس پر دلالت کررہی ہیں:

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ...... لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ. (البقرۃ: آیت: 164)

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ.

(سورۃ آل عمران، آیت:190)

سورہ بقرہ کی آیت کو یعقلون پر ختم کیا گیا ہے، کہ وہ آیات سماویہ اور آیات ارضیہ پر غور وفکر کرتے ہیں اور دوسری آیت کو اولی الالباب پر ختم کیا گیا ہے۔ پہلی آیت کریمہ میں جن آیات سماویہ وارضیہ کا ذکر ہے وہ دوسری آیت کریمہ میں جن آیات کا ذکر ہے ان سے زیادہ ہیں حالانکہ لب عقل سے اشرف ہے۔ اس کی حکمت یہ ہے کہ پہلی آیت مقام سالکین کے مناسب ہے کہ وہ آیات کثیرہ میں نظر وفکر کے محتاج ہوتے ہیں تاکہ اس کے سبب ان کو دل جمعی اور مضبوطی حاصل ہو جائے۔ کیونکہ دلائل وآیات اپنی کثرت اور اپنے عجائبات کے باوجود ایک دوسرے کے مغائر ہیں اور ان کے اس تغایر سے سالکین کو مراقبہ کا ملکہ اور اس کے بعد شہود علمی حاصل ہوتا ہے۔ اور سالکین اس کے سبب ملنے والے عطیات میں شک وتردد میں مبتلا نہیں ہوتے حتی کہ وہ اخیار کے درجہ تک ترقی یاب ہو جاتے ہیں۔ اور دوسری آیت کریمہ عارفین کے مقام کے مناسب ہے کہ انہوں نے اسباب ووسائط کے شہود سے اسباب ووسائط کے موجد اور خالق کے شہود تک ترقی حاصل کی ہوتی ہے۔ اس لئے عارفین کا وسائط واسباب کے ساتھ کوئی زیادہ تعلق نہیں ہوتا اسی لئے ان کے حق میں دلائل کا اختصار کیا گیا ہے کہ یہ حضرات امتی کے سبب شہود اقدس (اللہ تعالیٰ کے ......) اور جمع اکمل میں مشغول ہو چکے ہیں اور عین الیقین کے مقام پر فائز ہونے کے سبب دلائل وبراہین میں نظر وفکر سے مستغنی وبے نیاز ہو چکے ہیں اسی لئے ان کے مناسب ہے کہ دلائل کو تفصیلاً ذکر کرنے کی بجائے اجمالاً ذکر کرتے ہوئے یہ بتایا جائے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ تک کسی خاص راہ وطریقہ کے پہنچ چکے ہیں اور جو کسی خاص طریقہ وراہ کے سبب اللہ تعالیٰ تک پہنچ جاتا ہے اس کے یہ مناسب نہیں کہ وہ اس راہ کو بھلا دے اگرچہ وہ اس کاص راہ سے بے نیاز کیوں نہ ہو جائے اسی لئے جب حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس تسبیح دیکھی گئی تو ان سے پوچھا گیا اے صوفیاء کرام کے امام! کیا آپ بھی تسبیح کے محتاج ہیں؟ تو انہوں نے جواب میں فرمایا یہ وہ راہ ہے جس کے سبب ہم اللہ تعالیٰ تک پہنچے ہیں جسے ہم کبھی ترک نہیں کریں گے۔

سورۂ بقرہ کی آیت إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ . کا اختتام تَعْقِلُوْنَ کے ساتھ سورہ آل عمران کی آیت إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ کا اختتام أُولِي الْأَلْبَابِ کے ساتھ کرنے میں حکمت

خلاصہ کلام یہ ہے کہ سورہ بقرہ کی آیت کا مقام یعقلون کے ساتھ اس لئے فرمایا گیا ہے کہ سالکین اور کاملین کے دو الگ الگ مقام ہیں۔ سالکین کا مقام کاملین کے مقام سے ادنی ہے اور کاملین کا مقام اعلیٰ واکمل ہے۔ سالکین کے مقام کے ساتھ یعقلون کی زیادہ مانوسیت تھی اور اس میں دلائل کثیرہ کا ذکر کرنا مناسب تھا کیونکہ دلائل کثیرہ کا ذکر

سالکین کے حال کے مناسب ہے جیسا کہ اپنے مقام میں ثابت ہے۔

اور سورہ آل عمران کی آیت کا اختتام اولی الالباب کے ساتھ کیا گیا جو کہ اعلیٰ واکمل ہے اور اس میں اس چیز کا ذکر مناسب تھا جو کاملین کے لائق تھی اور وہ ہے دلائل کا اجمالاً ملاحظہ کرنا ہے۔تفصیلاً دلائل کا ملاحظہ کرنا کاملین کے حال کے لائق اس لئے نہیں کہ کاملین اس سے بھی زیادہ اہم واکمل اور اولیٰ میں مشغول ہوتے ہیں اس پر غور کیجئے تاکہ تم پر تفکر کا فائدہ ہو جائے۔اور تم پر یہ واضح ہو جائے کہ ایک لحہ تفکر کرنا ساٹھ سال کی اس عبادت سے افضل ہے جس میں تفکر نہیں پایا جاتا۔اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ. (سورۃ القدر، آیت:3)

ترجمہ: شب قدر میں کی جانے والی عبادت ہزار سالوں کی عبادت سے بہتر ہے۔

جس میں شب قدر موجود نہ ہو۔جیسا کہ آئمہ نے فرمایا ہے:اور حضور ﷺ کے اس فرمان:

فِكْرُ سَاعَةٍ خَيْرٌ مِنْ عِبَادَةِ سِتِّيْنَ سَنَةً۔

کا مطلب یہ ہے کہ ایک ساعت کا تفکر ان ساٹھ سالوں کی عبادت سے بہتر ہے جن میں تفکر نہیں پایا جاتا ہے۔

باقی عبادات پر تفکر کی فضیلت کا راز یہ ہے کہ تفکر مراتب عالیہ سے مزین ہونے اور حقائق وھبیہ کے انکشاف کا سبب وذریعہ ہے اور دیگر عبادات یہ تفکر سے خالی ہیں وہ ان فوائد کاملہ اور معارف فاضلہ تک پہنچانے کا سبب وذریعہ نہیں بن سکتی ہیں۔اور اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ ہر وہ عمل جو ایمان کی تقویت ویقین میں اضافہ اور قلوب کے تزکیہ اور ان کو اغیار کی محبت سے پاک کرنے کا سبب ہے وہ اس عمل سے کہیں زیادہ بہتر ہے جو ان چیزوں کا سبب نہیں بن سکتا۔اگرچہ اس عمل کی انجام دہی میں قلیل سا وقت کیوں نہ صرف ہوتا ہو۔اور وہ عمل جو ان چیزوں کا ذریعہ نہیں بنتا اس میں طویل وقت صرف کیوں نہ ہوتا ہو۔کیونکہ عبادت کی روح اور اس کا مقصود اللہ تعالیٰ کی معرفت اور مخلوق میں پائے جانے والے اللہ تعالیٰ کے اسرار ورموز کی معرفت ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے اسماء عالیہ اور اپنی صفات مقدسہ کا مخلوق پر جو تجلی فرماتا ہے اس کی معرفت ہے۔اور تفکر ہی ان چیزوں کے حصول کا سبب ہے اس کے سوا دوسری کوئی چیز ان کے حصول کا سبب نہیں۔اور یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ ہر ایک کا تفکر ان کے حصول کا سبب نہیں بلکہ اس شخص کا تفکر ان کے حصول کا سبب ہے جو اس کا اہل ہے۔اس کا اہل وہ شخص ہے جس کے پاس علوم شرعیہ اعتقادیہ اور عملیہ ہیں جو اس کے قدموں کو جادۂ حق سے ڈگمگانے سے محفوظ رکھتے ہیں اور اس کی عقل وفہم کو گمراہی سے بچاتے ہیں کہ کہیں وہ ان غلطیوں کا مرتکب ہو کر ندامت وشرمندگی کا حقدار نہ بن جائے یہی وہ راز ہے جس کی وجہ سے ہمیں اللہ تعالیٰ کی ذات میں تفکر سے منع کیا گیا ہے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں تفکر حیرت اور اسباب کمال سے گمراہی وضلالت کی طرف لے جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس اس بات سے بلند وبالا ہے کہ کوئی وہم اس کا ادراک

کرسکے یا کوئی فکر اس کا تصور کرسکے یا کوئی لب یا کوئی عقل اس کی حدود تک رسائی حاصل کرسکے خواہ وہ عقل کتنی ہی کامل کیوں نہ ہو تمام مخلوق کو اس ......اور اس نفیس ترین مطلوب سے روک دیا گیا ہے:

تِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰہِ فَلاَ تَعْتَدُوْھَا وَمَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰہِ فَاُولٰئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ.

ترجمہ: یہ اللہ کی حدیں ہیں ان سے آگے نہ بڑھو اور جو اللہ کی حدوں سے آگے بڑھے تو وہی لوگ ظالم ہیں۔ (بقرہ، آیت: 229)

بعد نماز اَوراد کی اصل

سوال نمبر 6......کیا نمازوں کے بعد اوراد و وظائف کو بلند آواز کے ساتھ پڑھنا اخفاء سے بہتر ہے؟ اور کیا اس میں سالکین اور غیر سالکین سب برابر ہیں؟ حضرت سید علی الہمدانی رحمہ اللہ کی طرف منسوب جماعت کا طریقہ ہے کہ وہ نماز کے بعد حضرت ہمدانی رحمہ اللہ کے اوراد بلند آواز سے پڑھتے ہیں جیسا کہ مشائخ کا معتاد و معمول ہے اگر اوراد پڑھنے کی جگہ کوئی سویا ہوا ہے یا کوئی نماز ادا کر رہا ہے تو کیا اس وقت جہر و اخفاء میں فرق ہے؟

جواب......صوفیاء کرام اپنے سلوک میں حسب عادت نمازوں کے بعد جو اوراد و وظائف پڑھتے ہیں ان کی دلیل موجود ہے امام بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

لِاَنْ اَذْکُرَ اللّٰہَ مَعَ قَوْمٍ بَعْدَ صَلاَۃِ الْفَجْرِ اِلٰی طُلُوْعِ الشَّمْسِ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنَ الدُّنْیَا وَ مَافِیْھَا وَلِاَنْ اَذْکُرُ اللّٰہَ تَعَالٰی مَعَ قَوْمٍ بَعْدَ صَلاَۃِ الْعَصْرِ اِلٰی تَغِیْبِ الشَّمْسِ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْھَا.

ترجمہ: میرا جماعت کے ساتھ نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب تک اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا میرے نزدیک دنیا و مافیہا سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ اور میرا لوگوں کی معیت میں نماز عصر کے بعد سورج کے غروب ہونے تک اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا میرے نزدیک دنیا و مافیہا سے زیادہ عزیز ہے۔

(الحاوی للفتاوی، کتاب الاداب والرقائق، ذکر احادیث الدالۃ الخ، ج: 1 ص: 470 مطبوعہ: ایضا)

اور حضرت امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لِاَنْ ......مَعَ قَوْمٍ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ مِنْ صَلاَۃِ الْغَدَاۃِ حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ اُعْتِقَ اَرْبَعَۃً مِنْ وَلَدِ اِسْمَاعِیْلَ. وَلِاَنْ ......مَعَ قَوْمٍ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ مِنْ صَلاَۃِ

الْعَصْرِ اِلٰى اَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اَنْ اَعْتِقَ اَرْبَعَةً.

(سنن ابی داؤد، کتاب العلم، باب فی القصص، رقم الحدیث: 3667، ج:3 ص:324)

ترجمہ: جوگروہ نماز فجر سے لے کر طلوع آفتاب تک اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے ان کی مجلس میں بیٹھنا میرے نزدیک حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے چار کو آزاد کرنے سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ اور جو جماعت نماز عصر سے غروب آفتاب تک اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتی ہے ان کی مجلس اختیار کرنا میرے نزدیک چار غلاموں کو آزاد کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔

حضرت ابونعیم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَجَالِسُ الذِّكْرِ تَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ اِتَّحَفَ بِهِمُ الْمَلَائِكَةُ وَ تَغْشَاهُمُ الرَّحْمَةُ وَيَذْكُرُهُمُ اللّٰهُ.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے ذکر کی مجالس پر سکینہ نازل ہوتا ہے اور فرشتے گھیر لیتے ہیں اور رحمت الٰہی انہیں ڈھانپ لیتی ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کا تذکرہ فرماتا ہے۔

(حلیۃ الاولیاء، ابی نعیم، النساء الصحابیات، عمرو بن قیس ...... الخ، ج:5 ص:118 مطبوعہ: ایضا)

حضرت امام احمد رحمہ اللہ اور امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے کہ سرور کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَا يَقْعُدُ قَوْمٌ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا حَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ وَ غَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَنَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ وَ ذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيْمَنْ عِنْدَهٗ.

جو بھی قوم اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتی ہے فرشتے اس کا احاطہ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کو ڈھانپ لیتی ہے اور اس پر سکینہ نازل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ فرشتوں کے ہاں اُس کا ذکر فرماتا ہے۔

(صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب فضل الاجتماع الخ، رقم الحدیث: 2700، ج:4 ص:2074، مطبوعہ: ایضا)

بعد نماز بلند آواز سے اَوراد پڑھنا

نماز فجر وغیرہ کے بعد صوفیاء کرام کا اجتماعی حالت میں اذکار، اوراد و وظائف پڑھنے کا جو معمول ہے اس پر سنت کی صحیح دلیل سے ثابت ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے لہٰذا ان پر اس بارے میں کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔

اور اگر ان کے بلند آواز کے ساتھ اذکار و اوراد پڑھنے سے کسی کو تکلیف پہنچتی ہے مثلاً کوئی نماز ادا کر رہا ہے یا کوئی سویا ہوا ہے تو ان کے لئے مستحب ہے کہ وہ سِـــرًّا پڑھیں ورنہ وہ اپنے اس شیخ و مرشد کے حکم کے مطابق عمل کریں جو شریعت وطریقت کا جامع ہے کیونکہ جامع شریعت وطریقت شیخ طبیب کی مانند ہوتا ہے جو اسی چیز کا حکم دیتا ہے جس

ہیں وہ مریض کی بیماری کی شفا اور اس کا علاج سمجھتا ہے اسی لئے تم دیکھو کہ بعض مشائخ وسواس اور نفسانی کیفیات کو دور کرنے اور غفلت میں مبتلا دلوں کو بیدار کرنے اور اعمال کاہلہ کے اظہار کے لئے ذکر جہر کو اختیار فرماتے ہیں۔ اور بعض مشائخ نفس کے مجاہدہ اور نفس کو اخلاص کی تعلیم دینے اور گمنامی کو ترجیح دینے کے لئے ذکر سری کو ترجیح دیتے ہیں۔ حدیث میں وارد ہے کہ حضرت عمرؓ ذکر سری فرمارہے تھے تو حضور ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا تو انہوں نے وہ جواب دیا جس کا ہم تذکرہ کر چکے ہیں تو حضور ﷺ نے ان دونوں کے جواب کو تسلیم فرمایا اور ان کو اپنی اپنی حالت پر برقرار رہنے دیا۔

متعدد مشائخ کی بیعت جائز ہے یا نہیں؟

سوال...... صوفیاء کے درمیان جو بیعت معروف ہے کیا وہ متعدد مشائخ کی جائز ہے خواہ پہلا شیخ وصال کر جائے یا اس سے فیض حاصل کر چکا ہے یا کہ جائز نہیں؟ کیا یہ بیعت، بیعتِ توبہ ہے یا بیعتِ توبہ مقرون بالتحکیم ہے یعنی توبہ کے ساتھ ساتھ مرشد کو اپنے معاملات میں حاکم تسلیم کرنا بھی ہے۔ کیا یہ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں یا دونوں ایک چیز ہے۔

جواب...... مشائخ سے بیعت کی دو قسمیں منقول ہیں۔ ایک ہے بیعت تبرک، اور دوسری ہے بیعت تربیت وسلوک۔

متعدد مشائخ سے بیعت کرنے میں تبرک کے لئے مرید بننے والے اور تربیت وسلوک کے لئے مرید بننے والے میں فرق ہے۔ جو شخص صرف تبرک کی خاطر بیعت کرنا چاہتا ہے وہ جس سے چاہے بیعت کرے اس کے لئے کوئی ممانعت نہیں اور جو شخص تربیت وسلوک کے لئے بیعت کرنا چاہتا ہے صوفیاء کرام کی اصطلاح میں اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے سلوک کا آغاز اسی شیخ طریقت سے کرے جس کا حال جبراً اس کو اپنی طرف کھینچے اور اس طرح کی کشش پیدا ہو کہ اس حقیقت شناس شیخ طریقت کے غلبہ حال کے سامنے اس کا نفس مضمحل ہو جائے اور اپنی خواہشات وارادات سے دستکش ہو جائے پس اگر کسی شیخ طریقت کی محبت سے یہ حالت پیدا ہو جائے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس شیخ کی ہدایات پر سختی سے عمل کرے اور اس کے تمام احکام ونواہی اور طریقوں کے تحت اپنے آپ کو داخل کرے حتیٰ کہ وہ اس کے سامنے اس طرح ہو جائے جس طرح مردہ غسل دینے والے کے سامنے ہوتا ہے کہ وہ جس طرح چاہے اس کو پلٹتا ہے اور اگر شیخ کا حال اس میں اس طرح کی کیفیت پیدا نہ کرے تو پھر اپنے زمانے کے مشائخ میں سب سے زیادہ تقویٰ وورع اور سب سے زیادہ قوانین شریعت وحقیقت کی معرفت رکھنے والے کو تلاش کرے اور اس کی رہنمائی اور طریقوں کے تحت مذکورہ طریقوں کے ساتھ داخل ہو جائے۔

اور جس کو خوش قسمتی سے مذکورہ دونوں قسموں میں وصف اول سے موصوف یا وصف ثانی سے موصوف شیخ طریقت

ل جائے تو صوفیاء کرام کے نزدیک اس پر اس شیخ کو چھوڑنا اور دوسرے شیخ کی طرف منتقل ہونا حرام ہے۔ اگرچہ اس کا نفس اس کو کیوں نہ اکسائے کہ یہ اس سے زیادہ کامل ہے۔ کیونکہ بسا اوقات نفس ارادہ شیخ کی محبت اور اس کے حق سے تنگ آجاتا ہے اور وہ زیادہ اکساتا رہتا ہے کہ انسان اس کو چھوڑ کر کسی باطل والے کو اختیار کرے۔ اور یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ زیادہ عارف، زیادہ متقی، زیادہ مصلح، شیخ طریقت اور مرشد کو اختیار کرنے کا موقع ومحل ابتداء میں ہے اور کسی اہل عارف کے حلقہ ارادت میں داخل کرے بلکہ اس پر لازم ہے کہ وہ اس اپنے شیخ طریقت سے رجوع کرنے کا حکم دے اور اس کو بتائے کہ اس کا شیخ طریقت کامل اور حقیقت شناس ہے اور اگر وہ ایسا نہ ہوتا تو اس کا نفس اس سے نفرت نہ کرتا۔ نفس کا نفرت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ شیخ کامل ہے اور نفس چاہتا ہے کہ اس کامل کو چھوڑ کر کسی اور کو اختیار کرے۔ اور یہ بات اس شیخ کے کمال اور اس کے طریقہ کی حقیقت کی بڑی واضح دلیل ہے۔ بہت سارے وہ نفوس جن کے نصیب میں توفیق نہیں ہوتی وہ جب شیخ طریقت کو تربیت میں شدت اور سختی کرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں اور بہت ساری قباحتوں اور نقائص کو اس کی طرف منسوب کرتے ہیں حالانکہ اس کا دامن ان قبائح اور نقائص سے پاک ہوتا ہے اور صاحب توفیق کو اس سے بچنا چاہیے۔ کیونکہ نفس انسان کو ہلاک کرنا چاہتا ہے۔ لہذا اپنے شیخ سے اعراض کرنے میں نفس کی اطاعت نہ کرے اگرچہ وہ شیخ کے حال کو ادنیٰ کیوں نہ دیکھے جتنا ممکن ہوسکے شیخ کے افعال کی صحیح تاویل کرے اور ایسے مقصد پر محمول کرے جو شرعاً مقبول ہے اور جو شخص مشائخ کے لئے تاویل کا دروازہ کھولتا ہے اور انکے احوال سے چشم پوشی کرتا ہے اور انکے معاملات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہے اور اپنے نفس کی حالت پر توجہ مبذول کرتا ہے اور اپنے نفس کے ساتھ اپنی طاقت کے مطابق مجاہدہ کرتا ہے، اس کے بارے میں یہ امید کی جاسکتی ہے کہ وہ بہت جلد اپنے مقصد تک رسائی حاصل کرلے گا اور اپنی مراد میں کامیاب ہوجائے گا۔

مشائخ پر اعتراض کرنا محرومیت اور سوءِ انجام کی علامت

اور جو شخص مشائخ کرام پر اعتراضات اور ان کے احوال وافعال میں تنقید اور ان بارے میں بحث مباحثہ کا دروازہ کھولتا ہے بے شک اس کا یہ عمل وطیرہ محرومیت اور انجام بد کی علامت ہے وہ کبھی بھی فیض حاصل نہیں کرسکے گا۔ اسی لئے صوفیاء کرام فرماتے ہیں جو شخص اپنے شیخ (شیخ سلوک وتربیت) کی عزت میں کیوں؟ کہے وہ کبھی بھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ یہ تسلیم شدہ بات ہے کہ سالک اپنے شیخ کے سامنے اس مُردے کی طرح ہوتا ہے جو غسل دینے والے کے سامنے ہوتا ہے حتیٰ کہ اگر سالک کے ہاں کوئی علوم یارسوم یا اعمال ہیں تو ان سے اعراض کرے اور اس کی طرف التفات نہ کرے کیونکہ مرشد، شیخ طریقت اور عارف کامل کے حق کی آگ مرید کو میل وکچیل

اور کھوٹ سے پاک کر دیتی ہے اس کو طیب وطاہر بنا کر قید کر دیتی ہے اور اس کے جوہر کی صفائی وستھرائی کر دیتی ہے اور اس کی جنس کی نفاست واضح ہو جاتی ہے ۔ ارادت، تحکیم، (بیعت) وغیرہ سے مراد یہ ہے اگر کوئی شخص کسی قدر رسیدہ واصل باللہ بزرگ کے ہاتھوں سلوک وتربیت کی منزلیں طے کرنا چاہے اور اللہ تعالیٰ اس کے لئے اس طرح کا شیخ طریقت عطا فرمادے تو وہ اس کا اس شیخ کی اطاعت اور اس کے اوامر ونواہی کو اپنے اوپر لازم کرنے کا نام بیعت ارادت تحکیم ہے۔

اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے راستے مخلوق کی سانسوں کی تعداد کے برابر ہیں

مرید اور شیخ کے درمیان ربط وتعلق پیدا کرنے والی کیفیت مشائخ کے درمیان مختلف ہے ۔ بعض مشائخ اپنے مریدین کو ذکر کا حکم دیتے ہیں اور بعض اپنے مریدین کو خرقہ زیب تن کرواتے ہیں اور کچھ مشائخ اپنے طریقہ کے مطابق کوئی اور عمل فرماتے ہیں اور مشائخ کے طریقے بہت زیادہ ہیں ۔ حتیٰ کہ ایک قول کے مطابق اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے راستے اور طریقے مخلوق کی سانسوں کی تعداد کے برابر ہیں ۔ بہر حال مناسب توفیق پر لازم ہے کہ وہ اس شیخ کے حلقہ ارادت میں داخل ہو جائے جس کا حال اسے مغلوب کرے یا اس شیخ کی بیعت کرے جس کے بارے میں اس کو یقین ہے کہ وہ علم شریعت اور علم حقیقت دونوں کا جامع ہے کیونکہ جھوٹے اور فریب کار کی کثرت ہو چکی ہے اور ان میں سے ہر ایک اپنے بارے میں شیخ طریقت ہونے کا مدعی ہے ۔ حالانکہ ان کو اس راہ مقدس کی ہوا تک نہیں لگی اور وہ اس سے کہیں دور ہیں اور اپنی بداعمالیوں ۔ اپنے فاسد احوال واقوال اور فنا ہونے والی دنیا کے حرص میں مبتلا ہونے اور باقی رہنے والی آخرت سے اعراض کرنے کی وجہ سے جہنم کے کنارے پر ہیں ۔ اس طریقہ عالیہ کے مدعی بننے سے ان کا مقصد صرف دنیاوی ساز وسامان جمع کرنا اکل حرام کی لذت حاصل کرنا اور عمر کو جہالتوں اور گناہوں میں ضائع کرنا ہے اپنے آپ کو اس قسم کے لوگوں اور ان کے اقوال وافعال کے قریب سے بھی بچاؤ ۔ جو بھی ان کی اتباع کرے گا اس کا قدم پھسل جائے گا اور اس کا قلم سرکشی کرے گا اور ندامت اس کا نصیب بن جائے گی اور کسی بھی کمال تک رسائی سے محروم ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر بہت بڑی ہلاکت اور عذاب آئے گا۔

تصوف کی درج ذیل کتب کا مطالعہ لازم ہے

اگر تم چاہتے ہو کہ حق تمہارے سامنے واضح ہو جائے اور اگر تم اپنے آپ کو صدق سے مزین کرنا چاہتے ہو تو ان کتابوں کا مطالعہ تم پر لازم ہے ۔ امام غزالی کی احیاء رحمہ اللہ کی ''احیاء العلوم''، امام قشیری رحمہ اللہ کا رسالہ اور شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ کی عوارف المعارف، اور ابو طالب مکی رحمہ اللہ کی قوت القلوب۔

یہ کتابیں نہایت مفید اور صادقین کے احوال اور مبطلین کی تلبیسات وفریب کاریوں کو خوب واضح کرنے والی ہیں

اور اعلیٰ اخلاق اور ایثار، فقر و درویشی اور طاعات پر دوام اور عبادات بالخصوص جماعات کے التزام پر آمادہ کرنے والی ہیں۔ اور ان گروہوں کی حماقتوں سے اعراض کرنے اور ان سے محفوظ رہنے کی تربیت دینے والی ہیں۔ جن گروہوں پر شیطان غالب آچکا ہے اور ان کے سامنے اس نے قبیح کو حسن، منکر کو معروف اور مذموم کو ممدوح بنا کر پیش کیا ہے۔ پس وہ لوگ اپنی خواہشات اور اپنے قبیح اعتقادات و ارادات کے سمندروں میں غرق ہو چکے ہیں اور اس کے باوجود گمان رکھتے ہیں وہ اچھا کام کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے عیوب پہچاننے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں خواہشات سے اپنی پناہ میں رکھے اور اس دنیا میں ہمیشہ ہر فتنہ و آزمائش سے اپنی ملاقات تک محفوظ رکھے اور ہم سے راضی رہے بے شک وہ بڑا کریم، رؤوف رحیم ہے۔

سمع اور بصر میں کون افضل ہے؟

سوال ...... سمع اور بصر میں کون افضل ہے؟

جواب ...... اکثر فقہاء کے نزدیک حاسۂ سمع حاسۂ بصر سے افضل ہے۔ حاسۂ سمع کی افضلیت پر درج ذیل دلائل ہیں۔

سمع کی افضلیت کے دلائل

1 ...... اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمان میں "ذھاب عقل" کو "ذھاب سمع" کے ساتھ ملایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

وَمِنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ .

(سورہ یونس: آیت:42)

ترجمہ: اور ان میں کوئی وہ ہیں جو تمہاری کی طرف کان لگاتے ہیں۔ تو کیا تم بہروں کو سنا دو گے اگرچہ انہیں عقل نہ ہو۔

لیکن ذھاب بصر سے ذھاب عقل کو کوئی تعلق نہیں ہے۔

2 ...... عقل بصر کی نسبت سمع سے زیادہ استفادہ کرتی ہے یعنی عقل بصر سے جتنا استفادہ کرتی ہے اس سے زیادہ سمع سے استفادہ کرتی ہے جیسا کہ قاضی بیضاوی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں اسی پر جزم کا اظہار فرمایا ہے۔

3 ...... اللہ تعالیٰ نے اکثر آیات قرآنیہ میں سمع کو بصر پر مقدم فرمایا ہے۔ علماء کرام کی تصریح کے مطابق تقدیم افضلیت کی دلیل ہے۔ البتہ اگر اس کیخلاف کوئی دلیل قائم ہو پھر افضلیت کی دلیل نہیں ہوتی لیکن یہاں پر اس کے خلاف کوئی دلیل قائم نہیں لہذا سمع کی تقدیم اس کی افضلیت کی متقاضی ہے۔

4 ...... ایک قول کے مطابق بعض انبیاء کرام علیہم السلام بینائی سے محروم تھے، لیکن قوت سماعت سے ان میں کوئی بھی محروم نہیں رہا۔ کیونکہ بہرا پن تبلیغ رسالت کے لئے مخل ہے کہ نبی جب سائل کا کلام سن نہیں سکے گا تو اس کا جواب

دیا حضذر ہو جائے گا جس کی وجہ سے شریعت کی تبلیغ نہیں کر پائے گا۔

حدیث پاک میں لفظ کراع سے کیا مراد ہے

سوال......رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد مبارک میں کراع سے کیا مراد ہے؟

لَوْ دُعِيْتُ اِلٰى كُرَاعٍ لَاَجَبْتُ.

ترجمہ: اگر مجھے پائے کی دعوت دی جاتی تو میں قبول فرمالیتا۔

(صحیح ابن حبان، کتاب الاطعمہ، باب الضیافۃ، رقم الحدیث: 5292، ج:12 ص:103)

جواب......راجح ترین قول کے مطابق اس سے مراد چوپائے کا پایہ ہے اور ایک قول کے مطابق یہ حرہ کے علاقے میں ایک جگہ کا نام ہے اور بعض راویوں نے اِلٰى كُرَاعِ الْغَنَمِ کے الفاظ روایت کئے ہیں لیکن نقاد اور اہل تحقیق نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ تحریف ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب

سوال......ان الفاظ کے ساتھ اس حدیث کو کس امام نے تخریج فرمایا ہے؟

لَا تُظْهِرُ الشَّمَاتَةَ لِاَخِيْكَ فَيُعَافِيْهِ اللّٰهُ وَ يَبْتَلِيْكَ.

ترجمہ: اپنے بھائی کی مصیبت میں خوشی کا اظہار نہ کرو۔ ورنہ اللہ تعالیٰ اُسے عافیت عطا فرمائے گا اور تمہیں اس مصیبت میں مبتلا فرمادے گا۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب والرقائق، مسائل متفرقہ، ج:1 ص:430)

جواب......اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت فرمایا ہے اور اسے حسن قرار دیا ہے۔

سوال......اس حدیث کو کس نے روایت کیا ہے؟

اَللّٰهُمَّ اهْدِ قُرَيْشًا فَاِنَّ عِلْمَ الْعَالِمِ مِنْهُمْ بِسَبْعِ طَبَقَاتِ الْاَرْضِ.

ترجمہ: اے اللہ قریش کو ہدایت نصیب فرما۔ بے شک ان کا عالم زمین کے سات طبقات کا علم رکھتا ہے۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب والرقائق، مسائل متفرقہ، ج:1 ص:430)

جواب......اس حدیث کو حضرت امام ابو یعلیٰ نے جید سند کے ساتھ روایت فرمایا ہے۔

عباب کی ترجیحات معتمد ہیں یا شیخین کی ترجیحات

سوال......عباب کی ترجیحات معتمد ہیں یا کہ شیخین رحمہما اللہ کی ترجیحات معتمد ہیں؟

جواب......صاحب العباب رحمہ اللہ نے کسی بھی چیز کی ترجیح بیان نہیں کی، صاحب العباب نے صرف ان بعض متاخرین علماء کی اتباع کی ہے جنہوں نے شیخین پر اعتراض کیا تھا۔ اور جو علماء صاحب العباب کے بارے

میں یہ گمان رکھتے تھے کہ (انہوں نے ترجیح دی ہے) ان میں سے اکثر کا قول یہ ہے کہ ترجیح میں اعتماد اسی پر ہونا چاہیے جو صاحب العباب نے بیان کی ہے۔ حالانکہ بات ایسی نہیں جس طرح انہوں نے گمان کیا ہے۔ اور جہاں جہاں صاحب العباب نے شیخین کی مخالفت کی ہے ان میں سے اکثر حصہ قابل اعتماد نہیں۔ میں نے اس کو عباب کے خطبہ کی شرح میں دلائل کے ساتھ اجمالاً اور اس کی شرح میں، ہر اس مقام میں تفصیلاً بیان کیا ہے جس میں انہوں نے شیخین کی مخالفت کی ہے۔

570ھ کے دوران ایک سال میں مدینہ شریف (علی مشرفھا افضل الصلوة والسلام) میں قیام پذیر تھا تو وہاں کے بعض افاضل نے مجھ سے یہ سوال کیا تھا کہ لوگ ترجیحات میں شیخین کی اتباع کرتے ہیں اور اس بارے میں ان کے علاوہ کسی دوسرے عالم کی اتباع نہیں کرتے اس کا سبب کیا ہے؟ اور یہ سوال کافی طویل تھا جس میں بہت ساری مشکلات اور تشکیکات کا ذکر تھا۔ میں نے اس کا بڑا تفصیلی جواب دیا تھا جو اس مسئلہ میں ایک مستقل تالیف کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اور یہ ایسی نادر تحقیقات پر مشتمل ہے جس سے بیمار شفایاب اور شدید پیاسا سیراب ہو جاتا ہے۔ اور وہ سوال وجواب ہمارے فتاوی الکبری میں شامل ہے۔ جو اس سے واقف ہونا چاہے وہ فتاوی الکبری کا مطالعہ کرے۔ واللہ سبحانہ الموفق واعلم بالصواب

ضیاء الحلوم کا مصنف

سوال......لغت کی کتاب ''ضیاء الحلوم'' کا مصنف کون ہے؟

جواب......اس کتاب کا مصنف محمد بن نشوان بن سعید الیمنی القاضی ہے۔ ان کے والد ماجد لغت اور فرائض کے عالم تھے۔ جنہوں نے لغت میں آٹھ جلدوں پر مشتمل کتاب تصنیف فرمائی ہے جس کا نام '' شمس العلوم وشفاء کلام العرب من الکلوم'' ہے۔ اس کتاب میں حیرت انگیز اسلوب اختیار کیا ہے۔ ایک کلمہ ذکر کر کے اسکی لغوی تشریح کرتے ہیں اور اگر طب کے لحاظ سے کوئی فائدہ ہوتا ہے تو اس کا تذکرہ بھی کرتے ہیں۔ اور ان کے بیٹے محمد بن نشوان مذکور نے اس کتاب کا دو جلدوں میں اختصار کیا اور اس کا نام ضیاء الحلوم رکھا۔ نشوان کی وفات 580ھ کے درمیان ہوئی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

چاند سورج کے طلوع وغروب کے وقت پڑھنے کی دعائیں

سوال......چاند اور سورج دیکھنے کے وقت کون سا ذکر مستحب ہے؟ اور کیا وہ صرف دیکھنے والے کے لئے مستحب یا جس نے ان کو دیکھا نہیں لیکن ان کے بارے میں اسے علم ہو چکا ہے اس کے لئے بھی مستحب ہے؟ اور کیا وہ ہر مرتبہ دیکھنے کے وقت مستحب ہے یا طلوع وغروب کے وقت دیکھنے کے ساتھ مخصوص ہے؟ اور کیا استواء کے وقت دیکھنے میں بھی یہی حکم ہے؟ اور ان تین اوقات کی خصوصیت کی کیا وجہ ہے؟

جواب......ابن السنی نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے سند ضعیف کے ساتھ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سورج طلوع ہوتا تو یوں دعا کرتے تھے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَلَّلَنَا الْیَوْمَ عَافِیَةً وَجَاءَ بِالشَّمْسِ مِنْ مَطْلَعِهَا اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَصْبَحْتُ اَشْهَدُ بِکُلِّ مَا شَهِدْتَ بِهٖ عَلٰی نَفْسِکَ وَ شَهِدَتْ بِهٖ مَلٰٓئِکَتُکَ وَحَمَلَةُ عَرْشِکَ وَجَمِیْعُ خَلْقِکَ اِنَّکَ اَنْتَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْقَائِمُ بِالْقِسْطِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ اُکْتُبْ شَهَادَتِیْ بَعْدَ شَهَادَةِ مَلٰٓئِکَتِکَ وَاُولِی الْعِلْمِ وَمَنْ لَّمْ یَشْهَدْ بِمِثْلِ مَا شَهِدْتُ بِهٖ فَاکْتُبْ مَکَانَ شَهَادَتِهٖ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَ مِنْکَ السَّلَامُ وَاِلَیْکَ السَّلَامُ وَ اَسْاَلُکَ یَا ذَا الْجَلَالِ وَ الْاِکْرَامِ اَنْ تَسْتَجِیْبَ لَنَا دَعْوَتَنَا وَ اِنْ تُعْطِیَنَا رَغْبَتَنَا وَ اِنْ تُغْنِیَنَا عَمَّنْ اَغْنَیْتَهٗ عَنَّا مِنْ خَلْقِکَ اَللّٰهُمَّ اَصْلِحْ لِیْ دِیْنِیَ الَّذِیْ عِصْمَةُ اَمْرِیْ وَ اَصْلِحْ دُنْیَایَ الَّذِیْ فِیْهَا مَعِیْشَتِیْ وَ اَصْلِحْ لِیْ آخِرَتِیَ الَّتِیْ اِلَیْهَا مُنْقَلَبِیْ.

ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے ہمیں سارے دن اپنی عافیت سے ڈھانپے رکھا اور سورج کو اس کے مطلع سے لے آیا۔ اے اللہ! میں نے اس حال میں صبح کی کہ میں ہر اس چیز کے ساتھ شہادت دے رہا ہوں جس کے ساتھ تُو نے اپنی ذات پر شہادت دی ہے اور جس کے ساتھ تیرے فرشتوں اور تیرے عرش کے حاملین نے اور تیری تمام مخلوق نے شہادت دی ہے کہ بے شک تو ہی اللہ ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو ہی عدل کو قائم فرمانے والا ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو ہی غالب حکمت والا ہے۔ لکھ دیجئے میری شہادت اپنے فرشتوں اور اہل علم کی شہادت کے بعد اور جو تیری دی ہوئی شہادت کی مثل شہادت نہ دے میری شہادت کو اُس کی شہادت کی جگہ لکھ دے۔ اے اللہ! تو سلامتی والا ہے اور تیری جانب سے ہی سلامتی ہے اور تیری ہی طرف سلامتی لوٹتی ہے۔ اے عزت وتکریم کے مالک تو ہمارے لئے ہماری دعا کو قبول فرما۔ اور ہمیں ہماری پسندیدہ چیز عطا فرما اور اپنی مخلوق میں سے اس سے ہمیں بے نیاز فرما دے جس کو تو نے ہم سے بے نیاز کیا ہے اور میرے لئے میرے دین کی اصلاح فرما جو میرے معاملے کی حفاظت ہے۔ اور میری دنیا کی اصلاح فرما جس کے ساتھ میری معیشت کا تعلق ہے اور میرے لئے میری آخرت بہتر فرما کہ جس کی طرف مجھے لوٹنا ہے۔

2......ابن السنی نے مہدی سے اور مہدی نے واصل سے اور واصل نے ابووائل سے روایت کیا ہے۔ حضرت

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک لونڈی سے فرمایا: اے لونڈی ذرا دیکھ کہ سورج طلوع ہوا ہے یا کہ نہیں؟ تو اس نے عرض کی ابھی سورج طلوع نہیں ہوا ہے۔ پھر واصل نے کہا کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما پھر تسبیح پڑھنے میں مشغول ہو گئے اور تھوڑی دیر بعد دوسری مرتبہ اس لونڈی سے فرمایا: دیکھ کہ سورج طلوع ہوا ہے کہ نہیں؟ اس نے عرض کی ابھی طلوع نہیں ہوا ہے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد تیسری مرتبہ فرمایا کہ سورج طلوع ہوا کہ نہیں؟ تو اس لونڈی نے جواب دیا ہاں اب سورج طلوع ہو چکا ہے۔ تو حضرت عبداللہ ابن عمر نے یہ دعا پڑھی:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لَنَا هٰذَا الْیَوْمَ وَ اَقَالَ لَنَا فِیْهِ عَثَرَاتِنَا ۔

ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے یہ دن ہمیں عطا فرمایا اور ہماری لغزشوں کو معاف فرمایا۔

اور مہدی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ اس کے بعد حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما یہ الفاظ بھی کہے تھے:

وَ لَمْ یُعَذِّبْنَا بِالنَّارِ ۔ کہ جس نے ہمیں جہنم کے عذاب سے بچایا۔

3......ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے حضرت کعب بن احبار رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جب روزہ دار افطار کرتا یعنی رات داخل ہو جاتی تو حضرت کعب رضی اللہ عنہ قبلہ رُخ ہو کر یہ تین بار دعا کیا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ خَلِّصْنِیْ مِنْ کُلِّ مُصِیْبَةٍ نَزَلَتْ مِنَ السَّمَآءِ ۔

ترجمہ: اے اللہ! مجھے ہر اس مصیبت سے نجات عطا فرما جو آسمان سے نازل ہوتی ہے۔

اور جب سورج طلوع ہوتا تو تین بار یہ دعا کیا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ لِیْ بَیْنَهَا فِیْ کُلِّ مُصِیْبَةٍ نَزَلَتِ اللَّیْلَةَ مِنَ السَّمَاءِ وَ اِلَی الْاَرْضِ حَسَنَةً

ترجمہ: اے اللہ ہر وہ مصیبت جو رات کو آسمان سے زمین کی طرف اُترتی ہے اس میں میرے لئے آسمان اور زمین کے درمیان نیکی بنا دے۔

حضرت کعب بن احبار رضی اللہ عنہ سے اس دعا کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا یہ حضرت داؤد علیٰ نبینا وعلیہ افضل الصلوۃ والسلام کی دعا ہے۔ یہ دعا تمہاری زبانوں پر جاری اور تمہارے دلوں میں مستحکم رہنی چاہیے۔

جمعہ کے دن غروب آفتاب کے وقت کی دُعا

4......گویا بعض لوگوں نے ان کے اس قول سے اخذ کرتے ہوئے کہا ہے کہ جمعۃ المبارک کے دن غروب آفتاب کے وقت یہ کلمات سات بار پڑھنے چاہیے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَ ادْفَعْ عَنَّا الْبَلَاءَ الْمُبْرَمَ

مِنَ السَّمَاءِ إِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ.

ترجمہ: اے اللہ ! درود بھیج حضرت سیدنا محمد ﷺ پر اور آپ کی آل پر اور دُور فرما ہم سے وہ ہر آزمائش جو آسمان سے نازل ہوتی ہے بے شک تو ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

5......ابن السنی رحمہ اللہ نے عمرو بن عنبسہ السلمی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے جس چیز پر بھی سورج بلند ہوتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور اس کی حمد کرتی ہے۔ سوائے اس چیز کے جس کا تعلق شیطان سے ہے یا انسانوں میں سے اغنیاء کے ساتھ ہے حضرت سلمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے اغنیاء کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ شرار الخلق (مخلوق میں سے شریر لوگ ہیں) فرمایا یا شرار خلق اللہ (اللہ کی مخلوق میں سے شریر لوگ ہیں) فرمایا۔

6......ابن السنی رحمہ اللہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے تخریج کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: میرا ایسی قوم کے ساتھ بیٹھنا جو نماز عصر سے غروب آفتاب تک اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتی ہے مجھے اس بات سے زیادہ پسندیدہ ہے کہ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے آٹھ غلاموں کو آزاد کروں۔

اس حدیث کے راوی کہتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ جب بھی اس حدیث کو بیان فرماتے تو میری طرف متوجہ ہو کر فرماتے: اللہ کی قسم! یہ وہ عمل نہیں جو تم اور تمہارے اصحاب کرتے ہیں بلکہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو حلقے بناتے ہیں یعنی علم کے حصول اور اسکے پڑھانے کے لئے حلقے بناتے ہیں۔

7......ابن السنی رحمہ اللہ ہی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ تھاما ہوا تھا پس اسی اثناء میں چاند طلوع ہوا تو آپ نے فرمایا:

تَعَوَّذِيْ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّ هٰذَا الْغَاسِقِ إِذَا وَقَبَ.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگ اس تاریکی ڈالنے والے کے شر سے جب وہ ڈوبتا ہے۔ (یعنی آخر ماہ میں جب چاند چھپ جاتا ہے)

(سنن الکبریٰ للنسائی، کتاب عمل الیوم واللیلۃ، مایقول اذا رفع الخ، رقم الحدیث: 10064، ج:9 ص:122)

8......ابوالشیخ اور ابن حبان رحمہما اللہ نے تخریج کیا ہے کہ طلوع آفتاب کے وقت سورۂ یٰسین تلاوت کی جائے۔

9......امام طبرانی رحمہ اللہ نے معجم الاوسط میں تخریج کیا ہے کہ غروب آفتاب کے وقت یہ کلمات پڑھنے چاہیئے:

اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ.

ترجمہ: میں اللہ تعالیٰ کے کلمات کاملہ کی پناہ مانگتا ہوں مخلوق کے شر سے۔

(الدعاء للطبرانی، باب قول عند الصباح الخ، رقم الحدیث: 350، ج:1 ص:130)

10......امام دیلمی رحمہ اللہ نے مسند الفردوس میں تخریج کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ غروب کے وقت ستر بار تسبیح پڑھتے اور ستر بار استغفار فرماتے تھے۔

مذکورہ تفصیل سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ان اذکار کا پڑھنا ہر اس شخص کے لئے مستحب ہے جسے طلوع وغروب کا علم ہو جائے خواہ وہ اپنی آنکھ سے ان کو نہ بھی دیکھے۔حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی لونڈی کو طلوع آفتاب کی خبر دینے کے لئے بار بار حکم فرمانا بھی اس کی واضح دلیل ہے کہ یہاں طلوع غروب کا علم مراد ہے اور ان کو آنکھ سے دیکھنا مطلوب نہیں۔اور مذکورہ تحقیق سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ سابقہ اذکار طلوع وغروب اور استواء کے ساتھ خاص ہیں اور چاند وسورج پر ہر مرتبہ رؤیت کے وقت ان کا پڑھنا مستحب نہیں نیز حضرت عتبہ سلمی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں اشارہ ہے کہ سورج کے استقلال یعنی بلند ہونے کے وقت ہر شے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے۔اور استقلال شمس استواء کے قریب کا وقت ہوتا ہے۔ان تینوں احوال واوقات کی ان اذکار کے ساتھ تخصیص کی حکمت یہ ہے کہ طلوع کے وقت سورج کا اس عالم میں پہلا ظہور ہوتا ہے اس لئے اس وقت اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور اس کے حضور اپنی عاجزی وذلت اور اپنے خشوع وخضوع کا اظہار مناسب ہے کہ اس مالک کائنات نے اس نعمتِ عظمیٰ کو اس عالم میں ایجاد فرمایا ورنہ اگر سورج ہمیشہ کے لئے غائب رہتا تو زندگی کے تمام معاملات درہم برہم ہو جاتے اور چاند وسورج کے طلوع کے وقت عذاب سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنا بھی مناسب ہے کیونکہ یہ وہی عذاب الٰہی ہے جس کے سورج وچاند کے پجاری ان کے طلوع کے وقت ان کو سجدہ کرنے کی وجہ سے مستحق ہوئے ہیں۔

اور اس وقت اس بات کی شہادت دینی بھی مناسب ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ہر صفت کمال کا مستحق ہے اور ہر علامت نقص بلکہ ہر اس چیز سے پاک ہے جس میں نہ کوئی کمال ہے اور نہ کوئی نقص ہے اس میں سورج کے پجاریوں کا رد بھی ہے اور ان کی عقلوں کے فساد اور ان کی آراء کی کمزوری کا اظہار بھی ہے۔

استواء کے وقت اذکار پڑھنے میں یہ حکمت ہے کہ اس وقت جہنم خوب بھڑکتی ہے اور یہ غضب کا وقت ہے پس وقت اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتنزیہ بیان کرنا اور اس کی صفات جمیلہ اور آیات عظیم کے ساتھ حمد وثناء کرنا اور یہ اعتراف کرنا مناسب ہے کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح وحمد کرنے والی ہے سوائے ابلیس اور اس کے چیلوں اور ان لوگوں کے سوا جو اس وقت جہنم کے مستحق ہو چکے ہیں حتیٰ کہ جب وہ قیامت کے دن جہنم میں داخل ہوں گے تو ان پر غضب زیادہ سخت ہو جائے گا۔پس استواء کے وقت جو ذکر مطلوب ہے اس کی استواء کے ساتھ نہایت مناسبت ہے۔اور غروب کے وقت ذکر کرنے میں یہ حکمت ہے کہ اس وقت سورج اپنے زوال کے قریب ہوتا ہے اور اس کے عرش الٰہی کے نیچے سجدہ کرنے کے لئے جانے کا وقت ہے۔جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔پس اس وقت بلکہ اس سے بھی تھوڑی دیر پہلے یعنی عصر کے وقت انسان کے لئے ذکر الٰہی میں مشغول ہونا اور ہر شے کے شر سے حتیٰ کہ شیطان کے شر سے اللہ

تعالیٰ کی پناہ مانگنا مناسب ہے کہ شیطان نے ہی ایک طبقہ کو فریب دے کر غروب آفتاب کیوقت اپنے لئے سجدہ کرنے پر آمادہ کیا ہے۔غروب کے وقت ہر انسان پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتنزیہ کرے اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے کہ کہیں اس کے قدم ان لوگوں کے قدموں کی طرح کسی لغزش کا شکار نہ ہو جائیں یہ وہ کچھ ہے جو ان تمام سوالات کے متعلق مجھ پر واضح ہوا۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب

مکلف پر کن امور کا اعتقاد واجب عین (فرض عین) ہے؟

سوال......مکلف پر کن امور کا سیکھنا اور اعتقاد رکھنا واجب عین (فرض عین) ہے؟ اس بارے میں ایسا تسلی بخش جواب دیجئے کہ ہمیں کسی کتاب کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت نہ رہے۔ملک جلیل آپ کو ثواب جزیل عطا فرمائے۔

جواب......ہر مکلف پر وجوب عینی (فرض عینی) کے طور پر جن امور کا سیکھنا واجب (فرض) ہے ان میں کتاب وسنت میں وارد اعتقادات کے ظاہر کا سیکھنا اور اس کے ساتھ ہر اس چیز سے اللہ تعالیٰ کو پاک یقین کرنا جو اس کی ذات پر محال ہے اور جو جسم یا حیثیت کی مقتضی ہے۔

اور وہ آیات واحادیث جن میں چہرہ یا ہاتھ کا ذکر ہے پس اُن میں اور ان کی مثل دیگر میں دو مذہب ہیں۔ ایک سلف کا مذہب ہے اور یہی مذہب زیادہ سلامتی والا ہے۔سلف کا مذہب یہ ہے کہ ان کی حقیقت کا علم اللہ تعالیٰ ہی پر چھوڑ دیا جائے اور ان کا ظاہر جن چیزوں پر دلالت کرتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ پر محال ہیں ان سے اللہ تعالیٰ کو پاک یقین کرنا چاہیے۔

اور دوسرا مذہب خلف کا ہے۔اور وہ یہ ہے کہ ایسی نصوص کو ان کے ظاہر سے نکالا جائے اور ایسے محمل پر محمول کیا جائے جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہے۔مثلاً استواء کو استیلاء پر اور وجہ کو ذات پر اور عین کو رعایت کاملہ،اور حفاظت پر۔ید،کو نعمت وقدرت پر،الرجل،کو قوم وجماعت پر۔جیسا کہ کہا جاتا ہے رَجُلُ الْجَرَادِ یعنی مکڑیوں کی جماعت۔اور قدم کو جماعت مقدمین وغیر پر۔ان تمام کی تفصیل کتب عقائد وغیرہ میں اپنے اپنے مقام پر موجود ہے۔

پس دونوں مذہب اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان نصوص مشکلہ کے ظواہر سے پاک ہے۔ان کا اختلاف صرف اس میں ہے کہ آیا ان کا علم اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا جائے اور ان کی تاویل سے تعرض نہ کیا جائے یہ سلف کا مذہب ہے۔یا ان کی تاویل کی جائے تا کہ ان کو مبطلین کی کھوج اور ملحدین کی کج روی سے محفوظ رکھا جائے۔اور یہ خلف کا مذہب ہے۔اور کتاب وسنت کی باقی وہ نصوص جو توحید وتقدیس اور تمام صفات کمال پر دلالت کرتی ہیں مثلاً علم، قدرت،ارادہ،سمع،بصر،کلام وبقاء اور جو تمام صفات سلب پر دلالت کرتی ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ جسم نہیں، جوہر نہیں، عرض

نہیں متحیز نہیں ۔اور وہ کسی مکان میں نہیں ۔اور وہ کسی زمان میں محدود نہیں وہم اس کا تصور تک نہیں کرسکتا ۔(لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ وَ ھُوَ سَمِیْعُ الْبَصِیْرُ.)

پس ان سب کے ظواہر کو سیکھنا ہر ایک پر واجب ہے ۔اوراسی طرح ہرایک پر اس بات کا اعتقاد رکھنا بھی واجب ہے ۔کہ انسان اپنے افعال کا خواہ شر ہوں یا خیر ،ان کا خالق نہیں ان کا خالق وموجد صرف اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ ہے ۔

اسی طرح یہ اعتقاد رکھنا بھی واجب (فرض) ہے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی رؤیت اور قبر کا عذاب اور قبر میں فرشتوں کا سوال اور آخرت میں پل صراط ،حوض کوثر ،میزان اور حساب کا ہونا حق ہے ۔اور جنت ودوزخ اس وقت بھی موجود ومخلوق ہیں اور اُن تمام امور کا سیکھنا واجب ہے جن کا تعلق معاش اور معاد کے ساتھ ہے ۔

اور وہ چیزیں جن کا علم حاصل کرنا واجب عین (فرض عین) ہے ان میں نماز کے ارکان اس کی شروط اور اس کے مبطلات کا علم حاصل کرنا واجب عین (فرض عین) ہے ۔یعنی نماز کے وجوب کے بعد ان کے ظواہر کو سیکھنا واجب ہے اور اگر وجوب کے بعد ان کو سیکھنے کی قدرت نہیں رکھ سکے گا اور وقت کے اندر فرض کو ادا نہیں کرسکے گا تو وجوب نماز سے پہلے ان کا سیکھنا واجب ہے ۔اسی طرح روزہ کا علم حاصل کرنا اور مال موجود ہے تو زکوٰۃ کا علم حاصل کرنا واجب ہے ۔اسی طرح اس شخص پر حج کا علم حاصل کرنا واجب ہے جو حج کرنا چاہتا ہے یا موت ،غصب یا مال کے تلف ہونے کے خوف سے وجوب حج کے وقت میں تضییق وتنگی پیدا ہوچکی ہے ۔

اسی طرح جو شخص خرید وفروخت کا ارادہ کرتا ہے تو اس پر بیع اور دیگر تمام معاملات مثلاً نکاح وغیرہ کا علم حاصل کرنا اور جس شخص کے ساتھ ایک سے زائد بیویاں رہتی ہیں اسے باری مقرر کرنے کا علم حاصل کرنا واجب ۔پس ان تمام کے وجوب کے بعد یا ان کے ارادے کے بعد ان کے ارکان وشروط اور ان کے مبطلات کے ظواہر کا علم حاصل کرنا واجب عین (فرض عین) بن جاتا ہے ۔

اور اسی طرح انسان پر باطن کے امراض کی حدود اور اسباب اور ان کے علاج ومعالجہ مثلاً حسد ،تکبر ،ریا ،سمعہ ،کینہ اور بغض وغیرہ کا علم حاصل کرنا واجب عین (فرض عین) ہے ۔ہاں البتہ وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے ان امراض باطنہ سے پاک پیدا فرمایا یا اسے بغیر سیکھنے کے ان کے ازالہ پر قدرت بخشی ہے ۔اس پر مذکورہ حدود (امراض باطنہ وغیرہ) ان کے بعد والی اشیاء کا علم حاصل کرنا لازم نہیں کیونکہ وہ ان کا ضرورت مند نہیں ۔واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب

گھر میں داخل ،خارج ہونے کے وقت کون سا پاؤں آگے کیا جائے ؟

سوال......گھر میں داخل اور گھر سے باہر نکلنے والے کے لئے اپنا کون سا پاؤں آگے کرنا چاہیے ؟

جواب..... مناسب یہ ہے کہ دخول کے وقت دایاں پاؤں اور خروج کے وقت بایاں آگے کرے کیونکہ یہ عمل باب تکریم سے تعلق رکھتا ہے جیسا کہ علماء نے کپڑے موزے، جوتے، اور شلوار پہننے اور سرمہ لگانے اور ناخن کاٹنے، مونچھیں ترشوانے، بغلے صاف کرنے اور سر وغیرہ کے حلق اور مسواک کرنے اور کسی کو چیز دینے اور کسی سے چیز لینے میں داہنے کو مقدم کرنے اور کپڑے، موزے، جوتے اور شلوار کے اتارنے اور بازار میں داخل ہونے میں بائیں کو مقدم رکھنے کی تصریح فرمائی ہے۔ اور ابن عبدالسلام رحمہ اللہ کا یہ قول بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

ضابطہ یہ ہے کہ ہر نیک عمل جس کا کرنا دائیں اور بائیں دونوں سے صحیح ہے اس کو دائیں ہی سے انجام دینا چاہیے۔

اور علامہ رافعی رحمہ اللہ نے تصریح فرمائی ہے کہ:

ہر وہ عمل جو کسی اذیت رساں چیز کے ازالہ کے لئے کیا جاتا ہے اس کو بائیں کے ساتھ کیا جائے اور جو اس کے علاوہ دوسرے کسی امر کے لئے کیا جاتا ہے وہ دائیں کے ساتھ کیا جانا چاہیے۔

اور اسی طرح علامہ زرکشی رحمہ اللہ نے اخذ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ہر وہ عمل جس میں نہ کوئی تکریم ہے اور نہ کوئی توہین تو وہ دائیں کے ساتھ ہونا چاہیے۔

پس اسی قول کے پیش نظر اگر ہم یہ فرض کر لیتے ہیں کہ گھر میں داخل ہونے میں نہ کوئی تکریم ہے اور نہ کوئی توہین تو اس کو دائیں پاؤں سے انجام دینا چاہیے۔ دخول میں یہ بات واضح ہے کیونکہ دخول یا تو باب تکریم سے تعلق رکھتا ہے جیسا کہ لباس وغیرہ پہننے میں جو کچھ بیان ہوا ہے اس پر قیاس کرتے ہوئے یہ ظاہر ہے اور یا یہ ان سے اعمال سے تعلق رکھتا ہے جن میں نہ کوئی تکریم پائی جاتی ہے اور نہ کوئی توہین۔ لہٰذا علامہ زرکشی رحمہ اللہ نے علامہ رافعی رحمہ اللہ کے قول سے اخذ کرتے ہوئے جو بیان کیا ہے اس کے مطابق ان کے نزدیک دخول کے وقت بائیاں قدم آگے رکھنا چاہیے۔ جیسا کہ ہمیں معلوم ہو چکا ہے۔ اور خروج کو اگر ہم عدم ترک کی وجہ سے جو عار و مشقت پائی جاتی ہے اس کے پیش نظر اہانت قرار دیں تو یہ شلوار اتارنے کی نظیر بن جاتا ہے کہ عدم ترک سے وہاں بھی عار و مشقت پائی جاتی ہے۔ پس اس اعتبار سے واضح ہوتا ہے کہ خروج کے وقت بائیں پاؤں کو مقدم کیا جائے۔ اور خروج ان اعمال میں سے نہیں جن میں نہ کوئی تکریم پائی جاتی ہے اور نہ کوئی اہانت۔ تاکہ ہم علامہ زرکشی رحمہ اللہ سے منقول قول کے مطابق عمل کریں۔ کیونکہ ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ یہ کپڑوں وغیرہ کو جسم سے اتارنے کی نظیر ہے۔ لہٰذا علماء کرام نے کپڑوں وغیرہ کے پہننے اور اتارنے میں جو فرمایا ہے اس کے پیش نظر زیادہ مناسب یہ ہے کہ دخول باب تکریم میں سے اور خروج باب اہانت میں سے ہو۔ کیونکہ انہوں نے پہننے میں جس چیز کو ملحوظ رکھا ہے وہ دخول میں بھی موجود ہے

اوراتارنے میں جس چیز کو ملحوظ رکھا ہے وہ خروج میں موجود ہے۔جیسا کہ فکر کرنے والے پر ظاہر ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب

خواتین کو تحریر سکھانے کا حکم

سوال.....خواتین کو تحریر کی تعلیم دینے کا کیا حکم ہے؟ علامہ واحدی رحمہ اللہ کی وسیط میں سورۂ نور کی تفسیر کے آغاز میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ خواتین کو کتابت کی تعلیم کے عدم استحباب پر دلالت کرتا ہے۔کیا وہ صحیح یا ضعیف؟

جواب.....وسیط میں جو حدیث ذکر کی گئی ہے وہ صحیح ہے۔امام حاکم رحمہ اللہ نے ،امام بیہقی رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے اوراسے صحیح قرار دیا ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَا تَنْزِلُوْهُنَّ فِي الْغُرَفِ وَ لَا تَعَلِّمُوْهُنَّ الْكِتَابَةِ وَ عَلِّمُوْهُنَّ الْغَزْلَ وَ سُوْرَةُ النُّوْرِ.

(الحاوی الفتاوی،کتاب الاضحیۃ،باب جامع،ج:1ص:346)

ترجمہ:تم ان (خواتین) کو بالاخانوں میں نہ ٹھہراؤ اوران کو تحریر نہ سکھاؤ اورانہیں کاتنے کی اور سورۂ نور کی تعلیم دو۔

سورۂ نور کی تعلیم دینے کا اس لئے حکم ہے کہ سورہ نور میں خواتین سے متعلق ایسے احکام زیادہ ہیں جن کا حفظ وعلم خواتین کے لئے ہر فتنہ وشک سے غایت درجہ محفوظ رہنے کا سبب ہے۔جیسا کہ سورہ نور میں تدبیر کرنے والے پر واضح ہے۔

حکیم ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ:

لَا تَسْكِنُوْا نِسَائَكُمُ الْغُرَفَ وَ لَا تُعَلِّمُوْهُنَّ الْكِتَابَةَ.

ترجمہ:تم اپنی خواتین کو بالاخانوں میں سکونت نہ دواوران کو کتابت نہ سکھاؤ۔

(الفردوس للدیلمی،باب لام الالف،رقم:7414،ج:5ص:46،بالفاظ مختلف)

اورحکیم ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہی تخریج کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت لقمان ایک ایسی لڑکی کے پاس سے گزرے جوکاتبوں سے کتابت سیکھ رہی تھی توانہوں نے فرمایا:

مَنْ يُصْقَلُ هٰذَا السَّيْفُ . یہ تلوار کس کے لئے صیقل کی جارہی ہے۔

تاکہ اس کے ساتھ اس کو ذبح کیا جاسکے۔پس اس حدیث میں کتابت سے نہی کی علامت کی طرف اشارہ ہے۔ اوروہ علت یہ ہے کہ عورت جب تحریر سیکھ جائے گی تواس کے ذریعہ اغراض فاسدہ تک رسائی حاصل کرلے گی۔اور

فساق و فجار لوگوں کی اس تک رسائی زیادہ آسان طریقے سے ممکن ہو جائے گی۔ اس کے بغیر فساق کی اس تک رسائی اتنی آسانی کے ساتھ ممکن نہ تھی۔ کیونکہ انسان کتابت وغیرہ کے ذریعہ اپنے اغراض ومقاصد میں دوسرے تک جتنی آسانی کے ساتھ رسائی حاصل کر لیتا ہے اس کی آسانی کے ساتھ قاصد کے ذریعہ رسائی حاصل نہیں کر پاتا۔ کیونکہ کتابت وتحریر قاصد سے زیادہ پوشیدہ ومخفی چیز ہے جس کی وجہ سے وہ حیلہ سازی میں زیادہ کارگر اور مکر وفریب دہی میں زیادہ سریع ہے۔ اسی لئے کتابت سیکھنے کے بعد عورت اس صیقل شدہ تلوار کی، تند بن جاتی ہے جو کسی بھی چیز سے گزرتی ہے تو اس کو یک دم کاٹ کر رکھ دیتی ہے۔

پس کتابت سیکھنے کے بعد عورت بھی اس طرح بن جاتی ہے کہ اس سے جس چیز کا بھی مطالبہ کیا جائے تو اس چیز کی اس میں زیادہ بلیغ اور زیادہ سریع طور پر قبولیت کی قابلیت پائی جائے گی۔

سابقہ احادیث ابن نجار رحمہ اللہ کی اس حدیث میں جسے انہوں نے حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت کیا ہے تخصیص پیدا کرتی ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ:

اِنَّ حَقَّ الْوَلَدِ عَلَى الْوَالِدِ ہ اَنْ يُّعَلِّمَهُ الْكِتَابَ اَيِ الْكِتَابَةَ. وَ اِنْ يُّحْسِنَ اِسْمَهُ وَ اَنْ يُّخْرِجَهُ اِذَا بَلَغَ.

ترجمہ: بے شک بچے کا اپنے والد پر حق ہے کہ وہ اس کو کتابت کی تعلیم دے اور اس کا اچھا نام رکھے اور وہ جب بالغ ہو جائے تو اسکی شادی کر دے۔

(شعب الایمان، حسن الخلق، حقوق الاولاد والخ، رقم الحدیث: 8298، ج:11، ص:136)

(اس حدیث پاک میں اَنْ يُّعَلِّمَهُ الْكِتَابَ میں کتابت مذکر اولاد کے ساتھ خاص ہے۔)

اس مقام پر یہ جاننا ضروری ہے کہ خواتین کو تحریر وکتابت کی تعلیم سے نہی ان کو قرآن وعلوم اور آداب کی تعلیم دینے کے امر کے منافی نہیں کیونکہ اس میں مصالح عامہ پائے جاتے ہیں اور اُن میں مفاسد پیدا ہونے کا بھی کوئی خطرہ نہیں بخلاف کتابت کے اس میں اگر چہ فوائد ومصالح ہیں لیکن اس میں مفاسد کا بھی خدشہ ہے۔ اور درء المفاسد (مفاسد کا دُور کرنا) مقدم ہے جلب المصالح (مصالح کے حصول) پر ابو نصر عبدالکریم شیرازی رحمہ اللہ نے اپنے فوائد میں ور دیلمی وابن النجار رحمہما اللہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے تخریج کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ:

اَدِّبُوْا اَوْلَادَكُمْ عَلٰى ثَلَاثِ خِصَالٍ. حُبِّ نَبِيِّكُمْ وَ حُبِّ اَهْلِ بَيْتِهٖ وَ قِرَاءَةِ الْقُرْاٰنِ فَاِنَّ حَمَلَةَ الْقُرْاٰنِ فِيْ ظِلِّ اللّٰهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّهٗ مَعَ اَنْبِيَائِهٖ وَ اَصْفِيَائِهٖ.

(معرفۃ السنن والآثار، کتاب الجزیۃ الشرط علی اہل الذمۃ، رقم الحدیث: 18568، ج:13، ص:383 بالفاظ مختلف)

ترجمہ: اپنی اولاد کو تین خصلتوں کی تعلیم دو۔ اپنے نبی کی محبت اور نبی کی اہل بیت کی محبت

اورقرآن کریم کی تلاوت کی ۔ بے شک حاملین قرآن انبیاء کرام واصفیاء کے ساتھ اللہ تعالیٰ
کے سایۂ رحمت میں ہوں گے جس دن اس کے سایہ رحمت کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔

اگرتم یہ کہو کہ امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے حضرت شفاء بنت عبداللہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ حضور ﷺ میرے ہاں تشریف لائے اور میں اس وقت حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھی آپ نے فرمایا:

عَلِّمِيهَا رُقْيَةَ النَّمْلَةِ كَمَا عَلَّمْتِيهَا الْكِتَابَةَ .

ترجمہ: تم حفصہ کو چیونٹیوں کے کاٹے کا دم سکھاؤ جس طرح تم نے انہیں کتابت سکھائی ہے۔

(سنن ابی داؤد، کتاب الطب، باب ماجاء فی الرقی۔رقم الحدیث: 3887، ج:4 ص:11)

یہ حدیث خواتین کو کتابت سکھانے پر دلالت کرتی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث خواتین کو کتابت وتحریر کی تعلیم دینے کے حکم پر دلالت نہیں کررہی اس میں تو صرف اس بات کی دلیل ہے کہ خواتین کو کتابت کی تعلیم دینا جائز ہے۔ اور کتابت کی تعلیم دینے کے جواز کے ہم بھی قائل ہیں ۔خواتین کو کتابت سکھانے کی نہی زیادہ سے زیادہ تنزیہی ہے۔ کہ اس پر مذکورہ مفاسد مرتب ہوسکتے ہیں مکروہ تنزیہی اور جواز جمع ہوسکتے ہیں ۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب

صاحب العباب کو حاطب لیل کہنے والے کا شرعی حکم

سوال......ایک شخص نے العباب کے مصنف کو حاطب لیل (رات کے وقت لکڑیاں جمع کرنے والا) کہا ہے کیا وہ شخص اپنے اس (یعنی کتاب میں رطب ویابس جمع کرنے والا ہے) قول کی وجہ سے کافر ہوا کہ نہیں کیونکہ اس سے یہی سمجھا جاتا ہے کہ وہ ان کے ساتھ استہزاء کررہا ہے؟

جواب......اس قول سے کفر لازم نہیں آتا ہاں اگر اس کا مقصود علم کا علم ہونے کی حیثیت سے استہزاء تھا تو پھر اس صورت میں کفر ہوگا۔ جیسا کہ علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ

قَصْعَةُ ثَرِيْدٍ خَيْرٌ مِّنَ الْعِلْمِ .

ترجمہ: ثرید کا ایک پیالہ علم سے بہتر ہے۔

توایسا کہنے والا کافر ہوجائے گا۔ اور اگر اس کا ارادہ علم کا استہزاء نہیں تھا تو اس پر کفر لازم نہیں آئے گا۔ لیکن وہ شدید مذمت اور ایسے وصف کا مستحق ہے جس سے پتہ چلے کہ یہ شخص نہایت متکبر اور معاند یا سرکش شیطان ہے۔ کیونکہ اس سے اس قبیح قول کا صدور اس بات کی دلیل ہے یا تو وہ شخص اس کتاب (العباب) اور اس میں موجود حضرت امام شافعی رحمہ اللہ اور آپ کے اصحاب کی ان گراں قدر نصوص کی قدر ومنزلت سے جاہل ہے۔ جس طرح مصنف رحمہ اللہ نے ان نصوص کو اس کتاب میں جمع فرمایا ہے اس طرح کسی دوسری کتاب میں نہیں پائی جاتی ہیں۔ مصنف نے اس کتاب میں تالیف وتصنیف کا جو حسین وجمیل انداز اختیار کیا ہے اس کا علم اس شخص کو ہوسکتا ہے جو اس کتاب کی چھوٹی

بڑی ہر چیز سے واقف ہوگا۔

• اور یا اس قبیح قول کا صدور اس شخص کے حسد کی دلیل ہے اور کتاب اس لائق ہے کہ اس پر حسد کیا جائے۔ کیونکہ حسد ہمیشہ کامل چیز پر کیا جاتا ہے۔ اور ناقص لوگوں کے خبیث نقوش اہل شرف وفضل سے انقباض کرتے ہیں۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے:

وَ لَا خَلَا الدَّهْرَیْنِ حَاسِدٍ فَاِنَّ خَیْرَ النَّاسِ مَنْ یُّحْسِدُ

ترجمہ: زمانہ حسد کرنے والے سے خالی نہیں ہوگا۔ بے شک بہترین انسان وہ ہے جس پر حسد کیا جائے۔

یہ کتاب تنقیح وتحریر کے ساتھ بہت سارے مسائل پر مشتمل ہونے کی وجہ سے بہترین کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ اسکے مؤلف کو اپنی رحمت واسعہ سے نوازے اور ان کی قبر پر ہمیشہ اپنی رضا کی بارش نازل فرمائے۔ آمین واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کے درمیان کوئی نبی ہوا ہے؟

سوال...... سرور کائنات خاتم الانبیاء، صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اِنَّ عِیْسٰی اَخِیْ لَیْسَ بَیْنِیْ وَ بَیْنَهٗ: نَبِیٌّ.

ترجمہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام میرے بھائی ہیں، میرے اور ان کے درمیان کوئی نبی نہیں ہوا۔

(الفتن لنعیم بن حماد، نزول عیسیٰ الخ، رقم الحدیث: 1608، ج: 2 ص: 575)

اور شفاء میں مسلم رحمہ اللہ سے مروی ہے، اور علامہ بیضاوی نے اپنی تفسیر میں بھی نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان دو نبی مبعوث ہوئے تھے۔ ان دونوں روایتوں کے درمیان تطبیق کیسے ہوگی؟

جواب...... مسلم شریف کی حدیث مذکورہ ارشاد سے زیادہ صحیح ہے۔ لہذا وہ اس پر مقدم ہوگی۔ اور اگر اس مذکورہ قول کو صحیح تسلیم کیا جائے تو تب بھی ان کے درمیان تطبیق ممکن ہے کہ نفی کو اس بات پر محمول کیا جائے کہ نبی اکرم ﷺ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان ایسا کوئی مستور نبی نہیں ہوا جسے ہر کوئی پہچانتا ہو۔

اس حدیث کی روایت میں مسلم کو کوئی خصوصیت حاصل نہیں۔ امام بخاری اور امام ابوداؤد رحمہما اللہ نے بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

اَنَا اَوْلَی النَّاسِ بِعِیْسَی بْنِ مَرْیَمَ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ وَلَیْسَ بَیْنِیْ وَ بَیْنَهٗ نَبِیٌّ وَ الْاَنْبِیَاءِ اَوْلَادُ عَلَّاتٍ اُمَّهَاتُهُمْ شَتّٰی وَ دِیْنُهُمْ وَاحِدٌ.

(صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب قول اللہ، واذکر فی الکتب الخ، رقم الحدیث: 3443، ج: 4 ص: 167)

ترجمہ: میں دنیا وآخرت میں تمام لوگوں سے زیادہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قریب ہوں۔ میرے

اوراُن کے درمیان کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا۔انبیاء کرام سوتیلی اولاد ہیں کہ ان کی مائیں مختلف اوردین ایک ہے۔یعنی ان کی شریعتوں کے فروع مختلف اوراصول متحد ہیں۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب

ایک حدیث پاک کی علمی تحقیق

سوال......امام مسلم،امام احمد،امام ابوداؤد،امام ترمذی اورامام نسائی رحمہم اللہ نے ایک حدیث روایت کی ہے جسے امام نووی رحمہ اللہ نے اپنی اربعین اور مجموع وغیرہ میں بھی ذکر کیا ہے۔اوروہ حدیث یہ ہے:

وَ لْيُحِدَّ اَحَدُكُمْ شَفْرَتَهٗ وَلْيُرِحْ ذَبِيْحَتَهٗ.

ترجمہ:تم میں سے ہرایک کو چاہیے کہ وہ اپنی چھری تیز کرے اوراپنے ذبیحہ کوراحت پہنچائے۔

(شرح النووی علی مسلم،کتاب الصید والذبائح الخ،باب النھی عن صبر الخ،رقم الحدیث:58،ج:13،ص:107)

اس حدیث میں نبی اکرم ﷺ کے الفاظ وَ لْيُرِحْ ذَبِيْحَتَهٗ یا فَلْيُرِحْ ذَبِيْحَتَهٗ ہیں۔یااس میں دومختلف روایتیں ہیں ایک واو کے ساتھ اوردوسری فا کے ساتھ،اورکیا فاء کا ایک یا دونسخوں میں ہونا اس روایت کے معتبر ومعتمد ہونے کا تقاضا کرتا ہے۔حتیٰ کہ غور کیا جائے دونوں روایتوں میں سے کس میں مطلب زیادہ واضح ہے یااس کاایک یا دونسخوں میں موجود ہونا اس روایت کے معبر ومعتمد ہونے کا تقاضانہیں کرتا۔جس کی وجہ سے اس کوروایت قراردینا حرام ہوجائے یااس کی قراءت سے رکنا واجب ہوجائے اوراس روایت کی قراءت کرنے والے پررد کرنے والے کوغلطی کرنیوالا قرارنہ دیاجائے اوراگرتم یہ کہوکہ فاء روایت میں ثابت ہے توکیاوہ سببیہ ہے یاکہ نہیں؟ اوراگراسے سببیہ قراردیاجائے تو واو والی روایت کی نسبت اس میں مطلب زیادہ واضح ہوگا یاکہ نہیں؟ اوراگر یہ ثابت ہوجائے کہ روایت میں ماء ثابت نہیں توکیا حدیث میں اس کی قراءت اس بناء پرکرنا جائز ہوگی کہ واو کی نسبت اس میں مطلب زیادہ کامل پایا جاتا ہے۔جیساکہ بعض طلبہ کاخیال ہے۔یااس کی قراءت مطلقاً ناجائز ہوگی۔

اس کاہمیں واضح جواب دیجئے۔اللہ تعالیٰ آپ کوجنت کی جزاءعطافرمائے۔

سوال کی صورت حال یہ ہے اور مقصود حدیث میں وارد لفظ کاعلم حاصل کرنا ہے تاکہ اشکال رفع ہوجائے اورحقیقت حال واضح ہوجائے تاکہ ہم حق کی طرف رجوع کریں حق اس بات کازیادہ حقدار ہے کہ اس کی اتباع کی جائے۔

جواب......میں نے اپنے فقہاء کرام اوران کے علاوہ دیگر فقہاء کرام جن کی بہت زیادہ کثرت ہے ان کی کتب میں اوراحادیث کے متون خاص کرمسلم کی متخرجات اوران کی شروحات میں جو بہت زیادہ ہیں ان میں اس حدیث کوتلاش کیا اورمیں نے ان تمام کتب کو وَلْيُرِحْ ذَبِيْحَتَهٗ، میں کتابت دور پرمتفق پایا۔اورمیں نے

دیکھا کہ ان تمام علماء نے اس حدیث کو بھی صرف مسلم سے نقل کیا ہے اور کبھی مسلم کے علاوہ کسی دوسری کتب سے بھی نقل کیا ہے۔ اور میں نے ان میں سے کسی کو بھی غیر واو کی کتابت اور ہدایت پر اعتماد کرتے ہوئے نہیں پایا۔ سوائے سعید بن منصور رحمہ اللہ کے انہوں نے اپنی سنن میں اس کو ثُمَّ لِيُرِحْ ذَبِيحَتَهُ کے الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

کتاب کے نسخوں کی کثرت کبھی تواتر اور کبھی مشہور کے قائم مقام ہوتی ہے

ابن الصلاح رحمہ اللہ نے صراحت فرمائی ہے کہ نسخوں کی کثرت کبھی متواتر اور کبھی مشہور کے قائم مقام ہوتی ہے اور یہ بات واضح ہے کہ تواتر خواہ معنوی کیوں نہ ہو علم یقین کا فائدہ دیتا ہے۔ اور اہل اصول کا اس بات میں اختلاف ہے کہ کونسا عدد تواتر کا فائدہ دیتا ہے۔ اور اس بارے میں واو کی روایت پر مشتمل جو کتابیں ہم نے دیکھی ہیں وہ من جملہ تواتر کی تعریف میں جس عدد کو بیان کیا گیا ہے اس کی سب سے بلند حد تک پہنچتی ہیں۔

اس مذکورہ تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ واو کی روایت ہی ایسا یقینی اور بدیہی امر ہے کہ جس میں کوئی شک وریب نہیں پایا جاتا اس کے بعد اسکی بحث وتحقیق کی کوئی ضرورت وحاجت باقی نہیں رہتی، اور میں نے کسی ایسے عالم کو نہیں پایا کہ جس نے فاء کو صراحتاً یا اشارۃً ذکر کیا ہے۔ لیکن سائل نے ذکر کیا ہے کہ فاء ایک یا دو نسخوں میں موجود ہے۔ مگر کتاب کے نسخوں میں جس درجہ صحت مطلوب ومتعین ہے وہ ان میں نہیں پائی جاتی جیسا کہ عنقریب اسکا ذکر ہوگا۔ لہذا اس کا بالاجماع روایت ہونے کا عقیدہ رکھنا مناسب نہیں، جیسا کہ کئی آئمہ نے نقل کیا ہے ان آئمہ میں زین العراقی رحمہ اللہ بھی شامل ہیں کہ جو فرماتے ہیں:

> ''انسان کا ایسی چیز نقل کرنا جس کی اس کے پاس کوئی روایت نہیں اہل درایت کے ہاں بالاجماع مناسب نہیں۔''

غیر حدیث کو حدیث بنا کر پیش کرنا؟

وہ آئمہ کرام جنہوں نے یہ فرمایا ہے: ان میں حافظ ابن حبر اشبیلی مالکی رحمہ اللہ بھی شامل ہیں اور یہ بزرگ الروض الانف کے مصنف حضرت حافظ سہیلی رحمہ اللہ کے ماموں ہیں وہ فرماتے ہیں: علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کسی مسلمان کے لئے یہ کہنا جائز نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا فرمایا ہے جب تک اس کے ہاں وہ ارشاد مروی نہ ہو خواہ وجوہ روایات کے ادنیٰ درجہ کے ساتھ مروی کیوں نہ ہو۔ بعض حفاظ حدیث کا یہ قول بھی اس کی تائید وتشریح کرتا ہے کہ محدثین کرام نسخہ کی صحت کی طرف اس وقت تک التفات نہیں فرماتے جب تک راوی یہ نہ کہے کہ میں اس کو روایت کرتا ہوں یعنی اس میں جو کچھ ہے وہ مری سند متصل کے ساتھ مروی ہے۔ اس قول کو نقل کرنے کے بعد حفاظ

نے فرمایا ہے کہ محدثین کرام اس باب میں حقیقت پر ہیں کیونکہ وہیں اہل فن ہیں ۔

حضرت امام مالک رحمہ اللہ کا ایک قول مجھے ملا ہے جو اس کی تائید کرتا ہے ۔ آئمہ نقل میں سے ایک جماعت نے ابن عبدالحکیم رحمہ اللہ سے اور انہوں نے اشہب سے نقل کیا ہے کہ اشہب نے فرمایا کہ میں نے حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے سوال کیا کہ کیا اس شخص سے حدیث حاصل کرنی چاہیے جو حفظ نہیں کر سکتا مگر وہ ثقہ اور صحیح ہے تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ایسے شخص سے حدیث حاصل نہیں کرنی چاہیے ۔ میں نے ان سے عرض کی کیا ایسے شخص کی کتاب سے تخریج کرنا اور میں نے اس کو سنا ہے، کہنا جائز ہے ۔ تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: میں تو بہرحال ایسے شخص سے روایت کو جائز نہیں سمجھتا ۔ کیونکہ میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ کہیں اس نے اپنی کتاب میں رات کے وقت وہ چیز لکھ دی ہو جو اس میں سے نہیں تھی اور وہ اس سے باخبر رہا ہو (انتہی)

بعض شافعی علماء کرام نے بھی اس قول کے ساتھ اتفاق کیا ہے ۔ لیکن جید علماء کرام کے نزدیک اصل مسموع پر اعتماد جائز ہے اگرچہ اس کے وہ اصول متعدد نہ بھی ہوں جن کا تقابل کیا گیا ہے ۔ جیسا کہ عنقریب حضرت امام نووی اور ابن صلاح رحمہ اللہ کی صراحت آئے گی ۔

اس کے باوجود میں نے حضرت امام مالک رحمہ اللہ کا کلام اس لئے ذکر کیا ہے کہ وہ ہمارے اس مذکورہ مسئلہ میں منع کرتے اور اس شخص پر سختی کرنے میں صریح ہے جس نے مثلاً صرف ایک یا دو نسخوں میں موجود ہونے پر اعتماد کیا ہے اور اس کی موافقت کرتا ہے ۔

حضرت امام مالک رحمہ اللہ نے جو فرمایا ہے شاید اس کی دلیل وہ حدیث ہے جسے حضرت خطیب رحمہ اللہ نے حضرت ابن عبدالرحمٰن العلمی ﷺ سے تخریج کیا ہے کہ حضرت عمر ﷺ نے فرمایا کہ:

اِذَا وَجَدَ اَحَدُکُم کِتَابًا فِیْهِ عِلْمٌ لَمْ یَسْمَعْهُ عَنْ عَالِمٍ فَلْیَدْعُ بِاِنَاءٍ وَ مَاءٍ فَلْیَنْقَعْهُ فِیْهِ حَتّٰی یَخْتَلِطَ سَوْدَاهُ فِیْ بَیَاضِهٖ.

ترجمہ: جب تم میں سے کوئی ایسی کتاب پائے جس میں ایسا علم موجود ہو جو اس نے کسی عالم سے نہیں سنا تو اسے چاہیے کہ وہ ایک برتن اور پانی طلب کرے اور اس میں اس کتاب کو خوب دھوئے حتیٰ کہ اس کی سیاہی اس کی سفیدی میں مخلوط ہو جائے ۔

یہ ساری تفصیل اس صورت میں ہے جب اس کو بیان کرنے والے نے اس کے روایت ہونے میں اس کے صرف کسی نسخہ میں موجود ہونے پر اعتماد کیا ہو تو ایسا کرنا جائز نہ ہوگا ۔ کیونکہ روایت اس کے ساتھ ثابت نہیں ہوتی ۔ جیسا کہ عنقریب کئی علماء کی اس کے متعلق تصریح آئے گی ۔ اور اگر بیان کرنے والے نے اس کو بطور روایت اور بطریق جزم ذکر نہیں کیا بلکہ بطور وجادہ (یعنی یہ مجھے فلاں کتاب کے کسی نسخہ میں ملی ہے) ذکر کی ہے تو پھر اُس کا یہ ذکر کرنا

جائز ہے جیسا کہ علماء نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

جس کسی شخص کو کسی تصنیف کے کسی نسخہ میں کوئی چیز ملی اور اس نسخہ کی صحت اگر بایں طور قابل وثوق ہے کہ اس کے مصنف نے یا کسی دوسرے ثقہ شخص نے اس کا اصل کے ساتھ یا اس فرع کے ساتھ تقابل کیا ہے جس فرع کا اصل کے ساتھ اس طرح کا تقابل ہو چکا ہے۔ تو پھر اس شخص کے لئے جزم کے ساتھ اس کتاب کے مصنف کی طرف اس نسخہ کی نسبت کرنا جائز ہے اور اگر اس نسخہ کی صحت قابل وثوق نہیں تو پھر مصنف کی طرف اس کی نسبت کرنے میں جزم کرنا جائز نہیں۔ بلکہ یوں کیا جائے کہ مجھے یہ فلاں کی طرف سے پہنچی ہے کہ اس نے یوں ذکر کیا ہے یا اس کو فلاں کے نسخہ میں ایسے ملی ہے یا اس کی مثل ایسی عبارات کے ساتھ تعبیر کرے جو جزم کا تقاضا نہ کرتیں ہوں۔ البتہ یہ اس زیرک عالم کے لئے جائز ہے جو عام طور پر کتابت کی غلطیوں اور لغزشوں اور اپنی طرف سے کتاب میں شامل کی جانے والی عبارات کے مقامات کی نشاندہی کرسکتا ہے اور ایسے مقامات اس پر مخفی نہیں رہ سکتے ہیں۔

اور ان علماء نے یہ بھی فرمایا ہے کہ صحیح ترمذی کے بہت ساری نسخوں میں حدیث کی صحت وغیرہ کا حکم لگانے میں اختلاف پایا جاتا ہے ایک نسخہ میں کسی حدیث کے بارہ میں حسن صحیح ہے تو اسی حدیث کے بارے میں دوسرے نسخے میں حسن غریب ہے۔ اور جب ان میں سے کسی چیز کی امام ترمذی کی طرف نسبت کرتی مطلوب ہو تو نسبت کرنے میں جزم کرنا جائز نہیں ہاں اگر وہ کسی ایسے صحیح نسخے میں ملی ہو جس کا کسی معتبر اصل کے ساتھ تقابل کیا گیا ہے تو پھر جزم کے ساتھ نسبت کرنا جائز ہوگا۔

شرح المہذب میں بھی اس بارے میں تصریح موجود ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی کتاب پر اس وقت تک اعتماد جائز نہیں جب تک اس کے نسخہ کی صحت موثوق نہ ہو۔ اگر کسی کو کتاب کا غیر معتبر نسخہ مل جائے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس کتاب کے متفقہ نسخوں کی تلاش کرتا رہے، اگرچہ اس غیر معتبر نسخہ کے علاوہ کوئی نسخہ نہ بھی ہے۔

ابن الصلاح نے فرمایا ہے کہ اور اگر غیر معتبر کتاب سے کسی قائل کے قول کو نقل کرنا چاہے تو یہ نہ کہے کہ فلاں نے یوں کیا ہے بلکہ یہ کہے کہ مجھے فلاں شخص کی طرف سے یوں ملا ہے اور مجھے فلاں شخص کی طرف سے یوں پہنچا ہے۔ یا اس قسم کے دیگر الفاظ استعمال کرے یہ تو اس شخص کے لئے حکم ہے جو تخریج کی اہلیت رکھتا ہے۔ اور جو تخریج کی صلاحیت نہیں رکھتا اس کے لئے ایسا کہنا جائز نہیں کیونکہ ایسے شخص کا کام محض نقل کرنا ہے۔ اسے وہ حق حاصل نہیں جو اس بارے میں اس کے لئے جائز ہے۔ ہاں البتہ اگر اس نے اس قول کی پوری تحقیق کی ہے اور اس کے بعد اسے ذکر کرتے ہوئے یہ کہے کہ مجھے یہ فلاں سے ملا ہے، یا اس طرح کا کوئی اور لفظ بولتا ہے تو جائز ہوگا۔ (انتہی)

حضرت ابن الصلاح رحمہ اللہ نے ہی فرمایا ہے: کہ بہت سارے لوگ اس بارے میں بغیر کسی تحقیق و جستجو کے اجازم کا اطلاق کرنے یں تسامح سے کام لیتے ہیں۔ پس ان میں سے کوئی کسی خاص مصنف کی طرف منسوب کتاب

کے نسخے کی صحت کی توثیق کے بغیر مطالعہ کرتا ہے یا اس سے کوئی قول نقل کرتا ہے تو کہتا ہے۔فلاں نے یہ فرمایا ہے یا فلاں کا یہ قول ہے یا اس کی مثل کوئی اور لفظ استعمال کرتا ہے حالانکہ درست بات یہ ہے ایسا کہنا جائز نہیں (انتہی)

اور بعض حفاظ حدیث نے فرمایا ہے کہ کتابوں کے حواشی میں جو فوائد وقیود وغیرہ پائی جاتی ہیں۔ان کا حکم بھی یہی ہے کہ اگر کسی معروف تحریر کے ساتھ ہیں تو ان کے نقل کرنے اور ان کو اس کے لکھنے والے کی طرف منسوب کرنے میں کوئی حرج نہیں ورنہ عالم راسخ کے سوا کسی دوسرے کے لئے ان پر اعتماد کرنا جائز نہیں۔ابن الصلاح رحمہ اللہ نے جو فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

کسی کے لئے عمل کرنے یا استدلال کرنے کے لئے کسی معتمد کتاب سے حدیث اخذ کرنا اس وقت تک جائز نہیں جب تک اس کتاب کا اس کے متعدد اصول کے ساتھ تقابل نہ کیا جائے اور جن اصول کے ساتھ تقابل کیا جاتا ہے ان کی بھی اتنی زیادہ کثرت ہوتی ہے کہ جسے متواتر یا مشہور کے قائم مقام متصور کیا جاتا ہے لیکن امام نووی نے ان کی مخالفت کرتے ہوئے فرمایا ہی کہ اس کے لئے اصول کا متعدد ہونا شرط نہیں بلکہ ایک اصل کے ساتھ بھی تقابل کافی ہے بشرطیکہ وہ صحیح اور معتمد ہو۔یعنی اس کا کسی ایسے اصل صحیح کے ساتھ تقابل کیا جائے جس کا دوسرے اصل صحیح کے ساتھ تقابل کیا گیا ہو اور یوں یہ سلسلہ اس کتاب کے مصنف تک پہنچ جائے۔

ابن الصلاح اور امام نووی رحمہما اللہ کا نقل روایت میں اتفاق

اور اگر کسی کتاب سے حدیث کو نقل کرنے کا مقصد روایت کرنا ہے تو پھر متعدد اصول کے ساتھ تقابل شرط نہ ہونے میں ابن الصلاح اور امام نووی رحمہما اللہ میں اتفاق ہے لیکن عمل اور استدلال کے لئے نقل کرنا مقصود ہے تو پھر بھی امام نووی رحمہ اللہ کے نزدیک اصول کا تعدد شرط نہیں لیکن ابن الصلاح رحمہ اللہ کے نزدیک اس صورت میں اصول کا تعدد شرط ہے کیونکہ عمل اور استدلال میں بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔

ابن برھان رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ تمام فقہاء کرام کا یہ مذہب ہے کہ حدیث پر عمل کرنا اس کے سماع پر موقوف نہیں بلکہ جو اس کے پاس مثلاً صحیحین یا سنن میں سے کسی کا صحیح نسخہ موجود ہے تو اس کے لئے اس پر عمل کرنا جائز ہے اگرچہ اس نے اس حدیث کا سماع نہ بھی کیا ہو۔پس ابن برھان رحمہ اللہ کے اس قول اور اس سے قبل جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اس سے یہ بات متعین ہو جاتی ہے کہ ابن الصلاح نے تعدد اصول کی جو شرط لگائی ہے وہ استحباب پر محمول ہے۔جیسا کہ ایک جماعت اس کی قائل ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

اگر تم یہ اعتراض کرو کہ ابن برھان رحمہ اللہ نے فقہاء کا جو اجماع نقل کیا ہے وہ اس اجماع کے مخالف ہے جو پہلے ذکر ہوا ہے تو میں کہوں گا کہ ان دونوں کے درمیان کوئی منافات نہیں کیونکہ یہاں پر حدیث سے صرف استنباط کرنا مراد ہے پس اس میں سماع شرط نہیں بلکہ اس میں اصل سے منقول نسخ کی صحت شرط ہے۔ سابقہ اجماع میں یہ مراد ہے کہ اگر کسی شخص نے اصولِ سماع کی صحت کے بغیر کسی کتاب کو سماع کیا ہے اور وہ اس کتاب میں کسی حدیث کے صرف موجود ہونے کی وجہ سے اسے روایت کرنا چاہتا ہے اور اس کو یہ یقین نہیں کہ اس نے اس حدیث کو اپنے شیخ سے سنا ہے تو ایسا کرنا جائز نہیں۔ پس سابقہ اجماع میں مطلقاً عدم جواز کا محمل یہ ہے اس ساری بحث کا تعلق واو اور فاء کے نقل کی حیثیت کے ساتھ ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ روایت، عمل اور استدلال کے لحاظ سے مذکورہ حدیث میں واو کا ثبوت لازمی وضروری ہے اور جس نسخہ میں فاء موجود ہے اگر وہ نسخہ صحیح ہے یعنی کسی ثقہ عالم نے اس کا کسی ایسے معتبر اصل کے ساتھ تقابل کیا ہے جس اصل کو کسی ثقہ حافظ نے صحیح قرار دیا ہے تو عمل کے لحاظ اس پر اعتماد کرنا جائز ہے اور اگر اس نے فاء کو اپنے پاس محفوظ تقابل شدہ اصل میں دیکھا ہے یا اپنے کسی ایسے شیخ سے سنا ہے جسے حدیث اور اسناد پر مہارت حاصل ہے تو روایت کے لحاظ سے بھی اس پر عمل کرنا جائز ہے اگر ان مذکورہ شروط میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے تو پھر اس کو حدیث کی حیثیت سے پڑھنا اور اس کا صحیح مسلم میں ہونے کا جزم کرنا جائز نہ ہوگا البتہ اس کے متعلق اتنی بات کرنی جائز ہوگی کہ میں نے مسلم کے بعض نسخوں میں اس طرح فاء کے ساتھ دیکھا ہے یا مجھے اس کے بعض نسخوں میں فاء کے ساتھ یوں ملی ہے۔

مذکورہ تحقیق کے بعد رسول اللہ ﷺ کے ارشاد:

اِذَا ذَبَحْتُمْ فَاَحْسِنُوْا الذِّبْحَةَ اَوْ "الذَّبْحَ".

ترجمہ: جب تو ذبح کرو تو احسن طریقے سے ذبح کرو۔

میں واو کا معنی واضح ہے کیونکہ ذبح میں احسان (احسن طریقہ) چھری کو اچھی طرح سے تیز کرنا ہے اور جانور کو اچھے طریقہ سے آرام پہنچانا ان کے علاوہ دیگر امور میں اچھا طریقہ اختیار کرنا مثلاً قبلہ رخ کرنا اور بسم اللہ پڑھنا اور جانور کے ذبح کرنے میں اللہ تعالیٰ کے تقرب کی نیت کرنا اور اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کے احسان کا اعتراف کرنا اور اس کا شکر ادا کرنا کہ اسی ربّ کائنات نے اس جانور کو ہمارے لئے حلال اور مسخر فرمایا اگر وہ چاہتا تو اس کو حرام فرماتا اور اسے ہم پر غالب فرماتا۔

علماء کرام کی تصریح کے مطابق حکم احسان ان تمام مذکورہ امور کو شامل ہے اور حدیث میں ان مذکورہ امور میں سے بعض کا احسان پر عطف کیا گیا ہے۔ یعنی چھری تیز کرنے کے حکم اور جانور کو راحت پہنچانے کے حکم کو یہ بتانے کے لیے احسان پر عطف کیا گیا ہے کہ یہ دونوں امور وجوہ احسان میں سب سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔

یاد رہے کہ "فَلْيُرِحْ" میں فاء کے ساتھ عطف لغت کے اعتبار سے درست نہیں کیونکہ مذکورہ تحقیق سے تمہیں معلوم ہو چکا ہے کہ "وَلْيُحِدَّ وَلْيُرِحْ" کا "فَأَحْسِنُوا" پر عطف ہے اور یہ خاص کا عام پر عطف ہے۔ اور اہل لغت کی تصریح کے مطابق عطف الخاص علی العام اور عطف العام علی الخاص صرف "حرف واؤ" کے ساتھ جائز ہے۔ اور "وَلْيُرِحْ، وَلْيُحِدَّ" پر معطوف نہیں بلکہ اس کا عطف بھی "فَأَحْسِنُوا" پر ہے۔ کیونکہ عطف پہلے پر ہوتا ہے۔ لہذا جب اس کا عطف بھی فاحسنوا پر ہے تو یہ اپنے ماقبل یعنی "ولیحد" کی نظیر بن جائے گا یعنی اس کا عطف بھی واؤ کے ساتھ ہونا چاہیے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک کا عطف فاء کے ساتھ اور دوسرے کا عطف واؤ کے ساتھ ہو جب کہ معطوف علیہ کے اعتبار سے ان دونوں کی نسبت ایک ہی ہے اس طرح کا عطف بلاغت تو دور کی بات ہے لغت کے اعتبار سے بھی درست نہیں نیز فلیرح کا ولیحد پر عطف سیاق کلام سے جو چیز مقصود ہے اس کے خلاف وہم پیدا کرتا ہے۔ کہ شاید جانور کو آرام پہنچانے کا سبب صرف چھری تیز کرنا ہے اور اس کے علاوہ کوئی دوسری چیز راحت کا سبب نہیں۔ حالانکہ راحت کا سبب چھری تیز کرنا بھی ہے اور چھری تیز کرنے سے پہلے بھی ایسی چیزیں ہیں جو راحت کا سبب ہیں مثلاً چھری جانور کے سامنے تیز نہ کی جائے۔ اور جانور کو جائے ذبح کی طرف سختی سے ہانکا نہ جائے اور ذبح سے پہلے اس کو پانی پلایا جائے۔ کھال اس وقت تک نہ کھینچی جائے جب تک وہ ٹھنڈا نہ ہو جائے۔ یہ تمام چیزیں راحت سے تعلق رکھتی ہیں لیکن چھری کی تیزی کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں۔ البتہ ان کا تعلق اس راحت (آرام پہنچانے) سے ہے جو من جملہ احسان ذبح (احسن طریقہ سے ذبح کرنے) سے تعلق رکھتی ہے۔ پس ولیرح کا واؤ کے ساتھ عطف فاحسنوا پر متعین ہے تاکہ احسنوا سے جس چیز کا ضمناً استفادہ ہوا تھا عطف سے صراحتاً اس کا افادہ ہو جائے۔

اور فاء کے ساتھ عطف جس طرح فن کے اعتبار سے ممتنع ہے (جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے) اسی طرح معنی کے لحاظ سے بھی ممتنع ہے جیسا کہ ہم نے تحقیق کی ہے۔

سوال...... حضرت سعید بن منصور رحمہ اللہ نے جو روایت اپنی سنن میں ثم کے عطف کے ساتھ ذکر کی ہے اس کے پیش نظر اگر فاء مجرد عطف کے لئے ہو تو کیا اس کے ساتھ عطف صحیح ہوگا؟

جواب...... حضرت سعید بن منصور رحمہ اللہ کی روایت اور اس مذکورہ روایت کے درمیان فرق واضح ہے کیونکہ حضرت سعید بن منصور رحمہ اللہ کی روایت میں احسان عام کا حکم نہیں حتیٰ کہ امر بالا راحت (آرام پہنچانے) اور امر

بالمد (چھری تیز کرنے) کا عطف، عطف الخاص علی العام میں سے ہوجائے۔ اس روایت میں پہلے چھری تیز کرنے کا حکم ہے اور اس کے بعد راحت پہنچانے کا حکم ہے۔ اس لئے اس روایت میں ثم کے ساتھ عطف لانے میں کوئی امتناع نہیں کیونکہ یہ "عطف الخاص علی العام" نہیں۔ بخلاف مسلم کی روایت ہے کہ احسان کا حکم پہلے ہے جو کہ عام ہے اور پھر اس کے بعد اس کے بعض اجزاء کو اس پر عطف کیا گیا ہے۔ یعنی چھری تیز کرنے کے حکم اور راحت کے حکم کو اس پر عطف کیا گیا ہے۔ پس اس میں فاء کے ساتھ عطف ممتنع ہوگا۔ کیونکہ یہ طے شدہ اصول ہے کہ "عطف الخاص علی العام" صرف حرف واو اور حرف حتیٰ کے ساتھ ہوگا اور ان کے سوا کسی دوسرے حرف کے ساتھ جائز نہیں اس بات پر غور کیجئے کیونکہ یہ بڑی اہم چیز ہے۔

سوال ..... اگر فاء روایت کے طور پر آیا ہے تو کیا اس کی کوئی توجیہ ممکن ہے۔؟

جواب ..... اس وقت تو یہی ظن قوی اور یقین ہے کہ فاء بطور روایت نہیں اور اگر ایسا فرض کرلیا جائے تو پھر ممکن ہے کہ اس کی تخریج مجازاً واؤ کے قائم مقام ہو۔ جیسا کہ شاعر نے اپنے اس مصرعہ میں فاء کو مجازاً واو کی جگہ استعمال کیا ہے۔

بَيْنَ الدَّخُوْلِ فَحَوْمِلَ. اگرچہ یہ خلاف اصل ہے۔

سوال ..... کیا مسلم کی روایت کا تَوَضَّأَ فَغَسَلَ الْوَجْهَ الخ کی طرح عطف المفصل علی المجمل کے قبیل سے ہونا صحیح ہوگا؟۔

جواب ..... ایسا ہونا صحیح نہیں کیونکہ "عطف المفصل علی المجمل" میں یہ شرط ہے کہ تفصیل مجمل کے تمام اجزاء کو محیط ہونی چاہیئے جبکہ یہاں ایسا نہیں کیونکہ احسان اپنے مابعد سے زیادہ عام ہے جیسا کہ سابقاً اس کی تشریح گزر چکی ہے۔ پس اسی لئے احسان مابعد احسان کی تفصیل نہیں ہوسکتا۔ اور "اِذَا ذَبَحْتُمْ" کا مطلب ہے جب تم ذبح کا ارادہ کرو۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب

عطف الخاص علی العام اور اس کا عکس مفردات کے ساتھ خاص نہیں

بعض اہل نزاع کے ہاں مصنف کا مذکورہ جواب پہنچا تو انہوں نے اس پر یہ اعتراض کیا کہ عطف العام علی الخاص جو واؤ کے تعین کا مقتضی ہے وہ مفردات کے عطف کے ساتھ خاص ہے۔ یہ اعتراض حضرت مصنف رحمہ اللہ کے سامنے سوال کی صورت میں پیش کیا گیا تو مصنف رحمہ اللہ نے اس کا جواب دیا ہے۔ سوال اور اس کا جواب درج ذیل ہیں۔

سوال ..... کیا "عطف الخاص علی العام" اور اس کا عکس مفردات کے ساتھ خاص ہے یا کہ نہیں؟ اس کا مفصل جواب عنایت فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جنت نصیب فرمائے۔

جواب.....ان میں سے کوئی بھی مفردات کے ساتھ خاص نہیں بلکہ یہ مفردات میں بھی ہوتا ہے اور جملوں میں بھی۔

جیسا کہ نحاۃ، مفسرین، اصولیین اور فقہاء کے آئمہ نے اس کی تصریح فرمائی مثلاً فراء، ابوحیان، بیضاوی اور بخاری رحمہم اللہ کے شارحین وغیرہم۔

اس آیت کریمہ میں ''عطف الخاص علی العام''

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ.

(آل عمران: آیت: 104)

ترجمہ: تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو بھلائی کی طرف بلائے اور نیک کاموں کا حکم کرے اور برے کاموں سے روکے۔

علامہ بیضاوی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس میں ''دعوت الی الخیر'' عام ہے خواہ وہ اصلاح دینی کی طرف ہو یا اصلاح دنیوی کی طرف، اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا دعوت الی الخیر پر عطف اللہ تعالیٰ کے فضل کی خبر دینے کے لئے اور یہ عطف الخاص علی العام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ.

(سورۃ البقرۃ: آیت: 277)

ترجمہ: بے شک وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے اور نماز قائم کی اور زکوٰۃ دی۔

علامہ بیضاوی رحمہ اللہ نے فرمایا اس آیت میں اقامت الصلوٰۃ اور ایتاء زکوٰۃ کا اعمال صالحہ وغیرہ پر عطف ان کی فوقیت کے اظہار کے لئے ہے اور یہ عطف الخاص علی العام ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَ يَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ.

(سورۃ البقرۃ: آیت: 39)

ترجمہ: وہ تم پر عذاب کرتے تھے اور تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ رکھتے۔

اس آیت کریمہ میں بھی عطف الخاص علی العام ہے۔ جیسا کہ فراء نے اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور ابوحیان رحمہ اللہ نے اس کو تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں: کہ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ یہاں پر واو زائد ہے کیونکہ سورہ بقرہ میں محذوف ہے اور ان کا یہ قول باطل ہے۔ (اس سے ثابت ہوتا ہے فراء اور ابن حیان رحمہما اللہ نے یہاں عطف تسلیم کیا ہے) اور علامہ بیضاوی رحمہ اللہ کی تصریح کے مطابق اس آیت کریمہ میں بھی عطف الخاص علی العام ہے۔

وَ يُزَكِّيْكُمْ وَ يُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ.

(سورۃ البقرۃ، آیت: 151)

ترجمہ: اور تمہیں پاک کرتا ہے اور تمہیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے۔ اور تمہیں وہ تعلیم فرماتا ہے جس کا تمہیں علم نہ تھا۔

اور اس آیت کریمہ میں بھی عطف الخاص علی العام ہے:

أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ.

(سورۃ البقرۃ: آیت:30)

ترجمہ: کیا ایسے کو نائب کرے گا جو اس میں فساد پھیلائے گا اور خون ریزیاں کرے گا۔؟

اس میں بھی عطف الخاص علی العام ہے جیسا کہ ابوحیان رحمہ اللہ نے خون ریزی کو فساد کی ایک نوع قرار دے کر اس طرف اشارہ فرمایا ہے۔ اور انہوں نے جو یہ فرمایا ہے کہ "یُفْسِدُ" میں کوئی عموم نہیں فساد کے بعد "سَفْکُ الدِّمَاءِ" کے ذکر کی کیا ضرورت تھی اس ضرورت کی وجہ بیان کرنے کے لئے یہ فرمایا ہے اور یہ بات عطف الخاص علی العام کے مانع نہیں کیونکہ انہوں نے اس کی دوسری جگہ تصریح فرمائی ہے۔

نحاۃ کے ہاں عام، اہل اصول کے عام سے زیادہ عام ہوتا ہے۔

نیز نحاۃ کے نزدیک عام وخاص سے مراد وہ عام وخاص نہیں ہوتے جن کی بحث فن اصول میں کی جاتی ہے بلکہ ان کے نزدیک خاص عام میں داخل ہوتا ہے اگرچہ بطریق بدل کیوں نہ ہو۔ لیکن بطریق شمول عام میں داخل نہیں ہوتا پس نحاۃ کے نزدیک جو عام ہے وہ اہل اصول کے مطلق کو شامل ہے۔ اور علامہ بیضاوی رحمہ اللہ نے اس آیت میں فساد کی تفسیر شرک کی ہے لیکن ان کی تفسیر غیر مشہور ہے اس لئے اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

اور اس آیت کریمہ میں بھی ابوحیان رحمہ اللہ کی تصریح کے مطابق عطف الخاص علی العام ہے:

إِنِّي أَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَأَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ.

(سورۃ البقرۃ: آیت:33)

ترجمہ: میں جانتا ہوں آسمانوں اور زمین کی سب سے چھپی چیزیں اور میں جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو۔

آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے "اعلم" صیغہ فعل کو اختیار فرمایا ہے۔ تاکہ اسکا معمول پہلے جملہ کے تحت داخل نہ ہو بلکہ یہ مستقل ایسے عامل کا معمول بن جائے جو پہلے عامل کے سوا ہے۔ اور یہ خبر کی اہمیت کی دلیل ہے۔

مفسرین کی ایک جماعت نے غیب السمٰوٰت اور غیب الارض کی جو تفسیر کی ہے وہ بھی اس کی تائید کرتی ہے چنانچہ انکی تفسیر کے مطابق آسمانوں کے غیب سے مراد مخلوق کے وہ امور ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمادیا ہے اور زمین کے غیب سے مراد مخلوق کے وہ افعال واعمال ہیں جو اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے بعد انہوں نے انجام دیئے ہیں۔

پس اس اعتبار سے مخلوق نے جن افعال کو ظاہر کیا یا جن افعال کو پوشیدہ رکھا وہ من جملہ ان افعال میں سے ہیں جو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کے بعد انجام دیئے ہیں۔

اور ابو حیان رحمہ اللہ کے قول کے مطابق اس آیت کریمہ میں بھی عطف الخاص علی العام ہے:

وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ ارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِیْنَ. (سورۃ البقرۃ: آیت: 43)

ترجمہ: اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔

چنانچہ ابو حیان اس کے تحت فرماتے ہیں: ممکن ہے کہ یہاں رکوع سے مراد نماز کا رکوع ہو جس کا انہیں حکم دیا گیا ہے۔ اگرچہ جس نماز کا ان کو حکم دیا گیا ہے اس میں رکوع داخل ہے۔ ایک قول کے مطابق سابقہ امتوں کی نماز میں رکوع نہیں تھا اس لئے یہ بتانے کے لئے دوبارہ رکوع کا ذکر فرمایا گیا کہ رکوع اس امت کی نماز کی خصوصیات میں سے ہے۔ اور ابو حیان رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہاں یہ احتمال بھی ہے کہ رکوع سے مراد انقیاد وخضوع ہو۔ پس اس صورت میں یہ عطف العام علی الخاص کے قبیل سے ہوگا۔ اور

اَلَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِیْثَاقِهٖ وَ یَقْطَعُوْنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ یُّوْصَلَ وَ یُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ. (سورۃ البقرۃ: آیت: 27)

ترجمہ: وہ جو اللہ کے عہد کو توڑ دیتے ہیں پکا ہونے کے بعد اور کاٹتے ہیں اس چیز کو جس کے جوڑنے کا خدا نے حکم دیا ہے اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں۔

علامہ بیضاوی رحمہ اللہ نے اس آیت کی جو تفسیر فرمائی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا آخری جملہ عطف الخاص علی العام کے قبیل سے ہے۔ کیونکہ انہوں نے ماقبل کے جملوں کی جو تفسیر کی ہے وہ اس کو بھی اور اس کے علاوہ کو بھی شامل ہے۔ اور ابو حیان رحمہ اللہ نے علامہ بیضاوی رحمہ اللہ کی مخالفت کرتے ہوئے اس کو عطف العام علی الخاص کے قبیل سے قرار دیا ہے۔

اِصْبِرُوْا وَ صَابِرُوْا. (آل عمران: آیت: 200)

ترجمہ: صبر کرو اور صبر میں دشمنوں سے آگے رہو۔

علامہ بیضاوی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اِصْبِرُوْا کا مطلب یہ ہے کہ تم طاعات کی مشقتوں اور اپنے کو پہنچنے والے شدائد پر صبر کرو اور "صَابِرُوْا" کا مطلب ہے کہ جہاد کی سختیوں پر صبر کے سبب اللہ تعالیٰ کے دشمنوں پر غلبہ پاؤ اور اس کے بعد علامہ بیضاوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مطلقاً صبر کا حکم دینے کے بعد جہاد کی سختیوں پر صبر کی تخصیص اس کی شدت کی وجہ فرمائی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں بھی عطف الخاص علی العام ہے:

فَلْیَتَّقُوا اللّٰهَ وَ لْیَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا. (سورۃ النساء: آیت: 9)

ترجمہ: تو چاہیے کہ اللہ سے ڈریں اور سیدھی بات کریں۔

اس آیت میں ثانی یعنی قول سدید من جملہ اول یعنی تقویٰ میں سے ہے۔اور اس آیت میں بھی علامہ بیضاوی رحمہ اللہ نے عطف کو عطف العام علی الخاص قرار دیا ہے:

نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَ اَنْزَلَ التَّوْرٰةَ وَ الْاِنْجِيْلَ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ اَنْزَلَ الْفُرْقَانَ . (آل عمران: آیت:4)

ترجمہ: اس نے تم پر یہ سچی کتاب اتاری اگلی کتابوں کی تصدیق فرمائی۔اور اس نے اس سے پہلے تورات اور انجیل اتاری لوگوں کو راہ دکھائی اور فیصلہ اتارا۔

علامہ بیضاوی اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں: فرقان کا ذکر تینوں کتابوں کے ذکر کے بعد اس لئے فرمایا تاکہ وہ ان تینوں کے علاوہ کو بھی شامل ہو جائے۔گویا کہ یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان تمام کتابوں کو نازل فرمایا ہے جو حق و باطل کے درمیان تفریق کرتی ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث جبریل میں یہ الفاظ روایت کئے ہیں کہ جبریل علیہ السلام نے بارگاہِ نبوت میں عرض کی:

اَخْبِرْنِیْ عَنِ الْاِسْلَامِ قَالَ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَ تُقِيْمَ الصَّلٰوةَ وَ تُؤْتِيَ الزَّكٰوةَ وَ تَصُوْمَ رَمَضَانَ .

یارسول اللہ! مجھے اسلام کے بارے میں بتایئے تو آپ نے فرمایا اسلام یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی طرف عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ اور نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو۔

علامہ عینی رحمہ اللہ نے اس کی شرح میں فرمایا ہے کہ:

تُقِيْمُ الصَّلٰوةَ الخ میں عطف، عطف الخاص علی العام سے تعلق رکھتا ہے اور اسی کی مثل شیخین کی یہ مروی حدیث ہے:

اَنَّ رَجُلًا قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ دُلَّنِيْ عَلٰى عَمَلٍ اِذَا عَمِلْتُهٗ دَخَلْتُ الْجَنَّةَ قَالَ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ وَ لَا تُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَ تُقِيْمَ الصَّلٰوةَ الْمَكْتُوْبَةَ وَ تُؤَدِّيَ الزَّكٰوةَ الْمَفْرُوْضَةَ وَ تَصُوْمَ رَمَضَانَ . الخ

ترجمہ: ایک شخص نے عرض کی یارسول اللہ! مجھے ایسا عمل بتائیں کہ میں اس پر عمل کروں تو جنت میں داخل ہو جاؤں۔تو آپ نے فرمایا تم اللہ کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور فرض نماز قائم کرو اور فرض زکوۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو۔

امام بخاری رحمہ اللہ وغیرہ محدثین نے منافق کی خصلتوں کے بارے میں روایت کیا ہے کہ:

إِذَا أُؤْتُمِنَ خَانَ وَ إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَ إِذَا عَاهَدَ غَدَرَ وَ إِذَا خَاصَمَ فَجَرَ.

ترجمہ: جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرتا ہے۔ اور جب بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے اور جب معاہدہ کرتا ہے توڑتا ہے اور جب جھگڑتا ہے تو فجور پر اتر آتا ہے۔

(صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب علامۃ المنافق، رقم الحدیث: 34، ج: 1 ص: 16 مطبوعہ ایضا)

علامہ عینی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: إِذَا عَاهَدَ غَدَرَ، إِذَا أُؤْتُمِنَ خَانَ، إِذَا خَاصَمَ فَجَرَ، إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ کے تحت داخل ہے۔ امام ترمذی نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

صَلُّوا خَمْسَكُمْ وَ صُومُوا شَهْرَكُمْ وَ أَطِيعُوا مَا أَمَرَكُمْ بِهِ تَدْخُلُوا جَنَّةَ رَبِّكُمْ.

ترجمہ: پنجگانہ نمازیں ادا کرو اور ماہِ رمضان کے روزے رکھو اور جس کا میں حکم دیتا ہوں اس کی اطاعت کرو تو اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

(صحیح ابن خزیمہ، کتاب الزکوۃ، باب ذکر دلیل آخر اخراج، رقم الحدیث: 3357، ج: 3 ص: 1078 مطبوعہ: المکتب الاسلامی بیروت)

یہ بھی عطف العام علی الخاص سے ہے۔ عطف الخاص علی العام اور عطف العام علی الخاص دونوں قسموں کی بہت زیادہ مثالیں موجود ہیں۔ اس وقت ہمیں جو میسر ہوئیں ہیں مذکورہ مسئلہ کی توضیح کے لئے کافی ہیں۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب

اس کے بعد بعض اہل نزاع نے مصنف رحمہ اللہ کی طرف ایک اور اعتراض لکھ کر بھیجا وہ اعتراض اور مصنف رحمہ اللہ کا جواب درج ذیل ہیں۔

اعتراض...... آپ نے اپنے جواب میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت ابن الصلاح رحمہ اللہ وغیرہ علماء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ کتاب کے نسخوں کی کثرت کبھی متواتر کے قائم مقام ہوتی ہے اور کبھی مشہور کے، اور یہ بات واضح ہے کہ تواتر خواہ معنوی ہی کیوں نہ ہو یقین کا فائدہ دیتا ہے اور اہل اصول نے اس بات میں اختلاف کیا ہے کہ کون سا عدد تواتر کا افادہ کرتا ہے۔ ہمیں اس حدیث میں حرف واو جن کتابوں میں ملی ہے ان کتب کا مجموعہ تواتر کی تعریف میں جتنے بھی اقوال ہیں ان میں سب سے بلند واعلیٰ قول کے قریب ہے۔ جب یہ بات ثابت ہوئی تو اسی سے یہ بات بھی واضح ہوئی کہ واو والی روایت ایسا یقینی امر ہے کہ جس میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ اس کے بعد اس بارے میں بحث کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ (انتہیٰ)

اور یہ بات طے شدہ ہے کہ جو تواتر یقین کا فائدہ دیتا ہے وہ، وہ تواتر ہوتا ہے جو ہر طبقہ میں متواتر ہوتا ہے صرف تواتر کا احتمال اور اس کا ظن کافی نہیں ہوتا کیونکہ مشکوک ومظنون سے یقین وقطعیت کا نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔ لہذا ابن

صلاح رحمہ اللہ کے اس قول (کہ نسخوں کی کثرت تواتر کے قائم مقام ہوتی ہے) کو نسخوں کی اس کثرت پر محمول کرنا واجب ہے جس کے تمام طبقات میں کثرت ہے یا ان کی گفتگو اس چیز میں ہے جس کا صرف ایک ہی طبقہ ہے ورنہ اگر طبقات متعدد ہوں اور بعض طبقات میں کثرت مقصود ہو تو اس کو علم یقین کے افادہ میں متواتر کے قائم مقام تسلیم کرنے کی کوئی وجہ نہیں بنتی۔ کیونکہ خود نفسِ متواتر کے بعض طبقات میں اگر تواتر مفقود ہوتا ہے تو وہ بھی علم یقین کا فائدہ نہیں دیتا چہ جائے کہ اس حالت میں کثرت یقین کا فائدہ دے۔

اور یہ واضح ہے کہ واؤ کے ساتھ مروی جملہ تمام طبقات میں موجود نہیں اور اس کے ایک طبقہ کی کثرت سے باقی طبقات کی کثرت لازم نہیں آتی کیونکہ ممکن ہے کہ بعض وہ طبقات جو اس سے پہلے ہیں وہ اُس کثرت تک نہ پہنچے جو متواتر کے قائم مقام ہوتی ہے اور مجرد احتمال یا ظن اگر فرض کیا جائے وہ کافی نہ ہوگا۔ لہذا باقی طبقات میں کثرت کا اثبات یا اس بات کا اثبات ضروری ہے کہ ان تمام کتابوں نے مسلم سے حاصل کیا ہے صرف کثرت کا دعویٰ کافی نہیں ہوگا اور نہ ہی یہ دعویٰ ہوگا کہ ہمیں یقین حاصل ہوگیا ہے۔ اور یقین کا حصول اس بات کی علامت ہے کہ کثرت ہر طبقہ میں موجود ہے۔ کیونکہ کثرت کے واسطہ سے حاصل ہونے والا یقین اس چیز کے ساتھ خاص نہیں کہ اس کی بنیاد پر علم یقین کا حصول تواتر کی دلیل بن جائے۔ اور آپ کے جواب میں جو کچھ مذکور ہے وہ اس کے برعکس ہے نیز تمہارا یہ دعویٰ ایسے مدمقابل کے ساتھ ہے جو مانع ہے پس آپ کا یہ قول ممنوع اور ناقابل تسلیم ہے۔ کہ جب یہ بات ثابت ہوگئی تو اس سے واضح ہوا کہ واؤ والی روایت ہی ایسا یقینی امر ہے جس میں کوئی شک وشبہ نہیں لہذا اس کے بعد بحث کی ضرورت نہیں۔ اس کا آپ کی طرف سے کیا جواب ہے؟

جواب...... محدثین کرام نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ یہ کتابیں ان کے مؤلفین سے تواتر کے ساتھ نقل کی گئی ہیں اور یہ تواتر تمام طبقات میں ہمارے اس زمانے تک جاری ہے۔ اور نبی کریم ﷺ کی طرف ان کی نسبت میں ہم یقین کا دعویٰ نہیں کرتے بلکہ امام مسلم رحمہ اللہ کی طرف اس کی نسبت میں یقین کا دعویٰ کررہے ہیں اور یہ ایسی چیز ہے جس میں کوئی شبہ نہیں۔ کیونکہ ہم نے ان میں جس کتاب کو بھی دیکھا ہے اس کے ساتھ امام مسلم کے بعد والے طبقہ میں مکمل کثرت ہے اور اس طبقہ کے بعد جو طبقہ ہے اس میں بھی اسی طرح کی کثرت ہے اور وہ اسی طرح تمام طبقات میں کثرت موجود ہے۔ مسلم کا نسخہ مثلاً کتاب الام اور المنہاج کے نسخوں کی مانند ہے اور ان کے بارے میں کسی کو یہ کہنے کی گنجائش نہیں کہ ان کی اپنے مؤلفین کی طرف نسبت ظنی ہے بلکہ محدثین کی ایک جماعت اس بات کی قائل ہے کہ صحیحین میں موجود تمام احادیث جو معتبر تعقیب سے محفوظ وسالم ہیں ان کی نبی کریم ﷺ کی طرف نسبت یقینی ہے۔ اور انہوں نے اس کی توجیہ کی ہے۔ اس کا جواب دینے میں تکلف کی زیادہ ضرورت ہے۔ اور ان محدثین نے یہ تصریح بھی فرمائی ہے کہ کبھی ایک گروہ کے لئے تواتر حاصل ہوتا ہے اور دوسرے کے لئے ظن ہوتا ہے اور ہم اس گروہ سے

تعلق رکھتے ہیں جن کو اس تواتر سے یقینی علم حاصل ہو چکا ہے۔اور اس سے یہ لازم نہیں کہ اس کا حصول ہمارے علاوہ ان لوگوں کو بھی ہو جنہوں نے اس طرح تحقیق نہیں کی جس طرح ہم نے تحقیق کی ہے اور اگر کوئی اس طرح تحقیق کرتا تو اسے بھی یہ علم حاصل ہو جاتا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب

اس جواب کے بعد ان بعض معترضین نے مصنف رحمہ اللہ کو ایک اور اعتراض لکھ کر بھیجا مصنف رحمہ اللہ نے اس کا جواب بھی دیا ہے۔وہ اعتراض اور جواب درج ذیل ہیں۔

اعتراض......نزاع صرف فاء کی صحت میں ہے اور واؤ اور فاء کے درمیان ترجیح میں کوئی نزاع نہیں۔فقیر نے جب فاء کی صحت کا دعویٰ کیا تو مستفتی نے کہا کہ اس میں تکلف ہے۔فقیر نے اس کو جواب میں کہا کہ ہم اس میں تکلف کو تسلیم نہیں کرتے،تکلف ہے تو اس کی وجہ بتائیں۔تو اس نے کہا تکلف بدیہی ہے وجہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔فقیر نے اس کو کہا تمہارا اس کو بدیہی کہنا باطل ہے۔مجلس میں اتنی بات ہوتی ہے جس پر ثقہ عادل لوگوں کی شہادت موجود ہے۔ اور یہ بات مخفی نہیں کہ فقیر مجیب ہے اور مجیب کے لئے احتمال ہی کافی ہے اور اس کے لئے منع ہی بس کرتی ہے برخلاف بطلان فاء کے مدعی کے کہ وہ مستدل ہے پس اس کے لئے ایسی قطعی دلیل پیش کرنے کی ضرورت ہے جو صحتِ احتمال کی مانع ہو۔جیسا کہ اپنے محل میں یہ طے شدہ اصول ہے۔

فقیر کے موقف کا خلاصہ یہ ہے کہ اس حدیث میں عدم صحت فاء کو ہم تسلیم نہیں کرتے اور ہم اس بات کو بھی تسلیم نہیں کرتے کہ یہاں پر عطف کا عطف الخاص علی العام متعین ہے۔اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب احسان سے ایسا مفہوم مراد ہوتا جو ان امور کو شامل ہوتا۔چھری تیز کرنے اور چھری کو جانور کے گلے میں تیزی کے ساتھ پھیرنے اور جانور کو تڑپنے کے لئے اس کے پاؤں کھولنے وغیرہ ان امور کو شامل ہوتا جن کو علماء نے احسان کے معنی کے تحت ذکر کیا ہے اور اراحت سے مراد ایسا مفہوم ہوتا جو ان میں سے صرف بعض امور کو شامل ہوتا اور "ولیحد" اور اسکا مابعد "احسنوا" کے قول پر معطوف ہوتا۔اور ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ ان امور میں سے کوئی چیز متعین ہے۔اس مشکل سے نجات دینے والی دوسری وجوہ جائز کیوں نہیں؟ درج ذیل ایسی وجوہ ہیں جو اس مشکل سے نجات دینے والی ہیں۔

1......اس کا عطف "احسنوا" پر ہو اور احسانِ ذبح سے مراد ذبح کرنے میں ایسا اچھا طریقہ اختیار کیا جائے جو احسن طریقہ سے ذبح کرنے کے ساتھ چھری کو تیز کرنے اور چھری کو تیز پھیرنے وغیرہ مذکورہ تمام امور کو شامل ہو جائے۔اور اراحت کو صرف چھری تیز کرنے اور اسے تیزی کے ساتھ گلے پر پھیرنے سے عبارت قرار دیا جائے۔اور اس میں کوئی شک نہیں کہ احسان اور اراحت ان مذکورہ معنوں میں متباین ہیں کیونکہ مذکورہ ذبح چھری کی تحدید اور اس کو جلدی گلے میں پھیرنے کو شامل نہیں اگرچہ ان کا حصول اس کے ساتھ

ہو جاتا ہے۔ اور اسی طرح اگر اراحت کو راحت کے معنی میں لیا جائے یعنی ذبیحہ عذاب سے آرام پالے یا
اس کی مثل کسی اور معنی میں لیا جائے تو اراحت کا معنی احسان کے مذکورہ معنی کے مباین ہو جائے گا۔
خلاصۂ کلام یہ کہ احسان اور اراحت کو مذکورہ دونوں معنوں میں محمول کرنا درست ہے اور اسی وجہ سے یہ
دونوں آپس میں متبائن ہیں۔ پس ان میں سے ایک دوسرے پر فاء کے ساتھ عطف صحیح ہے۔ اور یہ عطف
الخاص علی العام نہیں۔ اگر چہ ان کو ایسے معنی پر محمول کرنا ممکن ہے جو ان کے درمیان عموم وخصوص کا متقضی
ہے لیکن یہ امکان فساد فاء کے حکم کا موجب نہیں کیونکہ ان کا اس معنی کے علاوہ دوسرے معنی پر ہی حمل ممکن
ہے اور بعض حضرات نے ان کی تفسیر اگر چہ ایسے معنی کے ساتھ کی ہے جو ان کے درمیان عموم وخصوص کی
متقضی ہے۔ لیکن یہ تفسیر دوسری تفسیر کے فساد کی موجب نہیں کیونکہ یہ الفاظ دوسری تفسیر کو بھی قبول کرتے ہیں
اور اس کا احتمال رکھتے ہیں اور ہم مقام منع میں ہیں غیر کی تفسیر کے ساتھ استدلال کافی نہیں بلکہ اس معنی کے
عدم امکان اور لفظ کو اس پر محمول کرنی کی عدم صحت پر دلیل ضروری ہے۔

2 ...... ولیحد، میں واؤ کو عطف کے بجائے استیناف کے لئے قرار دیا جائے جیسا کہ بعض حضرات نے اس آیت
کریمہ میں واؤ کو عاطفہ کی بجائے استینافیہ قرار دیا ہے۔

لِنُبَيِّنَ لَكُمْ وَ نُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ. (سورۃ الحج: آیت:5)

ترجمہ: تاکہ تمہارے لئے اپنی نشانیاں ظاہر فرمائیں اور ہم ٹھہرائے رکھتے ہیں ماؤں کے پیٹ میں۔
اور "فلیرح" کا "ولیحد" پر عطف ہو۔ لیکن اس صورت میں اراحت کی تفسیر چھری تیز کرتے اور اسے
جلدی پھیرنے وغیرہ کے ساتھ نہ کی جائے کیونکہ یہ "عطف الخاص علی العام" بن جاتا ہے جو کہ ممنوع ہے
بلکہ اس کی تفسیر کسی اور معنی کے ساتھ کی جائے جو ان مذکورہ امور کے ساتھ مختص ہو جاتا ہو۔ مثلاً اراحت
کی تفسیر راحت کے ساتھ کی جائے تو اس صورت میں عطف "عطف الخاص علی العام" اور عطف العام علی
الخاص نہ بنے گا۔ کیونکہ اراحت کی تفسیر راحت کے ساتھ کی جائے تو تحدید (چھری تیز کرنے) وغیرہ امور
پر یہ صادق نہیں آئے گی اگر چہ یہ امور اس کے ساتھ متحقق ہو جائے گے۔
اور اس توجیہ کے خلاف یہ دعویٰ درست نہ ہوگا کہ استیناف تو اخبار میں ہوتا ہے انشاء کے ساتھ اس کا کوئی
تعلق نہیں۔ مذکورہ الفاظ انشاء کے ہیں۔ اس دعویٰ پر دلیل کا ہونا ضروری ہے کیونکہ اہل فن نے واو کو مطلقاً
استیناف کے لئے قرار دیا ہے۔ پس اس کو اپنے ظاہر سے بغیر کسی دلیل کے پھیرنا مناسب نہ ہوگا۔

3 ...... "ولیحد" کا عطف صرف "احسنوا" پر نہیں بلکہ قضیہ شرطیہ کے مجموعہ پر ہے۔ یعنی: اِذَا ذَبَحْتُمْ
فَاَحْسِنُوْا الذِّبْحَةَ" کے پورے جملہ شرطیہ پر اس کا عطف ہے کیونکہ کلام (مکمل جملہ) قضیہ شرطیہ
کا مجموعہ ہے اور اس کا مضمون شرط کے لئے جزاء کے لزوم کا حکم ہے۔ اسی کو میر سید وغیرہ علماء نے درست

قرار دیا ہے اور یہی مناطقہ کا مذہب ہے اور ابن ہشام وغیرہ علماء کا یہ قول بھی اسی کے موافق ہے کہ کلام کبھی دو جملوں سے مرکب ہوتا ہے اور اس کی مثال انہوں نے جملہ شرطیہ سے دی ہے اور علامہ شیخ سعد الدین تفتازانی رحمہ اللہ کا موقف ہے کہ جملہ شرطیہ میں صرف جزاء کلام ہوتی ہے اور شرط اس کی قید اور اس سے خارج ہوتی ہے۔ میر سید شریف رحمہ اللہ نے علامہ تفتازانی رحمہ اللہ کے اس موقف کی تردید فرمائی ہے۔ لہذا مذکورہ حدیث پاک میں جب عطف قضیہ شرطیہ کے مجموعہ پر ہوگا تو یہ عطف الخاص علی العام نہیں بنے گا کیونکہ قضیہ شرطیہ کا مضمون مذکورہ معطوفات کو شامل نہیں ہوگا۔ جیسا کہ ظاہر ہے البتہ اس صورت میں زیادہ سے زیادہ یہ اعتراض پیدا ہوگا کہ اس طرح عطف للانشاء علی الخبر لازم آتا ہے اور اس کا جواب یہ ہے کہ یہ عطف صحت کے مانع نہیں کیونکہ بہت سارے اہل فن نے عطف الانشاء علی الاخبار کو جائز قرار دیا ہے اور ابو حیان رحمہ اللہ وغیرہ علماء نے اس کی تصویب فرمائی ہے۔

کشاف پر علامہ تفتازانی رحمہ اللہ کے حاشیہ میں ہے کہ بہت سارے علماء کے کلام میں عطف الانشاء علی الخبر واقع ہے۔ علامہ تفتازانی رحمہ اللہ نے مطول میں هُوَ حَسْبِیْ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ کے تحت جو ذکر کیا ہے وہ ان کے اس مذکورہ قول کے منافی نہیں کیونکہ اس مقام میں ان کا مقصود اعتراض کرنا نہیں بلکہ تحقیق مقام ہے جیسا کہ انہوں نے خود مطول پر لکھے ہوئے اپنے حاشیہ میں اس کی تصریح کی ہے۔ اس لئے علماء نے میر سید جرجانی رحمہ اللہ پر رد کیا ہے انہوں نے علامہ تفتازانی رحمہ اللہ کے کلام کو اعتراض پر محمول کیا ہے۔ اور میر سید جرجانی رحمہ اللہ پر اعتراض کیا گیا ہے کہ انہوں نے بغیر کسی ضرورت کے قائل کے کلام کو اس کی خلاف مراد پر محمول کیا ہے۔ اور عطف الانشاء علی الخبر لازم آنے کا جواب بھی دیا جا سکتا ہے کہ یہاں پر عطف الانشاء علی الخبر نہیں بلکہ یہ عطف القصۃ علی القصۃ ہے جیسا کہ هُوَ حَسْبِیْ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ میں ایک قول کے مطابق عطف القصۃ علی القصۃ ہے۔ اور اگر اس پر یہ اعتراض کیا جائے کہ عطف قصہ علی قصہ کے لئے معطوف اور معطوف علیہ میں متعدد جملوں کا ہونا شرط ہے تو ہم اس کا جواب یہ دیں گے کہ آپ کے اس اعتراض کو تسلیم کرنے کے باوجود یہ اعتراض اس مقام پر وارد نہیں ہو سکتا کیونکہ علماء نے اس سے بھی کئی درجہ ادنی بے شمار مقامات میں اس کی صحت کو قبول کیا ہے۔

رضا کی آنکھ ہر عیب سے اندھی ہوتی ہے لیکن ناراضگی کی آنکھ برائیاں تلاش کرتی ہے

اور آپ نے خود اپنے گزشتہ جواب میں سوال وجواب کی صورت میں اس بات کا اعتراف فرمایا ہے چنانچہ آپ کا وہ سوال وجواب یہ ہے۔

سوال ...... فاء اگر مجرد عطف کے لئے ہو تو کیا فاء کے ساتھ عطف صحیح ہوگا؟ اس کے مجرد عطف کے لئے ہونے کی دلیل سعید بن منصور رحمہ اللہ کی وہ روایت ہے جس میں ثُمَّ کے ساتھ عطف ہے۔

جواب دونوں روایتوں میں فرق واضح ہے کیونکہ سعید بن منصور رحمہ اللہ کی روایت میں احسان عام کا حکم نہیں تا کہ امر بالحد اور امر بالاراحت کا عطف، عطف الخاص علی العام میں سے ہو جائے۔ اس روایت میں تو صرف امر بالحد سے آغاز ہے اور اس کے بعد اراحت کا حکم ہے اس صورت میں ثُــمَّ کے ساتھ عطف میں کوئی امتناع نہیں پایا جاتا۔ کیونکہ یہ عطف الخاص علی العام نہیں بنتا برخلاف مسلم کی روایت کے، اس میں پہلے امر بالاحسان ہے جو کہ عام ہے اس کے بعد اس کے بعض اجزاء یعنی امر بالحد اور امر بالاراحت کو اس پر عطف کیا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے اس میں فاء کا ہونا ممنوع ہے کیونکہ یہ طے شدہ اصول ہے کہ عطف الخاص علی العام صرف اور صرف واؤ اور حرف ''حتیٰ'' کے ساتھ ہوتا ہے۔ ان کے سوا کسی دوسرے حرف کے ساتھ عطف نہیں ہو سکتا۔ اس پر غور کیجئے کیونکہ یہ اہم چیز ہے۔ (انتہیٰ)

آپ کے اس سوال وجواب میں دو باتیں ہیں ایک تو یہ کہ سوال میں جو کچھ مذکور ہے وہ اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ حرف فاء اگر مجرد عطف کے لئے ہو تو پھر عطف الخاص علی العام جائز ہے حالانکہ اہل فن نے مطلقاً عطف الخاص علی العام میں فاء کے ساتھ عطف کو ناجائز قرار دیا ہے اگر ان کے کلام میں عطف الخاص علی العام میں فاء کے ساتھ عطف ممتنع ہونے میں کوئی قید ہے تو آپ اسکا افادہ فرما دیں تو کوئی حرج نہ ہوگا؟

اور دوسری بات یہ ہے کہ سعید بن منصور رحمہ اللہ کی روایت احسان عام کا امر نہیں بلکہ اس میں پہلے امر بالحد ہے اور اس کے بعد امر بالاراحت ہے لیکن اراحت حد سے عام ہے پس اس میں عطف العام علی الخاص لازم آتا ہے۔ اور عطف العام علی الخاص بھی عطف الخاص علی العام کی طرح ممتنع ہے بلکہ یہ عطف واو کی خصوصیات میں سے ہے۔ اور آپ کا یہ فرمانا کہ اس صورت میں ثُــمَّ کے ساتھ عطف لانے میں کوئی امتناع نہیں۔ کیونکہ یہ عطف الخاص علی العام میں سے نہیں تو اس کے جواب میں یہ کہا جائے گا کہ بے شک یہ عطف الخاص علی العام نہیں لیکن عطف العام علی الخاص تو ہے۔ اور مذکورہ دونوں قسم کے عطف ثم اور فاء کے ساتھ ممتنع ہونے میں برابر ہیں یعنی عطف الخاص علی العام اور عطف العام علی الخاص ثم اور فاء کے ساتھ ممتنع ہیں۔

اور اگر آپ اس کے جواب میں یہ فرمائیں کہ اراحت تحدید کو شامل نہیں یعنی آپ اراحت کی کوئی ایسی تفسیر کریں جو تحدید کو شامل نہیں ہوتی تو پھر یہ ہماری دلیل بن جائے گی اور ہمارے خلاف دلیل نہیں بنے گی کیونکہ ہم کہیں گے کہ ''ولیحد'' میں واؤ استیناف کے لئے ہے اور ''فلیرح'' ''ولیحد'' پر عطف ہے۔ اور اس میں کوئی خرابی لازم نہیں آتی۔ کیونکہ یہ نہ عطف الخاص علی العام ہے اور نہ ہی عطف العام علی الخاص ہے۔ بلکہ آپ کے قول پر قیاس کرتے ہوئے ہمارے لئے یہ جائز ہے کہ ہم احسان کی ایسی تفسیر کریں جو اراحت کو شامل ہی نہ ہوتی ہو۔ تو پس جب احسان اراحت کو شامل نہیں ہوگا تو پھر عطف الخاص علی العام لازم نہیں آئے گا۔ اس لحاظ سے عطف الخاص علی العام کے لزوم

کے بغیر اراحت کا احسان پر عطف صحیح ہوگا۔

جواب......اس سے قبل ہم نے جو جواب دیا ہے اس وقت ہم اس کے درپے نہیں اور نہ ہی اس کی طرف التفات کی ضرورت ہے ہم اس وقت معترض نے شعر کے ساتھ جس چیز کی طرف اشارہ کیا ہے بحمداللہ اس سے سلامتی کے ساتھ اس واقعہ میں حق کو بیان کرنے کے درپے ہیں۔اور اس میں حق یہ ہے کہ یہاں دو متعارض دعوے ہیں پہلا بطلان کا دعویٰ ہے دوسرا صحت کا دعویٰ ہے اور صحت کے دعویٰ پر وہ دلیل قائم کی گئی ہے جس کی طرف جواب دیا گیا کہ یہ مکلف ہے۔اس واقعہ میں درحقیقت آپ مستدل ہیں اور آپ کے مدمقابل نے آپ سے پہلے دعویٰ کیا ہے لیکن اس نے اپنے دعویٰ پر کوئی دلیل پیش نہیں کی۔

آپ نے اپنے مدمقال کے بعد دعویٰ کیا ہے جس سے یہ شبہ پیدا ہوگیا کہ آپ نے اپنے مدمقابل کے مدعی ہونے کا منصب غصب کیا ہے جس کے نتیجہ میں آپ مجیب نہیں رہے بلکہ مدعی بن چکے ہیں۔اس لئے آپ کے لئے منع کافی نہیں بلکہ آپ کے لئے دلیل پیش کرنی چاہیے۔بہرحال آپ نے مناطقہ کی جو اصطلاح پیش کی ہے وہ اس قسم کی مباحث میں مفید نہیں ہوتی ہیں۔جیسا کہ آئمہ کی نصوص،استدلالات اس کے ساتھ لبریز ہیں۔اس قسم کی اصطلاحات،عقلیات اور ان کی مثل دیگر مباحث میں کارآمد ہوتی ہیں۔اور اگر ہم دلائل شرعیہ میں مجرد منع کو قبول کریں گے تو پھر ہمیں بہت بڑے نقصان کا سامنا کرنا پڑے گا کیونکہ ادلہ شرعیہ میں معاملہ کسی ایسی چیز پر منتہی نہیں ہوتا جس کی وجہ سے مانع کے فساد کو ختم کیا جاسکے برخلاف عقلیات کے کہ وہاں یہ معاملہ کسی نہ کسی ایسی چیز پر جاکر منتہی ہوجاتا ہے جس سے مانع کے فساد کو ختم کیا جاسکتا ہے اور اس کے بعد آپ نے چند تجویزات پیش کی ہیں۔انکا جواب یہ ہے اگر فاء کی روایت صحیح ہوتی تو ان تکلفات کی ضرورت پڑتی۔اور ہمیں مجبوراً ان تجویزات کو تسلیم کرنا پڑتا۔لیکن پہلے ہم اس روایت کے ورود کو فرض کریں اور اس کے بعد ان تکلفات کے ساتھ اس کے لئے حیلہ کریں۔ان کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں اور کسی شے کی مراد واضح ہونے کے بعد اس میں اختلاف کرنا متلاشیانِ علم کا طریقہ نہیں۔اور اس کے علاوہ علماء کرام نے جو اصول وضوابط بیان کئے ہیں ان کے بھی منافی ہے کہ ان کا بیان ہے کہ ہمارے نزدیک خاص کا عام پر اور عام کا خاص پر عطف ثابت نہیں کیونکہ ہر خاص وعام میں عام کو خاص کے بعض مخالف افراد پر حمل کرنا ممکن ہے جس کی وجہ سے عام وخاص کے درمیان تباین پایا جائے گا۔پس معلوم ہوا کہ مذکورہ حمل جائز نہیں ہوگا۔اور عام وخاص سے مراد وہ عام وخاص ہیں جن میں اہل لغت کے کلام میں لغوی لحاظ سے اور اہل شرع کے کلام میں شرعی لحاظ سے متبادر مدلول کا اعتبار ہے۔اور ہم جس کلام میں گفتگو کررہے ہیں وہ شارع ﷺ کا کلام ہے۔اور شارع کے کلام کو ہم لغوی،عرفی یا عقلی معنی پر محمول نہیں کرسکتے۔اس کو صرف شرعی معنی پر محمول کیا جائے گا اور احسان ذبح میں اہل شرع کی تصریح کے مطابق

شرعی معنی بلکہ ذبح اور اس کے مقدمات ولواحق کوشامل ہے۔اور شرعی معنی کے تعین میں اعتماد اہل شرع ہی پر ہے۔پس ہر ایک پر ان کے بیان کیے ہوئے معنی کوتسلیم کرنا واجب ہے۔اور جب آئمہ شرع کے نزدیک احسان کا شرعی معنی یہ ہے تو اس سے واضح ہوا کہ یہ عطف الخاص علی العام ہے۔نیز آپ کی تجویزات اس مقام میں کسی چیز کا فائدہ نہیں دے رہی ہیں۔کیونکہ انکے مقابلے میں جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے ان میں صرف بعض علماء کی تفسیر پر اعتماد نہیں کیا گیا بلکہ بعض علماء کی تفسیر کے علاوہ ان تجویزات کی منع پر مستقل دلیل بھی پیش کی گئی ہے۔

اور آپ کا یہ کہ احسانِ ذبح سے مراد ایسا معنی لیا جائے جو ایقاع ذبح کے ساتھ تحدید وغیرہ کو بھی شامل ہو۔آپ کے اس قول سے تحدید کا مامور بہ ہونا لازم آتا ہے ورنہ اس معیت کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔اس صورت میں "ولیحد" کا عطف۔عطف الخاص علی العام ہوگا اور یہی ہمارا مدعی ہے۔اور آپ کا یہ کہنا کہ اراحت کوراحت کے معنی میں قرار دیا جائے آپ کے اس قول سے "ولیرح" کا عطف "ولیحد" پر عطف عام علی خاص بن جائے گا کیونکہ اس معنی کے لحاظ سے ولیرح، ولیحد کی نسبت عام ہے۔اور عطف العام علی الخاص میں بھی عطف واؤ کے ساتھ خاص ہے۔پس جس چیز سے بچنا مقصود تھا اسی میں گرنا پڑا۔اگر ہم تحدید واراحت کے مندوب ہونے کی علت بیان کرنے میں آئمہ کے قول سے استدلال کرتے اور کہتے کہ اراحت وتحدید مندوب اس لئے ہیں کہ یہ دونوں چیزیں ذبح میں احسن طریقہ اختیار کرنے سے تعلق رکھتی ہیں اور ذبح میں احسن طریقہ اختیار کرنا مامور بہ ہے۔اتنی بات ہمارے لئے شاہد صادق اور کافی تھی۔

اور حدیث میں عطف الخاص علی العام ہونے پر منع اور آپ کے لئے مقام منع کو قبول نہیں کیا جائے گا کیونکہ یہ دونوں باتیں خلاف واقع ہیں۔آپ کا مقام، مقام استدلال اور آپ کے لئے یہ کہنا ہرگز مناسب نہیں ہوگا کہ آئمہ کی وہ تفسیر جو عموم وخصوص کی موجب ہے وہ میرے خلاف دلیل نہیں ہوسکتی۔

اس کے بعد مجھے سنت (حدیث) سے ایسی واضح دلیل مل گئی جو اس عطف کے عطف الخاص علی العام ہونے میں کسی نزاع کو قبول نہیں کرتی اور وہ حدیث سنن دارمی کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

حَفِظْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اِثْنَیْنِ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ کَتَبَ الْاِحْسَانَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ فَاِذَا قَتَلْتُمْ فَاَحْسِنُوْا الْقِتْلَةَ وَ اِذَا ذَبَحْتُمْ فَاَحْسِنُوا الذِّبْحَةَ وَ لِیُحِدَّ اَحَدُکُمْ شَفْرَتَهٗ ثُمَّ لِیُرِحْ ذَبِیْحَتَهٗ.

ترجمہ: میں نے رسول اللہ ﷺ سے دو خصلتیں یاد کی ہیں آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر احسان کرنا لازم فرمایا ہے۔پس جب تم (قصاص وحدود) میں کسی کو قتل کرنا چاہو تو قتل

میں اچھا طریقہ اختیار کرو اور جب تم کسی جانور کو (ذبح کرنا چاہو) تو ذبح کرنے میں احسن طریقہ اختیار کرو اور تم میں سے ایک اپنی چھری کو تیز کرے پھر اپنے ذبیحہ کو آرام پہنچائے۔

اس میں صحابی ﷺ کا قول " الذین " اس بات کی صراحت کر رہا ہے کہ ولیحد اور ولیرح، دونوں اس احسان ذبح میں داخل ہیں جو کہ خصلتِ ثانیہ ہے۔ اور پہلی خصلت، قصاص وحدود میں قتل کرنے میں احسن طریقہ اختیار کرنا ہے۔ پس واضح ہوا کہ ولیحد اور ولیرح دونوں عدد میں داخل ہیں۔ لیکن شمار کرتے ہوئے ان دونوں کو نظر انداز کر کے احسان ذبح کو شمار کیا گیا ہے جو ان دونوں کو شامل ہے۔ اور یہ بات صراحت کر رہی ہے کہ تحدید و اراحت احسان کے مبائن نہیں ہیں ورنہ صحابی کا دو خصلتیں کہنا باطل ہوگا۔ حالانکہ اس سے بھی زیادہ خفی چیزوں کو سمجھنے کے لئے صحابہ کرام کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ اہل لسان واہل شرع ہیں۔ (اس بحث میں غور کیجئے یہ بڑی نفیس ہے۔)

اور آپ کا یہ کہنا کہ ولیحد میں واؤ کو استینافیہ قرار دیا جائے۔ آپ کا یہ قول اپنی جگہ درست ہے لیکن اس مقام پر استینافیہ قرار دینا درست نہیں کیونکہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ امر بالاحداد، ارادۂ ذبح کی قید کے بغیر ہو۔ اور ہمارے علم کے مطابق اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔ پس سیاق کی شہادت اور احسان ذبح کے ساتھ تعلیم کی جو غرض متعلق ہے ان کے تقاضے کے مطابق ان کا احسنوا پر عطف متعین ہوتا ہے تاکہ امر بالاحداد، ارادۂ ذبح کے ساتھ مقید ہو۔

اور "نقر" اور فیکون میں استیناف اس لئے صحیح ہے کہ ان کا ماقبل ان کے مفاد میں شرط نہیں۔ لہٰذا وہ ہمارے اس مسئلہ کی نظیر نہیں بن سکتے۔ اور "فلیرح" میں اگر فاء استیناف کے لئے وارد ہوتی تو میں نے یہ جو بات بیان کی ہے یہ بعینہٖ اس میں فاء کے صحیح ہونے کے بھی مانع ہے کیونکہ اس سے امر بالاراحت کا ذبح کی قید کے بغیر ہونا لازم آتا ہے۔ اور اس کا کوئی قائل نہیں۔ اور ہماری مذکورہ تحقیق شرط وجزاء کے مجموعہ پر "ولیحد" کے صحتِ عطف کے بھی مانع ہے کیونکہ اس طرح مطلق احداد اور مطلق اراحت کا امر لازم آتا ہے جس کا کوئی بھی قائل نہیں۔ پس آپ کی یہ تجویز اور جو کچھ اس پر مرتب ہوا تھا وہ اپنے ماقبل کی طرح دور ہو گئے اور میر سید رحمہ اللہ وغیرہ نے عطف الانشاء علی الخبر کی جو تصویب فرمائی ہے اس پر منع وارد کرنے کی بھی ضرورت نہ رہی۔ اور آپ نے جو یہ فرمایا کہ عطف القصۃ علی القصۃ کو اہل فن نے اس سے بھی کئی درجہ ادنیٰ مقامات میں تسلیم کیا ہے۔

آپ کا یہ قول صحیح ہے اگر فاء روایت میں وارد ہوتی تو ہم اس کے لئے اس سے بھی ادنیٰ تکلفات کرتے۔ جب فاء روایت میں وارد ہی نہیں تو ان تکلفات کی ضرورت نہیں نیز اس پر ثابت شدہ حکم اور آئمہ کے کلام کے منافی ابہامات بھی لازم آئے ہیں جیسا کہ گزشتہ سطور میں ان کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ اس لئے ہم صحتِ فاء کے قائل نہیں۔

سوال......اگر تم یہ سوال کرو کہ ان ابہامات کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ یہ خارجی دلائل سے معلوم ہوئے ہیں۔

جواب..... یہاں پر تو خارجی دلائل سے ابہامات مرتب ہو رہے ہیں لیکن جہاں خارجی دلائل سے ابہامات مرتب نہیں ہوتے وہاں بھی خارجی دلائل کے اخراج میں کوئی امر مانع نہیں۔ تو جہاں ابہامات مرتب ہونے ہیں وہاں خارجی دلائل کے اخراج میں کوئی امر کیسے مانع ہوسکتا ہے؟

اور آپ نے جو شعر پیش کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ قلوب پر اللہ تعالیٰ مطلع ہے اور ان میں جو کچھ پوشیدہ ہے وہ ان کو جاننے والا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر قلب کے ساتھ اس میں مخفی چیزوں کے مطابق پیش آئے اور ہر اس شخص کو ہلاک کرے جو اپنے اجتہاد اور رائے کے مطابق حق واضح ہونے کے بعد اس کی مخالفت کا ارادہ کرتا ہے اور سوال کے اندر جس چیز کا تذکرہ ہے وہ اس پر واضح دلالت نہیں کر رہی کیونکہ اگر ہم اس بات کو تسلیم بھی کرلیں کہ مجرد عطف سے ہماری مراد یہ ہے کہ جب فاء کو واؤ کے معنی میں قرار دیا جائے تو عطف الخاص علی العام اور عطف العام علی الخاص میں فاء جائز ہوگی کیونکہ فاء بھی واؤ کے معنی میں آتی ہے۔ اگر فاء روایت میں وارد ہوتی تو صحتِ فاء کے دعویٰ میں اتنی بات آپ کے لئے کافی ہوتی اور آپ کا یہ کہنا کہ اراحت کا حد سے عام ہونا ممنوع ہے کیونکہ یہ روایت ثم کے ساتھ بھی آئی ہے لہٰذا اراحت کی تفسیر ایسے امر کے ساتھ کرنی لازم ہے جو حد پر مرتب ہو جائے نہ کہ ایسے امر کے ساتھ جو حد کو شامل ہو جائے اس کا جواب یہ ہے کہ اگر فاء روایت میں وارد ہوتی تو ہم اس میں اس نظیر پر عمل کرتے۔ جیسا کہ اس کی طرف ہم پہلے اشارہ کرچکے ہیں۔ لیکن جب فاء وارد ہی نہیں تو اس نظیر پر عمل کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ لہٰذا سوال وجواب میں ہم نے جو کچھ ذکر کیا ہے وہ بے غبار ہے۔

اس کے بعد میں نے دارمی کی وہ روایت دیکھی جس کو ہم نے ابھی ذکر کیا ہے اس روایت میں امر بالاحسان کے ذکر کے ساتھ ثمّ کے ساتھ عطف موجود ہے۔ اس سے میں نے اہل فن کے قول کہ عطف الخاص علی العام اور عطف العام علی الخاص میں واؤ متعین ہے۔ سے یہ اخذ کیا ہے کہ ان کا یہ قول اغلبی ہے (یعنی غالب طور پر یہ عطف واؤ کے ساتھ قرار دیا کیونکہ روایت میں ثمّ کے ساتھ بھی وارد ہے۔ پس اس اعتبار سے اگر روایت میں فاء وارد ہوتی تو ہم اس کو واؤ کے معنی میں قرار دیتے یا یہ عطف واؤ کے ساتھ غیر غالب ہے جیسا کہ ہم نے ثمّ کے ساتھ وارد عطف کو عطف الخاص علی العام قرار دیا ہے۔ اس پر یہ اعتراض نہیں ہوسکتا کہ دارمی کی روایت کے پیش نظر اہل فن نے عطف الخاص علی العام اور اس کے عکس کو جائز قرار دیا ہے۔ اس سے فاء کے ساتھ بھی مذکورہ عطف کو جائز قرار دینا لازم آتا ہے حالانکہ ضابطہ کے مطابق یہ عطف ثمّ کے ساتھ ممتنع ہے۔ پس اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ عطف الخاص علی العام اور عطف العام علی الخاص جس طرح ثمّ کے ساتھ واقع ہے اسی طرح فاء کے ساتھ بھی واقع ہونا چاہیے۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ظاہر یہ ہوتا ہے کہ آئمہ نحو کو دارمی کی روایت کا علم نہیں ہوسکا، (اس سے انہوں نے

اس عطف کو واؤ کے ساتھ خاص قرار دیا ہے) پس یہ روایت ان کے ضابطے کے خلاف وارد ہے ۔ البتہ اس کا وہ جواب دیا جاسکتا ہے جو ہم نے پہلے دیا ہے ۔ اور اس سے فاء کے ساتھ عطف کو جائز قرار دینا لازم نہیں آتا جیسا کہ ثابت ہو چکا ہے ۔

اس پوری بحث پر غور کیجئے ۔ یہ جواب جلدی میں تحریر کیا گیا ہے ۔ اور ہم اس وقت مسجد میں ہیں ۔ اس کے سمجھنے میں کوئی مشکل پیدا ہو تو ہماری طرف رجوع کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ مقصد اظہار حق کے سوا کچھ نہیں ۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی اطاعت کی توفیق عطا فرمائے ۔ آمین

اشکالات

اس جواب کے بعد مصنف رحمہ اللہ کی خدمت میں چند اشکال پیش کرتے ہوئے تحریر کیا گیا کہ ہمیں آپ کا جواب ملا اور آپ نے ہمیں اس بارے میں پیش آنے والے اشکال میں اپنی طرف رجوع کرنے کی اجازت عطا فرمائی ہے ۔ آپ کی اس اجازت سے ہمیں مذکورہ جواب کے علاوہ بھی جو اشکال پیش ہیں ان کے متعلق بھی رجوع کی اجازت سمجھی جائے گی ۔ فقیر کو اپنی کوتاہی کی وجہ جناب کے مذکورہ جواب اور اس کے علاوہ دیگر جوابات میں چند اشکال پیش آئے ہیں ۔

مذکورہ جواب کے علاوہ دوسرے جوابات میں جو اشکال پیش آئے ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپ نے واؤ کے امر یقینی ہونے پر نسخوں کی کثرت سے استدلال فرمایا کہ نسخوں کی کثرت ابن الصلاح رحمہ اللہ وغیرہ علماء کے قول کے مطابق تواتر کرکے قائم مقام ہوتی ہے ۔ آپ کے اس جواب پر ہمیں جو اشکال پیش آیا تھا اس کو ہم نے آپ کی خدمت میں ایک ورق پر لکھ کر ارسال کیا تھا اور آپ نے اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ محدثین نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ یہ کتابیں اپنے مصنفین سے تواتر کے ساتھ منقول ہیں اور یہ تواتر ہمارے زمانے تک تمام طبقات میں مسلسل رہا ہے ۔ اس جواب پر ہمیں یہ اشکال پیش آیا ہے کہ محدثین نے ان کتابوں میں جس تواتر کو تسلیم کیا ہے وہ ان کتابوں کے اجمالات کا تواتر ہے یعنی وہ مخصوص مجموعہ جس کا نام صحیح مسلم ہے تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ اس کے جامع معروف امام حضرت مسلم ہیں ۔ لیکن ان کی تفصیلات تواتر کے ساتھ ثابت نہیں یعنی ان کتابوں کے تمام نسخوں کا ہر لفظ تواتر کے ساتھ ثابت ہو کہ یہ لفظ بعینہٖ صاحب کتاب کا ہے (مگر اس طرح ثابت نہیں) ہمارے مسئلے کا تعلق دوسری صورت (تفصیلات کے تواتر) سے ہے ۔ پہلی صورت (اجمالات کے تواتر) سے نہیں اور آپ کے ہاں اگر کوئی ایسا حوالہ موجود ہے جس سے یہ ثابت ہو جائے کہ تفصیلات مذکورہ معنی کے ساتھ ہمارے لئے بھی متواتر ہیں تو جناب اس کا افادہ فرمادیں ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ثواب جزیل عطا فرمائے ۔

اگر ان کی تفصیلات تواتر کے ساتھ ثابت ہیں تو جناب یہ بھی بیان فرمائیں کہ وہ کون سی تفصیل متواتر ہے کیونکہ نسخوں کے الفاظ میں بہت زیادہ تفاوت پایا جاتا ہے اوران میں علماء کا بہت اختلاف ہے اورالفاظ مختلفہ کا کل تواتر ہونا ممکن نہیں ورنہ وہ لفظ فاء جس میں ہمارے درمیان اختلاف ہے وہ بھی تواتر میں داخل ہوجائے گا۔اس لئے اس مقدار کا بیان کرنا ضروری ہے جس پر ہم منقول بالتواتر ہونے کا حکم لگاسکیں تاکہ فائدہ عظیم ہوجائے۔

آپ کے اس مذکورہ جواب پرہمیں جواشکال پیش آئے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

1...... آپ نے فرمایا ہے کہ یہاں واقع میں دومتعارض دعوے ہیں۔آپ کے مدمقابل نے پہلے دعویٰ کیا ہے لیکن اس نے اپنے مدعیٰ پردلیل پیش نہیں کی۔اشکال کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ فقیر مستدل ہے کہ فقیر نے تاخر دعویٰ کے ساتھ اس پر استدلال کیا ہے۔اورفقیر کے مدمقابل کا دعویٰ مقدم ہے مگر اس نے اس پر کوئی دلیل نہیں دی۔لیکن اس سے فقیر کے مدعی ہونے کا نتیجہ ہرگز برآمد نہیں ہوتا فقیر کا مستدل ہونا تو دور کی بات ہے کیونکہ فقیر کا دعواء صحت منع ہے جس کو مبالغہ کے طور پر بصورت دعویٰ پیش کیا ہے۔اہل فن اس طرح کرتے ہیں اور اس کی تصریح بھی فرماتے ہیں اورفقیر نے دلیل کی صورت میں جس چیز کا تذکرہ کیا ہے وہ درحقیقت دلیل نہیں بلکہ منع کی سند ہے۔لہذا اس جگہ فقیر کی طرف سے کوئی استدلال نہیں۔اس سے واضح ہوا کہ فقیر نے جو بیان کیا ہے اس پر اعتراض فائدہ مند نہیں کیونکہ غیر مساوی سند کا ابطال مفید نہیں ہوتا۔چہ جائیکہ غیر مساوی سند پر بغیر ابطال کے صرف اعتراض مفید ہوجائے۔

ہاں البتہ فقیر پر ایک اوراعتراض وارد ہوسکتا ہے کہ فن مناظرہ کے علماء نے یہ ضابطہ مقرر فرمایا ہے کہ دعویٰ پر منع وارد نہیں کی جائے گی۔توجہاں بطلان کے مدعی نے صرف دعویٰ کیا ہے اوردلیل پیش نہیں کی تو وہاں منع وارد کرنے کا کیا مطلب؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ایسی کرنا جائز ہے کیونکہ اگرچہ اس کومجازاً منع کا نام دیا گیا ہے لیکن حقیقت میں اس سے مقصود دلیل طلب کرنا ہوتا ہے۔جیسا کہ اہل فن نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔چنانچہ علامہ عضداء نے اپنے مقدمہ میں اس بارے میں فرمایا ہے کہ نقل پر صرف مجازاً منع وارد کی جائے گی اور فرمایا ہے۔دعویٰ پر منع وارد نہیں کی جائے گی مگر مجازاً۔اوراس کے بعد فرمایا ہے کہ دعویٰ پر مجازاً منع وارد کرنے کا جواز اطلاق الکل وارادۃ الجز کے طریق پر ہے۔

2...... جناب نے اپنے جواب میں فرمایا ہے کہ تم دونوں مدعی ہواورتاخر دعویٰ مع الاستدلال غصب منصب ہے۔اس میں وجہ اشکال یہ ہے کہ ہماری سابقہ گزراشات سے یہ واضح ہوچکا ہے کہ فقیر مانع ہے مدعی نہیں اور بطلان کا مدعی بھی جب تک اپنے دعویٰ پر استدلال نہیں کرتا مستدل نہیں بنے گا لہذا استدلال کا منصب

اس کا نہیں ۔اور اگر مدعیٰ صحت کو مستدل فرض کیا جائے تو تب بھی اس کا استدلال غضب منصب نہیں بنے گا۔ کیونکہ مقدمہ ممنوعہ کے انتفاء پر استدلال کے ساتھ دلیل کے مقدمات میں سے کسی مقدمہ پر منع وارد کرنا غضب کہلاتا ہے اور یہ بات یہاں نہیں پائی گئی ہے۔اور اس کے علاوہ غضب منصب نہ بننے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ فقیر نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ دلیل نہیں بلکہ سند منع ہے جیسا کہ سابقہ سطور میں وضاحت کر دی گئی ہے۔اور آج تک کسی نے یہ نہیں کہا کہ منع مع سند غضب ہے لہذا اگر مدعیٰ بطلان کو مستدل فرض کیا جائے تو تب بھی غضب نہیں بنتا۔

3...... آپ نے فرمایا ہے کہ ان کی مثل مباحث میں اس اصطلاح کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا ہے۔فقیر کے نزدیک وہ مشائخ اور آئمہ معقول ومنقول کے جامع ہیں اور خود آنجناب کے نزدیک بھی انہوں نے ان اصطلاحات کے عموم کو تسلیم کیا ہے اور اس طرح کی مباحث میں ان کو استعمال فرمایا ہے۔اور اس فن کی کتب سے بھی یہی مفہوم اخذ ہوتا ہے۔پس تخصیص واضح دلیل کی محتاج ہے۔

4...... آپ نے اپنے جواب میں فرمایا ہے کہ اگر ہم مجرد منع کو ادلہ شرعیہ میں قبول کریں گے تو یہ بہت بڑے انتشار کا موجب ہوگا۔الخ

اس پر اشکال کی وجہ یہ ہے کہ اس اصطلاح کا استعمال کتب فقہ وغیرہ میں واقع ہے۔محلی اور شیخ الاسلام رحمہما اللہ کی کتب کے کئی مقامات میں ان کا قول ہے:اُجِیْبَ بِالْمَنْعِ وَ جَوَابُهُ الْمَنْعُ (اس کا جواب منع کے ساتھ دیا گیا ہے اور اس کا جواب منع ہے۔)علامہ بلقینی رحمہ اللہ وغیرہ نے شیخین پر جو اعتراضات کئے ہیں ان کے جواب میں علماء کرام نے کئی مقامات پر یہ اصطلاحات استعمال کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

لَا نُسَلِّمُ اَنَّ مُرَادَ الشَّافِعِيِّ كَذَا لِمَ لَا يَجُوْزُ اَنْ يَّكُوْنَ مُرَادُهُ كَذَا.

ترجمہ:ہم تسلیم نہیں کرتے کہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کی مراد ایسی تھی کیوں جائز نہیں کہ ان کی مراد ایسی ہو۔؟

اس کی مثل الفاظ جگہ جگہ استعمال فرمائے ہیں۔اور اس کے علاوہ اشکال کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جس مسئلہ میں ہم بحث کر رہے ہیں وہ امر شرعی نہیں کیونکہ اختلافات لفظ فاء کی صحت اور عدم صحت میں ہے اور یہ امر شرعی نہیں ۔اور اس کی وجہ سے حکم شرعی میں کوئی اختلاف پیدا نہیں ہوتا۔کیونکہ احسان ذبح ،تحدید، اراحت امور مطلوبہ ہیں۔فاء صحیح ہو یا نہ ہو اور خواہ عموم وخصوص ثابت ہو یا تباین ثابت ہو ان کی طلب ہر صورت میں متحقق ہے۔

5...... آپ نے اس کے علاوہ دیگر وجوہ کی تجویز کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ اگر فاء کی روایت صحیح ہوتی تو ان تکلفات کی ضرورت پڑتی الخ۔

اس پر اشکال کی وجہ یہ ہے کہ فقیر نے اس کی ضرورت کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ صرف صحت کا دعویٰ ہے اور صحت روایت فاء کی صحت پر موقوف نہیں۔ دعواء ضرورت اور دعواء صحت کے درمیان واضح فرق ہے نیز ان امور کی تکلف کی طرف نسبت کرنا واضح دلیل کی محتاج ہے اور اس کے باوجود آپ کا یہ کلام تکلف کے ساتھ صحت کے اعتراف کو متضمن ہے اور یہی چیز مقصود کا بعض حصہ ہے کیونکہ صحت فاء ہمارے مقصود سے تعلق رکھتی ہے۔

6 ...... آپ نے فرمایا کہ پہلے روایت میں فاء کے ورود کو فرض کیا جائے اور اس کے بعد ان تکلفات کا حیلہ کیا جائے۔ان چیزوں کی کوئی ضرورت نہیں۔

اس میں اشکال کی وجہ یہ ہے کہ فقیر نے ورود فاء کی تجویز کی ضرورت کا دعویٰ نہیں کیا تاکہ اس پر اعتراض کیا جائے کہ اس کی ضرورت نہیں۔نیز مجرد تجویز کے باوجود اس کا ابطال ممکن نہیں کیونکہ عدم وارد پر کوئی دلیل قائم نہیں ہوتی ہے بلکہ معاملہ احتمال پر مبنی ہے۔اور اس تجویز کو حیلہ کی طرف منسوب کرنا ایسی واضح دلیل کا محتاج جو اس کا حیلہ ہونا ثابت کرے۔

7 ...... اور آپ کا یہ فرمانا کہ شے کی مراد ظاہر ہونے کے بعد نزاع کرنا متلاشیان علم کا طریقہ نہیں۔اس میں وجہ اشکال یہ ہے کہ بطلان کا مدعی مستفتی ہے اور مستفتی کے زیادہ لائق یہ ہے کہ اسے یہ بات کہی جائے۔

8 ...... اور آپ کا یہ فرمانا کہ علماء نے جو اصول وضوابط مقرر کئے ہیں یہ تجویز ان کے منافی ہے۔الخ

اس میں وجہ اشکال یہ ہے کہ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہمیں ''عطف الخاص علی العام'' مطلقاً نہیں ملا۔بلکہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ ہمیں ایسا عطف الخاص علی العام نہیں ملا جس کی ایسی تاویل ممکن نہ ہو جو اسے عطف خاص علی عام ہونے سے نکالے پس اس صورت میں ہم کہتے ہیں کہ اس لزوم میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اہل علم کے کلام میں اس کی نظائر موجود ہیں۔مثلاً علماء نے ضابطہ مقرر کیا ہے کہ عطف الانشاء علی الاخبار جائز نہیں ہے جب ان پر یہ اعتراض وارد ہوا کہ 'هُوَ حَسْبِيْ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ' میں عطف الانشاء علی الاخبار ہے تو انہوں نے اس کے کئی جواب دیئے ہیں۔

اس کے کئی جواب دیئے۔وہ سب جوابات یا ان میں سے بعض تمام مقامات میں جاری ہوتے ہیں۔اور یہ لزوم ان کو اس کے درج ذیل جوابات دینے سے مانع نہیں ہوا ہے۔

1 ......ایک جواب انہوں نے یہ دیا کہ یہاں پر ''وَهُوَ مَقُوْلٌ فِيْهِ'' مقدر ہے اور عبارت یوں ہے ''وَهُوَ مَقُوْلٌ فِيْهِ نِعْمَ الْوَكِيْلُ'' اور یہ عطف اخبار علی اخبار ہے۔

2 ......دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ ''هُوَ حَسْبِيْ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ'' ۔یہ جملہ اظہار کفایت کے انشاء کے لئے ہے لہٰذا یہ عطف ''انشاء علٰی انشاء'' ہے نہ کہ ''عطف انشاء علی خبر''۔

3......تیسرا جواب یہ دیا کہ " ونعم الوکیل " میں واؤ استیناف کے لئے ہے۔

4...... چوتھا جواب یہ دیا کہ واؤ معترضہ ہے۔ان کے علاوہ بھی بہت سارے جوابات دیئے ہیں۔

5......اور آپ کے مذکورہ قول پر اشکال کی دوسری وجہ یہ ہے کہ ہم یہ بات تسلیم نہیں کرتے کہ یہاں عطف "الخاص علی العام" لازم آرہا ہے۔کیونکہ اہل شرع کے کلام میں ایسی کوئی تصریح نہیں کہ حدیث میں احسان کا مطلب بعینہا مذکورہ امور ہیں۔ بلکہ ان کی عبارات درج ذیل دونوں معنوں کا احتمال رکھتی ہیں۔

6...... یقیناً وہ مذکورہ امور سے عبارت ہو۔۲......مذکورہ امور کے سبب جو چیز حاصل ہوتی ہے اس سے عبارت ہو بلکہ میں نے اربعین کی بعض شروح میں احسان کی جو تفسیر دیکھی ہے اس کا خلاصہ عدم تعذیب وغیرہ ہے۔اور اراحت کی تفسیر نفس تحدید وغیرہ ہے۔خلاصہ کلام یہ کہ ہم ان متعاطفات کے وہ معانی تسلیم نہیں کرتے جن کے درمیان عموم وخصوص لازم آتا ہے۔بلکہ ہم ان کی ایسی تاویل کرتے ہیں جس کی وجہ سے وہ عموم وخصوص سے خارج ہوجاتے ہیں اور ان متعاطفات کے اگر بالفرض خارج سے کوئی ایسے معانی ثابت ومعلوم ہوں جن کے درمیان عموم وخصوص پایا جاتا ہے تو تب بھی بلاضرورت ان کو مذکورہ معانی سے خارج نہیں کیا جائے گا نیز جس کی تاویل ممکن نہیں اُس کا عطف "الخاص علی العام" کے افراد میں سے ہونا بھی جائز ہے۔پس جو ہر فرد کی تاویل کے امکان کا مدعی ہے اس پر دلیل کے ساتھ اثبات لازم ہے۔اور اس کے لئے سوائے استقراء تام کے کوئی دلیل نہیں۔

7......اور آپ نے فرمایا ہے کہ احسان کا ایسا معنی کیا جائے جو "ایقاع الذبح مع التحدید" کو شامل ہوجائے تو اس سے تحدید کا "مامور به" ہونا لازم آتا ہے ورنہ اس معیت کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔اس صورت میں "ولیحد" عطف خاص علی عام بن جائے گا اور یہی ہمارا مدعیٰ ہے۔

اس پر اشکال کی وجہ واضح ہے کہ اس کے "مامور به" ہونے سے عطف "الخاص علی العام" ہونا لازم نہیں آتا۔اس لزوم کی وجہ کیا ہے؟ اور یہ لزوم کہاں سے آیا ہے؟ کیونکہ اس تقدیر پر "امر بالتحدید" معطوف بنتا ہے اور "امر بالایقاع مع التحدید وغیرها معطوف علیه"۔اور اس اعتبار سے دونوں میں تباین ہے۔

8......اور آپ نے فرمایا ہے کہ اراحت کو تحدید سے عبارت قرار دینے سے "ولیرح" کا عطف "ولیحد" کے اعتبار سے عطف "الخاص علی العام" لازم آتا ہے۔اور عطف "الخاص علی العام" میں واؤ متعین ہے۔الخ

اس پر وجہ اشکال یہ ہے کہ "ولیرح" کا "ولیحد" پر عطف نہیں بلکہ احسنوا پر ہے۔عموم وخصوص کا اعتبار معطوف ومعطوف علیہ کے درمیان ہے اور جس کا دعویٰ یہ ہے کہ عموم وخصوص کا اعتبار معطوف اور متعاطفات میں سے غیر معطوف علیہ کے درمیان بھی ہوتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس کو نقل کے ساتھ ثابت کرے اگر وہ اس کو ثابت کرے تو پھر اس کا دوسرا جواب دیا جائے گا۔

9 اور آپ کا یہ فرمانا کہ تحدید واراحت کے مندوب ہونے کی علت بیان کرنے کے لئے اگر ہم آئمہ کرام کے قول کے ساتھ تمسک کرتے تو بھی کافی تھا، کیونکہ یہ امور احسان ذبح سے تعلق رکھتے ہیں ۔اور حدیث جو عطف "الخاص علی العام" ہے اس پر منع قبول نہیں کی جائے گی ۔آپ کے اس قول پر اشکال کی وجہ یہ ہے کہ وضع کے اعتبار سے احسانِ ذبح کا مطلب تحدید وغیرہ نہیں بلکہ وضع کے اعتبار سے اس کا معنی تحدید وغیرہ سے جو چیز حاصل ہوتی وہ ہے ۔لہٰذا آئمہ کرام کے کلام میں تحدید وغیرہ کے ساتھ تعبیر مجاز پر بنی ہوگی اور اس تعبیر میں احسان ذبح سے مراد مجازاً اسباب احسان ہیں اور یہ از قبیل اطلاق المسبب علی السبب ہے ۔اور اس مجاز کا قرینہ ومرجح یہ ہے کہ مجاز نقل سے بہتر ہوتا ہے ۔اور آئمہ کرام کا یہاں مجازی مراد لینے سے حدیث کی تفسیر میں بھی مجاز مراد لینا لازم نہیں آتا۔

10......اور آپ کا قول ہے کہ تمہارا منصب ومقام استدلال ہے ۔اس پہ اشکال کی وجہ یہ ہے کہ ہماری سابقہ گفتگو سے آپ کے اس قول کے خلاف واضح ہو چکا ہے کہ ہمارا مقام، مقام استدلال نہیں ۔

11......آپ نے فرمایا ہے کہ تمہارا مقام مقامِ استدلال ہے اور تمہارے لئے یہ کہنا مناسب نہیں کہ آئمہ کرام شرع کی وہ تفسیر جو عموم وخصوص کی موجب ہے وہ میرے خلاف دلیل نہیں بن سکتی ۔اس پر وجہ اشکال یہ ہے کہ فقیر نے اس بات کا دعویٰ نہیں کیا ہے بلکہ فقیر کے الفاظ یہ تھے ۔

> فساد پر استدلال کرتے ہوئے یہ کہنا کافی نہیں کہ بعض علماء نے اس کی تفسیر ایسے معنی کے ساتھ کی ہے جو عموم وخصوص کی مقتضی ہے کیونکہ ان کی یہ تفسیر دوسرے علماء کی تفسیر کے فساد کی موجب نہیں کیونکہ الفاظ اس تفسیر کو قبول کرتے ہیں اور اس کے متحمل ہیں ۔اور ہم مقام منع میں ہیں دوسروں کی تفسیر سے استدلال کافی نہیں بلکہ اس معنی کے عدم امکان اور لفظ پر تو اس پر محمول کرنے کی عدم صحت پر دلیل ضروری ہے ۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ آئمہ کرام رحمہم اللہ کے کلام میں احسانِ ذبح سے مذکورہ امور مراد ہونے کی کوئی تصریح نہیں، بلکہ ان کا کلام یہ احتمال بھی رکھتا ہے کہ احسان ذبح کا مطلب وہ چیز ہو جو ان امور سے حاصل ہوتی ہے ۔اور اگر یہ فرض بھی کرلیا جائے کہ ان میں سے کسی کے کلام میں احسان ذبح کا صراحتاً اطلاق ان امور پر واقع ہوا ہے تو تب بھی ضرر رساں نہیں کیونکہ احسان کی یہ تفسیر اس کی دوسری تفسیر کی صحت کے مانع نہیں ۔بلکہ اگر آئمہ رحمہم اللہ نے اس کی یہ تفسیر کی ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اس کی دوسری تفسیر کرنے سے منع کریں ۔فقیر کے بارے میں جو بیان کیا گیا ہے فقیر اس کے خیال سے بھی زیادہ حقیر ہے چہ جائیکہ وہ اپنی زبان سے ایسے کلمات ادا کرے اور آپ جیسی بزرگ ہستی کے ساتھ اس طرح کا کلام بالمشافہ کر سکے ۔جناب کے حلم وبردباری اور محبت کی امید نہ ہوتی تو فقیر ایسی حرکت کرنے کی جسارت نہ رکھتا ۔اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ۔

12......آپ نے فرمایا کہ اس کے بعد مجھے سنت کی واضح دلیل ملی ہے جو اس جگہ عطف خاص علی عام ہونے میں اختلاف کو قبول نہیں کرتی۔ اس میں وجہ اشکال یہ ہے کہ ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ یہ حدیث عطف "الخاص علی العام" پر صراحتًا دلالت کرتی ہے۔ اور آپ نے فرمایا کہ یہ حدیث "ولیرح" اور "ولیحد" اور احسان کے درمیان تباین ہونے کی صراحت کر رہی ہے، ورنہ صحابی رضی اللہ عنہ کا دو فرمانا باطل ہوگا۔ یہاں پر وجہ اشکال یہ ہے کہ ہم تباین نہ ہونے کی صورت میں صحابی رضی اللہ عنہ کے قول کے بطلان کا لزوم تسلیم نہیں کرتے۔ اس کی دو وجہیں ہیں۔

پہلی وجہ...... یہ ہے کہ صحابی رضی اللہ عنہ نے جن دو چیزوں کا ذکر فرمایا ہے ان میں سے ایک چیز "احسنوا" اور اس کے معطوفات کا مجموعہ ہونا جائز ہے کیونکہ بہت سارے امور کو ان کے درمیان پائی جانے والی مناسبت اور ارتباط کی وجہ سے ایک چیز شمار کرنا کثرت سے واقع ہے بلکہ خود کلام نبوت میں کثرت سے واقع ہے۔ علماء ایسے مقام میں فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں، فلاں کو ایک چیز قرار دیا ہے اور یہاں پر یہ اعتراض نہیں ہوسکتا کہ اس مقام میں متعدد امور کو ایک شمار کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ ہم مقام منع میں ہیں۔

اور اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ یہاں پر معدود کا دو چیزیں ہونا جائز ہے۔

13......ممکن ہے کہ معدود دو چیزیں ہوں اور احسانِ ذبح و احسانِ قتل سے مقصود بھی یہی ہے اور یہ بات اس کے ان دونوں میں سے کسی ایک پر عطف ہونے کے منافی نہیں۔ کیونکہ ثم لیرح کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے اور ثم، فاء کی طرح خاص و عام کے درمیان نہیں ہوتا۔ پس اراحت کی ایسی تفسیر کی ضرورت ہوگی جو احسان کے مباین ہو۔ اس صورت میں آپ کے کلام میں بھی دو پر اضافہ ثابت ہو جائے گا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد:

إِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ الْإِحْسَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ......

(سنن ابن ماجہ، ابواب الذبائح، باب اذا ذبحتم فاحسنوا الذبح، رقم الحدیث: 3169، ج: 4، ص: 340، مطبوعہ: ایضا)

بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر احسان کرنا واجب قرار دیا ہے۔

احسانِ ذبح اور احسانِ قتل سے زیادہ عام ہے اور اس میں دو پر اضافہ موجود ہے اور یہ دو کے شمار سے مانع نہیں۔

14......آپ نے فرمایا ہے کہ واو کو "استینافیہ" قرار دینے کی صورت میں "امر بالتحدید" کا ارادۂ ذبح کی قید کے بغیر ہونا لازم آتا ہے۔ اس میں اشکال کی وجہ یہ ہے کہ ہم اس لزوم کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ یہاں پر کلام میں کسی ایسے لفظ کا موجود نہ ہونا لازم آ رہا ہے جو اس قید پر دلالت کرنے والا ہو۔ اور اس میں کوئی وجہ نہیں کیونکہ اس کے لئے سیاق کا قرینہ ہی کافی ہے کیونکہ کتنے ہی اوامر کے الفاظ مطلق ہوتے ہیں لیکن قرینہ سیاق ان کے لئے قید بن جاتا ہے اور قرینۂ سیاق عربوں کے ہاں معروف و شائع ہے۔

دیکھیے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد "کن فیکون" میں استیناف درست ہے لیکن یہاں یہ اعتراض نہیں کیا جاسکتا کہ

اصدار عن المکنونة کا قول کن سے پیدا ہونے کی قید سے بغیر ہونا لازم آتا ہے حالانکہ اس سے مراد یہی ہے اور آپ کا قول۔ کہ اس سے امر بالاراحت کا بغیر قید کے ہونا لازم آتا ہے، میں بھی اشکال کی وجہ وہی ہے، جو کن فیکون کے تحت ذکر کی گی ہے۔

15......آپ نے فرمایا ہے کہ "ولیحد" کا شرط وجزاء کے مجموعہ پر عطف کے صحیح ہونے کے مانع یہی چیز ہے۔ الخ آپ کے اس قول میں بھی اشکال کی وجہ وہی ہے جو اوپر ذکر کی گئی ہے۔

16......آپ نے فرمایا ہے کہ نقرّ اور فیکون میں استیناف صحیح ہے کیونکہ ان کا ماقبل ان کے مفاد میں شرط نہیں آپ کے اس قول میں ماقبل کا ان کے مفاد میں شرط نہ ہونے سے کیا مراد ہے؟ اگر آپ کی اس سے مراد یہ ہے کہ ان دونوں کا مضمون کا تحقق اور وجود اپنے ماقبل کے تحقق اور وجود پر موقوف نہیں تو اس پر اشکال کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ہم اس حصر کو تسلیم نہیں کرتے۔ بلکہ آپ پر یہ ثابت کرنا لازم ہے کہ مذکورہ میں استیناف کی علت اس کے سوا دوسری کوئی چیز نہیں۔ تا کہ یہاں پر حصر تحقق ہو جائے۔ اور یہ بات ثابت کرنی بھی لازم ہے کہ استیناف میں شرط ہے کہ مستانف کا ماقبل اس کے مفاد میں شرط نہ ہو کیونکہ نحاۃ نے استیناف کے جواز میں ان میں سے کسی چیز کو شرط قرار نہیں دیا لہٰذا ان کے کلام کو بغیر کسی دلیل کے کسی قید کے ساتھ مقید نہیں کیا جائے گا بلکہ نحاۃ نے حتی ابتدائیہ کو جائز قرار دیا ہے ابتداء استیناف کی نظر ہے بلکہ وہ استیناف ہی ہے اس کے باوجود نحاۃ نے حتی ابتدائیہ میں اس کے بعد ما کو اس کے ماقبل سے متسبب ہونے کو شرط قرار دیا ہے۔

اور اس قول پر اشکال کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد "فیکون" کے مضمون کا تحقق اور وجود اپنے ماقبل کے تحقق اور وجود پر موقوف ہے اور اس کا ماقبل "من" ہے اس کے باوجود وہاں استیناف صحیح ہے۔ اور اشکال کی تیسری وجہ یہ ہے کہ جس مسئلہ کی ہم تحقیق کر رہے ہیں اس میں اس کے جاری ہونے کی وضاحت کرنا لازم ہے کیونکہ طلب تحدید کا تحقق طلب احسان پر موقوف ہے اور تحدید کی طلب بغیر تصور احسان کے جائز نہیں کیونکہ شیء کی طلب اس کے تصور کی فرع ہے۔

17......آپ نے ہمارے پیش کردہ شعر کے جواب میں جو فرمایا ہے اس میں اشکال کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے فقیر کی مراد کو نہایت دشوار امر پر محمول کی ہے معاذ اللہ فقیر کی یہ مراد ہو۔ بلکہ اس سے فقیر کی مراد کوئی اور امر تھا جس میں کوئی حرج والی بات نہیں۔

18......آپ نے فرمایا کہ راحت کا حد سے زیادہ عام ہونا ممنوع ہے۔ الخ آپ کے اس قول پر اشکال کی وجہ یہ ہے کہ اراحت کے زیادہ عام ہونے کی وجہ توجیہ، عموم وخصوص کے دعویٰ کو مستلزم نہیں۔ باوجود یہ کہ فقیر نے اراحت کے زیادہ عام ہونے کو حتمی قرار نہیں دیا بلکہ فقیر نے بطور تردد کے یہ کیا کہ اگر اراحت، تحدید سے عام ہے تو یہ اشکال لازم

آئے گا ورنہ فاء کا صحیح ہونا لازم آئے گا۔ کہ فلیرح کو ولیحد پر عطف کیا جائے اور ولیحد کی واو کو استیناف کے لیے قرار دیا جائے۔ کسی شیء کے صحیح ہونے کا حکم اس کے ورود کے جزم پر موقوف نہیں ہوتا۔ بلکہ ورود پر بھی موقوف نہیں ہوتا۔ پس یہ کیا جائز ہوگا کہ اس مقام پر عدم ورود کے یقین کے باوجود فاء کا ہونا صحیح ہے۔ پس صحت کے حکم میں ورود کا کوئی دخل نہیں۔

19......آپ نے کہا کہ اہل فن کا یہ فرمانا کہ عطف "الخاص علی العام" میں واو متعین ہے انکا یہ ضابطہ اغلبی ہے اور آپ نے فرمایا کہ سنن دارمی کی روایت نحاۃ کے خلاف وارد ہے۔ آپ کے اس قول پر اشکال کی وجہ یہ ہے کہ آپ کا یہ اعتراض نحاۃ کے اس مقام پر عموم وخصوص کو تسلیم کرنے اور "ولیحد" کی واو کو عطف کے لئے تسلیم کرنے پر موقوف ہے نیز یہ صورت ہمارے لئے ضرر رساں نہیں بلکہ ہمارے لئے نافع ہے کیونکہ ہمارا مدعیٰ فاء کی صحت ہے۔ اور اگر یہ فاء کو ثابت نہیں کرتی تو اس کو منع بھی نہیں کرتی۔ (واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب)

جوابات

ان تمام اشکالات کا مصنف جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

1......آپ نے کہا کہ کتابوں کے اجمالات تو تواتر سے ثابت ہیں، لیکن ان کی تفصیلات تواتر سے ثابت نہیں۔ الخ آپ کا یہ اشکال تب وارد ہوتا جب مذکورہ معنی میں تفصیلات کے متواتر ہونے کا دعویٰ ہوتا۔ لیکن یہاں پر یہ دعویٰ نہیں پایا گیا۔ بلکہ اس کا وہم بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اس دعویٰ کا کیسے تصور کیا جاسکتا ہے؟ امام نووی رحمہ اللہ شرح مسلم میں صحیح مسلم کے نسخوں کا بہت زیادہ اختلاف نقل کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ فلاں شہر والوں کے نسخوں میں یوں ہے اور یہ فلاں شہر والوں کے نسخوں کے مخالف ہے اور اس کے بعد کلام کے تقاضے کے مطابق اس کی تصویب اور توجیہ کرتے ہیں۔ اور امام نووی رحمہ اللہ سے قبل اور بعد کے علماء نے بھی ایسا کیا ہے پس مذکورہ معنیٰ کے اعتبار سے تفصیلات کا متواتر نہ ہونا واضح امر ہے جو کسی پر مخفی نہیں۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ بعض تفصیلات میں بھی تواتر نہ پایا جائے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ تواتر جملہ واقع ہے اور مذکورہ معنی میں تفصیلات کا تواتر واقع نہیں۔ اور بعض تفصیلات میں کبھی تواتر پایا جاتا ہے اور کبھی نہیں پایا جاتا۔ ہمارے اس مسئلہ کا تیسری صورت سے تعلق ہے۔ پہلی اور دوسری صورت سے تعلق نہیں۔ اور اس مسئلے کا تیسری صورت سے تعلق ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے اس کتاب (صحیح مسلم) کو نقل کرنے والوں کی تحقیق کی ہے ناقلین کے اس طبقہ سے جو حضرت امام مسلم رحمہ اللہ کے زمانے میں موجود تھے ان سے لے کر ہمارے اپنے زمانے تک کے ناقلین کی ہم نے تحقیق کی تو ہمیں پتہ چلا کہ وہ اپنے اپنے نسخوں میں واو کے موجود

ہونے پر متفق ہیں۔ پس اس لئے ہم نے واو کے تواتر کو ثابت کیا ہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا بلکہ اس کا وہم بھی نہیں کیا جاسکتا کہ غیر واو جو ان میں موجود نہیں وہ واو کی مثل تواتر ہو جائے۔

جمال بن مالک رحمہ اللہ نے بخاری میں ایسی اعرابات تجویز کیے تھے جن میں حرکات کی تغییر پائی جاتی تھی مثلاً "لاترجعون بعدی یضرب" میں یضرب کی باء پر سکون تجویز کیا تھا۔ اور یہ اعراب جملہ میں کبھی تکلف اور کبھی عدم تکلف کا باعث تھا۔ اس لئے علماء نے ان پر رد کیا کہ یہ خلاف صوب ہے کیونکہ صحیح روایات اس کے خلاف ہیں۔ لہٰذا ان کی اس تجویز کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ اس طرح ہم کہتے ہیں کہ واو کے ساتھ روایت کی صحت جب ثابت ہو چکی ہے تو فاء کی تجویز کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ یہ (یہاں تک تو واو کے متعلق بات تھی) اور واو کے علاوہ باقی تفصیلات میں اگر وہ چیز پائی جائے جو ہمیں واو کے بارے میں ملی ہے تو ہم اس کے متواتر ہونے کا فیصلہ کریں گے ورنہ نہیں۔ پس تفصیلات کے تواتر اور عدم تواتر کا حکم واضح ہو گیا۔

2......آپ نے کہا کہ صحت کا دعویٰ درحقیقت منع ہے جسے مبالغہ کے طور پر دعویٰ کی صورت میں لایا گیا ہے۔ آپ کا یہ قول تاویل ہے جس پر عبارت گواہی دے رہی ہے۔ اعتراض عبارت کے ظاہر پر ہے اگرچہ اس کی تاویل ممکن ہے۔

3......آپ نے کہا ہے کہ ہاں البتہ فقیر پر ایک اور اعتراض وارد ہوتا ہے۔ الخ۔ آپ کے اس قول کی طرف میں پہلے ہی اپنے اس قول کے ساتھ اشارہ کر چکا ہوں کہ یہاں پر دو متعارض دعوے ہیں۔ پس پچھلا دعویٰ سابقہ دعویٰ کے لئے منع کی صورت میں صادر ہوا ہے۔ پس دعویٰ پر منع وارد کی گئی ہے اور یہ غیر مناسب ہے۔ اور اس کے جواب میں آپ نے جو نقل کیا ہے وہ اعتراض سے مانع نہیں کیونکہ اعتراض حقیقت لفظ پر وارد ہے نہ کہ مجاز پر اور مجاز کا دعویٰ کرنا اس بات کی وضاحت کر رہا ہے کہ دعویٰ کے مانع نے اگر مجاز مراد لیا ہے تو پھر اس کا عذر قابل قبول ہے۔ لیکن مراد کے واضح ہونے سے پہلے ظاہر عبارت کی وجہ سے جو اعتراض وارد ہوتا ہے اسے منع نہیں کیا جاسکتا۔ اور اعتراض سے پہلے استفسار مشترکات وغیرہ میں ہوتا ہے نہ کہ حقیقت ومجاز میں۔ اور اس کا یہاں مجاز ہونا بھی محلِ نظر ہے۔ اور اصولیوں کے کلام کہ دعویٰ پر منع وارد نہیں کی جاسکتی۔ اس کے ظاہر میں کوئی مجاز نہیں۔ لیکن ان محققین نے طرق مناظرہ کے توسع کے پیش نظر اس میں تسامح سے کام لیا ہے۔

4......آپ نے فرمایا کہ مقدمات دلیل میں سے کسی مقدمہ کے منع کو غصب کہا جاتا ہے الخ۔ آپ نے جو اعتراض دیکھا ہے اس کے مطابق آپ کا عذر قابل قبول ہے لیکن میں نے اپنے جواب میں لکھا تھا کہ یہ غصب منصب کے مشابہ ہے اور میری اس عبارت پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ کیونکہ دونوں کے درمیان وجہ شبہ یہ تھی کہ دونوں میں سے ہر ایک نے یہاں دلیل کو اس کے وقت سے پہلے پیش کیا ہے آپ نے جو چیز ذکر کی ہے وہ منع اور منع کا استدلال ہے اگرچہ آپ کے مجاز مراد لینے اس کے خلاف ظاہر ہو چکا ہے۔

نیز آپ نے غصب کی جو تعریف کی ہے وہ مانع نہیں کیونکہ اس کی تعریف میں نقض تفصیلی داخل ہو جاتی ہے۔ اور نقض تفصیلی غصب کے مخالف ہے جبکہ غصب کی تعریف کسی مقدمہ کو اس کے انتفاء کی ضرورت کے باوجود دلیل کے مکمل ہونے سے پہلے منع کرنا ہے اور دلیل کے مکمل ہونے کے بعد اگر کسی معین مقدمہ کو منع کیا جائے تو وہ اس کے لیے نقض بن جاتی ہے۔ پس آپ نے غصب کی تعریف میں قبلیت کی قید ساقط کردی ہے جس کی وجہ سے آپ پر نقض وارد ہوگئی اور آپ کی کی ہوئی تعریف غیر مانع بن گئی ہے۔ ہماری اس سابقہ گفتگو سے ثابت ہوا کہ ہمارا قول کہ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ آپ مسئول ہیں نہ کہ مجیب اور آپ کے لئے منع کافی نہیں۔ واضح ہوگیا۔

5......آپ کا یہ کہنا کہ تخصیص واضح دلیل کی محتاج ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کا یہ قول غیر واضح ہے کیونکہ یہاں پر ایک فنی امر میں اختلاف ہے۔ جس کی صحت اور عدم صحت پر یہ حکم مرتب ہوتا ہے یعنی مخصوص ذبح کے وقت تحدید اور اراحت کو کیا اس خاص حدیث سے اخذ کیا گیا ہے جیسا کہ آئمہ رحمہم اللہ نے فرمایا ہے۔ یا کہ ان دونوں کو کسی دوسری ایسی دلیل سے اخذ کیا گیا ہے جو اس حدیث میں ادعاء تجویز کی ضرورت کو ظاہر کر رہی ہے۔

6......آپ نے کہا کہ اس اصطلاح کا فقہ کی کتابوں میں استعمال واقع ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کو ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اس کا استعمال فقہ کی کتابوں میں واقع ہے لیکن جس امر میں ہم بحث کر رہے ہیں اس میں واقع نہیں جیسا کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے معلوم ہو چکا ہے۔

7......آپ نے کہا ہے کہ فقیر نے اس تکلف کی ضرورت کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ مجرد صحت کا دعویٰ کیا اور صحتِ روایت فاء کی صحت پر موقوف نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ضرورت کا تذکرہ صرف یہ بتانے کے لئے کیا گیا ہے کہ اس کی نسبت اس سے زیادہ اہم چیز کے ساتھ مشغول ہونا بہتر ہے۔ نیز اس میں مباحثہ کرنے کی وجہ سے بہت سارے ایسے فوائد ظاہر ہوئے جو بکثرت نظر وفکر کے بغیر ظاہر نہیں ہو سکتے تھے۔

8......آپ نے کہا ہے کہ ضرورت کے دعوے اور مجرد صحت کے دعوے میں فرق ہے۔ الخ۔ یہ فرق ظاہر ہے لیکن سوال کے مطابق واضح جواب کی طرف قصداً عدول بلغاء کا طریقہ ہے۔

9......آپ نے کہا ہے کہ ان امور کو تکلف کی طرف نسبت کرنا واضح دلیل کا محتاج ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا مرجع ذوق ہے اور اہل ذوق پر ہی پیش کیا جانا چاہیے، آپ نے مجاز وغیرہ کا جو دعویٰ کیا ہے اس پر یہی واضح دلیل کافی ہے۔

10......آپ نے کہا ہے کہ یہ کلام تکلف کے ساتھ اعتراف صحت کو متضمن ہے اور یہ مطلوب کا بعض حصہ کیونکہ صحت فاء مطلوب کا بعض حصہ ہی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں پر بعض مطلوب کافی نہیں بلکہ پورے مطلوب کا موجود ہونا ضروری ہے اور پورا مطلوب بغیر کسی تکلف کے صحتِ فاء پر دلیل کا قیام ہے اور دعویٰ کرنا دلیل میں اختصار

کرتا ہے۔ نیز دلائل میں غور وخوض کرنے کا مناسب طریقہ یہ ہے کہ ان کو بغیر کسی ضرورت کے اپنے متبادر ومتعارف مفاہیم سے خارج کیا جائے۔ جیسے کہ اس بات کی طرف امام نے اشارہ فرمایا ہے۔ اور جہاں اس کی ضرورت نہیں وہاں پر صرف تجویز پیش کرنا بھی مناسب نہیں۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ علماء نے ابن مالک رحمہ اللہ کی تجویزات وآراء کو اسی لئے رد کیا ہے کہ وہ وارد نہیں ہیں اگرچہ وہ تکلف سے خالی تھیں۔ تمہارے لئے علماء کا ان تجویزات کو رد کرنا کافی ہے۔ بلکہ بعض محققین نے ابن مالک کی تجویز وتوجیہ کو بیان کرنے کے بعد مواخذہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ خلاف صورت ہے۔ اور پھر اس پر دلیل بھی پیش کی ہے۔

11 ...... آپ نے کہا ہے کہ فقیر نے ورود فاء کی تجویز کی ضرورت کا دعوٰی نہیں کیا حتی کہ فقیر پر یہ اعتراض کیا جائے کہ تجویز کی ضرورت نہیں یا اس کے لئے یا وجود مجرد تجویز کا ابطال ممکن نہیں کیونکہ عدم ورود پر کوئی دلیل قائم نہیں بلکہ عدم ورود کا احتمال ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم مطلق ابطال میں کلام نہیں کر رہے بلکہ ہم تو متبادر معانی پر جاری رکھنے کے لئے جو مناسب راہ متعین کی ہے اس کے لائق ابطال میں بات کر رہے ہیں۔

12 ...... آپ نے کہا کہ مدعی جو کہ مستفتی ہے وہ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ اس کو یہ بات کہی جائے کہ شیء کہ مراد ظاہر ہونے کے بعد اس میں اختلاف کرنا متلاشیان علم کا شیوہ نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مستفتی اس بات کا تب زیادہ حق دار ہوتا جب ہم اس کے لئے متلاشی علم کا درجہ تسلیم کرتے معاذ اللہ ہم تو اس کے لئے اس سے ادنٰی درجہ بھی تسلیم نہیں کرتے اس کا زیادہ حق دار ہونا تو دُور کی بات ہے۔

13 ...... آپ نے کہا ہے کہ اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ عطف خاص علی عام مطلقاً متحقق ہو۔ الخ۔

اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کا یہ قول اس بات پر مبنی ہے کہ آپ نے غیر معنی کے تحقق سے اس کا موضوع لہٗ معنی سمجھ لیا ہے جو کہ ثبوت ہے جس کی علت ہم نے اپنے اس قول کے ساتھ بیان کی تھی ما من عام وخاص۔ الخ۔

اور جب ہم عام کو بغیر کسی دلیل کے صرف ادعاء کی بنیاد پر بعض والوں کے ساتھ خاص کر دیں گے تو اس سے وہ بات لازم آئے گی جس کو ہم نے ما من عام وخاص الاّ ویمکن الخ۔

کے ساتھ بیان کیا تھا۔ اس صورت میں نحاۃ کے نزدیک واو کے ساتھ عام وخاص کے درمیان جو عطف ممتنع ہے اس کا سرے سے کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا۔ کیونکہ پھر یہ تجویز ہر عام وخاص میں جاری ہو جائے گی۔ اور انشاء وخبر عام وخاص کی نظائر میں سے نہیں کیونکہ انشاء اور خبر میں من کل الوجوہ تباین ہوتا ہے اور عام وخاص کے درمیان بعض وجوہ سے اتحاد ہوتا ہے۔

آپ نے اشکال کی دوسری وجہ یہ بیان کی ہے کہ یہ لزوم تسلیم نہیں کیونکہ اہل شرع کے کلام میں ایسی کوئی تصریح

نہیں کہ حدیث میں احسان سے مراد بعینہا یہی امور ہیں۔الخ۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں، اراحت اور تحدید کا تعلق ذبح میں مامور بہ احسان ہے اس کے بعد ہم احسان کی کسی ایسی تفسیر کی طرف التفات نہیں کرتے جو اراحت وتحدید اور احسان کے درمیان تباین کا احتمال رکھتی ہو۔ کیونکہ ہم نے جو معنی بیان کیا ہے وہ خصوص وعموم میں صریح ہے۔اور یہی احسان کا شرعی معنی ہے۔اور شارع کے الفاظ شرعی معنی ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔پس اس صورت میں ہم جن متعاطفین کی بحث کر رہے ہیں ان کا معنی متعین ہے اور اس متعین معنی سے بغیر کسی ضرورت کے لفظ کو خارج نہیں کیا جائے گا۔اور جب تم اس بات کا اعتراف کرتے ہو اور تمہیں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ شارع کے اطلاق کو معہود شرعی کی طرف لوٹایا جائے گا۔اور اہل شرع نے یہ بتا دیا ہے کہ احسان شرعی اراحت اور تحدید کو شامل ہے تو اس سے معاملہ آسان ہو گیا اور مراد واضح ہو گئی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ احسان کو اس کے شرعی معنی پر محمول کرنے سے لازم آتا ہے کہ یہ وہ عموم وخصوص ہو جس میں واو کے ساتھ عطف لازم ہے۔اور جس نے اہل شرع کے اس قاعدہ سے کہ شارع کے کلام کو معہود شرعی پر محمول کیا جائے گا۔ سے اعراض کرتے ہوئے لغوی یا عرفی معنی پر محمول کیا ہے اور اپنی دلیل سے یہ ثابت کیا ہے کہ احسان اور اراحت وتحدید کے درمیان مغایرت ہے اس کے نزدیک اس مقام میں عطف الخاص علی العام لازم نہیں آتا۔

14......آپ نے کہا ہے کہ وہ چیز جس کی تاویل ممکن نہیں اس کا عطف الخاص علی العام کے افراد سے ہونا جائز ہے۔الخ

اس کا جواب یہ ہے کہ ممکن نہیں سے آپ کی کیا مراد ہے؟ اگر یہ مراد ہے کہ دلائل کے اعتبار سے ممکن نہیں ہے تو آپ کی بات درست ہے۔یا آپ کی مراد یہ ہے صرف اس تجویز کے اعتبار سے ممکن نہیں جو آپ نے احسان کے معنی میں بیان کی ہے تو پھر آپ کی بات درست نہیں کیونکہ پھر تو ہر خاص وعام میں ایسی تجویز ممکن ہے جسے فرض کرنا کسی دلیل پر موقوف نہیں۔

15......آپ نے کہا کہ تحدید کے مامور بہ ہونے سے عطف الخاص علی العام لازم آنے کی وجہ ملازمت کیا ہے؟ الخ

اس کا جواب یہ ہے کہ عبارت میں اگر غور کیا جائے تو اس کی وجہ واضح ہے کیونکہ تحدید کے مامور بہ ہونے کے لزوم سے اس کے احسان ہونے کی حیثیت ہے۔جب لزوم اس حیثیت سے ہے تو اسی سے واضح ہوا کہ **"ولیحد"** کا عطف **"الخاص علی العام"** ہے۔اور اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ **امر بالتحدید امر بالاحسان** نہیں بلکہ **امر بالاحسان امر بالایقاع مع التحدید** وغیرہ ہے تو آپ کے بیان کے مطابق ان دونوں کے درمیان قطعاً تباین ثابت ہو جائے گا۔

16......آپ نے کہا کہ "ولیرح" اور "ولیحد" پر عطف نہیں۔اس کا جواب یہ ہے کہ آپ نے احسان کی جو تفسیر بیان کی تھی وہ اس وقت مجھے مستحضر نہیں کیونکہ آپ کی تحریر اس وقت میرے سامنے موجود نہیں میرے خیال میں آپ نے اراحت کی جو تفسیر کی ہے وہ احسان اور تحدید کی تفسیر سے عام ہے۔اس صورت میں عطف الخاص علی العام لازم آ جاتا ہے۔میں نے جو کچھ کیا ہے اس کا تعلق ولیحد اور اس کے معطوف علیہ سے ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ تحریر آپ نے اراحت اور احسان کی جو تفسیر بیان کی ہے اس کی طرف مراجعت پر موقوف ہے۔

17......آپ نے کہا کہ وضع کے اعتبار سے احسان کا معنی نفس تحدید وغیرہ نہیں۔الخ۔

اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کی اس سے مراد کیا ہے؟ اگر وضع شرعی کے اعتبار سے ہے تو پھر ہم یہ بات تسلیم نہیں کرتے کہ احسان کا معنی نفس تحدید وغیرہ نہیں ہے۔جیسا کہ ہم آئمہ رحمہم اللہ شرع سے نقل کر چکے ہیں کہ وضع شرعی کے اعتبار سے احسان اراحت اور تحدید کو شامل ہے۔اور اگر آپ کی اس سے مراد وضع لغوی یا عرفی کے اعتبار سے ہے تو آپ پر لازم ہے کہ آپ اہل لغت واہل عرف سے اس کو نقل کریں۔نیز یہ نقل بھی آپ کے لئے مفید نہیں کیونکہ ہم پہلے یہ ثابت کر چکے ہیں کہ دلائل شرعیہ کو شرعی معنی پر محمول کیا جائے گا۔لہٰذا ظاہر ہوا کہ آئمہ رحمہم اللہ کی تفسیر کو مجاز فرض کرنے میں نہایت تکلف اور غایت حیلہ سازی ہے۔اور کون سی چیز اس پر مجبور کر رہی ہے۔؟

18......آپ نے کہا کہ اس تعبیر میں احسانِ ذبح سے مجازاً احسان ذبح کے اسباب مراد ہوں گے۔اور اس مجاز کا مرجع یہ ہے کہ مجاز نقل سے بہتر ہے۔الخ۔

اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کا یہ قول حیرت انگیز ہے کہ وہ کونسا شخص ہے جس نے حدیث میں نقل کا دعویٰ کیا ہے تاکہ اس کو یہ جواب دیا جائے کہ مجاز نقل سے بہتر ہے۔ہم تو صرف اس بات کا دعویٰ کر رہے ہیں یہ حقیقتِ شرعیہ ہے اور شارع کے کلام کو صرف حقائق شرعیہ پر محمول کیا جائے گا۔اور حدیث میں حقیقتِ لغویہ کا دعویٰ اس بات کا محتاج ہے کہ اس کو آئمہ لغت کے کلام سے ثابت کیا جائے۔اور آئمہ لغت کے کلام سے جو چیز مجھ پر واضح ہوئی وہ یہ ہے کہ ذبح میں احسان کے لئے ان کے ہاں کوئی ضابطہ مقرر نہیں پس جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ احسانِ ذبح ان حقائق سے تعلق رکھتا ہے جن کی معرفت شارع کی طرف سے ہی ہو سکتی ہے اسی سے آپ کا وہ دعویٰ بھی رد ہو جاتا ہے کہ آئمہ رحمہم اللہ نے احسان کی جو تعریف کی ہے وہ مجاز ہے۔نیز مجاز کے لئے کسی صارف کی ضرورت ہے جو اسے اس کے متبادر معنی سے پھیر دے۔

19......آپ نے کہا کہ آئمہ رحمہم اللہ کا بیان مجاز مراد لینے سے حدیث کی تفسیر سے مجاز مراد لینے کو لازم نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے آپ کا یہ قول آئمہ کے اس فرمان کے باوجود کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ ان کا فرمان ہے: اراحت وتحدید مامور بہ احسان سے تعلق رکھتے ہیں۔ان کا مامور بہ فرمانا اس بات کی صراحت ہے کہ انہوں نے حدیث میں وارد احسان

کی تفسیر ایسی چیز کے ساتھ کی ہے جو تحدید اور اراحت دونوں کو شامل ہے۔اور اسی سے آپ کا یہ قول بھی رد ہو گیا کہ آئمہ رحمہم اللہ کے کلام میں کوئی ایسی تصریح نہیں کہ احسان ذبح کا معنی یہی مذکورہ امور ہیں۔الخ

آپ کے قول کے رد کی وجہ یہ ہے کہ آئمہ رحمہم اللہ کا مذکورہ فرمان ہے کہ اراحت وتحدید من جملہ مامور بہ احسان سے تعلق رکھتے ہیں۔اس کے بعد آپ کو کیسی تصریح چاہیے؟ اور سابقاً ہم نے جو بیان کیا تھا وہ اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ آئمہ کرام اس کے باوجود احسان کی اس کے علاوہ کسی دوسری تفسیر کو منع نہیں کرتے مگر اس شخص کی نسبت منع کرتے ہیں جو ان کے قاعدے کہ ''شارع نے کلام کو اس کے معہود شرعی پر محمول کیا جائے گا پر عمل پیرا ہے۔''

20......آپ نے کہا ہے کہ جائز ہے کہ احسنوا اور اس کے معطوفات کا مجموعہ ایک چیز ہو۔اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بڑی واضح چیز ہے کہ بلیغ تین چیزوں کو ایک چیز صرف اس وقت شمار کرتا ہے جب ان کے درمیان اتحاد ہوتا ہے۔اور یہی چیز ہمارے اس دعوے کا خلاصہ ہے جس کو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔لیکن آپ نے ان کے درمیان تباین ذکر کیا ہے۔اور تباین کے باوجود بلیغ بلکہ ابلغ البلغاء کے لئے تین تباین چیزوں کو ایک شمار کرنا کیسے اچھا لگے گا؟ پس شارع کے کلام کو اس پر محمول کرنا نہایت ہی بعید بات ہے۔اس لئے اس کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا۔اور اس کی یہ توجیہ کرنا کہ تینوں چیزوں کو ایک غرض کے لئے لایا گیا ہے اسلئے ان کو ایک شمار کرنا مناسب ہے۔اس توجیہ کو اس بنیاد پر رد کیا جائے گا کہ وہ غرض کیا ہے؟ اگر وہ احسان ذبح ہے تو اس کی بات ہم کر چکے ہیں۔اور اگر کوئی اور غرض ہے تو پھر بہت سارے اغراض ہوں گے اور ان سب کو ایک شیء شمار کرنا اچھا نہیں لگے گا۔

21......آپ نے کہا کہ احسان ذبح اور احسان قتل سے مراد مقصود یہ چیز ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ ہم بھی اسی کے قائل ہیں۔

22......آپ نے کہا ہے کہ معدود کا دو چیزیں ہونا ان میں سے ایک پر عطف کے منافی نہیں۔الخ۔اس کا جواب یہ ہے کہ اگر تحقق سے آپ کی مراد یہ ہے کہ تحدید اس کے باوجود احسان کے مباین ہے تو پھر تحدید کا شمار میں شامل نہ ہونا بلاغت کے منافی ہے۔اور اگر آپ کی مراد یہ ہے کہ تحدید اس کے باوجود احسان کے مباین نہیں تو یہ بلاغت کے منافی نہیں۔البتہ یہ ہمارے قول کی دلیل ہے۔

23......آپ نے فرمایا کہ ثم لیرح، کے ساتھ تعبیر کی گئی ہے اور ثم کے ساتھ بغیر فاء کی طرح خاص وعام کے درمیان ہوتی ہے۔الخ

اس کا ہم پہلے جواب دے چکے ہیں اور اس س متعلق کچھ حصہ عنقریب آئے گا۔

24......آپ نے فرمایا ہے کہ:

إِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ الْإِحْسَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ.

احسان قتل واحسان ذبح سے عام ہے۔الخ۔

اس کا جواب یہ ہے کہ احسان سے جو چیز مقصود ہے اس کی نسبت سے زیادتی نہیں۔کیونکہ احسان سے مقصود ان دو کا ذکر ہے۔اور ماقبل کا ذکر تمہید کے طور پر ہے۔اس لئے ان کو شمار کرنا اچھا نہیں لگتا تھا۔

25.....آپ نے کہا کہ قرینہ سیاق پر اکتفاء کرتے ہوئے ارادۂ ذبح کی قید پر دلالت کرنے والا لفظ ذکر نہیں کیا گیا ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ تقدیر عطف کے باوجود سیاق کا کون سا قرینہ ہے؟ کیونکہ اس صورت میں یہ عطف المباینات میں سے ہوجائے گا۔امر بالتحدید اورامر بالاراحت ارادۂ ذبح کی قید کے بغیر سمجھا جائے گا۔اور پھر اس کے لئے یہ دعویٰ کرنا پڑے گا کہ یہ قید خارجی دلیل سے سمجھی جاتی ہے اور اس دعویٰ سے بہت زیادہ تکلف ہے کیونکہ اس صورت میں حدیث کے الفاظ کو اپنے غیر مبہم ظاہر سے خارج کرنا پڑے گا۔اوران کی ایسی تاویل کرنی پڑے گی جس میں ابہام پایا جاتا ہے۔اور پھر اس کا جواب دیا جائے گا کہ خارجی دلیل سے اس قید کا علم ہوتا ہے۔اور یہ ادلہ میں کلام کرنے والوں کا یہ طریقہ نہیں ہوتا۔ان کی شان تو یہ ہے کہ وہ الفاظ کو ان کے متبادر معانی پر محمول کرتی ہیں۔خاص کر ان مقامات میں جہاں غیر متبادر معانی پر محمول کرنے سے کوئی مخالفت یا خفاء وغیرہ لازم آتا ہے۔

26.....آپ نے کہا ہے کہ کتنے اوامر ایسے ہیں جن کے الفاظ مطلق ہوتے ہیں لیکن قرینہ سیاق سے ان کی قید معلوم ہوجاتی ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کا یہ قول مسلم ہے لیکن آپ نے اس حدیث میں جو تجویز بیان کی ہے اس میں تسلیم نہیں کیونکہ ایک چیز پر حدیث کا ظاہر دلالت کررہا ہے اس کے باوجود اس کے ظاہر کو غیر متبادر معنی پر محمول کرکے اس میں پیدا ہونے والے ابہام کو دلیل خارجی کے ذریعے دور کرنا درست نہیں۔

27.....آپ نے کہا ہے کہ کن فیکون میں یہ نہیں کیا جائے گا کہ یہاں اخبار عن الکیفونۃ بغیر قید کے ہے۔الخ۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جس چیز میں ہم بحث کررہے ہیں یہ اس کی نظیر نہیں۔کیونکہ یہاں عقل قید کی شہادت دے رہی ہے اس لئے اس کا حذف کرنا معتبر نہیں۔برخلاف اس کے جس میں ہم بحث کررہے ہیں۔کہ اس میں عقل قید کی شہادت نہیں دے رہی۔کیونکہ احکام شرعیہ اوران کی قیود کی معرفت رسول اللہ ﷺ ہی کی طرف سے ہوتی ہے میں حضور ﷺ سے کوئی حکم اپنی قیود کے ساتھ سمجھا جائے تو ہمارے لئے یہ جائز نہیں کہ ہم اس کے ظاہر کو متبادر معنیٰ سے پھیر کر قید کو حذف کردیں اور پھر دلیل خارجی کے ذریعے قید پر استدلال کریں۔اس تحقیق کے بعد ہمارے مذکورہ قول پر کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا۔

28.....آپ نے کہا کہ تحدید واراحت کا ماقبل ان کے مفاد میں شرط نہیں ہوگا اس سے آپ کی مراد واضح نہیں۔الخ

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر آپ اس کے ماقبل میں غور کرتے تو اس کی خوب وضاحت موجود تھی کیونکہ ماقبل کا مفاد یہ ہے کہ حدیث میں دو چیزوں کے درمیان فرق ہے۔اور نُقِرُّ اور فَیَکُوْن میں استیناف کو تسلیم کرنے سے کوئی خرابی

لازم نہیں آتی اور نہ اس میں کوابہام پایا جاتا ہے۔اور برخلاف حدیث کے کہ اس میں استیناف تسلیم کرنے سے سابق ابہام لازم آتا ہے پس نُقِرُّ اور فیکون اور حدیث کے جملوں کے درمیان واضح فرق ہے۔اسی لئے حدیث کوان پر قیاس نہیں کیا جائے گا۔نُقِرُّ اور فیکون کے مفاد میں ماقبل کے شرط نہ ہونے سے ہماری مراد یہ ہے کہ ان کے ماقبل سے اگر قطع نظر بھی کیا جائے تو تب بھی اس پر کوئی فساد مرتب نہیں ہوتا ہے اور نہ ہی ان میں کوئی ابہام پایا جاتا ہے۔ اور برخلاف اس کے جس میں ہم بحث کررہے ہیں کیونکہ اگر ذبح میں خصوصیتِ احسان سے قطع نظر کیا جائے تو اس پر مذکورہ ابہام مرتب ہوجاتا ہے۔پس ہمارے اس جواب سے آپ کے پہلے دوسرے اور تیسرے اشکال کارد ہوگیا ہے۔

29......آپ نے کہا کہ اراحت کا حد سے عام ہونا عموم وخصوص کا دعویٰ کرنے سے لازم آتا ہے اور یہ دعویٰ آپ نے کیا ہے۔الخ۔اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارے دعوے سے اراحت کا حد سے عام ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ ہم نے احسنوا الذبح کے عموم اور ولیحد، اور ولیرح، کے خصوص کا دعویٰ کیا ہے اور اس میں اراحت کی کون سی عمومیت لازم آرہی ہے۔اور ہم نے اس سے پہلے اراحت کی جو عمومیت بیان کی ہے اس سے ہماری مراد یہ ہے کہ آپ نے اراحت کی جو تفسیر کی ہے اس کے مطابق اراحت کی عمومیت کا لزوم بیان کرنا ہے۔

30......آپ نے کہا ہے کہ شی کی صحت کا حکم اس کے ورود کے جزم بلکہ ورود پر بھی موقوف نہیں۔الخ۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارا دوسری روایت سے استدلال ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے اس کی تائید ہے اور احادیث میں گفتگو کے مناسب یہی چیز ہے اور غیر ضروری تجویزات سے اعراض کا مؤید ہے۔

31......آپ نے کہا کہ آپ کا یہ اعتراض نحاۃ کے یہاں پر عموم وخصوص اور ولیحد کی واؤ کو عطف کے لئے تسلیم کرنے پر موقوف ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارے اعتقاد کے مطابق نحاۃ کا ظاہر حال یہ ہے کہ اگر یہ چیز ان کے سامنے پیش کی جاتی اور وہ قواعد اصولیہ پر اسے جاری کرتے تو اسے ضرور قبول کرتے کیونکہ یہ لفظ کا بے غبار مدلول ومفاد ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی رضا جوئی کی توفیق عطا فرمائے ،اور ہم سب کو اپنے کامل عطیات نصیب فرمائے ، اور ہمیں ہر فتنہ وآزمائش سے محفوظ رکھے اور ہر خیر واحسان کو ہمارے لئے محبوب بنائے اور ہم سب کا خاتمہ اچھائی کے ساتھ فرمائے۔آمین۔(واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم بالصواب)

رزق سے کیا مراد ہے؟

سوال......اس آیت کریمہ میں رزق سے کیا مراد ہے؟

اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ ثُمَّ رَزَقَکُمْ . (سورۃ روم،آیت:40)

اللہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہیں روزی دی۔

کیا رزق سے مراد وہ چیز ہے جس کے ساتھ ڈھانچہ قائم رہتا ہے یا اس سے مراد وہ چیز ہے جس کی ازل میں تقسیم ہو چکی ہے خواہ وہ جس کے ساتھ ڈھانچہ قائم رہتا ہے اس سے زیادہ ہو یا کم، یا اس سے مراد وہ چیز ہے جس کا انسان مالک ہوتا ہے؟۔

جواب.....لغت میں رزق حصہ، بہرہ اور نصیب کو کہا جاتا ہے۔اسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ. (سورۃ الواقعہ، آیت:82)

اور اپنا حصہ بھی لیتے ہو کہ اس کو جھٹلاتے ہو۔

یعنی اے کفار! تم قرآن کریم کی سماعت سے قرآن کریم اور جن پر قرآن کریم نازل ہوا ہے ان کی تکذیب کو حصہ بناتے ہو اور عرف شریعت میں رزق اس سے زیادہ خاص ہے۔شریعت کی اصطلاح میں رزق اس چیز کو کہا جاتا ہے جو جاندار کے ساتھ خاص ہے اور جس سے نفع اٹھانے پر جاندار قدرت رکھتا ہے اور کبھی اس کا اطلاق ایسی چیز پر بھی ہوتا ہے جو ظاہری اور باطنی نعمتوں کو شامل ہوتی ہے۔اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس فرمان میں:

وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُوْنَ. (سورۃ البقرہ، آیت:2)

ہماری دی ہوئی روزی میں سے خرچ کرتے ہیں۔

مفسرین وغیر مفسرین کی ایک جماعت نے فرمایا ہے کہ اس میں احتمال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن ظاہری و باطنی نعمتوں سے نوازا ہے ان سب کا انفاق مراد ہو۔اور آیت سے جو ظاہری نعمتیں متبادر ہیں ان کے ساتھ انفاق خاص نہ ہو۔کیونکہ انفاق جس طرح ظاہری نعمتوں کا ہوتا ہے اس طرح باطنی نعمتوں مثلاً علم و جاہ وغیرہ کا بھی ہوتا ہے۔اسی لئے ابن شیبہ کی مروی حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ:

اِنَّ عِلْمًا لَا يُقَالُ كَكَنْزٍ لَا يُنْفَقُ مِنْهُ.

(المدخل الی السنن الکبریٰ، باب کراہیۃ منع العلم الخ، رقم الحدیث:576، ج:1 ص:347، مطبوعہ: دار الخلفاء للکتاب الاسلامی، کویت)

جس علم کی تبلیغ نہ کی جائے وہ اس خزانے کی مانند ہے جس کو خرچ نہیں کیا جاتا ہے۔

اور طبرانی نے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ:

مَثَلُ الَّذِیْ يَتَعَلَّمُ الْعِلْمَ ثُمَّ لَا يَتَحَدَّثُ بِهٖ كَمَثَلِ الَّذِیْ يَكْنِزُ الْكَنْزَ ثُمَّ لَا يُنْفِقُ مِنْهُ.

(مسند الدارمی، باب البلاغ عن رسول اللہ......الخ، رقم الحدیث:575، ج:1 ص:461، مطبوعہ: دار المغنی، مکۃ المکرمۃ)

جو علم حاصل کرتا ہے اور پھر اس کو بیان نہیں کرتا اُس شخص کی طرح ہے، جو خزانہ جمع کرتا ہے

اور پھر اس میں سے خرچ نہیں کرتا۔

جس چیز کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے بعض عارفین نے بھی یہی مراد لی ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان کو معرفت کی جن انواع کے ساتھ خاص کیا ہے وہ ان کی فیض رسانی کرتے ہیں۔ پس اس تحقیق کے مطابق اللہ تعالیٰ کے مذکورہ فرمان میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر اپنی ظاہری نعمتوں کا جو فضل فرمایا ہے احتمال ہے کہ وہ مراد ہو اور یہ سیاق آیت کے زیادہ مناسب ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی باطنی نعمتوں کا جو فضل فرمایا ہے احتمال ہے کہ وہ مراد ہو اور یہ احسان جتلانے میں زیادہ بلیغ ہے کیونکہ جن مقاصد کے لئے آیت کریمہ کا نزول ہوا ہے ان میں سے ایک مقصد احسان جتلانا بھی ہے۔ سائل کے سوال کا جواب یہ ہے کہ آیت کریمہ میں رزق کا پہلا اور آخری معنی مراد نہیں بلکہ دوسرا معنی مراد ہے۔ اسی لئے اہل سنت کے نزدیک انسان جس حرام کو تناول کرتا ہے اسے رزق کے ساتھ موسوم کیا جاتا ہے۔ جیسے کہ آیات واحادیث اس پر دلالت کرتی ہیں۔

ابن ماجہ وغیرہ میں صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے کہ: وہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے اسی اثناء میں عمرو بن قرہ آیا اور عرض کی! یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم، بے شک اللہ تعالیٰ نے شقاوت لکھ دی ہے۔ پس میرا اپنے بارے میں یہ خیال ہے کہ میں اپنا رزق اپنے ہاتھ میں موجود دف سے ہی حاصل کر سکتا ہوں۔ لہذا آپ مجھے گانے کی اجازت دیں اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا اٰذَنُ لَکَ وَلَا کَرَامَۃَ کَذِبْتَ عَدُوَّ اللّٰہِ لَقَدْ رَزَقَکَ اللّٰہُ حَلَالًا طَیِّبًا فَاخْتَرْتَ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ عَلَیْکَ مِنْ رِزْقِہٖ مَکَانَ مَا اَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ مِنْ حَلَالِہٖ۔

(سنن ابن ماجہ، ابواب الحدود، باب المخنثین، رقم الحدیث: 2614، ج:3 ص: 635، مطبوعہ: دار الرسالۃ، بیروت)

میں تجھے اس کی اجازت نہیں دیتا اور اس میں کوئی عزت نہیں اے اللہ کے دشمن! تو نے جھوٹ بولا ہے بے شک اللہ تعالیٰ نے تجھے حلال و پاکیزہ رزق عطا فرمایا ہے پس اللہ تعالیٰ نے اپنے حلال میں سے جس چیز کو تیرے لئے حلال کیا ہے تو نے اس کے بدلے اللہ تعالیٰ سے اپنے رزق میں سے جس چیز کو تیرے پر حرام قرار دیا ہے اس کو ترجیح دی ہے۔

اس عمرو کو متعدد حضرات نے صحابہ کرام میں شمار کیا ہے۔ اور ایک روایت میں اس کے بعد یہ الفاظ ہیں۔

رزق حلال تلاش کرنا جہاد ہے

وَلَا کَرَامَۃَ وَلَا نِعْمَۃَ اِبْتَغِ عَلٰی نَفْسِکَ وَعِیَالِکَ حَلَالًا فَاِنَّ ذَالِکَ جِہَادٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَاعْلَمْ اِنَّ عَوْنَ اللّٰہِ تَعَالٰی مَعَ صَالِحِی التُّجَّارِ۔

(کنز العمال، کتاب اللہو واللعب، الخ، باب التغنی المحظور، رقم الحدیث: 40672، ج: 15 ص: 222، مطبوعہ: موسسۃ الرسالۃ، بیروت)

(حرام میں) کوئی عزت نہیں اور نہ کوئی نعمت ہے۔اپنی ذات اور اپنے عیال کے لئے حلال تلاش کر کیونکہ یہ اللہ کی راہ میں جہاد ہے۔اور جان لے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد صالح صفت تاجروں کے ساتھ ہے۔

(اس کو ابو نعیم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اس میں دو راوی متروک ہیں۔)

توکل کی تعریف

سوال......کیا ترک توکل گناہ کبیرہ ہے یا کہ نہیں؟ دنیا میں لمبی امیدیں باندھنا گناہ کبیرہ ہے یا کہ نہیں؟

جواب......توکل کی درج ذیل تعریفات کی گئی ہیں۔

1......توکل بول کر کبھی اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے ساتھ جو معاملات فرماتا ہے ان سب پر راضی رہنا مراد لیا جاتا ہے اسی کی طرف حضرت بشر حافی رحمہ اللہ نے اشارہ فرمایا ہے۔

2......تمام مخلوق سے امید قطع کرنے کا نام توکل ہے۔

3......اسباب کی شدت ضرورت کے باوجود اسباب کی طرف میلان کا اظہار نہ کرنا اور حق کی طرف سکون کی حقیقت معلوم ہونے کے باوجود اس سے نزول کا ظاہر نہ کرنا توکل ہے۔

4......بدن کو عبودیت میں مشغول کرنا اور دل کا ربوبیت کے ساتھ چمٹا رہنا اور بقدر کفایت رزق پر اطمینان رکھنا اور کچھ مل جائے تو شکر کیا جائے اور نہ ملے تو صبر کیا جائے۔یہ توکل ہے۔

5......نفس کی تدبیروں کو ترک کرنا اور اپنی چالوں اور قوت سے بے زاری کا اعلان کرنا توکل ہے۔اسی طرح کا توکل وہی شخص کر سکتا ہے جس میں ہمیشہ اس یقین کا انحصار ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کے باطن کو جانتا ہے اور دیکھتا ہے۔

6......اپنی زندگی کو حاضر وقت کی طرف لوٹانا اور کل کی فکر ترک کرنا اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے ارادے پر چھوڑ دینا توکل ہے۔

7......اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے امید نہ رکھنا توکل ہے۔

8......ارباب کو چھوڑنا اور اسباب سے قطع تعلق کرنا توکل ہے۔اور یہ حالت تب پیدا ہوگی جب انسان اپنے نفس کو عبودیت میں مشغول کر دے اور اسے ربوبیت سے نکال دے اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا تعلق جوڑ دے کہ ہر اس سبب کو چھوڑ دے جو دوسرے سبب تک اسے ملاتا ہے۔یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہی کو اپنا مولا و مالک یقین کر لے۔

9......تمہارے ہاں قلت و کثرت کا مساوی ہونا اور اللہ تعالیٰ کی قضاء و احکام کے جاری ہونے کو تسلیم کرنا توکل ہے۔

10......اللہ تعالیٰ پر اعتماد کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر اکتفاء کرنا توکل ہے۔

11......بغیر کسی نافرمانی کے اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق زندگی بسر کرنا توکل ہے۔

12......اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر اطمینان وسکون توکل ہے۔ اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے علم پر اکتفاء کرنا شامل ہوجائے تو یہ تسلیم بن جاتی ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کے حکم کے ساتھ رضا شامل ہوجائے تو یہ تفویض بن جاتی ہے۔

13......وسائل کی طرف قطع نظر کرنا توکل ہے۔ یہ قول ان سب کا جامع ہے توکل کے بارے میں جتنے بھی اقوال ہیں ان میں سے بعض میں توکل کی حقیقت ذکر کی گئی ہے اور بعض میں اس کی علامات ذکر کی گئی ہیں۔

14......بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ توکل کی سب سے اچھی تعریف یہ ہے کہ اسباب کو اختیار کرنے کے باوجود ان کے سبب پر نگاہ رکھنا توکل ہے۔

ترک توکل کا حکم

بہر حال عارفین نے اپنے جامع اقوال میں جن کمالات کی طرف اشارہ فرمایا ہے ان کی خصوصیات ترک کرنے میں کوئی گناہ نہیں حرام ہونا تو دور کی بات ہے اور کبیرہ ہونا اور بھی دور کی بات ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر کے ساتھ اصل رضا کو ترک کرنا کبیرہ ہے۔ جیسا کہ عارفین کے کلام سے معلوم ہوتا ہے پس مصیبت کے وقت پیٹنا اور گریبان پھاڑنا اور اس کی مثل اعمال کبیرہ ہیں۔ بلکہ بسا اوقات یہ ترک رضا کی وجہ سے کفر بن جاتے ہیں۔ العیاذ باللہ تعالیٰ

لمبی امید باندھنے کا حکم

(1)......لمبی امید باندھنے سے مراد کبھی موت اور اس کے ہر لمحہ پائے جانے کی تقدیر سے غفلت برتنا ہوتی ہے۔ چنانچہ حدیث پاک میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے حبیب حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے کوئی چیز ایک ماہ تک ادھار پر خریدی اور جب یہ بات حضور ﷺ تک پہنچی تو آپ نے فرمایا:

اِنَّکَ طُوْلُ الْاَمَلِ.

(تم تو لمبی امید والے ہو)

(شعب الایمان للبیہقی، الزہد وقصر الامل، فصل فیما بلغنا عن الصحابۃ......الخ رقم الحدیث: 10129، ج:13، ص:172، مطبوعہ: ایضاً)

اس کے ترک میں کوئی گناہ نہیں۔ اسکا حرام ہونا اور گناہ کبیرہ ہونا تو دور کی بات ہے۔

(2)......اور لمبی امید باندھنے سے کبھی ارتکاب معاصی کے بعد طول حیات کی امید پر ان سے توبہ کرنے میں تاخیر مراد ہوتی ہے۔ اور کبیرہ گناہ کے ارتکاب کے بعد اس سے توبہ نہ کرنا کبیرہ ہے۔ لہٰذا اس طرح کی لمبی امید کبیرہ ہوگی۔

(3)......لمبی امید باندھنے سے کبھی اموال جمع کرنے میں نفس کو کھلا چھوڑنا مراد ہوتا ہے۔ پس اگر وہ حلال

طریقہ سے مال جمع کرتا ہے تو اس میں کوئی گناہ نہیں۔ لیکن اگر اس سے اس کا ارادہ تفاخر و تکاثر ہے تو پھر حرام ہے بلکہ گناہ کبیرہ ہے۔ اور اگر حرام طریقہ سے مال جمع کرتا ہے تو پھر حرام یا کبیرہ ہے یہ تمام احکام شریعت کے قواعد و دلائل سے واضح ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ لمبی امید باندھنے کو حرام نہ کہا جائے گا اس کا کبیرہ ہونا تو دور کی بات ہے۔ بلکہ اس میں ہم نے جو تفصیل بیان کی ہے اور اس کی جن اقسام کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے ان کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ ان اقسام کی وادیوں میں لوگ متفرق ہیں۔ کوئی قلت والا ہے اور کوئی کثرت والا، کوئی مدہوش اور کوئی ہوشمند ہے اور کوئی حق پر ہے اور کوئی باطل پر۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہمیں اچھے اخلاق و اعمال اور آداب و احوال والا بنائے۔ آمین

مسلمانوں کے اطفال جنت میں ہوں گے، کافروں کے بچوں کے بارے میں چار اقوال

سوال...... اطفال کے بارے میں اختلاف کا خلاصہ کیا ہے؟ کیا اطفال خواہ بچے ہوں یا بچیاں جنت میں اہل جنت کے خادم ہوں گے؟ کیا جنت میں ان کے درجات میں تفاضل ہوگا؟۔

جواب...... مسلمانوں کے بچے قطعاً بلکہ اجماعاً جنت میں ہوں گے۔ اس میں اختلاف شاذ بلکہ غلط ہے اور کافروں کے بچوں کے بارے میں چار اقوال ہیں۔

پہلا قول ...... کافروں کے بچے بھی جنت میں ہوں گے یہی محققین کا مذہب ہے ان کے درج ذیل دلائل ہیں۔

1...... اللہ تعالیٰ کا فرمان:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا. (سورۃ بنی اسرائیل، آیت: 15)

اور ہم عذاب کرنے والے نہیں جب تک رسول نہ بھیجیں۔

2...... وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى. (سورۃ الانعام، آیت: 164)

اور کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔

3...... امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ حدیث تخریج کی ہے اور یہی دلیل بس کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خواب میں مسلمانوں اور کافروں کے بچوں کو جنت میں حضرت ابراہیم علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گرد جمع دیکھا انبیاء کرام کے خواب بالاجماع وحی ہیں۔

4...... اور ایک دوسری حدیث میں ان کے جنت میں ہونے کی تصریح ہے۔ اور محدثین کا اس حدیث کو ضعیف کہنا ضرر رساں نہیں کیونکہ ہمارے لئے ظاہر قرآنی کے ساتھ بخاری کی مذکورہ حدیث کافی ہے۔

5...... ایک حدیث میں ہے کہ کافروں کے بچے اہل جنت کے خادم ہوں گے۔ اگر یہ حدیث صحیح ہے تو اس میں یہ

احتمال ہے کہ خادم ہونے سے مراد مسلمانوں کے بچوں کے مراتب سے ان کے مراتب پست ہونے سے کنایہ ہو۔ کیونکہ مسلمانوں کے بچے اپنے والدین کے ساتھ ہوں گے۔ جیسے کہ آیہ کی اس پر نص ہے اوران بچوں کے والدین جنت میں نہیں ہوں گے اس لئے وہ اپنے درجے میں ہوں گے۔اورحدیث میں وارد ہے کہ جنت میں درجات حسب اعمال ہوں گے۔ظاہر ہے کہ اس سے مراد مکلفین کے درجات ہیں۔اورآیت کریمہ کا مقتضیٰ یہ ہے کہ جنت میں "آباء" کا "ابناء" کے ساتھ اور "ابناء" کا "آباء" کے ساتھ الحاق ہوگا اگرچہ وہ بلند درجات پر فائز ہوں گے خواہ انہوں نے ایسے نیک اعمال نہ بھی کئے ہوں جوان کو بلند درجات تک پہنچاتے۔اللہ تعالیٰ کا فضل بڑا وسیع ہے۔ پس اگر یہ حدیث صحیح ہے تو پھر اس کوان لوگوں پر محمول کیاجائے گا جن کو درجات میں دوسروں کے ساتھ الحاق نہیں کیاجائے گا۔اوراس بارے میں مذکر ومؤنث کے درمیان کوئی فرق نہیں۔

دوسرا قول......کافروں کے بچے اپنے "آباء" کے تابع ہونے کی وجہ سے جہنم میں ہوں گے۔امام نووی رحمہ اللہ نے اس قول کواکثر اہل علم کی طرف منسوب کیا ہے۔لیکن اس قول کی مخالفت کی گئی ہے اورامام نووی رحمہ اللہ نے اس کے حق میں اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ:

"ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ یارسول اللہ! اگرہم ایمان لائیں اورہماری ایک بہن جو حد بلوغ کونہیں پہنچی تھی کہ اس کوزندہ درگور کیاگیاہے (اس کا کیا بنے گا) توحضور ﷺ نے فرمایا:

اَلْوَائِدَۃُ وَالْمَؤْدَۃُ فِی النَّارِ اَلَّا اَنْ تُدْرِکَ الْاِسْلَامَ فَیَغْفِرُ اللّٰہُ لَھُمَا۔

(المعجم الکبیر للطبرانی، باب السین، سلمۃ بن یزید، رقم الحدیث: 6319، ج: 7، ص: 39، مطبوعہ: ایضاً)

زندہ درگور کرنے والی اورزندہ درگور کی جانے والی جہنم میں ہوں گیں لیکن اگروہ اسلام کوپالیتی تواللہ تعالیٰ ان کوبخش دیتا۔

قول اول والوں کی طرف سے اس حدیث کاجواب یہ ہے کہ اس میں یہ احتمال ہے کہ آپ نے یہ ان کے جنتی ہونے کے علم سے پہلے فرمایا ہوجیسا کہ آپ نے فرمایاہے کہ **ھم من اٰبائھم** (وہ اپنے آباء کے ساتھ ہوں گے) اوراس کے بعد آپ کوان کے جنتی ہونے کاعلم عطا فرمایا گیا ہو۔

یہ جواب اُس جواب سے زیادہ بہتر ہے جس میں کہا جاتا ہے کہ علماء کی ایک جماعت کے نزدیک غزوہ خندق سے پہلے ایمان کے مکلف ہونے کامدار بچے کے ممیز ہونے پرتھا اورخندق کے بعد اس کامدار بلوغ کوقرار دیاگیا ہے۔

تیسرا قول......اس بارے میں تیسرا قول توقف کا ہے۔جس کی تشریح یہ کی جاتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہیں پس ان میں سے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ وہ اگر بالغ ہوتے تو ایمان لاتے توان

کو جنت میں داخل فرمائے گا۔یا وہ بالغ ہوتے تو کفر کرتے تو ان کو دوزخ میں داخل فرمائے گا۔

ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے اس قول کو اکثر اہل علم کی طرف منسوب کیا ہے اور اس پر رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے اطفال کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ . اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے جو وہ عمل کرنے والے تھے۔

(مسند احمد، مسند بنی حاشم، مسند عبداللہ بن عباس، رقم الحدیث: 1845، ج:2 ص:425 مطبوعہ: ایضا)

چوتھا قول...... یہ ہے کہ ان کو قیامت کے دن ایک جگہ جمع کیا جائے گا اور ان کے سامنے جہنم بھڑکایا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا تم اس میں داخل ہو جاؤ۔ پس ان میں سے جو اللہ تعالیٰ کے علم میں شقی ہوگا وہ اس میں داخل ہو جائے گا اور جو اللہ تعالیٰ کے علم میں سعادت مند ہوگا وہ اس میں داخل ہونے سے رُک جائے گا۔ علامہ حلیمی رحمہ اللہ نے اس قول کا رد کرتے ہوئے تین دلیلیں پیش کی ہیں:

1......اس بارے میں حدیث ثابت نہیں۔

2......آخرت دار امتحان نہیں کیونکہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کی معرفت بدیہی اور یقینی ہے۔

3......تمام دلائل یہ بتا رہے ہیں خلودِ جہنم صرف شرک کی بنیاد پر ہوگا۔

علامہ حلیمی رحمہ اللہ کی دوسری دلیل کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ آخرت دار امتحان نہیں۔ کیونکہ آخرت میں سجدہ کے ساتھ امتحان ہوگا تو منافق سجدہ کرنے کی طاقت نہیں پائے گا اس پر اعتراض کیا گیا ہے کہ علامہ حلیمی رحمہ اللہ نے جو فرمایا ہے وہی ظاہر ہے اگرچہ ہم اس کا یقین نہیں کرتے کیونکہ اس کے محال ہونے پر نہ کوئی سمعی دلیل ہے اور نہ کوئی عقلی دلیل۔ ابن تیمیہ نے کہا کہ کفار کا اعراف میں ہونے کا قول پر مجھے نہ کوئی حدیث ملی ہے اور نہ کوئی اثر۔ قرآن کریم کی یہ آیت:

وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا. (سورۃ نوح، آیت:27)

اور یہ فاجروں اور کافروں ہی کو جنم دیں گے۔

مذکورہ اقوال کے معارض نہیں کیونکہ یہ ان بچوں کے ساتھ مختص ہے جو بلوغ تک زندہ رہے ہیں اس کی دلیل رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ہے:

كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ وَاِنَّمَا اَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ اَوْ يُنَصِّرَانِهٖ اَوْ يُمَجِّسَانِهٖ .

ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے اور اس کے ماں باپ اس کو یہودی بناتے یا نصرانی بناتے یا مجوسی بناتے ہیں۔

اولیاء اللہ کی کرامات

سوال.....اولیاء اللہ کی کرامات برحق ہیں۔کیا اولیاء کی کرامات انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات مُردوں کو زندہ کرنے وغیرہ تک بھی پہنچ جاتی ہیں؟ اور ولی کی کرامت کے طور پر زندہ کیے جانے والے کا حکم زندوں کا ہوگا یا مُردوں کا۔؟

جواب.....اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک اولیاء کرام کی کرامات برحق ہیں اس میں معتزلہ اور زیدیہ نے اختلاف کیا ہے اور امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے جو فرمایا ہے کہ حضرت ابواسحاق اسفرائنی رحمہ اللہ نے کرامات اولیاء کا انکار کیا ہے۔امام رازی رحمہ اللہ کے اس قول کو بھی اس بناء پر رد کر دیا گیا ہے کہ امام ابواسحاق اسفرائنی رحمہ اللہ نے ان بعض کرامات کا انکار کیا ہے جو نبی کے لئے بطور معجزہ ہوتی ہیں مثلاً احیاء موتی وغیرہ تاکہ کرامت معجزہ کے ساتھ مخلوط نہ ہو جائیں۔اور امام نووی نے ابن الصلاح کی طرح اسفرائنی کے قول کو اس بناء پر غلط قرار دیا ہے کہ اولیاء کی کرامات میں نبوۃ کا معارضہ نہیں ہوتا کیونکہ ولی کو اپنے نبی ﷺ کی اتباع کی برکت سے یہ کرامت عطا ہوتی ہے۔ولی پر حقیقت کرامت کا اظہار اسی وقت ہوتا ہے جب وہ نبی ﷺ کی اتباع کا داعی اور ہر بدعت اور نبی ﷺ کی شریعت سے ہر انحراف سے بری ہوتا ہے۔پس اس حالت میں نبی ﷺ کی اتباع کی برکت سے اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں اور اپنی مدد سے اس کی تائید فرماتا ہے اور اس کے دل میں اپنے انوار کی بارش فرماتا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ولی کی کرامت نبی ﷺ کے معجزات کا بعض حصہ ہوتی ہے لیکن اس کی اتباع کی عظمت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نبی کے بعض خواص کو نبی کے وارث اور اپنی تمام حرکات و سکنات میں نبی کی اتباع کرنے والے کے ہاتھ پر ظاہر فرما دیتا ہے۔دیکھئے کہ حضرت اسید بن حضیر کندی رضی اللہ عنہ کی قرأت سننے کے لئے فرشتے نازل ہوئے۔اور حضرت سلمان اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہما ایک بڑے پیالے میں کھانا کھا رہے تھے اچانک اس پیالے اور اس میں موجود کھانے نے اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھنی شروع کر دی۔

صحیح قول یہی ہے کہ اولیاء کرام کی کرامات احیاء موتی (مردوں کو زندہ کرنے) تک پہنچتی ہیں۔حضرت ابوالقاسم قشیری رحمہ اللہ نے اس میں اختلاف کیا ہے اسی لئے علامہ زرکشی نے فرمایا۔قشیری رحمہ اللہ نے جو فرمایا ہے وہ ضعیف مذہب ہے اور جمہور اس کے مخالف ہیں۔علماء کرام نے حضرت قشیری رحمہ اللہ[1] کے اس قول کی مخالفت کی ہے بلکہ ان

---

[1] آپ اللہ عزوجل کے مقبول بندوں میں شامل ہیں حضرت علی بن عثمان ہجویری المعروف داتا گنج بخش لاہوری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب کشف المحجوب میں آپ کی کرامات بیان فرمائیں ہیں۔آپ کی تصنیفات میں سے ''رسالہ قشیریہ'' خاص شہرت رکھتا ہے جس کا اردو ترجمہ مفتی محمد صدیق ہزاروی مدظلہ العالی نے فرمایا اور مکتبہ اعلیٰ حضرت نے شائع کیا ہے۔اس کا مطالعہ ضرور فرمائیں۔(ابوحنظلہ محمد اجمل قادری)

کے اپنے بیٹے حضرت ابونصر نے اپنی کتاب "المرشد" میں ان کی مخالفت کی ہے اور انکے مذکورہ قول کو نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ صحیح مذہب یہ ہے کہ اولیاء کرام کے لئے بطور کرامت تمام خوارق عادات جائز ہیں۔ اور اسی طرح ارشاد الحرمین اور امام نووی رحمہ اللہ کی شرح مسلم میں ہے کہ:

خوارق عادت کی اپنی تمام انواع کے ساتھ کرامت جائز ہے اور بعض لوگوں نے کرامت کو دعا کی قبولیت وغیرہ کے ساتھ خاص کیا ہے۔ اور یہ غلط اور حس کا انکار ہے بلکہ درست بات یہ ہے کہ کرامت انقلاب اعیان اور اس کی مثل میں بھی جاری ہوتی ہے۔ (انتہیٰ)

گھوڑا زندہ ہو گیا

ایک غزوہ میں کسی بزرگ کا گھوڑا ہلاک ہو گیا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اس کو زندہ فرمانے کی دعا کی تاکہ وہ اس پر سوار ہو کر اپنے گھر تک پہنچ سکے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا قبول فرمائی اور گھوڑے کو زندہ فرمادیا۔ اور وہ بزرگ اس پر سوار ہو کر اپنے گھر پہنچ گیا اپنے بیٹے سے فرمایا گھوڑے سے زین اتار دو کیونکہ وہ ہمارے پاس مستعار ہے۔ بیٹے نے جونہی زین اتاری تو وہ مردہ حالت میں زمین پر گر پڑا۔

مرغی زندہ ہو گئی

حضرت یافعی رضی اللہ عنہ نے حضرت غوث اعظم شیخ سید عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تک سند متصل کے ساتھ روایت کیا ہے کہ ایک نوجوان حضرت غوث اعظم رحمہ اللہ کے ہاں خدمت گار تھا۔ اس نوجوان کی والدہ ماجدہ حضرت غوث اعظم کے پاس گئی تو اس نے دیکھا کہ حضرت کے دستر خوان پر مرغی کا گوشت رکھا ہوا ہے اور آپ اس کو تناول فرما رہے ہیں۔ تو اس عورت کو یہ بات اچھی نہ لگی کہ وہ خود تو مرغی کا گوشت تناول کریں اور اس کے بیٹے کو عام کھانا کھلائیں۔ تو حضور غوث اعظم رحمہ اللہ نے اس عورت سے فرمایا تیرا بیٹا جب اس مقام تک پہنچ جائے گا تو وہ اس طرح کی مرغی کو کہے کہ اللہ تعالیٰ کے اذن سے کھڑی ہو جا تو وہ اٹھ کھڑی ہوگی اور اسکے ساتھ پر لگ جائیں گے اور وہ ان پروں کے ساتھ اُڑ جائے تو پھر وہ مرغی کھانے کا حقدار بن جائے گا۔

اور موت کا وقت اٹل اور حتمی ہے جس میں کوئی کمی یا زیادتی نہیں ہو سکتی اور موت کے وقت کا حتمی ہونا کرامت کے طور پر واقع ہونے والے احیاء میت کے منافی نہیں کیونکہ جس کو کرامت کے طور پر جلایا گیا ہے وہ پہلے اپنی اجل سے مر چکا ہے۔ اور اس کو یہ زندگی بطور کرامت کے ملی ہے اور یہ شبہ بھی درست نہیں کہ مردے کو صرف قیامت کے لئے زندہ کیا جائے گا کیونکہ صرف قیامت کے لئے زندہ کیا جانا عدم کرامت کے وقت ہے۔ اور کرامت کے وقت اس کا زندہ کیا جانا قبر میں سوال کے لئے زندہ کئے جانے کی مانند ہے۔ چنانچہ قبر میں سوال کے لئے زندہ کئے جانے کے

ڈر سے میں صحیح حدیث وارد ہے۔ قرآن کریم سے حضرت عزیرؑ اور آپ کے دراز گوش کا زندہ کیا جانا ثابت ہے اور وہ لوگ جو موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے ہزاروں کی تعداد میں نکلے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو موت سے ہمکنار فرمایا اور اس کے بعد ان کو زندہ فرمایا۔ ان سب کا احیاء بھی قرآن کریم سے ثابت ہے۔

اس تفصیل کے بعد تمہارے دوسرے سوال کا یہ جواب ہے کہ جس کو بطور کرامت زندہ کیا جائے گا تو کبھی اسکے سر کے کاٹنے اور جسم کو جدا کرنے کی وجہ سے موت کا یقین ہوگا پس اس صورت میں اسکی بیوی اس کو نہ ملے گی اور اس کا وہ مال جو وارثوں نے تقسیم کیا ہے وہ بھی نہ ملے گا کیونکہ اس کی یہ زندگی قبر میں سوال کے لئے ملنے والی زندگی کی طرح ہے اور کبھی موت کا یقین نہیں ہوگا تو اس صورت میں اس کی بیوی اور مال اسے ملے گا کیونکہ موت کا یقین نہ ہونے کی وجہ سے کسی چیز سے بھی اس کا حق زائل نہیں ہوا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ موت کے بعد زندہ کرنے سے مراد قیامت کے لئے زندہ کرنا ہے۔ اور اس سے کرامت کے لئے زندہ کرنا یا قبر میں فرشتوں کے سوال کے لئے زندہ کرنا مراد نہیں۔

کون سی آیت افضل ہے؟ اور کون سی سورہ افضل ہے؟

سوال..... قرآن پاک کی کون سی سورۃ افضل ہے؟ اور کون سی آیت افضل ہے؟ تا کہ وہ شخص جس نے یہ قسم اٹھائی ہے کہ وہ قرآن کریم کی افضل سورۃ یا افضل آیت تلاوت کرے گا۔ وہ اس کی تلاوت کر کے اپنی قسم میں سچا ہو جائے۔ کیا اعظم افضل کے معنی میں ہے؟ اور افضلِ اذکار کون سا ذکر ہے؟ اور کیا تسبیح، تحمید او تہلیل کو باہمی ایک دوسرے پر فضیلت حاصل ہے؟۔ اور کیا یہ اذکار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے سے افضل ہیں یا اس کے برعکس افضل ہے۔؟

جواب..... صحیح احادیث میں ہے کہ سورتوں میں سب سے زیادہ عظمت والی سورۃ فاتحہ ہے اور آیات میں سب سے زیادہ عظمت والی آیت آیۃ الکرسی ہے۔ لہٰذا تمام سورتوں میں زیادہ عظمت والی سورۃ سورۃ الفاتحہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ تمام سورتوں سے اس کا ثواب زیادہ ہے۔ چنانچہ شیخ الاسلام ابن حجر رحمہ اللہ نے "فتح الباری" میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ اور ان کے ظاہر کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اعظمیت اور افضلیت کے درمیان تلازم ہے پس سورۃ الفاتحہ کی تلاوت کا ثواب کسی دوسری سورۃ کی تلاوت کے ثواب سے زیادہ ہوگا۔ خواہ دوسری سورہ اس سے طویل کیوں نہ ہو۔

اس پر یہ اعتراض نہیں ہوسکتا کہ ہر حرف کے بدلے میں دس نیکیاں ملتی ہیں (تو لمبی سورت تلاوت کرنے کی صورت میں اس کا ثواب بڑھ جائے گا) یہ اعتراض اس لئے وارد نہیں ہوسکتا کہ صحیح حدیث میں وارد ہے کہ قل ھو اللہ احد، قرآن پاک کے تہائی حصہ کے برابر ہے علماء کرام نے اس کی تشریح یہ کی ہے کہ اس

سورۃ کی تلاوت ثلث قرآن کے حروف کی بلا مضاعفۃ تلاوت کے برابر ہے اس پر یہ اعتراض لازم آتا ہے کہ سورہ اخلاص کی تین مرتبہ تلاوت پورے قرآن پاک کی بالمضاعفہ تلاوت کے برابر ہے کیونکہ یہ ثابت شدہ چیز ہے کہ جو سورہ اخلاص کی تین مرتبہ تلاوت کرتا ہے تو اس کو پورے قرآن پاک کا ہر حرف کے بدلے دس نیکیوں والا ثواب ملتا ہے۔ اس پر قیاس کا تقاضا ہے کہ سورہ اخلاص کی تین مرتبہ تلاوت پورے قرآن پاک کی دس مرتبہ تلاوت کے برابر ہو۔ پس اس سے عمل قلیل کی کثیر پر فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ اور اس میں کوئی تعجب والی بات نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ خصوصیات کا مالک ہے وہ اپنی مخلوق میں سے جس پر چاہے ان کے ساتھ احسان فرماتا ہے کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ یہ امت اپنی کوتاہ عمری کے باوجود دیگر امتوں کے مقابلے میں ان کی طوالت عمر اور کثرت عبادت کے باوجود زیادہ ثواب والی ہے۔ پس اسی سے ہمیں یہ معلوم ہوا کہ عمل قلیل کی کثیر پر فضیلت صرف غالب ترین کام ہے پس اس صورت میں **قل ھو اللہ احد**، ثلث قرآن کے برابر ہونے کا جواب دینے کے لئے یہ کہنے کی ضرورت نہیں رہتی کہ اس سے مراد بلا مضاعفہ ثلث قرآن کے برابر ہونا ہے۔ کیونکہ اس جواب کے ساتھ جس چیز سے بچنا مقصود تھا اسی میں گرنا لازم آتا ہے کیونکہ علماء کا قول ہے کہ سورہ اخلاص کی تین مرتبہ تلاوت پورے قرآن کی بلا مضاعفہ تلاوت کے برابر ہے۔ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ سورہ اخلاص کی تین مرتبہ تلاوت کا ثواب پورے قرآن پاک کی بالمضاعفہ تلاوت کے برابر ہے۔ پس اس صورت میں بھی عمل قلیل کی کثیر پر فضیلت ثابت ہو جاتی ہے اس سے مفر کی وہی صورت ہے جو ہم نے بیان کی ہے یعنی یہ قاعدہ اغلبیہ ہے (قاعدہ کلیہ نہیں) پس بعض اعمال قلیلہ بعض اعمال کثیرہ سے افضل ہوتے ہیں۔

اس تمہید کے بعد سورہ فاتحہ کی تلاوت کا دوسری طویل سورۃ کی تلاوت سے افضل ہونے میں کوئی اشکال نہیں رہتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مکمل سورہ کی قرأت میں اتباع سنت کی فضیلت مضاعفہ (ثواب میں کئی گناہ اضافہ) کی فضیلت سے بڑھ جاتی ہے۔ علامہ رافعی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ نماز میں مکمل سورۃ پڑھنا سورہ کا بعض حصہ پڑھنے سے افضل ہے اگرچہ وہ بعض حصہ طویل کیوں نہ ہو؟ اسی لئے علامہ سبکی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اگر ہم مضاعفہ (ثواب میں کئی گنا اضافہ) کا مسجد حرام کے ساتھ خاص ہونا تسلیم بھی کرلیں تو تب بھی نحر کے دن ظہر کی نماز منیٰ میں ادا کرنا مسجد حرام میں ادا کرنے سے افضل ہے کیونکہ اتباع سنت کی فضیلت مضاعفہ (ثواب کے کئی گنا بڑھنے) کی فضیلت سے افضل ہے۔ اور نماز میں مکمل سورہ کا پڑھنا سورہ کے بعض طویل حصہ کے پڑھنے سے افضل ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ سورۃ مکمل مبداء اور مقطع پر مشتمل ہوتی ہے برخلاف بعض حصہ کے کہ وہ مکمل مبدء اور مقطع پر مشتمل نہیں ہوتا اسی لئے یہ کہنا مستبعد نہ ہوگا کہ طویل حصہ کے مقابلے میں چھوٹی سورۃ افضل ہے۔ اسی سے معلوم ہوا کہ امام رافعی

رحمہ اللہ اور امام نووی رحمہ اللہ کی تعبیروں میں کوئی تناقض نہیں کیونکہ امام رافعی رحمہ اللہ نے اس مسئلہ کی تعبیر ان الفاظ کے ساتھ کی ہے کہ چھوٹی سورۃ طویل سورۃ کے طویل حصہ سے افضل ہے۔اور امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ چھوٹی سورۃ طویل سورۃ کے اس بعض حصہ سے افضل ہے جو چھوٹی سورۃ کے مقدار ہے۔امام رافعی رحمہ اللہ نے یہ تعبیر امر خارجی کو مدنظر رکھتے ہوئے فرمائی ہے اور وہ اتباع سنت اور چھوٹی سورۃ کا مکمل مبدء و مقطع پر مشتمل ہونا ہے۔پس اعتبار سے بعض طویل حصہ پر چھوٹی سورۃ کی افضلیت ثابت ہوتی ہے۔

اور حضرت امام نووی رحمہ اللہ کی تعبیر نفس سورۃ اور نفس بعض کے پیش نظر ہے اس حیثیت سے سورۃ اس بعض حصہ ہی سے افضل ہوگی جو اس کی مقدار کے برابر ہے۔اور اپنی مقدار سے زائد کے مقابلے میں افضل نہ ہوگی۔ان دونوں بزرگوں کی عبارتوں کے درمیان بعض حضرات نے تناقض سمجھ لیا تھا۔ہماری مذکورہ تشریح سے اس کا ازالہ ہوگیا ہے۔

افضلیت و اعظمیت کے درمیان ترادف

امام غزالی رحمہ اللہ کے قول سے اعظم اور افضل کے درمیان ترادف معلوم ہوتا ہے۔چنانچہ وہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے اسماء میں اعظمیت اور افضلیت کا مدار امر واحد ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جن اسماء و آیات میں توحید اور اللہ تعالیٰ کی تعظیم و تقدیس اور بزرگی کی زیادہ صراحت پائی جاتی ہے وہ دیگر اسماء و آیات سے افضل ہیں اگرچہ دوسروں میں حروف کئی گناہ زیادہ پائے جاتے ہوں۔کیونکہ ان میں اکمل طور پر اللہ تعالیٰ کی ثناء ہے اسی لئے یہ کثرت فضیلت کے حامل ہیں گرچہ دوسرے کثرت حروف کے حامل ہیں۔انتہی

افضل اذکار

شارع علیہ السلام نے جن اذکار کو کسی خاص حال اور خاص وقت کے ساتھ خاص نہیں فرمایا ان میں سب سے افضل قرآن مجید اور اس کے بعد حدیث کے مطابق تہلیل (لا الہ الا اللہ) افضل ہے۔حدیث میں ہے:

اَفْضَلُ الذِّکْرِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ. افضل ذکر لا الہ الا اللہ ہے۔

(سنن ابن ماجہ،ابواب الادب،باب فضل الحامدین،رقم الحدیث:3801،ج:3،ص:116،مطبوعہ:ایضا)

اور ایک قول کے مطابق قرآن کریم کے بعد تحمید افضل ہے کہ حدیث میں ہے:

اِنَّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ بِعَشَرَةٍ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ بِثَلَاثِیْنَ.

بیشک لا الہ الا اللہ کے بدلے دس نیکیاں ہیں اور الحمد للہ کے بدلے میں تیس نیکیاں ہیں۔

(صحیح ابن حبان،باب صفۃ الصلاۃ،ذکر البیان بان ہذہ الکلمات الخ،رقم الحدیث:835،ج:3،ص:116،مطبوعہ:ایضا)

بعض حضرات نے اس کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ تحمید تمام انواع ذکر کی جامع ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے لئے تمام صفات کمال کے اثبات اور اس کی ذات سے تمام صفات نقص کی نفی کا فائدہ دیتی ہے اور جو دونوں نوع کی جامع ہے وہ اس کے مقابلے میں افضل ہے جو حرف ایک نوع کی جامع ہے مثلاً سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ افضل ہے صرف تسبیح وتحمید سے۔ اور صحیح حدیث میں ہے:

اَحَبُّ الْكَلَامِ اِلَى اللّٰهِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ.

اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ کلام سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ ہے۔

(المعجم الاوسط، باب المیم، من اسمہ محمد الخ، رقم الحدیث، 7718، ج: 7، ص: 356، مطبوعہ: دارالحرمین، قاہرہ)

علماء کرام اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ "لا الہ الا اللہ" کے بعد اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ کلام یہ ہے۔ اور صحیح حدیث میں ہی ہے کہ:

اَحَبُّ الْكَلَامِ اِلَى اللّٰهِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ .

اللہ کے ہاں پسندیدہ کلام سبحان اللہ اور الحمد للہ اور لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر ہے۔

(المعجم الاوسط، باب المیم، من اسمہ محمد الخ، رقم الحدیث، 7718، ج: 7، ص: 356، مطبوعہ: دارالحرمین، قاہرہ)

بعید نہیں کہ ان چاروں کلمات کا مجموعہ باقی مطلقاً اذکار سے افضل ہو۔ اس کی تائید یہ چیز بھی کرتی ہے وہ باقیات صالحات جن کے بارے میں آیات میں نص ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں افضل ہے۔ ان کو ابن عباس وغیرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان مذکورہ چار کلمات میں محصور فرمایا ہے۔

رہ گیا "استغفار" تو اس سے مراد اگر مجرد مغفرت ہے، تو پھر مذکورہ اذکار اس سے افضل ہیں اور اگر استغفار توبہ کے ساتھ مقترن عنوان استغفار مراد ہے تو پھر بعض علماء کے قول کے مطابق وہ ان اذکار سے افضل ہے۔ لیکن یہ قول محتاج دلیل ہے اور اس قول کی تائید اس چیز سے ہوتی ہے کہ بعض حضرات نے فرمایا ہے صحیح توبہ کے ساتھ استغفار کرنا واجب ہے اور جس چیز کے وجوب پر قول موجود ہے وہ اس چیز سے افضل ہوتی ہے جس کے وجوب کا کوئی قائل نہیں۔ اور انہی بعض حضرات نے یہ فتویٰ بھی دیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ پر درود بھیجنا استغفار سے افضل ہے۔ کیونکہ درود اللہ تعالیٰ کے حق اور نبی کریم ﷺ کے حق کی ادائیگی کا جامع ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حق کی ادائیگی امتثال امر کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے تمہارے تک وہ چیزیں پہنچائیں ہیں جس کی مثل کسی نبی نے اپنی امت کو نہیں پہنچائیں۔ پس آپ پر درود بھیجنا ان چیزوں کے مقابلے میں کچھ مکافات ہے۔

کیا "اَللّٰهُ فِي السَّمَاءِ" کہنا جائز ہے؟

سوال ..... کیا اللہ آسمان میں ہے کہنا جائز ہے؟ (ظالم اور منکر اللہ کے بارے میں جو کہتے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے بہت

بلند ہے)۔ اور جو ایسا کہے اس کا کیا حکم ہے؟ اور اس کا قائل حضرت سوداء رضی اللہ عنہا کی حدیث سے استدلال کرتا ہے اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا کیا حکم ہے۔ اس کے تفصیلی جواب کی اشد ضرورت ہے۔

جواب..... قاضی عیاض رحمہ اللہ کے قول کے مطابق یہ توحید کے مشکل مسائل میں سے ایک ہے اگر چہ بعض معتبر شیوخ کا اس بارے میں کلام تساہل پر مبنی ہے اور زمانے کے اعتبار سے اس مسئلہ کو ذکر نہ کرنا مناسب ہے اور اگر اسکا ذکر ضروری ہے تو پھر اس میں کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ پر تجسیم، حلول اور استقرار محال ہے۔ اور عقل کا واضح فیصلہ بھی یہی ہے اور تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ جن آیات واحادیث کے ظاہر سے اس کا وہم پیدا ہوتا ہے۔ ان کی حقیقت مراد لینا محال ہے۔ اور اس کے بعد چند مسائل میں ان کا اختلاف ہے جن میں سے ایک مسئلہ یہ ہے کہ کیا بغیر کسی تحدید وتکیف کے اللہ تعالیٰ پر جہت فوقیت وعلو کا اطلاق جائز ہے یا کہ نہیں؟ تمام متکلمین، ممتاز علماء اور اہل اصول کا مذہب یہ ہے کہ اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر محال ہے۔ چنانچہ ابو المعالی امام الحرمین رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الارشاد" وغیرہ میں متکلمین وفقہاء سے یہی نقل فرمایا ہے وہ فرماتے ہیں کہ: جہت فوقیت کا اطلاق تجسیم، حلول اور تحیز ومماست، مباینت اور محاذات کا ملزوم ہے اور یہ تمام چیزیں حادث ہیں اور جو چیز حوادث سے خالی نہیں ہوتی یا جو حوادث کی محتاج ہوتی ہے وہ بھی حادث ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ پر حدوث شرعاً وعقلاً محال ہے اور کتب اصول میں اس مسئلہ کا واضح ذکر موجود ہے۔

قرآن کریم کی جن آیات اور جن صحیح احادیث کے ظاہر سے اس کا جو وہم پیدا ہوتا ہے۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے بعض سلف مثلاً شعبی، ابن المسیب اور سفیان رحمہم اللہ کا مذہب ان سے توقف کرنا ہے وہ فرماتے ہیں جیسے وہ وارد ہیں ان پر ایمان رکھنا واجب ہے اور ہم ان کی تفسیر کی طرف بڑھنے کی جسارت نہیں کر سکتے۔ اس مذہب کو اسی بنیاد پر ضعیف کہا گیا ہے کہ ابھی ہم نے بیان کیا ہے کہ عرف لسان میں ان کی جو حقیقت ہے وہ بالاجماع مراد نہ لی جائے گی اس لئے کہ علماء کرام نے ان کو اپنے ظاہر سے پھیرنے سے متعلق کلام کیا ہے اور ان سے سکوت عوام کو وہم میں ڈالنے والی اور جہلاء کو بیدار کرنے والی چیز ہے۔ اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ ان آیات واحادیث کو ان کے ظواہر سے پھیر کر ایسے محامل پر محمول کیا جائے جو ان کے ماخذوں کے قریب اور شرع وعقل اور زبان عرب کے لحاظ سے ان کے لائق ومناسب اور ان کے ظواہر سے جو وہم پیدا ہوتا ہے اس سے اللہ تعالیٰ کی تنزیہ کے مقتضی ہوں۔

امام الحرمین ابو المعالی رحمہما اللہ وغیرہ حاذق وماہر متکلمین نے اس پر نص فرمائی ہے اور حضرت قاضی باقلانی رحمہ اللہ وغیرہ علماء کا ان آیات واحادیث میں سے بعض کے بارے میں یہ مذہب ہے کہ بغیر کسی تحدید وتکیف کے اللہ تعالیٰ کی عظمتِ شان کے لائق کسی زائد صفت پر دلالت کرتی ہے۔ پس ہر فریق کے ہاں اللہ تعالیٰ کی شان کے مطابق

جو یلات وما خذ ہیں اور اس میں طویل مباحث ہیں۔ جو ان مباحث کو پڑھنے کا شوق رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ وہ کتب تحبیر اور ابن فورک رحمہ اللہ وغیرہ علماء کی کتب "مشکل الاحادیث" کا مطالعہ کرے۔ اگرچہ علامہ مازری رحمہ اللہ نے علامہ قابسی رحمہ اللہ کے بارے میں نقل کیا ہے کہ وہ ابن فورک رحمہ اللہ کے لئے اس لئے بددعا دیتے تھے کہ انہوں نے اپنی کتاب میں مشکل احادیث کو ضعیف ہونے کے باوجود داخل کر کے ان کا جواب دینے کی زحمت اٹھائی ہے ان کا ذکر نہ کرنا ذکر کرنے سے بہتر تھا۔ (انتہی)

علامہ قابسی رحمہ اللہ کی یہ بددعاء بے محل ہے بلکہ یہ تعصب ہے۔ کیونکہ ابن فورک مسلمانوں کے امام اور دین کا دفاع کرنے والے ہیں۔ انہوں نے ان احادیث کے ضعف کے باوجود جواب دینے کا تکلف اس لئے کیا ہے کہ بسا اوقات وہ لوگ جن کو صحیح احادیث کو ضعیف سے امتیاز کرنے کا علم نہیں ہوتا وہ ان ضعیف احادیث میں الجھ جاتے ہیں اس لئے انہوں نے ان کو صحیح فرض کر کے ان کا جواب دیا ہے کیونکہ آئمہ حدیث کے نزدیک صحت وضعف امور قطعیہ میں سے نہیں بلکہ امور ظنیہ میں سے ہیں اس لئے ضعیف کا صحیح ہونا ممکن ہے۔ پس اس مقصد کے تحت ان کے جواب کی ضرورت ہے لہٰذا ابن فورک رحمہ اللہ نے جو کیا ہے وہی درست اقدام ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزاء خیر عطا فرمائے۔ آمین

مذہب دوم

دوسرا مذہب یہ ہے کہ بغیر کسی تحدید وتکییف کے اللہ تعالیٰ کے لئے فوق کا اطلاق جائز ہے۔ اس مذہب کو ابوالمعالی امام الحرمین رحمہ اللہ نے "الارشاد" میں فرقہ کرامیہ اور فرقہ حشویہ سے نقل کیا ہے اور قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فقہاء محدثین اور بعض اشعری متکلمین سے نقل کیا ہے۔ امام برزلی مالکی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ:

قاضی عیاض رحمہ اللہ کے بارے میں بعض مالکی علماء کی رائے

ہمارے شیخ اور امام نے حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ پر یہ مذہب بعض اشعری متکلمین سے نقل کرنے کی وجہ سے شدید تنقید کی ہے اور فرمایا کہ میرے علم اور میں نے ان کتب کا جو مطالعہ کیا ہے اس کے مطابق ان میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں۔ اور امام برزلی رحمہ اللہ کہتے ہیں میں نے اپنے شیخ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ قاضی عیاض رحمہ اللہ علمِ اصول میں ضعیف ہیں۔ یہ چیز ان کی تالیفات سے معلوم ہوتی ہے حالانکہ وہ احادیث اور ان کے راویوں اور احادیث کے ضبط اور لغات کے بہت بڑے عالم تھے۔ ان تمام علوم میں وہ پیشوا ہیں۔ اس مسئلہ میں انہوں نے اہل اصول سے جو چیز نقل کی ہے اس کی طرف التفات نہیں کی جائے گی۔ اور شفاء شریف میں انہوں نے جو کلام کیا ہے وہ ان کے اس فن کے علم پر دلالت کرتا ہے۔ اور انہوں نے شفاء میں یہ مذہب بعض اشاعرہ سے نقل نہیں کیا اور ابن بزیزہ رحمہ اللہ نے "شرح الارشاد" میں اس مذہب کو علامہ قلانسی رحمہ اللہ جو کہ اشاعرہ کے مشائخ میں سے ہیں ان سے

اور امام بخاری رحمہ اللہ وغیرہ سے نقل کیا ہے لیکن ابن بزیزہ رحمہ اللہ محدث ہیں (اصولی نہیں) ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے "الاستذکار" میں اسی مذہب کو اختیار کیا ہے اور ہمارے شیخ مذکور نے ان پر شدید تنقید فرمائی ہے اور فرمایا کہ فقہاء مذہب نے ابن عبدالبر پر ہمیشہ سے اس لئے تنقید کی ہے کہ انہوں نے احادیث وارده کو ان کے ظاہر پر محمول کیا ہے اور انہوں نے اپنے مذہب کی تحقیق کے وقت بزعم خویش اپنے مذہب کا جو دفاع کیا ہے وہ درحقیقت شیخ ابومحمد بن ابوزید رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ میں جو کلام کیا ہے وہ ہے۔ حضرت شیخ عزالدین رحمہ اللہ کے مسئلہ میں ہے۔

سوال...... ابن ابی زید کے اس قول کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے کہ وہ فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بذاتہ اپنے عرش مجید کے اوپر ہے اور اپنے علم کے ساتھ ہر مکان میں موجود ہے۔ کیا ان کے اس قول سے عقیدہ جہت مفہوم ہوتا ہے؟ اور کیا اس کے معتقد کی تکفیر کی جائے گی یا کہ نہیں؟۔

جواب...... شیخ عزالدین رحمہ اللہ نے اسکا جواب یہ دیا ہے کہ اس کلام کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے جہت کا قول ذکر نہیں کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے عرش پر ہونے اور اللہ تعالیٰ کے اپنے علم کے ساتھ مخلوق کے ساتھ ہونے میں فرق ہے۔ اور زیادہ صحیح مذہب یہ ہے کہ جہت کے معتقد کی تکفیر نہ کی جائے گی کیونکہ علماء مسلمین نے جہت کے معتقدین کو اسلام سے خارج نہیں کیا بلکہ مسلمانوں کے ترکہ سے ان کے لئے ارث اور مسلمانوں کے قبرستان میں ان کو دفن کرنے کا اور ان کے خون ومال کے حرام ہونے کا حکم دیا ہے اور ان پر نماز جنازہ پڑھنے کو واجب قرار دیا ہے اسی طرح تمام اہل بدعت کے بارے میں حکم دیا ہے۔ اور مسلمان ہمیشہ سے ان پر اسلام کے احکام جاری کرتے آئے ہیں اور جن لوگوں نے ان کی تکفیر کی ہے ان کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ وہ اس بارے میں تمام مسلمانوں کی رائے کی مخالفت کر رہے ہیں۔ (شیخ عزالدین کا کلام ختم ہوگیا)

اور بعض وہ لوگ جن کو طلب علم کی طرف منسوب کیا جاتا ہے انہوں نے کہا ہے کہ یہ کفریہ کلام ہے اور اس کا قائل کافر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حق میں جو جہت کا اعتقاد رکھتا ہے وہ بالاجماع کافر ہے اور جو اس کے کفر میں توقف کرے وہ بھی کافر ہے۔ لیکن ان لوگوں کی اس بنیاد پر مخالفت کی گئی ہے کہ اہل ہوا کی تکفیر میں آئمہ کے درمیان اختلاف واقع ہے۔ اور قاضی عیاض رحمہ اللہ نے "شفاء" میں فرمایا ہے کہ اہل تشبیہ وغیرہ کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اور ابن تلمسانی نے اسی مذکورہ مسئلہ میں اختلاف بیان کیا ہے اور مذکورہ فتوؤں میں سے کسی کو قبول نہیں کیا ہے۔ اور حلولیہ سے متعلق مسئلہ میں نقل اجماع سے استدلال کیا ہے اور اس مسئلہ کو بعینہٖ عزالدین رحمہ اللہ کا جواب قرار دیا ہے اور حلولیہ کو بالاجماع کافر قرار دیا ہے۔ اور بعض مفتیوں نے ان متلاشیان کے کلام کا یہ جواب دیا ہے کہ شیخ عزالدین رحمہ اللہ کا قول صحیح ہے اور اس مسئلہ میں کوئی اجماع نہیں اور اس مسئلہ میں ایک دوسری وجہ سے اختلاف ہے کہ کیا ان لوگوں کو اہل تشبیہ کی معرفت ہے یا نہیں؟ اور ان لوگوں نے حلولیہ کے مسئلہ سے اس مسئلہ پر استدلال واحتجاج کیا جو

اس بات پر واضح دلیل ہے کہ ان کو نہ حلولیہ کی معرفت ہے اور نہ اہل تشبیہ کی ، اور حلول کے قائل کی تکفیر پر اجماع سے تشبیہ کے قائل کی تکفیر پر اجماع لازم آتا ہے یہ غیر مفید کلام ہے اور حق بات یہ ہے کہ ملزوم کی صحت سے لازم کی صحت لازم آتی ہے اور لازم کے بطلان سے ملزوم کا بطلان لازم آتا ہے ، نہ کہ کسی قضیہ پر اجماع سے اس کے لازم پر اجماع لازم آتا ہے اور نہ ہی کسی قضیہ کے لازم کے بطلان پر اجماع سے ملزوم کے بطلان پر اجماع لازم آتا ہے ۔ کیونکہ اجماع کی راہ نقل ہے نہ کہ عقل ۔ اور جس کو عقل اور دین کے ساتھ ادنیٰ بھی تعلق ہے اس سے یہ بعید ہے کہ وہ اس امت کی تکفیر کا حکم کرے جس کے ایمان کی نبی اکرم ﷺ نے شہادت دی ہے اور بعید ہے کہ وہ اس امت کیخلاف کفر کی شہادت دینے کی جسارت کرے پس اس بارے میں اجماع کا نقل کرنا کیسے ممکن ہوگا ۔ حلول کی وجہ تکفیر کا مسئلہ مشہور ہے اور اگر کوئی بدعتی یہ کہے اللہ تعالیٰ غیر قادر ہے یا غیر عالم ہے تو وہ اجماعاً کافر ہو جائے گا باوجودیکہ وہ صفت علم اور صفت قدرت کی نفی کر رہا ہے اور اس سے قطعاً اللہ تعالیٰ کا غیر عالم اور غیر قادر ہونا لازم آتا ہے حالانکہ اس کی تکفیر اور اس کے غیر کافر ہونے میں اختلاف مشہور ہے ۔ اور خوارج نے اپنے اقوال فاسدہ اور آراء باطلہ جمع کئے ہیں جو ان کے سوا کسی دوسرے کے ہاں نہیں پائے جاتے ۔

اور علامہ سحنون رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ جو خوارج کو ان کے اقوال کی بناء پر کافر قرار دیتا ہے اس کے بارے میں یہ خدشہ ہے کہ وہ خود کہیں ان کے مسلک کو اختیار کرتے ہوئے گناہوں کی بناء پر تکفیر کا قائل نہ ہو جائے ۔ اس سوال کو نقل کرنے سے یہ ثابت ہوا کہ خوارج کے بارے میں اختلاف نقل ہونے کے باوجود وہ کافر نہیں ۔ اور یہی چیز جہت کے قول کے لازم میں بھی جاری ہوگی کہ کیا لازم قول ، قول کی طرح ہے یا کہ نہیں؟ ابن رشد رحمہ اللہ وغیرہ علماء کا مذہب یہ ہے کہ لازم قول قول کی طرح نہیں اور کسی قضیہ پر اجماع سے اس کے لازم پر اجماع لازم نہیں آتا ۔ اور نہ ہی کسی قضیہ کے لازم کے بطلان پر اجماع سے اس کے ملزوم کے بطلان پر اجماع لازم آتا ہے ۔

اس تحقیق کے بعد جہت فوق کا قائل اگر حلول ، استقرار ، ظرفیت اور تحیز کا اعتقاد رکھتا ہے اور اس عقیدے کا اظہار بھی کرتا ہے تو وہ کافر ہے اور اس کی یہ روش مرتدین کی روش ہے اور اگر اس کا اعتقاد مذہب ثانی کی مثل ہے تو اس میں اختلاف ثابت ہے ۔ پس مذکورہ قول کے مطابق اس میں غور وفکر کرنے کے لئے ماقبل کی طرف رجوع کرنا پڑے گا اور صحیح قول کے مطابق اس میں یہ دیکھا جائے گا کہ اگر وہ اپنے مذہب کی طرف لوگوں کو دعوت دیتا ہے اور اس کی اشاعت واظہار کرتا ہے تو اس کے ساتھ وہ سلوک کرنا پڑے گا جس کا ذکر امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے بارے میں کیا ہے جو اپنی بدعت کی طرف لوگوں کو دعوت دیتا ہے اور ''المدونہ'' میں باب الجہاد کے آخر میں اور ابن یونس علیہ السلام کی تالیف میں اس کی تصریح ہے ۔

اور اگر وہ اس کی طرف دعوت نہیں دیتا لیکن اس کا اظہار کرتا ہے تو مسلمانوں کے امیر اور سلطان پر لازم ہے کہ وہ

اس کو اس عقیدہ سے روکے اور اس کے ساتھ اس حد تک سختی سے پیش آئے کہ وہ اس بدعت سے باز آ جائے کیونکہ عوام کے سامنے اس طرح کا دروازہ کھولنا اور اس میں تاویل کی راہ پر چلنا عوام کے عقائد کو فاسد کرنا اوران کو دین کے بارے میں تشکیکات عقلیہ میں ڈالنا اوران کے لئے فتنہ کی آگ بھڑکانا ہے۔

میرے خیال میں اسی کی مثل کسی شخص نے حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے اللہ تعالیٰ کے فرمان ''اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى'' کے بارے میں سوال کیا تھا تو امام مالک نے فرمایا: استویٰ معلوم یا معقول ہے اور کیفیت مجہول ہے اور اس پر ایمان رکھنا واجب ہے۔ اور اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے اور میں تمہیں برا آدمی سمجھتا ہوں۔ اور فرمایا اس کو میری مجلس سے نکال دو۔ اور بعض حضرات نے اس حکایت میں یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ وہ شخص یہ کہتے ہوئے واپس لوٹ آیا کہ اے ابوعبداللہ میں نے یہ سوال اہل عراق اور اہل شام سے بھی کیا تھا مگر انہوں نے آپ کی طرح اس میں توقف نہیں کیا۔ دیکھئے کہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کی کیسی تادیب فرمائی اور کس انداز کے ساتھ اس کو روکا۔ حالانکہ اس نے صرف بعض متشابہ کے بارے میں صرف سوال کیا تھا اور اس شخص کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے جس کی تصریح کی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا صبیغ کے ساتھ پیش آنے والا واقعہ مشہور ہے کہ اس نے متشابہ کے متعلق سوال کیا تو آپ نے اس کو بار بار کوڑے لگائے حتی کہ اس نے کہا اگر تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو تو قتل کردو ورنہ میں نے اپنا مقصد پورا کرلیا ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ کے قول کی تاویل

امام مالک رحمہ اللہ کے مذکورہ قول کی لوگوں نے مختلف تاویلیں کی ہیں۔ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے اس کو اپنے مذہب کا مؤید قرار دیا ہے۔ اور بعض لوگوں نے اس کو جس طرح نقل کیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ نے اہل توقف کے مذہب کی طرح اس میں کلام کرنے سے توقف فرمایا ہے۔ اور بعض لوگوں نے اس سے متکلمین کا مذہب مراد لیا ہے۔ اور ''شرح المعالم'' میں ابن تلمسانی رحمہ اللہ نے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

> استویٰ سے بالیقین استقرار مراد نہیں اس کے باوجود لغت میں استویٰ کے محامل معلوم ہیں۔ بلکہ اس سے مراد قہر اور استیلاء یا صفات کمال میں انتہاء تک قصد مراد ہے۔ کیفیت مجہول ہے سے مراد یہ ہے کہ اس کے لائق محامل میں سے کسی محل کی تعیین ہمارے لئے مجہول ہے۔ اور اس پر ایمان واجب ہے سے مراد یہ ہے کہ اس بات کی تصدیق واجب ہے کہ اس کا صحیح محمل

موجود ہے۔ اور اس کے متعلق سوال کرنا بدعت ہے اس سے مراد یہ ہے کہ طرق ظنیہ کے ساتھ اس کی تعیین کرنا بدعت ہے کیونکہ ایسا کرنا زعم ظنون کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے اسماء اور اس کی صفات میں تصرف کرنا ہے اور ہر وہ چیز جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں معروف نہ ہو وہ بدعت ہے۔ (انتہیٰ)

اس سے تلمسانی رحمہ اللہ نے اس اختلاف کی طرف اشارہ کیا ہے جس کو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اس قسم کے ظواہر میں کلام کیا جائے یا کہ نہ؟

حدیث سوداء کی تاویل

سوال میں سوداء رضی اللہ عنہا کی جو حدیث مذکور ہے اس کی علماء نے مختلف تاویلیں کیں ہیں۔ حضرت علامہ بازری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

حضور ﷺ کا اس سے مقصد سوداء کے موحدہ ہونے پر دلیل طلب کرنا تھا۔ اسی لئے آپ نے اس کے ساتھ ایسی چیز کے ساتھ خطاب فرمایا جس سے اس کا مقصد سمجھا جا سکے۔ کیونکہ دعا اور حوائج کی طلب کے وقت آسمان کی طرف متوجہ ہونا مؤحدین کی علامت ہے۔ اور جو اصنام کی عبادت کرتا ہے وہ اپنی حوائج اصنام سے طلب کرتا ہے اور جو آگ کی پرستش کرتا ہے وہ اپنی حاجات آگ سے طلب کرتا ہے۔ پس رسول اللہ ﷺ کا مقصد سوداء کا عقیدہ ظاہر کرنا تھا کہ کیا وہ مؤمنہ ہے یا کہ نہیں؟ سوداء نے اس جہت کی طرف اشارہ کیا جس کی طرف مؤحدین متوجہ ہوتے ہیں۔

اور ایک تاویل یہ کی گئی ہے کہ سوداء سے سوال "ایسن" (کہاں) کے ساتھ کیا گیا تھا۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا سوال سے مقصد اللہ تعالیٰ کی جلالت وعظمت کے بارے میں اس کا عقیدہ دریافت کرنا تھا۔ پس اس نے اپنی ذات میں اللہ تعالیٰ کی جو عظمت وجلالت موجود تھی آسمان کی طرف اشارہ کر کے اس کی خبر دی ہے۔ کیونکہ جس طرح نمازیوں کا قبلہ کعبہ معظمہ ہے اسی طرح دعا کرنے والوں کا قبلہ آسمان ہے۔ اسی طرح ابن ابی زید رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ میں جو بیان کیا ہے جس کا تھوڑی دیر پہلے ہم نے ذکر کیا ہے اس میں بھی علماء نے مختلف تاویلات کی ہیں نیز ابن ابی زید رحمہ اللہ نے اس مسئلہ کو "المختصر" میں جس انداز کے ساتھ ذکر کیا ہے اس میں کوئی اشکال پیدا نہیں ہوتا۔

ذکر کرنے والے کے لئے تفصیلی معانی بھی جاننا ضروری ہیں؟

سوال ..... کیا ذکر کرنے والے کے لئے ذکر کے تفصیلی معانی کا استحضار افضل ہے؟ مثلاً جو شخص اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتا ہے تو کیا وہ اللہ تعالیٰ کے نقائص سے پاک ہونے کا استحضار کرے اور اس کے بعد ہر تسبیح کے ساتھ ان میں کسی ایک کا استحضار کرے؟ اور اسی طرح جو شخص اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہے تو کیا وہ اللہ تعالیٰ کے کمالات

کا استحضار کرے اور اس کے بعد ہر بار حمد میں ان میں سے کسی ایک کمال کا استحضار کرے؟ اور یوں ہی ہر بار ایک ایک کمال کا استحضار کرتا رہے؟ یا کہ اجمالی طور پر استحضار کرے؟۔

جواب......اجمالی افضل ہے کیونکہ اجمال اتم واکمل ہے۔ مثلاً جو شخص ہر تسبیح میں اللہ تعالیٰ کے جمیع نقائص سے پاک ہونے کی رعایت کرتا ہے یہ شخص اس شخص کی نسبت زیادہ کامل انداز کے ساتھ تسبیح کر رہا ہے جو شخص ہر بار کسی خاص شی کی رعایت کرتا ہے۔ نیز یہ نقائص اس قابل ہی نہیں کہ دل میں رب تعالیٰ کے ساتھ ان کی تفصیلات کو مستحضر کیا جائے ان کا صرف ضرورت تسبیح کی بناء وجہ کلی کے طور پر استحضار ہونا چاہیے۔ اور کبھی تو اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال میں استغراق قلب کی وجہ سے ان کے استحضار کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ پس اس لئے یقیناً نقائص کی طرف التفات نہیں ہوتا۔ سنت میں بھی اجمال کی رعایت فرمائی گئی۔ رسول اللہ ﷺ کے ان کلمات کی طرف دیکھئے کہ:

سُبْحَانَ اللّٰہِ عَدَدُ خَلْقِهٖ وَرِضَا نَفْسِهٖ وَزِنَةُ عَرْشِهٖ وَمِدَادُ كَلِمَاتِهٖ.

(مسند احمد، مسند بنی ہاشم، بالکتہ الاسناد الشیخ محمد حامد الخ رقم الحدیث: 2334، ج: 3 ص: 67، مطبوعہ ایضاً)

ان کلمات میں چار مطالب اجمالیہ پر نص ہے اور نقائص کو حقیر سمجھتے ہوئے ان سے اعراض ہے کہ وہ اس قابل بھی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اور شہود کمال کے حضور میں ان کا گزر ہوسکے۔ اور قرآن کریم کی اکثر تسبیحات میں جس چیز سے اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کی گئی ہے وہ تسبیحات اس چیز کے ملاحظہ سے مطلق ہیں یعنی ان میں اس چیز کا یا اس کی تفصیلات کا لحاظ نہیں کیا گیا بلکہ مطلق اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی کا لحاظ ہے لہذا ہمیں بھی ان قرآنی تسبیحات کی پیروی کرنی چاہیے۔

غیر امام کی تقلید کا حکم

سوال......کیا ایک امام کے مقلد کے لئے دوسرے امام کی تقلید جائز ہے؟ مثلاً ایک شخص حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا مقلد ہے اور رخصتوں کی تلاش میں عمل کے بعد یا عمل سے پہلے کسی دوسرے امام کی تقلید کرتا ہے تو کیا یہ جائز ہے یا کہ نہیں؟ حالانکہ علامہ آمدی اور ابن الحاجب رحمہ اللہ نے تصریح فرمائی ہے کہ عمل کے بعد بالاتفاق ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔

جواب......حضرت امام سبکی رحمہ اللہ نے علماء اسلام کے کلام سے اخذ کرتے ہوئے غیر امام کی تقلید کرنیوالے کے چند احوال ذکر کیے ہیں۔

1......اس کے اعتقاد میں اس مسئلہ میں دوسرے امام کا مذہب راجح ہے تو اس کے لئے اپنے ظن کی اتباع کرتے ہوئے دوسرے امام کی تقلید جائز ہے۔

2 اپنے امام کا مذہب راجح ہونے کا عقیدہ رکھتا ہے یا اپنے امام اور دوسرے امام میں سے کسی کے مذہب کے راجح ہونے کا عقیدہ نہیں رکھتا۔ تب بھی اس کے لئے دوسرے امام کی تقلید جائز ہے۔ خواہ اس کا مقصد دین میں احتیاط کرنا ہو جیسا کہ حیلہ کو اس مقصد کے تحت اختیار کرتا ہے تاکہ وہ سود سے بچ جائے مثلاً ایک مٹھی کو دو درہم کے بدلے فروخت کرنا اور کھایا چیز کو درہم کے بدلے خریدنا۔ اس صورت میں کوئی کراہت نہ ہوگی برخلاف اس حیلہ کے جو اس کے علاوہ کسی اور طریقہ کے ساتھ کیا جائے تو وہ مکروہ ہوگا۔

3..... تقلید سے اسکا مقصد اپنی ضرورت میں رخصت حاصل کرنا ہے تو تب بھی جائز ہے لیکن اگر اسکے اعتقاد میں اپنے امام کا مذہب راجح ہے تو پھر جائز نہ ہوگی اور اس پر عالم کی تقلید واجب ہوگی۔

4..... کسی مذہب کے راجح ہونے کے ظن غالب کے بغیر تقلید سے اس کا مقصد صرف رخصت حاصل کرنا ہے تو جائز نہ ہوگی جیسا کہ سبکی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے۔ وہ فرماتے ہیں اس حالت میں وہ اپنی خواہش کا اتباع کرنے والا ہے نہ کہ دین کی اتباع کرنے والا ہے۔

5..... وہ اتنی کثرت کے ساتھ دوسرے آئمہ کی تقلید کرتا ہے کہ جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ رخصتوں کو تلاش کرنے والا بن چکا ہے کہ ہر مذہب سے وہ مسئلہ لے رہا ہے جو اس میں زیادہ آسان ہے تو اس صورت میں دوسرے امام کی تقلید ناجائز ہے۔ کیونکہ یہ چیز تکلیف کی گرہ سے آزادی کی خبر دے رہی ہے۔

6..... دوسرے امام کی تقلید سے ایسی حقیقت مرکبہ جمع کرتا ہے جو بالاجماع ممتنع ہے تو اس صورت میں بھی دوسرے امام کی تقلید ناجائز ہوگی مثلاً کوئی شافعی رحمہ اللہ شخص کتے کی طہارت میں امام مالک رحمہ اللہ کی تقلید کرے اور سر کے بعض حصہ کے مسح میں امام شافعی رحمہ اللہ کی تقلید کرے۔ تو جائز نہ ہوگی کیونکہ امام شافعی رحمہ اللہ کتے کی طہارت کے قائل نہیں اور امام مالک رحمہ اللہ سر کے بعض حصہ کے مسح کے ساتھ نماز پڑھنے والے کی نماز کو جائز نہیں کہتے۔ بلکہ ان کے نزدیک پورے سر کا مسح لازم ہے۔ امام ابن الہمام رحمہ اللہ کا اس طرح کی تقلید کو جائز کہنا ضعیف ہے اگرچہ انہوں نے اس پر دلائل بھی دیئے ہیں۔

7..... ایک امام کی تقلید کے مطابق عمل کر رہا ہے اور اسکے آثار ابھی باقی ہیں ان آثار کے بقاء کے باوجود اب دوسرے امام کی تقلید کرنا چاہتا ہے تو یہ ناجائز ہے۔ مثلاً کسی حنفی شخص نے اپنے امام کے مذہب کے مطابق حق پڑوس کی وجہ سے شفعہ کر کے کوئی چیز حاصل کی اور اس کے بعد اس کا کوئی دوسرا حقدار نکل آیا اور وہ اب امام شافعی رحمہ اللہ کے مذہب پر عمل کرنا چاہتا ہے تو یہ جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ پہلے یا دوسرے عمل میں اس کی خطاء واضح ہو چکی ہے حالانکہ مکلف شخص واحد ہے۔

عمل کے بعد تقلید جائز ہے

علامہ آمدی اور علامہ ابن حاجب رحمہ اللہ نے جو بیان کیا ہے علامہ سبکی رحمہ اللہ نے اس پر تنقید فرمائی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

بعد از عمل دوسرے امام کی تقلید ناجائز ہونے میں آئمہ کے اتفاق کا دعویٰ کرنا محلِ نظر ہے۔ کیونکہ دوسرے علماء کے کلام سے پتہ چلتا ہے کہ بعد از عمل دوسرے امام کی تقلید میں اختلاف ہے۔ اور جب دوسرے امام کے مذہب کی صحت کا عقیدہ رکھتا ہے تو پھر کیسے ناجائز ہوسکتی ہے۔ لیکن آمدی اور ابن حاجب رحمہما اللہ کے قول کی یہ توجیہ ممکن ہے کہ اس شخص نے عمل کر کے اپنے امام کے مذہب کا التزام کیا ہے اور اس التزام کی وجہ سے وہ اس چیز سے رک گیا ہے جس کا اظہار دوسرے نے اس کے سامنے نہیں کیا ہے اور عام آدمی کے سامنے تو کوئی چیز ظاہر نہیں ہوتی ہے۔ یہ ان کے قول کی توجیہ ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں۔

اور میرے خیال میں اس کو حنفی مقلد کی مذکورہ صورت کی طرح سمجھنا چاہیے اگرچہ یہ منقول نہیں لیکن جو صورت منقول ہے وہ اور اس کی تحقیق اس کی شہادت دے رہی ہیں۔ اور اس سے یہ بھی واضح ہورا کہ بعد از عمل تقلید اگر وجوب سے اباحت کی طرف ہے تاکہ اس سے ترک کیا جائے مثلاً کوئی حنفی وتر کی سنیت میں کسی دوسرے امام کی تقلید کرتا ہے یا تقلید حرام سے اباحت کی طرف ہے تاکہ اس کو کیا جائے مثلاً کوئی شافعی نکاح بلا ولی میں کسی دوسرے امام کی تقلید کرتا ہے۔ پس وتر میں پہلی چیز فعل تھی اور نکاح میں پہلی چیز ترک تھی اور یہ دونوں چیزیں اباحت کے منافی نہیں، وجوب یا تحریم کا اعتقاد عمل سے خارج ہے اور اس سے پہلے حاصل ہوتا ہے۔ پس اس صورت میں دوسرے امام کی تقلید کو ناجائز کہنا زیادہ بعید بات ہے۔ لیکن مفتی اگر ایک حکم کا فتویٰ دے چکا ہے تو اس کے لئے دوسرے امام کی تقلید کر کے اس حکم کے خلاف دوسرا فتویٰ دینا جائز نہیں کیونکہ یہ محض تشبہ ہے۔ ہاں اگر کوئی دینی مصلحت اس کی مقتضی ہے تو اس کے لئے ایسا کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ ابن القاسم رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ انہوں نے نذر ایجاج (نذر ایجاج سے مراد کسی غضب ناک شخص کا کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر نذر ماننا ہے۔ مثلاً کہتا ہے اگر میں فلاں شخص کے ساتھ گفتگو کروں تو مجھ پر اللہ تعالیٰ کے لئے اتنے روزے رکھنے واجب ہوں گے۔ اس نذر میں ناذر کا مقصود نذر اور قربت نہیں ہوتی بلکہ اس کا مقصد اپنے آپ کو کام کرنے کے لئے امادہ کرنا یا کام سے روکنا ہوتا ہے) میں اپنے بیٹے کو امام لیث رحمہ اللہ کے مذہب کے مطابق فتویٰ دیا ہے کیونکہ امام لیث رحمہ اللہ کے نزدیک اس نذر سے کفارۂ یمین کے ساتھ عہدہ برآں ہونا جائز ہے۔ جبکہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک جس چیز کا التزام کیا ہے اسی کی ادائیگی

لازم ومتعین ہے۔اس فتوی کے بعد ابن القاسم رحمہ اللہ نے اپنے بیٹے کو فرمایا کہ دوبارہ ایسا نہ کرنا ورنہ میں صرف امام مالک رحمہ اللہ کے مذہب ہی کے مطابق فتوی دوں گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

متاخرین صوفیاء پر ابن تیمیہ کا اعتراض

سوال ......ابن تیمیہ نے صوفیاء متاخرین پر اعتراضات کیئے ہیں اور فقہ واصول میں بہت سارے مقامات میں اجماع کی مخالفت کی ہے ان کا خلاصہ کیا ہے؟

جواب ......ابن تیمیہ وہ بندہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے رسوا، گمراہ، اندھا، بہرا اور ذلیل کیا تھا۔ اور جن علماء اسلام نے اس کے احوال کا فساد اور اقوال کا کذب بیان کیا ہے۔ انہوں نے اسکے متعلق یہی تصریح فرمائی ہے جو اس کی تصریح چاہتا ہے وہ امام مجتہد ابوالحسن سبکی رحمہ اللہ کو جن کی امامت وجلالت اور درجۂ اجتہاد تک بلوغ پر امت کا اتفاق ہے اور ان کے بیٹے تاج الدین سبکی اور شیخ امام عزبن جماعۃ رحمہما اللہ اور ان کے معاصرین شافعی، مالکی اور حنفی علماء رحمہم اللہ کی کتب کا مطالعہ کرے۔ابن تیمیہ نے متأخرین صوفیاء پر اعتراض کرنے پر اکتفانہیں کیا بلکہ حضرت عمر وحضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما جیسی بزرگ ہستیوں پر بھی اعتراض کیا ہے عنقریب ہم اس کا ذکر کریں گے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ابن تیمیہ کے کلام کی کوئی اہمیت ووزن نہیں، بلکہ وہ اٹھا کر پھینکنے کے قابل ہے۔ اور اس کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا چاہیے کہ وہ ضال، مضل اور غالی ہے اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ اپنے عدل سے پیش آئے اور ہمیں اس کے طریقہ، عقیدہ اور فعل کی مثل سے اپنی پناہ میں رکھے۔

سوال میں جس چیز کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ۔ابن تیمیہ نے بعض جگہ یہ کہا ہے کہ:

صوفیاء کی کتابوں میں ایسا جواز شامل ہے جو دینِ اسلام کے مخالف فلاسفہ کے اصول پر مبنی ہے۔ اور جو شخص اس حقیقت کی معرفت رکھے بغیر ان کا مطالعہ کرتا ہے تو وہ ان چیزوں کو قبول کر لیتا ہے، مثلاً صوفیاء میں سے بعض نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ لوح محفوظ پر مطلع ہوتے ہیں اور ابن سینا اور اس کے متبعین فلاسفہ کے نزدیک لوح محفوظ نفس فلکیہ ہے اور ان کا خیال ہے کہ نفوس بشر کا بیداری یا نیند کی حالت میں نفس فلکیہ یا عقل فعالی کے ساتھ اتصال ہوتا ہے اور وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ بیداری یا نیند کی حالت میں حاصل ہونے والے مکاشفہ کا سبب نفوس بشر کا نفس فلکیہ کے ساتھ اتصال ہے۔ اور یہی نفس فلکیہ عالم میں حدوثِ حوادث کا سبب ہے۔ پس جب بشری نفس کا اس کے ساتھ اتصال ہوتا ہے تو نفس فلکیہ میں جو کچھ موجود ہوتا ہے وہ اس میں منقش ہو جاتا ہے۔ ان چیزوں کو قدیم فلاسفہ نے ذکر نہیں کیا ان کو ابن سینا اور اس کے اتباع کرنے والے نے ذکر کیا ہے۔ اور ان میں سے کچھ چیزیں ابو حامد امام غزالی اور ابن عربی اور ابن سبعین رحمہم اللہ وغیرہ اور ان لوگوں کے کلام میں بھی پائی جاتی ہیں جنہوں نے ان حضرات کی

طرح تصوف میں گفتگو کی ہے۔ اور اسکی حقیقت فلاسفہ کے اصول پر ہے نہ کہ اہل اسلام کے اصول پر۔ اور یہ لوگ اس کی وجہ سے شیعہ، اسماعلیہ، قرامطہ اور باطنیہ کے الحاد کی طرح الحاد کا شکار ہو گئے ہیں۔ بر خلاف اہل سنت و اہل الحدیث سے تعلق رکھنے والے درویشوں اور صوفیاء کے مثلاً حضرت فضیل رحمہ اللہ اور رسالہ قشیریہ کے تمام راوی کہ جن کا تصوف اہل اسلام کے اصول پر مبنی ہے۔ پس ان صوفیاء نے فلاسفہ کے طریقہ سے بہتر طریقوں کی بھی شدید مخالفت فرمائی ہے۔ مثلاً معتزلہ، کرامیہ وغیرہ کی شدید مخالفت کی ہے، پس وہ فلاسفہ کے کیونکر شدید مخالف نہ ہوتے۔

اہل تصوف کے تین گروہ ہیں۔

1......وہ جو اہل الحدیث والسنۃ کے مذہب پر ہیں مثلاً مذکورہ حضرات۔

2......ایک گروہ ہے جو بعض اہل کلام مثلاً کرامیہ وغیرہ کے طریقہ پر ہیں۔

3......ایک گروہ وہ ہے جس نے فلاسفہ کی راہ اختیار کی ہے اور اخوان الصفا کے رسائل کے مسلک کو اختیار کیا اور ابو حیان توحیدی کے کلام میں بھی کچھ حصہ ایسا ہی ہے۔ ابن عربی اور ابن سبعین رحمہما اللہ وغیرہ نے فلاسفہ کی کچھ مختلف چیزوں اور ان کی عبارات کو تبدیل کر کے تصوف کے قالب میں ڈھال لیا ہے۔ ابن سینا نے اشارات کے آخر میں اپنی شان کے لائق عارفین کے مقام پر گفتگو کی ہے اور پوری طرح ان لوگوں کی اکثریت نے بھی اپنے حال کے مطابق تصوف پر گفتگو کی ہے جن کو حقائق ایمانیہ کی معرفت نہیں ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ نے اپنی بعض کتب خاص کر "مشکوۃ الانوار" وغیرہ میں ان میں سے کچھ چیزیں ذکر کی ہیں حتیٰ کہ ان کے شاگرد ابو بکر بن العربی رحمہ اللہ نے بھی اس کا دعویٰ کیا ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں:

> ہمارے شیخ فلاسفہ کے نظریہ میں داخل ہو گئے تھے اور انہوں نے اس سے نکلنے کی کافی کوشش کی مگر وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے۔ لیکن امام ابو حامد غزالی نے رحمہ اللہ کئی مقامات میں فلاسفہ کی تکفیر کی ہے اور ان کے طریقہ کے فساد کو بیان کیا ہے اور فرمایا کہ اس سے مقصود حاصل نہیں ہوتا اور اپنی عمر کے آخری حصہ میں وہ بخاری میں مشغول ہو گئے تھے اور اسی حالت میں ان کی وفات ہوئی۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ انہوں نے آخر عمر میں ان کتب سے رجوع کر لیا تھا۔ اور کچھ لوگوں نے کہا ہے کہ امام غزالی رحمہ اللہ پر فلاسفہ سے متاثر ہونے کا الزام غلط اور افتراء ہے۔ اسی وجہ سے مازری، طرطوشی، ابن جوزی اور ابن عقیل وغیرہ علماء نے امام غزالی رحمہ اللہ کی متعلق بہت کلام کیا ہے۔

ابن تیمیہ کے کلام کا خلاصہ ختم ہو گیا۔ اور یہ خلاصہ اس کے سوء اعتقاد کے مناسب ہے۔ اس کی بداعتقادگی اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ اس نے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد کے آئمہ کی گستاخیاں کیں ہیں۔ اور بسا اوقات اس کی

بد اعتقادی بہت سارے آئمہ دین کو بدعتی قرار دینے تک پہنچ چکی ہے۔من جملہ ان اکابر کے جن کا اس نے پیچھا کیا ہے ولی کامل، قطب وقت، عارف کامل ابوالحسن شاذلی رحمہ اللہ (اللہ تعالیٰ ان کے علوم ومعارف سے ہمیں نفع پہنچائے۔) ہیں ان کی حزب کبیر اور حزب البحر اوران کے بعض کلام پر تنقید کی ہے۔اسی طرح ابن عربی، ابن سبعین اور حسین ابن منصور حلاج رحمہم اللہ کی بھی تنقید کی ہے اوروہ ہمیشہ اکابر کی تنقید میں مشغول رہاحتی کہ اس کے زمانے کے اہل علم اس کے مخالف ہوگئے اوراس کو فاسق وبدعتی قرار دیا۔بلکہ ان میں سے علماء کی ایک کثیر تعداد نے کافر قرار دیا ہے۔اس کے معاصرین میں سے ایک اجل عالم دین نے ۷۰۵ھ میں اس کی جانب یہ مکتوب ارسال کیا کہ:

> فلاں کی جانب سے یہ مکتوب اس شخص کی طرف ارسال ہے جو اپنے زعم میں شیخ کبیر اور عالم اوراپنے زمانے کا امام ہے۔امابعد اہم ایک عرصہ تک اللہ تعالیٰ کے لئے تم سے محبت کرتے تھے۔اور تمہارے بارے میں جو کچھ کہا جاتا تھا اس سے اعراض کرتے رہے، یہاں تک کہ ہمارے سامنے موجبات محبت کے مخالف چیزیں سامنے آئیں۔عقل اورحس دونوں کا فیصلہ ہے کہ یہ موجبات محبت کے مخالف چیزیں ہیں۔جب سورج غروب ہوجائے تو کیا کوئی عقلمند، رات کے ہونے میں شک کرسکتا ہے۔اورتم اپنے بارے میں یہ اظہار کرتے تھے کہ تم امر بالمعروف اورنہی عن المنکر کا فریضہ انجام دے رہے ہو۔اور اللہ تعالیٰ ہی تمہارے مقصد اورنیت کو خوب جاننے والا ہے لیکن اخلاص کے ساتھ عمل ہو تو نتیجہ قبولیت کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے ہمارے مشاہدہ کے مطابق تمہارے معاملہ کا انجام لوگوں کی پردہ دری اور ہتک عزت اوراس خواہشات واغراض پرست انسان کی اتباع کرنا ہے جس کے قول پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا اور یہ شخص سارے زمانے میں اوصاف وذوات کو گالیاں بکتا اوران میں عیب جوئی کرتا رہا ہے اورزندوں کو گالیاں دینے پر قناعت نہیں کی بلکہ مُردوں کی تکفیر تک کا حکم کرتا رہا ہے اورمتاخرین سلف صالحین پر اعتراض کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ صدر اول کے ان بزرگان دین پر بھی اعتراض کرڈالے جو اعلیٰ مراتبِ فضل کے مالک ہیں۔

پس قیامت کے روز اس شخص کے لئے ہلاکت ہے جس کے مدمقابل اس طرح کی ہستیاں ہوں گیں اور بعد ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے غضب سے بچ جائے اورایسے شخص کے لئے کیونکر سلامتی ملے گی۔اور میں ان لوگوں میں سے ہوں، جنہوں نے اس کو صالحیہ کے مقام پر جبل کی جامع مسجد کے منبر پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تذکرہ کے دوران یہ کہتے ہوئے سنا کہ:

''حضرت عمر سے غلطات وبلیات (غلطیوں اورمصیبتوں) کا صدور ہوا ہے۔''

کونسی بلیات؟ بعض سلف نے مجھے بتایا کہ یہ شخص کسی مجلس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر کر رہا تھا اور اس نے ان کے بارے میں کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تین سو سے زیادہ مقامات میں خطا کی ہے۔کاش کہ اس کے خیال کے مطابق اگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غلطیاں کیں ہیں تو تمہیں صواب و درستگی کا حصول کہاں سے ہوگا۔اب تو تمہاری حالت اپنی انتہاء کو اور تمہارا معاملہ اپنے آخری انجام کو پہنچ چکا ہے۔اب تو مجھ پر تمہارے شر کا دفاع کرنا لازم ہے کیونکہ تم گمراہی میں غرق ہو چکے ہو اور تمہاری اذیت رسائی پر زندے اور مُردے تک پہنچ چکے ہیں اور مجھ پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی غیرت شرعاً لازم ہے۔اور تمام مسلمانوں اور اللہ تعالیٰ کے تمام مسلمان بندوں پر علماء کرام کے فیصلہ کے مطابق یہ لازم ہے۔کیونکہ علماء ہی اہل شرع اور وہ صاحبان تلوار ہیں جن کے سبب قطع اور وصل ہوتا ہے۔ اور یہ فریضہ انجام دینا اس وقت تک لازم ہے جب تک تم صالحین رضی اللہ عنہم کی گستاخیوں سے باز نہیں آتے۔(مکتوب ختم ہو گیا)

ابن تیمیہ نے بہت سارے مسائل میں لوگوں کی مخالفت کی ہے۔تاج الدین سبکی رحمہ اللہ وغیرہ علماء نے اس پر تنبیہ فرمائی ہے اور وہ چیزیں جن میں اس نے اجماع کی مخالفت کی ہے وہ درج ذیل ہیں۔

ابن تیمیہ کی طرف سے اجماع کی مخالفت

1......اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو عَلَیَّ الطلاق (تو مجھ پر طلاق ہے) کہتا ہے تو طلاق واقع نہ ہوگی بلکہ اس پر کفارہ یمین واجب ہے حالانکہ ابن تیمیہ سے پہلے کسی بھی مسلمان نے یہ نہیں کہا۔

2......حیض والی عورت کو طلاق دی جائے تو طلاق واقع نہ ہوگی۔

3......جس طہر میں مباشرت ہو چکی ہے اس میں طلاق دی جائے تو طلاق واقع نہ ہوگی۔

4......قصداً نماز ترک کی جائے تو اس کی قضاء واجب نہیں ہوگی۔

5......حیض والی عورت کو کعبہ معظمہ کا طواف مباح ہے اور اس پر کفارہ واجب نہیں ہوگا۔

6......بیک وقت دی جانے والی تین طلاقوں کو ایک شمار کیا جائے گا۔حالانکہ اس کا دعویٰ کرنے سے پہلے خود ہی اس کے خلاف مسلمانوں کا اجماع نقل کر چکا ہے۔

7......ٹیکس، ٹیکس لینے والے کے لئے حلال ہے۔

8......ٹیکس جب تاجروں سے لیا جائے تو وہ انکی زکوٰۃ کی جگہ کفایت کر جائے گا اگرچہ زکوٰۃ کے نام اور طریقہ

پر نہ بھی لیا گیا ہو۔

9 مائعات میں اگر کوئی جاندار چیز مثلاً چوہا وغیرہ مرجائے تو وہ نجس نہ ہوں گیں۔

10 جنابت والا شخص اپنے رات کے نوافل جنابت کے ساتھ ادا کرے اور فجر سے پہلے غسل کر کے پڑھنے تک مؤخر نہ کرے اگر چہ وہ شہر میں ہی کیوں نہ ہو۔

11 وقف کرنے والے کی شرط معتبر نہیں لہٰذا اگر کسی نے کوئی چیز شافعیہ پر وقف کی ہے تو اس کو حنفیہ پر صرف کیا جائے اور اسکے برعکس اگر حنفیہ پر وقف کی ہے تو شافعیہ پر صرف کی جائے اور اگر فقہا کے لئے وقف کی ہے تو صوفیاء پر صرف کی جائے گی۔

12 ......اور اسی طرح مسائل اصول میں حسن وقبح کے مسئلہ میں اجماع کی مخالفت کی ہے۔

13 ......اجماع کی مخالفت کرنے والے کی نہ تکفیر کی جائے گی اور نہ ہی اس کو فاسق قرار دیا جائے گا۔

14 ......اللہ تعالیٰ محل حوادث ہے۔(سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا) اللہ تعالیٰ اس سے بلند ومقدس ہے۔

15 ......اللہ تعالیٰ مرکب ہے کہ اس کی ذات اسی طرح محتاج ہے جس طرح کل جزء کا محتاج ہوتا ہے۔(اللہ تعالیٰ اس سے بلند وپاک ہے۔)

16 ......قرآن کریم اللہ تعالیٰ ذات میں اس کی ذات کی طرف حادث ہے۔

17 ......عالم قدیم بالنوع ہے۔

18 ......ہمیشہ سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک دائمی مخلوق ہے جس نے اس کو موجب بالذات بنایا ہے۔نہ کہ فاعل بالاختیار۔(اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے۔)

19 ......ابن تیمیہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں جسمیت ،جہت اور انتقال کا قائل ہے۔اس کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ مقدار عرش کے برابر ہے اس سے نہ اصغر ہے اور نہ اکبر۔العیاذ باللہ تعالیٰ

اللہ تعالیٰ اس افتراء شنیع ،قبیح اور کفر صریح سے بلند ہے اللہ تعالیٰ اس کے متبعین کو ذلیل ورسواء فرمائے اور اس کے معتقدین کی جمعیت کو منتشر فرمائے۔

20 ......وہ دوزخ فنا ہونے کا قائل ہے۔

21 ......اور انبیاء کرام علیہم السلام کے غیر معصوم ہونے کا قائل ہے۔

22 ......اس کا عقیدہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی جاہ ومرتبہ حاصل نہیں، آپ کے ساتھ توسل نہ کیا جائے۔

23......اس کا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف زیارت کی خاطر سفر کرنا معصیت ہے اور اس سفر میں نماز قصر نہ کی جائے۔(عنقریب جس دن ان کی شفاعت کی ضرورت ہوگی وہ اس سے محروم ہوگا۔)

24......اس کا عقیدہ ہے کہ تورات وانجیل کے الفاظ میں تبدیلی نہیں ہوئی ہے بلکہ ان کے معنوں میں تحریف ہوئی ہے۔(انتھٰی)

بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ جن لوگوں نے ابن تیمیہ کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے انہوں نے ان مذکورہ مسائل میں سے اکثر اس کی طرف منسوب نہیں کئے ہیں سوائے اس کہ وہ جہت کا قائل ہے اور اس کے اثبات میں اس کا ایک رسالہ بھی ہے۔اور اس مذہب کے مطابق جسمیت ،محاذاۃ اور استقرار لازم آتا ہے۔ممکن ہے کہ بعض اوقات وہ ان لوازم کی تصریح کرتا ہو۔اسی لئے خصوصی طور پر ان کو اس کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔اور جن بزرگوں نے یہ مسائل اس کی طرف منسوب کئے ہیں وہ آئمہ اسلام میں سے ہیں جن کی جلالت ،امامت اور دیانت پر اتفاق ہے۔اور وہ ثقہ عادل ،مرتضٰی ،محقق ومدقق ہیں۔پس ایسی شخصیت بغیر کسی تحقیق اور احتیاط کے کوئی چیز نہیں کہہ سکتی۔خاص کر کسی مسلمان کی طرف ایسی چیز منسوب کرنے میں زیادہ احتیاط وتحقیق کی ضرورت ہے جو اس کے کفر وارتداد وضلالت اور مباح الدم ہونے کا تقاضا کرتی ہے۔پس اگر ان چیزوں کا صدور اس سے صحیح ہے تو وہ مُکَفَّرْ یا مبدع ہے اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ اپنے عدل کے ساتھ پیش آئے۔ورنہ ہماری اور اس کی مغفرت فرمادے۔

علم رمل کا حکم

سوال......رمل کے سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کا حکم کیا ہے؟اور کیا اس پر اجرت لینا جائز ہے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے زائچہ بنانے کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا:

كَانَ نَبِيٌّ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ يَخُطُّ فَمَنْ وَافَقَ خَطَّهُ عَلِمَ.

سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام میں سے ایک نبی زائچہ بنایا کرتے تھے پس جو ان کے زائچہ کی موافقت کرے وہ جان جائے گا۔

(مجمع الزوائد،کتاب العلم،باب فی علم النسب،رقم الحدیث:922،ج:1،ص:192،مطبوعہ:ایضا)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں۔

فَمَنْ وَافَقَ فَهُوَ الْخَطُّ.(پس جو ان کے طریقہ کے مطابق زائچہ بنائے تو وہ زائچہ ہے۔)

اور کہا جاتا ہے کہ یہ نبی حضرت ادریس علیہ السلام تھے اور ایک قول کے مطابق یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ فَقَالَ اِنِّيْ سَقِيْمٌ.

(سورۃ الصافات،آیت:88,89)

یعنی بعض نے فرمایا کہ یہاں نجوم سے مراد زائچے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو دیکھ کر فرمایا کہ میں بیمار ہوں۔

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے مٹی میں زائچہ بنانے کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

عَلَّمَهُ نَبِیٌّ مِّنَ الْاَنْبِیَاءِ عَلَیْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ فَمَنْ وَّافَقَ عِلْمَهُ عَلِمَ.

انبیاء کرام علیہم السلام میں سے ایک نبی نے اس کی تعلیم دی ہے پس ان کے علم سے جو موافق ہے وہ علم ہے۔

(مجمع الزوائد، کتاب الطب، سورۃ الاحقاف، رقم الحدیث: 11332، ج: 7، ص: 105، مطبوعہ: ایضا)

جواب......رمل کا سیکھنا اور سکھانا شدید حرام ہے۔اسی طرح اس کا عمل بھی شدید حرام ہے۔کیونکہ اس میں عوام کو اس وہم میں مبتلا کرتا ہے کہ رمل کا عامل اللہ تعالیٰ کے غیب اور جس چیز کی معرفت اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے خاص کی ہے اس میں اللہ تعالیٰ کا شریک بن رہا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں اور انبیاء علیہم السلام کے سوا کسی کو بھی غیب پر نہ بلاواسطہ مطلع فرماتا ہے اور نہ بالواسطہ مثلاً نجوم، زجر اور خط وغیرہ کے ذریعہ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز میں علم غیب کے مدعی کو کئی آیات میں جھوٹا قرار دیا ہے اور یہ خبر دی ہے کہ ماکان ومایکون کا بالاستقلال علم اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ خاص ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

عَالِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ ۝

(سورۃ الجن، آیت: 26,27)

غیب جاننے والا تو اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔

(کنز الایمان)

لیکن اس صورت میں جمیع مغیبات کی بالجملہ یا تفصیلی خبر دینا مراد ہے۔اور تمام مغیبات کا تفصیلی اور بالجملہ علم رسول کو بھی حاصل نہیں ہوتا۔اور نہ کسی دوسرے کو حاصل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ. (سورۃ آل عمران، آیت: 49)

میں تمہیں بتاتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور جو اپنے گھروں میں جمع کر رکھتے ہو۔

پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس علم کو نبوت کے دلائل ومعجزات میں سے قرار دیا جائے گا۔لہٰذا غیر نبی کے لئے لکیروں اور زائچوں وغیرہ کے ذریعہ غیب پر اطلاع ممکن ہوتی تو پھر نبی کا غیب پر مطلع ہونا دلیل نبوت نہ بنتی کیونکہ یہ

معجزہ نہ ہوتی۔

اسی سے معلوم ہوا کہ جس شعبدہ بازی پر لوگ خوش ہوتے ہیں یا اس پر جمع ہوتے ہیں اس کی معرفت کا دعویٰ کرتے ہیں اور چیزوں کے مہنگی اور سستی ہونے اور بارش برسنے اور قتل و غارت گری اور فتنوں کے وقوع وغیرہ مغیبات کی معرفت کا دعویٰ کرتے ہیں اس میں دلائل نبوت کا ابطال و قرآن کریم کی تکذیب ہے۔ مشہور حدیث میں ہے کہ:

مَنْ صَدَّقَ كَاهِنًا وَّعَرَّافًا فَقَدْ كَفَرَ بِمَا اُنْزِلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ.

جس نے کسی کاہن یا کسی قیافہ شناس کی تصدیق کی بے شک اس نے حضرت محمد ﷺ پر جو چیز نازل ہوئی ہے اس کا انکار کیا ہے۔

(معرفۃ السنن والآثار، کتاب النکاح، باب اتیان النساء، ......الخ رقم الحدیث: 14067، ج:10، ص:163، مطبوعہ: دار الوفاء، قاہرہ)

ایک اور حدیث میں یہ الفاظ ہیں:

مَنْ صَدَّقَ كَاهِنًا وَمُنَجِّمًا فَقَدْ كَفَرَ بِمَا اُنْزِلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ.

جس نے کسی کاہن یا نجومی کی تصدیق کی بے شک اس نے جو چیز رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی ہے اس کا انکار کیا ہے۔

(سنن ابن ماجہ، ابواب التیمم، باب النہی عن اتیان الحائض، الخ، رقم الحدیث: 638، ج:1 ص:404، مطبوعہ: ایضا)

اللہ تعالیٰ سے حکایت کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

اَصْبَحَ مِنْ عِبَادِیْ مُؤْمِنًا وَّكَافِرًا.

میرے بندوں میں سے کچھ ایمان کی حالت میں اور کچھ کفر کی حالت میں صبح کرتے ہیں۔

(مؤطا امام مالک، کتاب الاستسقاء، باب الاستمطار بالنجوم، رقم الحدیث: 653، ج:2 ص:268، مطبوعہ: مؤسسۃ زاید بن سلطان، ابوظبی)

اسی حدیث میں ہے:

اِنَّ مَنْ قَالَ مُطِرْنَا بِنَوْءِ كَذَا فَهُوَ كَافِرٌ بِیْ وَمُؤْمِنٌ بِالْكَوَاكِبِ .

بے شک جو کہتا ہے ہمارے لئے بارش برسائی گئی فلاں ستارے کی وجہ سے تو وہ میرے ساتھ کفر کرنے والا ہے اور ستاروں پر ایمان رکھنے والا ہے۔

(صحیح ابن حبان، کتاب فرض الایمان، ذکر البیان بأن العرب الخ، رقم الحدیث: 188، ج:1 ص:417، مطبوعہ: ایضا)

غیر نبی مغیبات کی جو خبریں دے ان میں کسی غلطی اور کذب کے وقوع کے بغیر تسلسل کا ہونا محال ہے بلکہ ان میں سے اگر کہیں صداقت پائی جاتی ہے تو وہ بھی اتفاقیہ ہے۔ اس میں قصد و ارادہ کا کوئی دخل نہیں ہوگا۔ اور یہ اتفاقیہ صداقت بھی اجمالی امر میں ہوتی ہے۔ نہ کہ تفصیلی میں۔ لیکن اس میں مشغول ہونے والے لوگ اسی سے فریب کھا جاتے

ہیں اور اس کے ماسوا کے بارے میں عذر پیش کرتے ہیں اور یہ چیز ان کے لئے مفید نہیں کیونکہ اگر تم ان لوگوں کی تحقیق و تفتیش کرو گے تو تمہیں معلوم ہوگا کہ ان کے ہاں کوئی علم نہیں ہوتا سوائے اندازہ لگانے اور تخمینہ کرنے کے ۔
اور اس میں سارے لوگ ان کے ساتھ شریک ہیں ۔ (یہ ان کا کوئی امتیازی کام نہیں)
حضور ﷺ نے ابن صیاد کاہن سے پوچھنے کے لئے یہ آیت کریمہ:
فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ .
ترجمہ:

پوشیدہ رکھی تو اس نے کہا وہ دُخ ہے حضور ﷺ نے اس سے فرمایا دفع ہو جا تو اپنی حد سے آگے نہیں بڑھ سکے گا ۔ یعنی انبیاء کرام علیہم السلام کی خبر کی طرح اشیاء کی تفاصیل کی خبر دینا تیرے بس کی بات نہیں ۔ اور اسی طرح ہرقل نے ستاروں کو دیکھ کر کہا تھا کہ اہل مکہ کا بادشاہ ظاہر ہو چکا ہے ۔ لیکن اس نے بھی تفصیلی امر کی خبر نہیں دی بلکہ اپنے کو پریشانی میں مبتلا کرنے اور اپنی حالت کو خراب کرنے والے اجمالی امر کی خبر دی ہے ۔ ستاروں کو دیکھنے سے اس پر نبی کریم ﷺ کے احوال میں سے کوئی چیز ظاہر نہ ہوئی اور نہ ہی آپ کی بعثت کی تفصیلات میں کسی چیز کا انکشاف ہوا ۔

سوال میں جس حدیث کا ذکر ہوا ہے وہ حدیث ''مسلم'' میں ہے لیکن اس کی قرآن کریم اور اجماع اہل سنت کے مطابق تاویل کرنی واجب ہے ۔ چنانچہ علامہ خطابی وغیرہ علماء کرام کے قول کے مطابق (فمن وافق خطه) (یعنی انکے خط کی موافقت کون کرسکتا ہے ۔) کو انکار پر محمول کیا جائے گا یعنی نبی کے زائچہ کی موافقت کرنے والا کون؟ نہ کہ اخبار پر محمول کیا جائے گا کیونکہ یہ حدیث اس شخص کے سوال کا جواب ہے جس کا عربوں کے اعتقاد کے مطابق یہ عقیدہ تھا کہ اس نبی کا علم غیب زائچوں کی وجہ سے تھا ۔ پس رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا کہ یہ علم انبیاء علیہم السلام کی خصوصیات میں سے ہے اور اس میں دوسرا کوئی شخص ان کے برابر نہیں ہوسکتا ۔ کیونکہ یہ ان کی نبوت پر دلالت کرنے والے معجزات اور خواص میں سے ہے ۔ پس حدیث کا ظاہر جز ہے اور اس سے مراد انکار ہے ۔ قرآن وسنت میں اسی کی کثیر مثالیں موجود ہیں ۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ . (سورۃ الزمر، آیت:15)

تم اس کے سوا جسے چاہو پوجو ۔

اور حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ:

نَحْنُ اَحَقُّ بِالشَّكِّ مِنْ اِبْرَاهِيْمَ .

(مسند احمد، ابتداء مسند ابی ہریرۃ، صحیفہ ہمام بن منبہ، رقم الحدیث: 8311، ج:8 ص:289، مطبوعہ: ایضا)

اس کا ظاہر معتقدات میں شک کی تحقیق ہے اور مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام سے شک کی نفی ہے ۔

یا سوال میں مذکور حدیث کی یہ تاویل کی جائے گی کہ رسول اللہ ﷺ نے جواز کو اس نبی کے زائچہ کے ساتھ موافقت پر معلق کیا ہے۔اور موافقت فاعل کے خیال میں بھی واقع نہیں کیونکہ اس کی دلیل خبر معصوم کے سوا کوئی چیز نہیں اور خبر معصوم نہیں پائی گئی لہذا نہی اپنے حال پر باقی ہے۔کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے جواز کو ایک شرط پر معلق کیا ہے اور وہ شرط نہیں پائی گئی ہے۔یہ تاویل پہلی تاویل سے زیادہ بہتر ہے۔اس تاویل کے بعد مجھے قاضی عیاض رحمہ اللہ کا قول ملا چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

پہلی تاویل کا اختلاف زیادہ واضح ہے۔لیکن دوسری تاویل کے مطابق نبی کے طریقہ کے ساتھ موافقت کہاں سے معلوم ہوگی کیونکہ شریعت نے اس کے ساتھ تعرض اور غیب کا دعویٰ کرنے سے منع فرمایا ہے۔میرے نزدیک اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس نے اس نبی کے زائچہ کی موافقت کی ہے یہ وہ شخص ہے جس کی اصابت تم پاتے ہو۔اس حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ نبی کریم ﷺ اس کے فاعل کے لئے اس چیز کو مباح قرار دینا چاہتے ہیں۔جیسا کہ بعض لوگوں نے اس طرح کی تاویل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی اس سے مراد اباحت ہے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو روایت کی گئی ہے اس کا ظاہر بھی اسی پر دلالت کرتا ہے اور اس حدیث کے بعض طرق میں جو الفاظ منقول ہیں وہ بھی اسی پر دلالت کرتے ہیں۔ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

وَاِنْ وَافَقَ خَطُّهُ عِلْمَ النَّبِيِّ ﷺ عَلِمَ.

اور اگر اس کا زائچہ اُس نبی ﷺ کے علم کے موافق ہوتا تو وہ جان جاتا۔

(صحیح ابن حبان، کتاب الصلاۃ، ذکر البیان بان نسخ الکلام، الخ، رقم الحدیث: 2247، ج:6، ص:22، مطبوعہ: ایضا)

ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں:

اِنَّ نَبِيًّا مِّنَ الْاَنْبِيَاءِ كَانَ يَاْتِيْهِ اَمْرُهُ فِي الْخَطِّ فَمَنْ وَافَقَ خَطُّهُ عِلْمَ النَّبِيِّ ﷺ عَلِمَ.

سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام میں سے ایک نبی کے ہاں ان کا معاملہ زائچہ میں آتا تھا پس جس کا زائچہ اس سابق نبی کے علم کے موافق ہوتا تو وہ جان جاتا۔

(صحیح ابن حبان، کتاب الصلاۃ، ذکر البیان بان نسخ الکلام، الخ، رقم الحدیث: 2247، ج:6، ص:22، مطبوعہ: ایضا)

یہ الفاظ اس بات کی دلیل ہیں کہ یہ حدیث اپنے ظاہر پر نہیں کیونکہ اگر ظاہر پر ہوتی تو پھر جو شخص نبی کے زائچہ کی موافقت کرتا اس کے لئے بعینہ ان مغیبات کا علم واجب ہوتا مغیبات کو وہ نبی جانتے تھے۔اور نبی کو اپنے زائچہ میں جن چیزوں کے بارے میں اوامر ونواہی اور تحلیل وتحریم کا حکم دیا گیا ہے اس شخص کے لئے ان سب کا علم واجب

ہوتا۔اوراس صورت میں اس کا نبی کے ساتھ نبوت میں مساوی ہونا لازم آئے گا۔اور یہ باطل ہے۔لہذا جب اس حدیث کو اپنے ظاہر پر حمل کرنا باطل ہے تو اس کی وہ سابقہ تاویل لازم ہوگی۔

اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس نبی کو اللہ تعالیٰ نے زائچہ بنانے کی خصوصیت سے نوازا تھا اور اللہ تعالیٰ اپنے اس نبی کو جس چیز کا حکم دیتا یا جس چیز کی نہی فرماتا تھا اس کے لئے اس زائچہ کو علامت بنایا تھا۔جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کے لئے تنور سے پانی کے ابلنے کو ان کی قوم کے غرق ہونے کی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے مچھلی کے گم ہونے کو حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ ملاقات کی اور حضرت زکریا علیہ السلام کے لئے تین دن لوگوں کے ساتھ کلام کرنے سے رکنے کو ان کی زوجہ کے حمل کی اور سورہ فتح کی آیت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے آپ کے وصال کی علامت بنایا تھا۔اور اس کی کثیر مثالیں موجود ہیں۔اور قرآن کریم کی آیت ہے کہ:

اِئْتُونِي بِكِتَابٍ مِنْ قَبْلِ هٰذَا اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ. (سورۃ الاحقاف، آیت: 4)

میرے پاس لاؤ اس سے پہلی کوئی کتاب یا کچھ بچا کھچا علم اگر تم سچے ہو۔

اس آیت میں ایک روایت کے مطابق اثارۃ سے مراد زائچہ ہے لیکن آیت میں اس کا ہونا متعین نہیں۔اور اگر متعین ہونا فرض کر لیا جائے تو اس کی تاویل یہ ہوگی کہ عرب اہل کہانت واہل قیافہ تھے۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا ہے کہ:

اَرَاَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ. (بتلاؤ تو وہ جو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو)

یعنی تم میرے پاس ایسی کتاب لاؤ جو اپنے الفاظ کے ساتھ اس چیز کی شہادت دے جس کا تم دعویٰ کرتے ہو کچھ بچا کھچا علم لاؤ اور وہ تمہارے خیال کے مطابق زائچہ ہے جس پر تم عمل پیرا بھی ہو لیکن تم اپنے معبودان باطلہ کی عبادت پر کوئی بھی حجت قائم کرنے پر قادر نہ ہوگے۔ان آثار کے بارے میں مفسرین کے مذکورہ قول کے علاوہ بھی بہت اقوال ہیں۔سوال میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں موجود لفظ نجوم کی تفسیر زائچوں کے ساتھ کی گئی ہے میں نے کسی مفسر کو یہ تفسیر کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔

تنبیہ

لڑائیوں اور جنگوں کے بارے میں بہت ساری رمل کی پیشن گوئیاں صحیح ہوتی ہیں۔اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ان کی صحت کا سبب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غیب کی بہت ساری باتیں بتائیں تھیں،جنہیں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انفرادی طور پر محفوظ کر لیا تھا اور ان کا اظہار نہیں کیا گیا۔اس جواب کو اس لئے رد کر دیا گیا ہے کہ اگر ایسی بات ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو چیز منقول ہے اس کی کیفیت ضرور ظاہر ہوتی۔اور بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ یہ حضرت

دانیال علیہ السلام کا عمل ہے کیونکہ وہ نبی تھے جن کی طرف وحی کی جاتی تھی ،اور بعض نے جواب دیا ہے کہ یہ کاہنوں کا عمل ہے جو حضور ﷺ کے دنیا میں تشریف لانے سے پہلے کا ہے۔اور بعض نے جواب دیا ہے کہ یہ پیشن گوئیاں علم نجوم پر مبنی ہوتی ہیں۔المارزی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ قول اقرب ہے۔

حضرت ہندہ رضی اللہ عنہا کی عجیب حکایت

آجری نے حکایت کی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت ہندہ رضی اللہ عنہا ایک دن اپنے خیمہ میں اپنے سر کے بال کھولے ہوئے سوئی ہوئیں تھیں۔اور ان کا خاوند کہیں سفر پر گیا ہوا تھا اسی اثناء میں ان کے خاوند کا ایک دوست اس خیال سے کہ وہ سفر سے لوٹ آچکا ہوگا خیمہ میں داخل ہوگیا۔ہند اس کے داخل ہونے کی آہٹ محسوس کرکے گھبرا گئیں تو وہ بولا میں تمہارے خاوند کا فلاں دوست ہوں، میں یہ سمجھ کر آیا تھا کہ تمہارا خاوند سفر سے واپس آچکا ہے۔یہ کہہ کر وہ خیمہ سے نکل گیا قبیلہ کے لوگوں نے اس کو جاتے ہوئے دیکھ لیا وہ اسکے متعلق شک میں مبتلا ہوگئے جب ہند کا خاوند سفر سے واپس آیا تو اسے اس واقعہ کا پتہ چلا تو اس نے ہند کو قتل کرنے کا عزم کرلیا لیکن ہند کے باپ نے اس کو روک دیا جس پر دونوں کے قبیلوں کے درمیان لڑائی کے قریب تک نوبت پہنچ گئی۔بالآخر دونوں قبیلوں نے اس بات پر اتفاق کرلیا کہ شام میں ایک کاہن موجود ہے۔ہم سب اس کے پاس جاتے ہیں وہ ہمیں اس واقعہ کی صحیح خبر دے گا۔اس کے بعد ہند کا باپ ہند کے پاس آیا اور کہا اے بیٹی! لوگ جو کہتے ہیں وہ اگر سچ ہے تو تُو مجھے اجازت دے کہ میں تلوار کے ساتھ تیرے اور اپنے عیب پر پردہ ڈالوں اور ہم اس قوم کے ساتھ لڑائی کریں۔اور کاہن کے پاس نہ جائیں ورنہ وہ ہمیں بھی اور تجھے بھی رُسوا کردے گا۔

اور اگر تو اس الزام سے بری ہے تو ہم کاہن کے پاس جائیں ہند نے باپ کے سامنے حلف اٹھا کر اپنی برأت کا اقرار و اظہار کیا۔اس کے بعد ان لوگوں کی ایک جماعت شام جانے کے لئے نکلی اور جب یہ لوگ کاہن کے قریب پہنچے تو ہند مضطرب ہوگئی اور اس کا رنگ متغیر ہوگیا، ہند کی یہ حالت دیکھ کر اُس کے باپ نے کہا تیرا کیا حال ہے؟ کیا تو کاہن کی وجہ سے اپنی رسوائی سے خوفزدہ تو نہیں ہورہی ہے؟ ہند نے جواب دیا اللہ کی قسم! میں اس الزام سے بری ہوں میں تو صرف اس لئے ڈر رہی ہوں کہ ہم اپنی طرح کے ایک ایسے انسان کے پاس جارہے ہیں جو کبھی غلط کہتا اور کبھی سچ۔پس اگر اس نے یہ کہہ دیا کہ اس عورت نے برے فعل کا ارتکاب کیا ہے تو پھر عار و شرمندگی ہمارے درمیان اپنے پنجے گاڑ دے گی اور تمام عرب کاہن کی تصدیق کریں گے۔باپ نے یہ سن کر کہا تُو جو کہتی ہے درست ہے۔پس وہ قافلہ والوں کے پاس گیا اور ان سے کہا ہم اپنی مثل ایک انسان کے پاس جارہے ہیں جو کبھی صحیح اور کبھی غلطی کرتا ہے۔لہٰذا ہم پہلے اس کا اور اس کے علم کا امتحان لینے کے لئے کوئی چیز چھپاتے ہیں اور پھر اس سے اس کے

متعلق پوچھیں گے تاکہ قبیلہ والوں نے اس کی یہ بات تسلیم کی اور اس کا امتحان لینے کے لئے انہوں نے گندم کے دانے کو گھوڑے کے عضوِ تناسل کے سوراخ میں ڈال کر ایک بال کے ساتھ باندھ دیا۔ اور جب وہ کاہن کے پاس گئے تو ہند کے باپ نے اسے کہا ہم نے ایک چیز تمہارے لئے چھپائی ہے وہ کیا ہے؟ کاہن نے کہا: اَخْبَأْتُمْ تَمْرَةً فِي كَمْرَةٍ . (تم نے ایک پھل ایک غلاف میں چھپایا ہے۔) اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: حبة بر في احليل مهر. (تم نے گندم کا دانہ بچھڑے کے عضوِ تناسل کے سوراخ میں چھپایا ہے۔)

اس امتحان کے بعد انہیں اطمینان ہوا اور وہ ہند کو اس کے پاس لے گئے اور کہا اس عورت پر زنا کی تہمت لگائی گئی ہے۔ یہ تہمت سچی یا جھوٹی ہے اس کی ہمیں خبر دو۔ کاہن نے ہند کی پشت کو چھو کر کہا ہند زانیہ نہیں اور عنقریب یہ ایک بادشاہ کو جنم دے گی جس کا نام معاویہ ہوگا۔ یہ سن کر قوم نے نعرہ لگایا اور کاہن سے باہر نکل آئے۔ اور اپنی خوشی ومسرت کا اظہار کرنے لگے۔ اور ہند کے خاوند نے اس امید سے کہ بادشاہ بننے والا بیٹا اس میں سے ہوگا۔ ہند کا ہاتھ پکڑ لیا، ہند نے اپنا ہاتھ اس سے کھینچ لیا اور کہنے لگی۔ اللہ کی قسم! تم کبھی بھی میرے قریب نہ آؤ گے اور تم آج کے بعد مجھے کبھی بھی نہ دیکھ سکو گے۔ ہند کے باپ اور قبیلہ والوں نے بھی کہا کہ اللہ کی قسم تم اس کو کبھی بھی نہ دیکھ سکو گے اور اس کو تلوار کے ذریعہ ہند سے دور کر دیا۔ اور اس کے بعد ابوسفیان اور عبداللہ بن جدعان نے ہند کا رشتہ مانگا تو باپ نے ہند کے ساتھ مشورہ کیا تو ہند نے کہا ابوسفیان مفلوک الحال انسان ہے لیکن شریف، معزز بچوں کا باپ بنے گا اور عبداللہ بن جدعان خوبصورت شخص ہے لیکن وہ شریف بچوں کا باپ نہ بن سکے گا اس لئے میرا نکاح ابوسفیان کے ساتھ کر دیجئے۔ چنانچہ ابوسفیان کے ساتھ ہند کا نکاح کر دیا گیا اور ہند نے ابوسفیان سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جنم دیا اور عبداللہ بن جدعان کا کسی دوسری عورت کے ساتھ نکاح ہوا اس کے ہاں عبداللہ ایک لڑکا پیدا ہوا۔ ایک دن عبداللہ بن جدعان اپنے اس بیٹے کے ساتھ گھوم رہا تھا کہ بیٹا ایک اونٹ اور بکری کو دیکھ کر باپ سے کہنے لگا ابو جان یہ اس کی بچی ہے یعنی یہ بکری اس اونٹ کی بچی ہے عبداللہ بن جدعان نے یہ سن کر کہا ہند کتنی دانشمند خاتون تھیں کہ جس نے بہت پہلے میرے بارے میں کہا تھا کہ یہ نجیب یعنی شریف وعقلمند بچوں کا باپ نہ بن سکے گا۔

سابقہ سطور میں بتایا گیا ہے کہ مغیبات کا اجمالی علم ہو سکتا ہے لیکن ان کی تفصیلات کا علم نہیں ہو سکتا۔ اس حکایت سے یہ معلوم ہوا کہ یہ بات اکثر احوال کے اعتبار سے ہے، ورنہ بعض اوقات ان کی تفصیلات بھی معلوم ہو جاتی ہیں۔ لیکن صواب وصحیح یہ بات ہے کہ مغیبات کی تفصیلات کا علم انبیاء کرام علیہم السلام کے ان علوم میں سے ہے جن کو محفوظ کر لیا گیا تھا اور جن کی تدوین ہو چکی تھی اور جن میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی ہے۔ اسی طرح شق اور سطیح نے اپنے زمانے کے بعد واقع ہونے والے واقعات کی جو خبر دی ہے اس کو بھی اس پر محمول کیا جائے گا کہ یہ خبر ان کو انبیاء کرام علیہم السلام کے علوم سے پہنچی تھی۔

کیا شعبدہ بازی جادو ہے؟

سوال.....راستوں میں شعبدہ باز مجمع لگا کر جو کچھ کرتے ہیں کیا وہ جادو ہے؟ وہ عجیب وغریب کام کرتے ہیں۔ حتیٰ کسی انسان کا سر کاٹ کر دوبارہ جوڑ دیتے ہیں اور کاٹنے کے بعد اعادہ سے پہلے اس کے ساتھ باتیں کرتے ہیں تو وہ انکو جواب دیتا ہے۔ اور مٹی سے درہم وغیرہ بناتے ہیں اسی طرح کے کئی افعال ان کے بارے میں مشہور ہیں اور کیا محبت ومقبولیت کے لئے تعویز لکھنا اور جنات کو نکالنا اور اس کی مثل دیگر اعمال جادو ہیں۔

جواب.....شعبدہ باز جادوگروں کی طرح ہیں لیکن حقیقت میں جادوگر نہیں۔ ان کے لئے اس قسم کے افعال جائز نہیں۔ اور دوسرے لوگوں کو ان کے پاس جانا جائز نہیں، دوسروں کا ان کے پاس جانے میں ان معصیتوں اور قباحتوں کو جاری رکھنے میں ان کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ ان لوگوں کا دوسروں کو برباد وخراب کرنا قطعی اور اپنے آپ کو برباد کرنا حقیقی ہے۔ اس لئے ہر اس شخص پر جو منع کرنے کی قدرت رکھتا ہے ان کو اس سے روکنا اور لوگوں کو ان کے پاس جانے سے منع کرنا واجب ہے جبکہ ہمارے بہت سارے آئمہ رحمہم اللہ نے میلہ میں جانے کی حرمت کا فتویٰ دیا ہے کہ میلہ والے اکثر لوگ خصوصیت کے ساتھ ریشم پہن کر زینت حاصل کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ ہمارے آئمہ رحمہم اللہ کی رائے میں ان لوگوں کا اس پر مواخذہ نہ کرنے میں ان کی حوصلہ افزائی اور ان کو اس کی مزید رغبت دلانے کا سبب ہے۔ حکمرانوں پر ان کا مواخذہ کرنا لازم ہے۔ لہٰذا ان جھوٹے شعبدہ بازوں اور دین سے خارج اور جاہل مفسد لوگوں کو کھلی چھٹی دینے سے تعلق آپ کا کیا خیال ہے؟

مالکی علماء رحمہم اللہ کی کتاب ''الموازیہ'' میں ہے: وہ شخص جو دوسرے کا ہاتھ کاٹتا ہے یا اپنے پیٹ میں چھرا گھونپ دیتا ہے اگر یہ جادو ہے تو اسے قتل کر دیا جائے گا ورنہ تعزیری سزا دی جائے گی ہمارے شافعی آئمہ رحمہم اللہ میں سے ابن ابی زید رحمہ اللہ سے اسی طرح کا سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: ان لوگوں کے ان افعال میں اگر کوئی کفریہ فعل نہیں تو ان پر کوئی تعزیر نہیں کیونکہ یہ ہاتھ کی صفائی ہے۔ المرزانی رحمہ اللہ نے اس پر ابن ابی زید رحمہ اللہ کا تعاقب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

> ابن ابی زید رحمہ اللہ کا یہ قول ہمارے شیخ اور امام کے مختار کے خلاف ہے ان کا مختار یہ ہے کہ یہ لوگ جادوگر ہیں اور ان کے پاس جانا جائز نہیں۔ اور یہ قول ابن عبدالبر رحمہ اللہ کی اس روایت کے ظاہر کے مشابہ ہے جو روایت انہوں نے ابن نافع رحمہ اللہ سے ''المبسوط'' میں کی ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر کوئی عورت یہ اقرار کرتی ہے کہ اس نے اپنے خاوند کو اپنے یا کسی دوسری عورت کے قریب جانے سے جادو کے ذریعہ باندھ دیا تو اس عورت کو تعزیری سزا دی جائے گی،

لیکن اس کو قتل نہیں کیا جائے گا۔اور اگر خاوند نے اپنے پر خود جادو کیا ہے تو اسے اس کی وجہ سے قتل نہ کیا جائے گا۔ہمارے شیخ اور امام رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ زیادہ واضح چیز یہ ہے کہ اس عورت کا یہ فعل جادو ہے۔

تعویذ لکھنے والے کا بیان

ابن ابی زید رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ جو شخص جنات کی معرفت رکھتا ہے اور اس کے پاس ایسے تعویذات ہیں جن کے ذریعہ جنات اور ان کے امراء کو قابو کرتا ہے اور آسیب زدہ کا علاج کرتا ہے اور سرکش جنات کو آسیب ڈالے رکھنے کا حکم دیتا ہے۔اور جس مرد کو اپنی بیوی کے قریب جانے سے باندھ دیا گیا ہے اس کو کھولتا ہے۔اور مرد کا عورت کے ساتھ محبت سے پیش آنے کا تعویذ لکھتا ہے اور اس کا خیال ہے کہ وہ جنات کو ہلاک کرتا ہے تو کیا ان کاموں میں کوئی حرج ہے جبکہ وہ کسی کو اذیت بھی نہیں دیتا یا اس شخص کو اس کی سیکھنے سے منع کیا جائے؟

میں کہتا ہوں کہ یہ چیز عورت کا اپنے خاوند کو باندھنے کی مثل ہے جسے ہمارے شیخ نے ناپسند فرمایا ہے۔درست ہے کہ روحانیات کا تقرب اور جنات کے بادشاہوں کی خدمت میں جادو سے تعلق رکھنے والی چیزیں ہیں۔اور یہ وہی چیز ہے جس نے حاکم عبیدی (اللہ تعالیٰ اس پر لعنت فرمائے) کو گمراہ کر دیا تھا حتیٰ کہ اس نے اپنی الوہیت کا دعویٰ کر دیا تھا۔اور شیاطین اس کے ساتھ کھیلتے تھے۔حتیٰ کہ اس نے محال چیز طلب کی حالانکہ نقص وعیب اس کی فطرت میں تھا۔اور اس نے وہ کام کیے جو آخرت پر ایمان نہ رکھنے والے کرتے ہیں۔

جنات نکالنے کی اجرت جائز نہیں

اور ابن ابی زید رحمہ اللہ سے ہی منقول ہے کہ انسان سے جنات نکالنے کی اجرت لینا جائز نہیں کیونکہ وہ اس کی معرفت نہیں رکھتا اور اس سے واقف نہیں۔اور اہل تقویٰ اور صاحبان ورع کو یہ کام زیب نہیں دیتا اور ان کے علاوہ دوسرے لوگوں کے لئے بھی یہ کام مناسب نہیں۔اسی طرح مربوط ومسحور کے کھولنے پر اجرت لینا بھی جائز نہیں۔اور ابن ابی زید رحمہ اللہ سے ہی یہ سوال کیا گیا کہ ایک شخص کسی عورت کو محبت کا تعویذ لکھ کر دیتا ہے تا کہ اس کا ناراض خاوند اس کی طرف مائل ہو جائے اور وہ عورت اس کے شر سے محفوظ رہے تو کیا یہ جائز ہے۔؟

اس کا جواب یہ دیا ہے کہ زوجین کے درمیان محبت کے لئے قرآن کریم کی آیات وغیرہ لکھ کر دینا ان چیزوں میں سے جن کا انکار نہیں کیا جائے گا اور اس کی اجرت میں شرط نہ لگائی جائے گی۔ابن ابی زید رحمہ اللہ کا یہ جواب ان کے سابقہ قول کے خلاف ہے مرزانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کا یہ جواب اس جھاڑ پھونک کے ساتھ تعلق رکھتا ہے جس کا ظاہر جن ہے جس طرح

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے سانپ کے ڈسے ہوئے انسان کو فاتحہ پڑھ کر دم فرمایا تھا۔ (انتہیٰ)

جن کلمات کے معانی معلوم نہیں ان کو لکھنا اور ان کا منتر حرام ہے

اس بارے میں ہمارے شافعیہ کا یہ مذہب ہے کہ ہر وہ عزیمت جو پڑھی یا لکھی جاتی ہے وہ ایسے کلمہ پر مشتمل ہے جس کا معنی معلوم نہیں تو اس کا لکھنا اور پڑھنا حرام ہے اس میں آسیب زدہ اور غیر آسیب زدہ برابر ہیں۔ اور اگر تعویز یا دم اللہ تعالیٰ کے اسماء اور اس کی آیات اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ یا انبیاء کرام علیہم السلام اور فرشتوں کے ساتھ قسم دلانے پر مشتمل ہیں تو ان کا آسیب زدہ وغیرہ پر پڑھنا اور آسیب زدہ وغیرہ کے لئے لکھنا جائز ہے۔ اور ان کے علاوہ تبخیرات (بخورات جلد نام، اور تدخینات (دھواں دینا) اور ان کی مثل دیگر وہ اعمال جو فاجر جادوگروں کی عادات ہیں وہ خالص حرام بلکہ گناہ کبیرہ بلکہ اپنی مشہور و معروف تفصیلات کے مطابق ہمارے نزدیک کفر ہیں۔ اور امام مالک رحمہ اللہ وغیرہ علماء کے نزدیک مطلقاً کفر ہیں۔

ابن ابی زید مالکی رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ اگر کسی تعویذ میں قرآن کریم کی آیات لکھی جائیں اور اس کے بعد یہ:

اِسْمُ اللّٰهِ الَّذِیْ اَضَاءَ بِهٖ كُلَّ ظُلْمَةٍ وَّكَسَرَ بِهٖ كُلَّ قُوَّةٍ وَجَعَلَهٗ عَلَى النَّارِ فَاَوْقَدَتْ وَعَلَى الْجَنَّةِ فَتَزَيَّنَتْ فَاَقَامَ بِهٖ عَرْشَهٗ وَكُرْسِيَّهٗ وَبِهٖ يَبْعَثُ خَلْقَهٗ.

اللہ تعالیٰ کے اس نام کے ساتھ کہ جس کے ساتھ اس نے ہر تاریکی کو روشن کیا ہے اور جس کے ساتھ ہر قوت کو توڑ دیا ہے اور جس کو جہنم کے سامنے پیش کیا گیا تو وہ جلنے لگی اور جنت پر رکھا گیا تو وہ مزین ہوگئی۔ اور اس کے ساتھ اس نے اپنے عرش و کرسی کو قائم فرمایا اور اسی کے ساتھ قیامت کے روز اپنی مخلوق کو اٹھائے گا۔

یا اس کی مثل کلمات لکھے جائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں؟

ابن ابی زید رحمہ اللہ نے جواب دیا کہ یہ کلمات صحیح احادیث میں وارد نہیں ہیں۔ ان کلمات کے علاوہ قرآن کی آیات اور حضور ﷺ سے صحیح ثابت سنت کے کلمات کے ساتھ دعا مانگنا میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے اور اپنی گفتگو کے دوران انہوں نے فرمایا ان کلمات کو تاویل بعید کے بغیر لکھنا جائز نہیں۔ (انتہیٰ)

وہ عجمی کلمات جن کے معانی معلوم نہیں ان کا تعویز اور ان کے ساتھ جھاڑ پھونک کی حرمت کی جن علماء نے تصریح فرمائی ہے ان میں ابن رشد مالکی، عز بن سلام شافعی اور ہمارے شافعی اور غیر شافعی آئمہ رحمہم اللہ کی ایک جماعت شامل ہے ایک قول کے مطابق حضرت ابن المسیب رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے اس کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ اَنْ يَّنْفَعَ اَخَاهُ فَلْيَنْفَعْهُ .

تم میں سے جو اپنے بھائی کو نفع پہنچانے کی طاقت رکھتا ہے اسے چاہیے کہ وہ پہلے بھائی کو نفع پہنچائے۔

(صحیح ابن حبان، کتاب البر والاحسان، ذکر الاخبار عما، الخ، رقم الحدیث 532، ج 2، ص 290، مطبوعہ: ایضا)

اس حدیث میں جواز کی کوئی دلیل نہیں کیونکہ حضور ﷺ نے یہ ارشاد اس وقت فرمایا ہے جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ ہمارے پاس ایسی چیز ہے جس کا ہم تعویذ بناتے ہیں تو آپ نے ان سے فرمایا تم اپنے تعویز کو میرے سامنے پیش کرو تو انہوں نے وہ آپ کے سامنے پیش کیا آپ نے اس کے بعد فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں اور پھر فرمایا کہ تم میں سے جو اپنے بھائی کو نفع پہنچانے کی قدرت رکھتا ہو وہ اپنے بھائی کو نفع پہنچائے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے اس تعویز کی معرفت کے بعد ایسا فرمایا ہے اور عجمی کلمات کے معانی کی معرفت کے بعد ان کا تعویذ بنانے میں کوئی حرج نہیں۔ بعض مالکی آئمہ نے ذکر کیا ہے کہ جو شخص دوسرے کو جادو کا حکم دے تو اس کو حکم دینے کی وجہ سے قتل نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ اس کو شدید تعزیری سزا دی جائے گی۔ جیسا کہ "المدونة" میں ہے۔

بخار کے لئے تعویز دینے کا حکم؟

بعض علماء سے پوچھا گیا کہ ایک صالح شخص تعویز لکھتا اور دم کرتا ہے اور آسیب زدہ اور پاگل پن والوں کا اللہ تعالیٰ کے اسماء اور انگوٹھیوں اور تعویزات کے ساتھ علاج کرتا ہے اور اس کے اس عمل سے بہت سارے لوگ شفایاب ہوتے ہیں اور وہ شخص اپنے اس عمل کا کوئی معاوضہ بھی نہیں لیتا۔ تو کیا اس شخص کو اس پر ثواب ملے گا؟

انہوں نے اس کا جواب دیا کہ بخار کے لئے قرآن کریم اور اللہ تعالیٰ کے معروف ذکر کے ساتھ تعویز اور دم کرنے میں کوئی حرج نہیں، لیکن مجنون اور آسیب زدہ کا انگوٹھیوں اور ان کلمات کے تعویزات کے ساتھ علاج کرنا جن کا معنی معلوم نہیں مبطلین کا فعل ہے کہ یہ ناپسندیدہ اور باطل عمل ہے جس میں کوئی بھلائی یا دینداری پائی جاتی ہے وہ نہ یہ فعل کرتا ہے اور نہ اس کے ساتھ مشغول ہوتا ہے۔

پس مذکورہ کام کرنے والا شخص اپنے اس کام کی وجہ سے جس چیز کا مستحق بن رہا ہے اس سے جاہل ہے تو اس کو اس سے روکنا اور اس کی وجہ سے جس چیز کا وہ مستحق بن رہا ہے اس سے اس کو آگاہ کرنا چاہیے تاکہ وہ اس کام کو ترک کردے۔

انسان کتنی مرتبہ مرتا اور جیتا ہے؟

سوال ..... کیا موت وجودی ہے یا کہ عدمی؟ انسان کتنی مرتبہ مرتا اور جیتا ہے حالانکہ قرآن کریم میں ہے:

رَبَّنَا اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ. (سورۃ المؤمن، آیت: 11)

کہیں گے اے ہمارے رب تو نے ہمیں دوبارہ مردہ کیا اور دوبارہ زندہ کیا۔ (کنز الایمان)

جواب......اس کے متعلق میں نے "شرح العباب" میں واضح قول لکھ دیا ہے اس میں ملاحظہ کر لیا جائے۔اور اس وقت جو چیز میرے پاس مستحضر ہے وہ یہ ہے کہ روح کی جسم سے مفارقت کا نام موت ہے علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ کیا موت کوئی وجودی صفت ہے یا کہ معقول عدمی ہے۔ایک قول کے مطابق موت حیات کے متضاد ایک ایسا معنی ہے جسے اللہ تعالیٰ جاندار کے جسم میں پیدا فرماتا ہے۔اس کی دلیل یہ ثابت ہے:

خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ. (سورۃ الملک، آیت:2)

وہ جس نے موت اور حیات پیدا کی۔

عدم غیر مخلوق ہے۔اور ایک قول کے مطابق موت عدم محض ہے اور مذکورہ آیت میں خلق بمعنی تقدیر ہے اور تقدیر کا موت اور حیات دونوں پر اطلاق ہوتا ہے۔اور علماء کا اس میں اتفاق ہے کہ موت نہ جسم ہے اور نہ جوہر ہے اور حدیث میں جو فرمایا گیا ہے کہ:

يُؤْتَى بِالْمَوْتِ فِيْ صُوْرَةِ كَبْشٍ .

قیامت کے روز موت کو مینڈھے کی صورت میں لایا جائے گا۔

(صحیح بخاری، کتاب تفسیر القرآن، باقولہ، وانذرہم یوم الحسرۃ، الخ، رقم الحدیث:4730، ج:6 ص:93، بالفاظ مختلف، مطبوعہ:ایضا)

یہ حدیث باب تمثیل میں سے تعلق رکھتی ہے۔زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ موت وجودی امر ہے جس کی مدد کے ساتھ ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف منتقل کی قبولیت مقترن ہوتی ہے۔تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ ارواح باقی رہنے والی ہیں۔وہ فناء نہیں ہوتیں ہیں، یہ یا تو جنت میں باقی رہتی ہیں یا دوزخ کے عذاب الیم میں باقی رہتی ہیں۔موت امر وجودی ہے اسی لئے وہ ادراکات دینویہ اور اخرویہ کے متضاد ہے۔اور ایک قول کے مطابق صرف دنیاوی ادراکات کے متضاد ہے۔

لیکن اس قول کو اس بنیاد پر رد کر دیا گیا ہے کہ ادراک کا معقول مختلف نہیں ہوتا ہے جب موت کا دنیاوی ادراکات کے متضاد ہونا ثابت ہو چکا ہے، تو اسی سے اس کا حیات اور حیات سے متعلق رکھنے والے ادراکات کے متضاد ہونا بھی ثابت ہو گیا ہے۔اور جہات کا جسم میں کسی اور حالت اور کسی دوسرے امر میں لوٹنا ممکن ہے اور حیات کے لوٹنے سے مردہ دوبارہ زندہ ہو جاتا ہے اور اسی کو حیات قبر کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے، یعنی جب سوال کے لئے فرشتے قبر میں آتے ہیں تو اس وقت مُردے میں روح لوٹا دی جاتی ہے تو وہ دوبارہ زندہ ہوتا ہے، اور اسی کو حیاتِ قبر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔جب مُردے کے جسم میں حیات لوٹا دی جاتی ہے تو وہ ادراکات جن کا مدار حیات ہے وہ بھی لوٹ آتے ہیں اور اس حال میں مُردے سے سوال کیا جاتا ہے تو سوال کا جواب دینا اس کے لئے ممکن ہو جاتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام سے حدیث مروی ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منکر و نکیر کے امتحان کا ذکر

فرمایا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی:

یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِنْ یَّکُنْ مَعِیْ عَقْلِیْ فَلَا اُبَالِیْ مِنْھُمَا.

یارسول اللہ اگر میرے ساتھ میری عقل ہوگی تو میں ان دونوں کی پرواہ نہ کروں گا۔

(جامع الاحادیث، حرف العین، مسند عبداللہ بن جعفر، رقم الحدیث: 38419، ج:35، ص:409، بالفاظ مختلف، مطبوعہ ایضا)

کتاب ارشاد امام الحرمین میں ہے: ہمارے نزدیک پسندیدہ قول یہ ہے کہ قبر میں سوال اجزاء سے ہوگا ان اجزاء کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے وہ اجزاء دل کے ہوں گے یا جسم کے کسی دوسرے قضیہ کے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ان اجزاء کو حیات عطا فرمائے گا اور پھر ان سے سوال کیا جائے گا (اور وہ جواب دیں گے) اور یہ چیز نہ عقلاً محال ہے اور نہ شرعاً۔ اور ایک قول کے مطابق قبر میں سوال روح سے ہوگا۔ اور روح جسم کے مقابل ہوگی۔ (انتہی)

لیکن سنت اس قول کو رد کرتی ہے اگرچہ بعض متاخرین نے فرمایا ہے کہ: عقیدہ یہ ہے کہ قبر میں سوال لازم ہوگا اور اس کی مسئول روح ہوگی اور روح کا محل یعنی جسم روح پر مشتمل ہوگا۔

انسان کی موت وحیات کی چھ قسمیں ہیں

منقول ہے کہ شارع کی خبر کے مطابق فرشتوں، جانوروں اور انسان کا موت وحیات کے ساتھ کئی بار واسطہ پڑتا ہے۔ انسان کا موت وحیات کے ساتھ چھ مرتبہ واسطہ پڑتا ہے۔

1......اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ، کے دن جب انسانوں کو حضرت آدم علیہ السلام کی پشت اقدس سے چیونٹیوں کی طرح ظاہر کیا گیا تھا ایک قول کے مطابق اس دن دو مرتبہ موت وحیات سے واسطہ پڑا ہے۔ اور ایک قول کے مطابق اس دن انسانوں کی صرف ارواح سے یہ وعدہ لیا گیا تھا اور اجسام ان کے ساتھ نہ تھے۔ اور اہل السنۃ کے نزدیک حق یہ ہے کہ اس دن ارواح اجسام کے ساتھ مرکب تھیں۔ یعنی ارواح اور اجسام دونوں موجود تھے۔ اس کا کچھ گروہوں نے انکار کیا ہے۔ علامہ بیضاوی رحمہ اللہ وغیرہ علماء پر تعجب ہے کہ انہوں نے بھی ان لوگوں سے اتفاق کیا ہے حالانکہ بعض آئمہ نے فرمایا ہے کہ اس کا انکار دین سے الحاد ہے۔

2......دنیاوی حیات جسے ہر کوئی جانتا ہے۔

3......قبر کی حیات جب قبر میں سوال کے لئے فرشتوں کی آمد ہوگی۔

4......احیاء ابراہیمی یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ شریف کی تعمیر مکمل کی تو حدیث کے مطابق ان الفاظ کے ساتھ نداء دی:

اَلَا اِنَّ رَبَّکُمْ قَدْ بَنٰی بَیْتًا فَحُجُّوْہُ.

تمہارے رب نے ایک گھر بنایا ہے پس تم اس کا حج کرو۔

(الاُمم لابن جوزی، المجلس فی ذکر یوم عرفة، ج:2، ص:140، مطبوعہ دار الکتب العلمیة بیروت)

آپ کی اس نداء کے وقت انسانوں کو زندہ کیا گیا۔

5......احیاء محمدی حضرت قشیری رحمہ اللہ نے تحبیر میں الوہاب کے ذکر کے تحت ذکر کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی: اے میرے رب! میں تورات کے اندر ایسی قوم کو پاتا ہوں جن کی انجیلیں (قرآن کریم) ان کے سینوں میں محفوظ ہیں وہ کون سی امت ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ حضرت محمد ﷺ کی امت ہے اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس امت کی صفات جمیلہ بتائیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے ساتھ ملاقات کی خواہش ظاہر کی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا تمہاری ان کے ساتھ ملاقات نہیں ہو سکتی لیکن اگر تم چاہتے تو میں ان کی آوازیں تمہیں دیتا ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کی امت کو نداء دی حالانکہ وہ اپنے آباء کی پشتوں میں تھے اللہ تعالیٰ کی نداء سن کر حضور ﷺ کی امت نے عرض کی اے ہمارے رب! ہم حاضر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے تمہیں عطا کر دیا ہے اس سے پہلے کہ تم مجھ سے سوال کرو اور میں نے تمہیں بخش دیا ہے اس سے پہلے کہ تم مجھ سے اپنی بخشش طلب کرو۔ احیاء کی اس قسم کو ذکر کرنے کے بعد حضرت قشیری رحمہ اللہ نے اس پر دلائل بھی دیے ہیں۔

6......احیاء ابدی کو جس کا تعلق آخرت کے ساتھ ہے جب موت کو ذبح کیا جائے گا تو نداء دی جائے گی۔ اے جنتیوں! خلود بلا موت ہے یعنی جنت میں بغیر کسی موت کے ہمیشہ رہنا ہے اور اے دوزخیوں! خلود بلا موت ہے یعنی تمہیں دوزخ میں بغیر کسی موت کے ہمیشہ رہنا ہے۔ اس حیات میں اجسام مکمل طور پر اپنی اسی اصلی حالت پر لوٹ آئیں گے جس پر وہ پہلے تھے۔ فرشتوں کے لئے دو حیات اور ایک موت ہے۔ یعنی دنیاوی حیات کے بعد موت اور اس کے بعد اُخروی حیات ہے۔ جانوروں کے لئے دو حیات اور دو موتیں ہیں۔ ایک دنیاوی حیات ہے اور اس کے بعد موت ہے اور صحیح حدیث کے مطابق اس کے بعد پھر قیامت کے روز قصاص و بدلہ لینے کے لئے ان کو زندہ کیا جائے گا اور اس کے بعد ان کو کہا جائے گا مٹی بن جاؤ تو وہ مر جائیں گے اور مٹی بن جائیں گے۔ اور اس وقت کافر کہنے لگے گا۔ کاش کہ میں مٹی ہوتا۔ اور احیاء کی یہ اقسام اس آیت کریمہ کے مخالف نہیں۔

رَبَّنَا اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ. (سورۃ المؤمن، آیت:11)

اے ہمارے رب تو نے ہمیں دوبار مردہ کیا اور دوبار زندہ کیا۔

کیونکہ یہ کفار کا قول ہے اور اگر ہم تسلیم بھی کر لیں تو پھر بھی اس میں موت و حیات کا دوبار میں حصر نہیں۔ دوبار سے زیادہ ہونا جائز ہے۔ اور اگر ہم اس میں حصر تسلیم کریں تو پھر اس میں اس مشہور موت و حیات کا اعتبار ہے جن کی ہر ایک کو معرفت ہے۔

کیا مومن جنات جنت میں داخل ہوں گے؟

سوال ... قرآن کریم میں ہے: یَا قَوْمَنَا اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰہِ. (سورۃ الاحقاف، آیت 31)

اے ہماری قوم! اللہ کے منادی کی بات مانو۔

کیا اس آیت کریمہ سے مومن جنات کا جنت میں داخل ہونا ثابت ہوتا ہے یا کہ نہیں؟ کیا جنات میں سے رسول ہیں؟ کیا جنات ابلیس کی اولاد ہیں اور جو جنات کے وجود کا انکار کرے اس کا کیا حکم ہے؟ اور کیا قیامت کے دن تمام جانداروں کا اعادہ ہوگا؟

جواب ... تمام حیوانات کو موت آئے گی اور سارا عالم موت سے ہمکنار ہوگا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

کُلُّ مَنْ عَلَیْہَا فَانٍ۔ (زمین پر جتنے ہیں سب کو فنا ہے) (سورۃ الرحمٰن، آیت 26)

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

کُلُّ شَیْئٍ ہَالِکٌ اِلَّا وَجْہَہٗ۔ (سورۃ القصص، آیت 28)

ہر چیز فانی ہے سوائے اُس کی ذات کے۔

لیکن ایک قول کے مطابق اس سے وہ مخلوق مستثنیٰ ہے جن کو بقاء کے لئے پیدا کیا گیا۔ مثلاً جنت کی حوریں اور غلمان وغیرہ۔ اس قول کے قائلین کے ہاں ہَالِکٌ اِلَّا وَجْہَہٗ کا معنی یہ ہے کہ ہر چیز ہلاک ہونے کے قابل ہے، سوائے اللہ تعالیٰ کی ذات کے۔ اور اس کے مقابل مذہب یہ ہے کہ جنت کی حوریں اور غلمان، جنت و دوزخ اور تمام موجودات کی طرح ایک لحہ کے لئے معدوم ہوجائیں گے، تاکہ آیت کا عموم صادق آجائے۔ اور اس کے بعد ان کا اعادہ کیا جائے گا۔ جانوروں کے اعادہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ اور زیادہ صحیح مذہب یہ ہے کہ ان کا اعادہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ. (سورۃ التکویر، آیت:5)

جب وحشی جانور جمع کئے جائیں۔

اور صحیحین کی ایک حدیث سے ثابت ہے کہ قیامت کے دن حیوانات کو ایک دوسرے سے بدلہ لینے کے لئے زندہ کیا جائے گا۔ اور ایک قول کے مطابق حیوانات میں سے کسی شے کا اعادہ نہیں ہوگا اور اس نظریہ والوں کے نزدیک "حشرت" کا معنی ماتت (مرجائیں گے) ہے اور حدیث میں حیوانات کے باہم قصاص وبدیہ کا جو ذکر ہے وہ عدل سے کنایہ ہے لیکن ان کا یہ نظریہ ظاہر پر قرآن وحدیث کے خلاف ہے اسی لئے پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ انسانوں میں سے جو مکلّف ہیں ان کو بالا جماع دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ اور اسی طرح وہ چھوٹے بچے جو عاقل ہیں بالاجماع ان کو بھی دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور وہ اپنے مومن آباء کے ساتھ جنت میں جائیں گے۔ اور بعض لوگوں کا اس کے

خلاف نظریہ ہے لیکن ان کے اس خیالات کا کوئی اعتبار نہیں۔ میں نے اس کو "شرح العباب" کے باب الاستنشاء میں بیان کیا ہے۔ اور اسی طرح وہ لوگ جو جنون کی حالت میں بالغ ہوں گے ان کا بھی اعادہ ہوگا۔ اور علامہ باقلانی رحمہ اللہ نے چھوٹے بچوں کے متعلق تردد کا اظہار کیا ہے۔ اور کچھ لوگوں نے مجانین کے متعلق تردد کا اظہار کیا ہے۔ لیکن ان کا قول قابل اعتماد نہیں۔

جنات کا وجود ہے؟

اہل سنت جنات کے وجود کو تسلیم کرتے ہیں۔ اور معتزلہ جنات کے وجود کا انکار کرتے ہیں اور ان کے انکار میں کتاب وسنت اور اجماع کی مخالفت ہے۔ بلکہ اسی وجہ سے ان پر کفر کا الزام ہے۔ کیونکہ اس میں جنات کے وجود پر دلالت کرنے والی قطعی نصوص کی تکذیب ہے۔ اسی لئے بعض مالکی علماء نے فرمایا ہے کہ: صواب یہ ہے کہ جو جنات کے وجود کا انکار کرے۔ وہ کافر ہے کیونکہ اس نے قرآن اور سنن متواترہ کی نص اور اجماع قطعی کا انکار کیا ہے۔ اور جنات قطعی طور پر مکلف ہیں۔ اسی لئے سوال میں جس آیت کریمہ کو ذکر کیا گیا ہے اس میں عذاب الیم سے پناہ دینے اور گناہوں کی مغفرت فرمانے کا ان کے ساتھ وعدہ فرمایا گیا ہے اور عذاب سے ان کو ڈرایا گیا ہے:

يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ آيَاتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا. (سورۃ الانعام، آیت: 130)

اے جنوں اور انسانوں کے گروہ! کیا تمہارے پاس تم میں کے رسول نہ آئے تھے، تم پر میری آیتیں پڑھتے اور تمہیں یہ دن دیکھنے سے ڈراتے۔ (کنز الایمان)

اس آیت میں حساب وکتاب کے لئے دوبارہ زندہ کئے جانے کے ساتھ ڈرایا گیا ہے اور حساب وکتاب کے لئے اعادہ کے ساتھ مکلف ہی کو ڈرایا جاتا ہے۔ ضحاک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ آیت اس چیز پر دلیل ہے کہ جنات میں جنات سے ہی رسول مبعوث ہوتے ہیں۔ لیکن جمہور نے ضحاک کی مخالفت کی ہے اور انہوں نے فرمایا کہ آیت میں رسل سے مراد رسل انبیاء علیہم السلام ہیں یا مِنْكُمْ (تم میں سے)

يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ. (سورۃ الرحمن، آیت: 22)

ان میں سے موتی اور مرجان نکلتا ہے۔

تغلیب کے لئے ہے۔ کیونکہ موتی اور مرجان صرف کھاری سمندر سے نکلتے ہیں۔

جنات کس کی نسل ہیں؟

علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ جنات ابلیس کی اولاد ہیں یا کہ جن کی اور اس بات میں بھی اختلاف ہے

کہ ابلیس جنات میں سے تھا یا کہ فرشتوں میں سے اور اس میں بھی نزاع ہے کہ جنات میں سے جو مطیع ہیں کیا وہ جنت میں داخل ہوں گے یا کہ صرف دوزخ میں نجات پائیں گے؟ اور بعض علماء نے اس اختلاف کو ایک اور انداز کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: جن لوگوں نے فرمایا ہے کہ جنات ابلیس کی اولاد میں سے ہیں جنات کے جنت میں داخل ہونے کے بارے میں ان کے دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ ان میں سے جو مطیع ہیں وہ جنت میں جائیں گے۔ اور دوسرا قول ہے کہ وہ اپنے باپ کے تابع ہو کر دوزخ میں جائیں گے۔ اور جن لوگوں نے جنات کو جن کی اولاد قرار دیا ہے۔ اس مذہب والوں کے نزدیک بغیر کسی اختلاف کے مطیع جنت میں داخل ہوں گے آیات کے ظواہر سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ ان میں سے مطیع جنت میں جائیں گے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ. (سورۃ الزلزال، آیت: 7)

جو ایک ذرہ بھر بھلائی کرے وہ اسے دیکھے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ. (سورۃ التوبہ، آیت: 41)

بیشک اللہ نیکوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا. (سورۃ الکہف، آیت: 30)

ہم ان کا اجر ضائع نہیں کرتے جن کے کام اچھے ہوں۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ.

(سورۃ المومن، آیت: 40)

جو اچھا کام کرے مرد خواہ عورت اور ہو مسلمان تو وہ جنت میں داخل کئے جائیں گے۔

فقہاء کا اصول ہے کہ نصوص میں جب تک کوئی تخصص نہ پایا جائے عموم سے استدلال کیا جائے گا اور یہ اکثر فقہاء کرام کا مذہب ہے۔ اس اصول کے تحت مذکورہ نصوص ان کے جنت میں داخل ہونے کی مقتضی ہیں۔ اور مطیع جنات کے جنت میں داخل ہونے پر حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اس آیت کریمہ سے استدلال فرمایا ہے:

لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ. (سورۃ الرحمن، آیت: 26)

ان سے پہلے انہیں ہاتھ نہ لگایا کسی آدمی اور نہ کسی جن نے۔

اگر جنات جنت میں داخل نہ ہوتے تو جنتی حوروں کو نہ چھونے کی نفی نہ کی جاتی اور جنات کے جنت میں داخل ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ ہمارا اتفاق ہے کہ جنات مکلف ہیں۔ لہٰذا جو چیز ان پر واجب ہے وہ ہم پر جو واجب ہے اس کی طرح ہوگی۔ اور ہم پر جو چیز واجب ہے اس میں ثواب ہے۔ لہٰذا ان پر جو چیز واجب ہے اس میں بھی ثواب ہوگا اور آخرت میں سوائے جنت کے کوئی ثواب نہیں۔

اہل اعراف کا اعراف میں ٹھہرنا ایک طرح کا عقاب ہے جس کے بعد جنت میں ان کا دخول ہوگا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اسی طرف اپنے اس فرمان میں اشارہ کیا ہے:

لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ. (سورۃ الاعراف، آیت: 46)

جنت میں نہ گئے اور اس کی طمع رکھتے ہیں۔

اسی لئے بعض سلف نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل اعراف کو طمع اسی لئے دی ہے تا کہ وہ ان کو جنت میں داخل کرے گا۔ اور ایک قول کے مطابق ان کو اعراف میں ٹھہرے رہنے کی طمع دی ہے لیکن یہ قول بعید ہے۔ اعراف میں ٹھہرے رہنے کا کوئی موجب نہیں باوجود یہ کہ نصوص ان کے جنت میں دخول کی شہادت دے رہی ہیں۔ اور جو شخص جنات کے جنت میں داخل ہونے کا انکار کرے وہ کافر نہیں ہوگا۔ کیونکہ ان کے جنت میں داخل ہونے پر خصوصیت کے ساتھ کوئی قطعی دلیل نہیں پائی جاتی۔ بخلاف ہمارے نبی اکرم ﷺ کی جنات کی طرف رسالت کے منکر کے کہ وہ کافر ہو جائے گا کیونکہ اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے اور اس کا دین میں سے ہونا قطعی ویقینی اور بدیہی طور پر معلوم ہے۔ اور اس شخص نے تساہل سے کام لیا ہے جس نے یہ کہا ہے کہ جنات کی طرف ہمارے نبی کریم ﷺ کی رسالت آیاتِ قرآن کی وجہ سے اتنی مشہور ہوئی ہے کہ اس کی شہرت یقینی اور بدیہی کے قریب ہے اور آپ کی رسالت کے عموم کی شہرت اس پر دلالت کرتی ہے۔ اور جنات کی طرف آپ کی رسالت کا منکر اجماع کے منکر کی طرح ہے۔ منکرِ اجماع کے کفر میں اختلاف ہے اور یہ اختلاف اصول میں مذکور ہے۔

اور اسی طرح آپ ﷺ کا یاجوج ماجوج کی طرف مبعوث ہونے کا مسئلہ ہے۔ اور اس کا منکر بھی اسی طرح کافر ہے۔ کیونکہ یاجوج ماجوج انسان ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

مَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا. (سورۃ السبا، آیت: 28)

اے حبیب! ہم نے آپ کو نہ بھیجا مگر ایسی رسالت سے جو تمام آدمیوں کو گھیرنے والی ہے خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا۔

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ نبی اکرم ﷺ شب معراج یاجوج ماجوج کے پاس سے گزرے تو آپ نے ان کو اسلام کی دعوت دی اور انہوں نے آپ کی دعوت قبول نہیں کی۔ اور اگر ہم یہ فرض بھی کر لیں کہ یہ ثابت نہیں ہے تو یاجوج ماجوج ان لوگوں کی طرح ہوں گے جو زمین کے دور دراز اطراف واکناف میں ہیں اور ان کو آپ ﷺ کی دعوت نہیں پہنچی ہے۔ اور اصح قول کے مطابق یہ لوگ مکلف نہیں۔

جن، شیاطین اور فرشتوں کی تعریفات

ارشاد امام الحرمین میں جن اور شیاطین کی تعریف ان الفاظ کے ساتھ کی گئی ہے۔کہ جن وشیاطین ایسے اجسام لطیفہ ناریہ ہیں جو آنکھوں کی ادراک سے غائب رہتے ہیں یعنی آنکھ سے ان کا ادراک نہیں کیا جاسکتا ہے۔

امام الحرمین نے فرمایا کہ بعض تابعین سے منقول ہے کہ جنات کی ایک قسم روحانی ہے جو کھاتے پیتے نہیں۔ اور جنات کی ایک قسم کھاتی اور پیتی ہے۔اور اس کی کیفیت کو اللہ تعالیٰ ہی خوب جاننے والا ہے۔

مشہور حدیث ہے کہ جنات نے رسول اللہ ﷺ سے زاد راہ کا مطالبہ کیا تو آپ ﷺ نے ان کے لئے ہر اس ہڈی کو مباح قرار دیا جس پر اللہ تعالیٰ کا نام ذکر نہ کیا گیا ہو۔کہ وہ ایسی ہڈی کو گوشت سے اسی طرح پُر پائیں گے جس طرح وہ تھی۔ایک قول کے مطابق جنات طعام کو صرف سونگھ کر زندہ رہتے ہیں کھاتے نہیں۔اور حدیث میں وارد ہے کہ ان کے جانوروں کی خوراک ہمارے جانوروں کا گوبر ہے۔

(مسند احمد، مسند بنی ہاشم، مسند عبداللہ بن عباس، رقم الحدیث: 5630، ج:5 ص:151، بالفاظ مختلف، مطبوعہ: ایضا)

فرشتوں کے وجود پر اعتقاد رکھنا واجب ہے۔اور فرشتے جواہر نورانیہ ہیں اور ایک قول کے مطابق فرشتے جواہر بسیط ہیں اور ایک قول کے مطابق فرشتے جنات کی طرح عناصر اربعہ سے مرکب ہیں لیکن ان پر نور غالب ہے، جس طرح جنات پر نار غالب ہے۔اسی لئے فرشتوں اور جنات کو نہیں دیکھا جاسکتا۔کیونکہ فرشتے قدسی ہیں جو شہوات کی ظلمتوں سے منزہ و پاک ہیں اور ان کا طعام اللہ کی تسبیح اور ان کا پینا اللہ کی تقدیس بیان کرنا ہے۔اور وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے انس اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے فرحت حاصل کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلاۤئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ. (سورۃ البقرہ، آیت: 285)

سب نے مانا، اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں کو۔

فرشتوں سے بشر افضل ہے اس تفصیل کے مطابق جس میں معتزلہ کا اختلاف ہے معتزلہ کے نزدیک فرشتے انسان سے مطلقاً افضل ہیں۔حتیٰ کہ وہ فرشتوں کو ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ سے بھی افضل مانتے ہیں۔اور جنات کو ان کے اعمال پر ثواب ملے گا یا کہ نہیں؟ اس میں اختلاف ہے بعض محققین نے فرمایا ہے کہ سابقہ وہ آیات واحادیث جو جنات کے بارے میں وارد ہیں ان کے عموم سے ثابت ہوتا ہے کہ جنات کو اعمال کا ثواب ملے گا۔اور فرشتوں کو ثواب ملنے پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے ایک گروہ کا شذوذ کہ فرشتوں میں سے صرف کراماً کاتبین کو ثواب ملے گا۔جنات کے انکار سے متعلق جو چیز بیان ہوئی ہے اس کی مثل ان لوگوں پر کفر کا لزوم بعید نہیں۔

کیا شیطان عارف باللہ تھا؟

سوال.....کیا شیطان کے متعلق یہ کہنا جائز ہے یا نہیں کہ وہ عارف باللہ تھا اور بعد میں یہ وصف اس سے سلب کیا گیا ہے اور قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا شیطان کے ساتھ مخاطب ہونے کا ذکر ہے کیا یہ خطاب کسی واسطہ کے ساتھ تھا (یا کہ بلاواسطہ تھا)؟ کیا کفار کے تمام طبقوں کے بارے میں یہ کہنا جائز ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی ایسی معرفت حاصل ہے جو اللہ کے رسول کی معرفت کو مستلزم ہے؟ اور کفار کی طرف اللہ تعالیٰ کی معرفت کی نسبت کرنا کیا ان کے اثبات ایمان کو مستلزم ہے۔؟

جواب .....حضرت شیخ المارزی مالکی رحمہ اللہ سے اس کے متعلق سوال کیا گیا تھا انہوں نے اس کے جواب میں فرمایا ہے کہ یہ مسئلہ دو مقدموں کا محتاج ہے۔

1.....اس مسئلہ کے بارے میں بہت سارے مفسرین نے جو احادیث ذکر کی ہیں ان سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ یہ علمی مسئلہ ہے اور اخبار احاد پر صرف عملیات میں عمل ہوتا ہے۔ کیونکہ عملیات غلبہ ظن پر مبنی ہوتیں ہیں برخلاف اس مسئلہ کے (کہ یہ عقیدہ سے تعلق رکھتا ہے جس کے لئے تعینات کا ہونا لازم ہے) اور اس میں کوئی اختلاف نہیں اگر چہ تم علماء کو دیکھو گے کہ وہ خبر واحد کے فروع میں اختلاف کرتے ہیں اور یہ ان کی آراء کے اختلاف کی وجہ سے ہے۔ اور یہ اختلاف ایسے ہی ہے جیسے اخبار احاد وغیرہ میں وارد الفاظ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تسمیہ میں اختلاف ہے۔ اور بعض مفسرین کا اس بارے میں صحیح یا سقیم حدیث نقل کرنے میں بھی کوئی فائدہ نہیں بلکہ اصل مسئلہ ان مسائل سے تعلق رکھتا ہے جن میں حدیث کی صحت وسقم سے بحث ضروری نہیں۔

ہمارے شیخ حضرت عبدالحمید رحمہ اللہ اپنی مجلس میں اس مسئلہ کا تذکرہ کیا کرتے تھے اور تردد کا اظہار کرتے تھے۔ اور وہ اپنے استاد سے اس کے بارے میں ایک رائے نقل کرتے تھے لیکن اس وقت وہ مجھے یاد نہیں لہٰذا مسئلہ میں کسی قطعی چیز سے مایوسی ہی سمجھنا چاہیے۔

2.....دوسرا مقدمہ موقع کے اعتبار سے اہمیت کا حامل ہے تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے حیوان خواہ ناطق ہے یا غیر ناطق اس کے قلب میں کچھ ایسے علوم پیدا کئے ہیں اسے کوئی فکر حاصل نہیں کرسکتی اور نہ کوئی بحث اسے ممتاز کرسکتی ہے اور یہ وہ علوم ضروریہ طبعیہ ہیں جو بھی حیوان میں پائے جاتے ہیں۔ اور ان میں سے کچھ علوم وہ ہیں جن کا ادراک صرف فکر و بحث سے کیا جاتا ہے اور یہ علوم حیوان ناطق کے ساتھ خاص ہیں اور ان میں سے کچھ ایسے علوم ہیں جن کا حیوان ناطق نہ ہی بداہت کے ذریعہ اور نہ ہی بحث وتحقیق کے ذریعہ ادراک کرسکتا ہے۔ اگر چہ فکر ونظر کے لحاظ سے ان علوم کا بندوں کے قلوب میں ہونا ممکن ہے مگر یہ امکان ان کو فرض کرنے کے اعتبار سے ہے مثلاً انسان

کے مرتبہ کے ساتھ فلک قمر کا لاحق ہونا پس ایسا ہونا عقلاً ممکن ہے۔ لیکن اس کی خواہش صرف اہل وسواس ہی کرتے ہیں۔ اور پہلے لوگوں کا ایک گروہ اس کو تسلیم نہیں کرتا۔ اور بعض اہل عصران لوگوں کی بات کو تسلیم کرتے ہیں، کیونکہ یہ طبیعت سے خارج ہے اسی لئے عقل اسکا ادراک نہیں کرتی۔ جیسا کہ مقناطیس کو لوہے ہی کو جذب کرنے کی خصوصیت کا سبب معلوم نہیں۔ اور جس چیز کا ادراک ممکن نہیں اس میں نہ پڑا جاسکتا ہے اور نہ ہی اس کا تصور ہوسکتا ہے اور جو شخص یقین باطن کا افادہ کرنے والی فکر کو ممتاز نہیں کرسکتا۔ وہ اس قطعی انداز کے ساتھ کلام کرتا ہے گویا کہ وہ اس کو بلند ہونے والی روشنی کی طرح دیکھ رہا ہے، اسی سے علوم میں اپنے آپ کو تبحر بنا کر پیش کرنے والا غیر سے ممتاز ہوجاتا ہے۔ پس اس مسئلہ میں اپنے آپ کو تبحر سمجھنے والا جب کثرت کے ساتھ فکر و نظر کرتا ہے تو وہ ایسا ہے جیسا کہ متنبی نے کہا ہے:

جو دنیا اور اس کی رونقوں میں فکر کرتا ہے تو درماندگی و عجز اسے فکر و لقب میں لا کھڑا کر دیتی ہے۔

لیکن وہ ذات کہ جس پر کوئی خفیہ رہنے والی چیز مخفی نہیں، اس نے اپنے رسولوں کی طرف اپنے غیب میں جو چیز محفوظ تھی اس کی وحی کی تو وہ اس پر مطلع ہوئے اور انسانوں کو اس سے آگاہ کیا ہے۔

علوم کے تین طبقات ہیں۔ بعض وہ علوم ہیں جن کو عقل سے حاصل نہیں کیا جاسکتا وہ صرف سمع سے ہی حاصل ہوسکتے ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کی رؤیت کا جواز اور شیطان کا علم اسی طبقہ سے تعلق رکھتا ہے کہ اس کی معرفت سمع ہی سے ہوسکتی ہے لیکن شیطان کا تکبر کرنا قرآن کی اس آیت سے قطعی طور پر ثابت ہے۔

وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِيْنَ . اور غرور کیا اور کافر ہوگیا۔ (سورۃ البقرہ، آیت:34)

کفر کا لفظ اگرچہ ستر کے لئے مستعمل ہوتا ہے لیکن شرعاً یہ اس کے لئے موضوع ہے جو اللہ تعالیٰ کی معرفت نہیں رکھتا۔ اس کی تائید اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کرتا ہے۔

رَبِّ بِمَا اَغْوَيْتَنِيْ ۔ اے میرے رب قسم اس کی کہ تو نے مجھے گمراہ کیا۔ (سورۃ الحجر، آیت:39)

لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَ مِمَّنْ تَبِعَكَ. (سورۃ ص، آیت:85)

بے شک میں ضرور جہنم بھر دوں گا تجھ سے اور ان سے جو تیری پیروی کریں گے۔

(المعجم الصغیر للطبرانی، باب المیم، من اسمہ محمد......الخ، رقم الحدیث:855، ج:2، ص:99، مطبوعہ:ایضا)

ان کے علاوہ بھی آیات ہیں، جو شیطان کے کفر پر دلالت کرتی ہیں، البتہ یہ بات کہ وہ شیطان کا کفر ایمان کے بعد حادث ہوا ہے یا کہ وہ ہمیشہ سے کافر تھا اس میں قرآن کریم کی نہ کوئی نص قاطع پائی جاتی ہے اور نہ کوئی خبر متواتر اور نہ ہی اجماع پایا جاتا ہے۔

شیطان کن میں سے تھا؟

شیطان فرشتوں میں سے تھا یا کہ جنات میں سے؟ اس بارے میں لوگوں کا اختلاف ہے ایک گروہ اس کے فرشتوں میں سے ہونے کا قائل ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ سجدے کے حکم میں اس کو فرشتوں سے مستثنیٰ کیا گیا ہے۔ ایک گروہ اسکے جنات میں سے ہونے کا قائل ہے اور ان کی دلیل قرآن کریم کی یہ آیت ہے۔

فَسَجَدُوْا اِلَّاۤ اِبْلِیْسَ کَانَ مِنَ الْجِنِّ ۔ (سورۃ الکہف، آیت: 50)

سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے جو قوم جن سے تھا۔

استثناء کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں یہ استثناء منقطع ہے۔ اور پہلے گروہ نے شیطان کے جنات میں سے ہونے کا یہ جواب دیا ہے کہ شیطان کو سرکشی وفساد اور تکبر وعناد کی وجہ سے جنات میں سے قرار دیا گیا ہے۔ بہرحال شیطان کے جنات میں سے ہونے کی دلیل واضح ہے، استثناء کی اس کے فرشتوں میں سے ہونے کی دلالت سے زیادہ اس کا جنات میں سے ہونا واضح اور ظاہر ہے کیونکہ استثناء کثرت کے ساتھ بطور منقطع آتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۔ (سورۃ النساء، آیت: 157)

انہیں اس کی کچھ بھی خبر نہیں مگر یہی گمان کی پیروی۔

اس کے جنات میں سے ہونے کی مذکورہ تاویل بہت بعید ہے۔ نیز یہ کہنا بھی ممکن ہے کہ جنات اور فرشتوں کا جسم لطیف ہے اور دونوں قسمیں انسانوں کو دکھائی نہیں دیتی ہیں پس اس حقیقت سے جنات فرشتوں کی جنس سے ہیں لہٰذا ابلیس کا حقیقتاً جنات کے عنصر سے ہونے کے باوجود استثناء متصل ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ابلیس کے حقیقتاً جنات میں سے ہونے اور فرشتوں میں سے نہ ہونے کی واضح دلیل ہے:

خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ ۔ (سورۃ الاعراف، آیت: 12)

تو نے مجھے آگ سے بنایا اور اسے مٹی سے۔

بعض لوگوں کا موقف

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عناصر اربعہ پانی، ہوا، مٹی اور آگ کو پیدا فرمایا اور پھر ان سے سارے عالم یعنی نباتات وحیوانات اور معدنیات کو مرکب فرمایا۔ پس یہ سب چیزیں اجسام بسیط یعنی عناصر اربعہ سے مرکب اجسام ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے کچھ اجسام روحانیہ پیدا فرمائے ہیں۔ ان میں سے فرشتے اور جنات ہیں اور ان میں سے جو مطیع وفرمانبردار ہیں ان کو فرشتوں سے موسوم کیا گیا ہے:

يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ.
(سورۃ الانبیاء، آیت: 20)

رات دن اس کی پاکیزگی بولتے ہیں اور سستی نہیں کرتے۔

اور جو شریر اور خبیث ہیں ان کو جنات کا نام دیا گیا ہے جیسا کہ انسانوں کی دو قسمیں ہیں صالح اور خبیث فاسق یا صالح اور کافر۔

شیطان کا کلام الٰہی سماعت کرنے کا مسئلہ

ابلیس نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا ہے یا کہ نہیں اس مسئلہ میں دلیل قطعی کی ضرورت ہے اور وہ یہاں بھی سابقہ مسئلہ کی مثل موجود نہیں اس مسئلہ میں صرف ظواہر موجود ہیں اور ظواہر اس میں معتبر نہیں۔ بلکہ ظواہر ظنیات و عملیات میں معتبر ہیں اور اللہ تعالیٰ کا فرمان:

مَامَنَعَکَ اَنْ تَسْجُدَ. کس چیز نے تجھے روکا کہ تو نے سجدہ نہ کیا۔ (سورۃ ص، آیت: 75)

یہ فرمان شیطان کے ساتھ خطاب الٰہی کے دوران عدم واسطہ میں ظاہر ہے اور وجودِ واسطہ کا احتمال رکھتا ہے۔

کیا کفار کو اللہ تعالیٰ کی معرفت ممکن ہے؟

کیا کفار اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھتے ہیں یا کہ نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کفار کو اللہ تعالیٰ کے رسولوں کے واسطہ کے بغیر اللہ تعالیٰ کی معرفت ممکن ہے۔ لیکن اس کا عکس متصور نہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی معرفت کے بغیر اللہ کے رسولوں کی معرفت ممکن نہیں، کیونکہ رسول کی معرفت کا تحقق اسی وقت ہوگا جب رسول کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کی جائے گی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی معرفت کا تحقق رسولوں کی معرفت کے بغیر ممکن ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت پر اپنی مصنوعات ومخلوقات کے دلائل قائم فرمائے ہیں کہ جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی معرفت پر استدلال کرنا رسول کی آمد اور خبر کا محتاج نہیں۔ اسی لئے بعض آئمہ نے فرمایا ہے کہ عقل کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی معرفت واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی معرفت شریعت پر موقوف نہیں۔ اور وہ آئمہ جو شرع کی آمد سے پہلے معرفت الٰہی کے وجوب کی نفی کرتے ہیں ان کا یہ مطلب نہیں وہ شریعت کی آمد سے پہلے معرفت الٰہی کے ناممکن ہونے کی وجہ سے نفی کرتے ہیں بلکہ ان کا مطلب ہے کہ شریعت کی آمد سے پہلے معرفت الٰہی کی تکلیف نہیں پائی جاتی یعنی شریعت کی آمد سے پہلے اس کا مکلف کسی کو نہیں بنایا گیا ہے کیونکہ تکلیف کی معرفت شریعت پر موقوف ہے۔ اور بعض حضرات کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کی معرفت کے درمیان دونوں جانبوں سے تلازم ہے۔ گویا ان کی مراد شرعاً معتبر معرفت ہے۔ ورنہ اس طرح کا تلازم نہ ہونا واضح ہے۔ جیسا کہ وضاحت ہو چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا کا فائدہ

سوال...... بعض لوگ ان الفاظ کے ساتھ دعا کا انکار کرتے ہیں:

اَللّٰهُمَّ كَمَا حَسَّنْتَ خَلْقِي فَحَسِّنْ خُلُقِي.

اے اللہ! جس طرح تو نے میری صورت کو حسین بنایا ہے پس میرے اخلاق کو بھی حسین بنا۔

ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

فَرَغَ رَبُّكَ مِنْ ثَلَاثٍ رِزْقُكَ وَاَجَلُكَ وَشَقِيٌّ اَوْسَعِيْدٌ.

تمہارے رب نے تین چیزوں کا فیصلہ فرمادیا ہے۔ تمہارے رزق کا اور تمہاری اجل کا اور تمہارے بدبخت یا سعادت مند ہونے کا۔

(صحیح ابن حبان، کتاب التاریخ، الخ، ذکر خبر قد یوہم الخ، رقم الحدیث: 6177، ج:14 ص:52 مطبوعہ: ایضا)

کیا ان لوگوں کا یہ انکار درست ہے؟

جواب...... بات ایسی نہیں جس طرح اس منکر کا خیال ہے۔ اس سے تو سرے سے دعا کا ابطال لازم آتا ہے۔ کیونکہ ہر وہ چیز جو عنقریب تمہیں پیش آئے گی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا فیصلہ فرمادیا ہے: بعض بدعتی اسی خیال کے قائل ہیں جس کا اظہار اس منکر نے کیا ہے اور انہوں نے اسی بناء پر دعا کو سرے سے باطل قرار دیا ہے وہ کہتے ہیں دعا کا کوئی فائدہ نہیں۔ کیونکہ جس کی دعا کی جاری ہے اگر دعا کرنے والے کے حق میں اس چیز کے وصول کا پہلے فیصلہ ہو چکا ہے تو اسکے وصول کی دعا کرنی عبث ہے اور اگر داعی کے حق میں اس چیز کے عدم وصول کا فیصلہ ہو چکا ہے تو تب بھی اس کے وصول کی دعا کرنی عبث ہے اہل السنۃ نے ان لوگوں کا رد کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ دعا کا مقصد اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تذلل وخضوع ہے۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

مَنْ لَّا يَسْاَلُ اللّٰهَ يَغْضَبُ عَلَيْهِ.

جو اللہ تعالیٰ سے سوال نہیں کرتا اللہ اس سے ناراض ہوتا ہے۔

(سنن ترمذی، کتاب الدعوات، باب ماجاء فی فضل الدعاء، رقم الحدیث: 3373، ج:5 ص:456 مطبوعہ: ایضا)

بعض آثار میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا:

يَامُوْسٰى اِسْاَلْنِيْ كُلَّ شَيْءٍ حَتّٰى مِلْحَ عَجِيْنِكَ.

اے موسیٰ ہر چیز میرے سے مانگو حتی کہ اپنے آٹے کا نمک بھی۔

دعا فائدہ سے خالی نہیں مقدورات کی دو قسمیں ہیں۔

ایک وہ جو مبرم اصلی ہیں جن کی تعبیر ان چیزوں کے ساتھ کی جاتی ہیں جو اس ام الکتاب میں موجود ہیں جو کسی تبدیل اور تغیر کو قبول نہیں کرتی ہے۔ اور دوسری قسم کی وہ ہیں جو کسی شے کے کرنے پر معلق ہوتی ہیں ان کی تعبیر لوح محفوظ کے ساتھ کی جاتی ہے اس کی دلیل قرآن کریم کی یہ آیت ہے:

يَمْحُو اللّٰهُ مَايَشَاءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهٗ اُمُّ الْكِتٰبِ۔
(سورۃ الرعد، آیت 39)

اللہ جو چاہے مٹاتا اور ثابت کرتا اور اصل لکھا ہوا اسی کے پاس ہے۔

اور حدیث پاک میں ہے:

اِنَّ زِيَارَةَ الرَّحِمِ تَزِيْدُ الْعُمُرَ۔

بے شک رشتہ داروں کی زیارت عمر میں زیادتی کا سبب ہے۔

(المعجم الاوسط، باب الالف، من اسمہ احمد، رقم الحدیث: 943، ج: 1، ص: 289، بالفاظ مختلف، مطبوعہ: دار الحرمین، قاہرہ)

عمر میں زیادتی سے مراد حقیقت زیادتی ہے نہ کہ مجازی زیادتی کہ عمر میں برکت پائی جائے کہ اس کے لئے چھوٹی عمر میں وہ کام کرنے میسر ہو جائیں جو دوسرے انسان کے لئے طویل عمر میں میسر نہیں ہو سکتے۔ اگرچہ ایک جماعت اسی کی قائل ہے اسی طرح مطلوب چیز کبھی دعا پر معلق ہوتی ہے دعا کی جاتی ہے تو وہ مل جاتی ہے۔ لہٰذا دعا کا فائدہ ضرور ہے۔ بہرحال دعا فائدہ سے کبھی خالی نہیں ہوتی۔ کیونکہ مطلوب اگر دعا پر معلق ہے تو دعا میں فائدہ کا موجود ہونا واضح ہے۔ اور اسی پر حضور ﷺ کا یہ فرمانا محمول کیا جائے گا:

لَايَرُدُّ الْقَضَاءَ اِلَّا الدُّعَاءُ۔ (تقدیر کو دعا ہی ٹالتی ہے۔)

(سنن ترمذی، ابواب القدر، باب ماجاء لا یرد القدر ...... الخ، رقم الحدیث: 2139، ج: 4، ص: 448، مطبوعہ: ایضاً)

اور اگر مطلوب دعا پر معلق نہیں تو پھر دعا کا فائدہ ثواب ہے کیونکہ دعا عبادت میں سے ہے بلکہ دعا عبادت ہی ہے جیسا کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ۔ (دعا عبادت کا مغز ہے۔)

(سنن ترمذی، ابواب الدعوات، باب ماجاء فی فضل الدعاء، رقم الحدیث: 3371، ج: 5، ص: 456، مطبوعہ: ایضاً)

اور دعا کرنے والا جس چیز کی دعا کر رہا ہے اگر وہ چیز اس کے مقدر میں نہیں تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اس کی مثل یا اس سے افضل چیز عطا فرماتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے جود و کرم اور وسعت فضل و حلم کے لائق ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے دعا کی قبولیت کو مطلق رکھا ہے کسی قید کے ساتھ مقید نہیں فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِىْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ۔ (سورۃ المؤمن، آیت: 60)

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ. (سورۃ البقرۃ، آیت:186)

دعا قبول کرتا ہوں پکارنے والے کی جب مجھے پکارے۔

اگرچہ فعل جیز اثبات میں ہو تو اس میں عموم نہیں ہوتا لیکن مقام امتنان واحسان میں عموم کے لئے ہوتا ہے۔ جیسا کہ علماء نے فرمایا ہے کہ نکرہ سیاق امتنان میں ہو تو اس میں عموم پایا جاتا ہے۔ فعل اور نکرہ مشبہ دونوں عموم اور عدم عموم کے اعتبار سے ایک ہی وادی سے تعلق رکھتے ہیں۔

اس پوری بحث میں غور کیجئے۔ بحمد اللہ تعالیٰ اس کا اظہار میرے پر ہوا ہے۔ اس کے حسن وتحقیق میں زیادتی نہیں ہوسکتی۔ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ بعض علماء نے اس تحقیق کے بعض حصوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

> دعا کا انکار سوائے کافر اور قرآن کی تکذیب کرنے والے کے کوئی نہیں کرسکتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کئی آیات میں اپنے بندوں کو دعا کے ساتھ عبادت کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور ان کی دعا کو قبول فرمانے کا وعدہ فرمایا ہے کہ وہ اپنے علم کے مطابق تین چیزوں میں سے کسی ایک کے ساتھ ان کی دعا قبول فرمائے گا یا ان کو مطلوب عطا فرمائے گا یا ان کی دعا کو قیامت کے لئے ذخیرہ فرمائے گا یا ان کے گناہوں کا کفارہ بنائے گا۔

جیسا کہ احادیث میں وارد ہے۔ اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ دعا کا منکر اگر جاہل ہے تو اس کو شدت کے ساتھ انکار کرنے سے روکا جائے اور اگر علم کے باوجود سرکشی کی ہے تو اس نے قرآن کی تکذیب کی ہے اور وہ مرتد ہے۔ حالانکہ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ:

لَا يَرُدُّ الْقَضَاءَ إِلَّا الدُّعَا. (تقدیر کو دعا ہی ٹالتی ہے)

(سنن ترمذی، ابواب القدر، باب ماجاء لا یرد القدر، رقم الحدیث: 2139، ج:4، ص:448، مطبوعہ ایضا)

کبھی اللہ تعالیٰ کے علم میں تقدیر اس دعا پر معلق ہوتی ہے۔ اور ہوتا وہی ہے جو تقدیر میں ہے جیسا کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔

اِعْمَلُوْا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ.

تم عمل کرتے رہو پس ہر ایک کو وہی چیز ملتی ہے جو اس کے لئے تخلیق کی گئی ہے۔

(مسند احمد، مسند عثمان، ومن مسند علی بن طالب ... الخ، رقم الحدیث: ۸۳۳۱، ج:2، ص:157، مطبوعہ ایضا)

شفاعت سے اعراض کرنے والے کا حکم

سوال: کیا کسی کے لئے اس دعا کو ناپسند کرنا جائز ہے کہ اے اللہ مجھے ان لوگوں میں سے بنا جو محمد ﷺ کی شفاعت سے بہرہ اندوز ہوں گے؟

جواب: اس دعا سے اپنے آپ کو بے نیاز سمجھتے ہوئے اس کو ناپسند کرنے والا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا منکر ہے جس کے قلب پر کبر و غرور کا مرض اس قدر غالب آ چکا ہے حتیٰ کہ اس کو اس نے دین اسلام سے خارج کر کے کفر حقیقی تک پہنچا دیا ہے۔ حالانکہ ہمارے آئمہ کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر کسی انسان کو یہ کہا جائے کہ تم اپنے ناخن تراشو اور وہ سنت سے اعراض کرتے ہوئے یہ کہہ دیتا ہے میں ایسا نہیں کرتا تو وہ کافر ہو جائے گا۔ جب آئمہ کا اس پر یہ حکم ہے تو اس شخص کے متعلق کیا حکم ہوگا جو رسول اللہ ﷺ کی شفاعت والوں میں سے ہونا ناپسند کرتا ہے حالانکہ حضور ﷺ کی شفاعت گناہگاروں کے ساتھ خاص نہیں کیونکہ شفاعت کی سات یا اس سے بھی زیادہ انواع ہیں۔

جیسا کہ میں نے ان کو "شرح الارشاد" کے خصائص میں بیان کیا ہے۔ حتیٰ کہ ستر ہزار وہ لوگ ہیں جن کا جنت میں بغیر کسی حساب کے داخل ہونا ثابت ہے۔ جو رسول اللہ ﷺ کی شفاعت اور مدد سے خالی نہیں ہوں گے۔

کسی عقل والے سے یہ کیسے ممکن ہے؟ کہ وہ یہ تصور کر سکے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی شفاعت کا جس دن محتاج ہوگا اس دن وہ آپ کی نگاہِ شفقت سے جدا رہے۔ جس دن انبیاء و رسل علیہم السلام، فرشتے اور تمام مخلوق آپ ﷺ کی محتاج ہوں گی۔ اور اس دن ہمارے نبی اکرم ﷺ کے سوا کوئی بھی شفاعت عظمیٰ کی جسارت نہیں کر سکے گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری طرف سے خیر کی جزاء عطا فرمائے اور اس جزاء سے افضل جزاء عطا فرمائے جو کسی بھی کو اس کی امت کی طرف سے اور کسی رسول کو اس کی قوم کی طرف سے عطا فرمائی ہے اور اللہ تعالیٰ ہمیں آپ کی شفاعت نصیب فرمائے اور اپنے فضل و کرم سے ہمیں آپ کی امت میں رکھے۔

سوال...... بدعتیوں نے شفاعت کا انکار کیا ہے اور اس بناء پر تم ان کی تکفیر نہیں کرتے ہو (اور مذکورہ دعا کو ناپسند کرنے والے کی تکفیر کر رہے ہو؟)

جواب...... اہل بدعت نے ناپسندیدگی اور تکبر کے طور پر شفاعت کا انکار نہیں کیا بلکہ ان لوگوں نے اعتقاد کے طور پر انکار کیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ ان کی جھوٹی اور گمراہ عقلوں میں شفاعت کے انکار پر جو دلائل قائم ہیں وہ شفاعت کو محال قرار دیتے ہیں پس اس لحاظ سے ان بدعتیوں اور ان لوگوں کے درمیان بہت فرق ہے جو ناپسندیدگی اور تکبر کی وجہ سے شفاعت کا انکار کرنے والے ہیں۔

بعض مالکی آئمہ پر حیرت ہے کہ انہوں نے اس مذکورہ تفصیل اور فرق کو نظر انداز کرتے ہوئے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

کسی مسلمان کے لئے شفاعت کو ناپسند کرنا جائز نہیں بلکہ ایسے شخص پر واجب ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کی شفاعت کا برملا اعلان واظہار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے توبہ کرے کیونکہ آپ کی شفاعت نیک کاروں اور گناہگاروں سب کو نصیب ہوگی۔

حضور سرور کائنات فخر موجودات ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

أُرِيْدُ اَنْ اَخبِئ دَعْوَتِيْ شَفَاعَةً لِّاُمَّتِيْ فِي الْاٰخِرَةِ.

میں چاہتا ہوں کہ اپنی دعا کو آخرت میں اپنی امت کی شفاعت کے لئے محفوظ رکھوں۔

(موطا امام مالک، القرآن، ماجاء فی الدعاء، رقم الحدیث: 720، ج: 2 ص: 297 مطبوعہ: ایطا)

اور تمام علماء کا یہ نظریہ ہے کہ جس مقام محمود کا اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ سے وعدہ فرمایا ہے وہ آپ ﷺ کی اپنی امت کے لئے شفاعت ہے۔ پس دونوں موقف میں آپ ﷺ کی تمام امت کو موقف سے راحت اور مراتب میں بلندی اور تکریم میں زیادتی نصیب ہوگی۔ اور آپ ﷺ کی امت کے گناہگاروں میں سے بعض کو گناہوں سے معافی کی صورت میں اور بعض کو جہنم سے آزادی کی صورت میں شفاعت نصیب ہوگی۔ حضور ﷺ کی شفاعت سے سوائے کفار کے کوئی محروم نہ ہوگا۔ اور شاید جن بدعتیوں نے شفاعت کی تکذیب کی ہے وہ بھی محروم ہوں گے۔

سوال...... اگر کوئی شخص یہ کہے کہ فلاں سے (شاید یہ نبوت سے کنایہ ہے اس کو صراحت کے ساتھ بیان کرنے کو ناپسند کرتے ہوئے ایسا فرمایا گیا ہے۔) افضل کا پایا جانا ممکن ہے۔ کیا ایسا کہنے والا شخص کافر ہو جائے گا یا کہ نہیں؟

جواب...... اگر اس شخص کی مراد یہ ہے کہ ایسا ہونا شرعاً ممکن ہے یا نبوت کسب سے حاصل ہونے والی چیز ہے تو وہ کافر ہے۔ یا اس کی مراد یہ ہے کہ ایسا ہونا عقل کے اعتبار سے ممکن ہے اور شریعت کے اعتبار سے ممکن نہیں تو وہ کافر نہ ہوگا۔

سوال...... کسی طالب علم نے سیرت النبی ﷺ کی ایک کتاب دیکھی جو مشکل و مغلق خط کے ساتھ تحریر تھی جس کو بڑی مشکل کے ساتھ پڑھا جاتا تھا اس نے کہہ دیا کہ یہ بیکار سیرت ہے تو کیا وہ کافر ہوا یا کہ نہیں؟

جواب...... اگر اس کی مراد صرف مجرد خط تھا تو وہ کافر نہیں ہوا اور اگر مطلق کہہ دیا ہے تو بھی کافر نہ ہوگا کیونکہ قرینہ صارفہ موجود ہے جو اس کو خط کی طرف پھیرتا ہے اس میں مالکی علماء نے سختی فرمائی ہے جو ان کے مذہب کے لائق ہے۔

کیا حضور ﷺ کی کوئی صاحبزادی اعلانِ نبوت سے قبل شرک پر تھی؟

سوال...... کیا رسول اللہ ﷺ کی کوئی صاحبزادی مثلاً حضرت زینب رضی اللہ عنہا اعلانِ نبوت سے قبل شرک پر تھیں؟

جواب......معاذ اللہ کہ حضور ﷺ کی صاحبزادیوں میں سے کوئی اس پر ہو بلکہ وہ اسی مذہب پر تھیں جن پر ان کے اباجان اوران کے سردار بلکہ تمام مخلوق کے سردار تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ایمان کامل کی حالت پر مبعوث فرمایا ہے۔ حالانکہ لوگ زمانہ فترت میں تھے یعنی انبیاء کرام علیہم السلام کی آمد کا سلسلہ منقطع تھا اور سابقہ شریعتیں مٹ چکی تھیں کفر وگمراہی عام تھی اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو ہر اس قبیح چیز سے محفوظ رکھا جس میں ان کی قوم مبتلا تھی ،اور آپ کے دل میں خلوت گزینی کی محبت ڈالدی۔ پس آپ غار حراء میں خلوت گزیں ہوکر اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرتے تھے۔ بعض آئمہ نے فرمایا ہے کہ حضور ﷺ کی بعثت سے پہلے آپ کی صاحبزادیاں آپ ﷺ کی سیرت اور طور طریقوں پر کاربند تھیں اور اس میں کوئی شک نہیں۔

رسائل اخوان الصفا کے مولف کا تعارف

سوال......رسائل اخوان الصفا کا مولف کون ہے؟ اور اس کا تعارف کیا ہے اور یہ کتاب کیسی ہے؟

جواب......ان رسائل کو بہت سارے لوگوں نے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا ہے، لیکن یہ نسبت باطل ہے صحیح بات یہ ہے کہ انکا مولف **مسلمة بن احمد بن قاسم بن عبداللہ المخریطی** ہے اوراس کو"**المرخیطی**" بھی کہا جاتا ہے "**مخریط**" اندلس کی ایک بستی ہے اوراس شخص کی کنیت ابوالقاسم ہے۔اور یہ شخص حکمت کے علوم الہیات ،طبعیات ،ہندسہ، تنجیم اور کیمیاء کے علوم کا جامع اور پتھروں کی طبائع اور نباتات کے خواص کا ماہر تھا۔اندلس میں علم وحکمت اس پر ختم تھا۔اوراس ملک کے حکماء نے اسی سے علم وحکمت حاصل کیا ہے اور ساٹھ سال کی عمر میں اندلس میں ہی 353ھ جمادی الثانی کے آخری حصہ میں وفات پائی۔اس کے تذکرہ نگاروں میں ابن بشکوال وغیرہ شامل ہیں۔ اس کی کتاب میں حکمت وفلسفہ اور شریعت سے تعلق رکھنے والی چیزیں شامل ہیں۔اور ابن تیمیہ اس پر شدید تنقید کرنے والوں میں سے ہے۔لیکن اس نے اپنے کلام میں افراط سے کام لیا ہے لہٰذا اس کے تمام اقوال سے فریب میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کسی جاہل کو اپنا ولی نہیں بناتا

سوال ......اس قول کا کیا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی جاہل کو اپنا ولی نہیں بناتا ؟ اوراگر بناتا ہے تو اسے ضرور علم عطا فرماتا ہے۔

جواب......اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ان اولیاء علیہم الرحمہ پر جنہوں نے احکام ظاہرہ اوراعمال خالصہ میں اتقان ورسوخ حاصل کرلیا ہے۔ان پر الہام ،توفیق اوراحوال وتحقیق کے مواقع کا ایسا فیضان فرماتا ہے جس کی وجہ سے وہ دوسروں سے فائق وممتاز ہوجاتے ہیں۔

مذکورہ اوصاف سے پیدا ہونے والی ولایت جسے نصیب ہوتی ہے اسے یہ علوم و معارف نصیب ہوتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ ان علوم و معارف سے جاہل کو اپنا ولی نہیں بناتا۔ اور بالفرض اگر کسی کو بناتا ہے یعنی اس کو اپنے اولیاء کرام سے بننے کی اہلیت عطا فرماتا ہے تو اسے ضرور علم عطا فرماتا ہے یعنی اس کو وہ معارف الہام فرماتا ہے جن کی وجہ سے وہ دوسرے اولیاء کے ساتھ مل جاتا ہے لہٰذا یہاں جاہل سے مراد وہ ہے جو علوم وہبیہ اور احوال خفیہ سے جاہل ہے اور ان علوم ظاہرہ کے مبادی سے جاہل مراد نہیں جن کا حصول اس پر واجب ہے۔ کیونکہ ایسا شخص ولی نہیں ہوسکتا اور ان علوم سے جب تک جاہل رہے گا وہ ولایت کے قابل اور اہل نہیں ہوگا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ جب اس کی ولایت کا ارادہ فرمائے گا تو جن علوم کا حصول اس پر واجب ہے ان کے حصول کا اسے الہام فرمائے گا یعنی ان علوم کو حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے گا۔ کیونکہ ان علوم کا اس میں الہام ممکن نہیں۔ پس جب وہ ان علوم کو حاصل کر لیتا ہے اور عبادات میں اس کے قدم راسخ ہوجاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنے غیب کے ان علوم کا فیضان فرماتا ہے جس کا ادراک کسب اور محنت سے نہیں ہوسکتا۔

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ شریعتوں کے علوم حسی تعلیم ہی کے ذریعہ حاصل کئے جاسکتے ہیں حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کے قصہ میں جو کچھ واقع ہے کیا تمہیں اس کا علم نہیں لیکن حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جو کہا تھا کہ تمہارے پاس ایسا علم ہے جسے میں نہیں جانتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں آپ کی شریعت کی خصوصیات کو نہیں جانتا یا میں آپ کی شریعت کے کمالات کو نہیں جانتا۔ ورنہ تو حضرت خضر علیہ السلام کی اپنی مستقل شریعت تھی۔ کیونکہ مذہب اصح کے مطابق حضرت خضر نبی ہیں اور حضرت خضر کے نبی ہونے سے آپ کے لئے ایسی شریعت کا ہونا لازم ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے علاوہ ہو اور حضرت خضر علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ میرے پاس ایسا علم جسے تم نہیں جانتے اسکا مطلب ہے کہ جو خصوصیات مجھے عطا کی گئی ہیں وہ تم نہیں جانتے ہو اور حضرت موسیٰ علیہ السلام ان معارف والہامات اور احوال خصوصیات کا علم رکھتے تھے جن کا احاطہ حضرت خضر علیہ السلام کو حاصل نہ تھا اور حضرت خضر کا مذکورہ قول کہ میرے پاس ایسا علم ہے جسے تم نہیں جانتے ہو یہ قول حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مذکورہ علم کے منافی نہیں۔

علوم شرعیہ کا حصول تعلیم ہی سے ممکن ہے

جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اس کی تائید وہ چیز بھی کرتی ہے جسے امام محقق ابن عرفہ مالکی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے۔ انہوں نے نقل کیا ہے کہ اس بات پر اجماع ہے کہ شرائع کا علم قصد تعلیم کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔ لیکن وہ چیزیں جن کا علم اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کو عطا فرماتا ہے وہ الہامات، انوار اور معارف ہیں جن کو حاصل کرنا کسی سبب کے ساتھ ممکن نہیں۔ بلکہ وہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہی ملتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے اوصاف جمال وکمال کا عارف، صرف احکام کے عارف سے افضل ہے

سوال امام غزالی رحمہ اللہ نے اللہ تعالیٰ کی معرفت کے تذکرہ کے اثناء میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت میں سب سے بلند مرتبہ انبیاء کرام کا ہے اور پھر اولیاء عارفین کا اور پھر علماء راسخین کا اور اس کے بعد صالحین کا ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ نے اس میں اولیاء کو علماء پر مقدم کیا ہے اور ان کو علماء پر فضیلت دی ہے اور امام قشیری رحمہ اللہ نے بھی اپنے "رسالہ قشیریہ" کے اول میں اسی بات کی تصریح فرمائی ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ حالانکہ علم عمل سے افضل ہے کیونکہ علم متعدی ہے اور عمل قاصر ہے۔

جواب...... ان دو جلیل القدر اماموں نے جو فرمایا ہے وہ صحیح ہے۔ جس میں کوئی شک نہیں کیونکہ کوئی عقل مند انسان اس میں ذرہ بھر شک نہیں کرسکتا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے اوصاف جمال اور نعوت کمال واجب ہیں اور ہر وہ صفت جو کمال مطلق کی انتہاء غایت تک نہیں پہنچتی اسکے ساتھ اللہ تعالیٰ کا متصف ہونا محال ہے ان کا عارف صرف احکام کے عارف سے افضل ہے۔

ابن عبدالسلام رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھنے والے لوگ اصول وفروع کی معرفت رکھنے والے لوگوں سے افضل ہیں، کیونکہ علم اپنے معلوم اور اپنے ثمر کے شرف سے شرف حاصل کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا علم ہر معلوم کے علم سے اس لئے افضل ہے کہ اس کا تعلق دیگر تمام معلومات سے اشرف واکمل ہے اور اس کا ثمر دیگر تمام ثمرات سے افضل واجل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہر صفت کی معرفت عارف پر کسی نہ کسی حال کی موجب ہے اور اسی معرفت سے ہر بلند اخلاق کے ساتھ تعلق رونما ہوتا ہے۔ اور ہر پست اخلاق سے اجتناب رونما ہوتا ہے۔ پس جس کو اللہ تعالیٰ کی وسعت رحمت کی معرفت ہوتی ہے وہ اس میں وسعت امید ورجاء کا ثمر پیدا کرتی ہے۔ اور جس کو اللہ تعالیٰ کے عذاب کی شدت کی معرفت حاصل ہوتی ہے وہ اس میں شدت خوف کا ثمر پیدا کرتی ہے اور شدتِ خوف آہ وزاری، خوف وورع اور حسن انقیاء واذعان کے ساتھ ہر گناہ سے رکنے کا ثمر پیدا کرتی ہے۔ اور جس کو یہ یقین ہوتا ہے کہ تمام نعمتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے لگتا ہے اور محبتِ الٰہی اس کے اندر اپنے آثار محمودہ معروفہ کا ثمر پیدا کرتی ہے۔

اسی طرح جس کو یہ یقین ہوتا ہے کہ نفع وضرر میں اللہ تعالیٰ ہی منفرد ہے تو وہ صرف اسی کی ذات پر اعتماد وتکیہ کرتا ہے اور اپنے تمام معاملات اسی کے سپرد کردیتا ہے۔ اور جس کو یہ یقین ہوتا ہے کہ عظمت وجلال میں اللہ تعالیٰ ہی منفرد ہے تو اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی ہیبت پیدا ہوتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ نہایت ہی تذلل وانقیاد سے پیش آنے لگتا ہے پس یہ معرفتِ صفات کے بعض آثار ہیں۔ اور اس میں کوئی شک

وشبہ نہیں کہ مجرد احکام کی معرفت ان مذکورہ احوال واعمال اوراقوال میں سے کسی چیز کا موجب نہیں ہوتی۔
اوراسی پرحس بھی شاہد ہے کہ علماء ظاہر کی ایک کثیر تعداد غایت فسق وفجور کی مرتکب اورراہ اعتدال واستقامت سے نہایت دورنظر آتی ہے، بلکہ ان میں سے کچھ وہ لوگ ہیں جو فلاسفہ کے کلام میں اس قدر منہمک رہے حتیٰ کہ دین سے خارج ہوگئے۔اوران میں سے کچھ وہ ہیں جو شک میں مبتلا ہوگئے اوروہ اپنے شک میں ہی متردد ہیں۔

علماء کلام اورعارفین کے درمیان فرق یہ ہے کہ متکلم کے وہ علوم جو اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات سے متعلق ہیں وہ اکثر اوقات متکلم سے غائب رہتے ہیں اسی لئے مذکورہ احوال کا اس کے لئے دوام حاصل نہیں ہوتا۔
اوراگر یہ احوال ہمیشہ اس کے لئے حاصل ہوتے تو وہ عارفین میں سے ہوجاتا ہے کیونکہ وہ اس صورت میں عارفین کا اس عرفان سے شریک بن جاتا ہے جو استقامت کے موجب احوال کا موجب ہے۔عارفین اورفقہاء کے درمیان مساوات کیسے ہوسکتی ہے؟عارفین مخلوق کا افضل طبقہ ہے جو اپنے قلوب میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ رکھتے ہیں:اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَتْقَاکُمْ. (سورۃ الحجرات،آیت:13)

بے شک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ جو تم میں سے زیادہ پرہیزگار ہے۔
اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں متقین کی علماء سے زیادہ مدح فرمائی ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں عارفین مراد ہیں۔مجرد احکام کے علماء مرادنہیں۔

اِنَّمَا یَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا . (سورۃ الفاطر،آیت:28)

اللہ سے اس کے بندوں میں سے وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں۔

علماء ظاہر مراد نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان پر عدم خشیت غالب ہے۔اوراللہ تعالیٰ کی خبر صادق ہے۔لہٰذا اس کو ان لوگوں پر ہی محمول کیا جائے گا جو اللہ تعالیٰ کی معرفت وخشیت رکھتے ہیں۔اورحضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی مروی ہے حالانکہ وہ ترجمان القرآن ہیں پھر علماء ظاہر میں سے کچھ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے پڑھتے،پڑھاتے اور تعلم وتعلیم کا کام نہیں کرتے بلکہ کسی اور مقصد کے لئے علم حاصل کرتے ہیں اوراسی مقصد کے لئے تعلیم دیتے ہیں پس ان کا یہ علم ان کے لئے وبال ہے اسی طرح ان لوگوں کا علم بھی ان کے لئے وبال ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور مقصد کے لئے علم حاصل کیا ہے اوردوسروں کو اس کی تعلیم دی ہے اوران لوگوں کے برعکس ہیں وہ لوگ جنہوں نے اچھے اعمال کے ساتھ بُرے اعمال کو مخلوط کیا ہے۔اورجن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی رضاء کے لئے علم حاصل کیا اوراللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اس کو دوسروں تک پہنچایا لیکن اپنے علم پر عمل نہیں کیا تو وہ ان مذکورہ لوگوں کی

طرح شقی و بدبخت ہیں۔ اور اگر ان لوگوں نے اپنے اپنے علم پر عمل کیا اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے احکام کا علم بھی رکھتے ہیں تو وہ سعادت مند لوگ ہیں۔ اور اگر ان لوگوں کے احوال عارفین کے احوال کی طرح ہیں تو پھر یہ تمام عارفین سے افضل ہیں۔ کیونکہ انہوں نے وہ چیز بھی حاصل کی ہے جو عارفوں نے حاصل کی ہے اور ان سے زائد چیز بھی حاصل کی ہے اور وہ زائد چیز احکام کی معرفت اور اہل اسلام کو ان احکام کی تعلیم دی ہے۔

علم متعدی مطلقاً علم قاصر سے افضل نہیں

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ علم متعدی علم قاصر سے افضل ہے وہ اللہ تعالیٰ کے احکام سے جاہل ہیں۔ بلکہ قاصر کے چند احوال ہیں۔

1.....قاصر متعدی سے افضل ہوتا ہے مثلاً توحید، ایمان اور اسلام۔ اسی طرح ارکانِ خمسہ، سوائے زکوٰۃ کے قاصر ہیں۔ اسی طرح نمازوں کے بعد تسبیح کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے ضرورت سے زائد اموال کے صدقہ پر نمازوں کے بعد تسبیح پڑھنے کو مقدم فرمایا ہے، حالانکہ صدقہ متعدی ہے۔ چنانچہ آپ کا فرمان ہے:

اَقْرَبُ مَا يَكُوْنُ الْعَبْدُ مِنْ رَبِّهٖ وَ هُوَ سَاجِدٌ.

بندہ سجدہ کی حالت میں اپنے رب کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔

(صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب مایقال فی الرکوع، الخ رقم الحدیث: 482، ج: 1 ص: 350، مطبوعہ: ایضا)

اور آپ ﷺ نے فرمایا:

خَيْرُ اَعْمَالِكُمُ الصَّلٰوةُ. (تمہارے اعمال میں سب سے افضل نماز ہے۔)

(سنن ابن ماجہ، ابواب الطہارۃ، باب المحافظۃ علی الوضوء، رقم الحدیث: 276، ج: 1 ص: 183، مطبوعہ: ایضا)

اور حضور ﷺ سے عرض کی گئی کون سے اعمال ہیں؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا پھر عرض کی گئی اس کے بعد کون سا عمل افضل ہے؟ تو آپ نے فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔ پھر عرض کی گئی کہ اس کے بعد کون سا عمل افضل ہے؟ تو آپ نے فرمایا: حج مبرور ہے۔ پس یہ تمام اعمال قاصرہ ہیں شریعت نے ان کی تفصیلات بیان فرمائی ہیں۔ حضور ﷺ نے ان سب کو افضل قرار دیا ہے۔

2.....کبھی متعدی افضل ہوتا ہے۔ مثلاً والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ! کون سا عمل افضل ہے؟ تو آپ نے فرمایا والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا۔ حالانکہ نماز پر متعدی عمل سے افضل نہیں۔ اگر کوئی نمازی کسی کو دریا میں غرق ہوتے ہوئے دیکھے اور وہ اس کو بچانے پر قدرت رکھتا ہے اور یا قتل یا زنا یا قوم لوط کے عمل کا وقوع ہوتے دیکھے اور وہ اس کے ازالہ پر قادر ہے تو اس کام کے لئے اس پر نماز منقطع کرنا واجب ہے۔ اگرچہ نماز کا وقت تنگ ہو چکا ہو، کیونکہ اس کے اس عمل کا مرتبہ اللہ تعالیٰ کے

ہاں نماز کے مرتبہ سے افضل ہے۔کہ اس کا بعد میں تدارک ممکن نہیں بخلاف نماز کے کہ اس کا تدارک ممکن ہے کہ بعد میں قضا کرلے گا۔

یہ دونوں قسمیں (قاصر ومتعدی) اعمال کی مصلحتوں کی ترجیح پر مبنی ہیں جس عمل کی مصلحت راجح ہوگی وہ عمل افضل ہوگا اوراسی طرح نبی اکرم ﷺ نے جس عمل کی فضیلت بیان فرمائی ہے وہ راجح ہوگا۔اگر چہ سبب ترجیح کا ادراک نہ بھی ہوسکے،اوراگرہمیں ترجیح کی مقتضی مصلحت نہیں تھی اور موجب ترجیح نص بھی نہیں ملتی ہے تو اس وقت تک توقف کرنا واجب ہے جب تک ہمیں کسی عمل کے افضل ہونے پر شرعی دلیل معلوم نہیں ہوتی ۔جب دلیل معلوم ہوجائے تو اس وقت ہم اسکے افضل ہونے کی تصریح کریں گے ورنہ ہمارے لئے یہ جائز نہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کی طرف کوئی ایسی چیز منسوب کریں جس پر ہمارے پاس کوئی دلیل قائم نہیں۔اوراگر دونوں برابر ہوں مثلاً دو انسان عمل میں برابر ہوں توان میں کسی ایک کو ترجیح اسی صورت میں دی جائے گی جب اس کے عرفان میں تسلسل واستمرار ہوگا۔کیونکہ یہ شرف ہے اوراس سے بڑھ کر کون سا شرف ہوسکتا ہے؟ کہ اسی کے سبب اعمال کی اصلاح اور درستگی میں اضافہ ہوتا ہے،پس عارف کے مراتب میں فضل وشرف اس کی وجہ سے ہوتا ہے اوراس سے پیدا ہونے والے احوال کو ایک دوسرے پر فضیلت حاصل ہوتی ہے جیسا کہ جواب کے ابتداء میں ہم نے بیان کیا ہے۔لہٰذا محب الٰہی متوکل سے افضل ہے اور متوکل خائف سے اور خائف اہل امید ورجاء سے افضل ہے یہ اللہ تعالیٰ کے عارفوں کے اوصاف کا خلاصہ ہے۔

عارفین کے فقہاء پر افضل ہونے کی ایک دلیل وہ کرامات اور خوارقِ عادت امور ہیں جن سے اللہ تعالیٰ عارفوں کو نوازتا ہے ان میں سے کوئی چیز فقہاء کے ہاتھوں پر جاری نہیں ہوتی ہے۔لیکن اگر وہ عارفین کی راہ کو اختیار کریں اوران کے اوصاف سے متصف ہوجائیں تو پھر اللہ تعالیٰ انہیں بھی ان امور سے نوازتا ہے۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سبقت وفضیلت صوم وصلوٰۃ کے سبب نصیب نہیں ہوئی ان کو اس چیز کی وجہ سے ملی ہے جو ان کے قلب اقدس میں محفوظ کی گئی تھی ۔اورجس کا یہ گمان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو دوسروں پر اعمال شاقہ کی وجہ سے فضیلت ملی ہے تو وہ حقیقت سے بہت دور چلا گیا ہے۔بلکہ آپ ﷺ کو اس لئے فضیلت حاصل ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کبھی بالواسطہ جبریل اور کبھی بلاواسطہ کلام فرمایا اسی طرح آپ ﷺ کو اُن معارف احوال کے سبب فضیلت ملی جو معارف واحوال آپ کی ذات کے ساتھ مختص تھے اسی لئے آپ نے فرمایا:

اِنِّی لَاَرْجُوْ اَنْ اَکُوْنَ اَعْلَمَکُمْ بِاللّٰہِ وَ اَشَدُّکُمْ لَهٗ خَشْیَةً.

مجھے امید ہے کہ میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو جاننے والا اور تم سب سے زیادہ اس کی ذات سے ڈرنے والا ہوں گا۔

(موطا امام مالک،کتاب الصیام،باب ماجاء فی الذی یصبح ،الخ،رقم الحدیث:777،ج:1ص:301،مطبوعہ:ایضا)

اسی لئے بعض صحابہ نے جب رسول اللہ ﷺ کے قیام اور نماز کے مقابلے میں اپنے قیام و نماز کو قلیل سمجھا تو آپ ﷺ نے ان کے لئے ایسا سمجھنا پسند نہ فرمایا۔ اور اس کے بعد آپ نے ان پر اپنی فضیلت کی وجہ بیان فرمائی کہ اس کا سبب اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے۔ پس یہ حضور ﷺ کی افضلیت کی جہات ہیں جن میں کوئی مشقت نہیں اور یہ جہات افضلیت کی جہات کیوں نہ بنیں جبکہ اللہ تعالیٰ خود حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرماتا ہے:

إِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسَالَتِي وَبِكَلَامِي. (سورۃ الاعراف، آیت 144)

میں نے تجھے لوگوں سے چن لیا اپنی رسالتوں اور اپنے کلام سے۔

اس قسم کا گمان قلب منافق ہی سے صادر ہوسکتا، حالانکہ ہمارے نبی اکرم ﷺ تمام انبیاء کرام سے افضل ہیں اور انبیاء کرام کی ایک کثیر تعداد مثلاً حضرت نوح علیہ السلام نے عمل کیا اور ان کو اذیت دی گئی جس پر انہوں نے صبر کیا اور ان کا صبر ہمارے نبی اکرم ﷺ سے زیادہ ہے۔

مذکورہ گمان یہ بتا رہا ہے کہ نبوت کسبی چیز ہے اور حالانکہ ایسا گمان رکھنا ضلالت و کفر ہے نبوت محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے عطیات میں سے ہے جس کے ساتھ اس نے اپنے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو خاص فرمایا ہے۔ انبیاء کرام کو جو معارف و انوار اور قرب عطا فرمایا گیا ہے ان کی ادنیٰ سی چیز کے ادراک سے عقلیں قاصر و عاجز ہیں اور جو عظیم معجزات ان کے ہاتھوں پر ظاہر ہوئے وہ اسی کی شہادت دے رہے ہیں اسی لئے جب اولیاء کرام رحمہم اللہ نے اس خوشبو کو سونگھا تو ان میں سے ہر متلاشیٔ عرفان کو اپنے سونگھنے کی مقدار عرفان الٰہی سے حصہ ملا۔ اور جس قدر ان کو عرفان نصیب ہوا اسی مقدار سے ان کے لئے کرامات ظاہر ہوئیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو یہ زیادتی بھی عطا فرمائی کہ ان کو مخلوق کے قائد و راہنما اور معلم بنایا کہ وہ مخلوق کو اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کی رہنمائی فرمائیں تو عام لوگوں نے علوم ظاہرہ کے احکام کے سبب اور خواص نے علوم باطنہ کے احکام کے سبب انبیاء کرام علیہم السلام کی اتباع کی اور خواص کو خلوص اتباع کے سبب مذکورہ امور میں سے کچھ چیزیں نصیب ہوئیں۔ اور جنہوں نے ان میں اضافہ کا ارادہ کیا اور ایسی قوت کا عقیدہ رکھا جس کی طرف وہ نہ پہنچ سکے۔ اور اہل طریقت کے ایک گروہ سے ایسے اقوال صادر ہوئے جن میں وہ غرق ہوکر رہ گئے اور تنقید و اعتراضات کا نشانہ بن گئے مثلاً منصور حلاج۔ ان میں سے بہت سارے لوگوں کا ابن الجوزی نے تلبیس ابلیس تذکرہ کیا ہے۔ اور امام قشیری نے اپنے رسالہ میں اشارہ کیا ہے کہ ہر شیخ کی اقتداء نہ کی جائے بلکہ مشائخ میں سے بعض کی اقتداء کی جائے اور ان کے درمیان کی جائے یعنی مشائخ سے ہٹ کر کسی اور کی نہ کی جائے۔

حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ کے قول کی تاویل

حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ سے جو قول منقول ہے کہ ہم سمندر میں داخل ہوگئے اور انبیاء کرام علیہم السلام

ساحل پر ٹھہرے رہے یہ ان مذکورہ اقوال میں سے ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام شہوات وارادات وغیرہ کے سمندروں کے ساحلوں پر اپنے متبعین کو ان میں غرق ہونے سے بچانے کے لئے ٹھہرے رہے۔یہ قول انبیاء کرام علیہم السلام کی انتہائے مدح اور ثناء پر مشتمل ہے اس میں کوئی اعتراض نہیں اور اس کلام کے ظاہر سے جو متبادر ہے اس کو لے کر معترض نے اس کلام کے متکلمین پر اعتراض کیا ہے کہ وہ اولیاء کرام کو انبیاء کرام پر فضیلت دیتے ہیں معاذ اللہ کہ ان عارفین میں سے کسی سے اس کا صدور ہو کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے احکام اور اس کے انبیاء کرام اور ان کے مراتب کی دوسروں کی نسبت بہت زیادہ معرفت رکھنے والے ہیں۔صوفیاء کرام نے اس کلمہ کا بعض لوگوں کو ایک اور جواب دیا ہے جو مذکورہ جواب کے قریب قریب ہے وہ فرماتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء کرام سلامتی کے ساحل پر ٹھہرے رہے تا کہ عام لوگ بغیر کسی گہرائی میں پڑنے کے ساحل میں انبیاء کرام کی اتباع کریں کیونکہ ساحل ظاہر اور سلامتی کا محل ہے اور غوطہ خور لوگوں نے سمندر کی گہرائی اور مشکلات میں غوطہ لگانے اور اس میں سے معارف اور احوال کا ایک ایسا حصہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے جس کو ساحل پر ٹھہرنے والے عام لوگ حاصل نہ کر سکے۔اور بعض حضرات نے اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء کرام نے معارف کے سمندر میں غوطہ لگایا اور وہ اسے طے کر گئے اور اس کے تمام اسرار ورموز کا احاطہ فرمالیا اور اس کی کوئی چیز ان سے باقی نہیں رہی اور اولیاء کرام نے بھی اس میں معمولی سا غوطہ لگایا لیکن ان کی اکثریت اس میں غرق ہو گئی مگر ان کی وہ قلیل مقدار غرق ہونے سے نجات پا گئی جن کی اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں سلامتی مقدر تھی اور باقی اپنے ظواہر کو ضبط نہ کرنے کی وجہ سے امتحان میں مبتلا ہو گئے۔اسی لئے بہت سارے وہ صوفیاء جنہوں نے آدابِ شریعت کی پابندی نہیں کی وہ کجی کا شکار ہو گئے کیونکہ ساری خیر اور بھلائی رسول اللہ ﷺ کی اتباع اور آپ کی سیرت کی اقتداء میں ہے۔پس جن لوگوں نے اپنے آپ کو شریعت کے احکام ظاہرہ پر کاربند بنایا اور اپنے باطن کو خشیتِ الٰہی کے تحت سنوارا اور تعمیر کیا وہ اس گروہ کی صفت میں شامل ہو گئے جو ملامت سے سلامتی والے ہیں اللہ تعالیٰ تمہیں بھی ان کے ساتھ ملائے اور ان کی لڑی میں پرو دے۔ آمین

رسول اللہ ﷺ سے قبل اسم محمد سے موسوم لوگوں کی تعداد

سوال......ہمارے نبی اکرم ﷺ سے پہلے اسم محمد سے موسوم لوگوں کی تعداد کتنی ہے؟

جواب......ابن قتیبہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ حضور ﷺ کی نبوت کی نشانیوں اور علامات میں سے ایک علامت یہ ہے کہ آپ سے پہلے آپ کے اسم گرامی محمد کے ساتھ کوئی موسوم نہیں ہوا۔اور یہ چیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس اسم پاک کی حفاظت وصیانت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے ان کے اسم پاک کے

ساتھ کسی موسوم کو پیدا نہیں فرمایا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سابقہ کتب میں حضور ﷺ کو اس اسم پاک سے موسوم فرمایا تھا اور اسی اسم کے ساتھ انبیاء کرام علیہم السلام کو آپ کی بشارت دی تھی۔پس اگر اللہ تعالیٰ اس اسم میں کسی اور کو حضور ﷺ کا شریک بناتا تو اشتباہ پیدا ہوتا لیکن جب رسول اللہ ﷺ کا زمانہ قریب آیا اور اہل کتاب کو اس قرب کی بشارت دی گئی تو ایک گروہ نے اپنے بچوں کو اس نام سے اس امید کے ساتھ موسوم کیا کہ کاش یہ بچہ وہی آخری نبی ہو اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے کہ وہ اپنی رسالت کو کہاں رکھے گا۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وہ صرف چھ افراد تھے جن کا نام محمد رکھا گیا تھا، قاضی عیاض رحمہ اللہ کے اس قول کی بنیاد پر ابن خالد یہ کے قول کو رد کیا گیا ہے کہ انہوں نے فرمایا تھا کہ وہ صرف تین افراد تھے۔اور علامہ سہیلی رحمہ اللہ سے بھی اس بارے سہو ہو گیا ہے کہ انہوں نے اس میں ابن خالد یہ کی پیروی کی ہے۔حالانکہ سہیلی رحمہ اللہ، قاضی عیاض رحمہ اللہ کے زمانہ کے بعد کے عالم دین ہیں۔لیکن قاضی عیاض رحمہ اللہ نے جو بیان کیا ہے اس پہ بھی علماء نے تعقب کیا ہے۔شیخ الاسلام حافظ ابوالفضل بن حجر رحمہ اللہ نے اس اسم پاک سے موسوم لوگوں کے اسماء ایک جزء میں جمع کئے ہیں جن کی تعداد بیس تک پہنچتی ہے۔لیکن بعض اسماء میں تکرار اور بعض میں وہم ہے۔پس اس لئے ان میں سے پندرہ افراد کی تلخیص کی گئی ہے۔اور ان میں سے مشہور ترین یہ لوگ ہیں۔

محمد بن عدی بن ربیعة التیمی السعدی سیاق خبر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص نے زمانہ اسلام پایا تھا۔

محمد بن البراء بن ظریف بن عتوارة بن عامر بن لیث بن بکر بن عبده بن کنانه البکری العنواری انہوں نے زمانہ اسلام پایا اور یقینی طور پر صحابی ہیں (رضی اللہ عنہ) اور باقی تمام افراد نے زمانہ اسلام نہیں پایا۔

حضور ﷺ کی اولاد پاک کی تعداد

سوال...... ہمارے نبی اکرم ﷺ کی اولاد پاک کی تعداد کتنی ہے؟

جواب...... متفق علیہ تعداد چھ ہے۔دو صاحبزادے، حضرت قاسم اور حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔اور چار صاحبزادیاں۔حضرت زینب، حضرت رقیہ، حضرت ام کلثوم اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن ہیں۔اور ان چاروں صاحبزادیوں نے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ہجرت کی ہے ان مذکورہ چھ کے علاوہ میں اختلاف ہے۔ابن اسحاق رحمہ اللہ نے ان کے ساتھ طیب وطاہر کا اضافہ کیا ہے۔اس لحاظ سے اولاد پاک کی تعداد آٹھ بنتی ہے۔چار صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں۔اور زبیر بن بکار رحمہ اللہ نے ایک اور صاحبزادے کا ذکر بھی کیا ہے جن کا نام عبداللہ تھا اور ان کا بچپن میں ہی مکہ معظمہ میں وصال ہوا ہے۔اور اکثر اہل نسب کے ہاں ان کو ہی طیب وطاہر کہا جاتا ہے۔اور دار قطنی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ عبداللہ کا ثبوت نہیں

اور عبداللہ کو طیب وطاہر کا نام دینے کی وجہ یہ ہے کہ یہ اعلان نبوت کے بعد پیدا ہوئے ہیں ۔ پس زبیر بن بکار رحمہ اللہ کے قول کے مطابق حضور ﷺ کی اولاد پاک کی تعداد سات ہے ۔ تین صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں ۔ اور ایک قول کے مطابق عبداللہ طیب وطاہر کے علاوہ ہیں اس قول کے مطابق اولاد پاک کی تعداد نو بنتی ہے ۔ پانچ صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں ۔

غیبت وغیرہ چند حرام اشیاء کا ذکر

سوال ...... امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے مختصر الاذکار جو کہ امام نووی رحمہ اللہ کے الاذکار کا اختصار ہے میں چند حرام اشیاء کا ذکر کیا ہے ۔ مثلاً غیبت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ غیبت یہ ہے کہ انسان میں موجود کسی ایک چیز کا ذکر کرنا جسے ناپسند سمجھا جاتا ہے خواہ اس چیز کا تعلق اس کے عمامہ کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو خواہ ہاتھ کے اشارہ کے ساتھ ہو یا آنکھ وغیرہ کے اشارہ کے ساتھ اور اس طرح کا ذکر سننا بھی غیبت ہے اور چغل خوری بھی حرام ہے ۔ لوگوں کے درمیان فساد پیدا کرنے کی غرض سے ایک کی بات دوسرے تک پہنچانا چغل خوری ہے ۔ نیاحت یعنی میت پر چیخنا چلانا وغیرہ اور انساب میں طعنہ زنی کرنا اور مسلمانوں کی حقارت اور ان کے ساتھ استہزاء اور ان کو بُرا کہنا اور کافر کے لئے مغفرت کی دعا کرنا حرام ہے ۔ اور راز کو افشاء کرنے میں کسی قسم کا نقصان وضرر پایا جاتا ہے تو راز کو افشاء کرنا بھی حرام ورنہ مکروہ ہے ۔ اور جس پر احسان کیا ہے اس پر احسان جتلانا اور کسی معین شخص پر لعنت کرنا اگرچہ وہ ایسا کافر ہو جس کی موت کا کفر پر ہونا معلوم نہیں ۔ اور والدین کو جھڑکنا اور کسی عذر کے بغیر جھوٹ بولنا حرام ہے ، مثلاً لوگوں کے درمیان صلح کرانے کے لئے یا بیوی کی دل جوئی کے لئے یا کسی ایسے ظالم کے سامنے جھوٹ بولنا جو اس کے پاس رکھی ہوئی امانت چھیننا چاہتا ہے (ان حالات میں جھوٹ بولنا حرام نہیں) اور شہنشاہ اور ملک الملوک وغیرہ نام رکھنا حرام ہے ۔ اقضی القضاۃ اور قاضی القضاۃ اور حاکم الحکام نام رکھنے میں اختلاف ہے ۔ قاضی ابوالطیب رحمہ اللہ ان لوگوں میں سے ہیں جو ان کے تسمیہ کو حرام قرار دیتے ہیں ۔ اور علامہ حلیمی رحمہ اللہ نے طیب نام رکھنے کو حرام قرار دیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں طیب اللہ تعالیٰ ہی ہے اور کافر کو سلام کرنا حرام ہے ۔ کیا ان مذکورہ چیزوں کا وہی حکم ہے جو حکم امام سیوطی رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے؟

جواب ...... اقضی القضاۃ اور اس کے بعد والے تسمیہ میں معتبر حکم ۔ میں نے "شرح العباب" میں بیان کیا ہے جو اس پر مطلع ہونا چاہتا ہے وہ اس کتاب کی طرف رجوع کرے ۔

اُن اذکار کا بیان جن کی اصل سنت میں موجود ہے

سوال ...... اذکار نووی میں ہے کہ ہر روز سورہ یٰسین ، واقعہ ، دخان ، سجدہ اور اذا زلزلت پڑھنا مسنون ہے ۔ کیا ان

کے علاوہ بھی کوئی سورتیں ہیں جن کے متعلق اس قسم کی احادیث وارد ہوں؟

جواب ہاں ہر روز سورہ اخلاص دو سو مرتبہ پڑھنے کے متعلق امام ترمذی رحمہ اللہ نے حدیث روایت کی ہے اور آل عمران جمعۃ المبارک کے دن پڑھنے سے متعلق امام طبرانی رحمہ اللہ نے حدیث روایت کی ہے۔ اور سورہ کہف جمعہ کے دن پڑھنے کے متعلق امام حاکم رحمہ اللہ نے حدیث روایت کی ہے۔ اور جمعہ کی رات سورہ کہف پڑھنے کے بارے میں امام دارمی رحمہ اللہ نے حدیث روایت کی ہے اور

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى .

سے آخر سورہ تک ہر رات پڑھنے کے بارے میں ابن راہویہ رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث روایت کی ہے اور قریب الموت انسان کے پاس سورہ یٰسین پڑھنے کے بارے میں امام ابوداؤد رحمہ اللہ وغیرہ نے حدیث روایت کی ہے۔ اور قریب الموت کے پاس سورۃ الرعد بھی پڑھنے کے بارے میں "الروضۃ" میں بعض تابعین کا قول مروی ہے۔ اور ہمارے شافعی علماء میں سے البندنیجی وغیرہ نے اس کی تصریح کی ہے اور امام ترمذی رحمہ اللہ وغیرہ آئمہ نے جمعہ کی رات سورۂ دخان پڑھنے کی حدیث روایت کی ہے اور امام مسلم رحمہ اللہ نے خطبہ میں سورہ ق تلاوت کرنے کی حدیث روایت کی ہے۔ عشرہ ذی الحجہ میں سورہ والفجر تلاوت کرنے کے متعلق ثعلبی رحمہ اللہ نے حدیث روایت کی ہے۔ اور ابن صلاح رحمہ اللہ نے وضوء کے بعد سورۃ القدر تلاوت کرنے کے متعلق حدیث روایت کی ہے۔

(سنن ترمذی، ابواب فضائل القرآن، باب ماجاء فی سورۃ الاخلاص، رقم الحدیث: 2898، ج:5 ص: 168، مطبوعہ: ایضا)

لہٰذا ان سورتوں کو جن کے بارے میں یہ احادیث وارد نہیں ان کے ورود کی کیفیت کے مطابق تلاوت کرنا مستحب ہے اگرچہ استحباب کی تصریح کرنے والے کسی کو میں نہیں جانتا۔ اور بعض احادیث کا ضعف مضر نہیں کیونکہ فضائل اعمال میں ضعیف، مرسل، معضل اور منقطع حدیث پر بالاتفاق بلکہ بالاجماع عمل کیا جاتا ہے۔

کیا امام نووی رحمہ اللہ کے اقوال درست ہیں؟

سوال...... امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے امام نووی رحمہ اللہ کے اذکار کا اختصار کیا ہے اور اس کا نام مختصر الاذکار رکھا ہے اس میں انہوں نے بیان کیا ہے کہ تادیب کی خاطر اپنی اولاد اور اپنے خادم اور شاگرد کے ساتھ سختی سے پیش آنے میں کوئی حرج نہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ صبح کے وقت اور حمام سے نکلنے کے بعد سلام کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ عید کی اور نئے مہینے اور نئے سال کی مبارکباد دینے میں بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ اس کی اصل سنت میں موجود ہے۔ مدح کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں بشرطیکہ جھوٹ نہ ہو اور ممدوح کے کسی فتنہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔ اظہار نعمت کے لئے یا نصیحت کرنے کے لئے اپنی تعریف کرنے میں بھی

کوئی حرج نہیں تا کہ لوگ اس کی بات قبول کریں۔مثلاً یوں کہنا کہ کہیں میری جان
گا۔اور اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر فدا کرے یا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں کہنے میں بھی کوئی
اور کسی عذر کی وجہ سے کافر یا فاسق یا بدعتی کی کنیت رکھنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔مثلاً اگر کنیت
اسے نہ بلایا جائے تو فتنہ کا خوف ہے یا اس کی پہچان کنیت ہی کے ساتھ ہے تو کنیت کے ساتھ
کوئی حرج نہیں ایک شخص کی متعدد کنیتیں رکھنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔اور اپنی بیٹی کے نام کے
رکھنے میں بھی کوئی حرج نہیں مثلاً ابو لیلیٰ کنیت رکھی جائے۔اور راستے میں ذکر کرنے اور
ساتھ ذکر کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔اور اپنے ظلم کرنے والے کے خلاف یا کسی اور کے
کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ذمی جب کسی کے ساتھ اچھائی سے پیش آئے تو اس کو یہ کہنے میں
نہیں کہ اللہ تعالیٰ تجھے جمیل بنائے۔مزاح لطیف میں بھی کوئی حرج نہیں جب تک اس میں فحش
ہو یا اس سے کسی کو اذیت نہ پہنچے اور سبحان اللہ وغیرہ الفاظ کے ساتھ تعجب کا اظہار کرتے میں بھی کوئی
نہیں اور شرعی مصلحت کے لئے تعریض وتوریہ میں بھی کوئی حرج نہیں اور کسی کو یہ کہنے میں بھی کوئی حرج نہیں
اللہ تعالیٰ کے نام پر تم یہ کام کردو۔اور ان اقوال میں بھی کوئی حرج نہیں ہمیں اپنی رحمت کے مستقر میں جمع
فرما دے اور طواف کو شوط (چکر) کا نام دینا اور ہم نے رمضان کا روزہ رکھا کہنا۔

اور سورۃ البقرہ یا سورۃ النساء کہنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔اور يَقُولُ اللّٰهُ تَعَالٰى كَذَا کہنے میں کوئی حرج
نہیں یعنی اللہ تعالیٰ یوں فرماتا ہے کہنے میں کوئی حرج نہیں۔اس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حق میں
مضارع کا صیغہ استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں اور بعض لوگوں نے ان آخری چھ اقوال کو مکروہ کہا ہے۔
کیا امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ صحیح ہے۔

جواب...... ہاں امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے جو فرمایا ہے صحیح ہے اور ان سب پر دلائل موجود ہیں اور جن لوگوں
نے اس میں اختلاف کیا ہے ان کے ناموں کی تصریح اصل یعنی اذکار نووی میں موجود ہے۔مشہور واقعہ ہے
کہ جب حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے والد ماجد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حکم کی مخالفت کی
تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو ڈانٹا (اس سے معلوم ہوا کہ تعلیم وتربیت کے پیش نظر اپنی اولاد کے ساتھ
سختی سے پیش آنے میں کوئی حرج نہیں۔) اور صبح کے تحیہ میں عدم کراہت کا محل وہ ہے جہاں تحیہ یہودیوں
کے مشہور الفاظ مثلاً صباح بخیر وغیرہ پر مشتمل نہ ہو۔اور ان الفاظ کے ساتھ تحیہ مکروہ ہے۔بخلاف ان الفاظ
کے کہ اللہ تعالیٰ تجھے خیر کے ساتھ صبح نصیب کرے۔ان میں کوئی کراہت نہیں۔

اور اسی طرح حمام سے نکلنے کے بعد ان الفاظ کے ساتھ تحیہ مکروہ ہے۔أَطَالَ اللّٰهُ بَقَاءَكَ (اللہ تیری بقاء
کو طویل فرمائے) برخلاف ان الفاظ کے ساتھ تحیہ کے کہ یہ مکروہ نہیں۔أَدَامَ اللّٰهُ لَكَ النَّعِيْمَ اللہ تعالیٰ تیرے

لئے اپنی نوازشات کو دوام بخشے۔

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ عید اور نئے سال اور نئے مہینے کی مبارک باد دینے میں کوئی حرج نہیں۔ اگر وہ مذکورہ الفاظ کو ان الفاظ کے ساتھ بدل دیتے تو بہتر تھا کہ بلکہ اس مبارک باد کا مستحب ہونا بعید نہیں کیونکہ اس کی اصل سنت میں موجود ہے۔اور اللہ تعالیٰ مجھے تیرے پر فدا کردے کہنے میں کوئی کراہت نہیں اگرچہ غیر عالم اور غیر صالح شخص کے لئے کہا جائے تو بھی کراہت نہیں اور حدث اکبر کے باوجود ذکر کرنے میں کراہت نہ ہونے کا محل یہ ہے حدث نے اسے تر نہ کیا ہو ورنہ مکروہ ہوگا۔

اور امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے ظالم یا غیر ظالم کے خلاف بدعا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ان کے اس قول میں غیر ظالم کا لفظ تحریف ہے۔کیونکہ جس نے دعا کرنے والے پر ظلم نہیں کیا اس کے خلاف بدعا کرنے کی حرمت واضح ہے۔لہٰذا اس بدعا سے کراہت کی نفی کیسے کی جاسکتی ہے۔؟

اور امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کی عبارت میں ہے کہ لطیف مزاح میں کوئی حرج نہیں جب کہ اس میں فحش اور دوام نہ پایا جائے۔اس میں صواب یہ ہے کہ یا اس میں دوام نہ پایا جائے۔کیونکہ صرف فحش اور صرف دوام میں سے ہر ایک کراہت کا مقتضی ہے کراہت کے لئے ان دونوں کا جمع ہونا شرط نہیں جیسا کہ مداومت کے عطف سے اس کا شرط ہونا موھوم ہوتا ہے اور سبحان اللہ کے ساتھ تعجب کا اظہار کرنا بہت ساری مشہور احادیث میں حضور ﷺ سے ثابت ہے اور رحمت کا مستقر جنت ہے اور شوط کا لغوی معنی ہلاک ہونا ہے۔طواف کو شوط کہنے کی کراہیت اسی وجہ سے ہے اور ائمہ کی ایک جماعت کا یہی مذہب ہے کیونکہ اس میں قبیح چیز کے ساتھ شگون پایا جاتا ہے۔اور یہ خبیث نفسی (میرا جی متلا گیا) کی کراہیت کی نظیر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انسان کے لئے ایسا کہنے کو مکروہ قرار دیا ہے۔بلکہ طواف کو شوط کہنے کی کراہیت اس سے بڑھ کر ہے کیونکہ ہلاک کا لفظ خبیث کے لفظ سے زیادہ قبیح ہے لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے طواف کو اشواط کے ساتھ تعبیر کرنا ثابت ہے (اس لئے مکروہ نہیں)

اور حدیث میں ہے کہ:

اِنَّ رَمَضَانَ مِنْ اَسْمَاءِ اللّٰهِ۔ (رمضان اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے)

(دلیل الواعظ ،استقبال رمضان الخ ،ج:1 ص:534 ،بالفاظ مختلف ،مطبوعہ: ایضا)

یہ حدیث ضعیف ہے اس لئے یہ حدیث اس شخص کے لئے دلیل نہیں بن سکتی جو بغیر کسی اضافت کے ذکرِ رمضان کو مکروہ قرار دیتا ہے حالانکہ نبی اکرم ﷺ نے رمضان کو بغیر کسی اضافت کے بہت ساری صحیح احادیث میں ذکر فرمایا ہے مثلاً:

اِذَا جَآءَ رَمَضَانُ فُتِحَتْ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ .الخ

جب رمضان کی آمد ہوتی ہے تو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔

(صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب لفضل شہر رمضان، رقم الحدیث: 1079، ج: 2 ص: 758 مطبوعہ: ایضا)

اور بعض سلف نے فرمایا ہے کہ وہ سورت جس میں گائے کا ذکر ہے کہنے میں کوئی کراہیت نہیں برخلاف سورۃ البقرہ کہنے کے کہ اس میں کراہیت ہے۔

(مصنف فرماتے ہیں) ان کا یہ قول نہایت ضعیف ہے کیونکہ ان دونوں لفظوں کے درمیان درحقیقت کوئی فرق نہیں۔ دوسرے لفظ میں سورۃ کا بقرہ یعنی گائے کیلئے ہونے کا وہم پایا جاتا ہے لیکن یقیناً کوئی انسان بھی اس کا وہم نہیں کرتا۔ حالانکہ خود حضور ﷺ نے کئی صحیح احادیث میں اس لفظ کا نطق فرمایا ہے یَقُوْلُ اللّٰہُ کَذَا (اللہ تعالیٰ یوں فرماتا ہے) کہنے میں کراہیت نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس لفظ میں حقیقت مستقبل نہیں پائی جاتی۔ کیونکہ جس میں معمولی سی سمجھ بوجھ ہے وہ اس لفظ سے حقیقتِ مستقبل نہیں سمجھتا۔ اور اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے:

وَاللّٰہُ یَقُوْلُ الْحَقَّ. (اور اللہ حق فرماتا ہے) (سورۃ الاحزاب، آیت: 4)

اور بہت ساری احادیث میں نبی اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے لئے یہ لفظ صراحت کے ساتھ استعمال فرمایا ہے۔ امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ:

صَدَقَۃٌ تَصَدَّقَ اللّٰہُ بِھَا عَلَیْکُمْ فَاقْبَلُوْا صَدَقَتَہٗ.

قصر میں صدقہ ہے اللہ تعالیٰ نے اس کا تم پر صدقہ کیا ہے پس تم اس کے صدقہ کو قبول کرو۔

(سنن ابن ماجہ، ابواب اقامۃ الصلوات الخ، باب تقصیر الصلوٰۃ فی السفر، رقم الحدیث: 1066، ج: 2 ص: 174 مطبوعہ: ایضا)

اور احادیث میں تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے جسے چاہے جہنم سے آزاد فرمادے گا اور احادیث میں ہے کہ جس نے فلاں کام کیا تو اس کے لئے نبی اکرم ﷺ کی شفاعت لازم ہوگی اور جن کا یہ خیال ہے کہ شفاعت صرف گناہ گاروں کے حق میں ہوگی وہ صریح خطا پر ہیں بلکہ شفاعت بھی رفع درجات کے لئے ہوگی۔ اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اِرْحَمْنَا بِرَحْمَتِکَ (اپنی رحمت سے ہم پر رحم فرما) کہنا اسی طرح مکروہ ہے جس طرح یَاجْمَعْ مُسْتَقِرَّ رَحْمَتِکَ (ہمیں اپنی رحمت کے مستقر میں جمع فرما) کہنا مکروہ ہے لیکن ان کے ان دونوں اقوال کو اس لئے رد کیا گیا ہے کہ ان کے پاس اس پر کوئی دلیل نہیں کیونکہ اس کا مطلب ہے اے اللہ! ہمیں جنت میں جمع فرما جو دار قرار ہے اور جو تیری رحمت سے ہی نصیب ہوگی (اور ایسا کہنے میں کوئی حرج نہیں)۔

مکروہ اقوال کی تعداد

سوال...... حضرت امام جلال الدین سیوطی نے مختصر اذکار النووی میں چند دقیق ومشکل مسائل ذکر کئے ہیں خاص کر ان

مسائل کو اصل یعنی اذکار نووی میں جو چیز موجود ہے کیساتھ مطابق کیا جائے تو مشکل پیدا ہوتی ہے لہٰذا درخواست ہے کہ ان مسائل کو دلیل کے ساتھ واضح کریں اور اصل یعنی اذکار نووی وغیرہ میں جو چیز موجود ہے اس کے ساتھ مطابقت بیان فرمائی جائے کیونکہ لوگوں کا ان مسائل سے بہت زیادہ واسطہ پڑتا رہتا ہے اور وہ ان کے حکم کی تشریح وتوضیح کے ضرورت مند رہتے ہیں وہ مسائل درج ذیل ہیں۔

1۔۔۔ خَبُثَتْ نَفْسِیْ (میراجی متلا گیا) کہنا مکروہ ہے اس کی جگہ لَقِسَتْ (میراجی متلا گیا) کہنا چاہیے کَسِلْتُ (میں ست ہوگیا) اور زَرَعْتُ (میں نے زراعت کی) کہنا مکروہ ہے۔ اس کی بجائے حَرَثْتُ (میں نے کھیتی باڑی کی) کہنا چاہیے۔

2۔۔۔ انگور کو کرم کہنا مکروہ ہے۔

3۔۔۔ هَلَکَ النَّاسُ (لوگ ہلاک ہوگئے کہنا مکروہ ہے)

4۔۔۔ اور جو اللہ تعالیٰ چاہے اور فلاں چاہے کہنا مکروہ ہے۔

5۔۔۔ یہ چیز اللہ تعالیٰ کے لئے اور اس کی ذات کے لئے ہے کہنا مکروہ ہے۔

6۔۔۔ اگر میں نے ایسا ایسا کام کیا تو میں یہودی ہوں گا کہنا مکروہ ہے۔

7۔۔۔ کسی مسلمان کو اے کافر کہنا مکروہ ہے۔

8۔۔۔ اے اللہ اس کا ایمان سلب فرما کہنا مکروہ ہے۔

9۔۔۔ امام کو اللہ کا خلیفہ کہنا مکروہ ہے اس کی جگہ نبی اکرم ﷺ کا خلیفہ کہنا چاہیے یا امیر المومنین کہنا چاہیے۔

10۔۔۔ عبدی اور امتی (میرا عبد اور میری باندی) کہنا مکروہ ہے۔ اس کی جگہ فتای (میرا نوجوان) اور غلامی (میرا غلام) یا فتاتی وجاریتی (میری باندی) کہنا چاہیے۔

11۔۔۔ اور اپنے آقا کو رَبِّیْ (میرا رب) کہنا مکروہ ہے اور اس لفظ کو معرف باللام (اَلرَّبُّ) کر کے آقا کے لئے استعمال کرنا اسی طرح حرام ہے جس طرح ایک قول کے مطابق اَلْمَوْلٰی اور اَلسَّیِّدُ کو آقا کے لئے استعمال کرنا حرام ہے اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ کسی عالم یا کسی صالح شخص کے لئے ان الفاظ (مولیٰ اور سید) کا استعمال مطلقاً جائز ہے۔ اور ان کے علاوہ کسی اور کے لئے ان کا استعمال مکروہ ہے۔

12۔۔۔ آندھی، بخار اور مرغ کو برا بھلا کہنا مکروہ ہے۔

13۔۔۔ محرم کو صفر کا نام دینا مکروہ ہے۔

14۔۔۔ اور اپنے مخالف اور جھگڑالوں کو اے گدھے یا اے سانڈھ یا اے کتے کہنا مکروہ ہے۔

15۔۔۔ اللہ تعالیٰ نے تیرے سبب ہم پر احسان کیا یا اَنْعَمَ صَبَاحًا کہنا مکروہ ہے۔

16۔۔۔ اور روزہ دار کا یہ کہنا مکروہ ہے اس مُہر کے حق کی قسم جو میرے منہ پر لگی ہوئی ہے۔

17...... شادی شدہ شخص کو رفاء یا بنین کہنا مکروہ ہے۔ یعنی ان الفاظ کے ساتھ شادی شدہ کو دُعا دی جاتی ہے کہ تم دونوں کے درمیان اتحاد و اتفاق رہے اور تم کو اولاد نصیب ہو۔

18...... اور غضبناک شخص کو اللہ تعالیٰ کا ذکر کر یا نبی اکرم ﷺ پر درود بھیج کہنا مکروہ ہے کیونکہ وہ غصہ کے عالم میں اس کے جواب میں کوئی ایسی بات نہ کہہ دے جو موجب کفر ہو۔ اس خوف کے پیش نظر اس کے ساتھ ایسی بات کرنی مکروہ ہے۔

19...... جب کوئی شخص حلف سے دامن بچانا چاہے اور اس کے بدلے اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے کہنا مکروہ ہے۔

20...... اے اللہ! اگر تو چاہتا ہے تو میری بخشش فرما کہنا مکروہ ہے۔

21...... غیر اللہ کے ساتھ حلف اٹھانا مکروہ ہے۔

22...... اور خرید و فروخت میں کثرت کے ساتھ قسم اٹھانا مکروہ ہے۔

23...... قوس قزح کہنا مکروہ ہے اس کی بجائے قوس اللہ کہا جائے۔

24...... اور جس معصیت کا ارتکاب کیا ہے اس کا تذکرہ کرنا مکروہ ہے۔

25...... کسی نیکی کے کام میں خرچ کرنیوالے کو غَـرِمْـتُ (میں نے نقصان اٹھایا) کہنا مکروہ ہے اس کی بجائے اَنْفَقْتُ (میں نے خرچ کیا ہے) کہنا چاہیے۔

26...... ٹیکس وغیرہ کو بادشاہ کا حق کہنا مکروہ ہے۔

27...... اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے واسطہ سے جنت کے سوا کسی اور چیز کا سوال کرنا مکروہ ہے۔

28...... اور اللہ تعالیٰ کے نام پر سوال کرنے والے کو محروم کرنا مکروہ ہے۔

29...... اور اللہ تعالیٰ تیری بقا کو طویل فرمائے کہنا مکروہ ہے۔

30...... مراء یعنی کسی کے کلام میں اظہارِ خلل کے لئے طعن کرنا جس کا مقصد صرف اس کلام کے قائل کی تحقیر ہو حرام ہے۔

31...... خصومت یعنی گفتگو میں اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے لجاجت کرنا مکروہ ہے۔

32...... بغیر کسی حجت و دلیل کے جدال مکروہ ہے۔

33...... گفتگو کی کثرت اور گفتگو میں سجع اور شعر گوئی کی خاطر فصاحت کے تکلف کے ذریعہ تعقید و پیچیدگی پیدا کرنا اور صرف شعر پر اکتفاء کرنا اور غیر مانوس لغت استعمال کرنا مکروہ ہے۔ لیکن مواعظ میں خطبوں کو تحسین اس سے مستثنیٰ ہے۔

34...... بغیر کسی ضرورت کے اس شخص سے پوچھنا جس نے اپنی بیوی کو مارا ہے کہ تو نے کس وجہ سے مارا ہے؟ کہنا مکروہ ہے۔

35...... ہر سنی ہوئی بات کو بیان کرنا مکروہ ہے۔

36 مبالغہ آرائی کرنا مکروہ ہے مثلاً یہ کہنا کہ میں تیرے پاس سو مرتبہ آیا ہوں۔

37 منہ کے نجس ہونے کی حالت میں ذکر یا تلاوت کرنا مکروہ ہے۔ایک قول کے مطابق اس حالت میں تلاوت حرام ہے۔

38 اونگھ،خطبہ اور جماع کی حالت میں ذکر یا تلاوت مکروہ ہے۔

39...... میں فلاں آیت بھول گیا ہوں کہنا مکروہ ہے اس کی جگہ مجھ سے فلاں آیت بھلادی گئی ہے کہنا چاہیے۔

40...... ایسے مُردے کو برا کہنا جو اعلانیہ فسق کا مرتکب ہوتا تھا مکروہ ہے ورنہ حرام ہے۔

41...... بچے کا نام یسار اور کلیب رکھنا مکروہ ہے۔

42...... اپنے باپ اور استاذ کو اس کے نام کے ساتھ پکارنا حرام ہے۔

43...... خطبہ، وعظ و نصیحت کو اتنا طویل کرنا کہ سننے والے اُکتاہٹ محسوس کریں مکروہ ہے۔

44...... عوام اور کام کاج کرنے والے لوگوں کے سامنے ایسی گفتگو کرنا جسے وہ نہ سمجھ سکیں مکروہ ہے۔

45...... کھانے میں عیب نکالنا مکروہ ہے۔

46...... اپنی اولاد اپنی جان اپنے خادم اور اپنے مال کو بددعا دینا مکروہ ہے۔

47...... فاسق ، بدعتی اور قضاء حاجت میں معروف انسان کو سلام کرنا اور سلام کا جواب دینا اور سوئے ہوئے ، اونگھنے والے ،درود پڑھنے والے ،اذان دینے والے ، اقامت پڑھنے والے کو مکروہ ہے اور حمام والے اور دوران خطبہ اور کھانے والے اور دعا میں مشغول اور تلبیہ کہنے والے کو سلام کرنا مکروہ ہے لیکن یہ لوگ سلام کا جواب دیں تو کوئی حرج نہیں ۔درود پڑھنے والا غائب کے لفظ کے ساتھ علیہ السلام کہے ۔یعنی وعلیکم السلام کی بجائے علیہ السلام کے ساتھ جواب دے ۔اذان کی حالت میں گفتگو کرنا الصفی الابجی کے قول کے مطابق سوء خاتمہ کا سبب ہے

یہ خلاصہ ہے مذکورہ کتاب میں موجود مسائل کا۔آپ سے ان مسائل اور ان کے ساتھ متعلق چیزوں کی توضیح مطلوب ہے۔

جواب...... خَبُثَتْ نَفْسِیْ ، کَسَلْتُ اور زَرِعْتُ کی کراہیت کی دلیل صحیحین کی یہ حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ:

لَا يَقُوْلَنَّ اَحَدُكُمْ "خَبُثَتْ نَفْسِيْ" وَلٰكِنْ لِيَقُوْلَنَّ لَقِسَتْ نَفْسِيْ .

تم میں سے کوئی خَبُثَتْ نَفْسِیْ (میرا جی متلا گیا) نہ کہے بلکہ یہ کہے لَقِسَتْ نَفْسِیْ (میرا جی متلا گیا ہے) کہے۔

(صحیح مسلم،کتاب الفاظ من الادب......الخ،باب کراہۃ قول انسان......الخ،رقم الحدیث:2250،ج:4،ص:1765،مطبوعہ:ایضا)

اور ایک روایت میں ہے :ل

أَيَقُولَنَّ أَحَدُكُمْ جَاشَتْ نَفْسِي وَلَكِنْ لِيَقُلْ لَقِسَتْ نَفْسِي .

تم میں سے کوئی جاشت نفسی (میرا جی متلا گیا ہے) نہ کہے بلکہ لقست نفسی (میرا جی متلا گیا ہے) کہے۔

(سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب لایقال خبثت نفسی، رقم الحدیث: 4979، ج:4 ص:695، مطبوعہ: ایضا)

ان تینوں الفاظ کا معنی ایک ہے کہ یعنی میرا جی متلا گیا ہے۔ پہلے لفظ اور اس کی مثل الفاظ کی کراہیت ایک دوسری حدیث سے ماخوذ ہے کہ جس میں خبثت وغیرہ الفاظ پائے جاتے ہیں۔ علامہ خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ان الفاظ کے کراہیت کی وجہ یہ ہے کہ ان کی ناپسندیدگی اور لوگوں کو اچھے الفاظ استعمال کرنے اور قبیح الفاظ ترک کرنے کی تعلیم دینا ہے۔ اور جَاشَتْ کے لفظ کی کراہیت کی وہی وجہ ہے جو کَسُلَتْ کے لفظ کی کراہیت میں بیان کی گئی ہے اور زَرَعْتُ (میں نے زراعت کی) کا لفظ مکروہ ہے اور حَرَثْتُ کا لفظ مکروہ نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ زراعت میں انبات واثمار کا معنی پایا جاتا ہے اور انبات (اُگانا) اور اثمار (پھل لگانا) محض اللہ تعالی کا فعل ہے۔ بندوں کا اس میں قطعا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ بندوں کا دخل صرف ان کے سبب عادی میں ہوتا ہے کہ بندے ان کے بیج کو زمین میں رکھتے ہیں اور زمین میں حل چلاتے ہیں۔ اس لئے زراعت کے لفظ کو مکروہ قرار دیا گیا ہے کہ وہ ابہام میں ڈالنے والا ہے برخلاف دوسرے لفظ کے کہ اس میں کوئی ابہام نہیں پایا جاتا۔

2 ......انگور کو کرم کہنے کی کراہیت کی دلیل صحیحین کی یہ حدیث ہے کہ:

لَا تَقُولُوا الْكَرْمَ إِنَّمَا الْكَرْمُ قَلْبُ الْمُؤْمِنِ.

انگور کو کرم نہ کہو کرم تو مومن کا دل ہے۔

(صحیح مسلم، کتاب الالفاظ من الادب الخ، باب کراہۃ تسمیۃ العنب کرما، رقم الحدیث: 2248، ج:4 ص:1763، مطبوعہ: ایضا)

اور مسلم شریف کی روایت ہے کہ:

لَا تُسَمُّوا الْعِنَبَ الْكَرْمَ إِنَّمَا الْكَرْمُ قَلْبُ الْمُؤْمِنِ.

انگور کو کرم کا نام نہ دو کرم تو مومن کا دل ہے۔

(المرجع السابق بالفاظ مختلف)

ایک اور روایت میں ہے کہ:

فَإِنَّمَا الْكَرْمُ قَلْبُ الْمُؤْمِنِ. (کرم تو مومن کا دل ہے)

(المرجع السابق بالفاظ مختلف)

اور مسلم شریف ہی کہ ایک روایت میں ہے کہ:

وَ لَا تَقُوْلُوا الْكَرْمَ وَلٰكِنْ قُوْلُ الْعِنَبِ ۔ (کرم نہ کہو بلکہ عنب (انگور) کہو ۔)

(المرجع السابق بالفاظ مختلف)

ان احادیث سے انگور کو کرم کا نام دینے کی نہی ثابت ہوتی ہے اور اس میں زمانہ جاہلیت کی مخالفت ہے کہ اس زمانے میں عربوں کے ہاں انگور کو کرم کہا جاتا تھا اور علماء فرماتے ہیں کہ اس میں یہ حکمت ہے کہ حضور ﷺ کو یہ خدشہ تھا کہ کہیں انگور کا خوبصورت نام اس کے پھل سے کشید کر کے بنائی جانے والی شراب کے پینے کی طرف راغب نہ کر دے ۔اس لئے آپ ﷺ نے اس کے نام کو سلب فرما دیا ہے ۔

3......هَلَكَ النَّاسُ (لوگ ہلاک ہوگئے) کہنے کی کراہیت کی دلیل مسلم شریف کی یہ حدیث ہے کہ:

اِذَا قَالَ الرَّجُلُ هَلَكَ النَّاسُ فَهُوَ اَهْلَكُهُمْ .

جب کوئی شخص کہتا ہے لوگ ہلاک ہوگئے تو وہ ان سب سے زیادہ ہلاک ہونے والا ہے ۔

(صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ والاداب، باب النھی عن قول ہلک الناس، رقم الحدیث:2623، ج:4 ص:2024 مطبوعہ:ایضا)

اس حدیث میں اَهْلَكُ فعلِ ماضی کا صیغہ بھی ہوسکتا ہے اور اسمِ تفضیل کا بھی ۔لیکن اسمِ تفضیل ہونا زیادہ مشہور ہے جس کا معنی ہے وہ ان سب سے زیادہ ہلاک ہونے والا ہے ۔اور اس کے اسمِ تفضیل کا صیغہ ہونے کی تائید دوسری روایت سے بھی ہوتی ہے کہ جس میں اسمِ تفضیل کا صیغہ ہی ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں :فَهُوَ من اَهْلَكُهُمْ (وہ سب سے زیادہ ہلاک ہونے والوں میں سے ہے)اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کلمہ لوگوں کی حقارت کے لئے اور اپنے کو اُن پر فضیلت دینے کے لئے کہتا ہے تو وہ اس وعید کا مستحق ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں جو راز رکھا ہے وہ اسے نہیں جانتا ۔

علامہ خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص ہمیشہ لوگوں کو بُرا کہتا ہے اور لوگوں کی برائیوں کا تذکرہ کرتا رہتا ہے اور لوگ تباہ ہوگئے ہلاک ہوگئے وغیرہ الفاظ استعمال کرتا رہتا ہے تو وہ ان سب لوگوں سے زیادہ ہلاک ہونے والا ہے یعنی لوگوں کی غیبت اور اُن کی بے عزتی کی وجہ سے اس کو جو گناہ ملتا ہے اس کے سبب اس کی حالت سب سے بُری ہے اور یہ چیز بسا اوقات اس کو تکبر میں مبتلا کر دیتی ہے اور وہ اپنے آپ کو لوگوں سے افضل اور بہتر تصور کرنے لگتا ہے، تو وہ ہلاک ہو جاتا ہے (انتہیٰ)

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر وہ یہ کلمہ لوگوں میں دینی امور میں پائی جانے والی کوتاہی وغیرہ دیکھ کر بطور افسوس کے کہتا ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں اور اگر اپنی ذات کو اعلیٰ اور دوسروں کو حقیر سمجھ کر کہتا ہے تو پھر ایسا کہنا ممنوع اور مکروہ ہے ۔امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس حدیث کا حضرت مالک رحمہ اللہ نے جو مطلب بیان کیا ہے وہ سب سے اچھا

اور سب سے کفر ہے۔اس کی دلیل یہ صحیح حدیث ہے کہ:

لَا تَقُوْلُوْا مَا شَاءَ اللّٰهُ وَ شَاءَ فُلَانٌ وَلٰكِنْ قُوْلُوْا مَا شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ شَاءَ فُلَانٌ.

اور جو اللہ چاہے اور فلاں چاہے نہ کہو بلکہ یوں کہو جو اللہ تعالیٰ چاہے اور اس کے بعد فلاں چاہے۔

(سنن ابی داود، کتاب الادب، باب لایقال خبثت نفسی، رقم الحدیث: 4980، ج:4، ص:295، مطبوعہ ایضا)

علامہ خطابی رحمہ اللہ وغیرہ علماء نے فرمایا ہے کہ یہ ارشاد ادب کے لئے فرمایا گیا۔ کیونکہ حرف واو مطلق جمع کے لئے ہوتا ہے اور حرف ثم ترتیب اور تراخی کے لئے ہوتا ہے پس حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی مشیت کو ماسوا کی مشیت پر مقدم کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔اسی لئے امام نخعی رحمہ اللہ نے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ وَبِکَ (میں اللہ تعالیٰ کی اور تمہاری پناہ چاہتا ہوں) کہنا مکروہ قرار دیا ہے۔اور اَعُوْذُ بِاللّٰہِ ثُمَّ بِکَ (میں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں اور اس کے بعد تمہاری پناہ مانگتا ہوں) کہنا مکروہ نہیں۔اور علماء نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل نہ ہوتا اور اس کے بعد فلاں نہ ہوتا تو مجھ سے یہ کام ہو جاتا کہنا مکروہ نہیں لیکن اللہ تعالیٰ کا فضل نہ ہوتا اور فلاں نہ ہوتا تو مجھ سے یہ کام ہو جاتا کہنا مکروہ ہے۔

5......اگر میں یہ کام کروں تو میں یہودی ہوں کہنے میں امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کے کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ ایسا کہنا مکروہ ہے۔لیکن امام نووی رحمہ اللہ کی "الاذکار" میں جو عبارت ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا کہنا حرام ہے۔چنانچہ وہ فرماتے ہیں: اگر میں ایسا کروں تو میں یہودی یا نصرانی یا اسلام سے بَری ہوں گا وغیرہ الفاظ کہنا حرام ہے۔اگر اس کی مراد فعلِ مذکور پر خروج از سلام کی حقیقی تعلیق ہے تو وہ اسی وقت کافر ہو جائے گا اور اس پر مرتدین کے احکام جاری ہو جائیں گے اور اگر یہ مراد نہیں تو کافر تو نہیں ہوگا، لیکن اس نے حرام کا ارتکاب کیا ہے اس پر توبہ واجب ہے۔اور توبہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ فوری طور پر اس معصیت سے جدا ہو جائے اور اپنے کئے ہوئے پر نادم ہو جائے اور آئندہ کبھی بھی دوبارہ اس کا ارتکاب نہ کرنے کا عزم کرلے۔اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے اور لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھے۔(انتہی)

امام نووی کی مذکورہ عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کی کتاب میں اس کی کراہت کا وقوع سہواً ہوا ہے یا کاتب کی غلطی سے ہوا ہے۔

سوال......امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کی عبارت میں واحد غائب کی ضمیر کے ساتھ فَهُوَ يَهُوْدِيٌّ کے الفاظ ہیں اور امام نووی کی عبارت میں ضمیر متکلم کے ساتھ فَاَنَا يَهُوْدِيٌّ کے الفاظ ہیں اس اعتبار سے امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کا بیان کیا ہوا مسئلہ اور امام نووی رحمہ اللہ کے بیان کئے ہوئے مسئلہ سے الگ اور ایک دوسرا مسئلہ بنتا ہے۔

جواب......ان دونوں کا مطلب ایک ہی ہے لیکن امام جلال الدین رحمہ اللہ اس کے کتاب شراح کی اتباع کرتے ہوئے ضمیر غائب لائے ہیں نیز ضمیر متکلم کی بجائے ضمیر غائب کا لانا زیادہ بہتر ہے کیونکہ جتنا ممکن ہو سکے

اس قبیح لفظ کے نطق سے بُعد اختیار کرنا بہتر ہے۔

کسی مسلمان کو اے کافر! اے اللہ کا دشمن! کہنے کا حکم؟

6۔۔۔ کسی مسلمان کو اے کافر یا اے اللہ اس کا ایمان سلب فرما کہنے کو امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے صراحۃً مکروہ قرار دیا ہے لیکن امام نووی رحمہ اللہ کی عبارت سے اس کا سخت حرام ہونا ظاہر ہوتا ہے چنانچہ ان کی عبارت یہ ہے "کسی مسلمان کو اے کافر کہنا سخت حرام ہے"۔

صحیحین میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِاَخِیْهِ یَا کَافِرُ فَقَدْ بَاءَ بِهَا اَحَدُهُمَا فَاِنْ کَانَ کَمَا قَالَ وَ اِلَّا رَجَعَتْ عَلَیْهِ.

جب کوئی شخص اپنے بھائی کو اے کافر کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ان دونوں میں سے کسی ایک کی طرف لوٹاتا ہے۔ اگر وہ ایسا ہی ہے جیسا اس نے کہا ہے تو فبہا ورنہ کہنے والے کی طرف لوٹے گا۔

(صحیح بخاری، کتاب الادب، باب من کفر اخاہ بغیر۔۔۔الخ، رقم الحدیث: 6103، ج: 8، ص: 26، مطبوعہ: ایضا)

اور مسلم شریف کے الفاظ یہ ہیں:

مَنْ دَعَا رَجُلاً بِالْکُفْرِ اَوْ قَالَ عَدُوُّ اللّٰهِ وَ لَیْسَ کَذَالِکَ اِلَّا حَادَ عَلَیْهِ.

ترجمہ: جو کسی شخص کو کفر کی طرف منسوب کرتا ہے یا کہتا ہے اے اللہ کے دشمن اور وہ ایسا نہیں تو اس کہنے والے پر لوٹے گا۔

(صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان حال ایمان۔۔۔الخ، رقم الحدیث: 61، ج: 1، ص: 79، مطبوعہ: ایضا)

اور اگر کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کو بددعا دیتے ہوئے کہتا ہے اے اللہ اس کا ایمان سلب فرما تو وہ اس کی وجہ سے گنہگار ہوگا اور کیا اس دعا کی وجہ سے دعا کرنے والا کافر ہوگا یا کہ نہیں؟ اس میں ہمارے اصحاب کے دو قول ہیں اصح قول یہ ہے کہ وہ کافر نہ ہوگا۔ اور اس کی دلیل قرآنِ کریم کی وہ آیتِ کریمہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں خبر دی ہے کہ:

رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰی اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ فَلَا یُؤْمِنُوْا حَتّٰی یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ.

(سورۂ یونس، آیت: 88)

اے ہمارے ربّ! ان کے مال برباد کر دے اور ان کے دل سخت کر دے کہ ایمان نہ لائیں جب تک دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔

لیکن اس آیت سے استدلال میں نظر ہے۔ خواہ ہم سابقہ شریعت کو اپنے لئے شریعت ہونے کے قائل بھی ہوں

تو (تب بھی استدلال میں نظر ہے) انتہت

اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کی عبارت میں ان دونوں اقوال کی کراہت کا وقوع سہوا ہوا ہے یا کاتب کی غلطی ہے۔ایسی دعا حرام ہے۔امام نووی رحمہ اللہ کی مذکورہ نظر کی وجہ یہ ہے کہ سابقہ شریعت کا ہمارے لئے شریعت ہونا قول علیہ الرحمہ ضعیف پر مبنی ہے۔اور اس قول کے مطابق سابقہ شریعت کا ہمارے لئے شریعت ہونا اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ ہماری شریعت میں اس کے مخالف کوئی چیز وارد نہ ہوئی ہو۔حالانکہ ہماری شریعت کے قواعد اس دعا کو حرام قرار دیتے ہیں اور ہماری شریعت میں اس کے مخالف کوئی چیز وارد نہ ہونے کو تسلیم کیا جائے تو تب بھی اس آیت میں یہ احتمال ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے خلاف یہ دعا کی ہو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان لوگوں کے ایمان سے ناامیدی کی اطلاع دی تھی۔اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے خلاف دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں ان کے اموال کو تباہ کر کے ان کے عذاب کی سختی میں اضافہ فرمائے اور آخرت میں ان کے دلوں کو سخت کر کے ان کے دردناک عذاب میں اضافہ فرمائے کیونکہ دلوں کی سختی عناد و کفر کی زیادتی اور توغل کو مستلزم ہے۔(اس کو خوب سمجھیں یہ بڑی اہم چیز ہے۔)

"الاذکار" کی عبارت سے یہ وہم ہوتا ہے کہ ہمارے اصحاب کا اس شخص کے کفر میں کوئی اختلاف نہیں جس نے کسی مسلمان کو اے کافر کہہ دیا ہے حالانکہ یہ مراد نہیں۔بلکہ معتمد قول یہ ہے کہ اگر اس نے یہ کلمہ کسی مسلمان کو اس کے دین کی وجہ سے کہا ہے تو وہ کافر ہے کیونکہ اس نے اسلام کو کفر کہا ہے۔کتاب الروضۃ اور اس کی مختصرات وغیرہ میں اس کی تصریح ہے۔امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کی عبارت میں اس کی کراہیت کا تذکرہ مزید تعجب کا باعث ہے۔

مذکورہ معتمد قول کے موافق ان کی عبارت کی تاویل کرنا نہایت بعید ہے کیونکہ اس کے ماقبل و مابعد کی عبارات میں معمولی سا تامل بھی اس تاویل کو باطل کر دیتا ہے۔اسلامی ریاست کے حکمران کو خلیفۃ اللہ کہنے کی کراہیت امام نووی رحمہ اللہ کے "الاذکــار" میں موجود اس قول سے ماخوذ ہے۔"مسلمانوں کے امور کے منتظم کو خلیفۃ اللہ کہنا نہ چاہیے بلکہ اسے خلیفہ اور رسول اللہ ﷺ کا خلیفہ اور امیر المومنین کہنا چاہیے۔اس کے بعد امام نووی رحمہ اللہ نے علامہ بغوی رحمہ اللہ سے یہ نقل کیا ہے کہ:

اسلامی ریاست کا حکمران اگر آئمہ عدل کی سیرت کے مخالف ہے تو تب بھی اسے خلیفہ اور امیر المومنین کہنے میں کوئی حرج نہیں اسے خلیفہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے سے پہلے گزرے ہوئے حکمران کا نائب اور قائم مقام ہے اور حضرت آدم و حضرت داؤد علیہما السلام کے بعد کسی کو بھی خلیفۃ اللہ نہ کہا جائے۔ایک شخص نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یا خلیفۃ اللہ کہا تو آپ نے فرمایا میں رسول اللہ ﷺ کا خلیفہ ہوں اور اسی پر میں خوش ہوں۔اور ایک دوسرے شخص نے یہی الفاظ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کو کہے تو انہوں نے فرمایا تیرے لئے ہلاکت ہو کہ تو بہت دور پہنچ گیا ہے

۔اوراس کے بعد فرمایا کہ مجھے امیر المومنین کے لقب کے ساتھ پکارنا کافی ہے۔

اور الاحکام السلطانیہ للماوردی سے منقول ہے کہ امام نووی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ :اسلامی ریاست کے حکمران کوخلیفۃ اللہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کا آپ کی امت میں نائب ہے۔اس لئے اسے مطلقاً خلیفہ اورخلیفۂ رسول اللہ ﷺ کہنا جائز ہے۔اور ماوردی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ علماء کاخلیفۃ اللہ کہنے میں اختلاف ہے بعض نے اسے جائز قرار دیا ہے کہ اسلامی ریاست کا حکمران اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں اس کے حقوق قائم کرتا ہے اللہ تعالیٰ کافرمان ہے کہ:

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ. (سورۃ الفاطر،آیت:39)

ترجمہ: وہی ہے جس نے زمین میں تمہیں نائب بنایا۔

اور جمہور علماء نے اس کوممنوع قرار دیا ہےاورایسا کہنے والے کوفاجر قرار دیا ہے۔یہ ماوردی رحمہ اللہ کا کلام ہے۔

("الاذکار" میں موجود امام نووی رحمہ اللہ کا کلام مکمل ہوگیا۔)

علامہ ماوردی رحمہ اللہ کے ظاہر کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ خلیفۃ اللہ کہنا حرام ہے خواہ وہ شخص عادل حکمران کیوں نہ ہو۔کیونکہ ماوردی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ جمہور علماء نے اس کے جواز کوممنوع قرار دیا ہے جومحلِ اختلاف ہے۔اور ماوردی رحمہ اللہ نے جمہور علماء سے نقل کیا ہے کہ وہ اس کے جواز کے قائل کوفاجر قرار دیتے ہیں۔علامہ ماوردی رحمہ اللہ کا یہ قول اس بارے میں ظاہر بلکہ صریح ہے کہ جمہور علماء کے نزدیک کسی کوخلیفۃ اللہ کہنا حرام ہے۔ کیونکہ جمہور علماء اگر جواز کے قائل ہوتے تو ان کااختلاف صرف کراہیت میں ہوتا اورعدمِ کراہیت کے قائل کوفاجر قرار دینا ان کے بس میں نہ ہوتا۔پس ان کااس کے قائل کوفجور کی طرف منسوب کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کااختلاف اس کی حرمت میں ہے نیز کسی کے لئے خلیفۃ اللہ کے اطلاق کومباح قرار دینے میں حد سے تجاوز کرنا ہے۔ اس لئے ایسا شخص اس بات کامستحق ہے کہ اس کوفجور کی طرف منسوب کرکے اس پرسختی کی جائے۔لیکن امام نووی رحمہ اللہ کے ظاہر قول سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس قول سے اپنے آپ کوبری کرنا چاہتے ہیں کیونکہ انہوں نے علامہ ماوردی رحمہ اللہ کی اس عبارت کونقل کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ یہ ماروردی کا کلام ہے۔(گویا وہ ان سے اتفاق نہیں کرتے۔)

یَنْبَغِیْ بمعنی یَجِبُ بہت قلیل استعمال ہوتا ہے

امام نووی کا معتمد مذہب وہی ہے جس پران کی پہلی عبارت دلالت کرتی ہے کہ ایسا کہنا خلاف اولیٰ ہے یامکروہ ہے چنانچہ ان کی عبارت ہے کہ: وَیَنْبَغِیْ لَا یُقَالُ ذٰلِکَ اور یہ نہیں کہنا چاہیے)اوریَنْبَغِیْ کالفظ یَجِبُ کے معنی

میں بہت کم استعمال ہوتا ہے۔ میں نے اس بارے میں جو چیز بیان کی ہے گویا اسی نے حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کو اس قول کی کراہیت کی تصریح پر ابھارا ہے۔ اگرچہ علامہ ماوردی رحمہ اللہ کے ظاہر کلام سے اس کی حرمت ثابت ہوتی ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس بات پر اجماع ہے کہ سب سے پہلے امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو کہا گیا ہے۔ اور امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اور جن کا خیال یہ ہے کہ اس لفظ کو سب سے پہلے مسیلمہ کے لئے استعمال کیا گیا ہے تو اس کا یہ نظریہ قبیح جہالت ہے۔

غلام کو عَبْدِیْ کہنے کا حکم

غلام اور لونڈی کو عَبْدِی اور اُمَتِی کہنا مکروہ ہے اس کی بجائے فَتَای ...... فَتَاتِیْ ...... جَارِیَتِیْ اور غُلَامِیْ و غُلَامَتِی کہنا چاہیے۔ اس کی الاذکار میں تصریح ہے اور اسی طرح شیخین نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

وَ لَا یَقُلْ اَحَدُکُمْ عَبْدِیْ وَ اُمَتِیْ وَ لِیَقُلْ فَتَایَ وَ فَتَاتِیْ وَ غُلَامِیْ۔

تم میں سے کوئی عَبْدِی اور اُمَتِی نہ کہے بلکہ اس کو چاہیے کہ فتای و فتاتی اور غلامی کہے۔

(صحیح بخاری، کتاب العتق، باب کراہیۃ التطاول علی الرقیق، الخ، رقم الحدیث: 2332، ج:3 ص:150، مطبوعہ: ایضا)

اور مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ:

لَا یَقُوْلَنَّ اَحَدُکُمْ عَبْدِیْ وَ اُمَتِیْ کُلُّکُمْ عَبِیْدُ اللّٰہِ وَ کُلُّ نِسَائِکُمْ اِمَاءُ اللّٰہِ وَ لٰکِنْ لِیَقُلْ غُلَامِیْ وَ جَارِیَتِیْ وَ فَتَایَ وَ فَتَاتِیْ۔

تم میں سے کوئی عبدی اور امتی نہ کہے بلکہ تم سب اللہ تعالیٰ کے بندے ہو اور تمہاری تمام خواتین اللہ تعالیٰ کی بندیاں ہیں بلکہ یہ کہنا چاہیے، میرا غلام، میری باندی میرا جوان، میری باندی۔

(صحیح مسلم، کتاب الالفاظ من الادب الخ، باب حکم اطلاق لفظۃ الخ، رقم الحدیث: 2249، ج:4 ص:1763، مطبوعہ: ایضا)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کُلُّکُمْ عَبِیْدُ اللّٰہِ الخ ۔ علت کراہیت کی طرف اشارہ ہے کہ عبدی اور امتی کہنے میں غیر اللہ کے لئے حقیقتِ عبودیہ اور...... کے وجود کا وہم ہوتا ہے یعنی غیر اللہ کے لئے حقیقی بندگی کے ثبوت کا وہم ہوتا ہے اور یہ کذب بلکہ صریح کفر ہے۔ اسی لئے اس لفظ موہم سے نہی فرمائی گئی ہے اگرچہ یہ چیز مراد نہیں ہوتی برخلاف فتاتیہ غلامیہ اور جاریہ کے الفاظ کے کہ ان سے نہ یہ وہم پیدا ہوتا اور نہ یہ الفاظ اس وہم کے قریب۔

9...... اپنے آقا کو ربی کہنے کی کراہیت میں امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ

"الاذکار" کی عبارت کا خلاصہ ہے۔اور"الاذکار" کی عبارت یہ ہے۔

"لفظ سید کا اطلاق قوم میں شرف وقدر میں فوقیت رکھنے والے پرہوتا ہے اوراس کا اطلاق زعیم (کفیل) فاضل اوراُس بردبار شخص پرہوتا ہے جس کا غصہ اسے مضطرب نہیں کرتا اوراس کا اطلاق کریم ، مالک اورشوہر پربھی ہوتا ہے۔اوربہت ساری صحیح احادیث میں اہل فضل پراس کا اطلاق موجود ہے۔"

چنانچہ نبی اکرم ﷺ منبر پرتشریف فرماتے اورآپ کے ساتھ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ بھی تھے۔توآپ نے ان کے بارے میں فرمایا:اِنَّ ابْنِیْ ھٰذَا سَیِّدٌ(میرا یہ بیٹا سید ہے۔)

(الفتن لنعیم بن حماد، العصمۃ من الفتن الخ ،رقم الحدیث:423،ج:1ص:165،مطبوعہ:مکتبۃ التوحید، قاہرہ)

بنی قریظہ نے جب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے فیصلہ پراپنی رضامندی ظاہر کی توحضرت سعد رضی اللہ عنہ فیصلہ کرنے کے لئے تشریف لائے توحضور ﷺ نے انصار سے فرمایا:

قُوْمُوْا لِسَیِّدِکُمْ اَوْ خَیْرِکُمْ .(اپنے سردار کے لئے یا اپنے سے افضل کے لئے اٹھو۔)

(سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ ،باب:67،ج:1ص:146،مطبوعہ:مکتبۃ المعارف،الریاض)

اورایک روایت میں بغیر کسی شک کے سید کا لفظ ہے:

قُوْمُوْا لِسَیِّدِکُمْ .(تم اپنے سردار کے لئے کھڑے ہوجاؤ۔)

اورمسلم کی ایک روایت میں ہے کہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ یارسول اللہ!اس شخص کے بارے میں آپ کی کیارائے ہے جواپنی بیوی کے ساتھ کسی مرد کودیکھتا ہے کیاوہ اسے قتل کردے؟اس کے جواب میں حضور ﷺ نے حاضرین سے فرمایا:اُنْظُرُوْا مَا یَقُوْلُ سَیِّدُکُم.(دیکھوتمہاراسردارکیا کہتا ہے۔)

(صحیح مسلم،کتاب الطلاق، باب انقضاء عدۃ المتوفی، الخ،رقم الحدیث:1498،ج:2ص:1135،مطبوعہ:ایضا)

اورحدیث سے ثابت ہے کہ:

لَاتَقُوْلُوْا لِلْمُنَافِقِ سَیِّدٌ فَاِنْ یَکُنْ سَیِّدًا فَقَدْ اَسْخَطْتُمْ رَبَّکُمْ عَزَّوَجَلَّ.

منافق کوسردارنہ کہوکیونکہ اگروہ سرداربن گیاتوتم اپنے رب عزوجل کوناراض کردوگے۔

(سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب لایقول المملوک ،الخ،رقم الحدیث:4977،ج:4ص:295،مطبوعہ:ایضا)

امام نووی رحمہ اللہ نے علامہ خطابی رحمہ اللہ کی طرح فرمایا ہے کہ ان احادیث کے درمیان تطبیق یہ ہے کہ اگرمسوّد (جس کوسردارقراردیا گیاہے)علم یاصالحیت یاان کے علاوہ کسی اچھی صفت کی فضیلت کاحامل ہے تواس پرلفظ سید کے اطلاق میں کوئی حرج نہیں۔اوراگروہ فاسق ہے یااس کی دینداری مشکوک ہے تواسے سید کہنا مکروہ ہے۔

اور امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: مملوک کا اپنے مالک کو رَبّــــی (میرا ربّ) کہنا مکروہ ہے۔ اس کی بجائے سیِّدی (میرے آقا) اور مولائی (میرے سردار کہنا چاہیے) شیخین نے روایت کیا ہے کہ:

لَا یَقُلْ اَحَدُکُمْ اَطْعِمْ رَبَّکَ اِوْضِ رَبَّکَ اَسْقِ رَبَّکَ وَ لِیَقُلْ سَیِّدِیْ وَ مَوْلَائِیْ.

تم میں سے کوئی آقا کے لئے یہ نہ کہے کہ اپنے رب کو کھانا کھلا اور اپنے رب کو راضی کر اور اپنے رب کو پانی پلا، بلکہ اس کی جگہ سیِّدی اور مولائی کہے۔

(صحیح بخاری، کتاب العتق، باب کراہیۃ التطاول علی الرقیق، الخ، رقم: 2552، ج:3 ص:150 مطبوعہ: ایضا)

اَلـــرَّبُّ (الف لام کے ساتھ) اس کا اطلاق صرف اللہ تعالیٰ پر کیا جائے گا۔ اور اضافت کے ساتھ اس کا اطلاق غیر پر بھی جائز ہے۔ مثلاً ربّ المال، ربّ الدار وغیرہ۔

صحیح حدیث میں اضافت کے ساتھ غیر کے لئے اس کا اطلاق ثابت ہے، گمشدہ اونٹ کے بارے میں حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ:

دَعْهَا حَتّٰی یَلْقَاهَا رَبُّهَا. (اس کو چھوڑ دو حتیٰ کہ اس کا مالک اسے پالے۔)

(صحیح مسلم، کتاب الزکوۃ، باب الترغیب فی الصدقۃ، الخ، رقم الحدیث: 157، ج:2 ص: 701 مطبوعہ: ایضا)

اور صحیح حدیث میں ہے:

حَتّٰی یَهُمَّ رَبُّ الْمَالِ مَنْ یَقْبَلُ صَدَقَتَهٗ.

حتیٰ کہ مال کا مالک فکرمند ہوگا کہ اس کے صدقہ کو کون قبول کرے گا۔

(صحیح مسلم، کتاب الزکوۃ، باب الترغیب فی الصدقۃ، الخ، رقم الحدیث: 157، ج:2 ص: 701 مطبوعہ: ایضا)

صحیح حدیث میں اس کی نسبت زیادہ اور مشہور مثالیں موجود ہیں اور حاملین شریعت کے ہاں بھی اس لفظ کا استعمال معروف و مشہور ہے۔ علماء فرماتے ہیں مملوک کا اپنے مالک کے لئے رَبّــی کے لفظ کو استعمال کرنا مکروہ ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ربوبیت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشارکت پائی جاتی ہے۔ اور رَبُّهَــا، رَبُّ الْمَالِ اور رَبُّ الدَّارِ میں کوئی کراہیت نہیں۔

اور حضرت یوسف علیہ السلام کے قول:

اُذْکُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّکَ. (اپنے رب (بادشاہ) کے پاس میرا ذکر کرنا۔) (سورۃ یوسف، آیت: 42)

کے دو جواب ہیں۔

1......حضرت یوسف علیہ السلام قیدی کے ساتھ اسی چیز کے ساتھ مخاطب ہوئے ہیں جس کو وہ جانتا تھا۔ اور ضرورت کے لئے یہ استعمال جائز ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری سے فرمایا ہے کہ:

وَ انْظُرْ اِلٰی اِلٰهِكَ . (اپنے معبود کی طرف دیکھ۔)

(سورۃ طٰہٰ آیت 97)

2 حضرت یوسف علیہ السلام کی شریعت سابقہ شریعت ہے اور ہماری شریعت میں سابقہ شریعت کے خلاف کوئی چیز وارد ہو تو وہ ہمارے لئے شریعت نہیں ہے۔ اور اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ اختلاف اس میں ہے کہ اگر ہماری شریعت میں سابقہ شریعت کی مخالفت اور موافقت کچھ بھی وارد نہیں تو کیا وہ ہمارے لئے شریعت ہوگی یا کہ نہیں؟

امام ابو جعفر نحاس رحمہ اللہ فرماتے ہیں مخلوق میں سے کسی کے لئے مــولانــی کے لفظ کا استعمال نہیں ہونا چاہیے اور اس میں علماء کا کوئی اختلاف نہیں۔

(مصنف فرماتے ہیں) مخلوق پر مولانی کے اطلاق کا جواز گزر چکا ہے۔ سابقہ قول اور نحاس رحمہ اللہ کے مذکورہ قول میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ نحاس الــمــولــیٰ (الف لام کے ساتھ) کی بات کر رہے ہیں۔ اسی لئے نحاس نے فرمایا ہے کہ غیر فاسق کو سید کہنا جائز ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو "السیّد" الف لام کے ساتھ کہنا جائز نہیں۔ لیکن زیادہ ظاہر یہ ہے کہ سابقہ شرط کے ساتھ "السیّد" اور المولیٰ کے اطلاق میں کوئی حرج نہیں۔

("الاذکار" کی عبارت کا خلاصہ ختم ہوگیا۔)

اس سے معلوم ہوا کہ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کے قول میں عالم اور صالح کا ذکر بطور قید کے نہیں۔ لہٰذا نسیب اور صاحب اقتدار اور ان کی مثل دیگر لوگوں پر بھی سید کا اطلاق اسی طرح جائز ہے۔

10......اس کی دلیل حسن حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

اَلرِّیْحُ مِنْ رُوْحِ اللّٰهِ تَاْتِیْ بِالرَّحْمَةِ وَ تَاْتِیْ بِالْعَذَابِ فَاِذَا رَاَیْتُمُوْهَا فَلَا تَسُبُّوْهَا وَ اسْئَلُوْا اللّٰهَ خَیْرَهَا وَ اسْتَعِیْذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّهَا.

ہوا اللہ تعالیٰ کی رحمت میں سے ہے۔ جو رحمت لے کر آتی اور کبھی عذاب لے کر آتی ہے جب تم اسے دیکھو تو اسے برا نہ کہو۔ اور اللہ تعالیٰ سے اس کی خیر کا سوال کرو اور اس کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو۔

(شعب الایمان للبیہقی، حفظ اللسان، فصل فی حفظ الخ، رقم الحدیث: 4862، ج: 7 ص: 188، مطبوعہ: ایضا)

اور صحیح حدیث میں ہے کہ:

لَا تَسُبُّوْا الرِّیْحَ فَاِنْ رَاَیْتُمْ مَا تَكْرَهُوْنَ فَقُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ مِنْ خَیْرِ هٰذِهِ الرِّیْحِ وَ خَیْرِ مَا فِیْهَا وَ خَیْرِ مَا اُمِرَتْ بِهٖ وَ نَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ هٰذِهِ الرِّیْحِ وَ شَرِّ مَا فِیْهَا وَ شَرِّ مَا اُمِرَتْ بِهٖ .

ہوا کو برا نہ کہو پس اگر تم اس میں وہ چیز دیکھو جو تمہیں پسند نہیں تو یوں کہو اے اللہ! ہم تیرے سے

اس ہوا کی اچھائی اور اس میں موجود اچھائی کی اور جس اچھائی کا تو نے حکم دیا ہے اس کا سوال کرتے ہیں۔ اور اس ہوا کے شر اور اس میں موجود شر اور جس شر کا حکم دیا ہے اس سے ہم تیری پناہ مانگتے ہیں۔

(سنن ترمذی، ابواب الفتن، باب ماجاء فی النہی عن سب الریاح، رقم الحدیث: 2252، ج: 4 ص: 521، مطبوعہ: ایضا)

امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ حضرت ام السائب یا ام المسیب کے ہاں تشریف لے گئے تو ان سے فرمایا تمہیں کپکپی کیوں طاری ہے؟ تو انہوں نے عرض کی یارسول اللہ! مجھے بخار ہے اللہ تعالیٰ اس میں برکت نہ ڈالے۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

لَا تَسُبِّی الْحمی فَإِنَّهَا تُذْهِبُ بِخَطَايَا بَنِیْ آدَمَ كَمَا يُذْهِبُ الْكِيْرُ خَبَثَ الْحَدِيْدِ.

بخار کو برا نہ کہو کیونکہ وہ انسانوں کے گناہوں کو اس طرح مٹا دیتا ہے جس طرح لوہے کی بھٹی لوہے کے زنگ کو مٹا دیتی ہے۔

(صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ الخ، باب ثواب المومن الخ، رقم الحدیث: 2575، ج: 4 ص: 1993، مطبوعہ: ایضا)

اور حضور ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ:

لَا تَسُبُّوْا الدِّيْكَ فَإِنَّهُ يُوْقِظُ لِلصَّلٰوةِ. (مرغ کو برا نہ کہو کہ وہ نماز کے لئے بیدار کرتا ہے۔)

(سنن ابی داود، کتاب الادب، باب ماجاء فی الدیک والبہائم، رقم الحدیث: 5101، ج: 4 ص: 327، مطبوعہ: ایضا)

11......اس کا "الاذکار" میں اسی طرح تذکرہ ہے۔ اور اس کی کراہیت کی علت یہ بتائی کہ یہ زمانہ جاہلیت کی باتوں میں سے ہے۔

12......امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے اے گدھا! کہنے کی جو کراہیت ذکر کی ہے باعثِ تعجب ہے کیونکہ الاذکار میں اس کی کوئی صراحت نہیں۔ اور اگر بالفرض اس کی صراحت ہوتی تو بھی ہمارے آئمہ کے قواعد کے ساتھ ادنیٰ تعلق رکھنے والے پر لازم ہے کہ وہ اس کو کراہت تحریمی پر محمول کرے کیونکہ اس کی عبارت تحریم میں ظاہر بلکہ صریح ہے۔ پس اس عبارت کو اپنے ظاہر یا صریح سے ہٹا کر کراہت کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ اس طرح انہوں نے اپنے کلام میں اس کے اصل کی بلکہ آئمہ کے کلام کی مخالفت کی ہے۔ اس طرح کی مخالفت اس طرح کی شخصیت سے صادر نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا اس کو سہو پر محمول کیا جائے گا۔ یا یہ کلمات کی غلطی اور یہ زیادہ قرینِ قیاس ہے۔

"الاذکار" کی عبارت یہ ہے۔ اور عام طور پر استعمال ہونے والے الفاظ مذمومہ میں سے ایک لفظ اپنے مخالف کو اے گدھے! اے سانڈ! اور اے کتے! وغیرہ کہنا ہے۔ یہ لفظ دو وجہ سے قبیح ہے ایک یہ کہ یہ جھوٹ ہے اور دوسری وجہ یہ کہ اس میں ایذاء پائی جاتی ہے۔ برخلاف اے ظالم وغیرہ کہنے کے کہ ضرورتِ مخاصمت کی وجہ سے اس سے چشم

پوشی کی جاتی ہے نیز یہ غالباً صادق ہوتا ہے، کیونکہ ہر انسان اپنی ذات پر اور دوسرے پر ظلم کرنے والا ہے۔

("الاذکار" کی عبارت ختم ہوگئی ہے۔)

غور کیجئے کہ امام نووی رحمہ اللہ نے ان الفاظ کے قبیح ہونے کا حکم فرمایا ہے اور اس کی علت یہ بیان فرمائی کہ یہ الفاظ جھوٹ ہیں اور ان میں ایذاء پائی جاتی ہے ار یہ دونوں چیزیں بالاجماع حرام ہیں لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ الفاظ حرام ہیں، کیونکہ مکروہ کی حرام کے ساتھ علت بیان کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ حالانکہ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے بذات خود یہ تصریح فرمائی ہے کہ مسلمان کی تحقیر اور اسے برا کہنا حرام ہے۔ اور مذکورہ الفاظ کا تعلق مسلمان کی تحقیر اور مسلمان کی برائی بیان کرنے سے ہے۔ لہٰذا اس کے باوجود ان الفاظ کی کراہیت کا تصور کیسے کیا جاسکتا ہے؟

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں ان الفاظ سے پہلے بغیر کسی فصل کے بیان فرمایا ہے کہ مسلمان کو بغیر کسی ایسے سبب شرعی کے جو اسے برا کہنے کا جواز فراہم کرے بُرا کہنا حرام ہے اور اس پر صحیحین کی اس حدیث سے استدلال فرمایا ہے:

سِبَابُ الْمُؤْمِنِ فُسُوْقٌ. مومن کو گالیاں دینا فسق ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الحج، باب فی قول تعالی فلا رفث ولا فسوق، رقم الحدیث: 13242، ج:3 ص:180، مطبوعہ: ایضا)

(امام جلال الدین رحمہ اللہ کی عبارت ختم ہوئی)

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ کسی کو اے کتا! کہنا عرف کے اعتبار سے بلکہ شریعت کے اعتبار سے قبیح ترین سب و دشنام طرازی ہے۔ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ الفاظ کہنا مکروہ ہے، لیکن ان کا یہ قول بھی عجیب ہے۔

"الاذکار" میں "سنن ابو داؤد" کی حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

كُنَّا نَقُوْلُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ أَنْعَمَ اللهُ بِكَ عَيْنًا وَ أَنْعِمْ صَبَاحًا فَلَمَّا جَاءَ الْإِسْلَامُ نُهِيْنَا عَنْ ذٰلِكَ

ہم زمانہ جاہلیت میں اَنْعَمَ اللّٰهُ بِكَ عَيْنًا وَ اَنْعِمْ صَبَاحًا کہا کرتے تھے جب اسلام آیا تو ہمیں ان سے منع کیا گیا۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی، کتاب النکاح، باب لا ولایۃ لاحد مع اب، رقم الحدیث: 13748، ج:7 ص:210، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ بیروت)

یہ حدیث حجت نہیں بن سکتی کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی مجہول ہے، احتمال ہے کہ یہ اس سے مروی ہو۔ اور اہل علم نے فرمایا کہ اس طرح کی حدیث پر صحیح ہونے کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ لہٰذا اس سے کوئی شرعی حکم ثابت نہیں ہوگا۔ امام نووی رحمہ اللہ نے اس کے بعد فرمایا ہے کہ لیکن اس حدیث کی صحت کے احتمال کے پیش نظر انسان کے لئے اس لفظ سے اجتناب کرنے میں احتیاط ہے۔ نیز بعض علماء مجہول سے استدلال کرتے ہیں۔

میں نے جس تعجب کو ذکر کیا ہے امام نووی رحمہ اللہ کی اس پوری عبارت سے اس کا ظاہر ہونا معلوم ہوتا ہے۔ درست بات یہ ہے کہ ان الفاظ میں کوئی کراہیت نہیں البتہ ان سے اجتناب میں احتیاط ہے۔ اور اَنْعَمَ اللّٰهُ عَيْنَكَ (اللہ تیری آنکھوں کو نوازے۔) اور اَنْعَمَ صَبَاحَكَ (اللہ تیری صبح کو نوازے) ان دونوں میں بالاتفاق کوئی کراہیت نہیں۔

سوال ......حدیث کے راوی معمر نے اَنْعَمَ اللّٰهُ بِكَ عَلَيْنَا کہنے کی کراہت کی تصریح کی ہے؟

جواب ......معمر مجتہدین، ہمارے مذہب کے وہ قواعد جو ان کے قول کے مخالف ہیں ان کے خلاف ان کے قول کے ساتھ فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔

سوال ......مذکورہ نہی کی صحت کی تقدیر پر کیا کراہیت کی توجیہ ممکن ہے؟

جواب......اس کی یہ توجیہ ممکن ہے کہ آنکھ کا حقیقی انعام اللہ تعالیٰ کی رویت ہی سے ہوگا۔ لہٰذا اس کے سوال کے لئے اس کی وضع ممنوع چیز کا وہم پیدا کرتی ہے اس ابہام سے بچنے کے لئے اس سے نہی فرمائی گئی ہے۔

اور یہ توجیہ بھی ممکن ہے کہ یہ زمانہ جاہلیت کے تحیہ سے تعلق رکھتا ہے اور جاہلیت کا تحیہ مکروہ ہے جیسا کہ صبح بخیر وغیرہ الفاظ مکروہ ہیں اور اس دوسری توجیہ کی وجہ سے اس کی کراہیت پہلی توجیہ کی وجہ سے پیدا ہونے والی کراہیت سے کم درجہ کی ہوگی۔ اور اَنْعَمَ اللّٰهُ بِكَ عَلَيْنَا کے ساتھ الحاق قریب ہے۔

13......اس میں امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے جو فرمایا ہے اس میں انہوں نے بعض سلف کی اتباع کی ہے الاذکار کی عبارت نہیں ہے۔

حضرت نحاس رحمہ اللہ نے بعض سلف سے نقل کیا ہے کہ روزہ دار کو یہ کہنا مکروہ ہے کہ مجھے اس مُہر کی قسم جو میرے دہن پر لگی ہوئی ہے۔ اور امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے اس عبارت سے ہذا کے لفظ کو حذف کیا ہے گویا کہ وہ یہ بتانا چاہتے ہیں کراہیت میں یہ شرط نہیں۔ اور اس کی کراہیت پر یہ دلیل دی ہے کہ قیامت کے دن کفار کے منہوں پر مہر لگے گی۔ لیکن یہ استدلال محلِ نظر ہے۔ درحقیقت اس کی کراہیت کی دلیل یہ ہے کہ اس میں غیر اللہ کی قسم ہے اور غیر اللہ کی قسم اٹھانے کی نہی کا عنقریب بیان آئے گا۔ اور غیر اللہ کی قسم اٹھانا مکروہ ہے۔ اور اس قول کی کراہیت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس میں بغیر کسی ضرورت کے اپنے روزے کا اظہار ہے۔ ("الاذکار" کی عبارت ختم ہوگئی)

امام نووی رحمہ اللہ نے اس کی جو توجیہ کی ہے کہ یہ غیر اللہ کی قسم ہے اس سے ثابت ہوتا ہے امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کا ھذا کے لفظ کو حذف کرنا بہتر ہے کیونکہ اس سے پہلے امام نووی رحمہ اللہ کے قول يُكْرَهُ الْحَلْفُ بِغَيْرِ اللّٰهِ (غیر اللہ کا حلف اٹھانا مکروہ ہے۔) سے یہ چیز معلوم ہو چکی تھی۔

سوال ......دوسری توجیہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس لفظ کی کراہیت کا ایک دوسرا سبب بھی ہے تو کیا کراہیت کے لئے پہلے سبب کی ضرورت باقی رہتی ہے۔؟

جواب بظاہر بات ایسی ہی ہے لیکن صرف دوسرے سبب کو پیش نظر رکھنے سے رمضان المبارک کے روزہ دار کے لئے ایسا کہنا مکروہ نہیں ہوگا کیونکہ رمضان کے روزہ میں ریاء وغیرہ خدشہ نہیں ہوتا۔ حالانکہ علماء نے صراحت فرمائی ہے کہ ایسا کہنا رمضان کے روزہ دار کے لئے بھی مکروہ ہے۔ لہٰذا کراہیت کی علت میں معتبر ومعتمد سبب پہلا ہی ہے۔

15.....اس کا وہی حکم ہے جو امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے بیان فرمایا ہے کیونکہ یہ الفاظ جاہلیت میں سے ہے۔ الرفاء لفظ راء کے کسرہ اور مد کے ساتھ ہے اس کا معنی اجتماع ہے دولہا کو عقد کے بعد بَارَکَ اللّٰہُ لَکَ (اللہ تیرے لئے برکت فرمائے) یا بَارَکَ عَلَیْکَ وَ جَمَعَ بَیْنَکُمَا فِیْ خَیْرٍ۔ (اللہ تعالیٰ تیرے پر برکت فرمائے اور تم دونوں کو خیر پر جمع فرمائے۔) کہنا مسنون ہے۔ اور زوجین میں سے ہر ایک کے لئے۔

بَارَکَ اللّٰہُ لِکُلِّ وَاحِدٍ مِّنْکُمَا فِیْ صَاحِبِہٖ وَ جَمَعَ بَیْنَکُمَا فِیْ خَیْرٍ وَّ لِلْاِتِّبَاعِ.

(اللہ تعالیٰ تم دونوں میں سے ہر ایک کے لئے برکت فرمائے اور تم دونوں کو خیر پر اور اتباع کے لئے جمع فرمائے۔) کہنا مستحب ہے۔ جیسا کہ احادیثِ صحیحہ میں آیا ہے۔ شیخین نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو ان کی شادی کے موقع پر فرمایا:

بَارَکَ اللّٰہُ لَکَ (اللہ تعالیٰ تیرے لئے باعث برکت بنائے)

(المعجم الکبیر للطبرانی، باب السین، سعد بن الربیع الخ، رقم الحدیث: 5406، ج:6 ص:27، مطبوعہ: ایضاً)

اور یہی الفاظ آپ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو فرمائے تھے۔

16.....''الاذکار'' میں اس کی کراہت منقول ہے۔ حضرت ابوبکر محمد بن یحییٰ رحمہ اللہ جو کہ علماء، فقہاء اور ادباء میں سے ایک ہیں ان سے حضرت نحاس رحمہ اللہ نے یہ روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ غصہ کی حالت میں کسی کو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کا کہنا مکروہ ہے کہ اس خوف کی وجہ سے کہ کہیں اس کا غصہ اس کو کفر تک نہ لے جائے۔ اور اسی طرح غصہ کی حالت میں کسی کو حضرت محمد ﷺ پر درود بھیج کہنا بھی اسی خوف کے پیش نظر مکروہ ہے۔ (انتہیٰ)

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے صحیح حدیث کے پیش نظر امام نووی رحمہ اللہ کے اس قول کو مشکل قرار دیا ہے۔ چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ دو شخص حضور ﷺ کے پاس ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے لگے تو آپ نے حکم دیا کہ اسے کہو کہ وہ شیطان رجیم سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے۔ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کے اس اشکال کا یہ جواب ہے کہ حدیث میں جو چیز ہے وہ امام نووی رحمہ اللہ کے قول میں جو چیز ہے اس کی مثل نہیں کیونکہ امام نووے رحمہ اللہ کے مذکورہ قول میں صرف اللہ تعالیٰ کے اسم پاک پر اقتصار ہے۔ اس لئے غضبناک شخص جب صرف اسم پاک کی سماعت کرے گا تو کہیں قوت غضب اسے اس اسم پاک کی بے حرمتی پر نہ ابھارے۔ اور تعوذ میں شیطان کا ذکر بھی ہے اور اس

صورت میں جلد بازی میں کوئی چیز صادر ہوگی تو وہ شیطان کے بارے میں ہوگی۔ کہ وہ شیطان ہی کی طرف لوٹے گی لہذا اس پر کفر کا خوف نہیں ہوگا نیز غضبناک انسان کا شیطان کے ذکر کو سننا اس کو غضب سے باز رکھنے کا بڑا سبب ہے اور اس بات کی طرف اس کی بلیغ رہنمائی ہے کہ اس سے لاحق ہونے والے غصہ کا واسطہ شیطان ہی ہے۔(لہذا ممکن ہے کہ وہ شیطان کا ذکر سنتے ہی غصہ سے باز آ جائے۔)

پس دونوں صورتوں میں فرق واضح ہوگیا۔اور ثابت ہوگیا کہ ایک صورت دوسری صورت کے لئے باعث اشکال نہیں بلکہ حدیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ غضبناک انسان کے لئے اس بات کی نصیحت کرنی مسنون ہے کہ اس کا غصہ غالباً اس کو عقلاء کے مقام سے خارج کرنے والا ہے کہ اس کا غصہ اس کے لعین دشمن (شیطان) کی طرف سے ہے تا کہ وہ اسے صراط مستقیم سے نکلنے پر ابھارے اور جسے معمولی سی بھی سوجھ بوجھ ہوگی وہ جب اس بات کو سنے گا تو بدانجامی اور عذاب کے خوف سے اعتدال کی طرف لوٹ آئے گا۔

الفاظ مذمومہ میں سے قبیح ترین لفظ

17......امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے اس لفظ کے بارے میں مطلقاً کراہیت ذکر کی ہے لیکن امام نووی رحمہ اللہ نے "الاذکـــار" میں اس کی تصریح نہیں کی۔ بلکہ ان کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے اس کا تلفظ کفر ہے یا حرام یا مباح ہے ان کی عبارت یہ ہے۔

الفاظ مذمومہ میں سے قبیح ترین وہ لفظ ہے جس کا تلفظ بہت سارے لوگوں کی عادت ہے۔ جب کوئی شخص کسی چیز کے بارے میں حلف کا ارادہ کرتا ہے تو وہ قسم میں حانث ہونے کی کراہیت یا اللہ تعالیٰ کی تعظیم و اجلال کے پیش نظر یا حلف سے بچنے کی خاطر واللہ کہنے سے بچنا چاہتا ہے تو وہ اس کی بجائے کہتا ہے۔اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ معاملہ ایسا نہیں تھا یا کہتا ہے اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ معاملہ ایسا تھا۔یا اس کی مثل کوئی لفظ استعمال کرتا ہے۔پس ان الفاظ میں بڑا خطرہ ہے۔اگر اس لفظ کو استعمال کرنے والے کو یقین ہے کہ معاملہ ایسا ہی تھا جس طرح اس نے کیا ہے تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں اور اگر اسے اس میں شک ہے تو پھر یہ تمام قبائح سے قبیح ترین ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر کذب کا تعرض کر رہا ہے۔کیونکہ وہ خبر دے رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس چیز کو جانتا ہے جس کے متعلق اس کو خود یقین نہیں کہ وہ کیسی ہے۔اور اس میں ایک اور دقیقہ اس سے بھی زیادہ قبیح ہے۔اس میں اللہ تعالیٰ کے حق میں خلاف واقع امر جاننے کے وصف کو بیان کرنے کا تعرض ہے اور اگر یہ متحقق ہو جاتا ہے تو کفر بن جائے گا۔انسان کو چاہیے کہ وہ ان الفاظ و عبارات سے اجتناب کرے۔("الاذکار" کی عبارت ختم ہوگئی)

ہم نے بیان کیا تھا کہ یہ الفاظ کبھی کفر بن جاتے ہیں وہی چیز مذکورہ عبارت سے بھی معلوم ہوئی ہے۔کہ انسان

کو جھوٹ کا یقین ہے اور وہ اس جھوٹ کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میں نے یہ کام نہیں کیا حالانکہ وہ جانتا ہے کہ اس نے یہ کام کیا ہے تو یہ کفر ہے۔ چنانچہ اس عبارت میں امام نووے رحمہ اللہ نے اس کی صراحت کی ہے اور امام رافعی رحمہ اللہ نے امام نووی رحمہ اللہ سے پہلے ''العزیز'' میں اس کی تصریح کی ہے امام رافعی رحمہ اللہ نے "العزیز" کے "باب الودة" میں اس کا ذکر کرتے ہوئے اس کو کفر قرار دیا ہے۔ کہ ایسا کہنے والے نے اللہ تعالیٰ کی طرف خلاف مافی الواقع کے علم کی نسبت کرکے اس کی طرف جہل کی نسبت کی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف جہل کی نسبت قبیح ترین کفر اور اللہ تعالیٰ کی ذات اپنی جہالت کا اقرار ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے ہمیں اپنی پناہ میں رکھے۔ اور کبھی ان الفاظ کو بولنا مباح ہے یعنی جو امر یقینی طور پر واقع کے مطابق ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کے علم کی طرف منسوب کرتا ہے تو مباح ہے۔ مثلاً وہ اپنے فعل کے وقوع کو یقینی طور پر جانتا ہے اور کہتا ہے کہ اللہ جانتا ہے کہ میں نے یہ کام کیا ہے۔ تو اس میں کسی طرح کا کوئی حرج نہیں۔ اور اگر کوئی شخص یہ جانتا ہے کہ میں اپنے فعل پر حلف اٹھاؤں گا میرے اس فعل کا انکار کرنے والا میری تصدیق نہیں کرے گا اور میں جب یہ کہوں گا کہ اللہ جانتا ہے کہ میں نے یہ کام کیا ہے تو وہ میری تصدیق کرے گا تو اس کے لئے ایسا کہنا مباح مستحب ہے اس کا استحباب میں نے فقہاء کرام کے قول سے اخذ کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں اس طرح کی حالت میں حلف اٹھانا مستحب ہے اور اب اس کی تیسری حالت باقی رہ گئی ہے۔ اور وہ حالت شک کی ہے کہ کسی آدمی کو امر کے واقع ہونے اور نہ ہونے کا شک ہے مثلاً اسے شک ہے کہ یہ کام میں نے کیا ہے یا کہ نہیں کیا اور اسی شک کی حالت میں وہ کہتا ہے اللہ جانتا ہے کہ میں نے یہ کام کیا ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ کی عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ اس حالت میں ایسا کہنا حرام ہے کیونکہ انہوں نے کبھی اسے الفاظ مذمومہ میں سے قبیح ترین لفظ اور کبھی تمام دیگر قباحتوں میں سے قبیح ترین قباحت قرار دیا ہے اور اس میں بڑا خطرہ گردانا ہے۔ اور یہ خطرہ اس کے صادق نہ ہونے کی صورت میں کفر کا اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے کا خطرہ ہے اور یہ تمام چیزیں اس حالت میں اس لفظ کی حرمت پر واضح دلائل ہیں کیونکہ مکروہ کے بارے میں یہ نہیں کہا جاتا ہے کہ وہ قباحتوں میں قبیح ترین ہے یا مذمومات میں سے قبیح ترین ہے۔ اور اگر کبھی ایسا کہا بھی جاتا ہے تو بطور مجاز بعید کے کہا جاتا ہے اور مکروہ میں کفر اور کذب (بمعنی وقوع وعدم وقوع دونوں کا برابر احتمال رکھے) کے خطرے کا ہونا بعید ہے۔

ہماری اس مذکورہ تحقیق سے ثابت ہوا کہ پہلی دونوں حالتوں کے لحاظ سے امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کا اس قول کی کراہیت پر جزم کرنا برمحل نہیں اور تیسری حالت کے متعلق جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے اس کے اعتبار سے بھی کراہت کا جزم بے محل ہے۔ اس میں غور کریں کہ یہ بڑی اہم بحث ہے۔

18......اس کی دلیل صحیحین کی یہ حدیث شریف ہے:

لَا يَقُوْلَنَّ اَحَدُكُمُ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِىْ اِنْ شِئْتَ وَ لِيَعْزِمِ الْمَسْاَلَةَ فَاِنَّهٗ لَا مُكْرِهَ لَهٗ.

تم میں سے کوئی یوں دعا نہ کرے۔ اے اللہ اگر تو چاہتا ہے تو میری مغفرت فرما بلکہ پورے عزم کے ساتھ سوال کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ پر جبر کرنے والا کوئی نہیں۔

(سنن ابن ماجہ، ابواب الدعاء، باب لایقول الرجل الخ، رقم الحدیث: 3854، ج: 6 ص: 23، مطبوعہ ایضاً)

اور مسلم شریف کے الفاظ یہ ہیں:

وَ لٰكِنْ لِيَعْزِمِ الْمَسْئَلَةَ وَ لِيُعَظِّمِ الرَّغْبَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَتَعَاظَمُهٗ شَيْءٌ اَعْطَاهُ.

بلکہ پورے عزم سے سوال کرے اور خوب رغبت کا اظہار کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی چیز دینا مشکل نہیں۔

(صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء الخ، باب العزم بالدعاء، رقم الحدیث: 2679، ج: 4 ص: 2063، مطبوعہ ایضاً)

اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے بغیر حلف کی کراہت

19......الاذکار میں اس کا ذکر ایسا ہی ہے۔ اور الاذکار کی عبارت کا حاصل یہ ہے کہ:

اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات کے بغیر کسی اور کے ساتھ حلف مکروہ ہے۔ مثلاً نبی کریم ﷺ اور فرشتوں، کعبہ معظمہ اور حیات وغیرہ کی قسم اٹھائی جائے اسی طرح امانت کی قسم اٹھانا بھی مکروہ ہے۔ شیخین نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

اِنَّ اللّٰهَ يَنْهَاكُمْ اَنْ تَحْلِفُوْا بِاٰبَائِكُمْ فَمَنْ كَانَ حَالِفًا فَلْيَحْلِفْ بِاللّٰهِ اَوْ لِيَصْمُتْ.

اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے آباء کے ساتھ حلف اٹھانے سے منع فرمایا ہے پس جو حلف اٹھانا چاہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حلف اٹھائے یا خاموش رہے۔

(سنن ابن ماجہ، ابواب الکفارات، باب النھی ان یحلف الخ، رقم الحدیث: 2093، ج: 3 ص: 235، مطبوعہ ایضاً)

ایک اور صحیح روایت میں ہے:

فَمَنْ كَانَ حَالِفًا فَلَا يَحْلِفُ اِلَّا بِاللّٰهِ اَوْ لِيَسْكُتْ.

پس جو حلف اٹھانا چاہتا ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ حلف اٹھائے یا خاموش رہے۔

(مسند احمد، مسند بن ہاشم، مسند عبداللہ بن عمر الخ، رقم الحدیث: 4592، ج: 4 ص: 321، مطبوعہ ایضاً)

اور حضور ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ:

مَنْ حَلَفَ بِالْاَمَانَةِ فَلَيْسَ مِنَّا. (جو امانت کے ساتھ حلف اٹھائے وہ ہم میں سے نہیں۔)

(سنن ابی داؤد، کتاب الایمان الخ، باب کراہیۃ الحلف، الخ، رقم الحدیث: 3253، ج: 3 ص: 223، مطبوعہ ایضاً)

("الاذکار" کا خلاصہ ختم ہوگیا)

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ مخلوق میں سے کسی کی حیات اور سر کی قسم حرام ہونی چاہیے کیونکہ اس کو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی تکریم کی خاطر آپ کے ساتھ خاص فرمایا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِىْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ. (سورۃ الحجر، آیت: 72)

اے حبیب تمہاری جان کی قسم بے شک وہ اپنے نشہ میں بھٹک رہے ہیں۔

مصنف فرماتے ہیں: اس آیت کریمہ سے حرمت اخذ کرنا محل نظر ہے کیونکہ جس چیز کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کو خاص فرمایا گیا ہے اور جس کے ساتھ آپ کی تکریم ظاہر فرمائی گئی ہے وہ اللہ تعالیٰ کا آپ کی حیات مقدسہ کی قسم یاد فرمانا اور اس قسم کی حرف لام وغیرہ کے ساتھ تاکید فرمانا ہے۔ اور یہ چیز اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے علاوہ کسی کے لیے بھی نہیں فرمائی۔ پس یہ آپ ﷺ کی بہت عظیم خصوصیت اور بے انتہا کرامت ہے۔

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے جو فرمایا ہے یہ اس پر اس وقت دلیل بنتی اگر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو نبی اکرم ﷺ کی حیات مقدسہ کے ساتھ حلف اٹھانے کی اجازت دی ہوتی اور دیگر مخلوق کی قسم اٹھانے سے منع فرمایا ہوتا۔ حالانکہ یہ ثابت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کو نبی اکرم ﷺ اور آپ کے علاوہ دیگر مخلوق کے ساتھ حلف اٹھانے کی جو نہی فرمائی ہے وہ حد واحد پر ہے دونوں میں کوئی تفریق نہیں۔ لہٰذا سب کے ساتھ حلف اٹھانا مکروہ ہے۔ خواہ کسی بھی صیغہ کے ساتھ ہو۔ لیکن حرام نہیں اور اگر حالف حلف کے سبب محلوف بہ کی تعظیم کا اعتقاد نہیں رکھتا جس طرح حلف کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تعظیم کا اعتقاد رکھا جاتا ہے تو پھر یہ مخلوق کے ساتھ حلف اٹھانے کی کراہیت کا محل ہے۔ اور اگر اس کا اعتقاد رکھے تو کافر بن جائے گا۔

20......اس کی دلیل مسلم کی یہ حدیث ہے:

اِيَّاكُمْ وَ كَثْرَةَ الْحَلْفِ فِى الْبَيْعِ فَاِنَّهٗ يُنَفِّقُ ثُمَّ يَمْحَقُ .

بیع میں حلف کی کثرت سے پرہیز کرو کہ یہ اگرچہ چیز کو بکوا دیتا ہے مگر برکت کو مٹا دیتا ہے۔

(صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ، باب النہی عن الحلف الخ، رقم الحدیث: 1607، ج: 3 ص: 1228، مطبوعہ: ایضا)

مذکورہ کلام صداقت کے ساتھ کثرتِ حلف میں ہے ورنہ اس میں پائے جانے والے جھوٹ اور دھوکہ کی وجہ سے حلف حرام ہوگا۔ اور الاذکار کی عبارت اس کے منافی نہیں۔

"الاذکـــار" میں ہے: بیع و شراء وغیرہ میں کثرت کے ساتھ حلف اٹھانا مکروہ ہے اگرچہ اٹھانے والا سچا کیوں نہ ہو۔ (انتہیٰ)

کیونکہ اکثار بحیثیت اکثار صدق و کذب دونوں حالتوں میں مکروہ ہے اور کذب کی حالت میں حرمت کسی دوسرے امر کی وجہ سے آتی ہے۔ گویا کہ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے "الاذکار" کی عبارت سے وَ اِنْ كَانَ

صَادِقًا (اگرچہ وہ سچا کیوں نہ ہو) کو باعث ایہام گمان کرتے ہوئے حذف کیا ہے۔ اور میں نے جو تحقیق کی ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ امام جلال الدین رحمہ اللہ کی عبارت خوبصورت تدقیق کی طرف اشارہ کر رہی ہے اور وہ تدقیق حسن یہ ہے کہ حرمت عرضیہ سے انکار کا بحیثیت انکار اپنے حکم یعنی کراہیت سے خارج ہونا لازم نہیں آتا۔

قوس قزح کہنا مکروہ ہے

21......اس کی دلیل ابونعیم رحمہ اللہ کی یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

لَا تَقُوْلُوْا قَوْسَ قُزَحٍ فَاِنَّ قُزَحَ شَيْطَانٌ وَ لٰكِنْ قُوْلُوْا قَوْسَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فَهُوَ اَمَانٌ لِاَهْلِ الْاَرْضِ.

قوس قزح نہ کہو کیونکہ قزح شیطان ہے۔ بلکہ قوس اللہ کہو، پس وہ اہل زمین کے لئے امن کا باعث ہے۔

(المقاصد الحسنۃ، حرف اللام الف، رقم الحدیث: 1296، ج:1 ص: 721، مطبوعہ: دار الکتاب العربی، بیروت)

قزح، قاف مضموم اور زای مفتوحہ کے ساتھ غیر منصرف ہے۔ اور عوام اس کو دال کے ساتھ قدح کہتے ہیں اور یہ تصحیف ہے۔

معصیت میں مبتلا شخص کا اپنی معصیت کی دوسرے کو خبر دینا منع ہے

22......"الاذکار" میں ایسا ہی ہے لیکن ایک قید کا اضافہ ہے جسے امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے حذف فرمایا ہے۔ "الاذکار" کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے:

"جو شخص کسی معصیت میں مبتلا ہے اس کے لئے اپنی معصیت کی دوسرے کو خبر دینا مکروہ ہے، لیکن اپنے استاذ، شیخ یا اس کی مثل اس شخص کو خبر دینے میں کوئی حرج نہیں جو اس کو اس معصیت سے یا اس کی مثل معصیت سے نکلنے کی یا اس کے سبب کی رہنمائی کرے یا اس کے لئے معصیت سے چھٹکارا پانے کی دعا کرے۔ بلکہ ایسے شخص کو بتانا بہتر ہے۔ اور صرف اس مصلحت کے انتفاء کی صورت میں دوسرے کو خبر دینا مکروہ ہے۔"

شیخین نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

كُلُّ اُمَّتِيْ مُعَافًى اِلَّا الْمُجَاهِرِيْنَ وَ اِنَّ مِنَ الْمُجَاهِرِيْنَ اَنْ يَّعْمَلَ الرَّجُلُ عَمَلًا ثُمَّ يُصْبِحُ وَقَدْ سَتَرَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ فَيَقُوْلُ يَا فُلَانُ عَمِلْتُ الْبَارِحَةَ كَذَا وَكَذَا وَ قَدْ بَاتَ يَسْتُرُهٗ رَبُّهٗ وَ هُوَ يُصْبِحُ يَكْشِفُ سِتْرَ اللّٰهِ عَلَيْهِ.

میرے ہر امتی کو معاف کیا جائے گا سوائے ان لوگوں کے جو اعلانیہ گناہ کرنے والے ہیں اور وہ شخص اعلانیہ گناہ کرنے والوں میں سے ایک ہے جو رات کو برائی کرے اور صبح اٹھ کر لوگوں سے کہے میں نے رات کو یوں یوں کیا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس پر پردہ ڈال دیا تھا۔ اس نے رات اس حال میں گزاری کہ اس کے رب نے اس پر پردہ ڈالا اور صبح اس حال میں کرتا ہے کہ اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈالے ہوئے پردے کو دور کر رہا ہے۔

(صحیح بخاری، کتاب الادب، باب ستر المومن علی نفسہ، رقم الحدیث: 6069، ج:8، ص:20، مطبوعہ: ایضاً)

اس حدیث پاک نے افادہ کیا کہ اس کی کراہیت مذکورہ مصلحت کے انتفاء کے ساتھ مشروط ہے۔ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ پر لازم تھا کہ وہ یوں فرماتے کہ انسان سے جو معاصی صادر ہوئے ہیں ان کو بیان کرنا مکروہ ہے مگر کسی مصلحت کے پیش نظر بیان کرنا مکروہ نہیں۔ اور امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے "الاذکار" کی عبارت سے یا معاصی کی مثل کی خبر دینا کے الفاظ حذف کیے ہیں۔ اور اس سے مراد ہر وہ عمل ہے جس کو پوشیدہ رکھنا انسانوں کی عادت ہے اور ان کے تذکرہ کو لوگ مروت کے خلاف تصور کرتے ہیں مثلاً اپنی بیوی کے ساتھ مباشرت وغیرہ کو اس کی تفاصیل کے ذکر کے بغیر ذکر کرنا مکروہ ہے۔ اور اگر تفاصیل کے ساتھ تذکرہ کیا جائے تو حرام ہے بلکہ گناہ کبیرہ ہے کیونکہ شریعت نے اس میں شدید وعید فرمائی ہے۔

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ اور امام نووی رحمہ اللہ دونوں سے اس بات کا تذکرہ رہ گیا ہے کہ اپنی معصیت کی دوسرے کو خبر دینے کی کراہیت کا محل یہ ہے وہ معصیت کا تذکرہ بطور لطف اندوزی اور تلذذ کے حصول کے لئے نہ کرے ورنہ حرام ہوگا۔

الفاظ کو غیر محل میں استعمال کرنے کا حکم

23......الاذکار میں کراہت کی تصریح نہیں پائی جاتی، الاذکار کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ:

"اللہ تعالیٰ کی اطاعت مثلاً حج، ختنہ اور نکاح میں جو مال صرف کیا جائے اس کے متعلق اَنْفَقْتُ (میں نے خرچ کیا) یا اس کی مثل الفاظ کہنے چاہیے، اور عوام کے معتاد الفاظ کہ غَرِمْتُ (میں نے تاوان بھرا) وَ خَسِرْتُ (میں نے نقصان اٹھایا) وَضَيَّعْتُ (میں نے ضائع کردیا) وغیرہ کے الفاظ نہ بلوائے جائیں کیونکہ ان تینوں الفاظ کو معاصی اور مکروہات میں استعمال کیا جاتا ہے"۔ (انتہی)

گویا امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے عمل خیر میں اپنے مال کو صرف کرنے والے کے غرمت وغیرہ الفاظ

بولنے کی کراہت امام نووی رحمہ اللہ کے مذکورہ قول (لا یُسفائی) سے اخذ کی ہے اور ان کا یہ قول اس کا احتمال رکھتا ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان الفاظ میں کراہیت سے مراد خلاف اولیٰ ہے اور تعبیر میں ادب کا طریقہ یہ ہے کہ تعبیر ایسے الفاظ کے ساتھ ہو جو قبیح نہ سمجھے جاتے ہوں۔

ٹیکس کو بادشاہ کا حق کہنے سے پرہیز کرنا چاہیے

24......اس لفظ میں کراہتی کی تصریح امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کا تصرف ہے الاذکار کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ:

"خرید وفروخت کرنے والے لوگوں سے جو ٹیکس لیا جاتا ہے اس کے متعلق عوام اور ان کی مثل لوگ جو کچھ کہتے ہیں اس کی تاکیدی نہی ہے، اس کے متعلق یہ بادشاہ کا حق ہے یا تمہارے پر بادشاہ کا حق ہے وغیرہ ایسی عبارات استعمال کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے، جو اس کا حق ہے یا اس کے لئے لازم ہے وغیرہ کے تسمیہ پر مشتمل ہوتی ہیں یہ شدید ترین منکرات اور قبیح ترین محدثات میں سے ہیں۔حتی کہ بعض علماء نے فرمایا ہے جو اس کو حق کا نام دے گا وہ کافر ہو جائے گا اور ملتِ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔لیکن صحیح قول یہ ہے کہ ایسا کہنے سے انسان کافر نہیں ہوتا البتہ اگر اس کے ظلم ہونے کے علم کے باوجود اس کا حق ہونے کا اعتقاد رکھے تو کافر ہو جائے گا حق بات یہ ہے کہ اسکے لئے ٹیکس یا ضریبۃ السلطان یا اس کی مثل الفاظ استعمال کرے۔" (انتہی)

"الاذکار" کی مذکورہ عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کلمہ مذکورہ قید کے ساتھ کفر ہے جیسا کہ ظاہر ہے یا حرام ہے جیسا کہ امام نووی رحمہ اللہ کے الفاظ کی یہ شدید ترین منکرات میں سے ہے)اور اس کی تاکیدی نہی ہے۔اس کے حرام ہونے پر صراحتًا دلالت کر رہے ہیں۔اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حقیقت میں حق کے عدمِ اعتقاد کے باوجود اس کو حق کہنا صریح کذب ہے اس لئے یہ حرام ہے اور اسے مکروہ قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں۔اور امام جلال الدین رحمہ اللہ کا اس میں کراہیت کی تصریح فرمانا باعث تعجب ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات کے واسطہ سے صرف جنت کا سوال کیا جائے

25......اس کی دلیل ابوداؤد کی یہ صحیح حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

لَا يُسْئَلُ بِوَجْهِ اللّٰهِ اِلَّا الْجَنَّةَ ۔ (اللہ کی ذات کے واسطہ سے صرف جنت کا سوال کیا جائے۔)

(سنن ابی داؤد، کتاب الزکاۃ، باب کراہیۃ المسالۃ الخ، رقم الحدیث: 1671، ج: 2 ص: 127، مطبوعہ: ایضا)

جنت میں ہر اُخروی خیر شامل ہے

26......اس کی دلیل یہ صحیح حدیث ہے:

مَنِ اسْتَعَاذَ بِاللّٰهِ فَاَعِيْذُوْهُ وَ مَنْ سَاَلَ بِاللّٰهِ فَاَعْطُوْهُ وَ مَنْ دَعَاكُمْ فَاَجِيْبُوْهُ وَ مَنْ صَنَعَ اِلَيْكُمْ مَعْرُوْفًا فكافئوه فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا ما تكافئونه فَادْعُوْا لَهٗ حَتّٰى تَرَوْنَكُمْ كافاتموه.

جو اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہے اسے پناہ دی جاتی ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے واسطے سے مانگے تو اسے عطا کرو اور جو تمہیں دعوت دے تو اس کی دعوت قبول کرو اور جو تم پر احسان کرے تو اس کا بدلہ چکاؤ، اگر تم اس کا بدلہ چکانے کی طاقت نہ رکھو تو اسکے لئے دعا کرو حتیٰ کہ تم اپنے بارے میں محسوس کرو گے کہ تم نے اس کا بدلہ چکا دیا ہے۔

(مسند احمد، مسند بنی ہاشم، مسند عبداللہ بن عمر......الخ، رقم الحدیث: 5366، ج:5 ص:37، مطبوعہ: ایضا)

مذکورہ حدیث سے کراہیت اخذ کرنا محل نظر ہے البتہ کراہیت سے خلاف اولیٰ مراد لیا جائے۔

اللہ تعالیٰ تیری بقاء کو دراز فرمائے کہنا مکروہ ہے

27......امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے اس مسئلہ میں کراہیت ذکر کی ہے اور یہی صحیح ہے۔ برخلاف ان لوگوں کے جنہوں نے اس کو بلا کراہیت مباح قرار دیا ہے، اس لفظ کو سب سے پہلے زندیق لوگوں نے لکھنا شروع کیا ہے۔ اور سلف کی مکاتبت ان الفاظ کے ساتھ ہوتی تھی:

مِنْ فُلَانٍ اِلٰى فُلَانٍ اَمَّا بَعْدُ سَلَامُ اللّٰهِ عَلَيْكَ اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّيْ اَحْمَدُ اِلَيْكَ اللّٰهَ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَ اَسْئَالُهٗ اَنْ يُّصَلِّيَ وَ يُسَلِّمَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ.

یہ مکتوب فلاں کی جانب سے فلاں کی طرف۔ امابعد اللہ تعالیٰ کی آپ پر سلامتی ہو، امابعد! میں تیرے پاس اس اللہ کی حمد کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتا ہوں وہ درود وسلام بھیجے حضرت سیدنا محمد اور آل محمد پر۔

زنادقہ نے اپنے درمیان خط وکتابت کا ایک ایسا سلسلہ ایجاد کیا جس کے اول میں اَطَالَ اللّٰهُ بَقَاكَ ہوتا تھا (اللہ تعالیٰ تیرے بقا کو دراز کرے)

جدال، مراء اور خصومت کے درمیان فرق

28......امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے جدال، مراء اور خصومت کے بارے میں کراہیت کا ذکر کیا ہے لیکن

امام نووی رحمہ اللہ نے کراہیت کی تصریح نہیں فرمائی بلکہ اُن کی عبارت سے ان کی حرمت ثابت ہوتی ہے۔اُن کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ ان تینوں کا تعلق ان الفاظ سے جن کی مذمت کی جاتی ہے۔

مراء کی تعریف

امام غزالی رحمہ اللہ مراء کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں، دوسرے کے کلام میں پائے جانے والے خلل کو ظاہر کرنے کے لئے یا اس پر اپنا مرتبہ ظاہر کرنے کے لئے اس کے کلام میں طعن کرنے کو مراء کہا جاتا ہے۔اور اس سے قائل کی تحقیر کے سوا کوئی اور غرض نہیں ہوتی۔

جدال کی تعریف

اور جدال مذاہب کے اظہار اور انکی تحقیق سے متعلق امر سے عبارت ہے۔

خصومت کی تعریف

خصومت کلام میں اپنے مقصود کو حاصل کرنے کے لئے جھگڑنے کو کہا جاتا ہے خواہ وہ مقصود مال ہو یا غیر مال، مراء صرف اعتراض ہوتا ہے۔

مصنف فرماتے ہیں: جدال کبھی حق کے ساتھ ہوتا اور کبھی باطل کے ساتھ، چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَ لَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ . (سورۃ العنکبوت، آیت:46)

اور اے مسلمانو! اہل کتاب سے نہ جھگڑو مگر بہتر طریقہ پر۔

وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ . (سورۃ النحل، آیت:125)

اور ان سے اس طریقہ پر بحث کرو جو سب سے بہتر ہو۔

جدال اگر وقوف حق کے لئے ہے تو محمود ہے اور اگر حق ٹالنے کے لئے یا بغیر کسی حق کے ہے، تو مذموم ہے لہٰذا جدال کی مدح اور ذم میں وارد نصوص میں اس مذکورہ تفصیل کو مدنظر رکھا جائے گا۔اور انسان اپنے حق کو حاصل کرنے کے لئے خصومت اختیار کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔اور امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے خصومت کی جو کراہیت بیان کی ہے وہ انسان کی اس اضطراری حالت کے منافی نہیں، کیونکہ اس تاکیدی مذمت کا تعلق اس شخص کے ساتھ ہے جو باطل پر خصومت کرتا ہے یا بغیر کسی علم کے خصومت کرتا ہے۔جیسا کہ قاضی کے سامنے پیش ہونے والا وکیل حق کی معرفت سے پہلے ہی خصومت میں وکیل بن جاتا ہے۔اور اس کو اس چیز کا علم ہی نہیں ہوتا کہ حق کس جانب ہے پس اس طرح وہ بغیر کسی علم کے خصومت کرتا ہے اور وہ شخص بھی مذمت میں داخل ہوگا جو اپنا حق طلب کر رہا ہے، لیکن

خصومت کی مقدار ضرورت پر اکتفاء نہیں کرتا، بلکہ مدمقابل پر تسلط جمانے اوراس کواذیت دینے کے لئے جھوٹ کا اظہار کرتا ہے۔ اور اسی طرح وہ شخص بھی مذمت میں داخل ہوگا جو خصومت میں ایسے کلمات کو خلوط کرلیتا ہے جو موجب اذیت ہیں حالانکہ تحصیل حق کے لئے انکی ضرورت نہ تھی۔ایسے ہی وہ شخص بھی مذمت میں داخل ہوگا جسے مدمقابل کو مقہور ومغلوب کرنے کے لئے محض عناد خصومت پر ابھارے پس یہ خصومت کی مذموم صورتیں ہیں۔

اور وہ مظلوم شخص جو بطریق شریعت بغیر کسی فساد، اسراف اور ضرورت سے زیادہ جھگڑا اختیار کرنے کے بغیر اپنی حجت میں قوت پیدا کرتا ہے یعنی اس کا مقصد عناد اور اذیت دینا نہیں ہوتا اس کا یہ فعل حرام نہیں لیکن اس کو اگر کوئی اور سبیل ملتی ہے تو اس کا ترک کرنا اولیٰ ہے۔کیونکہ خصومت کے دوران زبان کو حد اعتدال پر رکھنا مشکل ہوتا ہے اور مخاصمت سینہ کو کینہ اور غصہ سے بھڑکا دیتی ہے۔جب غصہ پیدا ہوتا ہے تو مخاصمین کے درمیان حسد پیدا ہوجاتا ہے حتیٰ کہ دونوں میں ہر ایک دوسرے کی معصیت پر خوش اور دوسرے کی مسرت پر غمناک ہونے لگتا ہے۔اور دوسرے کی عزت وناموس کے خلاف اپنی زبان استعمال کرنے لگتا ہے۔پس مخاصمت کرنے والے کو ان آفات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔اور ان آفات میں سے معمولی اور اقل درجہ کی آفت یہ ہے کہ انسان کا دل عبادت سے ہٹ کر خصومت میں مشغول ہوجاتا ہے اور یہ چیز برائی اور شر کا مبداء ہے۔

جدال اور مراء بھی ایسے ہی ہیں لہٰذا کسی شدید ضرورت کے بغیر ان میں خصومت کا دروازہ نہیں کھولنا چاہیے۔اور ایسی حالت میں اپنی ذات اور قلب کو خصومت کی آفات سے محفوظ رکھے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ:

كَفٰى بِكَ اِثْمًا اَنْ لَا تَزَالُ مُخَاصِمًا.

تمہارے لئے اتنا گناہ کافی ہے کہ تم ہمیشہ مخاصمت کرنے والے بنے رہو۔

(سنن ترمذی، ابواب البر والصلۃ، باب ماجاء فی المراء، رقم الحدیث:1994، ج:4 ص:359، مطبوعہ:ایضا)

(الاذکار کا کلام ختم ہوگیا۔)

الاذکار کی مذکورہ عبارت میں غور کروگے تو تمہیں تعجب ہوگا کہ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے ان تینوں (جدال، مراء خصومت) میں مطلقاً کراہیت ذکر کی ہے اور آئندہ آنے والی وہ قیود کہ جن پر امام نووی رحمہ اللہ کی عبارت دلالت کررہی ہے ان سے تمہیں ان کی حرمت اور جو چیز ان قیود کی وجہ سے خارج ہے اس کی عدم حرمت معلوم ہوگی۔بالخصوص امام نووی رحمہ اللہ نے خصومت کے بارے میں جو فرمایا ہے کہ مظلوم اگر اپنی حجت کی تقویت کے لئے۔ایسا کرتا ہے تو حرام نہیں یہ عبارت ماقبل کی حرمت میں ظاہر یا صریح ہے۔مراء کی امام غزالی رحمہ اللہ نے جو تفسیر کی ہے اس کے باوجود امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے اس کی کراہیت کا جزم کیسے کیا ہے؟ کیونکہ ان کی

تفسیر کے مطابق مراء سے قائل کی تحقیر کے سوا اور کوئی چیز مقصود نہیں ہوتی اور دوسرے کی تحقیر بالا جماع حرام ہے۔ الحق بات یہ ہے ایسی حالت میں مراء شدید حرام ہوگا۔

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کا بغیر کسی حجت کے جدال کی کراہیت کا جزم کرنا بھی مناسب نہیں کیونکہ امام نووی رحمہ اللہ نے جدال کی جو تعریف کی ہے اس کے مطابق حق کو ٹالنے کے لئے یا بغیر کسی حق کے لئے جدال کرنے کی حرمت ظاہر ہوتی ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ کی تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ جدال ایسا امر ہے جس کا تعلق مذاہب ونظریات کے اظہار واثبات سے ہے۔ اور جس کو اس تحقیق کی معمولی سی سوجھ بوجھ حاصل ہے اس پر جدال کا حرام ہونا مخفی نہیں کیونکہ اس تحقیق کے مطابق جو شخص اپنے نظریہ ومذہب کے بطلان کو جاننے کے باوجود اسے استدلال کے ذریعہ ظاہر کرتا ہے یا جس چیز کے باطل ہونے کو جاننے کے باوجود اس کے لئے حجت بازی کرتا ہے تو وہ بغیر کسی حجت کے مجادلہ کرتا ہے اور باطل کی مدد ونصرت یا باطل کو سامع پر مسلط کرنے کی وجہ سے شدید حرام کا ارتکاب کرتا ہے اور امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کا بغیر کسی قید کے خصومت کی کراہیت کا جزم کرنا بھی مناسب نہیں کیونکہ امام نووی رحمہ اللہ نے خصومت کی عدم حرمت کے لئے اس بات کو شرط قرار دیا ہے کہ انسان اگر اپنی حجت کی نصرت بطریق شرع کرے اس میں جھگڑا وفساد اور حد سے تجاوز نہ ہو اور اپنے فعل سے کسی کو اذیت دینا اور عناد مقصود نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ جن چیزوں کی امام نووی رحمہ اللہ نے نفی کی ہے۔ جب ان میں سے کوئی چیز پائی جائے گی تو خصومت حرام ہوگی۔

حجت کی نصرت بطریق شرع نہ ہو تو خصومت کی حرمت واضح ہے اور اگر نصرت بطریق شرع ہو لیکن جھگڑا وفساد کے ساتھ ہو یا حد سے تجاوز کے ساتھ ہو یا اپنے فعل سے کسی کو اذیت دینا یا عناد مقصود ہو تو آخری صورت یعنی کسی کو اذیت دینا مقصود ہو تو بھی خصومت کی حرمت واضح ہے اور اس سے پہلے کی صورتوں کو حرمت پر اس وقت محمول کیا جائے گا جب وہ یقینی طور پر محظور شرعی کا باعث بن جائیں مثلاً جھوٹ یا ملمع سازی میں کسی ایک کو یا دونوں کو اپنی شرعی حجت کے ساتھ ملا لینا ہے۔

29......اس مسئلہ میں امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ "الاذکار" کی عبارت کا خلاصہ ہے اور "الاذکار" کی عبارت یہ ہے۔

> "باچھیں کھول کھول کر اور تشقی وسجع کلام اور فصاحت کے تکلف کے ساتھ اور بتکلف اپنی فصاحت کا اظہار کرنے والے لوگوں کو معتاد مقدمات کے تصنع اور جھوٹ سے آراستہ کے ساتھ گہرا کلام کرنا مکروہ ہے۔"

اور یہ تمام تکلفات مذموم ہیں۔ اسی طرح عوام کے ساتھ مخاطب ہونے کی حالت میں سجع کا تکلف اور اعراب کی باریکیوں کی تلاش اور غیر مانوس لغت کا استعمال بھی مکروہ ہے بلکہ اپنی گفتگو میں ایسے الفاظ استعمال کرنے چاہیے جن

کو مطلب واضح طور پر سمجھ سکے اور ان کو اپنے پر بوجھ نہ سمجھے۔ امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے حدیث روایت کی ہے جسے امام ترمذی نے حسن قرار دیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ:

اِنَّ اللّٰهَ يُبْغِضُ الْبَلِيغَ مِنَ الرِّجَالِ الَّذِي يَتَخَلَّلُ بِلِسَانِهِ كَمَا يَتَخَلَّلُ الْبَقَرُ.

اللہ تعالیٰ لوگوں میں سے اس بلیغ انسان کو پسند نہیں فرماتا جو اپنی زبان کو اس طرح حرکت دیتا ہے جس طرح بیل حرکت دیتا ہے۔

(سنن ترمذی، ابواب الادب، باب ماجاء فی الفصاحۃ، رقم الحدیث: 2853، ج:5، ص:141، مطبوعہ: ایضا)

یعنی اپنی زبان کو اس طرح لپیٹ لپیٹ کر باتیں کرتا ہے جس طرح بیل اور گائے چارا کھاتے ہوئے زبان کو لپیٹتے ہیں۔ اور امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے کہ:

هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُوْنَ قَالَهَا ثَلاثًا.

معاملات میں مبالغہ کرنے والے ہلاک ہو گئے۔ اس کو حضور ﷺ نے تین بار تکرار کے ساتھ فرمایا۔

(صحیح مسلم، کتاب العلم، باب ہلک المتنطعون، رقم الحدیث: 2670، ج:4، ص:2055، مطبوعہ: ایضا)

علماء نے المتنطعون کی تفسیر اَلْمُبَالِغُوْنَ فِي الْاُمُوْرِ کے ساتھ کی ہے۔ یعنی امور میں مبالغہ کرنے والے۔ اور امام ترمذی کی مروی حدیث جسے انہوں نے حسن قرار دیا ہے اس میں ہے کہ:

اِنَّ مِنْ اَبْغَضِكُمْ اِلَيَّ وَ اَبْعَدِكُمْ مِنِّيْ مَجْلِسًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ الثَّرْثَارُوْنَ وَ الْمُتَشَدِّقُوْنَ وَ الْمُتَفَيْهِقُوْنَ.

بے شک میرے نزدیک تم میں سے مبغوض ترین اور قیامت کے دن میری مجلس سے دور ترین کثرت سے کلام کرنے والے اور گفتگو میں لوگوں پر برتری جتلانے والے اور تکبر کرنے والے ہیں۔

(سنن ترمذی، ابواب البر والصلۃ، باب ماجاء فی معالی الاخلاق، رقم الحدیث: 2018، ج:4، ص:370، مطبوعہ: ایضا)

المتفیقون کی تفسیر خود حضور ﷺ نے متکبرون سے فرمائی ہے۔ خطابات میں اگر افراط و اغراب نہ ہو تو ان کے الفاظ کی تحسین اس مذمت میں داخل نہیں ہوگی۔ کیونکہ خطابات سے مقصود لوگوں کے دلوں کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف مائل کرنا ہے۔ اور اس میں خوبصورت الفاظ کا اثر واضح ہے۔ (انتہیٰ)

30......اس مسئلہ کی دلیل سنن اربعہ کی حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ:

لَا يُسْئَلُ الرَّجُلُ فِيْمَا ضَرَبَ زَوْجَتَهٗ.

کسی شخص کو یہ نہ پوچھا جائے کہ اس نے اپنی بیوی کو کیوں مارا ہے؟

(بریقہ محمودیہ فی شرح طریقہ محمدیہ، فی آفات الیدان، قیام القاری تغیر......الخ، ج:4، ص:203، مطبوعہ: ایضا)

اور اس کی دلیل وہ حدیث بھی ہے جس کی صحت متفق علیہ ہے:

مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُ مَالَا یَعْنِیْهِ.

بے مقصد چیز کو چھوڑنا انسان کے حسن اسلام کی علامات ہی سے ہے۔

(سنن ترمذی، ابواب الزہد، باب فی قلۃ الکلام، رقم الحدیث: 2318، ج: 4 ص: 558، مطبوعہ: ایضا)

اور وہ تمام صحیح احادیث بھی اس کی دلیل ہیں کہ جس چیز میں کوئی مصلحت ظاہر نہ ہو اس سے خاموشی اختیار کرنا چاہیے۔

اشعار عرب کے ساتھ مشغولیت مطلوب ہے

31......اس مسئلہ سے متعلق الاذکار کی عبارت یہ ہے۔ شعر سے متعلق حدیث حسن میں ہے کہ: رسول اللہ ﷺ سے اس بارے سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

هُوَ کَلَامٌ حَسَنُهٗ حُسْنٌ وَ قَبِیْحُهٗ قُبْحٌ.

شعر کلام ہے اس کا اچھا حصہ اچھا ہے اور برا حصہ برا ہے۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی، جماع ابواب ما تجنبہ الحرم، رقم الحدیث: 9181، ج: 5 ص: 110، مطبوعہ: ایضا)

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ شعر نثر کی مانند ہے کہ اس کا اچھا حصہ نثر کے اچھے حصہ کی طرح اچھا ہے اور برا حصہ نثر کے برے حصے کی طرح برا ہے۔ لیکن اپنے آپ کو صرف اشعار گوئی کے لئے مختص کرنا اور اشعار پر ہی اکتفاء کرنا قابل مذمت عمل ہے۔ صحیح احادیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے شعر سماعت فرمایا اور حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو شعر کہنے کا حکم فرمایا۔ اور فرمایا:

اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لَحِکْمَةً. (بے شک کچھ اشعار حکمت پر محمول ہوتے ہیں)

(السنن الصغیر للبیہقی، کتاب الشہادات، باب من تجوز شہادتہ الخ رقم الحدیث: 3369، ج: 4 ص: 182، مطبوعہ: ایضا)

اور آپ نے ارشاد فرمایا:

لَا یَمْتَلِئُ جَوْفُ اَحَدِکُمْ قَیْحًا یَرِیْهِ خَیْرًا لَّهٗ مِنْ اَنْ یَّمْتَلِئَ شِعْرًا.

تم میں سے کسی کے پیٹ کا پیپ سے بھرا ہونا شعر سے بھرا ہونے سے اپنے لئے بہتر سمجھے۔

(سنن ابن ماجہ، ابواب الادب، باب ما کرہ من الشعر، الخ، رقم الحدیث: 3759، ج: 4 ص: 689، مطبوعہ: ایضا)

ہم نے اشعار سے متعلق جو بیان کیا ہے یہ سب احادیث اس کے مطابق ہیں۔ (الاذکار کی عبارت ختم ہوگئی۔)

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے اس عبارت پر اضافہ کیا ہے۔ اور وہ اضافہ یہ ہے کہ: "شرح المهذب" میں ذکر ہے کہ اشعار عرب کے ساتھ اشتغال مطلوب ہے اور اس کا امر وارد ہے کیونکہ اشعار عرب کے ساتھ قرآن

احادیث کے معانی کی معرفت حاصل کی جاتی ہے اور شریعت کی حفاظت کی جاتی ہے۔اور "کتاب الروضۃ" میں ہے مولدین کے وہ اشعار مکروہ ہیں جو تغزل و بطالت پر مشتمل ہیں۔اور اشعار کا وہ حصہ مباح ہے جس میں بیہودگی اور ایسی چیز نہیں پائی جاتی جو مکروہ ہیں اور وہ کسی شر کا باعث نہیں ہے۔

صاحب روضہ فرماتے ہیں: اس میں میری تحقیق یہ ہے کہ مولدین کے اشعار معانی، بیان، مبدیع میں بطور استشہاد کے ذکر کیے جاتے ہیں چنانچہ علماء نے اس استشہاد کی تصریح فرمائی ہے۔اور معانی، بیان، بدیع علوم واجبہ میں سے ہیں کہ ان کی بدولت قرآن پاک کے غرائب معلوم ہوتے ہیں اور اعجاز قرآن کا ادراک کیا جاتا ہے لہٰذا اس حیثیت مولدین کے اشعار اشعار عرب کے مرتبہ میں ہونے چاہیے۔

انشاء اشعار کا حکم

اشعار جب تک غیر کافر یا غیر فاسق کی ہجو پر مشتمل نہیں ان کا انشاء مباح ہے ورنہ حرام ہے، اگرچہ وہ صداقت پر مشتمل کیوں نہ ہوں انشاءِ اشعار حرام یا مباح ہونے میں غیبت کی طرح ہے اور غیر معین میں تشبیب (محبوبہ کے اوصاف ومحاسن بیان کرنا) مباح ہے۔اور کسی معین لڑکے اور عورت میں فسق ہے اور اپنی بیوی کے بارے کسی ایسی چیز کے ساتھ تشبیب کہنا مروت کے خلاف ہے جس کا اخفاء مناسب ہوتا ہے۔اور صحیح قول کے مطابق مدح میں مبالغہ اور برانگیختی کو کذب کے ساتھ نہیں ملایا جائے گا۔کیونکہ کاذب کذب کے سچ ہونے کا وہم ڈالتا ہے برخلاف شاعر کے وہ ایسی کسی اہم میں مبتلاء نہیں کرتا۔خلاصہ یہ کہ شعر کا پڑھنا اور شعر کو منظوم کرنا مباح ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ شعر سے استشہاد فرماتے تھے اور شعر سنتے تھے۔(انتہیٰ)

بغیر کسی ضرورت کے قبیح امور کو صریح عبارت کے ساتھ تعبیر کرنا مکروہ ہے

32......اس مسئلہ سے متعلق "الاذکار" میں ایک ضروری قید ہے اور "الاذکار" کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے اور ممنوع امور میں سے فحش اور زبان کی بیہودگی پائی جاتی ہے ان ممنوع کے ہونے پر بہت سی احادیث صحیحہ معروفہ وارد ہیں۔اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ قبیح امور کو صریح عبارت کے ساتھ تعبیر کرنا ممنوع ہے خواہ وہ عبارت اپنی جگہ صحیح ہو اور اس کا تکلم کرنے والا سچ کہتا ہو۔اور اس قسم کا معاملہ جماع وغیرہ الفاظ میں کثرت کے ساتھ واقع ہوتا ہے اس لئے مناسب ہے کہ جماع کا رفث (بری بات) افضاء (فضول) اور مس (چھونا) وغیرہ الفاظ کے ساتھ کنایہ کیا جائے جیسا کہ قرآن وسنت میں اس طرح کا کنایہ ہے۔نیک، اور جماع وغیرہ الفاظ کے ساتھ تصریح نہ کی جائے اور اسی طرح بول وبراز وغیرہ کا قضاء حاجت اور خلاء وغیرہ سے کنایہ کرنا چاہیے۔اور اسی طرح بضع وغیرہ کو کسی ایسی خوبصورت عبارت کے ساتھ تعبیر کیا جائے جس سے مقصد سمجھا جاسکے یہ حکم اسی صورت میں ہے کہ جب تصریح کی

ضرورت نہ پڑے۔اور اگر سامع غبی ہے اور اس کے سامنے بطور کنایہ کسی چیز کا تذکرہ کیا جائے تو وہ اپنی رعانت کی وجہ سے مراد نہیں سمجھ سکے گا تو پھر اس مجبوری کے تحت تصریح کرنے میں کوئی کراہیت نہیں اور اس طرح کی چیزوں کی احادیث میں جو تصریح ہے اس کو اسی مجبوری پر محمول کیا جائے گا۔کیونکہ دوسروں کو کوئی بات سمجھانا الفاظ میں مجرد ادب کی رعایت سے اولیٰ ہے۔("الاذکار" کی عبارت ختم ہوگئی)

مذکورہ بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ پر لازم تھا کہ وہ بغیر کسی حاجت کی قید کا تذکرہ کرتے حدیث حسن میں ہے:

لَیْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَانِ (ای فی الانساب) وَ اللِّعَانِ وَ لاَ الْفَاحِشِ وَ لاَ الْبَذِیِّ.

مومن (انساب میں) کثرت سے طعن کرنے والا،اور کثرت کے ساتھ لعنت بھیجنے والا اور فحش گو اور بدزبان نہیں ہوتا۔

اور حدیث حسن میں ہی ہے:

مَا کَانَ الْفُحْشُ فِیْ شَیْءٍ اِلاَّ شَانَهُ وَ مَا کَانَ الْحَیَاءُ فِیْ شَیْءٍ اِلاَّ زَانَهُ.

جس چیز میں فحاشی پائی جاتی ہے تو وہ اس کو عیب ناک بنادیتی ہے اور جس چیز میں حیاء پائی جاتی ہے تو وہ اس کو زینت بخشتی ہے۔

(سنن ترمذی،ابواب البر والصلۃ،باب ماجاء فی الفحش الخ رقم الحدیث:1974،ج:4،ص:350،مطبوعہ:ایضا)

اس کے بعد میں نے امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کی عبارت دیکھی کہ اس میں مذکورہ قید کی صراحت موجود ہے اور وہ عبارت یہ ہے: اور فحش اور بذاء مکروہ ہے۔اور اس سے مراد قبیح امور کو صریح عبارت کے ساتھ تعبیر کرنا ہے ایسے امور کو صریح عبارت کی بجائے کنایہ کے ساتھ تعبیر کیا جانا چاہیے پس جماع کو افضاء اور مباشرت وغیرہ الفاظ کے ساتھ تعبیر کیا جائے قبیح امور کی جب تک تصریح کی ضرورت نہ پڑے تو ان کو کنایہ کے ساتھ تعبیر کرنا چاہیے مثلاً مخاطب کے بارے میں یہ ڈر ہے کہ وہ ان کا مجازی مطلب سمجھ لے گا تو (اس صورت میں صریح عبارت کے ساتھ تعبیر کرنے میں کوئی کراہت نہ ہوگی)۔(امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کی عبارت ختم ہوگی)

33......الاذکار کے کلام کا خلاصہ یہ ہے: انسان جو کچھ نقل کرتا ہے اس میں تثبت ہونا چاہیے اور جو کچھ سنتا ہے جب تک اس کی صحت کا ظن نہ ہو اس کو آگے بیان نہیں کرنا چاہیے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ لاَ تَقْفُ مَا لَیْسَ لَکَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَ الْفُؤَادَ کُلُّ اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلاً.

(سورۃ الاسراء،آیت:36)

اور اس بات کے پیچھے نہ پڑ،جس کا تجھے علم نہیں۔ (کنزالایمان)

اس بارے میں بہت ساری آیات واحادیث ہیں۔ مسلم شریف کی حدیث ہے کہ:

كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا اَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَاسَمِعَ.

ہر سنی چیز کو بیان کرنا انسان کے جھوٹ ہونے کے لئے کافی ہے۔

(صحیح مسلم، مقدمہ، باب النھی عن الحدیث الخ، ج1، ص10، مطبوعہ ایضا)

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ:

بِئْسَ مَطِيَّةُ الرَّجُلِ زَعَمُوْا. (انسان کی بری سواری زعموا ہے۔)

(سنن ابی داود، کتاب الادب، باب فی قول الرجل الخ، رقم الحدیث: 4972، ج4، ص294، مطبوعہ ایضا)

یعنی یہ کہنا کہ لوگوں کا یہ گمان ہے۔

اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے علامہ خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کی اصل یہ ہے جب کوئی آدمی کسی شہر کی طرف سفر کرنا چاہتا ہے تو وہ سواری پر سوار ہو کر اس کی طرف جاتا ہے تاکہ وہ اپنے مقصد تک رسائی حاصل کر سکے۔ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے معاملے کو جو اپنی گفتگو کے ذریعہ اپنے مقصد تک رسائی حاصل کرنا چاہتا ہے تشبیہ دی ہے۔ آپ نے زعموا کو سواری کے ساتھ تشبیہ دی ہے کہ جس طرح سفر میں سواری کے ذریعہ مقصد تک پہنچا جاتا ہے اس طرح گفتگو میں زعموا کے ساتھ مقصد تک پہنچا جاتا ہے۔ زعموا (لوگوں کا خیال ہے) اس بات میں استعمال کیا جاتا ہے جو متکلم اور پکی نہیں ہوتی بلکہ اس کو ابلاغ کے طور پر نقل کیا جاتا ہے۔ لہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم سے تعلق رکھنے والی بات کی مذمت فرمائی ہے اور حکم دیا کہ انسان جس چیز کو نقل کرتا ہے تو اس میں اس کو پورا وثوق اور تثبت ہونا چاہیے تاکہ وہ کہیں ایسی چیز کی طرف مائل نہ ہو جائے جسے نقل نہیں کیا جانا چاہیے تھا۔

(خطابی رحمہ اللہ کا کلام مکمل ہو گیا۔)

تعریض اور توریہ کا حکم

34.....تعریض اور توریہ کو مطلقاً مکروہ قرار دینا باعثِ تعجب ہے، حالانکہ اس کے متعلق "الاذکار" میں تفصیل ہے "الاذکار" کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے:

"باب تعریض وتوریہ کے بارے میں جاننا چاہیے کہ یہ باب زیادہ اہمیت کا حامل ہے، کیونکہ تعریض وتوریہ میں عموم بلویٰ پایا جاتا ہے یعنی ہر انسان کا اس کے ساتھ سابقہ پڑتا رہتا ہے پس ہر ایک کو اس کی تحقیق اور اس میں غور وفکر اور اس پر عمل کے متعلق توجہ دینی چاہیے کیونکہ جھوٹ کے عظیم گناہ اور خطرہ سے سلامتی کا یہی راستہ ہے۔ تعریض اور توریہ کا مطلب یہ ہے کہ ایک لفظ کے دو معنی ہیں ایک ظاہر اور ایک خفی لفظ بولنے والا اس کا خفی معنی مراد لے رہا ہوتا ہے اور یہ

فریب اور دھوکہ کی ایک قسم ہے۔''

علماء کرام فرماتے ہیں اگر تعریض کے اختیار کرنے میں کوئی شرعی مصلحت پائی جاتی ہے یا کوئی ایسی مجبوری ہے جس سے سوائے جھوٹ کے چھٹکارا نہیں ہوسکتا تو ایسی صورت میں تعریض کے اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں اور اگر اس طرح کی کوئی مصلحت نہیں پائی جاتی تو تعریض مکروہ ہے اور اگر تعریض کے ذریعہ کسی باطل کے حصول یا کسی حق کے رفع تک رسائی پانا مقصود ہو تو پھر تعریض حرام ہوگی۔ اور وہ آثار جو تعریض کی اباحت یا اس کی حرمت پر وارد ہیں وہ اسی مذکورہ تفصیل پر محمول ہیں۔ تعریض کی ممنوعیت پر دلالت کرنے والے آثار میں سے ایک ابوداؤد کی وہ حدیث ہے جو سند ضعیف کے ساتھ مروی ہے لیکن امام ابوداؤد نے اسے ضعیف قرار نہیں دیا، لہٰذا ان کے نزدیک یہ حسن ہوگی، کیونکہ انہوں نے یہ قاعدہ بنایا ہے جس حدیث کے متعلق وہ سکوت اختیار کریں گے تو وہ ان کے نزدیک حسن ہوگی اور وہ حدیث یہ ہے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

كَبُرَتْ خِيَانَةً أَنْ تُحَدِّثَ أَخَاكَ حَدِيثًا هُوَ لَكَ بِهِ مُصَدِّقٌ وَ أَنْتَ بِهِ كَاذِبٌ .

بڑی خیانت یہ ہے کہ تم اپنے بھائی سے ایسی بات بیان کرو کہ وہ اس میں تمہاری تصدیق کرنے والا ہو اور تم اس کے ساتھ جھوٹ بولنے والے ہو۔

(سنن ابی داود، کتاب الادب، باب فی المعارض، رقم الحدیث: 4971، ج:4 ص:293 مطبوعہ: ایضا)

ابن سیرین رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ:

''ظریف الطبع انسان کے جھوٹ بولنے سے کلام زیادہ وسیع ہے یعنی کلام میں بہت زیادہ وسعت ہے ظریف انسان کو جھوٹ بولنے کی بجائے کلام کی وسعت سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔''

مباح تعریض کی مثال

امام نخعی رضی اللہ عنہ کا وہ قول ہے کہ جس میں وہ فرماتے ہیں جب کسی شخص تک تمہاری کی ہوئی بات پہنچے تو تم اسے کہو اَللّٰهُمَّ تَعْلَمُ مَا قُلْتُ مِنْ شَيْءٍ (اے اللہ جو بات میں نے کی ہے تو اسے جانتا ہے) تو سننے والا لفظ ''ما'' کو نافیہ خیال کرے گا اور تمہاری مراد ماموصولہ ہوگی۔ اور فرماتے ہیں کوئی شخص اپنے چھوٹے بچے کو یہ نہ کہے میں تیرے لئے گڑ خریدوں گا بلکہ اس کی بجائے یہ کہے تیری کیا رائے ہوتی اگر میں تیرے لئے گڑ خریدتا تو؟

امام نخعی رحمہ اللہ کو کوئی تلاش کرتا تو آپ اپنی لونڈی سے فرماتے کہ تلاش کرنے والے کو یہ کہو کہ ان کو مسجد میں تلاش کرو یا کہو وہ گھر سے نکلے تھے یعنی اس وقت کے علاوہ کسی وقت نکلے تھے۔ اور حضرت شعبی رحمہ اللہ ایک دائرہ کھینچ کر اپنی لونڈی کو فرماتے ہیں کہ اس میں اپنی انگلی رکھ کر تلاش کرنے والے کو کہو وہ یہاں (دائرہ میں) نہیں ہیں۔

اسی طرح بعض علماء کے بارے میں منقول ہے کہ ان کو کھانے کی دعوت دی جاتی تو وہ کہتے میں نے نیت کی ہوئی ہے ان کی مراد نہ کھانے کی نیت ہوتی تھی اور سننے والا خیال کرتا کہ وہ روزہ دار ہیں۔

محلف غیر قاضی ہونے کی صورت توریہ نافع ہے

اور توریہ قسم میں حانث ہونے اور یمین غموس کے گناہ سے بچاتی ہے۔لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ حلف لینے والا قاضی نہ ہو اور حلف طلاق وغیرہ کی مثل سے متعلق نہ ہو۔اگر دعوے صحیحہ کے بعد حلف لینے والا قاضی ہے یا طلاق وغیرہ کی مثل حلف لیا جا رہا ہے تو توریہ کا استعمال حانث ہونے اور یمین غموس کے گناہ سے نہیں بچائے گا۔

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وہ کلمات جو لوگوں کی عادات بن چکے ہیں مثلاً کہا جاتا ہے میں نے تمہیں سو مرتبہ کہا ہے یا میں تمہارے پاس سو مرتبہ آچکا ہوں یہ موجب فسق جھوٹ نہیں۔کیونکہ ان سے مراد تفہیم مبالغہ ہوتا ہے، تفہیم مرات مراد نہیں ہوتا۔اگر ایسی صورت میں طلب ایک ہی بار پائی گئی ہے تو وہ جھوٹا ہوگا اور اگر طلب کئی مرتبہ پائی گئی ہے اور عام طور پر اتنی کثرت معتاد نہیں ہوتی ہے تو وہ ایسا کہنے سے گنہگار نہ ہوگا۔اور اگر وہ سو بار تک نہیں پہنچا بلکہ دونوں کے درمیان کئی درجات کا فرق ہے تو مبالغہ کرنے والے نے مبالغہ میں کذب کا تعرض کیا ہے۔

مبالغہ کے جواز اور مبالغہ کرنے والے کو جھوٹا قرار نہ دینے کی دلیل صحیحین کی یہ حدیث ہے:

وَ اَمَّا اَبُوْ جَهْمٍ فَلَا يَضَعُ الْعَصَا عَنْ عَاتِقِهٖ وَ اَمَّا مُعَاوِيَةُ فَصَعْلُوْكٌ لَا مَالَ لَهٗ.

ابو جہم اپنے کندھے سے عصا نہیں اتارتا اور معاویہ فقیر انسان ہے جس کے پاس کوئی مال نہیں۔

(صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب المطلقۃ ثلاثا لا نفقۃ لہا، رقم الحدیث: 1480، ج: 2 ص: 1114، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت)

حالانکہ حضرت معاویہ کے پاس کپڑے تھے جن کو وہ استعمال کرتے تھے اور ابو جہم نیند وغیرہ کے وقت اپنی لاٹھی کندھے سے اتارتے تھے۔(یہ "الاذکار" کے کلام کا خلاصہ تھا)

گویا امام جلال الدین رحمہ اللہ نے توریہ پر کراہیت کے اطلاق میں حضرت امام نووی رحمہ اللہ کے قول پر اعتماد کیا ہے۔

(مصنف فرماتے ہیں)"الاذکار" میں توریہ کے جواز پر جو دلیل دی گئی ہے وہ حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ کی بیان کردہ تفصیل کے منافی نہیں، بلکہ یہ امام غزالی علیہ الرحمہ کی دلیل بنتی ہے۔کیونکہ اس حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے اسی امر کا مبالغہ فرمایا ہے جس امر کا فعل دونوں صحابہ میں غالب تھا یعنی ابو جہم پر مار پیٹ کا فعل غالب تھا جس کو کندھے سے عصا نہ اتارنے کے ساتھ کنایہ کیا گیا ہے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر فقر غالب تھا۔اس لئے ابو جہم پر کندھے سے عصا نہ اتارنے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر فقیر ہونے کا اطلاق مبالغہ کے طور پر فرمایا ہے اور یہ بعینہٖ حضرت امام غزالی رحمہ اللہ کے اس قول کی دلیل ہے کہ مبالغہ اسی امر میں جائز ہے جو غالب ہے، اور آدمی ایک بار کسی کے

پاس گیا ہو اور کہے میں تیرے پاس سو بار آ چکا ہوں تو یہ مبالغہ نہیں بلکہ یہ محض کذب ہے، پس اسی سے امام غزالی رحمہ اللہ کی تفصیل واضح ہوگئی۔

البتہ امام نووی رحمہ اللہ کا اپنے کلام کے آخر میں دلیل بیان کرنا اور امام جلال الدین سیوطی کا مبالغہ پر کراہیت کا اطلاق کرنا غیر محل ہے اس میں غور کیجئے یہ بڑی اہم چیز ہے۔

35 یہ تمام مسائل صحیح ہیں، لیکن خطبہ کی حالت میں ذکر یا قرأت کی کراہیت کے متعلق الاذکار میں یہ قید ہے کہ خطبہ کی حالت میں اگر وہ خطیب کو سن رہا ہے اور اس کی بات سمجھ رہا ہے تو ذکر یا قرأت میں مشغول ہونا مکروہ ہے اور ہمارے اصحاب نے بھی اس قید کی تصریح فرمائی ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں جو خطبہ سن نہیں پارہا تو اس کے لئے قرأۃ اور ذکر میں مشغول ہونا مسنون ہے، باقی تمام مسائل واضح ہیں، سوائے آخری مسئلہ کے یعنی اذان کی حالت میں کلام اذان کے سننے اور اس کے جواب دینے میں مانع نہ ہو تو بھی مکروہ ہے اس مسئلہ میں کراہیت کے قائل کی مراد خلاف اولیٰ وخلاف اکمل ہے۔ اذان کی طرف متوجہ ہونا اولیٰ واکمل ہے کیونکہ یہ امر ظہور اسلام اور اس کے سبب ہم پر ہونے والے احسان کی تکمیل کی یاد تازہ کرواتا ہے۔ اس مسئلہ کے علاوہ دیگر مسائل پر امام نووی رحمہ اللہ نے کچھ دلائل ذکر کئے ہیں جو درج ذیل ہیں شیخین نے روایت کیا ہے کہ:

لَا یَقُوْمَنَّ اَحَدُکُمْ نَسِیْتُ آیَۃَ کَذَا وَ کَذَا بَلْ اُنْسِی.

تم میں سے کوئی یہ نہ کہے کہ میں فلاں فلاں آیت بھول گیا ہوں بلکہ یہ کہے کہ میں بھلا دیا جاتا ہوں۔

(سنن ترمذی، ابواب القراءات، باب من سورۃ الحج، رقم الحدیث 2942، ج 5، ص 193)

اور شیخین نے ہی روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو تلاوت کرتے سنا تو آپ نے فرمایا:

رَحِمَہُ اللّٰہُ لَقَدْ اَذْکَرَنِیْ آیَۃً کُنْتُ اَسْقَطْتُھَا.

(مسند احمد، مسند النساء، مسند الصدیقۃ عائشۃ بنت الصدیق الخ، رقم الحدیث: 24336، ج: 40، ص: 392، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے کہ اس نے مجھے وہ آیت یاد دلادی جسے میں ساقط کر چکا تھا۔

اور ایک صحیح روایت میں یہ الفاظ مروی ہیں کہ: انسیتھا کہ اس نے مجھے وہ آیت یاد دلادی جو مجھے بھلا دی گئی تھی۔

مسلمان مُردوں کی برائی کرنے والے کا حکم

اور امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ:

لَا تَسُبُّوا الْاَمْوَاتَ فَاِنَّھُمْ قَدْ اَفْضَوْا اِلٰی مَا قَدَّمُوْا.

مُردوں کی برائی نہ کرو کہ وہ اپنے انجام تک پہنچ چکے ہیں۔

(صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب ما ینہی من سب الاموات، رقم الحدیث 1393، ج 2، ص 104، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

اور ایک ضعیف حدیث میں ہے کہ: اُذْکُرُوْا مَحَاسِنَ مَوْتَاکُمْ وَ کُفُّوْا عَنْ مَسَاوِیْهِمْ. (اپنے مُردوں کی اچھائیوں کا تذکرہ کرو اور ان کی برائیوں کے تذکرہ سے بچو۔)

علماء فرماتے ہیں: جو مسلمان مُردہ اپنی زندگی میں اعلانیہ فسق کا مرتکب نہیں تھا تو اسکی برائی کرنا حرام ہے، لیکن کافر اور برملا فسق یا بدعت کے مرتکب مسلمان کے بارے میں نصوص کے تعارض کی وجہ سے سلف میں اختلاف ہے۔

مثلاً مذکورہ احادیث میں مُردوں کو برا کہنے کی نہی ہے اور حضور ﷺ نے عمرو بن لحی وغیرہ کفار کو بُرا فرمایا ہے اور ایک جنازہ آپ کے قریب سے گزرا تو لوگوں نے اس کے شر کا تذکرہ فرمایا تو آپ نے انہیں منع نہیں فرمایا، (ان نصوص کے تعارض کے سبب سلف میں اختلاف ہے) لیکن اصح یہی ہے کہ کفار کی برائیوں کا تذکرہ جائز ہے۔ اور ایسے ہی اعلانیہ فسق یا بدعت کے مرتکب لوگوں کی برائیوں کے تذکرہ میں اگر ان کے شر سے ڈرانے کی مصلحت پائی جاتی ہے تو ان کی برائیوں کا تذکرہ جائز ہے ورنہ نہیں۔

کھانے میں نقص نکالنے کا حکم

شیخین نے ہی روایت کیا ہے کہ:

مَا عَابَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ طَعَامًا قَطُّ فَاِنِ اشْتَهَاهُ اَکَلَهٗ وَ اِنْ کَرِهَهٗ تَرَکَهٗ.

رسول اللہ ﷺ نے کبھی کسی کھانے میں نقص نہیں نکالا، اگر اسے پسند فرماتے تو تناول فرماتے اور اگر ناپسند فرماتے تو چھوڑ دیتے تھے۔

(صحیح مسلم، کتاب الاشربۃ، باب لایعیب الطعام، رقم الحدیث: 2064، ج: 3ص: 1632، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اور مسلم شریف کی روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ:

وَ اِنْ لَّمْ یَشْتَهِهٗ سَکَتَ۔ (اگر کھانے کو پسند نہ فرماتے تو خاموش ہو جاتے۔)

(صحیح مسلم، کتاب الاشربۃ، باب لایعیب الطعام، رقم الحدیث: 2064، ج: 3ص: 1632، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے کہ:

ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ کچھ کھانے ایسے ہیں، جن سے میں پرہیز کرتا ہوں؟ (اس میں آپ کا کیا حکم ہے) تو آپ ﷺ نے فرمایا ان کے بارے میں شک میں نہ پڑنا ورنہ تم نصاریٰ کی مشابہت اختیار کرنے والے بن جاؤ گے۔

(سنن ابی داؤد، کتاب الاطعمۃ، باب فی کراہیۃ التقذر للطعام، رقم الحدیث: 3784، ج: 3ص: 351، مطبوعہ مکتبۃ العصریۃ، بیروت)

یعنی مجرد تخیل فاسد کی بنیاد پر طعام ترک کرنے میں نصاریٰ کی طرح بن جاؤ گے کہ وہ تخیلاتِ فاسدہ اور توہماتِ باطلہ کی وجہ سے بعض کھانے ترک کرتے ہیں، البتہ کسی ضرورت کے پیش نظر مجھے کھانے کی طلب نہیں یا اس طعام کے

کھانے کا میں عادی نہیں ہوں کہنا جائز ہے۔

شیخین نے روایت کیا ہے کہ:

''گوہ بھون کر رسول اللہ ﷺ کے سامنے رکھی گئی تو آپ نے اس کی طرف دست اقدس بڑھایا تھا کہ آپ کو بتایا گیا کہ یہ گوہ ہے تو آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ مبارک اٹھا لیا۔ آپ سے عرض کی گئی کہ یارسول اللہ کیا یہ حرام ہے؟ تو آپ نے فرمایا حرام نہیں، لیکن میری قوم کے علاقہ میں یہ نہیں پائی جاتی اس لئے میں اس سے بچنا چاہتا ہوں''۔

کھانے والا جس طعام کو تناول کر رہا ہے اس کی مدح کرنی چاہیے اس کی دلیل مسلم کی یہ حدیث ہے کہ:

رسول اللہ ﷺ نے اپنے گھر والوں سے سالن طلب فرمایا تو انہوں نے عرض کی یارسول اللہ ہمارے پاس سوائے سرکہ کے کوئی سالن نہیں تو آپ نے سرکہ طلب فرمایا اور اس کے ساتھ کھانا تناول فرمانے لگے اور فرمانے لگے:

نِعْمَ الْاِدَامُ الْخَلُّ نِعْمَ الْاِدَامُ الْخَلُّ . (سرکہ اچھا سالن ہے سرکہ اچھا سالن ہے)

(صحیح مسلم، کتاب الاشربۃ، باب فضیلۃ الخل والتادم الخ رقم الحدیث: 2052، ج:3 ص:1622 مطبوعہ ایضا)

والدین کے ادب کا حکم

ابن السنی نے روایت کیا ہے کہ:

رسول اللہ ﷺ نے ایک کو دیکھا اس کے ساتھ اس کا بچہ بھی ہے آپ نے اس بچے سے پوچھا یہ کون ہے؟ اس نے کہا میرا باپ ہے۔ تو آپ نے اس بچے سے فرمایا اپنے باپ کے آگے آگے نہ چلنا اور اپنے باپ کے لئے گالیوں کا سبب نہ بننا یعنی برا کام نہ کرنا کہ جس کی وجہ سے تم اپنے باپ کو گالیاں دلانے کا سبب بن جاؤ گے۔ اور اپنے باپ سے پہلے نہ بیٹھنا اور اسے اسکے نام کے ساتھ نہ پکارنا۔

(شعب الایمان للبیہقی، برالوالدین، حدیث جریج العابد الخ، رقم الحدیث: 7511، ج:10 ص:292، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد، ہند)

بعض سلف کو جن کی مصالحیت پر اتفاق ہے انہوں نے فرمایا ہے کہ:

''اولاد کا اپنے والد کو اس کے نام سے پکارنا اور راستے میں اس کے آگے آگے چلنا عقوقِ والدین میں سے ہے۔''

امام بخاری علیہ الرحمۃ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ:

حَدِّثُوا النَّاسَ بِمَا یَعْرِفُوْنَ اَتُحِبُّوْنَ اَنْ یُّکَذَّبَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ.

لوگوں سے وہی چیز بیان کرو جس کی وہ معرفت رکھتے ہیں (اور جسکی وہ معرفت نہیں رکھتے اس

کو بیان کر کے) کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کی جائے۔؟
(صحیح بخاری، کتاب العلم، باب من خص بالعلم الخ رقم الحدیث: 127، ج: 1 ص: 37 مطبوعہ: ایضا)

طول جماعت

شیخین نے روایت کیا ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے نماز کی جماعت طویل کی تو حضور ﷺ نے ان سے فرمایا: اَفَتَّانٌ اَنْتَ یَا مَعَاذُ. (اے معاذ کیا تم فتنہ میں مبتلا کرنے والے ہو؟)
(صحیح بخاری، کتاب الادب، باب من لم یر اکفار الخ رقم الحدیث: 6106، ج: 8 ص: 26 مطبوعہ: ایضا)

بعض اسماء کے ساتھ تسمیہ کی نہی

امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنے بچے کا نام یسار (آسانی) رباح (فائدہ) نجاح (کامیابی) افلح (کامیاب) نہ رکھو کیونکہ جب تم اسکے متعلق پوچھو گے کہ کیا وہ یہاں ہے تو وہ نہیں ہوا تو جواب دیا جائے گا کہ نہیں ہے۔
(صحیح مسلم، کتاب الاداب، باب کراہیۃ التسمیۃ الخ، رقم الحدیث: 2137، ج: 3 ص: 1685 مطبوعہ: ایضا)

اور ابوداؤد رحمہ اللہ کی ایک روایت میں برکت نام رکھنے کی نہی ہے۔ فاسق اور مبتدع وغیرہ کو سلام دینے سے متعلق مسائل فقہ کی کتب میں دلائل کے ساتھ مفصل بیان ہیں اس لئے ہم ان کو یہاں ذکر نہیں کرتے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

دنیا میں اللہ تعالیٰ کی زیارت

سوال ..... ایک شخص کا عقیدہ ہے کہ وہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی زیارت سے مشرف ہوا ہے۔ اور اس نے دنیا میں بیداری کی حالت میں اپنی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا ہے۔ کیا ایسا کہنا جائز ہے جیسا کہ ایک جماعت نے فرمایا ہے کہ مختار قول یہ ہے کہ دنیا میں بیداری کی حالت میں آنکھ کے ساتھ اور نیند کی حالت میں قلب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا دیدار ممکن ہے اگر چہ مختار قول کے مطابق اس کو وقوع نہیں ہوا ہے۔ لہٰذا اس قول کے مطابق ہمارے نبی کریم ﷺ کے علاوہ دوسروں کے لئے بھی اس کا جواز ثابت ہے باوجودیکہ نبی کریم کے لئے اس کے وقوع میں اختلاف کثیر ہے۔ یا اس شخص کا ایسا کہنا حرام ہے کیونکہ اس کا وقوع صرف نبی کریم ﷺ کے لئے ہی ہوا ہے باوجودیکہ اس میں بھی اختلاف ہے۔ لہٰذا حضور ﷺ کے علاوہ کسی دوسرے کے لئے کیسے واقع ہوگا۔ یا مذکورہ شخص اپنے اس عقیدہ کی بناء پر کفر کا مرتکب ہو رہا ہے؟ جیسا کہ علامہ نے اسی سورہ نجم کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

چنانچہ علامہ نے اسی بیداری کی حالت میں آنکھ کے ساتھ رؤیت باری تعالیٰ کے وقوع میں اختلاف ذکر کرنے

کے بعد فرماتے ہیں

''اس دنیا میں آنکھ کے ساتھ رؤیت باری تعالیٰ کا عقیدہ رکھنے والا شخص غیر مسلم ہے۔کیا علامہ
کو اسی کا یہ کلام قواعد شریعت کے مطابق ہے یا کہ نہیں۔''؟

جواب..... اس مسئلہ کے متعلق گفتگو دو حصوں پر مشتمل ہے۔

1.....رؤیت باری تعالیٰ کا عقلی طور پر امکان۔

اہل السنۃ کا مذہب یہ ہے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رؤیت عقلاً وشرعاً ممکن ہے، اس پر انہوں نے امور عقلیہ اور امور نقلیہ سے استدلال فرمایا ہے لیکن دلائل عقلیہ خفاء اور اشکال سے خالی نہیں اس لئے امکان رؤیت کا مدار ادلہ نقلیہ ہی ہیں ان میں سے چند دلیلیں یہ ہیں:

2.....حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اپنے اس قول کے ساتھ رؤیت کا سوال کیا ہے:

رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْکَ . (سورۃ الاعراف،آیت:140)

ترجمہ:اے رب!میرے مجھے اپنا دیدار کروا کہ میں تجھے دیکھوں۔

اگر رؤیت ممکن نہ ہوتی اور خارج میں اس کا دعویٰ جائز نہ ہوتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ طلب اللہ تعالیٰ کی ذات پر جو چیزیں جائز اور جو چیزیں ناجائز ہیں ان سے ناواقفیت یا سفیہا یا عیب یا طلب محال بن جائے گی،حالانکہ انبیاء کرام علیہم السلام بالاجماع ان کے ہر فرد سے منزہ و پاک ہوتے ہیں۔بلکہ جو شخص ان میں سے کسی ایک چیز کو کسی ایک نبی کے لئے جائز قرار دے وہ کافر اور مباح الدم ہے اور اسی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے رؤیت کو استقرار جبل پر متعلق فرمایا ہے اور استقرار جبل فی نفسہ ممکن امر ہے پس ممکن کے ساتھ معلق کا اسی طرح ممکن ہونا واجب ہے کیونکہ محال اصلاً ممکن کے ساتھ معلق نہیں ہوسکتا۔

معتزلہ نے اس آیت کریمہ کی بہت ساری تاویلات کی ہیں جو ظاہر آیت کی مخالف ہیں حتیٰ کہ انہوں نے آیت کو اس کے ظاہر سے نکال کر اپنے فاسد اعتقاد کے موافق جو چیز ہے اس پر چسپاں کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے رؤیت باری تعالیٰ محال عقلی کی وہ قسم ہے جس کا دنیا وآخرت دونوں میں وقوع ممکن نہیں ہے۔ان کی ان تاویلات کی تفصیل اور ان کے رد کا محل کتب تفسیر اور اصول ہیں۔

(سنن الکبری للنسائی،کتاب النعوت،باب المعافاۃ والعقوبۃ،رقم الحدیث:7716،ج:7ص:165،مطبوعہ:مؤسسۃ الرسالۃ،بیروت)

3.....رؤیت باری تعالیٰ کا وقوع.....وقوع اور امکان دو مختلف امر ہیں لیکن سائل کے کلام سے دونوں کا ایک ہونا ثابت ہوتا ہے کیونکہ سائل نے جواز رؤیت پر علماء کی ایک جماعت کا قول نقل کیا ہے اور ان کے قول میں جواز بمعنی امکان عقلی وشرعی ہے،اور خود سائل وقوع رؤیت کے متعلق سوال کر رہا ہے۔حالانکہ امکان اور وقوع کے درمیان بہت

بڑا فرق ہے۔ اس کی مثال اس طرح ہے کہ عقلی طور پر پارے کے کسی ایسے سمندر کا وجود ممکن ہے کہ جس سے جسام جامدہ اور نامیہ، حساسیہ متحرک بالارادہ پیدا ہوں لیکن اس کا وقوع نہیں ہوا اور نہ ہی وہ اس کائنات کی چیز میں ظاہر ہوا ہے، پس اسی طرح اہل سنت کے نزدیک رؤیت باری تعالیٰ عقلی وشرعی لحاظ سے ممکن ہے لیکن اس جہاں میں ہمارے نبی اکرم ﷺ کے سوا کسی کے لئے اس کا وقوع نہیں ہوا ہے اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قول کے مطابق نبی کریم ﷺ کے لئے بھی اس کا وقوع نہیں ہوا ہے۔ لیکن جمہور اہل السنۃ کے نزدیک شب معراج آنکھ مبارک کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کے لئے اس کا وقوع ہوا ہے۔

مذکورہ تحقیق سے معلوم ہوا کہ کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ یہ دعویٰ کرے کہ اس نے اپنے سر کی آنکھ سے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا ہے اور جو ایسا کہتا ہے وہ کافر اور مباح الدم ہے۔ جیسا کہ ہمارے آئمہ میں سے صاحب نور الانوار نے اسکی تصریح کی ہے اور علماء کی ایک جماعت نے انکی اس تصریح کو نقل کر کے ثابت رکھا ہے۔ صاحب نور الانوار کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے:

> ''جو شخص یہ کہتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو آمنے سامنے دیکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ بالمشافہ گفتگو کرتا ہے تو وہ کافر ہے۔ اور میں نے اپنی کتاب (**الاعلام بما یقطع الاسلام**) میں اس عبارت کو نقل کیا ہے یہ نہایت نفیس وعمدہ کتاب ہے جس میں وہ تمام مکفرات جمع کئے گئے ہیں جن میں اتفاق یا اختلاف ہے۔''

(صحیح بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، باب الاقتداء بسنن الخ، رقم الحدیث: 7288، ج:9 ص:94 مطبوعہ: ایضا)

نور الانوار کی عبارت سے یہ وہم ہوتا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کو آمنے سامنے دیکھنے اور اس کے ساتھ بالمشافہ کلام کرنے کا دعویٰ کرتا ہے اس کے کفر کے لئے ان دونوں امور کا اجتماع شرط ہے حالانکہ ان دونوں کا اجتماع شرط نہیں بلکہ ان دونوں (آنکھ سے دیکھنے اور بالمشافہ کلام کرنے) میں سے ایک کا قائل بھی کافر ہے۔ عنقریب ان آیات واحادیث کا ذکر ہوگا جو اس پر دلالت کرتی ہیں لیکن عدم اشتراط کی صورت میں کفر کو جاننے والے پر یا اس کو جاہل پر محمول کرنا متعین ہوگا جو اپنی جہالت کی وجہ سے کوتاہی کرنے والا ہے کہ اس نے رؤیت بالعین کے دعوے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لئے وجودِ جسم اور لازم جسم یعنی حدوث کا اعتقاد کیا ہے یا اس چیز کا اعتقاد کیا ہے جو حدوث کے لئے مستلزم ہے۔ مثلاً صورت اور رنگ وغیرہ اور یہی اس کے کفر کی وجہ ہے۔ کیونکہ اس طرح وہ قدمِ حق اور کمال حق کا معتقد نہیں رہا۔ **تعالی اللہ عن ذالک علوا کبیرا**۔

اور وہ شخص جو ان مذکورہ چیزوں کے انضمام سے منزہ وپاک رؤیت بالعین کا معتقد ہے تو مجرد رؤیت کی وجہ سے اس کے کفر کا حکم ثابت نہیں ہوگا۔ ہمارے مذہب میں فرقہ تجوید اور فرقہ مجسمہ کا عدم کفر منقول ومعتمد ہے۔ البتہ اگر وہ

حدوث اور مستلزم حدوث کا اعتقاد رکھیں تو کافر ہوں گے۔ اور ان کے مذہب کے لازم کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ اصول میں اصح یہ ہے کہ لازم مذہب مذہب نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے کہ کوئی شخص ملزوم کا اعتقاد رکھتا ہو اور لازم کا اعتقاد نہ رکھتا ہو، اسی لئے ہم نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص لازم جسمیت کے اعتقاد کی تصریح کرتا ہے تو وہ کافر ہے۔

علامہ الاذرعی وغیرہ نے فرمایا ہے کہ فرقہ مجسمہ کی عدم تکفیر مشہور ہے اگر چہ وہ اجسام کی طرح جسم کے قائل ہیں کیونکہ وہ اس کے باوجود لوازم اجسام کا اعتقاد نہیں رکھتے ہیں۔ جب فرقہ جہویہ اور فرقہ مجسمہ کے متعلق علماء کی یہ رائے ہے تو ایسے ہی رؤیت بالعین کے قائل کے متعلق بھی کہا جائے گا۔

اعتراض

رؤیت بالعین کے قائل اور ان دونوں فرقوں کے درمیان واضح فرق ہے کیونکہ کتاب وسنت میں ان دونوں فرقوں کے قول کی تصریح کرنے والی وہ نصوص وارد ہیں۔ جن کے ظاہر کی تاویل کرنے کی اللہ تعالیٰ نے اس امت کے سلف وخلف کو توفیق عطا فرما کر اس امت پر احسان فرمایا ہے۔ سلف وخلف میں صرف ان کی تفصیلی تاویل میں اختلاف ہے۔ سلف تفصیلی تاویل سے اجتناب کو اولیٰ قرار دیتے ہیں کیونکہ اُن کو اس کی ضرورت نہیں تھی کہ ان کا زمانہ فتنوں سے پاک تھا۔ اور خلف تفصیلی تاویل کو اولیٰ قرار دیتے ہیں بلکہ اس میں غور وخوض کو واجب قرار دیتے ہیں کیونکہ ان کا زمانہ فساد کا زمانہ تھا اور اس زمانے میں بدعتیوں کی کثرت اور ان کی شان وشوکت قوی اور ان کے شبہات کی ملمع کاری عروج پر تھی لیکن رؤیت بالعین کا دعویٰ کرنے والے کا معاملہ اور نوعیت کا ہے کہ رؤیت بالعین کا سوال کرنے والوں کے سوال کی ناپسندیدگی پر شدید دلائل قطعیہ وارد ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

وَاِذْ قُلْتُمْ یَا مُوْسٰی لَنْ نُّؤْمِنَ لَکَ حَتّٰی نَرَی اللّٰہَ جَھْرَۃً فَاَخَذَتْکُمُ الصّٰاعِقَۃُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۔ (سورۃ البقرہ، آیت: 55)

ترجمہ: جب تم نے کہا اے موسیٰ ہم ہرگز تمہارا یقین نہ لائیں گے جب تک علانیہ خدا کو نہ دیکھ لیں تو تمہیں کڑک نے آلیا اور تم دیکھ رہے تھے۔

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

یَسْئَلُکَ اَھْلُ الْکِتَابِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَیْھِمْ کِتَابًا مِّنَ السَّمَاءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰی اَکْبَرَ مِنْ ذٰلِکَ فَقَالُوْا اَرِنَا اللّٰہَ جَھْرَۃً فَاَخَذَتْھُمُ الصّٰاعِقَۃُ بِظُلْمِھِمْ.

(سورۃ النساء، آیت: 153)

ترجمہ: اے حبیب! اہل کتاب تم سے سوال کرتے ہیں کہ ان پر آسمان سے ایک کتاب اتار دو

تو وہ موسیٰ سے اس سے بھی بڑا سوال کر چکے کہ بولے ہمیں اللہ کو علانیہ دیکھا دو تو انہیں کڑک نے آلیا اُن کے گناہوں پر۔

وَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَ نَا لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْا عُتُوًّا كَبِيْرًا. (سورۃ الفرقان، آیت: 21)

ترجمہ: اور بولے وہ جو ہمارے ملنے کی امید نہیں رکھتے ہم پر فرشتے کیوں نہ اتارے یا ہم اپنے رب کو دیکھتے بے شک اپنے جی میں بہت ہی اونچی کھینچی اور بڑی سرکشی پر آئے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ:

وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ لَنْ تَرَوْا رَبَّكُمْ حَتّٰى تَمُوْتُوْا.

جان لو کہ تم اپنے رب کو نہیں دیکھ سکتے حتیٰ کہ تمہیں موت آجائے۔

(سنن ابن ماجہ، کتاب الادب، باب فضل الذکر الخ، رقم الحدیث: 3791، ج:2 ص:1235، مطبوعہ: ایضا)

لہٰذا اس صورت حال کے پیش نظر رؤیت بالعین کا قائل مطلقاً کافر ہونا چاہیے بخلاف فرقہ مجسمہ کے۔

جواب

آئمہ اور علماء امت وحفاظت ملت نے ان آیات اور احادیث کی جو تحقیق اور ان کے ظاہر کی جو تاویل کی ہے اس کے بعد ان کے ظاہر کا اعتقاد رکھنے میں کسی کے لئے بھی کوئی عذر باقی نہیں رہا اور جو اس کے باوجود ان کے ظاہر پر عمل کرے گا ایک قول کے مطابق وہ مطلقاً کافر ہو جائے گا۔ اور ایک قول کے مطابق اگر وہ اجسام کی طرح جسم کا قائل ہے تو کافر ہو جائے گا ورنہ نہیں۔ امام نووی رحمہ اللہ نے ایک مقام میں اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ لہٰذا اس صورت کے پیش نظر رؤیت بالعین کے مدعی میں مذکورہ تمام اختلافات کی مثل اختلافات ہونے چاہیے۔ اور اصح قول اس کے عدم کفر کا ہوگا۔ لیکن اگر اس کے ساتھ اگر وہ حدوث یا حدوث تک پہنچانے والی چیز کا اعتقاد بھی رکھتا ہے تو کافر ہو جائے گا۔ کیونکہ فرقہ مجسمہ اور ان کی مثل دیگر فرقوں کی تکفیر وعدم تکفیر میں نقص اور ملزوم نقص کے اعتقاد کا لحاظ ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ دار دنیا میں رؤیت بالعین کے قائل میں یہ دونوں (نقص وملزوم نقص کے اعتقاد) پائے جاتے ہیں لہٰذا جس طرح مجسمہ وغیرہ فرقوں میں اختلاف پایا جاتا ہے اسی طرح کا اختلاف یہاں بھی پایا جائے گا۔ کیونکہ یہاں کوئی قابل اعتبار فارق نہیں پایا جاتا۔ امام ربانی ابو القاسم القشیری رحمہ اللہ جو شیخ الکل فی الکل سے متعارف ہیں وہ اس بات کا یقین وجزم رکھتے ہیں کہ دنیا میں نبی اکرم ﷺ کے سوا کسی کے لئے رؤیت باری تعالیٰ کا وقوع جائز نہیں ہے اور بطور کرامت بھی کسی کے لئے جائز نہیں ہے اور امام قشیری رحمہ اللہ نے دعویٰ کیا ہے کہ تمام امت کا اس

پر اجماع ہے جب ساری امت کا اس کے امتناع وقوع پر اجماع ہے تو جو شخص اپنے لئے اس کا قائل ہوگا وہ اجماع کا مخالف ہوگا اور اس چیز کا مدعی ہوگا جس پر ہر نقص مرتب ہوتا ہے اسی لئے علماء ہماری بیان کردہ سابقہ قید کے ساتھ اس کے کفر کے قائل ہیں۔

سوال.....امام اشعری رحمہ اللہ کا ایک قول رویت بالعین کے وقوع کا ہے پس اس صورت میں اجماع کیسا ہوگا؟

جواب.....اگر اجماع ثابت ہو جائے تو امام اشعری رحمہ اللہ کے قول کا کوئی اعتبار نہ ہوگا اور اس قول کے قائل نے اپنے اس ظن کے تحت یہ قول کیا ہے کہ یہاں اجماع نہیں ہے اور اگر اجماع ثابت نہیں ہے تو تب بھی یہ قول نہایت ہی شاذ ہے لہٰذا اس کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔ اور اس قول کی موجودگی سابقہ شرط کے ساتھ رویت بالعین کے قائل کی تکفیر کی مانع نہ ہوگی۔

میلاد، اذکار اور نماز تراویح کے اجتماع میں جب تک کوئی شر وفساد پیدا نہ ہو مستحب ہے ورنہ ناجائز

سوال.....اُن محافل میلاد اور اذکار کا کیا حکم ہے جو اس زمانے میں بہت سارے لوگ منعقد کرتے ہیں؟ کیا وہ سنت یا مستحب یا بدعت ہیں؟ اگر آپ فرماتے ہیں کہ یہ مستحب ہیں تو کیا ان کی فضیلت پر سلف کا کوئی اثر یا کوئی حدیث وارد ہے؟ اور کیا بدعتِ مباح کے لئے اجتماع جائز ہے یا کہ نہیں؟ اور کیا جب ان محافل کے سبب یا نماز تراویح کے سبب خواتین اور اجنبی مردوں کے درمیان اختلاط اور اجتماع پیدا ہوتا ہو اور شرعی طور پر ناپسندیدہ لین دین اور باہمی گفتگو اور ایک دوسرے کے ساتھ انس بھی پیدا ہوتا ہو اور شریعت کا اصول ہے کہ جب مفسدہ راجح ہوگا تو مصلحت حرام ہوگی۔ اور نماز تراویح سنت ہے اور اس کے سبب مذکورہ اسباب پیدا ہوتے ہوں تو کیا لوگوں کو اس عمل سے روکا جائے یا یہ کہ کوئی ضرر رساں نہیں؟

جواب.....میلاد اور اذکار کی وہ محافل جن کو ہمارے ہاں لوگ منعقد کرتے ہیں ان کی اکثریت خیر پر مشتمل ہوتی ہے مثلاً صدقہ، ذکر اور حضور ﷺ پر صلوٰۃ وسلام اور آپ کی مدح پر مشتمل ہوتی ہے اور شر بلکہ شرور پر بھی مشتمل ہوتی ہیں ان میں اگر دیگر شرور نہ پائے جائیں تو خواتین کا اجنبی مردوں کو دیکھنے کا شر ضرور پایا جاتا ہے اور ان محافل میں سے بعض شر نہیں پایا جاتا لیکن ایسی محافل قلیل اور نادر ہوتی ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں پہلی قسم کی محافل ممنوع ہیں کہ مشہور ومسلم قاعدہ درء المفاسد مقدم علی جلب المصالح (مفاسد سے بچنا حصول مصالح پر مقدم ہے) کے تحت ان محافل کی پہلی قسم (جو شرور پر مشتمل ہوتی ہے) ممنوع ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص کسی شر کے وقوع کا علم رکھنے کے باوجود ان محافل کا انعقاد کرتا ہے تو وہ عاصی اور گناہگار ہوگا۔ بالفرض اگر وہ ان میں خیر کا عمل کرتا ہے تو تب بھی گناہ گار ہوگا کیونکہ بسا اوقات خیر شر کے مساوی نہیں ہوتا کیا ہم نہیں جانتے کہ حضور ﷺ نے خیر جتنا بھی میسر آئے اس کو کافی قرار دیا ہے

اور شر کی تمام انواع سے اجتناب کا حکم فرمایا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ فرماتے ہیں:

اِذَا اَمَرْتُكُمْ بِاَمْرٍ فَأْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَ اِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَاجْتَنِبُوْهُ.

جب میں تمہیں کسی امر کا حکم دوں تو اپنی طاقت کے مطابق اسے بجالاؤ اور جب میں تمہیں کسی چیز سے منع کروں تو اس سے اجتناب کرو۔

(صحیح مسلم، کتاب العلم، باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن الخ رقم الحدیث 2701، ج 4 ص 2075 مطبوعہ ایضا)

اس حدیث میں غور کرو گے تو جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے وہ تمہیں معلوم ہوگا کہ شر اگر قلیل ہے تو تب بھی اس کے ارتکاب کی رخصت نہیں اور خیر کی جتنی مقدار میسر ہو جائے کافی ہے۔ اور ان محافل کی دوسری قسم (جو شر سے پاک ہوتی ہے) اس کی محافل سنت ہیں جو احادیث اذکارِ مخصوصہ اور اذکار عامہ کے بارے میں وارد ہیں ان میں یہ قسم داخل ہے مثلاً امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

لَا يَقْعُدُ قَوْمٌ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ تَعَالٰى اِلَّا حَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ وَ غَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَنَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ وَ ذَكَرَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْمَنْ عِنْدَهٗ.

ترجمہ: جو لوگ اللہ کے ذکر کے لئے مجلس منعقد کرتے ہیں تو فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں اور رحمت انکو ڈھانپ لیتی ہے اور ان پر اطمینان کا نزول ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے ہاں موجود فرشتوں کے سامنے ان کا تذکرہ فرماتا ہے۔

(سنن النسائی، کتاب صلوۃ العیدین، باب کیف الخطبۃ، رقم الحدیث: 1578، ج: 3 ص: 188، مطبوعہ: مکتب المطبوعات الاسلامیۃ حلب۔)

امام مسلم ہی نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ان لوگوں سے فرمایا جو ایک مجلس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی حمد کر رہے ہیں کہ اس نے ان کو اسلام کی ہدایت عطا فرمائی ہے:

اَتَانِيْ جِبْرِيْلُ فَاَخْبَرَنِيْ اِنَّ اللّٰهَ يُبَاهِيْ بِكُمُ الْمَلَائِكَةَ .

ترجمہ: میرے پاس حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور انہوں نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری وجہ سے فرشتوں کے ساتھ مباہات (فخر) فرما رہا ہے۔

(سنن ابن ماجہ، ابواب الزھد باب ذکر الشفاعۃ، رقم الحدیث: 4308، ج: 5 ص: 362، مطبوعہ: ایضا)

مذکورہ دونوں حدیثوں میں خیر کے اجتماع منعقد کرنے اور خیر کے لئے بیٹھنے پر واضح دلیل ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ خیر کے لئے جمع ہونے والوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ فرشتوں کے ساتھ مباہات فرماتا ہے اور ان پر اطمینان وسکون کا نزول ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے اور اللہ تعالیٰ فرشتوں کے درمیان ان کا تذکرہ فرماتا ہے ان فضائل سے بڑھ کر کون سی فضیلت ہے۔

بدعت کی اقسام اور ان کے احکام

سائل نے پوچھا ہے کہ کیا مباح بدعتوں کے لئے اجتماع جائز ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں مباح بدعتوں کے لئے اجتماع جائز ہے۔ حضرت عز بن سلام رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ بدعت وہ فعل ہے جو حضور ﷺ کے زمانہ اقدس میں معہود و معروف نہ ہو۔ اور بدعت کے پانچ حکم ہیں۔ یعنی وجوب۔ حرمت، ندب۔ اباحت۔ کراہت اور ان کی معرفت کا طریقہ یہ ہے کہ بدعت کو قواعد شرع پر پیش کیا جائے تو وہ جس حکم میں داخل ہوگی۔ وہ اسی حکم کی قسم ہوگی۔ مثلاً نحو کا علم حاصل کرنا بدعات واجبہ میں سے ہے کیونکہ قرآن و سنت علم نحو سے سمجھے جاتے ہیں۔ اور قدریہ وغیرہ فرقوں کا تعلق بدعات محرمہ میں سے ہیں۔

اور مدارس وغیرہ کی ایجاد اور نماز تراویح کے اجتماع بدعاتِ مندوبہ میں سے ہیں اور نماز کے بعد مصافحہ کرنا بدعات مباحہ سے ہیں اور مساجد و مصاحف کو سونے کے علاوہ دوسری کسی چیز سے مزین کرنا بدعات مکروہہ میں سے ہے اور سونے کے ساتھ مزین کرنا حرام ہے۔ اور حدیث پاک میں ہے:

كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ. ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں جائے گی۔

(مسند احمد، مسند بنی ہاشم، مسند عبداللہ بن عباس الخ، رقم الحدیث: 2564، ج:4 ص:330، مطبوعہ ایضا)

یہ حدیث بدعت محرمہ پر محمول ہے، اس کے علاوہ دیگر اقسام بدعت پر محمول نہیں اور جہاں کہیں ذکر یا نماز تراویح کے اجتماع یا ان کی مثل دیگر اجتماعات میں محرم داخل ہو جائے تو ہر اس شخص پر جو منع پر قدرت رکھتا ہے منع کرنا واجب ہے اور ہر انسان پر ایسے اجتماع سے اجتناب واجب ہے ورنہ وہ گناہ میں ان لوگوں کا شریک بن جائے گا، اسی لئے شیخین نے تصریح فرمائی ہے کہ فاسق لوگوں کو مانوس کرنے کے لئے ان کی مجلس میں بیٹھنا گناہ ہے۔

تمام انبیاء کرام پر حضور ﷺ کی افضلیت کا بیان

سوال نمبر 1...... کیا رسول اللہ ﷺ کو تمام رسولوں پر خصوصی اور عمومی طور پر فضیلت حاصل ہے یا کہ نہیں؟

سوال نمبر 2...... ولایتِ مخصوصہ مرتبۂ نبوت میں ہے یا کہ نہیں؟

سوال نمبر 3...... کیا نبی اکرم ﷺ کی ولایت ان کی نبوت سے افضل ہے یا کہ دونوں مرتبے برابر ہیں یا کیا صورتِ حال ہے؟۔

سوال نمبر 4...... کیا ہمارے نبی کریم ﷺ اپنی بعثت سے پہلے اور بعثت کے بعد انبیاء سابقین میں سے کسی نبی کی شریعت کے مکلف تھے یا کہ نہیں؟

سوال نمبر 5...... کیا نبی اکرم ﷺ تمام مخلوق حتی کہ فرشتوں کی طرف بھی رسول ہیں؟ جیسا کہ بعض نے نقل کیا ہے

یا کہ صرف ثقلین (جن وانس) کی طرف رسول ہیں؟

سوال نمبر 6.....خلفاء اربعہ کے درمیان افضلیت قطعی ہے یا کہ اجتہادی کیونکہ نقلی طور پر ایسی کوئی شہادت نہیں جو بعض آئمہ کی بعض پر افضلیت کو قطعی قرار دے اور خلفاء اربعہ کے فضائل میں واردہ احادیث متعارض ہیں۔

سوال نمبر 7.....وہ انسان کامل جس کا بعثت سے پہلے اللہ تعالیٰ پر ایمان کامل تھا کیا وہ جنت میں داخل ہوگا یا کہ نہیں؟

سوال نمبر 8.....جو شخص اس بات کا قائل ہے کہ بندہ اپنے افعال کا خالق ہے کیا وہ مشرک ہے یا کہ نہیں؟

سوال نمبر 9.....کیا عقل کافر کو ثواب دینے اور مومن کو عذاب دینے کو جائز قرار دیتی ہے یا کہ نہیں؟

جوابات

حضرت مصنف رحمہ اللہ ان سوالات کے بالترتیب جوابات دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔ جس شخص کو کتاب وسنت میں غور وفکر کا معمولی سا بھی تجربہ ہے اس پر مخفی نہیں کہ ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کو تمام انبیاء ومرسلین پر خصوصی وعمومی طور پر فضیلت حاصل ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

تِلْکَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ مِّنْهُمْ مَّنْ کَلَّمَ اللّٰهُ وَ رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ. (سورۃ البقرۃ، آیت:253)

ترجمہ: یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر افضل کیا ہے اور ان میں سے کسی سے اللہ نے کلام فرمایا (یعنی بے واسطہ جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر کلام سے مشرف فرمایا) اور کوئی وہ ہے جسے سب درجوں پر بلند کیا۔

یعنی حضور پرنور سید الانبیاء محمد مصطفےٰ ﷺ کو بدرجات کثیرہ تمام انبیاء کرام پر افضل کیا۔ (مصنف فرماتے ہیں) ہمارے نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء ومرسلین پر تین وجوں سے افضل فرمایا:

1.....آپ ﷺ کی ذات اقدس کو قرب خاص معراج ملا۔

2.....آپ ﷺ کو تمام انسانوں پر سیادت عطا فرمائی گئی۔

3.....آپ کو بے شمار اور غیر فانی معجزات سے نوازا گیا۔

قرآن کریم قیامت تک باقی رہنے والا معجزہ ہے۔ اور قرآن کریم میں آپ ﷺ کے بے شمار فضائل ومعجزات ہیں۔ علامہ زمخشری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مذکورہ آیت کریمہ کے اس ابہام میں حضور ﷺ کی فضیلت کی جو عظمت اور آپ کے مرتبہ کی جو بلندی ہے وہ کسی پر مخفی نہیں، کیونکہ اس میں اس چیز پر شہادت ہے کہ یہ وہ علم جس میں اشتباہ نہیں اور یہ وہ امتیاز ہے جس میں کوئی التباس نہیں، اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّيْنَ عَلٰى بَعْضٍ۔ (سورۃ الاسراء، آیت:55)

ترجمہ: بے شک ہم نے نبیوں میں ایک کو ایک پر بڑائی دی۔

معتزلہ کا نظریہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو ایک دوسرے پر فضیلت حاصل نہیں ہے، علماء کرام نے ان کے اس نظریہ کا خوب ردّ فرمایا ہے۔ اور احادیث میں انبیاء کرام علیہم السلام کے درمیان فضیلت دینے کی نہی علماء کے نزدیک اس فضیلت پر محمول ہے جو بعض کی تنقیص کا باعث بنے۔ اور جن لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام حق ابوت کی بناء پر افضل ہیں ان کی مراد اگر یہ ہے کہ حضرت آدم کو باپ ہونے کی حیثیت سے فضیلت ہے نہ کہ نبوت و معجزات اور خصائص کی حیثیت سے تو ان کا یہ قول درست ہے ورنہ ان کا یہ قول کسی صورت صحیح نہیں، ترمذی شریف کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ وَ بِيَدِيْ لِوَاءُ الْحَمْدِ وَ لَا فَخْرَ وَ مَا مِنْ نَبِيٍّ اٰدَمَ فَمَنْ سِوَاهُ اِلَّا تَحْتَ لِوَائِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

قیامت کے دن میں اولادِ آدم کا سردار ہوں گا اس پر مجھے کوئی فخر نہیں، اور لواء الحمد میرے ہاتھ میں ہوگا اور اس پر مجھے کوئی فخر نہیں اور قیامت کے دن تمام انبیاء کرام حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے سوا سب میرے پرچم تلے ہوں گے۔

(صحیح بخاری، کتاب التفسیر القرآن، باب ذریۃ من حملنا، رقم الحدیث:4712، ج:6، ص:84، مطبوعہ ایضا)

اس حدیث میں حضور ﷺ نے اپنے ارشاد "آدم فمن سواہ" سے یہ بیان فرمایا کہ آپ ﷺ سب سے افضل ہیں اور آپ نے "ولد آدم" ابوت کے ادب کے پیش نظر فرمایا ہے۔ آپ نے "ولا فخر" فرمایا اس سے مراد یہ ہے کہ اس سے زیادہ عظیم کوئی فخر نہیں یا یہ مراد ہے کہ میں یہ بطور فخر نہیں کہتا بلکہ حقیقت واقعیہ کی خبر دینے کے طور پر فرما رہا ہوں آپ نے روزِ قیامت کے ذکر کو خاص فرمایا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ قیامت کے دن آپ ﷺ کی سیادت و فضیلت کا جتنا اظہار ہوگا وہ دوسرے کسی کے لئے نہیں ہوگا۔ خاص کر اس دن آپ کو مقام محمود عطا فرمایا جائے گا۔ اور وہ شفاعت عظمیٰ ہے۔ جب لوگ اولی العزم پیغمبروں حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے پاس حاضر ہوں گے تو ان میں سے ہر ایک اپنی ذات کے بارے میں کسی نہ کسی چیز کا ذکر کریں گے اور نفسی نفسی کہیں گے۔ سوائے ہمارے نبی کریم ﷺ کے، کہ آپ فرمائیں گے (اَنَا لَهَا اَنَا لَهَا) (شفاعت کے لئے میں ہوں میں ہوں) الحدیث۔

(سنن ترمذی، ابواب المناقب، باب ماجاء فی بدء نبوۃ النبی الخ، رقم الحدیث 3620، ج 6، ص 19، مطبوعہ ایضا)

اور بخاری شریف کے ہاں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے:

اَنَا سَيِّدُ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ . (قیامت کے دن میں تمام انسانوں کا سردار ہوں گا)

(مسند احمد، ومن مسند بنی ہاشم، مسند ابی ہریرۃ الخ، رقم الحدیث 9338، ج 15، ص 195، مطبوعہ ایضا)

یہ حدیث حضور ﷺ کی حضرت آدم اور ان کی تمام اولاد انبیاء و مرسلین پر افضلیت کی صریح دلیل ہے۔ اور امام بیہقی کے ہاں مروی حدیث میں ہے: اَنَا سَيِّدُ الْعَالَمِيْنَ. (میں تمام جہانوں کا سردار ہوں)

(مسند احمد، ومن مسند بنی ہاشم، مسند ابی ہریرۃ الخ، رقم الحدیث 9338، ج 15، ص 195، مطبوعہ ایضا)

اس میں انس و جن اور فرشتے سب داخل ہیں۔ پس ان حدیث میں آپ ﷺ کے تمام مخلوق سے افضل ہونے کی تصریح ہے اور مسلم شریف کی یہ حدیث بھی اس بات کی تائید کرتی ہے:

وَ اُرْسِلْتُ اِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً . (مجھے تمام مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہے)

(تنبیہ الغافلین، باب فضل اذان، رقم الحدیث: 393، ج: 1، ص: 286)

مرسل الیہم یعنی جن کی طرف بھیجا جائے ان سے رسول کا افضل ہونا رسول کی شان میں سے ہے۔

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے تمام انبیاء کرام پر حضور ﷺ کی افضلیت کا اس آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے:

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ. (سورۃ الانعام، آیت: 90)

ترجمہ: یہ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت کی ہے تو تم انہیں کی راہ چلو۔

انبیاء کرام کے تذکرہ کے بعد آپ سے یہ فرمایا ہے کہ تم ان کی راہ پر چلو۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے انبیاء کرام کے اوصاف حمیدہ کو بیان فرمایا اور اس کے بعد اپنے نبی ﷺ کو ان سب کی اقتداء کا حکم فرمایا۔ لہٰذا ان کے تمام اوصاف حمیدہ کو بجالانا آپ پر واجب ہوگا ورنہ آپ مقتضائے امر کے تارک بن جائیں گے۔ جب آپ ﷺ نے انبیاء کرام جن اوصاف حمیدہ سے متصف تھے ان سب کی بجا آوری فرمائی تو وہ تمام اوصاف جو ان میں انفرادی طور پر موجود تھے وہ سب کے سب آپ کی ذات میں جمع ہو گئے لہٰذا آپ ان سب سے افضل ٹھہرے۔

علامہ سعد الدین تفتازانی رحمہ اللہ نے اس آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ . (سورۃ آل عمران، آیت: 110)

ترجمہ: تم بہتر ہو ان سب امتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں۔

تفتازانی فرماتے ہیں: اس میں کوئی شک نہیں کہ امت کی افضلیت اس کے دین میں کامل ہونے کے اعتبار سے ہوتی ہے اور دین میں کمال اس نبی کے کمال کے تابع ہوتا ہے جس کی امت اتباع کرتی ہے۔ یعنی اگر حضور ﷺ تمام انبیاء سے افضل نہ ہوئے تو آپ کی امت تمام امتوں سے افضل نہ ہوتی، حالانکہ نص سے ثابت ہے کہ آخری

امت تمام امتوں سے افضل ہے لہٰذا ان کا نبی تمام انبیاء سے افضل ہوگا کیونکہ ان دونوں (امت کی افضلیت اور نبی کی افضلیت) میں واضح تلازم کا پایا جانا ہمیں سابقہ سطور سے معلوم ہو چکا ہے۔

سوال نمبر 2 کا جواب......

کیا ولایت مخصوصہ مرتبہ نبوت میں ہے؟ یہ مجمل کلام ہے جو محتاج توضیح و بیان ہے۔ اگر سائل کی ولایت مخصوصہ سے مراد انبیاء کرام علیہم السلام کے سوا اولیاء کرام رحمہم اللہ کی ولایت ہے تو احق بالواقع یہ ہے کہ شرعاً کسی ولی کا کسی نبی کے درجہ کو پہنچنا ناممکن ہے اور جو اس کا اعتقاد رکھے وہ کافر ہے اور جب تک توبہ نہیں کرتا مباح الدم ہے۔

ولایتِ مخصوصہ اور نبوت

اور اگر سائل کی یہ مراد ہے کہ وہ سبب جو حضور ﷺ کی افضلیت کا مقتضی ہے وہ مطلق نبوت سے افضل ہے تو پھر یہ محتاج بیان نہیں کیونکہ سابقہ تحقیق وغیرہ سے ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ ہمارے نبی کریم ﷺ اوصاف کمال میں سے ہر وصف میں تمام انبیاء کرام سے افضل ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے دیگر انبیاء کرام کو ان کے اسماء گرامی کے ساتھ خطاب فرمایا ہے اور ہمارے نبی کریم ﷺ یاایھا النبی ، یا ایھا الرسول ، یا ایھا المدثر ، یا ایھا المزمل وغیرہ کے ساتھ خطاب فرمایا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام پر واجب قرار دیا ہے کہ اگر حضور ﷺ کی بعثت کے وقت وہ حیات ظاہری سے متصف ہوں تو وہ آپ کی ذات پر ایمان لائیں اور آپ کی اتباع ونصرت کریں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ. (سورۃ آل عمران، آیت: 81)

ترجمہ: اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا۔

اس موضوع پر امام ابن عبدالسلام رحمہ اللہ سے جو غیر مناسب چیز صادر ہوئی ہے اس سے اجتناب کیجئے۔

ولایتِ نبی

سوال نمبر 3 کا جواب ..... گویا سائل کی اس سے مراد بھی وہی مسئلہ ہے جو ابن عبدالسلام رحمہ اللہ سے مشہور ہے چنانچہ ابن عبدالسلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

نبی کی نبوت نبی کی رسالت سے افضل ہے کیونکہ نبوت وہ باب ہے جس کا تعلق حق تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے ، اور رسالت وہ باب ہے جس کا تعلق مخلوق کے ساتھ ہوتا ہے اور جس چیز کا حق

تعالیٰ کے ساتھ تعلق ہوتا ہے وہ اس چیز سے افضل اور اولیٰ ہے جس کا تعلق مخلوق سے ہوتا ہے۔

ابن عبدالسلام رحمہ اللہ کا یہ قول نہایت ضعیف ہے اسی لئے متاخرین میں سے کئی علماء نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ اور اس کے ضعف کا بیان یہ ہے کہ رسالت کی ایک جانب نہیں کہ جس کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہوتا ہے بلکہ اس کی دو جانبیں ہیں۔ کیونکہ ''رسول'' اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانوں تک احکام کی تبلیغ فرمانے والا ہوتا ہے۔ پس وہ حق تعالیٰ کی جہت سے حاصل کرتا ہے اور مخلوق تک پہنچاتا ہے۔ لہٰذا نبی کی وہ رسالت جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی خلافت کا اہل بنتا ہے وہ نبی کی مجرد نبوت سے افضل ہے کیونکہ نبی مجرد نبوت کی وجہ سے اس بلند مرتبہ کا اہل نہیں بنتا یہ گفتگو رسول کی نبوت و رسالت میں ہے ورنہ رسول نبی سے بالاجماع افضل ہے۔

اور بعض علماء کرام نے انبیاء کرام علیہم السلام کے درمیان فضیلت دینے کی سابقہ نہی کو انبیاء کرام کے درمیان نفس نبوت و رسالت میں فضیلت دینے کی نہی پر محمول کیا ہے کیونکہ نفس نبوت و رسالت میں تمام انبیاء کرام کے درمیان برابری ہے اس میں ان کے درمیان کوئی تفاضل نہیں۔ نفس نبوت و رسالت کے علاوہ دیگر امور میں تفاضل ہے اسی لئے تفاضل مبہم ہے۔

کیا حضور ﷺ بعثت سے پہلے سابقہ کسی شریعت کے مکلف تھے؟

سوال نمبر 4 کا جواب ...... اس کا جواب یہ ہے کہ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ کیا حضور ﷺ اپنی بعثت سے پہلے سابقہ کسی شریعت کے مکلف تھے یا کہ نہیں؟ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ آپ کسی شریعت کے مکلف نہ تھے اس پر ان کی دلیل یہ ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو آپ ضرور نقل فرماتے کیونکہ اس کو پوشیدہ رکھنا آپ کے لئے ممکن نہ تھا اور اس طرح کی چیز کی پردہ داری عادت میں نہ تھی، اور اگر ایسا ہوتا تو اُس سابقہ شریعت کے پیروکار آپ ﷺ پر اس کی وجہ سے فخر کا اظہار کرتے، اور اس کو آپ کے خلاف بطور حجت پیش کرتے۔ جب ان میں سے کوئی چیز ثابت نہیں تو اس سے ہمیں معلوم ہوا کہ آپ ﷺ اپنے سے پہلے کسی نبی کی شریعت کے مکلف نہ تھے۔

اور علماء کے ایک گروہ کا مذہب ہے کہ آپ ﷺ کا سابقہ کسی شریعت کا مکلف ہونا عقلی طور پر ممتنع ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جس کا تابع ہونا معروف ہو اس کا متبوع ہونا ناممکن ہوتا ہے۔ اور بعض حضرات رسول اللہ ﷺ کے معاملے میں توقف اور آپ ﷺ پر ان میں سے کسی چیز کا قطعی حکم سے اجتناب کے قائل ہیں۔ کیونکہ دونوں جانب کوئی قاطع نہیں امام الحرمین کا یہی مذہب ہے۔

اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ سابقہ کسی شریعت پر عمل کرنے والے تھے۔ پھر ان لوگوں کا تعیین شریعت میں اختلاف ہے اور ان میں سے بعض نے تعیین میں توقف کیا ہے اور بعض نے تعیین کی جسارت کی ہے۔ پھر تعیین

کرنے والوں کا اختلاف ہے کہ ایک قول میں حضرت نوح علیہ السلام کی شریعت تھی اور ایک قول میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اور ایک قول میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اور بعض کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت اور بعض کے نزدیک حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت تھی، پس اس مسئلہ میں یہ جملہ مذاہب ہیں۔ اور ان میں سب سے زیادہ ظاہر پہلا مذہب ہے اور یہی جمہور کا مذہب ہے اور بعید ترین مذہب شریعت کو معین کرنے والوں کا ہے کیونکہ اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو رسول اللہ ﷺ ضرور اسے نقل فرماتے جیسا کہ سابقہ سطور میں گزرا ہے۔

حضور ﷺ کے سوا کسی نبی کی دعوت عام نہیں تھی

اور جن لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آخر الانبیاء ہیں لہٰذا ان کے بعد آنے والے لوگوں پر ان کی شریعت پر عمل کرنا لازم تھا اس قول کے قائلین کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت کا عموم ثابت نہیں بلکہ صحیح مذہب یہ ہے کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کے سوا کسی نبی کی دعوت عام نہیں تھی۔ سورہ احقاف کے آخری حصہ سے جو ثابت ہوتا ہے کہ جنات تورات پر ایمان رکھتے تھے تو جنات کا تورات پر ایمان رکھنا بطور تبرع کے تھا جیسا کہ قریش وغیرہم کا انجیل پر ایمان رکھنا بطور تبرع تھا کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام صرف بنی اسرائیل اور قبط کے لئے رسول تھے ان کے علاوہ دوسری کسی قوم کی طرف آپ کو رسول بنا کر نہیں بھیجا گیا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سوائے بنی اسرائیل کے اور کسی کی طرف رسول بنا کر نہیں بھیجا گیا۔

اور بعض وہ لوگ جن کے ہاں تحقیق نام کی کوئی چیز نہیں اور جن کو کتاب وسنت کے حقائق کی اطلاع تک نہیں ان کا خیال ہے کہ ہمارے نبی اکرم ﷺ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت پر تھے اور آپ کی منفرد اور مستقل کوئی شریعت نہ تھی اور آپ کی بعثت کا مقصد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کا احیاء تھا۔ انہوں نے اپنے اس باطل نظریہ پر قرآن کریم کی اس آیت کے ظاہر سے استدلال کیا ہے۔

ثُمَّ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ.

(سورۃ النحل، آیت: 123)

ترجمہ: پھر ہم نے تمہیں وحی بھیجی کہ دین ابراہیم کی پیروی کرو جو ہر باطل سے الگ تھا اور مشرک نہ تھا۔

ان لوگوں کا یہ قول کہ "حضور ﷺ کی شریعت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت ہی ہے" غلط بلکہ اس کو خرافات کہنا زیادہ مناسب ہے، اسی لئے علماء اسلام نے فرمایا ہے کہ اس قسم کا قول نحیف العقل اور کثیف الطبع انسان ہی سے صادر ہو سکتا ہے۔ (کوئی سلیم العقل انسان اسکی جرأت نہیں کر سکتا)

مذکورہ آیت کریمہ سے توحید خاص میں اس مقام خلعت کی اتباع مراد ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقام ہے جس کی طرف اسی آیت میں ان الفاظ کے ساتھ اشارہ فرمایا گیا ہے:

حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ. (سورۃ النحل، آیت: 123)

ترجمہ: جو ہر باطل سے الگ تھا اور مشرک نہ تھا۔

یا یہ بھی ممکن ہے کہ انہوں نے اسلام کو اصول کی وجہ سے چھوڑا ہو اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اس مقام خلت پر فائز ہونے کا سبب یہ ہے کہ جب ان کو آگ میں پھینکا گیا تو حضرت جبرئیل امین علیہ السلام انکی خدمت میں یہ کہتے ہوئے حاضر ہوئے کہ اَلَکَ حَاجَۃٌ (کیا آپ کو میری مدد کی ضرورت ہے؟) تو انہوں نے فرمایا مجھے تمہاری مدد کی ضرورت نہیں لہٰذا حضرت ابراہیم علیہ السلام تفویض مطلق یعنی آپ نے اپنا معاملہ مطلقاً اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا جس کے سبب وہ اس مقام خلت کے مالک بن گئے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام تفویض کی اس انتہاء تک پہنچ گئے تھے جس تک ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے بھی نہیں پہنچا اور نہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد پہنچا ہے۔ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس انتہاء تک پہنچ گئے اور اس سے بھی کئی غایات ترقی فرمائی جن کو ان کے خالق اور ان کے مالک ومنعم کے سوا کوئی نہیں جانتا، اسی لئے جب قیامت کے دن لوگ شفاعت کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے یہ عرض کرتے ہوئے حاضر ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خلت کے لئے چنا اور آپ پچھلے لوگوں کے لئے خلیل تھے، تو حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کو بتائیں گے کہ اگرچہ میں خلیل ہوں لیکن خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں جو مراتب محصور نہیں ان میں میرا مقام ان سے متاخر ہے یعنی جو مراتب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص نہیں ان میں بھی میرا مقام آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے متاخر ہے۔ اور سابقہ آیت کریمہ:

أُولٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ. (سورۃ الانعام، آیت: 90)

ترجمہ: یہ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت کی تو تم انہیں کی راہ چلو۔

اس آیت کریمہ میں توحید اور توحید کے لائق ان مقامات عالیہ میں اقتداء کا حکم ہے جو مقامات اصول سے تعلق رکھتے ہیں اور فروع سے تعلق رکھنے والے مقامات مراد نہیں کیونکہ ان انبیاء کرام میں وہ حضرات بھی ہیں جو اصلاً رسول نہ تھے مثلاً ایک قول کے مطابق حضرت یوسف علیہ السلام نبی تھے اور رسول نہ تھے اور باقی انبیاء کرام کی فروعات مختلف تھیں لہٰذا ان کی اقتداء کرنے کے حکم کو فروعات میں اقتداء کرنے پر محمول کرنا محال ہے۔

شبہ

توحید ادلہ قطعیہ سے پیدا ہوتی ہے لہٰذا توحید میں اتباع کیسے ہوسکتی ہے؟

ازالہ

اس شبہ کو ہم اپنے سابقہ اس قول سے رد کر چکے ہیں کہ حکم اقتداء سے مراد توحید اور توحید کے لائق مقامات

عالیہ میں اقتداء ہے۔ اوران مقامات عالیہ میں سے ایک مقام دعوت توحید کی کیفیت ہے کہ نرمی وشفقت اور سہولت وآسانی کے ساتھ دعوت دی جائے، اور باہم متفق وممتاز نوعیت کے ایسے واضح اور ظاہر دلائل بار بار پیش کئے جائیں جو دلوں میں اتر جائیں اور عقلوں کو حیرت زدہ کردیں جیسا کہ قرآن کریم میں دعوت کا معقول طریقہ ہے۔

شیخ الاسلام سراج بلقینی رحمہ اللہ شرح بخاری میں فرماتے ہیں: جن احادیث سے ہم واقف ہیں ان میں بعثت سے پہلے نبی کریم ﷺ کی عبادت کی کیفیت وارد نہیں لیکن ابن اسحاق وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ ہر سال ایک ماہ کے لئے غار حراء میں تشریف لے جاتے اور اس میں آپ عبادت کیا کرتے تھے، اور زمانہ جاہلیت میں قریش کی عبادت کا طریقہ یہ تھا کہ وہ اپنے ہاں آنے والے مساکین کو کھانا کھلاتے تھے اور اپنے گھر سے کوئی باہر نکلتا تو وہ گھر میں اس وقت تک داخل نہ ہوتا جب تک کعبہ معظمہ کا طواف نہ کرتا، اور بعض حضرات نے تعبد کو تفکر پر محمول کیا ہے اور وہ فرماتے ہیں ہمارے نزدیک یہ تعبد کئی انواع پر مشتمل ہے۔

1......لوگوں سے کنارہ کشی اختیار کرنا جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے کنارہ کشی اختیار کی تھی۔

2......ہر چیز سے قطع تعلق کرتے اللہ تعالیٰ سے تعلق جوڑنا، کیونکہ کشائش کا انتظار کرنا عبادت ہے۔ جیسا کہ اس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مرفوعاً روایت کیا ہے، اوران مذکورہ انواع کو تفکر شامل ہو، اسی لئے بعض علماء اسلام نے فرمایا ہے کہ غار حراء میں حضور ﷺ کی عبادت تفکر ہی تھا۔

حضور ﷺ ساری مخلوق کے لئے رسول ہیں

سائل نے سوال کیا ہے کہ کیا حضور ﷺ تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں؟ الخ۔۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے متعلق میرے پاس لوگوں کے کثرت سے استفتاء آتے رہے ہیں میں نے اس کے جواب میں بہت کچھ تفصیل ومختصر لکھا ہے، اور اس بارے میں قابل اعتماد جو چیز ہے اس کا خلاصہ پیش ہے۔

آپ ﷺ کو فرشتوں کی طرف رسول بنا کر بھیجے جانے میں علماء کے دو قول ہیں، ایک قول کے مطابق آپ فرشتوں کی طرف بھی رسول ہیں۔ متاخرین محققین میں سے شیخ الاسلام تقی سبکی رحمہ اللہ اور ان کی جماعت نے اسی قول کو ترجیح دی ہے اور امام رازی نے اپنی تفسیر میں مذکورہ قول کے مخالف جو لکھا ہے اور امام بیہقی اور علامہ حلیمی رحمہما اللہ کا جو قول اس کے مخالف واقع ہے۔ اس کا خوب رد کیا ہے اور قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا ظاہر بھی اسی قول کی دلیل ہے۔

لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا. (سورۃ الفرقان، آیت: ۱)

ترجمہ: تاکہ سارے جہانوں کو ڈر سنانے والا ہو۔

عالمین سے مراد انسان، جنات اور فرشتے ہی ہیں، اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آپ ﷺ بعض فرشتوں کی

طرف رسول تھے یہ ان کا خیال بغیر کسی دلیل کے سینہ زوری ہے ،اور اسی طرح وہ لوگ جن کا دعویٰ ہے کہ تمام فرشتے مذکورہ آیت سے خارج ہیں وہ اپنے اس دعویٰ پر کوئی دلیل پیش کرنے سے عاجز ہیں ۔اور مذکورہ آیت میں انذار سے مراد عذاب سے ڈرانا ہے اور یہ چیز اس آیت میں فرشتوں کے داخل ہونے کے منافی نہیں کیونکہ اگرچہ فرشتے معصوم ہیں لیکن ان کیطرف رسول بنا کر بھیجے جانے سے مراد ان کو رسول پر ایمان لانے اور رسول کی سیادت ورفعت کا اعتراف کرنے اور رسول کے سامنے اپنے خضوع کا اظہار کرنے کا مکلف بنانا ہے اور رسول کے شرف میں زیادتی کے لئے ان کو رسول کے تبعین میں شامل کرنا ہے اور ان میں سے کوئی چیز بھی فرشتوں کی عصمت کے منافی نہیں ۔ اور پھر یہ سارا انذار یا تو شب معراج واقع ہو چکا ہے یا اس کا کچھ حصہ شب معراج میں اور کچھ اس کے علاوہ میں واقع ہوا ہے ۔اور کسی خاص چیز کے لئے فرشتوں کی طرف رسالت اور کسی خاص چیز کی تبلیغ وانذار سے ان کے لئے ساری شریعت کی تبلیغ وانذار کا ہونا لازم نہیں آتا ہے اور ایک شاذ قول میں ہے کہ فرشتے جنات میں سے ہیں کہ وہ آسمان میں رہنے والے مومن جنات ہیں ۔اس قول کو مسلمانوں کے اجماعی قول کے ساتھ ملایا جائے تو آپ ﷺ کی رسالت فرشتوں کے لئے بھی شامل ہو جاتی ہے کیونکہ تمام مسلمانوں کا اجماعی قول یہ ہے کہ حضور ﷺ جنات کے لئے بھی رسول ہیں اور یہ محتاج بیان چیز نہیں ۔

حضور ﷺ کے فرشتوں کے لئے رسول ہونے پر مذکورہ آیت کے ظاہر سے استدلال کافی ہے ۔اور خاص کر مسلم کی وہ حدیث جس کی صحت میں کوئی اختلاف نہیں وہ اس کی صریح دلیل ہے ۔چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

وَ اُرْسِلْتُ اِلَی الْخَلْقِ کَافَّۃً ۔ (مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے ۔)

(مسند احمد ، ومن مسند بنی ہاشم ، مسند عبد اللہ بن عمر بن العاص الخ ، رقم الحدیث: 6800 ، ج:6 ص:314 ، مطبوعہ: ایضا)

آپ کے اس ارشاد میں "الخلق" اور "کافۃ" کے الفاظ مبارکہ پر غور کریں اس لئے شیخ الاسلام الجمال البارزی رحمہ اللہ نے اسی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ حضور ﷺ جمیع مخلوقات حتیٰ کہ جمادات تک کے لئے رسول بنائے گئے ہیں کہ جمادات میں مخصوص فہم وعقل رکھی گئی تھی حتیٰ کہ ان کو آپ کی معرفت حاصل ہوئی اور آپ پر ایمان لے آئے اور آپ کے فضل کا اعتراف کیا ۔اور خود حضور ﷺ نے جمادات کے بارے میں خبر دی ہے کہ وہ مؤذن اور اس کی مثل لوگوں کی شہادت دیں گے چنانچہ آپ کا ارشاد ہے:

فَاِنَّہٗ لَا یَسْمَعُ صَوْتَ الْمُؤَذِّنِ شَجَرٌ وَ لَا حَجَرٌ وَلَا شَیْئٌ اِلَّا شَھِدَ لَہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ ۔

ترجمہ: مؤذن کی آواز کو نہیں سنتا کوئی درخت اور نہ کوئی پتھر اور نہ کوئی اور چیز مگر وہ قیامت کے دن اس کے حق میں شہادت دیں گے ۔

(احیاء علوم الدین ، الباب الخامس فضل الجمعۃ ، باب بیان الاداب الخ ، ج:1 ص:186 ، مطبوعہ: ایضا)

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ.

(سورۃ الحشر، آیت: 21)

ترجمہ: اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر اتارتے تو ضرور تو اسے دیکھتا جھکا ہوا پاش پاش ہوتا اللہ کے خوف سے۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ. (سورۃ بنی اسرائیل، آیت: 44)

ترجمہ: کوئی چیز نہیں جو اس کی حمد کرتے ہوئے اس کی پاکی نہ بولے۔

لہٰذا جب ان جمادات کو اس طرح کے ادراکات حاصل ہیں تو امام بارزی رحمہ اللہ نے جو فرمایا ہے اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ خاص کر مسلم شریف کی حدیث کا جو اس کی تصریح کر رہی ہے۔ جیسا کہ تمہیں معلوم ہو چکا ہے۔

سوال...... جمہور نے مذکورہ آیت میں عالمین کی تفسیر جن وانس کے ساتھ ہے۔

جواب...... اس تفسیر سے فرشتوں کا مطلق ارسال سے خارج ہونا لازم نہیں آتا بلکہ جن وانس کی طرف ارسال سے بھی خارج ہونا لازم نہیں آتا۔

خلاصہ کلام یہ ہے جانبین میں سے کسی کے پاس کوئی قطعی دلیل نہیں۔ ان میں سے ہر قول جس پر ظاہر دلالت کرتا ہے اس کے اعتبار سے امر ظنی ہے کہ ہر قول کے قائل نے اپنے قول کو اسی ظاہر کی طرف منسوب کیا ہے۔

خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کے درمیان افضلیت کا بیان

سوال نمبر 6 کا جواب

سائل نے سوال کیا ہے کہ خلفاء اربعہ کے درمیان افضلیت قطعی ہے یا کہ ظنی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی باقی تینوں خلفاء اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی باقی دونوں خلفاء پر افضلیت اہل السنۃ کے نزدیک اجماعی ہے اور اس بارے میں اہل سنت کے درمیان کوئی اختلاف نہیں اور اجماع قطعیت کا فائدہ دیتا ہے، لیکن حضرت عثمان کی حضرت علی رضی اللہ عنہ پر افضلیت ظنی ہے کیونکہ بعض اکابر اہل السنۃ مثلاً سفیان ثوری نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دی ہے اور جس چیز میں اہل السنۃ کے درمیان اختلاف واقع ہو وہ ظنی ہوا کرتی ہے، اور اس بارے میں وارد احادیث بہت زیادہ متعارض ہیں۔ بلکہ حضرت

علی ﷺ کی فضیلت میں جتنی احادیث وارد ہیں اتنی باقی تینوں خلفاء کے متعلق وارد نہیں ہیں۔ بعض آئمہ نے اس کا جواب یہ دیا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی فضیلت میں اتنی زیادہ احادیث کے وارد ہونے کا سبب یہ ہے کہ آپ تینوں کے زمانے تک حیات رہے اور آپ کے دشمن کثرت سے پیدا ہوئے اور انہوں نے آپ کی ذات میں کثرت سے تنقید کی اور آپ کے مرتبہ کو اپنے باطل طریقوں سے گھٹانے کی کوشش کی تو صحابہ کرام ﷺ میں سے حفاظ حدیث نے ان کا مقابلہ کیا اور حضرت علی ﷺ کے حق میں ان کے پاس جو کچھ احادیث تھیں ان کو ظاہر کیا تا کہ ان فاسق اور دین سے خارج لوگوں اور رُوسیاں خوارج کو باز رکھا جائے، اور چونکہ باقی تینوں خلفاء کے لئے ایسا کوئی سبب نہیں پایا گیا کہ لوگ اس قسم کے استیعاب واحاطہ کے ساتھ ان کے حق میں وارد احادیث کو بیان کرتے۔

زیادہ صحیح مذہب یہ ہے کہ اہل فترت جنت میں داخل ہوں گے

سوال نمبر 7 کا جواب

سائل نے سوال کیا ہے کہ بعثت سے پہلے جس انسان کا اللہ تعالیٰ پر ایمان کامل تھا کیا وہ جنت میں داخل ہوگا۔؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اصح مذہب یہ ہے کہ ہاں وہ جنت میں داخل ہوگا بلکہ اہل فترت یعنی وہ لوگ جن کی طرف کوئی رسول نہیں بھیجا گیا اصح مذہب کے مطابق وہ لوگ اس آیت کریمہ کے تحت جنت میں داخل ہوں گے:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا. (سورۃ بنی اسرائیل، آیت:15)

ترجمہ: اور ہم عذاب کرنے والے نہیں جب تک رسول نہ بھیج لیں۔

اس آیت کریمہ کو ان لوگوں پر محمول کیا گیا ہے جو بعثت سے پہلے گزرے ہیں اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ہر وہ شخص جو حضرت آدم علیہ السلام یا حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت کے بعد ایمان نہیں لایا وہ جہنم میں جائے گا کیونکہ اول الرسل حضرت آدم علیہ السلام یا حضرت نوح علیہ السلام ہیں ان لوگوں کا یہ خیال مذکورہ آیت کے ظاہر کے مخالف ہے لہٰذا ان کے اس زعم پر اعتماد نہیں کیا جائے گا۔

بندے کو اپنے افعال کا خالق قرار دینے کا حکم

سوال نمبر 8 کا جواب

جو اشیاء میں سے کسی شے میں بھی غیر اللہ کے لئے خلق حقیقی کا قائل ہے وہ کافر اور مباح الدم ہے جیسا کہ ظاہر وواضح ہے اور بندے کو اپنے افعال کا خالق اس معنی میں قرار دینے والا جس کے معتزلہ قائل ہیں بدعتی، گمراہ اور فاسق ہے اور اس کے اسلام میں اختلاف ہے لیکن اصح مذہب یہ ہے کہ وہ مسلمان ہے۔

سائل نے سوال کیا ہے کہ کیا کافر کو ثواب اور مومن کو عذاب دینے کو عقل جائز قرار دیتی ہے یا کہ نہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں عقل اس کو مومن کے متعلق جائز قرار دیتی ہے بلکہ اس کا اعتقاد رکھنا ہم پر واجب ہے کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ پر اپنے بندوں اور اپنے نبیوں اور اپنے رسولوں میں سے کسی کے لئے بھی مطلقاً کوئی چیز واجب نہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَ اُمَّهٗ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا۔ (سورۃ المائدہ، آیت:17)

ترجمہ: تم فرمادو پھر اللہ کا کوئی کیا کرسکتا ہے اگر وہ چاہے کہ ہلاک کردے مسیح بن مریم اور اس کی ماں کو اور تمام زمین والوں کو۔

مطیع کو جزاء اور ثواب دینا اللہ تعالیٰ کا محض فضل وکرم ہے اور اس سے عذاب دیا جانا جائز ہے لیکن وعدۂ الٰہی کے مقتضیٰ کے سبب عذاب واقع نہیں ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کی مخالفت نہیں فرماتا۔ اور عاصی کو عذاب دینا اللہ تعالیٰ کا محض عدل ہے اور جائز ہے کہ وہ اسے عذاب نہ دے کیونکہ خلفِ وعید اس کے فضل وکرم کی وسعت سے تعلق رکھتا ہے برخلاف خلفِ وعد کے اور آیت کریمہ میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ وعدہ کی خلاف ورزی نہیں فرماتا اور وعدہ خیر میں ہی ہوتا، پس اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ اس وعید کی جو ابھی وجود میں نہیں آئی اور جو وعدہ کی مثل بھی نہیں اس کے خلاف فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو جاننے کے بعد کہ:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ۔

(سورۃ النساء، آیت:48)

ترجمہ: بے شک اللہ اس کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے۔ اور شرک سے نیچے جو کچھ ہے جسے چاہے معاف فرمادیتا ہے۔

سوال نمبر 9 کا جواب

کافر کے متعلق عقل اس بات کو جائز قرار نہیں دیتی کہ اللہ تعالیٰ اس کو عذاب نہ دے اس لئے علماء کا اس شخص کے کفر پر اجماع ہے جو یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ کافر کو ثواب دے گا۔

قیامت کے دن حافظ قرآن کا اعزاز

سوال ......رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے کہ آپ نے فرمایا کہ صاحب قرآن کو قیامت کے دن فرمایا جائے گا:

اِقْرَاْ وَ ارْقِ وَرَتِّلْ كَمَا كُنْتَ تُرَتِّلُ فِي الدُّنْيَا فَاِنَّ مَنْزِلَتَكَ عِنْدَ آخِرِ اٰيَةٍ۔

(القول البدیع، الباب الثانی: فی ثواب الصلاۃ علی رسول الخ، ج:1 ص:116 مطبوعہ: دار الریان، بیروت)

ترجمہ: قرآن کریم کی تلاوت کر اور جنت کے مقامات طے کرتا جا اور اسی طرح ترتیل کے ساتھ

تلاوت کر جس طرح دنیا میں ترتیل سے پڑھا کرتا تھا بے شک تیرا مقام وہ ہے جہاں آخری آیت کی تلاوت کا اختتام ہوگا۔

اس فضیلت کے ساتھ کون سے لوگ مخصوص ہیں کیا ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو دنیا میں قرآن کریم حفظ کریں گے اور اسی حالت پر ان کا انتقال ہوگا۔یا اس میں قرآن کریم حفظ کرنے والے اور قرآن کریم کو مصحف سے دیکھ کر تلاوت کرنے والے سب شامل ہیں۔

سوال......صاحب العباب کے اس قول کا کیا مطلب ہے کہ وارد ہے کہ فرشتوں کو حفظ قرآن کی فضیلت عطا نہیں کی گئی ہے اسی لئے وہ انسانوں سے قرآن کریم کی تلاوت سننے کا شوق رکھتے ہیں، اور علامہ ابن الصلاح رحمہ اللہ نے صاحب عبارت سے پہلے یہ بات کی ہے۔اس سوال سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ اس بارے میں کیا چیز وارد ہے حدیث نبوی ہے یا اس کے علاوہ کوئی چیز وارد ہے؟ اس کو بیان فرمادیں۔

جواب......مذکورہ حدیث ان لوگوں کے ساتھ خاص ہے جو قرآن کریم کے حفظ کی سعادت حاصل کرتے ہیں، اس میں مصحف میں دیکھ کر تلاوت کرنیوالے داخل نہیں، کیونکہ مجرد تحریر کی تلاوت اور مصحف دیکھ کر تلاوت کرنے میں لوگوں کے درمیان قلت و کثرت کے اعتبار سے کوئی تفاوت نہیں ہوتا تلاوت میں قلت و کثرت کے لحاظ سے تفاوت حفظ میں ہوتا ہے اسی لئے جنت میں حفاظ کی منازل کا تفاوت ان کے حفظ کی تفاوت کے اعتبار سے ہوگا، اور اس حدیث کا حفاظ کے ساتھ خاص ہونے کی تائید اس چیز سے بھی ہوتی ہے کہ حفظ قرآن اُمت پر فرض کفایہ ہے اور بغیر حفظ کے مصحف سے تلاوت کرنے سے یہ فریضہ ساقط نہیں ہوا۔لہٰذا مجرد تلاوت کی اتنی بڑی فضیلت نہیں جتنی حفظ کی فضیلت ہے کہ وہ فرض کفایہ ہے اسی سے ثابت ہوا کہ حدیث پاک میں حفظ ہی مراد ہے اور حدیث پاک میں معمولی سا غور وفکر کیا جائے تو اس کے الفاظ سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے:

اِقْرَاءْ وَ ارْقِ ۔ (تلاوت کر اور سیڑھیاں چڑھ)

یہ قول حفظ قرآن میں صریح ہے جیسا کہ مخفی نہیں۔

جواب......ابن الصلاح کا یہ فرمانا کہ فرشتوں کو حفظ قرآن کی فضیلت عطا نہیں فرمائی گئی ہے اس لئے وہ انسانوں سے تلاوت سننے کا شوق رکھتے ہیں۔گویا کہ انہوں نے یہ ان احادیث سے اخذ کیا ہے جن میں اس کا اشارہ پایا جاتا ہے۔لیکن کئی علماء نے ابن الصلاح رحمہ اللہ پر اعتراض کیا ہے اور قرآن وسنت سے اس کے مخالف چیزیں پیش کی ہیں اسی لئے کئی علماء نے اس قول کے خلاف تصریح فرمائی ہے لیکن میں نے شرح العباب میں ابن الصلاح رحمہ اللہ پر لوگوں نے جو اعتراضات کئے ہیں ان کا جواب دیا ہے۔البتہ فرشتوں کا انسانوں سے تلاوت کے شوق کی احادیث صحیحہ میں تصریح ہے۔

درود شریف میں صلوٰۃ کو سلام سے اور سلام کو صلاۃ سے جدا کر کے پڑھنے کا حکم ہے

آئمہ کرام نے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر صلاۃ کو سلام سے جدا کر کے اور سلام کو صلوٰۃ سے جدا کر کے پڑھنا مکروہ ہے، بعض علماء نے فرمایا ہے کہ صلوٰۃ وسلام کے جمع کرنے سے مراد دونوں کو ملانا نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کلام یا مجلس ان دونوں سے خالی نہ ہو جیسا کہ تشہد میں صلاۃ وسلام مقترن نہیں لیکن تشہید دونوں سے کالی بھی نہیں۔ کیا حکم ایسا ہی ہے؟

اگر آپ کا جواب ہاں میں ہے تو کیا یہ حکم غیر مخصوص میں ہے یا مخصوص میں ہے جیسا کہ حضور ﷺ کا ہے:

مَنْ قَالَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ ثَمَانِيْنَ مَرَّةً اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَنَبِيِّكَ وَ رَسُوْلِكَ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ ذُنُوْبَ ثَمَانِيْنَ سَنَةً.

(الحاوی الفتاوی، کتاب النکاح، ج 1 ص: 425 مطبوعہ ایضا)

جو جمع کے دن اسی 80 مرتبہ یہ درود پڑھے کہ اے اللہ صلاۃ نازل فرما حضرت محمد ﷺ پر جو تیرے بندے اور تیرے نبی اور تیرے رسول نبی امی ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کے اسی سالوں کے گناہ بخش دے گا۔

اس مخصوص درود میں صلاۃ کو سلام سے جدا کرنے میں نص کی وجہ سے کوئی کراہت نہیں۔ کیا حکم ایسا ہی ہے یا کہ نہیں؟

جواب......اس قول کو میں نے شرح العباب میں نقل کرنے کے بعد اس کا تعاقب کیا ہے چنانچہ شرح العباب کی عبارت یہ ہے:

''یمن کے ایک فقیہ نے صلاۃ وسلام کو ایک دوسرے سے الگ کرنے کی کراہیت کو اس قید کے ساتھ مقید کیا ہے کہ جب کوئی مجلس یا کوئی کتاب دونوں کو جمع نہ کرے تو کراہیت ہوگی ورنہ نہیں۔ (قول ختم ہو گیا) یہ قول بعید نہیں اگرچہ دوسرے علماء کا ظاہر قول اس کے مخالف ہے''۔ (شرح العباب کی عبارت ختم ہوئی)

اس نزاع کی وجہ یہ ہے کہ حضرت امام نووی رحمہ اللہ نے علماء کرام سے صلاۃ وسلام کو جدا کرنے کی کراہیت نقل کی تو لوگوں نے ان پر اعتراض کیا کہ یہ تو کتاب الام وغیرہ کے کئی مقامات میں واقع ہے اس اعتراض کا یہ جواب دیا گیا کہ جن علماء نے اپنی کتابوں میں صلوٰۃ کو سلام سے جدا کر کے لکھا ہے ممکن ہے کہ انہوں نے اپنی زبان کے ساتھ صلاۃ وسلام دونوں پڑھے ہوں اور لکھا صرف صلاۃ ہو یا یہ بھی ممکن ہے، کہ انہوں نے سلام کو ذھول کی وجہ سے چھوڑا ہو یمنی فقیہ نے کتاب صلوۃ وسلام جمع نہ کرنے کو مکروہ قرار دیا ہے اور ان کے اس قول کے ردّ کی وجہ یہ ہے کہ وہ کتابیں جن میں صلاۃ وسلام کیساتھ موجود ہے اور اس کے باوجود بعض مقامات سلام کے بغیر صلاۃ پر یا صلاۃ کے بغیر سلام پر مشتمل ہونے کی وجہ سے علماء نے ان پر مذکورہ اعتراض وارد قرار دیا ہے۔ اگر جمیع کتاب میں صلاۃ وسلام کا موجود

ہوتا کافی ہوتا مثلاً کتاب کے اول میں صلاۃ ہوتی اور آخر میں سلام ہوتا تو پھر یہ اعتراض وارد نہ ہوتا۔ اسی سے معلوم ہوا کہ شبہ وارد کرنے والے لوگوں اور اس کا جواب دینے والوں کا کلام اس فقیہ کے مذکورہ قول کی تردید کرتا ہے۔

اس یمنی فقیہ نے جو تحقیق فرمائی ہے یہ اسی صورت میں درست ہوگی جب تحریر میں بھی صلاۃ وسلام کو جدا کرنا مکروہ ہوگا جب تک کتاب کے اول میں صلاۃ وسلام کو جمع نہ کیا جاتا اس وقت تک کراہیت باقی رہتی۔

جیسا کہ زین عراقی کا مسلک ہے اور بعض دوسرے لوگوں نے زین عراقی کی اتباع میں اسی مسلک کا جزم کیا ہے۔

لیکن میں نے شرح العباب میں اس مسلک پر تنقید کی ہے، اور میں نے اس تنقید میں بعض محققین کے اس سابقہ جواب سے استدلال کیا ہے جس میں انہوں نے فرمایا تھا کہ جن علماء نے اپنی کتاب میں صلاۃ وسلام کو جدا کیا ہے ممکن ہے کہ انہوں نے اپنی زبان سے دونوں کو جمع کیا ہو۔ یہ جواب اس بات کی صراحت کر رہا ہے کہ تحریر میں صلاۃ وسلام کو جدا کرنے میں کراہیت نہیں ورنہ یہ جواب درست نہ ہوتا، جب یہ ثابت ہوگیا کہ تحریر میں صلاۃ وسلام کو جدا کرنا مکروہ نہیں تو اسی سے واضح ہوگیا کہ کتاب میں صلاۃ وسلام کو جمع نہ کرنے کی قید درست ہے لیکن یہ قید اس مجلس کے ساتھ خاص ہوگی جس میں عرف کے اعتبار سے بایں طور فاصلہ طویل نہ ہو کہ صلاۃ وسلام میں سے ایک کی دوسرے سے نسبت منقطع ہوجائے ورنہ ایسی صورت میں اتحادِ مجلس کا فائدہ نہ ہوگا۔

آئمہ کرام نے فرمایا ہے کہ تشہد میں صلاۃ کو اس میں موجود سلام پر اکتفاء کرتے ہوئے سلام سے جدا کیا گیا ہے۔ آئمہ کا یہ قول صلوۃ وسلام کے درمیان اُس قرب کے اعتبار میں واضح دلیل ہے جس کا ہم نے تذکرہ کیا ہے۔ اور آئمہ کے اس قول سے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا جاسکتا ہے کہ جہاں صلاۃ، سلام سے جدا وارد ہے وہاں بھی صلاۃ کو سلام سے جدا کرنے کی کراہیت پائی جائے گی۔ جیسا کہ وہ صلاۃ جو سوال میں مذکور ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام کو صلاۃ کی کیفیت سلام سے الگ کر کے سکھائی ہے اور اس کے باوجود آئمہ کرام اس کا یہ جواب دینے پر مجبور ہوئے کہ آپ نے صلاۃ کی کیفیت سلام سے جدا کر کے اس لئے بیان فرمائی کہ تشہد میں سلام پہلے موجود تھا۔ اگر مجرد افراد (صلاۃ کا سلام سے جدا ہونا) کا ورود افراد کی کراہیت کے لئے مانع ہوتا تو آئمہ اس مذکورہ جواب کے ضرورت مند نہ ہوتے۔

جب وہ اس جواب کے محتاج ہوتے ہیں تو اسی سے ہمیں معلوم ہوا کہ مجرد ورود عدم کراہیت کے لئے کافی نہیں۔

سوال......علماء کرام نے بیان کیا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ حلف اٹھاتا ہے کہ وہ افضل صلاۃ بھیجے گا تو وہ تشہد والی صلاۃ پڑھنے سے اپنی قسم میں سچا ہوجائے گا۔ حالانکہ تشہد والی صلاۃ میں الفاظ کا اختلاف ہے ایک روایت میں لفظ سلام کا ذکر نہیں؟

جواب......جس چیز میں ہم بحث کر رہے ہیں علماء کا یہ فتویٰ اس کے منافی نہیں کیونکہ مکروہ افراد یعنی صلوۃ کو سلام سے جدا کرنا ہے نفس صلاۃ مکروہ نہیں اگرچہ اس کو سلام سے جدا بھی کیا جائے۔ ایک رکعت وتر پڑھنے کی

کراہیت کے بارے میں بعض محققین نے جو تحریر کیا ہے وہ اس کی بہترین مثال ہے کہ وہ فرماتے ہیں یہاں کراہیت سے مراد ایک رکعت پر اکتفاء کرنا ہے نہ کہ نفس نماز مکروہ ہے۔ بلکہ صلاۃ وسلام میں سے ایک کی دوسرے سے نسبت منقطع ہو جائے ورنہ ایسی صورت میں اتحاد مجلس کا فائدہ نہ ہوگا۔ یہ نماز ایک رکعت کے باوجود وہ وتر نماز ہی ہے جو افضل الروایت ہے۔

سوال ...... حافظ سخاوی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''البدیع'' میں حضرت کعب بن عجرۃ رضی اللہ عنہ وغیرہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ صلوۃ کو سلام سے اور اسی طرح سلام کو صلاۃ سے جدا کرنا مکروہ نہیں، کیونکہ سلام کی تعلیم صلاۃ کی تعلیم سے پہلے دی گئی تھی جس کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک مدت تک تشہد میں سلام کو صلاۃ سے جدا کر کے پڑھتے رہے ہیں، اور حضرت امام نووی رحمہ اللہ نے ''الاذکار'' میں اور ان کے علاوہ دیگر علماء نے کراہیت افراد کی تصریح کی ہے اور انہوں نے اس پر یہ دلیل دی ہے کہ درود کی آیت میں صلاۃ وسلام دونوں کا ایک ساتھ حکم وارد ہے (اس کے بعد حافظ سخاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں) اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کراہیت کا محل وہ مقامات ہیں جہاں صلاۃ پر اقتصار وارد نہیں (لہٰذا جہاں صلاۃ پر اقتصار وارد ہے وہاں صلاۃ پر اقتصار مکروہ نہیں ہوگا) لیکن ہمارے شیخ یعنی حافظ ابن حجر نے کراہیت کے اطلاق میں توقف فرمایا ہے۔ (امام سخاوی رحمہ اللہ کی عبارت ختم ہوئی)

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب الخ مسائل متفرقہ، ج:1 ص:428)

(مصنف فرماتے ہیں) امام نووی رحمہ اللہ کا علماء سے افراد کی کراہیت نقل کرنے کے باوجود اطلاق کراہیت میں توقف غیر مسموع اور نا قابل تسلیم ہے۔ حافظ سخاوی رحمہ اللہ نے اپنے مذکورہ اس قول (ظاہر یہ ہے کہ کراہیت کا محل وہ مقامات ہیں جہاں صلاۃ پر اقتصار وارد نہیں ہے) سے جو قید ذکر کی ہے وہ انکی غفلت پر مبنی ہے جیسا کہ سابقہ بحث سے معلوم ہو چکا ہے کہ آئمہ نے کعب بن عجرۃ وغیرہ کی حدیث میں افراد صلاۃ کا یہ جواب دیا ہے کہ تشہد میں سلام پہلے سے موجود تھا، یہ جواب اس بات کی تصریح کر رہا ہے کہ جن مقامات میں افراد واقع ہے کراہیت ان کے لئے بھی عام ہے۔ افراد کی عدم کراہیت پر یہ استدلال کہ سلام کی تعلیم صلاۃ کی تعلیم سے پہلے دی گئی تھی اسی لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تشہد میں سلام کو صلاۃ سے ایک مدت تک جدا کر کے پڑھتے رہے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ علماء جس افراد کی کراہیت کے قائل ہیں وہ استقرار حکم کے بعد کا افراد ہے۔ کیونکہ صلاۃ کی تعلیم کا سلام سے متاخر ہونے کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت تک نماز میں صلاۃ مشروع نہ تھی اور صلاۃ کا نماز میں پڑھنے کا حکم کیفیت کے علم پر موقوف تھا۔ اسی لئے صحابہ کرام کو اس کی کیفیت کے علم سے پہلے اس کو نماز میں پڑھنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ پس افراد سلام کی فقط یہی وجہ تھی۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ تشہد میں افراد سلام تشہد میں صلاۃ کی مشروعیت

یہ عمل تھا تو اس افراد سے عدم کراہیت پر استدلال بھی منفی ہوگیا اور روایۃ احادیث کے افراد کا جواب وہی ہے جو حضرت امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ علماء کرام کے افراد کا جواب دیا گیا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ افراد کی کراہیت میں علماء کا قول اجماعی ہے اور امور محتملہ کے ذریعہ اجماع کا دفاع اور اس کی تخصیص نہیں ہوسکتی اس پر غور کیجئے یہ بڑی اہم تحقیق ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی بیویوں کی تعداد میں وارد مختلف روایات میں تطبیق

سوال...... حضرت سلیمان علیہ السلام کا ارشاد: لَاَطُوْفَنَّ اللَّيْلَةَ عَلٰى سَبْعِيْنَ اِمْرَاَةً. (میں آج رات اپنی ستر بیویوں کے پاس جاؤں گا) اس قول میں مختلف روایات ہیں ان کے درمیان تطبیق کیسے ہوگی؟

جواب...... اس میں وارد روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ خواتین کی تعداد ساٹھ، ستر، اناسی، نوے اور سو ہے۔ اور ان کے درمیان تطبیق یہ ہے کہ ساٹھ آپ کی بیویاں تھیں اور باقی باندیاں تھیں یا ساٹھ باندیاں تھیں اور باقی بیویاں تھیں یا ستر کا عدد مبالغہ کے لئے ہے۔ اور نوے اس لئے فرمایا گیا کہ خواتین کی تعداد سو سے کم اور ستر سے زیادہ تھی جس نے نوے کی تعداد بیان کی اس نے کسر کو چھوڑ دیا اور جس نے سو ال کی تعداد بیان کی ہے اس نے کسر کو شامل کیا ہے۔ مصنف فرماتے ہیں۔ یہ جواب محل نظر ہے۔ کیونکہ ابن عساکر نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی چار سو بیویاں اور چھ سو باندیاں تھیں آپ نے ایک دن فرمایا میں آج رات ایک ہزار خواتین کے پاس جاؤں گا۔ (الحدیث)

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب الخ مسائل متفرقہ، ج:1 ص:428)

لہٰذا ان روایات میں زیادہ بہتر تطبیق یہ ہے کہ آپ نے یہ بات متعدد مرتبہ فرمائی تھی اور ہر بار اپنے پاس موجود خواتین کی تعداد پر اقتصار فرمایا تھا۔ اور متعدد بار فرمانے میں کوئی بعید نہیں۔ اور آپ ان شاء اللہ تعالیٰ کہنا بھول گئے تھے پس ان خواتین کے ہاں آپ کا کوئی بیٹا پیدا نہ ہوا۔

لا الہ الا اللہ افضل ہے یا الحمد للہ؟

سوال...... لا الہ الا اللہ افضل ہے یا الحمد للہ رب العالمین؟

جواب...... آئمہ کے کلام سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ اول افضل ہے اور اس کی افضلیت پر اس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے کہ

اَفْضَلُ الذِّكْرِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَفْضَلُ الدُّعَاءِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ.

ترجمہ: افضل ذکر لا الہ الا اللہ ہے اور افضل دعا الحمد للہ ہے۔

یہ حدیث اپنے منطوق کے اعتبار سے دونوں کلموں کا اپنی نوع سے افضل ہونے پر اور اپنے مفہوم کے اعتبار سے پہلے کلمہ کے دوسرے سے افضل ہونے پر دلالت کر رہی ہے کیونکہ ذکر کی نوع دعا کی نوع سے افضل ہے۔ اور پہلے کلمہ کے افضل ہونے پر اس ضعیف حدیث سے بھی استدلال کیا گیا ہے:

اَلتَّوْحِیْدُ ثَمَنُ الْجَنَّۃِ وَ الْحَمْدُ ثَمَنُ کُلِّ نِعْمَۃٍ.

توحید جنت کا ثمن ہے اور حمد ہر نعمت کا ثمن ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الاوائل باب اول ما فعل ومن فعلہ، رقم الحدیث: 35873، ج: 7 ص: 259 مطبوعہ: مکتبۃ الرشد، الریاض)

جنت تمام دنیاوی نعمتوں سے افضل ہے لہٰذا اس کا ثمن بھی افضل ہوگا۔

سوال ...... حدیث میں وارد ہے کہ:

اَنَّ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ بِعَشْرِ حَسَنَاتٍ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ بِثَلَاثِیْنَ حَسَنَۃً.

ترجمہ: لاالہ الا اللّٰہ کے عوض دس نیکیاں ہیں اور الحمد للّٰہ کے عوض تیس نیکیاں ہیں۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب الخ، مسائل متفرقہ، ج: 1 ص: 429، مطبوعہ: ایضا)

جواب ...... مفضول میں کبھی ایسی مزیت پائی جاتی ہے جو فاضل میں نہیں ہوتی۔

اعتراض

مفضول میں ایسی مزیت کا پایا جانا جو فاضل میں نہ ہو۔ اس کا محل زیادتی ثواب نہیں ہوتا بلکہ اس کے علاوہ کوئی اور چیز ہوتی ہے لیکن مذکورہ مزیت تفصیل میں زیادتی وثواب کی صراحت کر رہی ہے۔

جواب

اگر اس حدیث کی سند بغیر کسی معارض کے صحیح ہوتی تو پھر مزیت زیادتی ثواب میں صریح ہوتی لیکن حدیث کی سند ایسی نہیں۔

اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ الْقَلَمَ .

سوال ...... کیا یہ حدیث ہے یا کہ نہیں؟ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ الْقَلَمَ .

ترجمہ: سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا فرمایا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الاوائل، باب اول ما فعل الخ، رقم الحدیث: 35873، ج: 7 ص: 259 بالفاظ مختلف)

جواب ...... ہاں یہ حدیث ہے بلکہ کئی سندوں کے ساتھ صحیح ہے۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ الْعَرْشَ فَاسْتَوٰی عَلَیْہِ ثُمَّ خَلَقَ الْقَلَمَ فَاَمَرَہٗ اَنْ یَّجْرِیَ بِاِذْنِہٖ فَقَالَ یَا رَبِّ بِمَ اَجْرِیْ قَالَ بِمَا اَنَا خَالِقٌ وَ کَائِنٌ فِیْ خَلْقِیْ مِنْ قَطْرٍ اَوْ نَبَاتٍ اَوْ نَفْسٍ اَوْ

اَثَرٍ اَوْ رِزْقٍ اَوْ اَجَلٍ فَجَرَى الْقَلَمُ بِمَا هُوَ كَائِنٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ.

(مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الاوائل، باب اول ما فعل الخ، رقم الحدیث: 35873، ج:7 ص:259 بالفاظ مختلف)

بے شک اللہ تعالیٰ نے عرش کو پیدا کیا اور اس پر اپنی عظمت وجلالت ذات کے لائق استواء فرمایا پھر قلم کو پیدا فرمایا اور اس کو اپنے اذن سے لکھنے کا حکم دیا تو قلم نے عرض کی اے میرے رب! میں کیا چیز لکھوں؟ تو اللہ نے فرمایا ہر اس چیز کو لکھ جس کو میں اپنی مخلوق میں پیدا کرنے والا اور وجود بخشنے والا ہوں، وہ چیز خواہ پانی کا قطرہ ہے یا سبزہ ہے یا جاندار ہے یا اثر ہے یا رزق ہے یا موت ہے، پس قلم نے ہر چیز کو لکھا جو قیامت کے دن تک وجود پذیر ہونے والی تھی۔

اس حدیث کے رواۃ سوائے ضحاک بن فراحم کے ثقہ ہیں اور ابن حبان نے ضحاک بن فراحم کو بھی ثقہ قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سماع نہیں۔ اور ایک جماعت نے ضحاک کو ضعیف قرار دیا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوفا روایت کیا ہے:

اِنَّ اَوَّلَ شَيْئٍ خَلَقَهُ اللّٰهُ الْقَلَمَ فَاَمَرَهُ اَنْ يَّكْتُبَ كُلَّ شَيْئٍ.

اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے جس چیز کی تخلیق فرمائی وہ قلم ہے۔ پس اللہ نے اس کو ہر چیز لکھنے کا حکم دیا۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب الخ مسائل متفرقہ، ج:1 ص:429، مطبوعہ: ایضا)

اس روایت کے رواۃ ثقہ ہیں اور ابن عساکر رحمہ اللہ کی روایت میں ہے:

اِنَّ اَوَّلَ شَيْئٍ خَلَقَهُ اللّٰهُ الْقَلَمَ ثُمَّ خَلَقَ النُّوْنَ، ثُمَّ قَالَ لَهُ اُكْتُبْ مَا يَكُوْنُ اَوْ مَا كَائِنٌ.

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب الخ مسائل متفرقہ، ج:1 ص:429، مطبوعہ: ایضا)

سب سے پہلی چیز جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا وہ قلم ہے۔ اور اس کے بعد دوات کو پیدا فرمایا اور پھر قلم سے فرمایا لکھ ہر اس چیز کو جو وجود پذیر ہوگی یا وجود پذیر ہونے والی ہے۔

ابن جریر رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ن والقلم وما یسطرون تلاوت کرنے کے بعد فرمایا نور کی تختی اور نور کا قلم جو قیامت کے دن تک ہر وجود میں آنے والی چیز کو لکھتا ہے۔

عوام میں معروف چند احادیث کی تحقیق

سوال...... درج ذیل احادیث کس درجہ کی ہیں؟

1...... لَاٰيَةٌ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ خَيْرٌ مِنْ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ.

قرآن کی ایک آیت بھی حضرت محمد اور آل محمد سے افضل ہے۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب الخ مسائل متفرقہ، ج:1 ص:429، مطبوعہ: ایضا)

2......اَحِبُّوا الْبَنِيْنَ فَاِنَّ الْبَنَاتَ يُحِبِّيْنَ فِيْ اَنْفُسِهِنَّ .

بیٹوں سے محبت کرو کیونکہ بیٹیاں اپنی ذات سے محبت کرتی ہیں۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب الخ مسائل متفرقہ، ج:1 ص:429، مطبوعہ:ایضا)

3......اَنَا جَدُّ كُلِّ تَقِيٍّ. (میں ہر متقی کا جد ہوں۔)

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب الخ مسائل متفرقہ، ج:1 ص:429، مطبوعہ:ایضا)

4......مَنْ جَلَسَ فَوْقَ عَالِمٍ بِغَيْرِ اِذْنِهٖ فَكَاَنَّمَا جَلَسَ عَلَى الْمُصْحَفِ.

جس نے عالم سے اس کی اجازت کے بغیر اونچی نشست اختیار کی گویا وہ مصحف پر بیٹھ گیا۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب الخ مسائل متفرقہ، ج:1 ص:429، مطبوعہ:ایضا)

5......مَنْ بَشَّ فِيْ وَجْهِ ذِمِّيٍّ فَكَاَنَّمَا لَكَذَنِيْ فِيْ جَنْبِيْ.

جس نے ذمی کے سامنے بشاشت اختیار کی گویا اس نے میرے پہلو میں مکا مارا۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب الخ مسائل متفرقہ، ج:1 ص:429، مطبوعہ:ایضا)

6......اِطَّلَعَ ﷺ لَيْلَةَ الْمِعْرَاجِ عَلَى النَّارِ فَرَاٰى رَجُلاً حلل خضر وَ يَرُوْحُ عَلَيْهِ بِمَرَاوِحٍ فَقَالَ يَا جِبْرِيْلُ مَنْ هٰذَا قَالَ حَاتَمُ الطَّائِيُّ.

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب الخ مسائل متفرقہ، ج:1 ص:429، مطبوعہ:ایضا)

رسول اللہ ﷺ کو شب معراج دوزخ سے مطلع کیا گیا تو آپ نے اس میں ایک شخص کو دیکھا جس پر سبز رنگ کا لباس ہے اور اس پر پنکھے جھولے جا رہے ہیں تو حضور ﷺ نے فرمایا: اے جبریل! یہ کون ہے؟ جبریل نے عرض کیا یہ حاتم طائی ہے۔

7......اِنَّ شَجَرَةً كَانَتْ فِيْ بُسْتَانٍ فَقُطِعَتْ نِصْفَيْنِ فَجُعِلَ مِنْهَا نِصْفٌ فِي الْقِبْلَةِ وَ الْاٰخِرُ فِيْ مِرْحَاضٍ فَشَكَا اِلٰى رَبِّهٖ فَاَوْحٰى اِلَيْهِ اِنْ لَمْ تَنْتَهِ لَاَجْعَلَنَّكَ فِيْ مَجْلِسِ قَاضٍ لَا يَعْرِفُ الشَّرْعَ .

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب الخ مسائل متفرقہ، ج:1 ص:429، مطبوعہ:ایضا)

ترجمہ: ایک باغ میں ایک درخت تھا جس کو دو حصوں میں کاٹا گیا اور اس کا ایک حصہ قبلہ کی سمت میں گاڑھا گیا اور دوسرا حصہ بیت الخلاء میں لگایا گیا تو بیت الخلاء والے حصہ نے اللہ تعالیٰ سے شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے اس سے فرمایا اگر تم شکایت سے باز نہ آؤ گے تو میں تمہیں اس قاضی کی مجلس میں رکھ دوں گا جو شریعت کی معرفت نہیں رکھتا۔

8۔ اَیُّ شَیْئٍ ھُوَ مَا الَّذِیْ یَخْفٰی قَالَ مَا لَا یَکُوْنُ .

وہ کون سی چیز ہے جومخفی رہتی ہے فرمایا وہ جو وجود پذیر نہ ہوگی۔

(المعجم الکبیر للطبرانی، باب العین، باب من روی عن ابن مسعود الخ، رقم الحدیث: 10033، ج:10 ص:86، مطبوعہ: ایضا)

9۔۔۔۔۔اِنَّ آدَمَ وَ الطَّبَقَۃَ الْاُوْلٰی مِنْ اَوْلَادِہٖ کَانُوْا سِتِّیْنَ ذِرَاعًا وَ الثَّانِیَۃُ اَرْبَعِیْنَ وَالثَّالِثَۃُ عِشْرِیْنَ وَ الْاَرْبَعَۃُ ذِرَاعٍ.

حضرت آدم علیہ السلام اوران کی اولاد کے پہلے طبقہ کا قد ساٹھ گز اوردوسرے طبقہ کا چالیس اورتیسرے طبقہ کا بیس اور چوتھے طبقہ کا سات گز ہے۔

(المعجم الکبیر للطبرانی، باب العین، باب من روی عن ابن مسعود الخ، رقم الحدیث: 10033، ج:10 ص:86، مطبوعہ: ایضا)

جواب۔۔۔۔۔حافظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے پہلی حدیث کے بارے میں فرمایا ہے کہ میں اس کا واقف نہیں اوردوسری کے بارے میں فرمایا کہ یہ غیر معروف ہے اور مجھے حدیث کی کسی کتاب میں یہ نہیں ملی، اورتیسری کے متعلق فرمایا ہے کہ مجھے اس کی معرفت نہیں، چوتھی اور پانچویں کے متعلق فرمایا کہ ان کی کوئی اصل نہیں، چھٹی، ساتویں اورآٹھویں کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ باطلہ ہیں اورنویں کے متعلق فرمایا ہے کہ طبقات میں یہ مخصوص عدد وارد نہیں ہے۔البتہ یہ وارد ہے کہ حضرت آدم ل کی طوالت ساٹھ گز تھی اوران کے بعد والوں کا قد گھٹ گیا اور ہمیشہ انسانوں کے قد گھٹتے رہے ہیں۔

مخلوق، اللہ کا عیال ہے

سوال۔۔۔۔۔کیا یہ حدیث وارد ہے: اَلْخَلْقُ عَیَالُ اللّٰہِ وَاَحَبُّھُمْ اِلَیْہِ اَنْفَعُھُمْ لِعَیَالِہٖ.

ترجمہ: مخلوق اللہ کا عیال ہے۔اللہ کے ہاں سب سے پسندیدہ وہ ہے جو اس کے عیال کے لئے سب سے زیادہ نفع بخش ہے۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب الخ، باب مسائل متفرقہ، ج:1 ص:430، مطبوعہ: ایضا)

جواب۔۔۔۔۔ہاں یہ حدیث متعدد طرق سے وارد ہے، لیکن سارے ضعیف ہیں۔ان میں سے بعض کے الفاظ یہ ہیں:

اَلْخَلْقُ کُلُّھُمْ عَیَالُ اللّٰہِ وَ تَحْتَ کَنفِہٖ فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَی اللّٰہِ مَنْ اَحْسَنَ لِعَیَالِہٖ وَ اَبْغَضُ الْخَلْقِ اِلَی اللّٰہِ مَنْ ضَیَّقَ عَلٰی عَیَالِہٖ.

(شعب الایمان للبیہقی، المطاعم والمشارب الخ، اکل الحلم، رقم الحدیث: 5550، ج:8 ص:99، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد، ہند)

ترجمہ: ساری مخلوق اللہ کا عیال ہے اوراس کے فقط دامان میں ہے اللہ کی مخلوق میں اللہ کے ہاں سب سے زیادہ پسندیدہ وہ ہے جو اس کے عیال کے ساتھ اچھائی سے پیش آیا ہے اور مخلوق میں اللہ کے ہاں سب سے زیادہ ناپسندیدہ وہ ہے جو اس کی مخلوق پر تنگی کے ساتھ پیش آتا ہے۔

جیسے تم ہوگے ایسا تم پر حکمران ہوگا

سوال.....اس حدیث کو کس نے روایت کیا ہے؟ كَمَا تَكُوْنُوْا يُوَلُّ عَلَيْكُمْ.

ترجمہ: جیسے تم ہوگے ایسا تم پر حکمران مسلط کیا جائے گا۔

(فتاوی سبکی، کتاب العتق، باب جامع، مسئلۃ الفتوۃ وشدائخ، ج:2 ص:550 مطبوعہ: دار المعارف، بیروت)

جواب.....اس حدیث کو ابن جمیع رحمہ اللہ نے اپنی معجم میں روایت کیا ہے۔ اور ابن الانباری رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ روایت میں کما تکونوا کے جملہ سے نون اعرابی محذوف ہے۔

انڈا کھانے کے متعلق وارد حدیث

سوال.....کیا یہ حدیث وارد ہے کہ: اِنَّ نَبِيًّا مِنَ الْاَنْبِيَاءِ شَكَا الضُّعْفَ فَاَمَرَهُ اللّٰهُ بِاَكْلِ الْبَيْضِ.

ترجمہ: ایک نبی نے ضعف کی شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو انڈا کھانے کا حکم دیا۔

(المعجم الاوسط، باب المیم، من اسمہ محمد، رقم الحدیث: 6594، ج:6 ص:349)

جواب.....یہ حدیث بیہقی کے ہاں مروی ہے لیکن انتہائی ضعیف ہے۔

کیا حضور ﷺ نے شلوار زیب تن فرمائی ہے؟

سوال.....کیا حضور ﷺ نے شلوار زیب تن فرمائی ہے؟

جواب.....امام سبکی رحمہ اللہ نے اپنے فتاویٰ میں فرمایا ہے کہ حضور ﷺ نے شلوار خریدی تھی لیکن زیب تن نہیں فرمائی پھر آپ نے اسے پردہ کے لئے بہتر قرار دیا ہے۔

(مسند البزار، مسند ابی بکر الصدیق، ما روی محمد بن ابی بکر الخ، رقم الحدیث: 92، ج:1 ص:164، مطبوعہ: مکتبۃ العلوم والحکم، مدینہ منورہ)

سوال.....کیا رسول اللہ ﷺ کا شلوار پہننا ثابت ہے۔؟

جواب.....علامہ سبکی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ حضور ﷺ نے شلوار خریدی تھی لیکن استعمال نہیں فرمائی۔ اور اس کو تقی شمسی رحمہ اللہ نے "شفاء" کے حاشیہ میں علامہ سبکی رحمہ اللہ کے علاوہ کسی دوسرے سے بھی نقل کیا ہے۔

چنانچہ وہ فرماتے ہیں: علماء نے فرمایا ہے کہ حضور ﷺ کا شلوار پہننا ثابت نہیں لیکن آپ نے شلوار خریدی تھی اور اسے پہنا نہیں ہے۔ ابن قیم جوزیہ کی "کتاب الھدیٰ" میں ہے کہ آپ ﷺ نے شلوار زیب تن فرمائی ہے۔ علماء نے فرمایا یہ سبقت قلم ہے۔ (تقی شمسی رحمہ اللہ کی عبارت ختم ہوئی)

لیکن ابو یعلیٰ نے اپنی مسند میں اور طبرانی نے معجم الاوسط میں ضعیف سند کیساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ ایک دن میں حضور ﷺ کی معیت میں بازار گیا تو حضور ﷺ

پارچہ فروشوں کے ہاں تشریف فرما ہوئے اور ایک شلوار چار درہم کے عوض خریدی اور بازار والوں کے ہاں ایک ناپ تول کرنے والا ایک شخص تھا آپ نے اسے فرمایا وزن کر اور پلڑے کو جھکا۔ اور حضور ﷺ نے شلوار لی میں نے اس کو اٹھانے کے لئے آگے بڑھا تو آپ ﷺ نے فرمایا شے کا مالک اپنی شے اٹھانے کا زیادہ حقدار ہے ہاں اگر وہ اتنا کمزور ہو کہ اسے نہ اٹھا سکے تو اس کا مسلمان بھائی اس کی مدد کرے اور اس نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم کیا آپ بھی شلوار زیب تن فرماتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا ہاں میں سفر و حضر اور دن، رات میں استعمال کرتا ہوں۔ کیونکہ مجھے پردے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور میں شلوار سے زیادہ پردہ کرنے والی کوئی چیز نہیں پاتا۔

(صحیح ابن حبان، کتاب الصوم، باب الصوم المنھی عنہ، فصل فی صوم الوصال، رقم الحدیث: 3573، ج: 8 ص: 341، بالفاظ مختلف، مطبوعہ: مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

حدیث میں اخوات ھود سے کیا مراد ہے؟

سوال ...... حدیث میں ہے کہ شَيَّبَتْنِيْ هُوْدٌ وَ اَخَوَاتُهَا.

(مجھے ھود اور اس کی اخوات نے بوڑھا کر دیا۔) اخوات ھود سے کیا مراد ہے؟

(الحاوی للفتاوی، کتاب الادب والرقائق، القول الجلی فی حدیث الولی ج: 1 ص: 441، مطبوعہ: ایضا)

جواب ...... ان سے مراد سورۃ واقعہ، مرسلات، عم اور تکویر ہیں۔ جیسا کہ امام ترمذی اور حاکم رحمہما اللہ نے روایت کیا ہے اور امام طبرانی رحمہ اللہ نے سورۃ الحاقہ کو روایت کیا ہے اور ابن مردویہ نے سورہ الدھر کو روایت کیا ہے اور ابن سعد رحمہ اللہ نے سورۃ القارعہ اور وسال سائل و اقتربت الساعۃ کو روایت کیا ہے۔

حضور ﷺ کے شکم اطہر پر پتھر باندھنے کی حدیث

سوال ...... ابن حبان رحمہ اللہ کی مروی حدیث ہے کہ: اِنِّیْ اَبِیْتُ عِنْدَ رَبِّیْ یُطْعِمُنِیْ وَ یَسْقِیْنِیْ.

ترجمہ: میں اپنے رب کے ہاں رات بسر کرتا ہوں وہ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔

(الحاوی للفتاوی، کتاب الادب والرقائق، القول الجلی الخ، ج: 1 ص: 442، مطبوعہ: ایضا)

مذکورہ حدیث سے بعض حضرات نے اس حدیث کے بطلان پر استدلال کیا ہے کہ:

اَنَّهٗ ﷺ کَانَ یَضَعُ الْحَجَرَ عَلٰی بَطْنِهٖ مِنَ الْجُوْعِ.

ترجمہ: حضور ﷺ بھوک کی وجہ سے اپنے شکم اطہر پر پتھر باندھتے تھے۔

(الحاوی للفتاوی، کتاب الادب والرقائق، القول الجلی الخ، ج: 1 ص: 442، مطبوعہ: ایضا)

جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو صوم وصال کے باوجود کھلایا اور پلایا ہے تو وہ آپ کو عدم وصال کی حالت میں کیسے بھوکا چھوڑے گا؟ ان حضرات کے خیال میں دوسری حدیث میں تصحیف ہے یہ لفظ در حقیقت حجز کی بجائے زاء کے ساتھ حجز تھا۔ جس کو حرف راء کے ساتھ بدل دیا گیا ہے اور حجز ازار کے کنارے کو کہا جاتا ہے

ان حضرات کا یہ کہنا درست ہے یا کہ نہیں؟

جواب ان حضرات کا قول صحیح نہیں ہے کیونکہ مذکورہ دونوں حدیثوں کے درمیان کوئی منافات نہیں، حالت وصال اور حالت غیر وصال کے درمیان کون سی چیز جامع ہے کہ جس کی وجہ سے ایک حالت کو دوسری حالت کے لئے دلیل بنایا جائیگے کیونکہ روزہ دار کو غیر روزہ دار پر کئی تکرمات ونوازشات حاصل ہیں اور انبیاء کرام علیہم السلام کی عظمت کے اظہار کے لئے ان کو آزمائش سے گزارا جاتا ہے اور اس آزمائش کی خاطر بعض اوقات حضور ﷺ کو بھوک لاحق ہونے سے کوئی امر مانع نہیں۔جیسا کہ دوسری حدیث میں آپ فرماتے ہیں: اَجُوْعُ يَوْمًا وَ اَشْبَعُ يَوْمًا. (ایک دن میں بھوکا رہتا ہوں اور ایک دن سیر ہوتا ہوں۔)

(المعجم الکبیر للطبرانی، باب العین، رقم الحدیث: 857، ج: 17 ص: 310، مطبوعہ: مکتبہ ابن تیمیہ، قاہرہ)

اور حدیث میں ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اپنی زوجہ سے فرمایا کہ سَمِعْتُ صَوْتَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ضَعِيْفًا اَعْرِفُ فِيْهِ الْجُوْعَ . (میں نے رسول اللہ ﷺ کی آواز میں کچھ کمزوری سنی ہے جس سے مجھے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو بھوک لاحق ہوئی ہے۔)

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب والرقائق، القول الجلی الخ، ج: 1 ص: 443، مطبوعہ: ایضا)

سیرۃ البکری کا مطالعہ جائز ہے؟

سوال......کیا سیرۃ البکری کا مطالعہ جائز ہے؟۔

جواب......اس کتاب کا مطالعہ جائز نہیں کیونکہ اس کا غالب حصہ باطل اور جھوٹ ہے جس میں حق وباطل اور سچ وجھوٹ مخلوط ہو چکے ہیں جس کی وجہ سے ساری کتاب کا مطالعہ حرام ہے کیونکہ یہاں حق وباطل اور سچ وجھوٹ کے درمیان امتیاز کرنے والی کوئی چیز نہیں۔

لَوْ كَانَ بَعْدِيْ نَبِيٌّ لَكَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ حدیث کی کس کتاب میں ہے؟

سوال......لَوْ كَانَ بَعْدِيْ نَبِيٌّ لَكَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ.

ترجمہ: اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر بن خطاب ہوتے۔کیا یہ الفاظ حدیث میں وارد ہیں؟

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب والرقائق، القول الجلی الخ، ج: 1 ص: 443، مطبوعہ: ایضا)

جواب......ہاں یہ الفاظ حدیث میں وارد ہیں جس کو امام ترمذی اور امام طبرانی رحمہما اللہ نے روایت کیا ہے۔

پتھر حضور ﷺ کو سلام عرض کرتے تھے۔

سوال......کیا یہ الفاظ حدیث میں وارد ہیں؟

اِنَّ الْاَحْجَارَ سَلَّمَتْ عَلَيْهِ ﷺ حَتَّى الْبَلُوْرَ وَ اِنَّهَا اِذَا سَمِعَتِ الصَّلٰوةَ عَلَيْهِ

تُصَلِّیْ عَلَیْهِ وَ اِنَّ مَنْ کَتَبَ اِسْمَهُ الشَّرِیْفَ فِیْ وَرَقٍ بِالصَّلٰوةِ عَلَیْهِ تُصَلِّیْ عَلَیْهِ تِلْکَ الْاَحْرُفُ.

پتھروں نے حضور ﷺ پر سلام عرض کیا حتی کہ بلور نے بھی آپ کو سلام کیا۔ اور پتھر آپ ﷺ پر درود بھیجنے کی آواز سنتے ہیں تو وہ بھی آپ پر درود بھیجتے ہیں۔ اور جو شخص حضور ﷺ کا اسم مبارک بمع آپ ﷺ پر درود شریف کے کسی کاغذ پر لکھتا ہے تو وہ حروف درود لکھنے والے کے لئے دُعا کرتے ہیں۔

(صفۃ الصفوۃ ابن جوزی، ذکر المصطفیات من عابدات لقین الخ، ج:2 ص:526، مطبوعہ: مکتبۃ دار الحدیث، قاہرہ)

جواب.....ان الفاظ کا پہلا حصہ طرق صحیحہ سے ثابت ہی۔ برخلاف ان الفاظ کے جن میں بلور اور اس کے بعد والے امور کا تذکرہ ہے کہ ان کے متعلق کوئی چیز وارد نہیں۔ البتہ حدیث میں یہ الفاظ وارد ہیں:

اِنَّ مَنْ صَلّٰی عَلَیْهِ ﷺ فِیْ کِتَابٍ لَمْ تَزِلِ الْمَلَائِکَةُ تُصَلِّیْ عَلَیْهِ مَادَامَ اِسْمُهُ الشَّرِیْفُ فِیْ ذٰلِکَ الْکِتَابِ.

(المعجم الکبیر للطبرانی، مسند عبداللہ بن عمر الخ عبداللہ بن عمرو الخ، رقم الحدیث:14664، ج:14 ص:66، مطبوعہ: ایضا)

جو شخص کسی کتاب میں نبی اکرم ﷺ پر درود لکھتا ہے تو جب تک آپ ﷺ کا اسم مبارک اس کتاب میں موجود رہتا ہے تو فرشتے ہمیشہ اس درود کو لکھنے والے کے حق میں دعا کرتے رہتے ہیں

اجساد سے پہلے ارواح کی تخلیق سے متعلق حدیثوں کے درمیان تطبیق

سوال.....اُن حدیثوں کے درمیان تطبیق کیسے ہوگی جن میں اجساد سے پہلے ارواح کی تخلیق کی مدت میں اختلاف ہے؟ مثلاً ایک حدیث میں ہے: خُلِقَ الْاَرْوَاحُ قَبْلَ الْاَجْسَامِ بِاَلْفَیْ عَامٍ.

ترجمہ: ارواح کو اجسام سے دو ہزار سال پہلے پیدا کیا گیا ہے۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب والرقائق، القول الجلی الخ، ج:1 ص:444، مطبوعہ: ایضا)

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: (ارواح کو اجسام سے چار ہزار سال پہلے اور ارزاق کو ارواح سے چار ہزار سال پہلے پیدا فرمایا گیا ہے۔)

جواب.....حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو چیز ذکر کی گئی ہے وہ باطل ہے جس کی کوئی اصل نہیں اور پہلی حدیث انتہائی ضعیف ہے اسلئے اس پر اعتماد نہیں کیا جائے گا۔ البتہ یہ حدیث صحیح ہے:

اِنَّ اللّٰهَ قَدَّرَ الْمَقَادِیْرَ قَبْلَ اَنْ یَّخْلُقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِخَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ.

بے شک اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے تقادیر کا فیصلہ

فرمادیا ہے۔

(دلائل النبوۃ لابن نعیم، الفصل التاسع، فی ذکر حمل اُمہ ووضعہا وماشاہدت الخ، رقم الحدیث: 77، ج:1 ص:135، مطبوعہ: دار النفائس، بیروت)

اور یہ ارزاق کو بھی شامل ہے۔

بحیرہ راہب کی موت دین حق پر ہوئی ہے؟

سوال ......حضور ﷺ کو خوشخبری دینے والا بحیرا کیا آپ کی بعثت سے پہلے گزرا ہے؟ اور کیا اس کی موت مسلمان ہونے کی حالت میں ہوئی ہے؟۔

جواب...... ہاں وہ بعثت سے ایک طویل زمانہ پہلے گزرا ہے۔ طبقات ابن سعد اور دلائل ابونعیم میں ہے کہ جس وقت اس نے رسول اللہ ﷺ کو بشارت دی تھی اس وقت آپ ﷺ کی عمر مقدس بارہ سال کی تھی اور ابن مندہ کی روایت میں ہے اس وقت آپ کی عمر بیس سال تھی۔ اور الاصابہ میں ہے کہ مجھے معلوم نہیں کہ بحیرا نے بعثت کا زمانہ پایا تھا یا کہ نہیں، حالانکہ ابن مندہ اور ابونعیم نے اس کو صحابہ میں ذکر کیا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس کی موت دین حق پر ہوئی ہے اگرچہ اس نے بعثت کا زمانہ نہیں پایا لیکن اس نے نصرانیت کا دین پایا ہے اور بعثت محمدیہ سے پہلے دین نصرانیت منسوخ نہیں ہوا تھا۔

(شعب الایمان للبیہقی، باب فی السرور الخ فصل فی الطبع علی القلب الخ، رقم الحدیث: 6831، ج:9 ص:384، مطبوعہ: ایضا)

حضور ﷺ کی ولادت کے وقت فرشتوں کا آپ کی چھینک پر جواب دینا ثابت ہے یا کہ نہیں؟

سوال...... کیا یہ ثابت ہے کہ حضور ﷺ کی ولادت کے متصل آپ کو چھینک آئی تو فرشتوں نے اس وقت آپ کی چھینک پر آپ کو دعا دی۔؟

جواب...... حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ حضرت شفاء سے دلائل ابونعیم میں یہ حدیث منقول ہے۔ کہ حضور ﷺ کی جب ولادت ہوئی تو آپ حضرت شفاء کے ہاتھوں میں تھے اور آپ نے آواز بلند فرمائی تو حضرت شفاء نے کسی کہنے والے کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رَحِمَکَ اللّٰہُ (اللہ آپ پر رحم فرمائے) یا یہ سنا کہ رَحِمَکَ رَبُّکَ (آپ پر آپ کا رب رحم فرمائے۔)

(الحاوی للفتاوی، کتاب الادب والرقائق، القول الجلی الخ ج:1 ص:446، مطبوعہ: ایضا)

استھلال نومولود کی پہلی آواز کو کہا جاتا ہے، پس اگر یہاں آواز سے مراد چھینک لی جائے تو اس کا احتمال ہے اور حدیث میں جس قائل کا ذکر ہے اس کو فرشتے پر محمول کرنا ظاہر ہے (کہ اس وقت وہ فرشتہ ہی ہوسکتا ہے)

بخار سے متعلق حدیث

سوال...... کیا یہ حدیث میں وارد ہے کہ حُمّٰی بَرِیْدُ الْمَوْتِ (بخار موت کا پیغام رساں ہے) حالانکہ ہر بخار ایسا

نہیں ہوتا۔؟

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب والرقائق، القول الجلی الخ ج:1 ص 446، مطبوعہ ایضا)

جواب..... یہ حدیث ضعیف ہے اس کا مطلب ہے کہ بخار موت کا وہ قاصد ہے جو موت سے پہلے آتا ہے، اور یہ چیز بخار کے مستلزم موت نہ ہونے کے منافی نہیں کیونکہ تمام امراض بحیثیت امراض موت کے مقدمات اور موت سے ڈرانے والے ہیں اگرچہ وہ سلامتی کے ساتھ گزر بھی جائیں اللہ تعالیٰ نے امراض کو انسان کے لئے تذکرہ قرار دیا ہے کہ جن کی وجہ سے وہ موت کو یاد کرتا ہے۔

ایک حدیث کے الفاظ کی تصحیح

سوال..... حدیث میں ہے کہ آگ کا جلانا بھی شفاء بن جاتا ہے اس حدیث میں لَـــذْعَةٌ ذال معجمہ اور عین معجمہ کیساتھ ہے یا کہ دال مہملہ اور عین مہملہ کے ساتھ لدعة ہے۔

جواب..... یہ لفظ ذال معجمہ اور عین مہملہ کے ساتھ لَـــذْعَةٌ ہے اور اس کا مطلب آگ کا جلانا ہے۔ یہ لفظ دال مہملہ اور عین مہملہ کے ساتھ نہیں جیسا کہ عوام اس کا نطق کرتے ہیں۔

مجالس کو دُرود شریف سے مزین کرنے کے متعلق حدیث

سوال..... کیا یہ حدیث وارد ہے۔؟

زَيِّنُوْا مَجَالِسَكُمْ بِالصَّلٰوةِ عَلَيَّ فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ تَبْلُغُنِيْ وَ تُعْرَضُ عَلَيَّ.

اپنے مجالس کو مجھ پر درود بھیجنے کے ساتھ زینت بخشو! بے شک تمہارا درود مجھ تک پہنچتا ہے اور مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب والرقائق، القول الجلی الخ ج:1 ص:446، مطبوعہ:ایضا)

جواب..... یہ ضعیف حدیث ہے لیکن ان الفاظ کے ساتھ ہے۔

فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ نُوْرٌ لَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

ترجمہ: بے شک تمہارا درود قیامت کے لئے تمہارے لئے روشنی بنے گا۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب والرقائق، القول الجلی الخ ج:1 ص:446، مطبوعہ:ایضا)

ایک دوسری ثابت، قوی حدیث کا حصہ ہے۔

کیا کاتنے کے متعلق کوئی چیز وارد ہے؟

سوال..... کیا کاتنے کے متعلق کوئی چیز وارد ہے یا کہ نہیں؟

جواب..... ابن عساکر رحمہ اللہ نے زیاد بن عبداللہ قرشی سے تخریج کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں حجاج بن یوسف

کی بیوی ہند بنت الحباب بن ابی صفرۃ کے ہاں گیا میں نے اس کے ہاتھ میں ایک تکلہ دیکھا کہ جس کے ساتھ وہ کات رہی تھی تو میں نے اس سے کہا کہ کیا تو بھی کات رہی ہے حالانکہ تو حکمران کی بیوی ہے تو اس نے کہا کہ میں نے اپنے باپ سے سنا ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

اَطْوَلُكُنَّ طَاقَةً اَعْظَمُكُنَّ اَجْرًا وَهُوَ يَطْرِدُ الشَّيْطَانَ وَ يُذْهِبُ بِحَدِيْثِ النَّفْسِ.

اے خواتین تم میں سے جو زیادہ طاقتور ہے وہ زیادہ اجر والی ہے اور کاتنے کا عمل شیطان کو بھگاتا ہے حدیث نفس (شیطانی وسوسہ) کو دور کرتا ہے۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب والرقائق، القول الجلی الخ ج:1 ص:447 مطبوعہ: ایضا)

اور ابن عساکر رحمہ اللہ نے یہ حدیث بھی تخریج کی ہے لیکن اس کی سند میں ایک متروک راوی ہے:

عَمَلُ الْاَبْرَارِ مِنَ الرِّجَالِ الْخِيَاطَةُ وَعَمَلُ الْاَبْرَارِ مِنَ النِّسَاءِ الْغَزْلُ.

مردوں کے نیک اعمال میں سے خیاطت (سینے) کا عمل ہے اور عورتوں کے نیک اعمال میں سے کاتنے کا عمل ہے۔

(المعجم الاوسط للطبرانی، باب العین، من اسمہ عبداللہ، رقم الحدیث:4345، ج:4 ص:329 مطبوعہ: دارالحرمین، قاہرہ)

ابن عساکر رحمہ اللہ ہی نے بازد بن ابی اسکن سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا ان کے ہاتھ میں ایک تکلہ تھا جس کے ساتھ وہ کات رہی تھیں تو میں نے عرض کی کہ میں جب بھی آپ کے ہاں آتا ہوں تو آپ نے ہاتھ میں تکلہ دیکھتا ہوں تو انہوں نے فرمایا کہ تکلہ شیطان کو بھگاتا ہے اور حدیث نفس کو دور کرتا ہے۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب والرقائق، القول الجلی الخ ج:1 ص:448 مطبوعہ: ایضا)

اور مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

اِنَّ اَعْظَمَكُنَّ اَجْرًا اَطْوَلُكُنَّ طَاقَةً .

ترجمہ: تم خواتین میں بڑے اجر والی وہ ہیں جو تم میں زیادہ طاقتور ہیں۔

(سنن ابن ماجہ، ابواب الزھد، باب فی المکثرین، رقم الحدیث:4133، ج:5 ص:246 مطبوعہ: دارالرسالۃ العالمیہ، بیروت)

اور مروی ہے کہ:

زَيِّنُوْا مَجَالِسَ نِسَائِكُمْ بِالْمَغْزِلِ. (اپنے عورتوں کی مجالس کو تکلے کے ساتھ زینت بخشو)

لیکن اس روایت کی سند میں ایک راوی متروک الحدیث اور کذاب ہے۔

حضور ﷺ کا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے پاس سے الٹے پاؤں لوٹنے میں حکمت

سوال...... حضور ﷺ کا اپنے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو مدہوش پا کر الٹے پاؤں لوٹنے کی کیا وجہ تھی؟

جواب...... حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ تحریم خمر سے پہلے مستی کے عالم میں تھے۔ حضور ﷺ اس خدشہ کے پیش نظر الٹے پاؤں لوٹے کہ اگر آپ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی طرف پشت کر کے لوٹتے ہیں تو کہیں وہ آپ پر حملہ نہ کردیں یا آپ یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ آپ کے واپس لوٹنے کے بعد کیا کریں گے یا یہ واقعہ الٹے پاؤں لوٹنے کی نہی سے پہلے کا ہے یا راوی نے ان الفاظ کے ساتھ آپ کے گھر کی طرف لوٹنے سے کنایہ کیا ہے اور یہ پشت سے کنایہ نہیں جیسا کہ کہا گیا ہے "لیکن یہ آخری جواب بعید ہے"۔

حضور ﷺ کی ایک دعا

سوال...... اس حدیث کو کس نے روایت کیا ہے: اَللّٰھُمَّ مَنْ اَحْبَبْتَهٗ اَقِلَّ مَالَهٗ وَوَلَدَهٗ.

ترجمہ: اے اللہ! جس کے ساتھ میں محبت کروں اسکے مال اور اس کی اولاد میں قلت پیدا فرما۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب والرقائق، القول الجلی الخ ج:1 ص:449، مطبوعہ: ایضا)

جواب...... اس حدیث کو ابن ماجہ نے اپنی سنن میں اور امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں۔

اَللّٰھُمَّ مَنْ اٰمَنَ بِیْ وَصَدَّقَنِیْ وَ عَلِمَ مَا جِئْتُ بِهٖ ھُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِکَ فَاَقْلِلْ مَالَهٗ وَ وَلَدَهٗ وَ حَبِّبْ اِلَیْهِ لِقَاءَکَ وَ عَجِّلْ لَهُ الْقَضَاءَ وَ مَنْ لَّمْ یُؤْمِنْ بِیْ وَلَمْ یُصَدِّقْنِیْ وَ لَمْ یَعْلَمْ مَاجِئْتُ بِهٖ ھُوَالْحَقُّ مِنْ عِنْدِکَ فَاَکْثِرْ لَهٗ مَالَهٗ وَ وَلَدَهٗ وَ اَطِلْ عُمْرَهٗ.

اے اللہ! جو مجھ پر ایمان لائے اور میری تصدیق کرے اور جو چیز میں لے کر آیا ہوں اس کو تیری جانب سے حق یقین کرے تو اس کے مال اور اس کی اولاد میں قلت پیدا فرمادے اور اپنی ملاقات اس کے ہاں محبوب بنا دے اور اس کی موت میں عجلت فرمادے اور جو مجھ پر ایمان نہ لائے اور میری تصدیق نہ کرے اور جو چیز میں لے کر آیا ہوں اس کو تیری جانب سے حق نہ جانے تو اس کے مال اور اس کی اولاد میں کثرت پیدا فرمادے اور اس کی عمر دراز فرمادے۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب والرقائق، القول الجلی الخ ج:1 ص:449، مطبوعہ: ایضا)

اس حدیث کی سند صحیح ہے لیکن اس کے راوی کی صحبت میں اختلاف ہے۔ سعید بن منصور نے یہ حدیث تخریج کی ہے:

اَللّٰھُمَّ مَنْ اَبْغَضَنِیْ وَعَصَانِیْ فَاَکْثِرْ لَهٗ مِنَ الْمَالِ وَالْوَلَدِ اَللّٰھُمَّ مَنْ اَحَبَّنِیْ وَاَطَاعَنِیْ فَارْزُقْهُ الْکَفَافَ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْ اٰلَ مُحَمَّدٍ الْکَفَافَ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْ یَوْمَ بِیَوْمٍ.

اے اللہ! جو میرے ساتھ عداوت رکھے اور میری نافرمانی کرے اس کے مال اور اولاد میں کثرت فرما۔ اے اللہ جو میرے ساتھ محبت کرے اور میری اطاعت کرے تو اسے گزارہ کے لائق اور لوگوں سے مستغنی کرنے والا رزق دے۔ اے اللہ! آل محمد کوان کے گزارہ کے لائق رزق دے۔ اے اللہ! روز کا روز رزق دے۔

(الخلعیات، الجزء العاشر، رقم الحدیث: 2412، ج:3، ص: 237، مطبوعہ: وزارۃ الاوقاف، قطر)

ایک حدیث کا حوالہ

سوال.....کیا یہ حدیث میں وارد ہے: مَنْ لَمْ يَكُنْ عِنْدَهُ صَدَقَةٌ فَلْيَلْعَنِ الْيَهُوْدَ.

ترجمہ: جس کے ہاں صدقہ نہیں تو وہ یہود پر لعنت کرے۔

(سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ، رقم الحدیث: 3265، ج:7، ص: 263)

جواب.....ہاں یہ حدیث ہے اس کو سلفی، دیلمی اور ابن عدی نے روایت کیا ہے۔

ایک حدیث کا مطلب

سوال.....اس حدیث کا کیا مطلب ہے: حَيَاتِيْ خَيْرٌ لَّكُمْ وَمَوْتِيْ خَيْرٌ لَّكُمْ.

ترجمہ: میری حیات تمہارے لئے خیر کا باعث ہے اور میری موت تمہارے لئے خیر کا باعث ہے۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب والرقائق، قطف الثمر الخ ج:1، ص: 452، مطبوعہ: ایضا)

جواب.....اس حدیث میں خیر کے لفظ کو اسم تفضیل کا صیغہ قرار دینے کی صورت میں اشکال پیدا ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ اسم تفضیل کا صیغہ نہیں بلکہ یہ تفضیل بیان کرنے کے لئے ہے (یعنی صفت مشبہ کا صیغہ ہے) افضلیت بیان کرنے کیلئے نہیں (یعنی اسم تفضیل کا صیغہ نہیں) جیسا کہ ان آیات میں خیر کا کلمہ افضلیت کے بیان کے لئے نہیں آیا:

اَفَمَنْ يُّلْقٰى فِي النَّارِ خَيْرٌ. (سورۃ السجدہ، آیت: 40)

ترجمہ: تو کیا جو آگ میں ڈالا جائے گا وہ بھلا ہے۔

وَ اَصْحَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا. (سورۃ الفرقان، آیت: 24)

ترجمہ: جنت والوں کا اس دن اچھا ٹھکانا ہوگا۔

ان آیات میں خیر کا کلمہ افضلیت کے لئے نہیں۔ لہٰذا حضور ﷺ کی حیات اور آپ کا وصال دونوں خیر ہیں لیکن ان میں سے ایک دوسرے سے زیادہ خیر ہے اور یہ ایسی چیز ہے کہ جس سے دونوں میں سے ہر ایک مراد ہے۔ خیر سے اگر مجرد تفضیل مراد لی جائے تو اس کی ضد شر ہوتا ہے اور اس میں کوئی کلمہ حذف نہیں ہوتا اور اسکی تانیث خیرۃ ہوتی ہے جسکی جمع خیرات آتی ہے۔ خیرات کا مطلب ہر شے کی فاضلات ہوتا ہے اور اگر خیر سے مراد افضلیت لی جائے تو پھر

اس کا صلہ حرف من آتا ہے اور اسکی اصل اخیر تھی اس کے ہمزہ کو تخفیف کے لئے حذف کر دیا گیا ہے اس کا مقابل شر ہے جس کی اصل اشر تھا۔ اور خیر بمعنی افضل کی نہ مؤنث آتی ہے اور نہ اس کا تثنیہ آتا ہے اور نہ جمع آتی ہے۔

محافظ فرشتے کس چیز کے ساتھ لکھتے ہیں؟

سوال......محافظ فرشتے کس چیز کے ساتھ لکھتے ہیں؟

جواب......حدیث میں ہے کہ ان کی روشنائی لعاب دہن اور ان کی قلمیں مخلوق کی زبانیں ہیں البتہ اس رجسٹر کی تعیین وارد نہیں جس میں وہ لکھتے ہیں۔ (میں قلت پیدا فرما۔)

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب والرقائق ،قطف الثمر الخ ج:1 ص:454، مطبوعہ: ایضا)

حضور ﷺ کے زمانہ اقدس میں شمع روشن کی جاتی تھی

سوال......کیا حضور ﷺ کے زمانہ اقدس میں شمع موجود تھی؟

جواب......حافظ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کی بعثت سے قبل شمع موجود تھی۔ جیسا کہ العسکری رحمہ اللہ نے ''الاوائل'' میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ سب سے پہلے جس شخص کے لئے شمع روشن کی گئی تھی وہ جدیمہ بن مالک الابرش تھا بلکہ حدیث میں وارد ہے کہ حضرت عبداللہ ذوالنجادین کی تدفین کے وقت رسول اللہ ﷺ کے لئے شمع روشن کی گئی تھی۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب والرقائق ،قطف الثمر الخ ج:1 ص:455، مطبوعہ: ایضا)

کیا حور وغلمان کو موت آئے گی؟

سوال......کیا حور وغلمان اور زبانیہ (عذاب کے فرشتوں) پر موت آئے گی؟

جواب......ان کو موت نہیں آئے گی یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے تحت داخل ہیں:

اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ (سورۃ الزمر، آیت:68)

جب صور پھونکا جائے گا تو سب پر موت طاری ہوگی مگر جسے اللہ چاہے۔

لیکن فرشتوں کو موت آئے گی، جو نصوص اور اجماع سے ثابت ہے۔ فرشتوں کی ارواح کو ملک الموت قبض کرے گی اور ملک الموت کی موت ملک الموت کے بغیر واقع ہوگی۔

طاعون کے متعلق احادیث

سوال......کیا حدیث میں یہ وارد ہے؟ اَلطَّاعُوْنُ وَخْزُ اِخْوَانِكُمْ. (طاعون تمہارے بھائیوں کی چبھن ہے۔)

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب والرقائق ،قطف الثمر الخ ج:1 ص:455، مطبوعہ: ایضا)

اور کیا حضور ﷺ نے طاعون سے پناہ مانگی ہے۔ اور کیا حدیث میں یہ وارد ہے:

مَا اَللّٰهُ لَا يُؤْلِفُ تَحْتَ الْاَرْضِ؟

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب والرقائق، تقطف الثمر الخ ج:1 ص:455، مطبوعہ: ایضا)

جواب.....حفاظ حدیث کی تحقیق کے مطابق اس حدیث میں اخوانکم کا لفظ وارد نہیں بلکہ اس کی بجائے وَ خُلْ اَعْدَائِکُمْ کے الفاظ محفوظ ہیں۔اور حضور ﷺ کا طاعون سے پناہ مانگنا ثابت نہیں بلکہ ابو یعلیٰ کی حدیث میں آپ ﷺ کا طاعون کی دعا کرنا اور اسے اپنی امت کے لئے طلب کرنا ثابت ہے۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب والرقائق، تقطف الثمر الخ ج:1 ص:455، مطبوعہ: ایضا)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے تخریج کیا ہے کہ: اِنَّ الطَّاعُوْنَ شَهَادَةٌ وَ رَحْمَةٌ وَ دَعْوَةُ نَبِيِّكُمْ (بیشک طاعون شہادت، رحمت اور تمہارے نبی کی دعا ہے۔)

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب والرقائق، تقطف الثمر الخ ج:1 ص:455، مطبوعہ: ایضا)

حضرت ابو قلابہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں مجھے طاعون کے شہادت ہونے کی معرفت تو تھی لیکن مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ نبی کی دعا ہے۔حتی کہ مجھے خبر دی گئی کہ رسول اللہ ﷺ ایک رات نماز ادا کر رہے تھے اور آپ نے اپنی دعا میں تین مرتبہ یہ کہا: فَحَمًى اذن اَوْ طَاعُوْنًا. (تو تب تپ یا طاعون ملے۔)

(حلیۃ الاولیاء، سعید بن جبیر الخ، مکحول الشامی ومنہم الخ، ج:5 ص:186، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ بیروت)

جب آپ نے صبح فرمائی تو آپ کی اہل بیت میں سے کسی نے عرض کی یارسول اللہ! میں نے آج رات آپ کو دعا کرتے ہوئے سنا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تو نے دعا سنی ہے؟ تو عرض کی ہاں میں نے سنی ہے آپ ﷺ نے فرمایا میں نے اپنے رب سے درخواست کی تھی کہ وہ میری امت کو قحط سالی سے ہلاک نہ فرمائے تو اللہ تعالیٰ نے میری یہ درخواست قبول فرمائی اور میں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا تھا کہ وہ میری امت پر اپنوں کے سوا کوئی دشمن مسلط نہ فرمائے تو اللہ تعالیٰ نے میرا یہ سوال بھی قبول فرمالیا اور میں نے اللہ تعالیٰ سے التجا کی تھی کہ اللہ تعالیٰ میری امت کو فرقہ بندی سے اور ایک دوسرے کے ساتھ لڑائیوں سے محفوظ رکھے تو میری یہ درخواست منظور نہیں ہوتی تو میں نے تین مرتبہ یہ عرض کیا کہ (تو پھر میری امت) تپ یا طاعون میں مبتلا کی جائے۔امام احمد رحمہ اللہ وغیرہ ائمہ نے یہ حدیث تخریج کی ہے:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فَنَاءَ اُمَّتِيْ قَتْلًا فِيْ سَبِيْلِكَ بِالطَّعْنِ وَالطَّاعُوْنِ.

اے اللہ! میری امت کی ہلاکت اپنی راہ میں نیزے اور طاعون سے شہادت کو بنا۔

(مسند احمد، مسند المکثرین الخ، مسند ابی ہریرۃ الخ، رقم الحدیث: 9461، ج:15 ص:274، مطبوعہ: ایضا)

حضرت جبریل علیہ السلام قریب الموت انسان کے پاس تشریف لاتے ہیں

سوال ......کیا کتاب الدرۃ الفاخرۃ کی نسبت امام غزالی رحمہ اللہ کی طرف جھوٹی ہے؟ اور کیا اس میں موجود یہ چیز

درست ہے کہ قریب الموت انسان کے پاس شیاطین اس کے والدین کی صورت میں یہود ونصاریٰ کے لباس میں آتے ہیں اوراس پر ہر ملت کو پیش کرتے ہیں تاکہ وہ اسے گمراہ کردیں۔اورکیا حضرت جبریل علیہ السلام مومن کے پاس اس کی موت کے وقت تشریف لاتے ہیں؟

جواب......الدرۃ الفاخرۃ کی نسبت حضرت امام غزالی رحمہ اللہ کی طرف جھوٹی نہیں اکابر نے اس کتاب کوامام غزالی رحمہ اللہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ہاں البتہ اس کتاب کے اس وقت جو نسخے موجود ہیں وہ الفاظ وکلمہ اورایسے جملوں پرمشتمل ہیں جن کے اعراب درست نہیں ہیں۔ظاہر یہ ہے کہ یہ چیزیں عوام کے ہاتھوں میں کثرت سے متداول ہونے کی وجہ سے کاتبوں کی غلطیاں ہیں حضرت حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کتاب سے کچھ ایسی عبارات نقل کی ہیں جو اس وقت اس میں نہیں ملتی ہیں یہ چیز اس کتاب کی تحریف پردلیل ہے۔

حافظ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں مذکورہ عبارت حدیث میں وارد نہیں بلکہ اس کے قریب قریب کے الفاظ ہیں۔ اور یہ ابونعیم کی حدیث ہے:

اَحْضِرُوْا مَوْتَاكُمْ وَلَقِّنُوْهُمْ لاَ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَ بَشِّرُوْهُمْ بِالْجَنَّةِ فَاِنَّ الْحَلِيْمَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَاءِ يَتَحَيَّرُ عِنْدَ ذٰلِكَ الْمَصْرَعِ وَاِنَّ الشَّيْطَانَ اَقْرَبُ مَا يَكُوْنُ مِنِ ابْنِ آدَمَ عِنْدَ ذَالِكَ الْمَصْرَعِ.

(الحاوی الفتاوی،کتاب الادب والرقائق ،قطف الثمر الخ ج:1 ص:458،مطبوعہ:ایضا)

ترجمہ:اپنے قریب الموت لوگوں کے پاس حاضر رہواوران کو''لا الہ الا اللہ'' کی تلقین کرواور جنت کی بشارت دو کیونکہ عقلمند مرد وعورت اس موقع پر حیرت زدہ ہوجاتے ہیں۔اور اس وقت شیطان انسان کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔

ایک مرسل جید الاسناد حدیث میں ہے:

وَ اَقْرَبُ مَايَكُوْنُ عَدُوُّ اللّٰهِ مِنَ الْاِنْسَانِ سَاعَةُ طَلُوْعِ رُوْحِهٖ.

اللہ کا دشمن انسان کے اس وقت زیادہ قریب ہوتا ہے جب اس کی روح کے نکلنے کالمحہ ہوتا ہے۔

(الحاوی الفتاوی،کتاب الادب والرقائق ،قطف الثمر الخ ج:1 ص:458،مطبوعہ:ایضا)

طبرانی نے حضرت میمونہ بنت سعد سے تخریج کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ یارسول اللہ! کیا جنابت والا انسان سوسکتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

مَا اُحِبُّ اَنْ يَّنَامَ الْجُنُبُ حَتّٰى يَتَوَضَّأَ اِنِّيْ اَخَافُ اَنْ يُّتَوَفّٰى فَلاَ يَحْضُرُهُ جِبْرِيْلُ .

میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ جنابت والا انسان وضوء کرنے سے پہلے سو جائے کیونکہ مجھے اس بات کا خوف لگتا ہے کہ کہیں اس کی موت آجائے اور جبریل اس کے پاس حاضر نہ ہو۔

(صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب نزول عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام، رقم الحدیث: 155، ج: 1 ص: 135 مطبوعہ ایضاً)

یہ حدیث اپنے مفہوم کے اعتبار سے اس چیز پر دلالت کر رہی ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام قریب الموت انسانوں کے ہاں حاضر ہوتے ہیں اور اس چیز پر بھی دلالت کرتی ہے کہ جنابت حضرت جبریل علیہ السلام کی تشریف آوری کے لئے رکاوٹ و مانع ہے لیکن حدث اصغر قریب الموت کا (بے وضو ہونا) جبریل علیہ السلام کی تشریف آوری کے لئے مانع نہیں ہے۔

ایک نہایت ضعیف حدیث میں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے کچھ پہلے آپ کی خدمت میں عرض کی کہ:

هٰذَا آخِرُ وَطَائِیْ فِی الْاَرْضِ. (یارسول اللہ زمین پر یہ میری آخری آمد ہے۔)

(مسند احمد، مسند ابی ہریرۃ، صحیفہ ہمام بن منبہ، رقم الحدیث: 8183، ج: 8 ص: 233 مطبوعہ ایضاً)

اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو بھی اس کے بعد حضرت جبریل علیہ السلام کی زمین پر آمد کے معارض نہ ہوتی کیونکہ اس حدیث میں حضرت جبریل علیہ السلام کی اس آمد کی نفی ہے جو وحی کے ساتھ ہوتی تھی اور (بغیر وحی کے آمد کی نفی نہیں) صحیح احادیث میں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام لیلۃ القدر کو زمین پر تشریف لاتے ہیں اور مسلم شریف کی دوسری حدیث کے ظاہر سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب والرقائق تطف الشر، ج: 1 ص: 461 مطبوعہ ایضاً)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا

سوال...... ان احادیث کے درمیان تطبیق کیسے ہوگی؟

1...... اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَتَّخِذُ عِنْدَکَ عَهْدًا لَا تُخْلِفُنِیْهِ فَاِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ فَاَیُّ الْمُؤْمِنِیْنَ اٰذَیْتُهٗ اَوْ سَبَبْتُهٗ اَوْ جَلَدْتُهٗ فَاجْعَلْهَا لَهٗ صَلَاةً وَ زَکَاةً وَقُرْبَةً تُقَرِّبُهٗ بِهَاۤ اِلَیْکَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ .

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب والرقائق تطف الشر، ج: 1 ص: 460 مطبوعہ ایضاً)

اے اللہ میں تیری بارگاہ سے ایسا عہد کرتا ہوں کہ تو اس کی مخالفت نہ فرما۔ میں ایک بشر ہوں مؤمنوں میں سے جس کو میری طرف سے اذیت پہنچے یا جس کو میں برا بھلا کہوں یا جس کو میں کوڑے ماروں تو (اس چیز کو) اس کیلئے نماز، زکوٰۃ اور ایسی قربت بنا کہ جس کے سبب تو اس کو قیامت کے دن اپنی قربت نصیب فرمائے۔

2......اور صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو ایک شخص کی حفاظت کی ذمہ داری سونپی اور فرمایا اسکی حفاظت کرنا، حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے اس کی حفاظت میں غفلت ہوئی اور وہ چلا گیا تو حضور ﷺ نے حضرت حفصہ سے فرمایا:

قَطَعَ اللّٰهُ يَدَكِ. (اللہ تعالیٰ تیرے ہاتھ قطع فرمائے۔)

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا یہ سن کر خوف زدہ ہو گئیں تو حضور ﷺ نے فرمایا:

إِنِّيْ سَأَلْتُ رَبِّيْ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى أَيُّمَا إِنْسَانٍ مِنْ أُمَّتِيْ دَعَوْتُ اللّٰهَ عَلَيْهِ أَنْ يَجْعَلَهَا لَهُ مَغْفِرَةً.

(المعجم الاوسط للطبرانی، باب الفاء، من اسمہ: الفضل، رقم الحدیث: 4952، ج:5 ص:163 مطبوعہ: ایضا)

ترجمہ: میں نے اپنے رب تبارک وتعالیٰ سے درخواست کی ہے کہ میں اپنی امت میں سے جس انسان کیخلاف اللہ تعالیٰ سے دعا کروں تو وہ اس دعا کو اس کے لئے مغفرت بنا دے۔

3......اور حضور ﷺ کی دعا ہے:

اَللّٰهُمَّ مَنْ وَلِيَ مِنْ أَمْرِ أُمَّتِيْ شَيْئًا فَشَقَّ عَلَيْهِمْ فَاشْقُقْ اللّٰهُ عَلَيْهِ.

ترجمہ: اے اللہ جو میری امت کے کسی معاملے کا ذمہ دار بن جائے اور وہ ان پر سختی سے پیش آئے تو اللہ تعالیٰ اس پر سختی فرمائے۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب والرقائق قطف الثمر، ج:1 ص: 461 مطبوعہ: ایضا)

پہلی دونوں حدیثوں کے پیش نظر حضور ﷺ نے امت کے جابر حکمران کیخلاف جو دعا فرمائی ہے وہ اس کے حق میں دعا ہے اور بظاہر یہ مقصد کے منافی نظر آتی ہے۔

جواب......ان دونوں حدیثوں کے درمیان کوئی منافات نہیں کیونکہ پہلی دونوں حدیثیں اس دعا کے بارے میں ہیں جو دعا بغیر کسی سبب کے مانگی جائے اور آخری حدیث اس دعا کے بارے میں ہے جو دعا کسی سبب کی وجہ سے مانگی جائے۔ اور پہلی دونوں حدیثیں اس دعا کے متعلق ہیں جو کسی معین شخص کے خلاف مانگی جائے اور آخری حدیث اس دعا کے بارے میں ہے جو کسی غیر معین اور مبہم کے خلاف مانگی جائے۔ ابن القاضی اور امام الحرمین نے تصریح کی ہے کہ حضور ﷺ کے خصائص میں سے ہے کہ آپ جس کسی کے خلاف بغیر کسی سبب کے دعا مانگنا چاہیں تو آپ کے لئے جائز ہے اور پہلی دونوں حدیثوں میں جن فوائد کی طرف اشارہ فرمایا ہے اس دعا میں وہ فوائد حاصل ہوں گے۔

سوال......اس حدیث کو کس نے روایت کیا ہے؟

اَذِیْبُوْا طَعَامَکُمْ بِذِکْرِ اللّٰہِ وَالصَّلَاۃِ وَ لَا تَنَامُوْا عَلَیْہِ تَغْفُلْ قُلُوْبُکُمْ.

اپنے کھانے کو اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نماز کے سبب ہضم کرو کھانے کی حالت میں آرام نہ کرو کہ تمہارے دلوں میں غفلت پیدا ہوگی۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب والرقائق تلطف المثر، ج:1 ص: 461 مطبوعہ: ایضا)

جواب......اس حدیث کو امام طبرانی رحمہ اللہ نے ''معجم الاوسط'' میں روایت کیا ہے اور ابن سنی رحمہ اللہ نے بھی روایت کیا ہے۔

سوال......حضرت شیخ نجم الدین الکبیر رحمہ اللہ کے اس قول کا کیا مطلب ہے؟

اِنَّ الذِّکْرَ لَیَقْطَعُ لُقَیْمَاتِ الْحَرَامِ. (ذکرالٰہی حرام کے معمولی لقموں کو ختم کر دیتا ہے۔)

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب والرقائق تلطف المثر، ج:1 ص: 461 مطبوعہ: ایضا)

جواب......ان لقموں سے مراد معمولی لقمے ہیں جیسا کہ لفظ کی تصغیر بتارہی ہے اور یہ قول حرام کے ان معمولی سے لقموں پر محمول ہے جن کو انسان دنیا والوں پر حرام کے غلبہ کے وقت تناول کرتا ہے جیسا کہ ہمارے اس زمانے کا حال ہے کیونکہ ایسی حالت میں ان کا تناول شرعاً مباح ہوجاتا ہے۔ ابن عبدالسلام رحمہ اللہ وغیرہ علماء کرام نے فرمایا ہے کہ اگر حرام دنیا میں عام ہوجائے تو مسلمان کے لئے اس میں سے بقدر ضرورت تناول کرنا اسی طرح جائز ہے جیسا کہ مضطر کے لئے مردار کا کھانا مباح ہوتا ہے اور علماء کے اس قول کا مطلب بھی یہی ہے۔ اگر ساری دنیا تازہ خون کی ہوتی تو اس میں سے مؤمن کی بقدر ضرورت خوراک حلال ہوتی۔

(المستدرک علی الصحیحین، کتاب التفسیر تفسیر سورۃ الطلاق الخ، رقم الحدیث: 3822، ج:2 ص: 535 مطبوعہ: ایضا)

لیکن شرعاً اباحت کے باوجود ایسی خوراک دل کو تاریک کرنے کا سبب ہے۔ اور ذکرالٰہی دل سے تاریکی کو مٹا کر اسکو منور و روشن کرتا ہے جس طرح دوائی مذموم غذا سے پیدا ہونے والے فاسد مادوں کو ختم کر دیتی ہے اسی طرح ذکرالٰہی دل سے اس کی سیاہی کو مٹا دیتا ہے۔

اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّئَاتِ. (سورۃ الھود، آیت: 114)

ترجمہ: بے شک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ایک اثر کی تشریح و تاویل

وَمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ کی حضرت ابن عباس سے منقول تفسیر۔

سوال......اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں وَمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ...... حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ نے ابوالضحیٰ کے واسطہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ سات زمینیں ہیں ہر زمین

میں نبی ہیں تمہارے نبی کی مثل اور آدم ہے تمہارے آدم کی مثل اور نوح ہے تمہارے نوح کی مثل اور ابراہیم ہے تمہارے ابراہیم کی مثل اور عیسیٰ ہے تمہارے عیسیٰ کی مثل۔

(مناقب علی لابن المغازی، باب 66، المناشدۃ یوم الشوری، رقم الحدیث: 155، ج: 1 ص: 170، مطبوعہ: دار الرسالۃ، بیروت)

امام بیہقی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے اس حدیث میں جن کا تذکرہ ہے کیا وہ انسان ہیں یا غیر انسان؟ اور کیا وہ اپنی مثل کی شریعت کی مثل کے مکلف ہیں؟ اور اپنی مثل کے زمانے میں ہیں یعنی اپنی مثل کے ہمعصر ہیں؟

جواب.....اس حدیث کو امام حاکم رحمہ اللہ نے بھی صحیح قرار دیا ہے، لیکن امام بیہقی رحمہ اللہ نے "شعب الایمان" میں بیان کیا ہے کہ اس حدیث کا متن مُرّۃ کی وجہ سے شاذ ہے۔ حافظ سیوطی نے فرمایا کہ امام بیہقی رحمہ اللہ کا یہ کلام غایت درجہ حسن ہے کیونکہ صحت اسناد سے صحتِ متن لازم نہیں آتا۔ کیونکہ ممکن ہے کہ اسناد صحیح ہو اور متن میں کوئی ایسا شذوذ اور کوئی ایسی علت پائی جاتی ہو جو صحتِ متن کے مانع ہو۔ جب اس حدیث کا ضعف واضح ہو گیا ہے تو اس کی تاویل کی ضرورت نہ رہی کیونکہ اس طرح کے مقام میں احادیث ضعیفہ کو قبول نہیں کیا جاتا۔ اور اس حدیث کی یہ تاویل ممکن ہے کہ ان سے مراد وہ مبلغین ہیں جو انبیاء بشر کے نائب بن کر جنات کو تبلیغ وانذار کا فریضہ انجام دیتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کو اس نبی کے اسم سے موسوم کیا گیا ہو جس نبی کی طرف سے وہ تبلیغ کرتا ہے اور یہ کوئی بعید نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب

حضور ﷺ کی صاحبزادیوں میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد کی خصوصیات

سوال.....حضور ﷺ کی دیگر تمام صاحبزادیوں کے سوا حضرت علی وحضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کی ذریت میں شرف وسیادت کی خصوصیت میں کیا حکمت ہے؟

جواب.....اس سوال کا ایسا شافی، مفید اور مبسوط جواب دیجئے کہ جس سے کند ذہن مستفید اور میسر ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ اس پر آپ کو ثواب جزیل اور حسن مآب عطا فرمائے۔ اور مسلمانوں کے درمیان آپ کا وجود تادیر سلامت رہے۔

سوال.....اس سوال سے ایک اور سوال بھی متعلق ہے کہ جب کوئی مدعی اپنے بارے میں یہ دعویٰ کرے کہ وہ اس شجرہ مبارکہ کی بعض فروع سے تعلق رکھتا ہے اور وہ عترت مطہرہ میں سے ہے حالانکہ قرائن اس پر دلالت نہیں کرتے اور نہ اس کے پاس اس دعوے پر کوئی دلیل ہے۔ اور قرائن سے ہماری مراد آداب مرضیہ، اخلاق نبویہ، اعراق زکیہ اور صفات محمدیہ کا لزوم اور ہر اچھے اخلاق کے ساتھ اتصاف وتخلق زمانے میں موجود ہر اچھے فعل کو اختیار کرنا اور جتنا ممکن ہو سکے تمام مخلوق کے ساتھ محبت سے پیش آنا ہے اور یہ وہ صفات محمودہ ہیں جو جمیع عترۃ مطہرہ میں موجود ہوتی ہیں جب ان میں سے کوئی صفت نہ پائی جائے اور اس میں

ان کے برعکس صفات کا ظہور ہو رہا ہے۔ مثلاً باطل چیزوں کے ساتھ مشغول رہنا اور اہل علم اور حاملین قرآن کی بے عزتی کرنا، اور اس چیز کی کھوج لگانا جو کسی انسان کے لئے جائز نہیں، اور ہر سالک کے ساتھ عناد رکھنا اور ایسا حسد کرنا جو حاسد کو ہلاکتوں تک پہنچانے کا سبب ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے لئے محبت رکھنے والے لوگوں کے درمیان ایسی جھوٹی باتیں پھیلانے کی کوشش کرنا جو نہ ہو سکتی ہیں اور نہ جن کا تصور کیا جاسکتا ہے۔ اسکے علاوہ ایسی چیزیں ہیں جن کا ذکر ممکن نہیں اور جن کا حصر نہیں ہوسکتا۔

مذکورہ مدعی جس کی یہ صفات ہیں کیا اس کی تصدیق کی جائے یا اس نسبت کا کیسے تصور کیا جائے؟ حالانکہ اس نسبت کے مخالف چیزیں اس سے ظاہر ہو چکی ہیں۔ کیا اس کے اس دعویٰ کو تسلیم کیا جائے؟ حالانکہ اس کے پاس اس پر نہ تو کوئی قوی دلیل ہے اور نہ کوئی ضعیف؟ اس سوال کا جواب عنایت فرمائیں اللہ تعالیٰ نیکی اور تقویٰ پر آپ کی مدد فرمائے۔ کیونکہ یہ بلا ی اس فرمانے میں یمن کے علاقہ میں عام ہو چکا ہے اور لوگ اندھی کی بیماری والی اونٹنی کی طرح اس میں ڈگمگاہٹ کا شکار ہو رہے ہیں اور اس بارہ میں خواہشات کی اتباع کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ آپ کو ثواب جزیل اور حسن مآب سے نوازے آمین بے شک وہ جواد کریم غفور رحیم ہے۔

جواب...... اس خصوصیت کی حکمت اللہ تعالیٰ ہی خوب جاننے والا ہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنی بہنوں کے مقابلے میں جن امتیازات اور فضائل کثیرہ کے ساتھ خاص فرمایا گیا ہے ان میں سے چند درج ذیل ہیں۔

حدیث شریف میں وارد ہے کہ: حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا زمین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکاح ہونے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے ان کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ آسمان میں نکاح کر دیا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے دیگر بہنوں پر انہیں یہ امتیاز بھی عطا فرمایا ہے کہ وہ جنتی خواتین کی سردار ہیں۔ اور ان پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ وہ زھراء کے نام سے موسوم ہیں اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ وہ بغیر کسی بیماری کے ماہواری سے پاک رہتی تھیں جس کے سبب وہ جنت کی عورتوں کی طرح تھیں یا اس تسمیہ کی وجہ یہ ہے حضرت فاطمہ کی رنگت جنتی خواتین کی رنگت کی طرح تھی یا اس کے علاوہ کوئی اور وجہ تھی۔ حضرت فاطمہ ان مذکورہ اور ان کی مثل دیگر فضائل کے ساتھ ممتاز تھیں۔ بعید نہیں کہ فتنوں اور آزمائشوں کے عموم سے دنیا کو محفوظ و مامون رکھنے کے لئے ان کی نسل پاک کو دنیا میں باقی رکھنے میں یہی حکمت ہو۔ جیسا کہ صادق و مصدوق ﷺ نے اس کی خبر دی ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نسل پاک دنیا کو فتنوں سے محفوظ رکھنے کے لئے قرآن کی طرح ہے۔ چنانچہ آپ کا ارشاد ہے۔

اِنِّیْ تَارِکٌ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ کِتَابُ اللّٰہِ وَعِتْرَتِیْ لَنْ تَضِلُّوْا مَا اسْتَمْسَکْتُمْ بِهِمَا اَبَدًا۔

میں تمہارے اندر دو عظیم چیزیں چھوڑ رہا ہوں کتاب اللہ اور اپنی عترت جب تک تم ان دونوں

کو مضبوطی کے ساتھ تھامے رہو گے کبھی گمراہ نہ ہو گے۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب والرقائق قطف الثمر، ج:1،ص:463،مطبوعہ: ایضا)

لیکن وہ حضرات جن میں حضور ﷺ کا رشتہ موجود ہے اور اس مقدس رشتہ سے پیدا ہونے والا شرف حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد کے ساتھ خاص نہیں، محققین نے تصریح فرمائی ہے کہ ابو العاص سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی نسل یا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے حضرت رقیہ وام کلثوم رضی اللہ عنہا کی نسل باقی ہوئی تو انکی نسل کو بھی وہ شرف وسیادت حاصل ہوئی جو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نسل کو حاصل ہے۔ لہٰذا جس کی نسبت آل بیتِ نبوی اور سرِّ علوی کی طرف یقینی ہے اس کو اس کی عظیم جنایت بھی اس شرف سے خارج نہیں کرسکتی اور اس کی عدم دیانت وخیانت بھی اس کو اس سے خارج نہیں کرسکتی۔ اسی لئے بعض محققین نے فرمایا ہے کہ مثال کے طور پر، شریف (سید) زانی یا شراب خور یا سارق کہ جس پر حد قائم کی گئی ہو اس کی مثال اس حکمران یا سلطان کی سی ہے جس کے پاؤں کو کوئی گندگی لگی اس کے بعض خادموں نے اس گندہ کو اس کے پاؤں سے دھو دیا ہے۔ بے شک ان محققین نے اس کی سچی اور درست مثال بیان کی ہے۔

اور اس قسم کے شریفوں کے بارے میں لوگوں کے اس قول میں غور کرنا چاہیے کہ ''نافرمان بیٹا میراث سے محروم نہیں ہوتا'' ہاں البتہ اگر العیاذ باللہ اہل بیت میں سے کسی سے کفر کا وقوع فرض کیا جائے تو پھر جس سے کفر کا وقوع ہوا ہے اس کے اور رسول اللہ ﷺ کے شرف کے درمیان نسبت منقطع ہو جائے گی۔ میں نے کہا کہ اگر وقوعِ کفر فرض کیا جائے تو، میں نے یہ اس لئے کہا ہے کہ میرا اس بات پر یقین ہے کہ وہ حضرات جن کے نسب کا صحیح اتصال اس بضعہ کریمہ اور اُس ذات کریم کے ساتھ یقینی ہے۔ ان سے حقیقتِ کفر کا وقوع نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سے محفوظ رکھا ہوا ہے۔ بلکہ بعض علماء نے زنا اور عمل قوم لوط وغیرہ افعال کا ان لوگوں سے وقوع محال قرار دیا ہے جن کا شرف یقینی ہے تو کفر کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ یہ سب اس کے بارے میں ہے جس کا شرف یقینی ہے جیسا کہ تحقیق سے ثابت ہو چکا ہے۔ لیکن جس کا شرف مشکوک ہے اگر اس کا نسب کسی بھی شرعی وجہ سے ثابت ہو جائے تو ہر ایک پر اس میں موجود شرف کی وجہ سے اس کی تعظیم واجب ہوگی۔ اور اس میں پائے جانے والی وہ صفات جو شرعا بری ہیں ان کو برا سمجھنا واجب ہوگا کیونکہ یہ مسلّم ہے کہ شرف سے عدمِ فسق لازم نہیں آتا۔ اور اگر ایسے شخص کا نسب اور دعویٰ ثابت نہ ہو سکے اور نہ ہی اس کا جھوٹا ہونا معلوم ہو سکے تو اس کی تکذیب سے توقف کرنا متعین ہوگا۔ کیونکہ لوگ اپنے انساب پر امین ہیں لہٰذا اس کو اپنے حال پر چھوڑ دینا چاہیے، کی انسان کے لئے سلامتی پر قادر ہونے کے باوجود زہر کا گھونٹ بھرنا مناسب نہیں۔ جب کسی صالح شخص کی طرف منسوب ہونے والوں کی لوگ صرف صالح کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے تعظیم وتوقیر بجالاتے ہیں تو تمہارا ان لوگوں کے بارے میں کیا خیال ہے جو تمام مخلوق کے سردار ﷺ کی طرف منسوب اللہ تعالیٰ ہمارا حشر آپ کے محبین اور آپ کی آل واصحاب کے محبین کے زمرہ میں فرمائے۔ آمین

کیا فرشتوں کو نیند آتی ہے؟

سوال: کیا فرشتے سوتے ہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: لَا یَفْتُرُوْنَ (وہ سستی نہیں کرتے) کے ظاہر سے ثابت ہوتا ہے کہ فرشتے بالکل نہیں سوتے۔ ابن عساکر رحمہ اللہ نے تخریج کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ:

اِنَّ الْمَلَائِکَۃَ قَالُوْا رَبَّنَا خَلَقْتَنَا وَخَلَقْتَ بَنِیْ آدَمَ فَجَعَلْتَھُمْ یَاْکُلُوْنَ الطَّعَامَ وَ یَشْرَبُوْنَ الشَّرَابَ یَلْبِسُوْنَ الثِّیَابَ وَیَاْتُوْنَ النِّسَاءَ وَیَرْکَبُوْنَ الدَّوَابَّ وَیَنَامُوْنَ وَیَسْتَرِیْحُوْنَ وَلَمْ تَجْعَلْ لَنَا مِنْ ذٰلِکَ شَیْئًا فَاجْعَلْ اَللّٰھُمَّ لَھُمُ الدُّنْیَا وَلَنَا الْاٰخِرَۃَ؟ فَقَالَ عَزَّوَجَلَّ لَا اَجْعَلُ مَنْ خَلَقْتُ بِیَدِیْ وَنَفَخْتُ فِیْہِ رُوْحِیْ کَمَنْ قُلْتُ لَہٗ کُنْ فَکَانَ.

فرشتوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی اے ہمارے رب! تو نے ہمیں پیدا کیا اور انسانوں کو پیدا کیا پس تو نے ان کو ایسا بنایا کہ وہ کھانا کھاتے ہیں اور قابلِ نوش اشیاء کو نوش کرتے ہیں کپڑے پہنتے ہیں خواتین کے پاس جاتے ہیں، جانوروں پر سواری کرتے ہیں، سوتے اور آرام کرتے ہیں اور تُو نے ان میں سے کوئی چیز ہمارے نصیب میں نہیں فرمائی۔ پس اے اللہ! دنیا ان کے نصیب میں فرما اور آخرت ہمارے نصیب میں فرما۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے جسکو اپنے دستِ قدرت سے پیدا کیا اور جس میں مَیں نے اپنی روح پھونکی اس کو اس کی طرح نہیں بناؤں گا جس کو میں نے کن (ہوجا) فرمایا تو وہ وجود میں آ گیا۔

یہ حدیث ان صریح دلائل میں سے ہے جو جنس بشر کی جنس ملائکہ پر فضیلت پر دلالت کرتے ہیں۔ جیسا کہ اہل سنت کا مذہب ہے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِنُوْرِ وَجْھِکَ الخ حدیث موقوف میں وارد ہے

سوال..... کیا یہ الفاظ حدیث میں وارد ہیں:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِنُوْرِ وَجْھِکَ الَّذِیْ اَشْرَقَتْ بِہِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ اَنْ تَجْعَلَنِیْ فِیْ حِرْزِکَ وَحِفْظِکَ وَ جِوَارِکَ وَتَحْتَ کَنَفِکَ.

اے اللہ میں تجھ سے تیرے اس نور کے وسیلے سے جس کے سب آسمان اور زمین روشن ہوئے ہیں سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے اپنے حفظ وامان میں اور اپنی پناہ وحفاظت میں رکھ۔

((الحاوی الفتاوی، کتاب الادب والرقائق اعمال الفکر فی فضل الذکر، ج:1 ص:464، مطبوعہ: ایضا)

جواب.....اس حدیث کو امام طبرانی رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما پر ہی موقوف ہے۔

ذکر الٰہی مصیبتوں کو ٹالتا ہے

سوال.....کیا ذکر الٰہی صدقہ کی طرح مصیبت کو ٹالتا ہے؟

جواب.....ہاں ذکر الٰہی مصیبتوں کو ٹالتا ہے۔اذکار مخصوصہ کے متعلق وارد بے شمار احادیث میں اس کی صراحت ہے کہ جو ان اذکار کو پڑھتا ہے وہ مصیبت،شیطان،ضرر،زہر اور بچھو کے ڈنگ سے محفوظ رہتا ہے۔اور ہر اس چیز سے بچا رہتا ہے جس کو وہ پسند نہیں۔جیسا کہ امام نووی رحمہ اللہ وغیرہ علماء کرام رحمہم اللہ کے اذکار میں ہے۔

لاحول ولاقوۃ الا باللہ کے پڑھنے کا فائدہ

صحیح حدیث میں ہے کہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ مصیبت کے ستر دروازوں کو بند کر دیتا ہے اور ان میں سے ادنیٰ مصیبت فقر واحتیاج کی ہے اور ایک روایت میں ہے ان میں سے ادنیٰ مصیبت پریشانی ہے۔

(سنن ابن ماجہ،ابواب السنۃ،باب فی القدر،رقم الحدیث:90،ج:1ص:68،مطبوعہ:ایضا)

دعا کا فائدہ

اور صحیح حدیث میں ہے:

لَا يَرُدُّ الْقَدَرَ اِلَّا الدُّعَاءُ اَلدُّعَاءُ يَنْفَعُ فَمَا نَزَلَ وَ مَا لَمْ يَنْزِلْ وَ اِنَّ الْبَلَاءَ يَنْزِلُ فَيَتَلَقَّاهُ الدُّعَاءُ فَيَعْتَلِجَانِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ .

(سنن ابن ماجہ،ابواب الادب،باب استغفار،رقم الحدیث:3818،ج:4ص:721،مطبعہ:ایضا)

تقدیر کو دعا ٹال دیتی ہے۔دعا اس مصیبت کے لئے بھی مفید ہے جو نازل ہو چکی ہے اور اس مصیبت کے لئے بھی جو ابھی نازل نہیں ہوئی،مصیبت جب نازل ہوتی ہے تو دعا اس کے ساتھ ملاقات کرتی ہے اور وہ دونوں قیامت تک آپس میں الجھتی اور ٹکراتی رہتی ہیں۔

استغفار کا فائدہ

امام ابوداؤد رحمہ اللہ وغیرہ تخریج کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ:

مَنْ لَزِمَ الْاِسْتِغْفَارَ جَعَلَ اللّٰهُ لَهٗ مِنْ هَمٍّ فَرَجًا وَمِنْ كُلِّ ضَيْقٍ مَخْرَجًا وَ رَزَقَهٗ مِنْ

حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ .

جو استغفار کو اپنے اوپر لازم کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے پریشانی سے کشائش عطا فرماتا ہے اور ہر تنگی سے نکلنے کی راہ بنا دیتا ہے اور اسے ایسی جگہ سے رزق عطا فرماتا ہے جہاں اس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔

(سنن ابن ماجہ، ابواب اقامۃ الصلوات والسنۃ ۔۔۔ الخ، باب ماجاء فی قیام اللیل، رقم الحدیث: 1333، ج:2 ص:358، مطبوعہ: ایضا)

دو حدیثوں کی فنی حیثیت

سوال ..... اس حدیث کو کس نے روایت کیا ہے: مَنْ قَالَ اَنَا عَالِمٌ فَهُوَ جَاهِلٌ (جو کہے میں عالم ہوں وہ جاہل ہے)

جواب..... اس کی سند میں ضعف کے باوجود یحییٰ ابن کثیر جو کہ صغار تابعین میں سے ہیں معروف ہیں یہ ان کا کلام ہے اور انہوں نے اس کو نبی کریم ﷺ تک رفع کیا ہے۔ حفاظ حدیث فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند میں یہ وہم کیا گیا ہے کہ اس کو رفع کرنے والے نے اس کے مرفوع ہونے کا جزم نہیں کیا ہے اور حفاظ حدیث کے بیان کے مطابق اس کی مروی حدیث حجت نہیں۔ حفاظ حدیث نے یحییٰ بن کثیر کے بارے میں طویل گفتگو کی ہے۔ لہٰذا ان کی یہ حدیث موضوع کے حکم میں ہے البتہ انہوں نے عمداً اس کو وضع نہیں کیا بلکہ ان سے غلطی ہوئی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ موضوع حدیث کو یا تو عمداً وضع کیا جاتا ہے جیسا کہ کج رو لوگوں کا طریقہ ہے یا تو اس کو وضع کرنے میں قصد نہیں پایا جاتا جیسا کہ حدیث میں متہمین اور مضطربین کا طریقہ ہے جیسا کہ حفاظ حدیث نے سنن ابن ماجہ کی اس حدیث پر وضع کا حکم لگایا ہے:

مَنْ كَثُرَتْ صَلَاتُهُ بِاللَّيْلِ حَسُنَ وَجْهُهُ بِالنَّهَارِ.

جو رات کو کثرت سے نماز ادا کرتا ہے دن کو اس کا چہرہ حسین ہو جاتا ہے۔

(المستدرک، کتاب معرفۃ الصحابۃ ..... الخ، و من مناقب الحسن والحسین الخ، رقم الحدیث: 4770، ج:3 ص:179، مطبوعہ: ایضا)

حفاظ حدیث کا اتفاق ہے کہ سوال میں مذکور حدیث موضوع ہے بہت سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد کے بے شمار علماء کرام سے ثابت ہے کہ انہوں نے اپنے بارے میں فرمایا ہے کہ میں عالم ہوں۔ حالانکہ یہ حضرات ہر اس چیز سے بچتے تھے جس کی نبی کریم ﷺ نے مذمت فرمائی ہے۔ اور اس قول کے جواز کی سب سے بڑی دلیل حضرت یوسف علیہ السلام کا وہ قول ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں حکایت فرمائی ہے کہ:

اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ . (سورہ یوسف، آیت:55)

ترجمہ: بے شک میں حفاظت کرنے والا علم والا ہوں۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی اولاد جو حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے ہے کیا ان پر حضرت حسن و حضرت حسین رضی اللہ عنہما کی اولاد کا حکم ثابت ہوگا؟

سوال......حضرت زینب بنت فاطمۃ الزاہرہ رضی اللہ عنہا کی اپنے چچا زاد حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے بکثرت اولاد موجود ہے۔کیا ان کو حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کی اولاد کا حکم ثابت ہوگا؟اور ان میں کیا فرق ہے حالانکہ حضور ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے کہ آپ کی صاحبزادیوں کی اولاد آپ کی طرف منسوب ہوتی ہے؟

جواب......واضح یہ ہے کہ حضرت امام حسن و امام حسین کی اولاد کا حضور ﷺ کی آل و اہل بیت میں سے ہونے اور آپ کی ذریت و اولاد ہونے کا حکم حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی مذکورہ اولاد کے لئے بھی ثابت ہوگا۔ لیکن اس کے باوجود حضرت زینب رضی اللہ عنہا عبداللہ کی اولاد رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب نہیں ہوگی،اور اس کی دلیل یہ ہے کہ فقہاء کرام نے ایک انسان کی اولاد دوسرے انسان کی طرف منسوب ہونے والوں کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے میں نے اپنی اولاد پر یہ چیز وقف کی ہے تو اس میں بیٹی کی اولاد داخل ہوگی کیونکہ بیٹی کی اولاد کو بھی اولاد کہا جاتا ہے۔اور اگر واقف یہ کہتا ہے کہ میں نے یہ چیز ان لوگوں پر وقف کی ہے جو میری طرف منسوب ہوں گے تو اس میں بیٹی کی اولاد داخل نہ ہوگی کیونکہ بیٹی کی اولاد اپنے جدّ دادے، نانے کی طرف منسوب نہیں ہوتی بلکہ وہ اپنے باپ کی طرف منسوب ہوتی ہے۔اور جو چیز علماء نے بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے کہ آپ کی صاحبزادیوں کی اولاد آپ کی طرف منسوب ہوگی اور علماء نے یہ چیز آپ کی صاحبزادیوں کی بیٹیوں کی اولاد کے متعلق بیان نہیں فرمائی لہٰذا یہ خصوصیت صرف طبقہ علیا کو حاصل ہے۔پس حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی چاروں اولاد حضور ﷺ کی طرف منسوب ہوں گیں۔حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی چار اولادیں ہیں۔

1......حضرت امّ کلثوم رضی اللہ عنہا،حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زوجہ جن سے حضرت عمر کا بیٹا زید اور آپ کی بیٹی رقیہ پیدا ہوئے۔حضرت عمر کے وصال کے بعد امّ کلثوم نے اپنے چچا زاد حضرت عبداللہ ابن جعفر رضی اللہ عنہ سے نکاح کیا اور عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کی ان کے بطن سے تین بیٹے پیدا ہوئے۔عون،محمد اور عبداللہ،لیکن ان تینوں صاحبزادوں کی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

2......حضرت زینب رضی اللہ عنہا...... جس کے متعلق گفتگو ہو رہی ہے۔

3۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ 4۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی یہ چاروں اولاد حضور ﷺ کی طرف منسوب ہوں گیں اور حضرت امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما کی اولاد ان کی طرف منسوب ہو کر نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب ہوں گیں۔ بخلاف حضرت زینب و ام کلثوم رضی اللہ عنہما اولاد کے کہ وہ اپنے باپوں حضرت عمر و حضرت عبداللہ کی طرف منسوب ہوں گیں شریعت کے اس قاعدہ پر عمل کرتے ہوئے کہ بیٹا نسب میں اپنے باپ کے تابع ہوتا ہے وہ اپنی ماں کی طرف منسوب نہیں ہوں گیں اور نہ اپنے جد کی طرف منسوب ہوں گیں اور اس قاعدہ سے صرف حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد اپنی خصوصیت کی وجہ سے خارج ہے۔اور یہ خصوصیت حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کی اولاد پر مقصود ہے جیسا کہ امام حاکم رحمہ اللہ کی مروی یہ حدیث اس پر دلالت کر رہی ہے کہ:

لِكُلِّ بَنِيْ اُمٍّ عَصَبَةٌ اِلَّا بَنِيْ فَاطِمَةَ فَاَنَا وَلِيُّهُمَا وَ عَصَبَتُهَا.

ہر ماں کے بیٹوں کے لئے عصبہ ہے سوائے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بیٹوں کے میں ان کا ولی اور عصبہ ہوں۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب والرقائق، العجاجۃ الزرعبیۃ الخ، ج:2 ص:40)

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے اپنی طرف انتساب اور اپنے عصبہ ہونے کو حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین کے ساتھ خاص فرمایا ہے، اور ان کی بہنوں کے ساتھ خاص نہیں فرمایا، اسی لئے خلف وسلف کا نظریہ ہے کہ سید زادی کا وہ بیٹا جو غیر سید سے ہے وہ غیر سید ہو۔اور اگر یہ خصوصیت عام ہوتی کہ ہر سید زادی کا بیٹا سید ہے تو اس پر زکوٰۃ حرام ہوتی حالانکہ ایسا نہیں۔اور یہ چیز حسن و حسین رضی اللہ عنہما سے مختص نہ ہوتی اور یہ معاملہ ان دونوں میں منحصر نہ ہوتا تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا اگر اس خصوصیت میں داخل ہونا فرض کیا جائے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی کوئی نرینہ اولاد ان کے بعد فرض کی جائے تو وہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی مثل ہوتی اگر چہ انکا باپ سید ہاشمی نہ بھی ہوتا کیونکہ ان میں شرف صرف نبی اکرم ﷺ کی ہی جہت سے آتا۔(لیکن یہ انتساب صرف حسنین کریمین کی اولاد کے ساتھ مختص ہے۔)

شریف (سیّد) کا اطلاق

صدر اوّل میں شریف (سیّد) کا اطلاق ہر اس فرد پر ہوتا تھا، جو اہل بیت سے تعلق رکھتا تھا، خواہ وہ عباسی ہوتا یا عقیلی ہوتا، اسی لئے مؤرخین عباسی شریف (سیّد) اور زینبی شریف (سیّد) کہتے ہیں، لیکن جب مصر پر فاطمیوں کا اقتدار آیا تو انہوں نے اس شرف کو صرف حضرت حسن و حضرت حسین رضی اللہ عنہما کی ذریت پر مقصود کر دیا۔اور اس

وقت سے اب تک یہ سلسلہ برقرار و جاری ہے۔

اشراف کا سبز رنگ کے لباس کو بطور علامت استعمال کرنے کی تاریخ

اشراف کے لئے سبز رنگ کو بطور علامت استعمال کرنے کی کوئی اصل نہیں۔ یہ رسم ۷۷۳ھ میں شعبان بن حسن بادشاہ کے حکم سے رائج ہوئی ہے۔ اور اس کے متعلق شعراء نے بہت کچھ کہا ہے جس کا ذکر طوالت کا باعث ہے۔ الفیہ کا شارح ابن جابر اندلسی جو الاعمٰی والبصیر سے مشہور ہے وہ کہتا ہے:

جَعَلُوْا لِاَبْنَاءِ الرَّسُوْلِ عَلَامَةً اِنَّ الْعَلَامَةَ شَانُ مَنْ لَمْ يَشْهُرُ نُوْرُ النُّبُوَّةِ فِیْ وَسِیْمِ وُجُوْهِهِمْ يُغْنِیْ الشَّرِيْفَ الطِّرَازُ الْاَخْضَرِ۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب والرقائق، العجاجۃ الزرنبیۃ ارخ، ج:2 ص:40)

ترجمہ: لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے صاحبزادوں کے لئے (امتیازی) علامت مقرر کی ہے علامت تو ان لوگوں کی شان کے لائق ہے جو مشہور و معروف نہیں رسول اللہ ﷺ کی اولاد کے حسین چہروں میں نورِ نبوت جگمگا رہا ہے جو شریف (سید) کو سبز نقش و نگار سے بے نیاز کر رہا ہے۔

حضرت امام جلال الدین سیوطی کے قول کے مطابق جب یہ رسم نو پید ہے تو شریف (سید) کو اس کے استعمال کا پابند نہیں کیا جائے گا اور دوسرے کو اس کے استعمال سے منع بھی نہیں کیا جائے گا۔ چنانچہ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"کیونکہ لوگ اپنے انساب کے ساتھ پختگی کے ساتھ منسلک ہیں اور شریعت نے کسی خاص علامت کو اپنانے کا حکم نہیں دیا، اس لئے اس علامت کو اختیار کرنا مباح ہونا چاہیے۔ اور زیادہ سے زیادہ یہ کہا جائے گا یہ ان حضرات کی امتیازی علامت کے طور پر وجود میں آئی ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال کرتے ہوئے اس علامت کو پسندیدہ قرار دیا جائے گا۔

يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ذٰلِكَ اَدْنٰى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ۔ (سورۃ الاحزاب، آیت:59)

ترجمہ: (خواتین) اپنی چادروں کا ایک حصہ اپنے منہ پر ڈالے رہیں یہ اس سے نزدیک تر ہے کہ ان کی پہچان ہو۔ تو ستائی نہ جائیں۔

بعض علماء نے اسی آیت سے اہل علم کے مخصوص لباس یعنی لمبی آستینوں والی قمیص اور سبز رنگ کی بڑی چادر اوڑھنے وغیرہ کی تخصیص پر استدلال کیا ہے تاکہ انکی پہچان ہو سکے اور علم کی تکریم کی خاطر لوگ ان کی تعظیم کریں۔ اور یہ ایک اچھی توجیہ ہے۔" (امام سیوطی رحمہ اللہ کی عبارت ختم ہوئی)

اشراف پر وقف کرنے کی صورت میں سوائے حضرات حسنین کریمین کی اولاد کے کوئی داخل نہ ہوگا

اشراف کے لئے وقف کیا جائے یا ان کے لئے وصیت کی جائے تو حضرت امام حسن وامام حسین رضی اللہ عنہما کی ذریت کے سوا کوئی دوسرا اس وقف اور وصیت میں داخل نہیں ہوگا کیونکہ وقف اور وصیت کا مدار عرف پر ہے اور مصر وغیرہ شہروں کے عرف میں اشراف حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کی ذریت کے ساتھ خاص ہے۔

اجنبی کے سامنے تبسم کرنے کا ثواب

سوال......اس حدیث کو کس نے روایت کیا ہے؟

مَنْ تَبَسَّمَ فِيْ وَجْهِ غَرِيْبٍ ضَحِکَ اللّٰهُ فِيْ وَجْهِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ .

ترجمہ: جو کسی اجنبی کے سامنے تبسم کرے گا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس پر اپنی رضا کا اظہار فرمائے گا۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب والرقائق، الصباحۃ الزرعیۃ الخ، ج:2 ص:40)

جواب......اس حدیث کو دیلمی نے روایت کیا ہے اور انہوں نے اس حدیث کو بھی روایت کیا ہے:

اَلْغَرِيْبُ اِذَا مَرَضَ حِيْنَ يَنْظُرُ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَ عَنْ شِمَالِهٖ وَ عَنْ اِمَامِهٖ وَ عَنْ خَلْفِهٖ فَلَا يَرٰى اَحَدًا غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ .)

ترجمہ: اجنبی انسان جب بیمار پڑتا ہے تو اپنے دائیں، بائیں اور آگے پیچھے کی طرف نظر ڈالتا ہے تو وہ کسی کو نہیں دیکھتا تو اللہ تعالیٰ اس کے سابقہ گناہ معاف فرما دیتا ہے۔

(المعجم الکبیر للطبرانی، باب العین، وھب بن منبہ، عن ابن عباس، رقم الحدیث:11034، ج:11 ص:57، بالفاظ مختلف)

اس کو ابن النجار رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اور طبرانی رحمہ اللہ نے ان الفاظ کے اضافے کے ساتھ تخریج کی ہے:

اِنَّ لَهٗ بِكُلِّ تَنَفُّسٍ تَنَفَّسَ يَمْحُوا اللّٰهُ عَنْهُ اَلْفَيْ اَلْفِ سَيِّئَةٍ وَ يُكْتَبُ لَهٗ اَلْفَيْ اَلْفِ حَسَنَةٍ.

ترجمہ: اجنبی بیمار کے ہر سانس پر اللہ تعالیٰ اس کے دو لاکھ گناہ مٹا دیتا ہے اور اس کے حق میں دو لاکھ نیکیاں لکھ دیتا ہے۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب والرقائق، آخر الصباحۃ الزرعیۃ الخ، ج:1 ص:42)

لیکن اس حدیث کی سند میں ایک متروک راوی ہے۔

اِنَّ الْاِسْلَامَ بَدَءَ غَرِیْبًا کوکس نے روایت کیا ہے؟

سوال......اس حدیث کوکس نے روایت کیا ہے؟

اِنَّ الْاِسْلَامَ بَدَءَ غَرِیْبًا سَیَعُوْدُ غَرِیْبًا اَلاَ لاَ غُرْبَۃَ عَلٰی مُؤْمِنٍ مَا مَاتَ مُؤْمِنٌ فِیْ غُرْبَۃٍ غَابَتْ عَنْہُ فِیْھَا بَوَاکِیْہِ اِلاَّ بَکَتْ عَلَیْہِ السَّمَاءُ وَ الْاَرْضُ ثُمَّ قَرَءَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ فَمَا بَکَتْ عَلَیْھِمُ السَّمَاءُ وَ الْاَرْضُ وَ اَعْرَضَ ثُمَّ قَالَ اِنَّھُمَا لاَ یَبْکِیَانِ عَلٰی کَافِرٍ.

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب والرقائق، المصابحۃ الزرجیۃ الخ، ج:1 ص:42)

اسلام اجنبی حالت میں ظاہر ہوا ہے عنقریب اسی طرح اجنبی بن جائے گا جس طرح ظاہر ہوا تھا خبردار مومن پرکوئی اجنبیت نہیں۔کوئی مومن اجنبیت میں فوت نہیں ہوا کہ اس حالت میں اس پررونے والی عورتیں اس سے دور تھیں مگر آسمان اور زمین اس پر روئے ہیں، پھر حضور ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: فَمَا بَکَتْ عَلَیْھِمُ السَّمَآءُ وَ الْاَرْضُ (پس نہیں روئے ان پر آسمان اور زمین) اور آپ نے اعراض فرمایا اور اس کے بعد آپ نے فرمایا آسمان اور زمین کافر پرنہیں روئے۔

جواب......اس حدیث کوابن جریر اور ابن ابی الدنیا رحمہما اللہ نے روایت کیا ہے۔

عصا کا سہارالینا انبیاء کی سنت ہے؟

سوال......اس حدیث کوکس نے روایت کیا ہے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

اَلتَّوَکُّؤُ عَلَی الْعَصَاءِ مِنْ اَخْلاَقِ الْاَنْبِیَاءِ وَ کَانَ النَّبِیُّ ﷺ یَتَوَکَّأُ عَلَیْھَا.

ترجمہ: عصا پر ٹیک لگانا انبیاء کرام کے اخلاق میں سے ہے اور نبی اکرم ﷺ عصا پر ٹیک لگایا کرتے تھے۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب والرقائق، الدرۃ التاجیۃ الخ، ج:1 ص:57)

جواب......اس حدیث کو ابن عدی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اور دیلمی رحمہ اللہ نے اپنی سند کے ساتھ یہ حدیث روایت کی ہے:

حَمَلُ الْعَصَاءِ عَلاَمَۃُ الْمُؤْمِنِ وَ سُنَّۃُ الْاَنْبِیَاءِ .

ترجمہ: عصا کو اٹھانا مومن کی علامت اور انبیاء کرام کی سنت ہے۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب والرقائق، الدرۃ التاجیۃ الخ، ج 1 ص 57)

اور انہوں نے ہی یہ حدیث بھی روایت کی ہے:

كَانَتِ الْاَنْبِيَاءُ يَخْتَصِرُوْنَ بِهَا تَوَاضُعًا لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ .

ترجمہ: انبیاء کرام علیہم السلام، اللہ عزوجل کے حضور تواضع کرتے ہوئے عصا پر انحصار کرتے تھے۔

(مسند بزار، مسند معاذ بن جبل الخ، اول الخامس والعشرین الخ، رقم الحدیث: 2632، ج: 7، ص: 81، مطبوعہ: مکتبۃ العلوم والحکم المدینہ منورہ)

بزار اور طبرانی نے سند ضعیف کے ساتھ یہ حدیث روایت کی ہے:

اَنَا اَتَّخِذُ الْعَصَا فَقَدِ اتَّخَذَهَا اَبِيْ اِبْرَاهِيْمُ .

(حلیۃ الاولیاء، ذکر طوائف من جماہیر الخ، سفیان الثوری ومنہم الخ، ج: 7، ص: 80، مطبوعہ: ایضا)

میں عصا استعمال کرتا ہوں بے شک حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اس کو استعمال کیا ہے۔

ابن ماجہ نے تخریج کیا ہے:

خَرَجَ اِلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَهُوَ مُتَّكِئٌ عَلٰى عَصَاهُ.

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہاں وہی اس حال میں تشریف لائے کہ آپ اپنے عصا کا سہارا لئے ہوئے تھے۔

(الحاوی للفتاوی، کتاب الادب والرقائق، آخر الصحاجۃ الزرجیۃ الخ، ج: 1، ص: 43)

اعتدال کی فضیلت

سوال ...... اس حدیث کو کس نے روایت کیا ہے؟

لَيْسَ خَيْرُكُمْ مَنْ تَرَكَ الدُّنْيَا لِلْاٰخِرَةِ وَ لَا الْاٰخِرَةُ لِلدُّنْيَا وَلٰكِنْ خَيْرُكُمْ مَنْ اَخَذَ مِنْ هٰذِهٖ لِهٰذِهٖ.

(الحاوی للفتاوی، کتاب الادب والرقائق، الدرۃ التاجیۃ الخ، ج: 1، ص: 58)

ترجمہ: تمہارا وہ شخص بہتر نہیں جو دنیا کو آخرت کے لئے ترک کرے اور نہ وہ شخص بہتر ہے جو آخرت کو دنیا کے لئے ترک کرے بلکہ تمہارا وہ شخص بہتر ہے جو اس (دنیا) سے اُس (آخرت) کے لئے حصہ اخذ کرے۔

جواب ...... اس حدیث کو ابن عساکر رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اور دیلمی رحمہ اللہ نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے:

لَيْسَ بِخَيْرِكُمْ مَنْ تَرَكَ دُنْيَاهُ لِاٰخِرَتِهٖ وَ لَا آخِرَتَهُ لِدُنْيَاهُ حَتّٰى يُصِيْبَ مِنْهُمَا

جَمِيْعًا فَإِنَّ الدُّنْيَا بَلَاغٌ إِلَى الْآخِرَةِ وَ لَا تَكُوْنُوْا كَلًّا عَلَى النَّاسِ .

ترجمہ: تم میں وہ شخص بہتر نہیں جو اپنی دنیا کو اپنی آخرت کے لئے ترک کرتا ہے اور نہ وہ شخص جو اپنی آخرت کو اپنی دنیا کے لئے ترک کرتا ہے حتی کہ وہ دنیا سے سب کو حاصل کرتا ہے کیونکہ دنیا آخرت تک پہنچانے کا سبب ہے۔ تم لوگوں پر بوجھ مت بنو۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب والرقائق، الدرۃ التاجیۃ الخ، ج:1 ص:58)

خطیب نے اپنی تاریخ میں اس حدیث کی تخریج کی ہے اور دیلمی نے ایک دوسری سند کے ساتھ بھی تخریج کی ہے اور ابونعیم الحلیہ میں اس کو روایت کیا ہے۔

قومِ لوط کے عمل کی سزا

سوال......اس حدیث کو کس نے روایت کیا ہے؟

مَنْ مَاتَ مِنْ أُمَّتِيْ وَ هُوَ يَعْمَلُ عَمَلَ قَوْمِ لُوْطٍ نَقَلَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى إِلَيْهِمْ حَتّٰى يَحْشُرَهُ مَعَهُمْ.

ترجمہ: میری امت میں سے جس کی موت قومِ لوط کے عمل کرنے کی حالت میں آئے تو اللہ تعالیٰ اس کو قومِ لوط میں منتقل فرمادے گا حتی کہ اس کو قیامت کے دن ان کے ساتھ اٹھائے گا۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب والرقائق، الدرۃ التاجیۃ الخ، ج:1 ص:58)

جواب......اس حدیث کو خطیب نے اپنی تاریخ میں روایت کیا ہے اور اس کی سند میں ایک شخص منکر الحدیث ہے۔ لیکن اس حدیث کا شاہد موجود ہے جسے ابن عساکر رحمہ اللہ نے وکیع سے تخریج کیا ہے۔ وکیع نے فرمایا کہ نے حدیث میں سنا ہے کہ:

مَنْ مَاتَ وَ هُوَ يَعْمَلُ عَمَلَ قَوْمِ لُوْطٍ سَاَتَوْ بِهٖ قَبْرَهُ حَتّٰى يَصِيْرَ مَعَهُمْ وَيَحْشُرُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَعَهُمْ.

ترجمہ: جو قومِ لوط کے عمل کے مرتکب ہونے کی حالت میں مرجائے تو اس کی قبر اس کو ان کے پاس لے جائے گی حتی کہ وہ ان کے ساتھ شامل ہوجائے گا اور قیامت کے دن اس کو ان کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب والرقائق، آخر العجاجۃ الزرجیۃ الخ، ج:1 ص:44)

سوال......اس حدیث کو کس نے روایت کیا ہے؟

يَمْسَخُ اللُّوْطِيُّ فِيْ قَبْرِهٖ خِنْزِيْرًا .

ترجمہ: قوم لوط کا عمل کرنے والے کو قبر میں خنزیر کی صورت میں بدل دیا جائے گا۔

(الطب النبوی لابی نعیم، فصول فی القلۃ الثالثۃ الخ، باب فی وجع المفاصل الخ، رقم الحدیث: 500، ج: 2 ص: 513، مطبوعہ دار ابن حزم بیروت)

جواب ...... اس حدیث کو ابوالفتح الازدی رحمہ اللہ نے ''کتاب الضعفاء'' میں روایت کیا ہے اور ابن الجوزی رحمہ اللہ نے ایک ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

سوال ...... اس حدیث کو کس نے روایت کیا ہے؟

اَطْعَمَنِیْ جِبْرِیْلُ الْهَرِیْسَةَ اَشُدُّ بِهَا ظَهْرِیْ لِقِیَامِ اللَّیْلِ.

(الطب النبوی لابی نعیم، فصول فی القلۃ الثالثۃ الخ، باب ادویۃ الرطوبۃ الخ، رقم الحدیث: 371، ج: 1 ص: 412، مطبوعہ ایضا)

ترجمہ: مجھے جبریل نے ہریسہ (ایک قسم کا کھانا جو گوشت اور کوٹے ہوئے گیہوں کو ملا کر تیار کیا جاتا ہے۔

کھلایا ہے جس کے سبب میری پشت میں رات کے قیام کے لئے مضبوطی آئی ہے۔)

جواب ...... اس حدیث کو ابن السنی، ابونعیم اور خطیب نے ایک ایسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے جس میں ایک کذاب ہے اسی لئے ابن الجوزی نے اس کو الموضوعات میں تخریج کیا ہے۔

کشمش کے متعلق وارد ایک حدیث کی فنی حیثیت

سوال ...... اس حدیث کو کس نے روایت کیا ہے؟

نِعْمَ الطَّعَامُ الزَّبِیْبُ یَشُدُّ الْعَصَبَ وَ یُذْهِبُ الْوَصَبَ وَ یُطْفِئُ الْغَضَبَ وَ یُذْهِبُ بَلْغَمَ وَ یَصْفِی اللَّوْنَ وَ یُطَیِّبُ النَّکْهَةَ.

ترجمہ: کشمش اچھا کھانا ہے جو پٹھوں کو مضبوط کرتا ہے اور جسم کی لاغری کو ختم کرتا ہے غصہ کو ٹھنڈا کرتا ہے۔ بلغم کا ازالہ کرتا ہے، رنگ کو نکھارتا ہے اور منہ کی بو کو اچھا بنا دیتا ہے۔

(الطب النبوی لابن نعیم، فصول فی القلۃ الثالثۃ الخ، باب فی وجع المفاصل رقم الحدیث: 459، ج: 2 ص: 480، مطبوعہ ایضا)

جواب ...... یہ حدیث ابن السنی، ابونعیم نے تخریج کی ہے اور ابن حبان نے الضعفاء میں روایت کی ہے۔ اور خطیب نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔ اور اس کی سند میں ایک متروک راوی ہے۔ ابن حبان فرماتے ہیں میں نہیں جانتا کہ یہ مصیبت اس متروک راوی کی طرف سے ہے یا اس کے باپ کی طرف سے یا اس کے دادا کی طرف سے ہے۔

سوال ...... اس حدیث کو کس نے روایت کیا ہے؟

مَا لِلنُّفَسَاءِ عِنْدِیْ شِفَاءٌ مِثْلُ الرُّطَبِ وَ لَا لِلْمَرِیْضِ مِثْلُ الْعَسَلِ.

ترجمہ: میری نزدیک نفاس والی عورت کے لئے تازہ کھجور کی مثل کوئی اور شفایاب کرنے والی دوا نہیں۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب والرقائق، آ فراجعها الی ج 1 ص 45)

جواب: یہ حدیث ابونعیم نے تخریج کی ہے اور اس کی سند میں ایک متروک راوی ہے۔

سوال: اس حدیث کو روایت کرنیوالا کون ہے؟

اَطْعِمُوْا نِسَائَكُمْ فِیْ نِفَاسِهِنَّ التَّمَرَ فَاِنَّ مَنْ كَانَ طَعَامُهَا فِیْ نِفَاسِهِنَّ التَّمَرَ كَانَ وَلَدُهَا حَلِیْمًا.

ترجمہ: اپنی خواتین کو ان کے نفاس کی حالت میں کھجور کی غذا دو کیونکہ جس خاتون کی حالتِ نفاس میں کھجور غذا ہوتی ہے اسکا بچہ حلیم ہوتا ہے۔

(الطب النبوی لابن نعیم، فصول فی القالۃ الرابعۃ الخ، رقم الحدیث: 649، ج: 2 ص: 609، مطبوعہ: ایضا)

سوال..... اس حدیث کو کس نے روایت کیا ہے؟

اِطْعِمُوْا حَبَالَاكُمُ اللُّبَانَ فَاِنْ يَكُنْ فِیْ بَطْنِهَا ذَكَرٌ يَكُنْ ذَكِيُّ الْقَلْبِ وَ اِنْ تَكُنْ اُنْثٰى حَسَنَ خُلُقُهَا وَ تَعْظُمَ عَجِيْزَتُهَا.

ترجمہ: اپنی حاملہ عورتوں کو کندر کھلاؤ۔ اگر ان کے بطن میں بچہ ہوگا تو وہ روشن دل ہوگا اور اگر بچی ہوگی اس کا اخلاق اچھا ہوگا اور اس کی سرین بڑی ہوگی۔

(سنن ابن ماجہ، ابواب الاطعمۃ، باب النہی عن الاکل منبطحا، رقم الحدیث: 3369، ج: 4 ص: 361، مطبوعہ: ایضا)

جواب..... اس کو ابونعیم نے طب میں تخریج کیا ہے۔

بہی کے متعلق حدیث

سوال..... حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث کو کس نے روایت کیا ہے؟

دَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فِیْ يَدِهٖ سَفَرْجَلَةٌ فَرَمٰى بِهَا اِلَيَّ وَ قَالَ دُوْنَكَهَا اَبَا مُحَمَّدٍ فَاِنَّهَا تَجُمُّ الْفُؤَادَ.

ترجمہ: حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اس حالت میں حاضر ہوا کہ آپ کے دست اقدس میں بہی تھا آپ نے وہ میری طرف پھینکا اور فرمایا ابوعبداللہ اس کو لو کہ یہ دل کو مضبوط کرتا ہے۔

(الطب النبوی لابن نعیم، فصول فی القالۃ السادسۃ الخ، السرجل: رقم الحدیث: 792، ج: 2 ص: 707، مطبوعہ: ایضا)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

إِنَّهَا تَشُدُّ الْقَلْبَ وَ تُطَيِّبُ النَّفْسَ وَ تُذْهِبُ بِطَخَاءِ الْبَدَنِ.

ترجمہ: کیونکہ یہ دل کو مضبوط اور طبیعت کو خوش کرتا ہے اور جسم کی کمزوری کو ختم کرتا ہے۔

(الطب النبوی لابن نعیم ،فصول فی الثقالۃ السادسۃ الخ ،السرجل: رقم الحدیث: 794، ج:2 ص: 708،مطبوعہ: ایضا)

جواب......اس حدیث کو طبرانی ، حاکم اور ابونعیم رحمہم اللہ نے تخریج کیا ہے اور ابن السنی اور ابونعیم رحمہما اللہ نے یہ حدیث روایت کی ہے۔

أُهْدِيَتْ لَهُ ﷺ سَفَرْجَلَةٌ مِنَ الطَّائِفِ فَاَكَلَهَا وَ قَالَ كُلُوْهُ فَإِنَّهُ يَجْلُوْ عَنِ الْفُؤَادِ وَ يُذْهِبُ طَخَاءَ الصَّدْرِ.

ترجمہ: میں نے مقام طائف کا ایک بہی حضور ﷺ کی خدمت میں ہدیہ پیش کیا تو آپ نے اسے تناول فرمایا اور فرمایا اسے کھاؤ کہ یہ دل کے غم کو دور کرتا ہے اور سینے سے گھبراہٹ کو ختم کرتا ہے۔

(الطب النبوی لابن نعیم ،فصول فی الثقالۃ السادسۃ الخ ،السرجل: رقم الحدیث: 794، ج:2 ص: 708،مطبوعہ: ایضا)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: فَإِنَّهُ عَلَى الرِّيْقِ يُذْهِبُ وَغْرَ الصَّدْرِ.

ترجمہ: اس کو نہار منہ کھانا سینہ سے غصہ کو ختم کرتا ہے۔

(فیض القدیر، حرف النون، باب لناس، رقم الحدیث: 9494، ج:6 ص: 335، مطبوعہ: مکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ، مصر)

سوال......خضاب لگانے والے کے بارے میں اس حدیث کو کس نے روایت کیا ہے؟

مَنْ اَنَّهُ لَا يُسْئَلُ لِاَنَّ نُوْرَ الْاِسْلَامِ عَلَيْهِ.

ترجمہ: خضاب لگانے والے سے سوال نہیں ہوگا کیونکہ اسلام کا نور اس پر ہے۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب والرقائق، آخر الصحابۃ الخ، ج:2 ص: 47)

جواب......یہ موضوع حدیث ہے۔

سوال......اس حدیث کو کس نے روایت کیا ہے؟

إِنَّ الرَّجُلَ لَيَكُوْنُ مِنْ اَهْلِ الصَّلٰوةِ وَ الصِّيَامِ وَ لَا يُجْزِىٰ إِلَّا عَلٰى قَدْرِ عَقْلِهِ.

ترجمہ: بے شک انسان نماز ادا کرنے اور روزہ رکھنے والوں میں سے ہوگا مگر اس کو اس کی عقل کے مطابق جزاء دی جائے گی۔

(الاحادیث المختارۃ، الجزء: 9، آخر الخ، رقم الحدیث: 215، ص: 237، مطبوعہ: دار خضر، بیروت)

جواب......اس کو علماء کی ایک جماعت نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

بیری کا درخت کاٹنے کے بارے میں حدیث

سوال......اس حدیث کو کس نے روایت کیا ہے؟

مَنْ قَطَعَ سِدْرَةً صَوَّبَ اللّٰهُ رَاْسَهٗ فِی النَّارِ.

ترجمہ: جو بیری کا درخت کاٹے گا اللہ تعالیٰ اس کے سر کو جہنم میں گرا دے گا۔

(فوائد تمام ابو القاسم تمام نسخہ نافع بن ابی نعیم القاری، رقم الحدیث: 1168، ج: 2 ص: 69، مطبوعہ: مکتبہ الرشد، الریاض)

جواب......اس حدیث کو بہت سارے محدثین نے روایت کیا ہے۔ ضیاء نے المختارۃ میں اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

اور ایک روایت میں ہے:

يُصَبُّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ صَبًّا. ترجمہ: یعنی اس پر خوب عذاب برسایا جائے گا۔

(سنن ابی داؤد، کتاب الادب، ابواب النوم، باب فی قطع السدر، رقم الحدیث: 5239، ج: 4 ص: 361، مطبوعہ: ایضاً)

اور دوسرے میں یہ الفاظ ہیں۔

يُصَوِّبُ اللّٰهُ رَاْسَهٗ فِی النَّارِ. ترجمہ: اللہ تعالیٰ اس کے سر کو دوزخ میں ڈال دے گا۔

(سنن ابی داؤد، کتاب الادب، ابواب النوم، باب فی قطع السدر، رقم الحدیث: 5239، ج: 4 ص: 361، مطبوعہ: ایضاً بالفاظ مختلف)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

مَنْ قَطَعَ السِّدْرَ اِلَّا مِنْ زَرْعٍ يُصَبُّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ صَبًّا.

ترجمہ: جو بیری کا درخت زراعت کے مقصد کے بغیر کاٹے تو اس پر خوب عذاب برسایا جائے گا۔

(المعجم الاوسط للطبرانی، باب العین، من اسمہ: علی، رقم الحدیث: 3932، ج: 4 ص: 186، مطبوعہ: ایضاً)

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ:

خَرَجَ وَ اَذَّنَ فِی النَّاسِ مِنَ اللّٰهِ وَمِنْ رَسُوْلِهٖ لَعَنَ اللّٰهُ قَاطِعَ السِّدْرِ.

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور اس اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے بیری کا درخت کاٹنے والے پر لعنت فرمائی ہے۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب والرقائق، رفع السخدر عن قطع السدر، ج: 2 ص: 67)

ایک روایت میں ہے کہ: یہ فرمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض وصال کے ایام کا ہے۔ اس بارے میں بہت ساری احادیث ہیں لیکن علماء کے نزدیک یہ مؤول ہیں۔ کیونکہ علماء کا بیری کے درخت کاٹنے کے جواز پر اجماع ہے۔ بعض سلف نے فرمایا ہے کہ اس کا محل حرم شریف کے بیر کا درخت ہے۔ اور امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث

صحراء میں اُگنے والے بیری کے درخت کے بارے میں ہے کہ جس کے سایہ میں مسافر اور جانور آرام کرتے ہیں اور کاٹنے والا بے مقصد اور بطور ظلم بغیر کسی اپنے حق کے اس کو کاٹتا ہے۔اور امام شافعی رحمہ اللہ کی رائے بھی اس کی تائید کرتی ہے، چنانچہ ان سے بیری کے درخت کو کاٹنے کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور اس حدیث کے راوی حضرت عروۃ بن زبیر رضی اللہ عنہ اپنی زمین سے بیری کا درخت کاٹا کرتے تھے اور بعض علماء نے اس حدیث کو نیم وغیرہ کے ملکیتی درخت کو بطور ظلم یا سرکشی کے کاٹنے پر محمول کیا ہے۔اور اس حدیث کی پہلی یعنی حرم شریف کا درخت کاٹنے والی تاویل کو راجح قرار دیا گیا ہے کیونکہ طبرانی کی روایت میں حرم شریف کے بیر کے درخت کا لفظ واقع ہے۔

(صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب جیب القمیص من عند الصدر الخ، رقم الحدیث: 5797، ج: 7 ص: 143، مطبوعہ: ایضا)

حضور ﷺ کے کُرتہ مبارک کے گریبان کی کیفیت

سوال ......رسول اللہ ﷺ کے کُرتے کے گریبان کی کیفیت کیسی تھی؟ مصر وغیرہ بلاد میں گریبان کی جو صورت معتاد ہے کیا اس صورت کا تھا؟ یا آپ کے دونوں مقدس شانوں کے اوپر تھا جیسا کہ مغاربہ کا طریقہ ہے۔ اور دوسری صورت کو اس لئے ترجیح دی گئی ہے کہ یہ سنت ہے اور پہلی صورت یہود کا شعار ہے۔

جواب......فتح الباری میں جس کی تصریح ہے وہ پہلی صورت ہے اور امام جلال الدین رحمہ اللہ نے بھی اس کی تصریح کی ہے۔کیونکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح میں عنوان قائم کیا ہے باب جیب القمیص من عند الصدر وغیرہ (باب سینے کے قریب کُرتے کا گریبان رکھنے کے بارے میں) اور اس عنوان کے تحت صدقہ کرنے اور بخل کرنے والے کی مثال میں وارد حدیث الجبتین کو نقل کیا ہے۔اور اس حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی انگلی سے اپنے گریبان کی طرف اشارہ فرمایا۔

(فتح الباری، قولہ: باب جیب القمیص من عند الصدر وغیرہ، ج: 10 ص: 267، مطبوعہ: دار المعرفۃ، بیروت)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں اسی حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت آپ نے کُرتہ زیب تن فرمایا ہوا تھا اور کُرتے کا گلہ سینہ مبارک کے مقام پر کھلا ہوا تھا۔اور فرماتے ہیں: بلکہ ابن بطال نے اسی سے استدلال کیا ہے کہ سلف کے لباس میں گریبان سینے کے قریب ہوتا تھا۔اور فرماتے ہیں اس حدیث میں موضوع استدلال یہ ہے کہ بخیل جب اپنا ہاتھ نکالنا چاہتا ہے تو وہ اس جگہ میں روک دیا جاتا ہے جو جگہ اس پر تنگ ہوتی ہے۔اور وہ جگہ پستان اور ہنسلی کی ہڈی ہے، اور یہ سینے میں ہوتی ہے۔

(المعجم الکبیر للطبرانی، باب الزاء، زید بن ابی اوفی الاسلمی الخ، رقم الحدیث: 5146، ج: 5 ص: 220، مطبوعہ: ایضا)

ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس سے واضح ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کے کُرتے کا گریبان سینے میں تھا۔ کیونکہ اگر سینے کے سوا کسی اور جگہ میں ہوتا تو آپ کو اپنا دست اقدس ہنسلی کی ہڈی اور پستان کی جانب اٹھانے کی ضرورت نہ پڑتی۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قرۃ بن یاس کی حدیث کہ جس کی سند صحیح ہے اس میں وہ فرماتے ہیں کہ: میں نے جب رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی تو میں نے اپنا ہاتھ رسول اللہ ﷺ کی قمیص مبارک کے گریبان میں داخل کیا تو میں نے مہر نبوت کو چھوا۔

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی قمیص مبارک کا گریبان سینہ اقدس کے مقام پر تھا کیونکہ حدیث کے اول حصہ سے پتہ چلتا ہے کہ قرۃ بن یاس نے مطلق قمیص کو دیکھا تھا یا قمیص کو بٹن کھلے ہونے کی حالت میں دیکھا تھا۔ اور طبرانی کی حدیث میں ہے کہ قرۃ بن یاس نے رسول اللہ ﷺ کو جب دیکھا تھا تو اس وقت آپ کی قمیص کے بٹن کھلے ہوئے تھے، اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ مبارک سے اس کے بٹن لگا دیئے۔ اور اس کے بعد فرمایا کہ تمہارے سینے پر جو چادر ہے اس کو میرے شانوں پر ڈال دو۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب والرقائق، کشف الریب عن الجیب، ج:2 ص:112)

اور آیت کریمہ: وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ. (سورۃ النور، آیت: 31)

ترجمہ: اور دوپٹے اپنے گریبانوں میں ڈالے رہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر سے نقل کیا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ عورتیں اپنے دوپٹوں کو اپنے سینوں پر اس طرح ڈالیں کہ سینے کا کوئی حصہ نظر نہ آئے۔

قرۃ بن یاس کی حدیث اور حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کی تفسیر بھی اس بات پر دلالت کر رہی ہیں کہ حضور ﷺ کے کرتہ کا گریبان سینہ مبارک کے مقام پر ہوتا تھا۔ اور حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے مروی صحیح حدیث بھی اسی پر دلالت کرتی ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم میں شکار کیا کرتا ہوں تو کیا میں صرف قمیص پہن کر نماز ادا کروں؟ تو آپ نے اس کی اجازت عطا فرمائی اور فرمایا کہ قمیص کو بٹن لگوا اگرچہ کسی کانٹے کے ساتھ کیوں نہ ہو۔ اور یہ سمجھنا کہ سینے کے مقام پر گریبان رکھنا یہودیوں کا شعار ہے درست نہیں۔ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس پر مجھے علماء میں سے کسی کا قول نہیں ملا۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب والرقائق، الدرۃ الناجیۃ علی الاسئلۃ الناجیۃ، ج:2 ص:62، مطبوعہ: ایضا)

تقدیم ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

سوال......اس حدیث کو کس نے روایت کیا ہے؟

یَا عَلِیُّ سَاَلْتُ اللّٰہَ اَنْ یُّقَدِّمَکَ فَاَبٰی اِلَّا اَبَا بَکْرٍ .

ترجمہ: اے علی! میں نے اللہ تعالیٰ سے تیری تقدیم کا سوال کیا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے سوائے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کسی کی تقدیم کو قبول نہیں فرمایا۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب والرقائق، الدرۃ التاجیۃ علی الاسئلۃ الناجیۃ، ج:2 ص:62، مطبوعہ: ایضا)

جواب......اس حدیث کو ایک جماعت نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

معصیت پر قائم رہنے والا مجنون ہے

سوال......اس حدیث کو کس نے روایت کیا ہے؟

مَرَّ رَجُلٌ فَقَالُوْا ھٰذَا مَجْنُوْنٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَلْمَجْنُوْنُ الْمُقِیْمُ عَلٰی مَعْصِیَتِہٖ وَ لٰکِنْ قُوْلُوْا مصَابٌ.

ترجمہ: ایک شخص گزرا تو صحابہ نے کہا یہ مجنون ہے تو حضور ﷺ نے فرمایا مجنون وہ ہے جو اپنی معصیت پر قائم رہتا ہے بلکہ کہو یہ مصاب (مصیبت زدہ) ہے۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب والرقائق، الدرۃ التاجیۃ علی الاسئلۃ الناجیۃ، ج:2 ص:62، مطبوعہ: ایضا)

جواب......اس کی عامر نے اپنے فوائد میں اور ابوبکر شافعی نے غیلانیات میں تخریج کی ہے۔

سرکہ کی فضیلت

سوال......اس حدیث کو کس نے روایت کیا ہے؟

اِنَّ اللّٰہَ یُوَکِّلُ اٰکِلَ الْخِلِّ مَلَکَیْنِ یَسْتَغْفِرَانِ لَہٗ حَتّٰی یَفْرُغَ.

ترجمہ: سرکہ کھانے والے پر اللہ تعالیٰ دو فرشتے مقرر فرماتا ہے جو اس کے فارغ ہونے تک اس کی مغفرت طلب کرتے رہتے ہیں۔

(المعجم الکبیر للطبرانی، باب العین، عمرو بن دینار، عن ابن عباس الخ، رقم الحدیث: 11201، ج:11 ص:109، مطبوعہ: ایضا)

جواب......اس حدیث کو ابن عساکر اور دیلمی رحمہما اللہ نے تخریج کیا ہے اور اس میں ایک راوی مدلس ہے۔

سفید لباس کی فضیلت

اس حدیث کو کس نے روایت کیا ہے؟

اِسْتَوْصُوْا بِالْمَعْزِ خَيْرًا فَإِنَّهَا مَالٌ رَقِيْقٌ وَ هُوَ فِي الْجَنَّةِ وَ أَحَبُّ الْمَالِ إِلَى اللّٰهِ الضَّانُ وَ عَلَيْكُمْ بِالْبَيَاضِ فَإِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ الْجَنَّةَ بَيْضَاءَ فَلْيَلْبَسْهُ خِيَارُكُمْ وَ كَفِّنُوْا فِيْهِ مَوْتَاكُمْ وَ إِنَّ دَمَ الشَّاةِ الْبَيْضَاءِ أَعْظَمُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ دَمِ السَّوْدَاءِ .

ترجمہ: بکری کے ساتھ اچھا سلوک کرو کیونکہ وہ کمزور مال ہے اور رقیق مال جنت میں ہے۔اللہ تعالیٰ کے ہاں بہتر پسندیدہ مال ہے۔اور سفید لباس پہننے کو اپنے پر لازم کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جنت کو سفید پیدا کیا ہے، پس تمہارے اچھے لوگ سفید رنگ کا لباس پہنا کریں۔اور سفید لباس میں اپنے مُردوں کو کفن دیا کرو بے شک اللہ تعالیٰ کے ہاں سفید رنگ کی بکری کا خون (اللہ کی راہ میں بہانا) سیاہ رنگ کی بکری (کا خون بہانے سے) زیادہ قدر و منزلت والا ہے۔

(مسند الحارث، کتاب الصلاۃ، باب فی خطبۃ قد کذبھا، الخ، رقم الحدیث: 205، ج:1 ص:309، مطبوعہ: مرکز خدمۃ السنۃ والسیرۃ، مدینہ منورہ)

جواب......اس حدیث کو امام طبرانی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

خاوند بیوی کے درمیان تفریق کرنے والے کی سزا

سوال......اس حدیث کو کس نے روایت کیا ہے؟

مَنْ عَمِلَ فِيْ فُرْقَةٍ بَيْنَ امْرَأَةٍ وَ زَوْجِهَا كَانَ فِيْ غَضَبِ اللّٰهِ وَ لَعْنَتِهِ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَكَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ أَنْ يَّضْرِبَهُ بِصَخْرَةٍ مِنْ نَارِ جَهَنَّمَ إِلَّا أَنْ يَّتُوْبَ.

ترجمہ: جو کسی عورت اور اس کے خاوند کے درمیان جدائی ڈالنے کا عمل کرتا ہے تو وہ دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کے غضب اور اس کی لعنت میں رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ وہ اس شخص کو جہنم کی آگ کی ایک چٹان مارے مگر یہ کہ وہ توبہ کرے تو (اس عذاب سے بچ جائے گا)۔

(المستدرک للحاکم، کتاب معرفۃ الصحابۃ الخ، باب واما قصۃ اعتزال الخ، رقم الحدیث: 4638، ج:3 ص:137، مطبوعہ: دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

جواب......اس حدیث کو دارقطنی نے الافراد میں روایت کیا ہے۔

اَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَ عَلِيٌّ بَابُهَا

سوال......اس حدیث کو کس نے روایت کیا ہے؟

اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَ عَلِیٌّ بَابُھَا. ترجمہ: میں علم کا شہر ہوں اور علی اس شہر کا دروازہ ہیں۔؟

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب والرقائق، آخر المجاجۃ الزرنبیۃ فی السلالۃ الزینبیۃ، ج:2 ص:42، مطبوعہ: دارالفکر بیروت، لبنان)

جواب......اس حدیث کو ایک جماعت نے روایت کیا ہے اور امام حاکم رحمہ اللہ نے اس کو صحیح قرار دیا ہے اور حافظ علائی اور حافظ ابن حجر رحمہما اللہ نے اس کو حسن قرار دیا ہے۔

چند موضوعہ مکذوبہ احادیث

سوال......درج ذیل احادیث کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

1......اِنَّ اللّٰہَ یَنْظُرُ کُلَّ یَوْمٍ اِلَی الْغَرِیْبِ اَلْفَ نَظْرَۃٍ.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ہر روز مسافر کی جانب ایک ہزار بار نگاہ کرم فرماتا ہے۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب والرقائق، آخر المجاجۃ الزرنبیۃ فی السلالۃ الزینبیۃ، ج:2 ص:42، مطبوعہ: دارالفکر بیروت، لبنان)

2......اِرْحَمُوا الْیَتَامٰی وَ اَکْرِمُوا الْغُرَبَاءَ فَاِنِّیْ کُنْتُ فِی الصِّغَرِ یَتِیْمًا وَ فِی الْکِبَرِ غَرِیْبًا.

ترجمہ: یتیموں پر رحم کرو اور مسافروں کی عزت کرو، کیونکہ میں بچپن میں یتیم تھا اور بڑی عمر میں مسافر رہا ہوں۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب والرقائق، آخر المجاجۃ الزرنبیۃ فی السلالۃ الزینبیۃ، ج:2 ص:42، مطبوعہ: دارالفکر بیروت، لبنان)

3......مَسْئَلَۃُ النَّاسِ مِنَ الْفَوَاحِشِ.

ترجمہ: لوگوں کا سوال کرنا بہت سخت قبیح گناہوں میں سے ہے۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب والرقائق، آخر المجاجۃ الزرنبیۃ فی السلالۃ الزینبیۃ، ج:2 ص:43، مطبوعہ: دارالفکر بیروت، لبنان)

4......اَللّٰھُمَّ لَا تُحْوِجْنِیْ اِلٰی اَحَدٍ مِنْ خَلْقِکَ.

ترجمہ: اے اللہ مجھے اپنی مخلوق میں سے کسی کا حاجتمند نہ بنا۔

5......مَنْ خَرَجَ فِیْ سَفَرٍ وَ مَعَہٗ عَصَا اَمَنَہُ اللّٰہُ مِنْ کُلِّ سَبُعٍ ضَارٍّ. الخ

جو اپنے ساتھ عصا لے کر سفر میں جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو ہر ضرر رساں درندے سے محفوظ رکھے گا۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب والرقائق، آخر المجاجۃ الزرنبیۃ فی السلالۃ الزینبیۃ، ج:2 ص:42، مطبوعہ: دارالفکر بیروت، لبنان)

6......مَنْ بَلَغَ اَرْبَعِیْنَ سَنَۃً عُدَّ لَہٗ ذَالِکَ مِنَ الْکِبَرِ وَالْعَجَبِ.

جو چالیس سال کی عمر تک پہنچ جائے تو اس عمر کو اس کے لئے بڑھاپا اور تعجب شمار کیا جائے گا۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب والرقائق، آخر المجاجۃ الزرنبیۃ فی السلالۃ الزینبیۃ، ج:2 ص:42، مطبوعہ: دارالفکر بیروت، لبنان)

7.....يُؤْتٰى يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِاَطْفَالٍ لَيْسَ لَهُمْ رُؤُسٌ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى لَهُمْ مَنْ اَنْتُمْ؟ فَيَقُوْلُوْنَ نَحْنُ الْمَظْلُوْمُوْنَ فَيَقُوْلُ مَنْ ظَلَمَكُمْ؟ فَيَقُوْلُوْنَ اٰبَاءَ نَا كَانُوْا يَأْتُوْنَ الذَّاكِرَانِ مِنَ الْعَالَمِيْنَ فَاَلْقَوْنَا فِي الْاَدْبَارِ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ. سُوْقُوْهُمْ اِلَى النَّارِ. وَ اكْتُبُوْا عَلٰى جِبَاهِهِمْ آيِسٌ مِنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ.

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب والرقائق، آخر الصحاجۃ الزرنبیۃ فی السلالۃ الزینبیۃ، ج:2 ص:42، مطبوعہ: دار الفکر بیروت، لبنان)

ترجمہ: قیامت کے دن کچھ ایسے بچوں کو لایا جائے گا جن کے سر نہیں ہوں گے، تو اللہ تعالیٰ اُن سے فرمائے گا تم کون ہو؟ تو عرض کریں گے کہ ہم مظلوم لوگ ہیں اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم پر کس نے ظلم کیا ہے؟ تو وہ عرض کریں گے ہم پر ہمارے باپوں نے ظلم کیا ہے کہ وہ (اپنی خواہش نفس کی خاطر) مذکروں کے پاس جاتے تھے پس انہوں نے ہمیں (یعنی اپنا نطفہ) مذکروں کے ادبار میں ڈال دیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ ان لوگوں کو جہنم کی طرف لے جاؤ اور ان کی پیشانیوں پر لکھ دو کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہیں۔

8.....مَنْ مَشٰى فِيْ تَزْوِيْجِ اِمْرَاَةٍ حَلَالًا يَجْمَعُ بَيْنَهُمَا رَزَقَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى اِمْرَاَةً مِنَ الْحُوْرِ الْعِيْنِ.

ترجمہ: جو جائز طریقہ سے کسی عورت کے ساتھ شادی کرنے کی کوشش کرے کہ (خاوند بیوی) دونوں اکٹھے ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اس کے نصیب میں حور عین عطا فرمائے گا۔ (یہ کافی طویل حدیث ہے۔)

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب والرقائق، آخر الصحاجۃ الزرنبیۃ فی السلالۃ الزینبیۃ، ج:2 ص:42، مطبوعہ: دار الفکر بیروت، لبنان)

9.....اِذَا غَسَلَتِ الْمَرْاَةُ ثِيَابَ زَوْجِهَا كَتَبَ اللّٰهُ لَهَا اَلْفَيْ حَسَنَةً وَ غَفَرَ لَهَا اَلْفَيْ سَيِّئَةً وَ اسْتَغْفَرَ لَهَا كُلُّ شَيْئٍ طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ وَ رَفَعَ لَهَا اَلْفَيْ دَرَجَةً. وَقَالَتْ عَائِشَةُ ضَرَسَ فَغَزْلِ الْمَرْاَةِ بِعَدْلِ التَّكْبِيْرِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ التَّكْبِيْرُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَثْقَلُ مِنَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اَيُّمَا اِمْرَاَةٍ كَسَتْ زَوْجَهَا مِنْ غَزْلِهَا كَانَ لَهَا بِكُلِّ سَدْيٍ وَ لَحْمَةٍ مِائَةُ اَلْفِ حَسَنَةٍ.

ترجمہ: عورت جب اپنے خاوند کے کپڑے دھوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے حق میں دو ہزار نیکیاں لکھ دیتا ہے اور اس کے دو ہزار گناہ معاف فرما دیتا ہے اور اس کے لئے ہر وہ چیز بخشش طلب

کرتی ہے جس پر سورج طلوع ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسکے دو ہزار درجات بلند فرماتا ہے۔
اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: عورت کے تکلہ کا دندانہ اللہ کی راہ میں تکبیر کے برابر ہے۔ اور اللہ کی راہ میں تکبیر آسمانوں اور زمین سے زیادہ وزن دار ہے اور جو عورت اپنے کاتے ہوئے سوت سے اپنے خاوند کو کپڑے پہناتی ہے تو اس کو ہر تانے، بانے کے بدلے ایک ہزر نیکیاں ملتی ہیں۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب والرقائق، آخر العجاجۃ الزرنبیۃ فی السلالۃ الزینبیۃ، ج:2 ص:42، مطبوعہ: دار الفکر بیروت، لبنان)

10......مَنِ اشْتَرٰی لِعَیَالِہٖ شَیْئًا ثُمَّ حَمَلَہٗ بِیَدِہٖ اِلَیْہِمْ حَطَّ اللّٰہُ عَنْہُ ذَنْبًا سَبْعِیْنَ سَنَۃٍ.

ترجمہ: جو اپنے عیال کے لئے کوئی چیز خریدتا ہے اور پھر اس کو اپنے ہاتھ سے اٹھا کر ان کے پاس لاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ستر سال کے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب والرقائق، آخر العجاجۃ الزرنبیۃ فی السلالۃ الزینبیۃ، ج:2 ص:42، مطبوعہ: دار الفکر بیروت، لبنان)

11......مَنْ فَرَّحَ اُنْثٰی فَکَاَنَّمَا بَکٰی مِنْ خَشْیَۃِ اللّٰہِ.

ترجمہ: جس نے کسی مؤنث کو خوش کیا ہے گویا وہ اللہ کے خوف سے رو پڑا ہے۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب والرقائق، آخر العجاجۃ الخ، ج:2 ص:45)

12......اَلْبَیْتُ الَّذِیْ فِیْہِ الْبَنَاتُ یَنْزِلُ فِیْہِ کُلَّ یَوْمٍ اِثْنَتَا عَشْرَۃَ رَحْمَۃً مِنَ السَّمَآءِ وَ لَا تَنْقَطِعُ زِیَارَۃُ الْمَلَائِکَۃِ مِنْ ذٰلِکَ الْبَیْتِ یَکْتُبُوْنَ لِاَبَوَیْھَا کُلَّ یَوْمٍ وَّ لَیْلَۃٍ عِبَادَۃَ سَنَۃٍ.

ترجمہ: جس گھر میں بیٹیاں ہیں اس میں ہر روز آسمان سے بارہ رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور اس گھر سے فرشتوں کی زیارت منقطع نہیں ہوتی ہے اور فرشتے ان لڑکیوں کے والدین کے حق میں ہر دن رات ایک سال کی عبادت لکھتے ہیں۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب والرقائق، آخر العجاجۃ الخ، ج:2 ص:45)

13......عَلَیْکُمْ بِاَکْلِ التُّلْسِ فَاِنَّہٗ یَقْطَعُ عِرْقَ الْجُذَامِ اَلَا ھُوَ التِّیْنُ.

ترجمہ: تلس کھانے کو اپنے اوپر لازم کرو کیونکہ وہ جذام کی آگ کو کاٹتا ہے اور خبردار تلس انجیر ہے۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب والرقائق، آخر العجاجۃ الخ، ج:2 ص:45)

14.....سَاَلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِبْلِیْسَ عَنْ ضَجِیْعِهٖ فَقَالَ السَّکْرَانُ وَ عَنْ جَلِیْسِهٖ فَقَالَ الَّذِیْ یُؤَخِّرُ الصَّلٰوۃَ عَنْ وَقْتِهَا .وَمِنْ ضَیْفِهٖ فَقَالَ السَّارِقُ وَ عَنْ اَنِیْسِهٖ فَقَالَ الشَّاعِرُ الخ

ترجمہ:رسول اللہ ﷺ نے ابلیس سے اس کے ہم خواب کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا میرا ہم خواب نشے والا ہے،اوراس کے ہم جلیس کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا میرا ہم جلیس وہ ہے جو نماز کو اپنے وقت سے مؤخر کرتا ہے،اوراس کے مہمان کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا میرا مہمان چور ہے،اوراس کے انیس کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا میرا انیس شاعر ہے۔

(الحاوی الفتاوی،کتاب الادب والرقائق،آ خرالعجاجۃ الخ،ج:2ص:45)

15.....اِنَّ اللّٰہَ لَمَّا خَلَقَ آدَمَ وَ اَدْخَلَ الرُّوْحَ فِیْ جَسَدِهٖ اَمَرَنِیْ اَنْ آخُذَ تُفَّاحَۃً فَاَعْصِرُهَا فِیْ حَلْقِهٖ فَعَصَرْتُهَا فَخَلَقَکَ اللّٰہُ یَا مُحَمَّدُ مِنَ الْقَطْرَۃِ الْاُوْلٰی وَ مِنَ الثَّانِیَۃِ اَبَابَکْرٍ .الخ

حضرت جبریل علیہ السلام کی حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا اور روح کو ان کے جسم میں داخل کیا تو مجھے حکم دیا کہ میں ایک سیب لے کر اس کو حضرت آدم علیہ السلام کے حلق میں نچوڑ دوں ۔تو میں نے سیب کو ان کے حلق میں نچوڑا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے پہلے قطرے سے آپ کی تخلیق فرمائی اے محمد ﷺ،اور دوسرے قطرے سے حضرت ابوبکر کی الخ

(الحاوی الفتاوی،کتاب الادب والرقائق،آ خرالعجاجۃ الخ،ج:2ص:46)

16.....سفید بالوں کی وجہ سے سب سے پہلے جس نے اجنبیت کا اظہار کیا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں آپ نے جب اپنے رخسار مبارک پر سفید بال دیکھے تو عرض کی اے میرے رب! یہ کیا تبدیلی ہے کہ جس نے تیرے خلیل کے چہرہ کو تبدیل کیا ہے،تو اللہ تعالیٰ نے آپ پر وحی نازل فرمائی کہ یہ وقار اور اسلام کا نور ہے مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم ہے کہ میری الوہیت وتوحید کی شہادت دینے والی مخلوق میں سے جس کسی کو میں یہ لباس عطا کرتا ہوں تو قیامت کے دن اس کے لئے میزان نصب کرنے اوراس کے دفتر حساب کو کھولنے اوراس کو جہنم کا عذاب دینے سے مجھے حیاء آئے گی۔

(الحاوی الفتاوی،کتاب الادب والرقائق،آ خرالعجاجۃ الخ،ج:2ص:46)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی اے میرے رب! میرے وقار میں اضافہ فرما تو (اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی) اور آپ کے سر اقدس کے بال سفید ہو گئے اور سر اقدس سفید بادلوں کی طرح ہو گیا۔

17 ...... اِخْتَضِبُوْا فَاِنَّ الْمَلَائِكَةَ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِخِضَابِ الْمُؤْمِنِ .

ترجمہ: خضاب استعمال کرو کیونکہ فرشتے مومن کے خضاب سے خوش ہوتے ہیں۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب والرقائق، آخر الحجاجہ الخ، ج:2 ص:46)

18 ...... مَنْ اَمَرَّ الْمُشْطَ عَلٰى حَاجِبِهٖ عُوْفِيَ مِنَ الْوَبَاءِ .

ترجمہ: جو اپنے ابرو پر کنگھی پھیرے تو اس کو وباء سے عافیت ہوگی۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب والرقائق، آخر الحجاجہ الخ، ج:2 ص:46)

19 ...... عَلَيْكُمْ بِالْمُشْطِ فَاِنَّهٗ يُذْهِبُ الْفَقْرَ وَمَنْ سَرَّحَ لِحْيَتَهٗ حِيْنَ يُصْبِحُ كَانَ لَهٗ اَمَانًا حَتّٰى يُمْسِيَ لِاَنَّ اللِّحْيَةَ زَيْنُ الرِّجَالِ وَجَمَالُ الْوَجْهِ .

ترجمہ: کنگھی کو لازم پکڑو کیونکہ وہ فقر کو زائل کر دیتی ہے۔ اور جو شخص صبح کے وقت اپنے بالوں پر کنگھی کرے تو رات تک وہ اس کے لئے امن وسلامتی کا باعث ہوگی کیونکہ داڑھی مردوں کی زینت اور چہرے کا جمال ہے۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب والرقائق، آخر الحجاجہ الخ، ج:2 ص:47)

20 ...... لِكُلِّ شَيْءٍ آلَةٌ وَ آلَةُ الْمُؤْمِنِ الْعَقْلُ وَ لِكُلِّ شَيْءٍ دِعَامَةٌ وَ دِعَامَةُ الْمُؤْمِنِ الْعَقْلُ وَ لِكُلِّ قَوْمٍ غَايَةٌ وَ غَايَةُ الْعِبَادِ الْعَقْلُ .الخ

ترجمہ: ہر چیز کے لئے کوئی نہ کوئی آلہ ہوتا ہے اور مؤمن کا آلہ عقل ہے اور ہر شے کا کوئی نہ کوئی سہارا ہوتا ہے اور مؤمن کا سہارا عقل ہے اور ہر قوم کی کوئی نہ کوئی غایت ہوتی ہے اور بندوں کی غایت عقل ہے۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب والرقائق، آخر الحجاجہ الخ، ج:2 ص:47)

21 ...... مَنْ اَكَلَ الْيَقْطِيْنَ بِالْعَدَسِ رَقَّ قَلْبُهٗ .

ترجمہ: جو کدو کو مسور کی دال کے ساتھ ملا کر کھائے تو اس کے دل میں رقت پیدا ہوگی۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب والرقائق، آخر الحجاجہ الخ، ج:2 ص:47)

22 ...... اِنَّ لِلّٰهِ مَدِيْنَةً تَحْتَ الْعَرْشِ مِنْ مِسْكٍ اَذْفَرَ عَلٰى بَابِهَا مَلَكٌ يُنَادِيْ

كُلَّ يَوْمٍ الَا مَنْ زَارَ عَالِمًا فَقَدْ زَارَ الرَّبَّ وَ مَنْ زَارَ الرَّبَّ فَلَهُ الْجَنَّةُ.

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب والرقائق، آخرالعجاجۃ الخ، ج:2ص:47)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے عرش کے نیچے عنبر کا ایک شہر پیدا کیا ہے اس کے دروازے پر ایک فرشتہ ہے جو روزانہ یہ منادی کرتا ہے کہ خبردار جس نے کسی عالم کی زیارت کی بے شک اس نے رب کی زیارت کی اور جس نے رب کی زیارت کی اس کے لئے جنت ہے۔

23......مَنْ اَحَبَّ اَنْ يَّنْظُرَ اِلٰى عُتَقَاءِ اللّٰهِ مِنَ النَّارِ فَلْيَنْظُرْ اِلَى الْمُتَعَلِّمِيْنَ .الخ

ترجمہ: جو جہنم سے اللہ تعالیٰ کے آزاد کردہ لوگوں کو دیکھنا چاہتا ہے تو وہ علم حاصل کرنے والوں کو دیکھے۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب والرقائق، آخرالعجاجۃ الخ، ج:2ص:47)

24......مَنْ خَاضَ فِى الْعِلْمِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَكَاَنَّمَا اَعْتَقَ سَبْعِيْنَ اَلْفَ رَقَبَةٍ وَ كَاَنَّمَا تَصَدَّقَ بِاَلْفِ دِيْنَارٍ وَ كَاَنَّمَا حَجَّ اَرْبَعِيْنَ اَلْفَ حَجَّةٍ.

ترجمہ: جس نے جمعہ کے دن علم میں غور و خوض کیا گویا اس نے ستر ہزار غلام آزاد کئے اور ایک ہزار دینار صدقہ کئے اور چالیس ہزار حج ادا کئے۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب والرقائق، آخرالعجاجۃ الخ، ج:2ص:48)

25......حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث نقل کی گئی ہے جس میں ان کی طرف منسوب ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے اقدس کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تمہیں کس چیز کی ضرورت تو نہیں؟ تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کی:

لَمَّا اَرْضَعَتْكَ حَلِيْمَةُ وَ اَنْتَ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا رَاَيْتُكَ تُخَاطِبُ الْقَمَرَ وَ يُخَاطِبُكَ بِلُغَةٍ لَمْ اَفْهَمْهَا.

ترجمہ: یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم جب حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا آپ کو دودھ پلا رہی تھیں اور اس وقت آپ کی عمر چالیس دن کی تھی میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاند کے ساتھ اور چاند آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایسی زبان میں گفتگو کر رہے تھے جس کو میں نہ سمجھ سکا۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب والرقائق، آخرالعجاجۃ الخ، ج:2ص:49)

26......اور سرخ رنگ کے گلاب کے بارے میں جو احادیث ہیں ان کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب والرقائق، آخرالعجاجۃ الخ، ج:2ص:49)

27......كُلُّ شَيْئٍ اَخْرَجَتْهُ الْاَرْضُ فِيْهِ شِفَاءٌ وَ دَاءٌ اِلَّا الْاَرُزَّ فَاِنَّهُ شِفَاءٌ لَا دَاءَ فِيْهِ.

ترجمہ: زمین سے پیدا ہونے والی ہر چیز میں شفا بھی ہے اور مرض بھی سوائے چاول کے اس میں شفا ہی ہے اور اس میں کوئی مرض نہیں۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب والرقائق، آخر العجاجہ الخ، ج:2 ص:51)

28......مَاصَبَّ اللّٰهُ فِيْ صَدْرِيْ شَيْئًا اِلَّا صَبَبْتُهُ فِيْ صَدْرِ اَبِيْ بَكْرٍ.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ جو چیز بھی میرے سینے میں ڈالی تھی وہ میں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سینے میں ڈال دی ہے۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب والرقائق، آخر العجاجہ الخ، ج:2 ص:51)

29......اَطْعَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَصْحَابَهُ لُقْمَةً لُقْمَةً وَ قَالَ سَيِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُهُمْ.

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو لقمہ لقمہ کھلایا اور فرمایا کہ قوم کا سردار قوم کا خادم ہوتا ہے۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب والرقائق، آخر العجاجہ الخ، ج:2 ص:52)

30......رَاَيْتُ حَمْزَةَ وَ جَعْفَرَ بْنَ اَبِيْ طَالِبٍ فِي الْمَنَامِ وَ كَانَ بَيْنَ اَيْدِيْهِمَا طَبَقٌ فِيْهِ نَبْقٌ كَالزَّبَرْجَدِ.

ترجمہ: میں نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت جعفر بن ابی طالب کو خواب میں دیکھا کہ ان کے سامنے ایک تھال ہے جس میں زبرجد (زمرد کے مشابہ ایک قیمتی پتھر) کی طرح بیریاں ہیں۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب والرقائق، آخر العجاجہ الخ، ج:2 ص:52)

31......ایک حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عزرائیل علیہ السلام سے گزر ہوا تو انہوں نے آپ سے عرض کیا کہ:

اِنَّ اللّٰهَ وَكَّلَنِيْ بِقَبْضِ اَرْوَاحِ الْخَلْقِ مَا خَلَا رُوْحَكَ وَ رُوْحَ ابْنِ عَمِّكَ عَلِيٍّ.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے مجھے مخلوق کی ارواح قبض کرنے پر مامور کیا ہوا ہے سوائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد حضرت کی روح کے۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب والرقائق، آخر العجاجہ الخ، ج:2 ص:53)

32......اَلْقَى طَائِرَةٌ لَوْزَةً خَضْرَاءَ مَكْتُوْبًا عَلَيْهَا بِالْاَصْفَرِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ نَصَرْتُهُ بِعَلِيٍّ.

ترجمہ: ایک پرندے نے سبز رنگ کا اخروٹ پھینکا جس پر زرد رنگ کے ساتھ لکھا ہوا تھا اللہ تعالیٰ کے سواء کوئی معبود نہیں محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں جن کی میں نے حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ مدد و نصرت فرمائی ہے۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب والرقائق، آخر الحاجۃ الخ، ج:2 ص:53)

33......یَاعَلِیُّ تَخَتَّمْ بِالْعَقِیْقِ الْاَحْمَرِ فَاِنَّهٗ جَبَلٌ اَقَرَّ لِلّٰهِ بِالْوَحْدَانِیَّةِ وَلِیْ بِالنُّبُوَّةِ وَلَکَ بِالْوَصِیَّةِ وَلِاَوْلَادِکَ بِالْاِمَامَةِ وَلِمُحِبِّکَ بِالْجَنَّةِ.

ترجمہ: اے علی! علیہ السلام سرخ رنگ کے عقیق والی انگوٹھی استعمال کیا کرو کیونکہ یہ ایسا پہاڑ ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی واحدانیت اور میری نبوت اور تمہاری وصیت اور تمہاری اولاد کی امامت اور تمہارے ساتھ محبت کرنے والے کے لئے جنت کا اقرار کیا ہے۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب والرقائق، آخر الحاجۃ الخ، ج:2 ص:54)

34......ایک حدیث میں ہے کہ حضرت جبریل امین علیہ السلام سیب کا ایک تھال لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے اس سیبوں کو اپنے صحابہ میں تقسیم فرمایا اور ہر سیب پر اس صحابی کا نام لکھا ہوا تھا جس کو وہ دیا جاتا تھا۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب والرقائق، آخر الحاجۃ الخ، ج:2 ص:54)

35......ایک حدیث میں حضرت علی و حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کی شادی کے وقت مختلف کیفیات بیان کی گئی ہیں کہ فرشتوں کا اجتماع ہوا، اور شجرہ طوبیٰ نے ان پر موتی اور یاقوت نچھاور کیے۔ جنتوں کو آراستہ کیا گیا اور حوریں مزین ہوئیں، فرشتوں کا نزول ہوا، حوروں نے رقص کیا اور پرندوں نے نغمات گائے۔

(مسند احمد، مسند المکثرین من الصحابۃ، مسند جابر بن عبداللہ، رقم الحدیث: 14941، ج:23 ص:200، مطبوعہ: ایضا)

جواب...... مذکورہ تمام احادیث جھوٹ اور موضوع ہیں ان میں سے کسی کو بطور روایت نقل کرنا جائز نہیں، البتہ یہ بیان کرنے کے لئے ان کو نقل کرنا جائز ہے کہ یہ حضور ﷺ پر جھوٹ اور افتراء ہیں جیسا کہ حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے اسی کو بیان فرمایا ہے۔

قیامت کے دن طنبور بجانے والا اپنے طنبور کے ساتھ اور نشہ کرنے والا اپنے جام کے ساتھ اٹھے گا

سوال...... کیا یہ حدیث سے ثابت ہے کہ قیامت کے دن طنبور بجانے والا اپنے طنبور کے ساتھ اور نشہ کرنے والا اپنے جام کے ساتھ اور مؤذن اذان دینے کی حالت میں اٹھے گا اور اسی طرح ہر شخص کی جس حالت پر موت آتی

ہے وہ اسی حالت پر اٹھے گا؟۔

جواب...... ہاں ایسی احادیث وارد ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے اور ان میں سے کچھ افراد کی تصریح بھی وارد ہے اور اس تصریح پر علماء نے نص فرمائی ہے۔امام مسلم رحمہ اللہ نے یہ حدیث تخریج کی ہے کہ:

يُبْعَثُ كُلُّ عَبْدٍ عَلٰى مَا مَاتَ عَلَيْهِ.

ترجمہ: ہر بندے کو اسی حالت پر اٹھایا جائے گا جس پر اس کی موت ہوئی ہے۔

(القضاء والقدر للبیہقی، باب ذکر البیان ان العبد الخ رقم الحدیث: 122، ج: 1 ص: 163، مطبوعہ: مکتبۃ العبیکان، الریاض)

اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے یہ حدیث روایت کی ہے:

مَنْ مَاتَ عَلٰى مَرْتَبَةٍ مِنْ هٰذَا الْمَرَاتِبِ يُبْعَثُ عَلَيْهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ .

ترجمہ: جس کی موت ان مراتب میں سے جس مرتبہ پر آئے گی اس کو قیامت کے دن اسی مرتبہ پر اٹھایا جائے گا۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب البعث، ہل وردان الزامہ، ج: 2 ص: 113)

اور صحیح حدیث ہے کہ:

اِنَّ الْمَجْرُوْحَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَاْتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ جَرْحُهٗ يَشْعَبُ دَمًا وَ اِنَّ الْمَيِّتَ مُحْرِمًا مُلَبِّيًا.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی راہ میں زخمی ہونے والا قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کے زخم سے خون بہہ رہا ہوگا اور احرام کی حالت میں وفات پانے والے کو تلبیہ پڑھنے کی حالت میں اٹھایا جائے گا۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب البعث، ہل وردان الزامہ، ج: 2 ص: 113)

اور یہ حدیث ضعیف سند کے ساتھ مروی ہے لیکن اس کے شواہد موجود ہیں۔

اِنَّ الْمُلَبِّيْنَ وَ الْمُؤَذِّنِيْنَ يَخْرُجُوْنَ مِنْ قُبُوْرِهِمْ يُؤَذِّنُ الْمُؤَذِّنُ وَ يُلَبِّي الْمُلَبِّي.

ترجمہ: تلبیہ پڑھنے والے اور اذان دینے والے اپنی قبور سے اس حال میں نکلیں گے کہ مؤذن اذان دے رہا ہوگا اور تلبیہ پڑھنے والا تلبیہ پڑھ رہا ہوگا۔

(الترغیب والترہیب، فصل فی طعام اہل النار، رقم الحدیث: 5587، ج: 4 ص: 261، مطبوعہ: دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

ایک نہایت کمزور اور غیر معتبر سند کے ساتھ یہ حدیث مروی ہے:

مَنْ فَارَقَ الدُّنْيَا وَ هُوَ سَكْرَانُ دَخَلَ الْقَبْرَ هُوَ سَكْرَانُ وَ بُعِثَ مِنْ قَبْرِهٖ وَ هُوَ

سَکْرَانٌ .

ترجمہ: جو دنیا سے نشہ کی حالت میں جدا ہو جائے تو وہ قبر میں نشہ کی حالت میں داخل ہوگا اور نہ اپنی قبر سے نشہ کی حالت میں اٹھایا جائے گا۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب البعث، ہل وردان الزامہ، ج:2 ص:113)

امام غزالی کی کتاب ''کشف علوم الآخرۃ'' میں ہے:

يُبْعَثُ السُّكْرَانُ سُكْرَانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ الزَّامِرُ زَمْرًا وَ شَارِبُ الْخَمْرِ وَ الْكُوْزُ مُعَلَّقٌ فِيْ عُنُقِهٖ ، وَ كُلُّ اَحَدٍ عَلَى الْحَالِ الَّذِيْ صَدَّهٗ فِي الدُّنْيَا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ .

ترجمہ: قیامت کے دن نشہ والے کو نشہ کی حالت میں اور طنبور بجانے والے کو طنبور بجانے کی حالت میں اٹھایا جائے گا اور شراب نوشی کرنے والے کو اس حال میں اٹھایا جائے گا کہ جام اس کی گردن کے ساتھ لٹکا ہوا ہوگا، اور ہر ایک کو اسی حالت میں اٹھایا جائے گا جس نے اس کو دنیا میں اللہ کی راہ سے روکا تھا۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب البعث، ہل وردان الزامہ، ج:2 ص:113)

حافظ سیوطی رحمہ اللہ سابقہ چیزوں کو بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

''اس کلام میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ سابقہ حدیث کی تخصیص کہ انسان آخرت میں اسی حالت میں اٹھایا جائے گا جس حالت پر اس نے دنیا میں زندگی بسر کی ہے اس تخصیص سے مراد حالت اطاعت یا حالت معصیت ہے۔ برخلاف مباحات کے وہ مراد نہیں۔ لہٰذا بڑھئی اور معمار وغیرہ کو اپنے آلات کے ساتھ نہیں اٹھایا جائے گا۔ ہاں البتہ اگر وہ ان میں ایسا عمل انجام دیں جو شرعاً جائز نہیں تو پھر ان کا بھی اسی حالت میں حشر ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

(المعجم الکبیر للطبرانی، مسند النساء، ام سلمۃ ......الخ، رقم الحدیث: 870، ج:23 ص:367، مطبوعہ: ایضاً)

حورعین کی تفسیر

سوال ...... طبرانی کی اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟ حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَخْبِرْنِيْ عَنْ قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ (حُوْرٌ عِيْنٌ) قَالَ حُوْرٌ بِيْضٌ ضِخَامُ الْعُيُوْنِ شُفْرُ الْحَوْرَاءِ ،بِمَنْزِلَةِ جَنَاحِ النَّسْرِ.

میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم مجھے اللہ

تعالیٰ کے اس فرمان (حورعین) کے بارے میں آگاہ فرمائیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس کا مطلب سفید رنگت والیاں، موٹی موٹی آنکھوں والیاں، باز کے پروں کی مانند، لمبی لمبی پلکوں والیاں حوریں ہیں۔

(صفۃ الجنۃ لابن ابی الدنیا، باب صفۃ الحور العین، رقم الحدیث: 304، ج:1 ص:205 مطبوعہ: موسسۃ الرسالۃ بیروت)

جواب......الشفر، حرف فا کے ساتھ ہے اور یہ مضاف ہے حور کی طرف اور اس سے مراد پلکیں ہیں جن کو مناسب طوالت کی وجہ سے باز کے پروں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ اور ان کی طوالت آنکھوں کی ضخامت کی وجہ سے ہے۔ اس کی تائید ابن ابی الدنیا کی یہ روایت کرتی ہے:

شَفَرُ الْمَرْاَةِ مِنَ الْحُوْرِ الْعِيْنِ اَطْوَلُ مِنْ جَنَاحِ النَّسْرِ.

ترجمہ: جنتی حور کی پلکیں باز کے پر سے زیادہ لمبی ہیں۔

(سنن الدارمی، ومن کتاب الرقائق، باب فی ذبح الموت، رقم الحدیث: 2853، ج:2 ص:1853 مطبوعہ: دار المغنی، سعودیہ عربیہ)

بعض لوگوں نے اس لفظ میں تصحیف کی ہے کہ حرف فاء کی بجائے حرف قاف اور الحوراء کو مرفوع سمجھا ہے اور ان کا خیال ہے کہ یہ استعارہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ حور عین اپنی سرعت رفتار، اڑان اور ہلکی پھلکی ہونے کی وجہ سے باز کے پر کی مانند ہے۔ اور ان لوگوں کا یہ خیال تصحیف کے باوجود مقام کے مناسب نہیں۔

ذبح موت کا مطلب

سوال......اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟

ذُبِحَ الْمَوْتُ اِذَا اسْتَقَرَّ اَهْلُ الْجَنَّةِ فِي الْجَنَّةِ وَ اَهْلُ النَّارِ فِي النَّارِ.

ترجمہ: جب جنتی لوگ جنت میں قیام پذیر ہوں گے اور جہنمی لوگ جہنم میں داخل ہوں گے تو موت کو ذبح کر دیا جائے گا۔

(صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین الخ، باب فضل قراءۃ القرآن الخ، رقم الحدیث: 803، ج:1 ص:553 مطبوعہ: ایضا)

حالانکہ اہل سنت کے نزدیک موت ایک عرض ہے اور معتزلہ کے ہاں عدم محض ہے اور ان دونوں نظریات کے مطابق اس کا جسم ہونا ممکن نہیں۔

جواب......ایک ضعیف العقل گروہ کا یہی نظریہ ہے اسی وجہ سے انہوں نے اس حدیث کا انکار کیا ہے، اور محققین نے اس کا ایک جواب دیا ہے کہ یہ حدیث تمثیل بلیغ کے باب سے تعلق رکھتی ہے۔ اور دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو جسم کی صورت میں تخلیق فرمائے اور اس کے بعد اس کو ذبح کیا جائے اور اس کے

ہے اس کو مثال بنایا جائے، کیونکہ اہل جنت پر موت طاری نہیں ہوگی۔

اور علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک مینڈھے کو پیدا فرمائے اور اس کو موت کا نام دے اور جنتیوں اور دوزخیوں کے دلوں میں یہ القاء فرمادے کہ یہ موت ہے اور اس کا ذبح کرنا جنت اور دوزخ میں خلود کی دلیل ہے اور بعض علماء فرماتے ہیں: اس میں کوئی امر مانع نہیں کہ اللہ تعالیٰ اعراض سے اجسام پیدا فرمادے اور ان اجسام کو موت کا مادہ بنادے۔ جیسا کہ مسلم کی حدیث میں ثابت ہے کہ:

إِنَّ الْبَقَرَةَ وَ آلَ عِمْرَانَ تَجِيئَانِ كَأَنَّهُمَا غَمَامَتَانِ .

ترجمہ: قیامت کے دن سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران ایسے حاضر ہوں گے گویا کہ وہ دو بادل ہیں۔

(مسند احمد، مسند المکثرین من الصحابہ، مسند انس بن مالک رضی اللہ عنہ، رقم الحدیث: 13985، ج:1 ص:402، مطبوعہ ایضا)

اس کی مثل دیگر احادیث بھی ہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

جنتیوں کا موت کے ذبح سے خوش ہونے کا مطلب

سوال ...... اہل جنت کا موت کے ذبح سے خوش ہونے کا مطلب ہے حالانکہ ان کو اپنے انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی کتابوں سے یہ معلوم ہوگا کہ جنت میں ان پر موت طاری نہیں ہوگی؟

جواب...... ابن حبان کے ہاں بعض طرق حدیث میں وارد ہے کہ جنتی لوگ اس بات سے ڈرتے رہیں گے کہ کہیں ان کو ان کی اس جگہ سے نکالا نہ جائے جس میں وہ ہیں۔ اور اس خوف کی تفسیر یہ کی گئی ہے کہ یہ وہم سے پیدا ہونے والا خوف ہے جو برقرار نہیں رہے گا۔ اور جنتی لوگوں کا موت کے ذبح سے خوش ہونا ان کے سابقہ علم کہ آخرت میں موت نہیں کے منافی نہیں کیونکہ توہمات معلومات پر طاری ہوتے رہتے ہیں لیکن وہ برقرار نہیں رہتے، پس اس لئے وہ خوش ہوں گے۔ اور اس کا یہ جواب بھی دیا گیا ہے کہ عین الیقین علم الیقین سے زیادہ قوی ہوتا ہے لہٰذا ان کا اپنی آنکھوں سے موت کو ذبح ہوتے مشاہدہ کرنا انتفاء وہم میں ان کے سابقہ علم سے زیادہ قوی اور زیادہ مضبوط ہوگا۔ کیونکہ مشاہدہ خبر سے زیادہ قوی ہوتا ہے۔

کیا معمر مغربی اور رتن ہندی صحابہ میں سے ہیں؟

سوال ...... معمر مغربی اور رتن ہندی کے بارے میں آپ کی کیا تحقیق ہے کہ وہ دونوں اس بات کے مدعی ہیں وہ صحابہ میں سے ہیں؟ کیا ان کا یہ دعویٰ صحیح ہے؟

جواب...... آئمہ حدیث کے بیان کے مطابق ان کے اس دعویٰ کی کوئی صحت نہیں۔ امام ذہبی رحمہ اللہ نے "المیزان" میں اور شیخ الاسلام حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے "الاصابہ" میں بیان کیا ہے اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کئی

مرتبہ اس پر فتویٰ دیا ہے۔ اور محدثین وغیرہم علماء نے بیان کیا ہے کہ جو حضور ﷺ کے وصال کے سو سال گزرنے کے بعد صحابیت کا دعویٰ کرے تو وہ کاذب ہے۔ کیونکہ صحابہ کرام میں سب سے آخر میں وصال فرمانے والے صحابی حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ ہیں جن کا وصال ۱۱۰ ہجری میں ہوا ہے۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے اور علماء کا اتفاق ہے کہ صحابہ کرام میں سب سے آخر میں وصال فرمانے والے حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ ہیں۔

حضور ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے بارے میں وارد احادیث کا مطلب

سوال..... حضرت امام نووی رحمہ اللہ کی تہذیب میں ہے کہ بعض متقدمین سے حضور ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو مروی ہے کہ اگر وہ زندہ رہتے تو نبی ہوتے باطل روایت ہے اور مغیبات میں کلام کی جسارت اور ایک عظیم معاملہ میں بے تکی بات اور غفلت ہے۔ کیا امام نووی رحمہ اللہ کا یہ قول صحیح ہے؟

جواب..... شیخ الاسلام ابن حجر رحمہ اللہ نے "الاصابہ" میں امام نووی رحمہ اللہ کے اس قول پر تعجب کا اظہار کیا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں یہ روایت تین صحابہ سے منقول ہے اور صحابی کے بارے میں یہ گمان نہیں کیا جا سکتا کہ انہوں نے امام نووی رحمہ اللہ کے گمان کے مطابق اس طرح کی غفلت کا مظاہرہ کیا ہو۔ حافظ سیوطی رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے صحیح ثابت ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ سے آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا:

لَا اَدْرِیْ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلٰی اِبْرٰهِیْمَ لَوْعَاشَ لَكَانَ صِدِّیْقًا نَبِیًّا.

ترجمہ: میں انکل پچوں سے نہیں جانتا ابراہیم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو اگر وہ زندہ رہتے تو صدیق نبی ہوتے۔

(سنن ابی داود، کتاب الجنائز، باب فی الصلاۃ علی الطفل، رقم الحدیث: 3187، ج: 3، ص: 207، مطبوعہ ایضا)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک اور روایت ہے جس کو وہ رسول اللہ ﷺ سے مرفوعاً بیان کرتے ہیں اور اس کو ابن مندہ نے بھی روایت کیا ہے۔ اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اور اسی کو ابن عساکر رحمہ اللہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے اور ابن عساکر رحمہ اللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تخریج کیا ہے اور انہوں نے فرمایا ہے کہ اس کی سند میں ایک راوی ایسا بھی ہے جو قوی نہیں ہے۔

جب حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی والدہ ماجدہ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کو پیغام بھیجا تو وہ آئیں اور انہوں نے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو غسل دیا اور کفن پہنایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے جنازہ کو لے کر باہر تشریف لائے اور آپ کے ہمراہ لوگ بھی نکل آئے اور آپ نے ان کی تدفین فرمائی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست اقدس انکی قبر میں داخل کیا اور فرمایا:

اَمَا وَ اللّٰهِ اَنَّهُ نَبِيٌّ ابْنُ نَبِيٍّ. (اللہ کی قسم وہ نبی بن نبی ہیں۔) اور آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے اور مسلمان آپ کے گرد رونے لگے حتیٰ کہ آواز بلند ہوگئی پھر آپ نے فرمایا:

تُدْمِعُ الْعَيْنُ وَيَحْزَنُ الْقَلْبُ وَ لَا نَقُوْلُ مَا يُغْضِبُ الرَّبُّ وَ اِنَّا عَلَيْکَ يَا اِبْرَاهِيْمَ الْمَحْزُوْنَ.

آنکھ آنسو بہا رہی اور دل مغموم ہے اور ہم وہ بات نہیں کرتے کہ رب ناراض ہو جائے بے شک اے ابراہیم میں تجھ پر غم زدہ ہوں۔

اور امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے کہ: حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت ان کی عمر اٹھارہ ماہ کی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر نماز جنازہ نہیں پڑھی اور ابن حزم نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔ علامہ زرکشی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جن علماء نے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ پر نماز جنازہ کے ترک کو تسلیم کیا ہے انہوں نے ترکِ جنازہ کی مختلف علتیں بیان کیں ہیں جن میں چند یہ ہیں۔

(فتاوی السبکی، التعظیم والمنۃ فی قولہ تعالیٰ الخ، ج:1 ص:38، مطبوعہ: دار المعارف، بیروت، لبنان)

1......حضرت ابراہیم اپنے والد ماجد یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کے سبب نماز جنازہ سے بے نیاز تھے جیسا کہ شہید شہادت کی وجہ سے نماز جنازہ سے بے نیاز ہوتا ہے (چنانچہ شوافع کے نزدیک شہید پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جاتی حنفیوں کے نزدیک شہید پر نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے۔ (مترجم)

2......ایک نبی دوسرے نبی پر نماز جنازہ نہیں پڑھا کرتا۔ اور حدیث میں ہے کہ اگر حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ زندہ رہتے تو نبی ہوتے۔ (علامہ زرکشی رحمہ اللہ کی عبارت ختم ہوئی)

حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے لئے چھوٹی عمر کے باوجود اثبات نبوت میں کوئی بعید نہیں کیونکہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مانند ہیں جنہوں نے اپنی ولادت کے دن فرمایا تھا:

اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا. (سورۃ مریم، آیت:30)

ترجمہ: میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی ہے اور اس نے مجھے نبی بنایا ہے۔

اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کی طرح ہیں کہ جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَ اٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا. (سورۃ مریم، آیت:12)

ترجمہ: ہم نے اُسے بچپن ہی میں نبوت دی۔

مفسرین فرماتے ہیں کہ حضرت یحیٰ علیہ السلام کو تین سال کی عمر میں نبوت عطا فرمائی گئی تھی۔اور حضرت جبریل علیہ السلام کا حضرت عیسیٰ اور حضرت یحیٰ علیہما السلام کی طرف وحی لے کر نازل ہونے کا احتمال حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ میں بھی جاری ہوسکتا ہے۔اور اس احتمال کو اس بنیاد پر ترجیح بھی حاصل ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو آٹھ ماہ کی عمر میں عاشورا کا روزہ رکھوایا تھا۔

كُنْتُ نَبِيًّا وَّ اٰدَمُ بَيْنَ الرُّوْحِ وَ الْجَسَدِ کا مطلب

علامہ سبکی رحمہ اللہ حدیث: كُنْتُ نَبِيًّا وَّ اٰدَمُ بَيْنَ الرُّوْحِ وَ الْجَسَدِ.

ترجمہ: میں اس وقت بھی نبی تھا جب کہ حضرت آدم روح اور جسد کے درمیان تھے۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب البعث، رفع الصوت بذبح الموت، ج:2،ص:121)

کے تحت فرماتے ہیں اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کی طرف اشارہ ہے کیونکہ ارواح کو اجسام سے پہلے پیدا فرمایا گیا ہے۔یا اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت کی طرف اشارہ ہے اور حقائق کی معرفت سے ہماری عقلیں عاجز ہیں،اور پھر ان حقائق میں ہر حقیقت کو اللہ تعالیٰ جو چاہے جس وقت چاہے عطا فرمادیتا ہے پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت حضرت آدم کی تخلیق سے پہلے موجود تھی اللہ تعالیٰ نے آپ کی حقیقت کو بایں طور نبوت عطا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کو آپ کے لئے تیار کر کے پیدا فرمایا۔اور اس وقت سے ہی اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس حقیقت پر فائز فرمایا تو آپ نبی بن گئے۔(علامہ سبکی رحمہ اللہ کی عبارت ختم ہوئی)

(مصنف فرماتے ہیں) اسی سے چھوٹی عمر میں حضرت ابراہیم کے لئے ثبوتِ نبوت کی تحقیق معلوم ہوجاتی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی سماعت ثابت ہے

سوال.....کیا حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سماعت کی ہے تاکہ سادات صوفیاء کرام کی سندِ خرقہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ذکر کی تلقین پایۂ تکمیل کو پہنچ سکے؟

جواب.....اس بارے میں لوگوں کا اختلاف ہے اکثر نے اس کا انکار کیا ہے اور ایک جماعت نے اس کا اثبات کیا ہے حافظ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میرے نزدیک اثبات ہی راجح ہے۔اثبات کرنے والوں میں سے حافظ ضیاء الدین مقدس جنہوں نے ''المختارہ'' میں اور حافظ شیخ الاسلام ابن حجر رحمہ اللہ ہیں جنہوں نے ''اطراف

الکارہ" میں اثبات کیا ہے اوراس کی چند وجوہ بیان کی ہیں:

(المعجم الکبیر للطبرانی، باب العین، ومن مناقب عبداللہ بن عباس الخ، رقم الحدیث: 10614، ج:10 ص:263، مطبوعہ: ایضا، بالفاظ مختلف)

1.....مثبت نافی پر مقدم ہے۔

2.....حضرت حسن بصری رحمہ اللہ یقیناً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوسرے سال پیدا ہوئے ہیں اور سات سال کی عمر میں آپ ممیز ہو چکے تھے۔اور نماز ادا کرتے تھے۔لہٰذا آپ نماز ادا کرنے کے لئے جماعت میں حاضر ہوئے ہوں گے۔اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت تک آپ ان کی اقتداء میں نماز ادا کرتے رہے ہوں گے۔ اوراس عرصہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں ہی قیام پذیر تھے۔اور ہر فرض نماز کی جماعت میں حاضر ہوتے تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد تشریف لے گئے تھے۔اوراس وقت حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی عمر چودہ سال کی تھی۔پس حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سماع کا کیسے انکار کیا جاسکتا ہے۔حالانکہ ان سات سالوں میں ہی ان کی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ روزانہ مسجد نبوی میں پانچ مرتبہ ملاقات ہوتی رہی ہے۔اسی لئے حضرت علی بن مدینی فرماتے ہیں: کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے اپنی چھوٹی عمر میں مدینہ منورہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے اوراس کی مزید دلیل یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، امہات المؤمنین کی زیارت کے لئے ان کے گھروں میں جاتے تھے اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا امہات المؤمنین میں سے ہیں اور حضرت حسن بصری رحمہ اللہ اور ان کی والدہ ماجدہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں رہتے تھے کیونکہ ان کی والدہ ماجدہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی آزاد کردہ باندی تھیں۔اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کو صحابہ کرام کے سامنے لاتیں تھیں تا کہ صحابہ کرام کی برکات سے مستفیض ہوں۔

چنانچہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے لئے یہ دعا فرمائی:

اَللّٰھُمَّ فَقِّھْهُ فِی الدِّیْنِ وَ عَلِّمْهُ وَ حَبِّبْهُ اِلَی النَّاسِ.

ترجمہ: اے اللہ! ان کو دین کی فقاہت عطا فرما اور علم عطا فرما اور ان کو لوگوں کے ہاں محبوب بنا۔

(سنن ترمذی، ابواب الادب، ابواب الامثال، باب مثل الصلاۃ الخ، رقم الحدیث: 2829، ج:4 ص:449، مطبوعہ: ایضا)

اس روایت کو علامہ مزی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے اور العسکری رحمہ اللہ نے اس کی سند بیان کی ہے۔اور علامہ مزی رحمہ اللہ نے ہی "التھذیب" میں ابونعیم کے طریق سے نقل کیا ہے کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے یہ سوال کیا گیا کہ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد اقدس نہیں پایا اوراس کے باوجود آپ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے؟ تو حسن بصری رحمہ اللہ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ ہر وہ روایت جس میں میں یہ

کہتا ہوں وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے لیکن میں ایسے زمانے میں ہوں کہ جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتا ہوں یعنی میں حجاج بن یوسف کے عہد میں ہوں جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں کرسکتا۔

اس کے بعد حافظ نے بہت ساری ایسی احادیث ذکر کیں ہیں جو انہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی روایت کے واسطہ سے پہنچیں تھیں ۔اوران احادیث میں سے ایک حدیث کی روایت میں حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا یہ قول ہے:

سَمِعْتُ عَلِيًّا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَثَلُ اُمَّتِيْ مَثَلُ الْمَطَرِ.

ترجمہ:میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کی مثال بارش کی طرح ہے۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب البعث، اتحاف الفرقۃ الخ، ج:2 ص:129)

اس حدیث کے رواۃ ثقہ ہیں۔

حضور ﷺ کا ایک چٹان توڑنے کا واقعہ اور مقام ابراہیم میں پاؤں کے نشانات کا ثبت ہونا

سوال ......کیا یہ حدیث سے ثابت ہے کہ خندق کھودنے کے دوران ایک چٹان ظاہر ہوئی جس کے توڑنے سے صحابہ کرام عاجز آگئے تو حضور ﷺ نے اس پر تین ضربیں ماریں تو وہ ریزہ ریزہ ہوگئی ۔؟اور کیا حدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ اس وقت کعبہ معظمہ کے سامنے موجود مقامِ ابراہیم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاؤں مبارک کے نشان پڑ گئے تھے ۔؟

جواب......غزوۂ خندق کے موقع پر چٹان توڑنے کا واقعہ حدیث سے ثابت ہے جو طرق صحیحہ سے وارد ہے اور مقام ابراہیم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاؤں مبارک کے نشانات پڑنے کا واقعہ حضرت عبداللہ بن سلام سے مروی صحیح حدیث میں ہے اور یہ حدیث ان پر موقوف ہے۔

سوال ......کیا درج ذیل چیزیں احادیث سے ثابت ہیں:

1......حضور ﷺ کے لئے پتھر کی چٹان نرم ہوگئی اور اس میں حضور ﷺ کے پاؤں مبارک کے نشان پڑ گئے۔

2......حضور ﷺ جب مٹی کے اوپر چلتے تو اس میں آپ کے پاؤں مبارک کے نشانات نہیں پڑتے تھے۔

3......حضور ﷺ شب معراج جب بیت المقدس کی چٹان پر چڑھے تو وہ آپ کے نیچے حرکت کرنے لگی اور نرم ہوگئی تو فرشتوں نے اس کو تھام لیا۔اور اس وقت صخرۂ بیت المقدس میں جو نشان موجود ہے وہ آپ ﷺ کے پاؤں

مبارک کا نشان ہے۔

4......انبیاء سابقین میں سے جس کسی نبی کو جو بھی معجزہ عطا کیا گیا ہے اس کی مثل ہمارے کریم آقا ﷺ کو معجزہ عطا فرمایا گیا ہے۔

5......مکہ مکرمہ میں حضور ﷺ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے اور آپ کھڑے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انتظار کر رہے تھے کہ آپ کا شانہ اقدس اور کہنی مبارک دیوار کے ساتھ چمٹ گئے اور کہنی مبارک دیوار کے پتھر میں اتر گئی اور پتھر میں کہنی مبارک کا نشان پڑ گیا اسی وجہ سے مکہ مکرمہ کی اس گلی کا نام رقاق المرفق (کہنی کی گلی) پڑ گیا ہے۔

6......ایک چٹان آپ ﷺ کے لئے نرم ہوگئی اور اس میں آپ کے پاؤں مبارک کے نشان پڑ گئے۔

جواب......حافظ سیوطی رحمہ اللہ سے ان کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے اس کے جواب میں فرمایا ہے کہ میں ان کی کسی اصل اور سند سے واقف نہیں ہوں۔ اور نہ میں کسی ایسے شخص کو جانتا ہوں جس نے ان کو کتب احادیث میں تخریج کیا ہو۔ (حافظ سیوطی رحمہ اللہ کی عبارت ختم ہوئی)

(مسند احمد، مسند البصریین، حدیث جابر بن سمرۃ اسوائی الخ، رقم الحدیث: 20827، ج:34، ص:319، مطبوعہ: ایضا)

ہاں البتہ یہ صحیح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

اِنِّیْ لَاَعْرِفُ حَجَرًا کَانَ یُسَلِّمُ عَلَیَّ بِمَکَّۃَ ۔

ترجمہ: میں اس پتھر کو جانتا ہوں جو مکہ مکرمہ میں مجھے سلام کیا کرتا تھا۔

(تفسیر مجاہد، سورۃ الحج، ج:1، ص:483، مطبوعہ: دار الفکر الاسلامی، مصر)

اور خلف کا سلف کی طرح اس پر اتفاق ہے کہ مکہ مکرمہ کی مذکورہ گلی میں اس وقت واضح طور پر قائم پتھر وہی ہے جو آپ کو سلام عرض کرتا تھا۔ اور تحقیق یہی ہے کہ انبیاء سابقین میں سے جس کسی نبی کو جو بھی معجزہ عطا کیا گیا ہے اس کی مثل یا اس سے زیادہ عظیم معجزہ ہمارے نبی کریم ﷺ کو عطا فرمایا گیا ہے۔

اسلام کے ساتھ موصوف ہونا اس امت کی خصوصیت ہے

سوال......علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ اسلام کا اطلاق سابقہ ساری ملتوں پر ہوگا یا کہ اس امت کے ساتھ خاص ہے۔ اس میں جناب کے ہاں کون سا قول راجح ہے؟

جواب......حضرت ابن الصلاح رحمہ اللہ نے پہلے قول کو راجح قرار دیا ہے۔ عنقریب ہم قرآن کریم کے ان الفاظ کو ذکر کریں گے جو اس کی صراحت کرتے ہیں۔ ابن الصلاح کے علاوہ دیگر علماء نے دوسرے قول کو راجح قرار

دیا ہے، کہ اسلام کے ساتھ سابقہ امم میں سے کسی کو موصوف نہیں کیا جائے گا سوائے انبیاء کرام کے۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت کی عزت وتکریم کے لئے اس کو اُس وصف کے ساتھ موصوفیت کا شرف بخشا ہے جس وصف کے ساتھ انبیاء کرام کو موصوف کیا جاتا ہے۔ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے دوسرے قول کے راجح ہونے پر امور مبسوطہ سے استدلال فرمایا ہے۔ ان میں سے چند عمدہ امور کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

1.....اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۔ (سورۃ الحج، آیت: 78)

ترجمہ: اس نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔

هُــوَ ضمیر میں اختلاف ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے یا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف راجع ہے۔ دونوں قولوں کے مطابق اللہ تعالیٰ کا فرمان (سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ) اپنے ماقبل کی طرح اس امت کے ساتھ خاص نہ ہوتا تو پھر اس امت کے ذکر کے ساتھ اس کی تخصیص کا بھی کوئی مطلب نہ ہوتا اور نہ ہی اپنے ماقبل کے ساتھ اس کے اقتران کا کوئی مطلب ہوتا۔ اور یہی آئمہ سلف کا مذہب ہے۔ حضرت ابن زید جو کہ تبع تابعین اور آئمہ سلف میں سے ہیں وہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت کے سوا کسی کو اسلام کے ساتھ ذکر نہیں فرمایا۔ اور اس امت کے سوا کسی امت کے بارے میں یہ نہیں سنا گیا ہے اس کو اسلام کے ساتھ ذکر کیا گیا ہو۔

اور اللہ تعالیٰ کے فرمان (هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ) کے تحت ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے تخریج کیا ہے:

قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ هُوَ سَمّٰكُمْ مُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ.

ترجمہ: یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اُس نے تمہارا نام پہلے سے ہی مسلمان رکھا ہے۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب البعث، اتمام النعمۃ الخ، ج2 ص:142)

اور ابن المنذر اور ابن ابی حاتم علیہما الرحمہ دونوں نے حضرت مجاہد اور حضرت قتادہ رحمہما اللہ سے بھی اسی کی مثل قول نقل کیا ہے۔ اور اسی کی مثل عبد بن حمید اور ابن المنذر علیہما الرحمہ نے سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ سے تخریج کیا ہے اور ابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے مقاتل بن حبان رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے:

صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین جو آئمہ دین اور سلف مفسرین ہیں ان کے آثار کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ام الکتاب یعنی لوح محفوظ، تورات، انجیل اور تمام کتب منزلہ اور قرآن کریم میں اس امت کو مسلمین کے ساتھ موسوم فرمایا ہے اور اسی امت کو اس نام کے ساتھ خاص فرمایا ہے۔ اس کے علاوہ کسی دوسری امت کو یہ نام عطا نہیں فرمایا۔ اور ابن ابی زید کے قول کے مطابق مذکورہ آیت کریمہ میں هو ضمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف راجع ہے اور یہی صحیح ہے۔ اس کے صحیح ہونے کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے۔

رَبَّنَا وَ اجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّکَ . (سورۃ البقرہ، آیت:128)

ترجمہ: اے ہمارے رب اور کر ہمیں تیرے حضور گردن رکھنے والا اور ہماری اولاد میں سے ایک امت تیری فرمانبردار۔ (کنز الایمان)

اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلے اپنی ذات اور اپنے دونوں بیٹوں حضرت اسماعیل واسحاق کے لئے دعا مانگی جو دونوں نبی تھے اور اس کے بعد اپنی ذریت میں سے ایک گروہ کے لئے دعا مانگی ہے اور وہ گروہ یہ امت ہے اسی لئے اس دعا کے بعد یہ دعا فرمائی ہے:

رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ. (سورۃ البقرہ، آیت:129)

ترجمہ: اے ہمارے رب! بھیج ان میں ایک رسول انہیں میں سے۔

اس دعا میں رسول سے مراد بالاجماع ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں پس اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت میں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما کر اور اس امت کو مسلمین کے نام سے موسوم فرما کر اُن کی دونوں دعاؤں کو شرف قبولیت سے نواز۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ اس کا سبب حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔

مِلَّةَ اَبِیْكُمْ اِبْرَاهِیْمَ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِیْنَ . (سورۃ الحج، آیت:78)

2......امام جلال الدین سیوطی کے دلائل میں سے ایک دلیل قرآن کریم کی یہ آیت ہے:

وَ رَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا. (سورۃ المائدہ، آیت:3)

ترجمہ: اور ہم نے تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔

اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کا اطلاق اس امت کے ساتھ خاص ہے کیونکہ اسلام کی دین پر تقدیم اختصاص کو مستلزم ہے۔ اور اسی آیت کریمہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کے سوا کسی دوسری امت کے لئے یہ نام پسند نہیں فرمایا جیسا کہ اہل بیان کا کلام اس کا تقاضا کرتا ہے۔

3......حضرت اسحاق بن راھویہ اور حضرت ابن ابی شیبہ علیہما الرحمہ کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یہودی سے فرمایا جس نے حلف اٹھا کر یہ کہا تھا کہ اللہ کی قسم اللہ نے محمد کو کسی بشر پر فضیلت نہیں دی۔

بَلْ یَا یَهُوْدِیُّ آدَمُ صَفِیُّ اللّٰهِ وَ اِبْرَاهِیْمُ خَلِیْلُ اللّٰهِ وَ مُوْسٰی نَجِیُّ اللّٰهِ وَ عِیْسٰی رُوْحُ اللّٰهِ وَ اَنَا حَبِیْبُ اللّٰهِ بَلْ یَا یَهُوْدِیُّ تُسَمَّی اللّٰهَ بِاِسْمَیْنِ سُمِّیَ بِهِمَا اُمَّتِیْ هُوَ السَّلَامُ وَ سُمِّیَ بِهِمَا اُمَّتِیَ الْمُسْلِمِیْنَ .(الحدیث)

(سنن النسائی، کتاب الجنائز، ضرب الخدود، رقم الحدیث:1862، ج:4، ص:20، مطبوعہ: ایضا)

ترجمہ: بلکہ اے یہودی! حضرت آدم صفی اللہ ہیں اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ ہیں اور حضرت موسیٰ نجی اللہ ہیں اور حضرت عیسیٰ روح اللہ ہیں اور میں حبیب اللہ ہوں ۔ بلکہ اے یہودی! تم اللہ تعالیٰ کے لئے ایسے دو نام استعمال کرتے ہو جن کے ساتھ اس نے میری امت کو موسوم فرمایا ہے اور ان میں سے ایک اسم سلام ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس اسم کے ساتھ میری امت کو موسوم فرماتے ہوئے مسلمین فرمایا ہے۔

حدیث صراحت کررہی ہے کہ وصف اسلام کے ساتھ یہ امت مختص ہے ۔ ورنہ یہودی جواب میں کہتا کہ ہم بھی اسی طرح اس وصف کے ساتھ موصوف ہیں ۔ نسائی وغیرہ کی حدیث میں ہے:

مَنْ دَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ فَإِنَّهُ مَنْ خَبَأَ جَهَنَّمَ قَالَ رَجُلٌ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَ اِنْ صَامَ وَ صَلّٰى؟ قَالَ نَعَمْ فَادْعُوْا بِدَعْوَةِ الَّتِىْ سَمَّاكُمْ بِهَا الْمُسْلِمِيْنَ وَ الْمُؤْمِنِيْنَ عِبَادَ اللّٰهِ.

(دلائل النبوۃ لابی نعیم، الفصل الخامس، رقم الحدیث: 33، ج: 1 ص: 72)

ترجمہ: جو زمانہ جاہلیت کی پکار کے ساتھ پکارے وہ جہنم کے گھڑے میں جائے گا ایک شخص نے عرض کی یارسول اللہ! اگر وہ روزہ رکھتا اور نماز پڑھتا ہے تو تب بھی؟ حضور ﷺ نے فرمایا ہاں لہذا تم اللہ تعالیٰ کی پکار کے مطابق پکارو اور اللہ تعالیٰ کی پکار یہ ہے کہ اس نے تمہارا نام مسلمین اور مؤمنین رکھا ہے ۔ اے اللہ کے بندو۔

حضرت ابونعیم وغیرہ علماء کرام نے حضرت وہب سے نقل کیا ہے کہ:

اَوْحَى اللّٰهُ اِلٰى شُعَيْبَ اِنِّىْ بَاعِثٌ نَبِيًّا اُمِّيًّا مَوْلِدُهٗ بِمَكَّةَ وَ الْاِسْلَامُ مِلَّتُهٗ وَ اَحْمَدُ اِسْمُهٗ.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ میں نبی امی کو بھیجنے والا ہوں جن کی ولادت گاہ مکہ مکرمہ ہوگا اور اسلام ان کی ملت ہوگا اور اُن کا اسم مبارک احمد ہوگا۔

(شرح مسلم للنووی، کتاب الصلاۃ، باب الصلاۃ علی النبی الخ، ج: 4 ص: 127، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت)

اور یہ حدیث اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے معارض نہیں:

فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ.

(سورۃ الذٰریٰت، آیت: 35 پ:)

ترجمہ: تو ہم نے اس شہر میں جو مؤمن تھے نکال لئے ۔ تو ہم نے وہاں ایک ہی گھر مسلمان پایا۔

مذکورہ حدیث کا اس آیت کے معارض نہ ہونے کی وجہ گذشتہ سطور میں یہ بیان ہوا ہے کہ وصف اسلام کا اطلاق

انبیاء کرام علیہم السلام پر بھی ہوتا ہے۔اور مذکورہ گھر حضرت لوط علیہ السلام کا تھا اس گھر میں حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی صاحبزادیوں کے سوا کوئی مسلمان نہ تھا۔اس لئے حضرت لوط علیہ السلام پر اسلام کا اطلاق اصالتاً ہوا ہے اور آپ کی صاحبزادیوں پر انکی تکریم کی خاطر تغلیباً ہوا ہے یا ضمناً ہوا ہے۔

نبی کی اہل بیت کی خصوصیات

کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام کی اولاد کچھ ایسی اشیاء کے ساتھ خاص کی جاتیں ہیں جن میں باقی امت ان کے ساتھ شریک نہیں ہوتی۔جیسا کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے ساتھ یہ چیز خاص تھی کہ اگر وہ زندہ رہتے تو نبی ہوتے اسی طرح حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی یہ خصوصیت تھی کہ ان کے اوپر سوکن لانا جائز نہ تھا اور اسی طرح حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور امہات المؤمنین کی خصوصیت تھی کہ ان کے لئے حیض اور جنابت کی حالت میں مسجد میں ٹھہرنا جائز تھا،اسی طرح علی،حضرت امام حسن وحضرت امام حسین رضی اللہ عنہم کا بھی حالتِ جنابت میں مسجد میں ٹھہرنا جائز تھا۔یہ ساری خصوصیات ان حضرات کے لئے حضور ﷺ کی تبعیت کی برکت سے حاصل تھیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد پر اسلام کا اطلاق ہوا ہے:

وَ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ . (سورۃ البقرۃ،آیت:133پ:1)

ترجمہ:اور ہم اسی کے حضور گردن رکھے ہوئے ہیں۔

اگر وہ انبیاء نہ تھے تو اُن پر اسلام کا اطلاق یا تو بطور تبعیت ہے اور اگر انبیاء تھے تو پھر ظاہر ہے۔اور اسی طرح اس آیت کریمہ میں:

وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ.

(سورۂ یونس،آیت:84)

ترجمہ:اور موسیٰ نے کہا اے میری قوم اگر تم اللہ پر ایمان لائے تو اسی پر توکل کرو اگر تم اسلام رکھتے ہو۔

اس آیت میں قوم موسیٰ پر اسلام کا اطلاق یا تو تغلیب پر محمول ہے کیونکہ ان میں حضرت ہارون علیہ السلام اور حضرت یوشع علیہ السلام شامل تھے۔اور یہ دونوں بزرگ نبی ہیں۔اس لئے باقی قوم کو وصف اسلام میں تغلیباً داخل فرمایا گیا ہے۔ یا اس سے مراد یہ ہے کہ جس کام میں تمہیں حکم دیتا ہوں اس میں تم میری اطاعت وفرمانبرداری کرنے والے ہو تو پھر تم اللہ تعالیٰ ہی پر توکل کرو۔اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ. (سورہ البقرۃ ،آیت:132)

ترجمہ: ہرگز نہ مرنا مگر مسلمان ہونے کی حالت پر۔

یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے صاحبزادوں اور حضرت یعقوب علیہ السلام کا اپنے صاحبزادوں کے لئے فرمان ہے اور دونوں کے صاحبزادوں میں انبیاء کرام بھی تھے۔ اس لئے مسلمون کا ان پر اطلاق تغلیباً واقع ہوا ہے اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں بھی مسلمون کا اطلاق تغلیباً ہے:

اِذْ اَوْحَیْتُ اِلَی الْحَوَارِیّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِیْ وَ بِرَسُوْلِیْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَ اشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ.

(سورۃ المائدہ، آیت: 111 پ: 7)

ترجمہ: جب میں نے حواریوں کے دل میں ڈالا کہ مجھ پر اور میرے نبی پر ایمان لاؤ۔ بولے ہم ایمان لائے اور گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں۔

چونکہ حواریوں میں وہ تین انبیاء کرام بھی شامل تھے جن کا تذکرہ اس آیت کریمہ میں ہے:

اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ . (سورۃ یٰسین، آیت: 13 پ: 22)

ترجمہ: جب ان کے پاس رسل آئے۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں علماء نے فرمایا ہے کہ یہ لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے تھے اور علماء کا دوسرا قول یہ ہے کہ یہ تین انبیاء کرام تھے اور ان کی طرف وحی کی جانے کا ذکر اسی طرف اشارہ کرتا ہے کہ وہ تینوں نبی تھے اور یہ آیت کریمہ قول مرجوح (یعنی اسلام کا اطلاق سابقہ تمام ملتوں پر جائز ہے) کی تائید نہیں کرتی:

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا. (سورۃ الشوریٰ، آیت: 13 پ: 25)

ترجمہ: تمہارے لئے دین کی وہ راہ ڈالی جس کا حکم اس نے نوح (علیہ السلام) کو دیا تھا۔

برخلاف ان لوگوں کے کہ جن کو اس میں وہم ہوا ہے، کیونکہ تمام شریعتوں کے برابر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اصل توحید میں برابر ہیں، اور اسلام صرف توحید کا نام نہیں بلکہ اسلام شریعت کی تمام فروعات واصول کا مجموعہ ہے۔

نیز اس بارے میں نزاع، نزاع لفظی ہے کہ کیا سابقہ شریعتوں کو اسلام سے موسوم کیا جائے یا کہ نہیں؟ راجح یہ ہے ان کو اسلام سے موسوم نہیں کیا جائے گا اس کی وجہ یہ ہے کہ اطلاق قرآن وسنت کے ورود پر موقوف ہے اور قرآن وسنت میں سابقہ شریعتوں میں سے کسی بھی شریعت پر اسلام کا اطلاق بغیر تغلیب کے یا کسی نبی کی تبعیت کے بغیر وارد نہیں ہوا۔ لہٰذا ان پر اسلام کا اطلاق نہیں کیا جائے گا جس طرح سابقہ کتب میں سے کسی کتاب پر قرآن کا اطلاق نہیں کیا جاتا۔ اسی طرح قرآن کریم کی آیات کے آخری حصوں پر سجع کا اطلاق نہیں کیا جائے گا بلکہ ان پر فواصل کا اطلاق ہوتا ہے۔ کیونکہ اطلاق ورود پر موقوف ہے اور سجع کا اطلاق وارد نہیں۔

جیسا کہ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

نبی کریم ﷺ کے حق میں عز و جل نہیں کہا جائے گا کیونکہ اس کا اطلاق آپ پر شریعت میں وارد نہیں ہے اگرچہ آپ ﷺ عزیز اور جلیل ہیں۔

(سنن ابن ماجہ، ابواب السنۃ، باب فی الایمان، رقم الحدیث:65، ج:1 ص:45)

لہٰذا راجح قول کے مطابق۔ اسلام کا نام اس امت کے ساتھ خاص ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اسلام اُس شریعت کا نام ہے جو اس امت کے ساتھ مختص عبادات یعنی پانچ نمازوں، رمضان کے روزے اور جنابت سے غسل اور جہاد وغیرہ افضل عبادات پر مشتمل ہے جیسا کہ جبریل امین علیہ السلام کی حدیث اس کا افادہ کر رہی ہے کہ:

اَلْإِسْلَامُ اَنْ تَشْهَدَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَ تُقِيْمُ الصَّلٰوةَ الْمَكْتُوْبَةَ وَ تُؤْتِي الزَّكٰوةَ الْمَفْرُوْضَةَ وَ تَصُوْمُ رَمَضَانَ وَ تَحُجُّ الْبَيْتَ.

ترجمہ: اسلام یہ ہے کہ تم اس بات کی شہادت دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور فرض نمازیں ادا کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو اور بیت اللہ کا حج کرو۔

اور ایک روایت میں ہے: وَ تَغْتَسِلُ مِنَ الْجَنَابَةِ (اور جنابت کا غسل کرو۔)

یہ چیزیں اس امت کے ساتھ خاص ہیں اس امت کے سوا کسی امت پر فرض نہیں کی گئی ہیں۔ البتہ یہ چیزیں صرف انبیاء سابقین پر فرض تھیں۔ چنانچہ حضرت وہب کے اثر میں ہے:

اَعْطَيْتُهُمْ مِنَ النَّوَافِلِ مِثْلُ مَا اَعْطَيْتُ الْاَنْبِيَاءِ وَ افْتَرَضْتُ عَلَيْهِمُ الْفَرَائِضَ الَّتِيْ افْتَرَضْتُ عَلَى الْاَنْبِيَاءِ وَ الرُّسُلِ.

ترجمہ: میں نے اس امت کو ان نوافل کی مثل نوافل عطا فرمائے جو میں نے انبیاء سابقین کو عطا فرمائے تھے اور میں نے ان پر وہ فرائض فرض کئے جو میں نے انبیاء و مرسل پر فرض کئے تھے۔

(مسند ابی داؤد الطیالسی، احادیث حذیفہ بن یمان الخ، رقم الحدیث:413، ج:1 ص:239، مطبوعہ: دار ہجر، مصر)

اسی لئے اس امت کو مسلمین کے ساتھ موسوم فرمایا گیا جس طرح اس اسم کے ساتھ انبیاء کرام علیہم السلام اور رسل عظام کو موسوم کیا گیا تھا۔ اور اس کے سوا کسی امت کو اس نام کے ساتھ موسوم نہیں کیا گیا۔ اس کی تائید ابویعلیٰ کی یہ حدیث بھی کر رہی ہے:

اَلْإِسْلَامُ ثَمَانِيَةُ اَسْهُمٍ شَهَادَةُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ الصَّلَاةُ وَ الزَّكَاةُ وَالْحَجُّ وَالْجِهَادُ وَ صَوْمُ رَمَضَانَ وَ الْاَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ.

ترجمہ: اسلام کے آٹھ حصے ہیں (اور وہ) لا الہ الا اللہ کی شہادت، نماز، زکوۃ، حج، جہاد اور رمضان کا روزہ رکھنا اور نیکی کا حکم اور برائی سے منع کرنا۔

(مستدرک للحاکم، کتاب التفسیر، باب تفسیر سورۃ النجم الخ، رقم الحدیث: 3753، ج: 2 ص: 511، مطبوعہ: ایضا)

امام حاکم رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ:

سِهَامُ الْاِسْلَامِ ثَلَاثُوْنَ سَهْمًا لَمْ يُتِمَّهَا اِلَّا اِبْرَاهِيْمَ وَ مُحَمَّدٌ ﷺ.

ترجمہ: اسلام کے تیس حصے ہیں جن کی تکمیل صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ نے فرمائی ہے۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب البعث، اتمام الصحبۃ فی اختصاص الخ، ج: 2 ص: 152)

(تنبیہ) یہ آیت کریمہ اپنے ظاہر کے اعتبار سے قول مرجوح پر دلالت کر رہی ہے۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ○ وَ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ○ (سورۃ القصص، آیت: 52,53)

ترجمہ: جن کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی وہ اس پر ایمان لائے ہیں اور جب ان پر یہ آیتیں پڑھی جاتی ہیں کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے بے شک یہی حق ہے ہمارے رب کے پاس سے ہم اُس سے پہلے ہی مسلمان ہیں۔

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے اس کا جواب دیا ہے لیکن اس میں تکلف اور ضعف پایا جاتا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

مسلمین اسم فاعل کا صیغہ ہے اور اس سے مراد زمنہ استقبال ہے کیونکہ اسم فاعل میں زمانہ مستقبل ہی حقیقت ہے یہ اسم فاعل کے صیغے سے حال اور ماضی مراد نہیں کیونکہ اسم فاعل میں زمانہ حال اور زمانہ ماضی بطور مجاز مراد لئے جاتے ہیں۔ حقیقت پر عمل کرنا ہی اصل ہے۔ اس آیت کریمہ کی تقدیر یہ ہے:

اِنَّا كُنَّا قَبْلَ مَجِيْئِهٖ عَازِمِيْنَ عَلَى الْاِسْلَامِ بِهٖ اِذَا جَاءَ لَمَّا كُنَّا نَجِدُهٗ فِيْ كُتُبِنَا مِنْ نَعْتِهٖ وَ وَصْفِهٖ.

ترجمہ: ہم آپ ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے ہی آپ پر ایمان لانے کا عزم کر رہے تھے کیونکہ ہم اپنی کتابوں میں آپ کی نعت اور آپ کے اوصاف پاتے تھے۔

(المعجم الکبیر للطبرانی، باب الصاد، ابو سلام الاسود، عن ابی امامۃ الخ، رقم الحدیث: 7545، ج: 8 ص: 118، مطبوعہ: ایضا)

اس تقدیر کی تائید سیاق آیت سے بھی ہوتی ہے، سیاق آیت سے پتہ چلتا ہے کہ ان لوگوں کا مقصد قرآن کریم کی

قریت کی خبر دیتا اور یہ بتاتا ہے کہ جب نبی کریم ﷺ قرآن کریم لے کر تشریف لائیں گے تو قرآن کریم کو تسلیم کرنے کا ارادہ رکھتے تھے، کیونکہ ان کو حضور ﷺ کی صفات کا علم تھا اور آپ کے زمانہ اقدس کے قریب ہونے اور آپ کی بعثت کے قریب ہونے کی علامات ان پر واضح و ظاہر ہو چکیں تھیں اس میں انکا مقصد اپنی ذات کی تعریف کرنا نہیں کہ وہ پہلے سے ہی اسلام پر قائم تھے کیونکہ مقام اس کو قبول نہیں کرتا۔

عقل افضل ہے یا علم حادث

سوال۔۔۔ عقل اور علم حادث میں سے کون سی چیز افضل ہے؟

جواب۔۔۔ اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے اکثر علماء کے نزدیک علم کا افضل ہونا راجح ہے۔ اس پر درج ذیل دلائل قائم ہیں۔

1۔۔۔ اللہ تعالیٰ کو علم قدیم کے ساتھ موصوف کیا جاتا ہے اور عقل کے ساتھ اصلاً اللہ تعالیٰ کو موصوف نہیں کیا جاتا۔ لہٰذا جس چیز کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو موصوف کیا گیا ہے اس کے ساتھ تعلق رکھنے والی چیز افضل ہوگی۔

2۔۔۔ علم کا متعلق افضل ہے۔ اور جس چیز کا متعلق افضل ہوگا وہ چیز افضل ہوتی ہے۔

3۔۔۔ علم کی فضیلت میں بے شمار صحیح احادیث وارد ہیں عقل کی فضیلت میں کوئی حدیث وارد نہیں بلکہ اس کی فضیلت میں جو کچھ مروی ہے وہ سب موضوع اور جھوٹ ہے۔ بعض محققین نے فرمایا ہے کہ علم اس اعتبار سے افضل ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی معرفت تک پہنچنے کا سب سے قریب وسیلہ ہے۔ اور عقل اس اعتبار سے افضل ہے کہ وہ علم کا منبع اور اصل ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ علم کو بالذات فضیلت حاصل ہے اور عقل کو علم کا وسیلہ ہونے کی وجہ سے فضیلت حاصل ہے۔

انبیاء کرام ورسل عظام کی تعداد

سوال۔۔۔ انبیاء کرام علیہم السلام اور رسل عظام کی تعداد کتنی ہے؟

جواب۔۔۔ امام طبرانی رحمہ اللہ نے اپنی سند کے ساتھ یہ حدیث نقل کی ہے جس کے راوی صحیح کے راوی ہیں:

کہ ایک شخص نے حضور ﷺ سے عرض کی یارسول اللہ ﷺ کیا حضرت آدم علیہ السلام نبی تھے؟ تو آپ نے فرمایا ہاں وہ نبی تھے۔ اس نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان کتنی مدت تھی؟ تو آپ نے فرمایا ان دونوں کے درمیان دس قرون کی مدت تھی۔ اس شخص نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! حضرت

نوح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کے درمیان کتنی مدت تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا دس قرون تھی اس نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم ارسول کتنے تھے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا ثَلاثُ مِائَةٍ وَ خَمْسَةُ عَشَرَ (تین سو پندرہ رسول تھے۔)

(شعب الایمان للبیہقی، الایمان برسول اللہ الخ، رقم الحدیث: 131، ج:1 ص:276)

ابن حبان رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں اور حاکم رحمہ اللہ نے "المستدرک" میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے عرض کی کہ یارسول اللہ! انبیاء کرام کی تعداد کتنی ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

مِائَةُ اَلْفِ نَبِيٍّ وَاَرْبَعَةٌ وَّ عِشْرُوْنَ اَلْفًا. (ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام ہیں۔)

(الحاوی الفتاوی، کتاب الاعلام بحکم ارالخ، ج:2 ص:188)

تو میں نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! ان میں سے رسولوں کی تعداد کتنی ہے؟ تو آپ نے فرمایا:
ثَلاثُ مِائَةٍ وَ ثَلاثَةُ عَشَرَ جَمٌّ غَفِيرٌ. (تین سو تیرا کا جم غفیر ہے۔)

یہ روایت اس آیت کریمہ کے منافی نہیں کہ:

مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَ مِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ. (سورۃ المؤمن، آیت:78)

ترجمہ: ان میں کچھ کے احوال ہم نے تمہیں بیان کئے اور ان میں کچھ کے احوال ہم نے تمہارے پر بیان نہیں کئے ہیں۔

مذکورہ روایت اس آیت کے منافی نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس روایت میں اُن انبیاء کرام علیہم السلام کی خبر دی گئی ہے جن کی آپ کو اطلاع دی گئی تھی۔ یا اس آیت کریمہ کے نزول کے بعد آپ کو تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی اطلاع دی گئی تھی اور آپ نے سب کی خبر دی ہے۔ اور مذکورہ دونوں روایتوں کے درمیان جو تخالف ہے اس کا بھی یہی جواب ہے کہ آپ کو پہلے تین سو تیرا رسولوں کی اطلاع دی گئی تھی۔ اس لئے آپ نے ان کی خبر دی اور اس کے بعد آپ کو دوسری مرتبہ تین سو تیرہ رسولوں کی اطلاع دی گئی تو آپ نے تین سو پندرہ کی خبر دی۔ پس آپ کو خبر دینے کے وقت جتنی تعداد پر مطلع کیا گیا تھا اتنی تعداد کی خبر دی ہے۔

کیا حضرت خضر اور حضرت الیاس علیہما السلام نبی ہیں؟

سوال...... حضرت خضر اور حضرت الیاس علیہما السلام کی نبوت اور حیات میں معتبر قول کون سا ہے؟

جواب...... حضرت خضر اور حضرت الیاس علیہما السلام دونوں کی حیات اور نبوت معتبر اور معتمد ہے اللہ تعالیٰ نے ان

دونوں کو زمین میں زندہ رکھا ہے۔ جیسا کہ حضرت ادریس اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام دونوں کو آسمانوں میں زندہ رکھا ہے۔

حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ علیہما السلام اور حضرت عیسیٰ اور نبی کریم ﷺ کے درمیان کتنی مدت تھی؟

سوال حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے درمیان اور حضرت عیسیٰ اور ہمارے نبی کریم ﷺ کے درمیان کتنی مدت کا فاصلہ ہے۔؟

جواب...... حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے درمیان ایک ہزار نو سو چند سال ہے اور حضرت عیسیٰ اور ہمارے نبی کریم ﷺ کے درمیان مشہور قول کے مطابق چھ سو سال کے قریب مدت ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے نزول کے بعد شریعت محمدیہ کے تحت فیصلے فرمائیں گے؟

سوال...... حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمانوں سے نزول کے بعد کیا ہماری شریعت کے مطابق فیصلے کریں گے یا کہ کسی دوسری شریعت کے مطابق؟

جواب...... علماء کرام کا اس بات پر اجماع ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول کے بعد شریعت محمدیہ کے مطابق فیصلے کریں گے اور وہ حضور ﷺ کی ملت میں شامل ہوں گے۔

جید سند والی روایت ہے:

مُصَدِّقًا بِمُحَمَّدٍ وَعَلٰی مِلَّتِهٖ اِمَامًا مَهْدِيًّا وَحَكَمًا عَدْلاً.

ترجمہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت محمد ﷺ کی تصدیق کرنے والے اور آپ ﷺ کی ملت پر ہدایت یافتہ امام اور عدل وانصاف کرنے والے حاکم ہوں گے۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الاعلام بحکم الخ، ج:2 ص:188)

ابن عساکر رحمہ اللہ کی ایک روایت میں ہے:

فَیُصَلِّی الصَّلٰوتَ وَیَجْمَعُ الْجُمَعَ.

ترجمہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام پانچ نمازیں ادا کریں گے اور نماز جمعہ ادا کریں گے۔

(تاریخ دمشق لابن عساکر عیسٰی بن المثنی الکلبی، ج:47، ص:485، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت، لبنان)

نماز پنجگانہ اور نماز جمعہ کا مجموعہ اس ملت کے سوا کسی ملت میں نہیں تھا۔ (اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام شریعت محمدیہ اور ملت محمدیہ کے پیروکار رہوں گے۔)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فیصلوں کی کیفیت

سوال ......علماء کا اس پر اجماع ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہماری شریعت کے مطابق فیصلے کریں گے، لیکن آپ کے فیصلوں کی کیفیت کیسی ہوگی کہ وہ مجتہدین میں سے کسی مجتہد کے مذہب کے مطابق فیصلہ کریں گے یا اپنے اجتہاد سے کریں گے؟

جواب......حضرت عیسیٰ علیہ السلام کسی دوسرے مجتہد کی تقلید سے منزہ ہیں (ان کو کسی مجتہد کی تقلید کی ضرورت نہیں) بلکہ وہ بذات خود اجتہاد کے زیادہ لائق و مستحق ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ہماری شریعت کے احکام کا علم ہوگا اور یہ علم ان کو یا صرف قرآن کریم سے حاصل ہوگا کیونکہ قرآن کریم میں ہر چیز کا علم موجود ہے اور ہم اپنی کوتاہ فہمی کی وجہ سے قرآن کریم کے علاوہ کسی اور چیز کے محتاج ہوتے ہیں۔ حالانکہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام احکام قرآن حکیم سے ماخوذ ہیں۔ اسی لئے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو احکام بھی دیئے ہیں وہ سب کے سب آپ نے قرآن کریم سے سمجھے اور اخذ کئے ہیں۔ لہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بھی یہ ممکن ہے کہ وہ بھی اسی طرح قرآن کریم ہی سے تمام احکام اخذ کریں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کئی مرتبہ آپ سے ملاقات کی

یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ہماری شریعت کے احکام کا علم ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنت کو روایت کرنے کی وجہ سے حاصل ہوں گے۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں کئی مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کر چکے ہیں اسی لئے ان کو صحابہ کرام میں شمار کیا گیا ہے۔ ابن عدی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے تخریج کیا ہے کہ:

بَیْنَا نَحْنُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِذْ رَأَیْنَا بَرْدًا وَیَدًا فَقُلْنَا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَاهٰذَا الْبَرْدُ الَّذِیْ رَأَیْنَا وَالْیَدُ؟ قَالَ قَدْ رَأَیْتُمُوْهُ؟ قُلْنَا نَعَمْ قَالَ ذَالِکَ عِیْسٰی بْنُ مَرْیَمَ سَلَّمَ عَلَیَّ.

(تاریخ دمشق لابن عساکر، عیسیٰ بن المثنی الکلبی، ج:47، ص:485، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت، لبنان)

ترجمہ: ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں تھے اچانک ہم نے ایک ٹھنڈک اور ہاتھ محسوس کیا تو ہم نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! یہ ٹھنڈک اور ہاتھ جس کو ہم نے محسوس کیا ہے وہ کیا ماجرا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا واقعی تم نے اس کو دیکھا ہے؟ تو ہم نے عرض کی ہاں آپ نے فرمایا وہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام تھے جنہوں نے مجھے سلام کیا ہے۔

ابن عساکر رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ:

كُنْتُ اَطُوْفُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ حَوْلَ الْكَعْبَةِ اِذْ رَاَيْتُهُ صَافَحَ شَيْئًا وَ لَمْ اَرَهُ قُلْنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ رَاَيْنَاكَ صَافَحْتَ شَيْئًا وَلَا نَرَاهُ قَالَ ذَالِكَ اَخِيْ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اِنْتَظَرْتُهُ حَتّٰى قَضٰى طَوَافَهُ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ.

(تاریخ دمشق لابن عساکر،عیسیٰ بن الشکی الکمی، ج:47،ص:492،مطبوعہ:ایضا)

ترجمہ: میں نبی اکرم ﷺ کی معیت میں کعبہ معظمہ کے گرد طواف کر رہا تھا تو اچانک میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ نے کسی چیز کے ساتھ مصافحہ فرمایا لیکن میں اس چیز کو نہ دیکھ سکا ہم نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! ہم نے آپ کو کسی چیز کے ساتھ مصافحہ فرماتے دیکھا لیکن ہم نے اس کو نہیں دیکھا تو آپ ﷺ نے فرمایا وہ میرے بھائی حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام تھے۔ میں ان کا انتظار کرتا رہا حتی کہ انہوں نے اپنا طواف مکمل کرلیا تو میں نے ان کو سلام کیا۔

لہٰذا جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حضور ﷺ سے ملاقات ہوتی رہی ہے تو اس حالت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے آپ ﷺ سے آپ کی شریعت کے وہ احکام جو شریعتِ انجیل کے مخالف ہیں ان کو حاصل کرنے میں کوئی امر مانع نہیں۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو علم تھا کہ عنقریب ان کا دنیا میں نزول ہوگا اور ان کو ان احکام کی ضرورت پڑے گی۔ لہٰذا انہوں نے وہ احکام حضور ﷺ سے براہِ راست اور بلاواسطہ حاصل کئے ہیں۔

ابن عساکر رحمہ اللہ کی ایک حدیث میں ہے:

اَلَا اِنَّ ابْنَ مَرْيَمَ لَيْسَ بَيْنِيْ وَ بَيْنَهُ نَبِيٌّ وَلَا رَسُوْلٌ اِلَّا اَنَّهُ خَلِيْفَتِيْ فِيْ اُمَّتِيْ مِنْ بَعْدِيْ.

ترجمہ: خبردار! حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام اور میرے درمیان نہ کوئی نبی ہوا ہے اور نہ کوئی رسول۔ خبردار عیسیٰ بن مریم میری امت میں میرے بعد میرے خلیفہ ہیں۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الاعلام بحکم الخ، ج:2،ص:197،مطبوعہ:ایضا)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضور ﷺ کے روضہ اقدس سے احکام حاصل کریں گے۔

علامہ سبکی رحمہ اللہ نے تصریح فرمائی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہماری شریعت کے مطابق قرآن وسنت سے احکام صادر کریں گے۔ یا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے نزول کے بعد ہماری شریعت کے احکام بلاواسطہ اور بالمشافہ ہمارے نبی کریم ﷺ سے آپ کے روضہ انور میں موجودگی سے حاصل کریں گے اور اس کی تائید ابویعلیٰ کی یہ حدیث کررہی ہے کہ:

وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَيَنْزِلَنَّ عِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ ثُمَّ قَامَ عَلٰى قَبْرِيْ وَقَالَ يَامُحَمَّدُ لَاُجِيْبَنَّهٗ.

ترجمہ: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا نزول ضرور ہوگا۔ اور پھر اگر وہ میری قبر انور کے پاس کھڑے ہو کر یا محمد کہیں گے تو میں ضرور ان کو جواب دوں گا۔

(فتاویٰ شامی، کتاب الصلوٰۃ، باب صفۃ الصلاۃ، فروع قرأ بالفارسیۃ الخ، ج:1 ص:521، مطبوعہ: دار الفکر بیروت)

یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہماری شریعت کے مطابق احکام اللہ صادر کریں گے کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری شریعت ان کو ان کی کتاب انجیل وغیرہ میں وحی فرمائی ہوئی تھی کیونکہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام اپنے زمانے میں اپنے سے پہلی اور اپنے سے بعد والی تمام شریعتوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت جبریل علیہ السلام کی زبان مبارک پر وحی کی جانے کی وجہ سے جانتے ہیں۔ یا انبیاء کرام علیہم السلام پر جو کتب وصحائف نازل کئے جاتے ہیں ان میں تمام شریعتوں سے انبیاء کرام علیہم السلام کو آگاہ کیا جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ تمام شریعتوں کا علم رکھتے ہیں۔ جیسا کہ احادیث وآثار اس پر دلالت کرتے ہیں۔ اسی سے اس بات کو سمجھنے میں بھی کوئی بعید نہیں کہ تمام وہ چیزیں جو قرآن کریم میں موجود ہیں وہ سابقہ کتب میں شامل تھیں، اس کی دلیل قرآن کریم کی یہ آیات ہیں:

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ. (قرآن کریم اپنے سے پہلی کتب کی تصدیق کرتا ہے۔)

اِنَّ هٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ۝ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى. (سورۃ الاعلیٰ، آیت: 19,18)

ترجمہ: بے شک یہ اگلے صحیفوں میں ہے ابراہیم وموسیٰ (علیہما السلام) کے صحیفوں میں۔

وَ اِنَّهٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ. (سورۃ الشعراء، آیت: 196)

ترجمہ: بے شک اس کا چرچا اگلی کتابوں پر۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ، نے قرآن کریم کی اسی آیت سے عربیت کے بغیر قرأت قرآن کے جواز کا قول اخذ کیا ہے کیونکہ قرآن سابقہ کتب میں شامل ہیں اور وہ کتب عربیت میں نہ تھیں۔

یہ حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کا ایک مرجوع قول ہے آپ کے راجح قول کے مطابق نماز میں بغیر عربیت کے قرآن کریم کی قرأت جائز نہیں۔

(ردّ المحتار معدر مختار باب صفۃ الصلاۃ ص: ۳۵۷، ۳۵۸)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد ان کی طرف وحی ہوگی؟

سوال...... کیا یہ ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان سے نزول کے بعد ان کے پاس وحی آئے گی؟

جواب...... ہاں ان کی طرف حقیقی وحی ہوگی جیسا کہ مسلم وغیرہ اس حدیث میں ثابت ہے جو حضرت النواس بن سمعان

سے مروی ہے اور ایک دوسری صحیح روایت میں ہے:

فَبَيْنَمَا هُوَ كَذَالِكَ إِذْ أَوْحَى إِلَيْهِ يَاعِيْسَى إِنِّيْ أَخْرَجْتُ عِبَادًا لِّيْ لَا يَدَ لِأَحَدٍ بِقِتَالِهِمْ حَوِّلْ عِبَادِيْ إِلَى الطُّوْرِ.

(المعجم الکبیر للطبرانی، مسند النساء، باب میم، میمونہ بنت سعد، رقم الحدیث: 65، ج: 25 ص: 36، مطبوعہ: ایضا)

ترجمہ: اسی اثناء میں ان کی طرف وحی ہوگی کہ اے عیسیٰ! میں نے اپنے کچھ بندوں کو پیدا کیا ہے جن کے جہاد میں کسی کا کوئی احسان نہیں میرے ان بندوں کو کوہ طور کی طرف موڑیں۔

اور یہ وحی حضرت جبریل علیہ السلام کی زبان پر ہوگی کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے انبیاء کے درمیان سفیر ہیں اور یہ منصب ان کے سوا کسی کے لئے ثابت نہیں۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام مکرم نبی ہیں اور ان کی نبوت و رسالت ہمیشہ کے لئے باقی ہے۔ بات اس طرح کی نہیں جس طرح بعض غیر معتبر لوگوں نے خیال کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے نزول کے بعد اس امت کے ایک فرد ہوں گے۔ کیونکہ اس امت کے ایک فرد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس امت کی شریعت کے مطابق احکام صادر فرمائے گے۔ اور یہ چیز ان کی رسالت و نبوت کے بقاء کی منافی نہیں۔ اور لاوحی بعدی (میری بعد کوئی وحی نہیں ہوگی) یہ باطل روایت ہے۔ ہاں البتہ حضرت جبریل علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے حضرت اسرافیل علیہ السلام کے واسطہ سے وحی حاصل کریں گے جیسا کہ احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت جبریل علیہ السلام کی دنیا میں آمد ہوتی ہے؟

اور جو یہ مشہور ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد زمین میں تشریف نہیں لاتے اس کی کوئی اصل نہیں۔ طبرانی کی یہ روایت بھی اس کی تردید کرتی ہے۔

مَا أُحِبُّ أَنْ يَرْقُدَ الْجُنُبُ حَتَّى يَتَوَضَّأَ فَإِنِّيْ أَخَافُ أَنْ يُتَوَفَّى وَمَا يَحْضُرُهُ جِبْرِيْلُ.

ترجمہ: مجھے یہ پسند نہیں کہ جنابت والا انسان بغیر وضو کئے سو جائے کیونکہ مجھے خوف ہے کہ اس کی کہیں اس حالت میں موت آجائے اور حضرت جبریل علیہ السلام اس کے پاس تشریف نہ لائیں۔

(الفتن نعیم بن حماد، خروج الدجال، رقم الحدیث: 1527، ج: 2 ص: 543)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام زمین پر اترتے ہیں اور ہر اس مؤمن کی موت کے وقت حاضر ہوتے ہیں جس کی موت طہارت کی حالت میں آتی ہے۔

امام طبرانی رحمہ اللہ وغیرہ کی حدیث میں ہے:

إِنَّ مِيْكَائِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَمْنَعُ الدَّجَّالَ مَكَّةَ وَجِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَمْنَعُهُ مِنَ

طمنینة

ترجمہ: حضرت میکائیل علیہ السلام دجال کو مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے روکیں گے اور حضرت جبریل علیہ السلام اس کو مدینہ منورہ میں داخل ہونے سے روکیں گے۔

(صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب فضل الفاتحہ الخ، رقم الحدیث: 806، ج: 1 ص: 554، مطبوعہ ایضا)

اور حضرت اسرافیل علیہ السلام کا ہمارے نبی اکرم ﷺ پر نازل ہونا اس حقیقت کے منافی نہیں کہ حضرت جبریل علیہ السلام ہی اللہ تعالی اور انبیاء کے درمیان سفیر ہیں۔

شعبی سے صحیح روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ حضور ﷺ پر نبوت کا نزول چالیس سال کی عمر میں ہوا ہے اور تین سال تک حضرت اسرافیل علیہ السلام آپ پر وحی لے کر نازل ہوتے رہے۔ یہ مرسل یا معضل اثر ہے جو صحیحین وغیرہما کی احادیث سے ثابت اس چیز کے منافی نہیں کہ صاحب وحی حضرت جبریل امین علیہ السلام ہی ہیں۔ کیونکہ سفیر سے مراد یہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام وحی کے لئے متعین ومقرر اور مامور ہیں۔ اور بعض احادیث میں جو وارد ہے کہ حضور ﷺ کی خدمت میں جبریل امین کے علاوہ دیگر فرشتوں کی آمد بھی ہوتی تھی یہ چیز حضرت جبریل امین علیہ السلام کے ہی سفیر ہونے کی منافی نہیں کیونکہ حضرت اسرافیل علیہ السلام کے علاوہ بھی کئی فرشتے متعدد واقعات میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے ہیں جیسا کہ بہت ساری احادیث میں تذکرہ ہے۔

مسلم وغیرہ کی اس حدیث کی شرح میں علماء کی ایک جماعت نے جو فرمایا ہے یہ حدیث شعبی کے مذکورہ قول کے مخالف ہے:

بَيْنَمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ جَالِسٌ وَعِنْدَهُ جِبْرِيْلُ إِذْ سَمِعَ نَقِيْضًا مِنَ السَّمَاءِ مِنْ فَوْقٍ فَرَفَعَ جِبْرِيْلُ بَصَرَهُ إِلَى السَّمَاءِ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ هٰذَا مَلَكٌ قَدْ نَزَلَ لَمْ يَنْزِلْ إِلَى الْأَرْضِ قَطُّ قَالَ فَأَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ.

ترجمہ: حضور ﷺ تشریف فرماتے اور آپ کے پاس جبریل حاضر تھے۔ اچانک آپ نے آسمان کی بلندیوں سے ایک آواز سنی تو جبریل نے اپنی آنکھ آسمان کی طرف بلند کی اور عرض کی یا محمد یہ ایک فرشتہ ہے زمین پر اترا ہے جو زمین پر کبھی نازل نہیں ہوا۔ راوی فرماتے ہیں وہ فرشتہ حضور ﷺ کے پاس آیا اور آپ کو سلام کیا۔

(المعجم الکبیر للطبرانی، باب الحسن، باب محمد بن قیس المدنی ابو حازم الخ، رقم الحدیث: 13309، ج: 12 ص: 348، مطبوعہ ایضا)

علماء نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا ہے کہ یہ فرشتہ حضرت اسرافیل تھے۔ طبرانی نے یہ حدیث تخریج فرمائی ہے:

لَقَدْ هَبَطَ عَلَيَّ مَلَكٌ مِنَ السَّمَاءِ مَا هَبَطَ عَلٰى نَبِيٍّ قَبْلِيْ وَ لَا يَهْبِطُ عَلٰى اَحَدٍ بَعْدِيْ وَ هُوَ اِسْرَافِيْلُ قَالَ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكَ اِلَيْكَ اَمَرَنِيْ اِنْ اُخْبِرَكَ اِنْ شِئْتَ نَبِيًّا عَبْدًا وَ اِنْ شِئْتَ نَبِيًّا مَلَكًا .

(الحاوی الفتاوی، کتاب البعث، احوال البعث، ج:2 ص:237، مطبوعہ: ایضا)

ترجمہ: میرے پاس آسمان سے ایک فرشتہ نازل ہوا ہے جو میرے سے پہلے کسی نبی پر نازل نہیں ہوا اور نہ میرے بعد کسی پر نازل ہوگا اور وہ اسرافیل علیہ السلام ہے ۔ اور اس نے کہا کہ تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف پیغام رساں ہوں کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میں آپ کو یہ خبر دوں کہ اگر آپ چاہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو نبی عبد بنائے اور چاہیں تو نبی اور بادشاہ بنائے ۔

یہ حدیث بھی پہلی حدیث کی طرح آغاز وحی کے بعد کے سالوں سے تعلق رکھتی ہے ۔ جیسا کہ احادیث کے تمام طرق سے معلوم ہوتا ہے اور ان دونوں حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت اسرافیل علیہ السلام اس سے پہلے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر نہیں ہوتے ہیں ۔ لہٰذا شعبی کا یہ قول کیسے صحیح ہوسکتا ہے کہ حضرت اسرافیل علیہ السلام آغاز وحی کے عرصہ میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے ۔

کیا پُل صراط پر کافر کا گزر ہوگا؟

سوال ...... کیا پل صراط پر کافر کا گزر ہوگا؟

جواب ...... اس بارے میں مختلف احادیث ہیں کچھ احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ کافر بھی پل سے گزرے گا اور کچھ احادیث اس کے خلاف ہیں ۔ ان کے درمیان تطبیق اس طرح دی گئی ہے کہ جن احادیث سے کافر کے پل صراط سے گزرنے کا ثبوت ہوتا ہے وہ منافقین پر محمول ہیں ۔ علامہ قرطبی نے تصریح فرمائی ہے کہ آخرت میں دو پُل صراط ہوں گے ۔ ایک پُل صراط تمام مخلوق کے لئے ہوگا سوائے ان لوگوں کے جو بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے ۔ اور سوائے ان لوگوں کے جن کو جہنم اپنے شعلوں پر اٹھالے گی ۔ اور ایک پل صراط مومنوں کے لئے خاص ہوگا ۔ اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں کو جہنم اٹھالے گی ۔ وہ کفار کے مخصوص گروہ ہوں گے ۔ جن کا پل صراط سے گزر تک نہ ہوگا ۔ اور اسی طرح وہ آگ جو پل صراط کے نصب سے پہلے لوگوں کی طرف بھیجی جائے گی کہ وہ ان کو جہنم میں داخل کردے ۔ یہ بھی کفار کا یک خاص گروہ ہوگا جس کا پل صراط سے گزر نہ ہوگا کیونکہ پل صراط کے نصب سے پہلے ہی یہ جہنم میں داخل ہوں گے ۔

ایک قول کے مطابق پل صراط سے سوائے منافقوں، یہودیوں اور نصاریٰ کے کوئی نہیں گزرے گا ۔ چنانچہ حدیث میں وارد ہے کہ:

أَنَّهُمْ يَحْمِلُوْنَ عَلَيْهِ ثُمَّ يَسْقُطُوْنَ فِي النَّارِ.

ترجمہ: ان کو پل صراط پر چڑھایا جائے گا اور اس کے بعد وہ دوزخ میں گر جائیں گے۔

(شعب الایمان للبیہقی، حشر الناس بعد ما یبعثون الفصل فی کیفیۃ انجانہ الخ، رقم الحدیث: 353، ج: 1 ص: 536، مطبوعہ: ایضا)

اسی طرح جن کفار کے لئے میزان نصب کی جائے گی وہ بھی کفار کا مخصوص گروہ ہوگا جو میزان پر سے گزرے گا۔

کیا کسی کا حشر لباس کی حالت میں بھی ہوگا؟

سوال ...... کیا کسی کا حشر غیر برہنگی کی حالت میں بھی ہوگا؟

جواب ...... ہاں بعض لوگوں کا اس حالت میں حشر ہوگا۔ وہ شہداء ہوں گے جن کا حشر ان کے کفنوں میں ہوگا جیسا کہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے اور اس صحیح حدیث کو اسی پر محمول کیا گیا ہے۔

يُبْعَثُ الْمَيِّتُ فِي ثِيَابِهِ الَّتِي يَمُوْتُ فِيْهَا.

میت کو اس کے اس لباس میں اٹھایا جائے گا جس میں اس کی موت آئے گی۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب البعث، احوال البعث، ج: 2 ص: 237، مطبوعہ: ایضا)

حضرت عمر اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ:

حَسِّنُوْا أَكْفَانَ مَوْتَاكُمْ فَإِنَّ النَّاسَ يُحْشَرُوْنَ فِي أَكْفَانِهِمْ.

ترجمہ: اپنے مردوں کو اچھا کفن پہناؤ کیونکہ لوگ اپنے کفنوں میں اٹھائے جائیں گے۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب البعث، احوال البعث، ج: 2 ص: 237، مطبوعہ: ایضا)

اِن بزرگوں کا یہ اثر مرفوع کے حکم میں ہے۔ علامہ الدینوری نے حضرت حسن سے تخریج کیا ہے:

إِنَّ أَهْلَ الزُّهْدِ كَالشُّهَدَاءِ. (اہل زہد شہداء کی مانند ہیں۔)

(مسند البزار از مسند ابی ذر الغفاری، باب حذیفہ بن اسید، ابوسریحۃ الخ، رقم الحدیث: 3891، ج: 9 ص: 336، مطبوعہ: ایضا، مکتبۃ العلوم والحکم، مدینہ منورہ)

اور یہ مرسل مرفوع کے حکم میں ہے۔ جب شہداء اور زھاد کے لئے یہ ثابت ہے کہ وہ اپنے کفنوں میں اٹھائے جائیں گے۔ تو انبیاء کرام علیہم السلام بدرجہ اولیٰ لباس میں اٹھائے جائیں گے۔ صحیح حدیث میں ہے:

إِنَّ النَّاسَ يُحْشَرُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى ثَلَاثَةِ أَفْوَاجٍ فَوْجٌ طَاعِمِيْنَ كَاسِيْنَ رَاكِبِيْنَ وَ فَوْجٌ يَمْشُوْنَ وَ يَسْعَوْنَ وَ فَوْجٌ تَسْحَبُهُمُ الْمَلَائِكَةُ عَلَى وُجُوْهِهِمْ.

(المعجم الکبیر للطبرانی، باب المیم من اسمہ محمد، رقم الحدیث: 808، ج: 2 ص: 75، مطبوعہ: المکتب الاسلامی بیروت، لبنان)

ترجمہ: قیامت کے دن لوگوں کو تین گروہ میں اٹھایا جائے گا ایک گروہ کو کھانے، پہنے اور سوار

ہونے کی حالت میں جمع کیا جائے گا اور ایک گروہ کو پیدل چلتے اور دوڑاتے ہوئے جمع کیا جائے گا اور ایک گروہ کو فرشتے منہ کے بل گھسیٹتے جمع کریں گے۔

کیا ایمان کا وزن ہوگا؟

سوال......کیا ایمان کو حسنات کے ساتھ وزن کیا جائے گا؟

جواب......علامہ قرطبی نے حکیم ترمذی سے نقل کیا ہے کہ ایمان کا وزن نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس کے مقابلے میں کوئی چیز نہ ہوگی کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ انسان کے اندر ایمان اور کفر دونوں جمع ہوسکیں (پھر ان دونوں کا باہم وزن کیا جائے) اور جن احادیث سے ایمان کو وزن کیا جانا معلوم ہوتا ہے ان کی یہ تاویل کی گئی ہے کہ ایمان کے اصل واجب سے جو چیز زیادہ ہوگی اس کا وزن کیا جائے گا۔

آخرت میں چھوٹے بچے نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے اور ان کی شادیاں ہوں گی

سوال......کیا آخرت میں بچوں کو ان کی صورت پر اٹھایا جائے گا۔اور کیا حور عین کے ساتھ ان کی شادی ہوگی؟ اور کیا غلمانِ جنت حور عین کی جنس سے ہیں؟

جواب......چھوٹے بچے کا حشر اسکی اپنی خلقت وصورت پر ہوگا اور اس کے بعد جنت میں داخل ہونے کے وقت اس کی خلقت میں اضافہ کیا جائے گا حتی کہ وہ بالغ کی طرح بن جائے گا اور اس کے بعد اسکی شادی دنیا کی خواتین اور حور عین سے ہوگی۔حور عین اور غلمانِ جنت کی جنس ایک ہے۔

اہل جنت کی دخول جنت کے وقت حالت

سوال......یہ حدیث کس نے روایت کی ہے:

يَدْخُلُ اَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ جُرْدًا مُرْدًا بِيْضًا مكحلين اَبْنَاءُ ثَلَاثٍ وَّثَلَاثِيْنَ عَلٰى خَلْقِ آدَمَ سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فِيْ عَرْضِ سَبْعَةُ ذِرَاعٍ.

جنتی لوگ جنت میں بغیر داڑھی کے سفید رنگت اور سرمگین آنکھوں اور تینتیس (33) سالہ عمر کی حالت میں اور حضرت آدم علیہ السلام کے قد وقامت کی مقدار ستر گز طویل اور سات گز چوڑے قد وقامت کی حالت میں جنت میں داخل ہوں گے۔

(الحاوی الفتاوی، مسائل الحشر قد، الخ، الاجوبۃ الزکیۃ عن الخ، ج:2 ص:349، مطبوعہ: دار الفکر بیروت، لبنان)

جواب......اس حدیث کو امام احمد اور ابن ابی الدنیا اور طبرانی رحمہم اللہ نے "اوسط" میں روایت کیا ہے۔

حضرت تاج الدین سبکی رحمہ اللہ کی پہیلی کا مطلب

سوال.....حضرت تاج الدین سبکی رحمہ اللہ کی اس پہیلی کا کیا مطلب ہے؟

(1).....مَنْ بِاتِّفَاقِ جَمِيعِ الْخَلْقِ اَفْضَلُ مِنْ شَيْخِ الصِّحَابَةِ اَبِي بَكْرٍ وَ مِنْ عُمَرَ وَمِنْ عَلِيٍّ وَ مِنْ عُثْمَانَ وَ هُوَ فَتًى مِنْ اُمَّةِ الْمُصْطَفَى الْمَبْعُوْثِ مِنْ مُضَرَ.

(الحاوی الفتاوی، مسائل المتفرقۃ، الخ، الاجوبۃ الزکیۃ عن الخ، ج:2 ص:349، مطبوعہ: دارالفکر بیروت، لبنان)

تمام مخلوق کے اتفاق سے کون افضل ہے؟ صحابہ کے شیخ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور حضرت علی وحضرت عثمان رضی اللہ عنہم سے؟ وہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ مضر قبیلے سے مبعوث ہیں ان کی امت کا ایک نوجوان ہے۔ (یعنی ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کوئی بھی افضل نہیں۔)

(2).....مَنْ اَبْصَرَ فِي دِمَشْقِ عَيْنُهُ صَنَمًا مُصَوَّرًا وَهُوَ مَنْحُوتٌ مِنَ الْحَجَرِ اِنْ جَاعَ يَاْكُلُ وَ اِنْ يَعْطِشْ تَضَلَّعَ مِنْ مَاءٍ زُلَالٍ ثُمَّ غَيْرَ مِنْهُمْ.

وہ کون سا شخص ہے جس کی آنکھ نے دمشق میں پتھر سے تراشے ہوئے ایک بُت کو دیکھا کہ اگر اس کو بھوک لگتی ہے تو وہ کھانا کھاتا ہے اور پیاس لگتی ہے تو شیریں پانی نوش کرتا ہے اس کے بعد اس کا پانی جاری نہیں ہوتا۔ (یعنی ایسا ہوتے کسی کی آنکھ نے نہیں دیکھا۔)

(الحاوی الفتاوی، مسائل المتفرقۃ، الخ، الاجوبۃ الزکیۃ عن الخ، ج:2 ص:349، مطبوعہ: دارالفکر بیروت، لبنان)

(3).....مَنْ قَالَ اِنَّ الزِّنَا وَ الشُّرْبَ مَصْلِحَةٌ وَ لَمْ يَقُلْ هُوَ ذَنْبٌ غَيْرُ مُغْتَفِرٍ.

کس نے کہا ہے کہ زنا اور شراب نوشی مصلحت ہے۔ یعنی کسی نے نہیں کہا ہے۔ اور وہ کون ہے؟ جو ان کے نا قابل بخشش گناہ ہونے کا قائل نہیں؟ یعنی ایسا کوئی نہیں ہوسکتا۔

(الحاوی الفتاوی، مسائل المتفرقۃ، الخ، الاجوبۃ الزکیۃ عن الخ، ج:2 ص:349، مطبوعہ: دارالفکر بیروت، لبنان)

(4).....مَنْ قَالَ اِنَّ نِكَاحَ الْاُمِّ يَقْرُبُ مِنْ تَقْوَى الْاِلٰهِ مَقَالًا غَيْرَ مُنْتَكِرٍ.

ترجمہ: اور وہ کون ہوسکتا ہے؟ جو اس قول کو غیر ناپسندیدہ کہے کہ ماں کے ساتھ نکاح کرنا معبود کے تقویٰ کے قریب ہے۔

(الحاوی الفتاوی، مسائل المتفرقۃ، الخ، الاجوبۃ الزکیۃ عن الخ، ج:2 ص:349، مطبوعہ: دارالفکر بیروت، لبنان)

(5).....مَنْ قَالَ سَفْكُ دِمَاءِ الْمُسْلِمِيْنَ عَلَى الصَّلَاةِ اَوْجَبَهُ الرَّحْمٰنُ فِي الزُّبُرِ.

ترجمہ: کس نے کہا ہے کہ ترک نماز پر مسلمانوں کا خون بہانا اللہ تعالیٰ نے قرآن میں واجب

قرار دیا ہے؟ کیا یہ سوال بجا ہے؟

[illegible]

جواب: اس جملے کے پہلے دو مصرعے اور ان کے بعد والے مصرعے میں جس عقیدہ کا اظہار ہے [illegible] کا مطلب ہے۔ یہ بات کسی نے بھی نہیں کی ہے۔ چنانچہ اس عقیدہ [illegible] کرنے والے نے اس [illegible] بعض لوگوں نے (من قال الزنا) میں من قال [illegible] مصطفیٰ [illegible] کی خبر قرار دیا ہے اس کا مطلب ہے جس نے یہ کہا ہے اس کا یہ قول نا قابل گرفت ہے۔

اور بعض لوگوں نے دوسرے شعر میں فتی (نوجوان) کی تفسیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات سے کی ہے لیکن عقیدہ اتحاد کے لئے قرار نہیں دیا لیکن انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعبیر فتی کے لفظ کے ساتھ کرنے کو شدید ناپسند کیا ہے۔ اگر فتی کی بجائے شخص کے ساتھ تعبیر کیا جاتا تو درست تھا اور تیسرے اور چوتھے شعر (فتی ابصرت) سے مراد وہ واقعہ ہے جس کو حاکم نے تاریخ نیشاپور میں اپنی سند کے ساتھ عبدالرحمان بن حسین جاذمی سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے بغداد میں کانسی کا ایک بت دیکھا جب اس کو پیاس لگتی تھی تو نیچے اتر تا اور پانی پیتا تھا۔ علامہ بوجی فرماتے ہیں بسا اوقات علماء کرام حاضرین کی ذہنی آزمائش اور ان کی تادیب کے لئے ایسی پہیلیاں بولتے رہتے ہیں۔ ابن جابر بھی شام کے علماء میں سے ایک عالم ہے انہوں نے لوگوں کی ذہنی آزمائش کے لئے یہ بیان کیا ہے اور ان کے اس کلام کا مطلب یہ ہے کہ بت کو پیاس نہیں لگتی اگر بالفرض اس کو پیاس لگتی تو وہ نیچے اتر کر پانی پیتا۔ پس بت سے نزول اور پیاس کی نفی کی گئی ہے۔ خلاصہ یہ کہ یہ قضیہ شرطیہ ہے اور قضیہ شرطیہ امکان کو لازم نہیں۔

وہ تین جاندار جو کسی مادہ سے پیدا نہیں ہوتے

سوال ــــ وہ کون سے تین جاندار ہیں جو مادہ سے پیدا نہیں ہوتے ہیں؟

جواب ــــ وہ تین جاندار حضرت آدم، حضرت حوا علیہما السلام اور حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی ہے۔

ایک حدیث کا مطلب

سوال ــــ یہ حدیث کس نے روایت کی ہے کہ:

اَلْخَیْرُ فِیَّ وَ فِیْ اُمَّتِیْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ.

ترجمہ: یعنی خیر قیامت تک میری ذات اور میری امت میں ہے۔

(صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب قولہ ﷺ لا تزال طائفۃ من امتی، رقم الحدیث: 1920، ج: 3، ص: 1523، مطبوعہ ایضا)

جواب ــــ ان الفاظ کے ساتھ حدیث وارد نہیں لیکن مشہور حدیث اس کے مطلب پر دلالت کرتی ہے۔

لَا تَزَالُ طَائِفَۃٌ مِنْ اُمَّتِیْ ظَاہِرِیْنَ عَلَی الْحَقِّ لَا یَضُرُّہُمْ مَنْ خَالَفَہُمْ حَتّٰی یَاْتِیَ اَمْرُ اللّٰہِ وَ ہُمْ عَلٰی ذَالِکَ.

ترجمہ: میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا ان کی مخالفت کرنے والا ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا حتی کہ اللہ تعالیٰ کا امر آ جائے گا اور وہ اسی طرح حق پر قائم رہیں گے۔

(صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب ذہاب الایمان آخر الزمان الخ، رقم الحدیث: 148، ج: 1 ص: 131، مطبوعہ: ایضاً)

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے امر کی تشریح اس نرم ہوا کے ساتھ کی گئی ہے جس کو اللہ تعالیٰ مؤمنین کی ارواح قبض کرنے کے لئے بھیجے گا حتی کہ روئے زمین پر سوائے اشرار کے کوئی باقی نہیں رہے گا۔ پس قیامت انہی اشرار پر قائم ہوگی جیسا کہ دوسری حدیث میں ہے:

لَا تَقُوْمُ السَّاعَۃُ وَ عَلٰی وَجْہِ الْاَرْضِ مَنْ یَّقُوْلُ اللّٰہَ اللّٰہَ.

جب تک روئے زمین پر اللہ اللہ کہنے والا موجود ہوگا قیامت قائم نہ ہوگی۔

(الحاوی الفتاوی، مسائل المتفرقہ، الخ، الاسئلۃ الوزیریۃ الخ، ج: 2 ص: 402، مطبوعہ: دار الفکر بیروت، لبنان)

جنت میں حضرت آدم علیہ السلام کے سوائے کسی کی داڑھی نہ ہوگی

سوال...... کیا جنت میں حضرت آدم علیہ السلام کے علاوہ بھی کسی کی داڑھی ہوگی؟

جواب...... جنت میں حضرت آدم علیہ السلام کے سوا کسی کی داڑھی نہیں ہوگی۔ اور یہ حدیث کہ:

اِنَّ ھَارُوْنَ کَذَالِکَ.

ترجمہ: حضرت ہارون علیہ السلام کی بھی حضرت آدم علیہ السلام کی طرح داڑھی ہوگی۔

(مسند بزار، مسند عبد اللہ بن بسر، اول حدیث عمران بن حصین الخ، رقم الحدیث: 3524، ج: 9 ص: 21، مطبوعہ: ایضاً)

موضوع ہے۔ جیسا کہ علامہ ذہبی نے فرمایا ہے۔

سوال...... کہا گیا ہے کہ جنت میں اونٹ جو جنت کے باغات میں چرتے ہیں اور جنت کی نہروں سے سیراب ہوتے ہیں کیا اس بارے میں کوئی اصل وارد ہے؟

جواب...... امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ مجھے اس بارے میں کوئی چیز نہیں ملی۔

مشرق افضل ہے یا مغرب؟

سوال...... مشرق و مغرب میں سے کون افضل ہے؟

جواب......اس میں علماء کا اختلاف ہے مشرق کو افضل قرار دینے والوں نے درج ذیل وجوہ پیش کیں ہیں۔

1......اللہ تعالیٰ نے مشرق و مغرب کا جب بھی ذکر فرمایا ہے تو مشرق کو مقدم کیا ہے۔

2......روشنی یا جو چیز طلوع ہوتی ہے تو وہ مشرق سے ہوتی ہے۔

3......ائمہ اربعہ کا تعلق مشرق سے ہے۔

4......مشرق میں وہ سرزمین ہے جس میں برکت رکھی گئی ہے۔اور یہ چیز نص سے ثابت ہے۔اور وہ سرزمین مصر، شام اور جزیرہ کا خطہ ہے، کیونکہ لوگوں کا اس پر اتفاق ہے کہ مصر، مشرق و مغرب کے درمیان حد ہے۔جو خطہ مصر سے سورج کے طلوع ہونے کی جہت میں واقع ہے وہ مشرق ہے جو حجاز، شام، یمن، عراق اور اس کے بعد والے خطوں کو شامل ہے اور لغت میں مصر حد کو کہا جاتا ہے اسی لئے مصر کو مصر کہا جاتا ہے کہ وہ مشرق و مغرب کے درمیان حد ہے۔ اور مشرق کی افضلیت میں مزید یہ کہا گیا ہے کہ مشرق میں مکہ معظمہ، کعبہ معظمہ، مسجد حرام، حرم اور حج وعمرہ کے شعار اور حج وعمرہ سے تعلق رکھنے والی اشیاء ہیں اور مشرق میں ہی مدینہ منورہ (علی شرفہا الصلوۃ والسلام) اور رسول اللہ ﷺ کی قبر مکرم مسجد نبوی، حرم نبوی اور اس مقدس شہر سے تعلق رکھنے والے عظیم آثار ہیں۔یہ وہ فضائل ہیں جن میں سے ایک کی نظیر بھی مغرب میں نہیں پائی جاتی۔

مغرب کو افضل قرار دینے والوں نے درج ذیل دلائل پیش کئے ہیں۔

1......حضرت ذوالقرنین کے واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے مغرب کے ذکر سے ابتداء فرمائی ہے۔ان کی اس دلیل کو رد کیا گیا ہے کہ اس قصہ میں اللہ تعالیٰ نے اہل مغرب کو وعید فرمائی ہے اور اہل مشرق کو وعید نہیں فرمائی۔جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مشرق افضل ہے۔

2......حدیث ہے کہ لَاتَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِيْ ظَاهِرِيْنَ عَلَى الْحَقِّ.

ترجمہ: میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا۔

(الحاوی الفتاوی، مسائل متفرقۃ، الخ تعریف ملفیۃ الخ، ج:2 ص:366)

اس حدیث میں ایک روایت اس طرح ہے۔

لَایَزَالُ اَھْلُ الْمَغْرِبِ ظَاھِرِیْنَ الخ

ترجمہ: اہل مغرب ہمیشہ حق پر قائم رہیں گے۔

اس دلیل کو اس بناء پر رد کیا گیا ہے کہ حدیث سے ثابت ہے کہ وہ لوگ شام میں ہوں گے اور شام مدینہ منورہ کی مغربی جہت ہے۔نیز اہل مغرب وہ لوگ ہیں جو کنوؤں سے ڈول کے ذریعہ پانی نکالتے ہیں۔اور کنوؤں سے پانی نکالنے والوں کی اکثریت مدینہ منورہ اور یمن وغیرہ میں رہنے والوں کی ہے۔

3...... مغرب اس لئے افضل ہے کہ پہلی تاریخوں کا چاند مغرب سے ہی ظاہر ہوتا ہے اس دلیل کو اس لئے رد کیا گیا ہے کہ سورج مشرق سے طلوع ہوتا ہے۔ (چاند کی روشنی سورج سے مستفاد ہے)

4...... بابِ توبہ کی وسعت چالیس گز ہے اور اس کو مغرب میں بند کردیا جائے گا۔ اس دلیل کو اس لئے رد کیا گیا ہے کہ یہ چیز مغرب کی مذمت ہے کہ باب توبہ کی بندش کا آغاز اس سے ہوگا۔ جیسا کہ مغرب سے سورج کا طلوع ہونا اس کی مذمت ہے کیونکہ پوری شریعت کے انحلال و اختتام کا ظہور اس سے ہوگا۔

5...... مغرب اس لئے افضل ہے کہ حضرت امام مہدی علیہ السلام کا ظہور وہاں سے ہوگا۔ اس دلیل کو اس لئے رد کیا گیا ہے کہ مشہور یہ ہے کہ حضرت امام مہدی علیہ السلام کا ظہور مکہ، یمن یا عراق میں ہوگا۔

6...... مغرب اس لئے افضل ہے کہ تمام فتنوں کا ظہور مشرق سے ہوگا۔ اس دلیل کو اس لئے رد کیا گیا ہے کہ سب سے بڑا فتنہ سورج کا مغرب سے طلوع ہونا اور باب توبہ کا بند ہونا ہے کہ ان دونوں فتنوں کے بعد خیر کی کوئی چیز باقی نہ رہے گی برخلاف دیگر فتنوں کے کہ ان فتنوں کے باوجود خیر کے آثار باقی رہیں گے، اور معروف یہ ہے کہ اکثر رسول مشرق میں مبعوث ہوئے ہیں۔ اور کسی ایک نبی کے بارے میں بھی یہ معروف نہیں کہ وہ مغرب میں مبعوث ہوئے ہوں۔ اسی سے مشرق کی مغرب پر فضیلت واضح ہوگئی ہے جس پر کوئی غبار نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

سات زمینوں میں سے کون سی زمین افضل ہے؟

سوال...... سات زمینوں میں سے کون سی زمین افضل ہے؟

جواب...... سب سے اوپر والی زمین افضل ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے۔ کیونکہ یہ انبیاء کرام کا مدفن اور وحی کا مہبط اور انسانوں کا مستقر ہے۔ اور انسان دیگر مخلوق سے افضل ہیں۔

(مسند احمد، ابتداء مسند ابی ہریرۃ، صحیفۃ ہمام بن منبہ، رقم الحدیث: 8400، ج: 8 ص: 308، مطبوعہ: ایضاً)

آسمان وزمین میں سے کون افضل ہے؟

سوال...... آسمان اور زمین میں سے کون افضل ہے؟

جواب...... ہمارے آئمہ کے نزدیک اصح یہ ہے کہ آسمان افضل ہے اور یہ قول اکثر علماء سے منقول ہے کیونکہ آسمان میں اللہ تعالیٰ کی معصیت نہیں ہوتی۔ ابلیس نے جو معصیت کی تھی وہ آسمان میں نہیں ہوئی۔ یا نادر طور پر یہ معصیت آسمان میں واقع ہوئی ہے۔ اور نادر کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا۔ ایک قول کے مطابق زمین افضل ہے اور یہ قول بھی اکثر علماء سے منقول ہے کیونکہ زمین انبیاء کرام علیہم السلام کا مستقر اور مدفن ہے۔

جنت الفردوس کا مقام

سوال ...فردوس کا مقام جنت میں کہاں ہوگا؟

جواب ...شیخین کی حدیث میں ہے۔

إِذَا سَئَلْتُمُ اللّٰهَ فَاسْئَلُوْهُ الْفِرْدَوْسَ فَإِنَّهُ وَسْطُ الْجَنَّةِ وَ أَعْلَى الْجَنَّةِ فَوْقَهُ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ وَ مِنْهُ تَفَجَّرُ أَنْهَارُ الْجَنَّةِ.

ترجمہ: جب تم اللہ سے سوال کرو تو اس سے فردوس کی درخواست کرو کیونکہ وہ جنت کا وسط اور جنت کا اعلیٰ مقام ہے۔ اور اس کے اوپر اللہ تعالیٰ کا عرش ہے اور اس سے جنت کی نہریں پھوٹتی ہیں۔

(الحاوی الفتاوی، مسائل متفرقہ، الخ تعریف الفیہ، الخ، ج:2 ص:367)

اور ابن ابی حاتم رحمہ اللہ کی روایت میں ہے:

اَلْفِرْدَوْسُ مَقْصُوْرَةُ الرَّحْمٰنِ فِيْهَا خِيَارُ الْأَنْهَارِ وَ الْأَشْجَارِ.

ترجمہ: فردوس رحمٰن کا قصر سلطنت ہے جس میں بہترین انہار واشجار ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

(الحاوی الفتاوی، مسائل متفرقہ، الخ تعریف الفیہ، الخ، ج:2 ص:367)

قیامت کے روز سورج اور چاند کو بے نور کرنے کی حکمت

سوال ...... قیامت کے دن سورج اور چاند کو بے نور کرنے اور ان کو جہنم میں ڈالنے کی کیا حکمت ہے؟

جواب ...... سورج اور چاند کو بے نور کرنے کی وہی حکمت ہے جو سورج گرہن اور چاند گرہن کی حکمت ہے کہ یعنی سورج اور چاند کے پجاریوں کی مذمت اور برائی بیان کرنا ہے کہ جن کو تم پوجتے ہو وہ اپنی ذات کا دفاع نہیں کر سکتے (تو تمہارے کیا کام آئیں گے)

چاند میں موجود سیاہی کیا چیز ہے؟

سوال ...... چاند میں نظر آنے والی سیاہی کیا چیز ہے؟

جواب ...... حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے جواب فرمایا کہ یہ حضرت جبریل امین علیہ السلام کے پر لگنے کا نشان ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے چاند کی روشنی کے سورج کی روشنی کی طرح ستر حصے پیدا کئے تھے حضرت جبریل امین علیہ السلام نے چاند پر اپنے پر لگا کر اس کے انہتر (69) حصے محو کر دیے اور ان انہتر (69) حصوں کو سورج میں منتقل کر دیا اور اس میں دوسری چیزوں کو روشن کرنے کی صلاحیت ختم کر دی اور نور کو باقی رکھا۔ اور اس آیت کریمہ کا یہی مطلب ہے:

فَمَحَوْنَا اٰیَةَ الَّیْلِ وَ جَعَلْنَا اٰیَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً. (سورہ بنی اسرائیل، آیت:12پ:15)

ترجمہ: رات کی نشانی مٹی ہوئی رکھی اوردن کی نشانی دکھانے والی۔ کنزالایمان

بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ چاند میں نظر آنے والی سیاہی کچھ حروف ہیں۔اوروہ لفظ ٭جمیل٭ کے حروف کا مجموعہ ہیں۔(انتہی)

پہلے جواب کی تائید امام بیہقی رحمہ اللہ کی یہ تخریج شدہ روایت بھی کرتی ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام نے اسی سیاہی کے متعلق حضور ﷺ سے سوال کیاتو آپ نے فرمایا:

كَانَا شَمْسَيْنِ ،وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى :فَمَحَوْنَا اٰيَةَ الَّيْلِ فَالَّذِىْ رَاَيْتَ هُوَ الْمَحْوُ.

ترجمہ: چاند اورسورج دونوں سورج تھے اوراللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پس ہم نے رات کی علامت (چاند) کومحو(مٹادیا) کردیاہے پس تم جس سیاہی کودیکھ رہے ہووہ وہی محو ہے۔

(الحاوی الفتاوی،مسائل متفرقہ،الخ،تعریف الفئہ،الخ،ج:2ص:367)

ایک دوسری روایت میں مذکورواقعہ کواس سے زیادہ تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے لیکن اس روایت کی سند ضعیف ہے۔امام عبدالرزاق رحمہ اللہ نے تخریج کیاہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے سوال کیاگیا کہ وہ کون سی جگہ ہے جس میں آپ نمازاداکریں تو یہ گمان کریں کہ میں نے قبلہ کی طرف رخ نہیں کیا؟ اوروہ کون سا مقام ہے کہ جس پرصرف ایک مرتبہ سورج طلوع ہواہے؟ اورچاند میں نظر آنے والی سیاہی کیاچیز ہے؟ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ سوال حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا کہ اس کاجواب دیں توانہوں نے پہلے سوال کاجواب دیا کہ وہ جگہ کعبہ معظمہ کی چھت ہے اوردوسرے سوال کاجواب دیا کہ وہ مقام اس سمندر(دریائے نیل) کی گہرائی ہے جوحضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے پھٹا تھا۔اورتیسرے سوال کاجواب دیا کہ چاند میں نظر آنے والے سیاہی وہ محو ہے جس کا تذکرہ قرآن کی مذکورہ آیت میں ہے۔

(صحیح بخاری،کتاب تفسیر القرآن،باب قولہ والشمس تجری الخ،رقم الحدیث:4802،ج:6ص:123،مطبوعہ:ایضا)

آفتاب اپنے غروب کے بعد کہاں ہوتا ہے؟

سوال......سورج غروب ہونے کے بعد کہاں غائب ہوتاہے؟

جواب......بخاری کی روایت میں ہے کہ سورج غروب ہونے کے بعد عرش الٰہی کے نیچے سجدہ ریز ہوتاہے۔

(الحاوی الفتاوی،مسائل متفرقہ الخ،تعریف الفئہ الخ،ج:2ص:368)

اورنسائی کی روایت میں اس پر یہ اضافہ ہے کہ:سورج اللہ تعالیٰ سے اجازت طلب کرتاہے تواس کواجازت

دی جاتی ہے اور قریب ہے کہ وہ اجازت طلب کرے اور اس کو اجازت نہ دی جائے۔ تو اس کو اپنے محل غروب سے ہی طلوع ہونے کا حکم دیا جاتا ہے۔ اور یہ حدیث اس آیت کے مخالف نہیں:
تَغْرُبُ فِیْ عَیْنٍ حَمِئَةٍ (اس نے سورج کو ایک کالے پانی میں ڈوبتے ہوئے دیکھا۔) کیونکہ یہاں پر غروب سے حالتِ غروب میں ادراک بصر کی انتہاء مراد ہے اور سورج عرش کے نیچے سجدہ غروب کے بعد کرتا ہے۔

(العظمۃ الشیخ الاصبہانی، ذکر عظمۃ اللہ الخ، ج:4 ص:1147)

ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ رحمہما اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سورج کنویں سے پانی کھینچنے والی اونٹنی کی مانند ہے کہ دن کو آسمان میں اپنے مدار پر چلتا ہے اور جب غروب ہوتا ہے تو رات کو اپنے مدار میں زمین کے گرد چلتا رہتا ہے حتیٰ کہ اپنے مشرق سے طلوع ہوجاتا ہے اسی طرح چاند بھی دن و رات اپنے مدار میں چلتا رہتا ہے۔

(العظمۃ الشیخ الاصبہانی، ذکر عظمۃ اللہ الخ، ج:4 ص:1147)

ابوالشیخ رحمہ اللہ نے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ سورج جب غروب ہوتا ہے تو عرش کے نیچے موجود ایک نہر میں داخل ہوتا ہے اور اپنے رب کی تسبیح کرتا رہتا ہے، اور جب صبح ہوتی ہے تو اپنے رب سے درخواست کرتا ہے کہ مجھے طلوع ہونے کی زحمت نہ دی جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیوں؟ تو وہ عرض کرتا ہے اے میرے رب! جب میں طلوع ہوتا ہوں تو لوگ تیری ذات کو چھوڑ کر میری عبادت کرتے ہیں۔

(صحیح مسلم، کتاب الفتن، الخ، باب ذکر الدجال وصفۃ الخ، رقم الحدیث:2937، ج:4 ص:2250، مطبوعہ: ایضا)

ایک غیر معتبر اور ضعیف ترین قول ہے کہ: سورج جب غروب ہوتا ہے تو ایک مچھلی اسے نگل لیتی ہے۔ اور ایک قول ہے کہ سورج سیاہ کیچڑ کے چشمے میں پوشیدہ ہوجاتا ہے جیسا کہ آیت میں ہے تَغْرُبُ فِیْ عَیْنٍ حَمِئَةٍ (ایک سیاہ کیچڑ کے چشمے میں ڈوبتا پایا۔) "حَمِئَةٍ" کا لفظ ہمزہ کے ساتھ ہے اور اس کا معنی سیاہ کیچڑ ہے، اور اس میں ایک قرأت حَامِیَةٍ ہمزہ کی بجائے یاء کے ساتھ ہے اس کا معنی ہے سخت گرم۔ ہذا ایک قول ہے کہ سورج ایک آسمان سے دوسرے آسمان میں طلوع ہوتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ عرش الٰہی کے نیچے سجدہ ریز ہوجاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرتا ہے اے میرے رب! ایک قوم تیری معصیت کا ارتکاب کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تو جہاں سے آیا ہے وہاں لوٹ جا تو وہ ایک آسمان سے دوسرے آسمان کی طرف طلوع ہوتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ مشرق سے طلوع ہوجاتا ہے اور آسمانِ دنیا کی طرف اس کا نزول ہوتا ہے تو فجر طلوع ہوجاتی ہے۔

امام الحرمین وغیرہ علماء نے فرمایا ہے کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ سورج ایک خطہ میں طلوع ہوتا ہے تو دوسرے خطہ میں غروب ہوتا ہے۔ رات ایک خطہ میں طویل ہوتی ہے اور دوسرے خطہ میں چھوٹی ہوتی ہے۔ سوائے اُس خطہ

کے جو خط استواء کے تحت واقع ہے کہ وہاں ہمیشہ دن ورات برابر ہوتے ہیں ۔بلغاریہ کے شہروں میں سورج کے غروب رہنے کی مقدار بہت قلیل ہے ۔وہاں مغرب وعشاء کے درمیان کی مقدار غروب رہتا ہے اور پھر طلوع ہو جاتا ہے۔

امام مہدی علیہ السلام کا ظہور

سوال......حضرت امام مہدی علیہ السلام کا ظہور کہاں ہوگا؟

جواب......احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کا ظہور مشرق کی جانب ہوگا ۔اوران کی بیعت مکہ معظمہ میں رکن اور مقام کے درمیان کی جائے گی اوروہ بیت المقدس میں قیام فرمائیں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول کہاں ہوگا؟

سوال......حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول کہاں ہوگا؟

جواب......صحیح مسلم کی حدیث شریف کے مطابق زیادہ مشہور یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دمشق کے مشرق میں سفید مینارہ پرنزول فرمائیں گے،اورایک روایت کے مطابق آپ کا نزول اُردن میں ہوگا اورایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ کا نزول مسلمانوں کی فوجی چھاؤنی میں ہوگا اور یہ روایت اپنے سے پہلی دونوں روایتوں کی منافی نہیں کیونکہ موجودہ دور میں مسلمانوں کی فوجی چھاؤنی اُردن،دمشق اور بیت المقدس ہے۔

(المعجم الکبیر للطبرانی،باب العین،عمرو بن عوف بن ملحۃ المزنی،رقم الحدیث:19،ج:17،ص:18،مطبوعہ:ایضا)

طورِ سینا اوراُحد میں سے کون افضل ہے؟

سوال......طورسیناء اوراُحد میں سے کون سا پہاڑ افضل ہے؟

جواب......اس صحیح حدیث کے مطابق اُحد افضل ہے۔ اُحُدٌ یُحِبُّنَا وَ نُحِبُّهُ.

ترجمہ:یعنی اُحد ہمارے ساتھ محبت کرتا ہے اورہم اُحد کے ساتھ محبت کرتے ہیں۔

(الحاوی الفتاوی،مسائل متفرقۃ......الخ تعریف الفئۃ......الخ،ج:2،ص:371)

اور حدیث میں وارد ہے کہ اُحد جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازے پر ہے ۔اُحد کے افضل ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ یہ مدینہ منورہ کی سرزمین سے تعلق رکھتا ہے اورمدینہ منورہ تمام روئے زمین سے مطلقاً افضل ہے یا مکہ معظمہ کے بعد افضل ہے۔

(الحاوی الفتاوی،مسائل متفرقۃ الخ تعریف الفئۃ الخ،ج:2،ص:378)

دودھ اور شہد میں سے کون افضل ہے؟

سوال......دودھ اور شہد میں سے کون افضل ہے؟

جواب......امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دلائل کے اعتبار دودھ افضل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دودھ ہی کو بچے کی غذا بنایا ہے اور دودھ کھانے اور پینے دونوں کی جگہ کفایت کرتا ہے۔ شہد میں ایسا نہیں۔ اور حدیث سند حسن کے ساتھ مروی ہے کہ:

مَنْ سَقَاهُ اللّٰهُ لَبَنًا فَلْيَقُلْ اَللّٰهُمَّ بَارِکْ لَنَا فِيْهِ وَ زِدْنَا مِنْهُ.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ جس کو دودھ سے سیراب فرمائے تو وہ یہ کہے کہ اے اللہ! اس میں ہمارے لئے برکت فرما اور اس سے ہمیں زیادہ عطا فرما۔

(شعب الایمان للبیہقی، الطعام والشارب الخ فصل فی ان ساقی القوم الخ، رقم الحدیث: 5641، ج: 8 ص: 168، مطبوعہ: ایضا)

دودھ کے سوا کوئی چیز بھی کھانے اور پینے دونوں کی جگہ کفایت نہیں کرتی۔ نیز دودھ کی وجہ سے کسی کو اچھو نہیں لگتا جیسا کہ حدیث میں ہے اور اللہ تعالیٰ دودھ ہی کے بارے میں فرماتا ہے:

سَائِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ.

(سورۃ النحل، آیت: 66 پ: 14)

ترجمہ: یعنی دودھ پینے والوں کے حلق سے آسانی کے ساتھ اترتا ہے۔

اور شب معراج نبی کریم ﷺ نے شہد پر دودھ کو ترجیح دی تو آپ سے کہا گیا یہ فطرت ہے آپ اور آپ کی امت فطرت پر ہیں۔ اس حدیث کو شیخین نے روایت کیا ہے حدیث میں ہے کہ:

اَمَرَ مَنْ اَکَلَ غَيْرَ اللَّبَنِ اَنْ يَّقُوْلَ اَللّٰهُمَّ بَارِکْ لَنَا فِيْهِ وَ اَطْعِمْنَا خَيْرًا مِّنْهُ.

ترجمہ: حضور ﷺ نے ہر اس شخص کو حکم دیا ہے جو دودھ کے سوا کوئی چیز بھی کھائے تو یہ دعا کرے کہ اے اللہ! اس میں ہمارے لئے برکت فرما اور اس سے بہتر ہمیں کھلا۔

(مستدرک للحاکم، کتاب تواریخ المتقدمین الخ، باب ومن کتاب آیات الرسول الخ، رقم الحدیث: 4228، ج: 2 ص: 672، مطبوعہ: ایضا)

اور جو دودھ نوش کرے تو اس کو آپ نے حکم دیا ہے کہ وہ یہ دعا کرے۔

اَللّٰهُمَّ بَارِکْ لَنَا فِيْهِ وَ زِدْنَا مِنْهُ.

ترجمہ: اے اللہ! اس میں ہمارے لئے برکت فرما اور اس سے ہمیں زیادہ عطا فرما۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ دودھ سے زیادہ بہتر کوئی طعام نہیں۔

دن افضل ہے یا رات؟

سوال.....دن اور رات میں سے کون افضل ہے؟

جواب.....رات افضل ہے کیونکہ رات راحت ہے اور راحت جنت سے تعلق رکھتی ہے۔دن میں مشقت ہے اور مشقت دوزخ سے تعلق رکھتی ہے۔لیلۃ القدر ایک ہزار ماہ سے افضل ہے اور کوئی دن اس طرح کا نہیں کہ وہ ہزار ماہ سے افضل ہو۔قرآن کریم میں ایک سورۃ نازل ہوتی ہے جس کا نام رات کے نام پر سورۃ اللیل ہے۔

قرآن کریم کی اکثر آیات میں رات کا ذکر دن کے ذکر پر مقدم ہے۔اور رات کی تخلیق دن کی تخلیق پر مقدم ہے۔قرآن کریم کی اس آیت میں حرف لا زائدہ ہے:۔

وَ لاَ اللَّیْلُ سَابِقُ النَّھَارِ. (سورہ یٰسین،آیت:40پ:23)

ترجمہ:اور مہینوں کے راتیں ان کے ایام پر مقدم ہوتی ہیں۔

اور ہر رات میں ایک ساعت بلکہ کئی ساعاتِ اجابت کی ہیں۔رات کی کوئی ساعت ایسی نہیں کہ اس میں نماز ادا کرنا مکروہ ہو۔رات میں ہی تہجد کی نماز ادا کی جاتی ہے اور رات کی اسحار میں استغفار کیا جاتا ہے۔اور نمازِ تہجد اور سحری کا استغفار دن کے نوافل اور دن کے استغفار سے افضل ہے اور معراج کا وقوع رات میں ہوا ہے رات کو نماز کے لئے بیدار ہونا دشوار ہوتا ہے اور شور وشغف سے امن ہوتا ہے اور اخلاص تام وکمل ہوتا ہے اور ریاء ونمائش کا موقع نہیں۔چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:

نَاشِئَۃَ اللَّیْلِ ھِیَ اَشَدُّ وَ اطْاً وَّ اَقْوَمُ قِیْلاً. (سورۃ المزمل،آیت:6)

ترجمہ:بے شک رات کا اٹھنا وہ زیادہ دباؤ ڈالتا ہے اور بات خوب سیدھی نکلتی ہے۔

اہل علم فرماتے ہیں:رات کو کام کاج منقطع ہوتے ہیں اذھان تیز ہوجاتے ہیں نگاہ درست ہوتی ہے اور حکمتوں واسرار کی معرفت حاصل ہوتی ہے دلوں کو سکون ملتا ہے دل کی جلوہ گاہوں سے بصیرت کے چشمے پھوٹتے ہیں۔

بعض لوگوں کے نزدیک دن افضل ہے اور وہ کہتے ہیں کسی چیز کی تقدیم اس کی افضلیت پر دلالت نہیں کرتی۔مثلاً اللہ تعالیٰ نے موت کو حیات پر اور جن کو انسانوں پر اندھے اور بہرے کو بصیر وسمیع پر مقدم کرکے بیان فرمایا ہے۔لیکن یہ چیزیں افضل نہیں ہیں۔ان حضرات کی اس دلیل کو رد کردیا گیا ہے کہ غالب یہی ہے کہ تقدیم افضلیت کا افادہ کرتی ہے اور مذکورہ چیزوں میں مفضول کی تقدیم میں کئی حکمتیں ہیں جو غور وفکر سے معلوم ہوتی ہیں۔

دن کی فضیلت پر دوسری دلیل یہ دی گئی ہے کہ نور (روشنی) ظلمت (تاریکی) سے پہلے ہے اور شعراء ہمیشہ رات

کی مذمت کرتے ہیں۔اور رات کو حشرات الارض اور موذی جانور چلتے ہیں اور درندے رات میں ہی پھیلتے ہیں اور چور رات میں ہی منتشر ہوتے ہیں اور گناہوں کی کثرت رات میں ہی ہوتی ہے۔اور اللہ تعالیٰ نے اپنے دشمنوں کے چہروں کو رات سے تشبیہ دی ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا. (سورہ یونس، آیت:27)

ترجمہ:گویا ان کے چہروں پر اندھیری رات کے ٹکڑے چڑھا دیئے ہیں۔

فاسق رات کی تاریکی کا انتظار کرتا رہتا ہے۔رسول اللہ ﷺ نے رات کو کھیتی کاٹنے اور پھل اتارنے سے منع فرمایا ہے۔اور رات کو دروازہ بند رکھنے کا اور بچوں کو روکے رکھنے کا حکم دیا ہے کہ رات کو شیاطین منتشر ہوتے ہیں۔

دن کو افضل قرار دینے والوں نے یہ دلائل بھی پیش کئے ہیں:

1......دنوں کے نام مقرر ہیں لیکن راتوں کا کوئی نام نہیں ان کی معرفت دن کی طرف اضافت کرنے سے ہوتی ہے مثلاً یہ جمعہ کی رات یا پیر کی رات ہے۔

2......بزرگ ایام زیادہ ہیں ۔مثلاً یوم جمعہ ، یوم عرفہ، یوم عاشورہ، اور ایام معلومات ومعدودات وغیرہ ۔اور راتوں میں سوائے لیلۃ القدر اور نصف شعبان کی رات کے کوئی رات بزرگ نہیں ۔(مصنف فرماتے ہیں) مذکورہ دلائل میں اگر تم غور کرو گے تو ان کی اکثریت سے افضلیت ثابت نہیں ہوتی، کیونکہ یہ امور عادیہ ہیں شرعیہ نہیں ۔البتہ شرعی امور میں سے رات کو روزہ رکھنے اور رات کو کھیتی کاٹنے اور پھل اتارنے سے منع کیا گیا ہے۔اور اس نہی میں راز یہ ہے کہ رات کو کھیتی کاٹنے اور پھل اتارنے میں فقراء کی محرومیت پائی جاتی ہے، شیاطین اور درندے وغیرہ رات کو منتشر ہوتے ہیں، اور رات میں پائی جانے والی خلوت رات کی افضلیت کا تقاضا کرتی ہے کہ رات کی عبادت میں اخلاص دن کی عبادت سے زیادہ پایا جاتا ہے۔

دن کی افضلیت پر سب سے بہتر دلیل یہ ہے کہ دن میں نماز وسطیٰ پائی جاتی ہے اور نماز وسطیٰ تمام نمازوں سے افضل ہے اور روزہ رکھا جاتا ہے جس کے حق میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

كُلُّ عَمَلِ ابْنِ اٰدَمَ لَهٗ اِلَّا الصَّوْمُ فَاِنَّهٗ لِيْ وَ اَنَا اَجْزِيْ بِهٖ.

ترجمہ:انسان کا ہر عمل اس کے لئے ہے سوائے روزے کے کہ وہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزاء دوں گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے نزول کے بعد کتنا عرصہ قیام فرمائیں گے؟

سوال......حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے نزول کے بعد کتنا عرصہ دنیا میں قیام فرمائیں گے؟

جواب...... مسلم شریف کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ سات سال قیام فرمائیں گے۔ اور یہ طیالسی کی مروی اس حدیث کے منافی نہیں جس میں ہے کہ آپ چالیس سال قیام فرمائیں گے کیونکہ اس حدیث میں قبل رفع اور بعد رفع کا مجموع قیام کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور آپ کا تینتیس (33) سال کی عمر میں رفع ہوا ہے۔ سات سال نزول کے بعد قیام ہوگا تو سارا قیام چالیس سال کا ہوگا۔

عوج بن عُنق کا قصہ

سوال...... عوج بن عنق کے بارے میں لوگوں کے کلام کا خلاصہ کیا ہے اور مفسرین نے اس کے بارے میں جو طویل حکایات ذکر کی ہیں ان کا خلاصہ کیا ہے؟

جواب...... حافظ عماد بن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ عوج بن عنق کا قصہ اور اس کے بارے میں جو حکایات ذکر کی گئی ہیں وہ ساری هذیان ہیں جن کی کوئی اصل نہیں۔ اور یہ سب کچھ اہل کتاب کے زندیقوں کی گڑھی ہوئیں ہیں۔ عوج بن عنق حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں ہرگز نہیں تھا اور نہ ہی کوئی کافر طوفان نوح میں غرق ہونے سے بچا ہے۔ ابن القیم نے فرمایا ہے کہ حدیث کے موضوع ہونے کی پہچان جن امور سے ہوتی ہے ان میں سے ایک امر یہ ہے کہ اس کے بطلان پر صحیح شواہد قائم ہوں۔ مثال کے طور پر عوج بن عنق کے متعلق وہ طویل حدیث جس کے وضع کرنے والے نے انبیاء کرام علیہم السلام کی اخبار پر طعن کا ارادہ کیا ہے۔ عوج بن عنق سے متعلق جو عجیب واقعات حکایت کئے گئے ہیں ان میں سے کچھ حصہ ذکر کرنے کے بعد ابن قیم فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھنے والے اُس جھوٹے انسان کی جرأت پر اتنا تعجب خیز ہونا جتنا تعجب ان لوگوں پر ہوتا ہے جنہوں نے اس حدیث کو تفسیر وغیرہ کی علمی کتب میں اس کی حقیقت بیان کئے بغیر داخل کیا ہے اور اس کے بعد فرماتے ہیں:

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اور اس کی امثال اہل کتاب کے ان زندیقوں کی وضع ہیں جن کا مقصد رسولوں اور ان کے متبعین کا استہزاء اور تمسخر کرنا تھا۔ (ابن قیم کی عبارت ختم ہوگئی)

ابن المنذر رحمہ اللہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے عوج بن عنق کے قصہ کا کچھ حصہ نقل کیا ہے۔ بعض انصاف پسند حضرات نے اس کے متعلق فرمایا ہے کہ یہ ایسی چیز ہے جس کی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی طرف نسبت کرنے اور ان سے اس کا ذکر نقل کرنے میں انسان کو حیاء آتی ہے اور القاموس میں بھی عوج بن عنق کی اخبار موضوعہ کا کچھ حصہ نقل کیا گیا ہے۔ امام طبرانی اور ابوالشیخ رحمہما اللہ نے اور ابن حبان رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''العظمۃ'' میں کچھ آثار نقل کئے ہیں۔ حفاظ نے عوج بن عنق کے طویل ترین قصے جو اس کے عجیب وغریب احوال پر مشتمل ہیں اس کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ باطل اور جھوٹ ہے۔ حافظ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عوج بن عنق کے قصہ میں زیادہ قرین قیاس

ہے کہ وہ قوم عاد کے باقی بچ جانے والے لوگوں میں سے تھا اور اس کی لمبائی سو گز یا اس کے قریب تھی۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو اپنے عصا مبارک سے قتل کیا تھا۔ اس قصہ کی اتنی مقدار قبولیت کا احتمال رکھتی ہے۔ الخ

درود شریف پڑھنے والی ایک جماعت کا تذکرہ

سوال — جامع ازھر اور مکہ مکرمہ میں لوگوں کی ایک جماعت کا یہ معمول ہے سوموار اور جمعۃ المبارک کی رات اجتماعی صورت میں نبی کریم ﷺ پر درود بھیجتے ہیں۔ اور جو درود شریف وہ پڑھتے ہیں اس کے الفاظ یہ ہیں:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ اَفْضَلَ صَلٰوةٍ عَلٰى اَفْضَلِ مَخْلُوْقَاتِكَ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ.

اے اللہ! افضل صلاۃ بھیج اپنی تمام مخلوق میں سے افضل ذات سیدنا محمد ﷺ پر۔

ان لوگوں پر ایک نام نہاد اہل علم نے اعتراض کیا اور ان پر طعن و تشنیع کی ہے۔ اور اس نے کہا کہ اس درود پر کوئی دلیل نہیں پائی جاتی ہے۔ اس کے پڑھنے کو ترک کرنا لازم ہے۔ کیا یہ شخص اپنے اس اعتراض میں مصیب ہے یا مخطی؟

جواب — یہ شخص شدید ترین غلطی کا مرتکب ہے۔ معلوم ایسا ہو رہا ہے کہ اس معترض تک اس بے علم شخص کی بات پہنچی ہے۔ جس نے رسول اللہ ﷺ کی مدح کرنے والے بعض لوگوں کے اس قول پر اعتراض کیا ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ نہ ہوتے تو کائنات کی کوئی چیز نہ ہوتی نہ کوئی فرشتہ ہوتا اور نہ کوئی بادشاہ ہوتا۔ اس بے علم نے اس مدح پر اعتراض کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ مدح محتاج دلیل ہے۔ کتاب و سنت میں اس پر دلالت کرنے والی کوئی چیز وارد نہیں اور اس جاہل نے اشرف الخلق کے الفاظ پر اعتراض کرتے ہوئے کہا ہے کہ جس ذات نے اپنے بارے میں ہمیں یہ خبر دی ہے کہ میں بنی آدم کا سردار ہوں اس ذات اقدس نے کسی دوسری مخلوق پر اپنی افضلیت بیان نہیں فرمائی ہے۔ اور انسانوں میں سے صالحین کی فرشتوں پر افضلیت کے مسئلہ کا حضرت امام ابو حنیفہ یا کسی اور امام نے یہ جواب دیا ہے کہ مجھے اس بارے میں کوئی علم نہیں اور یہی اس کا صحیح جواب ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِىْٓ اٰدَمَ وَ حَمَلْنٰهُمْ فِى الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا. (بنی اسرائیل، آیت:70)

ترجمہ: بے شک ہم نے اولاد آدم کو عزت دی اور ان کو خشکی و تری میں سوار کیا اور ان کو ستھری چیزیں روزی دی اور ان کو اپنی بہت مخلوق سے افضل کیا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ انسانوں کو تمام مخلوق پر فضیلت دی ہے بلکہ فرمایا ہے کہ (بہت ساری

مخلوق پر فضیلت دی ہے)اور رسول اللہ ﷺ انسانوں میں سے ہیں۔اور یہ مسئلہ ان مسائل میں سے بھی نہیں جن کی معرفت کے ہم مکلف ہیں۔اور اس کی بحث اور اس میں کلام کرنا بے مقصد ہے اور اس سے سکوت ہی اس کا جواب ہے۔(معترض کا کلام ختم ہو گیا۔)

سوال میں جس معترض کا ذکر ہے اس نے اس دوسرے معترض کی تقلید کی ہے اور ان میں سے ہر ایک غلطی پر ہے اور ہر ایک نے بے تکی بات کر کے اپنی ذات کو علماءِ حق کے تیروں کا ہدف اور شکوک وشبہات میں مبتلا کرنے والے شیاطین کی ......کا نشانہ بنایا ہے۔اور "المستدرک" میں مروی حدیث "اَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَیَّ" جسے امام حاکم نے صحیح قرار دیا ہے۔اس حدیث میں غور وفکر کرنے والے پر مذکورہ پہلا بلکہ دوسرا اعتراض بھی باطل ہونا واضح اور ظاہر ہے۔

(مستدرک للحاکم،کتاب تواریخ المتقد مین الخ،باب ومن کتاب آیات الرسول الخ،رقم الحدیث:4228،ج:2 ص:672،مطبوعہ:ایضا)

"المستدرک" میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

قَالَ آدَمُ یَا رَبِّ اَسْئَالُکَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ ﷺ لَمَا غَفَرْتَ لِیْ؟ فَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی یَا آدَمُ وَ کَیْفَ عَرَفْتَ مُحَمَّدًا وَ لَمْ اَخْلُقْہُ ؟قَالَ رَبِّ لَمَا خَلَقْتَنِیْ بِیَدِکَ وَ نَفَخْتَ فِیَّ مِنْ رُوْحِکَ رَفَعْتُ رَاسِیْ فَرَاَیْتُ عَلٰی قَوَائِمِ الْعَرْشِ مَکْتُوْبًا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہِ .فَعَلِمْتُ اَنَّکَ لَمْ تُضِفْ اِلٰی اِسْمِکَ اِلَّا اَحَبَّ الْخَلْقِ اِلَیْکَ قَالَ اللّٰہُ یَا آدَمُ اِنَّہٗ لَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَیَّ .وَ اِذْ سَئَالْتَنِیْ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ فَقَدْ غَفَرْتُ لَکَ وَ لَوْلَا مُحَمَّدٌ مَا غَفَرْتُ لَکَ .

(مستدرک للحاکم،کتاب تواریخ المتقد مین الخ،باب ومن کتاب آیات الرسول الخ،رقم الحدیث:4228،ج:2 ص:671،مطبوعہ:ایضا)

ترجمہ:حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی اے میرے ربّ! میں تجھ سے حضرت محمد ﷺ کے طفیل سوال کرتا ہوں کہ تو میری بخشش فرما۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم! تجھے محمد ﷺ کی معرفت کیسے ہوئی ہے حالانکہ میں نے ان کو ابھی تک پیدا ہی نہیں کیا۔حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی اے میرے ربّ! جب تو نے مجھے پیدا کیا اور میرے اندر روح پھونکی تو میں نے اپنا سر اٹھایا تو میں نے عرش کے پائیوں میں لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ لکھا ہوا دیکھا۔اسی سے میں نے یقین کر لیا کہ تو نے اپنے نام کے ساتھ اسی ذات کے نام کو ملایا ہے جو تیری بارگاہ میں تمام مخلوق سے زیادہ محبوب ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم! بے شک وہ تمام مخلوق سے

زیادہ مجھے محبوب ہیں جب تم نے محمد ﷺ کے وسیلہ سے مجھ سے سوال کیا تو میں نے تمہیں بخش دیا اور اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں تیری بخشش نہ فرماتا۔

حضرت امام حاکم رحمہ اللہ کے ہاں ہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ صحیح حدیث مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

اَوْحَی اللّٰہُ تَعَالٰی اِلٰی عِیْسٰی علیہ السلام یَاعِیْسٰی اٰمِنْ بِمُحَمَّدٍ وَ عَرِضْ اَدْرَکَہٗ مِنْ اُمَّتِکَ اَنْ یُّؤْمِنُوْا بِہٖ فَلَوْلَا مُحَمَّدٌ مَاخَلَقْتُ اٰدَمَ وَ لَوْ لَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُ الْجَنَّۃَ وَ النَّارَ وَ لَقَدْ خَلَقْتُ الْعَرْشَ عَلَی الْمَاءِ فَاضْطَرَبَ فَکَتَبْتُ عَلَیْہِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ .فَسَکَنَ.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ اے عیسیٰ! حضرت محمد (ﷺ) پر ایمان رکھو اور اپنی امت میں سے جو ملے اس کو ان پر ایمان لانے کا حکم دو اگر میں محمد ﷺ کو پیدا نہ فرماتا تو آدم کو پیدا نہ کرتا اور اگر محمد ﷺ کو پیدا نہ کرتا تو جنت و دوزخ کی تخلیق نہ فرماتا۔ میں نے عرش کو پانی کے اوپر پیدا کیا تو وہ حرکت کرنے لگا تو میں نے اس پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا تو اس میں سکون آ گیا۔

اس طرح کی بات اپنی رائے سے نہیں کہی جا سکتی۔ اسی لئے جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما جیسی شخصیت سے یہ صحیح منقول ہے تو یہ رسول اللہ ﷺ تک مرفوع حدیث کے حکم میں ہوگی۔ جیسا کہ ائمہ اصول وحدیث اور فقہ کا ضابطہ ہے۔ لہٰذا پہلی حدیث میں جو حضرات ضعف کے قائل ہیں ان کی بات تسلیم بھی کی جائے تو مذکورہ حدیث اس کی کمی کو پورا کر دے گی۔ کیونکہ یہ حدیث انفرادی طور پر حجت بننے کے لئے کافی ہے اور اس کے ساتھ پہلی حدیث ملائی جائے تو قوت میں اضافہ ہو جائے گا۔

صاحب شفاء الصدور وغیرہ نے جو حدیث روایت کی ہے اس میں ہے:

قَالَ اللّٰہُ یَامُحَمَّدُ وَ عِزَّتِیْ وَ جَلَالِیْ لَوْلَاکَ مَاخَلَقْتُ اَرْضِیْ وَ لَا سَمَائِیْ وَ لَا رَفَعْتُ ھٰذِہِ الْخَضْرَاءَ وَ بَسَطْتُ ھٰذِہِ الْغَبْرَآءِ.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محمد! مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم! اگر تو نہ ہوتا تو میں اپنی زمین کو نہ پیدا کرتا اور نہ میں اپنے آسمان کو پیدا کرتا اور نہ ہی میں اس نیلگوں آسمان کو بلند کرتا اور نہ میں اس زمین کو بچھاتا۔

اور ایک روایت میں ہے:

مِنْ اَجْلِکَ اَسْطَحُ الْبَطْحَاءَ وَ اَمُوْجُ الْمَاءَ وَاَرْفَعُ السَّمَآءَ وَ اَجْعَلُ الثَّوَابَ وَ

الْعِقَابَ وَالْجَنَّةَ وَالنَّارَ .

ترجمہ: تیری وجہ سے میں نے زمین کو ہموار کیا اور پانی میں موجیں پیدا کیں اور آسمان کو بلند کیا اور ثواب وعذاب کا سلسلہ جاری کیا اور جنت ودوزخ کو پیدا کیا۔

(مستدرک للحاکم، کتاب تواریخ المتقدمین ......الخ، باب ومن کتاب آیات الرسول......الخ، رقم الحدیث: 4228، ج:2 ص:672، مطبوعہ: ایضا)

ایک اور روایت میں ہے جسے قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ''شفاء'' میں ذکر کیا ہے:

فَقَالَ اٰدَمُ لَمَّا خَلَقْتَنِیْ بِیَدِکَ رَفَعْتُ رَاْسِیْ اِلَی الْعَرْشِ فَاِذَا فِیْهِ مَکْتُوْبٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ فَعَلِمْتُ اَنَّهٗ لَیْسَ اَحَدٌ اَعْظَمُ قَدْرًا عِنْدَکَ مِمَّنْ جَعَلْتَ اِسْمَهٗ مَعَ اِسْمِکَ فَاَوْحَی اللّٰهُ تَعَالٰی اِلَیْهِ وَعِزَّتِیْ وَجَلَالِیْ اَنَّهٗ لَاٰخِرُ النَّبِیِّیْنَ مِنْ ذُرِّیَّتِکَ وَ لَوْلَاهُ مَاخَلَقْتُکَ۔

حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی جب تونے مجھے پیدا فرمایا تو میں نے اپنا سر عرش کی طرف بلند کیا تو اس میں لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا اسی سے میں نے جان لیا کہ جن کا نام تو نے اپنے نام کے ساتھ ملایا ہے تیرے ہاں اس سے بڑھ کر کسی کا مرتبہ نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی فرمائی کہ مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم ہے کہ وہ تیری اولاد میں سے آخری نبی ہیں اگر وہ نہ ہوتے تو میں تجھے پیدا نہ کرتا۔

(سنن ابن ماجہ، ابواب الزھد، باب ذکر الشفاعۃ، رقم الحدیث: 4308، ج:5 ص:362، مطبوعہ: ایضا)

ان مذکورہ تمام احادیث سے اس اعتراض کا باطل ہونا اور اس کے قائل کا حقیقت کے ادراک میں لغزش کا شکار ہونا واضح ہوگیا۔ پس اس کا دل گمراہ ہوگیا ہے اور اس کے قدم جادۂ حق سے پھسل گئے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق سے افضل ہیں

مذکورہ سوال میں دوسرا اعتراض پہلے اعتراض سے کئی درجہ زیادہ ہوا اور زیادہ قبیح ہے۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام مخلوق خواہ انبیاء ہوں یا فرشتے سب سے افضل ہونے پر معتبر دلائل قائم ہیں۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد والے علماء کرام نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ اس پر دلالت کرنے والی احادیث میں سے ایک حدیث وہ بھی ہے جس کو معترض نے بذات خود ذکر کیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:

اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَ لَا فَخْرَ وَ بِیَدِیْ لِوَاءُ الْحَمْدِ وَ لَا فَخْرَ وَ مَامِنْ نَبِیٍّ یَوْمَئِذٍ آدَمَ فَمَنْ سِوَاهُ اِلَّا تَحْتَ لِوَائِیْ .

ترجمہ: میں قیامت کے دن اولادِ آدم کا سردار ہوں گا اس پر مجھے کوئی فخر نہیں۔ اور لواء الحمد میرے ہاتھ میں ہوگا اور مجھے اس پر کوئی فخر نہیں اس دن حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے علاوہ تمام انبیاء کرام میرے پرچم تلے ہوں گے۔

(مسند احمد، مسند المکثرین من الصحابۃ، مسند ابی ہریرۃ، رقم الحدیث: 9223، ج:15، ص:384، مطبوعہ: ایضا)

یہ حدیث ہمارے نبی اکرم ﷺ کی افضلیت پر صریح دلیل ہے۔ اور حضرت آدم علیہ السلام کی فرشتوں پر افضلیت کی تصریح ان آیات میں ہے:

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ .

(سورۃ البقرہ، آیت:34، پ:1)

ترجمہ: اور یاد کرو جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو۔

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ .

(آل عمران، آیت:33، پ:3)

ترجمہ: بے شک اللہ نے چن لیا آدم اور نوح اور ابراہیم علیہم السلام کی آل اور عمران کی آل کو سارے جہانوں پر۔

فرشتے بالاتفاق عالمین میں سے ہیں

جب صحیح دلائل سے ثابت ہوا کہ ہمارے نبی ﷺ حضرت آدم علیہ السلام اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے افضل ہیں جیسا کہ مذکورہ حدیث میں صراحت ہے اور مذکورہ دونوں آیات کہ جن میں حضرت آدم، نوح اور آل ابراہیم آل عمران علیہم السلام کا تذکرہ ہے ان سے انبیاء کرام کا فرشتوں سے افضل ہونا ثابت ہے۔ اسی سے ثابت ہوا کہ ہمارے نبی کریم ﷺ فرشتوں سے افضل ہیں بلکہ ہمارے نبی کریم ﷺ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل میں سے ہیں۔ پس آیت کریمہ آپ کو بطور نص کے شامل ہے۔

صحیحین وغیرہما میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

اَنَا سَيِّدُ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

ترجمہ: میں قیامت کے دن تمام انسانوں کا سردار ہوں گا۔

(سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب الصبر علی البلاء، رقم الحدیث:4032، ج:5، ص:160، مطبوعہ: ایضا)

اور آپ ﷺ کی تمام مخلوق پر افضلیت پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی دلالت کرتا ہے۔

وَ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ . (سورۃ الانشراح، آیت:4، پ:30)

ترجمہ: اور ہم نے تمہارے لئے تمہارا ذکر بلند کیا۔

سیاقِ آیت بتا رہا ہے کہ اس سے مراد رفعِ عظیم ہے اسی لئے مفسرین نے اس کی تفسیر کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ میرے ذکر کے ساتھ تیرا ذکر کیا جائے گا۔ اور رفع سے مراد تمام مخلوق پر رفعِ عظیم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مرفوع علیہم یعنی جن پر آپ کے مرتبہ کو بلند کیا ہے ان کا ذکر نہیں فرمایا اور اصل عدمِ تخصیص ہے۔ اور تمام مخلوق پر حضور ﷺ کے مرتبہ کی بلندی پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کر رہا ہے:

عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا. (سورۃ بنی اسرائیل، آیت: 79)

ترجمہ: قریب ہے کہ تمہیں تمہارا رب ایسی جگہ کھڑا کرے جہاں سب تمہاری حمد کریں۔

حدیث حسن میں نبی کریم ﷺ نے مقامِ محمود کی تفسیر قیامت کے دن شفاعتِ عظمیٰ سے فرمائی ہے کیونکہ اس دن اولین آخرین آپ کی حمد کریں گے اور اس دن انبیاء کرام اور فرشتوں اور اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق پر آپ کی افضلیت کا اظہار ہوگا۔ حضور ﷺ کی اس افضلیت پر آپ ﷺ کا ارشاد بھی تصریح کر رہا ہے۔ جو اُس صحیح حدیث میں ہے جس کی صحت پر اتفاق کیا گیا ہے:

ثَلَاثٌ مَنْ کُنَّ فِیْہِ وَجَدَ حَلَاوَۃَ الْاِیْمَانِ مَنْ کَانَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَحَبُّ اِلَیْہِ مِمَّا سِوَاھَا.

ترجمہ: تین چیزیں جس میں ہوں گی وہ ایمان کی حلاوت پائے گا وہ شخص جس کے ہاں اللہ اور اس کا رسول سب سے زیادہ محبوب ہوں۔

(سنن الترمذی، ابواب التفسیر القرآن، باب ومن سورۃ بنی اسرائیل، رقم الحدیث: 3148، ج:5 ص:159، مطبوعہ: ایضاً)

اس حدیث میں غور کیجئے کہ یہ حضور ﷺ کی افضلیت کی خوب وضاحت کرنے والی ہے۔ صحیح حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

اَنَا اَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْہُ الْاَرْضُ فَاَلْبِسُ مِنْ حُلَلِ الْجَنَّۃِ ثُمَّ اَقُوْمُ عَنْ یَمِیْنِ الْعَرْشِ لَیْسَ اَحَدٌ مِنَ الْمَلَائِکَۃِ یَقُوْمُ ذَالِکَ الْمَقَامَ غَیْرِیْ.

ترجمہ: سب سے پہلے میری قبرِ انور سے زمین ہٹائی جائے گی پس میں جنت کا جوڑا زیبِ تن کروں گا پھر میں عرش کی داہنی جانب قیام کروں گا اس مقام پر میرے سوا کوئی فرشتہ بھی کھڑا نہیں ہوگا۔

(سنن الترمذی، ابواب التفسیر القرآن، باب ومن سورۃ بنی اسرائیل، رقم الحدیث: 3148، ج:5 ص:159، مطبوعہ: ایضاً)

اور حدیث حسن میں ہے:

اَنَا حَبِیْبُ اللّٰہِ وَ لَا فَخْرَ وَ اَنَا حَامِلُ لِوَاءِ الْحَمْدِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَ لَا فَخْرَ وَ اَنَا اَوَّلُ شَافِعٍ وَ اَوَّلُ مُشَفَّعٍ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَ لَا فَخْرَ وَ اَنَا اَوَّلُ مَنْ یُحَرِّکُ حَلَقَ الْجَنَّۃِ فَیَفْتَحُ اللّٰہُ لِیْ وَ مَعِیْ فُقَرَاءُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ اَنَا اَکْرَمُ الْاَوَّلِیْنَ وَ الْاٰخِرِیْنَ وَ لَا فَخْرَ.

ترجمہ: میں اللہ کا حبیب ہوں اور اس پر مجھے فخر نہیں۔ اور قیامت کے دن میں لواء الحمد میرے ہاتھ میں ہوگا۔ اور مجھے اس پر فخر نہیں اور میں قیامت کے دن سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں گا اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائے گی اور اس پر مجھے فخر نہیں اور میں سب سے پہلے جنت کے (دروازہ) کے کنڈوں کو حرکت دوں گا تو اللہ تعالیٰ میرے لئے اس کو کھول دے گا اور میرے ساتھ فقراء مؤمنین ہوں گے۔ اور میں اولین و آخرین سب سے زیادہ مکرم ہوں اور اس پر مجھے کوئی فخر نہیں۔

(صحیح ابن حبان، باب الختام وقسمہا، ذکر العلۃ التی من اجلہا الخ، رقم الحدیث:4828، ج:11ص:159، مطبوعہ: ایضا)

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے غریب قرار دیا ہے، لیکن ان کے قول کی طرف التفات نہ کی جائے گی جیسا کہ شیخ الاسلام سراج بلقینی نے بیان کیا ہے ان دونوں حدیثوں میں:

لَیْسَ اَحَدٌ مِنَ الْمَلَائِکَۃِ یَقُوْمُ ذَالِکَ الْمَقَامُ غَیْرِیْ. اور اَنَا اَکْرَمُ الْاَوَّلِیْنَ وَ الْاٰخِرِیْنَ۔

آپ کے یہ دونوں ارشاد فرشتوں اور انبیاء کرام علیہم السلام اور دیگر سب مخلوق کو شامل ہیں۔ جو تمام مخلوق پر آپ کی افضلیت کی صریح دلیل ہیں جیسا کہ واضح ہے۔ اور صحیح حدیث میں حضرت آدم علیہ السلام کے قصہ میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد گزرا ہے کہ:

لَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَی اللّٰہِ (کہ محمد ﷺ تمام مخلوق سے زیادہ میرے محبوب ہیں۔)

یہ ارشاد بھی آپ کی افضلیت کی واضح دلیل ہے۔ اور امام بلقینی رحمہ اللہ نے ایک محدث سے جو چیز نقل کی ہے وہ بھی اس کے موافق ہے اور امام بلقینی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس محدث کا اس حدیث کی سند ذکر نہ کرنے میں کوئی نقصان نہیں کیونکہ وہ ان آئمہ محدثین میں سے ہیں جو کثرت احادیث پر مطلع تھے۔ نیز اس حدیث کے شواہد بھی بیان کئے گئے ہیں۔ جس کی وجہ سے اس کو مزید تقویت حاصل ہوگئی ہے جیسا کہ ضابطہ ہے۔ پس اس محدث نے جو کچھ نقل کیا ہے ان میں سے ایک یہ حدیث ہے وہ فرماتے ہیں:

عَنِ النَّبِیِّ ﷺ عَنْ جِبْرِیْلَ عَنِ اللّٰہِ تَعَالٰی اَنَّہٗ قَالَ لِنَبِیِّہٖ ﷺ قَدْ مَنَنْتُ عَلَیْکَ بِسَبْعَۃِ اَشْیَاءَ اَوَّلُہَا اَنِّیْ لَمْ اَخْلُقْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اَکْرَمَ عَلَیَّ مِنْکَ.

حضور ﷺ سے مروی ہے اور آپ نے حضرت جبریل امین سے روایت کیا ہے اور حضرت

جبریل امین علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا: میں نے سات چیزوں سے تیرے پر احسان فرمایا ہے ان میں سے پہلی چیز یہ ہے کہ میں نے آسمانوں اور زمین میں اپنے ہاں تیرے سے زیادہ کسی کو مکرم پیدا نہیں کیا۔

اور حضور ﷺ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مجھ سے حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ:

اَبْشِرْ فَاِنَّکَ خَیْرُ خَلْقِہٖ وَ صَفْوَتِہٖ مِنَ الْبَشَرِ حباک اللّٰہ بِمَا لَمْ یُحِبُّ بِہٖ اَحَدًا مِنْ خَلْقِہٖ لَا مَلَکًا مُقَرَّبًا وَ لَا نَبِیًّا مُرْسَلًا وَ لَقَدْ قَرَّبَکَ الرَّحْمٰنُ اِلَیْہِ مِنْ قُرْبِ عَرْشِہٖ مَکَانًا لَمْ یَصِلْ اِلَیْہِ اَحَدٌ مِنْ اَھْلِ السَّمٰوٰتِ وَ لَا مِنْ اَھْلِ الْاَرْضِ فَھَنَاکَ اللّٰہُ بِکَرَامَتِہٖ وَ مَا حَبَاکَ بِہٖ.

(السیرۃ النبویۃ لابن کثیر، ذکر عمرہ علیہ السلام، ج:1 ص:407، مطبوعہ: دار المعرفۃ، بیروت، مفہوما)

خوش ہو جاؤ کہ تم اللہ کی مخلوق میں سب سے افضل ہو اور انسانوں میں سے اس کے چنے ہوئے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تجھے اتنا قریب کیا ہے کہ اتنا اپنی مخلوق میں سے کسی کو قریب نہیں کیا۔ نہ کسی مقرب فرشتے کو اور نہ کسی نبی مرسل کو۔ بے شک رحمٰن نے تجھے اپنے عرش کے نزدیک ایسے مقام میں اپنا قرب بخشا ہے کہ جس تک نہ آسمان والوں میں کسی کی رسائی ہوئی ہے اور نہ زمین والوں میں سے کسی کی رسائی ہوئی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے کرم اور اپنی محبت میں خوشگواری بخشی۔

اور معروف حدیث میں ہے کہ

اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ تَقَدَّمَ وَ وَقَفَ جِبْرِیْلُ فِیْ مَقَامِہٖ وَ اِنَّ مَلَکًا آخَرُ تَلَقَّی النَّبِیَّ ﷺ وَقَالَ لَہٗ تَقَدَّمْ یَا مُحَمَّدُ فَقُلْتُ لَا بَلْ تَقَدَّمْ اَنْتَ فَقَالَ یَا مُحَمَّدُ اَنْتَ فَاَنْتَ اَکْرَمُ عَلَی اللّٰہِ مِنِّیْ.

(السیرۃ الحلبیۃ، باب ذکر الاسراء والمعراج الخ، ج:1 ص:565، مطبوعہ: ایضا)

نبی کریم ﷺ (شب معراج) آگے تشریف لے گئے اور جبریل امین اپنے مقام پر ٹھہر گئے اور ایک دوسرا فرشتہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کی یا محمد آگے بڑھئے (حضور ﷺ فرماتے ہیں) میں نے اس کو کہا نہیں بلکہ تم آگے چلو تو اس نے عرض کی اے محمد! آپ آگے چلیں۔ کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کے ہاں مجھ سے زیادہ معزز و مکرم ہیں۔

سوار کی مشہور حدیث میں ہے:

یَا خَیْرَ مُرْسَلٍ. (اے تمام رسولوں سے افضل)

(جامع المسانید والسنن، حرف السین، سواد بن قارب السدوسی، رقم الحدیث: 4887، ج:4، ص:60، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، لبنان)

یہ حدیث فرشتوں کو بھی شامل ہے کیونکہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اور بحیراء والی معروف حدیث میں ہے۔ "هٰذَا سَيِّدُ الْمُرْسَلِيْنَ" (یہ مرسلین کے سردار ہیں۔)

(مسند البزار، مسند ابی موسیٰ، اول حدیث ابی موسیٰ، رقم الحدیث: 3096، ج:8، ص:97، مطبوعہ: ایضا)

امام حاکم رحمہ اللہ کے ہاں صحیح حدیث میں حضرت بشر بن سعاف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم جمعہ کے دن مسجد میں حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی مجلس میں تھے تو انہوں نے فرمایا:

إِنَّ أَعْظَمَ أَيَّامِ الدُّنْيَا يَوْمُ الْجُمُعَةِ فِيْهِ خَلَقَ اللّٰهُ اٰدَمَ وَفِيْهِ تَقُوْمُ السَّاعَةُ وَ إِنَّ أَكْرَمَ خَلِيْقَةِ اللّٰهِ عَلَى اللّٰهِ أَبُو الْقَاسِمِ ﷺ قَالَ قُلْتُ رَحِمَكَ اللّٰهُ فَأَيْنَ الْمَلَائِكَةُ؟ قَالَ فَنَظَرَ إِلَيَّ وَ ضَحِكَ وَ قَالَ يَا ابْنَ أَخِيْ هَلْ تَدْرِيْ مَا الْمَلَائِكَةُ إِنَّمَا الْمَلَائِكَةُ خَلْقٌ كَخَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْأَرْضِ وَخَلْقِ الرِّيَاحِ وَ خَلْقِ السَّحَابِ وَ خَلْقِ الْجِبَالِ وَسَائِرِ الْخَلْقِ الَّتِيْ لَا يَعْظُمُ عَلَى اللّٰهِ مِنْهَا شَيْءٌ وَ إِنَّ أَكْرَمَ الْخَلْقِ عَلَى اللّٰهِ أَبُو الْقَاسِمِ ﷺ.

(مستدرک للحاکم، کتاب العلم، کتاب اهوال الخ، رقم الحدیث: 8698، ج:4، ص:612، مطبوعہ: ایضا)

دنیا کے ایام میں سب سے زیادہ عظمت والا دن جمعہ کا ہے اسی میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق فرمائی اور اسی میں قیامت قائم ہوگی اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اسکی مخلوق میں سب سے زیادہ مکرم ومعزز ابوالقاسم ﷺ ہیں۔ حضرت بشر بن سعاف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے کہا اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے فرشتوں کا کیا مقام ہے؟ بشر فرماتے ہیں حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے میری طرف دیکھا اور مسکرائے اور فرمایا اے میرے بھتیجے کیا تم جانتے ہو کہ فرشتے کیا ہیں؟ فرشتے آسمانوں، زمینوں اور ہواؤں، بادلوں اور پہاڑوں کی مخلوق کی مانند ایک مخلوق ہے اور ساری مخلوق کی کوئی چیز اللہ کے ہاں معظم نہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ کے ہاں مخلوق میں سب سے زیادہ مکرم ومعظم ابوالقاسم ﷺ ہیں۔

اس طرح کی بات اپنی رائے سے نہیں کہی جا سکتی۔ جب یہ بات حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جیسے صحابی سے

صادر ہو جو اکابر صحابہ میں سے ہیں اور ان سے صحیح منقول بھی ہے۔ تو اس کا درجہ ایسا ہے کہ گویا رسول اللہ ﷺ سے صحیح منقول ہے۔ جیسا کہ اس بارے میں سابقہ صفحات میں ائمہ سے اس کی تصریح منقول ہوتی ہے۔ اور اس احتمال کا کوئی اعتبار نہیں کہ ہوسکتا ہے کہ انہوں نے یہ بات تورات سے نقل کی ہو کیونکہ وہ احبار یہود میں سے تھے کیونکہ یہ اس کے باوجود بھی ہمارے مذکورہ مقصد پر حجت بنتی ہے کہ حضرت ابن عبدالسلام رضی اللہ عنہ اکابر صحابہ میں سے ہیں اور اہل کتاب کے مؤمنوں میں سے ہیں۔ اگر انہوں نے یہ بات تورات سے نقل کی ہے تو تب بھی وہ ہمارے مدعی کی دلیل وحجت بنتی ہے کیونکہ وہ غیر تورات سے اس کے متبادل کو جانتے تھے۔ جیسا کہ ان سے ہی زنا کے مرتکب افراد کے لئے رجم کی سزا کے واقعہ میں منقول ہے۔ اور حضور ﷺ نے اپنے اس ارشاد کے ساتھ ان کی تصدیق فرمادی تھی کہ "اِنَّ ذَالِکَ فِی التَّوْرَاۃِ" کہ رجم کا حکم تورات میں ہے۔

علامہ بلقینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہے اور اس میں صحابہ کے درمیان یا تابعین کے درمیان کوئی اختلاف بھی معروف نہیں۔ حضرت بشر بن سعاف کا اَیْنَ الْمَلَآئِکَۃُ؟ سے سوال کرنے کا مقصد ہے اس حدیث کے عموم سے جو چیز ثابت ہو رہی ہے اس کے اظہار کو مزید پکا اور پختہ کرنا تھا اور آئمہ میں سے کسی کے بارے میں ہمیں یہ معلوم نہیں کہ کسی کا اس میں اختلاف ہو کہ ہمارے نبی کریم ﷺ تمام مخلوق سے افضل ہیں۔ اور معتزلہ اور علامہ باقلانی وعلامہ حلیمی سے جو منقول ہے کہ آسمانی فرشتے انبیاء کرام سے افضل ہیں۔ ان کے اس قول کو ہمارے نبی کریم حضرت محمد ﷺ کے سوا دیگر انبیاء کرام پر محمول کرنا ممکن ہے۔ جیسا کہ متاخرین نے متقدمین میں سے بعض اکابر سے نقل کیا ہے۔ اور انہوں نے اسی پر اعتماد کیا ہے۔ زمخشری رحمہ اللہ نے سورہ تکویر کی تفسیر میں حضرت جبریل امین علیہ السلام کی افضلیت کی تصریح کرتے ہوئے جس بے باکی کا مظاہرہ کیا ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

انبیاء کرام علیہم السلام کو عبادات میں تمام مخلوق پر افضلیت حاصل

اور علامہ باقلانی رحمہ اللہ اور علامہ حلیمی رحمہ اللہ کے کلام کو اس بات پر محمول کرنا ممکن ہے کہ فرشتوں کو ایک خاص قسم کی عبادت میں مثلاً ہمیشہ اللہ کی تسبیح وغیرہ میں انبیاء کرام علیہم السلام پر افضلیت حاصل ہے لیکن جہاں تک مطلق تمام عبادات کی نسبت افضلیت کا تعلق ہے تو اس میں انبیاء کرام علیہم السلام کو تمام مخلوق پر افضلیت حاصل ہے۔ اور پھر تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر ہمارے نبی کریم ﷺ کو افضلیت حاصل ہے۔ اس کی نظیر حضور ﷺ کے ان ارشادات میں ہے کہ:

اَقْرَؤُکُمْ اُبَیٌّ (تم میں سے سب سے زیادہ قاری ابی بن کعب ہیں۔)

(شرح السنۃ للبغوی، کتاب فضائل الصحابۃ باب مناقب خزیمۃ بن ثابت، ج:4 ص:184، مطبوعہ: المکتب الاسلامی، بیروت، لبنان)

اَمِیْنُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَبُوْ عُبَیْدَةَ (اس امت کے امین ابوعبیدہ ہیں ۔)

(سنن ابن ماجہ، ابواب السنۃ، باب فی فضائل اصحاب الخ فضل ابی عبیدہ، رقم الحدیث: 136، ج 1 ص: 98، مطبوعہ: ایضا)

مَا اَقَلَّتِ الْغَبْرَآءُ وَ لَا اَظَلَّتِ الْخَضْرَآءُ اَصْدَقَ لَهْجَةٍ مِنْ اَبِیْ ذَرٍّ.

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے زیادہ کسی شخص کو نہ زمین نے اٹھایا اور نہ آسمان نے سایہ ڈالا ہے ۔

(سنن ابن ماجہ، ابواب السنۃ، باب فی فضائل اصحاب الخ فضل سعد بن معاذ، رقم الحدیث: 156، ج 1 ص: 108، مطبوعہ: ایضا)

ان مذکورہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ان خاص انواع میں افضلیت خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کی باقی تمام انواع میں مذکورہ صحابہ اور دیگر تمام صحابہ پر افضلیت کے معارض نہیں ۔

مذکورہ سوال میں معترض نے اعتراض کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ انسانوں میں سے صالحین کی ملائکہ پر افضلیت کے سوال پر حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ وغیرہ ائمہ نے لَا اَدْرِیْ (میں نہیں جانتا) کے ساتھ جواب دیا ہے ۔ معترض کی اس دلیل کا یہ جواب ہے کہ یہ حضرت امام اعظم سے ایک روایت ہے اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ فرشتوں پر انبیاء کرام علیہم السلام کی افضلیت کا نظریہ رکھتے تھے ۔ اور حنفی علماء کے نزدیک معتمد و معتبر نظریہ یہ ہے کہ انسانوں میں سے خواص یعنی رسل عظام تمام فرشتوں سے افضل ہیں ۔ اور وہ انبیاء جو مرسل نہیں وہ عام فرشتوں سے افضل ہیں اور خاص فرشتے ان انبیاء کرام علیہم السلام سے افضل ہیں جو مرسل نہیں ۔ اس روایت کے مطابق ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام فرشتوں سے افضل ہیں ۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے علاوہ دیگر کسی امام کے بارے میں یہ گمان بھی نہیں کیا جاسکتا کہ انہوں نے ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فرشتوں پر افضلیت کے بارے میں توقف فرمایا ہو ۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ اپنی کتاب "الرسالۃ" میں فرماتے ہیں:

وَكَانَ خَيْرَتُهُ الْمُصْطَفٰى لِوَحْيِهِ الْمُنْتَخَبُ لِرِسَالَتِهِ الْمُفَضَّلُ عَلٰى جَمِيْعِ خَلْقِهٖ بِفَتْحِ رَحْمَتِهٖ وَ خَتْمِ نَبُوَّتِهٖ وَ عَمَّ مَا اُرْسِلَ بِهٖ مُرْسَلٌ قَبْلَهُ اَلْمَرْفُوْعُ ذِكْرُهُ مَعَ ذِكْرِهٖ فِی الْاُوْلٰی اَلشَّافِعُ الْمُشَفَّعُ فِی الْاُخْرٰی اَفْضَلُ خَلْقِهٖ نَفْسًا وَ اَجْمَعُهُمْ لِكُلِّ خُلُقٍ رَضِيَهٗ فِیْ دِيْنٍ وَ دُنْيَا وَ خَيْرُهُمْ نَسَبًا وَ دَارًا مُحَمَّدٌ عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صلی اللہ علیہ وسلم اَشْرَفُ اَكْرَمُ.

(الرسالۃ للشافعی، الجزء الاول، ص: 10، مطبوعہ: مکتبہ حلبی، مصر)

اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ اور اس کی وحی کے لئے چنے ہوئے اور

رسالت کے لئے ان کا انتخاب کیا گیا ہے اور تمام مخلوق پر فتح رحمت اور ختم نبوت کی بدولت فضیلت سے نوازے گئے ہیں، اور انکی رسالت ان سے پہلے مرسلین کو بھی شامل ہے اور دنیا میں اُن کے ذکر کو اللہ کے ذکر کے ساتھ بلند کیا گیا ہے اور آخرت میں شفاعت کرنے والے ہیں اور ان کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ وہ ذات کے اعتبار سے اللہ کی تمام مخلوق سے افضل ہیں اور دین و دنیا میں ہر پسندیدہ صفت کے تمام مخلوق سے زیادہ جامع ہیں۔ اور آپ نسب اور خاندان کے اعتبار سے تمام مخلوق سے افضل ہیں جن کا نام گرامی محمد ﷺ ہے جو اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں ﷺ، سب سے زیادہ بزرگی والے اور سب سے زیادہ عزت والے۔

اور معترض کا یہ کہنا کہ لَا اَدْرِیْ والا قول ہی اس سوال کا صحیح جواب ہے اس کا یہ قول اس کی بڑی غلطی ہے بلکہ اس سوال کا صحیح جواب وہی ہے جس کے قائل علماء ہیں کہ ہمارے نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق انبیاء کرام علیہم السلام و فرشتوں سے افضل ہیں۔ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی تمام فرشتوں پر افضلیت کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے کہ:

وَ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْۤ اٰدَمَ . (سورۃ بنی اسرائیل، آیت:70)

بے شک ہم نے اولادِ آدم کو عزت دی۔

یہ آیت کریمہ انبیاء کرام کی افضلیت میں ظاہر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ:

وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلًا . (سورۃ بنی اسرائیل، آیت:70)

اوران کو اپنی بہت مخلوق سے افضل کیا۔ (کنزالایمان)

اس کے بارے میں ایک قول ہے کہ اس میں غلبہ اور استیلاء کی جہت سے افضلیت کا بیان ہے اور ایک قول ہے کہ اس میں قیامت کے دن ثواب اور جزا کی جہت سے افضلیت کا بیان ہے۔ اس قول کے لحاظ سے انسانوں اور فرشتوں کے درمیان افضلیت میں جو اختلاف ہے آیتِ کریمہ میں اس کی کوئی مخالفت نہیں پائی جاتی، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو مروی ہے کہ انسان فرشتوں سے افضل نہیں۔ اگر یہ صحیح ہے تو اس کو انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ دیگر انسانوں پر محمول کیا جائے گا خاص کر ہمارے نبی کریم حضرت سیدنا محمد ﷺ کے علاوہ دوسرے انسانوں پر محمول کیا جائے گا۔ کیونکہ آپ ﷺ سے صحیح ثابت ہے کہ آپ ﷺ افضل الخلق ہیں۔ جیسا کہ سابقہ صفحات میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

اور اس معترض کا یہ کہنا کہ اس بات کی معرفت کے ہم مکلف نہیں۔ اس کا یہ قول بھی غلط ہے۔ کیونکہ اس مسئلہ

کا تعلق اصول دین سے ہے اور ہم اپنے نبی کریم ﷺ کی تعظیم وتوقیر اوران دلائل پرعمل کرنے کے مکلف ہیں جو آپ ﷺ کے مرتبہ اور اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کے قرب کے بیان پر مشتمل ہیں اوراس معترض کا یہ کہنا کہ اس میں کلام کرنا فضول ہے یہ اس کی بہت بڑی بے باکی اور جرأت ہے۔ کیونکہ اس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور علماء امت نے کلام کیا ہے بلکہ اس مسئلہ میں کلام کرنا شرعاً مطلوب اوراس کا اعتقاد رکھنا واجب ہے۔

(علامہ بلقینی رحمہ اللہ کا کلام کچھ اضافے کے ساتھ یہاں پرختم ہوگیا ہے)

مذکورہ تفصیل کے بعد یہ واضح ہوگیا ہے کہ مساجد وغیرہ مقامات میں نبی اکرم ﷺ پر مذکورہ الفاظ کے ساتھ باآواز بلند درود پڑھنے والوں کا درود پڑھنا اتنا واضح حق ہے کہ جس پر کوئی غبار نہیں اور نہ ہی اس پر اعتراض کی کوئی گنجائش ہے جس نے یہ اعتراض کیا ہے وہ اہل اعتزال کی گمراہی کا شکار ہوا ہے یا اسے شیطانیت لاحق ہوئی ہے اسے اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کرنا چاہیے۔ اور جس کج عقیدگی میں وہ مبتلا ہے اس کی بیخ کنی کرنی چاہیے۔ کیونکہ اس مسئلہ میں غور وخوض بسا اوقات انسان کو بہت بڑے فساد تک پہنچاتا ہے۔

العیاذ باللہ تعالیٰ واللہ سبحانہ الموفق للصواب تم ذالک الجواب.

ذبح موت کا کیا مطلب ہے؟

سوال......ذبح موت کا کیا مطلب ہے؟

جواب......جب جنتی لوگوں کا جنت میں اور دوزخیوں کا دوزخ میں استقرار ہوگا تو موت کو ایک مینڈھے کی صورت میں تبدیل کیا جائے گا اور پھر اس مینڈھے کو جنت اور جہنم کے درمیان ذبح کرنے کا حکم دیا جائے گا۔ اس کا مقصد جنتیوں کی خوشی بڑھانا اور دوزخیوں کو دوزخ میں ہمیشہ بلاموت خلود کی خبر دینا ہے۔

اگر تم یہ کہو کہ موت ایک معنی ہے پس وہ مینڈھا کیسے بنے گی کہ اسے ذبح کیا جائے گا۔ تو اس کا جواب یہ ہے یہ تجسم المعانی کے باب سے تعلق رکھتا ہے یعنی معانی کو محسوس صورت میں ظاہر کیا جائے گا۔ اس کی نظیر اعمال کا وزن ہے اس بنیاد پر کہ قیامت کے دن اعمال ہی کا وزن ہوگا۔ پس اعمال کو صورۃ میں مجسم کیا جائے گا۔ پھر ان کا وزن کیا جائے گا کیونکہ جسمیت کے بغیر ان کا وزن کرنا محال ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

باب المعانی والبیان

تشبیہ، تمثیل اور نظیر کے درمیان فرق

سوال.....تشبیہ، تمثیل، اور نظیر کے درمیان کیا فرق ہے؟

جواب.....لغت کے لحاظ سے تینوں متحد ہیں اور اصطلاح کے اعتبار سے تینوں میں فرق ظاہر ہے۔ شرح عقائد میں علماء اشعریہ کا یہ قول منقول ہے کہ: ان کے نزدیک تمام اوصاف میں اشتراک سے مماثلت ثابت ہوتی ہے۔ اور مثیل مماثلت سے زیادہ خاص ہے کیونکہ مماثلت مشابہت اور اس پر کچھ زیادتی کو مستلزم ہے۔ اور شبیہ، مثیل سے اعم اور نظیر سے اخص ہے اور نظیر شبیہ سے اعم ہے۔ کہ مشابہت مماثلت کو مستلزم نہیں کیونکہ کبھی شے کی شبیہ اس کی مماثل نہیں ہوتی، اور کچھ نظیر مشابہ نہیں ہوتی۔

باب النحو

خلاصہ کلام یہ کہ مماثلت تمام وجوہ میں مساوات کو چاہتی ہے اور مشابہت ان میں سے اکثر وجوہ میں مساوات کو چاہتی ہے اور نظیر کے لئے ایک وجہ میں بھی مساوات کافی ہے۔

سوال.....اس حدیث میں الجنۃ کا لفظ منصوب ہے یا کہ مرفوع؟

مَنْ شَهِدَ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَ الْجَنَّةُ حَقٌّ.

(الحاوی الفتاوی، الفتوی النحویۃ الخ، مسائل متفرقۃ، الخ، ج:2 ص:324، مطبوعہ: ایضا)

جواب..... یہ لفظ منصوب ہے اس جگہ فسادِ معنیٰ کی وجہ سے رفع صحیح نہیں کیونکہ اس حدیث کا یہ مطلب ہے کہ جو ان امور کی شہادت دے۔ اگر اس لفظ کو رفع دیا جائے تو رفع اس کو اپنے مطلب سے نکال دے گا اور مشہود بہ میں داخل ہونے سے خارج کر دے گا۔

سوال.....فقہاء کرام کے اس قول میں لفظِ اخذ فاعل ہے یا الوارث کا لفظ فاعل ہے۔

وَ لَا یُمْکِنُ الْوَارِثُ اَخْذَهَا وَ نَحْوَهٗ.

(الحاوی الفتاوی، الفتاوی النحویۃ مسائل متفرقۃ، الخ، ج:2 ص:326، مطبوعہ: ایضا)

جواب.....اس میں پہلے لفظ یعنی الوارث کا فاعل ہونا درست ہے کیونکہ یہ ضابطہ ہے کہ جب فاعل اور مفعول میں اشتباہ پیدا ہو جائے تو اسم ظاہر کو ضمیر کی طرف رد کیا جائے جو اسمِ ظاہر ضمیر متکلم مرفوع کی طرف لوٹے وہی فاعل ہوگا۔ اور جو ضمیر منصوب کی طرف لوٹے وہ مفعول ہوگا۔ ابن ہشام رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اَمْکَنَ الْمُسَافِرَ

السَّفَرُ میں اَلسَّفَرُ کو مرفوع پڑھو گے کیونکہ تم اَمْکَنَنِیْ السَّفَرُ کہتے ہو اور اَمْکَنْتُ السَّفَرَ نہیں کہتے ہو اس سے اَلْعُجْبُ الْکُفَّارَ نَبَاتُہٗ ہے۔

(الحاوی الفتاوی، الفتاوی النحویہ مسائل متفرقۃ، الخ، ج:2 ص:326، مطبوعہ: ایضاً)

سوال...... اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اَکْمَلَ حَمْدٍ میں لفظ اکمل کو نصب یا جر کے ساتھ پڑھا جائے؟

جواب...... علامہ الکافیجی رحمہ اللہ نے جر کو جائز بلکہ راجح قرار دیا ہے جس پر انہوں نے دلائل بھی دیئے اور اس موضوع پر ایک کتاب بھی تالیف فرمائی ہے۔ اور امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے نصب کو متعین کیا ہے اور اپنے شیخ علامہ کافیجی رحمہ اللہ کے قول کی تردید میں طویل گفتگو کی ہے۔ اور علامہ سیوطی رحمہ اللہ کا قول ہی حق ہے کیونکہ اکمل مصدر محذوف کی صفت ہے جس کی تقدیر یہ ہے حَمْدًا اَکْمَلَ۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی صفت نہیں جیسا کہ واضح ہے برخلاف شیخ کافیجی رحمہ اللہ کے زعم کے۔

سوال...... شعب الایمان للبیہقی وغیرہ میں یہ حدیث یوں مروی ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

کَمَا تَکُوْنُوْا یُوَلّٰی عَلَیْکُمْ. (جیسے تم ہو گے ایسے تم پر حکمران مسلط کیے جائیں گے)

(الحاوی الفتاوی، الفتاوی النحویہ مسائل متفرقۃ، الخ، ج:2 ص:326، مطبوعہ: ایضاً)

جواب...... یہ ان لوگوں کی لغت کے موافق ہے جو کسی جازم وناصب عامل کے بغیر بھی نون اعرابی کو حذف کر دیتے ہیں اسی کی مثل یہ حدیث بھی ہے:

لَاتَدْخُلُوْا الْجَنَّۃَ حَتّٰی تُؤْمِنُوْا. (تم جنت میں داخل نہ ہو سکو گے جب تک ایمان نہ لاؤ گے۔)

(الحاوی الفتاوی، الفتاوی النحویہ مسائل متفرقۃ، الخ، ج:2 ص:361، مطبوعہ: ایضاً)

یا مذکورہ حدیث میں نون اعرابی لفظ کَمَا کی وجہ سے ساقط ہے جیسا کہ بصریوں کی رائے ہے۔ یا یہ راویوں کی تغییر ہے لیکن یہ جواب نہایت بعید ہے۔

سوال...... مسلم کی اس حدیث کا اعراب کیا ہے؟

وَ الَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ لَا یَسْمَعُ عَنِّیْ اَحَدٌ مِّنْ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ یَھُوْدِیٌّ اَوْ نَصْرَانِیٌّ ثُمَّ یَمُوْتُ وَ لَا یُؤْمِنُ بِالَّذِیْ اُرْسِلْتُ بِہٖ اِلَّا کَانَ مِنْ اَصْحَابِ النَّارِ.

(صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب وجوب الایمان برسالۃ الخ، رقم الحدیث:153، ج:1 ص:134، مطبوعہ: ایضاً)

اور اس جملے کا کیا اعراب ہے؟ مَاجَاءَ نِیْ زَیْدٌ اِلَّا اَکْرَمْتُہٗ.

جواب...... یہ حدیث نحو کے جس قاعدے کے تحت داخل ہے اس قاعدے کو کتاب تسہیل میں بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ: حرف اِلَّا جب نفی میں واقع ہوتا ہے تو اس کے ساتھ فعل مضارع بلاشرط ملا ہوتا ہے یا اس کے

ساتھ وہ ماضی ملی ہوتی ہے جس کے بعد ایک فعل مضارع ہوتا ہے یا وہ ماضی حرف قد کے ساتھ مقترن ہوتی ہے۔ یہ کتاب تسہیل کی شرح میں ان تینوں صورتوں کی مثالیں دی گئی ہیں۔ پہلی صورت کی مثال مَا كَانَ زَيْدٌ اِلَّا يَفْعَلُ كَذَا۔ بیان کی گئی ہے، اور دوسری صورت کی مثال اس آیت کریمہ کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ مَا يَاْتِيْهِمْ مِنْ رَسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ۔ اس آیت میں اِلّا نفی میں واقع ہے اس کے بعد كَانُوْا ماضی ملی ہوئی اس ماضی کے بعد فعل مضارع ہے۔ اور تیسری صورت کی مثال اس شعر کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔

وَمَا الْمَجْدُ اِلَّا قَدْ تَبَيَّنَ اَنَّهٗ　　بِنْدَاءٍ وَحُكْمٍ لَا يَزَالُ مُؤَثَّلاً

اس میں الّا نفی میں واقع ہے اور اس کے بعد ماضی حرف قد کے ساتھ مقترن ملی ہوئی ہے، اس کے بعد فرماتے ہیں کہ ماضی پر قد کے داخل ہونے کی وجہ سے ماضی اس چیز کی محتاج نہیں رہی کہ اس کے بعد کوئی فعل مضارع ہو کیونکہ لفظ قد نے ماضی کو حال کے قریب کر دیا ہے جس کی وجہ سے وہ مضارع کے مشابہ ہو گئی ہے اور مضارع میں اسم کے مشابہ ہونے کی وجہ سے کسی چیز کو شرط قرار نہیں دیا گیا کیونکہ فعل کے نفی کے ساتھ اقتران نے کلام کو كُلَّمَا كَانَ کے معنی میں کر دیا ہے۔ جس کی وجہ سے اس میں دو فعل بن گئے ہیں جیسا کہ كُلَّمَا کے ساتھ دو فعل ہوتے ہیں اگر مَا زَيْدٌ اِلَّا قَامَ کہا جائے جائز نہ ہوگا کیونکہ اہل نحو نے بیان کیا ہے کہ مستثنیٰ کا اسم ہونا یا مؤول بالاسم ہونا ضروری ہے اور فعل ماضی جو لفظ قد سے مجرد ہو اس کا اسم کے مشابہ ہونا بعید ہے اور اَنْشُدُكَ بِاللّٰهِ اِلَّا فَعَلْتَ نفی کے معنی میں نحویوں کے قول شَرٌّ اَهَرَّ ذَانَابٍ کی مانند ہے جس کا معنی ہے مَا اَسْئَلُكَ اِلَّا فِعْلَكَ (میں تجھ سے تیرے فعل کے سوا کچھ نہیں مانگتا) (صاحب التسہیل کی عبارت ختم ہو گئی ہے۔)

يَاْتِيْهِمْ مِنْ رَسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا۔ الخ کے متعلق ابوالبقاء نے فرمایا ہے کہ یہ جملہ يَاْتِيْهِمْ کی ضمیر مفعول سے حال ہے اور وہ حال مقدرہ ہے۔ اور یہ بھی جائز ہے لفظاً یا محلاً یہ جملہ رسول کی صفت ہو۔ (انتہی) سابقہ توضیح سے معلوم ہوا کہ مذکورہ حدیث کی ان دونوں صورتوں پر تخریج ممکن ہے۔ لیکن حالیت والی صورت زیادہ راجح ہے کیونکہ لا کے مابعد کا اس کے ماقبل کے لئے صفت واقع ہونا وجہ ضعیف بلکہ بصریوں اور کوفیوں سب کے نزدیک غیر معروف ہے۔ اس میں صرف زمخشری کا تفرد ہے جس نے زمخشری کو اس وہم میں مبتلا کیا ہے وہ یقیناً حال پر محمول ہے۔ اور ابوالبقاء زمخشری کی اتباع کرنے والا ہے۔

نیز حالیت کی صورت، مذکورہ تمام مثالوں میں جاری ہوتی ہے اور وصفیت کی صورت صرف اُس مثال کے ساتھ خاص ہے جس کے پہلے اسم نکرہ ہے جیسا کہ حدیث پاک میں ہے۔ لیکن مَا جَاءَنِیْ زَيْدٌ اِلَّا اَكْرَمْتُهٗ میں وصفیت ممکن نہیں کیونکہ اس میں الّا سے پہلا اسم نکرہ نہیں۔ لہٰذا اس میں حالیت کی صورت راجح ہے اور یہ حال مقدرہ ہے

جیسا کہ ابوالبقاء نے تصریح کی ہے۔سائل نے جو یہ اعتراض کیا ہے کہ حالیت کی صورت میں شرط و جزاء کے درمیان لازم نہیں رہے گا اور ارادۂ حادثہ کے متعلق کا ارادہ حادثہ سے مخلف جائز ہوگا۔یہ اعتراض تخریج حدیث کے مانع نہیں کیونکہ اگر اس کا یہ اعتراض صحیح ہو تو بھی زیادہ سے زیادہ ہمارے لئے حال مقدرہ قرار دینا صحیح نہ ہوگا۔اور قواعد مطلبیہ قواعد نحویہ پر اثر انداز نہیں ہوتے اور اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ حدیث مذکور میں ترتیب شرعی ہے ترتیب عادی نہیں ہے اور مَا جَاءَ نِيْ زَيْدٌ اِلَّا اَكْرَمْتُهٗ میں ترتیب عادی ہے اور ترتیب عادی جیسی ترتیب میں حال مقدرہ کافی ہوتا ہے۔اور اس کا ایک جواب یہ ہے کہ معترض نے وجہ ترتیب میں جو چیز ذکر کی ہے وہ معنٰی کی تفسیر ہے اور علماء نحو تفسیر المعنی اور تفسیر الاعراب میں تفریق کے قائل ہیں دونوں کے درمیان توافق کا التزام نہیں کرتے۔جیسا کہ حضرت سیبویہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور زمخشری وغیرہ سے بہت مرتبہ اس کا وقوع ہوا ہے۔اور یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ حدیث میں جو جملہ ہے وہ جملہ مستقلہ نہیں حتی کہ یہ سوال کیا جا سکے کہ کیا استثناء پورے جملہ کی طرف راجع ہے یا بعض جملہ کی طرف بلکہ ثُمَّ يَمُوْتُ وَ لَا يُؤْمِنُ کا جملہ پہلے جملہ پر مرتبط ہے جس کے لئے وہ قید ہے اور یہاں لفظ ثُمَّ لفظ فا کی جگہ واقع ہے جو صرف ربط کے لئے ہے نہ کہ تراخی کے لئے۔

سوال...... سبحان اللہ وبحمدہ زنۃ عرشہ میں نصب کی کیا وجہ ہے؟

جواب...... یہاں پر ظرف مقدر ہونے کی وجہ سے نصب ہے یعنی قَدَرَ زِنَةَ عَرْشِهٖ ہے۔جیسا کہ علامہ خطابی وغیرہ نے بیان کیا ہے۔اسی طرح باقی تمام کلمات میں بھی ظرف مقدر ہے۔اور اس ارشاد (وَمِدَادَ كَلِمَاتِهٖ) کا مطلب ہے وہ مقدار ہے جو ان کلمات کا عدد اور کثرت میں وزن کرتی ہے۔اور نہایہ کی عبارت میں اس کا مطلب (مِثْلَ عَدَدِ كَلِمَاتِهٖ) بیان کیا گیا ہے۔اور ایک قول کے مطابق اس کا مطلب وہ مقدار ہے جو ان کلمات کی کثرت کا عدد اور وزن کے لحاظ سے موازنہ کرتی ہے۔اس قسم کی مثالوں سے مراد تقریب ہوا کرتی ہے۔(انتہیٰ)

صاحب نہایہ نے مثل کے لفظ سے مصدر یا وصف کی طرف اشارہ کیا ہے اور قَدَرَ کے لفظ سے ظرف کی طرف اشارہ کیا ہے۔اور "قَدَرَ رِضَا لِنَفْسِهٖ" کا مطلب اس چیز کی مقدار ہے جو اللہ تعالیٰ کو اس کے قائل کی جانب سے راضی کروادے۔ظرف کو حذف کرکے مضاف الیہ کو اعراب میں اس کے قائم مقام کر دیا گیا ہے۔آئمہ نے تصریح کی ہے کہ قدر، مثل اور مقدار کے الفاظ کو ظرفیت کی وجہ سے نصب دیا جاتا ہے اور بعض حضرات نے کہا کہ ان کلمات کو مصدر ہونے کی وجہ سے نصب دیا گیا ہے۔درحقیقت ان کی اصل اس طرح تھی:

عَدَدُ تَسْبِيْحِهٖ وَ تَحْمِيْدِهٖ بِعَدَدِ خَلْقِهٖ وَ مِقْدَارُ مَا يُرْضِيْهِ خَالِصًا وَ ثِقَلُ عَرْشِهٖ وَ مِقْدَارُهٗ وَ مِقْدَارُ كَلِمَاتِهٖ ۔ یا ان کی اصل اس طرح تھی: سَبَّحْتُهٗ تَسْبِيْحًا يُسَاوِيْ خَلْقَهٗ فِي الْعَدَدِ وَ زِنَةَ عَرْشِهٖ فِي الثِّقَلِ وَ مِدَادُ كَلِمَاتِهٖ فِي الْمِقْدَارِ وَ يُوْجِبُ رِضَا لِنَفْسِهٖ.

ان حضرات نے حقیقت سے دور کی بات کی ہے۔ جیسا کہ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے بیان فرمایا ہے۔ کیونکہ یہ تسبیح کا مصدر نہیں بلکہ زنۃ سے فعل ہے یعنی سبحان اللہ ازنہ زنۃ عرشہ۔ اور اس سے معنی فاسد ہو جاتا ہے کیونکہ تسبیح کے وزن کی انشاء مراد نہیں بلکہ قائل کے قول کی انشاء مراد ہے یعنی

اَقُوْلُ سُبْحَانَ اللّٰهِ قَوْلاً كَثِيْرًا مِقْدَارُ زِنَةِ عَرْشِهٖ فِي الْكَثْرِ وَ الْعَظْمَةِ.

(الحاوی الفتاوی، الفتاوی النحویۃ الخ، رفع السنۃ فی نصب الزنۃ، ج:2 ص:343، مطبوعہ: ایضاً)

اور اگر دوسرے کلمہ میں تقدیر تسلیم کی جائے تو عبارت یوں بنے گی اَعُدُّهٗ عَدَدَ خَلْقِهٖ. اس سے عدد تسبیح کی انشاء بنے گی حالانکہ وہ مراد نہیں بلکہ اس سے مراد اَقُوْلُ قَوْلاً عَدَدَ خَلْقِهٖ ہے۔ اور اس کے علاوہ یہ تقدیر رضا نفسہ کے کلمہ میں متعذر ہے کیونکہ اس کی تقدیر بنے گی ارضیہ رضا نفسہ اور یہ تقدیر اس کی ضمیر کے غیر تسبیح کی طرح راجع ہونے کی وجہ سے فاسد ہے کیونکہ زنۃ عرشہ اور عدد کلماتہ میں ضمیر تسبیح کی طرف راجع ہے۔ اس طرح کلمات کے تناسق میں خلل پیدا ہوگا۔ اور اگر یہ فرض بھی کیا جائے کہ رضا لنفسہ کی مذکورہ تقدیر متعذر نہیں ہے تو مداد کلماتہ میں بہر حال تقدیر کا متعذر رہنا لازم آئے گا۔ اور عَدَدَ کی مصدریت فاسد ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اگر اس کو مصدر قرار دیا جائے تو پھر یہ فَعَلَ کے وزن پر ہوگا اور اس صورت میں اس کے اندر فکِ ادغام کی بجائے ادغام کا ہونا لازم ہوگا اور اس کو عدد کی بجائے عدّ پڑھنا لازم ہوگا جیسا کہ اس آیت کریمہ میں ہے: اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا.

اور لفظ عدد کی مصدریت فاسد ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کی تقدیر میں لفظ عدد اور اس کے مابعد پر حرف باء داخل کی گئی ہے۔ جس کا اقتضاء یہ ہے کہ یہ لفظ نزع خافض یا ظرفیت کی وجہ سے منصوب ہے نہ کہ مصدر ہونے کی وجہ سے کیونکہ عدد خلقہ کی مثل پر حرف باء تقدیر سے پہلے داخل نہیں ہوتی ہے۔ پس ان مثالوں میں تقدیر یوں بنے گی

بِعَدَدِ خَلْقِهٖ وَ بِمِقْدَارِ زِنَةِ عَرْشِهٖ وَ رَضَا نَفْسِهٖ.

(الحاوی الفتاوی، الفتاوی النحویۃ الخ، رفع السنۃ فی نصب الزنۃ، ج:2 ص:343، مطبوعہ: ایضاً)

اس کا مطلب یہ ہے اللہ تعالیٰ کی تسبیح غیر منقطع اور دائمی ہو۔

پس امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے اس عبارت سے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ پہلا مصدر ہے دوسرا ظرف ہے تیسرا حال ہے۔ ''الارتشاف'' میں فرمایا ہے کہ سیبویہ نے وزن الجبل اور زنۃ الجبل میں فرق کیا ہے کہ وزن الجبل سے مراد ہے جو جبل کے مقابل ہو خواہ قریب ہو یا بعید اور زنۃ الجبل سے مراد جبل کے محاذی اور برابر یعنی اس کے متصل ہو اور یہ دونوں لفظ مبہم ہیں ان کے ساتھ فعل کو ملایا جاتا ہے اور ظرف ہونے کی بناء پر منصوب ہو جاتے ہیں۔ المصابیح کی بعض شروح میں ہے کہ زنۃ عرشہ کا مطلب ہے جو مقدار میں عرش کے برابر ہو جیسا کہ کہا جاتا ہے هُوَ زِنَةُ الْجَبَلِ یعنی وزن اور ثقل میں پہاڑ کے برابر ہے۔ اس عبارت میں اس بات کی طرف

اشارہ ہے کہ حدیث کی تخریج ظرفیت کی بناء پر ہے۔اور لفظ عدد پر مصدر کی صفت ہونے کی وجہ سے نصب جائز ہے۔
لیکن لفظ عدد کو صفت قرار دینے کو اس لئے رد کیا گیا ہے کہ یہ یا تو مذکور یعنی سبحان اللہ کی صفت ہوگا اور یہ اس کی صفت
نہیں بن سکتا کیونکہ اس کے اور موصوف کے درمیان بحمدہ کے لفظ کی وجہ سے فصل ہے اور فصل کے باوجود صفت
وموصوف بنا ضعیف ہے یا ممنوع ہے اور دوسری خرابی یہ ہے کہ سبحان اللہ تسبیح کا علم ہے۔نیز سبحان اللہ تسبیح کا علم ہے
جس کی وجہ سے نحوی اس سے کسی شے کی گردان نہیں بناتے۔

پس اس کے جواز وصف میں ابہام ہے یا تو عدد کا لفظ مقدر کی صفت ہوگا جس کی تقدیر یہ ہوگی:
سُبْحَانَ اللّٰهِ تَسْبِيْحًا عَدَدَ خَلْقِهٖ.

(الحاوی للفتاوی، الفتاوی النحویۃ الخ، رفع السنۃ فی نصب الزنۃ، ج:2 ص:343 مطبوعہ: ایضا)

اور اس صورت میں یہ جواز وصف کا محتاج نہیں کیونکہ سبحان اللہ خود لفظاً اس کی تصریح کر رہا ہے۔لہٰذا اس دعوے
کی صحت کے لئے کہ یہ مصدر کا وصف ہے کسی دوسرے مصدر کو مقدر ماننے کی ضرورت نہیں۔کیونکہ جو مصدر لفظاً مذکور
ہے وہ فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے اور جب ایک اور مصدر بھی مقدر مانا جائے تو پھر تین تقادیر لازم آئیں گے
ایک ظاہری مصدر کے فعل کی تقدیر اور دوسری مصدر مقدر کی تقدیر اور تیسری مصدر مقدر کے فعل کی تقدیر۔کیونکہ ایک
فعل دو مصدروں کو نصب نہیں دے سکتا۔

اور اسی طرح کلام کی صحت ایک اور شے کی تقدیر پر بھی موقوف ہوگی کیونکہ تسبیح عین عدد بھی نہیں اور عین وزن بھی
نہیں۔پس یہاں پر مثل کا لفظ مقدر ماننا پڑے گا یعنی مثل العدد اور مثل الزنۃ ہوگا اس صورت میں یہ ظرفیت کی طرف
لوٹے گا۔خصوصاً رضا نفسہ کے کلمہ میں مثل کی تقدیر صحیح نہیں ہوتی۔اور یہاں پر حالیت کی بناء پر نصب صحیح نہیں کیونکہ
اس کی تقدیر اسبح ہے یعنی اَقُوْلُ سُبْحَانَ اللّٰهِ عَادًّا لِخَلْقِهٖ وَمُوْزَانًا لِكَلِمَاتِهٖ بنے گی۔اگر اس کو فاعل سے
حال بنایا جائے تو لفظ عدد اور اس کے مابعد کے الفاظ سبحان اللہ پر جاری ہیں۔اور یہ بات اس کو فاعل سے حال قرار
دینے کے منافی ہے۔اور اگر مفعول سے حال قرار دیا جائے تو پھر یہاں پر مفعول مفعول مطلق ہے اور معہود معروف یہ
ہے کہ حال مفعول بہ سے ہوتا ہے اس لئے یہ امر اس کے مفعول سے حال ہونے کے منافی ہے اور اسکا مضاف الیہ سے
حال ہونا متعذر ہے اور مداد کلماتہ میں ضمیر مستتر کو مقدر ماننا خلاف قاعدہ ہے۔لہٰذا حالیت باطل ہوگی۔

سوال......اس حدیث پاک میں لفظ مریض کے مرفوع ہونے کی کیا وجہ ہے حالانکہ یہ کلام تام موجب سے استثناء ہے:
مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَعَلَيْهِ الْجُمُعَةُ اِلَّا مَرِيْضٌ الخ.
جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس پر جمعہ فرض ہے سوائے مریض کے۔

(الحاوی للفتاوی، الفتاوی النحویۃ الخ، رفع السنۃ فی نصب الزنۃ، ج:2 ص:343 مطبوعہ: ایضا)

جواب...... یہ حقیقت میں منصوب ہے لیکن اس سے الف کو حذف کر دیا گیا ہے اس کی نظیر صحیح مسلم کی ایک حدیث کی شرح میں شارح نے جو فرمایا ہے وہ حدیث میں اس طرح ہے:

وَ اَرٰی مَالِکَ خَازِنِ النَّارِ . (میں دوزخ کے داروغہ مالک کو دیکھ رہا ہوں)

(الحاوی الفتاوی، الفتاوی النحویۃ، الخ، رفع السنۃ فی نصب الزنیۃ، ج:2 ص:343، مطبوعہ: ایضا)

ایک روایت میں اَرٰی مَالِکَ ہے اور یہ لفظ منصوب ہے لیکن کتابت میں الف کو ساقط کر دیا گیا ہے۔ محدثین کثرت کے ایسا کرتے رہتے ہیں سَمِعْتُ اَنَسَ میں انس کو بغیر الف کے لکھتے ہیں اور اسے نصب کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ اس بارے جتنے جوابات دیئے گئے ہیں ان میں سے یہ جواب زیادہ بہتر ہے۔ انتہیٰ

(شرح مسلم کی عبارت ختم ہوئی)

اور بھی جواب اس روایت میں دیا گیا ہے۔ وَلِاَهْلِ نَجْدَةِ قَرن۔ یہاں پر قرن بغیر الف کے ہے حالانکہ یہ منصرف ہے کیونکہ یہ ایک پہاڑ کا نام ہے اسی طرح علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے اس حدیث میں کہ:

وَكَانَ صِدَاقُهُ لِاَزْوَاجِهِ يَسِيرٌ اِثْنَيْ عَشَرَةَ اُوْقِيَةً.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کا مہر بہت کم بارہ اوقیہ تھا۔

(الحاوی الفتاوی، الفتاوی النحویۃ، الخ الاجوبۃ الزکیۃ، الخ، ج:2 ص:348، مطبوعہ: ایضا)

میں نے کہا کہ اس میں لفظ یَسِیر معرب ومنون ہے کیونکہ یہ کَانَ کی خبر ہے لیکن یہاں پر یہ ان لوگوں کی لغت کے مطابق استعمال ہوا ہے جو منون میں بغیر الف کے بذریعہ سکون وقف کرتے ہیں۔

سوال...... وہ کون سا کلمہ ہے؟ جو اسم، فعل اور حرف بنتا ہے۔

جواب...... عَلٰی ایسا کلمہ ہے جو اسم بمعنی فوق ہے اور علو سے فعل ماضی کا صیغہ بنتا ہے اور حرف جر بھی ہے اور کلمہ مِنْ حرف جر ہے اور مَانَ يَمُوْنُ سے فعل امر ہے۔ "فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ" میں اگر من تبعیضیہ ہو تو وہ مفعول بہ کے محل میں واقع ہونے کی وجہ سے اسم ہے اور رزقا مفعول لہٗ ہے اور لَکُمْ رزقا کا مفعول بہ ہے کیونکہ اس صورت میں رزقا مصدر ہے۔ جیسا کہ کشاف میں ہے۔ اور طیبی کے حاشیہ میں ہے کہ جب تم مِنْ کو مفعول تسلیم کرو گے تو جس طرح مِنْ عَنْ يَمِيْنِي میں عَنْ اسم ہے اس طرح یہ بھی اسم ہوگا۔ اور اسی طرح کلمہ فِیْ، حرف جر ہے اور وَفٰی یَفِیْ سے اتباع کے ساتھ امر بھی ہے۔ یعنی فِ، صیغہ واحد مذکر حاضر امر معروف کی زیر کو ذرا کھینچا جائے تو وہ فِیْ بن جائے گا۔ اور فِیْ بمعنی فَم (منہ) حالتِ جر میں اسم ہے۔

سوال...... اسماء اشارہ کی وضع امر کلی کے لئے ہے یا کہ خصوصیات مشترکہ کے لئے؟ اگر امر کلی کے موضوع ہیں تو اس پر

یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اسماء اشارہ کا امر کلی پر اطلاق جائز نہیں کیونکہ ان کا اطلاق صرف خصوصیات پر کیا جاتا ہے ۔ پس ہٰذا بول کر جن کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے اُن میں سے کوئی ایک مراد نہیں لیا جاتا۔ برخلاف رَجُلٌ کے کہ رَجُلٌ بول کر جن پر رجل کا اطلاق ہوتا ہے ان میں سے کوئی ایک مراد لیا جاتا ہے ۔ اور اگر ان کو امر کلی کے لئے موضوع تسلیم کیا جائے تو پھر ان کا خصوصیات پر اطلاق مجاز ہوگا حالانکہ خصوصیات پر ان کے اطلاق کے مجاز ہونے کا کوئی بھی قائل نہیں اور اگر اسماء اشارات کی وضع خصوصیات مشترکہ کے لئے ہے تو اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اس سے ان کا مشترک لفظ ہونا لازم آتا ہے ۔ اور مشترک لفظی کے ساتھ امر کلی کی طرف اشارہ کے ممنوع ہونے کا کوئی بھی قائل نہیں جب ان کے ساتھ امر کلی کی طرف اشارہ کرنا جائز ہوگا تو پھر یہ چیز ان کے خاص کے لئے موضوع ہونے کے منافی ہوگی۔

جواب..... علامہ قرافی رحمہ اللہ نے اس بارے میں سوال ذکر کر کے اس کا جواب دیا لیکن ان کے سوال وجواب کا تعلق مضمر کے بارے میں ہے وہ فرماتے ہیں: فضلاء کا مضمر کے مسمّی میں اختلاف مضمر کا مسمّی جہاں بھی پایا جائے کیا وہ جزی ہے یا کلی ، اکثریت نے فرمایا ہے کہ مضمر کا مسمّی جزئی ہے کیونکہ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے مضمر معرفہ ہے ۔ اگر اس کا مسمّی کلی ہوگا تو مضمر نکرہ ہوتا اور اگر مسمّی کلی ہوتا تو اُس کی شخص معین سے زیادہ عام پر دلالت ہوتی اور قاعدہ عقلیہ یہ ہے کہ اعم پر دلالت کرنے والا اخص پر دلالت کرنے والے کا مغایر ہوتا ہے ۔ پس اس کا یہ نتیجہ نکلے گا کہ مضمر خاص شخص پر ہرگز دلالت نہ کرے ۔ حالانکہ بات ایسی نہیں اور مذکورہ سوال میں سائل کے اس قول کا کہ "اگر امر کلی کے لئے وضع ہے تو اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ الخ" کا مطلب یہی ہے۔

اس کے بعد علامہ قرافی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: علماء کی ایک قلیل تعداد کا یہ مذہب ہے کہ مضمر کا مسمّی کلی ہے اور اس جواب کے صحیح ہونے پر علامہ قرافی رحمہ اللہ نے جزم فرمایا ہے ۔ اور اس پر دلیل یہ ہے کہ اگر مضمر کا مسمّی جزئی ہوتا تو پھر یہ اعلام کی طرح دوسرے شخص پر صادق نہ آتا کیونکہ جب اس کا مسمّی جزئی ہے تو پھر جس کے لئے یہ وضع کیا گیا ہے کے سوا کسی دوسرے پر وہ اس وقت صادق آئے گا جب اس کو دوسری مرتبہ اس کے لئے وضع کیا جائے گا ۔ جب کوئی قائل آنَـــا کہتا ہے اگر یہ لفظ اس قائل کی خصوصیت مِن حیث ھو ھو کے مقابلے میں وضع ہوگا اور اس کی خصوصیت اس کے سوا دوسرے میں موجود نہ ہوگی تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ یہ لفظ اس کے سوا دوسرے پر صرف اسی صورت میں صادق آئے جب اس کو دوسرے کے لئے دوسری مرتبہ وضع کیا جائے ۔ اور اگر یہ لفظ مفہوم متکلم بہا کے لئے وضع کیا گیا ہے تو پھر یہ اس کے اور دوسرے کے درمیان قدر مشترک ہے اور مشترک کلی ہوا کرتا ہے ۔ پس اس لحاظ سے انا کا لفظ ہر اس شخص میں حقیقت ہوگا جو اَنَا بولے گا کیونکہ یہ اسی کا متکلم ہے جو لفظ کا مسمّی ہے ۔ پس یہ اس پر

نفس الامر اور واقع کے مطابق منطبق ہو جائے گا۔

علامہ قرافی رحمہ اللہ اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔ پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ شخص معین پر لفظ کی دلالت کے دو سبب ہیں ایک سبب لفظ کو شخص معین کی خصوصیت کے مقابلے میں وضع کرنا ہے جس سے اس شخص معین کی سمجھ آتی ہے جس کو خصوصیت کے مقابلے میں لفظ موضوع ہے اور یہ وضع علم کی طرح ہے۔ اور دوسرا سبب لفظ کا معنی عام کے مقابلے میں وضع کرنا ہے اور واقع اور نفس الامر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ لفظ کا مسمّی معین شخص پر محصور ہے لہٰذا مسمّی کے شخصِ معین میں منحصر ہونے کی وجہ سے لفظ شخص معین پر دلالت کرتا ہے اور لفظ شخص معین پر اس لئے دلالت نہیں کرتا کہ وہ اس کے لئے وضع کیا گیا ہے۔ اسی طرح باقی مضمرات بھی شخص معین پر دلالت کرتے ہیں اسی سے اس قاعدہ عقلیہ کا جواب بھی آ گیا کہ جو لفظ معنی اعم کے لئے موضوع ہے وہ اخص پر دلالت نہیں کرتا کیونکہ یہاں پر لفظ کی دلالت نہیں بلکہ یہ دلالت مسمّی کے واقعتاً اخص میں منحصر ہونے کی جہت سے ہے۔

(علامہ قرافی رحمہ اللہ کے سوال وجواب کی تلخیص ختم ہوگئی)

علامہ قرافی رحمہ اللہ نے مضمرات کے بارے میں جو گفتگو کی ہے وہی بعینہٖ اشارات میں بھی ہو سکتی ہے۔ سوال میں کہا گیا تھا کہ اسم اشارہ کی وضع معنی کلی کے لئے یا خصوصیات مشترکہ کے لئے ہوتی ہے۔ اگر معنی کلی کے لئے ہے تو پھر اس کا خصوصیات پر اطلاق مجاز ہوگا اور اس کا کوئی قائل نہیں اور اگر اس کی وضع خصوصیات مشترکہ کے لئے ہے تو پھر اس کا مشترک لفظ ہونا لازم آئے گا اور اس کا بھی کوئی قائل نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا تعلق نہ باب مشترک سے ہے اور نہ باب مجاز سے بلکہ اس کا تعلق قدر مشترک کی وضع سے ہے اور وضع برائے قدر مشترک نہ مجاز ہے اور نہ مشترک۔ مثلاً ھٰذا کی وضع ہے اس مشار الیہ کے لئے جو مفرد مذکر خاص ہے یا خاص کے حکم میں ہے۔ اور وہ مفرد مذکر جو خاص کے حکم میں ہے وہ مفہوم کلی ہے اور اس کا خاص میں منحصر ہونے کی وجہ یہ نہیں کہ اس کو خاص کے لئے وضع کیا گیا ہے بلکہ اس لئے منحصر ہے کہ اس وقت متکلم اس کے ساتھ مثلاً زید ہی کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ بعض نحاۃ کے اس قول کا بھی یہی مطلب ہے کہ ضمیر اور اسم اشارہ وضع کے لحاظ سے کلی ہیں اور استعمال کے لحاظ سے جزئی ہیں۔ اس کی نظیر بعض اصولیوں کا وہ قول ہے کہ اَمر وجوب اور ندب کے درمیان قدر مشترک کے لئے موضوع ہے اور وہ قدر مشترک طلب ہے یہ بات انہوں نے مجاز اور اشتراک سے بچنے کے لئے کی ہے کیونکہ اس صورت میں امر کی وضع وجوب اور ندب میں سے ہر ایک کے لئے بھی نہ ہوگی اور نہ ہی ان میں سے صرف ایک کے لئے ہوگی کیونکہ ہر ایک میں استعمال کیے جانے کا احتمال ہے۔ پس امر کی وضع ایسے معنی کے لئے ہے جو ان دونوں میں سے ہر ایک پر صادق آتا ہے اور وہ معنی طلب ہے۔ ایسے ہی مضمر اور اسم اشارہ میں بھی کہا جائے گا کہ ان کی وضع فقط ایک کے لئے نہیں کہ دوسرے میں ان کا استعمال مجاز بن جائے اور نہ ہی ان کی وضع

میں سے ہر ایک کیلئے ہے تاکہ وہ مشترک بن جائے۔ بلکہ اس کی وضع ایسے مفہوم کے لئے ہے جو ہر فرد پر صادق آتا ہے اور وہ مفہوم اس اشارہ میں مفرد مذکر حاضر مشارٌ الیہ ہے اور مضمر میں مفرد متکلم یا غیر متکلم ہے۔

باب اصول الدین

سوال.....ایمان میں تصدیق اجمالی کافی ہے یا کہ نہیں؟ اگر کافی ہے تو پھر علماء وائمہ دین نے ایمان شرعی کی جو تعریف وتفسیر ان الفاظ میں کی ہے کہ: جس کا دینِ محمد ﷺ سے ہونا بالضرورۃ معلوم ہے اس کی تصدیق کرنے کا نام ایمان شرعی ہے۔ اور اگر یہ ایمان شرعی کی تعریف صحیح ہے تو پھر وہ مقدار معلوم کیا ہے جس کا دین سے ہونا قطعی طور پر معلوم ہے؟ اگر اسکا حقیقتِ ایمان ہونا صحیح ہے تو پھر اس سے جہالت وناواقفیت یا اس کے بعض حصہ سے جہالت وناواقفیت ایمان کے لئے ضرر رساں ہے اور اس کی وجہ سے ایمان میں خلل پیدا ہوگا کیونکہ ماہیت کے جزء میں خلل پیدا ہو تو ماہیت میں خلل پیدا ہوتا ہے اور یہ مشکل چیز ہے۔ ایمان کے بارے میں سوال سے مراد یہ ہے کہ وہ کیا چیز ہے جو صرف بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان خالص ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "حِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ" اس سوال سے وہ چیز مراد نہیں جو ایک انسان اور دوسرے انسانوں کے درمیان ہے۔ کیونکہ انسانوں کے خون اور ان کے احوال اور ان کی تکفیر توحید ورسالت کی شہادتوں سے محفوظ ہیں۔ اس سوال کے تسلی بخش جواب سے ہمیں نوازیں۔

جواب.....حقیقتِ ایمان میں آٹھ مذاہب ہیں جن کو صاحب مواقف نے بیان کیا ہے اور مواقف کے شارح نے بھی ان کی اتباع کی ہے ماتن وشارح دونوں فرماتے ہیں: ہمارے نزدیک یعنی شیخ ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ کے متبعین کے نزدیک ایمان نام ہے:

> اَلتَّصْدِيْقُ لِلرَّسُوْلِ فِيْمَا عِلْمٌ مَجِيْئَةٌ بِهٖ ضَرُوْرَةً تَفْصِيْلاً فِيْمَا عِلْمٌ تَفْصِيْلاً وَ اِجْمَالاً فِيْمَا عِلْمٌ اِجْمَالاً۔

> اللہ کے رسول کی ان تمام (اخبار وکلام) میں تصدیق کرنا جن کے متعلق قطعی طور پر معلوم ہے کہ وہ اپنے ہمراہ لائے ہیں۔ تفصیلی طور پر ان چیزوں کی تصدیق کرنا جو تفصیلی طور پر معلوم ہیں اور اجمالی طور پر ان چیزوں کی تصدیق کرنا جو اجمالی طور پر معلوم ہیں۔

یہی اکثر ائمہ مثلاً قاضی عیاض اور استاذ ابواسحاق اسفرائنی وغیرہم کا مذہب ہے۔ اس کے بعد ماتن وشارح نے ایمان سے متعلق کچھ لوگوں کا یہ مذہب نقل کیا ہے کہ ان کے نزدیک صرف اللہ تعالیٰ کی معرفت کا نام ایمان ہے اور کچھ لوگوں کے ہاں اللہ تعالیٰ کی معرفت اور رسل عظام جو کچھ اپنے ہمراہ لائے ہیں اس کی اجمالی معرفت کا نام ایمان

رکھا ہے۔

اور حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک تصدیق مع توحید ورسالت کی شہادت کا نام ایمان ہے۔ اور بعض علماء اور تمام محدثین کے نزدیک تصدیق بالجنان اقرار باللسان اور عمل بالارکان کے مجموعہ کا نام ایمان ہے۔

ماتن کے قول:

تَفْصِیْلاً فِیْمَا عِلْمَ تَفْصِیْلاً وَ اِجْمَالاً فِیْمَا عِلْمَ اِجْمَالاً.

کا مطلب یہ ہے کہ اولاً اور بالذات تصدیق اجمالی واجب ہے۔ جب یہ پائی جائے تو دنیاوی اور اخروی احکام کے لئے کافی ہے اگر کوئی شخص اس کے بعد اور تفصیلات کے علم سے پہلے مر جاتا ہے تو اس کے ایماندار ہونے اور دنیا وآخرت کے احکام کے اجراء کے لئے یہ تصدیق کافی ہے۔ اور اگر اس تصدیق کے بعد زندہ رہتا ہے تو پھر وہ ان تفصیلات کی تصدیق کا مکلف ہوگا جن کا دین سے ہونا قطعی طور پر معلوم ہے خواہ ان کا تعلق عقیدہ سے ہو یا عمل سے کیونکہ ہم ان تفاصیل کی تصدیق کا مخاطب ومکلف میں جن کا دین سے ہونا قطعی طور پر معلوم ہے۔ اس کی دلیل خیر امور ہیں۔

1...... صاحب مواقف رحمہ اللہ نے ایمان کی زیادتی وکمی پر دلائل دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ ایمان کا گھٹنا اور بڑھنا تفصیل تعلق کے اعتبار سے ہے یعنی شارع علیہ السلام جو اخبار واحکام اپنے ہمراہ لے کے تشریف لائے ہیں ان کی تفصیلی تصدیق ایمان کا جزء ہے اور اس پر اسی طرح ثواب ملے گا جس طرح ان کی اجمالی تصدیق پر ثواب ملتا ہے۔

شارح اس کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ یعنی رسول جو کچھ اپنے ہمراہ لائے ہیں اس کے افراد متعدد ہیں اور وہ تصدیق اجمالی میں داخل ہیں جب ان میں سے کوئی ایک اپنی خصوصیت کے ساتھ معلوم ہو جائے یا اس کی تصدیق کی جائے تو یہ تصدیق اس اجمالی تصدیق کے مغائر ہوگی اور ایمان کی جزء ہوگی۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ تصدیقات تفصیلیہ اس اجمال کو قبول کرتی ہیں۔ (شارح مواقف رحمہ اللہ کی عبارت ختم ہوئی)

شرح مواقف کی یہ عبارت اس بات کی صراحت کر رہی ہے کہ ایمان اجمالی تصدیق کے ساتھ متحقق ہو جاتا ہے اگرچہ تصدیق تفصیلی نہ بھی پائی جائے چنانچہ یہ چیز میں نے بیان کی تھی کہ ایمان اجمالی تصدیق کے ساتھ اولاً بالذات متحقق ہو جاتا ہے۔

2...... وہ مذہب صحیح جس کی امام شافعی اور امام ابوحنیفہ وغیرہم ائمہ رحمہم اللہ نے پیروی کی ہے کہ اہل قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہ کی جائے گی۔ اس مذہب پر مواقف اور شرح مواقف میں دلائل ذکر کئے ہیں۔ وہ بھی ہمارے مذکورہ موقف کی تائید کرتے ہیں ان کے دلائل کا خلاصہ درج ذیل ہے کہ:

وہ مسائل جن میں اختلاف ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کا افعال عباد کا عالم ہونا یا موجد ہونا یا اللہ تعالیٰ کا غیر متحیز ہونا اور اللہ تعالیٰ کا جہت سے پاک ہونا وغیرہ۔ نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام نے اور تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس شخص

ے عقیدے کے بارے میں کوئی بحث نہیں فرمائی جس کے مسلمان ہونے کا انہوں نے حکم فرمایا ہے۔ اس سے یہ ثابت
ہوتا ہے کہ ان مسائل میں خطاء حقیقت اسلام میں قادح نہیں۔ اس پر یہ اعتراض نہیں ہوسکتا کہ ممکن ہے رسول اللہ ﷺ
کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ ان کو ان چیزوں کا اجمالی علم ہے اس لئے آپ نے ان کی
بحث نہ فرمائی ہو جیسا کہ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے علم وقدرت کے بارے میں صحابہ کرام کے علم سے بحث
نہیں فرمائی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کے علم وقدرت کا اعتقاد واجب ہے۔

یہ اعتراض اس لئے نہیں ہوسکتا کہ ہم جانتے ہیں کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس چیز کے عالم نہیں تھے کہ اللہ تعالیٰ
عالم بالعلم لا بالذات ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی آخرت میں رؤیت ہوگی۔ اور اللہ تعالیٰ نہ جسم ہے اور نہ مکان وجہت میں
ہے اور وہ بندوں کے تمام افعال پر قادر ہے اور وہ ان کے تمام افعال کا موجد ہے۔

اعتراض کرنے والوں کا یہ کہنا کہ حضور ﷺ نے مذکورہ امور کی بحث نہیں کی، ممکن ہے کہ اس لئے نہیں فرمائی
کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کا علم تھا۔ اس قول کا فساد ہماری سابقہ گفتگو سے بالبداہت معلوم ہو چکا ہے۔ لیکن علم وقدرت
پر ثبوت نبوت موقوف ہے کیونکہ ان دونوں صفات پر معجزہ دلالت کرتا ہے۔ لہذا نبوت کا علم ان دونوں کے علم کی دلیل
ہوگا گو کہ اجمالی علم کی دلیل ہوگا۔ اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے علم وقدرت کی بحث نہیں فرمائی۔

(موقف وشرح مواقف کی عبارت ختم ہوگئی)

مذکورہ عبارت پر غور کیجئے کہ یہ ہمارے مذکورہ موقف کی صریح دلیل ہے کہ ابتداء ایمان میں ان تمام امور کی جن
کا دین میں سے ہونا قطعی طور پر ثابت ہے ان کی اجمالی تصدیق ہی کافی ہے اور امور تفصیلیہ کی تصدیق شرط نہیں۔
البتہ تفصیلی تصدیق اس شخص کے لئے لازم ہے جس کو ان کا تفصیلی علم ہے۔ پس وہ ان امور تفصیلیہ کی تصدیق واذعان
کا مکلف۔ اگر انکی تصدیق اذعان کرتا ہے تو وہ اپنے ایمان پر قائم ہے، ورنہ وہ اسی وقت کافر ہو جائے گا۔

4...... ہمارے موقف کی ایک دلیل آئمہ کرام کا وہ قول بھی ہے جو انہوں نے فراغ کے بارے میں کیا ہے کہ
آخرت میں ایمان کے نافع ہونے کے لئے شرط ہے کہ شہادتین کے نطق کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی
کتابوں اور اس کے رسولوں اور آخرت پر تصدیق قلبی بھی پائی جائے۔ انتہیٰ

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے ہمراہ جو اخبار واحکام لاتے ہیں ان کی اجمالی تصدیق
کافی ہے اس میں تفصیل شرط نہیں ہاں اس وقت تفصیل ضروری ہوگی جب اس کا لحاظ رکھا جائے گا۔

5...... ہمارے موقف کی ایک دلیل محقق کمال ابن ابی شریف رحمہ اللہ کی وہ عبارت بھی ہے جو انہوں نے اپنے
شیخ محقق کمال ابن ہمام رحمہ اللہ کی کتاب "مسایرہ" کی شرح میں رقم فرمائی ہے۔ وہ فرماتے ہیں جمہور اشاعرہ
اور اس کے ماتریدیہ بھی قائل ہیں کہ ایمان فقط تصدیق بالقلب کا نام ہے۔ یعنی دل سے ان امور کی قبولیت واذعان

جن کا دین محمد ﷺ سے ہونا قطعی طور پر معلوم ہے کہ عام لوگ بھی بغیر نظر وفکر اور استدلال کے ان کے دین سے ہونے کا علم رکھتے ہیں مثلاً وحدانیت، نبوت بعث، جزاء، نماز، زکوۃ اور حج کا وجوب، خمر کی حرمت وغیرہ جن میں اجمال کا لحاظ رکھا گیا ہے ان میں اجمالی تصدیق کافی ہے مثلاً فرشتوں، کتابوں اور رسولوں پر ایمان رکھنا۔ اور ان میں تفصیلی تصدیق شرط ہے جن میں تفصیل کا لحاظ ہے مثلاً حضرت جبریل ومیکائیل حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام اور تورات وانجیل وغیرہ حتی کہ جو ان میں کسی ایک کی بھی تصدیق نہ کرے گا تو وہ کافر ہو جائے گا۔ (انتہیٰ)

اس عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جن چیزوں کا دین سے ہونا قطعی معلوم ہے ان کا شعور اگر اجمالی ہے تو وہ ایمان کے لئے اس کی اجمالی تصدیق شرط ہے مثلاً فرشتوں، کتابوں اور رسولوں کی تصدیق اور اگر ان کی تصدیق تفصیلی ہے تو تفصیلی تصدیق شرط ہے۔ مثلاً حضرت جبریل امین، حضرت موسیٰ علیہ السلام، تورات کی تصدیق۔ اور اس مذکورہ عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صحتِ ایمان کے لئے اشیاء مفصلہ کی تصدیق اسی وقت شرط ہے جب ان کا مفصل صورت میں شعور ہوگا۔

5.....ہمارے موقف کی ایک دلیل مواقف کے ماتن وشارح کی یہ عبارت بھی ہے جو چیز حضرت محمد ﷺ کی جانب سے لائے ہیں اس پر ایمان لانا واجب ہے۔ لہٰذا ہر اس عقیدہ وعمل کی تصدیق واجب ہوگی جو آپ ﷺ لائے ہیں۔ عمل کی تصدیق سے مراد عمل کی حقیقت کا عقیدہ رکھنا ہے اور ان دونوں کی تفصیلات بہت زیادہ ہیں۔ کیونکہ کتب کلامیہ میں جو کچھ ہے وہ اعتقادات ہیں۔ اور سنت کے دواوین وکتب میں اعتقادات بھی ہیں اور اعمال بھی۔ پس ان کی اجمالی تصدیق ہی کافی ہے، اور اجمالی تصدیق سے مراد یہ ہے کہ انسان لاالٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ کا اس شرط کے ساتھ اقرار کرے کہ اسکا دل اس کی زبان کے موافق ومطابق ہو اور اسے تسلیم کرے اور تفصیلات میں جس جس کا علم مکلف کو حاصل ہوتا رہے گا اسی قدر اس پر اس کا حق ادا کرنا یعنی اس کی تصدیق کرنا لازم ہوتا جائے گا اس کے بعد اگر مکلف کا جحود وانکار اس کی اطاعت وتسلیم کی نفی کرے مثلاً سنت کو بطور استخفاف ترک کرنے پر مواظبت یا کسی نبی کو قتل کرنا وغیرہ وہ امور جن کو حنفیہ نے اپنی کتب میں ذکر کیا ہے اور ہمارے ائمہ (شوافع) میں اکثر نے فروع میں ان کی اتباع کی ہے یا ایسی چیز جو تکذیب نبی کی موجب ہے مثلاً جس چیز کا دین سے ہونا قطعی معلوم ہے اس کا انکار کرنا۔ اس کا یہ جحود وانکار کفر ہوگا۔ اور اگر اس کا جحود، اطاعت، تسلیم کی نفی نہیں کرتا تو وہ جحود فسق وگمراہی ہوگا۔

اور یہ بات قابل ذکر ہے کہ انکار کی وجہ سے کبھی کافر ہونے میں بارگاہ نبوت میں حاضر اور غیر حاضر دونوں برابر ہوتے ہیں اور کبھی ان میں فرق ہوتا ہے قطعی امر کے انکار سے کافر ہونے میں دونوں برابر ہیں مثلاً حضور ﷺ کی

رسالت اور وجودِ باری تعالیٰ پر ایمان رکھنا۔ اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کے مستحق عبادت ہونے اور الوہیت میں اللہ تعالیٰ کے یکتا و منفرد ہونے اور مخلوق کی تخلیق میں اس کے منفرد ہونے پر ایمان رکھنا کیونکہ وہ "حی"، "علیم"، "قادر" اور صاحب ارادہ ہے اور قرآن کے کلام اللہ ہونے پر ایمان رکھنا اور قرآن کریم جن امور پر مشتمل ہے ان پر ایمان رکھنا یعنی اللہ تعالیٰ کے متکلم سمیع ہے یا اور وہی ان رسولوں کو بھیجنے والا جن کا تذکرہ، اس نے ہم سے نہیں فرمایا اور اللہ ہی آسمانی کتابوں کو نازل فرمانے والا ہے، اور اس کے کچھ معزز و مکرم بندے ہیں جو فرشتوں کے نام سے موسوم ہیں اور اس چیز پر ایمان رکھنا کہ اس نے نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج فرض فرمایا ہے، اور وہی مُردوں کو زندہ فرمائے گا، اور قیامت آنے والی ہے جس میں کوئی شک نہیں اس بات پر ایمان رکھنا کہ اسی نے زنا، شراب اور جوا کو حرام فرمایا ہے پس ان مذکورہ چیزوں میں سے کسی کا بھی انکار دونوں یعنی بارگاہ نبوت میں حاضر اور غیر حاضر دونوں فریقوں کے حق میں کفر ہے۔ لیکن وہ امور جو اخبار احاد کے ذریعہ منقول ہیں مثلاً قبر میں نکیرین کے سوالات، صدقہ فطر کا وجوب وغیرہ امور ان کے انکار میں دونوں کے درمیان فرق ہے۔ پس ان امور کے انکار سے صرف بارگاہ نبوت میں حاضر کافر ہوجائے گا بشرطیکہ وہ نسخ وغیرہ کا دعویٰ نہ کرے۔ کیونکہ بارگاہ نبوت میں حاضر شخص کو ان کے بارہ میں قطعی علم حاصل ہے کہ یہ احکام حضور ﷺ نے بیان فرمائے ہیں کیونکہ اس نے زبان رسالت سے خود سنے ہیں۔ بعض علماء کے نزدیک نکیرین کے سوالات کا انکار دونوں کے حق میں کفر ہے کیونکہ یہ تواتر معنوی سے ثابت ہے لیکن ان علماء کے اس قول کے محمل یہ ہے کہ بارگاہ نبوت سے غائب شخص کے ہاں اگر یہ تواتر سے ثابت ہوجائے اور اس کے بعد وہ اس کا انکار کرے تو کفر ہوا اور اگر اس کے ہاں تواتر کے ساتھ ثابت ہونے سے پہلے اس کا انکار کرتا ہے تو پھر یہ انکار اس کے حق میں کفر نہ ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں انکار کرنے سے نبی ﷺ کی تکذیب نہیں پائی جاتی۔ اس میں زیادہ سے زیادہ راویوں وغیرہ کی تکذیب وتغلیط پائی جاتی ہے، اس لئے اگر اس کے بارے میں یہ معلوم ہوجائے کہ اس نے نکیرین کے سوال کو بطور استخفاف وتحقیر کے رد کیا ہے کہ اس کی تصریح سنت میں پائی جاتی ہے اور قرآن میں نہیں پائی جاتی ہے تو اس کا یہ رد کرنا کفر بن جائے گا۔ اور اسی طرح کسی قطعی غیر ضروری کے انکار سے بھی کافر نہیں ہوگا مثلاً مرنے والے کے ترکہ میں پوتی حقیقی بیٹی کے ساتھ مل کر چھٹے حصے کی حقدار ہے۔ اگر کوئی اس کا انکار کرے تو کافر نہیں ہوگا کیونکہ یہ اگرچہ قطعی ہے لیکن بدیہی اور ضروری نہیں۔ حنفیہ کے ظاہر کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا انکار بھی کفر ہے حنفیوں کے اس قول کو ان اپنے قواعد کی بناء پر اس انکار کرنے والے پر محمول کرنا واجب ہے جس کو علم تھا کہ یہ قطعی ہے اور اس کے باوجود انکار کرے اگر اس کو اس کے قطعی ہونے کا علم نہیں تھا اور انکار کیا ہے تو وہ کافر نہیں ہوگا لیکن وہ شخص اس کے انکار سے کافر ہوجائے گا جس کے سامنے اہل علم نے یہ بیان کیا تھا، اس کا تعلق دین سے ہے اور یہ قطعی ہے اور وہ اس کے باوجود اپنے اوپر واجب چیز میں عناد کے طور پر سرکشی اختیار کرتا ہے تو وہ

کافر ہو جائے گا۔

کیونکہ اِس صورت میں اس سے تکذیب ظاہر ہورہی ہے۔جیسا کہ امام الحرمین کا کلام دلالت کررہا ہے اور یہ چیز بھی پیش نظر رہے کہ ہر وہ دین جو اسلام کے مخالف ہے جمہور شوافع کے نزدیک اس سے برأت کا اظہار کرنا اس شخص کے حق میں شرط ہے جو حضور ﷺ کی رسالت کو عرب کے ساتھ خاص ہونے کا زعم رکھتا ہے۔یہ اس لئے شرط ہے تاکہ اس پر اسلام کے احکام جاری کیے جاسکیں۔یہ برأت اس کے ایمان کے ثبوت اور اللہ تعالیٰ اور اپنے درمیان اس کے ایمان کے ساتھ متصف ہونے کے لئے شرط نہیں کیونکہ اگر وہ حضور ﷺ کی رسالت کے عموم کا عقیدہ رکھتا ہے اور صرف شہادتین کا اقرار کرتا ہے تو وہ مؤمن ہے اور مذکورہ برأت کا یہی مطلب ہے۔

ایک قول کے مطابق مطلقاً برأت شرط نہیں کیونکہ حضور ﷺ نے اہل کتاب کی طرف سے مطلقاً اقرار شہادتین کو کافی قرار دیا ہے۔اس دلیل کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ ہر وہ شخص جو رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر تھا اور اس نے آپ ﷺ کی زبان اقدس سے عموم رسالت کا دعویٰ سنا اور اس کے بعد اس نے یہ شہادت دی کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو اس سے خود بخود یہ لازم آگیا کہ اس نے ہر اس چیز کی اجمالی تصدیق کی جس کا آپ ﷺ نے دعویٰ فرمایا ہے اور ہر اُس چیز کی تفصیلی تصدیق کی جس کا اسے تفصیلی طور پر علم تھا۔

برخلاف اُس شخص کے کہ جس نے حضور ﷺ کی زبانِ اقدس سے عموم رسالت کا دعویٰ نہیں سنا ممکن ہے کہ وہ اس دعویٰ کے تواتر سے لاعلم ہو اس لئے اس پر لازم ہے کہ وہ اپنی زبان سے سابقہ برأت کا اظہار کرے۔

اور وہ مذکورہ تفصیلات جو شہادتین کے تحت داخل ہیں ان میں سے بعض میں اہلِ علم کا اختلاف ہے کہ کیا ان کی تصدیق مسمی ایمان میں داخل ہے یا کہ نہیں؟ اگر داخل ہیں تو ان کا منکر کافر ہو جائے گا اور اگر داخل نہیں تو ان کا انکار کرنیوالا کافر نہیں ہوگا۔اس اختلاف سے تعلق رکھتا ہے جو بعض عقائد میں مخالف شخص کی تکفیر کے بارے میں اہل سنت کا اختلاف۔

اہل سنت کا اس شخص کے کفر پر اتفاق ہے جو معلوم بالضرورۃ بعض اصول کا مخالف ہے۔اور اس اتفاق کے باوجود بعض عقائد میں مخالف کی تکفیر میں اختلاف ہے۔اور یہ اختلاف اسی مذکورہ اختلاف سے تعلق رکھتا ہے۔معلوم بالضرورۃ بعض اصول میں مخالفت کی مثال عالم کے قدیم ہونے اور حشر اجساد کی نفی کے متعلق اور اللہ تعالیٰ کے عالم بالجزئیات ہونے کی نفی اور اللہ تعالیٰ کے فاعل بالاختیار ہونے کی نفی وغیرہ کا قائل ہونا ہے۔جو اس طرح کے معلوم بالضرورۃ اصول کا منکر ہے اس کے کفر پر اہل سنت کا اتفاق ہے۔برخلاف ان عقائد کے جو اس طرح ضروری طور پر معلوم نہیں مثلاً اثباتِ صفات کے باوجود ان کے مبادی کی نفی کرنا جیسا کہ معتزلی قائل ہیں اور خیر و شر دونوں کے لئے ارادہ اسی کے عموم کی نفی کرنا اور خلق قرآن کا قائل ہونا۔ایک جماعت نے فرمایا کہ یہ کفر ہے اور جمہور متکلمین، فقہاء

اور اشعری کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ یہ کفر نہیں ۔ (شارح اور ماتن کی عبارت ختم ہوگئی)

سوال کے جواب میں ہم نے سابقاً جو کچھ بیان کیا تھا مذکورہ عبارت اسکے متعدد مقامات کی تصریح کر رہی ہے، ہم نے بیان کیا تا کہ ابتداء ایمان میں تصدیق اجمالی کافی ہے برخلاف اس کے دوام اور تفصیلات کے علم کے بعد کہ ان میں تفصیلی تصدیق لازم ہے۔

اس تمہید کے بعد ہم سائل کے سوال کا جواب دیتے ہیں کہ ہاں سابقہ شرط کے ساتھ اجمالی تصدیق کافی ہے ۔یعنی تفصیلات کے علم سے پہلے ایمان کے تحقق کے لئے اجمالی تصدیق کافی ہوگی ۔اور تفصیلات کے علم کے بعد تفصیلی تصدیق لازم ہوگی ۔سائل نے کہا تھا کہ اگر تم کہتے ہو کہ اجمالی تصدیق کافی ہے تو پھر علماء نے ایمان کی ان الفاظ کے ساتھ جو تعریف کی ہے کہ هُوَ التَّصْدِيقُ بِمَا عُلِمَ مِنْ دِيْنِ مُحَمَّدٍ بِالضُّرُوْرَةِ تو اس کا کیا مطلب ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس تصدیق کی دو جہتیں ہیں ایک جہت اجمالی ہے جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور نبی اکرم ﷺ کی رسالت کی تصدیق کے تحت داخل ہے ۔یہ تصدیق ہر اس شخص کے لئے کافی ہے جس کو دین کی ضروری و بدیہی تفصیلات میں سے کسی چیز کا علم نہیں ۔اور اس تصدیق کی دوسری جہت تفصیلی ہے ۔اور یہ اس شخص کے حق میں شرط ہے جو ان تفصیلات میں سے کسی کا علم رکھتا ہے تو وہ اس وقت تک مؤمن نہیں ہوگا جب تک وہ ان میں سے جس چیز کو جانتا یا جس کی معرفت رکھتا ہے اسکی تصدیق نہ کرے۔

سائل نے سوال کیا تھا کہ وہ مقدار کتنی ہے جس کا دین سے ہونا بالضرورۃ معلوم ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سابقہ سطور میں اس کے ضابطے کا تذکرہ ہو چکا ہے کہ وہ قطعی اور اتنی مشہور ہو کہ علماء کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے والے عوام پر مخفی نہ رہے کہ نظر و استدلال کے محتاج ہوئے بغیر بالبداھت اس کی معرفت رکھیں اور اس کی کئی مثالیں ہیں۔

عقائد میں اس کی درج ذیل شاخیں ہیں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور الوھیت میں اس کا منفرد ہونا، اپنے اور اپنے شریک وعلامات حادثات سے پاک ہونا مثلاً الوان اور رنگوں سے پاک ہونا اور استحقاق عبودیت میں منفرد ہونا، ایجادِ خلق میں منفرد ہونا اور اپنی حیات وعلم وقدرت اور ارادہ، انزال کتب، اور ارسالِ رسل میں منفرد ہونا، اور اسی کے کچھ معزز ومکرم بندے ہیں جن کو فرشتے کہا جاتا ہے، اور اللہ ہی مُردوں کو زندہ فرمائے گا اور ان کو دار ثواب وعقاب میں جمع فرمائے گا، اور مؤمنین ہمیشہ جنت میں رہیں گے اور کافر ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے ۔اور عالم حادث ہے اور اللہ تعالیٰ کا علم کلیات کی طرح جزئیات کو بھی محیط ہے ۔وغیرہ

ہر وہ خبر جس پر قرآن وسنتِ متواترہ کی ایسی دلالت پائی جاتی ہو کہ جس میں تاویل کا احتمال نہ ہو یا اس پر امت کا اجماع ہو کہ اور اس کا دین سے ہونا بالضرورۃ معلوم ہو ۔اور جہت تفصیلی کی اعمال میں درج ذیل مثالیں ہیں۔

وضو اور تیمم کا وجوب اور جنابت کی وجہ سے غسل کا وجوب اور پیشاب وغیرہ سے طہارت کا ٹوٹنا اور جماع اور حیض

وغیرہ سے جنابت کا پایا جانا۔اور پنجگانہ نمازوں اور انکی تعداد رکعات کا وجوب اور نماز میں رکوع وسجود وغیرہ کا وجوب، اور عمداً حدث سے نماز کا باطل ہونا۔اور جمعہ کا اپنی شروط کی وجہ سے واجب ہونا، جانوروں، کھیتیوں اور روپے پیسے پر بغیر تجارت کے زکوۃ کا واجب ہونا۔اسی طرح صدقہ فطر کا واجب ہونا اگر ہم ابن اللبان کے اختلاف کی رعایت کریں تو (اس کے بعد مجھے معلوم ہو کہ ابن اللبان نے فرمایا ہے کہ صدقہ فطر اور اس کے نصاب کی وہ مقدار جس پر اتفاق ہے اس کا انکار کرنے والا کافر نہیں ہوگا) اور رمضان کے روزوں کا واجب ہونا اور حج وعمرہ کا استطاعت رکھنے والے پر واجب ہونا،اور بیع کا حلال ہونا اور اقرار کی بناء پر مواخذہ کرنا اور حق شفعہ کی وجہ سے مشفوعہ چیز کے اخذ کا حلال ہونا،اجارہ،ہبہ،صدقہ ہدیہ کا حلال ہونا،قریبی رشتہ داروں کے درمیان میراث کا جاری ہونا اور ذوی الفروض کے لئے قرآن مجید میں جو حصص مقرر ہیں ان کی مقدار نکاح کا حلال ہونا،طلاق کا واقع ہونا، قصاص یا دیت کا جاری ہونا،مرتد کے قتل کا حلال ہونا،محصن زانی کو رجم کرنا،اور غیر محصن زانی کو کوڑے مارنا، چور کے ہاتھ کاٹنا، جہاد کا حلال ہونا،ذمیوں سے اخذ جزیہ کا حلال ہونا۔اللہ تعالیٰ کے ساتھ حلف اٹھانا۔امامتِ عظمٰی کو تسلیم کرنا،عتاق اور اس کا نفوذ، حیض ونفاس میں عمداً جماع کا حرام ہونا۔بغیر وضو وغیرہ کے نماز کی ادائیگی کا حرام ہونا،اور رمضان المبارک میں دن کے وقت جماع کا حرام ہونا برخلاف حج کے دوران جماع کے،اور سود،غصب، ظالمانہ ٹیکس کا حرام ہونا۔اور نسب، رضاعت اور مصاہرت کی وجہ سے جو خواتین محارم ہیں ان کے ساتھ نکاح کا حرام ہونا۔اور نکاح میں ماں اور اس کی بیٹی اور دو بہنوں کو جمع کرنے کا حرام ہونا اور تین طلاقوں والی کا حرام ہونا،اور قتل ناحق، زنا کا حرام ہونا اور عمل قوم لوط کا حرام ہونا خواہ یہ عمل اپنے مملوک کے ساتھ کیوں نہ ہو،اگرچہ ایک قول کے مطابق اس کے مرتکب کو حد کی سزا نہ دی جائے گی کیونکہ اس کا ماخذ حرمت کے ماخذ کے مغائر ہے،اور چوری،شراب نوشی، جوا اور غیر اضطراری حالت میں مردار کے کھانے کا حرام ہونا۔جھوٹی شہادت،غیبت،چغلی مسلمانوں کو اذیت دینا وغیرہ کا حرام ہونا۔

لہٰذا تصدیق اعتقادی کا اپنی سابقہ تمام اقسام کے ساتھ اور عملی کا اپنی تینوں قسموں یعنی واجب،حلال اور حرام کے ساتھ دین میں سے ہونا بالضرورۃ معلوم ہے یعنی ان میں سے ہر ایک کی اصل کا دین میں سے ہونا بالضرورۃ معلوم ہے۔اگرچہ عملی کی بعض تفصیلی صورتوں میں اختلاف ہے پس جو ان میں سے کسی ایک کا کلی طور پر انکار کرے یا جو چیز بالاجماع واجب نہیں اس کے وجوب کا عقیدہ رکھے مثلاً کسی چھٹی نماز کے پنجگانہ نماز کے واجب ہونے کی مانند واجب ہونے کا عقیدہ رکھے یا سنن ......اور عیدین کی نماز کی مشروعیت کا انکار کرے یا باقی پنجگانہ فرائض کا اس گمان کے تحت انکار کہ ان کا بیان اجمالی طور پر وارد ہے۔تو ایسا شخص کافر ہو جائے گا ہم نے کہا کہ وہ چھٹی نماز کو پنجگانہ نماز کی طرح واجب ہونے کا عقیدہ رکھے تو اس سے نماز وتر خارج ہوگئی کہ اس کو فرائض کی طرح واجب کوئی نہیں مانتا۔

اعتقادی کا ضابطہ یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کی نفی کرے یا اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی ایسی چیز ثابت

کرے جو صریح عیب ونقص ہے تو وہ کافر ہو جائے گا۔ اور اگر ایسی چیز ثابت کرے جو ملزوم نقص ہے تو کافر نہ ہوگا کیونکہ اصح قول کے مطابق لازم مذہب، مذہب نہیں ہوتا۔

اشکال

علماء کرام نے ایمان کی جو تعریف کی ہے اس تعریف سے اخذ کرتے ہوئے تم نے جو مثالیں بیان کیں ہیں ان پر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ معتدہ کے نکاح کی حرمت کا انکار کفر ہونا چاہیے کیونکہ اس کی حرمت کا دین سے ہونا بالضرورۃ معلوم ہے، حالانکہ ایسا کرنے والا کافر نہیں ہوتا۔

جواب

میں نے شرح الارشاد میں اس مسئلہ کو بیان کیا ہے میں نے اس کے ساتھ علامہ بلقینی رحمہ اللہ کے اس قول کو رد بھی کیا ہے کہ جس میں انہوں نے فرمایا ہے کہ نکاح معتدہ کی حرمت کا انکار کفر ہے کیونکہ اس کا دین سے ہونا بالضرورۃ معلوم ہے علامہ بلقینی رحمہ اللہ کے اس قول کے مطابق مذکورہ اشکال پیدا نہیں ہوتا۔ لہٰذا جو شخص مذکورہ بحث وغیرہ مکفرات کی تحقیق چاہتا ہے تو اس کو ہماری کتاب "الاعلام فی قواطع الاسلام" کا مطالعہ کرنا چاہیے میں نے اس میں مذاہب اربعہ کے نزدیک جو مکفرات پڑھے، ان کی اکثریت کو بیان کیا ہے۔ اور ساتھ ہی میں نے آئمہ (شافعیہ) کے علاوہ دیگر ائمہ مثلاً حنفیہ نے جن کی تصریح فرمائی ہے ان میں سے جو ہمارے مذہب کے قواعد کے موافق ہیں ان کو بھی بیان کیا ہے کیونکہ اس باب میں حنفیہ نے زیادہ وسعت سے کام لیا ہے، اسی طرح قاضی عیاض رحمہ اللہ نے "شفاء" میں اور ان کے علاوہ دیگر علماء نے جو بیان کیا ان کا ذکر بھی میں نے مذکورہ کتاب میں کیا ہے۔

اور یہاں پر یہ جاننا ضروری ہے کہ جس چیز کا دین سے ہونا بالضرورۃ معلوم ہے اس میں شک کرنا اس کے انکار کی طرح ہے۔ اور یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ ہماری گفتگو اس شخص کے بارے میں ہے جو دوسرے مسلمانوں کے ساتھ مخلوط رہتا ہے برخلاف اس شخص کے جس کا دوسرے مسلمانوں سے میل جول نہیں اگر وہ دین کی معلوم بالضرورۃ کسی چیز کا انکار کرتا ہے یا اس میں شک کرتا ہے تو وہ اس وقت تک کافر نہیں ہوتا جب تک اس کے ہاں وہ تواتر کے ساتھ ثابت نہ ہو۔ جیسا کہ ہمارے بعض آئمہ نے اس کی تصریح فرمائی ہے اور اسی سے یہ معلوم ہوا ہے کہ انکار کی وجہ سے کافر جاننے کے لئے اتنی چیز کافی نہیں کہ اس کو ایک شخص یا کئی اشخاص کہ جن کی تعداد حد تواتر کو نہیں پہنچتی ہو یہ کہیں کہ یہ چیز واجب، یا حلال یا حرام ہے۔ بلکہ ضروری ہے کہ اس کے ہاں وہ تواتر سے ثابت ہو جائے اور جب تواتر کے ساتھ ثابت ہو جائے تو پھر اس کے انکار یا اس میں شک کرنے سے کافر ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ اس صورت میں نبی کریم ﷺ کی تکذیب کرنے والا ہے۔

یہ مذکورہ تصریح اہم واعلیٰ دلیل ہے اس بات پر کہ ابتداء صحت ایمان کے لئے دین سے معلوم بالضرورۃ تفاصیل شرط نہیں ہیں جیسا کہ سابقا ہم نے بیان کیا ہے۔اس تصریح میں علماء نے فرمایا ہے کہ جس کا دین سے ہونا بالضرورۃ معلوم ہوتواس کے انکار سے بندہ ایمان سے خارج ہوجاتا ہے اس قید سے اس چیز کا انکار خارج ہوگیا جو معلوم بالضرورۃ ہے لیکن وہ غیر دینی ہے کہ اس کا انکار شریعت کے انکار کی طرف راجع نہیں ہوتا مثلاً غزوہ تبوک یا وجود حضرت عمر رضی اللہ عنہ یا شہادت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ وغیرہ کا انکار کرنا کیونکہ اس انکار میں زیادہ سے زیادہ جھوٹ یا عناد پایا جاتا ہے جیسا کہ ہشام اور عباد نے جنگِ جمل اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنے مخالفین کے ساتھ محاربہ کا انکار کیا ہے۔

البتہ اگراس انکار کے ساتھ ان واقعات کونقل کرنے والوں پر اتہام بھی مقترن ہے تو پھر کفر بن جائے گا کیونکہ ان کونقل کرنے والے تمام مسلمان ہیں۔کیونکہ اس طرح کا انکار شریعت کے انکار تک سرایت کرتا ہے۔اوراسی طرح مکہ معظمہ اور کعبہ مکرمہ کا انکار بھی کفر ہے کیونکہ اس سے حج کا ترک، کعبہ کی طرف استقبال وغیرہ ان عبادات کے وجوب کا ترک لازم آتا ہے جن کا اس کے ساتھ تعلق ہے۔

سائل نے اپنے سوال میں یہ کہا ہے کہ اگر یہ صحیح ہے کہ یہ ایمان کی حقیقت ہے تو پھر اس سے جہالت وناواقفیت ایمان کے لئے ضرر رساں ہے اوراس کی وجہ سے ایمان میں خلل پیدا ہوگا۔

اس کا جواب ہماری سابقہ گفتگو سے معلوم ہو چکا ہے کہ معلوم من الدین بالضرورۃ کی تصدیق میں اس کی یا اس کے بعض حصہ کی تفصیلاً تصدیق شرط نہیں۔البتہ وہ شخص جو معلوم الدین بالضرورۃ کا تفصیلی علم رکھتا ہے کہ اس کے ہاں وہ تواتر کے ساتھ ثابت ہے تو اس کی تفصیلاً تصدیق لازم ہوگی ورنہ وہ کافر ہوجائے گا۔لیکن وہ شخص جس نے اس کی کوئی چیز بھی تواتر کے ساتھ ثابت نہیں کی تو اس کے لئے اجمالی تصدیق ہی کافی ہوگی۔جیسا کہ ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ ایسے شخص کا تواتر سے پہلے انکار کرنا کفر ہے۔اسی سے سوال کے بقیہ حصے کا جواب بھی معلوم ہوگیا ہے۔

اس کے بعد میں نے امام سبکی رحمہ اللہ کے فتاویٰ کا مطالعہ کیا تو میں نے اس میں دیکھا کہ انہوں نے اس مسئلہ کے متعلق بڑی خوبصورت گفتگو فرمائی ہے اور وہ ہماری سابقہ گفتگو کی تائید کرتی ہے۔تو میں نے ان کے کلام کا خلاصہ یہاں پر کرنا پسند کیا اگر چہ ان کے کلام میں بعض جگہ کافی طوالت ہے۔

علامہ سبکی رحمہ اللہ نے جہاں اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنات کی طرف بھی رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں اور یہ قطعی امور میں سے ہے اسی کلام کے اثناء میں وہ فرماتے ہیں: اس پر ایمان کا وجوب اس معنی میں صحیح ہے کہ جس چیز پر قرآن وسنت اور اجماع دلالت کرتا ہے اس کی تصدیق واجب ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ جنات کی طرف ارسال پر ایمان رکھنا واجب ہے اور ایمان کے لئے اس پر

عقیدہ رکھنا شرط اور کوئی شخص اس پر اعتقاد رکھے بغیر مؤمن نہیں ہوسکتا حتی کہ اس کے سبب کو حاصل کرنا لازم ہوجائے کیونکہ ایک عام انسان جو صرف لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر یقین رکھتا ہے اور اپنی پوری زندگی میں جنات کی طرف ارسالِ رسول کا عقیدہ نہیں رکھتا اور نہ ہی اس کے دل پر کبھی اس کا خیال گزرتا ہے اور نہ ہی وہ اس پر دلالت کرنے والے دلائل میں سے کسی دلیل کی معرفت رکھتا ہے تو وہ مؤمن ہے اسکے علم کے حصول میں تاخیر کی وجہ سے یا اس کے ترک حصول کی وجہ سے وہ گنہگار بھی نہیں ہوگا۔ اگر اس کے علاوہ دوسرے لوگ اس فریضہ کو انجام دے رہے ہیں تو اور محققین علماء میں سے جنہوں نے فرمایا ہے کہ اس پر ایمان رکھنا واجب ہے ان کا یہ قول جو کچھ ہم نے کہا ہے اسی پر محمول ہے۔ کیونکہ ساری شریعت اور تمام وہ چیزیں جو شریعت میں وارد ہیں ان پر اجمالاً ایمان رکھنا واجب ہے۔ اور جن پر تفصیلاً ایمان رکھنا واجب ہے ان میں سے کچھ وہ ہیں جن پر ہر ایک کو ایمان رکھنا واجب ہے یہ وہ چیزیں ہیں جو تمام مکلفین کے لئے عام ہیں۔ مثلاً نماز وغیرہ اور ان میں سے کچھ وہ ہیں جو اس طرح نہیں۔ پس ان پر ایمان رکھنا ان لوگوں پر ہی واجب ہے جو ان کے محتاج وضرورت مند ہیں۔ یا جو ان کو ان کی دلیل کے ساتھ جانتے ہیں اور جس مسئلہ کی ہم تحقیق کررہے ہیں اس کا تعلق اسی دوسری قسم سے ہے۔

(فتاوی سبکی، کتاب العتق، باب جامع، الدلالۃ علی العموم الرسالۃ، ج:2 ص:619، مطبوعہ: ایضا)

علامہ سبکی رحمہ اللہ ایک طویل گفتگو کے بعد فرماتے ہیں کہ:

انسانوں کی چند اقسام ہیں: ان میں سے ایک قسم عام لوگوں کی ہے جن کے دلوں میں اس مسئلہ کا خیال تک نہیں ہوتا، یا خیال تو ہوتا ہے لیکن وہ اپنی جہالت کی وجہ سے اس بارے میں کوئی عقیدہ ونظریہ نہیں رکھتے۔ پس یہ وہ لوگ ہیں جن پر کوئی چیز لازم نہیں کیونکہ یہ اس کے مکلف ہی نہیں۔ لیکن ان کے لئے شرط ہے کہ وہ حضور ﷺ کی رسالت کی مطلق شہادت دیں۔ اور آپ کی رسالت کی تخصیص نہ کریں اور اگر وہ تخصیص کرتے ہوئے یہ کہیں کہ آپ صرف انسانوں کی طرف رسول ہیں تو پھر ایسے لوگوں کے خلاف گفتگو ہوگی اور ان پر اعتراض ہوگا، اور انسانوں میں سے کچھ وہ عام لوگ ہیں جو کسی شبہ یا کسی جاہل کی تقلید کے سبب خلاف حق عقیدہ رکھتے ہیں تو ان کا یہ عقیدہ غلط ہے اور ان پر لازم ہے کہ وہ اس عقیدہ سے دست کش ہوجائیں۔

ایمانِ مقلد کا بیان

اور کچھ انسان وہ ہیں جو اس میں بغیر کسی دلیل کے تعمیم کا عقیدہ رکھتے ہیں خواہ وہ عام انسان ہوں یا فقیہ وہ عقیدہ رکھتے ہیں بلکہ ان کے اس عقیدہ کی بنیاد تقلید محض ہوتی ہے۔ ان کے لئے اتنا ہی کافی ہے وہ گنہگار نہیں ہوں گے۔ کیونکہ اس قسم کے مسائل میں ایجاب یقین پر کوئی دلیل قائم نہیں۔ اور نہ ہی اس قسم کے مسائل پر یقین رکھنا ایمان کی

شرط ہے پس اگر کسی شخص کو اس مسئلہ کے دلائل کا علم نہیں اور اس نے اس مسئلہ میں تقلید ہی پر انحصار کیا ہے تو وہ اس کے لئے کافی ہے اور اس نے تقلید کی وجہ سے جو عقیدہ اپنایا ہے خواہ وہ عقیدہ جازم ہو یا غیر جازم، ان میں کوئی تفریق نہیں۔ کیونکہ تقلید کا لفظ اعتقادِ جازم اور اعتقادِ غیر جازم کے درمیان مشترک ہے اور اس مسئلہ میں اعتقادِ غیر جازم بھی کافی ہے اور وحدانیت وغیرہ کہ جن پر ایمان رکھنا واجب ہے ان میں اعتقادِ غیر جازم کافی نہیں ہوگا البتہ ان میں تقلید محض کی وجہ سے پیدا ہونے والا اعتقادِ جزم کافی ہوگا۔

ایسے شخص پر لازم ہے کہ وہ یا تو دوسرے لوگوں سے اس بارے میں سوال کرے یا خود تحقیق کرے تاکہ اس پر حق واضح ہو جائے، اور اس غلط عقیدہ پر اصرار کرنے کی وجہ سے گناہ کا مرتکب ہو رہا ہے کیونکہ یہ مسئلہ اصول الدین سے تعلق رکھتا ہے جس میں غلطی کی کوئی گنجائش نہیں۔ فقیہ اور عالم بھی اگر اس میں کسی شبہ یا تقلیدِ جاہل کی وجہ سے خلافِ حق عقیدہ رکھے تو وہ بھی عام انسان کی طرح گنہگار ہے بلکہ وہ اس مسئلہ میں عام انسان ہی ہے اور ان دونوں کے بارے میں یہ حکم ہے کہ وہ صرف گنہگار ہیں اور ان کا ایمان صحیح ہے بشرطیکہ انہوں نے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی مطلق شہادت دی ہے۔ تو اور اگر انہوں نے اس شہادت میں تخصیص کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ حضور ﷺ صرف انسانوں کی طرف رسول ہیں تو پھر ان کے کفر کا خوف ہے۔ کیونکہ شارع نے اسلام کو شہادت مطلقہ کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ کیونکہ جمہور علماء کے نزدیک مقلد کا ایمان صحیح ہے۔ اس میں معتزلہ میں ابو ہاشم اور دیگر بہت سارے علماء کا اختلاف ہے وہ اس کو اعتقادِ خطاء قرار دیتے ہیں اور ان کا نظریہ یہ ہے کہ مقلد کا ایمان صحیح نہیں ہوتا ہے۔ میں نے یہ مسئلہ اپنے ایک فتویٰ میں بیان کرتے ہوئے یہ تحقیق کی ہے کہ انسانوں کے تین طبقات ہیں۔

1...... اعلیٰ درجہ کا طبقہ...... یہ اہلِ معرفت اور تفصیلی استدلال پر قدرت رکھنے والوں کا طبقہ ہے یہ علماء کا طبقہ ہے اور ان لوگوں کا طبقہ ہے جو اجمالی استدلال پر قدرت رکھنے والے ہیں یہ عوام کا طبقہ ہے اس میں عام لوگوں کی کثیر تعداد شامل ہے۔ اس طبقہ کے لوگوں کے ایمان کے صحیح ہونے میں کوئی شک نہیں۔

2...... متوسط طبقہ...... یہ ان لوگوں کا طبقہ ہے جو اپنے عقیدے میں دوسرے لوگوں پر پکا بھروسہ اور پختہ اعتماد رکھتے ہیں ابو ہاشم معتزلی کے سوا کوئی بھی اس طبقہ کی تکفیر کا قائل نہیں۔

3...... ادنیٰ طبقہ...... یہ ایک بہت پست درجہ رکھنے والے انسانوں کا طبقہ ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے عقائد میں بغیر کسی پختگی کے دوسروں کی تقلید کرنے والے ہوتے ہیں۔

ان کے ایمان کی صحت کا سوائے چند شاذ لوگوں کے کوئی بھی قائل نہیں۔ ان میں سے کچھ لوگ تو وہ ہیں جو رسالت مآب ﷺ کی بارگاہ سے غائب ہیں۔ اور ان تک یہ دلائل پہنچ چکے ہیں۔ اور وہ ان میں نظر و فکر پر قدرت رکھنے والے لوگ بھی موجود ہیں تو ان سے اس مسئلہ کے علم اور اس کے دلائل کے علم کا مطالبہ کیا جائے گا اور اس

مطلوب پر ایمان رکھنا ان پر قطعاً لازم ہوگا کیونکہ ان کو اس کا علم حاصل ہو چکا ہے۔ پس یہ ان کے لئے یہ ایسا ہی بن گیا جیسا کہ انہوں نے زبانِ رسالت مآب ﷺ سے خود سنا ہے پس ان پر اس کی تصدیق کرنا قطعاً واجب ہے۔ نبی کریم ﷺ جو کچھ اپنے ہمراہ لائے ہیں ان پر اجمالی ایمان رکھنا تو ہر ایک پر واجب ہے۔ اجمالی ایمان تو اس مسئلہ میں بھی اور اس کے علاوہ پر بھی واجب ہوگا۔ اور غیر عالم کے لئے اس مسئلہ میں اجمالی ایمان رکھنا ہی کفایت کر جائے گا لیکن عالم کے حق میں اس پر اجمالی ایمان رکھنا کافی نہیں ہوگا اور عالم کے حق میں ایمان اجمالی فرض کرنا مشکل بات ہے کیونکہ عالم کا علم جب ان دلائل اور انکی وجہ دلالت کا احاطہ کر لیتا ہے تو اسے علم حاصل ہو جاتا ہے اور اس کے بعد علم کا عالم سے تخلف ممکن نہیں۔

ہاں البتہ اگر کسی شخص کو نظر و فکر کی قوت حاصل ہے اور وہ دلائل کی معرفت اور ان میں نظر و فکر کی قدرت رکھتا ہے اور اس کے باوجود وہ ان میں نظر و فکر نہیں کرتا بلکہ محض تقلید پر انحصار و اکتفاء کرتا ہے تو اس کے متعلق ظاہر یہی ہے کہ وہ اس کی وجہ سے گنہگار نہیں ہوگا اور اس کے لئے تقلید کافی ہوگی، لیکن اگر وہ تقلید بھی نہیں کرتا بلکہ توقف سے کام لیتا ہے اور اس بارے میں وہ کسی بھی چیز کا عقیدہ نہیں رکھتا حالانکہ وہ اس کے ادراک کی قدرت رکھتا ہے تو ایسا شخص محل نظر ہے راجح یہی ہے کہ وہ گنہگار نہیں کیونکہ اس کے وجوب پر کوئی دلیل قائم نہیں برخلاف اس کے کہ وہ خلاف حق عقیدہ رکھے کیونکہ خلاف حق عقیدہ رکھنا اپنی کوتاہی کی طرح ہے اور بغیر کسی دلیل کے اقدام غلطی ہے برخلاف اس شخص کے جو غیر واجب میں توقف سے کام لیتا ہے کیونکہ توقف کرنا کوتاہی بھی نہیں اور بغیر دلیل کے اقدام بھی نہیں۔ لہٰذا توقف سے کام لینے والا گنہگار نہ ہوگا۔ جیسا کہ فروع میں اس کی بحث آئے گی۔

میں کہتا ہوں جو شخص کسی فعل کے حکم کو معلوم کئے بغیر اس فعل کا اقدام کرے تو وہ گنہگار ہوگا اور جو شخص اس سے رکے گا وہ گنہگار نہیں ہوگا۔ اس کے بعد علامہ سبکی نے ایک طویل گفتگو کے بعد فرمایا ہے:

امام الحرمین کے کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا جنات کی طرف ارسال کا ضروریاتِ دین میں سے ہونا بالضرورۃ معلوم ہے۔ امام الحرمین کا یہ قول صحیح ہے کیونکہ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ ہی مقتدیٰ ہیں کیونکہ ہمیں نقل متواتر مفیدِ ضرورت سے معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رسالت کا مطلقاً دعویٰ فرمایا ہے آپ نے رسالت کو نہ کسی خاص قبیلے اور نہ کسی خاص گروہ اور نہ انسانوں کے ساتھ اور نہ ہی جنات کے ساتھ خاص فرمایا ہے بلکہ آپ کی رسالت عام ہے۔

اور پھر ضروریاتِ دین کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جسے عوام و خواص سب جانتے ہیں اور دوسری قسم وہ ہے جو بھی بعض عام لوگوں پر مخفی رہتی ہے۔ اور اس قسم کا بعض عوام سے مخفی رہنا ہمارے اس قول کے منافی نہیں کہ اس کا ضروریاتِ دین میں سے ہونا ہے کیونکہ اس سے ہماری مراد یہ ہے جو شریعت کی ممارست رکھتا ہے۔ تو وہ شریعت

کے اس حصہ کو جان جاتا ہے جس کے سبب اس کو اس کا علم ضروری حاصل ہو جاتا ہے اور یہ علم بعض لوگوں کو اپنی ممارست اور اس کی کثرت یا قلت کے مطابق حاصل ہوتا ہے اور بعض لوگوں کو ممارست نہ ہونے کی وجہ سے حاصل نہیں ہوتا۔ پس قسم اول کا عوام وخواص میں سے جو بھی انکار کرے گا وہ کافر ہو جائے گا کیونکہ وہ نبی کریم ﷺ کی تکذیب کرنے والے کی مانند ہے اسی قسم سے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ کے وجوب کا انکار ہے اور حضور ﷺ کی رسالت کو بعض انسانوں کے ساتھ مخصوص کرنا ہے اور جو شخص آپ ﷺ کی رسالت کا بعض انسانوں کے ساتھ تخصیص کا قائل ہے۔ اس کے کفر میں کوئی شک نہیں اگرچہ وہ آپ ﷺ کے اللہ کے رسول ہونے کا اعتراف بھی کرتا ہو۔ کیونکہ حضور ﷺ کی رسالت کا تمام انسانوں کے لئے عام ہونا ان امور میں سے ہے جن کو عوام اور خواص بالضرورۃ جانتے ہیں کہ یہ ضروریات دین میں سے ہیں۔

اور دوسری قسم کو عوام میں سے اگر وہ شخص انکار کرے جس کو شریعت کی وہ ممارست حاصل نہیں جس کے سبب علم ضروری حاصل ہوتا ہے تو وہ کافر نہیں ہوگا۔ اگرچہ کثرتِ ممارست علماء کے حق میں علمِ ضروری کی موجب ہے۔ اسی قسم سے رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا جنات کے لئے عام ہونا ہے۔ کیونکہ اس کو ہم کتاب وسنت کے دلائل اور امتوں کی تواریخ کی کثرت ممارست کی وجہ سے بالضرورۃ جانتے ہیں۔ اور وہ عام انسان جسے یہ علم حاصل نہیں جب وہ اس کا انکار کرے اور اگر وہ رسالت کی شہادت میں صرف انسانوں کے ساتھ خاص ہونے کی قید لگا دے تو اس کے کافر ہونے کا خوف ہے۔ جیسا کہ سابقاً میں نے بیان کیا ہے۔ اور اگر ایسا انسان لاالٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللہ کی مطلق شہادت دیتا ہے اور وہ اس بات کی خبر نہیں رکھتا کہ جنات کی طرف رسالت کے عموم کا انکار کرنا عمومِ رسالت کے مخالف ہے تو میری دانست کے مطابق اس پر کفر کا حکم نہیں لگے گا۔ لیکن اس کو تعزیری سزا دی جائے گی کہ وہ دین میں گفتگو کر رہا ہے اور دین سے جاہل ہے، اور اس کو حق کا علم حاصل کرنے کا حکم دیا جائے گا تاکہ وہ شبہات زائل ہو جائیں جو اس کے انکار کا موجب بنے ہیں اگر ایسے عام انسان کی طرف سے انکار نہیں پایا جاتا اور نہ ہی وہ اس میں کلام کرتا ہے اور نہ ہی اس بارے میں اس کے دل پر کوئی کھٹکا گزرتا ہے تو اس پر کوئی ملامت نہیں اور نہ اس کو اس کا علم حاصل کرنے کا حکم دیا جائے گا، کیونکہ یہ فرض عین نہیں اور اگر اس کے دل میں اس کے متعلق کوئی شبہ پایا جاتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس بارے میں لوگوں سے پوچھے اور حق کا عقیدہ اپنائے۔ یا باطل کے اعتقاد سے اپنی ذات کو جدا کر دے اور نبی کریم ﷺ کی رسالت کی شہادت دے۔ اس ساری گفتگو سے یہ بات واضح ہوئی کہ عام انسان نہ اس کے قطعی علم کا مکلف ہے اور نہ ہی ظنی کا۔ اور عالم ہی سے اس علم کا مطالبہ کیا جائے گا۔ یہ مسئلہ اگر قطعی ہے لیکن فی نفسہا قطعی ہے کیونکہ اس میں عام انسان کی نسبت قطعیت کا ہونا لازم نہیں۔ عام انسان کی نسبت یہ سارے فروعات کی

لہٰذا الاجماع اس مسئلہ میں اس کے ہاں رسول اللہ ﷺ کا ثقلین (جن وانس) کی طرف مرسل ہونا تواتر سے ثابت ،فروعات کی طرح متواتر وقطعی ہونا کافی ہے ۔جیسا کہ امام الحرمین کے کلام سے ثابت ہوتا ہے ۔(علامہ سبکی رحمہ اللہ کی عبارت ختم ہوگئی ۔)

علامہ سبکی رحمہ اللہ کا یہ کلام ہماری بہت ساری سابقہ تشریحات کے موافق ہونے کے علاوہ دیگر کئی فوائد پر مشتمل ہے ۔اس میں خوب غور وفکر اور مزید تامل مناسب ہے کیونکہ یہ اکثر محصلین اور ان لوگوں پر مخفی ہے جن کا اعتقاد خلاف صواب ہے ۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا عقیدہ

سوال......حنابلہ کے عقائد آپ سے مخفی نہیں ۔کیا حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا عقیدہ ان کے عقائد کی مانند ہے؟

جواب......امام اہل سنت حضرت امام احمد بن حنبل (رحمہ اللہ)، کا عقیدہ اہل سنت و جماعت کے عقیدے کے موافق ہے منکر اور ظالم لوگ اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے جہت ،جسمیت وغیرہ صفات نقص کے قائل ہیں ۔حضرت امام احمد بن حنبل کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ان تمام صفات نقص وعیب سے پاک ہے ۔اس بارے میں حضرت امام احمد بن حنبل کا عقیدہ مبالغہ تامہ پر مشتمل ہے ۔بلکہ آپ کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر اس وصف سے پاک ومنزہ ہے جس میں کمال مطلق نہیں پایا جاتا ۔اور اس کو امام اعظم ومجتہد اعظم کی طرف منسوب جہلاء کے درمیان جو مشہور ہے کہ آپ جہت یا اس کی مثل کسی چیز کے قائل تھے ۔یہ سراسر جھوٹ اور ان کی ذات پہ بہتان وافتراء ہے ۔ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو جنہوں نے حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی طرف یہ منسوب کیا ہے ۔یا جن لوگوں نے آپ پر ان عیوب کی تہمت لگائی ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو محفوظ رکھا ہے ۔

حافظ امام ابوالفرج ابن الجوزی رحمہ اللہ جو حنبلی مذہب کے ان ائمہ میں سے ہیں جو اس قبیح وشنیع عیب سے پاک ہیں انہوں نے بیان فرمایا ہے کہ :ان غلط عقائد میں سے جو بھی چیز حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی طرف منسوب کی گئی ہے وہ سراسر جھوٹ اور آپ کی ذات پر افتراء وبہتان ہے ۔آپ کی عبارات ونصوص اس کے باطل ہونے پر صریح دلالت کرتی ہیں ۔اور آپ کی نصوص صراحتاً یہ بیان کررہی ہیں اللہ تعالیٰ تمام سمات نقص سے منزہ وپاک ہے اس مسئلہ کو جاننا کہ یہ نہایت اہم ہے ۔

ابن تیمیہ اور اس کے شاگرد ابن قیم جوزیہ وغیرہ لوگوں کی کتابوں میں جو کچھ ہے اس سے اپنے آپ کو بچائے رکھیں ،ان لوگوں نے اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنایا ہے ۔اور باوجود علم کے اللہ تعالیٰ نے ان کو گمراہ کیا ہے اور ان کے کانوں اور دلوں پر مہر لگادی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے ۔پس اللہ تعالیٰ کے سوا کون ان کو ہدایت دے

گا؟۔پس ان ملحدوں نے کیسے حدود سے تجاوز کیا۔اور شریعت وحقیقت کی باڑ اور حفاظتی دیوار کو توڑ ڈالا ہے۔اور اس کے باوجود ان کا خیال ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت پر ہیں۔حالانکہ وہ ایسے نہیں ہیں جیسا کہ ان کا خیال ہے بلکہ وہ بہت بڑی گمراہی اور بہت زیادہ قباحت اور بہت بڑی ہلاکت و بہت بڑے گھاٹے انتہائے جھوٹ اور بہتان میں مبتلا ہو چکے ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کی اتباع کرنے والوں کو ذلیل فرمائے اور روئے زمین کو اس قسم کے لوگوں سے پاک فرمائے۔

حضرت غوث اعظم شیخ سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ العزیز کی تصنیف غنیۃ الطالبین میں بعض معاندین نے جعل سازی اور خفیہ سازش سے چیزیں داخل کیں

امام العارفین قطب الاسلام والمسلمین حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی کتاب غنیۃ الطالبین میں مذکورہ مسئلہ سے متعلق جو کچھ واقع ہے اس سے دھوکہ میں مبتلا نہ ہونا کیونکہ وہ ان کی کتاب میں بعض فریب کار اور جعل ساز لوگوں نے جعل سازی اور خفیہ سازش کے تحت داخل کی ہیں۔اللہ تعالیٰ عن قریب ان سے انتقام لے گا۔

حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا دامن اس سے پاک ہے۔اس طرح کا غیر معتبر مسئلہ آپ کے ہاں کیسے مروج ہوسکتا ہے؟ آپ کتاب وسنت اور شافعیہ اور حنابلہ کی فقہ کی شدت سے پیروی کرنے والے تھے۔حتیٰ کہ آپ مذکورہ دونوں مذہبوں پر فتویٰ دیا کرتے تھے۔اس تصلب کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو معارف اور خوارق وکرامات ظاہرہ وباطنہ سے نوازا تھا۔اور آپ کے وہ احوال جن کا ظہور آپ سے ہوا اور جن کو آپ سے تواتر کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔(یہ سب چیزیں اس بات کی دلیل ہیں یہ مسئلہ آپ کی کتاب میں جعل سازی سے داخل کیا گیا ہے۔)

غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی کرامت

آپ کی ان کرامات میں سے ایک کرامت وہ ہے جسے امام یافعی رحمہ اللہ نے منقول کیا ہے۔وہ فرماتے ہیں اس کرامت کا ہمیں صحیح متصل سند کے ساتھ علم ہوا ہے کہ حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ مرغی کا گوشت تناول فرمایا اور اس کی ہڈیاں سامنے تھیں آپ نے اللہ تعالیٰ سے اس مرغی کو زندہ فرمانے کی دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور مرغی کو زندہ فرمایا۔اور وہ اپنے پاؤں پر کھڑی ہو کر آپ کے سامنے اسی طرح چلنے لگی جس طرح ذبح کرنے سے پہلے تھی۔پس اللہ تعالیٰ نے جن پر اس قسم کی کرامات باہرہ کا احسان فرمایا ہے ان کے بارے میں یہ تصور یا وہم کیسے ہوسکتا ہے وہ ان قبائح کے قائل ہوں گے جن کی مثل کا صدور سوائے یہودیوں یا ان کی مثل ان لوگوں کے نہیں ہوسکتا جن میں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے بارے میں جہالت مستحکم ہو چکی ہے اور وہ لوگ

اللہ تعالیٰ کے لئے جو صفات واجب یا جائز یا اللہ تعالیٰ کے لئے محال ہیں ان سے جاہل ہیں۔

سُبْحَانَکَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖۤ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ.

الٰہی پاکی ہے تجھے یہ بڑا بہتان ہے۔ اللہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے کہ اب کبھی ایسا نہ کہنا اگر ایمان رکھتے ہو۔ اور اللہ آیتیں تمہارے لئے صاف بیان فرماتا ہے اور اللہ علم وحکمت والا ہے۔

ہر ذی شعور اور صاحب عقل انسان اس بات کا یقین رکھتا ہے کہ حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ "رسالہ قشیریہ" سے بے خبر نہ تھے آپ اس کتاب سے ضرور مطلع تھے۔ کیونکہ "رسالہ قشیریہ" ایسی کتاب ہے جسے قافلے اپنے ہمراہ لے کر سفر کرتے تھے اور تمام مسلمانوں بالخصوص اہل تحقیق اور اہل معرفت کے ہاں مشہور ومعروف ہو چکی تھی۔ جب آپ اس رسالہ سے ناواقف نہ تھے تو پھر آپ کے بارے میں اس قبیح وشنیع مسئلہ کا وہم کیسے کیا جاسکتا ہے؟ اسی رسالہ میں اس کے اُن بعض راویوں سے جو ہر ملامت وعیب سے سلامتی والی قوم (صوفیاء کرام) کے آئمہ ہیں ان سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ حدیث جہت کے بارے میں میرے دل میں کوئی چیز کھٹکتی تھی جب یہ چیز میرے سے زائل ہوگئی تو میں نے اپنے اصحاب واحباب کو لکھا کہ بے شک میں پوری طرح ابھی مسلمان ہو چکا ہوں۔ اس پر غور کریں اور اس کو غنیمت سمجھیں اللہ تعالیٰ تمہیں حق سمجھنے کی توفیق اور استقامت کی راہوں پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

فقہاء شافعیہ میں سے کسی کے بارے میں ہمیں علم نہیں کہ وہ اس فاسد اور قبیح اعتقاد میں مبتلا ہوا ہو کہ جو بسا اوقات انسان کو کفر تک پہنچا دیتا ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ سوائے علی عمرانی صاحب البیان کے کہ اس کے بارے میں ایسا منقول ہے کہ اس کا یہ عقیدہ تھا شاید یہ اس پر افتراء ہو یا وہ اپنی موت سے پہلے اس عقیدہ فاسدہ سے تائب ہو چکا ہوگا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی کتب سے شرق وغرب کو نفع پہنچایا ہے۔ اور جس کا یہ فاسد عقیدہ ہو اللہ تعالیٰ غالباً اس کے آثار میں سے کسی چیز کو نفع بخش نہیں بناتا۔

کتب کلامیہ کا مطالعہ

سوال..... کتب عقائد کا مطالعہ کیا جائے یا نہ؟

جواب..... جس انسان نے علوم الٰہیہ اور براہین قطعیہ کے مقدمات کا احاطہ نہیں کیا اس کے لئے علم کلام کی مشکل کتابوں کا مطالعہ نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ علم کلام کی مشکل کتابیں عام لوگوں کے قدم پھسلنے کے مقامات ہیں اور ان کو ورطۂ حیرت واوہام میں مبتلا کرنے کا باعث ہیں بلکہ بسا اوقات ان کا مطالعہ کفر صریح اور بدعت

فیح تک پہنچانے کا سبب بن جاتا ہے۔لہذا عقلمند انسان اگر اپنے دین وایمان کی سلامتی چاہتا ہے تو اس کا مطالعہ ترک کردے۔اور اگر مطالعہ کرنا چاہتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس فن کلام وغیرہ کے اس ماہر عالم اور شیخ کی شاگردی اختیار کرے جس کا عقیدہ صحیح اور سلامتی والا ہے۔اور وہ اس عالم کے پاس اس فن کو ابتداء سے پڑھے اور اتنی مقدار پڑھے کہ جس سے اس کا عقیدہ صحیح ہو جائے۔اور اس کے بعد اس میں کھوج لگانا اور گہرائی تک جانا ترک کردے کیونکہ اس میں کھوج لگانا اور گہرائی تک جانا سب سے بڑی گمراہی ہے۔جیسا کہ اس کی طرف امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے۔

حضرت امام ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ وغیرہ آئمہ پر اعتراض اوران کی مخالفت کرنیوالے

سوال......بعض لوگوں نے حضرت امام ابوالحسن اشعری اور امام ابواسحٰق اشعری اور علامہ باقلانی ،علامہ ابن فورک اور امام الحرمین ابوالمعالی اور علامہ الباجی رحمہم اللہ وغیرہ ان ائمہ پر جنہوں نے اصول وعقائد میں کلام کیا ہے اور اہل ہوا کا رد کیا ہے ان پر زبان طعن دراز کرتے ہوئے اعتراض کیا ہے بلکہ بسا اوقات بعض ملحدین نے مبالغہ کرتے ہوئے ان ائمہ کے کفر کا دعویٰ کیا ہے۔کیا یہ ائمہ ایسے تھے جیسا کہ اس معترض وطاعن نے کہا ہے یا کہ نہیں؟

جواب......مذکورہ ائمہ ہرگز ایسے نہیں تھے جس طرح اس خارق ،جھوٹے ،مارق دین ، محارف (محروم)،مجارف (بدنصیب) ضال (گمراہ)،غال (خائن) جاہل ،باطل کی طرف مائل ہونے والے نے کہا ہے۔بلکہ وہ آئمہ دین او علماء مسلمین کے قائدین تھے جن کی اقتداء واجب ہے ان آئمہ نے شریعت کی نصرت وحمایت کا فریضہ اور مشکلات کی توضیح وتشریح کا فریضہ انجام دیا ہے اور گمراہ وکج رو لوگوں کے شبہات کا خوب رد فرمایا ،اور جو اعتقادات ودیانات واجب ہیں ان کی توضیح وتشریح فرمائی۔کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات اوراُن صفات کی معرفت رکھتے تھے اور جو صفات اللہ تعالیٰ کے لئے واجب ہیں یا اللہ تعالیٰ پر محال ہیں یا جو اللہ تعالیٰ کے حق میں جائز ہیں ان سب کا وہ علم رکھتے تھے اور وصول کی معرفت اصول کی معرفت کے بعد ہوتی ہے۔اسی لئے بہت ساری اقوام نے علوم قرآن وحدیث کو فضیلت دی اوران کو مسائل فقہیہ کے حفظ پر مقدم کیا ہے حتی کہ اس چیز نے بعض بادشاہوں کو اس حد تک پہنچایا کہ انہوں نے فقہاء کرام کو ڈرایا اور دھمکایا اور بعض سلاطین نے لوگوں کو ''المدونۃ'' پڑھنے کی وجہ سے حبس بے جا میں رکھا۔اور ''المدونۃ'' کو نذر آتش کیا۔ایک مرتبہ قاضی ابن زرقون کسی امیر کے پاس تشریف لے گئے تو اُس نے لوگوں سے کہا کیا کوئی ایسے انسان باقی ہیں جو اس فقہی مذہب کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتے ہوں تو کسی ظاہری نے کہا ان لوگوں کی ایک قلیل سی تعداد باقی ہے۔وہ امیر اہل مجلس سے مخاطب ہو کر کہنے لگا فقہاء اللہ کے

دین میں بغیر کسی دلیل کے فیصلے کرتے ہیں۔

نجاست کے ساتھ نماز ادا کرنے والے کے بارے میں کہتے ہیں وہ وقت کے اندر نماز کا اعادہ کرے حالانکہ بات ایسی نہیں کیونکہ اگر نجاست کا دھونا واجب ہوتا تو پھر اس پر ہمیشہ اور ہر وقت اعادہ واجب ہوتا خواہ وقت نکل بھی گیا ہو۔ اور اگر ہمیشہ اعادہ واجب نہیں تو پھر وقت کے اندر بھی اعادہ نہیں۔ پس وقت کے اندر اعادہ پر کوئی دلیل قائم نہیں۔ ابن زرقون نے اس کو جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ اس کی دلیل اعرابی کی مشہور حدیث ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ:

اِرْجِعْ فَصَلِّ فَاِنَّکَ لَمْ تُصَلِّ. (لوٹ جا کہ تُو نے نماز نہیں پڑھی)

(مسند احمد، مسند المکثرین من الصحابۃ، مسند ابی ہریرۃ، رقم الحدیث: 9630، ج: 15 ص: 400، مطبوعہ: ایضا)

اس حدیث کے تمام طرق میں اس بات کا کوئی تذکرہ وارد نہیں کہ آپ نے اس اعرابی کو سابقہ نمازوں کے اعادہ کا حکم فرمایا ہو۔ یہ جواب سن کر امیر کو اطمینان ہوا اور اس نے کہا کہ لوگوں کو ان کے مذاہب پر چھوڑ دو۔ پس سوال میں جن ائمہ کرام کا تذکرہ ہے ان کے علم و فضل کا اعتراف کرنا واجب ہے اور یہ حضرات ان ائمہ میں سے ہیں جو حضور ﷺ کی اس حدیث میں مراد ہیں:

یَحْمِلُ هٰذَا الْعِلْمَ مِنْ کُلِّ خَلْفٍ عَدُوْلُه.

اس علم کو ہر بعد میں آنے والی جماعت کے عادل لوگ حاصل کریں گے۔

(مسند البزار، مسند ابی حمزۃ انس بن مالک رقم الحدیث: 9422، ج: 16 ص: 247، مطبوعہ: ایضا)

یہ وہ لوگ ہیں جو دین کو غلو کرنے والوں کی تحریف اور مبطلین کے جھوٹ منسوب کرنے اور جاہلین کی تاویل سے حفاظت رکھتے ہیں۔ ان ائمہ کی گمراہی کا عقیدہ احمق جاہل یا گمراہ بدعتی ہی رکھ سکتا ہے اور انکو فاسق انسان کے سوا کوئی برا بھلا نہیں کہہ سکتا۔ پس جاہل کو تعلیم دینا اور فاسق کو سزا دینا اور بدعتی سے توبہ کا مطالبہ کرنا مناسب ہے ورنہ بعض مالکی ائمہ نے فرمایا ہے کہ ایسے شخص کو اس حد تک کوڑے مارے جائیں کہ اس کی موت واقع ہو جائے۔ جیسا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ضبیع کے ساتھ کیا تھا۔

منقول ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم پر اس شخص کو کثرت کے ساتھ کوڑے برسائے گئے تو اس نے عرض کی اگر تم میرا اعلاج چاہتے ہو تو پھر دوائی بیماری کی جگہ تک پہنچ چکی ہے اور اگر مجھے قتل کرنا چاہتے ہو تو پھر جلدی قتل کر دو، یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو رہا فرما دیا۔

بعض اہل اصول کے قول کا صحیح مطلب

سوال.....بعض اصولیین نے فرمایا ہے کہ دین اصول دین کی معرفت اور اس کی تحقیق سے کامل ہوتا ہے۔ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اصول دین کی معرفت حاصل کرے اور تمام فروع کے علم پر اس کو مقدم رکھے۔ اور جو شخص اس بارے میں ان کی مخالفت کرتا ہے تو وہ بسا اوقات ایسے شخص کو گمراہ اور کافر قرار دیتے ہیں کیا ان کا یہ طرز درست ہے یا کہ نہیں؟

جواب.....ان حضرات نے جو کچھ کیا ہے وہ اپنے اطلاق کے ساتھ صحیح نہیں حضرت امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ ائمہ نے اہل کلام کی تردید فرمائی ہے اور ان کو بدعتی و گمراہ قرار دیا ہے، جس کی تفصیل اپنے مقام پر موجود ہے۔ اسی لئے وہ قول جو سوال میں مذکور ہے ائمہ اشعریہ کا نہیں اور سوائے غبی اور جاہل کے کوئی شخص یہ قول ائمہ اشعریہ کی طرف منسوب نہیں کرسکتا۔ دین اسلام اگر اُن قوانین عقلیہ سے ہی کامل ہوتا جن قوانین کو اصولیوں نے ترتیب دیا ہے تو رسول اللہ ﷺ لوگوں کے سامنے ان کو ضرور بیان فرماتے اور ان کی تبلیغ فرماتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ . (سورۃ المائدۃ، آیت: 67)

جو کچھ بھی آپ کی طرف آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے پہنچا دیجئے۔

جب ہمیں یقین ہے کہ حضور ﷺ نے لوگوں کو اس کی دعوت نہیں دی اور آپ کے صحابہ میں سے کسی نے ایک کلمہ یا ایک سے زائد کلمات اس انداز کے ساتھ بیان نہیں فرمائے ان سے نہ بطور تواتر اور نہ بطور خبر واحد منقول ہیں نہ سند صحیح کے ساتھ اور نہ ہی سند سقیم کے ساتھ منقول ہیں۔

تو معلوم ہوا کہ حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام نے تعلیم کے لئے وہ طریقہ اختیار فرمایا ہے۔ بعض کے لئے زیادہ واضح تھا تاکہ لوگ آسانی کے ساتھ سمجھ سکیں۔ اور یہی وہ طریقہ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ کئی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات میں غور و فکر کرنے کا حکم دیا ہے۔

حضور ﷺ کا اس وقت تک وصال نہیں ہوا جب تک آپ نے لوگوں کو ہر اس چیز کی تبلیغ نہیں فرمائی جو ان کی طرف نازل کی گئی تھی آپ نے ہر نازل شدہ چیز کو لوگوں کے سامنے بیان فرمایا اور خطبہ حجۃ الوداع وغیرہ مقامات میں عوام الناس کی موجودگی میں آپ نے اس کی تبلیغ کا حکم فرمایا۔ آپ کا فرمان ہے:

هَلْ بَلَّغْتُ. (کیا میں نے احکام پہنچا دیئے ہیں)

اور جو کچھ آپ نے حکم دیا یہی دین کا کمال اور اسلام کا اتمام ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ. (سورۃ المائدہ، آیت: 3)

ترجمہ: آج کے دن میں نے تمہارے لئے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنا انعام پورا کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جو کچھ نازل فرمایا اور اپنے نبی ﷺ کی زبانِ اقدس پر جو کچھ بیان فرمایا ہے اور جس پر غور وفکر کی تنبیہ فرمائی ہے اس سے بڑھ کر توحید کے اثبات اور اللہ تعالیٰ کے لئے جو صفات واجب یا جائز یا جو صفات اللہ پر محال ہیں ان پر کوئی حجت نہیں۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ فِیْۤ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ. (پ:26 سورۃ الذاریات، آیت: 21)

(اور اللہ کی بہت سی نشانیاں ہیں) خود تمہارے وجود میں ہی ہیں کیا تم کو سوجھتا نہیں؟۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ نفوس میں اس کی صفت وکاریگری اور اس کی لطیف حکمت کے وہ آثار موجود ہیں جو صانع حکیم کے وجود پر دلالت کرتے ہیں۔اور اس کے قادر، علیم، واحد اور موجد ہونے پر بھی دلالت کرتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز میں ذکر فرمایا ہے کہ:

لَیْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ وَ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ. (پ:25 سورۃ الشوریٰ، آیت: 11)

اس جیسی کوئی چیز نہیں وہ سننے والا، دیکھنے والا ہے۔

انسان جب اپنی ذات اور ان جواہر مدرکہ اور قبض وبسط (سکڑانے اور پھیلنے) والے جوارح اور افعال انجام دینے والے اعضاء مثلاً دانت جو بچے کے دودھ چھڑانے اور کھانے کی ضرورت کے وقت کھانا چبانے کا کام دیتے ہیں اور معدہ جو کھانے کو ہضم کرنے اور اس کو اعضاء اور پٹھوں میں پہنچانے کا کام دیتا ہے۔اور ان کے علاوہ جسم میں موجود تمام عجیب وغریب اجزاء جن کو اہل علم ہی سمجھ سکتے ہیں اور اس میں رکھے ہوئے وہ تمام حقائق جن کو اہل معرفت ہی سمجھ سکتے ہیں۔انسان جب اپنی ذات اور اپنے اندر موجود ان تمام اجزاء کی ترکیب میں غور وفکر کرتا ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید پر دلالت کرنے والی ہیں۔ چنانچہ ان آیات کریمہ میں غور کریں:

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ وَ الْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ......لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ . (سورۃ البقرۃ، آیت: 164)

ترجمہ: یعنی جو لوگ عقل سے کام لیتے ہیں ان کے لئے آسمانوں اور زمین کی ساخت میں، رات ودن کے پیہم ایک دوسرے کے بعد آنے میں الخ۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان عالی شان ہے کہ:

اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ كَیْفَ خُلِقَتْ وَ اِلَی السَّمَآءِ كَیْفَ رُفِعَتْ وَ اِلَی الْجِبَالِ كَیْفَ نُصِبَتْ وَاِلَی الْاَرْضِ كَیْفَ سُطِحَتْ . (سورۃ الغاشیۃ، پارہ: 30)

تو کیا یہ اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ کیسے بنائے گئے؟ آسمان کو نہیں دیکھتے کہ کیسے اٹھایا گیا؟ پہاڑوں کو نہیں دیکھتے کہ کیسے جمائے گئے؟ اور زمین کو نہیں دیکھتے کہ کیسے بچھائی گئی؟

اَفَرَاَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ۔ (سورۃ الواقعۃ، پ:27)

ترجمہ: کیا تم نے غور کیا اور یہ نطفہ جو تم ڈالتے ہو، اس سے بچہ تم بناتے ہو یا اُس کے بنانے والے ہم ہیں؟

تمام اہل عقل اور عام مخاطبین مجادلہ واضحہ کا ادراک رکھتے ہیں، مجادلہ واضحہ کی آیات بے شمار ہیں۔ پس ان آیات میں غور وفکر کرنے اور اللہ تعالیٰ کے افعال کا حکمت پر مبنی ہونے اور طریق حکمت پر جاری ہونے کا مشاہدہ کرنے سے اللہ تعالیٰ کے وجود اور پھر اس کی وحدانیت اور اس کے علم اور اس کی قدرت کاملہ کا یقین حاصل ہو جاتا ہے۔ پس جس کو اس کا یقین ہو جاتا ہے تو وہ جان جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات اس کی کتاب قرآن کریم کے بیان کے موافق ہیں اور اس کو اللہ تعالیٰ کے نبی مرسل اور ان سے ظاہر ہونیوالے معجزات کی صداقت کا یقین ہو جاتا ہے۔ لہٰذا مقصود تک رسائی کے لئے اس طریقہ پر استدلال زیادہ صحیح اور زیادہ واضح ہے۔ اور اسی پر سلف صالحین نے اعتماد کیا ہے۔ کیونکہ یہ نظر عقلی بدیہی ہے جو عقل وعلم کے مقدمات سے مرکب ہے۔ اور اشاعرہ کے طریقہ پر مقصود تک رسائی اگرچہ صحیح ہے لیکن ان کے طریقہ پر عمل کرنے اور نظر وفکر کرنے والے انسان کا فتنہ وآزمائش میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہے اسی لئے سلف صالحین نے اس طریقہ کو ترک کیا ہے انہوں نے اس کو اپنی کوتاہی اور کمزوری کی وجہ سے ترک نہیں کیا کیونکہ وہ اپنے بعد میں آنے والے لوگوں سے زیادہ عقلمند اور زیادہ فہم رکھنے والے تھے۔ اس امت کا بعد میں آنے والا انسان اس کے پہلے لوگ جس راہ پر گامزن تھے ان سے زیادہ ہدایت یافتہ بن کر نہیں آیا۔

عوام میں علم کلام کی تشہیر روکنا حکمرانوں پر لازم ہے

حکمرانوں پر لازم ہے کہ وہ ہر اس شخص کو روکیں جو عام لوگوں کے درمیان علم کلام کی تشہیر کرتا ہے کیونکہ عام لوگ اس کے سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتے اور ان کی کج روی اور گمراہی کا سبب بن جاتا ہے۔ حکمرانوں پر لازم ہے کہ وہ لوگوں کو ان دلیلوں کو سمجھنے کا حکم دیں جن کو قرآن حکیم نے بیان فرمایا ہے اور جن پر قرآن نے تنبیہ فرمائی ہے کہ وہ دلائل واضح ہیں جن کو بداہت عقل کے ساتھ ادراک کیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ ہم نے سابقہ سطور میں انکا تذکرہ کیا ہے اور حکمرانوں پر واجب ہے کہ وہ اس کے بعد لوگوں کو عبادات اور ان عقود کے احکام کا علم اس طریقہ پر حاصل کرنے کا حکم دیں جن کے وہ مکلف ہیں۔ لیکن وہ شخص جو طلب علم میں خوب کوشش کرنے والا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو فہم کا حصہ وافر بھی عطا فرمایا ہے۔ اس پر لازم ہے کہ وہ علم کلام پڑھے۔ جب اس کو اس فن کا ایسا امام ملے جو اس کے

متقل دروازوں کو کھول دے اور اس کے مشکل مسائل کی توضیح وتشریح کرے۔اگر وہ ایسے امام سے علم کلام پڑھے گا تو علم کلام کا پڑھنا اور اسکے حقائق کی واقفیت اس کی دینی بصیرت میں اضافہ کا باعث ہوگی۔اور اسے مخالفین اور بدعتیوں اور دین میں غلو کرنے والوں کے مذاہب کے فساد اور ان کے شبہات کے رڈ کی معرفت حاصل ہوگی اور اس میں کوئی شک نہیں کہ علم میں اس حد تک کمال حاصل کرنا جائز ہے کہ وہ اس حدیث کے عموم کے تحت داخل ہوجائے۔

يَحْمِلُ هٰذَا الْعِلْمَ مِنْ كُلِّ خَلَفٍ عُدُوْلُهُ.

ترجمہ: اس علم کو بعد میں آنے والوں میں سے عادل آدمی حاصل کرے گا۔

(مسند البزار، مسند ابی حمزہ انس بن مالک، رقم الحدیث: 9422،ج:16ص:247،مطبوعہ:ایضا)

اور جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے اُس کو انجام دینے والے کی تکفیر کرنا کفر ہے یا کفر تک پہنچانے والی ہے۔ کیونکہ جو شخص جن عبادات وغیرہ کا مکلّف ہے انکی معرفت حاصل کرنے سے پہلے علم کلام اور اس کے مقدمات میں مشغول ہوتا ہے۔اور ایک مدت تک ان میں اس طرح منہمک رہتا ہے کہ وہ اس عرصہ میں نہ نماز ادا کرتا ہے اور نہ روزہ رکھتا ہے اور نہ حج کرتا ہے۔اور کبھی تو علم کلام اور اس کے مقدمات کا علم حاصل کرنے کے لئے ایک طویل مدت درکار ہوتی ہے پس وہ شخص دین سے باہر ہوجاتا ہے اور مسلمانوں سے نکل جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ شیطان سے ہماری حفاظت فرمائے اور ہمیں سیدھی راہ سے دور نہ فرمائے۔بے شک وہ منعم اور کریم ہے اور اللہ تعالیٰ ہمیں ہمیشہ اس راہ پر قائم رکھے جس پر سلف چلے ہیں اور خلف میں سے صالحین نے جس کو اپنا راستہ بنایا ہے۔آمین۔

فائدہ

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مذکورہ مقالہ امام الحرمین کے الارشاد میں مذکور اس قول کے قریب قریب ہے کہ:

"عاقل بالغ جو سن بلوغ تک پہنچ چکا ہے یا قریب البلوغ ہے اس پر سب سے پہلے یہ لازم ہے کہ وہ اس طرح صحیح نظر وفکر سے کام لے جو اس کے لئے حدوث عالم کے علم کا باعث بنے۔" (انتھی)

ان لوگوں کا مذکورہ خیال درست نہیں کیونکہ امام الحرمین نے جو فرمایا ہے اس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ انہوں نے نظر وفکر کو قوانین کلامیہ کے سیکھنے پر محصور نہیں فرمایا۔ہاں البتہ اس کے قریب قریب علامہ باقلانی کا وہ قول ہے جس میں وہ کہتے ہیں حدوث عالم اور اثبات اعراض کے دلائل اور جواہر کا اعراض سے خالی ہونے کا امتناع اور ایسے حوادث کے ابطال ذکر لازم ہے جن کا اول نہ ہو،اور صانع کے علم پر دلائل اور اللہ تعالیٰ کے لئے جو صفات واجب یا اس کے لئے جائز یا جو اُس پر محال ہیں ان کا تذکرہ اور معجزہ اور صحت رسالت کے دلائل کا تذکرہ اور پھر ان طریقوں کا تذکرہ

لازم ہے جن کے ذریعہ ہم مکلف ہونے تک رسائی حاصل کرسکیں۔ (انتہیٰ)

باقلانی کے اس قول کے مذکورہ مقالہ کے قریب ہونے کی وجہ سے ان پر اعتراض کرتے ہوئے کہا گیا ہے یہ بھی باقلانی کی ہرزہ سرائی ہے۔

علامہ المارزی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ میں نے باقلانی کی اتباع کا ارادہ کیا تو میں نے خواب میں دیکھا گویا کہ میں ایک تاریک سمندر میں ڈوب رہا ہوں تو میں نے اپنے دل ہی دل میں کہا کہ یہ باقلانی کی لغزش ہے۔

علامہ البرزی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے شیخ سے پوچھا کہ المارزی کے مذکورہ قول سے کیا مراد ہے؟ کیا وہ باقلانی کے مذکورہ قول پر تنقید واعتراض کرنا چاہتے ہیں یا کہ اس پر عمل کرنا چاہتے ہیں؟ تو میرے شیخ نے جواب میں فرمایا پہلی چیز مراد ہے اور پہلی دوسری چیز کو مستلزم ہے کیونکہ یہ لایعنی اور بے مقصد چیز میں پڑنا ہے۔

ہمارے ائمہ نے جس چیز کی تصریح فرمائی وہ یہ ہے کہ ہر انسان پر فاسد عقیدہ کے مقابلے میں صحیح عقیدہ کی معرفت حاصل کرنا بطور وجوب عینی کے واجب ہے اور اس میں اہل کلام کے قوانین کو جاننا شرط نہیں کیونکہ دارومدار اعتقاد جازم پر ہے۔ اصح قول کے مطابق خواہ وہ اعتقاد جازم تقلید سے ہی حاصل ہو جائے (تب بھی کافی ہے) لیکن علم کلام کی حجتوں کا علم حاصل کرنا اور ان کے ذریعہ مخالفین کی تردید کرنا فرض کفایہ ہے البتہ اگر کوئی حادثہ ایسا رونما ہو جائے کہ اس کا دفاع کرنا علم کلام یا اس کے آلات سے تعلق رکھنے والی کسی چیز کے سیکھنے پر موقوف ہے تو پھر مخالفین کے ردّ کی خاطر اس کا علم حاصل کرنا اس شخص پر فرض عین بن جائے گا جو اس کی اہلیت رکھتا ہے۔

اعتراض

آپ کا یہ کہنا کہ کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟ حالانکہ علامہ ابن خونیر منداد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: علم کلام کی کتابوں کا مالک بننا اور ان میں اجارہ کا عمل باطل ہے۔ یہ کتابیں جب کسی کو ملیں تو ان کا پانی سے دھو کر یا آگ میں جلا کر تلف کرنا واجب ہے۔ اسی طرح ان کتابوں کو تلف کرنا بھی واجب ہے جو اغانی، اور تماشے کے موضوع پر لکھی گئی ہیں اور متاخرین کے احمق لوگوں کے اشعار پر مشتمل کتابیں اور فلاسفہ کی کتابیں اور گنڈوں اور منتروں پر مشتمل کتابیں تلف کرنا واجب ہے۔ ابن خونیر نے ان پر اکتفا نہیں کیا بلکہ لغت اور نحو کی کتب تک کو تلف کرنا واجب بتایا ہے اور ان دونوں فنوں کی کتب کو تلف کرنے کی وجہ یہ بتائی ہے۔ اہل لغت اور اہل نحو ان علوم کے لئے ایسے امور میں منہمک رہتے ہیں جن کی صحت کو وہ نہیں جانتے۔ اور اس کے بعد وہ فرماتے ہیں علم کلام کی کتابیں گمراہی اور بدعات ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے بارے میں اسماء پر اور قرآن کریم کی غلط تاویل اور اس کی تحریف پر مشتمل ہیں۔ ایسی کتب کا مسلمانوں کے شہروں میں باقی رہنا جائز نہیں تاکہ جاہل لوگ ان کی وجہ سے گمراہ نہ ہو جائیں۔ اگر یہ کہا جائے

کہ ان کتابوں کا بعض حصہ حق ہے کیونکہ تم لوگ بھی اہل کلام کا بعض حصہ ہو۔؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ہم پر الزام ہے ہم اپنے آپ کو نہ کلام کی طرف منسوب کرتے ہیں اور نہ اہل کلام کی طرف، ہم ان سے مبراء و بیزار ہیں۔ اگر کوئی سُنّی انسان علم کلام کے ساتھ مشغول ہو جائے تو وہ بدعتی بن جائے گا۔ سُنّی تو وہ ہے جو سلف صالحین کی طرف منسوب ہے اور تمام سلف صالحین نے اس قسم کے علوم میں مشغولیت سے منع فرمایا ہے اور ان میں مشغولیت رکھنے والے اہل بدعت میں سے ہیں۔ انسان کے بدعتی بننے کے لئے ایک ہی مسئلہ کافی ہوتا ہے چہ جائیکہ وہ اپنے آپ کو شب و روز علم کلام میں ہی مشغول رکھے۔

جواب

ارشاد امام الحرمین کے شارح علامہ ابن برزہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابن خونیر منداد کی طرف یہ نقل باطل ہے یعنی یہ ان کا کلام ہی نہیں، اور بالفرض اگر یہ ان ہی سے منقول ہے تو یہ ان کے ہی خلاف حجت ہے۔ جب تم اشعریہ کے قواعد اور انکے مذاہب کی تحقیق کرو گے تم ان سب کو علم کلام کی طرف راجع و منسوب پاؤ گے بلکہ جو علم التوحید کا انکار کرتا ہے وہ قرآن کا انکار کرتا ہے اور یہ عین کفر اور خسارہ و محرومی ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ امت کے افاضل اور ملت کے علماء یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد آنے والے علماء، مثلاً اشعری، باہلی، قلانسی، محاسبی، ابن خورک اسفرائنی اور باقلانی وغیرہ علماء کرام جو اہل سنت سے تعلق رکھتے ہیں ان کے اقوال کو چھوڑ کر ابن خونیر منداد کی طرف رجوع کیا جائے؟ علماء اہل سنت نے علم الکلام کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

اَیُّھَا الْمُقْتَدِیْ لِیَطْلُبَ عِلْمًا   کُلُّ عِلْمٍ عَبْدٌ لِعَلْمِ الْکَلَامِ

ترجمہ: اے اقتداء کرنیوالے علم حاصل کرنا چاہیے، ہر علم علم الکلام کا غلام ہے۔

قاضی ابوالطیب سے کسی نے کہا کہ ایک گروہ علم الکلام کی مذمت کرتا ہے تو انہوں نے یہ اشعار پڑھے:

عَابَ الْکَلَامَ اُنَاسٌ لَا خَلَاقَ لَھُمْ   وَ مَا عَلَیْہِ اِذَا عَابُوْ مِنْ ضَرَرٍ

ترجمہ: کچھ ایسے لوگ جن کے ہاں کوئی اخلاقی قدریں نہیں علم کلام میں عیب نکالتے ہیں اس سے علم کلام کا کچھ نہیں بگڑتا جب کہ وہ اپنی کسی کمزوری کی وجہ سے اس کو عیب لگائیں تو۔

مَاعَابَ شَمْسُ الضُّحٰی فِی الْاُفُقِ طَالِعَۃً   اَنْ لَا یَرٰی ضَوْءَ ھَا لَیْسَ ذَا بَصَرٍ

ترجمہ: صبح کے وقت جب سورج افق سے طلوع ہو رہا ہو اس کے لئے یہ بات عیب نہیں بن سکتی کہ اس کی روشنی کو نابینا آدمی نہیں دیکھ سکتا ہے۔

اور علم الکلام پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ وہ بدعت ہے کیونکہ سلف نے اس کی طرف توجہ نہیں فرمائی نیز اس میں

مراء، جدال اور شبہات بھی پائے جاتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم یقینی طور پر جانتے ہیں سلف نے اس علم کی طرف توجہ فرمائی ہے۔ان میں حضرت ا/ حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت علی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔اور تابعین میں سے حضرت عمر بن عبدالعزیز، ربیعہ، ابن ہرمز، امام مالک اور امام شافعی رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ نے اس موضوع پر ایک رسالہ بھی تحریر فرمایا ہے اور یہ رسالہ آپ نے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کی ولادت سے پہلے تالیف فرمایا تھا علم کلام کو امام اشعری رحمہ اللہ کی طرف منسوب کرنے کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے پہلے بزرگوں کے مناہج کو واضح کیا ہے اور براہین کی تلخیص فرمائی ہے۔اس موضوع پر سلف کے بعد آنے والے لوگوں نے اپنی طرف سے کوئی نئی چیز ایجاد نہیں کی، صرف القاب اور اصطلاحات وضع کیں ہیں اور یہ تو فنون میں سے ہر فن میں ہوتا رہا ہے۔اور یہ کہنا کہ سلف نے علم کلام میں نظر وفکر سے منع فرمایا ہے۔باطل ہے، سلف نے صرف اہل بدعت جمیہ، قدریہ وغیرہ کے علم میں نظر وفکر سے منع فرمایا ہے اور یہ وہی لوگ ہیں جن کی حضرت امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ سلف نے مذمت فرمائی ہے۔

خلق اعمال میں معتزلہ کی دلیل اور اس کا ردّ

سوال ......معتزلہ خلق اعمال پر قرآن کریم کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں:

اِنَّا كُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ۔ (سورۃ القمر، آیت:49)

ترجمہ: ہم نے ہر چیز تقدیر کے ساتھ پیدا کی ہے۔

جواب......معتزلہ اس آیت کریمہ سے اپنے موقف پر اس لئے استدلال کرتے ہیں کہ ایک قرأت شاذہ میں لفظ کل مرفوع ہے اور خَلَقْنَا کا جملہ محل جر میں شَیْءٌ کی صفت ہے لیکن ان کا یہ استدلال درست نہیں۔کیونکہ لفظ کُلَّ قرأت متواترہ میں منصوب ہے اور یہ اہل سنت کے مذہب ''کہ بندوں کے اعمال اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہیں'' پر دلیل ہے اور رفع والی قرأت میں یہ آیت دونوں مذہبوں میں سے کسی کی بھی دلیل نہیں بنتی۔اور اگر یہ تسلیم بھی کیا جائے کہ خَلَقْنَاهُ کا جملہ شَیْءٌ کی صفت ہے اور بقدر خبر ہے تو تب بھی دونوں کی دلیل نہیں بنتی اور اگر خَلَقْنَاهُ کو خبر اور بِقَدَرٍ کو حال قرار دیا جائے تو پھر یہ اسی چیز کا فائدہ دے گی جس کا تذکرہ نصب والی قرأت دیتی ہے۔یعنی خَلَق پر مخلوق شی، یعنی اقوال، افعال، جواہر اور اعتراض سب کو شامل ہوگا۔نصب کی تقدیر ہوگی اِنَّا كُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنَاهُ اور رفع کی تقدیر ہوگی اِنَّا كُلُّ شَیْءٍ مَخْلُوْقٌ لَنَا حَالٌ کونه متلبسا بقدرتنا علیه یا مخلوق بقدرتنا ہوگی۔کیونکہ بقدر کا لفظ مخلوق کی صفت ہوگا یا خبر بعد خبر ہوگا۔لہٰذا ہر وہ چیز جس پر لفظ شے کا اطلاق صحیح ہے اس پر یہ حکم لگایا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے کیونکہ خلقناہ اس کی خبر ہے۔

اور اس جملہ کا وصفیت کے لئے متعین ہونے پر کونسی دلیل ہے ہم نے مخلوق اس لئے کہا تا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات داخل نہ ہوں کیونکہ وہ دلیل عقلی کی وجہ سے مذکورہ عموم سے خارج ہیں۔لہٰذا اللہ تعالیٰ کی صفات کے سوا جو بھی چیز ہے وہ اپنے حال پر باقی رہے گی اور اس پر اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہونے کا حکم لگایا جائے گا۔

اعتراض

خَلَقْنَاهُ کی وصفیت کا احتمال تمہارے مذکورہ استدلال کے مانع ہے۔

جواب

قرأت نصب ہی قرأت متواترہ ہے اور یہ ہمارے مدعیٰ پر نص ہے اور ہم نے اسی پر سے استدلال کیا ہے اور رفع والی قرأت وصفیت کا احتمال رکھتی ہے۔اور وہ نہ ہمارے موقف کی دلیل بنتی ہے اور نہ معتزلہ کے موقف کی دلیل بنتی ہے لہٰذا ان کا استدلال باطل ہو گیا اور قرأت نصب کی وجہ سے ہمارا استدلال باقی رہا۔اس پر غور کیجئے۔

اللہ تعالیٰ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمانے کا مطلب

سوال......حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کے کلام فرمانے کا کیا مطلب ہے؟ اور کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علاوہ کسی اور کے لئے بھی اللہ تعالیٰ کے کلام کو سننا ممکن ہے؟

جواب......اللہ تعالیٰ کا کلام اگرچہ مخلوق کے کلام کی جنس سے نہیں،لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں اور ملائکہ میں سے جس پر کرم فرماتے ہیں وہ اس کے کلام کو بالواسطہ یا بلا واسطہ سن سکتا ہے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا. (سورۃ الشوریٰ،آیت:51پ:25)

ترجمہ:کسی بشر کا یہ مقام نہیں کہ اللہ اُس سے رُوبرُو بات کرے،اس کی بات یا تو وحی کے طور پر ہوتی ہے یا پردے کے پیچھے سے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے کہ:

وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا . (سورۃ النساء،آیت:164)

ترجمہ:ہم نے موسیٰ سے اس طرح گفتگو کی جس طرح گفتگو کی جاتی ہے۔

بعض مالکی ائمہ نے فرمایا ہے کہ جو اس بات کا انکار کرے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کلام فرمایا ہے اس سے توبہ کرنے کا مطالبہ کیا جائے گا اگر وہ توبہ نہ کرے تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔

متاخرین میں سے بعض علماء نے فرمایا ہے کہ حقیقت میں سارا کلام اللہ تعالیٰ کا ہی ہے اور غیر کی طرف اس کی نسبت مجاز ہے۔کیونکہ کلام اگر قدیم ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور اگر حادث ہے وہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے کیونکہ

اس نے ہی اس کلام کی تخلیق فرمائی ہے اور اسی کے ارادہ سے وہ پیدا ہوا ہے۔اسی لئے امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ متکلم ہے۔اور اشاعرہ کے نزدیک کلام اللہ تعالیٰ کی ذات عالیہ کے ساتھ قائم ہے جس کو کلام نفسی کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے۔معتزلہ اس کے منکر ہیں۔وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے متکلم ہونے کا یہ مطلب ہے اللہ تعالیٰ کلام کا خالق ہے۔اس بات پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کلام فرمایا ہے۔آیات قرآنیہ اس کی تصریح کرتی ہیں۔اور یہ چیز معتزلہ کا رد کرتی ہے کیونکہ اصل عدم مجاز ہے۔

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ کے کلام کو سننے کی صفت کیا تھی۔اہل ظاہر نے کہا کہ ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا ہے لیکن ہم اس میں گفتگو نہیں کرتے ان کا مقصد یہ ہے کہ یہ چیز متشابہات میں سے ہے۔اور باطنیہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے دل میں ایک فہم پیدا فرمایا تھا۔لیکن آپ کے لئے قوت سمع نہیں فرمائی تھی۔اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قلب اطہر میں فہم اور آپ کے کانوں اور پورے جسم میں قوت سمع پیدا فرمائی تھی جس کے سبب آپ نے اللہ تعالیٰ کے کلام کو بغیر کسی آواز اور بغیر کسی دف اور بغیر کسی واسطہ کے سماعت کیا۔

معتزلہ اپنے مذہب پر چلتے ہوئے کہتے ہیں کہ:معتزلہ کلام نفسی کا انکار کرتے ہیں وہ اپنے اس فاسد مذہب کے مطابق کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علی علیہ السلام کے لئے ان کے دل میں ایک فہم پیدا کیا اور درخت میں آواز پیدا کی جس کو انہوں نے سن لیا۔

سوال...... لاالٰہ الااللّٰہ کی خبر مقدر کیا ہے؟اگر ممکن کو خبر مقدر قرار دیا جائے تو پھر یہ وجود باری تعالیٰ کو لازم نہ ہوگی کیونکہ اثبات امکان اللہ تعالیٰ کے وجود کے اثبات کو لازم نہیں۔کیونکہ امکان وجود کو مستلزم نہیں۔ اور اگر موجود کو خبر مقدر تسلیم کیا جائے تو پھر غیر اللہ سے امکان کی نفی لازم نہیں آئے گی۔کیونکہ وجود کی نفی کو امکان کی نفی لازم نہیں۔لہٰذا اس طرح توحید کامل ثابت نہ ہوگی۔

جواب......اس میں کوئی شک نہیں کہ یہاں پر موجودٌ خبر مقدر ہے لیکن موجود مطلقاً نہیں بلکہ اس میں اس بات کا لحاظ ہے کہ اس کا وجود وجوب کے ساتھ اس طرح متصف ہے کہ وہ واجب لذاتہٖ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ایسا موجود نہیں کہ جس کا وجود واجب لذاتہٖ ہو۔اس اعتبار سے کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا بالفرض اس قید کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف موجودٌ پر اکتفاء کیا جائے تو تب بھی اس کی توجیہ ممکن ہے کہ یہ کہا جائے گا کہ ممکن وہ ہے جس کو موجود بالقوۃ سے موسوم کیا جاتا ہے اور جب موجودٌ کو مقدر مانا جائے تو پھر الوہیت کا وجود اپنے تمام اعتبارات کے ساتھ غیر اللہ سے منتفی ہو جائے گا اور اپنے تمام اعتبارات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہو جائے گا۔پس اعتبار کے ساتھ صرف موجود کی تقدیر توحید کامل کے منافی نہ ہوگی بلکہ اس کو ثابت کرے گی جیسا کہ واضح ہے۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب

اعتراض......آپ کی اس توجیہ کے مطابق وجود میں حقیقت ومجاز دونوں کا جمع ہونا لازم آتا ہے۔
جواب......اس میں کوئی حرج نہیں۔
اعتراض......مذکورہ سوال وجواب ان لوگوں کے مذہب کے مطابق ہیں جو اس بات کے قائل ہیں توحید الٰہی پر ایمان عقل کی وجہ سے واجب ہے اور اکثر علماء اس کے مخالف ہیں وہ کہتے ہیں توحید پر ایمان شرع کی وجہ سے واجب ہے؟
جواب......اس بات کو ہم تسلیم نہیں کرتے کہ اس سوال وجواب کا تعلق ان لوگوں کے مذہب سے ہے بلکہ یہ سوال وجواب ان لوگوں کے مذہب کے بھی مطابق ہے جو توحید پر شرع کی وجہ سے ایمان واجب ہونے کے قائل ہیں۔اس پر غور کیجئے۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

مصاحف میں موجود قرآن کے کلام اللہ ہونے کا انکار کرنے والے کا حکم

سوال......ایک شخص نے کہا ہے کہ مسلمانوں کے مصاحف میں موجود قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں اور ان میں موجود الفاظ وہ نہیں جو حضرت جبریل امین علیہ السلام اللہ کی طرف سے لے کر آئے تھے۔بلکہ یہ الفاظ نبی اکرم ﷺ کے الفاظ ہیں۔اللہ تعالیٰ کا کلام صرف احادیث قدسیہ ہیں۔اس قائل کے لئے کیا حکم ہے؟ ہمیں اس بارے میں فتویٰ دیں اللہ تعالیٰ آپ کو اجر عطا فرمائے۔اس مسئلہ کی دلائل اور علماء کے اقوال سے واضح حکم بیان فرمائیں اللہ تعالیٰ آپ کو جنت کی جزاء عطا فرمائے۔امین
جواب......اس شخص کا کلام دو فاسد امروں پر مشتمل ہے۔ایک یہ ہے کہ اس شخص نے الفاظ قرآن سے کلام اللہ ہونے کی نفی کی ہے اور اس کا یہ گمان درست نہیں۔کیونکہ آئمہ اصول کے ہاں تحقیق یہ ہے کہ کلام اللہ کلام نفسی قدیم اور سورتوں اور آیات سے مؤلف لفظ حادث کے درمیان مشترک ہے،کلام نفسی کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی اضافت سے مراد اس کا اللہ تعالیٰ کی صفت ہونا ہے،اور لفظ مؤلف خواہ حضرت جبریل امین علیہ السلام کا ہو یا نبی کریم ﷺ کا۔اس اعتبار سے اس کی اللہ تعالیٰ کی طرف اضافت سے مراد یہ ہے کہ یہ کلام اللہ کی مخلوق ہے اور مخلوق کی تالیف نہیں۔

اور اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ اس لفظ مؤلف سے کلام اللہ کی نفی صحیح نہیں۔اس سے کلام اللہ کی نفی کیسے صحیح ہوسکتی ہے کیونکہ قرآن کریم اعجاز اور تحدی پر مشتمل ہے اور اعجاز وتحدی اللہ تعالیٰ کے کلام میں پائے جاتے ہیں نہ کہ مخلوق کے کلام میں۔لہٰذا مذکورہ شخص کا مصاحف میں موجود الفاظ سے کلام اللہ کی نفی کرنا قبیح جہالت اور صریح غلطی ہے اگر وہ اپنے اس موقف سے باز نہیں آتا تو اس کو تعزیری سزا دی جانی چاہیے۔اور بعض علماء کے کلام میں جو یہ واقع ہے کہ اس نظم کو کلام اللہ کہنا مجازاً اور مؤول ہے۔اس کا مطلب یہ نہیں کہ کلام اللہ نظم مؤلف کے لئے موضوع نہیں بلکہ اس

کا مطلب یہ ہے کہ کلام اللہ حقیقت میں بالذات اس معنی قدیم کا نام ہے جو نفس کے ساتھ قائم ہے۔اور اس کو لفظ کہنا اور اس کو اس لفظ کے لئے وضع کرنا وضع اشتراکی کے طور پر ہے۔کہ یہ لفظ اس اعتبار سے کہ معنی قدیم پر دلالت کرتا ہے کلام اللہ ہے۔لہٰذا وضع اور تسمیہ میں علماء کے درمیان کوئی نزاع نہیں۔اس شخص کا کلام جس دوسرے فاسد امر پر مشتمل ہے وہ یہ ہے کہ اس نے قرآن کریم اور احادیث قدسیہ کے الفاظ کے درمیان فرق کیا ہے حالانکہ اس کا یہ فرق کرنا صرف سینہ زوری ہے جو اس کی لاعلمی اور اُس کے فساد تصور پر مبنی ہے کیونکہ قرآن کریم اور احادیث قدسیہ کے الفاظ کے درمیان کوئی فرق نہیں عنقریب علماء کے اقوال سے اس کی وضاحت آئے گی۔

قرآن کریم کے بارے میں تین اقوال ہیں

خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرآن کریم کی بعض آیات سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن کریم کے الفاظ لوح محفوظ میں مرقوم ومکتوب تھے۔مثلاً اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ o فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ o (سورۃ البروج، آیت:21,22پ:30)

بلکہ یہ قرآن بلند پایہ ہے اس لوح میں (نقش) ہے جو محفوظ ہے۔

اور بعض آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کے الفاظ نبی کریم ﷺ کے الفاظ ہیں کیونکہ قرآن کریم حضور ﷺ کے قلب اقدس پر نازل ہوا ہے اور حضور ﷺ کے قلب اقدس پر نازل ہونے والی چیز معنی تھی نہ کہ الفاظ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ o عَلٰى قَلْبِكَ . (سورۃ الشعراء، آیت:193,94)

ترجمہ: اسے روح الامین لے کر اترا، تمہارے دل پر کہ تم ڈر سناؤ۔

اور بعض آیات ...... ہیں کہ قرآن کریم کے الفاظ وحی لانے والے فرشتے کے الفاظ ہیں۔چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ . (سورۃ التکویر، آیت:19پ:30)

ترجمہ: بے شک یہ عزت والے رسول کا پڑھنا ہے۔

اسی لئے اس بارے میں علماء کرام کے بادی الرائے میں تین مختلف اقوال ہیں۔اسی لئے محقق سعد الدین تفتازانی رحمہ اللہ نے "شرح مقاصد" میں ان تینوں اقوال کو نقل کرنے کے بعد ان میں سے کسی کو ترجیح نہیں دی۔چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

"ہمارے نزدیک پسندیدہ چیز یہ ہے کہ ان مؤلف الفاظ کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک دوسرے

طریقہ کا اختصاص ہے۔اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولاً اشکال ونقوش کو لوح محفوظ میں اور آوازوں کو فرشتے کی زبان یا نبی کریم ﷺ کی زبان پر ایجاد فرمایا ہے۔رسول اللہ ﷺ کے قلب اطہر پر معنی کا نزول ہوا ہے نہ کہ الفاظ کا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ . اور اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ . اور اللہ کا فرمان ہے:نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ . (سعد الدین تفتازانی رحمہ اللہ کی عبارت ختم ہوگئی)

علامہ سعد الدین تفتازانی رحمہ اللہ کی طرح علامہ اصفہانی رحمہ اللہ نے بھی تردد کا اظہار کیا ہے وہ فرماتے ہیں: اہل سنت وجماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ کلام اللہ منزل ہے۔لیکن انزال کے معنی میں اختلاف ہے کہ بعض نے فرمایا کہ انزال سے مراد قرآن کریم کا ظاہر کرنا ہے۔اور بعض نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا جبریل امین علیہ السلام پر الہام فرمایا اور پھر جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ تک پہنچایا۔

قرآن کریم کی تنزیل کے دو طریقے تھے ایک تو یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ صورۃ بشریہ سے نکل کر صورۃ ملکیہ اختیار فرماتے اور قرآن کریم کو حضرت جبریل علیہ السلام سے حاصل کرتے تھے اور دوسرا طریقہ یہ تھا کہ فرشتہ صورۃ ملکیہ سے نکل کر صورۃ بشریہ اختیار کرتا تھا اور رسول اللہ ﷺ اُن سے اخذ کرتے تھے۔ان دونوں حالتوں میں سے پہلی حالت زیادہ مشکل ہے۔(اصفہانی کی عبارت ختم ہوگئی۔)

قرآن کریم کا انزال اور قرآن کریم کی قرأت بالمعنی کے ناجائز ہونے کی دلیل

دلائل سے جس بات کی ترجیح متعین ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ قرآن کریم کا لفظ اور معنی دونوں نبی کریم ﷺ پر نازل فرمائے گئے ہیں۔قرآن کریم کے الفاظ حضرت جبریل امین علیہ السلام کی اختراع نہیں بلکہ انہوں نے تلقی روحانی کے ذریعہ یا لوح محفوظ سے اخذ کئے تھے۔اس مذہب کو اختیار کرنے والوں میں امام بیہقی رحمہ اللہ بھی ہیں۔

چنانچہ اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

اس سے اللہ تعالیٰ کی مراد یہ ہے کہ ہم نے قرآن کریم فرشتے کو سنایا اور سمجھایا اور جس طرح اس نے سنا تھا اس طرح ہم نے اس کو نازل کیا۔پس وہ فرشتہ قرآن کریم کو اوپر سے نیچے لانے میں منفرد ہے۔

(الاسماء والصفات للبیہقی ، باب قول اللہ عزوجل للہ الامر الخ ج:1 ص:561 مطبوعہ: مکتبہ السوادی ، جدہ ، سعودی عربیہ)

اور امام ابو محمد جوینی رحمہ اللہ کا بھی یہی مختار ہے وہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا کلام منزل دو طرح کا ہے۔ایک وہ کہ اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو فرمایا کہ تم اس رسول کو جس کی طرف تم پیغام رساں بناتے ہو کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ نے

یوں یوں فرمایا ہے یا یوں یوں حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو جو کچھ فرمایا تھا وہ انہوں نے سمجھ لیا اور پھر اس کو لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئے اور نبی کو وہ بتایا جو اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا تھا لیکن یہ عبارت وہ عبارت نہیں تھی۔ جیسا کہ بادشاہ اپنے معتمد خاص سے کہے کہ فلاں کو کہو کہ بادشاہ تمہیں کہتا ہے کہ تم اپنی خدمات کی انجام دہی میں خوب محنت سے کام لو اور جنگ کے لئے فوج کو جمع کرو، پس اب اگر پیغام رساں اس شخص کو یہ کہہ دے کہ بادشاہ نہیں کہتا ہے کہ میری خدمت بجا آوری میں سستی نہ کرو اور فوج کو متفرق نہ چھوڑو اور فوج کو دشمن کے مقابلے کے لئے تیار کرو۔ تو اس قاصد کو جھوٹا بھی نہیں کہا جائے گا اور نہ اس کو پیغام رسانی میں کوتاہی کرنے والا کہا جائے گا۔

اور اللہ تعالیٰ کے کلام منزل کی دوسری قسم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر تم یہ کتاب پڑھو اور جبریل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے کلمات کو بغیر کسی تبدیلی وتغیر کے لے کر نازل ہوئے۔ جیسا کہ بادشاہ مکتوب لکھ کر اپنے کسی امیر کو دے اور یہ کہے کہ فلاں آدمی کو پڑھ کر سناؤ تو وہ اس میں نہ ایک کلمہ کی اور نہ ہی ایک حرف کی تبدیلی کرے گا۔ علامہ جوینی رحمہ اللہ کے علاوہ دوسرے ائمہ فرماتے ہیں: قرآن کریم یہ دوسری قسم سے تعلق رکھتا ہے اور سنت پہلی قسم سے تعلق رکھتی ہے۔ جیسا کہ احادیث میں وارد ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام جس طرح قرآن کریم لے کر نازل ہوتے تھے اسی طرح سنت بھی لے کر نازل ہوتے تھے۔ اسی لئے سنت کی بالمعنی روایت جائز ہے حتیٰ کہ احادیث قدسیہ کی بھی روایت بالمعنی جائز ہے۔ کیونکہ جبریل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سنت کا معنی پہنچایا تھا لیکن قرآن کی قرأت بالمعنی جائز نہیں کیونکہ قرآن کریم کے الفاظ بھی جبریل امین علیہ السلام نے پہنچائے ہیں۔ جبریل امین علیہ السلام کے لئے قرآن کریم بالمعنی ادائیگی کا اختیار نہ تھا۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ قرآن کریم سے قرآن کریم کے الفاظ کے ساتھ عبادت کرنا اور قرآن کریم کے الفاظ کے ساتھ اعجاز مقصود ہے۔

لہٰذا کوئی بھی اس بات پر قادر نہیں کہ وہ قرآن کے الفاظ کے قائم مقام الفاظ لا سکے۔ قرآن کریم کے ہر حرف کے تحت بے شمار معانی ہیں جن کی کثرت کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا اور کوئی شخص بھی قرآن کریم کے الفاظ کے متبادل ایسے الفاظ لانے پر قادر نہیں ہو سکتا جو ان معانی پر مشتمل ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کئے جانے والے کلام کو اُمت کی آسانی کے لئے دو حصوں میں منقسم فرمایا گیا ہے ایک حصہ وہ جس کی ان الفاظ کے ساتھ روایت کی جائے گی جن الفاظ کے ساتھ اس کی وحی کی گئی ہے اور دوسرا حصہ وہ ہے جس کی بالمعنی روایت کی جائے گی (جیسا کہ احادیث میں) اور اگر سارے کلام کو روایت باالفاظ کے قبیل سے بتایا جاتا تو اس پر امت کے لئے مشقت ہوتی اور سارے کو روایت بالمعنی کے قبیل سے بتایا جائے تو پھر اللہ تعالیٰ کے کلام میں تحریف اور تغیر کا خطرہ رہتا۔ میں نے امام زہری رحمہ اللہ کے کلام میں ایسی چیز دیکھی ہے جو امام جوینی رحمہ اللہ کے مذکورہ کلام کی تائید کرتی ہے جو اس کلام میں غور وفکر کرے گا وہ

اس شخص کا اس میں بلیغ رد پائے گا جس کا ذکر سوال میں کیا گیا ہے جس نے کہا ہے کہ قرآن کریم حضور ﷺ کے الفاظ ہیں برخلاف احادیث قدسیہ کے۔اس پر غور کیجئے۔

انزال قرآن کا معنی

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ممکن ہے کہ قرآن کریم کا حضور ﷺ پر نزول اس طرح ہوا ہو کہ فرشتے نے اللہ تعالیٰ سے تلقی روحانی کے ذریعہ حاصل کیا ہو یا لوح محفوظ سے حفظ کرلیا ہو اور اس کے بعد فرشتہ اس کو لے کر نبی کریم ﷺ کے پاس آیا ہو اور آپ پر اس کا القاء کیا ہو، اور علامہ قطب الدین رازی رحمہ اللہ "کشاف" کے حاشیہ میں فرماتے ہیں:

لغت میں انزال اس اداء کو کہا جاتا ہے جو شے کو بلندی سے پستی کی طرف حرکت دینے کے معنی میں ہے اور کلام میں بلندی و پستی دونوں کا تحقق نہیں ہوتا۔لہٰذا کلام میں انزال مجازی معنی میں استعمال ہے۔پس جس نے کہا ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم معنی کا نام ہے۔تو اس لحاظ سے انزالِ قرآن کا مطلب اس معنی پر دلالت کرنے والے کلمات وحروف کا ایجاد کرنا اور اُن کو لوح محفوظ میں ثبت کرنا ہے اور یہ مطلب مناسب ہے کیونکہ یہ دونوں لغوی معنوں میں سے پہلے معنی سے منقول ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ انزالِ قرآن سے مراد اس کا لوح محفوظ میں اثبات کے بعد آسمان دنیا میں اثبات ہو۔اور یہ دوسرے معنی کے لئے مناسب ہے اور رسولوں پر کتابوں کے انزال سے مراد یہ ہے کہ فرشتے نے اللہ تعالیٰ سے تلقفِ روحانی کے ذریعہ یا لوح محفوظ سے اخذ کیا اور اس کو لے کر نبی پر نازل ہوا اور نبی پر اس کا القاء کیا۔

(علامہ قطب الدین رازی رحمہ اللہ کی عبارت ختم ہوگئی)

تلقفِ روحانی

جبریل علیہ السلام کے اللہ تعالیٰ سے تلقفِ روحانی کے ذریعہ حاصل کرنے کی دلیل طبرانی کی یہ حدیث ہے:

اِذَا تَکَلَّمَ اللّٰہُ بِالْوَحْیِ اَخَذَتِ السَّمَآءُ رَجْفَۃً شَدِیْدَۃً مِنْ خَوْفِ اللّٰہِ تَعَالٰی فَاِذَا سَمِعَ بِذٰلِکَ اَھْلُ السَّمَآءِ صَعِقُوْا وَ خَرُّوْا سُجَّدًا فَیَکُوْنُ اَوَّلُھُمْ یَرْفَعُ رَاْسَہٗ جِبْرِیْلُ فَیُکَلِّمُہُ اللّٰہُ مِنْ وَحْیِہٖ بِمَا اَرَادَ فَیَنْتَھِیْ بِہٖ عَلَی الْمَلَائِکَۃِ کُلَّمَا مَرَّ بِسَمَاءٍ سَاَلَہٗ اَھْلُہٗ مَا ذَا قَالَ رَبُّنَا قَالَ الْحَقَّ فَیَنْتَھِیْ بِہٖ اِلٰی حَیْثُ اُمِرَ.

اللہ تعالیٰ جب وحی کا کلام فرماتا ہے تو آسمان اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے شدت کے ساتھ کانپتا ہے اور جب اس کو آسمان والے سنتے ہیں تو وہ بے ہوش ہوجاتے ہیں اور سجدے میں گر جاتے

ہیں اوراس کے بعد سجدے سے سب سے پہلے حضرت جبریل علیہ السلام سر اٹھاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ اپنی وحی کا کلام فرماتا ہے۔اور پھر جبریل امین علیہ السلام اس وحی کو لے کر فرشتوں کے پاس جاتے ہیں اوروہ جس کسی آسمان سے گزرتے ہیں اُس آسمان والے اُن سے پوچھتے ہیں کہ ہمارے رب نے کیا فرمایا ہے۔تو جبریل علیہ السلام جواب میں فرماتے ہیں اللہ نے حق فرمایا ہے۔اوراس کے بعد وہ اس وحی کو وہاں تک پہنچاتے ہیں جہاں انہیں پہنچانے کا حکم دیا گیا ہے۔

(العظمۃ لابی الشیخ الاصبہانی، ذکر شان ربنا جارک الخ رقم الحدیث: 501، ج:2 ص:500 مطبوعہ:)

اس حدیث کی ابن مردویہ رحمہ اللہ کی مروی یہ حدیث بھی موافقت کرتی ہے کہ:

اِذَا تَكَلَّمَ اللّٰهُ بِالْوَحْيِ سَمِعَ اَهْلُ السَّمَآءِ وَ صَلْصَلَةً تَصَلْصَلَةُ السِّلْسِلَةِ عَلَى الصَّوَانِ فَيَفْزِعُوْنَ وَ يُرِدْنَ اَنَّهٗ مِنْ اَمْرِ السَّاعَةِ .

اللہ تعالیٰ جب وحی کا تکلم فرماتا ہے تو آسمان والے ایک آواز سنتے ہیں جو زنجیر کو کسی برتن پر مارنے سے پیدا ہونے والی آواز کی طرح ہوتی ہے تو وہ خوف زدہ ہوجاتے ہیں اوراس کو قیامت کی علامت تصور کرتے ہیں۔

(مسند احمد، ترجمۃ الامام احمد، فصل فی قولہ فی اصول الدین، ج:1 ص:90)

اس حدیث کی اصل صحیح میں موجود ہے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ صحیح حدیث کئی طرق سے مروی ہے کہ:

اِنْزَالُ الْقُرْآنِ لَيْلَةُ الْقَدْرِ جُمْلَةً وَاحِدَةً اِلٰى بَيْتِ الْعِزَّةِ فِى السَّمَاءِ الدُّنْيَا ثُمَّ نَزَلَ بَعْدَ ذَالِكَ بِعِشْرِيْنَ سَنَةً.

قرآن کریم شب قدر کو یکبارگی آسمان دنیا میں موجود بیت العزۃ کی طرف اتارا گیا اوراس کے بعد وہاں سے زمین کی طرف بیس سال کی مدت میں تدریجاً اتارا گیا ہے۔

(الکنی والاسماء للدولابی، الفاریدفی باب الالفا ابو ایمن اسحاق الخ، رقم الحدیث: 643، ج:1 ص: 361 مطبوعہ: دار حزم، بیروت، لبنان)

ان سے ہی ایک صحیح روایت میں ہے:

فَصَلَ الْقُرْاٰنُ مِنَ الذِّكْرِ فَوُضِعَ بَيْتُ الْعِزَّةِ فِى السَّمَآءِ الدُّنْيَا فَجَعَلَ جِبْرِيْلُ يَنْزِلُ بِهٖ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ.

قرآن کریم کو ذکر سے جدا کیا اور پھر آسمان دنیا میں بیت العزۃ کے مقام میں رکھا گیا اوراس کے بعد جبریل علیہ السلام اس کو لے کر نبی کریم ﷺ پر نازل ہوتے رہے۔

(المعجم الکبیر للطبرانی، باب لاعین، سعید بن جبیر، عن ابن عباس، رقم الحدیث: 12381، ج:12 ص:32 مطبوعہ: ایضا)

امام طبرانی رحمہ اللہ اور بزار رحمہ اللہ کے ہاں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت یہ ہے کہ:

اُنْزِلَ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً حَتّٰى وُضِعَ فِيْ بَيْتِ الْعِزَّةِ فِي السَّمَآءِ الدُّنْيَا وَ يَنْزِلُ بِهٖ جِبْرِيْلُ عَلٰى مُحَمَّدٍ ﷺ بِجَوَابِ كَلَامِ الْعِبَادِ وَ اَعْمَالِهِمْ.

قرآن کریم یکبارگی اتارا گیا حتیٰ کہ آسمان دنیا میں مقام بیت العزۃ میں رکھا گیا (وہاں سے) جبریل امین علیہ السلام حضرت محمد ﷺ پر بندوں کے کلام کے جواب اور ان کے اعمال کی درستگی کے لئے لے کر اُترتے رہے۔

(المرجع السابق، رقم الحدیث: 12382)

ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے:

رُفِعَ الْقُرْآنُ اِلٰى جِبْرِيْلَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ جُمْلَةً فَوُضِعَ فِيْ بَيْتِ الْعِزَّةِ ثُمَّ جَعَلَ يَنْزِلُ تَنْزِيْلًا.

شب قدر کو قرآن کریم یکبارگی حضرت جبریل امین علیہ السلام کے سپرد کیا گیا اور انہوں نے اسے بیت العزۃ میں رکھا اور اس کے بعد وہاں سے تدریجاً لے کر نازل ہوتے رہے۔

(المرجع السابق، بالفاظ مختلف)

یہ تمام احادیث اس بات پر ظاہر یا صریح ہیں کہ الفاظ قرآن نہ جبریل امین علیہ السلام کے الفاظ ہیں اور نہ ہی نبی کریم ﷺ کے۔ لہٰذا لوح محفوظ سے قرآن کریم کے انزال کی کیفیت میں جو اختلاف ہے ان میں صحیح ترین کیفیت یہ ہے کہ قرآن کریم لوح محفوظ سے آسمانِ دنیا کی طرف رمضان المبارک کی شب قدر کو یکبارگی نازل فرمایا گیا۔ اور اس کے بعد متفرق طور پر بیس سال یا تیئس سال یا پچیس سال کی مدت میں نازل کیا گیا۔ کیونکہ حضور ﷺ کی بعثت کے بعد آپ کی مکہ مکرمہ میں اقامت کے بارے میں اختلاف ہے۔ اس اختلاف کے اعتبار سے مذکورہ مدت بنتی ہے۔ اور علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے اسی قول پر اجماع نقل کیا ہے۔ اس قول کی امام حاکم اور امام بیہقی رحمہما اللہ کی مروی یہ حدیث بھی تائید کرتی ہے کہ:

اُنْزِلَ الْقُرْآنُ بِالتَّنْجِيْمِ. (قرآن کریم تدریجاً نازل فرمایا گیا ہے۔)

(مستدرک للحاکم، کتاب التفسیر، من کتاب قرات النبی مما لم یخرجاہ، رقم الحدیث: 2953، ج: 2، ص: 264، مطبوعہ: ایضاً)

اس حدیث کے ایک راوی نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

كَهَيْئَةِ عُذْرًا وَنُذْرًا اى فى ذى الصديقين (اِلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ وَ اِشْبَاهِ هٰذَا.)

(الحاوی للفتاوی، الفتاوی قرآنیہ، سورۃ القدر، ج: 1، ص: 408، مطبوعہ: ایضاً)

یعنی فرشتے تدریجاً وحی لے کر نازل ہوتے تاکہ لوگوں پر حجت قائم ہو جائے اور یہ عذر باقی نہ رہے کہ ہمارے پاس تو کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔ یا انکار اور کفر والوں کو ڈرانے کا مقصد ہوتا ہے یعنی فرشتے دوستوں اور خیر خواہوں کے لباس میں آتے ہیں۔

وحی کا نزول ہمیشہ عربی زبان میں ہوا ہے

اور اس کی تائید حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ کا یہ قول بھی کرتا ہے کہ جیسا کہ ابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے ان سے تخریج کیا ہے:

لم یَنْزِلْ وَحْیٌ اِلاَّ بِالْعَرَبِیَّةِ ثُمَّ تَرَجَمَ کُلُّ نَبِیٍّ لِقَوْمِهٖ.

وحی عربی زبان میں ہی نازل کی گئی ہے پھر ہر نبی نے اپنی قوم کے لئے اُس کا اُن کی زبان میں ترجمہ فرمایا ہے۔

(الحاوی الفتاوی، الفتاوی قرآنیہ، سورۃ القدر، ج:1 ص:400، مطبوعہ: ایضاً)

لیکن یہ روایت محل نظر ہے کیونکہ حدیث میں ہے:

اَوَّلُ مَنْ فَتَقَ لِسَانَهٗ بِالْعَرَبِیَّةِ اِسْمٰعِیْلُ .

عربی کے ساتھ سب سے پہلے جس نے زبان کھولی وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

(الحاوی الفتاوی، کتب الاداب والرقائق، مسائل متفرقہ، ج:1 ص:432، مطبوعہ: ایضاً)

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں حضرت شعبی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے:

نَزَلَ عَلَی النَّبِیِّ ﷺ النُّبُوَّةُ وَ هُوَ ابْنُ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً فَقَرَنَ بِنُبُوَّتِهٖ اِسْرَافِیْلُ ثَلاَثَ سِنِیْنَ فَکَانَ یُعَلِّمُهُ الْکَلِمَةَ اَوِ الشَّیْءَ وَلَمْ یَنْزِلْ عَلَیْهِ الْقُرْآنُ عَلٰی لِسَانِهٖ فَلَمَّا مَضَتْ ثَلاَثُ سِنِیْنَ قَرَنَ بِنُبُوَّتِهٖ جِبْرِیْلُ فَنَزَلَ عَلَیْهِ الْقُرْاٰنُ عَلٰی لِسَانِهٖ عِشْرِیْنَ سَنَةً.

حضور ﷺ پر وحی کا نزول چالیس سال کی عمر میں ہوا تین سال تک حضرت اسرافیل علیہ السلام وحی کے ساتھ وابستہ رہے۔ پس وہ آپ کو ہر وہ کلمہ اور وہ چیز جس کے بارے میں قرآن آپ کی زبان میں نازل نہیں ہوا تھا سکھاتے رہے جب تین سال کی مدت مکمل ہوئی تو جبریل امین وحی کے فریضہ سے وابستہ ہوئے پس بیس سال کی مدت میں حضور ﷺ پر قرآن جبریل کی زبان پر نازل کیا گیا۔ (واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب)

(الحاوی الفتاوی، کتاب البعث، لبس الیلب فی الجواب الخ، ج:12 ص:203)

افعال عباد میں اہل سنت کا مذہب قرآنی آیت کا معارض نہیں

سوال ......اہل سنت کا مذہب ہے کہ بندے کو اپنے فعل میں ایک طرح کا اختیار حاصل ہے کیا یہ قرآن کریم کی اس آیت کے معارض ہے؟

وَ رَبُّکَ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ وَیَخْتَارُ. (سورۃ القصص، آیت: 68)

تمہارا رب پیدا کرتا ہے جو چاہے اور پسند فرماتا ہے۔

جواب......اہلسنت کا مذکورہ قول قرآنی آیت کا ہرگز معارض نہیں کیونکہ اختیار دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے کبھی یہ قدرت وارادہ کے معنی میں آتا ہے جیسا کہ مذکورہ آیت میں ہے اور کبھی یہ فعل کا قصد کرنے اور اس کی طرف میلان وتوجہ کرنے کے معنی میں آتا ہے۔ اور کلام اہل سنت میں اختیار سے مراد ہی آخری معنی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر ایک ایسی قدرت تخلیق فرمائی ہے جس کے سبب وہ مائل ہوتا اور فعل کرتا ہے۔ پس تخلیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور میلان اور فعل بندے کی طرف سے۔ اللہ تعالیٰ کی اس کو دی ہوئی قدرت سے صادر ہوتے ہیں۔ پس میلان اور فعل دونوں اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور اس کی قدرت کے اثر ہیں۔ لہٰذا وہ اختیار جو انسان کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور جس کی تفسیر ہم نے بیان کی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب اختیار کا اثر ہے جس کی وجہ سے یہ دونوں اختیار ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں۔ اور اس میں کسی کو انکار کی گنجائش نہیں اور نہ ہی اس اختیار میں آیت کریمہ کا معارضہ ہے۔ اسی سے اہل سنت فرقہ قدریہ وفرقہ جبریہ سے ممتاز ہو جاتے ہیں۔

علامہ اصفہانی رحمہ اللہ نے قرآن کریم کی اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے:

وَنَذَرُهُمْ فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ. (سورۃ الانعام، آیت: 110)

ترجمہ: ہم ان کو ان کی سرکشی میں حیران رہنے دیں گے۔

جاننا چاہیے کہ ہر وہ فعل جو انسان سے بالاختیار صادر ہوتا ہے اس کے دو اعتبار ہیں۔ اگر اس میں اس کے وجود وحدوث اور تخصیص کی وہ وجوہ جن پر وہ قائم ہے ان کا لحاظ رکھو تو پھر تم اس کو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے ارادہ کی طرف منسوب کرو۔ اور اگر اس میں تم اس کو حرکت قسری واضطراری سے ممتاز اور جدا ہونے کا لحاظ کرو تو پھر اس اعتبار سے اس کو بندے کی طرف منسوب کرو یہ وہی نسبت ہے جس کو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں شرعاً کسب کے ساتھ تعبیر فرمایا گیا ہے۔

لَهَا مَا کَسَبَتْ وَ عَلَیْهَا مَا اکْتَسَبَتْ. (سورۃ البقرۃ، آیت: 286)

ترجمہ: جو نیکی کرے وہ اس کے لئے ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اور جو برائی کرے وہ اس پر ہے:

فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ . (سورۃ الشوریٰ، آیت:30)

ترجمہ: وہ تمہارے ہاتھوں کے کرتوت کا بدلہ ہے۔

اور یہ نسبت بھی ثابت شدہ ہے چنانچہ جب تم اپنے ذہن میں اضطراری حرکت (مثلاً رعشہ) اور اختیاری حرکت دونوں کو فرض کرو تو تمہیں اس نسبت کے سبب لامحالہ دونوں حرکتوں کے درمیان امتیاز معلوم ہوگا۔لہٰذا تعددِ اعتبارات ثابت ہے اسی سے طغیان کے بارے میں اہل سنت کا مذہب واضح ہوجاتا ہے کہ طغیان اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے۔ اور اس کی بندوں کی طرف اضافت ونسبت اس اعتبار سے ہے کہ وہ اُن سے اس اختیار کے سبب واقع ہوتا ہے جس کو اس کسب کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے جو کسب ان کی طرف منسوب ہے۔

(علامہ اصفہانی رحمہ اللہ کی عبارت ختم ہوئی)

(الحاوی الفتاوی، کتاب البعث، تنزیہ الاعتقاد عن الحلول الخ، ج:2 ص:165)

حضور ﷺ کی فرشتوں کی طرف بعثت

سوال ......حضور ﷺ کی فرشتوں کی طرف بعثت کے بارے میں جو اقوال ہیں ان کا خلاصہ کیا ہے اور ان میں سے ہر ایک کی دلیل اور اس کا جواب کیا ہے؟

جواب......اس بارے میں علماء کے دو قول ہیں۔ایک قول یہ ہے کہ آپ ﷺ کو فرشتوں کی طرف مبعوث نہیں فرمایا گیا ہے۔اسی پر ہمارے شافعی ائمہ میں سے علامہ حلیمی، امام بیہقی رحمہما اللہ نے اور حنفیوں میں سے محمود بن حمزہ الکرمانی رحمہ اللہ نے جزم کا اظہار کیا ہے۔اور امام رازی و امام نسفی رحمہما اللہ نے اپنی اپنی تفسیروں میں اس پر اجماع نقل کیا ہے لیکن اسے صیغہ کے ساتھ نقل کیا ہے جو اس بات کا احتمال رکھتا ہے کہ اس اجماع سے مراد ایسے دو مخالفین کا اجماع ہو جن پر نقل اجماع میں اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔جیسا کہ بعض محققین نے اسے بیان کیا ہے۔اسی پر متاخرین میں سے حافظ زین العراقی اور امام جلال الدین محلی رحمہما اللہ نے جزم فرمایا ہے۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ حضور ﷺ فرشتوں کی طرف بھی مبعوث ہیں امام تقی الدین سبکی رحمہ اللہ نے اس کو راجح قرار دیا ہے۔اور اس پر یہ اضافہ فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ تمام انبیاء کرام علیہم السلام اور تمام امم سابقہ کی طرف بھی رسول ہیں کیونکہ حضور ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ:

بُعِثْتُ اِلَى النَّاسِ كَافَّةً . (مجھے تمام انسانوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔)

(فتاوی السبکی، التعظیم والمنۃ الخ، ج:1 ص:38، مطبوعہ: ایضاً)

یہ ارشاد حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیام قیامت تک کے تمام انسانوں کو شامل ہے اور علامہ البارزی رحمہ اللہ نے بھی اسی قول کو ترجیح دی ہے اور انہوں نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ حضور ﷺ تمام حیوانات و جمادات کی طرف ہی رسول بنائے گئے ہیں۔ اور اس پر انہوں نے دلیل یہ دی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی شہادت گوہ، درخت اور پتھر نے بھی دی ہے۔

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> اس پر اضافہ کرتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی ذات کی طرف بھی رسول ہیں امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے دوسرے قول پر مختلف دلائل دیئے ہیں جن میں اکثر محلِ نظر ہیں باوجودیکہ انکی کتابوں میں ان کے کلام کے درمیان تناقض ہے کہ بعض مقامات میں انہوں نے قول اول کے قائل کی اتباع کی ہے اور بعض میں قول ثانی کے قائلین کی پیروی کی ہے۔

(الحاوی الفتاوی، مبحث الالہیات، ذکر الادلۃ التی اخذت، الخ، ج:2 ص:169)

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے درج ذیل دلائل دیئے ہیں۔

1...... اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ: لِيَكُوْنَ لِلْعَالَمِيْنَ نَذِيْرًا۔ (سورۃ الفرقان، آیت:1 پ:19)

ترجمہ: تا کہ وہ تمام جہان کو ڈرسنانے والا ہو۔

العالمین فرشتوں کو شامل ہے اور ان کو اس سے نکالنے کے لئے دلیل کی ضرورت ہے اور ایسی کوئی دلیل نہیں پائی گئی ہے اور فرشتوں کا عالمین میں داخل نہ ہونے پر اجماع کا دعویٰ مردود ہے۔

2...... اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَ مَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ . (سورۃ الانبیاء، آیت:29 پ:17)

ترجمہ: اور ان فرشتوں میں بفرض محال جو کوئی کہے میں اللہ کے سوائے معبود ہوں تو اسے ہم جہنم کی سزا دیں گے۔

ان سے مراد فرشتے ہیں جیسا کہ ائمہ تفسیر نے فرمایا ہے۔ پس اس لحاظ سے یہ آیت کریمہ فرشتوں کے لئے نبی کریم ﷺ کی زبان میں آپ پر نازل قرآن کریم کے اندر انذار ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ اُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ . (سورۃ الانعام، آیت:19 پ:7)

اور میری طرف اس قرآن کی وحی ہوئی کہ میں تمہیں ڈراؤں بیشک آپ ﷺ نے فرشتوں کو اس کی تبلیغ فرمائی ہے۔

اسی سے ثابت ہوا کہ آپ ان کی طرف بھی رسول ہیں۔ فرشتوں کی طرف آپ کو رسول بنا کر بھیجنے کی حکمت واضح

ہے کہ معاصی کا غالب حصہ بطن اور فرج کی وجہ سے صادر ہوتا ہے اور اس کا خلقت کے اعتبار سے فرشتوں سے صدور محال ہے جس کی وجہ سے معاصی کے اس غالب حصہ میں فرشتوں کے انذار کی ضرورت نہ رہی۔ جب ابلیس سے اس معصیت کی نظیر کا وقوع ہوا تو اس میں فرشتوں کو انذار فرمائی گئی۔ کیونکہ ابلیس فرشتوں میں سے تھا یا فرشتوں میں رہتا تھا۔

فرشتوں کا زمین پر نماز ادا کرنا

3...... بہت سارے آثار اور احادیث وغیرہ اس پر دلالت کرتے ہیں کہ فرشتوں میں سے بعض فرشتے آسمان میں ہماری نماز کی ادائیگی کی طرح نماز ادا کرتے ہیں اور ہماری اذان کی طرح اذان دیتے ہیں اور بعض فرشتے آسمان سے اُتر کر ہماری نماز فجر اور عصر میں حاضر ہوتے ہیں اور ہمارے ساتھ ہماری مساجد میں نماز ادا کرتے ہیں۔ وہ آثار اور احادیث درج ذیل ہیں۔

جس نے کسی صحراء میں اذان و اقامت کے ساتھ انفرادی طور پر نماز ادا کی اور پھر قسم اٹھائے کہ اس نے نماز باجماعت ادا کی ہے تو وہ امام الحناطی رحمہ اللہ کے فتویٰ کے مطابق اپنی قسم میں سچا ہے۔

4...... امام سعید بن منصور، امام ابن شیبہ اور امام بیہقی رحمہم اللہ نے حضرت سلمان الفارسی رضی اللہ عنہ، سے موقوفا اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے ایک اور سند کے ساتھ ان سے ہی مرفوعا تخریج کیا ہے کہ:

إِذَا كَانَ الرَّجُلُ فِيْ أَرْضٍ فَأَقَامَ الصَّلٰوةَ صَلّٰى خَلْفَهٗ مَلَكَانِ فَإِذَا أَذَّنَ وَ أَقَامَ صَلّٰى خَلْفَهٗ مِنَ الْمَلاَئِكَةِ مَا لاَ يَرٰى طَرَفَاهُ يَرْكَعُوْنَ بِرُكُوْعِهٖ وَ يَسْجُدُوْنَ بِسُجُوْدِهٖ وَ يُؤْمِنُوْنَ بِدُعَائِهٖ.

جب کوئی شخص کسی زمین میں ہو اور وہ (بغیر اذان و اقامت کے) نماز ادا کرے تو اس کے پیچھے دو فرشتے نماز ادا کرتے ہیں اور جب وہ اذان و اقامت کے ساتھ نماز ادا کرتا ہے تو اس کے پیچھے فرشتوں کی اتنی بڑی جماعت نماز ادا کرتی ہے کہ اس کے دونوں کنارے نہیں دیکھے جاسکتے اور وہ اُس کے رکوع کے ساتھ رکوع اور اُس کے سجود کے ساتھ سجدہ کرتے ہیں اور اس کی دعا پر آمین کہتے ہیں۔ (المرجع السابق)

حضرت ابن المسیب کی ایک روایت میں ہے کہ:

صَلّٰى خَلْفَهٗ مِنَ الْمَلاَئِكَةِ أَمْثَالَ الْجِبَالِ.

ترجمہ: اس کے پیچھے فرشتے پہاڑوں کے برابر نماز ادا کرتے ہیں۔

(موطا امام مالک، کتاب الصلاۃ، النداء فی السفر وعلی غیر وضوء، رقم الحدیث: 230، ج:2 ص: 101 مطبوعہ: موسسۃ زاید بن سلطان، ابوظبی)

پس فرشتوں کا ہمارے پیچھے ہماری طرح نماز ادا کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ہماری شریعت کے مکلف ہیں۔
امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے ایسا ہی فرمایا ہے۔اوراس کے بعد وہ فرماتے ہیں: امام سبکی رحمہ اللہ نے حلبیات میں جوذکر کیا ہے اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔وہ فرماتے ہیں: جماعت جس طرح انسانوں سے حاصل ہوتی ہے اسی طرح فرشتوں سے بھی حاصل ہوجاتی ہے۔اوراس کے بعد اس پر امام الحناطی رحمہ اللہ کے فتویٰ سے استدلال کیا ہے کہ امام الحناطی رحمہ اللہ نے اس شخص کے بارے میں فتویٰ دیا ہے جس نے کسی صحراء میں اذان واقامت کے ساتھ انفرادی طور پر نماز ادا کی اور پھر اس نے قسم کھائی کہ اس نے جماعت کے ساتھ نماز ادا کی ہے تو وہ مذکورہ حدیث کی رُو سے وہ اپنی قسم میں حانث نہ ہوگا۔اوراس کے حانث نہ ہونے کی ایک دلیل علماء کا وہ قول ہے جس میں وہ فرماتے ہیں نمازی کے لئے جب نماز سے سلام پھیرے تو اپنے دائیں طرف کے فرشتوں اور مؤمن انسانوں اور جنوں پر سلام کی نیت کرنا مستحب ہے۔

اعتراض

اس پر مصنف رحمہ اللہ اعتراض کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان تمام دلائل کی مدعیٰ پر دلالت محل نظر ہے کیونکہ فرشتوں کی یہ موافقت ارسال اور عدم ارسال دونوں کا تقاضا نہیں کرتی جیسا کہ واضح ہے۔

5......امام بزار رحمہ اللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث تخریج کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذان کی تعلیم دینی چاہی تو حضرت جبریل علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک چوپائے کو ساتھ لائے جس کو براق کہا جاتا ہے،آگے حدیث بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ: حجاب میں سے ایک فرشتہ نکلا اوراس نے کہا اللّٰہ اکبر، اللہ اکبر۔اور پھر کہا: واشھد ان محمد رسول اللّٰہ اوراس کے بعد فرماتے ہیں: جبریل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑا اور آگے کیا اور آسمان والوں کو حکم دیا کہ وہ آپ کی اقتداء کریں۔پس اس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آسمانوں اور زمین والوں پر شرف کو مکمل فرمایا۔

(مسند البزار، مسند علی بن ابی طالب، مسند الحسن بن علی، رقم الحدیث: 508، ج:2 ص:146، مطبوعہ: ایضا)

ابونعیم رحمہ اللہ نے محمد بن الحنفیہ رضی اللہ عنہ سے اس کی مثل حدیث تخریج کی ہے اوراس میں ہے کہ فرشتے نے کہا:

حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ فَیَقُوْلُ اللّٰہُ صَدَقَ عَبْدِیْ دَعَا اِلٰی فَرِیْضَیْ.

جب مؤذن حیّ علی الصلٰوۃ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے سچ کہا میرے فرض کی طرف دعوت دی ہے۔

(الحاوی الفتاوی، مبحث الالھیات، ذکر الادلۃ التی اخذت الخ، ج:2 ص:173)

اس حدیث میں فرشتے نے آپ ﷺ کی رسالت کی مطلقاً شہادت دی ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کی رسالت انسانوں کے ساتھ خاص نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے بندے نے میرے فرض کی طرف دعوت دی ہے۔ اللہ کا یہ فرمان اس بات کی دلیل ہے کہ نماز جس طرح زمین والوں پر فرض ہے اسی طرح آسمان والوں پر بھی فرض ہے اور فرشتے کا آسمان والوں کے لئے اقامت کہنا اور تمام فرشتوں کا آپ کی اقتداء میں نماز ادا کرنا اور آسمان والوں پر آپ کے شرف کو ظاہر کرنا یہ سب چیزیں اس بات کی دلیل ہیں آپ کی بعثت فرشتوں کی طرف بھی ہے اور یہ کہ نماز فرشتوں پر بھی اسی طرح فرض کی گئی ہے جس طرح زمین والوں پر فرض کی گئی ہے اور اس پر بھی دلیل کہ فرشتے بھی آپ کے اتباع میں سے ہیں کیونکہ حضور ﷺ کے کمال شرف میں سے آپ کا فرشتوں کی طرف رسول بنا کر مبعوث کیا جانا ہے۔ جس طرح کہ زمین والوں پر آپ کو جو شرف حاصل ہے۔ من جملہ اُن میں سے ایک چیز یہ ہے کہ آپ کو ان سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔

ابن مردویہ رحمہ اللہ نے حضور ﷺ کا یہ ارشاد تخریج کیا ہے کہ:

لَمَّا اُسْرِیَ بِیْ اِلَی السَّمَآءِ اَذَّنَ جِبْرِیْلُ فَظَنَّتِ الْمَلَائِکَۃُ اَنَّہٗ یُصَلِّیْ لَھُمْ فَقَدَّمَنِیْ فَصَلَّیْتُ بِالْمَلَائِکَۃِ.

(الحاوی الفتاوی، بحث الالہیات، ذکر الادلۃ التی اخذت الخ، ج:2 ص:174)

جب مجھے آسمانوں کی سیر کرائی گئی تو جبریل علیہ السلام نے اذان دی فرشتوں نے خیال کیا کہ جبریل ان کو نماز پڑھائیں گے۔ پس جبریل علیہ السلام نے مجھے آگے کیا اور میں نے فرشتوں کو نماز پڑھائی۔

6.....ابونعیم رحمہ اللہ کی حدیث میں ہے کہ:

نَزَلَ اٰدَمُ بِاَرْضِ الْھِنْدِ فَاسْتَوْحَشَ فَنَزَلَ جِبْرِیْلُ فَنَادٰی بِالْاَذَانِ وَ مِنْ جُمْلَتِہٖ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ مَرَّتَیْنِ.

(الحاوی الفتاوی، بحث الالہیات، ذکر الادلۃ التی اخذت الخ، ج:2 ص:174)

حضرت آدم (علیہ السلام) جب سرزمین ہند پر اُترے تو انہوں نے وحشت محسوس کی حضرت جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور انہوں نے اذان کی صدا بلند کی اس اذان کے من جملہ الفاظ میں اشھد انّ محمد رسول اللّٰہ کے الفاظ دو مرتبہ شامل تھے۔

لہٰذا حضرت آدم علیہ السلام کی جانب سے رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی دو مرتبہ شہادت دینا اور اس کی حضرت

آدم علیہ السلام کو تعلیم دینا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ انبیاء کرام علیہم السلام اور فرشتوں کی طرف ایک ساتھ رسول ہیں۔ سات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ خبر دی کہ:

اَنَّہٗ مَکْتُوْبٌ عَلَی الْعَرْشِ وَعَلٰی کُلِّ سَمَآءٍ وَ عَلٰی بَابِ الْجَنَّۃِ وَ اَوْرَاقِھَا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ۔

عرش پر اور ہر آسمان پر اور جنت اور اس کے پتوں پر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا ہے۔

(الحاوی الفتاوی، مبحث الالہیات، ذکر الادلۃ التی اخذت الخ، ج:2 ص:174)

تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے سوا صرف رسول اللہ ﷺ کے اسم گرامی کو ملکوت اعلیٰ میں لکھے جانے کا مقصد یہ ہے کہ فرشتے آپ کی رسالت کی شہادت دیں اور یہ بتانا مقصود ہے کہ آپ ﷺ فرشتوں کی طرف بھی رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ ابن عساکر رحمہ اللہ نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے تخریج کیا ہے کہ:

اِنَّ اٰدَمَ اَوْصٰی ابْنَہٗ شِیْثًا عَلَیْھِمَا الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ فَقَالَ کُلَّمَا ذَکَرْتَ اللّٰہَ فَاذْکُرْ اِلٰی جَنْبِہٖ اِسْمَ مُحَمَّدٍ فَاِنِّیْ رَاَیْتُ اِسْمَہٗ مَکْتُوْبًا عَلٰی سَاقِ الْعَرْشِ وَ اَنَا بَیْنَ الرُّوْحِ وَ الطِّیْنِ ثُمَّ اِنِّیْ طِفْتُ فَلَمْ اَرَ فِی السَّمَآءِ مَوْضِعًا اِلَّا رَاَیْتُ اِسْمَ مُحَمَّدٍ مَکْتُوْبًا عَلَیْہِ وَ لَمْ اَرَ فِی الْجَنَّۃِ قَصْرًا وَ لَا غُرْفَۃً اِلَّا رَاَیْتُ اِسْمَ مُحَمَّدٍ مَکْتُوْبًا عَلٰی نُحُوْرِ الْعِیْنِ وَ عَلٰی قَصْبَانِ آجَامِ الْجَنَّۃِ وَ عَلٰی وَرَقَۃِ شَجَرَۃِ طُوْبٰی وَ عَلٰی وَرَقَۃِ سِدْرَۃِ الْمُنْتَھٰی وَ عَلٰی اَطْرَافِ الْحُجُبِ وَ بَیْنَ اَعْیُنِ الْمَلَآئِکَۃِ فَاَکْثِرْ ذِکْرَہٗ فَاِنَّ الْمَلَآئِکَۃَ تَذْکُرُہٗ فِیْ کُلِّ سَاعَاتِھَا۔

(الحاوی الفتاوی، مبحث الالہیات، ذکر الادلۃ التی اخذت الخ، ج:2 ص:174)

حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے صاحبزادے حضرت شیث علیہما الصلوٰۃ والسلام کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا کہ جب بھی تم اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو اس کے ساتھ اسم محمد ﷺ کو بھی یاد کرو کیونکہ میں نے ان کے اسم گرامی کو ساق عرش پر اس حال میں لکھا ہوا دیکھا کہ میں ابھی روح اور گارے کے درمیان تھا۔ اسکے بعد جب میں نے سیر کی تو میں نے آسمان میں کوئی جگہ نہیں دیکھی مگر اس پر اسم محمد ﷺ لکھا ہوا تھا، میں نے جنت میں نہ کوئی محل دیکھا اور نہ کوئی بالاخانہ مگر میں نے اس پر اسم محمد ﷺ لکھا ہوا دیکھا۔ بے شک میں نے حورعین کے سینوں پر اور

جامہائے جنت کی تاروں پر اور شجر و درخت طوبیٰ کے پتوں پر اور سدرۃ المنتہیٰ کے پتوں پر اور حجابات کے کناروں پر اور فرشتوں کی آنکھوں کے درمیان اسم محمد ﷺ لکھا ہوا دیکھا۔ پس تم ان کو کثرت کے ساتھ یاد کرو کیونکہ فرشتے اپنے تمام لحات میں ان کو یاد کرتے ہیں۔

یہ اثر اس بات کی دلیل ہے کہ حضور ﷺ فرشتوں کے بھی نبی ہیں اس لئے فرشتے آپ کے ذکر سے غافل نہیں رہتے۔ اور اس اثر میں ایک لطیف فائدہ یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ حورعین اور غلمانِ جنت کے لئے بھی رسول ہیں۔ اسی طرح یہ بات بھی درست ہے کہ جنت میں آپ ﷺ پر ایمان رکھنے والوں کے سوا کوئی بھی داخل نہیں ہوا اور جنت میں جنکی بھی تخلیق ہوئی ہے ان میں سے سوائے حضور ﷺ پر ایمان لانے والوں کے کوئی بھی وہاں نہیں ٹھہرا۔

شاید معراج اور شبِ اسراء آپ کے جنت میں تشریف لے جانے کی حکمتوں اور اس کے فوائد میں سے آسمانوں میں موجود تمام فرشتوں اور جنت میں موجود تمام حورعین اور غلمان اور عالم برزخ میں موجود تمام انبیاء کرام کو اپنی رسالت کی تبلیغ کرنا ہو، تاکہ وہ آپ پر ایمان لائیں اور آپ کے زمانے میں بالمشافہ آپ کی تصدیق کریں جب کہ وہ آپ کے وجود سے پہلے آپ پر ایمان رکھنے والے تھے۔

علامہ سبکی رحمہ اللہ نے اپنی ایک تالیف میں بیان کیا ہے کہ حضرت رسالت مآب ﷺ حضرت آدم علیہ السلام سمیت ان کے بعد میں آنے والے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی طرف رسول ہیں۔ اس پر انہوں نے ان حدیثوں سے استدلال کیا ہے:

كُنْتُ نَبِيًّا وَّ اٰدَمُ بَيْنَ الرُّوْحِ وَ الْجَسَدِ.

میں اس وقت بھی نبی تھا جب کہ حضرت آدم روح اور جسم کے درمیان تھے۔

(الحاوی الفتاوی، مبحث الالھیات، ذکر الادلۃ التی اخذت الخ، ج:2 ص:175)

وَ بُعِثْتُ اِلَى النَّاسِ كَآفَّةً .

ترجمہ: مجھے تمام انسانوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام سے میثاق لیا کہ:

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ. (سورۃ آل عمران، آیت:81 پ:3)

ترجمہ: اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا۔ جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے تو تم ضرور بہ ضرور

اس پر ایمان لانا اور ضرور بہ ضرور اس کی مدد کرنا۔

ابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں سدی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

لَمْ يَبْعَثِ اللّٰهُ نَبِيًّا قَطُّ مِنْ لَّدُنْ نُوْحٍ اِلَّا اَخَذَ مِيْثَاقَهُ لَيُؤْمِنُنَّ بِمُحَمَّدٍ.

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کے بعد کوئی بھی نبی مبعوث نہیں فرمایا مگر اس سے یہ عہد لیا کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ضرور ایمان لائے گا۔

(الحاوی الفتاوی، بحث الالہیات، ذکر الادلۃ التی اخذت الخ، ج:2 ص:175)

علامہ سبکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: صحیح حدیث سے ہمیں معلوم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے رب کی طرف حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے پہلے کمال حاصل تھا۔ اور آپ کو اس وقت سے ہی اللہ تعالیٰ نے نبوت عطا فرمائی تھی اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام سے مواثیق لئے تاکہ وہ جان لیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر مقدم ہیں اور ان کے نبی و رسول ہیں۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی الانبیاء ہیں۔ اسی لئے انبیاء کرام آخرت میں آپ کے پرچم تلے جمع ہوں گے اور اسی طرح دنیا میں بھی شب اسراء آپ کے پرچم تلے جمع ہوئے تھے۔ اور اگر انبیاء کرام علیہم السلام کے زمانے میں آپ کی تشریف آوری کا اتفاق ہوتا تو پھر ان انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی امتوں پر آپ پر ایمان لانا اور آپ کی نصرت کرنا لازم ہوتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے اس کا میثاق لیا ہے۔

باوجودیکہ وہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اپنی امتوں کی طرف اپنی نبوت و رسالت پر باقی رہتے۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انبیاء کرام علیہم السلام کی طرف نبوت و رسالت ایک خاص مقصودی امر ہے جو آپ کو حاصل ہے البتہ آپ کا یہ معاملہ آپ کے ساتھ انبیاء کرام علیہم السلام کے مجتمع ہونے پر موقوف ہے۔ پس اس معاملہ کا مؤخر ہونا انبیاء کرام علیہم السلام کے وجود کی طرف راجع ہے اور یہ جس چیز کا مقتضی ہے اسکے ساتھ متصف نہ ہونے کی طرف راجع نہیں۔ پس ثابت ہوا کہ آپ کی نبوت و رسالت سب سے زیادہ عموم اور سب سے زیادہ عظمت والی ہے اور آپ کی شریعت اصول میں دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی شریعتوں کے موافق ہے اور اُن سے مختلف نہیں اور فروع میں اختلاف ہے احکام میں اشخاص اور اوقات کے اختلاف سے اختلاف پیدا ہوتا ہے۔ (علامہ سبکی رحمہ اللہ کے کلام کا خلاصہ ختم ہوگیا)

جب یہ ثابت ہوگیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء کے نبی اور رسول ہیں اور انبیاء کرام علیہم السلام کے فرشتوں سے افضل ہونے پر دلائل قائم ہیں۔ اسی سے بطریق اولیٰ یہ ثابت ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرشتوں کے لئے بھی رسول ہیں اور فرشتے آپ کے اتباع میں سے ہیں۔

8......اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے مقابلے میں فرشتوں کے چند امور کے ساتھ خصوصیت عطا فرمائی ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ آپ فرشتوں کی طرف بھی مبعوث ہیں۔ مثلاً فرشتوں کا آپ کے

ساتھ جہاد میں شرکت کرنا اور ان کا آپ کے پیچھے پیچھے چلنا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ فرشتے من جملہ آپ کے اتباع میں ہیں اور آپ کی شریعت اور تائید میں داخل ہیں۔

(الحاوی الفتاوی، مبحث الالہیات، ذکر الادلۃ التی اخذت الخ، ج:2 ص:177)

جیسا کہ حدیث میں ہے کہ چار وزراء سے میری تائید کی گئی ہے۔ دو وزیر آسمان والوں میں سے ہیں اور دو وزیر زمین والوں میں سے ہیں، آسمان والوں میں سے جبریل ومیکائیل علیہما السلام ہیں اور زمین والوں میں سے حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما ہیں۔ وزیر بادشاہ کے اتباع میں ہوا کرتا ہے۔ پس جبریل ومیکائیل علیہما السلام آپ کے فرشتوں سے تعلق رکھنے والی ملت کے سردار ہیں اور حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما آپ کی انسانوں سے تعلق رکھنے والی ملت کے سردار ہیں۔ اور اسی طرح حضور ﷺ کے وصال کے بعد بھی تمام فرشتے آپ ﷺ پر درود بھیجتے ہیں اور کوئی ایک فرشتہ بھی اس میں دوسرے فرشتوں سے پیچھے نہیں رہتا۔ اور حضور ﷺ کی امت آپ کے دین کی نصرت کے لئے قیامت تک جب بھی جہاد کرے گی تو فرشتے اُن کے ہاں حاضر ہوتے رہیں گے۔ اور حضرت جبریل علیہ السلام آپ کے اُمتی کی موت کے وقت حاضر ہوتے ہیں تاکہ وہ اس وقت شیطان کو امتی سے دور کر دیں۔ اور فرشتے ہر شب قدر کو آپ کی امت پر نازل ہوتے ہیں اور ان کو سلام کرتے ہیں قرآن کریم سے سورہ فاتحہ کی قرأت فرشتوں کو عطا کی گئی ہے حالانکہ وہ قرآن کریم کے باقی حصہ کو انسانوں سے سننے کا زیادہ شوق رکھتے ہیں۔ دوسری کسی کتاب کے بارے میں یہ وارد نہیں۔ حضرت اسرافیل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے حالانکہ وہ اس سے قبل کبھی زمین پر نہیں اُترے نہ اس کے بعد کبھی اُترے ہیں۔ اور ملک الموت نے آپ کی روح اقدس قبض کرنے کی اجازت طلب کی اور آپ کے علاوہ کسی اور سے کبھی اجازت طلب نہیں کرتے۔ اور آپ کی قبر اقدس پر ایک فرشتہ مقرر ہے جو آپ پر درود بھیجنے والوں کا درود آپ ﷺ تک پہنچاتا ہے اور آپ کی قبر انور پر ہر روز ستر ہزار فرشتے حاضری دیتے ہیں۔ اور قبر انور کو اپنے پروں سے ڈھانپ لیتے ہیں اور شام تک آپ پر درود بھیجتے رہتے ہیں۔ جب شام ہوتی ہے یہ آسمان کی طرف چڑھ جاتے ہیں اور دیگر ستر ہزار فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ یوں ہی یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا اور جب قیامت قائم ہوگی تو آپ ﷺ ستر ہزار فرشتوں کے ساتھ نکلیں گے۔

(الحاوی الفتاوی، مبحث الالہیات، ذکر الادلۃ التی اخذت......الخ، ج:2 ص:177)

اس حدیث کو ابن المبارک نے حضرت کعب سے نقل کیا ہے۔

کیا محشر میں خواتین کو مردوں کی طرح اللہ کی زیارت نصیب ہوگی؟

سوال...... کیا محشر میں خواتین مردوں کی طرح اللہ تعالیٰ کی زیارت سے مشرف ہوں گیں؟

جواب ہاں خواتین کو زیارت نصیب ہوگی بلکہ اہل سنت کے گروہ کے نزدیک محشر میں منافقین کو بھی نصیب ہوگی اور ایک گروہ کے نزدیک محشر میں کافروں کو بھی زیارت نصیب ہوگی اور پھر ان کو اس سے محروم کردیا جائے گا۔لیکن جنت میں اللہ تعالیٰ کی زیارت کے بارے میں اہل سنت کا اجماع ہے کہ وہاں صرف انبیاء کرام ،رسل عظام علیہم السلام پر امت کے صدیقین اور اس امت کے مؤمن مردوں کو نصیب ہوگی ۔اس امت کی خواتین کے بارے میں اختلاف ہے ایک قول کے مطابق خواتین اللہ تعالیٰ کی زیارت نہ کر پائیں گی کیونکہ وہ محلات میں رہائش پذیر ہوں گیں ۔اور ان کی زیارت کے بارے میں کوئی تصریح واقع نہیں ۔اور ایک قول کے مطابق جنت میں خواتین کو بھی زیارت نصیب ہوگی کیونکہ رؤیت کی نصوص میں عموم ہے ۔ایک قول کے مطابق خواتین کو دنیا میں پائے جانے والے ایام عید کی مانند ایام میں زیارت نصیب ہوگی مثلاً جمعۃ المبارک کے دن میں کیونکہ جمعہ کے دن تجلی عام ہوگی ۔دارقطنی نے یہ حدیث تخریج کی ہے کہ:

اِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ رَاَى الْمُؤْمِنُوْنَ رَبَّهُمْ عَزَّوَجَلَّ .وَ يَرَاهُ الْمُؤْمِنَاتُ يَوْمَ الْفِطْرِ وَ الْاَضْحٰى.

(رؤیۃ اللہ للدارقطنی ، ذکر الروایۃ عن انس ،رقم الحدیث:56،ج:1 ص:170)

قیامت کے دن مؤمنین اپنے رب عزوجل کی زیارت کریں گے ۔اور مؤمن عورتیں عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن اللہ تعالیٰ کی زیارت سے مشرف ہوں گیں ۔

کیا فرشتے اللہ تعالیٰ کی زیارت سے مشرف ہوں گے ۔؟

سوال......کیا فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی رؤیت ہوگی؟

جواب......شیخ عزالدین بن عبد السلام نے بیان کیا ہے کہ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی رؤیت نہیں ہوگی ۔انہوں نے اس پر ایک طویل استدلال کیا ہے اور ایک جماعت نے اُن کی اتباع کی ہے ۔لیکن اُن کے اس قول کو امام اہل سنت امام ابوالحسن اشعری رضی اللہ عنہ کی اس تصریح کی بناء پر رد کردیا گیا ہے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی زیارت سے مشرف ہوں گے ۔انہوں نے اپنی کتاب "الابانۃ فی اصول الدیانۃ" میں اس کو بیان کیا ہے ۔امام بیہقی رحمہ اللہ نے بھی ان کی اتباع کی ہے ۔اور انہوں نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبد اللہ بن عمر بن العاص اور ایک دوسرے صحابی سے اس پر حدیث روایت کی ہے ۔ابن القیم اور جلال البلقینی کا مختار بھی یہی ہے ۔ایک حدیث جس کی امام حاکم نے تصحیح کی ہے اس میں ہے کہ:

اَنَّ جِبْرِيْلَ مَا رَاٰى رَبَّهٗ قَطُّ قَبْلَ سَجُوْدِالنَّبِيِّ ﷺ بَيْنَ يَدَيْ رَبِّهٖ فِي الْمَوْقِفِ.

جبریل امین علیہ السلام کبھی بھی اپنے رب کی اس وقت تک زیارت نہیں کرسکیں گے جب تک

محشر میں رسول اللہ ﷺ اپنے رب کے حضور سجدہ نہ کریں گے۔

(صحیح ابن حبان، کتاب الاسرار، ذکر تعداد عائشہ قول ابن عباس الخ، رقم الحدیث: 60، ج: 1 ص: 257، مطبوعہ: ایضا)

اس حدیث سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کے بعد بھی جبریل امین علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی رؤیت نصیب نہ ہوگی اور اس سے یہ بھی لازم نہیں آتا کہ جبریل امین علیہ السلام کے علاوہ باقی فرشتوں کو رؤیت نصیب نہ ہوگی اور یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ کی رؤیت فرشتوں میں سے صرف حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ خاص ہے یہ قول ساقط الاعتبار ہے۔ جلال بلقینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ابن عبدالسلام کے قول کے مطابق جنات کو اللہ تعالیٰ کی رؤیت نصیب نہ ہونا بطریق اولیٰ ثابت ہوگا کیونکہ ان کے نزدیک فرشتوں کو رؤیت نصیب نہ ہوگی۔ اور بھی اولویت میں بھی توقف کیا جاتا ہے۔ کیونکہ شریعت کے عرف میں ایمان ثقلین (جن وانس) کے مؤمنوں کو شامل ہے اس کے بعد انہوں نے فرشتوں کی رؤیت کا ثبوت تسلیم کیا ہے اور اس کے بعد فرماتے ہیں: ہمارے آئمہ کے استدلال کا اقتضاء ہے کہ جنات میں سے جو مؤمن ہیں ان کے لئے رؤیت الٰہی ثابت ہے۔

کیا سابقہ امتوں کے مؤمنین کے لئے اس امت کی طرح اللہ تعالیٰ کی زیارت ہوگی؟

سوال...... کیا سابقہ امتوں کے اہل ایمان کو اس امت کی طرح اللہ تعالیٰ کی رؤیت نصیب ہوگی؟

جواب...... اس بارے میں ابن ابی حمزہ مالکی رحمہ اللہ نے دو احتمال ذکر کئے ہیں اور اس کے بعد فرمایا ہے کہ زیادہ واضح یہ ہے کہ سابقہ امتوں کے مؤمن رؤیت الٰہی میں اس امت کے مساوی ہیں اس کی تائید اس صحیح حدیث سے ہوتی ہے کہ:

اِنَّ اللّٰہَ یَتَجَلّٰی لِلْخَلَائِقِ عَامَّۃً وَ یَتَجَلّٰی لِاَبِیْ بَکْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ خَاصَّۃً.

اللہ تعالیٰ کا تمام مخلوق کے لئے عام جلوہ ہوگا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لئے خاص جلوہ ہوگا۔

(الحاوی الفتاوی، مبحث المعاد، تحفۃ الجلساء وبرؤیۃ اللہ، الخ ج: 2 ص: 243)

ایک روایت میں لِلْخَلَائِقِ کی بجائے للنّاس کا لفظ ہے۔ الخلائق والی روایت میں اُس قول کی تائید ہے جو اللہ تعالیٰ کی فرشتوں کے لئے رؤیت کو ترجیح دیتا ہے اسی طرح ان لوگوں کی بھی تائید ہے جو خواتین اور جنات کے لئے زیارت نصیب ہونے کے قائل ہیں۔ البتہ اگر اس رؤیت سے مراد محشر والی رؤیت ہے تو پھر جنت میں مذکورہ افراد کی رؤیت پر کوئی دلالت نہ ہوگی کیونکہ محشر میں ہونے والی زیارت سب کو عام ہوگی۔

کیا فرشتوں کی رؤیت ممکن ہے؟

سوال......کیا فرشتوں کی زیارت ممکن ہے؟

جواب......ہاں فرشتوں کو دیکھنا ممکن ہے۔جیسا کہ بہت ساری احادیث میں اس کا تذکرہ ہے ان میں سے ایک حدیث وہ ہے جسے امام احمد رحمہ اللہ وغیرہ ائمہ نے ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک شخص کو دیکھا جو آپ سے گفتگو کررہا ہے۔اور اس نے کافی طویل گفتگو کی جب وہ واپس ہوگیا تو صحابی رضی اللہ عنہ نے اس شخص کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کیا تم نے اسے دیکھا ہے؟ صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کی ہاں میں نے اس کو دیکھا ہے۔تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ وہ کون تھا؟ صحابی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے کہا میں نہیں جانتا تو آپ نے فرمایا:

ذَالِکَ جِبْرِیْلُ مَازَالَ یُوْصِیْنِیْ بِالْجَارِ حَتّٰی ظَنَنْتُ اَنَّہٗ سَیُوَرِّثُہٗ ثُمَّ قَالَ اَمَا اَنَّکَ لَوْ سَلَّمْتَ عَلَیْہِ لَرَدَّ عَلَیْکَ السَّلَامَ .

وہ جبریل علیہ السلام تھے جو مجھے پڑوسی کے بارے میں وصیت کرتے رہے حتیٰ کہ میرا گمان ہوا کہ وہ پڑوسی کو (دوسرے پڑوسی کا) وارث قرار دیں گے۔پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم ان پر سلام کرتے تو وہ ضرور تمہارے سلام کا جواب دیتے۔

(مسند احمد، مسند البصریین، حدیث رجل من الانصار، رقم الحدیث: 20350، ج: 33، ص: 459، مطبوعہ: ایضا)

ابوموسیٰ المدینی رحمہ اللہ نے حضرت تمیم بن سلمۃ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے ایک شخص کو واپس جاتے ہوئے دیکھا کہ جس نے عمامہ باندھا ہوا تھا اور پشت کی جانب اس کا شملہ لٹکایا ہوا تھا۔تو حضرت تمیم بن سلمہ علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی یارسول اللہ یہ کون تھا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا یہ جبریل امین علیہ السلام تھے۔

حضرت امام احمد، امام طبرانی اور امام بیہقی رحمہم اللہ نے حضرت حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کی ہے کہ وہ گزر رہے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت جبریل علیہ السلام تشریف فرما تھے۔تو انہوں نے سلام عرض کیا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کیا تم نے دیکھا ہے کہ میرے ساتھ کون تھا؟ عرض کی ہاں میں نے دیکھا تھا۔تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ جبریل علیہ السلام تھے اور انہوں نے تمہارے سلام کا جواب دیا ہے۔

(الحاوی الفتاوی، الفتاوی الصوفیۃ، تنویر الحلک فی امکان الخ، ج: 2، ص: 320)

حضرت امام احمد وامام بیہقی رحمہما اللہ نے حدیث روایت کی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی اسی

طرح جبریل امین علیہ السلام کو دیکھا ہے۔اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ:
رَاَیْتُ جِبْرِیْلَ مَرَّتَیْنِ (میں نے جبریل کو دو مرتبہ دیکھا ہے۔)

(الحاوی الفتاوی، الفتاوی الصوفیۃ، تنویر الحلک فی امکان الخ، ج:2 ص:320)

ابوبکر بن ابوداؤد رحمہ اللہ کی حدیث میں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جبریل امین علیہ السلام کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہونے والی گفتگو کو سنا کرتے تھے۔طبرانی اور بیہقی رحمہما اللہ نے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب سے گزرے تو آپ کو دیکھا کہ آپ نے سرگوشی کے انداز میں اپنا رخسار اقدس ایک شخص کے رخسار پر رکھا ہوا ہے۔تو وہ آپ کو سلام کئے بغیر گزر گئے۔جب وہ واپس لوٹے تو آپ نے فرمایا کہ تجھے سلام کرنے سے کون سی چیز مانع تھی صحابی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی یارسول اللہ!صلی اللہ علیک وسلم میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ اُس شخص کے ساتھ اس انداز کے ساتھ پیش آرہے تھے جس انداز کے ساتھ آپ لوگوں میں سے کسی کے ساتھ بھی پیش نہیں آتے اس لئے میں نے یہ ناپسند کیا کہ میں آپ کے سلسلۂ گفتگو کو قطع کروں یارسول اللہ!صلی اللہ علیک وسلم وہ کون تھا؟آپ نے فرمایا وہ جبریل امین علیہ السلام تھے۔

(الحاوی الفتاوی، الفتاوی الصوفیۃ، تنویر الحلک فی امکان الخ، ج:2 ص:320)

امام حاکم رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ:
اَنَّھَا رَاَتْ جِبْرِیْلَ وَاقِفًا بِحُجْرَتِھَا وَرَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم یُنَاجِیْہِ۔
کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت جبریل علیہ السلام کو اپنے حجرہ اقدس میں موجود دیکھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے راز و نیاز کی گفتگو فرما رہے تھے۔

(الحاوی الفتاوی، الفتاوی الصوفیۃ، تنویر الحلک فی امکان الخ، ج:2 ص:321)

شیخین کی وہ حدیث جس میں حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ جب وہ قرآن کریم کی تلاوت کر رہے تھے تو ان کا گھوڑا بدکنے لگا۔جب انہوں نے تلاوت سے خاموشی اختیار کی تو وہ اپنی جگہ ٹھہر گیا۔پھر انہوں نے تلاوت شروع کی تو پھر وہ بدکنے لگا تو انہوں نے اپنا سر اٹھا کر دیکھا تو انہیں بادل کی مانند کوئی چیز نظر جس میں چراغ کی مانند کوئی چیز تھی۔جو آسمان کی طرف بلند ہوگئی۔صبح ہوئی تو انہوں نے یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیان کیا تو آپ نے فرمایا:

تِلْکَ الْمَلَائِکَۃُ دَنَتْ لِصَوْتِکَ لَوْ رَاَتِ النَّاسُ تَنْظُرُ اِلَیْھَا لَا تَتَوَارٰی عَنْھُمْ۔
وہ فرشتے تھے جو تمہاری تلاوت سن کر ٹھہر گئے اگر لوگ ان کو دیکھتے وہ ان کو دیکھ سکتے تھے اور وہ

ان کی آنکھوں سے اوجھل نہ ہوتے۔

(صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب نزول السکینۃ الخ، رقم الحدیث: 5018، ج:6 ص:190)

متعدد طرق کے ساتھ مروی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی تعداد نے ان فرشتوں کو دیکھا جو بدر کے دن جہاد میں شریک ہوئے تھے۔

ابن سعد اور بیہقی رحمہما اللہ نے تخریج کیا ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ یارسول اللہ حضرت جبریل کی مجھے ان کی اصل صورت میں زیارت کروائیں۔تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا نیچے بیٹھ جائیں۔پس جبریل علیہ السلام نے کعبہ مقدسہ میں رکھی ہوئی ایک لکڑی پر نزول فرمایا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا اپنی نگاہ اٹھا کر دیکھو تو انہوں نے اپنی نگاہ اٹھائی تو جبریل امین علیہ السلام کے دونوں پاؤں سبز زبرجد کی مانند انہیں نظر آئے۔

(الحاوی للفتاوی، الفتاوی الصوفیۃ، تنویر الحلک فی امکان الخ، ج:2 ص:363)

دنیا میں اللہ تعالیٰ کی زیارت نصیب نہ ہونے کی حکمت

سوال......اللہ تعالیٰ کی زیارت آخرت میں نصیب ہوگی دنیا میں نصیب نہ ہونے کی کیا حکمت ہے؟

جواب......امام مالک رحمہ اللہ اس حکمت کا افادہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس کا سبب یہ ہے کہ دنیا والوں کے قویٰ ضعیف ہیں اس لئے وہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی زیارت نہیں کرسکتے بخلاف آخرت کے کہ وہاں ان کے قویٰ میں ضعف نہیں ہوگا بلکہ انکی قوت میں اضافہ ہوگا۔اس لئے وہاں زیارت کرسکیں گے۔کیونکہ آخرت میں ان کی تخلیق بقاء کے لئے ہے،اور شب اسراء اپنے سر کی آنکھ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی زیارت سے مشرف ہونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے اور آپ کی یہ خصوصیت آپ کے لئے بطور معجزہ و کرامت کے ہے۔

کیا خواتین کو جنت میں اللہ تعالیٰ کی زیارت نصیب ہوگی؟

سوال......کیا خواتین بھی جنت میں اللہ تعالیٰ کی زیارت سے مشرف ہوں گیں؟

جواب......ایک قول کے مطابق رؤیت نصیب نہ ہوگی کیونکہ ان کے بارے میں کوئی خاص دلیل وارد نہیں۔اور ایک قول کے مطابق ان کو بھی زیارت نصیب ہوگی کیونکہ رؤیت کی نصوص عام ہیں۔ایک قول کے مطابق انہیں صرف ان کی خاص عیدوں کے ایام میں زیارت نصیب ہوگی۔اور ایام جمعۃ المبارک کی عیدوں میں مردوں کے ساتھ ان کو زیارت نصیب نہ ہوگی۔اسی قول کو اس لئے راجح قرار دیا گیا ہے اس میں ایک حدیث وارد

ہے ابن رجب نے اسی پر جزم کیا ہے۔

(الحاوی الفتاوی، الفتاوی النحویۃ، تعریف الفئۃ باجوبۃ الخ، ج:2 ص:363)

امام جلال الدین رحمہ اللہ نے تمام صدیقات کو اس سے مستثنیٰ قرار دیتے ہوئے فرمایا: کہ وہ مردوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی زیارت سے مشرف ہوں گیں اور یہ شرف انہیں بطور ان کی کرامت کے ہوگا۔

کیا انبیاء کرام علیہم السلام، فرشتے اور عشرہ مبشرہ کو خوف لاحق ہوتا ہے؟

سوال ......کیا انبیاء کرام علیہم السلام، فرشتے اور عشرہ مبشرہ کو خوف لاحق ہوتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے امن میں نہیں ہوتے۔ یا انہیں خوف لاحق نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے مامون ہوتے ہیں۔ اگر تم کہو کہ وہ ان کو خوف لاحق ہوتا ہے اور مامون نہیں ہوتے ہیں۔ تو اس شخص کا کیا حکم ہے جو کہتا ہے کہ ان کو خوف لاحق نہیں ہوتا اور وہ اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے مامون ہوتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ امن والے اور خوف رکھنے والوں میں سے افضل ہیں اسی طرح عشرہ مبشرہ کو بھی خوف لاحق نہیں ہوتا اور وہ امن میں ہوتے ہیں حضور ﷺ کا انہیں جنت کی بشارت دینے کے بعد ان کی طرف خوف وغیرہ کو منسوب کرنا جائز نہیں؟

جواب......مذکورہ حضرات سے مطلق خوف کی نفی اور ان کے لئے مطلق امن کے اثبات کا نظریہ باطل ہے کیونکہ یہ نصوص سے متصادم ہے۔ بسا اوقات ایسا نظریہ رکھنے والے پر گناہ کبیرہ لازم آنے اور بہت بڑے فریب میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے۔ پس اس نظریہ والے کی طرف التفات نہ کی جائے۔ اور نہ اس پر اعتماد کیا جائے محسوس ایسا ہوتا ہے گویا کہ اس شخص کو دعاءِ تشہد بھی یاد نہیں۔ اور یہ شخص خوف کی حقیقت بھی نہیں سمجھا اور آئمہ نے اس بارے میں جو کلام کیا ہے اس کا احاطہ بھی اس نے نہیں کیا۔ یہ صرف اس خیال سے دھوکہ میں مبتلا ہوا ہے جسے اس کے بُرے عمل نے اس کو مزین کر دکھایا ہے۔ جس کے سبب اس نے اس کو اچھا سمجھ لیا۔

اس شخص کے مذکورہ قول کے بطلان کو چند وجوہ سے بیان کیا جاتا ہے اور وہ وجوہ درج ذیل ہیں:

اول......

''احیاء العلوم'' وغیرہ کتابوں میں خوف کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ مستقبل میں مکروہ کے رونما ہونے کی توقع سے دل کا الم اور سوز میں مبتلا رہنے کا نام خوف ہے۔

(احیاء علوم الدین، کتاب الخوف والرجاء، الشطر الاول فی الرجاء، ج:4 ص:155)

پھر اس مکروہ کی دو قسمیں ہیں:

1......اللہ تعالیٰ کے تمام حقوق کی ادائیگی میں قوت کے ضعیف ہونے کا خوف۔یعنی اللہ تعالیٰ کے حقوق جس طرح اس کی شان کے مناسب اور جس طرح خائف کے مقام کے لائق ہیں اس طرح ان کی ادائیگی میں قوت کے ضعیف ہونے کا خوف۔

اس معنی کے اعتبار سے خوف انبیاء کرام علیہم السلام میں قطعاً متحقق ہے بلکہ اس کا کمال ہمارے نبی کریم ﷺ کے لئے ثابت ہے اس کا انکار وہی شخص کرسکتا ہے جس کو اسلام کی خوشبوں تک نہ پہنچی ہو۔انبیاء کرام علیہم السلام میں اس درجہ کے تحقق سے ان میں مکروہ سے عدم امن کا تحقق لازم آجاتا ہے کیونکہ اس کی من جملہ اقسام میں سے قوت کا ضعیف ہونا ہے جو کہ واضح ہے۔ہر معمولی سی سمجھ رکھنے والے انسان کے ہاں اس بارے میں کوئی شک نہیں کہ ہر کامل شخصیت خواہ وہ نبی ہے یا کوئی اور وہ اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے مامون نہیں کہ کہیں اللہ تعالیٰ اس کو ضعیف کردے یا اللہ تعالیٰ اس کو کامل مرتبہ سے تنزل کی طرف لے جائے۔کیونکہ اس سے مامون رہنے پر کوئی قطعی دلیل نہیں پائی جاتی بلکہ ایسی ظنی دلیل بھی نہیں پائی جاتی جس پر اعتماد کیا جاسکے۔البتہ نبوت یا ملکیت یا عشرہ مبشرہ میں ایمان سے معزولی کا کوئی خطرہ نہیں بلکہ ان امور میں امن متحقق ہے لیکن ملکیت سے معزولی کا امن واقع نہیں کیونکہ فرشتوں کا ملکیت سے معزولی معہود ومعروف ہے بلکہ ان کی ایمان سے معزولی بھی معہود ہے۔جیسا کہ ابلیس لعین کو ملکیت اور ایمان سے معزول کردیا گیا ہے کیونکہ امام نووی رحمہ اللہ کے قول کے مطابق زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ ابلیس فرشتوں میں سے تھا۔اور ظاہر قرآن بھی اسی کی شہادت دے رہا ہے۔اور اس کے جنات میں سے ہونے کی کئی تاویلات کی گئی ہیں۔ان میں سے ایک تاویل یہ ہے کہ جنات فرشتوں ہی کی ایک نوع ہے جس کو یہ نام دیا گیا ہے۔

دوم......

"احیاء العلوم" میں ہے کہ علم،خوف اور تقوٰی کے درمیان لزوم ہے کیونکہ خوف علم کا ثمرہ ہے اور تقوٰی خوف کا ثمرہ ہے۔اور اس میں کوئی شک نہیں کہ انبیاء کرام اور ان کے بعد والے صالحین سب میں علم،تقوٰی اور خوف کا کمال پایا جاتا ہے۔اور اسی طرح رجاء اور خوف ایک دوسرے کے لئے لازم ہیں کیونکہ ہر وہ شخص جو اپنی پسندیدہ چیز کی امید رکھتا ہے وہ لازماً اس کے بارے میں خوف میں بھی مبتلا رہے گا اگر ایسا نہیں تو وہ اس کے ساتھ محبت کرنیوالا نہیں ہوگا۔لہٰذا ان دونوں کا ایک دوسرے سے انفکاک محال ہے اگرچہ ان میں سے ایک کے احساس سے دل کا غافل ہونا ممکن ہے۔

(احیاء علوم الدین،کتاب الخوف والرجاء،الشطر الاول فی الرجاء،ج:4ص:160)

اعتراض

خوف ورجاء کے بارے میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ خوف اور رجاء کی شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ ان

دونوں کا ایسی چیز کے ساتھ تعلق ہو جس میں شک پایا جاتا ہو۔ کیونکہ معلوم چیز کے بارے میں نہ رجاء ہوتی اور نہ اس میں خوف کیا جاتا ہے۔ اس شرط میں مذکورہ نظریہ والے کی تائید ہوتی ہے کیونکہ مذکورہ تمام کاملین (انبیاء، فرشتے اور عشرہ مبشرہ) اپنے معاملے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یقین رکھتے ہیں۔

جواب

اس میں مذکورہ نظریہ رکھنے والے کی کوئی تائید نہیں پائی جاتی بلکہ یہ اس کے خلاف حجت ہے کیونکہ خوف کے سابقہ معنی کے مطابق خوف کی حقیقت امر مشکوک ہے جس کی غایت کے ثبوت پر کوئی قطعی دلیل قائم نہیں اور نہ ہی اس کی خصوصیت کی کوئی حد ہے اور نہ ہی خوف ورجاء کی غایت سے منفی ہونے پر کوئی قطعی دلیل قائم ہے۔ کاملین کا کمال اگر اپنی انتہاء کو پہنچ چکا ہے تو پھر ان کا طریق کار یہ ہے کہ وہ اس غایت کمال کی ہمیشہ رجاء رکھیں، اور اس کے معدوم ہونے کا ہمیشہ اپنے دل میں خوف رکھیں اور کاملین کو جس چیز کا یقین ہوتا ہے وہ اصل کمال ہے اس کے باوجود کاملین اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کا مخلوق سے بے نیاز ہونے کا شعور اور اس امر پر یقین رکھنے کی وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ جو کرتا ہے اس پر کسی کو سوال کرنے کی سکت نہیں اور اس پر کسی کے لئے کوئی چیز واجب نہیں ان مذکورہ امور کے شعور کی وجہ سے کاملین کے دلوں پر بھی خوف طاری ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ جس چیز کا وعدہ فرمایا ہے اور جس چیز کی ان کو خبر دی ہے وہ ایسے امر کے ساتھ مشروط ہے جس کو اللہ تعالیٰ کے علم نے ان سے پوشیدہ رکھا ہوا ہے۔ یہی چیز ان کے خوف کی موجب ہے حتیٰ کہ اصلِ کمال کے سلب ہونے کے خوف کا بھی موجب ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ کا آئندہ آنے والا کلام اس کی تصریح کر رہا ہے۔

سوم

زید بن اسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ جو قرآن خوب جاننے والوں میں سے ہیں انہوں نے فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے تحت داخل قرار دیا ہے:

فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ. (سورۃ الاعراف، آیت:99)

ترجمہ: اللہ کی خفیہ تدبیروں سے نڈر نہیں ہوتے مگر تباہی والے۔

ابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ تم یہ کیسے خوف میں مبتلا ہو حالانکہ میں نے تمہیں وہ مرتبہ عطا فرمایا ہے جو تمہارے سوا کسی اور کو نہیں عطا کیا۔ تو فرشتوں نے عرض کی اے ہمارے رب! تیری خفیہ تدبیر سے خسارے والی قوم کے سوا کوئی بھی بے خوف نہیں۔

(احیاء علوم الدین، کتاب العلم، الباب الثانی فی العلم المحمود والمذموم، ج:1 ص.25)

چہارم

حضرت امام غزالی رحمہ اللہ نے "احیاء العلوم" میں اس کی ایسی اچھی تصریح فرمائی ہے جس میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں ہے وہ فرماتے ہیں: انبیاء کرام اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے فیضان کے باوجود خوف الٰہی رکھتے ہیں۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے بے خوف نہیں ہوتے اور اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے سوائے خسارہ والی قوم کے کوئی بھی بے خوف نہیں رہتا۔

(احیاء علوم الدین، کتب الخوف والرجاء، الشطر الاول فی الرجاء، ج:4 ص:170)

حتیٰ کہ مروی ہے:

اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ وَجِبْرِیْلَ عَلَیْہِ السَّلَامُ بَکِیَا خَوْفًا مِّنَ اللّٰہِ عزوجل فَاَوْحَی اللّٰہُ اِلَیْھِمَا لِمَ تَبْکِیَانِ وَ قَدْ اٰمَنْتُکُمَا فَقَالَا وَمَنْ یَّامَنُ مَکْرَکَ.

نبی کریم ﷺ اور جبریل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے خوف سے رونے لگے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی فرمائی کہ تم دونوں کیوں رو رہے ہو حالانکہ میں نے تم دونوں کو امن دیا ہوا ہے۔ تو دونوں نے عرض کی یا اللہ! تیری خفیہ تدبیر سے کون بے خوف رہ سکتا ہے؟

(احیاء علوم الدین، کتب الخوف والرجاء، الشطر الاول فی الرجاء، ج:4 ص:170)

گویا کہ حضور ﷺ اور حضرت جبریل علیہ السلام کو یہ یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ علام الغیوب ہے اور ہمیں امور کی غایت کا علم نہیں۔ اس لئے وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کہ "میں نے تمہیں امن سے نوازا ہے"۔ فرمانے کے باوجود بے خوف نہیں ہوئے کہ کہیں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ان کی آزمائش وامتحان اور ان کے لئے اس کی خفیہ تدبیر نہ ہو۔ حتیٰ کہ اگر ان کا خوف ختم ہو جاتا تو واضح ہو جاتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے بے خوف ہو چکے ہیں اور وہ یہ عرض نہ کر سکے کہ اے اللہ تیری خفیہ تدبیر سے کون بے خوف رہ سکتا ہے۔

اس کے بعد امام غزالی فرماتے ہیں:

یہ ایسے ہی جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں خبر دی گئی ہے۔ جب انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ:

اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ یَّفْرُطَ عَلَیْنَآ اَوْ اَنْ یَّطْغٰی. (سورۃ طٰہٰ آیت:45 پ:16)

اے ہمارے رب بے شک ہم ڈرتے ہیں کہ وہ ہم پر زیادتی کرے یا شرارت سے پیش آئے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لاَ تَخَافَا اِنَّنِیْ مَعَکُمَا اَسْمَعُ وَ اَرٰی. (سورۃ طٰہٰ، آیت:46پ:16)

ترجمہ:ڈرو نہیں میں تمہارے ساتھ ہوں سنتا اور دیکھتا۔

اس کے باوجود جب ساحروں نے اپنے سحر کا عمل شروع کیا تو حضرت موسٰی علیہ السلام نے اپنے اندر ایک خوف محسوس کیا کیونکہ وہ اللہ تعالٰی کی خفیہ تدبیر اور اپنے پر التباس امر سے بے خوف نہ تھے حتیٰ کہ دوبارہ ان کو امن کی خوشخبری دی گئی اور ان سے فرمایا گیا۔

لاَ تَخَفْ اِنَّکَ اَنْتَ الْاَعْلٰی . (سورۃ طٰہٰ، آیت:68پ:16)

ترجمہ:ڈرو نہیں بے شک تو ہی غالب ہے۔

(احیاء علوم الدین، کتب الخوف والرجاء، الشطر الاول فی الرجاء، ج:4ص:171)

غزوہ بدر کے موقع پر جب مسلمانوں کی شوکت میں ضعف پیدا ہوا تو حضور ﷺ نے اللہ تعالٰی کی بارگاہ میں عرض کی:

اَللّٰھُمَّ اَنْ تُھْلَکَ ھٰذِہِ الْعِصَابَۃُ لَمْ یَبْقِ عَلٰی وَ جْہِ الْاَرْضِ اَحَدٌ یَعْبُدُکَ .

اے اللہ! اگر تو اس جماعت کو ہلاک کردے گا تو روئے زمین پر تیری عبادت کرنے والا کوئی بھی باقی نہ رہے گا۔

اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی:

دَعْ مَنَاشِدَتُکَ رَبَّکَ فَاِنَّہٗ وَافٍ لَّکَ بِمَا وَعَدَکَ .

یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! اپنے رب سے مناجات کرنا چھوڑ دیجئے بے شک آپ کا رب آپ سے کئے ہوئے وعدہ کو پورا فرمائے گا۔

(احیاء علوم الدین، کتب الخوف والرجاء، الشطر الاول فی الرجاء، ج:4ص:171)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے وعدے پر کامل اعتماد و یقین کے مقام پر فائز تھے اور حضور ﷺ اللہ تعالٰی کی خفیہ تدبیر سے خوف کے مقام پر فائز تھے اور اس خوف کا صدور اللہ تعالٰی کے اسرار اور اس کے پوشیدہ افعال اور اس کی صفات کے ان معانی کی کمال معرفت سے ہوتا ہے جن سے صادر ہونے والے بعض معانی کو اللہ کی خفیہ تدبیر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔اور صفاتِ الٰہیہ کی حقیقت سے واقفیت کسی بھی بشر کو حاصل نہیں اور جس کو حقیقی معرفت حاصل ہوتی ہے تو وہ مشیت الٰہی سے متعلق امور کی حقیقت کی معرفت سے قاصر ہوتی ہے۔لامحالہ اس کا خوف بڑا اور عظیم ہوجاتا ہے۔اسی لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ کی بارگاہ میں عرض کی تھی کہ:

اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ.

(سورۃ المائدہ، آیت: 116)

ترجمہ: اگر میں نے ایسا کہا ہو تو تجھے ضرور معلوم ہوگا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا اور اپنی ذات کو مکمل طور پر درمیان سے نکال دیا۔ کیونکہ انہیں یقین تھا کہ اس بارے میں انہیں کسی چیز کا بھی اختیار حاصل نہیں۔ اور انہیں یقین تھا کہ امور کا اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ساتھ ایسا ارتباط ہے جس نے معقولات اور مالوفات کی حد سے ان کو خارج کر دیا ہے۔ جس کی وجہ سے ان پر کسی قیاس اور گمان سے کوئی حکم لگانا ناممکن ہے۔ تحقیق کرنا اور یقین حاصل کرنا تو دور کی بات ہے۔ اور یہ وہی چیز ہے جس پر عارفین کے قلوب یقین رکھتے ہیں۔ (امام غزالی رحمہ اللہ کا کلام ختم ہو گیا۔)

امام غزالی رحمہ اللہ کی مذکورہ عبارت پر غور کیجئے خاص کر اس حدیث پر غور کریں۔ جو حضور ﷺ اور حضرت جبریل امین علیہ السلام سے نقل کی ہے۔ اگر چہ یہ حدیث ضعیف ہے لیکن اس سے قبل جو صحیح حدیث ہم نے نقل کی ہے وہ اس کے معنی کی تائید کرنے والی ہے۔ اسی طرح جو چیز ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق نقل کی ہے۔ وہ بھی اس کی تائید کر رہی ہے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے باوجود خوف محسوس کیا:

لَا تَخَافَا اِنَّنِیْ مَعَكُمَا اَسْمَعُ وَ اَرٰی. (سورۃ طٰہٰ، آیت: 46 پ: 16)

ترجمہ: ڈرو نہیں میں تمہارے ساتھ ہوں سنتا اور دیکھتا۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اس میں کوئی شبہ نہیں بلکہ جواب کی ابتداء میں جو نظریہ مذکورہ ہے اس پر کوئی دلیل نہیں پائی جاتی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے احسان وکرم کے سبب اس نظریہ سے اپنی پناہ میں رکھے۔ ہم نے اپنے مدعیٰ پر قرآن کریم کی درج ذیل آیت اور نبی کریم ﷺ کی اس صحیح حدیث سے استدلال نہیں کیا۔

وَ مَا اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَ لَا بِكُمْ. (سورۃ الاحقاف، آیت: 9)

ترجمہ: اور میں نہیں جانتا میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا۔

وَ اللّٰهِ مَا اَدْرِیْ وَ اَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَبِكُمْ.

ترجمہ: اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا حالانکہ میں اللہ کا رسول ہوں کہ میرے اور تمہارے ساتھ کیا معاملہ پیش آئے گا۔

(مسند اسحاق بن راھویہ، ما روی عن سعید بن المسیب الخ، رقم الحدیث: 1104، ج: 2 ص: 516، مطبوعہ: مکتبۃ الایمان، مدینہ منورہ)

ان سے استدلال نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ علماء کی ایک جماعت جن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں ان کا نظریہ ہے کہ اس آیت اور حدیث کا تعلق اس وقت کے ساتھ ہے جب آپ کو اپنے ساتھ پیش آنے والے معاملے کا علم نہیں دیا گیا تھا۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے معاملہ کا علم اپنے اس فرمان کے ذریعہ دیا:

إِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِيْنًا۔ (سورۃ الفتح، آیت: 1)

ترجمہ: بے شک ہم نے تمہارے لئے روشن فتح فرمادی۔

اور اپنے صحابہ کے انجام کا علم بھی اس فرمان کے ذریعہ دیا:

لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا۔

(سورۃ الفتح: آیت: 5)

تاکہ ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو جنت میں لے جائے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ ہمیشہ ان میں رہیں گے۔

وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا۔ (سورۃ الاحزاب، آیت: 47 پ: 22)

ترجمہ: اور ایمان والوں کو خوشخبری دو کہ ان کے لئے اللہ کا بڑا فضل ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ قول آئمہ حفاظ مثلاً ابوداؤد، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے تخریج کیا ہے۔

اعتراض

عبد بن حمید رحمہ اللہ نے حضرت حسن سے جو حدیث نقل کی ہے وہ حدیث سوال میں مذکورہ نظریہ کی تائید کرتی ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں جب یہ آیت:

مَا اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَ لَا بِكُمْ۔ الاية.

نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک عرصہ تک خوف میں مبتلا رہے جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

إِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِيْنًا الاية.

تو آپ اللہ کی عبادت میں زیادہ مشقت اٹھانے لگ گئے۔ تو آپ سے عرض کی گئی یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ اپنی ذات کو اتنی زیادہ مشقت میں ڈال رہے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو معصوم پیدا کیا ہے۔ اور آپ کے حق میں فرمایا:

لِيَغْفِرَ لَکَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَ مَا تَاَخَّرَ۔ (سورۃ الفتح، آیت: 2)

تو آپ نے جواب میں فرمایا:

اَفَلَا اَكُوْنَ عَبْدًا شَكُوْرًا۔

ترجمہ: کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔

(شعب الایمان، حب النبی، فصل فی براۃ نبینا، رقم الحدیث: 1415، ج: 3 ص: 83)

اسی طرح

مَا اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَ لَا بِکُمْ. الایۃ

والی آیت کی تفسیر میں ابن جریر رحمہ اللہ نے حضرت حسن سے جو حدیث تخریج کی ہے وہ بھی مذکورہ نظریہ کی تائید کرتی ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

> اس میں معاذ اللہ آخرت کا معاملہ تو مراد نہیں آپ کا ٹھکانا جنت ہی ہے آخرت کا معاملہ تو آپ کو جب رسولوں سے میثاق لیا گیا تھا تو اس وقت ہی بتا دیا گیا کہ اس سے مراد دنیا کا معاملہ ہے اور اس کے بعد آپ کو دنیا کا معاملہ بھی بتا دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی نصرت وحمایت فرمائے گا اور آپ کے دین کو غلبہ نصیب فرمائے گا۔ اور آپ ﷺ کو امت کے بارے میں بھی بے خوف کر دیا گیا کہ آپ ﷺ جب تک امت میں موجود ہیں ان کو عذاب کے ذریعہ ہلاک نہیں کیا جائے گا۔

(شعب الایمان، حب النبی فصل فی براۃ نبینا، رقم الحدیث: 1415، ج:3 ص:83)

جواب...... مذکورہ حدیث میں اس نظریہ کی کوئی تائید نہیں بنتی۔ معترض کا یہ کہنا کہ حدیث میں ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد ایک عرصہ تک آپ خوف محسوس کرتے رہے اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ دنیا سے اپنے بارے میں ایک عرصہ تک اس خوف میں رہے کہ آپ ﷺ کا دنیا سے وصال اپنے سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کی طرح ہوگا یا آپ ﷺ کو اپنے سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کی طرح شہید کر دیا جائے گا۔ یا آپ ﷺ اپنی امت کے بارے میں خوف میں رہے کہ وہ آپ ﷺ کی تکذیب کریں گے۔ یا ان پر آسمان سے پتھر برسائے جائیں گے۔ یا ان کو پہلی امتوں کی طرح زمین میں دھنسا دیا جائے گا۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے ثابت دوسری روایت میں وہ خود اس بات کی تصریح کر رہے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس خوف سے امن عطا فرمایا تو آپ پر اپنے رب کے حضور شکر ادا کرنے کا جذبہ غالب ہو گیا۔ اور یہ ساری باتیں ہم نے خوف کا جو معنی جواب کی ابتداء میں بیان کیا ہے اس کے منافی نہیں ہیں۔ اور معترض کے اعتراض کی دوسری جزء کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو یہ بتا دیا تھا کہ آخرت میں آپ کا ٹھکانہ جنت ہی ہے۔ یہ خوف کا جو معنی ہم نے سابقاً بیان کیا ہے اس خوف کے منافی نہیں جیسا کہ ہر ذی شعور پر مخفی نہیں۔

پنجم

شیخین نے یہ حدیث نقل کی ہے کہ: وَ اللّٰہِ اِنِّیْ لَاَعْلَمُھُمْ بِاللّٰہِ وَ اَشَدُّھُمْ لَہٗ خَشْیَۃً۔ (اللہ کی قسم! میں

سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھنے والا ہوں اور میں سب سے زیادہ اس کا خوف رکھنے والا ہوں۔)

(مسند اسحاق بن راہویہ، ما یروی عن مسلم بن صبیح الخ، رقم الحدیث: 1458، ج: 3 ص: 818)

بخاری شریف کی حدیث میں ہے: لَاِنِّیْ لَاَخْشَاکُمْ لِلّٰہِ وَ اَتْقَاکُمْ لَہٗ۔ (بے شک میں تم سب سے زیادہ اللہ کی خشیت رکھنے والا اور تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں۔)

(صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح، رقم الحدیث: 5063، ج: 7 ص: 2)

امام بیہقی رحمہ اللہ نے یہ حدیث نقل کی ہے اور اس کو حدیث غریب قرار دیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ:

لَوْ یُؤَاخِذُنِیَ اللّٰہُ بِمَا فَعَلَتْہُ ھٰؤُلَاءِ لَاَرْتَقَنِیْ۔

(ان لوگوں کے اعمال کی وجہ سے اگر اللہ تعالیٰ میرا مواخذہ فرماتا تو مجھے جکڑ دیتا) اور آپ نے اپنے دونوں مقدس ہاتھوں کی طرف اشارہ فرمایا۔

(شعب الایمان للبیہقی، باب فی الصبر علی المصائب الخ فصل فی ذکر ما فی الاوجاع الخ رقم الحدیث: 9360، ج: 12 ص: 255 مطبوعہ: ایضاً)

امام بیہقی رحمہ اللہ ہی نے تخریج کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے:

قُلْتُ لِجِبْرِیْلَ یَا جِبْرِیْلُ مَالِیْ اَرٰی اِسْرَافِیْلَ لَا یَضْحَکُ وَ لَا یَاتِیْنِیْ اَحَدٌ مِنَ الْمَلَائِکَۃِ اِلَّا رَاَیْتُہٗ یَضْحَکُ؟ قَالَ جِبْرِیْلُ مَا رَاَیْنَا ذَالِکَ الْمَلَکَ ضَاحِکًا مُنْذُ خُلِقَتِ النَّارُ۔

میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ اے جبریل! کیا وجہ ہے کہ میں اسرافیل کو ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔ اور میرے پاس جو بھی فرشتہ حاضر ہوتا ہے وہ ہنستا ہے جبریل علیہ السلام نے کہا ہم نے اس فرشتے کو جب سے دوزخ پیدا کی گئی ہے ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔

(شعب الایمان للبیہقی، باب الخوف من اللہ تعالیٰ، رقم الحدیث: 885، ج: 2 ص: 278)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ:

مَا لِیْ اَرٰی اِسْرَافِیْلَ لَا یَضْحَکُ فَقَالَ مَا ضَحِکَ مِیْکَائِیْلُ مُنْذُ خُلِقَتِ النَّارُ۔

کیا وجہ ہے کہ میں اسرافیل علیہ السلام کو دیکھتا ہوں کہ وہ نہیں ہنستے۔ جبریل علیہ السلام نے کہا میکائیل علیہ السلام جب سے دوزخ پیدا کی گئی ہے نہیں ہنسے۔

(مسند احمد، مسند المکثرین من الصحابۃ، مسند انس بن مالک الخ، رقم الحدیث: 13343، ج: 21 ص: 55 مطبوعہ: ایضاً)

اور انہوں نے ہی روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ:

جَاءَ نِیْ جِبْرِیْلُ وَ ھُوَ یَبْکِیْ فَقُلْتُ مَا یُبْکِیْکَ ؟ قَالَ مَا جَفَّتْ لِیْ عَیْنٌ مُنْذُ خَلَقَ اللّٰہُ جَھَنَّمَ مَخَافَۃَ اَنْ اَعْصِیَہٗ فَیُلْقِیْنِیْ فِیْھَا.

جبریل علیہ السلام میرے پاس اس حالت میں حاضر ہوئے کہ وہ رو رہے تھے میں نے ان سے پوچھا کونسی چیز تمہیں رُلا رہی ہے؟ انہوں نے کہا جب سے اللہ تعالیٰ نے جہنم کی تخلیق فرمائی ہے میری آنکھ اس خوف سے خشک نہیں ہوئی کہ کہیں میں اللہ تعالیٰ کی معصیت میں مبتلا نہ ہو جاؤں کہ وہ مجھے جہنم میں ڈال دے۔

(شعب الایمان للبیہقی، باب الخوف من اللہ تعالیٰ، رقم الحدیث: 887، ج:2 ص:280)

ابوالشیخ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "العظمۃ" میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے تخریج کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

اَنَّ جِبْرِیْلَ عَلَیْہِ السَّلَامُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ لَقَائِمٌ بَیْنَ یَدَیِ الْجَبَّارِ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی وَتَرْعَدُ خَوْفًا مِّنْ عَذَابِ اللّٰہِ.

حضرت جبریل علیہ السلام قیامت کے دن اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور قیام کی حالت میں ہوں گے اور ان کا جسم اللہ تعالیٰ کے عذاب کے خوف سے لرز رہا ہوگا۔

(العظمۃ لابی الشیخ الاصبہانی، ذکر الملائکۃ الموکلین الخ، ج:2 ص:789)

امام دیلمی رحمہ اللہ نے تخریج کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ:

لَمَّا کَانَ لَیْلَۃَ اُسْرِیَ بِیْ مَرَرْتُ بِالْمَلَاءِ وَ جِبْرِیْلُ کَالْحِلْسِ الْبَالِیْ مِنْ خَشْیَۃِ اللّٰہِ تَعَالٰی.

شب اسراء میں فرشتوں کے قریب سے گزرا تو جبریل کو دیکھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے کجاوے کے نیچے بچھائے جانے والے بوسیدہ کپڑے کی مانند تھے۔

(کتاب السنۃ مخلد الشیبانی، باب حدیث لیلۃ اسری بی مررت الخ، رقم الحدیث: 621، ج:1 ص:276، مطبوعہ: المکتب الاسلامی، بیروت)

ابونعیم رحمہ اللہ نے "الحلیہ" میں یہ حدیث روایت کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ:

لَوْ یُوَاخِذُنَا رَبُّنَا اَنَا وَ عِیْسٰی بْنِ مَرْیَمَ بِمَا جَنَتْ ھَاتَانِ یَعْنِیْ اِصْبَعَیْہِ لَعَذَّبَنَا وَ لَا یَظْلِمُنَا شَیْئًا.

ہمارا رب اگر میرا اور عیسیٰ بن مریم کا ان دو انگلیوں کی کوتاہی کے سبب مواخذہ کرنا چاہے تو وہ ہمیں عذاب دے گا۔ اور اس کا یہ عذاب دینا ہم پر کوئی ظلم نہ ہوگا۔

(صحیح ابن حبان، کتاب الرقائق، باب الخوف والتقویٰ، ذکر الاخبار عن ترک الاتکال الخ، رقم الحدیث: 657، ج:2 ص:432، مطبوعہ: ایضاً)

اورامام دارقطنی رحمہ اللہ نے الافراد میں ان الفاظ کے ساتھ تخریج کیا ہے:

لَوْ اَنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يُوَاخِذُنَا اَنَا وَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ بِذُنُوْبِنَا لَعَذَّبَنَا وَ لَا يَظْلِمُنَا شَيْئًا.

اگر اللہ تعالیٰ ہمارے خلاف اولیٰ امور کی وجہ سے میرا اور عیسیٰ بن مریم کا مواخذہ کرنا چاہے تو وہ ہمیں عذاب دے گا اور ہم پر وہ کوئی ظلم نہیں کرے گا۔

(صحیح ابن حبان، کتاب الرقائق، باب الخوف والتقوی ذکر الخبر الدال علی ان علی المرء الرجوع الخ، رقم الحدیث: 659، ج: 2 ص: 159، مطبوعہ: ایضا)

قرآن وسنت میں انبیاء کرام علیہم السلام کے حق میں ذنب سے مراد خلاف اولیٰ امور ہیں

اور یہ چیز ثابت اور مسلمہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے حق میں قرآن وسنت میں وارد ذنب سے مراد وہ خلاف اولیٰ چیزیں ہیں جو ان کے بلند کمال کے لائق نہیں۔ اس سے مراد حقیقت ذنب نہیں۔ پس اس کے پیش نظر مذکورہ تمام احادیث ہمارے مدعٰی کی تصریح کر رہی ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام اور فرشتے اپنے ربّ کا خوف رکھتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے بے خوف نہیں رہتے۔ اللہ تعالیٰ کا فرشتوں کے حق میں یہ فرمان بھی اس بات کی تصریح کر رہا ہے:

يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ . (سورۃ النحل، آیت: 50 پ: 14)

اپنے اوپر اپنے ربّ کا خوف کرتے ہیں اور وہی کرتے ہیں جو اُن کو حکم ہوتا ہے۔

ششم

علامہ دمیری نے اپنی کتاب حیوۃ الحیوان میں، امام غزالی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "احیاء العلوم" میں جو چیز نقل کی ہے ان کی اتباع کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حدیث میں ہے کہ:

اَوْحَى اللّٰهُ تَعَالٰى اِلٰى دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَا دَاوُدَ خَفِنِيْ كَمَا تُخَافُ السَّبُعُ الضَّارِيْ.

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ اے داؤد تم مجھ سے ایسے ڈرو جیسے کہ خطرناک درندے سے ڈرایا جاتا ہے۔

(احیاء علوم الدین، کتاب الخوف والرجاء، الشطر الاول فی الرجاء، بیان دواء الرجاء الخ ج: 4 ص: 159، مطبوعہ: ایضا)

احیاء العلوم کی احادیث کی تخریج کرنے والے زین العراقی نے فرمایا ہے کہ مجھے اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ملی شاید مصنف کا اس حدیث کو نقل کرنے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ یہ اسرائیلیات سے تعلق رکھتی ہے۔ اسی سے معلوم ہوا کہ وہ اس کے مطلب کو تسلیم کرتے ہیں۔ علامہ دمیری رحمہ اللہ نے اس حدیث کا معنی بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ:

"اے داؤد تم میرے ڈراونے اوصاف غلبہ، عظمت، کبریائی، جبروت، قہر، شدت بطش اور نفوذِ

امر سے اسی طرح ڈرتے رہو جیسے خطرناک درندے سے اس کے پنجوں کی شدت، چہرے کے تغیر دل کی جرأت و بے باکی اور اس کے غصہ وغضب ناکی کی سرعت سے ڈرا جاتا ہے۔ اس میں بھی انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے حقیقی خوف کے اثبات کی تصریح پائی جاتی ہے۔''

حضور ﷺ کا ادعیہ وغیرہ میں اظہارِ خوف کا مطلب

ہفتم ...... حضور ﷺ کے سجود وتشہد وغیرہ میں پائے جانے والی دعاؤں سے متعلق وارد مشہور احادیث ہمارے مذکورہ مدعا کی ایسی تصریح کر رہی ہیں جس میں کسی تاویل کی گنجائش باقی نہیں۔ درج ذیل احادیث پر غور کریں۔

1...... اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِرِضَاکَ مِنْ سُخْطِکَ وَ بِمُعَافَاتِکَ مِنْ عُقُوْبَتِکَ وَبِکَ مِنْکَ لَا اُحْصٰی ثَنَاءً عَلَیْکَ.

اے اللہ! میں تیری رضا کی تیری ناراضگی سے اور تیرے عفو ودرگزر کی تیرے عذاب سے اور تیری ذات کی تیرے عذاب سے پناہ مانگتا ہوں میں تیری حمد وثنا کا احاطہ نہیں کرسکتا ہوں۔

(احیاء علوم الدین، کتاب الاذکار والدعوات، کتاب ترتیب الاوراد، ج:1 ص:293 مطبوعہ: ایضا)

2...... اَللّٰهُمَّ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ جُهْدِ الْبَلَاءِ دَرْکِ الشِّقَاءِ وَ شَمَاتَةِ الْاَعْدَاءِ.

اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں آزمائش کی مشقت اور بدبختی کی پکڑ اور دشمنوں کی خوشی سے۔

(صحیح بخاری، کتاب الدعوات، باب التعوذ من جهد البلاء، رقم الحدیث: 6347، ج:8 ص:75، مطبوعہ: ایضا بالفاظ مختلف)

3...... اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَ مِنْ عَذَابِ النَّارِ وَ مِنْ فِتْنَةِ الْحَيَاتِ وَ الْمَمَاتِ.

اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں عذاب قبر، عذاب دوزخ اور حیات وممات کے فتنہ وآزمائش سے۔

(صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب التعوذ من عذاب القبر، رقم الحدیث: 1377، ج:2 ص:99، مطبوعہ: ایضا)

اعتراض

ان تمام احادیث میں آپ کے مدعیٰ پر کوئی دلیل نہیں بنتی کیونکہ ان میں حضور ﷺ نے اپنی امت کو ان دعاؤں کے پڑھنے کی تعلیم دی ہے۔ یہ تشریع کے قبیل سے ہیں۔

جواب

ہم اس کو صرف تشریع وتعلیم امت تسلیم نہیں کرتے اگر یہ مجرد تشریع ہوتی تو آپ زبانی فرماتے کہ تم ایسا پڑھا کرو۔

جب آپ نے بار باران کو اپنی ذات کی طرف منسوب کیا ہے تو ان کو صرف تشریع پر محمول نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ واجب ہے کہ ان کو تشریع پر بھی محمول کیا جائے اور اس بات پر بھی محمول کیا جائے کہ آپ نے ان کلمات کے ساتھ اپنے ربّ کی عبادت کا قصد کیا ہے۔ جیسا کہ یہ اپنے مقام پر ثابت شدہ ہے۔ جب یہ ثابت ہوا کہ ان دعاؤں سے من جملہ اللہ تعالیٰ کی عبادت مقصود ہے تو اسی سے وجودِ خوف اور اللہ کی خفیہ تدبیر سے عدمِ امن ثابت ہوگیا ہے۔ ورنہ طلبِ محال لازم آئے گی۔ جو کہ جائز نہیں۔ جیسا کہ علماء نے طلبِ محال کے جائز نہ ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔ ثابت ہوگیا کہ یہ احادیث ہمارے مدّعٰی میں صریح ہیں جو کسی تاویل کو قبول نہیں کرتی ہیں۔

طبرانی کی حدیث میں ہے کہ:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْھِکَ الْکَرِیْمِ اَنْ یُّحِلَّ عَلَیَّ غَضَبُکَ اَوْ یَنْزِلُ عَلَیَّ سُخْطُکَ.

اے اللہ میں تیری ذات کی پناہ مانگتا ہوں کہ مجھ پر تیرا غضب یا تیری ناراضگی نازل ہوجائے گی۔

(المعجم الکبیر للطبرانی، باب العین، ما انتھی من التیامن مسند عبداللہ بن جعفر، رقم الحدیث: 181، ج:13 ص:73، مطبوعہ: ایضا بالفاظ مختلف)

اور امام طبرانی رحمہ اللہ کے ہاں ہی دوسری روایت میں ہے کہ:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِوَجْھِکَ الْکَرِیْمِ وَ اِسْمِکَ الْعَظِیْمِ مِنَ الْکُفْرِ و الْفَقْرِ.

اے اللہ! میں تیری ذات کریم کی اور تیرے اسم عظیم کی پناہ مانگتا ہوں کفر اور فقر سے۔

(الدعاء للطبرانی، باب ما استعاذ منہ النبی، رقم الحدیث: 1377، ج:1 ص:408)

امام بیہقی رحمہ اللہ کے ہاں ایک اور روایت میں ہے:

اَللّٰھُمَّ عَافِنِیْ فِیْ قُدْرَتِکَ وَ اَدْخِلْنِیْ فِیْ رَحْمَتِکَ وَ اقْضِ اَجَلِیْ فِیْ طَاعَتِکَ وَ اخْتِمْ لِیْ بِخَیْرِ عَمَلِیْ وَ اجْعَلْ لِیْ ثَوَابَہُ الْجَنَّۃَ.

اے اللہ مجھے عافیت نصیب فرما اپنی قدرت میں اور مجھے اپنی رحمت میں داخل فرما، مجھے اپنی اطاعت کی حالت میں موت دے۔ اور میرا خاتمہ میرے اچھے عمل کے ساتھ فرما، میری موت اور اس کا اجر میرے لئے جنت کو بنا۔

(الدعاء للطبرانی، باب ما استعاذ منہ النبی، رقم الحدیث: 1377، ج:1 ص:408)

محدثین کی ایک جماعت نے یہ صحیح حدیث روایت کی ہے:

اَسْئَلُکَ خَشْیَتَکَ فِی الْغَیْبِ.

اے اللہ میں غیب سے تجھ سے تیری خشیت کا سوال کرتا ہوں۔

(مسند احمد، منہ الکوفیین، حدیث عمار بن یاسر، رقم الحدیث: 18325، ج: 30 ص: 264 مطبوعہ: ایضا)

امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے کہ:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ فِتْنَۃِ النَّارِ وَ مِنْ عَذَابِ النَّارِ .

اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں دوزخ کے فتنہ اور جہنم کے عذاب سے۔

(سنن ابی داؤد، ابواب قراۃ القرآن الخ، باب تفریع ابواب الوتر، باب فی الاستعاذۃ، رقم الحدیث: 1543، ج: 2 ص: 91 مطبوعہ: ایضا)

امام حاکم رحمہ اللہ کے ہاں صحیح حدیث میں ہے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ عِیْشَۃً نَقِیَّۃً وَمِیْتَۃً سَوِیَّۃً وَ مَرَدًّا غَیْرَ مَخْزٍ وَ لَا فَاضِحٍ .

اے اللہ! میں تیرے سے ستھری زندگی اور اچھی موت اور ایسا لوٹنا مانگتا ہوں۔ جو رسوا کرنے والا اور شرمندہ کرنے والا نہ ہو۔

(مستدرک للحاکم، کتاب الدعاء، باب واما حدیث رافع الخ، رقم الحدیث: 1986، ج: 1 ص: 728)

ان احادیث کی مثل بہت ساری احادیث سنت میں موجود ہیں جو احادیث ہم نے بیان کی ہیں یہ ہر اس شخص کے لئے کافی ہیں جس کو قبولِ حق کی توفیق سے نوازا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہمیں حق قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

اللہ تعالیٰ کے دوام و بقا میں شک کرنے والے کا حکم

سوال...... جو شخص اپنے عقائد کا اظہار کرتے ہوئے یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ کی بقاء قابلِ نظر ہے ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟

جواب...... اگر اس شخص کا مقصد اللہ تعالیٰ کی بقا کے غیر متناہی دوام کے بارے میں دوسروں کو شک میں ڈالنا خود شک میں مبتلا ہونا ہے تو ایسا شخص کافر اور مباح الدم ہے۔ اگر توبہ کرے تو فبہا ورنہ اس کی گردن اڑا دی جائے گی شاید یہ شخص اس جبری فرقہ سے تعلق رکھتا ہے جو شہر سلف میں رہتا ہے اور اس شہر کے اردگرد کے علاقہ کو خلف کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اس شخص نے اسی سال اپنی ایک تالیف میرے پاس بھیجی تھی جس میں اس نے ایک سوقیانہ اور گھٹیاں کلام کے ساتھ اشعریہ کی تضلیل بیان کی تھی۔ اس کا یہ سوقیانہ کلام اس کی جہالت اور اس کی نہایت بدعقیدگی پر دلالت کر رہا تھا اور یہ بتا رہا تھا کہ اس شخص کا کوئی دین وایمان نہیں۔ معلوم ایسا ہوتا تھا کہ یہ شخص بعض ملحدین اور زندیقوں کے کلام سے فریب میں مبتلا ہوا ہے۔ پس یہ شخص ان کے کلام کو اپنی کتاب میں اپنے عقیدے کے طور پر ذکر کرنے کی وجہ سے خود گمراہ یا کافر ہو چکا ہے۔ اور بہت سارے لوگوں کو بھی

گمراہ کر دیا ہے کیونکہ اس نے ریاکاری کے طور پر عابد و زاہد کا لبادہ اوڑھا ہوا تھا جس کی وجہ سے عام لوگ اس کے معتقد بن گئے اور انہیں اس بات کا علم نہیں ہوا کہ یہ زندیق ملحد ضال ومضل ہے۔ شہر سلف کے قاضی اور مقام خلف کے باقی قضاۃ پر واجب ہے کہ اس کی شدید تعزیری سزا دیں اور اس کو کوڑوں یا قید کی ایسی شدید سزا دیں کہ وہ اپنی اس کتاب کے تمام حصوں کو دھو کر یا جلا کر مٹا دے۔ کیونکہ اس کتاب کا جو نسخہ مجھے ملا ہے اس کے ہر ورق پر میں نے اس کا ایسا رد لکھا ہے جس نے اس کے ہر ورق کو معدوم اور غیر نفع بخش بنا کر رکھ دیا ہے۔ جیسا کہ مجھ پر اور ہر اس صاحب علم پر واجب ہے جو اس کتاب پر مطلع ہو۔ لیکن میں اس ملحد، دین سے خارج، زندیق اور منافق شخص سے یہ خطرہ محسوس کرتا ہوں کہ اس کے پاس اس کتاب کا کہیں دوسرا نسخہ موجود نہ ہو جس کو وہ اپنے معتقد عام لوگوں کے سامنے ظاہر کرے اور وہ بغیر کسی شعور کے اس ہاتھوں گمراہ ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ اس کو اور اس کے معاونین کو ہلاک فرمائے تاکہ مسلمانوں سے اس کا ضرر دور ہو جائے۔ اور اللہ تعالیٰ اس کے لئے ان لوگوں کو بیدار فرمائے جو اس کے اوپر شریعت کے احکام نافذ کریں تاکہ یہ اور اُس کی مانند دوسرے لوگ ہر اس چیز میں کھوج لگانے سے باز آ جائیں جس میں کھوج لگانے کی ان میں اہلیت نہیں۔

باب اصول فقہ

فرض، واجب اور حرام ومحظور کے درمیان فرق

سوال ..... فرض وواجب کے درمیان اور حرام، محظور کے درمیان اور سنت، مشروع، مستحب اور مندوب کے درمیان کیا فرق ہے؟

جواب ..... ہمارے مذہب شافعیہ میں فرض وواجب مترادف ہیں ان میں کوئی فرق نہیں اس میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے مختلف ہے۔ کیونکہ وہ دونوں کے درمیان تفریق کے قائل ہیں۔ وہ فرماتے ہیں فعل مطلوب کی طلب جازم اگر دلیل قطعی سے ثابت ہے مثلاً قرآن کریم سے تو وہ فرض ہے جیسا کہ نماز میں قرآن کریم کی مطلق قرأت کرنا جو کہ قرآن کی اس آیت سے ثابت ہے: فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ (المزمل: ۲۰) (قرآن میں سے جتنا تم پر آسان ہو اتنا پڑھو۔)

اور اگر طلب جازم دلیل ظنی سے ثابت ہے مثلاً خبر واحد سے تو وہ واجب ہے۔ جیسا کہ نماز میں سورہ فاتحہ کی قرأت جو کہ صحیحین کی اس حدیث سے ثابت ہے۔

لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَءْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ.

اس شخص کی نماز کامل نہیں جس نے فاتحۃ الکتاب کی قرأت نہیں کی۔

(صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب وجوب القرأۃ للامام الخ، رقم الحدیث 756، ج 1 ص 151، مطبوعہ ایضا)

لہٰذا نماز میں سورہ فاتحہ کی قرأت کے ترک سے انسان گنہگار ہوگا لیکن اس کی نماز فاسد نہ ہوگی۔ بخلاف مطلق قرأت کے ترک کے کہ نماز فاسد ہوجائے گی۔ یہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کی تفصیل ہے۔

لیکن ہمارے (شوافع) کے نزدیک دونوں قسموں پر فرض اور واجب کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ اور سورہ فاتحہ کے ترک سے ہمارے نزدیک نماز فاسد ہوجائے گی۔ کیونکہ فَرَضَ الشَّیْئُ کا معنیٰ قَدَّرَهٗ اور وَجَبَ الشَّیْئُ کا معنیٰ ثَبَتَ ہے جو چیز خواہ دلیل قطعی سے یا خواہ دلیل ظنی سے ثابت ہو وہ بہرحال مقدر اور ثابت ہی ہے۔ ہمارا یہ ماخذ احناف کے ماخذ سے زیادہ استعمال ہے۔ اور یہ چیز اپنے مقام میں ثابت شدہ ہے۔ نیز یہ اختلاف اختلاف لفظی ہے جیسا کہ اپنے محل میں بھی ایک اشکال اور اس کے جواب کے ساتھ ثابت شدہ ہے۔

حرام اور محظور بھی مترادف ہیں اسی طرح مسنون، مشروع، محبوب مرغوب فیہ، مندوب، حسن، مستحب اور تطوع سب کا مطلب ایک ہے۔ یعنی ایسا فعل مطلوب کہ جس میں طلب غیر جازم پائی جاتی ہے قاضی حسین وغیرہ علماء نے اس میں اختلاف کیا ہے اور انہوں نے ان کے درمیان مترادف کی نفی کی ہے۔ وہ کہتے ہیں اگر اس فعل پر نبی کریم ﷺ نے ہمیشہ عمل کیا ہے تو وہ سنت ہے اور اگر مواظبت نہیں فرمائی بلکہ ایک یا دو مرتبہ یہ عمل کیا ہے تو یہ مستحب ہے یا آپ نے یہ فعل نہیں فرمایا لیکن انسان نے اپنے اختیار سے ان اوراد ووظائف کو ایجاد کیا ہے تو یہ تطوع ہے۔ ان لوگوں نے مندوب پر کوئی بات نہیں کی کیونکہ یہ بلاشک وشبہ ان تینوں قسموں کے شامل ہے۔ اور اسی پر باقی اقسام کو قیاس کیا جاسکتا ہے۔ یہاں بھی اختلاف لفظی ہے۔ جیسا کہ اس کے اپنے محل میں اس کی وضاحت موجود ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب

شُکْرُ الْمُنْعِمِ وَاجِبٌ کا مطلب

سوال..... علماء کرام کے اس قول کا کیا مطلب ہے؟

شُکْرُ الْمُنْعِمِ وَاجِبٌ .

ترجمہ: احسان کرنے والے کا شکر واجب ہے۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب البعث، مسالک الحنفاء الخ، ج:2 ص:249)

اور کیسے شکر ادا کیا جائے۔ اس کی تعریف اور ضابطہ کیا ہے؟

جواب ...... بعض علماء نے اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس سوال کا جواب اس شکر کے معنی پر موقوف ہے جو ہمارے اور معتزلہ کے درمیان اختلافی مسئلہ کا موضوع ہے اور وہ اختلافی مسئلہ یہ ہے کہ منعم کا شکر ہمارے نزدیک شرعاً واجب ہے اور معتزلہ کے نزدیک عقلاً واجب ہے۔ وہ شکر جو اس مسئلہ کا موضوع ہے۔ علامہ صفی ہندی رحمہ اللہ وغیرہ علماء نے اس کی تفسیر شکر کے لغوی معنی کے ساتھ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ شکر تین چیزوں کا نام ہے۔ ان میں سے ایک چیز دل میں یہ اعتقاد رکھنا کہ بندے کے ہاں جو بھی نعمت ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور وہی اس کے ساتھ احسان فرمانے والا ہے یہ سب کچھ اس کی طرف سے احسان ہے۔ اس پر واجب نہیں۔ اور دوسری چیز اور بندے کا اپنی زبان سے منعم کا ذکر کرنا۔ اور تیسری چیز یہ ہے کہ بندے کا اپنے اعضاء وجوارح سے اس کے حضور عاجزی کرنا۔ یہ تینوں امور شکر سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان میں سے پہلی چیز یہ ہے کہ دل میں یہ عقیدہ رکھنا کہ بندے کے پاس جو بھی نعمتیں ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں وہی ان کا مقام فرمانے والا ہے۔ اور یہ اس کی طرف سے نوازش ہے اس پر واجب نہیں یہ اعتقادیات کے وجوب کی طرح واجب ہے۔ یعنی اس پر پختہ عقیدہ رکھنا واجب ہے اور اس پختگی پر اس طرح قائم رہنا کہ اس پر اس کے منافی کوئی چیز عارض وطاری نہ ہونے پائے۔

شکر سے تعلق رکھنے والی دوسری چیز یعنی زبان سے منعم کا ذکر کرنا اور تیسری چیز کو جوارح کے ساتھ اس کے حضور عاجزی سے پیش آنا ان دونوں پر گفتگو عنقریب آرہی ہے۔ علامہ صفی رحمہ اللہ وغیرہ علماء نے شکر کی جو مذکورہ تفسیر بیان کی ہے وہ لغوی تفسیر ہے لیکن شکر کی عرفی معنی کے ساتھ تفسیر ہی مشہور ہے۔ اسی عرفی تفسیر کے مطابق امام غزالی رحمہ اللہ نے "احیاء العلوم" میں اور ان کے علاوہ دیگر ان علماء نے جو ارباب قلوب واہل تصوف کی اصطلاحات کی روشنی میں گفتگو کرتے ہیں شکر کی تعریف کرتے ہوئے یہ اصطلاح فرمائی ہے کہ:

اللہ تعالیٰ نے بندے پر جو بھی انعامات واحسانات فرمائے ہیں ان سب کو اس چیز کی طرف لگانے اور اس کام میں مشغول کرنے کا نام شکر ہے۔ جس کے لئے وہ پیدا کئے گئے ہیں۔ پس کانوں کو ان پر وارد ہونے والے اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی اور مواعظ اور ہر وہ چیز جو ان کے ساتھ شامل ہے ان کی طرف لگائے تاکہ اچھے اعمال بجالائے اور بُرے اعمال سے اجتناب کرے۔ اور آنکھ سے اللہ تعالیٰ کی مصنوعات دیکھے تاکہ ان سے صانع کے واجب الوجود اور اس کے صفات کمال سے متصف ہونے اور صفاتِ نقص سے بلند وپاک ہونے وغیرہ پر استدلال کرے، اور اپنی زبان کو ذکرِ الٰہی وعظ ونصیحت، درس وتدریس، تعلیم وتعلم امر بالمعروف، نہی عن المنکر وغیرہ میں مصروف رکھے۔ اسی طرح اپنے تمام قویٰ، مدارک، اعضاء

وجوارح کو ان کاموں میں لگائے رکھے جن کے لئے ان کی تخلیق فرمائی گئی ہے۔

(احیاء علوم الدین، کتاب ترتیب الاوراد، باب فضیلۃ الاوراد، ج:1 ص:330)

"احیاء العلوم" میں اس کی بڑی خوبصورت تفصیل موجود ہے: اس معنی کے اعتبار سے شکر پہلے معنی کے مقابلہ میں سے زیادہ عام ہے جیسا کہ ہر فکر کرنے والے پر مخفی نہیں۔ بہرحال دونوں تفسیروں کے مطابق شکر کی دو قسمیں واجب اور مندوب بنتی ہیں۔ کیونکہ شکر کی دوسری تفسیر کے مطابق تمام اطاعات شکر کے تحت داخل ہیں اور تمام اطاعات کی دو قسمیں واجب اور مندوب ہیں۔ اور پہلی تفسیر کے مطابق سجدہ شکر، شکر کے تحت داخل ہے کیونکہ سجدۂ شکر نعمت کے مقابلے میں خضوع ہے اور خضوع مندوب ہے۔

مذکورہ تفصیل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اختلافی مسئلہ میں وجوب سے مراد منعم کے شکر کا وجوب ہے یعنی جب بھی وہ واجب ہوگا تو شرعاً واجب ہوگا۔ نہ کہ عقلاً اس میں معتزلہ کا اختلاف ہے۔ لہٰذا اعتقادِ قلب، اعتقادیات کی طرح واجب ہے جو نہ کسی دن کے ساتھ ہے نہ کسی مہینے کے ساتھ اور نہ کسی سال کے ساتھ مؤقت ومختص ہے۔ اور نہ ایک مرتبہ کے ساتھ اور نہ تکرار کے ساتھ موصوف ہے کیونکہ مقصد اس کا دوام اور اس میں عدم اختلال ہے۔ اور اعمال جوارح میں بعض اعمال دن میں کئی مرتبہ واجب ہیں۔ مثلاً فرائض نمازیں۔ اور بعض اعمال ہفتہ میں شرط کے پائے جانے سے ایک بار واجب ہیں مثلاً نماز جمعہ اور بعض اعمال سال میں ایک بار واجب ہیں جیسے رمضان کے روزے اور بعض اعمال صرف بعض لوگوں پر واجب ہیں جیسا کہ زکوٰۃ وحج اور زبان سے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا تو ایک دن میں کئی بار اس کا تکرار ہوتا ہے مثلاً نمازی کا سورہ فاتحہ کی تلاوت کرنا، کیونکہ سورہ فاتحہ اللہ تعالیٰ کی ثناء پر مشتمل ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ثناء ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی ایسا موجود نہیں جس میں ربوبیت کا مذکورہ معنی پایا جائے کہ ربوبیت کا معنی نوع انسانی کی ایجاد اور اس کی ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہونے کی تربیت پر مشتمل ہے یعنی نطفہ کی حالت سے علقہ کی حالت کی طرف اور علقہ سے مضغہ کی حالت میں منتقل ہونے اور پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھانے کی حالت پر حالت حیوانیت کی طرف انتقال اور اس کے بعد کمال خلقت کی حالت اور پھر رحم کے تنگ منہ اور رحم کی تاریکی سے فضاء کی روشنی اور کشادگی کی طرف اخراج کی حالت کی طرف منتقل فرمایا اور پھر والدین کو اس کے لئے تسخیر فرمایا اور اس کے حواس وقویٰ کی تقویت فرمائی اور ان کی حفاظت فرمائی اسی طرح اُس نے عقل وغیرہ مختلف انعامات سے نوازا۔ سورۃ فاتحہ اللہ تعالیٰ کی ان سب چیزوں کے مقابلے میں ثناء پر مشتمل ہے اور سورہ فاتحہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمت کے ساتھ اس کی ثناء پر مشتمل ہے۔ اور صفتِ رحمت اپنے متعلق کے اعتبار سے دونوں جہانوں میں اس کے احسان کی تمام انواع کو شامل ہے۔ (امام غزالی رحمہ اللہ کی عبارت ختم ہوگئی)

عام بول کر خاص مراد لینا حقیقت ہے یا مجاز؟

سوال عام بول کر خاص مراد لینا حقیقت ہے یا مجاز؟ اگر حقیقت ہے تو پھر لفظ کا اپنے غیر معنی موضوع لہ میں استعمال ہونا لازم آتا ہے پھر یہ حقیقت کیسے ہوگا۔؟ اور اگر مجاز ہے تو پھر بعض محققین کے بیان کے مطابق کبھی یہ حقیقت بن جائے گا۔

جواب عام بول کر خاص مراد لینا قطعاً مجاز ہے۔ جیسا کہ اصولیوں کی ایک جماعت نے اس کو بیان کیا ہے۔ سوال میں بعض محققین سے مراد حضرت علامہ تقی سبکی رحمہ اللہ ہیں کیونکہ ان کی اپنی تحقیق یہ ہے کہ عام بول کر خاص مراد لینے کی حالت میں کبھی وہ حقیقت بن جاتا ہے اور اس تحقیق سے پہلے انہوں نے اس کی مخالفت پر اجماع نقل کیا ہے اور اس ضابطہ پر اس کی تفریع بٹھائی ہے کہ عام کی اپنے افراد میں سے ہر فرد پر دلالت دلالتِ مطابقی ہوتی ہے کیونکہ اس صورت میں لفظ کا استعمال نہ غیر موضوع لہ میں ہوتا اور نہ اپنے موضوع لہ کے بعض میں ہوتا بلکہ اس کا استعمال دو معنوں میں مشترک لفظ کے استعمال کی طرح ہوتا ہے اور اس طرح کا استعمال استعمالِ حقیقی ہوتا ہے۔ (علامہ سبکی رحمہ اللہ کی عبارت ختم ہوگئی)

لیکن علامہ سبکی رحمہ اللہ کے اس قول کو قیاس رد کرتا ہے۔ کیونکہ لفظ کا اپنے بعض موضوع لہ میں اسی بعض پر محصور ومقصور ہوکر استعمال ہونا اسے مجاز بنا دیتا ہے۔ کیونکہ یہ استعمال اس قصر کے لئے قید نہیں بن سکتا کہ وہ اپنے حقیقی موضوع میں استعمال نہ ہو۔

سوال......انسان آبْ اور اِبن کی نسبت کلی مشکک ہے یا متواطی؟

جواب......انسان ان دونوں کے لحاظ سے کلی متواطی ہے کیونکہ انسان ہونے میں دونوں برابر ہیں جیسا کہ بیاض اپنے تمام افراد کے لئے کلی متواطی ہے وہ سب اس میں برابر ہیں اب اور ابن میں اختلاف ذات کے اعتبار سے نہیں بلکہ خارج کے اعتبار سے ہے مثلاً ذکورۃ وانوثت وغیرہ۔

سوال......کیا مجاز زیادت اور مجاز نقص پر مجاز کی تعریف منطبق ہوسکتی ہے؟

جواب......ایک جماعت کا مذہب ہے کہ مجاز زیادت ومجاز نقص مجاز ہی نہیں اسی صورت میں تو کوئی اشکال نہیں رہتا۔ اور علماء کی ایک جماعت کا خیال ہے یہ مجاز کے قبیلہ سے تعلق رکھتا ہے اور ان پر اعتراض کیا گیا کہ مجاز زیادت اور مجاز نقص پر مجاز کی تعریف صادق نہیں آتی۔ اور یہ اعتراض بھی کیا گیا ہے کہ اگر اعراب میں تغیر کیا جائے تو مجاز بنتا ہے ورنہ نہیں۔

علامہ القرانی نے حذف کے بارے میں فرمایا ہے کہ حذف کی کئی اقسام ہیں لیکن وہ مجاز نہیں۔ ہاں ایک قسم ایسی ہے جس میں مجاز بنتا ہے۔ اور وہ حذف یہ ہے کہ اس پر اسناد کے اعتبار سے لفظ اور اس کے معنیٰ کی صحت موقوف ہوتی

ہے۔ مثلاً "وَ سْئَلِ الْقَرْيَةَ" اور بعض نے فرمایا ہے کہ حذف اس وقت مجاز بنتا ہے جب اس کا حکم تبدیل ہو جائے ورنہ وہ اس مبتداء کی خبر کی طرح کا حذف ہے جس مبتداء کا جملہ پر عطف ہوتا۔ اور اس صورت میں حذف مجاز نہیں بنے گا۔

سوال..... کیا مشاکلت مجاز کی انواع میں سے ہے؟ اور اس میں علاقہ کون سا ہے؟ مثلاً جَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا وغیرہ

جواب..... بعض اہل بیان کا خیال ہے کہ مشاکلت مجاز اور حقیقت کے درمیان ایک چیز ہے۔ نہ تو وہ حقیقت ہے کہ لفظ اپنے موضوع لہٗ میں استعمال نہیں ہوا اور نہ مجاز ہے کہ اس میں کوئی علاقہ نہیں پایا جاتا۔

اس نظریہ کو رد کرتے ہوئے کہا گیا ہے مشاکلت قطعاً مجاز ہے اور اس میں شکل اور مشابہت صوری علاقہ ہے۔ جیسا کہ تراشی ہوئی تصویر پر انسان اور فرس کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ اسی طرح جزاء پر سیئہ کا اطلاق اس لئے کیا گیا ہے کہ شکل وصورت میں وہ اس سیئہ کی مانند ہے جس کے ساتھ آغاز کیا جاتا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب

تفسیر، قرأت وغیرہ علوم قرآن سے متعلقہ احکام

سوال ..... قصار مفصل سورتوں کے آخر میں تکبیر پڑھنے کی مشروعیت پر کوئی صحیح حدیث وارد ہے؟ اگر ہے تو کیا وہ غیر نمازی کے حق میں خاص ہے؟ اور اگر غیر نمازی کے حق میں اس کا مستحب ہونا آئمہ میں سے کسی امام سے منقول ہے؟ اگر منقول ہے تو پھر اس کی ابتداء وانتہاء کہاں سے ہونی چاہیے؟ اور کیا اس مقام میں تکبیر کے ساتھ لاالٰہ الا اللہ کا اضافہ بھی مستحب ہے جیسا کہ معمول ہے؟

جواب..... تکبیر کی حدیث حضرت احمد بن محمد بن نبرۃ النبری سے بہت سارے طرق کے ساتھ وارد ہے وہ فرماتے ہیں:

سَمِعْتُ عِكْرِمَةَ بْنَ سُلَيْمَانَ يَقُولُ قَرَأْتُ عَلٰى اِسْمٰعِيْلَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ قُسْطُنْطِيْنَ فَلَمَّا بَلَغْتُ وَ الضُّحٰى .قَالَ لِيْ كَبِّرْ عِنْدَ خَاتِمَةِ كُلِّ سُوْرَةٍ حَتّٰى تَخْتَمَ.

حضرت عکرمہ بن سلیمان رضی اللہ عنہ کو میں نے یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ میں اسماعیل بن عبداللہ بن قسطنطین کے ہاں تلاوت کر رہا تھا جب میں سورہ والضحیٰ تک پہنچا تو انہوں نے مجھ سے فرمایا (یہاں سے) ہر سورۃ کے اختتام پر تکبیر کیا کرو حتی کہ پورے قرآن کریم کا اختتام ہو جائے۔

(شعب الایمان للبیہقی، تعظیم القرآن، فصل فی قطع قراۃ، رقم الحدیث: 1912، ج: 3 ص: 425، مطبوعہ: ایضا)

انہوں نے ہی خبر دی ہے کہ انہوں نے حضرت مجاہد رحمہ اللہ کے ہاں قرآن کریم کی تلاوت کی تو حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے ان کو اس کا حکم دیا اور حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے ان کو بتایا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کو اس کا حکم فرمایا ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت مجاہد رحمہ اللہ کو بتایا کہ ان کو اس کا حکم حضرت اُبی ابن کعب نے دیا تھا۔ اور حضرت ابی ابن کعب نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو بتایا ان کو یہ حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے۔

امام حاکم ابوعبداللہ رحمہ اللہ نے اپنی صحیح "مستدرک" میں اس حدیث کو بزی سے تخریج کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی تخریج نہیں کیا اور نہ امام مسلم رحمہ اللہ نے تخریج کیا ہے۔(ملتقی)

کبھی اس حدیث کا اس امر کی وجہ سے معارضہ کیا جاتا ہے بزی کو ابوحاتم عقیلی رحمہ اللہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ تضعیف غیر مقبول ہے۔کیونکہ آئمہ ثقات نے بزی سے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

ان کے افتخار اور ان کی توثیق کے لئے ہمارے امام حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا یہ فرمان ہی کافی ہے کہ (اِنْ تَرَکْتَ التَّکْبِیْرَ تَرَکْتَ سُنَّۃً) (اگر تم ان سورتوں کے آخر میں تکبیر ترک کردں گے تو سنت ترک کرو گے۔)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

یَا اَبَا الْحَسَنِ وَ اللّٰہِ لَئِنْ تَرَکْتَ التَّکْبِیْرَ فَقَدْ تَرَکْتَ سُنَّۃً مِنْ سُنَنِ نَبِیِّکَ .

ترجمہ: اے ابوالحسن اللہ کی قسم! اگر تم تکبیر ترک کرو گے تو بے شک تم اپنے نبی ﷺ کی سنتوں میں سے سنت ترک کرو گے۔

حافظ العماد بن کثیر فرماتے ہیں: امام شافعی رحمہ اللہ کی طرف سے یہ فرمانا اس حدیث کی تصحیح کا مقتضی ہے۔اور اس حدیث کی صحت کو ثابت کرنے والی ایک چیز یہ بھی ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ابوبکر بن اعین رحمہ اللہ سے اور انہوں نے بزی سے روایت کیا ہے حالانکہ امام احمد رحمہ اللہ منکرات سے اجتناب کیا کرتے تھے اگر بزی منکر ہوتے تو امام احمد رحمہ اللہ ان سے روایت نہ کرتے اور یہ حدیث اہل مکہ کے فقہاء اور علماء اور ان سے روایت کرنے والوں کے نزدیک حدیث صحیح ہے۔اس کی صحت اتنی مشہور اور معروف ہے کہ حدِ تواتر تک پہنچ چکی ہے اور اس کی صحت سوسی کی روایت کے ذریعہ ابوعمرو رحمہ اللہ کی روایت سے بھی ثابت ہے۔اور یہ حدیث تمام قراء کی درایت سے بھی وارد ہے اور تمام زمانوں میں اہل المصار کے ہاں اس پر عمل ہے۔اس تکبیر کی ابتداء کس سورۃ سے کی جائے اس میں اختلاف ہے۔ایک قول کے مطابق سورۃ والضحیٰ سے کی جائے اور جمہور کے نزدیک سورہ الم نشرح کی ابتداء سے کی جائے۔اس کی انتہاء میں بھی اختلاف ہے۔جمہور مغاربہ ومشارقہ وغیرہم کے نزدیک اس کی انتہاء سورۃ الناس کے آخر میں کی جائے۔اور جمہور مشارقہ کے نزدیک سورۃ الناس کی ابتداء میں تکبیر ختم کردی جائے اور اس کے آخر میں نہ پڑھی جائے۔ان دونوں قولوں کے اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ کیا تکبیر اول سورہ میں ہونی چاہیے یا کہ آخر سورت میں۔اس میں قراء کے درمیان طویل اختلاف ہے۔راجح اور نصوص سے واضح قول یہ ہے کہ تکبیر سورۃ والضحیٰ کے آخر سے سورۃ الناس کے آخر تک ہونی چاہیے۔اس مقام پر تکبیر کے مندوب ہونے میں نمازی اور غیر نمازی کے درمیان کوئی فرق نہیں۔

ابوالحسن السخاوی نے اپنی سند کے ساتھ ابویزید القرشی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے مسجد حرام

میں مقام ابراہیم کے پیچھے رمضان المبارک میں لوگوں کو نماز تراویح پڑھائی ۔شب جمعہ تھی میں نے سورۃ والضحیٰ کے خاتمہ سے آخرِ قرآن تک نماز میں تکبیر کہی ۔اور جب میں نے نماز سے سلام پھیرنے کے بعد دیکھا تو حضرت امام ابوعبداللہ محمد بن ادریس الشافعی رضی اللہ عنہ میرے پاس ہیں توانہوں نے فرمایا:

اَحْسَنْتَ اَحْیَیْتَ السُّنَّۃَ .

ترجمہ:تم نے اچھا کیا کہ سنت پرعمل کیا ہے۔

مذکورہ حدیث کو حافظ ابوعمرو دانی نے جریج سے اورانہوں نے مجاہد رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے۔ ابن جریج نے فرمایا کہ انسان کے لئے اس پرعمل کرنا اولیٰ ہے خواہ وہ امام ہو یا غیر امام ۔اورابن جریج نے کئی ائمہ کواس کا حکم دیا ہے سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ نے صدقہ بن عبداللہ بن کثیر سے نقل کیا ہے کہ وہ ستر سال سے زائد عرصہ لوگوں کی امامت کرتے رہے ہیں اوروہ جب قرآن کریم ختم کرتے تو تکبیر پڑھا کرتے تھے ۔پس جو کچھ ہم نے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ اور بعض مشائخ وغیرہم سے نقل کیا ہے اس سے یہ ثابت ہوا کہ یہ عمل نماز میں سنت ہے ۔اوراس پر ہمارے متاخرین ائمہ میں سے امام مجتہد ابوشامہ رحمہ اللہ نے عمل کیا ہے ۔حضرت تاج الغزاری رحمہ اللہ نے ان کی تعریف ومدح میں مبالغہ کرتے ہوئے اس حد تک فرمایاہے کہ مجھے ابوشامہ پر تعجب ہے کہ وہ اتنے بڑے مجتہد ہونے کے باوجودانہوں نے امام شافعی کی تقلید کیسے کی ہے؟اوراس پرعمل کرنے والے متاخرین ائمہ میں سے امام ابوالحسن سخاوی امام ابواسحٰق الجعبری رحمہم اللہ بھی ہیں اپنے زمانے میں شافعیوں کے شیخ جامع اموی دمشق کے خطیب اورامام ابوالثناء محمود بن محمد بن جملہ بھی اس کافتویٰ دینے والوں اورنمازِ تراویح میں اس پرعمل کرنے والوں میں سے ہیں۔

اپنے زمانے میں قراء کے شیخ امام حافظ، متقن ابوالخیر محمد بن محمد الجزری الشافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے اپنے کئی شیوخ کونمازِ تراویح میں اس پرعمل کرتے ہوئے اور حکم دیتے ہوئے دیکھا ہے ۔رمضان المبارک کی شب بیداریوں میں، میں نے ان شیوخ میں سے بعض کو دیکھا جب وہ شب بیداری میں سورہ والضحیٰ تک پہنچتے تھے تو قرآن کریم کے باقی حصہ کوایک رکعت میں تلاوت کرتے تھے اور ہر سورۃ کے آخر میں تکبیر پڑھا کرتے تھے اور جب سورۃ الناس کے آخر میں پہنچتے تو تکبیر کہتے اوراس کے بعد رکوع کے لئے تکبیر کہتے تھے ۔اور جب دوسری رکعت ادا کرنے کے لئے قیام کرتے تو سورہ فاتحہ اورسورہ بقرہ کا کچھ حصہ تلاوت کیا کرتے تھے اور میں جب دمشق اورمصر میں امامت کے فرائض انجام دیتا تھا تو میں نے بھی شب بیداری میں اس پر کئی مرتبہ عمل کیا ہے۔ (الجزری کی عبارت ختم ہوگئی)

اگرہم آخرِ سورۃ میں تکبیر کہنے پرعمل کریں تو پھر سورۃ کے آخری حصہ اوررکوع کے درمیان تکبیر کہنی چاہیے ۔اوراگر سورہ کی ابتداء میں تکبیر کہنے پرعمل کریں تو پھر قیام اورسورہ کی ابتداء میں بسم اللہ پڑھنے کے درمیان تکبیر کہنی چاہیے۔

متاخرین میں سے بعض شافعی علماء نے نماز میں تکبیر کہنے والے کواچھا نہیں سمجھا لیکن کئی علماء نے ان کا رد کیا ہے

اوراس انکار پر اُن کی تشنیع کی ہے ۔ابن الجوزی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس بارے میں تتبع کے باوجود مجھے حنفی اور مالکی علماء کی طرف سے کوئی روایت نہیں ملی ۔لیکن حنبلی علماء کی طرف سے ابن مفلح کی فروع میں ہے کہ کیاختم قرآن کے وقت سورہ والضحیٰ سے یا سورہ الم نشرح سے تکبیر کہی جائے ؟ اس میں دو روایتیں ہیں ۔اور حنابلہ کے قراء میں سے سوائے ابن کثیر کے کسی نے بھی اس کو مستحب قرار نہیں دیا ۔ایک قول کے مطابق تکبیر کی بجائے لاالـہ الااللّٰـہ پڑھنا چاہیے ۔(ابن الجوزی رحمہ اللہ کی عبارت ختم ہوگئی)

تکبیر کون سے صیغے کے ساتھ پڑھی جائے ۔اس بارے میں اس کے قائلین کا اتفاق ہے کہ اللہ اکبر، کے صیغہ کے ساتھ پڑھی جائے ۔اوراسی کو جمہور نے بزی سے روایت کیا ہے ۔اوردوسرے لوگوں نے بزی سے اللہ اکبر سے پہلے لاالہ الا اللہ پڑھنے کوروایت کیا ہے ۔پس یوں کہا جائے گا ۔لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ ۔اور یہی روایت بزی سے ثابت ہے اسی پر عمل ہونا چاہیے ۔اسی لئے شیخ الاسلام عبدالرحمٰن الرازی الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی وسیط میں فرماتے ہیں: میں نے مشائخ کو دیکھا ہے کہ وہ نماز میں اسی کو ترجیح دیتے تھے تا کہ اس تکبیر اور رکوع کی تکبیر کے درمیان فرق ہو جائے ۔اور بزی ہی سے اللہ اکبر کے بعد وللہ الحمد کا اضافہ بھی منقول ہے ۔اور ایک جماعت نے ابن قنبل سے تکبیر کہنا روایت کیا ہے ۔اور ابن قنبل سے ہی دوسرے لوگوں نے تھلیل بھی روایت کی ہے ۔اور کئی لوگوں نے اس پر قطع وجزم کا اظہار فرمایا ہے ۔علامہ دانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: دونوں وجہیں یعنی تہلیل مع تکبیر اور صرف تکبیر دونوں بزی اور ابن قنبل سے مروی ہیں اور دونوں صحیح ، مستعمل، مشہور اور جید ہیں ۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

ختم قرآن یا سورتوں کے آخر میں تکبیر سنت ہے

سوال......کیا ختم قرآن اور سورتوں کے آخر میں تکبیر کہنا سنت ہے؟

جواب......ہاں نماز میں یہ سنت ہے جیسا کہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ اوران کے شیخ سفیان بن عیینہ وابن جریج رحمہما اللہ وغیرہ نے اس پر نص فرمائی ہے ۔اوراس کو ہمارے ائمہ متاخرین میں سے ایک جماعت نے نقل کیا ہے ۔مثلاً حضرت ابوشامہ ،حضرت السخاوی ،اور دمشق کے خطیب ابن جملہ وغیرہ علماء کرام شامل ہیں ۔اوران میں سے ایک جماعت نے اس پر عمل کیا ہے اور نماز میں اس پر عمل کرنے والے لوگوں کو اس پر عمل کرنے کا فتویٰ دیا ہے اوران لوگوں کا خوب رد کیا ہے جو اس کا انکار کرتے ہیں ۔اسی لئے امام ابن الجوزی رحمہ اللہ "النشر" کے آخر میں اس موضوع پر مبسوط گفتگو کرنے کے بعد فرماتے ہیں : ان لوگوں پر تعجب ہے جو حضور ﷺ اور صحابہ کرام وتابعین وغیرہم علماء کرام سے تکبیر ثابت ہونے کے باوجود اس کا انکار کرتے ہیں اور غیر ثابت شدہ دعاؤں کی اجازت دیتے ہیں ۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

جنبی بچے کا تلاوتِ قرآن قصداً کرنا اور اس کا مسجد میں قیام جائز ہے یا نہیں؟

سوال..... جنابت والے بچے کا قرآن کریم کی تلاوتِ قرآن کے قصد سے کرنا اور اس کا مسجد میں قیام کرنا جائز ہے؟ اور کیا اس کو اِن سے منع نہ کیا جائے؟ اور اسی حالت میں بچے کے ولی پر اس کی اجازت دینے میں کوئی حرج نہیں؟ اگر آپ کا جواب اس کے عدم جواز کا ہے تو پھر بعض لوگوں کی اس کے جواز کی نسبت الخادم الزرکشی کی طرف کرنا صحیح ہے؟ اگر یہ نسبت ان کی طرف صحیح ہے تو کیا کسی اور عالم نے بھی اس بارے میں ان سے اتفاق یا اختلاف کیا ہے؟ اور اگر یہ نسبت ان کی طرف صحیح نہیں تو کیا ائمہ مذاہب میں سے کوئی امام اس کے جواز کا قائل ہے یا کہ نہیں؟

جواب.....امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جس کا فتویٰ دیا ہے اور ابن السبکی نے معید النعم میں جس پر جزم فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ ممیز جنبی بچے کو قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرنے کی ضرورت کے پیشِ نظر مصحف شریف کو چھونے کی اجازت دینا جائز ہے۔علامہ اسنوی رحمہ اللہ نے "المھمات" میں فرمایا کہ حالتِ جنابت میں ممیز بچے کو مصحف شریف چھونے کی اجازت دینے کی تصریح مجھے نہیں ملی۔اور قیاس سے اس کا ممنوع ہونا ثابت ہوتا ہے۔کیونکہ جنابت نادر چیز ہے اس لئے اس کا حکم شدید ہے۔(علامہ اسنوی رحمہ اللہ کی عبارت ختم ہوگئی)

علامہ اسنوی رحمہ اللہ کا مذکورہ قول امام نووی رحمہ اللہ کے فتوے کو ردّ کر رہا ہے اگر چہ ہمارے شیخ زکریا نے اس بارے میں امام نووی کی اتباع کی ہے اور یمن کے فقہاء نے بھی اسی پر فتویٰ دیا ہے کہ امام نووی رحمہ اللہ وغیرہ علماء کرام کی تصریح اس کے لئے کافی ہے۔لیکن ظاہر یہ ہے کہ علامہ اسنوی رحمہ اللہ اور ان کی اتباع کرنے والے علماء حضرات امام نووی رحمہ اللہ کے فتویٰ پر مطلع نہیں تھے۔ورنہ وہ ان کے فتویٰ کے خلاف فتویٰ نہ دیتے۔اور علامہ الخادم رحمہ اللہ نے حضرت امام نووی رحمہ اللہ کے فتوے کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ فتویٰ محلِ نظر ہے۔کیونکہ جنابت بار بار لاحق ہونے والی چیز نہیں کہ اس کی وجہ سے انسان مشقت میں پڑتا رہے گا۔

علامہ الخادم رحمہ اللہ کے مذکورہ قیاس کے مطابق ممیز بچے کو جنابت کی حالت میں مسجد میں قیام کی اجازت دینا جائز ہونی چاہیے کیونکہ مسجد میں قیام کی ضرورت پڑتی رہتی ہے اور اس حالت میں قیام کی اجازت نہ دینے میں مشقت ہے لیکن یہ قیام درست نہیں کیونکہ مسجد میں قیام ضروریات میں سے نہیں۔پس علامہ الخادم رحمہ اللہ کا مذکورہ قول اس بناء پر ردّ کیا جائے گا کہ انہوں نے جو نظیر بیان کی ہے۔وہ تب درست ہوسکتی ہے جب ہم یہ کہیں کہ بچوں کو سابقہ طہارت پر برقرار قرار دینے کی علت مشقت کی زیادتی ہے۔اور اسی کی شیخین نے تصریح فرمائی ہے۔لیکن "التھذیب" میں اس کی یہ علت بیان کی گئی ہے کہ بچے کی طہارت ناقص ہوتی ہے اس لئے اس کو شرط قرار دینے کا کوئی مطلب نہیں۔اگر ہم اس مذکورہ علت کو تسلیم کریں تو پھر امام نووی رحمہ اللہ کا کلام واضح اور بے غبار ہے نیز یہ بھی

ممکن ہے کہ علت ان دونوں سے مرکب ہو اس صورت میں بھی امام نووی رحمہ اللہ کا کلام واضح ہے۔

علامہ الخادم رحمہ اللہ کے قیام کو اس بناء پر رد کیا گیا ہے کہ مسجد میں قیام اور مصحف کو چھونے کے درمیان فرق ممکن ہے کہ قرآن کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے قرآن کریم اور مصحف شریف کو چھونے کی زیادہ ضرورت پڑتی رہتی ہے برخلاف مسجد میں قیام کہ اس کی اتنی ضرورت نہیں پڑتی۔لہٰذا حالتِ جنابت میں مسجد میں داخل ہونے کو مباح قرار دینے کی کوئی ضرورت ومجبوری نہیں۔نیز تہذیب میں اس کی جو علت بیان کی گئی ہے۔اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ بچے کا حالتِ جنابت میں بھی مسجد کے اندر قیام جائز ہے اور بعض متاخرین نے اس پر جزم فرمایا ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب

تفسیر واحدی وغیرہ سے قرآن کی تفسیر کرنا جائز ہے؟

سوال......ایک شخص نے قرآن کریم کی ایک آیت کی تفسیر ابوالحسن الواحدی،ابن عباس،زجاج اور عطاء وغیرہ معتبر مجتہدین علماء کرام رحمہم اللہ کی تفسیروں سے اسی طرح بیان کی جس طرح انہوں نے اپنی تفاسیر میں بیان کی تھی کیا اس کا ایسا کرنا جائز ہے یا کہ نہیں؟

جواب......آئمہ کرام کی تفاسیر کو ان کی اصل کے مطابق اپنی طرف سے ان میں کسی زیادتی یا کمی کا تصرف کئے بغیر بیان کرنے والے پر کوئی حرج نہیں بلکہ اس پر وہ اجر وثواب کا مستحق ہے۔لیکن ایسے شخص پر لازم ہے کہ اگر وہ عام لوگوں کے سامنے تفسیر بیان کرنا چاہتا ہے تو پھر عام لوگوں کی عقول جن چیزوں کی متحمل ہیں ان میں سے ان کے حال کے زیادہ موافق جو ہیں ان کا تذکرہ کرے۔ان کے سامنے تفسیر کے غرائب اور مشکلات میں سے کوئی چیز بیان نہ کرے کیونکہ ان کی عقول اس کی متحمل نہیں ہوتی ہیں۔کیونکہ یہ عمل ان کے فتنہ اور واضح گمراہی میں مبتلا ہونے کا موجب بن جاتا ہے۔اسی لئے اسلامی ریاست کے حکمران پر واجب ہے کہ جاہل واعظین میں سے جو اس روش پر عمل پیرا ہیں ان کو رد کرے کیونکہ وہ خود بھی گمراہ ہو رہے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرر ہے ہیں۔ایسے ہی حکمران پر واجب ہے کہ وہ جو لوگ تفاسیر باطلہ کو نقل کرتے ہیں ان کو بھی منع کرے مثال کے طور پر اس شخص کی تفسیر تفسیر باطل ہے جو تفسیر کی عدم اہلیت کے باوجود اپنی رائے سے تفسیر کرتا ہے۔اور اس شخص کی تفسیر بھی باطل ہے جو تفسیر بیان کرتے ہوئے ائمہ کے اقوال ہی بیان کرتا ہے لیکن وہ ائمہ کے اقوال کو صحیح سمجھ نہیں سکتا کہ اس کے پاس آلاتِ تفسیر نہیں۔

علم تفسیر انتہائی نفیس اور عظیم علم ہے ہر شخص کا اس میں کلام کرنا اس کی شان کے لائق نہیں۔اور ہر شخص کو اس میں غور وخوض کی اجازت نہیں۔اسی شخص کو اس علم میں کلام کرنے اور غور وخوض کرنے کی اجازت ہے جس نے تفسیر کے ان تمام آلات کہ جن کی ضرورت ہے ان میں اتقان اور رسوخ حاصل کیا ہو۔مثلاً سنت،فقہ،لغت،نحو،معانی

اور بیان وغیرہ ان علوم میں اتقان ورسوخ حاصل کیا ہے جن کا عربی زبان سے تعلق ہے۔پس جس کو ان علوم میں اتقان حاصل ہے اس کے لئے تفسیر میں کلام کرنے کی اجازت ہے۔اور جس کو ان میں اتقان حاصل نہیں اس کو آئمہ تفسیر نے جو کچھ فرمایا ہے اور ائمہ متاخرین نے ان میں سے جو کچھ ذکر کیا ہے صرف اسی کو نقل پر اکتفاء کرنا چاہیے۔مثلاً الاحدی، بغوی، قرطبی امام فخر الدین رازی اور بیضاوی رحمہ اللہ وغیرہ متاخرین آئمہ تفسیر سے جو کچھ نقل کیا ہے اسی پر اقتصار کرنا چاہیے۔اور ان ائمہ کے کلام سے وہی چیز ذکر کرے جو چیز سامعین کے لائق ہے اس میں اپنی طرف سے کوئی تصرف نہ کرے۔خلاصۂ کلام یہ کہ یہ بڑی خطرناک راہ ہے اس پر چلنے میں احتیاط لازم ہے تاکہ ضلال واضلال سے محفوظ رہا جاسکے۔

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ. الاٰیۃ کا مطلب

سوال......اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا کیا مطلب ہے؟

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ٥وَ اُمِّهٖ وَ اَبِيْهِ ٥وَصَاحِبَتِهٖ وَ بَنِيْهِ٥ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ٥
(سورۃ عبس، آیت: 34,37 پ:30)

ترجمہ: اُس دن آدمی بھاگے گا۔اپنے بھائی سے اور ماں اور باپ سے اور بیوی سے اور بیٹیوں سے ان میں سے ہر ایک کو اُس دن ایک فکر ہے کہ وہی اسے بس ہے۔

کیا یہ آیت خاص ہے عام۔آیت میں المرء کے لفظ کا کیا معنی ہے؟ کیا یہ کافر اور مسلمان دونوں کو شامل ہے؟ اور قیامت کے دن مسلمان اور کافر دونوں سے فرار ہوگا یا کہ صرف کافر سے ہوگا۔

جواب......یہ آیت عام ہے جیسا کہ اس کا سیاق اور اس کی نظم اس پر دلالت کرتی ہے۔اور ترمذی کی وہ حدیث جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسناد حسن کے ساتھ مروی ہے وہ بھی اسی پر دلالت کرتی ہے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

تُحْشَرُوْنَ حُفَاةً عُرَاةً غرلا غَيْرَ مَخْتُوْنِيْنَ فَقَالَتِ الْمَرْأَةُ اَوَ يُبْصِرُ اَوْيَرٰى بَعْضُهُمْ عَوْرَةَ بَعْضٍ قَالَ يَا فُلاَ نَةُ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ .

تمہیں ننگے پاؤں ننگے جسم بغیر ختنہ کی حالت میں اٹھایا جائے گا۔تو ایک عورت نے عرض کی کیا بعض، بعض کے قابلِ ستر اعضا کو دیکھیں گے۔تو آپ نے فرمایا اے فلاں عورت! (ان میں سے ہر شخص کی اس دن ایک ایسی حالت ہوگی کہ وہ دوسرے سے بے نیاز ہوگا)

(الحاوی الفتاوی، کتاب البعث، احوال البعث، ج:2 ص:237، مطبوعہ: ایضا)

اور مفسرین کرام نے اس آیت کی تفسیر میں جو چیزیں روایت کیں ہیں وہ بھی اسی پر دلالت کرتی ہیں۔ ان مذکورہ لوگوں سے فرار کا مطلب ان سے دوری اختیار کرنا اور ان میں سے کسی کی طرف التفات نہ کرنا ہے۔ کیونکہ اس دن ہر آدمی ایسی مصیبت میں گرفتار ہوگا جس کو اٹھانے کی اس میں طاقت نہ ہوگی جس کی وجہ سے وہ دوسروں سے بے خبر رہے گا۔ اور اس ڈر سے بھی وہ دوسروں سے دور بھاگے گا اور ان میں سے کسی کی طرف التفات نہیں کرے گا کہیں لوگ اس سے اپنے حقوق کا مطالبہ نہ کریں۔ مثلاً بھائی کے ساتھ مواسات، والدین کیساتھ حسن سلوک اور بیوی کی ضروریات کی ادائیگی اور بچوں کی عدم تعلیم و تربیت کی وجہ سے ان کے حقوق میں کوتاہی وغیرہ کی وجہ سے عائد حقوق کے مطالبہ کے خوف سے التفات نہیں کرے گا۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ اپنے بھائی سے بھاگنے والوں میں سب سے پہلا ہابیل ہوگا۔ اور اور اپنے باپ سے بُعد اختیار کرنے والوں میں سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام ہوں گے اور اپنی زوجہ سے دوری اختیار کرنے والوں میں سب سے پہلے حضرت لوط علیہ السلام ہوں گے اپنے بیٹے سے دوری اختیار کرنے والوں میں سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام ہوں گے۔ ایک قول کے مطابق فرار سے مراد یہ ہے کہ انسان ان کی درستی اور نصرت سے فرار اختیار کرے گا۔ کیونکہ یہ وہی لوگ ہیں کہ دنیا میں جن کے پاس یہ جاتا تھا اور ان سے غلبہ اور تقویت حاصل کرتا تھا لیکن آخرت میں وہ اس کو کوئی نفع نہ دے سکیں گے بلکہ وہ اس مقام پر ان سے بُعد اختیار کر رہا ہے۔ اور ان کے قرب میں ان سے کسی نفع کی امید نہیں رکھتا۔ بلکہ وہ ان سے اتنے ضرر عظیم کا خوف رکھتا ہے جس نے اس کو ان سے اتنا شدید بعد اختیار کرنے پر مجبور کیا ہے جس کو ان سے فرار اختیار کرنے سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اسی سے ہر عاقل پر واضح ہوتا ہے کہ دنیا میں محبت کی جتنی بھی صورتیں ہیں ان میں سے کوئی چیز قیامت کے دن نفع نہ دے گی۔ وہاں تو صرف اعمال صالحہ نفع دیں گے۔ بلکہ یہ محبوب صورتیں اس دن دشمن بن جائیں گی۔ جن سے وہ بھاگے گا اور ان کے قریب نہ جائے گا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

اَلْـمَالُ وَ الْبَنُوْنَ زِیْنَةُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ الْبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَیْرٌ عِنْدَ رَبِّکَ ثَوَابًا وَّ خَیْرٌ اَمَلًا۔ (سورۃ الکہف، آیت:46 پ:15)

ترجمہ: مال اور بیٹے یہ جیتی دنیا کا سنگار ہے اور باقی رہنے والی اچھی باتیں ان کا ثواب تمہارے رب کے یہاں بہتر اور وہ امید میں سب سے بھلی ہیں۔

اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ وَ اَوْلَادِکُمْ عَدُوًّا لَّکُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ۔ (سورۃ التغابن، آیت:14 پ:28)

ترجمہ: تمہاری کچھ بیبیاں اور بچے تمہارے دشمن ہیں۔ تو ان سے احتیاط رکھو۔

پس اللہ تعالیٰ نے ان سے دنیا میں ہی آخرت میں ان سے فرار اختیار کرنے سے پہلے ہی ڈرایا ہے۔ اور یہ فرار دخول جنت سے تھوڑی دیر پہلے تک ہوگا۔ لیکن جنت کے اندر فرار نہیں ہوگا وہاں تو اجتماع اور مشاہدہ ہی ہوگا۔

ذریت کا اطلاق کبھی صرف آباء پر ہوتا ہے اور کبھی آباء اور ابناء سب پر۔

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ اتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ.

(سورۃ الطور، آیت: 21 پ: 23)

ترجمہ: جو ایمان لائے اور انکی اولاد نے ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کی ہم نے ان کی اولاد ان سے ملادی۔

اس آیت میں ذریت جس طرح ابناء کو شامل ہے اسی طرح آباء کو بھی شامل ہے۔ اسی کی نظیر یہ آیت کریمہ ہے:

وَ اٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ . (سورۂ یٰسین، آیت: 41 پ: 23)

ترجمہ: اور ان کے لئے ایک نشانی یہ ہے کہ انہیں ان کے بزرگوں کی پیٹھ میں ہم نے بھری کشتی میں سوار کیا یعنی ہم نے ان کے آباء کو کشتی میں سوار کیا۔

اس سے ثابت ہوا کہ ذریت کا اطلاق صرف آباء پر بھی ہوتا ہے اور ایسی چیز پر بھی ہوتا ہے جو آباء مع الابناء کو شامل ہوتی ہے۔ اس کے بعد مذکورہ آیت کریمہ میں ایسی چیز کا ذکر کیا گیا ہے جو ترقی کے باب سے تعلق رکھتی ہے۔ کیونکہ ماں، باپ، بہنیں، بھائیوں سے زیادہ قریب ہوتے ہیں اور بیوی کے ساتھ دل کا تعلق والدین کے ساتھ تعلق سے زیادہ شدید ہوتا ہے اور بیٹے کے ساتھ بیوی سے زیادہ شدید ہوتا ہے۔ گویا کہ یوں فرمایا کہ جس دن انسان فرار اختیار کرے گا اپنے بھائی سے بلکہ اپنے ماں باپ سے باوجود ان کے ساتھ زیادہ قرب ہے بلکہ اپنی بیوی سے باوجود اس کے ساتھ زیادہ تعلق کے بلکہ اپنے اس بیٹے سے جو اس تعلق کی غرض وغایت ہے اور اس مرتبہ میں اس کے مساوی کوئی نہیں۔ (فرار اختیار کرے گا۔)

یہ چیز تمہیں اس خوف کی شدت کے عظیم ہونے کی خبر دے رہی ہے جو اس دن میں خاص ہے حتیٰ کہ وہ اتنا عظیم خوف ہوگا کہ ان مذکورہ افراد کی مثل قریبی لوگوں سے فرار پر مجبور کردے ا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اس دن لطف وکرم اور آسانی کا سوال کرتے ہیں بے شک وہ اقرب، اکرم اور مجیب ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب

سوال...... تلاوت قرآن مجید کے دوران اگر کسی جگہ شک ہوجائے کہ یہ صرف یاء ہے کہ تا، یا یہ لفظ وَقَالَ ہے یا اَوْ قَالَ ہے تو کیا اس کی حقیقت کا یقین کیے بغیر تلاوت کرنی چاہیے یا کہ نہیں؟

جواب...... مذکورہ شک کے باوجود اس کی تلاوت کرنی اس وقت تک جائز نہیں جب تک اس کے درست ہونے کا ظن غالب نہ ہو۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب

وعظ ونصیحت اپنی قیودات کے ساتھ حاکم کی اجازت پر موقوف نہیں

سوال......ایک شخص قرآن کریم کی تفسیر اور حدیث سے وعظ ونصیحت کرتا ہے لیکن وہ شخص صرف، نحو، لغت، علم معانی وبیان کی معرفت نہیں رکھتا کیا اس کے لئے تفسیر وحدیث سے وعظ ونصیحت کرنا جائز ہے یا کہ نہیں؟ اور اگر وہ اپنی رائے کے ساتھ وعظ ونصیحت کرتا ہے تو کیا اس پر کوئی حد مقرر یا تعزیر لازم آتی ہے یا اس پر کوئی چیز لازم نہیں۔اور کیا حکمران کی اجازت کے بغیر اس کو وعظ ونصیحت کرنا جائز ہے۔یا حکمران سے اس کی اجازت لینا ضروری ہے۔اور حکمران کے منع کرنے کے باوجود وہ وعظ ونصیحت کرے تو کیا اس پر تعزیز لازم آئے گی اگر آپ کی رائے میں ایسے شخص کے لئے تعزیری سزا ہونی چاہیے تو اس کی حد کیا ہے؟

جواب......اگر یہ شخص ترغیب وترہیب وغیرہ آیات اور ترغیب وترہیب سے تعلق رکھنے والی احادیث سے وعظ ونصیحت کرتا ہے اور ان کی تفسیر آئمہ کے اقوال سے کرتا ہے تو اس کے لئے وعظ ونصیحت کرنا جائز ہے۔اگر چہ وہ علم نحو وغیرہ سے واقف نہ بھی ہو۔کیونکہ یہ علماء کے کلام کا ناقل ہے۔اور علماء کے کلام کو دوسرے لوگوں تک نقل کرنے والے کے لئے صرف یہ شرط ہے کہ اس میں عدالت پائی جائے اور وہ اپنی رائے اور اپنے فہم سے اس میں کوئی تصرف نہ کرے۔اس ناقل میں اس کے سوا اور کوئی چیز شرط نہیں۔لیکن اگر وہ علماء کے کلام میں اپنی رائے اور اپنے فہم سے تصرف کرے اور اس میں تصرف کرنے کی اہلیت نہیں پائی جاتی ہے کہ اس کے متعلقہ علوم میں اس کو رسوخ حاصل نہیں تو پھر مسلمانوں کے آئمہ اور حکمرانوں پر اور ہر اس شخص پر واجب ہے جو اس سے روکنے کی قدرت رکھتا ہے اُس کو اس کی گہرائی میں جانے سے روکیں اور اگر اس سے باز نہیں آتا ہے تو پھر اس کے مقدمہ کو مسلمانوں کے بعض قاضیوں کی عدالت میں پیش کیا جائے تا کہ اس کو ایسی شدید تعزیری سزا دی جاسکے جو اس کو اور اس کی مثل دوسرے جاہلوں کو اس قسم کے مشکل امور میں کھوج لگانے سے روک دیں کیونکہ اس پر بہت سارے مفاسد اور قبائح شنیعہ مرتب ہوتے ہیں۔اور جس شخص کو وعظ وتبلیغ کی راہ اور وعظ وتبلیغ میں جن علوم کی ضرورت ہے ان میں رسوخ حاصل ہے تو (اُس کے وعظ وتبلیغ کرنا جائز ہے) کیونکہ وعظ ونصیحت بہت بلند درجہ اور شریف ومکرم منصب ہے۔اس کا استہزاء اور اس کی جسارت سوائے ہر اس جاہل اور دین میں بے تکی باتیں کرنیوالے اور اللہ تعالیٰ کا خوف نہ رکھنے والے اور اللہ تعالیٰ کے اس عذاب کی سطوت کی خشیت نہ رکھنے والے کے کوئی بھی نہیں کرتا۔جو عذاب اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہے لہٰذا جس طرح ہم نے بیان کیا ہے اس طرح اگر کسی شخص کے اپنے اندر اتقان ورسوخ حاصل ہے تو اس کے لئے امام کی اجازت کے بغیر وعظ ونصیحت کرنا جائز ہے۔

لیکن ہمارے آئمہ نے تدریس کے بارے میں جو فرمایا ہے اس پر قیاس کرتے ہوئے بڑی مساجد میں یہ

کام (وعظ ونصیحت) حاکم کی اجازت کے بغیر جائز نہیں اگر اس کی مثل میں امام سے اجازت طلب کرنا معتاد ہے تو، اور جہاں کہیں حاکم وعظ ونصیحت سے کسی شخص کو منع کردے اور وہ حاکم کی مخالفت کرتے ہوئے یہ کام کرتا ہے تو پھر ایسے شخص کو شدید تعزیری سزا دی جائے کیونکہ حاکم کے اُس حکم کی مخالفت جو معصیت نہیں حرام تعزیر شدید کی موجب ہے۔ تعزیری کیفیت کا کوئی ضابطہ اور اصول مقرر نہیں کیونکہ تعزیر مستحقین تعزیر اور اس جرم ومعصیت کے اختلاف سے مختلف ہوسکتی ہے جس جرم ومعصیت کے لئے یا جس جرم ومعصیت کے سبب وہ تعزیر واجب ہوئی ہے۔

اسی لئے علماء کرام نے فرمایا ہے کہ تعزیر امام کی رائے پر موقوف ہے پس جس درجہ کی تعزیر کو معصیت سے روکنے کے لئے کافی سمجھتا ہے اس کے لئے اس سے اوپر والی تعزیری کی طرف ارتقاء جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب

اوراقِ قرآنی آیات کو غلاف یا اُن کی جلد بنانا حرام ہے

سوال ...... کتابوں کے وہ اوراق جن کو کتابوں کے غلاف میں یا ان کی جلد بندی میں استعمال کیا گیا ہے؟ کیا ان کو غلاف اور جلد سے الگ کرنا واجب ہے؟

جواب...... مثلاً وہ اوراق جن میں قرآن کریم کا کوئی حصہ یا اسماء معظمہ میں سے کوئی معظم اسم لکھا گیا ہے ان کو غلاف بنانا حرام ہے۔ اس کا حرام ہونا ہم نے علامہ حناطی رحمہ اللہ کے اس فتویٰ سے اخذ کیا ہے کہ ''جس کاغذ میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھی ہو اس میں نقدی رکھنے کی حرمت کا فتویٰ دیا ہے۔'' علامہ ابن العماد رحمہ اللہ نے جس کاغذ میں بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھی گئی ہے اس میں اور اس کپڑے کے زیب تن کرنے کے درمیان فرق بیان کیا ہے جس کپڑے پر قرآن کریم کی آیات سے نقش ونگار بنائے ہیں۔ یعنی ایسے کپڑے کو لباس بنانا حرام نہیں اور ایسے کاغذ کو کتابوں کا غلاف یا جلد بنانا حرام ہے۔ کیونکہ کاغذ پر جو چیز مکتوب ہوئی ہے اس سے مقصد پڑھنا، پڑھانا ہوتا ہے ابن العماد رحمہ اللہ کے اس فتویٰ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جس چیز میں کچھ مکتوب ہو لیکن اس کی کتابت سے مقصد درس وتدریس نہیں تو اس کا لباس بنانا حرام نہیں ہونا چاہیے۔

مصنف فرماتے ہیں: علامہ ابن العماد رحمہ اللہ کے اس بیان فرمودہ فرق میں ہمیں توقف، ان کے درمیان فرق بیان کرنے کے لئے یہ کہنا مناسب ہے کہ قرآن کریم کو کپڑے پر لکھنا کپڑے کی شان نہیں کیونکہ اس کو لکھنے کے لئے نہیں بنایا جاتا اور برخلاف کاغذ کے اس پر لکھنا کاغذ کی شان کے موافق ہے کہ اس کو لکھنے ہی کے لئے بنایا جاتا ہے۔ اسی لئے اس کپڑے کو لباس بنانا حرام نہیں اور اس کاغذ کو جلد وغیرہ بنانا حرام ہے۔ کیونکہ اس طرح کے کپڑے کو لباس میں تبدیل کرنے کو اس میں مکتوب چیز کی توہین شمار نہیں کیا جاتا بخلاف اس کاغذ کے کہ جس میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھی گئی ہے کہ اس کاغذ میں نقدی وغیرہ ڈالدی جائے تو اس عمل کو اس میں مکتوب چیز کی بے حرمتی تصور کی جاتی ہے۔

کیونکہ اس کو دوسری چیز کے لئے ظرف بنانے کی وجہ سے اس میں مکتوب چیز کا اس سے تعلق ختم ہو جاتا ہے۔ حالانکہ کاغذ کی وضع ہی اس کے لئے تھی اور کپڑے پر کسی چیز کی کتابت اس کو ملبوس اور قابلِ لباس ہونے سے نہیں نکالا کیونکہ کپڑا کتابت کے لئے موضوع ہی نہیں۔

مذکورہ تفصیل سے ثابت ہوا کہ جس کاغذ میں قرآن کریم کا کوئی حصہ مکتوب ہے اس میں نقدی یا کوئی چیز ڈالنا حرام ہے خواہ اس کی کتابت سے مقصود درس وتدریس ہو یا کوئی اور چیز۔ اور اسی سے ان امور کا حکم بھی واضح ہوگیا ہے جن کو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ کہ قرآن کریم کی کتابت کے حکم میں ہر قابل تعظیم اسم کی کتابت بھی شامل ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کے اسم اور اس کے نبی حضرت محمد ﷺ کے اسم کی کتابت۔ لیکن وہ اوراق جن میں کوئی قابلِ احترام علم لکھا گیا ہے لیکن اُن میں کوئی معظم اسم نہیں پایا جاتا تو علماء کرام کے ظاہر کلام سے ثابت ہوتا ہے ان کو غلاف بنانا حرام نہیں۔ اس صورت حال کے پیش نظر ان سے بنائے گئے غلافوں کو اکھیڑنا واجب نہیں۔

اعتراض...... قابلِ احترام علم کی کتابوں کو تکیہ بنانا حرام ہے اس پر قیاس کیا جائے تو پھر مذکورہ اوراق کو غلاف بنانا حرام ہونا چاہیے۔

جواب...... اس قیاس کی ایک وجہ تو بنتی ہے لیکن ان دونوں کے درمیان فرق ممکن ہے کہ محترم علم کی کتابوں کو تکیہ بنانے میں ان کی جس بے حرمتی کا ارتکاب پایا جاتا ہے مذکورہ اوراق کو غلاف بنانے کے لئے استعمال کرنے میں اس بے حرمتی کا ارتکاب نہیں پایا جاتا اور یہ واضح ہے کیونکہ ہم ان علمی کتابوں کی بات کر رہے ہیں جو بوسیدہ ہو چکی ہیں اور ان سے نفع حاصل کرنا ممکن نہیں رہا اور ان کو غلاف بنانے میں مال کا ضیاع بھی نہیں اور اس سے قابلِ احترام علم کا ترک بھی لازم نہیں آتا اور اگر ان مذکورہ امور میں سے کوئی امر پایا جائے تو پھر اس صورت میں ان کو غلاف بنانا حرام ہوگا۔ جیسا کہ ادنیٰ بصیرت رکھنے والے پر بھی یہ چیز مخفی نہیں۔ جب ایسا کرنا حرام ہوگا تو پھر ان کو غلاف سے الگ کرنا اور اکھیڑنا واجب ہوگا اور اکھاڑنے کے بعد ان کو اصل حالت میں رکھنا ممکن ہے تو اصل حالت پر رکھنا واجب ہوگا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب

مصحف شریف یا علمی کتابوں میں کتابت کی غلطی کی تصحیح اور ان میں نشانی رکھنے کا حکم

سوال ......(1) قرآن کریم کے کسی نسخہ میں یا دیگر کتابوں میں کتابت کی غلطی پائی جائے تو کیا ان کے مالک کی اجازت کے بغیر غلطی کی اصلاح جائز ہے۔

(2) اور قرآن کریم کی تلاوت کرنے والے اپنے روزمرہ کے معمول کا حصہ تلاوت کرنے کے بعد قرآن کریم کے نسخہ میں کاغذ یا کوئی دوسری چیز بطور نشانی رکھنا جائز ہے تاکہ اپنے معمول کے آئندہ حصہ تلاوت کو پہچان سکے۔

(3) اور کیا قرآن کریم کے ایک نسخہ پر دوسرا نسخہ رکھنا جائز ہے۔؟

(4)اور کیا مصحف شریف میں وقف لکھنا جائز ہے کہ فلاں نے اس پر وقف کیا ہے اور فلاں نے اس پر وقف کیا؟
(5)اور کیا جس طرح کتابوں پر ان کی شروح کا حاشیہ چڑھایا جاتا ہے اس طرح مصحف کریم پر تفسیر کا حاشیہ چڑھانا جائز ہے؟

(6)اور سورتوں کی فضیلت بیان کرنے والی احادیث کی بسم اللہ سے پہلے کتابت کا کیا حکم ہے؟
(7)اور کیا کسی پاک طاق میں کوئی چیز اس میں بچھائے بغیر مصحف شریف رکھنا جائز ہے؟
(8)اور کیا قرآن کریم کی طرف پاؤں پھیلانا حرام ہے اگرچہ وہ دور کیوں نہ ہو؟
(9) کیا قرآن کریم کو ایسی کپڑے پر رکھنا جائز ہے جس میں مکھی وغیرہ کی بیٹ کثرت سے لگی ہوئی ہے۔؟
(10) چھوٹے بچوں کے معلّم پر قرآن کریم کے احترام سے متعلق کون سے امور کی تعلیم دینا واجب ہے؟
(11)سورۃ والضحیٰ سے آخر قرآن کریم تک ہر سورۃ کے آخر میں تکبیر کہنے پر کوئی اثر منقول ہے؟
(12) جن راستوں کے نجس ہونے کا یقین ہے ان میں اور حمام میں قرآن کریم کی تلاوت کرنے کا کیا حکم ہے؟
(13)العباب کے اس قول کا کیا مطلب ہے کہ دراہم وغیرہ کتابوں کے اُن اوراق میں رکھنا حرام ہے جن میں قرآن کریم مکتوب ہے؟ وہ اوراق جن میں کوئی بھی علمی چیز مکتوب ہے اور وہ اوراق جن میں آپس کی خط وکتابت ہوئی ہے ان کا بھی یہی حکم ہے؟
(14) کیا یہ ثابت ہے کہ مؤمن جنات قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں اور وہ شریعت کے احکام سیکھتے اور سکھاتے ہیں۔ اور جس طرح ہم لکھتے وہ بھی لکھتے ہیں نماز پنجگانہ ادا کرتے ہیں اور اس کے لئے طہارت حاصل کرتے ہیں۔ اور جن علماء کے نزدیک جنات کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے ان کے نزدیک اس انسان پر جو جنات میں سے شادی کرے اپنی زوجہ کے کیا حقوق واجب ہیں؟

جواب...... علامہ زرکشی رحمہ اللہ وغیرہ علماء کرام نے علامہ عبادی رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے کہ کسی سے مستعار لی گئی کتاب میں کتابت کی غلطی پائی جائے تو اس کی اصلاح جائز نہیں لیکن اگر وہ قرآن کریم کا نسخہ ہے تو اصلاح واجب ہے۔ اور البدر بن جماعۃ اور سراج بلقینی رحمہ اللہ نے نسخہ کے مملوک ہونے کی قید لگائی ہے وہ فرماتے ہیں اگر قرآن کریم کا نسخہ وقف کا ہے تو پھر کتابت کی غلطی کو درست کرنا جائز ہے واجب نہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے اس اصلاح کا محل ومقام یہ ہے کہ غلطی کی اصلاح کرنے والے کے اپنے خط میں اصلاح کرنے کی اہلیت پائی جاتی ہو کہ اس کے خط سے مصحف شریف اور جس کتاب کی اصلاح کی گئی ہے اس میں کوئی عیب پیدا نہ ہو جائے۔

کتب کے آداب

(نوٹ)......شیخ الاسلام البدر بن جماعۃ رحمۃ اللہ علیہ نے کتابوں اور ان کی تصحیح ضبط اور ان کے اٹھانے، رکھنے ان کی خرید وفروخت اور عاریت اور ان سے نقل کرنے وغیرہ کے آداب پر ایک مستقل باب باندھا ہے۔ میں چاہتا ہوں اس مقام پر میں اسکی تلخیص بیان کروں کہ مذکورہ سوالات میں سے بعض کا جواب معلوم ہو جائے۔ انہوں نے جو کچھ بیان فرمایا ہے اس کا خلاصہ کچھ اضافے کے ساتھ پیش خدمت ہے۔

طالب علم کیلئے چاہیے کہ وہ اپنی ضرورت کی کتابوں کو جب تک ممکن ہو سکے خرید کر حاصل کرنے کی کوشش کرے اور اگر یہ ممکن نہیں تو پھر مالک کی اجازت سے حاصل کرے یا مستعار لے۔ اور ان کتابوں سے کوئی چیز نقل نہ کرے لیکن جس کو نقل کئے بغیر حاصل کرنا ممکن نہیں تو اس کو نقل کرنا جائز ہے اور کتابوں کی تصحیح پر انکی تحسین سے زیادہ کوشش کرنی چاہیے۔ اور جہاں کوئی نقصان وضرر کا اندیشہ نہیں وہاں کتاب کو بطور اعارہ دینا مسنون ہے۔ بعض لوگوں نے اس کو مکروہ کہا ہے لیکن مجھے اس کی کراہت کی کوئی وجہ سمجھ نہیں آئی۔ کیونکہ اعارہ میں علم اور خیر پر اعانت ہے جو کسی پر مخفی نہیں۔ وسائل کو مقاصد کا حکم حاصل ہے۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ علیہ نے حضرت محمد بن حسن رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ علم اہل علم کو اس بات سے روکتا ہے کہ وہ دوسرے اہل علم سے علم کو روکیں۔

دوسرے کی کتاب سے اس کی اجازت کے بغیر کوئی چیز نقل نہیں کرنی چاہیے

مستعیر کو کتاب اعارہ کرنے والے کا شکریہ ادا کرنا اور اس کو اس کا اچھا بدلہ دینا چاہیے خواہ دعا سے ہی بدلہ دے کتاب سے ضرورت پوری ہونے کے بعد کتاب مالک کو واپس دینی چاہیے یا مالک کے طلب کرنے پر واپس کر دینی چاہیے۔ مالک کی اجازت کے بغیر کتاب کی اصلاح جائز نہیں (یہاں سابقہ قید پیش نظر رہے) کتاب کے اوّل وآخر کے خالی حصوں پر کوئی حاشیہ آرائی نہ کرے ہاں اگر مالک کی رضا مندی سے ایسا کرے تو جائز ہے کتاب کو میلا نہ کرے اور دوسرے کو اعارہ بھی نہ کرے۔ بغیر کسی ایسی ضرورت ومجبوری کے جو دوسرے کے پاس ودیعت رکھنے کا شرعاً جواز فراہم کرتی ہے اس کے بغیر دوسرے کے پاس کتاب کو ودیعت بھی نہ رکھے اور کتاب سے مالک کی اجازت کے بغیر کوئی چیز نقل نہ کرے کیونکہ مطلق استعارہ نقل کرنے کو شامل نہیں ہوتا۔ ہاں اگر مالک یہ کہہ دے کہ جیسے چاہو اس کتاب سے فائدہ اٹھا سکتے ہو تو نقل جائز ہوگی، یوں وہ کتاب جو غیر معین لوگوں پر وقف کی گئی ہے کہ وہ اس سے نفع اٹھائیں تو ایسی کتاب سے نقل کرنے میں کوئی حرج نہیں اور جو شخص اصلاح کی اہلیت رکھتا ہے اس کا وقف کی کتاب میں اصلاح کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ وہ کتب خانہ کے نگران سے اس کی اجازت لے

کاغذ کو کتاب کے اندر رکھ کر یا کتاب کی کتابت پر رکھ کر نقل نہ کرے۔ روشنائی کی دوات کتاب پر نہ رکھے۔ روشنائی کی دوات سے نکالے ہوئے قلم کو کتاب کی کتابت پر سے نہ گزارے۔ جب کتاب سے کوئی چیز نقل کرنا چاہے یا اس کا مطالعہ کرنا چاہے تو اس کو زمین پر کھلی اور بچھی ہوئی حالت پر نہ رکھے بلکہ اس کو دو چیزوں کے درمیان رکھے یا کسی اونچی جگہ پر رکھے تا کہ اس کو باہم جوڑنے والے کانٹے نہ ٹوٹیں۔

کتابیں رکھنے کی کیفیت وترتیب کا بیان

کتابوں کو جب کسی جگہ رکھنا چاہے تو کتاب اور زمین کے درمیان کوئی چیز رکھ دے۔ کتابیں رکھنے میں کتابوں کے شرف اور ان کے مصنف کی جلالت شان کے اعتبار سے آداب کی رعایت کی جائے۔ کتابوں میں سے اشرف کتاب کو سب سے بلند رکھے اور مصحف شریف کو سب سے بلند رکھے۔ نشست گاہ کے سامنے والے حصہ میں طاہر ونظیف دیوار میں کیل وغیرہ ٹھوک کر اس کے ساتھ معلق کلہ پر مصحف شریف کو رکھنا زیادہ بہتر ہے اور مصحف شریف کے بعد خالص صحیح احادیث کی کتابوں کو رکھے مثلاً صحیح مسلم کو لیکن صحیح بخاری کو اس سے پہلے رکھنا چاہیے کیونکہ یہ اصح ہونے کے علاوہ اس میں قرآن کریم کا زیادہ حصہ پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ عنقریب یہ بحث آئے گی کہ کسی علم کی دو برابر کتابوں میں سے جس میں قرآن کریم زیادہ پایا جائے اس کتاب کو مقدم کرنا چاہیے اس کے بعد قرآن کریم کی تفسیر کو اور اس کے بعد حدیث کی شرح کو، اور اس کے بعد اصول الدین کو پھر اصولی فقہ کو اور اس کے بعد فقہ کو اور اس کے بعد نحو اور اس کے بعد صرف اور علوم معانی، بیان، بدیع وغیرہ کو اور عرب کے اشعار کو اور اس کے بعد عروض کو رکھا جائے۔ اور ایک فن کی دو برابر کتابوں میں سے جس میں قرآن کریم یا حدیث کا زیادہ حصہ موجود ہے اس کو دوسری پر بلند رکھنا چاہیے۔ اور اس کے بعد جس کتاب کے مصنف کی جلالت شان عظیم ہے اس کو دوسری کتاب سے بلند رکھنا چاہیے اور دو برابر کی کتابوں میں سے جو کتاب علماء اور صالحین کے ہاتھوں میں زیادہ رہتی ہے اس کو دوسری پر مقدم رکھنا چاہیے اور دو برابر کی کتابوں میں جو زیادہ صحیح ہے اس کو دوسری سے مقدم رکھنا چاہیے۔ کتابوں کو رکھنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ بسم اللہ وغیرہ سے کتاب کے جس حصہ کا آغاز ہوتا ہے اس حصہ کو اوپر کی جانب پہلے رکھے۔ کتاب کے اندر دوسری کتابوں کے مختلف صفحات اور اجزاء نہ رکھے جائیں اور کتاب کو چھوٹے تکیہ کی طرح سوئے ہوئے رخسار پر نہ رکھا جائے ہاں اگر اس کے چوری وغیرہ کا خطرہ ہے تو ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسی طرح کتاب کو تکیہ بنانے اور مسند بنانے کا حکم ہے اور کتاب کو بطور پنکھا استعمال کرنے کا یہ حکم نہیں کیونکہ اس میں ماقبل (یعنی تکیہ اور مسند بنانے) کی نسبت بے ادبی کم ہے۔ مصحف شریف کو سرھانا بنانا حرام ہے اگرچہ اس کی چوری ہونے کا خوف کیوں نہ ہو۔ برخلاف اس کے کہ اس کو کسی نجاست یا کافر انسان کے چھونے کا خطرہ ہے تو پھر اس کو سرھانا

بنانا جائز بلکہ واجب ہے۔

کتاب میں کسی کاغذ وغیرہ کو بطور نشانی رکھے۔ تنکے کو بطور نشانی نہ رکھے اور نہ کتاب کے حاشیہ یا کسی ورق کو موڑ کر نشانی رکھے۔ اور جو کتاب مستعار لی ہے اس کو لیتے اور واپس کرتے وقت خوب خیال رکھے۔ اور جو کتاب خریدنا چاہتا ہے اس میں صحت کی علامت دیکھنے میں خوب کوشش کرے۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے اسی چیز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ جب تم کسی ایسی کتاب کو دیکھو کہ جس میں الحاق یا اصلاح ہے تو اس کی صحت کی شہادت دو۔

اور دیگر علماء نے فرمایا ہے: کتاب اس وقت تک روشن نہیں ہوتی جب تک وہ تاریک نہ ہو جائے اس سے ان کی مراد کتاب کی اصلاح ہے۔ یعنی جب تک اس کی اصلاح نہ کی جائے وہ واضح نہیں ہوتی۔

کاتب کے لئے آداب

علم کی کتابت کرنے والے کے لئے درج ذیل آداب کا خیال رکھنا چاہیے۔

1......طہارت۔ 2......قبلہ کی طرف منہ کرنا۔ 3......بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور الحمد للہ اور حضور ﷺ پر صلوٰۃ وسلام بھیجنے کے ساتھ آغاز کرنا۔ 4......اور انہی چیزوں پر ختم کرنا۔ 5......اور کتاب کے اختتام پر یہ لکھنا کہ فلاں کتاب مکمل ہوگئی اور اس میں یہ فوائد ہیں۔ 6......اللہ تعالیٰ کا اسم پاک لکھنا چاہے تو اس کی تعظیم کرے کہ اس کے بعد تعالیٰ، تقدس یا عزوجل یا اس کی مثل کلمات لکھے۔ 7......اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا اسم پاک لکھے تو اس کی تعظیم کرے، کہ اس کے بعد ﷺ لکھے۔ سلف سے خلف تک سب میں یہ طریقہ جاری رہا ہے، درود شریف کی کتابت میں اختصار کرتے ہوئے صلعم وغیرہ نہ لکھے۔ کیونکہ یہ محروم لوگوں کا طریقہ ہے اور اکابر مثلاً مجتہدین کے اسماء کے ساتھ رضی اللہ عنہ لکھے اور ان سے بعد کے درجہ والے علماء کے اسماء کے ساتھ رحمہ اللہ تعالیٰ کے الفاظ لکھے۔ باریک خط سے اجتناب کرے کیونکہ باریک خط سے بڑھاپے میں فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا پس کتاب کے وزن کی کمی اور وزن کے ہلکا ہونے کی اور کتابت کی مشقت میں سہولت اور اوراق کی رعایت سے خط سے انتفاع کی رعایت زیادہ افضل ہے۔ اس لئے خط کی باریکی سے اجتناب کرنا چاہیے کتاب جب اصل صحیح کے ساتھ تقابل یا کسی شیخ کے سامنے پڑھنے کی وجہ سے صحیح قرار پائے تو مشکل مقامات پر نقطے لگائے اور حاشیہ میں ان کا ضبط تحریر کرے۔ جن مقامات کی تصحیح کی ہے ان کا ضبط تحریر کیا ہے ان کے اوپر مختصر کر کے "صح" کا لفظ لکھ دے اور جہاں کہیں غلطی نظر آئے اس کے اوپر بھی اسی طرح مختصر الفاظ کے ساتھ غلطی کی نشاندہی کرے اور اگر اس غلطی کی تصحیح وتحقیق معلوم ہے تو پھر حاشیہ میں لکھ کر اسکا درست لفظ یہ ہے۔ اور جہاں کہیں زیادتی پائی جائے تو اس کو کھرچنے کی بجائے اس پر کانٹا کھینچنا بہتر ہے۔ لیکن جہاں کسی نقطہ

یا کسی مشکل لفظ کا ازالہ مقصود ہے تو پھر ان کا کھر چنا بہتر ہے جہاں لفظ مکرر ہے تو دوسرے لفظ پر کانٹا کھینچنا بہتر ہے۔
البتہ اگر پہلا لفظ سطر کے آخر میں ہے اور اپنے مابعد کی طرف مضاف بھی نہیں تو پھر دوسرے لفظ کی حفاظت کی خاطر پہلے پر کانٹا کھینچنا بہتر ہے۔

حاشیہ میں جو کچھ مذکور ہے اس کی تخریج ایک موڑ کے ذریعہ اپنی جانب کرے، دائیں جانب کرنا زیادہ بہتر ہے پھر جو تخریج کی ہے اس کو ورق کے اوپر والے حصے میں بلندی کی حالت میں لکھے۔پستی کی حالت میں نہ لکھے، کیونکہ اس کے بعد دوسری کسی تخریج کا احتمال بھی ہے۔اور حروف کے سروں کو اپنی داہنی جانب رکھے خواہ وہ کتابت کی داہنی جانب ہو یا بائیں جانب، اور ورق کے آخر میں کئی جگہوں میں شب کہ کی مقدار جگہ چھوڑے تاکہ کتابت شبکہ سے نہ ملے۔ورنہ جلد سازی کرنے والے کے شبکہ سے کتابت ضائع ہوجائے گی۔اور تخریج کے آخر میں صح کا لفظ لکھ دے۔
اپنی مملوکہ کتابوں کے حواشی پر اہم تنبیہات، فوائد اور حواشی لکھنے میں کوئی حرج نہیں۔لیکن یہ چیزیں کتاب کے مضامین سے متعلقہ ہونی چاہیں اور ان کو اتنا زیادہ بھی نہیں لکھنا چاہیے کہ وہ کتاب کو تاریک کردیں۔اور سطروں کے درمیان مطلقاً کتابت کو ترک کرنا بہتر ہے اور کتاب کے آخر میں کتاب اور تخریج کے درمیان فرق بیان کرنے کے لئے صَـحـ نہ لکھے۔بلکہ حاشیہ، فائدہ باولہ یا آخرہ کے الفاظ لکھے۔عنوان اور متن وغیرہ کو سرخی کے ساتھ لکھنے میں کوئی حرج نہیں۔
اور اسماء اور مذاہب وغیرہ کے رموز واشارات سرخی کے ساتھ لکھنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔اور کتاب کی اصطلاحات کتاب سے پہلے بیان کرے، ہر دو کلاموں کو دائرہ کے ذریعہ جدا کرے کیونکہ اس طرح چھوڑ دینے میں مقصود کا استخراج مشکل ہوجاتا ہے۔

مصحف یا علمی کتابوں کی طرف پاؤں دراز کرنے کا حکم

علامہ زرکشی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے قرآن کریم کے کسی حصہ یا علمی کتابوں کی طرف پاؤں دراز کرنا حرام ہے۔انتہی زرکشی رحمہ اللہ نے مصحف شریف اور کتابوں کی طرف پاؤں پھیلانے کو مطلقاً حرام قرار دیا ہے لیکن اطلاقِ حرمت قابلِ توقف ہے زیادہ مناسب یہ ہے کہ اگر پاؤں پھیلانے میں مصحف اور کتابوں کی تعظیم کے منافی چیز کا قصد نہیں تو پھر پاؤں پھیلانا حرام نہیں۔علامہ زرکشی رحمہ اللہ نے غیرِ عربی قلم کے ساتھ کتابت کی حرمت پر بھی بحث کی ہے اور یہ بحث بھی قابلِ نظر ہے مصحف کو غیر عربی قلم کے ساتھ لکھنے اور اس کو غیر عربی لغت میں پڑھنے کے درمیان غیر عربی قلم کے ساتھ لکھنے کے کہ اس میں اعجاز برقرار رہتا ہے۔بہتر یہ ہے کہ مصحف شریف کے اوپر سوائے مصحف شریف کے کوئی اور چیز مثلاً کوئی کتاب یا کپڑا نہ رکھا جائے۔علامہ حلیمی رحمہ اللہ نے "جوامع السنن" کو بھی مصحف کے ساتھ شامل رکھا ہے (کہ انکے اوپر بھی کوئی چیز نہ رکھی جائے) ابن العماد نے بحث کرتے ہوئے فرمایا کہ مصحف شریف کے اوپر

جدید جوتے رکھنا یا جدید جوتوں میں مصحف رکھنا حرام ہے کیونکہ اس میں ایک قسم کی بے ادبی اور احترام کی قلت پائی جاتی ہے بہتر یہ ہے کہ مصحف کی طرف پیٹھ نہ کی جائے اور اس کے اوپر نہ چلا جائے ۔اور رکھتے ہوئے زمین پر نہ پھینکا جائے اور نہ اس کی کوئی ضرورت ہے ۔ بلکہ آخری چیز کو مکروہ کہا جائے تو بعید نہیں۔

مصحف شریف کو خوشبو لگانا اور چومنا مسنون ہے

قرآن کریم کے الفاظ کو مثلاً مسجد کے لفظ کو چھوٹا کر کے لکھنے کی نہی وارد ہے ۔اس سے اجتناب کرنا چاہیے ۔
علامہ زرکشی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مصحف کو خوشبو لگانا اور بلند جگہ پر رکھنا اور اس کو بوسہ دینا مسنون ہے ۔انتھی

مصحف سے فال نکالنا مکروہ ہے

قرآن کریم سے فال نکالنا مکروہ ہے۔
اور مالکی علماء کی ایک جماعت نے اس کو حرام قرار دیا ہے۔
مذکورہ تمہید کے بعد سائل نے جتنے سوالات ذکر کیے ہیں ان کے جوابات واضح ہو جاتے ہیں ۔

1.....اپنی مملوکہ کتابوں کی غلطی درست کرنا جائز ہے ۔اور جن کتابوں کے مالک کی رضامندی معلوم ہے ان کی غلطی کی اصلاح بھی جائز ہے ۔؟ اور جو کتابیں خاص اسی شخص پر وقف ہیں ان کی اصلاح بھی جائز ہے ۔ بلکہ مصحف شریف میں کتابت کی غلطی کی اصلاح واجب ہے ۔اور مصحف شریف کے علاوہ دیگر کتب میں اس کے خط سے کوئی عیب پیدا نہیں ہوتا تو ان کی غلطی کی اصلاح جائز ہے ۔

2.....اپنے روزمرہ کے حصہ تلاوت کی معرفت کے لئے مصحف شریف میں ورقہ بطور نشانی رکھنا جائز ہے ورقہ رکھنا تنکا وغیرہ رکھنے سے زیادہ بہتر ہے ۔

3.....مصحف شریف کے اوپر دوسرا مصحف شریف رکھنا جائز ہے ۔

4.....اور اسی سابقہ تمہید سے یہ بھی واضح ہوا کہ وقف شدہ کتاب پر یہ لکھنا کہ یہ کتاب فلاں پر وقف کی گئی ہے یا فلاں نے وقف کی ہے جائز ہے ۔کیونکہ اس میں مصلحت عامہ پائی جاتی ہے اور اس پر فعلی اجماع ہے ۔

5.....مصحف شریف کے حاشیہ میں تفسیر اور قرأت لکھنا اسی طرح جائز ہے جس طرح کتابوں کے حاشیہ میں لکھنا جائز ہے ۔کتابوں کے حاشیہ کے متعلق ہماری سابقہ تشریح کے مطابق مناسب یہ ہے کہ مصحف کے حاشیہ میں الفاظ قرآن سے متعلق اہم امور کے سوا کوئی چیز مثلاً قصص اور اعاریب غریبہ وغیرہ نہ لکھے جائیں ۔علامہ حلیمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: آداب میں سے یہ ہے کہ جو چیز قرآن سے نہیں اس کو قرآن کے ساتھ مخلوط نہ کیا جائے مثلاً آیات اور وقوف کے عدد، قرأت کا اختلاف، آیات کے معانی، سورتوں اور اعشار کے اسماء وغیرہ کو قرآن کے ساتھ مخلوط نہ

کیا جائے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کیونکہ حضور ﷺ اور حضرت ابوبکر، حضرت عمر، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے بھی یہ کام نہیں کئے۔

6...... سورتوں کے فضائل سے متعلقہ احادیث کے لکھنے میں اس شخص کو کوئی حرج نہیں جس کو ان احادیث کی اصل معلوم ہے۔ مثلاً سورہ فاتحہ کا دو ثلث قرآن کے برابر ہونا اور سورہ اخلاص کا ایک ثلث قرآن کے برابر ہونا۔ سورۃ الکافرون اور اس کے بعد والی سورتوں کا قرآن کے ایک ربع کے برابر ہونا اور اذا زلزلت اور والعادیات کا نصف قرآن کے برابر ہونا اور آیت الکرسی کا قرآن کی سب سے عظیم آیت ہونا۔ اور یٰسین کا قلب قرآن ہونا یا اس کا قرآن کریم کے اس ۵ مرتبہ کے برابر ہونا۔ اسی طرح وہ احادیث لکھنے میں کوئی حرج نہیں جن کی کوئی اصل موجود ہے۔ لیکن وہ احادیث جن کی کوئی اصل نہیں۔ مثلاً وہ احادیث جو الواحدی، زمخشری اور علامہ بیضاوی رحمہم اللہ وغیرہم کی تفسیروں میں مذکور ہیں۔ ان کو روایت کرنا بھی جائز نہیں اور ان کو لکھنا بھی جائز نہیں۔ کیونکہ یہ کذب، موضوع اور من گھڑت ہیں۔ بلکہ وہ احادیث جن کی تخریج کرنے والے کے بارہ میں یہ معلوم نہ ہو کہ وہ ان لوگوں میں سے ہے جن پر حدیث کی اصل موجود ہونے میں اعتماد کیا جاتا ہے تو اس قسم کی احادیث کی روایت اور کتابت بھی جائز نہیں۔

7...... مصحف شریف کو بغیر کسی بچھونے کے پاک طاق میں رکھنا جائز ہے لیکن بچھونے پر رکھنا زیادہ بہتر ہے اور اس سے بھی زیادہ بہتر یہ ہے کہ نشست گاہ کے سامنے بلند جگہ پر معلق کیا جائے جیسا کہ تفصیل گزر چکی ہے۔

8...... مصحف کی طرف پاؤں پھیلانے کی تفصیل گزر چکی، اس کو مستحضر کر لیجئے۔ اگر ہم پاؤں پھیلانے کو حرام قرار دیں تو پھر اس کا محل یہ ہے کہ وہ کسی ایسی قریب جگہ میں ہو جس کی طرف پاؤں پھیلانے کی نسبت کی جاسکے۔ اور اس کو مصحف کی تعظیم کے خلاف سمجھا جاسکے اور امام نووی رحمہ اللہ کے مجموع اور تبیان میں مذکور قول سے استدلال کرتے ہوئے مصحف شریف کو نجاست آلود چیز پر نجاست سے پاک کرنے کے بعد رکھنا جائز ہے۔ قرآن کریم یا اللہ تعالیٰ کے اسم پاک یا رسول اللہ ﷺ کے اسم پاک یا کسی بھی معظم اسم کو نجاست سے لکھنا یا نجاست آلود چیز کہ جس کو نجاست سے پاک نہیں کیا گیا ہے اس کے ساتھ لکھنا حرام ہے۔ اور مصحف شریف کو نجاست پر یا نجاست آلود چیز پر رکھنا حرام ہے۔ اور نجاست آلود کا مصحف کو بغیر کسی پردے کے چھونا بھی حرام ہے اگرچہ دیوار وغیرہ پر لکھا ہوا ہو۔

کفنی وغیرہ لکھنے کا حکم

اسی سے امام ابن اصلاح رحمہ اللہ کے اس فتوے کا تعلق ہے کہ جس میں انہوں نے قرآن کے کسی حصہ کو یا اللہ تعالیٰ کے اسماء کو اکفان کے بعض حصوں پر لکھنے کی حرمت کا فتویٰ دیا ہے کہ کفن پیپ کی وجہ سے نجاست آلود ہو جاتے

ہیں۔اور مصحف کو اُس بدن کے بعض پاک حصہ سے چھونا جس کا باقی حصہ نجاست آلود ہے خلاف اولیٰ ہے۔

ایک قول کے مطابق ایسا کرنا حرام ہے لیکن اس قول کو خرقِ اجماع کی بناء پر رد کر دیا گیا ہے۔جس کاغذ پر قرآن کریم یا اس کی مثل کوئی چیز لکھی گئی ہے اس کو نگلنا حرام ہے۔لیکن اس کا دھون اور غسالہ پینا حرام نہیں۔

9......معلّم اطفال پر واجب آداب

معلّم اطفال پر واجب ہے کہ وہ غیر ممیز بچے کو (مصحف شریف) قرآن کریم چھونے اور اٹھانے سے منع کرے تاکہ کہیں قرآن پاک کی بے حرمتی نہ ہو جائے۔معلّم کے لئے ممیز بچے کو قرآن کریم سے تعلیم حاصل کرنے کی ضرورت کے پیش نظر قرآن پاک اٹھانے کی اجازت دینا جائز ہے۔اور اسی طرح ہر اس ضرورت کے پیش نظر جس پر قرآن پاک سے تعلیم حاصل کرنا موقوف ہے مثلاً بچے کا قرآن پاک کو اپنے ہمراہ سکول یا گھر لے جانا تو ایسی ضرورت کے لئے بھی ممیز بچے کو قرآن کریم اٹھانے کی اجازت دینا جائز ہے اگرچہ وہ بچہ بے وضو کیوں نہ ہو۔بلکہ معلّم کو بچے پر اعتماد ہے تو پھر اس کی اجازت دینا ہم پر واجب قرار دیتے ہیں اور اس مذکورہ ضرورت کے بغیر بے وضو کو قرآن کریم چھونے اور اٹھانے کی اجازت دینا جائز نہیں۔ان کے علاوہ بھی آداب ہیں اگر ان میں سے کسی معین چیز کے لئے معلّم نے اجارہ کیا ہے تو اس کا کرنا اس پر لازم ہے ورنہ نہیں۔

ختم قرآن کے موقع پر سورۃ والضحیٰ سے آخر قرآن تک تکبیر پڑھنا مسنون ہے

سورۃ والضحیٰ سے آخر قرآن کریم تک تکبیر پڑھنا مسنون ہے اور یہ مکی قراء کی قرأت ہے۔امام بیہقی رحمہ اللہ نے ''شعب الایمان'' میں اور ابن خزیمہ نے ابن ابی برۃ کی سند سے تخریج کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں:

میں نے عکرمہ بن سلیمان رحمہ اللہ کو سنا کہ وہ فرمارہے تھے کہ میں نے اسماعیل بن عبداللہ مکی رحمہ اللہ کے پاس قرآن کریم کی تلاوت کی اور جب میں سورہ والضحیٰ تک پہنچا تو انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ تم تکبیر کہو حتیٰ کہ قرآن کریم کی تلاوت ختم کرلو۔کیونکہ میں نے عبداللہ بن کثیر رحمہ اللہ کے پاس قرآن پاک کی تلاوت کی تھی تو انہوں نے مجھے اس کا حکم دیا تھا۔اور انہوں نے فرمایا تھا کہ میں نے حضرت مجاہد رحمہ اللہ کے پاس قرآن کریم کی تلاوت کی تھی اور انہوں نے مجھے اس کا حکم دیا تھا اور مجاہد رحمہ اللہ نے بتایا کہ میں نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس قرآن پاک کی تلاوت کی تو انہوں نے مجھے اس کا حکم دیا تھا۔

امام بیہقی اور امام ابن خزیمہ رحمہما اللہ دونوں نے یہ حدیث موقوفاً روایت کی ہے۔اس کے بعد امام بیہقی رحمہ اللہ نے اسی حدیث کو ایک دوسری سند کے ذریعہ ابن ابی برۃ ﷺ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔اور اسی مرفوع کو امام حاکم رحمہ اللہ نے اسی سند کے ساتھ اپنی ''مستدرک'' میں روایت کیا ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے۔اور یہ حدیث ابن ابی برۃ

رضی اللہ عنہ سے بہت سارے طرق کے ساتھ منقول ہے وہ فرماتے ہیں مجھ سے حضرت محمد بن ادریس شافعی رضی اللہ عنہ
نے فرمایا کہ اگر تم نے ان سورتوں کے آخر میں تکبیر ترک کی تو پھر تم نے اپنے نبی کی سنتوں میں سے ایک سنت ترک
کر دی۔

حافظ العماد بن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: امام شافعی رحمہ اللہ کا یہ قول اس حدیث کی تصحیح کا تقاضا کرتا ہے۔
ابو العلاء الہمدانی نے بزی سے روایت کیا ہے کہ اس میں اصل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ سے جب وحی کچھ عرصہ کیلئے
منقطع ہوئی مشرکین نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ محمد کو ان کے رب نے چھوڑ دیا ہے۔ تو اس وقت سورہ والضحیٰ نازل ہوئی
تو نبی کریم ﷺ نے تکبیر کہی۔ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ حدیث کسی ایسی سند کے ساتھ مروی نہیں جس پر صحت یا
ضعف کا حکم لگایا جائے۔

علامہ حلیمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: تکبیر میں نکتہ یہ ہے۔ قرآن کریم کو رمضان کے روزوں کے ساتھ تشبیہ دینا ہے کہ
جب رمضان کے روزے مکمل ہوتے ہیں تکبیر پڑھی جاتی ہے اور اسی طرح یہاں بھی جب سورتوں کی تلاوت مکمل
ہو جاتی ہے تو تکبیر پڑھی جائے۔ اور علامہ حلیمی فرماتے ہیں: اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہر سورۃ کی تلاوت کے بعد تھوڑا
وقف کر کے اللہ اکبر کے کلمات پڑھے جائیں۔ اور اس کی تشریح کرتے ہوئے ہمارے اصحاب میں سے سلیمان رازی
رحمہ اللہ نے بھی اسی طرح فرمایا ہے کہ ہر دو سورتوں کے درمیان تکبیر پڑھی جائے۔ اور تکبیر کو دوسری سورۃ کے ساتھ نہ
ملایا جائے۔ بلکہ دونوں کے درمیان ایک سکتہ کے ذریعہ فصل کیا جائے۔ اور جو قراء تکبیر نہیں پڑھتے ان کی دلیل یہ ہے
تکبیر نہ پڑھنا قرآن کریم میں زیادتی کا سدِ ذریعہ ہے کیونکہ اگر اس پر دوام اختیار کیا جائے تو یہ وہم پیدا ہو سکتا ہے کہ
تکبیر قرآن کریم کا حصہ ہے اور جو قراء تکبیر کے جواز کے قائل ہیں ان کے نزدیک اس کی ابتداء میں اختلاف ہے کہ
کیا سورۃ والضحیٰ کی ابتداء میں پڑھی جائے یا آخر میں۔ اور اسی طرح اس کی انتہاء میں بھی اختلاف ہے کہ سورۃ الناس
کی ابتداء میں ختم کی جائے یا اس کے آخر میں۔ اور تکبیر کا سورۃ کے اول اور آخر میں وصل کرنے میں بھی اختلاف ہے
اور ان تمام امور میں اختلاف ایک اصل پر مبنی ہے اور وہ اصل یہ ہے کہ کیا تکبیر اول سورۃ کے لئے ہے یا آخر سورۃ کے
لئے۔ اور تکبیر کے الفاظ میں بھی اختلاف ہے ایک قول کے مطابق اللہ اکبر کے الفاظ کہنے چاہییں اور ایک قول کے
مطابق لاالہ الا اللہ، اللہ اکبر کے الفاظ کہنے چاہیے۔ اور نماز اور بیرون نماز دونوں میں تکبیر برابر ہے۔ یعنی دونوں
حالتوں میں تکبیر کہنی چاہیے۔ اسی کی علامہ سخاوی اور علامہ ابو شامہ رحمہما اللہ نے تصریح فرمائی ہے۔

ختم قرآن پاک کے وقت سورۃ اخلاص کا تکرار جائز ہے

فائدہ...... امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ نے ختم قرآن کے موقع پر سورہ اخلاص کے تکرار کو منع فرمایا ہے۔ لیکن

لوگوں کا عمل ان کے قول کے مخالف ہے تکرار میں یہ حکمت کارفرما ہے کہ ممکن ہے کہ تلاوت میں کوئی خلل واقع ہوا ہو تو اس طرح اس کی تلافی ہو جائے۔ بعض محققین نے فرمایا ہے جس طرح علامہ حلیمی رحمہ اللہ نے ختم قرآن کے موقع پر تکبیر کہنے کو رمضان المبارک کے مکمل ہونے کے موقع پر تکبیر کہنے پر قیاس کیا ہے اسی طرح سورۃ اخلاص کے تکرار کو رمضان کے بعد شوال کے چھ روزے رکھنے پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔

ایک قول کے مطابق سورۃ اخلاص کے تکرار میں یہ حکمت ہے کہ حدیث میں وارد ہے کہ سورۃ اخلاص ایک تہائی قرآن کے برابر ہے۔ پس اس کے تکرار سے ایک اور ختم قرآن ہو جائے گا۔ اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے اگر بات یہ ہے تو پھر سورۃ اخلاص کی چار مرتبہ تلاوت کی جائے تاکہ قرآن کریم کے دو ختم مکمل ہو جائیں ایک وہ ختم جس میں حقیقتاً پورا قرآن تلاوت کیا گیا ہے اور دوسرا وہ ختم جو تین مرتبہ سورۃ اخلاص کے پڑھنے سے تقدیراً حاصل ہوتا ہے۔

اس اعتراض کو پہلے جوابات کی گئی تھی اس کی بنا پر رد کیا گیا ہے کہ تکرار سے مقصود ختم نہیں بلکہ تلاوت میں پائے جانے والے ممکنہ خلل کی تلافی مقصود ہے اور وہ مقصود سورۃ اخلاص کے تین بار پڑھنے سے حاصل ہو جاتا ہے اگرچہ ان میں سے ایک ہی تلاوت شدہ ختم کا تکملہ ہے۔

11......محل نجاست میں تلاوت مکروہ ہے

محل نجاست میں تلاوت کرنا مکروہ ہے حتیٰ کہ نجاست اگر کھلی فضاء میں بھی پائی جائے تو وہاں بھی تلاوت مکروہ ہے اور ایک قول کے مطابق نجاست کی جگہوں میں تلاوت کرنا حرام ہے اسی کو علامہ ازرعی رحمہ اللہ نے پسند کیا ہے اور راستے میں تلاوت کرنا بھی مکروہ ہے۔ اگرچہ اس میں نجاست نہ بھی ہو کیونکہ اس کی نہی وارد ہے اور جس جگہ چکی چل رہی ہے وہاں بھی تلاوت مکروہ ہے۔ اور حمام کی وہ جگہ جو نجاست سے پاک ہے اس میں تلاوت مکروہ نہیں لیکن یہ خلاف اولیٰ ہے۔ یہی بات امام نووی رحمہ اللہ نے فرمائی ہے اور یہ ظاہر ہے۔ اگرچہ اس پر یہ اعتراض کیا جائے کہ جمہور نے حمام کی وہ جگہ جو نجاست سے پاک ہے اس میں بھی تلاوت کو مکروہ قرار دیا ہے۔ جیسا کہ میں نے شرح العباب میں اس کو بیان کیا ہے۔ اور اس میں سری اور جہری قرآن کی درمیان کوئی فرق نہیں۔ اور معمول کی تلاوت کرنے والے اور غیر معمول کی تلاوت کرنے والے کے درمیان بھی کوئی فرق نہیں لیکن اس میں نماز ادا کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس کی نماز میں شیطان کے تسلط سے بچنے کے لئے زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ نماز کی فضیلت زیادہ عظمت کی حامل ہے۔ اور حمام شیاطین کی آماجگاہ ہوتا ہے۔ تلاوت نماز کی طرح نہیں کیونکہ تلاوت بسا اوقات شیاطین کے بھگانے اور ان کو اذیت دینے کا سبب ہوتی ہے جیسا کہ آیت الکرسی کے بارے میں ثابت ہے۔

12...... سائل نے سوال کیا تھا کہ العباب کا قول ہے کہ مثلاً وہ اوراق جن میں قرآن کریم لکھا ہوا ہے ان

میں دراہم رکھنا حرام ہے۔کیا وہ اوراق جن میں کوئی بھی علمی چیز رکھی گئی یا آپس کے مکتوبات وغیرہ میں ان کا بھی یہی حکم ہے۔اس کا جواب میں نے العباب کی شرح میں جو کچھ بیان کیا ہے اس سے واضح ہوتا ہے۔میں نے وہاں پر بیان کیا ہے کہ وہ اوراق جن میں قرآن کریم لکھا گیا ہے ان میں دراہم رکھنا حرام ہے اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بھی قرآن کا حصہ ہے جیسا کہ علامہ حناطی رحمہ اللہ نے یہی فتویٰ دیا ہے اور علامہ سبکی رحمہ اللہ نے یہی فتویٰ فقہاء سے نقل کیا ہے۔

ابن العماد نے وہ کپڑا جس پر قرآن کریم کی آیات سے نقش ونگار اور بیل بوٹے بنائے گئے ہیں اس کو لباس بنانے کے جواز اور جن اوراق میں قرآنی آیات لکھی ہوئی ہیں ان میں نقدی رکھنے کی حرمت کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اوراق میں جو کچھ مکتوب ہے اس سے مقصد ان کا پڑھنا پڑھانا ہے۔اس کا تقاضا یہ ہے کہ اُن چیزوں میں دراہم ونقدی کا رکھنا حرام نہ ہو جن میں آیات قرآنی کو درس وتدریس کی غرض نہیں لکھا گیا ہے۔لیکن ان کا بیان کردہ فرق محل نظر ہے۔ان کے درمیان فرق کی جو وجہ بنتی ہے وہ یہ ہے کہ مذکورہ کپڑے کو لباس بنانے سے بالذات مکتوب کی بے ادبی نہیں ہوتی بلکہ بالتبع ہوئی ہے برخلاف نقدی کو اوراق میں رکھنے کے کہ اس سے بالذات مکتوب کی بے ادبی پائی جاتی ہے۔اسی سے واضح ہوتا ہے کہ اس حکم میں ہر معظم اسم قرآن کریم کے ساتھ شامل ہے۔ اور قرآن کریم جن اوراق میں مکتوب ہے اُن میں

سرمہ جات، دوائیں وغیرہ رکھنا بھی اسی طرح حرام ہیں جس طرح نقدی رکھنا حرام ہے بلکہ ان کا رکھنا بدرجہ اولی حرام ہے برخلاف علامہ البارزی رحمہ اللہ کے کلام کے کہ ان کے کلام سے اس کے حرام نہ ہونے کا وہم پیدا ہوتا ہے اور اس حکم کے تحت داخل ہیں مصاحف کی وہ جلدیں جن کے اندر ایسے اوراق ڈالے جائیں جن میں کوئی معظم اسم لکھا ہوا ہے۔پس یہ اسی طرح حرام ہے جس طرح ان اوراق میں نقدی رکھنا حرام ہے۔ان میں جامع علت یہ ہے کہ ان دونوں صورتوں میں بے ادبی پائی جاتی ہے۔برخلاف اُن اوراق کے جن میں کوئی معظم اسم نہ ہو۔اگرچہ وہ مکتوب علوم شرعیہ سے تعلق رکھتا ہے۔

اس کے بعد میں نے ابن الحاج المالکی رحمہ اللہ کی ''مدخل'' میں دیکھا ہے کہ انہوں نے اس کی تصریح کرتے ہوئے وہ اوراق جن میں قرآن کریم یا حدیث یا ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام کے اسماء میں سے کوئی اسم مکتوب ہے ان میں نقدی رکھنا حرام قرار دیا ہے۔اور فرمایا کہ ان کی حرمت اور تعظیم ان کے بلند مرتبہ کی وجہ سے ہے برخلاف اُن اوراق کے جن میں علماء کرام اور سلف صالحین کے اسماء لکھے گئے ہیں یا علوم شرعیہ میں سے کوئی چیز لکھی گئی ہے تو ان میں نقدی رکھنا مکروہ ہے حرام نہیں۔انتہی (مدخل کی عبارت ختم ہوگئی)

مذکورہ عبارت واضح اور ہمارے شوافع کے قواعد کے موافق ہے۔(''شرح العباب'' کی عبارت ختم ہوگئی)

اسی عبارت سے معلوم ہوا کہ وہ اوراق جن میں کوئی شرعی علم لکھا ہوا ہے تو وہ ان اوراق کی طرح نہیں جن میں قرآن کریم یا کوئی معظم اسم لکھا گیا ہے۔اس لئے ان اوراق میں نقدی وغیرہ رکھنا مکروہ ہے۔اور جن میں قرآن مجید یا کوئی معظم اسم ہے ان میں نقدی وغیرہ رکھنا حرام ہے۔

شیاطین قرآن کی تلاوت پر قادر نہیں

ابن الصلاح سے پوچھا گیا کہ اس شخص کا کیا حکم ہے جو کہتا ہے کہ شیطان اور اس کے چیلے قرآن کریم کی تلاوت اور نماز پڑھنے پر قادر نہیں اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا کہ منقول کا ظاہر شیاطین سے قرآن کریم کی تلاوت کے وقوع کی نفی کرتا ہے۔اور اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ نماز ادا کرنے پر بھی قادر نہیں کیونکہ تلاوت قرآن نماز کی جزء ہے اور حدیث میں وارد ہے کہ فرشتوں کو حفظ قرآن کی فضیلت عطا نہیں فرمائی گئی ہے۔اسی لئے وہ انسانوں سے قرآن کریم سماعت کرنے کا شوق رکھتے ہیں۔کیونکہ تلاوت قرآن ایسا شرف ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو نوازا ہے۔لیکن جنات مؤمنوں کے متعلق یہ بات ہمیں پہنچی ہے کہ وہ قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں اور فرشتوں کے بارے میں ابن الصلاح نے جو بیان فرمایا ہے اس کے متعلق علامہ کمال الدمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس میں توقف کرنا چاہیے کیونکہ نبی اکرم ﷺ پر قرآن کریم لے کر نازل ہونے والے جبریل امین علیہ السلام ہیں۔(اس سے فرشتوں کا حفظ قرآن ثابت ہوتا ہے) اور اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے بارے میں فرمایا ہے:

وَ التّٰلِيٰتِ ذِكْرًا. (یعنی وہ قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں۔) (الدمیری کی عبارت ختم ہوگئی)

علامہ دمیری رحمہ اللہ کے مذکورہ قول کا یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ قرآن کریم لے کر نازل ہونا حضرت جبریل علیٰ علیہ السلام کی خصوصیت ہے۔اور مذکورہ آیت کی تفسیر تلاوت قرآن کریم کے ساتھ خاص کرنا محل نزاع ہے پس اس میں فرشتوں کی تلاوت پر کوئی دلیل نہیں پائی جاتی۔اور ابن الصلاح نے مؤمن جنات کے بارے میں جو بیان کیا ہے اس کی تائید حضرت امام مالک رحمہ اللہ کی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی وہ حدیث بھی کر رہی ہے جس کی تخریج الخطیب نے کی ہے کہ حضرت جابر نے فرمایا کہ:

بَيْنَمَا نَحْنُ نَسِيْرُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ اِذَا اَقْبَلَتْ حَيَّةٌ سَوْدَآءُ ثُعْبَانَ ذَكَر فَوَضَعَتْ رَاسَهَا فِيْ اُذُنِ النَّبِيِّ ﷺ وَ وَضعَ النَّبِيُّ ﷺ فَمَهٗ عَلٰى اُذُنِهَا فَنَاجَاهَا ثُمَّ ذَهَبَتْ وَكَاَنَّمَا الْاَرْضُ قَدِ ابْتَلَعَتْهَا فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَقَدْ اَشْفَقْنَا عَلَيْكَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ هٰذَا وَفْدُ الْجِنِّ نَسُوْا سُوْرَةً فَاَرْسَلُوْا اِلَيَّ فَفَتَحْتُ عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنَ.

ہم حضور ﷺ کے ساتھ چل رہے تھے اچانک سامنے سے ایک سیاہ رنگ کا اژدھا نمودار ہوا

اور اس نے اپنا سر نبی کریم ﷺ کے کان مبارک کے ساتھ لگایا اور نبی کریم ﷺ نے اپنا منہ مبارک اس کے کان پر رکھا اور آپ نے اس کے ساتھ سرگوشی فرمائی۔ اس کے بعد وہ سانپ اس طرح غائب ہو گیا گویا کہ زمین نے اس کو نگل لیا ہو۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! ہم آپ کے بارے میں ڈر گئے تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا یہ اُن جنات کا قاصد تھا جنہوں نے قرآن کی ایک سورۃ بھلا دی تھی انہوں نے اس کو میرے پاس بھیجا تھا۔ پس میں نے ان پر قرآن کریم کو کھول دیا ہے۔

اس حدیث میں تصریح ہے کہ جنات قرآن کریم پڑھتے ہیں۔

هامہ بن ابلیس نے حضور ﷺ کا زمانہ پایا اور آپ پر ایمان لایا۔

ایک حدیث جس کو طرق کثیرہ سے روایت کیا گیا ہے اور بعض محققین کے قول کے مطابق درجہ حسن کی حامل ہے اس میں ہے کہ ہامہ بن ابلیس حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور اس نے بتایا کہ وہ حابیل بن آدم علیہ السلام کے قتل کے وقت حاضر تھا۔ اور وہ نوح علیہ السلام اور ان کے بعد کے انبیاء کرام سے ملاقاتیں کرتا رہا ہے اور ان پر ایمان لایا ہے۔ حضور ﷺ پر ایمان لانے کے بعد اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا سلام آپ کو پہنچایا اور حضور ﷺ نے سلام کا جواب عنایت فرمایا۔ اس کے بعد اس نے رسول اللہ ﷺ سے قرآن مجید کے کسی حصہ کی تعلیم کا مطالبہ کیا تو آپ ﷺ نے اسے سورۃ واقعہ، والمرسلات، عم یتساء لون، اذ الشمس کورت، قل ھو اللہ احد، اور معوذتین کی تعلیم دی۔ (حلیۃ الاولیاء وذکر اہل الصفۃ، ج: 5 ص: 390)

اس حدیث سے قرأت اور اس نماز کے درمیان تلازم مفہوم ہوتا ہے جس کا تذکرہ ابن الصلاح کی طرف سے سابقہ سطور میں گزرا ہے کہ مؤمن جنات نماز ادا کرتے ہیں۔ اور ابن الصلاح کی دلیل وہ حدیث بھی ہے جس کو سفیان ثوری رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں اسماعیل البجلی سے روایت کیا ہے اور انہوں نے سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے کہ:

قَالَ قَالَتِ الْجِنُّ لِلنَّبِيِّ ﷺ كَيْفَ لَنَا بِمَسْجِدِكَ اَنْ نَشْهَدَ الصَّلٰوةَ مَعَكَ وَ نَحْنُ نَاؤُوْنَ عَنْكَ فَنَزَلَتْ، وَ اِنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا.

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنات نے نبی کریم ﷺ سے گزارش کی ہم آپ کے ساتھ نماز ادا کرنے کیلئے آپ کی مسجد میں کیسے حاضر ہوں گے کہ ہم تو آپ سے دور رہتے ہیں تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اِنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا. (سورۃ الجن: 18 پ: 29)

(تفسیر الطبری، سورۃ الجن، آیت: 18، ج: 23 ص: 665، مطبوعہ: مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

نہایہ ابن اثیر میں حدیث ہے کہ:

لَا تَحَدَّثُوْا فِی الْقَزَعِ فَاِنَّهٗ مُصَلَّی الْخَافِیْنَ .

چراگاہ کی جو جگہ سبزے سے خالی ہے۔ اس میں قضائے حاجت نہ کرو کیونکہ یہ جنات کی نماز پڑھنے کی جگہ ہے۔

(النہایۃ فی الغریب الحدیث الاثیر، حرف الخاء، باب الخاء مع الفاء، ج:2 ص:56، مطبوعہ: المکتبۃ العلمیۃ، بیروت، لبنان)

قزع سے مراد چراگاہ کی وہ جگہ جو سبزہ سے خالی ہے۔ اور اس کلمہ پر تینوں حروف پر حرکت ہے۔ اور الخافون سے مراد جنات ہیں۔

ابوالبقاء العکبری الحنبلی رحمہ اللہ کے فتویٰ کے مطابق جنات کی اقتداء میں نماز پڑھنا صحیح ہے

طبرانی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ان کا وہ واقعہ نقل کیا ہے جو انہیں مقام نصیبین کے جنات کے ساتھ رات کو پیش آیا تھا۔

لَمَّا خَرَجَ اِلَیْهِمُ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم بِاَعْلٰی مَكَّةَ وَ رَجَعَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم مِنْ عِنْدِهِمْ اَدْرَكَهٗ شَخْصَانِ مِنْهُمْ فَقَالَا لَهٗ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا نُحِبُّ اَنْ تَؤُمَّنَا فِیْ صَلَاتِنَا قَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ فَصَلَّیَا خَلْفَهٗ ثُمَّ صَلّٰی بِنَا ثُمَّ انْصَرَفَا فَقُلْتُ لَهٗ مَنْ هٰؤُلَاءِ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ فَقَالَ هٰؤُلَاءِ جِنُّ نَصِیْبِیْنَ .

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنات کی طرف مکہ مکرمہ کے بالائی حصہ کی طرف تشریف لے گئے اور ان سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے تو جنات کے دو افراد نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور انہوں نے آپ سے درخواست کی کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! ہم اس چیز کو پسند کرتے ہیں کہ آپ ہماری نماز میں ہماری امامت فرمائیں۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پس ان دونوں نے آپ کی اقتداء میں نماز ادا کی اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی پھر وہ دونوں وہاں سے چلے گئے۔ تو میں نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! یہ کون تھے؟ تو آپ نے فرمایا یہ مقام نصیبین کے جن تھے۔

(المعجم الکبیر للطبرانی، باب العین، باب من ذکر عن عبد اللہ بن مسعود، رقم الحدیث: 9966، ج:10 ص:65، مطبوعہ: مکتبہ ابن تیمیہ، القاہرہ)

اسی حدیث کی بناء پر ابوالبقاء العکبری حنبلی رحمہ اللہ نے جنات کی اقتداء میں نماز کی صحت کا فتویٰ دیا ہے کیونکہ وہ مکلف ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بالاجماع ان کی طرف بھی رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ اور ابن الصیر فی حنبلی رحمہ اللہ نے

بھی بیان کیا ہے کہ جنات کے ساتھ جمعہ منعقد ہو جاتا ہے اور ہمارے شافعی مذہب کا بھی یہی تقاضا ہے کہ اگر امامت اور جمعہ کی شرائط ان میں سے کسی ایسے معین شخص میں متحقق ہو جائیں جس کو امام بنانا یا جس کو چالیس افراد میں سے شمار کرنا مراد ہے تو جمعہ...... ہو جائے گا۔ علامہ سبکی رحمہ اللہ کا فتویٰ بھی اس کی تائید کرتا ہے ان کا یہ فتویٰ ہے کہ جنات ہر چیز میں ہمارے نبی کریم ﷺ کی شریعت کے مکلف ہیں کیونکہ جب یہ چیز ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان کی طرف اسی طرح رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں جس طرح ہماری طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ دعویٰ عام ہے اور شریعت عام ہے۔ ان پر ہر وہ تکلیف لازم ہے جس کا ان میں سبب پایا جاتا ہے۔ سوائے اس کے کہ تخصیص کی کوئی دلیل پائی جائے۔ وہ فرماتے ہیں: جنات پر نماز، زکوٰۃ اپنی شرائط کے ساتھ اور روزہ، حج وغیرہ واجبات لازم ہیں۔ ہر حرام چیز ان پر حرام ہے۔ اور فرشتوں کے متعلق ہم یہ التزام نہیں کرتے اگرچہ ہم رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے عموم کے قائل ہیں کہ آپ کی رسالت فرشتوں کو بھی عام ہے اور یہی مذہب محققین کی ایک جماعت کے نزدیک اصح ہے۔ اور اس پر مسلم کی یہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے:

وَ اُرْسِلْتُ اِلَی الْخَلْقِ کَافَّۃً. (مجھے ساری مخلوق کی طرف رسول بنایا گیا ہے۔)

(الحاوی الفتاوی، کتب البعث، الجواب علی قول العلماء، الخ، ج:2 ص:168)

اور سلف سے بہت سارے آثار ایسے منقول ہیں۔ جن میں وارد ہے کہ جنات کی ایک جماعت ان کے پاس قرآن کریم پڑھتی رہی ہے اور علم حاصل کرتی رہی ہے۔ مکلف ہونے کی من جملہ شرائط میں سے ایک شرط علم ہے۔ پس جس چیز کا جنات کو علم حاصل ہے وہ ان پر لازم ہے اور جس کا انہیں علم نہیں تو اس کے وہ مکلف نہیں۔

(علامہ سبکی رحمہ اللہ کی عبارت ختم ہوگئی)

فروغ الحنابلہ میں ہے کہ جنات فی الجملہ مکلف ہیں ان میں سے کافر دوزخ میں اور مؤمن جنت میں جائے گا۔ اور یہی جمہور کا مذہب ہے حتیٰ کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب بھی یہی ہے۔ آپ کا یہ مذہب آپ سے جو چیز منقول ہے اس کے خلاف ہے۔ چنانچہ ان سے منقول ہے کہ جنات کو دوزخ سے نجات کے سوا کوئی ثواب نہیں ملے گا۔ اور اس کے بعد وہ مٹی بن جائیں گے۔ (امام ابوحنیفہ سے منقول قول ختم ہوگیا) اور فروع الحنابلہ میں ہے کہ جنات میں سے جو مؤمن ہیں ان کو جنت میں ہماری طرح ثواب ملے گا۔ اس کے بعد اسی کتاب میں انہوں نے فقہ کی بہت ساری فروعات جن کا تعلق جنات کے ساتھ ہے ان میں طویل گفتگو فرمائی ہے۔

علامہ سبکی رحمہ اللہ سے جو چیز ہم نے نقل کی ہے اسی سے مسائل کے سوال کا جواب واضح ہو جاتا ہے کہ جنات میں سے جو مومن ہیں ان کو جنت ملے گی اور وہ ہماری طرح احکام شریعت سیکھتے، سکھاتے اور لکھتے ہیں اور نماز ادا کرتے ہیں اور طہارت حاصل کرتے ہیں۔

جنیہ کے نکاح کی حکایت

(1)......سائل نے سوال کیا تھا کہ جنات سے نکاح کرنیوالے انسان پر اپنی زوجہ کے کیا حقوق واجب ہوں گے؟
اس کا جواب یہ ہے کہ جب یہ ثابت ہوگیا ہے کہ وہ ہماری طرح مکلف ہیں تو ان پر عبادات، معاملات، اور زرجات کے نفع کے بارے میں وہی احکام جاری ہوں گے جو ہم پر جاری ہوتے ہیں۔ اور اگر ہم قول ضعیف کے مطابق ان سے نکاح کرنے کو صحیح قرار دیں تو ہم پر ان کے حقوق لازم ہوں گے۔ جبکہ اصح قول کے مطابق انسان کا جنیہ کے ساتھ اور جن کا انسان عورت کے ساتھ نکاح صحیح نہیں کیونکہ وہ ہماری جنس سے تعلق نہیں رکھتے وہ باقی حیوانات کے درجہ میں ہیں۔

آغازِ طالب علمی کے زمانے میں ہمیں علم واصلاح کے جامع ایک شیخ جو جنات کے ساتھ نکاح کی صحت کے قائل تھے۔ سے یہ واقعہ پیش آیا۔ ہمیں اس میں توقف تھا ہم نے انکے ساتھ اس میں بحث ومباحثہ کیا ہے۔ اس کے بعد وہ بزرگ ایک دن تشریف لائے اور فرمایا کہ مجھے آج رات خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی تو میں نے آپ سے اس مسئلہ کے متعلق درخواست کی تو آپ نے مجھ سے فرمایا کیا گائے کے ساتھ نکاح جائز ہے؟ اس کا مطلب یہ تھا کہ جنات کے ساتھ نکاح جائز نہیں کیونکہ وہ غیر جنس ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی اس کی تائید کرتا ہے۔

وَ اللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا. (سورۃ النحل آیت:72پ:14)

ترجمہ: اور اللہ نے تم میں سے ہی تمہاری بیویاں پیدا کیں۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ہم پر اپنے احسان کا ذکر فرمایا۔ اگر جنات کے ساتھ نکاح جائز ہوتا تو یہ احسان فوت ہو جاتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ آیت کریمہ بھی جنات کے ساتھ انسان کے نکاح کے عدم جواز پر دلالت کرنے والی ہے۔ اور یہی قابل اعتماد ہے۔

سوال......اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ الْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ . (سورۃ الانشقاق آیت:18)

ترجمہ: مجھے قسم ہے چاند کی جب وہ پورا ہو۔

جواب......اس آیت میں اتسق کا معنی اِسْتَوٰی، اِجْتَمَعَ اور تَكَامَلَ ہے:

چاند جب برابر ہو جائے، مجتمع ہو جائے، کامل ہو جائے۔

اسی لئے فراء نے فرمایا ہے: اِتِّسَاقُهٗ اِمْتِلَاءُهٗ وَاجْتِمَاعُهٗ چاند کا اتساق اس کا پُر ہونا اور مکمل ہونا ہے۔
اور چاند پوری طرح مکمل مہینے کی تیرا، چودہ تاریخ سے سولہ تاریخ تک ہوتا ہے۔ جب اتساق کا یہ مطلب

ہے تو پھر سائل کا یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ بسا اوقات چاند ابتدائی تین چار تاریخوں میں نظر نہیں آتا۔

سوال.....قرآن کریم میں ارشاد ہے:

إِنَّا أَنشَأْنَاهُنَّ إِنشَاءً فَجَعَلْنَاهُنَّ أَبْكَارًا ۝ عُرُبًا أَتْرَابًا ۝ لِّأَصْحَابِ الْيَمِينِ .

(سورۃ الواقعۃ آیت: 35,38 پ: 27)

ترجمہ: ہم نے ان کی (بیویوں) کو خاص طور پر بنایا ہے۔ اور ہم نے انہیں کنواریاں بنادیا ہے محبت والیاں اور ہم عمر ہیں، دائیں ہاتھ والوں کے لئے ہیں۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر سے نقل کیا گیا ہے کہ یہ وہ عورتیں ہوں گی جن کو بڑھاپے کی حالت میں موت آئی ہوگی۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کو کنواریاں بنا کر اٹھائے گا، اور ان کو کنواریاں، محبت کرنے والیاں اور ہم عمر بنائے گا اور ان کو حورعین پر اس طرح فضیلت حاصل ہے جس طرح کپڑے کی اوپری پرت کو اس کے استر پر فضیلت حاصل ہے اور وہ خواتین اصحاب یمین کے نصیب میں ہوں گیں۔ کیا یہ خواتین اصحاب یمین کے لئے اور حورعین مقربین کے لئے خاص ہوں گی یا اکثریت کا اعتبار ہے؟

جواب.....اس حدیث کے الفاظ میں نے نہیں دیکھے، میں نے وہ حدیث دیکھی ہے جس کو بہت سارے محدثین نے روایت کیا ہے ان میں سے عبد بن حمید، ترمذی اور بیہقی رحمہم اللہ ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ (إِنَّا أَنشَأْنَاهُنَّ إِنشَاءً) کے بارے میں فرمایا کہ

إِنَّ هٰذِهِ الْمُنْشَاتُ الَّتِيْ كُنَّ فِي الدُّنْيَا عَجَائِزَ عُمْشًا غُمْصًا.

ترجمہ: یہ منشات وہ خواتین ہوں گیں جو دنیا میں کمزور نگاہ اور کیچڑ بہانے والی آنکھوں والی ہوں گی۔

(سنن ترمذی، ابواب التفسیر القرآن، باب سورۃ الواقعۃ، رقم الحدیث: 3396، ج: 5 ص: 402، مطبوعہ: ایضا)

اور ایک حدیث وہ ہے جسے دوسرے محدثین نے حضرت مرثد جعفی ﷺ سے تخریج کیا ہے جن میں طیالسی طبرانی اور بیہقی رحمہما اللہ شامل ہیں۔ حضرت مرثد جعفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس آیت مبارکہ کے بارے میں یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ان سے مراد وہ عورتیں ہیں جو دنیا میں شادی شدہ اور کنواریاں ہوں گیں۔

(المعجم الکبیر للطبرانی، باب السین، باب سلمۃ بن یزید الجعفی، رقم الحدیث: 6321، ج: 7 ص: 40، مطبوعہ: ایضا)

اور حضرت حسن سے عبد بن حمید، اور ترمذی رحمہ اللہ نے شمائل میں اور بیہقی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے کہ:

أَتَتْ عَجُوْزٌ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ادْعُ لِيْ أَنْ يُدْخِلَنِي الْجَنَّةَ. فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَا أُمَّ فُلَانٍ إِنَّ الْجَنَّةَ لَا تَدْخُلُهَا عَجُوْزٌ فَوَلَّتْ تَبْكِيْ فَقَالَ

اَخْبِرُوْهَا اَنَّهَا لَا تَدْخُلُهَا وَهِيَ عَجُوْزٌ اِنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ :اِنَّا اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَاءً فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا.

حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک بڑھیا حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگی یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم !دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے جنت میں داخل فرمائے ؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے اُمّ فلاں جنت میں کوئی بوڑھی عورت داخل نہ ہوگی ۔وہ یہ سن کر روتے ہوئے واپس لوٹ گئی حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس کو بتاؤ کہ کوئی بوڑھی عورت بوڑھی ہونے کی حالت میں جنت میں داخل نہیں ہوگی ۔(بلکہ جوانی کی حالت میں داخل ہوگی)اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :اِنَّا اَنْشَاْنٰهُنَّ

(شرح السنۃ للبغوی ،کتاب البر والصلۃ ،باب المزاح ،رقم الحدیث :3607،ج:13 ص:183،مطبوعہ :المکتب الاسلامی ،دمشق)

امام بیہقی رحمہ اللہ کے ہاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: میرے پاس حضور ﷺ اس حال میں تشریف لائے کہ میرے پاس ایک بوڑھی خاتون بیٹھی ہوئی تھی ۔آپ نے فرمایا یہ کون ہے ؟میں نے عرض کی یہ میری ایک خالہ ہے ۔آپ نے فرمایا جنت میں بوڑھی خاتون داخل نہیں ہوگی یہ سن کر وہ بڑھیا پریشان اتنی ہوئی جتنا اللہ نے چاہا حضور ﷺ نے فرمایا:

اِنَّا اَنْشَاْنٰهُنَّ خَلْقًا آخَرَ.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ان کو جدید تخلیق سے اٹھائے گا۔

(البعث والنشور للبیہقی ،باب ماجاء فی صفۃ حور العین ،رقم الحدیث :343،ج:1 ص:216،مطبوعہ :ایضا)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک روایت طبرانی کے ہاں مروی ہے کہ:

حضور ﷺ کی خدمت میں انصار کی ایک بڑھیا حاضر ہو کر عرض کرنے لگی یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم !اللہ سے دعا کریں کہ وہ مجھے جنت میں داخل فرمائے آپ نے فرمایا جنت میں کوئی بوڑھی عورت داخل نہ ہوگی ۔اس کے بعد آپ نماز پڑھنے تشریف لے گئے اور پھر واپس آئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم آپ کے ارشاد سے میں مشقت میں پڑ گئی ہوں تو حضور ﷺ نے فرمایا :معاملہ ایسا ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ جب بوڑھی خواتین کو جنت میں داخل فرمانا چاہے گا تو ان کو جوان اور کنواریاں بنا دے گا۔

(البعث والنشور للبیہقی ،باب ماجاء فی صفۃ حور العین ،رقم الحدیث :343،ج:1 ص:216،مطبوعہ :ایضا)

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ان کی یہ تخلیق ان کی پہلی تخلیق کی غیر ہوگی۔قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہاں پر ضمیر قوم کی ازواج کے لئے اور حسن نے فرمایا ضمیر نساء کی طرف راجع ہے۔سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے اس کا معنی بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ مَعْنَاهُ خَلَقْنَاهُنَّ خَلْقًا جَدِيْدًا ۔اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم ان کی تخلیق جدید کریں۔

ابن مردویہ نے تخریج کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: اِنَّـا اَنْشَـااَنَـاهُـنَّ ،اِنْشَاهُنَّ یعنی اللہ ان کو اچھی اٹھان اٹھائے گا۔

(البعث والنشور للبیہقی ،باب ماجاء فی صفۃ حورالعین ،رقم الحدیث:343،ج:1 ص:216،مطبوعہ:ایضا)

امام طبرانی نے تخریج کیا ہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ:

اِنَّ اَهْلَ الْجَنَّةِ اِذَا جَامَعُوْا نِسَائَهُمْ عَدْنَ اَبْكَارًا.

ترجمہ:جنتی مرد جب اپنی بیویوں کے ساتھ مباشرت کریں گے تو وہ دوبارہ کنواریاں بن جائیں گیں۔

(المعجم الکبیر للطبرانی ،باب الالف ،باب من اسمہ ابراہیم ،رقم الحدیث:343،ج:1 ص:160،مطبوعہ:ایضا)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے اس بارے میں بہت ساری روایات مروی ہیں ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ:عُـرُبًـا سے مراد یہ ہے کہ وہ خواتین اپنے شوہروں سے اور شوہران سے عشق کریں گے اور وہ اپنے شوہروں سے محبت کرنے والیاں ہوں گی اور اپنے خاوندوں کے حق میں پُرکشش ہوں گی۔وہ ناز کرنے والیاں ہوں گی اور ان کے ناز اٹھائیں جائیں گے اور وہ خوبصورت گفتگو کرنے والیاں اور اپنے شوہروں کو بہت زیادہ چاہنے والیاں ہوں گیں۔

عَـــرَبَةٌ دراصل اُس اونٹنی اور عورت کو کہا جاتا ہے جو اونٹنی سانڈ کی شدید خواہش رکھتی ہو اور جو عورت اپنے شوہر کو اچھی لگتی ہے ایک ضعیف سند کے ساتھ یہ روایت مروی ہے کہ:خَيْرُ نِسَائِكُمُ الْعَفِيْفَةُ الْغِلْمَةُ .(تمہاری خواتین میں سے بہترین خاتون وہ عورت ہے جو پاک دامن اور شہوت پرست ہے۔)یعنی شہوت پرست ہونے کے باوجود پاک دامن ہے۔ابن ابی حاتم نے حضرت جعفر بن محمد بن رحمہ اللہ سے انہوں نے اپنے والد گرامی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

عُـرُبًـا كَلَامُهُـنَّ عَـرَبِيٌّ وَاِنَّ الْاَتْرَابَ الْمُسْتَوِيَاتُ فِي السِنِّ وَهُوَ ثَلَاثٌ وَ ثَلَاثُوْنَ سَنَةً.

عربا سے مراد وہ خواتین جن کی گفتگو عربی ہے اور اتراب سے مراد ہم عمر عورتیں ہیں اور ان کی عمر تینتیس (۳۳) سال ہوگی۔

(الزھد والرقائق لابن المبارک ،باب فضل ذکر اللہ عزوجل رقم الحدیث:1588،ج:1 ص:553،مطبوعہ:ایضا)

تمام اہل جنت کو جنتی حوریں اور دنیا کی خواتین نصیب ہوں گیں

مذکورہ تشریح کے بعد اگر انا انشاناھن کا معنی ان کو ابتداء سے تخلیق کرنا ہے تو پھر ھن کی ضمیر حورعین کی طرف راجع ہوگی لیکن اس میں بہت بعد ہے۔اور اس میں بعد کا ہونا ان لوگوں کے خلاف ہے جو اس کے قائل ہیں کہ مذکورہ آیت میں حورعین مراد ہیں۔سابقہ احادیث مذکورہ قول اور اس کے قائلین کی تردید میں کافی ہیں۔اور اس آیت کریمہ کا یہ افادہ کہ حورعین سابقین کے نصیب میں بھی آئیں گیں اور اصحاب الیمین کے نصیب میں بھی آئیں گی اس کی وجہ سے کوئی اشکال پیدا نہیں ہوتا۔اور اگر مذکورہ آیت کا معنی ان کو دوبارہ تخلیق کرنا ہے تو پھر دنیا کی خواتین کی طرف راجع ہوگی اسی پر مذکورہ بعض احادیث بھی دلالت کرتی ہیں۔اور ضمیر کو (حَتّٰی تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ۔ص:۳۲) (یہاں تک نگاہ سے پردے میں چھپ گئے) کی طرح معلوم غیر مذکور کی طرف راجع کیا جائے گا۔یا مذکور بالقوۃ کی طرف راجع کیا جائے گا کیونکہ فرش موفوعہ ان خواتین کے لئے ان کے کمال کے پیش نظر لازم ہے۔کیونکہ فرش مروعہ (بلند بچھونے) جنتی خواتین کے لئے ان کے کمال کے پیش نظر لازم ہوں گے۔لہٰذا فرس مرفوعہ کے ذکر سے ان خواتین کا بالقوہ ذکر ہو چکا ہے اس لئے مذکور بالقوۃ کی طرف ضمیر راجع ہوگی۔یا ضمیر کو مذکور بالفعل کی طرف راجع کیا جائے گا۔کیونکہ لباس کی طرح فرش کے ساتھ بھی خواتین کو تعبیر کیا جاتا ہے لہٰذا ان کا بالفعل تذکرہ ہو چکا ہے اس لئے ضمیر ان کی طرف راجع ہے۔پس ہر صورت میں ظاہر آیت سے یہ افادہ ہوتا ہے کہ حورعین سابقین کے لئے اور دنیا کی خواتین اصحاب الیمین کے لئے ہیں۔لیکن اس میں طبرانی کی حدیث سے اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اس حدیث میں تصریح ہے کہ دنیا کی خواتین ان کی نماز، روزہ اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کی وجہ سے حورمنشات پر اسی طرح فضیلت حاصل ہے جس طرح کپڑے کی اوپری پرت کو اس کے استر پر فضیلت حاصل ہوتی ہے۔پس اس لحاظ سے اعلیٰ مفضول کے لئے اور ادنیٰ فاضل کے لئے ہوں گیں۔اس کا یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ حدیث میں وارد ہے کہ اہل جنت میں سب سے ادنیٰ درجہ کا انسان ایک دن میں ایک سو کنواری عورتوں کے ساتھ اختلاط کرے گا اور اس کے دس ہزار خدمت گار ہوں گے۔اور ہر مرد کو دنیا کی خواتین میں سے دو بیویاں دی جائیں گی۔اسی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حورعین اور دنیا کی خواتین میں تمام اہل جنت شریک ہوں گے۔اور سورۃ واقعہ کی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ سابقین اور اہل یمین، مذکورات کے مجموعہ کے ساتھ ایک دوسرے سے ممتاز ہوں گے کہ ایک گروہ کو ایک مجموعہ اور دوسرے گروہ کو دوسرا مجموعہ ملے گا۔اور دونوں گروہوں کو دونوں مجموعوں سے حصہ نہیں ملے گا۔

اور غور وفکر کرنے والے کو اس میں کوئی شک نہیں کہ ان مذکورات کے مجموعہ میں سے سابقین کو جو عطا کیا گیا ہے وہ اس کو وہ اس سے افضل پائیں گے جو اصحاب یمین کو عطا کیا گیا ہے۔اور اصحاب یمین کے حصے کا بعض سابقین کے

بعض حصہ سے افضل ہونا کوئی ضرر رساں نہیں کیونکہ حدیث سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ دونوں طبقے حورعین اور دنیا کی خواتین میں شریک ہوں گے۔اترابا کے بعد اصحاب الیمین کا جو لفظ مذکور ہے اس سے سابقہ دونوں طبقوں کا مجموعہ اور اصحاب الیمین مراد لینا صحیح ہے پس اس صورت میں نص اس بات کا فائدہ دے گی کہ دونوں طبقے اس میں برابر کے شریک ہیں۔اور اس کی حکمت یہ ہے کہ جب قرآن کریم نے پہلے دونوں طبقوں کے ساتھ مختص چیز کا ذکر کیا ہے اور پھر اس کو اس چیز پر ختم کر دیا جس میں دونوں طبقے شریک ہیں۔جیسا کہ سنت بھی اس پر دلالت کرتی ہے۔پس اس صورت میں کوئی اشکال باقی نہ رہے گا اور ضمیر جنت کی ان مطلق خواتین کی طرف لوٹے گی جن میں دنیا کی خواتین بھی داخل ہیں۔جیسا کہ پہلی حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ:

اِنَّ هٰذَا الْمُنْشَاٰتُ الَّتِیْ کُنَّ فِی الدُّنْیَا عَجَائِزَ عمشًا عمصًا ۔

یہ منشات وہ عورتیں ہیں جو دنیا میں بوڑھیاں کمزور نگاہ اور کیچڑ بہانے والی آنکھوں والی ہوں گی۔

(البعث والنشور للبیہقی ،باب ماجاء فی صفۃ حور العین ،رقم الحدیث:343،ج:1،ص:216،مطبوعہ:ایضا)

اور اس کی دلیل ایک دوسری حدیث بھی ہے جس میں اس بات کی تصریح ہے کہ حورعین بھی منشات ہیں۔یہ وہ تفسیر ہے جو مجھ پر مذکورہ آیت میں واضح ہوئی ہے اگرچہ میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جس نے اس کا تذکرہ کیا ہو۔

وَاللّٰهُ تَعَالٰی اَعْلَمُ بِاَسْرَارِ کِتَابِهٖ اَذَاقَنَا اللّٰهُ حَلَاوَةَ فَهْمِهٖ بِمَنِّهٖ وَکَرَمِهٖ

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی کتاب فہمی کی حلاوت نصیب فرمائے آمین۔

اِذَا رَکِبَا فِی السَّفِیْنَةِ خَرَقَهَا میں خرقھا کو جواب شرط بنانے کی حکمت

سوال......اِذَا رَکِبَا فِی السَّفِیْنَةِ خَرَقَهَا (الکہف:71)(جب کشتی میں سوار ہوئے تو اس بندہ نے اسے چیر ڈالا) میں خرقھا کو اس کے مسبب کی طرف اشارہ کئے بغیر جواب شرط بنانے میں کیا حکم ہے؟ اور آخری آیت میں بھی اِسْتَطْعَمَا اَهْلَهَا ۔(الکہف:77)(ان دیہاتوں سے کھانا مانگا) کو اس کے بعد اس کے مسبب کو ذکر کئے بغیر جواب شرط بنانے میں کیا حکمت ہے اور دونوں کے درمیان والی آیت میں قتل غلام جو کہ مسبب ہے اس کو چھوڑ کر قال کو جواب شرط بنایا گیا ہے اس میں کیا حکمت ہے؟

جواب...... پہلے اور دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ ان میں سبب کو جواب شرط بنایا گیا ہے۔اور سبب کو جواب شرط بنانا ہی اصل ہے۔کیونکہ یہ فائدے کا مقام و مدار ہے پس اس لئے اس کی حکمت اور اس کے مسؤل عنہ کے بارے میں سوال نہیں کیا جا سکتا اور درمیانی آیت میں اسلوب کو تبدیل کر دیا گیا ہے اس کی حکمت اللہ ہی خوب جاننے والا ہے۔کہ اس میں یہ حکمت ہے کہ اس آیت میں گفتگو اور اعتراض میں زیادہ سختی اور توبیخ میں زیادہ مبالغہ پایا گیا تھا پہلی اور دوسری آیت میں اس کی مثل مبالغہ اور سختی نہیں پائی گئی تھی اسی لئے

حضرت خضر علیہ السلام نے اَلَمْ اَقُلْ لَّکَ کے ساتھ جواب دیتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ باور کرانے کے لئے "لک" کا اضافہ فرمایا کہ انہوں نے اس بات میں اس عہد کی مخالفت کی ہے جس کا انہوں نے حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ التزام کیا تھا کہ وہ ان پر اعتراض نہیں کریں گے۔ اس عہد کی واضح مخالفت تھی اور یہ کہنا کہ پہلی آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ لَقَدْ جِئْتَ شَیْئًا اِمْرًا (یعنی تم نے بڑی بات کی ہے۔) ان کے اس عمل کو اِمْرًا قرار دینا دوسری آیت میں شَیْئًا نُکْرًا یعنی بری چیز قرار دینے سے زیادہ بلیغ ہے اور پہلی آیت میں موجود سختی دوسری آیت میں موجود سختی سے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ بہت سارے لوگوں کے قتل کا خوف ایک انسان کے قتل کی مانند نہیں ہوتا۔ یہ قول نہایت ضعیف ہے بلکہ درست وہی ہیں جس کی ہم نے تشریح کی ہے کہ اس میں دوسری آیت کریمہ جس پر مشتمل ہے وہ انکار میں زیادہ شدید اور انتہائے بلیغ ہے اور ایک پاکیزہ جان کے قتل کا تحقق ایک جماعت کے اس قتل کے خوف سے زیادہ برا ہے جو قتل واقع نہیں ہوا ہے۔

اس تمہید کے بعد ہم کہتے ہیں کہ پہلی اور آخری آیت سے دوسری آیت انکار میں زیادہ بلیغ اور زیادہ تاکیدی ہے۔ اسی سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس آیت میں اس کی طرف اشارہ کرنا ضروری تھا اسی لئے اس میں اسلوب کو تبدیل کر دیا گیا اور قال کو اس کا جواب بنا دیا گیا۔ کیونکہ وہ اغرب جودی کا جواب بنتا ہے وہ ذہن میں کیونکہ اغرب (غیر معلوم) جو اس کا جواب ہے وہ اس سبب سے جو اپنی سابقہ نظیر یعنی خرق سے معلوم ہو چکا ہے، سے زیادہ وہ اس سے زیادہ اچھی طرح ذہن میں اترنے والا ہے۔ اور اس میں ایک دوسری حکمت بھی ہے کہ اس میں مسبب کے استغراب کی زیادتی پائی جاتی ہے کیونکہ سبب کو اس پاکیزہ نفس کے ساتھ ملاقات کے بعد قتل کے وقوع پر دلالت کرنے والے جواب سے منقطع کر کے فاء کے ساتھ مقترن کرنے میں استغراب کی زیادتی ظاہر ہوتی ہے۔ اور اگر مسبب کو جواب بنایا جاتا تو یہ اشارہ ضائع ہو جاتا۔

خلاصہ کلام یہ کہ درمیانی آیت میں آخری اور پہلی آیت کے اسلوب کو ایک داعی کی وجہ سے تبدیل کیا گیا ہے اور جس کی طرف ہم نے اشارہ کر دیا ہے۔ اگر یہ تبدیلی نہ پائی جاتی تو اس داعی کا علم نہ ہوتا اور اس کی حکمت کے بارے میں سوال بھی نہ کیا جاتا اس کی نظیر سورۃ الانعام کی یہ آیت کریمہ ہے:

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَکُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰہِ وَ لَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَ لَآ اَقُوْلُ لَکُمْ اِنِّیْ مَلَکٌ۔

(سورۃ الانعام، آیت: 50 پ: 7)

ترجمہ: تم فرما دو میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہوں کہ میں آپ کے غیب جانتا ہوں اور نہ تم سے یہ کہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔

ایک واضح حکمت کے پیش نظر مذکورہ آیت میں پہلے اور آخری جملہ میں اقول کا تکرار ہے اور درمیانی آیت میں اس کا ذکر نہیں اس کی حکمت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے خزائن اور ملائکہ کا انتفاء بدیہی طور پر معلوم ہے اسی لئے بیان پر نفی کو اس قول پر داخل کیا گیا جس کو بعض کاذب لوگ بولا کرتے تھے۔ اور نفی کو خزائن اور ملائکہ پر داخل نہیں کیا گیا کیونکہ ان کے انتفاء کا علم ثابت تھا۔ لیکن حضور ﷺ سے علم غیب کا انتفاء ضروری نہیں بلکہ حضور ﷺ کے لئے علم غیب کا ثبوت من جملہ ان معجزات میں سے ہے جن کا وقوع انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے جائز ہے۔ پس اسی لئے علم غیب کے ادعا سے برأت اور اس لئے تمام جزئیات وکلیات کو عام ہونے کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہونے کے افادہ میں مبالغہ کرتے ہوئے نفی کو علم غیب پر داخل کیا گیا ہے۔ اور بعض خواص کو جو علم غیب عطا کیا جاتا ہے وہ اس کی جزئیات ہوتیں ہیں اور اس کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا۔ اس پر غور کیجئے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب

نزول قرآن رمضان المبارک کی چوبیسویں رات کو ہوا اور وہ رات شب قدر تھی؟

سوال..... قرآن کریم کا نزول رمضان المبارک کی کس رات میں ہوا ہے؟

جواب..... قرآن کریم کا نزول رمضان المبارک کی چوبیسویں شب کو ہوا ہے۔ اور اس سال یہی رات شب قدر تھی اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قرآن کریم کو رمضان المبارک اور شب قدر میں نازل فرمایا ہے۔

حضرت واثلہ بن الاسقع رحمہ اللہ سے حضرت امام احمد رحمہ اللہ اور حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ نے جو روایت کی ہے وہ اس کی دلیل ہے۔ حضرت واثلہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ:

أُنْزِلَتِ التَّوْرَاةُ سِتٌّ مَضِيْنَ مِنْ رَمَضَانَ وَ الْاِنْجِيْلُ لِثَلَاثَ عَشَرَةَ خَلَتْ مِنْهُ وَالزَّبُوْرُ لِثَمَانِ عَشَرَةَ خَلَتْ مِنْهُ وَالْقُرْآنُ لِاَرْبَعٍ وَّعِشْرِيْنَ خَلَتْ مِنْهُ.

تورات رمضان کی چھ تاریخ کو اور انجیل تیرا تاریخ کو اور زبور اٹھارہ تاریخ کو نازل کی گئی اور قرآن کریم رمضان کی چوبیس تاریخ کو نازل کیا گیا ہے۔

(مسند احمد، مسند الشامیین، حدیث واثلہ بن الاسقع، رقم الحدیث: 16984، ج: 28 ص: 191، مطبوعہ: ایضا)

ایک اور روایت میں ہے کہ:

صُحُفِ اِبْرَاهِيْمَ لِاَوَّلِ لَيْلَةٍ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم کے صحیفے رمضان کی پہلی رات کو نازل کئے گئے ہیں۔

(المعجم الاوسط للطبرانی، باب العین، من اسمہ علی، رقم الحدیث: 3740، ج: 4 ص: 111، مطبوعہ: ایضا)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے "فتح الباری" میں فرمایا ہے کہ یہ حدیث اللہ تعالیٰ نے ان شہادات کے مطابق ہے:

شَهۡرُ رَمَضَانَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ فِیۡهِ الۡقُرۡاٰنُ ۔ (سورۃ البقرہ، آیت 185 پ 2)

ترجمہ: رمضان کا مہینہ جس میں قرآن اُترا۔

اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰهُ فِیۡ لَیۡلَةِ الۡقَدۡرِ ۔ (سورۃ القدر، آیت 1 پ 30)

ترجمہ: بے شک ہم نے اس کو شب قدر میں نازل کیا۔

احتمال ہے کہ اس سال رات لیلۃ القدر مذکورہ چوبیسویں رات ہوئی ہو۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس میں جملہ قرآن کریم کو آسمان دنیا میں اتارا اور اس کے بعد رمضان کی چوبیسویں تاریخ کو اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ الَّذِیۡ خَلَقَ کا اول حصہ زمین کی طرف اتارا۔ (فتح الباری کی عبارت ختم ہوئی)

امام نووی رحمہ اللہ وغیرہ علماء کے مختار قول کے مطابق شب قدر مختلف تاریخوں میں منتقل ہوتی رہتی ہے۔ ابن حجر رحمہ اللہ کا مذکورہ قول ان کے اس مختار قول کے تو موافق ہے لیکن ان لوگوں کے مذہب کے موافق نہیں جن کا نظریہ یہ ہے کہ لیلۃ القدر معین رات ہے۔ اس مذہب کے مطابق یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ مذکورہ حدیث کو آیت کے ساتھ ضم کیا جائے تو لیلۃ القدر کا رمضان کی چوبیسویں رات ہونا نتیجہ نکلتا ہے۔ بہت سارے لوگوں کا یہی نظریہ ہے بعض لوگوں نے اس پر استدلال کرنے میں اپنے کو خوب مصروف رکھا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا یہ فرمانا کہ اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ الَّذِیۡ کا اول حصہ رمضان کی چوبیس تاریخ کو نازل کیا گیا۔ مذکورہ قول پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ مشہور یہ ہے کہ حضور ﷺ کی بعثت ربیع الاول کے مہینے میں ہوئی ہے۔ اس اعتراض کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر اولاً ربیع الاول کے مہینے میں خوابوں کے ذریعہ نبوت کا اظہار فرمایا گیا ہے اور اس کی مدت چھ ماہ تھی۔ اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بیداری کی حالت میں آپ کی طرف وحی فرمائی۔ اس کو امام بیہقی رحمہ اللہ وغیرہ علماء نے ذکر کیا ہے۔

(المعجم الاوسط للطبرانی، باب العین، من اسمہ علی، رقم الحدیث: 3740، ج:4 ص:111، مطبوعہ: ایضاً)

حضرت ابوقلابہ رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ آسمانی کتابیں رمضان کی چوبیسویں تاریخ کو نازل کی گئیں ہیں۔ لیکن اس روایت پر پہلی روایت کو ترجیح دی گئی ہے کہ وہ اس سے زیادہ مضبوط ہے۔

اور جملہ قرآن کریم کا شب قدر میں بیت العزۃ کی طرف نازل ہونے میں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ جملہ قرآن کریم میں اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰهُ فِیۡ لَیۡلَةِ الۡقَدۡرِ بھی شامل ہے۔ اگر یہ جملہ قرآن کریم میں شامل نہ ہو تو پھر جملہ قرآن نازل نہیں ہوا۔ اور اگر یہ آیت اس میں شامل ہے تو پھر مذکورہ عبارت کیسے صحیح ہوگی۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اَنۡزَلۡنٰهُ کا معنی ہے حَکَمۡنَاهُ بِاِنۡزَالِهٖ فِیۡ لَیۡلَةِ الۡقَدۡرِ ۔ یعنی ہم نے قرآن کریم کو لیلۃ القدر میں نازل کرنے کا ازل سے فیصلہ کیا تھا۔ اور یا یہاں اَنۡزَلَ نُنَزِّلُهٗ فِیۡ لَیۡلَةِ الۡقَدۡرِ کے معنی میں ہے جیسا کہ اَتٰۤی اَمۡرُ اللّٰهِ یَاۡتِیۡ اَمۡرُ اللّٰهِ کے معنی میں ہے۔

سوال ...... کیا کسی حدیث میں یہ وارد ہے کہ قرآن کریم میں لحن کرنے والے کو بھی ثواب ملے گا؟

جواب.....امام بیہقی رحمہ اللہ نے یہ حدیث تخریج کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ:

مَنْ قَرَءَ الْقُرْآنَ فَاَعْرَبَهُ كُلَّهُ فَلَهُ بِكُلِّ حَرْفٍ اَرْبَعُوْنَ حَسَنَةً فَاِنْ اَعْرَبَ بَعْضَهُ وَ لَحِنَ بَعْضَهُ فَلَهُ بِكُلِّ حَرْفٍ عِشْرُوْنَ حَسَنَةً وَ اِنْ لَمْ يَعْرَبْ شَيْئًا لَهُ بِكُلِّ حَرْفٍ عَشَرَ حَسَنَاتٍ.

جس نے پورے قرآن کی عمدگی کے ساتھ تلاوت کی تو اس کو ہر حرف کے بدلے چالیس نیکیاں ملیں گی اور اگر قرآن کے بعض حصہ کی عمدگی کے ساتھ تلاوت کی اور بعض حصے کی تلاوت میں غلطی کی تو اس کو ہر حرف کے بدلے بیس نیکیاں ملیں گی اور اگر اس نے پورے قرآن میں سے کسی بھی حصہ کی عمدگی کے ساتھ تلاوت نہیں کی تو اس کو ہر حرف کے بدلے دس نیکیاں ملیں گی۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الاداب والرقائق، القول الجلی، الخ، ج:2 ص:437، مطبوعہ: ایضا)

اس حدیث کی سند صفت منقطع بلکہ اس میں ایک کذاب اور وضاع راوی ہے۔حافظ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
یہ حدیث ان احادیث میں سے جن کو اس وضاع کے ہاتھوں نے گڑھا ہے۔اور ذہبی نے اس کو اپنی مناکیر میں شامل کیا ہے۔اسی حدیث کو امام طبرانی نے ایک دوسری کیفیت پر روایت کیا ہے۔اور فرمایا ہے کہ اس روایت میں فلاں منفرد ہے اور وہ متروک ہے۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الاداب والرقائق، القول الجلی، الخ، ج:2 ص:437، مطبوعہ: ایضا)

اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے:

مَنْ قَرَءَ الْقُرْآنَ فَاَعْرَبَ فِيْ قِرَائَتِهٖ كَانَ لَهُ بِكُلِّ حَرْفٍ عِشْرُوْنَ حَسَنَةً وَ مَنْ قَرَءَهُ بِغَيْرِ اِعْرَابٍ كَانَ لَهُ بِكُلِّ حَرْفٍ عَشَرَ حَسَنَاتٍ.

جس نے قرآن کی تلاوت کی اور اس کی تلاوت میں عمدگی اختیار کی تو اس کو ہر حرف کے بدلے بیس نیکیاں ملیں گی اور جس نے اس کی تلاوت بغیر عمدگی کے کی تو اس کو ہر حرف کے بدلے دس نیکیاں ملیں گی۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الاداب والرقائق، القول الجلی، الخ، ج:2 ص:437، مطبوعہ: ایضا)

اس کی سند بھی صحیح نہیں۔کیونکہ اس کو بقیہ نامی راوی نے عنعنہ کے ساتھ روایت کیا ہے اور وہ مدلّس ہے (اور مدلّس کی عنعنہ کے ساتھ کی ہوئی روایت صحیح نہیں ہوتی) اور اگر اس کی صحت فرض کی جائے تو پھر اس کو اُس شخص پر محمول کیا جائے گا۔جو تلاوت میں قصداً لحن نہیں کرتا اور نہ علم حاصل کرنے میں کوتاہی کرتا ہے۔

یہ آیت کن کے حق میں نازل ہوئی؟

سوال ......اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کن کے حق میں نازل ہوا ہے:

وَ مِنْهُمْ مَنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ .

(سورۃ التوبہ، آیت: 75 پ: 10)

ترجمہ: ان میں وہ بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر وہ ہمیں اپنے فضل سے مال دے گا تو ہم ضرور صدقہ وخیرات کریں گے اور نیکو کاروں میں ہو جائیں گے۔

جواب......ایک جماعت نے بیان کیا ہے کہ یہ ثعلبہ بن حاطب بدری رحمہ اللہ کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ اصابہ میں فرمایا کہ میرے گمان میں یہ حدیث صحیح نہیں۔ اور اگر صحیح ہو تو پھر ان کا بدری ہونا محل نظر ہے۔ کہ ابن الکلبی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ ثعلبہ بدری رحمہ اللہ اُحد میں شہید کر دیے گئے تھے اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ کوئی اور ثعلبہ ہیں۔ کیونکہ یہ ثعلبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت تک بقید حیات رہے ہیں۔ تفسیر ابن مردویہ نے ان کا نام ثعلبہ بن حاطب بتایا ہے اس کے ساتھ بدری کا اضافہ نہیں یہ بات بھی اس کی تائید کرتی ہے کہ یہ کوئی اور ثعلبہ ہیں۔ اور بدری کا نام بالاتفاق ثعلبہ بن حاطب ہے اور اس کے بارے میں بدری ہونے کا کیسے وہم کیا جاسکتا ہے کہ باوجودیکہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ غزوہ بدر میں شامل ہونے والوں میں سے کوئی بھی دوزخ میں نہیں ہوگا۔ اسی کی نظیر وہ اشتباہ ہے جو اس آیت کے نزول میں طلحہ کے قول سے واقع ہوا ہے:

وَ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ لَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا.

(سورۃ الاحزاب، آیت: 53)

ترجمہ: تمہیں یہ جائز نہیں کہ تم رسول اللہ ﷺ کو تکلیف دو اور نہ تمہیں یہ حلال ہے کہ آپ ﷺ کے بعد کسی وقت بھی آپ ﷺ کی بیویوں سے نکاح کرو۔

یعنی طلحہ نے کہا تھا کہ محمد ﷺ ہماری چچازاد بہنوں سے نکاح کرتے ہیں اور ان کو ہم سے حجاب کرواتے ہیں اگر ان کا وصال ہو جائے تو میں ان کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کروں گا۔ ایک قول کے مطابق یہ عشرہ مبشرہ میں شامل طلحہ ہیں حالانکہ ایسا نہیں وہ ایک دوسرا طلحہ نامی شخص ہے۔ جس کا نام ان کے نام کی طرح طلحہ اور اس کے باپ کا نام ان کے باپ کے نام کی طرح اور اس کا نسب ان کے نسب کی طرح ہے۔

ذرہ کی تعداد

سوال......ذرہ کی تعداد کیا ہے؟

جواب......ذرہ کا وزن مچھر کے پَر کے برابر ہے۔اور مچھر کے ستر (۷۰) پروں کا وزن ایک دانے کے برابر ہے۔

اللہ کی اشتراء کے کیا مراد ہے؟

سوال......اس آیت کریمہ میں اشتراء کا کیا مطلب ہے؟

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ. (سورۃ التوبۃ، آیت:111پ:11)

ترجمہ: بلاشبہ اللہ نے مؤمنوں سے اُن کی جانوں اور ان کے مالوں کو خرید لیا ہے اور یہ اشتراء کس کے ساتھ اور کب واقع ہوا ہے؟

جواب......یہ اشتراء ازل میں علم الٰہی میں واقع ہوا اور نزول آیت کے وقت بالفعل واقع ہوا ہے صفات الافعال کی یہی شان ہے۔

برکت والی زمین

سوال......برکت والی زمین سے کون سی زمین مراد ہے؟

جواب......ابی بن کعب اور قتادہ نے فرمایا کہ اس سے مراد شام کی سرزمین ہے کیونکہ یہی ارض محشر ہے اور اسی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا اور اسی زمین میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجّال کو ہلاک کریں گے اور ابوالعالیہ نے فرمایا کہ اس سے مراد ارض مقدسہ ہے کیونکہ دنیا میں جو بھی میٹھا پانی ہے وہ اسی سے نکلتا ہے صخرۂ بیت المقدس کی بنیاد سے نکلتا ہے۔آسمان سے صخرہ کی طرف نازل ہوتا ہے اور وہاں سے زمین میں پھیل جاتا ہے۔اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس سے مراد مکہ مکرمہ ہے کیونکہ اس میں کعبہ معظمہ ہے جو مبارک اور تمام جہانوں کے لئے ہدایت ہے۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الاداب والرقائق، القول الجلی الخ، ج1ص: 437، مطبوعہ: ایضا)

بیضاوی کے ایک قول کی تشریح

سوال......اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِلَّا اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَ الَّذِىْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ . (سورۃ البقرہ، آیت:237)

ترجمہ: اور یہ کہ وہ مہر مقررہ معاف کردیں یا وہ شخص معاف کردے جس کے ہاتھ میں نکاح کی

گرہ ہے۔

اس آیت میں علامہ بیضاوی نے فرمایا ہے کہ اَنْ یَـعْـفُـوْنَ میں یہ ممکن ہے کہ یہ صیغہ جمع مذکر غائب کا ہو اور اس کا نون، نون اعرابی ہو اور حرف اَنْ مہملہ ہو۔ کیا ان کا یہ قول صحیح ہے؟

جواب.....قلت اور شذوذ کے باوجود فن کے اعتبار سے صحیح ہے۔ لیکن آیت کریمہ میں یہ مراد ہونے کی صحت اس بات پر موقوف ہے کہ کیا اس کے بعد والے صیغے اَوْ یَـعْـفُـوَ کو واو کے فتحہ کے بغیر پڑھا گیا ہے۔ اگر ایسا پڑھا گیا ہے تو علامہ بیضاوی رحمہ اللہ کا اس آیت کے بارے میں یہ قول صحیح ہوگا۔ کیونکہ یَعْفُوْ معطوف حرف اَنْ کے اہمال پر دلالت کرے گا۔ اور اگر ایسا نہیں پڑھا گیا ہے تو پھر علامہ بیضاوی رحمہ اللہ کا مذکورہ قول کسی طرح بھی صحیح نہیں ہوسکتا۔؟ کیونکہ حرف اَنْ کا یَعْفُوْنَ کے اعتبار سے مہملہ اور یَعْفُوَ معطوف کے اعتبار سے غیر مہملہ ہونا ممکن نہیں۔

اور علامہ بیضاوی رحمہ اللہ نے آیت کریمہ میں جو بیان کیا ہے اس کو اگر بالفرض تسلیم بھی کیا جائے تو پھر اس سے ہمارے مذہب پر ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کیونکہ اس صورت میں یَـعْـفُـوْنَ کی واو ضمیر ازواج کی طرف راجع ہوگی (اگرچہ سیاق آیت اس کو رد کرتا ہے۔) تو پھر وہ شخص جس کے پاس نکاح کی گرہ ہے اُس کا ولی ہونا لازم آتا ہے۔ اور اگر واو ضمیر اولیاء کی طرف راجع ہوگی تو پھر وہ شخص جس کے پاس نکاح کی گرہ ہے اُس کا خاوند ہونا لازم آتا ہے۔ اور اس طرح یہ لازم آتا ہے کہ اولیاء کو معاف کرنے کا حق ہے۔ اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ اس کے قائل نہیں باوجودیکہ آیت کریمہ میں اس سے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ جیسا کہ ثابت ہو چکا ہے۔

اس کا بہترین جواب یہ ہے کہ حضرت امام بیضاوی رحمہ اللہ نے جو بیان کیا ہے آیت کریمہ میں اس کا مراد ہونا ہمیں تسلیم نہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ یَـعْـفُـوَ معطوف میں نصب ہے اور اگر کسی قرأت میں خواہ وہ قرأت شاذہ کیوں نہ ہو میں رفع ہوتا تو یہ اشکال وارد ہوتا لیکن میں نے اس کی چھان بین کی ہے مجھے کوئی ایک بھی ایسا نہیں ملا جس نے اس کو بطور قرأت نقل کیا ہو۔

معبودانِ باطلہ کو بُرا کہنے کا حکم ہے

سوال......وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ۔ (سورۃ الانعام، آیت: 108 پ: 7)

اور انہیں گالی نہ دو جن کو وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں کہ وہ اللہ کی شان میں بے ادبی کریں گے زیادتی اور جہالت سے۔

کفار کے معبودانِ باطلہ کو بُرا کہنے سے کفار کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی بے ادبی کرنے کا نتیجہ نکلنے کا یقین ہو تو ایسی صورت میں معبودانِ باطلہ کو بُرا کہنے کی حرمت پر یہ آیت دلالت کرتی ہے یا کہ نہیں؟ اور کیا فقہاء

کرام کے کلام میں اس پر دلالت کرنے والی کوئی چیز موجود ہے۔؟

جواب......آیت کریمہ کا تقاضا تو اس کی تحریم کا ہے۔کیونکہ نہی میں اصل تحریم ہے۔اس لئے تحریم کا قول بھی ممکن ہے اور اس کے مخالف قول بھی ممکن ہے۔کیونکہ فقہاء کرام نے فرمایا کہ جس شخص کو دورانِ نماز حدث لاحق ہو جائے تو اس کے لئے مسنون ہے کہ وہ اپنی ناک پر ہاتھ رکھے (گویا اُس کی نکسیر پھوٹی ہے) اس ڈر سے کہ کہیں لوگ اس کی برائی نہ کریں۔اس قول سے استدلال کرتے ہوئے عدمِ تحریم کا قول بھی ممکن ہے کیونکہ فقہاء کرام نے مذکورہ صورت میں دوسرے کی برائی جو کہ حرام ہے۔اس سے ڈرنے کو حرام کے ترک کے لئے جو چیز سبب بنتی ہے اس کے ندب کا مقتضی قرار دیا ہے۔اور حرام کے ترک لے لئے جو چیز سبب بنتی ہے اس کے وجوب کا مقتضی قرار نہیں دیا۔یعنی ارتکابِ حرام (دوسرے کی برائی) ترک کرنے کے لئے جو چیز سبب بنتی ہے،یعنی ناک پر ہاتھ رکھنے کو حرام کے ارتکاب سے بچانے کے لئے ندب کا مقتضی قرار دیا ہے وجوب کا مقتضی قرار نہیں دیا۔

اور آیت کریمہ سے وجوب اخذ نہیں کیا جاسکتا اور اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔اور فقہاء کے مذکورہ قول سے اخذ کرتے ہوئے آیت کریمہ میں نہی تنزیہی ہوگی۔دونوں کے درمیان علت جامع یہ ہے کہ معبودانِ باطلہ کا عیب بیان کرنے کی وجہ سے غیر کی جانب سے حرام کے ارتکاب کا تحقق ہوسکتا ہے اور اسی طرح ناک پر ہاتھ نہ رکھنے سے غیر کی جانب سے حرام (غیبت) کے ارتکاب کا تحقق بھی ہوسکتا ہے۔جس طرح اپنے فعل پر غیر کے مرتب ہونے والے حرام فعل کا ازالہ واجب نہیں اسی طرح معبودانِ باطلہ کی برائی بیان نہ کرنا بھی واجب نہیں اگرچہ اس کو یہ معلوم بھی ہو کہ معبودانِ باطلہ کی میں برائی بیان کروں گا تو اس پر دوسرے کا فعل حرام مرتب ہوگا۔

اور ان کے درمیان فرق بھی ممکن ہے کہ معبودانِ باطلہ کو بُرا کہنے پر کفار کی طرف سے اللہ تعالیٰ کو برا کہنا مرتب ہوتا ہے۔اور اللہ تعالیٰ کی برائی کرنا نہایت فحش اور قبیح حرکت ہے۔اس لئے ہر وہ چیز جو اس کا سبب یا اس کا وسیلہ بنے وہ تحریم کے ساتھ خاص ہے۔برخلاف اس کے علاوہ امور کا سبب یا وسیلہ بننے والی چیزوں کے کہ وہ حرمت کے ساتھ خاص نہیں اسی اصول کے تحت اگر کوئی انسان دوسرے کی مدح کرتا ہے اور اس پر سننے والے کی برائی مرتب ہوتی ہے تو مدح کرنے والے پر مدح کرنا حرام نہیں اگرچہ اس کو یہ علم بھی ہے کہ ایک کی مدح کرنے سے دوسرے کی برائی مرتب ہوگی۔

لِلْوَسَائِلِ حُكْمُ الْمَقَاصِدِ (وسائل کے لئے مقاصد کا حکم حاصل ہے) کیا یہ قاعدہ اکثریہ ہے

اعتراض......آپ کی مذکورہ تشریح میں مشہور قاعدہ لِلْوَسَائِلِ حُكْمُ الْمَقَاصِدِ سے اشکال پیدا ہوتا ہے کہ مدح فعلِ حرام کا وسیلہ بن رہی ہے۔لہٰذا اس قاعدے کے تحت مذکورہ صورت میں مدح حرام ہونی چاہیے۔

جواب...... یہ قاعدہ اکثریہ ہے یا اس کا محل وہ وسیلہ اور مقصد ہیں جو دونوں ایک شخص کے فعل سے صادر ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں وسیلہ کو مقصد کا حکم حاصل ہوگا۔ کیونکہ دونوں کا فاعل ایک ہے۔ اور دوسرا جواب یہ ہے کہ مذکورہ تشریح میں مدح کا وسیلہ ہونا تسلیم نہیں کیونکہ اس کا سبب سامع کے ہاں پوشیدہ بغض وعداوت سے پیدا ہوتا ہے۔ مدح سے پیدا نہیں ہوتا۔ لہٰذا مدح اس سبب کے پیدا کرنے کا وسیلہ نہیں۔ لہٰذا سبب کا حکم مدح کو نہیں دیا جاسکتا۔

سوال...... اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَ الْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِکَاحًا فَلَیْسَ عَلَیْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَهُنَّ غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍ بِزِیْنَةٍ. (سورۃ النور، آیت:60 پ:18)

اور بوڑھی خانہ نشین عورتیں جنہیں نکاح کی آرزو نہیں ان پر کچھ گناہ نہیں کہ اپنے بالائی کپڑے اتار رکھیں جبکہ سنگار نہ چمکائیں۔

کیا اس آیت کریمہ میں قواعد کی قید اپنے مابعد کے لئے شرط ہے؟ اگر شرط ہے تو پھر اس سے پہلی آیت

وَلْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰی جُیُوْبِهِنَّ. (سورۃ النور، آیت:31)

ترجمہ: وہ ڈوپٹے اپنے گریبانوں میں ڈالے رکھیں۔

کے باوجود یہ کیسے شرط بن سکتی ہے؟ کیا پہلی آیت شافعیہ کے مذہب کے موافق ہے یا دوسری آیت؟ وضاحت سے جواب عنایت فرمائیں۔

جواب...... پہلی آیت گریبانوں پر ڈوپٹے ڈالنے کے وجوب کا تقاضا کرتی ہے یعنی خواتین اپنے سروں اور گریبانوں اور سینوں کو برقعہ وغیرہ کے ساتھ مستور کریں۔ گریبان پر دوپٹہ ڈالنے کا یہی مطلب ہے کیونکہ خواتین پر چہرے اور دو ہتھیلیوں کے سوا سارے جسم کا پردہ واجب ہے۔ لیکن دوسری آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ بوڑھی خاتون جسے بڑھاپے کی وجہ سے حیض ونفاس کا آنا اور اولاد کا پیدا ہونا منقطع ہو چکا ہے وہ اس سابقہ حکم سے مستثنیٰ ہے۔ لہٰذا اس پر مذکورہ پردہ واجب نہیں۔ لیکن ہمارے شافعی علماء کرام کا کلام اس کے موافق نہیں کیونکہ ان کے کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ مذکورہ پردہ کا وجوب عورت کو مطلقاً شامل ہے خواہ وہ جوان ہو یا بوڑھی۔

اس صورت حال کے پیش نظر دوسری آیت کریمہ کا ظاہر اس میں اشکال پیدا کر رہا ہے۔ اس کا یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ یہاں پر سرے سے کوئی استثناء نہیں۔ کیونکہ پہلی آیت جس پر دلالت کر رہی ہے وہ دوسری آیت کے مدلول کے مغائر ہے۔ دونوں کا مدلول ایک نہیں کیونکہ پہلی آیت کریمہ میں مامور بہ سینوں پر چادر ڈالنا ہے اور یہ ہر نوع کی

عورت کو شامل ہے۔اور دوسری آیت میں بوڑھی خواتین کے لئے جس چیز کو جائز قرار دیا گیا ہے وہ ہے چادر کے اوپر جو کپڑا ہے اس کا ان خواتین کے لئے اتارنا جائز ہے۔اور یہ جواب بعض مفسرین کے اس قول سے ماخوذ ہے۔جس میں وہ فرماتے ہیں۔بالائی کپڑے سے مراد جلباب (چادر) رداء (بڑی چادر) قناع (اوڑھنی ہے) جو ڈوپٹے کے اوپر ہوتی ہیں اور دوسری آیت بتا رہی ہے کہ اس کا جواب اس بوڑھی عورت کے ساتھ خاص ہے جس کے اندر خواہش باقی نہیں رہی ہے۔برخلاف دوسری عورتوں کے کہ ان کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں۔البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ دوسری عورتوں کو اس حکم میں بوڑھی عورت کے ساتھ ملایا گیا ہے کیونکہ پردہ کا مدار چہرہ اور دو ہتھیلوں کے سوا باقی سارے جسم کو ڈھانپنا ہے اور یہ پردہ مذکورہ کپڑوں کو اتاریں یا نہ اتاریں ہر دو صورتوں میں حاصل ہو جاتا ہے۔

اعتراض......اگر مطلب یہی ہے تو پھر بڑھاپے کی قید لگانے کی کیا حکمت ہے؟

جواب......بڑھاپے کی قید لگا کر یہ بتانا مقصود ہے کہ جتنا ممکن ہو سکے عورت کو پردہ میں مبالغہ کرنے کا حکم ہے۔اسی لئے ڈوپٹے کے اوپر والی چادر اتارنے کے جواز کی تصریح اسی بوڑھی عورت کے حق میں اچھی سمجھی گئی ہے جس میں خواہش باقی نہیں رہی۔اسی نکتہ کے پیش نظر دوسری عورتوں کا ذکر سمیٹ دیا گیا ہے۔

ایک آیت کریمہ کی تفسیر

سوال......اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ. (سورہ یوسف،آیت:33)

ترجمہ:یوسف (علیہ السلام) نے عرض کی اے میرے رب! مجھے قید خانہ زیادہ پسند ہے۔

یہ آیت......کی محبت کے ثبوت کا تقاضا کرتی ہے حالانکہ یہ چیز انبیاء کرام علیہم السلام پر جائز نہیں۔

جواب......جن کی طرف نفس طبعاً خواہش کرتا ہے اور اس میں کوئی مواخذہ نہیں اور جیل خانہ ان چیزوں میں سے ہے جس کو نفس طبعاً ناپسند کرتا ہے۔اس کے باوجود حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کو ترجیح دی ہے۔اور ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اس سے پہلے خاتون کی طرف سے وعید سنا دی گئی تھی کہ آپ ایسا نہیں کریں گے تو آپ کو سزا دی جائے گی۔اسی کی وجہ سے یہ اکراہ بن گیا تھا۔اور سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام کی شریعتوں میں کبھی کبھار اکراہ کو مباح قرار دیتا رہا ہے۔لہٰذا اصل محبت مباح کی وجہ سے ثابت ہوتی ہے۔یا یہ واقعہ نبوت سے پہلے کا ہے۔

چنانچہ زرکشی رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے تحت یہی لکھا ہے کہ:

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا. (سورہ یوسف،آیت:22)

ترجمہ:اور جب اپنی پوری قوت کو پہنچا ہم نے اسے حکم اور علم عطا فرمایا۔

لیکن میرے نزدیک ان تمام مذکورہ جوابات میں توقف ہے۔پہلے جواب میں اس لئے کہ انبیاء کرام کے نفوس

تمام طبعی اور عارضی خبائث سے پاک ہوتے ہیں اگر علامہ بیضاوی رحمہ اللہ یہ کہتے ہیں کہ جماع کی محبت قطع نظر اس کے کہ وہ طبعی ہوتی ہے تو بہتر جواب ہوتا ہے۔ ورنہ اشکال باقی ہے۔ اور دوسرے جواب میں اس لئے توقف ہے کہ تحقیق مسئلہ یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد ہر حالت میں جمیع صغائر و کبائر سے معصوم ہوتے ہیں۔

میرے نزدیک اس کی توجیہ یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اسم تفضیل کا صیغہ احب تواضع کے طور پر اور خضوع و عاجزی کے مقام میں اپنے عیوب کے اظہار کے طور پر کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے خطاب کے مقام میں اپنے نفس کے تزکیہ سے بچنے کیلئے اختیار کیا ہے۔

قرأت میں تفضیل کا حکم

سوال ...... جو شخص قرأت کے درمیان تفضیل سے کام لے۔ یعنی بعض قرأت کو دوسری بعض پر فضیلت دے تو کیا ایسا شخص قابل ملامت ہے؟

جواب ...... اگر یہ فضیلت اس حیثیت سے ہے کہ ان میں سے ایک زیادہ واضح یا زیادہ ظاہر ہے یا علم نحو یا بیان وغیرہ کے زیادہ موافق ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ تفسیر کی کتب اس سے بھری ہوئی ہیں۔ اور اگر اس حیثیت سے نہیں بلکہ اس قائل کی یہ ترجیح کسی ایسی بات کی طرف لے جا رہی ہے جس میں کوئی قابل ملامت چیز پائی جاتی ہے تو پھر ایسا شخص قابلِ ملامت ہے۔

قرأت سبعہ کے تواتر کا انکار کرنے والے کا حکم

سوال ...... کیا قرأتِ سبعہ مطلقاً متواتر ہیں یا صرف قراء کے نزدیک متواتر ہیں؟ ان کے تواتر کا انکار کفر ہے یا کہ نہیں؟

جواب ...... قرأتِ سبعہ قراء اور غیر قراء سب کے ہاں متواتر ہیں مالکیہ کے بعض متاخرین آئمہ کے نزدیک یہ صرف قراء کے نزدیک متواتر ہیں۔ اور سب کے ہاں متواتر نہیں، بعض علماء مالکیہ نے تصریح کی ہے کہ قرأت سبعہ کے تواتر کا انکار کفر ہے۔ اور مالکیہ کے بعض آئمہ نے ان پر اعتراض کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور قرأت کے تواتر میں ائمہ ثقات کا جو اختلاف ہم نے آئمہ سے نقل کیا ہے اس کو سمجھتا ہے اور قاضی عایض جو کہ آئمہ دین میں سے ان کے کلام کا اُس نے مطالعہ کیا ہے تو اس پر اس مذکورہ قول کا غیر صحیح ہونا مخفی نہیں۔ یہ مسئلہ بسم اللہ شریف کے مسئلہ کی مانند ہے کہ بسم اللہ شریف کے اثبات اور نفی میں اختلاف کی وجہ سے عدم تکفیر میں علماء کا اتفاق ہے اور وجوہ قرأت کے تواتر میں پایا جانے والا اختلاف اسی کی مثل ہے یا اس سے بھی آسان ہے۔ پس اس میں تکفیر کی تصریح کیسے کی جا سکتی ہے؟ اور قرأت سبعہ

کے تواتر کو عام اور خاص دونوں طرح تسلیم کرنے کے باوجود یہ ضروریات دین میں سے نہیں تکفیر اس چیز کے انکار پر کی جاتی ہے جس کے ضروریات دین سے ہونے پر اجماع ہے۔اور کفر پر یہ استدلال کرنا کہ قرأت کے تواتر کا انکار سارے قرآن کے عدم تواتر کی طرف لے جانے والی چیز ہے۔یہ استدلال تین وجہ سے مردود ہے۔

وجہ اول

یہ کہ ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ یہ چیز سارے قرآن کے عدم تواتر تک پہنچانے والی چیز ہے۔یہاں پر منع وارد کرنا ہی کافی ہے کیونکہ استدلال کرنے والے نے اس پر دلالت کرنے والی کوئی دلیل پیش نہیں کی اور اس سے کوئی ایسی واضح چیز بھی معلوم نہیں ہوتی جو دلیل کی محتاج نہ ہو۔

وجہ دوم

اگر ہم یہ تسلیم بھی کر لیں کہ صرف منع وارد کرنا کوئی دلیل نہیں ہوتی تو ہمارے پاس ایسی دلیل موجود ہے جو یہ بتاتی ہے کہ قرأت کے تواتر کا انکار پورے قرآن کے تواتر کے انکار تک نہیں پہنچاتا اور وہ دلیل یہ ہے جب کسی عدد کو نقل کرنے والوں کے الفاظ مختلف ہوں لیکن معنی کی ادائیگی میں وہ سب الفاظ متفق ہوں تو پھر جب بھی اس عدد کے نقل کی وجہ سے منقول کے ثابت ہونے کا حکم لگایا جائے گا تو اس عدد کے قائلین کے الفاظ کے متفق ہونے کا بھی حکم لگایا جائے گا تو پھر قرأت سبعہ کے وجوہ کا عدم تواتر قرأت کے عدم تواتر تک پہنچانے والا نہ ہوگا۔لہٰذا ملزوم حق ہے اور لازم باطل ہے۔اس کی حقیقت کا بیان یہ ہے کہ اس کے لئے چار گواہوں کی شہادت اور میں دو کی شہادت درکار ہوتی ہے۔ان گواہوں کے الفاظ اگر مختلف ہوں لیکن معنی مشہود بہ کی ادائیگی میں متفق ہیں تو پھر ان سے شہادت اسی طرح ثابت ہوگی جس طرح متفق کلمات سے ثابت ہوتی ہے۔میرے علم کے مطابق اس میں کسی کا اختلاف نہیں پایا جاتا۔

ملازمہ کا بیان یہ ہے کہ قرأت سبعہ میں مطلوب حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا مصحف ہے جو متواتر ہے اور قرأت سبعہ کے الفاظ میں اختلاف کی وجہ یہ ہے۔قراء نے ان کلمات کو روم، ترقیق، تسہیل اور ان کی اضداد صفات اور معنی کے موافق اعراب کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔جس کی وجہ سے اختلاف پیدا ہوا ہے۔اور یہ اختلاف ایسا ہی ہے جیسے کسی مقدمہ میں گواہوں کے الفاظ کا اختلاف ہوتا ہے۔بلکہ قرأت کے الفاظ کا اختلاف ان سے بھی خفیف اور ہلکا ہے۔
کیونکہ قراء کا اختلاف حروف کی صفت میں یا ایک ہی کلمہ کے بعض حروف میں ہوتا ہے۔اور گواہوں کے الفاظ کا اختلاف کلام میں ہوتا ہے یعنی مکمل کلمہ میں ہوتا ہے۔پس جس طرح ہمارا اس بات پر اجماع ہے کہ شہود کے کلمات کا اختلاف اتفاقی حکم کے ثبوت میں مانع نہیں اور وہ حکم موجب حد امر کے ثبوت کا ظن ہے پس اسی طرح قرات سبعہ

کے الفاظ کا مذکورہ امور میں اختلاف اتفاقی حکم کے ثبوت میں مانع نہیں اور وہ اتفاقی حکم ان قرأت کے یقینی ہونے کا ثبوت ہے اور یہ ثبوت اُس ثبوت کی طرح ہے جس پر تواتر سے کاتب ہونے کا حکم لگایا گیا ہے۔

وجہ سوم

یہ ہے کہ اگر ہم یہ تسلیم بھی کرلیں کہ ہماری مذکورہ دونوں وجہیں اس پر دلیل نہیں بن سکتی ہیں تو کم از کم اُن کی حالت اتنی ضرور ہے کہ وہ دو ایسے شبہے بن جاتے ہیں جو وجوہِ قرأت کے عدم تواتر کے علم کے لئے مانع ہیں کہ وہ پورے قرآن کے عدم تواتر کے ضروریاتِ دین میں سے ہونے کا موجب ہے۔اور جو چیز ضروریاتِ دین میں سے نہیں اس سے جہالت کسی حال میں کفر نہیں ہوتی ہے۔

تفسیر ابن عطیہ

سوال......کیا ابن عطیہ کی تفسیر میں اعتزال پایا جاتا ہے؟

جواب......ہاں اس تفسیر میں اعتزال کا بڑا حصہ موجود ہے حتیٰ کہ امام محقق ابن عرفہ مالکی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ زمخشری کی کشاف کے مطالعہ کرنے والے کے بارے میں جتنا خوف پایا جاتا ہے۔ابن عطیہ کی تفسیر کا مطالعہ کرنے والے پر اس سے زیادہ ڈرنا چاہیے۔کیونکہ زمخشری کے بارے میں لوگ جانتے ہیں کہ وہ بدعتی ہے اور اس سے ڈرتے ہیں اور اس کے جن عقائد میں اعتزال اور حق کی مخالفت پائی جاتی ہے۔وہ لوگوں کے درمیان مشہور ہیں۔اور علماء حق نے اس کو بدعتی گمراہ قرار دینے اور اس کی برائیوں اور قباحتوں اور جہالتوں کو ظاہر کرنے میں بہت کام کیا ہے۔ابن عطیہ تو سنی العقائد ہیں لیکن وہ ہمیشہ بعض معتزلہ کے اُس کلام کو اپنی تفسیر میں داخل کرتے رہتے ہیں جو ان کے اعتزالی نظریہ سے تعلق رکھتا ہے۔اور داخل کرنے کے بعد اس کو برقرار رکھتے ہیں اور اس پر کوئی تنبیہ بھی نہیں کرتے اور عوام الناس سمجھتے ہیں یہ شخص اہل سنت میں سے نہیں۔لہٰذا اس نے جو کچھ بھی بیان کیا ہے وہ اہل سنت کے اصول کے موافق ہے۔حالانکہ معاملہ ایسا نہیں۔پس اسی لئے عوام الناس کے لئے ابن عطیہ کی تفسیر زمخشری کی تفسیر سے زیادہ ضرر رساں اور بہت نقصان دہ ہے۔

جس نے قرآن کریم کی تہائی حفظ کی اُس کو نبوت کی ایک تہائی عطا فرمائی گئی؟

سوال......اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟ کہ

مَنْ حَفِظَ ثُلُثَ الْقُرْآنِ اُعْطِیَ ثُلُثَ النُّبُوَّۃِ.

جس نے قرآن کریم کا ایک ثلث حفظ کرنے کا شرف حاصل کیا ہے اس کو نبوت کا ثلث

عطا کیا گیا۔

(التفسیر من سنن سعید بن منصور، فضائل القرآن، ج:2 ص:265، مطبوعہ: دار الصمیعی، بیروت)

جواب......اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اس کو علم نبوت کا ثلث عطا کیا گیا ہے۔ یہاں پر مضاف محذوف ہے اصل میں علم النبوۃ ہے۔ جس طرح کہ (واسئل القریۃ) میں مضاف محذوف ہے کہ اصل میں یہ اہل القریۃ ہے اور جبلِ اُحد کے بارے میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

هٰذَا جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهُ .

یہ پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔

(مؤطا امام مالک، کتاب الجامع، باب جامع ماجاء فی امر المدینۃ، رقم الحدیث: 3326 ج:5 ص:1315، مطبوعہ: ایضا)

اس ارشاد میں بھی مضاف محذوف ہے کہ اصل میں يُحِبُّنَا اَهْلُهُ وَنُحِبُّ اَهْلَهُ ہے یعنی اس پہاڑ کے رہنے والے ہم سے محبت کرتے ہیں اور ہم اس پہاڑ کے رہنے والوں سے محبت کرتے ہیں۔ قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ نے ہر شے کے لئے بیان بنا کر نازل فرمایا ہے۔ لہٰذا جو اس کو حفظ کرلے اور اس کے خاص، عام، مجمل، ناسخ، منسوخ وغیرہ احکام کا اور اس سے استنباط کرنے کا طریقہ معلوم ہے تو بے شک اس کو علم نبوت عطا کیا گیا ہے اور ایسے لوگ بہت کم ہیں۔

قرآن کریم کی مختلف آیات جمع کر کے ان کو سورۃ کی طرح تلاوت کرنے کا حکم

سوال......قرآن کریم کی آیات کو جمع کر کے پھر ان کو سورۃ کی طرح تلاوت کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب......عز بن عبد السلام رحمہ اللہ نے تہلیل پر مشتمل آیات کو جمع کر کے سورۃ کی طرح تلاوت کرنے کے بارے میں یہ فتویٰ دیا ہے کہ ایسا کرنے والے کا اس سے مقصد قرآن ہی ہے اور ان آیات کو سورتوں کی ترتیب کے مطابق ترتیب دیا ہے تو اس میں کوئی کراہیت نہیں۔ اور اگر ان کی ترتیب الٹ دی ہے تو یہ مکروہ ہے۔ بلکہ ایک ہی سورۃ کی آیات میں بھی ترتیب بدلنا حرام ہے۔ اور اگر نماز یا غیر نماز میں ایک سورۃ کی آیات میں ترتیب کی تبدیلی واقع ہوجائے تو جب تک اس سے قرأت سے خالی ذکر کا قصد نہ کیا جائے مکروہ ہے۔ لیکن یہ عوام الناس کی پیدا کردہ بدعت ہے البتہ ایک ہی سورۃ کی آیات میں ترتیب الٹ دینا حرام ہے اور بعض علماء نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ اس کی حرمت کی وجہ یہ ہے کہ ہر سورۃ کی آیات کی ترتیب معجزہ ہے۔ اور اس ترتیب کے فاعل خود نبی کریم ﷺ ہیں۔ بخلاف سورتوں کی ترتیب کے کہ اس میں اختلاف ہے کہ آیا یہ ترتیب حضور ﷺ کا اپنا فعل ہے یا آپ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے اجتہاد سے ان کو ترتیب دیا ہے زیادہ صحیح پہلی چیز ہے۔ لیکن اختلاف کی وجہ سے شبہ پیدا ہوگیا ہے جس کی وجہ سے سورتوں کی

ترتیب میں تبدیلی کو ہم حرام نہیں کہتے ۔اور قاضی عیاض نے نقل کیا ہے کہ سورتوں کی ترتیب کو تبدیل کرنے کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں بعض علماء کرام نے فرمایا کہ قاضی عیاض کے اس قول سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص قرآن کریم کو ترتیب سے تلاوت کرتا ہے کہ اول حصہ کو پہلے اور اس کے بعد جو حصہ اول بنتا ہے اس کی تلاوت کرتا ہے تو یہ مکروہ نہیں اگرچہ مصحف شریف میں جس طرح سورتیں پے در پے ہیں اس طرح ان کو پے در پے تلاوت نہ بھی کرے تو مکروہ نہیں ۔اسی کو ابو طالب مکی رحمہ اللہ نے ''قوت القلوب'' میں اور امام غزالی رحمہ اللہ نے ''احیاء العلوم'' میں بیان کیا ہے کہ تلاوت کرنے والا ہر روز سحری کے وقت قرآن کریم کا ایک حصہ تلاوت کرے اور اس کے بعد سورہ یٰسین پھر سورۃ الدخان ،پھر سورہ الواقعہ پھر ،سورۃ الحشر ، پھر سورۃ الکہف ،پھر سورۃ الملک ،پھر مسبحات کی تلاوت کرے اور اس کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے ۔اور ان ہی سورتوں میں سے فاتحہ ،معوذتین ،اخلاص ،سورۃ الکافرون سات مرتبہ پڑھنا بھی شامل ہے اور اسی طرح دیگر اذکار اور ادعیہ کا بھی تذکرہ ہے ،جن کی تفصیل مذکورہ دونوں کتابوں سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

(الاسماء والصفات للبیہقی ،باب امارۃ الخلق الخ رقم الحدیث: 1065 ،ج:2 ص:483)

اِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ ۔الایہ کی تفسیر

سوال......اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّکَ یُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰی بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ۔ (سورۃ البقرۃ: آیت:61)

اور جب تم نے کہا اے موسیٰ! ہم سے ایک ہی قسم کے کھانے پر ہرگز صبر نہ ہو سکے گا اس لئے اپنے ربّ سے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں زمین کی پیداوار ساگ ،ککڑی ،گیہوں ،مسور اور پیاز دے ۔آپ نے فرمایا بہتر چیز کے بدلے ادنیٰ چیز کیوں طلب کرتے ہوں؟

اس آیت کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ اس میں جواب سوال کے مطابق نہیں ۔کیونکہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کیا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کے لئے یہ درخواست کریں کہ آیت میں جن اشیاء کا تذکرہ ہے اللہ تعالیٰ وہ اشیاء ان کے لئے پیدا فرمائے اور اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ منّ وسلویٰ جسے وہ پہلے سے تناول کر رہے ہیں ان کو بھی باقی رکھا جائے اور جواب کو ''اتستبدلون'' کے ساتھ تعبیر فرمایا گیا ہے اور اس تعبیر سے ثابت یہ ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے من ،وسلوٰی کو بالکلیہ اٹھانے کا سوال کیا تھا اور یہ چیز ان سے جو احتمال منقول

ہے اس کے خلاف ہے

سوال 2.....سورہ جمعہ میں ہے:

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ. (سورۃ الجمعۃ، آیت:۹)

اے مومنو! جمعہ کے دن جب نماز کے لئے اذان دی جائے۔

اس آیت میں یوم جمعہ کے بیان میں کیا حکمت ہے؟ حالانکہ اِذَا نُوْدِیَ لِصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ. بھی کافی تھا؟ ہمارا مقصد اس بیان کا بیان شافی ہے۔

جواب..... پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ اس احتمال کے باوجود بھی جواب سوال کے مطابق ہے۔جیسا کہ معمولی سی دلیل سے واضح ہے۔اور وہ دلیل یہ ہے کہ بنی اسرائیل پر صرف مَن وسلویٰ اتارا جاتا تھا اور وہ ان کے علاوہ کسی دوسری چیز کو تناول نہیں کیا کرتے تھے طبیعت بشری کی وجہ سے وہ ان کے تناول سے اُکتا گئے تھے اپنے مراتب کے اختلاف کے اعتبار سے انہوں نے تفنن کا اظہار کیا اور من وسلویٰ کی جگہ سبزیاں وغیرہ دیئے جانے کا سوال کیا اور ان کا یہ سوال دونوں صورتوں میں صادق ہے کہ من وسلویٰ کو بالکلیہ اٹھانے کا سوال کیا تھا تو بھی صادق ہے اور من وسلویٰ کو باقی رکھ کر ان کے ساتھ سبزیاں وغیرہ ملانے کا سوال کیا تھا تو بھی صادق ہے۔اور ان دونوں احتمالوں میں سے ہر ایک میں استبدال (تبدیلی کا مطالبہ) پایا جاتا ہے پہلے احتمال میں تو واضح ہے اور دوسرے میں احتمال میں استبدال اس لئے پایا جاتا ہے کہ وہ لوگ سوال سے پہلے من وسلویٰ تناول کرنے پر مجبور تھے اور جب انہوں نے سوال کیا اور ان کا سوال منظور کیا گیا تو اب وہ من وسلویٰ کے تناول پر مجبور نہ رہے اس حال میں من وسلویٰ اترتے تھے اور وہ ان کو تناول نہیں کرتے ہوں گے یا ان کو دوسری چیزوں کے ساتھ ملا کر تناول کرتے ہوں گے، دونوں صورتوں میں انہوں نے جو چیز بہتر تھی اس کو اس چیز کے ساتھ جو ادنیٰ تھی بدلنے کا مطالبہ کیا کیونکہ وہ پہلے صرف اس چیز کو تناول کرتے تھے جو بہتر تھی اور اب وہ اس کے ساتھ دوسری چیز (جو کہ ادنیٰ تھی) کو ملا کر تناول کرنے لگے یا اچھی چیز سے انہوں نے اعراض کیا یا اس کے ساتھ ادنیٰ کو شریک کرنے لگے۔اسی سے سائل کے مذکورہ سوال کا دفاع ہو جاتا ہے اور اس کے دفاع کی وجہ واضح ہے کیونکہ استبدال کے ساتھ تعبیر سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے من وسلویٰ کے نزول کے باوجود اس سے اعراض کیا تھا یا اس کے ساتھ دوسری چیزوں کو شریک کرنے کا مطالبہ کیا تھا۔

اور یہ خیال کرنا کہ بنی اسرائیل نے من وسلویٰ کو بالکلیہ رفع کا سوال کیا تھا اور اسی پر سوال وجواب کے درمیان عدم مطابقت کا توہم پرمبنی ہے حالانکہ یہ سوال اس توہم کے لئے کسی طرح بھی سبب نہیں بنتا۔اس کے علاوہ اس خیال میں سوئے تعبیر بھی ہے کہ قرآن کریم میں جتنا ممکن ہو سکے اس طرح کی تعبیر سے

اجتناب برتنا چاہیے، کشاف میں کئی مقامات میں اسی کی مثل تعبیر واقع ہے اور یہ زمخشری کے ہفوات میں سے شمار کیا گیا ہے سائل کے لئے بہتر یہ تھا کہ وہ اس سوال کو یوں کہتا کہ......اس طرح کے احتمال کے ساتھ سوال وجواب کے درمیان مطابقت سمجھ نہیں آرہی ہے اس کی وجہ کیا ہے؟ جو جواب میں نے دیا ہے اس کے بعد میں نے دیکھا کہ بعض محققین نے بھی اس کی تصریح فرمائی ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔اگر تم یہ کہو کہ استبدال (من وسلویٰ) مبدل منہ کے ترک کو چاہتا ہے حالانکہ بنی اسرائیل نے مبدل منہ (من وسلویٰ) کے ترک کا مطالبہ نہیں کیا تھا انہوں نے تو اس پر اضافہ اور زیادتی کا مطالبہ کیا تھا۔پس اس کا کیا جواب ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انسانی عادت کا تقاضا یہ ہے کہ جس انسان کے سامنے ایک ہی قسم کا کھانا ہوتا ہے تو وہ اس سے سیر ہونے تک کھاتا ہے۔اور اگر اس کے سامنے دو طرح کے کھانے ہوتے ہیں پھر وہ دوسرے کھانے کے لئے گنجائش رکھتا ہے؟ (عبارت ختم ہوگئی)

اس عبارت میں بھی مشارکت کو استبدال کی مقتضی قرار دیا گیا ہے اور یہ بعینہٖ ہمارا وہ سابقہ جواب ہی ہے جس میں کچھ زیادہ تفصیل بھی تھی۔

جواب سوال نمبر 2......اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ ۔ الایۃ میں یوم کی اضافت سے ایسے امور کا افادہ ہوا ہے جن کا صرف لفظ اذا سے افادہ نہیں ہوتا تھا۔من یوم الجمعۃ کا بیان چند ایسے فوائد پر مشتمل ہے جن پر کئی احکام شرعیہ مرتب ہوتے ہیں اور ان احکام کو ہمارے اصحاب نے اس آیت سے استخراج کیا ہے۔ اور اسی آیت کو ان کی دلیل قرار دیا ہے، وہ فرماتے ہیں یہاں پر لفظ یوم کو جمعہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے جمعہ اس کے لئے مضاف الیہ اور یوم سے مقصود جمعہ ہی ہے اور جمعہ اپنے پہلے لمحہ سے ہی اس کی طرف منسوب ہے۔اسی لئے جمعہ کے دن فجر سے لے کر جمعہ کی ادائیگی تک ایسا سفر حرام ہے جو جمعہ کو فوت کرنے کا سبب بن جائے۔اور جمعہ کے دن جامع مسجد سے دور رہنے والے لوگوں پر فجر سے ہی نمازِ جمعہ کی سعی واجب ہے اور علماء نے فرمایا کہ جمعہ کے دن فجر سے ہی جمعہ کے لئے غسل کرنا اور سویرے ہی نمازِ جمعہ ادا کرنے کے لئے جانا چاہیے۔

اسی طرح کے وہ بہت سارے مسائل ہیں جو ہمارے اور دیگر آئمہ کے درمیان اختلافی ہیں یہ تمام احکام اسی بیان سے مستفاد ہیں۔اگر یوم کو حذف کر کے صرف لصلوٰۃ الجمعۃ فرمایا جاتا تو ان احکام میں کسی کا بھی استفادہ نہ ہوتا۔ پس یوم کی اضافت کی وجہ سے بیان میں زیادہ بلاغت اور زیادہ حسن وجمال اور دل میں زیادہ اچھی طرح اترنے والا بن گیا ہے۔جیسا کہ قرآن کریم کی شان ہے۔

سوال......حضرت ذوالقرنین کے واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: و وجد عندھا قوما (الکھف) اور وہاں پر ایک

قوم ملی۔کیا یہ قوم ایمان سے مشرف ہوئی تھی یا کہ نہیں ؟ اور اللہ تعالیٰ نے اس قوم کے متعلق حضرت ذوالقرنین کو دو امروں کے درمیان اختیار دیا تھا کہ چاہیں تو انہیں عذاب دیں چاہیں تو بھلائی کریں ؟ تو آپ نے ان کے ساتھ کون سا برتاؤ فرمایا؟

جواب......ان میں سے بعض لوگ ایمان لائے تھے اور بعض کافر رہے۔تو حضرت ذوالقرنین نے کافروں کو سزا دی حتی کہ وہ اپنے کفر سے باز آ گئے اور آپ کی دعوت قبول کر لی۔

جیسا کہ علامہ بغوی رحمہ اللہ حضرت وہب بن منبہ سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں: حضرت ذوالقرنین روم سے تعلق رکھنے والے تھے آپ ایک بڑھیاں کے بیٹے تھے۔آپ بندہ صالح کی حالت میں سن بلوغ کو پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا میں تجھے چند ایسے گمراہوں کی طرف مبعوث کرنے والا ہوں جن کی زبانیں مختلف ہیں اور ان میں سے دو گروہ کے درمیان زمینی مسافت طویل ہے۔ایک مغرب میں قیام پذیر ہے جسے ناسکہ کہا جاتا ہے اور دوسری مشرق میں رہتی ہے جسے منسک کہا جاتا ہے۔حضرت ذوالقرنین نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی کہ یا اللہ میں کس قوم کے ساتھ ان کا مقابلہ کروں گا اور کس جماعت کے ساتھ میں ان پر غلبہ حاصل کروں گا؟ اور کس زبان کے ساتھ میں اُن سے گفتگو کروں گا؟

(تفسیر البغوی، سورۃ الکہف، آیت:92 تا 94، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"بے شک میں تجھے طاقت بخشوں گا۔اور میں تجھے ہیبت و دبدبہ کا لباس زیب تن کراؤں گا پس کوئی شے تیرا مقابلہ نہ کر سکے گی۔اور نور و ظلمت کو میں تیرے لئے مسخر کروں گا اور ان دونوں کو میں تیرے سپاہ و لشکر بنا دوں گا۔نور تیرے آگے آگے تیری رہنمائی کرتا چلے گا اور ظلمت تیرے پیچھے تیری حفاظت کرے گی۔"

اس کے بعد حضرت ذوالقرنین وہاں سے چلتے چلتے مغرب میں پہنچ گئے۔وہاں ان کو اتنے گروہ اور افراد ملے کہ جن کا احصاء و شمار اللہ تعالیٰ کے علم کے سوا کسی کو نہیں، ظلمت و تاریکی کے ذریعہ آپ نے ان پر غلبہ حاصل کیا حتیٰ کہ ان سب کو ایک جگہ جمع کیا اور اس کے بعد ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی تو ان میں بعض ایمان لے آئے اور بعض نے انکار کیا تو ذوالقرنین نے ان لوگوں کا پیچھا کیا جو ایمان لانے سے راہِ فرار اختیار کر چکے تھے آپ نے ان پر ظلمت داخل کی تو وہ ان کے پیٹوں اور گھروں میں داخل ہو گئی پس انہوں نے بھی آپ کی دعوت قبول کر لی۔اس کے بعد آپ نے اہل مغرب میں سے ایک عظیم لشکر تشکیل دیا اور اس کی خود قیادت فرماتے ہوئے چل پڑے اور ظلمت ان کو پیچھے سے ہانک رہی تھی۔جہاں تک آپ مشرق میں تشریف لے آئے۔وہاں کا رُخ بھی اسی طرح کیا جس طرح مغرب

میں کیا تھا۔ (وھب بن منبہ رحمہ اللہ کے قول کا خلاصہ ختم ہو گیا۔)

اس عبارت میں حضرت منبہ کے قول ''کہ ان میں سے بعض ایمان لائے'' مذکورہ سوال کا جواب ہے۔

وَاللّٰهِ يَجْزِيْنَا عَلٰى مَاعَهِدْنَا مِنْ غَايَةِ الْاَفْضَالِ وَنِيَابَةِ النَّوَالِ اَنَّهٗ اَكْرَمُ كَرِيْمٌ وَاَرْحَمُ رَحِيْمٌ .

علامہ جزری رحمہ اللہ کے قول کا مطلب

سوال ......علامہ حافظ، عمدۃ المحدثین والقراء حضرت شمس ابن الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مقدمہ میں جو فرمایا ہے اس کا کیا مطلب ہے؟ وہ فرماتے ہیں کہ: قرآن کریم میں ترقیق مرقق، تفخیم مفخم، ادغام مدغم، اظہار مظہر، اخفاءِ الخفی، قلب مقلوب، مد ممدود اور قصر مقصور وغیرہ لغت عرب کے قواعد کی رعایت کرنی واجب ہے۔ حتیٰ کہ قاری راء کو مکرر اور نون کو غین اور لین کو مشدد اور مشدد کو لین نہ کرے اور اظہار غنہ کو ترک نہ کرے حروف میں بگاڑ پیدا نہ کرے کیونکہ یہ زبان کی لکنت اور ہکلا پن کے قائم مقام ہونے کی حیثیت سے ان کے حسن ورونق اور تروتازگی کو ضائع کر دے گی جس کی وجہ سے اُن میں فساد پیدا ہو جائے گا۔ بلکہ حروف کو ان کے مخارج سے اپنی صفات وکیفیات کے ساتھ ادا کرے کیونکہ صحیح مذہب کے مطابق تلاوت میں حسنِ اداء واجب ہے، لحن خفی کیا گیا ہے۔ کیونکہ اس کا ادراک مشائخ اداء ہی سے کر سکتے ہیں اور یہ لازم ہے اور اس کو ترک کرنے والا ماقبل سے گمراہ، گمراہ کرنے والا ہے اعراب اور بناء کی وہ تحریف جو معنی کی تبدیلی کا باعث بنتی ہے وہ تو دور کی بات ہے کیونکہ یہ دونوں چیزیں لحن جلی سے تعلق رکھتی ہیں اور لحن جلی کرنے والا گنہگار فاسق اور مرتکب حرام ہے اور اپنے اس فعل پر سزا کا مستحق ہے اور قرآن کریم کو اس کی نہج قویم اور راہِ مستقیم سے خارج کرنے والا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قرآن غیر ذی عوج الایۃ پس کسی کو ایسا کرنے میں معذور نہ سمجھا جائے گا۔ اور اس کا عذر قبول نہ کیا جائے گا ہاں اگر کسی پر مذکورہ انداز کے ساتھ تلاوت کرنا متعذر اور مشکل ہے تو پھر اس پر تجوید پڑھنا لازم ہوگا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں اسی تجوید کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ ورتل القرآن ترتیلا. الایۃ

اور ترتیل، تحقیق، تدویر اور حدر وغیرہ سب کو شامل ہے۔ اول یعنی تحقیق جو کہ افضل ہے اس کے ساتھ ترتیل خاص نہیں جیسا کہ اس شخص نے اس کا وہم کیا ہے جس کے ہاں نہ تو کوئی طبع سلیم ہے اور نہ ذوقِ مستقیم ہے۔ قرآن کریم کو اچھی آواز کے ساتھ پڑھنا چاہیے۔ جیسا کہ امام جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

یقرء القرآن بالتحقیق مع   حدر وتدویر و کل متبع

مع حسن صوت بلحون المعرب   مرتلا مجودا بالعرب

و لاعلہ بالتجوید حتم لازم
ومن لم یجود القرآن آثم
لانہ بہ الالہ انزلا
و ھکذا منہ الینا اصلا

ترجمہ: اور جو شخص اُس انداز کے ساتھ پڑھنے کو لازم نہیں کرتا جو کہ عرب کا سلیقہ ہے تو عرب دوسرے سلیقہ کو اس کی اپنی لغت کے بغیر پسند نہیں کرتے۔پس اس طرح پڑھنے والا قاری نہیں ہوگا بلکہ مذاق کرنے والا بن جائے گا۔اور وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں اُن خیانت کرنے والوں میں سے ہوگا جن کی کوشش دنیاوی حیات میں ہی غارت ہو چکی ہے حالانکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں۔اور وہ شخص اس حدیث کے تحت داخل ہوگا۔

(فتح رب البریۃ شرح المقدمۃ الجزریۃ،باب الوقف الخ،فوائد متفرقۃ،ج:1،ص:119،مطبوعہ:دارالکتاب،جدہ،سعودیہ عربیہ)

رُبَّ قَارِئٌ لَعَنَهُ الْقُرْآنَ . بہت سے قاریوں پر قرآن لعنت بھیجتا ہے۔

(فتح رب البریۃ شرح المقدمۃ الجزریۃ،باب الوقف الخ،فوائد متفرقۃ،ج:1،ص:119،مطبوعہ:دارالکتاب،جدہ،سعودیہ عربیہ)

گذارش ہے کہ حکم ایسا ہی ہے جیسا کہ امام جزری رحمہ اللہ نے بیان فرمایا ہے یا کہ جلی اور خفی کے درمیان کوئی اور تفصیل ہے کیونکہ خفی وہ ہوتا ہے جو معنی میں تبدیلی پیدا نہ کرے اور جلی وہ ہوتا ہے جو معنی میں تبدیلی پیدا کرے اور جلی اور خفی آپس میں دو ضدیں ہیں۔بعض وہ علماء جنہوں نے مقدمہ جزریہ پر کلام کیا ہے ان کے کلام سے اخذ کرتے ہوئے بعض لوگوں کے اذہان میں یہی چیز آتی ہے۔اس کو ہمارے لئے واضح طور پر بیان فرمائیں اس میں تسامح کی وجہ سے عموم بلویٰ پایا جاتا ہے۔

جواب......علم وفضل کے اس بحر بے کنار امام کے کلام کی تشریح کرنے والے بعض علماء نے فرمایا ہے کہ امام جزری رحمہ اللہ کے مذکورہ کلام میں وجوب وغیرہ کے جو الفاظ واقع ہیں وہ اصطلاحی فنی وجوب پر محمول ہیں شرعی وجوب پر محمول نہیں۔اور ان میں سے بعض علماء نے علامہ جزری رحمہ اللہ کے کلام کو اس کے ظاہر پر برقرار رکھتے وجوب اپلاحی کے ساتھ اس کی تاویل نہیں کی۔لیکن حق یہ ہے کہ اس میں تفصیل ہے۔اگرچہ ہمارے شیخ خاتمۃ المتاخرین حضرت ابویحییٰ ذکر انصاری رحمہ اللہ بھی ان علماء میں سے ہیں جنہوں نے اطلاق اول کو برقرار رکھا ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کلام تفصیل پر دلالت کرتا ہے جس سے عدول کی گنجائش نہیں۔

ابو محمد جوینی رحمہ اللہ کی شخصیت

اور اس تفصیل کا بیان یہ ہے کہ حضرت امام نووی رحمہ اللہ نے امام محمد جوینی رحمہ اللہ جو شیخ اور امام ہیں جن کی جلالت قدر اور صالحیت وتقویٰ اور امامت پر اجماع ہے اور جن کے متعلق کہا گیا ہے۔اگر اس امت میں اللہ تعالیٰ کا نبی

مبعوث کرنا جائز ہوتا تو وہ ابو محمد جوینی ہوتے۔ ''شرح المھذب'' میں امام نووی رحمہ اللہ حضرت جوینی رحمہ اللہ سے نقل فرماتے ہیں:

کچھ لوگوں نے ترتیل میں مبالغہ کرتے ہوئے ایک کلمہ کو دو بنا دیے ہیں اور اس سے ان کا مقصد حروف کو ظاہر کرنا ہوتا ہے۔ مثلاً نستعین، کے کلمہ میں سین اور تاء کے درمیان لطیف سا وقفہ کرتے ہیں تو اس طرح ایک حرف دوسرے حرف سے اور ایک کلمہ دوسرے کلمہ سے جدا ہو جاتا ہے۔ اور یہ جائز نہیں کیونکہ ایک ہی کلمہ اپنے درمیان قطع، وصل اور وقف کا محتمل نہیں ہوتا۔ ترتیل کی اتنی ہی مقدار جائز ہے کہ حرف اپنے مخرج سے ادا ہو جائے اور پھر اس کے بعد جو حرف متصل ہے اس کی طرف وقفہ کئے بغیر منتقل ہو جائے حروف اور کلمات میں ایک گونہ تاخیر کے ساتھ وصل کہ جس میں فصل بھی نہ ہو اور غیر محل میں وقف بھی نہ ہو تو یہ وصل ترتیل سے ہی تعلق رکھتی ہے۔ اور موقوف علیہ پر جو حرکت واقع ہے اس کو اختلاسی حالت میں اشمام کے ساتھ ادا کرنا تکمیلِ تلاوت میں سے ہے۔ لیکن اس حرکت کو اشباع کی حالت میں اشمام کے ساتھ پڑھنا اتمامِ تلاوت سے تعلق نہیں رکھتا۔ (جوینی رحمہ اللہ کا قول ختم ہو گیا۔)

(المجموع شرح المھذب، کتاب الصلوۃ، مسائل مہمۃ تتعلق بقراءۃ الفاتحۃ، الخ، ج:3 ص:393، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت)

امام نووی رحمہ اللہ نے علامہ جوینی رحمہ اللہ کے مذکورہ قول کو برقرار رکھا ہے۔ اس پر غور کرو گے تو تمہیں معلوم ہوگا کہ یہاں پر تفصیل پائی جاتی ہے اور وہ تفصیل یہ ہے کہ قراء کا جس چیز کے وجوب پر اجماع ہے تلاوت کرنے والے پر فاتحہ وغیرہ کی قرأت میں اس کی رعایت کرنا واجب ہے۔ اور جس میں قراء کا اختلاف ہے اس میں واجب نہیں۔ کیونکہ جس پر اتفاق پایا گیا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے اس کے سوا کسی دوسرے طریقہ کے ساتھ اس کی تلاوت نہیں فرمائی ہے تلاوت اور قرأت کا مدار اتباع پر ہے جہاں رائے کی کسی صورت کوئی گنجائش نہیں پس جس پر اجماع ہے اس کے خلاف اگر کوئی شخص تلاوت کرتا ہے تو وہ کلام الٰہی میں نئی چیز پیدا کرنے والا اور قرآن کریم میں ایسی بدعت ایجاد کرنے والا بن جائے گا جو قرآن میں وارد نہیں ہوئی ہے۔ اور معمولی سی سوجھ بوجھ رکھنے والے کو بھی اس کے شدید حرام ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ برخلاف اس چیز کے کہ جس میں اختلاف واقع ہے کہ وہ اس کی مانند نہیں اسی لئے اس کی تلاوت کرنے والے پر کوئی حرج نہیں۔ مثلاً سورہ برأت کی ابتداء میں بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم کے اثبات اور تجری من تحتھا الانھار میں لفظ مِنْ کے اثبات میں اختلاف واقع ہے اور ان کی دیگر نظائر بھی ہیں ان مقامات میں جو مثبت اور مسقط دونوں پر کوئی حرج نہیں کیونکہ اثبات اور نفی دونوں میں سے ہر ایک وارد ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی ممنوع نہیں اسی طرح ہیں وہ مقامات جن میں وجوہ ادا کا اختلاف واقع ہے۔ کیونکہ نفی کرنے والا کہتا ہے یہ لغوی امر ہے اس کے متعلق آپ ﷺ کی طرف کوئی حتمی اتباع وارد نہیں جو اس نفی کی مخالف ہو۔ اس لئے اس نے اس کا اثبات نہیں کیا۔ اس صورت حال کے پیش نظر اس وجہِ ادا کی رعایت کو شرعاً

واجب کرنے والا کوئی مقتضی نہیں پایا جاتا۔

میں نے جس تفصیل کا ذکر کیا تھا مذکورہ عبارت سے اس کی خوب توضیح وتشریح اور دونوں شقوں میں سے ہر ایک کی علت بھی واضح ہوگئی ہے۔اس کو مضبوطی سے تھام لوتا کہ اس کے فوائد وثمرات تمہاری طرف لوٹ آئیں گے۔

شارح المھذ قول بھی اس کی تائید کرتا ہے۔وہ فرماتے ہیں: جوشخص بعض حروف کو ان کے غیر مخرج سے ادا کرے اگر اس کے لئے ان کا صحیح مخرج سے ادا کرنے کا طریقہ سیکھنا ممکن تھا تو اس کی نماز باطل ہوگئی ہے اور اگر سیکھنا ممکن نہ تھا تو پھر نماز باطل نہیں ہوئی۔انتہی

اوران لوگوں کا قول بھی اس کی تائید کرتا ہے جنہوں نے بطلانِ نماز کو حرمتِ قرأت کالازم قرار دیا ہے یعنی جب قرأت درست نہ ہوگی تو نماز باطل ہوجائے گی۔لہٰذا تبدیل مخرج کی وجہ سے جس طرح قرأت حرام ہوتی ہے اسی طرح وہ وجوہِ اداء جن میں اجماع ہے ان کی تبدیلی کی وجہ سے بھی قرأت حرام ہوگی۔قراء اوعلماء کا اجماع بھی اس کی تائید کرتا ہے۔جیسا کہ امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے۔اس میں ان لوگوں کا اختلاف ہے جن کو قرأت شاذہ کی تلاوت کی حرمت سے وہم ہوا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ قرأت شاذہ میں نہ معنی کی تبدیلی ہے اور نہ نماز میں اور نہ بیرون نماز کوئی زیادتی یا کمی پائی جاتی ہے لیکن اس کے باوجود ان کی تلاوت حرام ہے۔درحقیقت ان کی تلاوت حرام ہونے میں اس چیز کالحاظ ہے کہ یہ قرأتِ متواترہ نہیں کیونکہ قرأت سنت متبعہ ہے جس کی مخالفت جائز نہیں اور وہ وجوہِ اداء جن پر اجماع ہے ان کے ترک میں مذکورہ ساری چیزیں مکمل طور پر پائی جاتی ہیں لہٰذا ان کے ترک سے قرأت حرام ہوگی۔

اور تکبیر تحریمہ پر تبصرہ کرتے ہوئے شرح المہذب میں جو قول منقول ہے۔وہ بھی ہمارے مذکورہ قول کی تائید کرتا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں: تکبیر تحریمہ میں لام اور ھاء کے درمیان اس حد تک مد جائز ہے کہ جو حدِ اعتدال سے نکال کر افراط تک نہ لے جائے۔

''شرح المہذب'' کی مذکورہ عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ تکبیر تحریمہ کے مذکورہ مقام میں افراطِ مدّ حرام ہے۔ جب افراطِ مدّ اس مقام میں حرام ہے تو قرآن کریم میں بدرجہ اولیٰ حرام ہوگی کیونکہ قراء میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں۔اسی لئے میں نے شرح العباب وغیرہ میں اس مقام (تکبیر تحریمہ) میں افراطِ مدّ کا ضابطہ بیان کیا ہے۔اور وہ ضابطہ یہ ہے کہ مدّ کو اس حد تک طوالت دی جائے کہ جس کو قراء میں سے کوئی بھی جائز نہ سمجھتا ہو یہ افراطِ مدّ ہے۔

میرے مذکورہ بیان سے الخادم اور التوسط وغیرہ میں بعض متاخرین سے جو نقل کیا گیا ہے اُس کا ضعف بھی معلوم ہوگیا ہے کہ ان متاخرین کے قول سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حروف کو مخارج ظاہرہ سے ادا کرنا واجب ہے۔ وجوب کا تعلق مخارج ظاہرہ سے ہے نہ کہ اخفاء، اقلاب، ہمس، استرخاء اور استعلاء وغیرہ سے (انتہی) اس قول

کے ضعیف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم اور اس کی وجوہ اداء میں دارومدار اجماع پر ہے اور یہی سنۃ متبعہ ہے اور جہاں کہیں اخفاء وغیرہ کے بارے میں سنت وارد نہیں اور ان کے اہمال کا ذکر کیا گیا ہے تو اہمال کے ساتھ ادائیگی متعین ہوگی اور اس کا ترک جائز نہ ہوگا خواہ اس کا تعلق امور ظاہرہ سے ہو یا امور خفیہ سے اس سے علامہ زرکشی اور علامہ اوزعی نے جو کچھ بیان کیا ہے اس کا قائل اعتماد ہونا ثابت ہوتا ہے۔امام جوینی رحمہ اللہ نے جس کی تعبیر ان الفاظ کے ساتھ فرمائی ہے کہ اگر یہ کہا جائے کہ تصحیح ادا اور تصحیح مخارج کے بغیر قرآن جائز نہیں تو یہ کہنا بعید نہیں (انتہیٰ) لیکن ان کا یہ کہنا کہ اس میں لوگ حرج اور مشکل میں پڑ جاتے ہیں۔ان کا یہ قول ہم تسلیم نہیں کرتے کیونکہ جو چیز اجماعی ہے اس میں کون سا حرج ہے کیونکہ جو چیز مجموع علیہ ہوتی ہے اس کا سیکھنا واجب ہے۔جیسا کہ سابقاً ہم نے بیان کیا ہے اور اگر یہ فرض بھی کیا جائے کہ اس میں حرج پایا جاتا ہے تو تب بھی اس کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ جو امور اجماعی ہوتے ہیں ان میں حرج وغیرہ کی رعایت نہیں کی جاتی ہے۔

اعتراض

آپ کا مذکورہ قول امام جوینی رحمہ اللہ کے اس قول کے منافی ہے جس میں انہوں نے فرمایا ہے کہ تشدید میں مبالغہ کرنا ضرر رساں نہیں ہے۔

جواب......

ہمارے مذکورہ قول اور امام جوینی رحمہ اللہ کے قول کے درمیان کوئی منافات نہیں کیونکہ ضرر رساں نہ ہونے سے ان کی مراد یا تو یہ ہے کہ اس کی وجہ سے نماز بالکل نہیں ہوگی کیونکہ ایسا کرنا ادائیگی میں بُرا ہے لیکن نماز صحیح ہوگی۔ یا ضرر رساں نہ ہونے سے ان کی مراد یہ ہے کہ وہ حرام نہیں کیونکہ اس سے مقصود متفق علیہ کی حفاظت کرنا ہے نہ کہ وارد پر اضافہ کرنا ہے اور یہ اللہ اکبر کی راء کے تکرار کی طرح ہے (جس کا آئندہ ذکر آنے والا ہے)

اعتراض

آپ کا یہ قول علامہ ماوردی رحمہ اللہ وغیرہ علماء کے قول کے منافی ہے وہ فرماتے ہیں: اگر مخفف کو مشدد پڑھے تو جائز ہے اگرچہ اس نے بُرا کیا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ مخفف کو مشدد پڑھنا مجموع علیہ کے مخالف ہے اور ان علماء کرام نے اس کے جائز ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔

جواب......شرح العباب میں میں نے اس کا جواب دیتے ہوئے کہا ہے کہ وہ لحن جو معنی میں تبدیلی پیدا نہیں کرتا اس کی بحث کے دوران واضح طور پر یہ بیان آئے گا کہ مخفف کو قصداً مشدد پڑھنا حرام ہے۔لہٰذا مذکورہ علماء کے قول

میں جواز کو صحت پر محمول کیا جائے گا۔حل پر محمول نہیں کیا جائے گا۔اور یہ قول تشدید میں مبالغہ کرنے کے بھی منافی نہیں کیونکہ تشدید میں مبالغہ وصف کی زیادتی ہے اور یہاں پر جس کا تذکرہ ہے وہ حرف کی زیادتی ہے اور اس سے علامہ قمولی نے جو نظیر بیان کی ہے اس کا دفاع بھی ہو گیا ہے۔انتہیٰ

اعتراض

علماء کے ایک گروہ نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر کوئی شخص عرب کے طریقہ پر کسی حرف کا دو حرفوں کے درمیان درمیان نطق کرے تو اس کے لئے کفایت کر جائے گا لیکن یہ مکروہ ہے علامہ ابن الرفعہ نے بھی ان علماء کی اتباع کی ہے۔

ان علماء کا مذکورہ قول آپ کے سابقہ قول کے منافی ہے کیونکہ یہ نطق مجموع علیہ کے مخالف ہے اور ان علماء نے اس کی کراہت کی تصریح فرمائی ہے اور کراہت کے اطلاق سے جواز متبادر ہوتا ہے۔

جواب......

اس کا جواب دیتے ہوئے میں نے کہا ہے کہ لیکن اس کے مجموع علیہ ہونا محل نظر ہے۔محبّ طبری اس کے مجموع علیہ ہونے کو اختیار کرتے ہوئے نماز کے باطل ہونے کی طرف مائل ہوئے ہیں۔علامہ ازرعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہی چیز ظاہر اور منقول ہے۔ابن العماد فرماتے ہیں: علامہ طبری رحمہ اللہ کے علاوہ دوسرے کسی نے بھی یہ وجہ بیان نہیں کی کیونکہ ایک حرف کو اس طرح دو حرفوں کے درمیان درمیان ادا کرنا لغتِ عرب کے کسی حرف کو ساقط کرنا ہے اور جس کا اس طرح نطق کیا جا رہا ہے وہ اُن اٹھائیس حروف میں شامل نہیں جن سے کلامِ عرب مرکب ہوتا ہے۔ اور فاتحہ کے کسی حرف کو ساقط کرنے سے نماز کا بطلان لازم آتا ہے۔(انتہیٰ)

مذکورہ تشریح سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں کراہیت کا قول ضعیف ہے اگر اس قول سے مراد یہ ہے کہ قرأت کرنے والا حرف کو اس کے حقیقی مخرج سے ادا کرنے کی قدرت کے باوجود اس طرح پڑھتا ہے تو مکروہ ہے۔تو تب یہ قول درست نہیں کیونکہ شرح المہذب وغیرہ سے یہ گزر چکا ہے کہ حرف کو اس کے غیر مخرج سے قصداً ادا کرنا حرام ہے۔

اعتراض

آپ کا یہ قول ہمارے بعض اصحاب کے اس قول کے منافی ہے جس میں انہوں نے فرمایا ہے کہ وہ لحن جو معنی کو تبدیل نہیں کرتا اس کو قصداً اختیار کرنا مکروہ ہے۔

جواب

ان علماء کرام کا قول بھی ضعیف ہے صحیح وہی ہے جو شرح المہذب وغیرہ میں ہے کہ قصداً لحن کرنا حرام ہے اس سے قبل میں نے جو تفصیل بیان کی ہے صاحب شرح المہذب وغیرہ کے اس قول سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ان دونوں مسئلوں میں علت جامعہ یہ ہے کہ دونوں میں قرأت کرنے والے نے غیر قرآن کا نطق کیا ہے۔پس جس طرح حرف کو قصداً غیر مخرج سے ادا کرنا حرام ہے اسی طرح قصداً لحن کرنا بھی حرام ہے۔اس پر یہ اعتراض نہیں ہوسکتا ہے کہ قصداً لحن اختیار کرنا حرف کو قصداً غیر مخرج سے ادا کرنے سے زیادہ قبیح ہے۔لہٰذا زیادہ قبیح کو قبیح پر قیاس کرنا درست نہیں۔اس کا جواب یہ ہے کہ بالفرض اگر ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ یہ زیادہ قبیح ہے تو تب بھی یہ قیاس کے منافی نہیں کیونکہ ادنیٰ جو کہ حجت ہے اس کے قیاس میں اصل علت کا پایا جانا کافی ہے۔اور وہ علت اس میں پائی گئی ہے۔

اعتراض

آپ کا یہ قول آپ کے اپنے اس قول کے منافی ہے جو شرح العباب میں مذکور ہے۔جس کا خلاصہ یہ ہے: ابن رزین کی طرح الجواہر میں بھی اسی بات پر جزم کیا گیا ہے کہ تکبیر تحریمہ میں لفظ اکبر کی راء پر شد نماز کو باطل کرنے والی ہے۔ابن العماد وغیرہ علماء نے اس قول کو اس بناء پر رد کیا ہے کہ لغت اس کے خلاف تقاضا کرتی ہے کہ کیونکہ راء حرف تکریر ہے اس لئے اس کی زیادتی معنی میں تبدیلی پیدا نہیں کرتی ابن العماد وغیرہ علماء کی یہ رائے قابلِ اعتماد ہے۔انتہیٰ

پس آپ کا اس رائے کو قابلِ اعتماد قرار دینا ابن الجزری کے اس قول کے منافی ہے جو سوال میں ذکر کیا گیا ہے کہ تکبیر تحریمہ میں راء کا تکرار حرام ہے۔

جواب

ابن الجزری رحمہ اللہ کا مذکورہ قول میرے سابقہ کلام کے منافی نہیں کیونکہ یہاں پر ائمہ کے درمیان گفتگو ہو رہی ہے۔حرمت اور عدم حرمت کے درمیان گفتگو نہیں ہو رہی کیونکہ تکبیر تحریمہ قرآن نہیں۔ائمہ کے درمیان اختلاف اس میں ہے کہ راء کا تکرار معنی میں تبدیلی پیدا کرتا ہے یا کہ نہیں۔قابلِ اعتماد یہ ہے کہ اس سے معنی میں تبدیلی پیدا نہیں ہوتی ہے۔اس کے باوجود ہم قرآن کریم میں اس طرح کے لفظ میں تکرار کی حرمت کے قائل ہیں اور جن وجوہ اداء پر قراء کا اجماع اُن کی مخالفت کی حرمت میں ہم معنی کی تبدیلی اور عدم تبدیلی کا اعتبار نہیں کرتے، بلکہ جس وجہِ ادا پر اجماع ہے اس کی مخالفت حرام ہے خواہ وہاں معنی کی تبدیلی ہو یا نہ ہو۔اس میں ہم اُس کے حضور ﷺ سے یقیناً

وارد قرأت کے مخالف ہونے کا اعتبار کرتے ہیں اور قرأت سنت متبعہ ہے۔

اعتراض

جس اجماع کا آپ نے تذکرہ کیا ہے اس سے کیا مراد ہے؟ کیا وہ صرف قراء سبعہ کا اجماع ہے یا اُن کے ساتھ دس قراء میں سے باقی چار بھی شامل ہیں یا ان کے ساتھ چودا (۱۴) قراء میں سے باقی سات قراء بھی شامل ہیں۔

جواب

یہ اس بات پر مبنی ہے کہ قرأت شاذہ کہ جس کا پڑھنا حرام ہے اس سے مراد کیا ہے؟ شیخین کے نزدیک اس سے مراد قرأت سبعہ کے علاوہ باقی ساری قرأتیں ہیں۔ شیخین کے اس مذہب کے مطابق اجماع سے مراد قراءِ سبعہ کا اجماع ہے۔ پس جو شخص دن کے اجماع کے مخالف کسی اور طریقہ کے ساتھ قرأت کرتا ہے تو اس کا ایسا کرنا حرام ہوگا ورنہ نہیں۔

جس عالم دین پر جو فن غالب ہوتا ہے وہ اسی فن کی طرف رجوع کرتا ہے

اعتراض......ابن الجزری رحمہ اللہ نے مقدمہ میں فرمایا کہ قرآن کریم کی تلاوت میں لغتِ عرب اور فن تجوید کے قواعد رعایت واجب ہے۔ شیخ الاسلام والقراء حضرت زین انصاری رحمہ اللہ نے اس کو وجوب اصطلاحی صنائی پر محمول کیا ہے۔ حالانکہ امام جزری رحمہ اللہ نے دوسرے مقام میں اس کے وجوب شرعی ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔ اس تصریح کے باوجود زین انصاری جیسی شخصیت کا اس کو وجوب اصطلاحی پر محمول کرنا کیسے زیب دیتا ہے۔ بلکہ وارد ہے کہ اس کا ترک فاسق بنانے والا ہے۔ نیز سابقہ سوال میں ابن الجزری رحمہ اللہ کی جو عبارت منقول ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کے شرعاً واجب ہونے میں خفی اور ظاہر کے درمیان کوئی فرق نہیں خواہ اس کے ظاہر یا خفی ہونے میں قراء کا اجماع ہے یا ان کے درمیان اختلاف اس عبارت کے باوجود آپ نے سابقہ جو تفصیل بیان کی ہے وہ کیسے مناسب ہو سکتی ہے؟

جواب......ابن الجزری رحمہ اللہ اگرچہ ایک عظیم امام اور کئی فنون پر دسترس رکھنے والی شخصیت ہیں لیکن اس کے باوجود ان پر فنِ قرأت غالب تھا۔ اور فطری طور پر جس پر کوئی فن غالب ہوتا ہے تو وہ اسی فن کی طرف رجوع کرتا ہے دوسرے فنون کی طرف اس کی توجہ نہیں جاتی۔ امام جزری رحمہ اللہ نے اگرچہ وجوبِ شرعی ہونے اور اس کا ترک مفسق (فاسق بنانے والا) ہونے کی تصریح فرمائی ہے لیکن اس کے باوجود اس مسئلہ میں ان کی طرف رجوع نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس مسئلے کا تعلق فقہاء کرام کی مباحث سے ہے اور ابن الجزری رحمہ اللہ کو علم فقہ میں وہ شہرت حاصل نہیں جو انہیں فنِ قرأت میں حاصل ہے۔ پس اس لئے ان کا یہ قول ان پر

غالب اس فن کے قواعد وضوابط کی رعایت کے لحاظ سے صادر ہوا ہے۔اور انکا یہ قول ان مختار اقوال کی طرح ہے جن پر مذہب میں عمل نہیں کیا جاتا۔پس اس لئے اہل مذہب کا کلام جس چیز پر دلالت کرتا ہے اس کی طرف رجوع کرنا واجب ہوگیا ہے۔اور وہ عدم وجوبِ شرعی کا اطلاق ہے۔جیسا کہ فقہاء کرام کا کلام دلالت کرتا ہے جسے ہم نے سابقہ کئی مقامات میں نقل کیا ہے۔اگرچہ ہم نے اس کا جواب بھی دیا ہے۔شیخ ابو یحییٰ ذکریا انصاری رحمہ اللہ وغیرہ علماء کرام نے اس پر وجوبِ صناعی کا اطلاق کیا ہے۔شاید ان کی دلیل بھی یہی فقہاء کرام کا کلام ہے۔اور میں نے گزشتہ سطور میں جو تفصیل بیان کی ہے میں نے اِس کا استنباط فقہاء کرام کے اس کلام سے کیا ہے جو اس بارے ظاہر ہے یا صریح ہے۔جیسا کہ سابقًا بڑے واضح اور مبسوط انداز میں اس کا تذکرہ ہو چکا ہے۔اور علامہ ابن جزری رحمہ اللہ نے اس پر وجوبِ شرعی کا اطلاق کیا ہے لیکن فقہاء کرام کے کلام میں ہمیں کوئی ایسی چیز نہیں ملی جو اس کے واجب شرعی ہونے پر دلالت کرتی ہو۔اسی لئے ہمارے شیخ ابو یحییٰ زکریا انصاری رحمہ اللہ کا ابن الجزری رحمہ اللہ سے مطلقًا اختلاف کرنا مناسب تھا۔جیسا کہ اس میں غور وفکر سے معلوم ہوتا ہے۔

اعتراض......واجب کی مخالفت کو فسق قرار دینا ابن الجزری کے لئے کیسے مناسب تھا حالانکہ یہ اطلاق فقہاء کرام اور اہل اصول کی اصطلاح سے تعلق ہی نہیں رکھتا کیونکہ فسق گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے متحقق ہوتا ہے۔واجب کی مطلق مخالفت سے متحقق نہیں ہوتا کیونکہ واجب کی مخالفت سے متحقق نہیں ہوتا کیونکہ واجب کی مخالفت دو قسم پر منقسم ہے۔ایک قسم گناہ صغیرہ اور دوسری قسم گناہ کبیرہ ہے۔

جواب......ابن الجزری رحمہ اللہ کا اس سے مقصود یا تو صرف تغلیظ ہے کہ لوگ تجوید وقرأت میں زیادہ تساہل سے کام لیتے ہیں ابن الجزری رحمہ اللہ لوگوں کو تجوید کی اہمیت بتانا اور اس کی طرف راغب کرنا چاہتے ہیں یا اس سے ان کا مقصد حقیقتًا وجوبِ شرعی ہے۔ان کے خیال میں تجوید کا ترک گناہ کبیرہ ہے۔اسی سے انہوں نے اس کے واجب شرعی ہونے کو اخذ کیا ہے۔اگرچہ ان کی یہ رائے قابل تسلیم نہیں۔

سابقہ سوال میں ابن الجزری رحمہ اللہ کا جو کلام مذکور ہے اس کے آخر میں ہم نے جو چیز بیان کی اس کی طرف ابن الجزری رحمہ اللہ نے خود بھی اشارہ کیا ہے۔اس کے بعد میں نے دیکھا کہ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے خود ابن الجزری رحمہ اللہ سے ایسی چیز نقل کی ہے جو کچھ ہمارے شیخ ابو یحییٰ ذکریا انصاری رحمہ اللہ نے بیان کی ہے اس کی تائید کرتی ہے۔چنانچہ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ "الاتقان" میں فرماتے ہیں:

"قراء کا یہ کہنا کہ مضاف پر مضاف الیہ کے بغیر وقف کرنا جائز نہیں۔حالانکہ حقیقت میں ایسا نہیں ابن الجزری علیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سے ان لوگوں کی مراد جوازِ ادائیگی ہے اور جواز

ادائیگی وہ چیز ہوتی ہے جو قرأت میں حسن اور تلاوت میں خوبصورتی پیدا کرتی ہے۔ کہ اس سے ان کی مراد اس کا حرام ہونا اور مکروہ ہونا نہیں ہاں البتہ ایسا کرنے والے کا مقصد تحریف قرآن اور اللہ تعالیٰ کی مراد کا خلاف ہے تو وہ کافر ہو جائے گا اس کے گنہگار ہونے کی تو بات ہی نہیں۔

(الاتقان فی علوم القرآن، النوع الثامن والعشرون، فی معرفۃ الوقف، ج:1 ص:284 مطبوعہ: الہیئۃ المصریۃ، مصر)

اعتراض

سابقہ سوال میں ابن الجزری علیہ رحمہ اللہ سے جو چیز منقول ہے اس کے باوجود ابن الجزری رحمہ اللہ کے جواز کو جواز صناعی پر محمول کرنا اور اسی پر اس کو منحصر کرنا کیسے مناسب ہے؟

جواب......

ابن الجزری رحمہ اللہ کے نزدیک وقف اور وجوہ اداء میں فرق ہے وقف کے متعلق نبی اکرم ﷺ کی طرف سے کوئی ضابطہ وارد نہیں اور نہ ہی اس کے بارے میں کوئی توقیفی چیز آپ سے منقول ہے اسی لئے وقف کے معاملہ میں ایسی چیز کو مدار قرار دیا گیا ہے۔ جو معنی میں خلل پیدا نہ کرے۔ اور وجوہ اداء نبی کریم ﷺ سے منقول ہے بلکہ اصولیوں نے ان میں جو کلام کیا ہے اس کے پیش نظر وجوہ اداء حضور ﷺ سے تواتر کے ساتھ منقول ہیں پس اسی لئے ابن الجزری نے وجوہِ اداء میں وجوب کو شرعی قرار دیا ہے۔ اور ان کے دونوں کلاموں میں کوئی تناقض نہیں۔

سوال......شرح المہذب کے حوالہ سے یہ گزر چکا ہے کہ نستعین کی سین اور تاء کے درمیان وقف حرام ہے اور اس حرمت سے حرمت شرعیہ ہے اور اس مقام پر ابن الجزری نے وقف سے متعلق قراء کے کلام تو امر شرعی کی بجائے امر صناعی پر محمول کیا ہے۔ ایسا کرنا ان کے لئے کیسے مناسب ہے؟

جواب......ابن الجزری رحمہ اللہ اور ''شرح المہذب'' کا کلام دو مختلف قسم کے وقفوں میں ہے۔ ''شرح المہذب'' میں ایک ہی کلمہ کے ایک جزء پر وقف کرنے کے بارے میں ہے اور ابن الجزری کی گفتگو ایسے مکمل کلمہ پر وقف کرنے سے متعلق جس کا معنی مابعد کے بغیر تام نہیں ہوتا ہے۔ نیز ان دونوں کلاموں کے درمیان یہ فرق بھی ممکن ہے کہ شرح المہذب کا کلام اس وقف کے بارے میں ہے جس سے معنی میں یا نظم معروف میں تبدیلی پیدا ہوتی ہے برخلاف ابن الجزری رحمہ اللہ کے کلام کہ اس کا تعلق اس وقف کے ساتھ جس سے معنی یا نظم معروف میں کسی طرح کی تبدیلی پیدا نہیں ہوتی ہے۔ تو اس پر غور کیجئے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب

سوال......حضرت عز بن عبدالسلام نے اپنے امالی میں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے متعلق سوال کیا ہے کہ اس میں کیا

نکتہ ہے؟

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ ۔ (سورۃ البقرۃ، آیت: 11)

ترجمہ: جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ کرو۔

تو اُن سے کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد (فِى الْاَرْضِ) میں کون سا نکتہ ہے انہوں نے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی مثل نہیں (وَمَا لَهُمْ فِى الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ) کیونکہ اس آیت کا مطلب ہے کہ تمام روئے زمین میں انکا کوئی کارساز ومددگار نہیں اگر تمام روئے زمین مراد نہ ہوتو پھر یہ احتمال ہے کہ یہ زمین کے بعض حصے کے ساتھ جو خاص ہو اس لئے دوسری آیت میں "الارض" کوذکر کیا گیا ہے تا کہ یہ احتمال پیدا نہ ہو لیکن پہلی آیت میں اس احتمال میں کوئی حرج نہیں پھر وہاں پر الارض کے ذکر میں کیا حکمت ہے؟ اوراس کا کیا جواب ہے؟

جواب ...... حضرت عزبن عبدالسلام کا قائم کردہ سوال اس صورت میں پیدا ہوتا ہے جب دونوں آیتوں کے درمیان ان کا بیان کردہ فرق صحیح ہو لیکن ظاہر یہ ہے کہ ان کا بیان کردہ فرق صحیح نہیں ۔کیونکہ دونوں آیتوں میں "الارض" کا لفظ ایسی چیز کی چیز میں واقع ہے جو عموم کا فائدہ دیتی ہے ۔اوروہ چیز پہلی آیت میں نہی اوردوسری آیت میں نفی ہے اس صورت میں پہلی آیت کا مفاد ضاد کی تمام انواع سے نہی ہے اوردوسری آیت کا مفاد کفار کے لئے ولی ونصیر کے وجود کا اپنی ساری انواع سمیت انتفاء ہے ۔یعنی کفار کے لئے کسی قسم کا کوئی کارساز ومددگار موجود نہیں پس زمین کے ذکر میں دونوں آیتیں برابر ہیں کہ دونوں میں "فـی الارض" کے ذکر سے مقصود اللہ تعالیٰ کی حکمت دریافت کرنا ہے کیونکہ اگر اس لفظ کوحذف کیا جاتا تو اسکے بغیر بھی کلام صحیح ہوتا۔

اورعزبن عبدالسلام کا یہ کہنا کہ دوسری آیت میں اگر "فِـى الْاَرْضِ" کا لفظ نہ ہوتا تواس میں زمین کے بعض حصے کے ساتھ مخصوص ہونے کا احتمال تھا۔عزبن عبدالسلام نے جس احتمال کا ذکر کیا ہے وہ یہاں پیدا نہیں ہوتا کیونکہ تمہیں معلوم ہو چکا ہے کہ آیت کریمہ میں نفی نے عموم کا افادہ کیا ہے کہ کفار کے لئے سرے سے کوئی کارساز ومددگار نہیں پایا جاتا۔بالخصوص جب ہم یہ کہیں کہ اشخاص کا عموم ازمنہ اور ...... کے عموم کو مستلزم ہے ۔تواس احتمال کے پیدا ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اگرعزبن عبدالسلام کی طرف سے یہ کہا جائے کہ ہمارے نزدیک عموم اپنی تمام اقسام کے ساتھ ظنی ہے قطعی نہیں لہٰذا مذکورہ احتمال کی نفی نہیں کرے گا۔تو اسکا ہماری طرف سے یہ جواب ہے کہ یہ عموم جس طرح دوسری آیت میں پایا جاتا ہے اسی طرح پہلی آیت لَا تُـفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ میں بھی پایا جاتا ہے ۔لہٰذا جس طرح دوسری آیت میں

"لِسَی الْاَرْضِ" کے ذکر سے اس احتمال کو تسلیم نہیں کیا جاتا ہے اسی طرح اس آیت میں بھی اس احتمال کی نظیر کو تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ اگر "الارض" کے لفظ کو حذف کیا جاتا تو یہ احتمال پیدا ہوتا کہ شاید فساد سے نہی زمین کے بعض حصہ کے ساتھ خاص ہے اور وہ خاص حصہ مدینہ منورہ کا ہے جو مخاطبین یعنی منافقین کا محل ہے۔اس لئے الارض کے لفظ کو ذکر کرنے کی ضرورت پڑگئی تا کہ اس بات کی وضاحت ہوجائے کہ نہی سے زمین کی انواع میں سے کسی بھی نوع میں فساد کی انواع میں سے کسی بھی نوع کے وقوع سے نہی مقصود ہے۔

خلاصہ کام یہ ہے کہ مذکورہ دونوں آیتوں میں الارض کا ذکر فائدے سے خالی نہیں۔سابقہ تشریح سے دوسری آیت میں ارض کے ذکر کا فائدہ واضح ہو چکا ہے۔اور پہلی آیت میں اس کے ذکر کا فائدہ یہ ہے اگر اس کو حذف کر دیا جاتا تو یہ وہم پیدا ہوسکتا تھا کہ فساد نہ پھیلانے کی نہی کا تعلق شاید منافقین کے محل کے ساتھ خاص ہے اور وہ محل مدینہ منورہ کی سرزمین ہے۔ارض کے ذکر سے یہ فائدہ ہوا کہ روئے زمین کی جزئیات میں سے کسی بھی جزئی میں فساد پھیلانے کی نہی ہے کیونکہ ارض کا لفظ مفرد ہے اور اس پر اَلْ داخل ہے۔اور اصولیوں کے نزدیک اَلْ عموم کے لئے ہوتا ہے اور جمہور اہل معانی کے نزدیک ال میں اصل یہ ہے وہ جنس یا ستغراق کے لئے ہوتا ہے عہد کے لئے نہیں ہوتا اور بعض محققین سے منقول ہے کہ اَلْ میں اصل یہ ہے وہ عہد کے لئے ہوتا ہے۔اس کے مطابق اس قول کی تائید ہوتی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ آیت کریمہ میں ارض سے مراد مدینہ منورہ ہے۔اس قول کے مطابق ارض کے ذکر کا فائدہ ظاہر ہے اور وہ فائدہ اس سرزمین کا ذکر کرنا ہے جس میں منافقین کی طرف سے بالفعل فساد واقع ہورہا ہے۔تا کہ اس کا ذکر ان کو فساد پھیلانے سے باز آنے کی زیادہ ترغیب بن جائے کیونکہ انسان کا اپنے شہر اور اپنے محلِ اقامت میں فساد پھیلانے دوسری جگہ فساد پھیلانے سے زیادہ قبیح ہوتا ہے، گویا ان سے یوں فرمایا گیا ہے کہ بالفرض اگر تم فساد پھیلانے سے باز نہیں آتے ہوتو پھر کم از کم اپنی سرزمین اور اپنے محلِ اقامت میں تو ایسا نہ کرو۔جیسا کہ رہزن اور ڈاکوؤں سے کیا جاتا ہے۔اگر تم نے یہ کام کرنا ہی ہے تو پھر کم از کم اپنے شہر اور اپنے جاننے والوں کے ساتھ تو ایسا سلوک نہ کرو۔

ہماری اس مذکورہ تشریح سے ذکرِ ارض کا نکتہ ظاہر ہوا کہ خواہ اَلْ عموم کے لئے ہو یا عہد کے لئے۔اور اس سے ایک اور نکتے کا استخراج بھی ممکن ہے۔اور وہ نکتہ انسان کو اس کا مبداء اور معاد یاد دلاتا ہے۔اور یہ چیز انسان کو فساد پھیلانے سے روکنے میں زیادہ ممد ومعاون ہے۔گویا کہ اُن منافقین سے فرمایا گیا ہے کہ تم اپنے اوپر غالب...... کہ جس سے تمہاری تخلیق کی گئی ہے اور جس کی طرف تم نے لوٹ کر جانا ہے اس پر فساد نہ پھیلاؤ اور وہ مٹی ہے۔زمین تمہاری اصل ہے جس سے تمہیں پیدا کیا گیا ہے۔اور اسی کی طرف تم نے لوٹنا ہے پس تم اس میں کیسے فساد پھیلاتے ہو؟انسان کے سامنے جب بھی اس کی اصل اور مبداء کی حقارت کی جاتی ہے۔اور اس کے سامنے جب بھی اس کی ہلاکت واضمحلال اور اس کے اس مبداء کی طرف دوبارہ لوٹنے اور اس کے آخر کار مٹی بن جانے کا اور پھر اس کے

دوبارہ اٹھائے جانے اور حساب وکتاب کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان امور کا ذکر انسان کو نصیحت اور عظمت قبول کرنے اور جن چیزوں سے اس کو منع کیا جارہا ہے ان سے باز آنے اور جن چیزوں کا اس کو حکم دیا جارہا ہے اُن پر عمل کرنے پر آمادہ کرنے کا باعث ہوتا ہے۔اور اس آیت کریمہ کا راز بھی یہی ہے:

وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ. (سورۃ الاسراء، آیت:27، پ:15)

ترجمہ: اور زمین میں اتراتا نہ چل بے شک ہرگز زمین نہ چیر ڈالے گا۔

اگر حضرت عز بن عبدالسلام اس آیت کریمہ کے نکتہ کا سوال کرتے تو زیادہ بہتر تھا۔کیونکہ اس آیت کریمہ میں ارض کے ذکر کی قلت، سابقہ آیت میں ارض کے ذکر میں پائی جانے والی قلت سے کئی درجہ زیادہ دقیق ہے۔جیسا کہ مخفی نہیں۔اس آیت کریمہ میں ذکر ارض کی یہ حکمت بیان کرنا درست نہیں کہ ذکر ارض سے ہوا یا پانی پر چلنے سے احتراز کیا گیا ہے۔کیونکہ ہوا اور پانی پر چلنا خارقِ عادت ہے۔اور خارقِ عادت سے احتراز نہیں کیا جاتا ہے۔اور میں نے جو کچھ بیان کیا ہے گویا وہ مذکورہ آیت میں لفظ ارض کے تکرار اور اسم ظاہر کی طرف عدول کی حکمت بھی ہے۔کہ اسم ظاہر کے اعادہ میں زیادہ بیداری......اس لئے اسم ظاہر کو ضمیر پر ترجیح دی گئی ہے۔

یہ آیت کریمہ ایک اور نکتہ پر بھی مشتمل ہے۔اور وہ منافقین کے عاجز ہونے کی طرف اشارہ کرنا اور یہ بتانا مقصود ہے کہ انکے فساد کے اثرات انہیں تک محدود ہیں اس کے اثرات اُن فرشتوں تک نہیں پہنچ سکتے جن کے ہاتھوں سے منافقوں کی ہلاکت ہوگی اور ان کو عذاب دیا جائے گا۔اور اس میں ایک دوسرا نکتہ بھی پایا جاتا ہے اور وہ منافقوں کو غایت درجہ تک خوف دلاتا ہے کہ ان کا زمین میں فساد پھیلانا انکی ہی بیخ کنی اور تباہی کی طرف لے جائے گا۔کیونکہ زمین میں فساد زمین کی ویرانی اور اہل زمین کی بیخ کنی اور استیصال کا سبب ہوتا ہے گویا کہ ان سے فرمایا گیا ہے کہ اپنی طرف سے زمین سے فساد پھیلانے کی وجہ سے اپنی ہلاکت کا سبب نہ بنو۔قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ اس کی وضاحت کررہی ہے:

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيهِمْ. (سورۃ الروم، آیت:41)

ترجمہ: خشکی اور تری میں لوگوں کی بداعمالیوں کے باعث فساد پھیل گیا۔

حضرت مجاہد سے اس آیت کریمہ کے بارے میں سوال کیا گیا کہ اس کا کیا مطلب ہے؟

وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ.

(سورۃ البقرۃ، آیت:205)

ترجمہ: اور جب پیٹھ پھیرے تو زمین میں فساد ڈالتا پھرے اور کھیتی اور جانیں تباہ کرے۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا: کہ ہاں اس کا مطلب زمین میں سے فساد پھیلانا ہے کہ زمین میں ظلم وعدوان

کا عمل کیا جائے گا تو اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ آسمان سے بارش برسانا بند فرمادے گا۔بارش کے رُکنے کی وجہ سے کھیتی اور نسل یعنی تمام حیوانات ہلاک ہوجائیں گے۔

(تفسیر مجاہد، سورۃ الروم، آیت:41، ج:1، ص:539، مطبوعہ: دار الفکر الاسلامی، مصر)

اس کے بعد حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے یہ آیت کریمہ تلاوت کی:

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ . (سورۃ الروم، آیت:41)

حضرت عز بن عبدالسلام نے خاص کر مذکورہ آیت کریمہ کے بارے میں سوال کیا ہے حالانکہ قرآن کریم میں اس کی بکثرت نظائر موجود ہیں مثلاً: لَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ (سورۃ البقرۃ، آیت:60پ:)اور زمین میں فساد اٹھاتے نہ پھرو۔

وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا . (سورۃ الاعراف، آیت:85)

ترجمہ: زمین میں انتظام کے بعد فساد نہ پھیلاؤ۔

گویا کہ اس آیت کریمہ کے بارے میں سوال اس کی تمام نظائر سے بے نیاز کر دیتا ہے۔مذکورہ آیت میں جو نکتے میں نے بیان کئے ہیں وہ اس کی نظائر میں بھی پائے جاتے ہیں۔اس کو سمجھئے کہ یہ اہم ہے اس آیت کریمہ کی تشریح میں مَیں نے جو کچھ بیان کیا ہے میرے علم کے مطابق کسی اور نے ان میں سے کسی چیز کو بیان نہیں کیا۔اس کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ حضرت علامہ بیضاوی رحمہ اللہ نے آخری نکتہ کے کچھ حصے کو بیان کیا ہے۔چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

> منافقین کے زمین پر فساد پھیلانے کی کئی صورتیں تھیں۔مسلمانوں کے ساتھ فریب دھوکہ دہی سے پیش آتے تھے اور مسلمانوں کی مخالفت میں کفار کے ساتھ دوستی رکھتے تھے اور مسلمانوں کے راز کفار تک پہنچاتے تھے جس کی وجہ سے جنگیں بھڑکاتے اور فتنوں کو پروان چڑھاتے تھے۔اس میں کوئی شک نہیں ان کا یہ کردار زمین میں موجود انسانوں، جانوروں اور کھیتیوں اور تمام چیزوں کے فساد کا سبب تھا۔ان کے زمین میں فساد پھیلانے کی ایک صورت یہ تھی کہ وہ اعلانیہ گناہوں کے مرتکب ہوئے تھے اور دین کی اعانت کیا کرتے تھے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ دینی احکام میں خلل انداز ہونا اور ان کی مخالفت کرنا قتل وغارت گری اور نظامِ عالم کو درہم برہم کرنے کا موجب ہوتا ہے۔ (علامہ بیضاوی رحمہ اللہ کی عبارت ختم ہوگئی)

(تفسیر البیضاوی، سورۃ البقرۃ، آیت:13، ج:1، ص:46، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت)

ابوحیان نے بھی مذکورہ نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔اور میں نے جو پہلا نکتہ بیان کیا ہے اس کی طرف بھی اور افادہ

عموم کی طرف بھی اشارہ کیا ہے چنانچہ

وَاِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الْاَرْضِ لِیُفْسِدَ فِیْهَا. (سورۃ البقرۃ، آیت:205)

ترجمہ: اور جب پیٹھ پھیرے تو زمین میں فساد پھیلاتا پھرے۔

کے تحت فرماتے ہیں:

کہ یہ چیز واضح ہے کہ سعی زمین پر ہی ہوتی ہے لیکن اس سے عموم کا افادہ ہوتا ہے کہ منافق جس جگہ بھی جاتا ہے فساد کو ساتھ لے کر جاتا ہے اور ارض کا لفظ یہ بھی بتاتا ہے کہ منافق کثرت کے ساتھ زمین پر چلتا ہے اور زمین کے اطراف میں بکثرت چکر لگاتا رہتا ہے۔ کیونکہ عموم ارض سے سعی کا تکرار لازم آتا ہے۔ وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ. الایۃ کے تحت اس کی مثل نکتہ گزر چکا ہے۔

(تفسیر البیضاوی، سورۃ البقرۃ، آیت:13 ج:1 ص:46، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اس آیت کریمہ سے ایک اور نکتے کا استخراج بھی ممکن ہے اور وہ نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں زمین کی اصلاح ونظام کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور منافقین فساد پھیلا کر زمین کی اُس صلاح کو اٹھانا چاہتے ہیں جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اہل زمین پر احسان فرمایا ہے۔ زمین کے صلاح سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی تخلیق اس طرح فرمائی ہے کہ وہ مخلوق کے منافع کے مطابق ہے یا اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین میں اپنے رسولوں کو مبعوث فرمایا اور کتابوں کو نازل کیا اور شریعتوں کی تشریح فرمائی ہے۔

اس صورت میں نفوس کے قتل اور اعصاب کی قطع و برید کے ذریعہ فساد پھیلانا زمین کے فساد کا سبب ہے۔ یا لوٹ مار اور مختلف حیلوں بہانوں سے اموال کو تباہ وبرباد کرنا فسادِ زمین کا موجب ہے۔ یا کفر و بدعات کے ذریعہ دین کو فاسد کرنا زمین کے فساد کا سبب ہے یا زنا قذف اور خلاف فطرت فعل کے ذریعہ انساب کو فاسد کرنا زمین کے فساد کا سبب ہے یا نشہ آور اشیاء کے استعمال سے عقول کو فاسد کرنا زمین کے فساد کا سبب ہے زمین میں فساد کی نہی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کائنات میں فساد کی ماہیت کو اس کی تمام انواع واصناف سمیت داخل کرنا منع ہے۔

اسی آیت کریمہ سے یہ نکتہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اپنی وہ عظیم نعمت یاد دلائی ہے جس کی طرف اس آیت کریمہ میں اشارہ فرمایا ہے:

هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِیْهَا. (سورۃ الھود، آیت:61)

یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں زمین کے آباد کرنے اور اس میں سکونت اختیار کرنے والے بنایا۔

یا اللہ تعالیٰ نے زمین میں تمہیں طویل عمریں عطا کیں۔ یا اللہ تعالیٰ نے زمین کو اس وقت تک تمہارے فائدے کے لئے بنایا ہے جب تک تم زندہ رہو گے یا اللہ تعالیٰ نے تمہیں زمین میں سکونت عطا فرمائی اور تمہیں اس کی آبادکاری

کے لئے پیدا فرمایا۔ یا اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم اس کو آباد کرو۔ اس آیت کی تقدیر یہ ہوگی۔ اے لوگو! اس چیز میں فساد نہ پھیلاؤ جس میں میں نے تمہیں اس کے آباد کرنے والے بنایا ہے اور میں نے تمہیں اس کی آبادی اور اس کی سکونت کے لئے پیدا کیا ہے اور تمہارے فائدے کے لئے اس میں تمہاری زیست کا سامان بنایا ہے اور تم سے اعمال و اموال اور احوال کی درستگی کے ذریعہ اس کی آبادکاری مطلوب ہے۔

اس آیت کریمہ میں ارض کا ذکر انسانوں کو اصلاح کی ترغیب اور کامیابی کی طرف رہنمائی کرتا ہے لہٰذا ارض کا ذکر اس فائدہ پر مشتمل ہے۔

سوال.....حضرت عز بن عبدالسلام نے اپنے امالی میں سوال کیا ہے کہ وَاِذْ نَجَّیْنٰکُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ (سورۃ البقرہ، آیت:49) وغیرہ آیات میں ان زمانوں کا ذکر کیا گیا ہے جن میں اللہ تعالیٰ نے احسانات فرمائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جن نعمتوں سے نوازا ہے ان نعمتوں کو نفسِ زمانہ قرار دے کر زمانوں کو ذکر کیا ہے اور کسی عرب شاعر کا یہ شعر بھی اسی طرح کا ہے:

اَنَسِیْتَ یَوْمَ عُکَاظٍ اِذْ لاقَیْتَنِیْ
تَحْتَ الْعُجَاجِ وَلَمْ یَشُقَّ غُبَارِیْ

کیا تم عکاظ کے دن کو بھول گئے ہو جب تم نے میرے ساتھ چیخ و پکار کے تحت ملاقات کی تھی اور گرد بھی جدا نہیں کی گئی تھی۔

(تفسیر العز بن عبدالسلام، سورۃ البقرہ، آیت:48، ج:1 ص:124 مطبوعہ: دار ابن حزم، بیروت)

اس شعر میں بھی عکاظ کے دن واقع ہونے والا حادثہ مراد ہے نفس یوم مراد نہیں۔ سوال یہ ہے کہ ان مقامات میں زمانہ کے تذکرہ کا کیا فائدہ ہے۔ اگر زمانے کی بجائے صرف نعمتوں کا ذکر ہوتا تو تب بھی معنی میں استقلال ہوتا۔ اس کا کیا جواب ہے؟

جواب.....اس میں بڑی واضح حکمت ہے۔ اس حکمت کا اجمالی بیان یہ ہے کہ اس طرح کے مقامات میں کلمہ اِذْ محذوف عامل کا معمول ہوتا ہے اور اس کی تقدیر اذکروا وقت کذا ہے۔ اور یہی زیادہ صحیح ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ صرف نعمتوں کو یاد دلانے سے ان نعمتوں کی اضداد پر واضح تنبیہ نہیں ہوئی برخلاف اس کے کہ نعمتوں کو ان اوقات اور زمانوں کے ساتھ یاد دلانے کے کہ جن میں وہ نعمتیں واقع ہوتی ہیں۔

اور اس حکمت کا تفصیلی بیان یہ ہے کہ کسی مصیبت کو جب یاد کیا جائے۔ اور اس کے بعد اس سے نجات ملنے کو یاد کیا جائے اور پھر اس مصیبت کو خالص نعمت کے ساتھ تبدیل کئے جانے کو یاد کیا جائے۔ تو یہ یاد و تذکیر انسان کو اس نعمت پر مزید شکر ادا کرنے اور اپنے مالک کے حضور عاجزی اختیار کرنے اور اپنے اس منعم حقیقی کے کسی امر و نہی کی مخالفت نہ کرنے پر زیادہ آمادہ کرنے والی ہوتی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے

بندوں کو جن نعمتوں سے نوازا ہے ان کے زمانوں کا ذکر فرمایا اور ان کو وہ زمانے یاد دلائے تا کہ وہ اپنے بندوں کو وہ زمانے بھی یاد دلائے جن میں وہ ان نعمتوں کے حصول سے پہلے مصیبتوں اور تکلیفوں میں گرفتار تھے جب وہ ان مصیبتوں کے دنوں کو یاد کریں گے تو اللہ تعالیٰ کی وہ نعمتیں جو اس وقت ان کے پاس ہیں وہ ان کو بے انتہا عظیم لگنے لگ جائیں گے۔ اسی لئے بہت ساری آیات کریمہ میں ہمیں ہمارے سابقہ احوال یاد دلائے گئے ہیں تا کہ ہم اپنے ان سابقہ احوال پر اور اپنے لاحقہ احوال پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہیں۔ آیات میں یہی یاد دلایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری تخلیق مٹی سے فرمائی ہے اور اس کے بعد نطفے سے اور اس کے بعد خون کے لوتھڑے سے اور پھر گوشت کے ٹکڑے سے پھر اس کے بعد ہمیں ہماری ماؤں کے شکم سے پیدا کیا ہم نہ کسی چیز کا علم رکھتے تھے اور نہ کسی چیز پر قادر تھے پس اس نے ہماری دیکھ بھال اور ہماری مصلحتوں کے انجام کے لئے کسی نہ کسی کو مقرر کیا۔ یہاں تک کہ اس نے ہمیں ہدایت اور حفاظت کی نعمت سے نوازا۔ اور ہمیں یاد دلایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے دو آنکھیں زبان اور دو ہونٹ بنائے اور پھر اس نے ہمیں دو راستے بتائے۔ اسی طرح وہ تمام نعمتیں اور احسانات جن کا احصاء و استقصاء نہیں ہوسکتا جیسا کہ قرآن کریم کی آیات میں غور وفکر سے تم پر واضح ہو جائے گا۔

اس تمہید کے بعد ہم کہتے ہیں کہ عز بن عبدالسلام کا یہ کہنا کہ اگر صرف نعمتوں کا ذکر ہوتا تو تب بھی معنی مستقل ہوتا ان کا یہ قول محل نظر ہے۔ کیونکہ وہ مقصودی معنی جس کا ہم تذکرہ کر چکے ہیں اس معنی کا کمال صرف نعمتوں کے ذکر سے حاصل نہ ہوتا بلکہ اس کے کمال کا حصول نعمتوں کے زمانے کے ذکر کے ساتھ ہوتا ہے۔ شاید عز بن عبدالسلام کی مراد معنی سے اصل معنی ہے لیکن یہ مفید نہیں کیونکہ قرآن کریم کے معانی کی جزالت اور اسالیب قرآن کریم کا انوکھا پن بلیغ ترین مراتب اور روشن ترین مطالب کی رعایت کا تقاضا کرتے ہیں۔ اور یہ چیز قرآن کریم کے اعجاز کے ان اسباب میں سے ہے جن کے ادنیٰ مرتبہ تک بھی کسی دوسرے کو رسائی حاصل نہیں۔

عز بن عبدالسلام نے جس شعر کا تذکرہ کیا ہے اس میں بھی شاعر نے اسی چیز کو مدنظر رکھا ہے جس کا ہم تذکرہ کر چکے ہیں۔ اگر شاعر صرف ملاقات کا تذکرہ کرتا تو اس دن کی ہولنا کی پر تنبیہ نہ ہوتی اور نہ ان تمام امور کا استحضار ہوتا جو اس دن واقع ہوئے تھے پس شاعر کے جھڑکنے اور ڈرانے کا مقصد حاصل نہ ہوتا لیکن جب اس نے ملاقات کے ذکر کے ساتھ اس مشہور دن کا تذکرہ بھی کیا جو اسی ہزیمت و بزدلی اور گرد کو اپنے سے الگ نہ کر سکنے وغیرہ میں ضرب المثل بن چکا ہے تو شاعر کے جھڑکنے اور ڈرانے کا مقصد حاصل ہو گیا کہ جس کو اس طرح کے دن کے ساتھ سابقہ پڑ چکا ہے اس کے لئے یہ مناسب ہی نہیں کہ وہ دوبارہ نیزہ بازی کے قریب آئے بلکہ اس کے لئے دوبارہ تیر اٹھانا زیب نہیں دیتا۔

مذکورہ تفصیلات سے واضح ہوا کہ یہ شعر مذکورہ آیت کریمہ کے (سوال) پر ہے۔اوراس میں پائے جانے والا یہ نکتہ پہاڑی کی چوٹی پر جلنے والی آگ سے بھی زیادہ روشن ہے میرے علم کے مطابق اس جواب کی تنبیہ کسی دوسرے نے نہیں کی۔

سوال......قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِىْ. (سورۃ البقرہ، آیت:260)

فرمایا کیا تجھے یقین نہیں عرض کی یقین کیوں نہیں مگر میں چاہتا ہوں کہ میرے دل کو قرار آ جائے۔

اس آیت کریمہ کے بارے میں عز بن عبدالسلام نے امالی میں سوال کیا ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو حضرت ابراہیم کے ایمان کا علم تھا۔اس کے باوجود اس استفہام اوراس کے جواب میں کیا حکمت ہے؟

جواب......اس کا جواب کتب تفسیر میں مذکور ہے جس کا خلاصہ کچھ اضافے کے ساتھ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کرام ورسل عظام علیہم السلام پر جو نوازشات فرمائی ہیں وہ ان کے سوا کسی دوسرے پر نہیں فرمائی ہیں۔ان نوازشات میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ذات مقدسہ کو ہر طرح کے شک کی آلودگی میں آلودہ ہونے یا ہر طرح کی باعث حقارت حرکت کی تہمت سے محفوظ رکھنا ہے۔اور جب انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ یہ اللہ تعالیٰ کی عادت کریمہ ہے تو ہمارے نبی کریم ﷺ کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے زیادہ کامل ہیں۔اسی لئے اس حفاظت کا کامل ترین حصہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حاصل ہے۔پس حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب سے انتہائے ادب وعاجزی کے ساتھ سوال کیا۔کہ اے میرے رب! مجھے احیاء موتی کی کیفیت دکھادے۔اور جب اس کو وہ شخص سنتا ہے جس کو انبیاء کرام علیہم السلام کے احوال کے علم کی حقیقت تک رسائی حاصل نہیں تو اس سوال کی وجہ سے وہ شک میں مبتلا ہو جاتا ہے۔اور جو چیز مراد نہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقام کے لائق نہیں اس کا وہم کرنے لگتا ہے۔بلکہ بسا اوقات یہ اس کو کفر تک پہنچاتی ہے۔پس اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل علیہ السلام کے مرتبہ کو منزہ رکھنا اور دوسروں کو ان کی وجہ سے ہلاک ہونے سے محفوظ رکھنا چاہا تو ان سے سوال کیا حالانکہ اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہم السلام کا ضمیر ایمان کی جس غایت اور ایقان کی جس انتہاء پر مشتمل تھا اس کو خوب جاننے والا ہے۔پس اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کامل نزاہت پر دلالت کرنے والے حرف تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا:

اَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِىْ.

کیا تجھے یقین نہیں عرض کی یقین کیوں نہیں مگر میں چاہتا ہوں میرے دل کو قرار آئے۔

یعنی علم الیقین کے ساتھ عین الیقین کے انضمام کی وجہ میرے دل میں اطمینان پیدا ہو جائے گا۔اسی سے واضح ہوا

کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایمان کامل ترین ایمان تھا جس کے ساتھ ادنیٰ شک وہم بھی مخلوط نہ تھا۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سوال کی غرض وہ یہی عین الیقین تھا۔ جو مقاماتِ عرفان میں سے اعلیٰ وبلند ترین مقام ہے۔ اسی لئے ایک جماعت سے منقول ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ ہاں اے میرے ربّ میرا اس پر ایمان ہے۔ لیکن خبر معائنہ ومشاہدہ کی طرح نہیں۔ نیز جو شخص حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سوال میں غور وفکر کرتا ہے تو وہ سوال سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مراد سمجھ لیتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اصلِ احیاء سے سوال نہیں کیا بلکہ کیفیتِ احیاء سے سوال کیا ہے۔ یہ اس بارے میں صریح ہے کہ آپ اصلِ احیاء پر آپ کا ایمان تھا اور اس پر آپ کو یقین تھا۔ اور آپ کے قلب وضمیر کا یہ پختہ عقیدہ تھا۔

اعتراض...... اگر ابراہیم علیہ السلام کا سوال اصلِ احیاء کے ایمان پر دلالت کر رہا ہے تو پھر اولم تؤمن کیوں فرمایا گیا؟

جواب...... اکثر لوگ اس دلالت کو نہیں سمجھ سکتے اگر اسی دلالت پر اکتفاء کیا جاتا تو اکثر لوگ مشکل میں پڑ جاتے۔ بعض غیر معتبر مفسرین نے اس کے باوجود اس مقام میں ایسی گفتگو کی ہے جو قابلِ ذکر نہیں۔ اور کیسے قابلِ ذکر ہوسکتی ہے؟ حالانکہ سابقہ وضاحت کے مطابق آیت کریمہ کے الفاظ کسی بھی ایسی چیز پر دلالت نہیں کرتے جو کمالِ ایمان کے منافی ہو اصل ایمان تو دور کی بات ہے۔ اس کی توضیح یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کیا کہ اے میرے ربّ! میری آنکھوں کو احیاءِ موتیٰ کی کیفیت دکھا۔ کیونکہ آپ کے دل میں تو اس سے پہلے اس کا علم اور یقین حاصل تھا اسی لئے آپ نے اس کے ساتھ غرور کے خلاف استدلال کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ۔ (سورۃ البقرۃ، آیت: 256)

ترجمہ: میرا ربّ وہ ہے کہ جلاتا اور مارتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس ذات سے جس نے انکی کمالاتِ علمیہ اور مواہب احدیہ میں پرورش فرمائی تھی۔ سے یہ درخواست کر رہے ہیں اے میرے ربّ! احیاءِ موتیٰ کی کیفیت مجھے دکھا کیونکہ معدوم اجزاء بکھرے ہوئے اعضاء اور نیست ونابود شدہ صورتوں کے اجماع کو آنکھ کے ساتھ دیکھنے سے اللہ تعالیٰ کی قدرت باہرہ کی عظمت کا اظہار ہوتا ہے۔

اعتراض...... آپ کا یہ جواب کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح حدیث میں یہ ارشاد ہے کہ نَحْنُ اَحَقُّ بِالشَّکِّ مِنْ اِبْرَاھِیْمَ ۔

(صحیح بخاری، کتاب التفسیر القرآن، باب واذ قال ابراہیم رب ارنی الخ رقم الحدیث: 4537، ج:6، ص:31، مطبوعہ: ایضاً)

جواب...... اس حدیث میں بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے وقوعِ شک کی بلیغ ترین انداز کے ساتھ نفی کرتے

ہوئے ان کی انتہاء درجہ کی نزاہت بیان فرمائی گئی ہے کہ اگر ابراہیم علیہ السلام کو شک ہوا ہوتا جیسا کہ بے علم لوگ ان کے اس سوال سے اس وہم میں مبتلا ہوتے ہیں تو ہم ان سے زیادہ شک کے حقدار ہوتے کیونکہ وہ خلیل اور امام جلیل ہیں۔ وہ کیوں نہ امام جلیل ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی سنت کی اتباع اور ان کے مرتبہ کی تعظیم کا حکم دیا ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس ارشاد:

اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ آدَمَ وَلَا فَخْرَ ۔ میں اولاد آدم کا سردار ہوں اور مجھے اس پر کوئی فخر نہیں۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الصدق، حسن المقصد فی عمل لمولد، ج:1 ص:227، مطبوعہ: ایضا)

کے مطابق آپ جانتے تھے کہ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے افضل ہیں اس کے باوجود آپ نے تواضع کا اظہار کیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے شک کی نفی فرمائی کہ اگر ان کے لئے شک ثابت ہوتا تو آپ کے لئے بھی ضرور شک ثابت ہوتا (لیکن آپ کے لئے یقیناً شک ثابت نہیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے بھی یقیناً ثابت نہیں۔) یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی برأت ونزاہت میں انتہاء درجہ کی شہادت ہے۔

اعتراض...... حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سوال اور اس کے جواب کا تعلق نزول قرآن کریم سے پہلے زمانے کے ساتھ ہے۔ اور اُس زمانے میں تو کوئی وہم نہیں پایا گیا تا کہ اس کی نفی کی جاتی۔

جواب...... اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ عنقریب قرآن کریم نازل کیا جائے گا اور اگر اس سوال کو حذف کیا جاتا تو اس امت کے کسی بھی فرد کی جانب سے کسی طرح کا وہم واقع ہوسکتا تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس امت پر پہلے ہی اپنی مہربانی کا اظہار فرماتے ہوئے اس کو اس وہم کی اصل ہی سے محفوظ فرمالیا ہے۔ نیز تورات وانجیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے احوال کی حکایت پر مشتمل تھیں پس اگر آپ کا سوال ان امتوں کے سامنے منقول ہوتا ہے تو وہ اس سے خلاف مراد وہم میں مبتلا ہوسکتے تھے۔ پس اسی لئے آپ کے سوال اور جواب کا تذکرہ آئندہ واقع ہونے والے ممکنہ وہم سے بچانے کے لئے کیا گیا ہے۔

سوال...... قرآن کریم میں ہے: قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ۔ (سورۃ الانعام، آیت:76) (فرمایا میں غروب ہوجانے والوں سے محبت نہیں رکھتا) اس آیت کریمہ کے بارے میں عز بن عبدالسلام نے اپنے امالی میں سوال کیا ہے یہ آیت نہایت مشکل ہے کیونکہ کواکب کی عدم الوہیت پر دلالت کرنے والی چیز اگر تغیر ہے تو وہ یقیناً کواکب کے غروب ہونے سے پہلے موجود تھا لہٰذا ان کی عدم الوہیت کو غروب کے ساتھ خاص کرنے کا کوئی مطلب نہیں اور اگر دلالت کرنے والی چیز آنکھوں سے غائب ہونا ہے تو پھر یہ اللہ تعالیٰ کے حق میں بھی لازم آئے گا۔ اور اگر دلالت کرنے والی چیز کواکب کا کمال یعنی بلندی سے نقصان کی طرف منتقل ہونا ہے تو پھر یہ چیز تو کواکب میں پہلے سے موجود تھی کیونکہ وہ طلوع کے وقت بھی ناقص تھے نیز یہ چیز تو (غروب) سے پہلے بھی معلوم تھی کہ وہ غروب ہوگا اور کوکب کے مشرق میں موجود ہونے کی حالت اس کے مغرب میں

موجود ہونے کی حالت کے مساوی برابر ہے۔پس اس سوال کا کیا جواب ہے؟

جواب ...... یہ اشکال کئی مفسرین نے بیان کیا ہے۔اس کا جواب چند مقدمات پر موقوف ہے۔جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ کا معنی ہے رات کا تاریک ہونا۔الکوکب سے مراد ستارہ ہے۔امام راغب رحمہ اللہ فرماتے ہیں،ستارے کو کوکب اس وقت کہا جاتا ہے جب وہ روشن اور ظاہر ہوتا ہے۔بعض لوگوں نے کہا کہ کوکب کا پہلا کاف خلاف اصل زائد ہے کیونکہ یہ حروف زائدہ میں سے نہیں۔اس کا معنی غائب ہونا اور چلا جانا ہے۔البزوغ طلوع کے لئے آغاز کرنا ہے۔گویا کہ یہ ابزغ سے ماخوذ ہے۔ابزغ کا معنی پھاڑنا اور جدا کرنا ہے ستارہ اپنے نور سے تاریکی کو پھاڑتا ہے۔القمر کا معنی معروف ہے یعنی چاند۔چاند کو قمر اس کی سفیدی اور اس کی روشنی کے بکھرنے کی وجہ سے کہا جاتا ہے۔ایک قول کے مطابق چاند کو قمر کہنے کی وجہ یہ ہے کہ چاند،ستاروں کو روشن ،نور کرتا ہے۔

2......اس آیت کریمہ میں "هٰذَا رَبِّیْ" میں سورج کو بصورت مذکر اور "بازغہ" میں بصورت مؤنث ذکر کیا گیا ہے۔
اس کی وجہ یہ ہے کہ شمس کے لفظ میں دو لغتیں ہیں ایک لغت میں مذکر ہے اور دوسری میں مؤنث ہے پس اس کی تذکیر بتاویل کوکب،یا ضوء یا نور یا طالع یا شخص یا شے کے ہے،یا اسلئے کہ شمس کی خبر مذکر کے ساتھ دی گئی ہے۔اور مبتداء وخبر شے واحد کی مانند ہوتی ہیں۔اس لئے یہاں شمس کی تذکیر کا اعتبار کیا گیا ہے۔

ابوحیان کہتے ہیں عجمیوں کی اکثریت ضمائر اور اسماء اشارہ میں مذکر اور مؤنث کے درمیان فرق نہیں کرتی اور یہاں پر ان کی لغت کے مطابق شمس کو ایک جگہ مذکر اور دوسری جگہ مؤنث ذکر کیا گیا ہے۔لیکن ابوحیان کا یہ قول اس لئے رد کیا گیا ہے کہ یہ جواب تو اس صورت میں درست ہوتا جب شمس کی تعبیر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی لغت میں کی ہوئی ہوتی اور ان کی لغت عبرانی تھی مگر یہاں عربی لغت کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے۔

3......حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان عبرانی تھی

علامہ طبری نے نقل کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اصل لغت سریانی تھی اور عبرانی زبان بولنے کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے نمرود سے بچنے کیلئے جب نہر عبور کی تو نمرود نے ان کے پیچھے جن لوگوں کو بھیجا تھا ان کو یہ حکم دیا تھا جس کو بھی تم سریانی زبان میں گفتگو کرتے ہوئے سنو اس کو میرے پاس حاضر کرو۔جب نمرود کے کارندے حضرت ابراہیم علیہ السلام تک پہنچے تو انہوں نے آپ سے گفتگو کرانے کی کوشش کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی بولی کو عبرانی میں بدل دیا۔اور اس بدلی ہوئی زبان کو عبرانی کے ساتھ موسوم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ زبان آپ نے نہر عبور کرنے کے وقت بولی تھی۔ابن سلام نے بیان کیا ہے کہ سریانی زبان کو سریانی کے ساتھ موسوم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب

حضرت آدم علیہ السلام کو اسماء کا علم عطا فرمایا تو فرشتوں سے راز داری فرماتے ہوئے عطا فرمایا تھا۔ پھر اللہ نے اس رازداری کی باتوں کا نطق حضرت آدم علیہ السلام کی زبان اقدس سے کروایا تھا اس لئے آپ کی لغت کو سریانی یعنی راز داری والی کہا گیا۔

4..... حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جائے ولادت

مفسرین کی اکثریت کے نزدیک حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش اس بادشاہ کے عہد میں ہوئی جس نے ایک خواب دیکھا تھا جس کی معبرین نے یہ تعبیر بتائی تھی کہ تمہاری مملکت میں ایک بچے کی پیدائش ہوگی جس کے ہاتھوں تمہاری سلطنت کی تباہی ہوگی۔ بادشاہ نے یہ تعبیر سننے کے بعد پیدا ہونے والے ہر بچے کو ذبح کرنے کا حکم دیا۔ و حضرت ابراہیم علیہ السلام کی والدہ نے اپنا حمل ظاہر نہ کیا اور جب انہیں بچے کی ولادت کا وقت قریب آنے کا احساس ہوا اور درد زہ محسوس کیا تو ایک پہاڑ کی غار میں چلی گئیں اور وہاں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جنم دیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پوشیدہ رکھنے کے لئے غار کے دروازے پر پتھر رکھ کر اس کو بند کر کے واپس آ گئیں۔

اس کے بعد حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور اپنی انگلی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے منہ میں رکھی اور آپ کی والدہ بھی کبھی کبھار آتی جاتی رہیں۔ ایک قول کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت دمشق کے مقام برزہ میں ہوئی لیکن صحیح یہ ہے کہ آپ کی ولادت عراق کے علاقے بابل کے کوثا نامی مقام میں ہوئی ہے۔ وہاں پر آپ ایک مدت تک رہے حتیٰ کہ آپ نے اپنی ماں سے اللہ تعالیٰ کی معرفت کا سوال کیا کہ میرا ربّ کون ہے؟ والدہ ماجدہ نے جواب دیا میں ہوں۔ آپ نے فرمایا تیرا ربّ کون ہے؟ والدہ نے جواب دیا میرا ربّ تیرا باپ ہے۔ آپ نے فرمایا اس کا ربّ کون ہے؟ والدہ نے کہا شہر کا بادشاہ ہے۔ آپ نے جوابات سن کر معلوم کرلیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت سے ناواقف ہیں پس آپ نے غار کے دروازہ سے جھانک کر باہر کی طرف دیکھا تاکہ کوئی ایسی چیز نظر آئے جس سے اللہ تعالیٰ کے وجود پر استدلال کرسکیں۔ تو آپ کو ایک ستارہ نظر آیا۔ کہا گیا ہے کہ وہ ستارہ مشتری تھا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ زہرہ ستارا تھا۔ تو آپ نے فرمایا "ھذا ربی" الایہ۔ ایک قول کے مطابق یہ واقعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بلوغت سے قبل کا ہے اور دوسرے قول کے مطابق بلوغت کے بعد کا ہے۔ لیکن دوسرے قول کو محققین نے بڑی شدت کے ساتھ رد کیا ہے۔ اور وہ فرماتے، ہر نبی ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کی غایت درجہ معرفت رکھتا ہے اور یہ وقت ماسوی اللہ سے بری ہوتا ہے۔ جس ذات کو اللہ تعالیٰ نے معصوم وطاہر بنایا ہے۔ اور جن کی بارہ میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ ان کے ربّ نے ان کو اس سے پہلے ہی رشد وہدایت سے نوازا ہے۔ اور وہ اپنے رب کی بارگاہ میں قلب سلیم کے ساتھ حاضر ہوتے ہیں اور ان کے مالک وخالق نے ان کو ملکوت السمٰوت والارض کا مشاہدہ کروایا ہے

تا کہ وہ اہل یقین میں سے ہوں ۔اس ذات کے بارے میں یہ وہم وخیال کیسے کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے ستارے کے متعلق "ھذا ربی" حقیقت کے طور پر کیا ہو۔ایسا کبھی بھی ممکن نہیں ۔علماء نے اس پر دلیل دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ جماد کی ربوبیت کا قول بالاجماع کفر ہے اور کفر کسی بھی نبی پر بالاجماع جائز نہیں ۔

دوسری دلیل یہ دی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس واقعہ سے پہلے اپنے ربّ کی معرفت حاصل تھی چنانچہ آپ نے آزر سے فرمایا تھا:

اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً اِنِّیٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ . (سورۃ الانعام، آیت:74)

ترجمہ: کیا تو بتوں کو معبود قرار دیتا ہے بے شک میں تجھ کو اور تیری ساری قوم کو صریح گمراہی میں دیکھتا ہوں ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آزر کو توحید کی دعوت دی اور وہ جس گمراہی میں گرفتار تھا اس بارے میں اس کی حماقت وکم عقلی ظاہر کرنے کے لئے اس کے ساتھ طویل گفتگو فرمائی ۔جیسا کہ سورہ مریم میں اس کا تذکرہ ہے۔

اس مقام میں آپ کا اس انداز کے ساتھ گفتگو کرنے کی وجہ یہ ہے ۔آپ اس جگہ ساری قوم کے سامنے سختی کے ساتھ توحید پر دلائل قائم کرنا چاہتے تھے اور یہ بڑی واضح چیز ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے میں سختی سے پہلے نرمی کے ساتھ کام لیا جاتا ہے اور اس کی ابتداء اپنے لوگوں سے کی جاتی ہے اور اس کے بعد اجنبی لوگوں کو دعوت دی جاتی ہے ۔جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے توحید میں اس طرح کا اعلیٰ وارفع کمال حاصل ہے تو کسی ذی شعور انسان کے لئے یہ کیسے مناسب ہے کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں یہ وہم کرے کہ آپ معاذ اللہ ستاروں کی الوہیت کا عقیدہ رکھتے تھے ۔

جب کسی بھی عاقل کے لئے یہ وہم مناسب نہیں تو فاضل کا مقام تو اس سے کہیں بلند ہے یہ اس طرح کا وہم کیسے ہوسکتا ہے؟ جبکہ افلاک کے حدوث پر ایسے واضح دلائل موجود ہیں جو ادنیٰ سی عقل رکھنے والے پر مخفی نہیں تو کامل ترین عقل والے پر کیسے مخفی رہ سکتے ہیں ۔؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے یہ ارشادات کہ:

یٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ. (سورۃ الانعام، آیت:78)

اے میری قوم! بے شک میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں ۔

وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ فِی اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ. (سورۃ الانعام، آیت:80)

اُن سے ان کی قوم نے حجت کرنا شروع کیا ۔آپ نے فرمایا کیا تم اللہ کے معاملہ میں مجھ سے حجت کرتے ہو حالانکہ اُس نے مجھے طریقہ بتلا دیا ہے ۔

یہ ارشادات سابقہ وہم کے بطلان پر واضح دلائل ہیں۔ یہ دلائل آپ نے غار کے اندر پیش کئے تھے۔ اور اس بات پر بھی اعلیٰ دلائل ہیں کہ آپ یہ ان کو ایمان کی طرف ہدایت دینے اور وہ غیر اللہ کی عبادت کرتے تھے اس کے ابطال کی غرض سے فرمایا تھا۔ اسی لئے آپ نے فرمایا:

وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَالَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا.

(سورۃ الانعام، آیت: 81)

اور میں ان چیزوں سے کیسے ڈروں جن کو تم نے شریک بنالیا ہے حالانکہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ کے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک ٹھہرایا ہے جن پر اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔

بعض حضرات نے مذکورہ سوال کا یہ جواب دیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقصود اپنی ذات کے لئے معرفت حاصل کرنا نہیں تھا بلکہ دوسرے لوگوں کو ایمان کی طرف مائل کرنا مقصود تھا اگر اپنی ذات کے لئے معرفت حاصل کرنا مقصود ہوتا تو آپ اُس رات سے پہلے دن کے غروب آفتاب سے استدلال کرتے کہ آفتاب الوہیت کی صلاحیت نہیں رکھتا جب آفتاب میں الوہیت کی صلاحیت باطل ہے تو پھر اس کے دیگر ستاروں وغیرہ کا اس کے لائق ہونا بدرجہ اولیٰ باطل ہے۔ لیکن جب ہم یہ کہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اس سے مقصود قوم کو الزام دینا ہے اور ان کو اعترافِ حق کی طرف مجبور کرنا تھا۔

تو مذکورہ سوال کا یہ جواب نہیں بن سکتا۔ کیونکہ اس میں یہ احتمال ہے کہ ہوسکتا ہے کہ آپ نے قوم کے ساتھ یہ گفتگو اس ستارے کے طلوع کی حالت میں فرمائی ہو۔ اور پھر یہ مناظرہ اتنا طویل ہوگیا کہ چاند طلوع ہوگیا اور یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا حتیٰ کہ اس کے بعد سورج بھی طلوع ہوگیا۔

ان تمام واضح دلائل سے ثابت ہوگیا کہ یہ ممکن ہی نہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام "هٰذَا رَبِّیْ" بطور جزم کے فرمایا ہو۔ جب یہ باطل ہوگیا تو اب آپ کا یہ مناظرہ یا تو بلوغ کے بعد ہے یا بلوغ سے پہلے۔ اگر بلوغ کے بعد ہے۔ تو آپ کا "هٰذَا رَبِّیْ" فرمانا، بطور اخبار نہیں بلکہ آپ نے ان لوگوں کے عقیدے کی حکایت کے طور پر فرمایا ہے تاکہ وہ آپ کی طرف رجوع کریں اور آپ ان کے عقیدے کو "لااحب الافلین" فرما کر باطل فرمادیں۔ جیسا کہ قدم اجسام کے قائل فلاسفہ کے ساتھ بحث کرتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ:

اَلْجِسْمُ قَدِيْمٌ فَلَمْ نُشَاهِدْهُ مُرَكَّبًا مُتَغَيِّرًا.

(تمہارے نظریے کے مطابق) جسم قدیم ہے کہ ہم نے اس مرکب متغیر ہونے کی حالت میں اس کا مشاہدہ نہیں کیا۔

اس قول کے بطور حکایت ہونے کی تائید اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی فرما رہا ہے:

وَتِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ عَلَى قَوْمِهِ. (سورۃ الانعام، آیت: 83)

ترجمہ: اور یہ ہماری حجت تھی وہ ہم ابراہیم علیہ السلام کو ان کی قوم کے مقابلہ میں دی تھی۔

یا آپ نے فرمایا کہ کیا یہ ستارہ تمہارے گمان کے مطابق میرا رب ہے؟ جب ستارہ غروب ہو چکا تو آپ نے فرمایا اگر یہ الٰہ ہوتا تو غروب نہ ہوتا یا ھٰذا کا تعلق اپنے ماقبل سے ہے لیکن یہ ان لوگوں کے مذہب کے خلاف ہے جو ھٰذا اور اس کے ماقبل کے درمیان مغایرت کے قائل ہیں۔ استفہام انکاری ہے اور اس کا حرف استفہام محذوف ہے جس پر اس کا سیاق دلالت کرتا ہے۔ جیسا کہ اَفَائِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ (سورۃ الانبیاء، آیت: 34) (تو کیا تم انتقال فرماؤ یہ ہمیشہ رہیں گے) ایک قول کے مطابق یہاں حرف استفہام محذوف ہے یہ اصل میں اَفَهُمُ الْخَالِدُوْنَ ہے یا یہاں پر ہذا سے پہلے قول مقدر ہے۔ اصل میں یَقُوْلُوْنَ هٰذَا رَبِّیْ ہے یعنی وہ کہتے ہیں کہ یہ مرادہ رب ہے جس نے میری پرورش کی ہے۔ قول کثرت کے ساتھ مقدر ہوتا ہے انہی مقامات میں سے وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرَاهِيْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ رَبَّنَا. (سورۃ البقرۃ، آیت: 127) بھی ہے۔

یا آپ نے "ھٰذَا رَبِّیْ" کا ذکر بطور استہزاء کے کیا ہے، جیسا کہ اگر کوئی ذلیل کسی قوم کا سردار بن جاتا ہے تو کہا جاتا ہے یہ تمہارا سردار ہے۔ یا آپ نے یہ بطور تدبیر کے فرمایا تھا تا کہ وہ اس وہم میں پڑ جائیں کہ آپ بھی اس کی تعظیم کرنے والے ہیں جس کی وہ تعظیم کرتے ہیں تا کہ وہ اپنے عقلوں کی چابیاں آپ کو تفویض کریں اور جو آپ سے صادر ہو اس کو قبول کریں۔ جب ستارہ غروب ہو گیا تو آپ نے اس کے نقص سے ان کو مطلع فرمایا اور بتایا کہ یہ الوہیت کے لائق نہیں، اور اس تعظیم کے ابہام میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس میں بغیر کسی حرج کے مصلحت عام پائی جاتی تھی۔ کیونکہ سابقہ تشریح سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ "ھٰذَا رَبِّیْ" کا قول کئی امور کا احتمال رکھتا ہے۔ آپ کا یہ فرمان یا تو سنِ بلوغت سے پہلے کا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بچپن میں بھی کامل عقل والے تھے۔ آپ کو قطعی دلائل کے ساتھ اثباتِ صانع کا احساس پیدا ہوا۔ آپ نے جب ستارے چاند اور سورج کو دیکھا تو ان کے غروب ہونے سے ان کی الوہیت کا ابطال فرمایا۔

اس مذکورہ تمہیدی مقدمے کے بعد عز بن عبد السلام کا وہ اشکال جسے کئی لوگوں نے بیان کیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کواکب کے افول (غروب) سے ان کی ربوبیت کے ممتنع ہونے پر استدلال فرمایا ہے افول (غروب) کا مطلب شے کا ظاہر ہونے کے بعد غائب ہونا ہے۔ لہٰذا افول اس حیثیت سے کہ وہ ایک حرکت ہے حدوث پر دلالت کرتا ہے پس اس اعتبار سے طلوع بھی حرکت ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے حدوث پر طلوع کے ساتھ استدلال کرنا کیوں چھوڑا؟ اور اپنے مطلوب کو ثابت کرنے کے لئے افول پر کیوں اعتماد کیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حدوث پر دلالت کرنے میں طلوع اور غروب دونوں مشترک ہیں البتہ انبیاء کرام علیہم السلام جب تمام مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتے ہیں تو وہ اس دلیل کے ساتھ استدلال کرتے ہیں جو اس طرح ظاہر واضح ہوتی ہے کہ اس کو سمجھنے میں ذکی اور غبی دونوں برابر ہوتے ہیں۔ جیسا کہ حرکت کی دلالت حدود پر اگرچہ یقینی ہو۔ مگر افاضل اور زیرک لوگوں کے علاوہ دیگر لوگوں کے علاوہ دیگر لوگوں کے لئے دقیق ہے۔ لیکن اس مقصود پر افول (غروب) کی دلالت اتنی ظاہر و واضح ہے کہ ہر ایک اس کو سمجھتا ہے اس میں کوئی شک نہیں نہ غروب ہونے والے کا غلبہ غروب کے وقت زائل ہو جاتا ہے کیونکہ غروب ہونے کا مطلب غائب ہونا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ وہ معبود برحق قادر اور عالم ہے جو غائب ہونے سے پاک ہے۔ اسی لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کواکب کے ظہور اور شمس کے بزوغ سے الوہیت پر استدلال کیا۔ اور ان کے غروب سے عدم الوہیت پر استدلال کیا ہے۔ حرکت کے ساتھ استدلال کرنے کی طرف توجہ نہیں دی کہ کیا وہ حدوث پر دلالت کرتی ہے یا کہ نہیں؟

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مذکورہ استدلال میں ایک باریک بینی ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جن لوگوں سے مناظرہ فرمایا تھا وہ لوگ نجومی تھے اور ان کا مذہب تھا کہ ستارہ جب ربع شرقی میں ہو اور وہ وسط آسمان کی جانب بلند ہونے لگے تو وہ قوی اور عظیم التاثیر بن جاتا ہے۔ اور جب وہ مغرب کی جانب ہوتا یا غروب کے قریب ہوتا ہے اس کا اثر ضعیف ہوتا اور اس کی قوت میں کمی آجاتی ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس باریکی کے ساتھ استدلال کیا کہ میرا معبود برحق وہ ذات ہے جس کی قدرت اور جس کے کمال میں کبھی بھی تغیر نہیں ہوتا۔ گویا کہ آپ نے ان سے فرمایا کہ تمہارا مذہب ہے کہ ستارہ جب ربع غربی میں ہوتا ہے تو اس کی قوت کمزور اور اس کی تاثیر ناقص ہو جاتی ہے اور وہ نظام چلانے کے قابل نہیں رہتا اور تدبیر عالم سے عاجز ہو جاتا ہے۔ اور یہ چیز اس کی الوھیت میں عیب کی موجودگی پر دلالت کر رہی ہے۔

(تفسیر الرازی، سورۃ الانعام، آیت: 76، ج: 13 ص: 510، بالفاظ مختلف)

اعتراض...... جس رات کو آپ نے یہ استدلال فرمایا ہے اس سے قبل ایک دن اور رات گزر چکے تھے۔ پس کواکب وغیرہ کا غراب تو اس سے قبل پایا جا چکا تھا۔ لہٰذا اس رات میں پائے جانے والے غروب کی تخصیص میں کوئی فائدہ نہیں۔

جواب...... ہماری سابقہ بحث سے یہ واضح ہو چکا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دلیل اس قوم کے سامنے پیش فرمائی ہے جن کو آپ ستاروں کی عبادت سے توحید کی طرف دعوت دے رہے تھے اور آپ ان کے ساتھ کسی رات کو تشریف فرما تھے اور آپ ان کو کواکب کی عبادت سے منع فرما رہے تھے۔ اسی اثناء میں آپ نے ایک روشن ستارے کی طرف نگاہ بلند فرمائی۔ اور جب وہ غروب ہو گیا تو آپ نے فرمایا اگر یہ ستارہ

معبود ہوتا تو وہ بلندی سے پستی کی طرف اور قوت سے ضعف کی طرف اور وجود سے عدم کی طرف اور ظہور سے غیبت کی طرف منتقل نہ ہوتا۔ پھر اسی گفتگو کے درمیان چاند طلوع ہوا اور غروب ہوگیا آپ نے پھر اپنی بات دہرائی اور اس کے بعد سورج طلوع ہوا اور وہ بھی غروب ہوگیا۔ آپ نے پھر اپنی بات کا اعادہ فرمایا۔

حضرت عز بن عبدالسلام رحمہ اللہ نے فرمایا تھا: کواکب کی عدم الوہیت پر دلالت کرنے والی چیز اگر تغیر ہے تو پھر وہ تو افول (غروب) سے پہلے ہی موجود تھا۔ لہٰذا افول کے ساتھ عدم الوہیت کے اختصاص کا کوئی مطلب نہیں بنتا۔

ہماری مذکورہ تشریح سے حضرت عز بن عبدالسلام رحمہ اللہ کے مذکورہ قول کا جواب آگیا ہے کیونکہ یہ ثابت ہوگیا ہے کہ تغیر اگرچہ افول (غروب) سے پہلے ہی موجود تھا لیکن افول (غروب) میں تغیر بہت واضح، زیادہ ظاہر، بہت مکمل اور زیادہ عام ہے۔ اور عز بن عبدالسلام نے فرمایا تھا کہ اگر کواکب کی عدم الوہیت پر دلالت کرنے والی چیز آنکھوں سے غائب ہونا ہے تو پھر یہ چیز اللہ تعالیٰ کے حق میں بھی لازم آتی ہے۔ ہم ان کے اس قول کو تسلیم نہیں کرتے کیونکہ کواکب میں ظہور کے بعد غیبت اور علوم کے بعد ہبوط اور کمال کے بعد نقص پایا جاتا ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں سے منزہ و پاک ہے۔

عز بن عبدالسلام نے فرمایا تھا کہ اگر کواکب کی عدم الوہیت پر دلالت کرنے والی چیز ان کا کمال سے نقص کی طرف منتقل ہونا ہے تو پھر یہ چیز تو ان کے طلوع کے وقت بھی موجود تھی کیونکہ طلوع کے وقت بھی وہ ناقص تھے۔ ان کا یہ قول مسلم ہے۔ بے شک کواکب میں طلوع و غروب دونوں وقتوں میں نقص پایا جاتا ہے۔ لیکن ان دونوں نقصوں کے درمیان بڑا فرق ہے (کہ غروب کے وقت زیادہ واضح اور زیادہ ظاہر ہوتا ہے۔)

عز بن عبدالسلام رحمہ اللہ نے فرمایا تھا کہ اگر کواکب کی عدم الوہیت پر دلالت کرنے والی چیز ان کا کمال سے نقص کی طرف منتقل ہونا ہے تو پھر یہ چیز تو افول (غروب) سے پہلے ہی معلوم تھی کہ ستارے غروب ہوتے ہیں۔ اور ان کی مشرق میں موجود ہونے کی حالت ان کے مغرب میں موجود ہونے کی حالت کے برابر ہے دونوں حالتوں میں کوئی فرق نہیں۔

عز بن عبدالسلام رحمہ اللہ کے اس قول کا جواب یہ ہے کہ آپ کا یہ قول بھی مسلم ہے لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کا افول (غروب) کے مشاہدے کے وقت افول (غروب) کے ساتھ استدلال کرنا مدمقابل کو اپنی بات سمجھانے کے لئے زیادہ بلیغ اور اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے زیادہ مناسب و مفید تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عادت کریمہ یہ تھی کہ آپ ہمیشہ زیادہ واضح اور ظاہر دلیل پیش کیا کرتے تھے۔ اگرچہ آپ کا مقصود اس کے بغیر بھی حاصل ہوسکتا تھا۔ چنانچہ آپ جب نمرود کے سامنے دلائل پیش کر رہے تھے تو یہ ممکن تھا کہ آپ فرماتے کہ تم اپنی قوم میں سے کسی کو زندہ کرکے دکھاؤ مگر آپ نے اس سے بھی زیادہ بلیغ اور واضح دلیل پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ:

فَإِنَّ اللّٰهَ يَأْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ.(سورۃ البقرۃ،آیت:258)
اللہ سورج کو مشرق کی طرف سے لے آتا ہے تو اُسے مغرب کی جانب سے لے آ۔
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ .(سورۃ البقرۃ،آیت:258)(تو ہوش اُڑ گئے کافر کے)
اسی سے معلوم ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے میں جو دلائل پیش کرتے ہیں ان میں زیادہ واضح اورزیادہ ظاہر اورکامل ترین دلائل کی رعایت کرتے ہیں تاکہ ان کی پیش کردہ حجت ہرایک پر ظاہر ہوجائے اوران کا معاند ومخالف ہمیشہ کے لئے رسوا ہوجائے۔
عزبن عبدالسلام رحمہ اللہ نے فرمایا کہ کواکب کی مشرق میں موجود ہونے کی حالت ان کے مغرب میں موجود ہونے کی حالت کے برابر ہے۔ہم ان کے اس قول کو تسلیم نہیں کرتے کیونکہ بار بار یہ ثابت ہوچکا ہے کہ دونوں حالتوں کے درمیان واضح فرق ہے۔

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى يُوَفِّقُنَا لِإِصَابَةِ الصَّوَابِ وَيَهْدِيْنَا إِلٰى مَا يُحِبُّهٗ وَيَرْضَاهُ
وَيَجْزِلُ لَنَا عَظِيْمَ الثَّوَابِ الْكَرِيْمِ الْجَوَّادِ الَّذِيْ لَيْسَ لِنِعْمَةٍ مِّنْ نَفَادٍ

خاتمہ

مذکورہ آیت کریمہ کئی احکام پر دلالت کررہی ہے ان کی طرف یا ان میں سے بعض کی طرف اشارہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔آیت کریمہ سے درج ذیل احکام ثابت ہوتے ہیں:
1......اللہ تعالیٰ کا جسم نہیں ورنہ وہ ہمیشہ غائب رہتا۔
2......اللہ تعالیٰ محلِ حوادث نہیں جیسا کہ فرقہ کرامیہ کا نظریہ ہے۔اگر وہ محل حوادث ہوتا تو متغیر ہوتا اور ایسی صورت حال میں افول کا معنی پایا جاتا۔اور یہ محال ہے۔
3......توحید پر دلائل قائم کرنا انبیاء کرام علیہم السلام کا شعار ہے۔
4......توحید میں تقلید کسی شے کی مفید نہیں بہت سارے علماء کرام اسی کے قائل ہیں۔یا مفید تو ہے لیکن استدلال سے کم درجہ کی ہے اور یہی تحقیقی قول ہے۔
5......انبیاء کرام علیہم السلام کو اپنے رب کریم کی معرفتیں استدلالیہ ضروریہ ہوتی ہیں۔
6......اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے کا طریقہ اس کی مخلوق میں نظر وفکر کرنا ہے کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے کا اس کے علاوہ کوئی آسان ترین طریقہ ہوتا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کو اختیار فرماتے۔
7......حضرت ابراہیم علیہ السلام کا فرمان ہے کہ:اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ (جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو میں ان

سے بیزار ہوں) آپ کا یہ ارشاد اس چیز پر مبنی ہے جس کو آپ نے دلائل سے ثابت کیا تھا کہ یہ کواکب نہ ربوبیت کی صلاحیت رکھتے ہیں اور نہ ہی الوہیت کی صلاحیت رکھتے ہیں۔لیکن یہاں پر ایک اشکال ہے کہ یہ دلیل کواکب کی الوہیت کی نفی پر دلالت کرتی ہے لیکن اس سے مطلقاً شریک کی نفی اور اثبات توحید لازم نہیں آتا۔اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قوم باقی تمام شریکوں کی نفی پر متفق تھی۔انکا اختلاف صرف اسی معین صورت میں تھا جب دلیل کے ساتھ ثابت ہوگیا کہ کواکب رب نہیں تو ان کے علاوہ کی نفی بالاتفاق ثابت ہوگئی اور ہر شریک کی نفی کا یقین اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے مطلق توحید کا اثبات حاصل ہوگیا۔

سوال......ثابت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم بتوں کی پرستش بھی کیا کرتی تھی؟

جواب......بتوں کی عبادت کے باوجود ان کی الوہیت کا اعتقاد نہیں رکھتی تھی وہ صرف ستاروں کی الوہیت کا اعتقاد رکھتی تھی۔اور وہ ایک مورتی تھی جس کی عبادت کے ذریعہ ستاروں کا تقرب حاصل کرتی تھی جیسا کہ اس قوم کے بارے میں منقول ہے۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب

ایک نحوی سوال اور اس کا جواب

سوال......قرآن کریم میں ارشاد ہے:

اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةً . (سورۃ التوبۃ، آیت:66)

ترجمہ:اگر ہم تم سے کسی گروہ کو معاف کردیں تو دوسرے گروہ کو عذاب دیں گے۔

یہ آیت کریمہ شرط وجزاء پر مشتمل ہے۔پہلے گروہ کی معافی شرط اور دوسرے گروہ کی سزا جزاء ہے۔حالانکہ کسی گروہ کو سزا دینا دوسرے گروہ کو معاف کرنے پر موقوف نہیں ہوتا پس دوسرے گروہ کی سزا شرط ہونا کیسے صحیح ہوگا؟ یہاں پر جواب کیسے مقدر ہوگا۔اس کا جواب کیا ہے؟

جواب......میرے علم کے مطابق اس سوال کے جواب پر کسی نے تنبیہ نہیں کی لیکن اس آیت کریمہ کے سبب نزول سے اس کا جواب مل جاتا ہے۔اور اسکا سبب نزول یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک کا سفر فرمارہے تھے۔آپ کے آگے تین منافق چل رہے تھے جن میں دو قرآن کریم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کا استہزاء کررہے تھے اور تیسرا ان کی گفتگو سن کر ہنس رہا تھا۔پس طائفتان سے مراد وہ تین افراد تھے۔ان میں سے ایک نے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ نے اس کو معاف فرمادیا اور وہ مخشی بن جبیر اشجعی تھا کہا جاتا ہے کہ یہ وہی شخص تھا جو ہنس رہا تھا اور استہزاء کرنے والوں سے اجتناب کرتے ہوئے ان کے ساتھ گفتگو کرنے میں شریک نہ تھا اور ان کی بعض باتوں کو سن کر ان کو برا منا رہا تھا۔جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ . (سورۃ التوبۃ، آیت:65)

ترجمہ: اے حبیب! اگر تم ان سے پوچھو تو کہیں گے ہم تو یونہی ہنسی کھیل میں تھے۔

تو اس نے اپنے نفاق سے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی اے اللہ میری موت اپنی راہ میں شہادت بنا تا کہ کوئی یہ نہ کہے کہ میں نے اس کو غسل دیا، میں نے اس کو کفن پہنایا، میں نے اس کو دفن کیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور یمامہ کے دن ان کو شہادت نصیب ہوئی۔ اس دن شہادت پانے والے ہر مسلمان کی جائے شہادت کا علم ہوا مگر ان کی جائے شہادت کا کسی کو پتہ نہ چلا اور نہ ہی کسی کو ان کا جسد خاکی ملا۔ اور دوہ دوسرے دو جن کو توبہ نصیب نہ ہوئی ان میں سے ایک عبداللہ بن ابی منافق تھا۔

(تفسیر الرازی، سورۃ الانعام، آیت: 76، ج: 13، ص: 510، بالفاظ مختلف)

مذکورہ توضیح کے بعد اس سوال کا جواب معلوم ہوا کہ اس آیت کریمہ کا مطلب ہے کہ اے تین افراد کے گروہ اگر ہم تم میں سے ایک کو معاف کر دیں گے کہ اس نے توبہ کی ہے تو دوسرے دو افراد کے گروہ کو عذاب دیں گے۔

سوال...... عزبن عبدالسلام رحمہ اللہ نے بھی اپنی ''امالی'' میں اس آیت کریمہ کے بارے میں سوال کیا ہے:

هُوَالَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَالْحِسَابَ.

(سورۂ یونس، آیت: 5)

ترجمہ: وہی ہے جس نے سورج کو جگمگاتا بنایا اور چاند چمکتا اور اسکے لئے منزلیں ٹھہرائیں کہ تم برسوں کی گنتی اور حساب جانو۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اعداد اور حساب کے علم کو منازل کا معلول قرار دیا ہے حالانکہ اعداد وحساب کی معرفت چاند کے لئے منازل مقرر ہونے کی محتاج نہیں۔ بلکہ اس کے لئے چاند کا طلوع وغروب ہونا ہی کافی ہے۔ اس کا جواب کیا ہے؟

جواب...... قدرہ میں مفعول کی ضمیر صرف قمر کی طرف راجع ہے، صرف چاند ہی کو ذکر کرنے کی وجہ اس کی سرعتِ سیر اور اس کی منازل کا مشاہدہ اور شریعت کے احکام کا اس پر دارومدار ہونا ہے کہ چاند ہی سے مہینوں اور سالوں کے گزرنے کی معرفت ہوتی ہے ان کی معرفت کا مدار سورج نہیں۔ چاند کی تخصیص کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ عرب اپنی تواریخ میں اسی پر اعتماد کرتے ہیں۔

ایک قول کے مطابق قدرہ کی ضمیر شمس وقمر دونوں کی طرف راجع ہے کیونکہ سالوں کی تعداد اور حساب کی معرفت میں چاند وسورج دونوں برابر ہیں۔ لیکن چاند کے ذکر پر اکتفاء کرنے کی وجہ وہ ہے جو ہم نے ذکر کی ہے۔ چاند کی منازل مشہور ہیں۔ اور وہ اٹھائیس منزلیں ہیں اور یہ منزلیں بارہ بروج پر تقسیم ہیں۔ ہر برج کے حصہ میں 2-1/3 ہیں یعنی دو منزلیں اور ایک منزل کی ایک تہائی ہے۔ پس چاند ہر رات کو ان

میں سے ایک منزل میں نزول کرتا ہے۔اور اگر مہینہ پورے تیس دن کا ہوتا ہے تو دو راتوں کو پوشیدہ رہتا ہے
اگر پورے تیس دن کا نہیں ہوتا تو پھر دو راتوں سے کم پوشیدہ رہتا ہے پس مہینے کا اختتام چاند کے ان منازل
میں نزول کے ساتھ ہوتا ہے اور سورج ہر منزل میں تیرا (13) دن قیام کرتا ہے، اور منازل کے اختتام کے
ساتھ ہی سال کا اختتام ہو جاتا ہے۔سورج کا غلبہ دن کو اور چاند کا غلبہ رات کو ہوتا ہے اور سورج کی حرکت
سے چار موسم پیدا ہوتے ہیں اور چار موسموں کی وجہ سے اس عالم کی مصلحتوں کا نظام قائم رہتا ہے۔چاند کی
حرکت سے مہینے وجود میں آتے ہیں۔روشنی کی کمی اور زیادتی میں چاند کی حالت کے اختلاف کی وجہ سے
اس عالم کی رطوبات کے احوال میں اختلاف پیدا ہوتا ہے۔اور حرکت یومیہ کے سبب دن وجود میں آتا ہے
جو محل کسب ہے اور اسی سبب سے رات وجود میں آتی ہے جو محل راحت ہے۔یہ سلسلہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق
پر کثرت رحمت وحمایت پر دلالت کرتا ہے۔

حکماءِ اسلام نے فرمایا ہے کہ یہ سلسلہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے افلاک وکواکب کے اجرام
میں کچھ معین خواص اور مخصوص قوتیں ودیعت فرمائے ہوئے ہیں جن کے سبب اس عالم سفلی کے مصالح کا نظام چلتا ہے
اگر ان کے کوئی آثار اور فوائد اس عالم میں نہ ہوتے تو ان کی تخلیق بے فائدہ ہوتی۔

اس مذکورہ تمہید کے بعد واضح ہوا کہ چاند وسورج کی منازل کی معرفت کا سالوں اور مہینوں اور ان کے ایام کی
تحدید کی معرفت اور اوقات کے حساب اور دیون ومعاملات وغیرہ کی میعادوں کی معرفت میں بڑا دخل ہے۔بلکہ ان
کے کمال اور اس کی معرفت کی حقیقت وہی آدمی سمجھ سکتا ہے جو ان منازل اور انکے حساب اور چاند وسورج کی منازل
میں سیر کی کیفیت اور ان کی بعض منازل سے بعض کی طرف انتقال کی معرفت رکھتا ہے صرف چاند کے غروب وطلوع
کی معرفت سے یہ تمام فوائد حاصل نہیں ہوتے۔پس واضح ہوا کہ ان کی منازل کی ہیئت اور چاند وسورج دونوں کے
لئے یا صرف چاند کے لئے ان منازل کا ثابت ہونا سالوں کی معرفت اور اوقات وغیرہ کے صحیح حساب کے لئے واضح
علت ہے علاوہ یہ علم اس ہیئت کا معلول ہے اور اس پر کوئی غبار نہیں۔اور اسی سے معلوم ہوا کہ عزبن عبدالسلام کا یہ فرمانا
کہ عدد وحساب کا علم کو منازل کا معلول قرار دیا گیا ہے حالانکہ عدد اور حساب کی معرفت چاند کے لئے منازل کے مقدر
ہونے کی محتاج نہیں بلکہ چاند کا طلوع وغروب ہی اس کے لئے کافی ہے۔

ہم عزبن عبدالسلام رحمہ اللہ کے اس قول کو تسلیم نہیں کرتے کیونکہ اگر کوئی جاہل انسان رات کو طلوع قمر کی منازل
کو مشاہدہ کرے اور اس سے یہ پوچھا جائے کہ رات کا کتنا حصہ گزر گیا ہے اور کتنا حصہ باقی ہے؟ یا اس سے عشاء کے
وقت کے بارے میں پوچھا جائے تو وہ جواب نہیں دے گا حالانکہ اس نے چاند کے طلوع کا مشاہدہ کیا ہوا ہے۔
برخلاف اس شخص کے جو منازل کی معرفت رکھتا ہو کہ وہ معمولی سے التفات سے اس کا جواب بلکہ اس سے ادق

کا جواب جانتا ہے۔

اعتراض……تم نے جو تشریح کی ہے اس سے جو چیز ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے اس سے مقصود مذکورہ حساب کی معرفت ہے لیکن سالوں کی تعداد کا علم اصلاً منازل کی معرفت پر موقوف ہے۔ پس اس کو تقدیر منازل کا معلول کیسے قرار دیا گیا ہے؟

جواب……سالوں کی تعداد سے مراد وہ چیز ہے جو سالوں کے اجزاء یعنی مہینوں، دنوں، گھنٹوں کو شامل ہے اور اس چیز کے کمال بلکہ اس کے اصل کی معرفت اسی شخص کو حاصل ہو سکتی ہے جو ان منازل کی معرفت رکھتا ہے۔ لہٰذا آیت کریمہ میں کوئی اشکال نہیں۔ میرے علم کے مطابق اس جواب پر کسی نے تنبیہ نہیں فرمائی۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب

ضیاء نور سے زیادہ بلیغ ہے۔ سورہ نور میں نور کو ترجیح دینے کی وجہ

فائدہ……ضیاء نور سے زیادہ عظیم اور زیادہ بلیغ ہے۔ کیونکہ ضیاء بلند ہو کر منتشر ہوتی ہے اور اس میں بہت زیادہ چمک ہوتی ہے برخلاف نور کے اسی لئے سورج کو ضیاء کے ساتھ اور چاند کو قمر کے ساتھ خاص کیا گیا ہے لیکن اس پر ایک اشکال وارد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ. (سورۃ النور، آیت:35)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے کہ ایک طاق کہ اس میں چراغ ہے۔

اس آیت میں نور کو ضیاء پر ترجیح دی گئی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ نور روشنی میں ضیاء سے زیادہ بلیغ اور زیادہ عظیم ہے۔ ابن عطیہ نے اس اشکال کا یہ جواب دیا ہے کہ اس مقام میں نور کا ذکر زیادہ بلیغ و زیادہ محکم ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ہدایت اور اپنے اس لطف و کرم کو جو اس نے ہدایت حاصل کرنے کے لئے مقرر فرمائے ہیں ان کو اس نور کے ساتھ تشبیہ دی جو رات اور تاریکی میں ہمیشہ موجود رہتا ہے۔ ایک گروہ نے اس سے ہدایت حاصل کی اور دوسرا گروہ گمراہ ہو گیا۔ اگر ضیاء کے ساتھ تشبیہ دی جاتی تو پھر لازم تھا کہ کوئی بھی گمراہ نہ ہو، کیونکہ اس صورت میں ہدایت اس سورج کی طرح ہوتی جس کے ساتھ کوئی تاریکی نہیں۔ پس اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفر کی تاریکی میں ہدایت کو ظلمت میں موجود نور کی طرح بنایا پس ایک گروہ نے ہدایت پالی اور دوسرا گروہ گمراہ ہو گیا۔ اور اگر ہدایت کو ضیاء کی طرح بنایا جاتا تو پھر کوئی گمراہ نہ ہوتا۔ انتہیٰ

سوال……قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ . (سورۃ یونس، آیت:37)

ترجمہ: اور اس قرآن کی یہ شان نہیں کہ کوئی اپنی طرف سے بنا لے بے اللہ کے اتارے۔

اس آیت کریمہ کے متعلق عزبن عبدالسلام رحمہ اللہ نے اپنی امالی میں سوال کیا ہے کہ اس میں ایک اشکال ہے کہ عرب جب زمانے سے قطع نظر کر کے صرف مصدر کی خبر دینا چاہتے ہیں تو صرف مصدر کا ذکر کرتے ہیں مثلاً کہتے ہیں اَعْجَبَنِیْ قِیَامُکَ (مجھے تیرے قیام نے تعجب میں ڈالا) اور جب وہ مصدر کے زمانے ماضی میں واقع ہونے کی خبر دینا چاہتے ہیں تو ماضی پر حرف اَنْ داخل کر کے کہتے ہیں اَعْجَبَنِیْ اِنْ قُمْتَ (تیرے ماضی کے قیام نے مجھے تعجب میں ڈالا۔) اور اگر مصدر کے زمانہ مستقبل میں واقع ہونے کی خبر دینا چاہتے ہیں مضارع پر حرف ان داخل کر کے کہتے ہیں مثلاً اَعْجَبَنِیْ اَنْ تَقُوْمَ (تیرے مستقبل میں قیام مجھے حیرت میں مبتلا کرے گا۔)

نحاۃ کے اس قول کا یہی مطلب ہے حرف اَنْ فعل کو مستقبل کے لئے خاص کر دیتا ہے۔ اس تمہید کے بعد ہم کہتے ہیں کہ مشرکوں نے کہا تھا کہ یہ قرآن زمانہ ماضی میں گڑھا ہوا ہے اور مذکورہ آیت میں قرآن کے مستقبل میں گڑھے جانے کی نفی ہے۔ پس اس سے ماضی میں گڑھے جانے کی نفی کیسے ہوگی؟ اس کا جواب کیا ہے؟

جواب......اس سوال کا جواب میں دے رہا ہوں میرے علم کے مطابق اس کی طرف کسی نے اشارہ نہیں فرمایا۔ البتہ یہ جواب اس شخص پر ظاہر وواضح ہے جو اس سبب میں غور وفکر کرتا ہے جس کے لئے یہ نفی وارد ہوتی ہے۔ اس کی تشریح یہ ہے کہ کفار نے نبی کریم ﷺ سے مطالبہ کیا تھا کہ آپ ان کے سامنے ایسا قرآن لائیں جو انہوں نے آپ سے نہ سنا ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے حکایت کرتے ہوئے فرمایا کہ:

وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیَاتُنَا بَیِّنَاتٍ قَالَ الَّذِیْنَ لَایَرْجُوْنَ لِقَاءَ نَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَیْرِ هٰذَا اَوْ بَدِّلْهُ. (سورۃ یونس، آیت:15)

ترجمہ: جب ان پر ہماری روشن آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ کہنے لگتے ہیں جنہیں ہم سے ملنے کی امید نہیں اس کے سوا اور قرآن لے آیئے۔ یا اسی کو بدل دیجئے۔

اور اس کے بعد انہوں نے آپ سے ایک اور معجزہ لانے کا مطالبہ کیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں ان کی حکایت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

لَوْلَا اُنْزِلَ عَلَیْهِ اٰیَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ. (سورۃ یونس، آیت:20)

ترجمہ: اور کہتے ہیں اُن پر اُن کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اُتری۔

ان کے پہلے قول کو اللہ تعالیٰ نے باطل کرتے ہوئے فرمایا کہ:

قُلْ مَایَکُوْنُ لِیْ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآءِ نَفْسِیْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰی اِلَیَّ.

(سورۃ یونس، آیت:15)

ترجمہ: تم فرماؤ کہ مجھے نہیں پہنچتا کہ میں اسے اپنی طرف سے بدل دوں میں تو اُسی کا تابع ہوں

جو میری طرف وحی ہوتی ہے۔

اوران کے دوسرے قول کو رد کرتے ہوئے فرمایا کہ:

فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ ۔

(سورہ یونس، آیت:20)

ترجمہ: تم فرماؤ کہ غیب تو اللہ کے لئے ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کے سباق کی انتہاء تک وہ چیز بیان کی ہے جو اس کی تائید کرتی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس کا اختتام اپنے اس قول کے ساتھ فرمایا جو ان کفار کی انتہائے جہالت اور غایت درجہ حماقت کی وجہ سے صادر ہونے والے اُن کے اُن دونوں اقوال کو باطل فرماتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۔

(سورۃ یونس، آیت:37)

ترجمہ: اس قرآن کی یہ شان نہیں کہ کوئی اس کو اپنی طرف سے بنا لے بے اللہ کے اتارے۔

اس آیت کریمہ میں کفار کا اس طرح رد ہے کہ ان کا نظریہ و اعتقاد تھا کہ قرآن کریم کسی بشر کا بنایا ہوا ہے۔ اور حضرت محمد ﷺ نے اس کو اپنی طرف سے گھڑ کر پیش کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کے سوابق اور متعلقات میں بیان کرنے کے بعد اس آیت میں بھی یہ بیان فرمایا ہے کہ اس قرآن کریم کا کوئی حصہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لئے مستقبل میں گھڑنا ممکن نہیں۔ پس تم حضرت محمد ﷺ سے کیسے مطالبہ کرتے ہو کہ وہ تمہارے پاس ایک دوسرا قرآن لے کر آئیں جو تم نے اُن سے نہ سنا ہو۔ یا کوئی دوسری آیت لے کر آئیں جو قرآن نہ ہو۔ حالانکہ تم جانتے ہو کہ قرآن کا گھڑنا محال ہے۔ اور یہ محال آیات گھڑنے کے محال کو مستلزم ہے۔

اگر مذکورہ آیت میں یہ فرض کریں کہ اس کی دلالت مستقبل میں افتراء کی نفی پر ہے تو تب بھی ان یفتری کے ساتھ اس کی تعبیر کفار کے اس اختراع کے رد کے طور پر واقع ہے جس کا انہوں نے آپ سے مستقبل میں ان کے سامنے لانے کا مطالبہ کیا تھا۔ ماضی اور حال سے احتراز کے لئے ان یفتری کے ساتھ تعبیر نہیں کیا گیا۔ کیونکہ ماضی اور حال میں قرآن گھڑنے کا محال ہونا اس کے بغیر ہی معلوم ہو چکا تھا۔ اور اس آیت سے بھی معلوم ہو گیا ہے کیونکہ ہر وہ چیز جس کا مستقبل میں لانا محال ہے اس کا ماضی و حال میں لانا بھی محال ہوتا ہے کیونکہ ماضی اور حال اپنے ماضی کی نسبت مستقبل ہیں۔

اس تمہید کے بعد عز بن عبدالسلام رحمہ اللہ کے اشکال کا جواب واضح ہو گیا ہے کہ اس اشکال کا تعلق ان کے اپنے زعم کے ساتھ ہے۔ ان کا زعم ہے کہ یہ کفار کے اس قول کا جواب ہے جس میں انہوں نے کہا تھا کہ یہ قرآن کریم زمانہ ماضی میں گھڑا گیا ہے۔ ہماری سابقہ گفتگو سے ان کے اس زعم کا انتفاء واضح ہو چکا ہے کہ یہ آیت کریمہ کفار کے مذکورہ قول کا سرے سے جواب ہی نہیں کیونکہ انکا یہ قول اپنے جواب سمیت اس سیاق کے اختتام کے تحت ذکر ہو چکا ہے

جیسا کہ سابقاً ہم نے بیان کیا ہے۔کہ اللہ تعالیٰ نے جب ان کے سابقہ دو قول ذکر کئے اور ان کا ابطال فرمایا اور ان کے سیاق کا اختتام اس جواب کے ساتھ فرمایا تو اس کے بعد وہ قرآن نازل ہوا جس کو وہ سن چکے ہیں اس کے بارے میں وہ کیا کہتے ہیں اُس کا ذکر اُس کے جواب سمیت کیا اور فرمایا:

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرَاهُ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ . (سورۃ یونس، آیت:38)

ترجمہ: کیا یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اسے بنالیا ہے تم فرماؤ تو اس جیسی ایک سورۃ لے آؤ۔

اس طرح کے غور وتدبر کے ساتھ عز بن سلام کا اشکال سرے سے پیدا ہی نہیں ہوتا۔ان کا یہ کہنا ہی صحیح نہیں کہ:

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْآنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ . (سورۃ یونس، آیت:37)

ترجمہ: اس قرآن کی یہ شان نہیں کہ کوئی اپنی طرف سے بنالے۔بے اللہ کے اتارے۔

کفار کے اس قول کا جواب ہے کہ قرآن کریم کو زمانہ ماضی میں آپ نے گڑھا ہے۔

مذکورہ ساری بحث اس چیز پر مبنی ہے کہ مذکورہ قاعدہ کے بارے میں اہل عرب سے جو کچھ منقول ہے اس کو تسلیم کی خبر کو بھی یہ شامل ہے۔لیکن کام......کی خبر میں اس قاعدے کے عموم کو تسلیم نہ کرنا بھی جائز ہے اس کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے کہ:

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ . (سورۃ التوبۃ، آیت:113)

ترجمہ: نبی اور ایمان والوں کو لائق نہیں کہ وہ مشرکوں کی بخشش چاہیں۔

کیونکہ آئمہ تفسیر کے قول کے مطابق اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کو اس استغفار سے نہی فرمائی گئی ہے جو استغفار وہ مشرکین کے لئے پہلے کر چکے تھے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کان کی خبر میں ماضی اور غیر ماضی کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا جاتا۔کیونکہ کان کی ماضیت اپنی خبر پر ہمیشہ جاری رہتی ہے جس سے معنی میں بھی اس کی ماضیت کا ہونا لازم ہے اگرچہ لفظاً اس پر ا......استقبال داخل ہوں۔اسی لئے مذکورہ آیت میں ان یفتری کا اعراب افتراء، مفتری اور ذوافتراء بیان کیا گیا ہے۔اور یہ تمام چیزیں ہماری مذکورہ بات کی دلیل ہیں کہ وجودِ کان کی وجہ سے اس مقام میں حقیقتِ استقبال مراد نہیں۔جیسا کہ ثابت ہو چکا ہے۔

ابوحیان اس کا اعراب بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: یعنی اس قرآن معجز کا مفتریٰ ہونا صحیح نہیں اور نہ ہی یہ درست ہے واضح اور ظاہر یہ ہے کہ ان یفتریٰ کان کی خبر ہے۔جس کی تاویل ذا افتراء یا مفتری ہے۔بعض علماء نے کہا ہے کہ اس آیت کریمہ میں مذکورہ حرف ان لام محذوف کے بعد مقدر ہے اور ان یفتریٰ اس کا معمول ہے جس کا معنی یہ ہوگا کہ اس قرآن کی یہ شان نہیں کہ وہ مفتریٰ ہو۔

اس صورت میں سرے سے سوال وارد نہیں ہوتا۔اس پر غور کیجئے کہ مجھے ابھی کتب نحو کی مطولات میں کوئی ایسی

چیز نہیں ملی جس کی طرف رجوع کرتا۔

سوال ..... حضرت عز بن عبدالسلام رحمہ اللہ نے اپنی ''امالی'' میں سوال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حکایت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

وَاشْدُدْ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا . (سورہ یونس، آیت:88)

ترجمہ: اوران کے دل سخت کردے کہ ایمان نہ لائیں۔

اس میں یہ اشکال ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ کفار کے دلوں کو اتنے سخت کردے کہ ان میں ایمان داخل نہ ہوسکے۔اورمطالبہ ارادہ کو مستلزم ہوتا ہے پس موسیٰ علیہ السلام نے اس چیز کا مطالبہ اورارادہ کیسے فرمایا جس کے خلاف اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا۔یعنی اللہ تعالیٰ نے کفار کو ایمان لانے کا حکم دیا تھا۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ مطالبہ حضرت نوح علیہ السلام کی اُس دعا کی مانند نہیں۔جس کی حکایت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا. (سورہ نوح، آیت:24)

ترجمہ: اورتو ظالموں کوزیادہ نہ کرنا مگر گمراہی۔

کیونکہ حضرت نوح علیہ السلام کو پہلے ہی خبر دی گئی تھی:

اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ . (سورۃ الھود، آیت:36)

ترجمہ: وہ تمہاری قوم سے مسلمان نہ ہوں گے مگر جتنے ایمان لاچکے ہیں۔

اس خبر کی وجہ سے حضرت نوح علیہ السلام ان کے ایمان سے مایوس ہوچکے تھے۔برخلاف موسیٰ علیہ السلام کے ان کو اس قسم کی کوئی خبر نہیں دی گئی تھی۔

جواب..... اس میں غوروفکر کیا جائے تو درحقیقت کوئی اشکال نہیں۔عز بن عبدالسلام رحمہ اللہ کا اشکال اس بات پر مبنی ہے کہ مطالبہ ارادہ کو مستلزم ہے چنانچہ انہوں نے خود اس کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے کفار کے بارے میں جس چیز سے نفرت کرنے کا حکم دیا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کا مطالبہ اورارادہ کیسے فرماسکتے ہیں؟ معاملہ ایسا نہیں جیسا کہ عز بن عبدالسلام رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے۔بلکہ مطالبہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دلوں کو سخت کرنے کے ارادہ کو مستلزم ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر بطور غضب کے دلوں کو سخت کردینے کے ارادہ کو مستلزم ہے۔اور کفار کی طرف سے اس کے وقوع کے ارادے کو مستلزم نہیں۔ اوراس مطالبہ میں کوئی حرج نہیں۔پس حضرت موسیٰ علیہ السلام کفار کی طرف سے اس کے وقوع کو نفرت سے دیکھتے تھے کیونکہ یہ بے شمار مفاسد پر مشتمل تھا اوراللہ تعالیٰ نے ان کو اسلام کی دعوت کا جو حکم دیا تھا اس کے بھی مخالف تھا۔حضرت موسیٰ علیہ السلام چاہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کفار پر اس کا وقوع ہو کیونکہ یہ اُن

کے عذاب کا موجب اور وہ جس عناد اور سرکشی کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ پیش آئے تھے اس کے مقابلے میں ان کے انجام بد کے وقوع کا سبب تھا۔لہٰذا ارادہ اور نفرت دونوں ایک چیز پر وارد نہیں ہوتے ہیں بلکہ ارادہ کا تعلق ایک چیز سے ہے اور نفرت کا تعلق دوسری چیز سے ہے لہٰذا عز بن عبدالسلام رحمہ اللہ نے جو فرمایا ہے وہ اس پر لازم نہیں آتا اور ان کا اشکال اس پر مبنی تھا کہ دونوں کا تعلق ایک چیز سے ہے مذکورہ دونوں حیثیتوں کے اختلاف کو جاننے کے بعد تم پر واضح ہو گیا کہ یہاں کوئی اشکال نہیں ۔نیز حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سوال کا مقصد کفار کے خلاف دوامِ عذاب کی دعا ہے ۔کہ اللہ تعالیٰ اُن کو اُس کفر پر دائمی عذاب دے جس کے ساتھ اسلام قبول نہ کرنے کا سبب ہمیشہ موجود ہے ۔عز بن عبدالسلام رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مذکورہ دعا اور حضرت نوح علیہ السلام کی دعا کے درمیان کوئی مماثلت نہیں ۔ان کا یہ قول بھی محل نظر ہے ان کو کیسے یقین ہوا ہے کہ ان دونوں دعاؤں کے درمیان مماثلت کا انتفاء ہے بلکہ احتمال ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بذریعہ وحی یہ معلوم ہو چکا ہو کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے تو آپ نے ناامید ہو کر ان کے خلاف دعا فرمائی ہو کیونکہ یہی چیز نبی خاص کر حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر نبی کے لائق ہے ۔کیونکہ آپ اپنی قوم کے لئے انتہاء درجہ کی شفقت وعنایت رکھتے تھے ۔ چنانچہ ہمارے نبی اکرم ﷺ نے اسی چیز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

رَحِمَ اللّٰهُ اَخِيْ مُوْسٰى لَقَدْ اُوْذِيَ بِاَكْثَرَ مِنْ هٰذَا فَصَبَرَ.

ترجمہ:اللہ تعالیٰ میرے بھائی موسیٰ پر رحم فرمائے کہ وہ اس سے بھی زیادہ ستائے گئے پس انہوں نے صبر کیا۔

(مسند احمد شاکر،مسند عبداللہ بن مسعود،رقم الحدیث:3608،ج:3 ص:510،بالفاظ مختلف)

مسلمان سے سلب ایمان کی دعا کا حکم

ہمارے شافعی آئمہ میں سے حضرات شیخین اور ان کے علاوہ دیگر علماء نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی مسلمان سے کہے کہ اللہ تعالیٰ تیرے ایمان کو سلب کرے یا کسی کافر کو کہے اللہ تعالیٰ تجھے ایمان نصیب نہ کرے تو اس کا یہ کہنا کفر نہیں ہوگا۔کیونکہ یہ کفر پر رضا مندی نہیں بلکہ یہ اس پر معاملہ کی سختی کی بددعا ہے۔

(شیخین کی عبارت ختم ہوگئی)

اس سے معلوم ہوا کہ دوامِ کفر کی دعا کفر پر رضا کو مستلزم نہیں اور مکروہ جو چیز ہے وہ رضا بالکفر ہے ۔بلکہ جس کے خلاف دعا کی گئی ہے یہ اُس سے صدورِ کفر کے ارادہ کو بھی مستلزم نہیں ۔کیونکہ سابقاً یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اس دعا کا مقصد معاملہ کی سختی ہے اس کے سوا کوئی اور امر مقصود نہیں جب یہ دعا ہماری شریعت میں کفر نہیں تو ممکن ہے کہ حضرت

موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں مباح ہو۔ میرے علم کے مطابق مفسرین کرام میں سے کسی نے بھی اس جواب کے کسی حصے کی طرف اشارہ نہیں فرمایا۔ اس جواب کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ ابوحیان نے جو چیزیں بیان کی ہیں ان میں سے بعض کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اظہار معجزات میں جب مبالغہ فرمایا تو اُن کے سامنے معجزات پیش کیے جاتے تو اُن کے کفر میں اضافہ ہوتا جاتا اور ان کے ساتھ تبلیغ وانداز سے کام لیا جاتا تو ان کے استکبار میں زیادتی ہوتی جاتی تھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے تجربہ اور طول محبت سے یہ معلوم ہو چکا تھا یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔ گمراہی وکج روی ان کا نصیب ہے یا آپ کو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ بتا دیا تھا کہ یہ ایمان نہیں لائیں گے تو آپ نے اپنے علم کے مطابق ان کے خلاف دعا فرمائی۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے: لَعَنَ اللّٰهُ اِبْلِيْسَ ......وَاَخْزَى الْكَفَرَةَ۔ اللہ تعالیٰ ابلیس پر لعنت فرمائے اور کفار کو رسوا کرے۔) جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام کو جب ان کی قوم کے بارے میں یہ وحی فرمائی گئی کہ ان میں سے جو ایمان لا چکے ہیں ان کے سوا کوئی بھی ایمان نہیں لائے گا تو آپ نے اپنی قوم کے خلاف دعا فرمائی۔

سوال......اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّايَخْلُقُ . (سورۃ النحل، آیت:17)

ترجمہ: تو کیا جو بنائے وہ ایسا ہو جائے گا جو نہ بنائے۔

عزبن عبدالسلام رحمہ اللہ نے اپنی امالی میں اس آیت کریمہ کے بارے میں سوال کرتے ہوئے کہا کہ اس میں ایک اشکال ہے اور وہ یہ ہے کہ تشبیہ کے قاعدے کے مطابق شبہ مشبہ بہ سے کم درجہ کا ہونا چاہیے اور اسی قاعدے کے تحت اس آیت میں تشبیہ وارد ہے۔

يُحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ . (سورۃ البقرۃ، آیت:165)

ترجمہ: معبودانِ باطلہ کو وہ اللہ کی طرح محبوب رکھتے ہیں۔

لہٰذا قاعدے کے تقاضے کے مطابق اس کو اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّايَخْلُقُ . ہونا چاہیے تھا۔ اس اشکال کا یہ جواب نہیں بن سکتا کہ کفار اپنے بتوں کی اللہ تعالیٰ سے زیادہ تعظیم کرتے تھے (جس کی وجہ سے ان کے نزدیک ایک مشبہ کا درجہ مشبہ بہ سے کم تھا) یہ جواب اس لئے نہیں بن سکتا کہ قرآن کریم کی دوسری آیت بتائی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم بتوں کی تعظیم سے زیادہ کرتے تھے چنانچہ اللہ تعالیٰ ان کی حکایت کرتے ہوئے فرماتا ہے:

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى . (سورۃ الزمر، آیت:3)

ترجمہ: (کفار کہتے ہیں) انہیں صرف اتنی بات کے لئے پوجتے ہیں کہ یہ اللہ کے نزدیک کردیں۔

اور اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ . (سورۃ القلم، آیت:35)

ترجمہ: کیا ہم مسلمانوں کو مجرموں سا کردیں۔

اس آیت میں پیدا ہونے والے اشکال کا جو جواب دیا گیا ہے وہ جواب بھی مذکورہ آیت کے اشکال کا مکمل جواب نہیں بن سکتا۔ لہٰذا آپ سے التماس ہے اس کا جواب کیا ہے؟

جواب...... مفسرین نے مذکورہ اشکال کا یہ جواب دیا ہے کہ اس کا تعلق عکس تشبیہ سے ہے اور عکسِ تشبیہ کلام عرب میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے جو اس نے بطور حکایت فرمایا ہے عکس تشبیہ ہی ہے:

اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا . (سورۃ البقرۃ، آیت:275)

ترجمہ: بیع بھی تو سود ہی کی مانند ہے۔

سودخوروں نے جس چیز کے حلال ہونے پر اجماع کیا ہے اُس کو جس کی حرمت پر اجماع ہے اس کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ اس کے برعکس تشبیہ نہیں دی کیونکہ انہوں نے اپنے سودی کاروبار کو اس اصل کے قائم مقام قرار دیا ہے جس کی مماثل بیع ہوتی ہے۔ اورذی...... کا قول بھی عکس تشبیہ سے تعلق رکھتا ہے:

كَاَنَّ ضِيَاءَ الشَّمْسِ غُرَّةُ اَحْمَدَ.

ترجمہ: گویا آفتاب کی روشنی احمد کی پیشانی کی چمک ہے۔

(المعجم الکبیر للطبرانی، باب العین، عاتکہ بنت عبدالمطلب عمۃ رسول اللہ، رقم الحدیث:861، ج:24 ص:348، بالفاظ مختلف مطبوعہ: ایضا)

اس تمہید کے بعد ہم کہتے ہیں کہ کفار نے اپنے کفر اور عناد میں مبالغہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو اپنے بتوں وغیرہ ان تمام چیزوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے جن کی وہ عبادت کرتے تھے اس کا مقصد ان کے بارے میں یہ بتانا ہے کہ ان کے ہاں شرک کی اتنی اہمیت ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو عاجز مخلوق کے ساتھ تشبیہ دے کر اللہ تعالیٰ کی ذات کو ان کی جنس میں سے قرار دیا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی شدید مذمت فرماتے ہوئے اشارہ فرمایا کہ وہ اس معاملے میں بہائم کے ساتھ زیادہ مشابہ ہیں۔ چنانچہ فرمایا: اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ . (سورۃ النحل، آیت:17) یعنی کیا تم اپنی جانب سے صادر ہونے والے اس عظیم فساد کو یاد نہیں کرتے ہو کیونکہ تمہارا یہ فساد واضح ترین بدیہیات میں سے ہے ضروریات تو دور کی چیزیں ہیں۔ اسی لئے گویا کہ وہ ان کی عقلوں میں موجود اور ان کے فہموں میں مرکوز تھا لیکن اس کے باوجود انہوں نے اپنی خواہشات باطلہ اور رسوا کن آراء کو اس پر ترجیح دی اور اس فساد سے غافل رہے اگر وہ اس کی طرف معمولی سی توجہ کرتے تو اس کا ادراک کرلیتے۔ اسی لئے ان سے فرمایا گیا (اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ) (کیا تم نصیحت نہیں

بے) کیونکہ اگر تم معمولی سا فکر کرتے تو یہ بات نہ کہتے۔

اس تفصیل کے بعد عز بن عبدالسلام رحمہ اللہ کے سوال کا جواب واضح ہو جاتا ہے کہ یہ تشبیہ اس قاعدے کے خلاف وارد ہوئی ہے جس کا ذکر انہوں نے کیا ہے کیونکہ قائل کا مقصد اپنے مدعٰی کے بیان میں مبالغہ کرنا ہے پس اس نے تشبیہ کے معروف طریقہ کے برعکس کیا ہے تاکہ اسے مذکورہ مبالغہ حاصل ہو سکے۔ عز بن عبدالسلام رحمہ اللہ نے فرمایا تھا کہ اس کا جواب نہیں دیا جا سکتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم بتوں کی اللہ تعالیٰ سے زیادہ تعظیم کرتے تھے۔ مصنف فرماتے ہیں: ان کا یہ قول قابل تسلیم نہیں کیونکہ کفار کے کئی فرقے تھے ان میں کچھ وہ تھے جو اپنے بتوں کی اللہ تعالیٰ سے زیادہ تعظیم کرتے تھے۔ اور کچھ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ کی اصنام سے زیادہ تعظیم کرتے تھے۔ اور مذکورہ آیت کریمہ پہلے گروہ کے حق میں وارد ہے۔ اور مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى۔ الاية دوسرے گروہ کے حق میں وارد ہے۔

سوال...... اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۔ (سورۃ الانعام، آیت: 164)

ترجمہ: اور کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔

اس آیت کریمہ کے بارے میں حضرت عز بن عبدالسلام رحمہ اللہ نے سوال کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ نفس عاصی ہو یا غیر عاصی پر ایک کسی دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا پس عاصی کی تخصیص کی کیا وجہ ہے؟ حالانکہ عموم کی تصریح عدل وانصاف کے بیان میں زیادہ کامل اور بشارت میں زیادہ بلیغ اور لفظ کے اعتبار سے زیادہ مختصر ہے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے۔

لَا تَحْمِلُ نَفْسٌ حَمْلَ اُخْرٰى ۔

ترجمہ: کوئی جان دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔

جواب...... اس آیت کریمہ میں مفسرین کی دو طرح کی آراء ہیں۔ ایک رائے یہ ہے کہ یہاں پر تـــزر کا معنی بوجھ اٹھانا ہے (یعنی گناہ کے معنی میں نہیں) اس کی تقدیر یہ ہے کہ بوجھ اٹھانے والی کوئی جان دوسری کسی جان کا بوجھ نہیں اٹھائے گی۔ اس رائے کے مطابق عز بن عبدالسلام رحمہ اللہ کا سوال وارد ہی نہیں ہوتا لہٰذا ان کا یہ کہنا کہ لَا تَحْمِلُ نَفْسٌ حَمْلَ اُخْرٰى کی طرح عموم کی تصریح میں الفاظ کا اختصار وغیرہ ہوتا۔ اس قول کا جواب بھی آ گیا کہ ان کا یہ قول آیت کریمہ کا ہی معنی ہے ان دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

بعض محققین نے سورہ بنی اسرائیل کی اس آیت کریمہ کی تفسیر میں اسی رائے کو اختیار کیا ہے:

مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۔ (سورۃ بنی اسرائیل، آیت: 15)

ترجمہ: جو راہ پر آیا وہ اپنے ہی بھلے کو راہ پر آیا اور جو بہکا تو اپنے ہی بڑے کو بہکا یا اور کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔

چنانچہ اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ عمل صالح کا ثواب اس کے فاعل کے ساتھ مختص ہے اور گناہ کی سزا اسی کے فاعل کے ساتھ مختص ہے۔ فاعل سے دوسرے کی طرف تجاوز نہیں کرے گا اسکی مزید تاکید اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد کے ساتھ تاکید فرمائی ہے: وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی۔ اور دوسری رائے یہ ہے کہ "ان تزر" وزر سے ہے اور وزر کا مطلب گناہ ہے اور آیت کی تقدیر لاتحمل آلمة الم نفس اخری یعنی کوئی گنہگار جان دوسرے کا گناہ نہ اٹھائے گی۔

اس رائے کے مطابق عز بن عبد السلام رحمہ اللہ کا مذکورہ سوال وارد ہوگا اور اس کا جواب یہ ہے کہ نفس عاصی کی تخصیص کا سبب یہ ہے کہ یہ آیت کریمہ کفار کے اس قول کے ردّ میں وارد ہوئی ہے جس قول کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں ان سے حکایت فرمایا ہے۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِیْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطَایَا کُمْ۔

(سورۃ العنکبوت، آیت: 12)

ترجمہ: اور کافروں نے مسلمانوں سے کہا کہ ہماری راہ پر چلو اور ہم تمہارے گناہ اٹھالیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے اُن کے اس قول سے پہلے ہی تردید فرمادی ہے کہ:

وَمَا هُمْ بِحَامِلِیْنَ مِنْ خَطَایَاهُمْ مِّنْ شَیْءٍ اِنَّهُمْ لَکٰذِبُوْنَ۔ (سورۃ العنکبوت، آیت: 12)

ترجمہ: حالانکہ وہ انکے گناہوں سے کچھ نہ اٹھائیں گے۔

قرآن کریم کا یہ طریقہ ہے کہ وہ دلائل کو مختلف انداز اور موافق سیاقات کے ساتھ تکرار سے بیان فرماتا ہے اگرچہ دعویٰ ایک ہی ہوتا ہے۔ اس کا مقصد تاکید میں زیادتی اور قولِ کفار کی خوب تردید کرنا ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے کفار کی انتہائے درجہ کی تردید کرتے ہوئے سورہ فاطر میں اس آیت کے بعد فرمایا:

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰی حِمْلِهَا لَا یُحْمَلْ مِنْهُ شَیْءٌ وَّلَوْ کَانَ ذَا قُرْبٰی۔ (سورۃ الفاطر، آیت: 18)

ترجمہ: اور کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی اور اگر کوئی بوجھ والی اپنا بوجھ بٹانے کو کسی کو بلائے تو اس کے بوجھ میں سے کوئی کچھ نہ اٹھائے گا۔ اگرچہ وہ قریبی رشتہ دار ہو۔

یعنی گناہوں کے بوجھ تلے دبی کوئی جان اگر دوسرے کسی سے اپنے بوجھ میں کچھ اٹھانے کا مطالبہ کرے گی تو وہ کسی حالت میں بھی اس کے گناہوں میں کوئی چیز نہ اٹھائے گا خواہ وہ اس کا قریبی رشتہ دار کیوں نہ ہو۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ کسی جان سے اس کا گناہ نہیں اٹھایا جائے گا اور پہلی آیت نے یہ بتایا کہ کسی جان پر دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہ ڈالا جائے گا۔ اور یہ اس آیت کریمہ کے منافی نہیں:

وَلَيَحْمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ وَأَثْقَالاً مَّعَ أَثْقَالِهِمْ. (سورۃ العنکبوت، آیت: 13)

ترجمہ: بے شک ضرور اپنے بوجھ اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ اور بوجھ بھی اٹھائیں گے۔

کیونکہ اس آیت کا مطلب ہے کہ وہ لوگ اپنی گمراہی اور دوسروں کو گمراہ کرنے کا بوجھ اٹھائیں گے۔ اور یہ سارا اُن کا اپنا گناہ ہے لہٰذا کوئی بھی کسی دوسرے کے کسی گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ اور عز بن عبد السلام رحمہ اللہ نے فرمایا تھا کہ عموم کی تصریح عدل کے بیان میں زیادہ کامل اور الفاظ میں زیادہ مختصر ہے۔ ہم نے جو تشریح کی ہے اس کے مطابق ان کا یہ سوال وارد نہیں ہوتا کیونکہ نفس عاصی کی تخصیص ایک ضروری سبب کی وجہ سے واقع ہوئی ہے۔ اور وہ کفار کے اس افتراء کا رد ہے۔ جس میں انہوں نے مؤمنوں سے کہا تھا کہ تم ہماری اتباع کرو ہم تمہارے گناہوں کا بوجھ اٹھائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی پر اکتفاء نہیں فرمایا بلکہ سورہ بنی اسرائیل میں پہلے یہ تمہید بیان کی کہ انسان کی نیکیاں اسی کے فائدے کے لئے ہیں اور اس کے گناہ اسی کے لئے ضرر رساں ہیں۔ اور اس کے بعد اس کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

مَنِ اهْتَدٰى فَإِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا. (سورۃ بنی اسرائیل، آیت: 15)

ترجمہ: جو راہ پر آیا وہ اپنے ہی بھلے کو راہ پر آیا اور جو بہکا تو اپنے ہی بُرے کو بہکا۔

اور سورہ فاطر کی آیت میں نیکیوں اور حسنات سے جو چیز متعلق ہے اس کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَمَنْ تَزَكّٰى فَإِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ. (سورۃ الفاطر، آیت: 18)

ترجمہ: اور جو ستھرا ہوا تو اپنے ہی بھلے کو ستھرا ہوا۔

یعنی جو اپنی ذات کو گناہوں کی آلودگی سے پاک کرتا ہے تو وہ اپنی ذات کے لئے پاک کرتا ہے کیونکہ اس کا نفع اسی کے لئے ہے کسی دوسرے کے لئے نہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے ایک سیاق کے تحت معاصی اور ان سے متعلق چیز کو اور دوسرے سیاق کے تحت حسنات اور ان سے متعلق چیز کو انتہائی بلاغت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ قرآن کریم کی بلاغت کا کمال ہے کہ وہ مطلب کو اسی طرح جدا کر کے بیان کرتا ہے۔ اس میں کسی انکار کرنے والے کے لئے کسی طرح کے شبہ اور تردد کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ ہمارے اس جواب میں غور کیجئے۔ کیونکہ ہمارے علم کے مطابق اس جواب کے کسی بھی حصے کی طرف کسی نے بھی اشارہ نہیں کیا۔

سوال...... اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَضَرَبْنَا عَلٰى اٰذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا. (سورۃ الکہف، آیت: 11)

ترجمہ: جو ہم نے اس غار میں ان کو کانوں پر گنتی کے کئی برس تھپکا دیئے۔

عز بن عبدالسلام رحمہ اللہ نے اپنی ''امالی'' میں ہی اس آیت کریمہ کے بارے میں یہ سوال کیا ہے کہ اس میں سنین کے بعد عدد (گنتی) کا ذکر کیا گیا ہے۔ حالانکہ سنین گنتی اور عدد والے ہی ہوتے ہیں اس کے باوجود عدد کے ذکر کا کیا فائدہ ہے؟ برخلاف ان دونوں آیات کے :وَدَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ .(یوسف) (چند گنتی کے دراہم) اور ایام مَعْدُوْدَات(البقرۃ) چند گنتی کے دن۔) کیونکہ ان دونوں آیات میں عدد کا تذکرہ قلت پر دلالت کرتا ہے کیونکہ جہاں کثرت اور اضافہ ہوتا ہے اس کی گنتی مشکل ہوجاتی ہے۔سوال میں مذکورہ آیت میں صفت کی عظمت بیان کرنا مقصود ہے لہذا عدد کا ذکر مناسب ہے۔

جواب...... یہاں پر عدد کے ذکر کا یہ فائدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کو کئی برس ایسی نیند سلا دیا کہ کوئی آواز انہیں بیدار نہ کرسکی۔ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں بیدار کیا تو ان کا اس مدتِ اقامت میں اختلاف ہوا، بعض نے کہا بَعَثْنَا يَوْمًا اَوْبَعْضَ يَوْمٍ (ہم ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ٹھہرے ہیں) شک کی وجہ یہ تھی وہ صبح کے وقت سوئے تھے اور ظہر کے وقت بیدار ہوگئے تھے۔اس لئے وہ شک میں مبتلا ہوئے کہ اگر یہ ظہر اسی دن کی ہے تو پھر دن کا کچھ حصہ ٹھہرے ہیں اور اگر دوسرے دن کی ظہر ہے تو پھر ایک دن اور دوسرے دن کا کچھ حصہ ٹھہرے ہیں۔لیکن انہوں نے کسر کو اہمیت نہ دیتے ہوئے ایک دن کے بعض حصہ کا تذکرہ نہیں کیا اور ان میں سے بعض نے تردد سے بچنے کے لئے اس کے علم کو اللہ تعالیٰ کی طرف تفویض کیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں اس کی حقیقت بیان فرمادی:

وَلَبِثُوْا فِيْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا. (سورۃ الکہف، آیت۔25)

ترجمہ: وہ اپنے غار میں تین سو برس ٹھہرے نو اوپر۔

واقع میں مدت بہت طویل تھی اور اصحاب کہف میں سے بعض کے خیال میں بہت قلیل تھی اور یہ وہ حضرات تھے جنہوں نے کہا تھا :بَعَثْنَا يَوْمًا اَوْبَعْضَ يَوْمٍ . اہل عرب کثیر پر عدد کا اطلاق کرتے ہیں اور چالیس سے کم کی گنتی کرتے ہیں اس کا وزن نہیں کرتے اور چالیس سے زائد کا وزن کرتے ہیں۔چالیس سے کم کا عدد انتالیس کے عدد کو شامل ہے اور انتالیس کے عدد کا تعلق اعدادِ کثرت سے ہے۔اور یہ کبھی قلت کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے اور تین سے لے کر دس تک عدد قلت ہے۔ایام معدودات ،کا تعلق تین سے ہے اور ''دراھم معدودۃ ''کا تعلق دس کے ساتھ ہے۔

اس تمہید کے بعد ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا عدد کو سنین کی صفت قرار دینے میں واضح نکتہ پایا جاتا ہے کہ اس واقعہ کے پہلے حصہ سے اصحاب کہف کی خبر کو پوشیدہ رکھنا اور یہ بتانا مقصود ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی آزمائش کرنے والے

درحقیقت خود بھی اصحاب کہف کی مدتِ اقامت کو نہیں جانتے اوران کے علاوہ دیگر لوگوں کو بھی اس کا علم نہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے سنین کا لفظ استعمال فرمایا ہے جو قلت کو بیان کررہا ہے۔ کیونکہ سنین کا لفظ جمع مذکر سالم کے ساتھ ملحق ہے جو قلت وکثرت دونوں کا احتمال رکھتا ہے۔ اس لفظ کو استعمال فرمانے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ اصحاب کہف کی خبر بے انتہا مخفی رکھی گئی ہے اوراس کے بارے میں سوال کرنے والوں نے رسول اللہ ﷺ کی آزمائش کی بہت زیادہ کوشش کی ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد دلالت کررہا ہے۔

ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَيُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا. (سورۃ الکہف، آیت:12)

ترجمہ: ہم نے انہیں جگایا کہ دیکھیں دوگروہوں میں سے کون ان کے ٹھہرنے کی مدت زیادہ ٹھیک بتاتا ہے۔

اس تفصیل کے بعد عزبن عبدالسلام رحمہ اللہ کے سوال کا جواب واضح ہوگیا کہ سنین کے بعد عدد کا ذکر فائدہ سے خالی نہیں۔ اس فائدہ کا تذکرہ ہم نے کردیا ہے۔

ایک حدیث کا مطلب

سوال......رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کا کیا مطلب ہے؟

كَانَ اللّٰهُ وَلَمْ يَكُنْ مَعَهُ شَيْءٌ وَّكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ .

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی ہستی تھی اورکوئی چیز اس کے ساتھ موجود نہ تھی اوراس کا عرش پانی پر تھا۔

اس حدیث پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی چیز موجود نہیں تھی حالانکہ اس کا عرش اس کے ساتھ تھا۔

جواب......یہ حدیث بخاری شریف میں ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے:

كَانَ اللّٰهُ وَلَمْ يَكُنْ شَيْءٌ قَبْلَهُ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ ثُمَّ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَكَتَبَ فِي الذِّكْرِ كُلَّ شَيْءٍ.

اللہ تعالیٰ تھا اوراس سے پہلے کوئی چیز نہ تھی اوراس کا عرش پانی پر تھا اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اورزمین کو پیدا فرمایا اورکتاب تذکرہ میں ہر چیز لکھ دی۔

(صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، باب ماجاء فی قول اللہ تعالیٰ وھوالذی یبداء الخلق الخ رقم الحدیث: 3191، ج:4 ص:105، مطبوعہ: ایضا)

اورامام ترمذی رحمہ اللہ نے ان الفاظ کے ساتھ تخریج کیا ہے:

قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَيْنَ كَانَ رَبُّنَا قَبْلَ اَنْ يَّخْلُقَ خَلْقَهُ؟ قَالَ كَانَ فِيْ عَمَاءٍ مَا تَحْتَهُ هَوَاءٌ وَمَا فَوْقَهُ هَوَاءٌ وَخَلَقَ عَرْشَهُ عَلَى الْمَاءِ .

(جامع الترمذی، ابواب التفسیر القرآن، باب ومن سورۃ ہود، رقم الحدیث: 3109، ج:5 ص: 288، مطبوعہ: ایضا)

راوی کہتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! ہمارا رب اپنی خلوق کی تخلیق سے پہلے کہاں تھا؟ آپ نے فرمایا وہ عماد میں تھا جس کے نیچے ہوا تھی اور جس کے اوپر ہوا تھی۔ اور اس نے عرش پانی پر پیدا فرمایا۔

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ عماء سے آپ ﷺ کی مراد یہ ہے کہ اللہ تعالی کے ساتھ کوئی چیز نہیں تھی۔

(مسند احمد، مسند المدنیین، حدیث ابی رزین العقیلی الخ، رقم الحدیث: 16189، ج: 26 ص: 109)

ابن اثیر اپنی جامع میں فرماتے ہیں:

لغت میں عماء پتلے بادل کو کہا جاتا ہے اور ایک قول کے مطابق کثیف بادل کو کہا جاتا ہے۔ اور ایک قول کے مطابق زمین کو خوب ڈھانپنے والے بادل کو عماء کہا جاتا ہے۔

(مستدرک للحاکم، کتاب الفتن والملاحم، اما حدیث ابی عوانہ، رقم الحدیث: 8535، ج: 4 ص: 548، مطبوعہ: ایضا، بالفاظ مختلف)

اس حدیث میں لازمی طور پر مضاف محذوف ہے جس کی تقدیر ہے اَیْنَ کَانَ عَرْشُ رَبِّنَا ہمارے رب کا عرش کہاں تھا؟ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ کی طرح مضاف محذوف ہے کہ اس میں درحقیقت اَنْ يَّاْتِيَهُمْ اَمْرُ اللّٰهِ ہے اور اس حذف پر یہ آیت کریمہ دلالت کررہی ہے وَكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ اور ظاہر یہ ہے کہ اس کی تقدیر آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے پہلے ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ پانی اور عرش کی تخلیق آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق سے پہلی ہوئی ہے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ اللہ تعالی نے ایک سبز رنگ کے یاقوت کو پیدا فرمایا اور پھر اس کی طرف ہیبت کی نگاہ ڈالی تو وہ پانی بن گیا۔ اس کے بعد اللہ تعالی نے ہوا کو پیدا فرمایا۔ اور جہاں ہوا کی انتہاء تھی اس پر پانی کو رکھا اور اس کے بعد عرش کو پانی پر رکھا۔

(العظمۃ لابی الشیخ الاصبہانی، ذکر عرش الرب الخ، رقم الحدیث: 192، ج: 2 ص: 546)

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ان سے کہا گیا پانی کس کس چیز پر تھا؟ آپ نے ارشاد فرمایا پانی ہوا کی پشت پر تھے۔

(العظمۃ لابی الشیخ الاصبہانی، ذکر عرش الرب الخ، رقم الحدیث: 192، ج: 2 ص: 546)

علامہ بیضاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی کا عرش آسمان وزمین کی تخلیق سے پہلے پانی پر تھا اور عرش کے درمیان کوئی چیز حائل نہ تھی۔ عرش پانی کی سطح پر رکھا ہوا تھا۔

(تفسیر البیضاوی، سورۃ ہود، آیت: 7، ج: 3 ص: 128، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی بیروت)

اسی سے امکان خلاء اور اس عالم کے اجرام میں سے عرش کے بعد سب سے پہلے پانی کے حادث ہونے پر استدلال کیا گیا ہے ایک قول کے مطابق پانی ہوا کی پشت پر تھا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب

اس تمہید کے بعد ہم کہتے ہیں کہ حدیث پاک درحقیقت ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔ وَلَمْ يَكُنْ قَبْلَهُ شَيْءٌ اور یہ الفاظ سوال میں مذکور الفاظ کے مخالف ہیں۔ لہٰذا اشکال پیدا نہیں ہوتا۔ اور اگر سوال میں مذکورہ الفاظ ہی کو حدیث میں وارد ہونا فرض کیا جائے تو تب بھی وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ کی موجودگی میں کوئی اشکال پیدا نہیں ہوتا کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ازل میں کوئی چیز موجود نہیں تھی۔ لیکن بعض مخلوق کو پیدا کرنے کے بعد اس کا عرش پانی پر موجود تھا۔ لہٰذا سائل کا یہ کہنا کہ اس کا عرش اس کے ساتھ تھا۔ اس سے اس کی اگر یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کا عرش ازل میں موجود تھا تو اس کا یہ قول باطل ہے اور اگر اس کی مراد یہ ہے کہ اس عرش فیما لایزال یعنی ابد میں اس کے ساتھ ہے تو یہ صحیح ہے اور یہ اس کی ذکر کردہ حدیث کے منافی نہیں جیسا کہ کسی بھی صاحب بصیرت پر مخفی نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب

اَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَاَبُوْبَكْرٍ اَسَاسُهَا الخ

سوال......رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

اَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَاَبُوْبَكْرٍ اَسَاسُهَا وَعُمَرُ حِيْطَانُهَا وَعُثْمَانُ سَقْفُهَا وَعَلِيٌّ بَابُهَا۔

میں علم کا شہر ہوں اور ابوبکر (رضی اللہ عنہ) اس کی بنیادیں اور عمر (رضی اللہ عنہ) اس کی دیواریں اور عثمان (رضی اللہ عنہ) اس کی چھت اور علی (رضی اللہ عنہ) اس کا دروازہ ہیں۔

(مسند الفردوس، باب الالف، رقم الحدیث: 104، ج: 1 ص: 43، مطبوعہ: ایضا)

کیا یہ حدیث صحیح ہے یا کہ نہیں؟

جواب......اس حدیث کو صاحب مسند الفردوس نے روایت کیا ہے اور ان کی اتباع میں ان کے بیٹے نے سند کے ساتھ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ یہ ضعیف حدیث ہے اور یہ اس حدیث کی طرح ضعیف ہے:

اَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا وَمُعَاوِيَةُ حَلْقُهَا۔

میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ اور معاویہ اس کی فصیل ہیں۔

(مسند الفردوس، باب الالف، رقم الحدیث: 106، ج: 1 ص: 44، مطبوعہ: ایضا)

یہ حدیث بھی ضعیف ہے لیکن اَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا (میں علم کا شہر اور علی اس کا دروازہ ہیں) یہ حدیث

حسن ہے بلکہ امام حاکم رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ صحیح حدیث ہے۔ اور امام بخاری رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس کی کوئی سند صحیح نہیں۔ اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے یہ منکر ہے۔ اور ابن معین نے فرمایا ہے کذب معترض ہے۔ اگر چہ اس کو ابن جوزی رحمہ اللہ نے ''موضوعات'' میں ذکر کیا ہے۔ ابوذہبی رحمہ اللہ وغیرہ محدثین نے اس کے موضوع ہونے پر ابن جوزی رحمہ اللہ کی اتباع کی ہے۔

اور یہ حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حضرت ابوبکر وحضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم پر افضلیت کی مقتضی نہیں خود حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ صحیح حدیث مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ

خَيْرُ النَّاسِ مِنْ بَعْدِ النَّبِيِّ ﷺ اَبُوْبَكْرٍ ثُمَّ عُمَرُ ثُمَّ رَجُلٌ آخَرُ فَقَالَ لَهُ ابْنُهُ مُحَمَّدٌ ثُمَّ اَنْتَ يَاَبَتِ فَقَالَ مَا اَبُوْكَ اِلَّا رَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ.

نبی اکرم ﷺ کے بعد تمام لوگوں سے افضل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں اور ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد ایک اور شخصیت ہیں تو آپ کے صاحبزادے محمد نے عرض کیا ان کے بعد آپ ہیں اے میرے ابا جان! تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے (بطور تواضع) کے فرمایا تمہارا باپ مسلمانوں کا ایک فرد ہے۔

(مسند احمد، مسند علی بن ابی طالب، رقم الحدیث:1052، ج:2 ص:312، مطبوعہ: ایضا)

اسی لئے صحابہ کرام اور تابعین عظام سے لے کر ان کے بعد کے تمام اہل السنۃ کا اس پر اجماع ہے کہ علی الاطلاق صحابہ میں سب سے افضل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب

سوال ...... حدیث پاک میں ہے کسی شخص نے رسول اللہ ﷺ کے جسم اقدس سے کوئی تکلیف دہ چیز اٹھائی تو آپ نے اس کے حق میں دعا کرتے ہوئے فرمایا کہ سَمِعَ اللّٰهُ عَنْكَ مَا تُكْرِهُ (اللہ تعالیٰ تیرے سے ناپسندیدہ چیز کو مٹا دے) اس حدیث میں مسح کا لفظ ہاء مہملہ کے ساتھ ہے یا کہ خاء معجمہ کے ساتھ اس کی وضاحت فرما کر ثواب حاصل کریں۔

جواب ...... اس لفظ کا ھاء مھملہ اور خاء معجمہ دونوں کے ساتھ ہونا درست ہے۔ کیونکہ مسح کا معنی محو کرنا یا قطع کرنا یا دور کرنا ہے۔ اور مسخ سے اس کا معروف معنی متبادر ہوتا ہے اور اس کا معروف معنی صورت کو اس سے زیادہ قبیح صورت کے ساتھ بدلنا ہے۔ اور یہ حدیث اذکار نووی میں ابن السنی کی کتاب سے منقول ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

اِنَّ اَبَا اَيُّوْبَ الْاَنْصَارِيَّ تَنَاوَلَ مِنْ لِحْيَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَذًى فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَسَحَ اللّٰهُ مِنْكَ يَا اَبَا اَيُّوْبَ مَا تُكْرَهُ.

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی مبارک سے کوئی تکلیف دہ چیز اٹھائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوایوب اللہ تعالیٰ تیرے سے ہر ناپسند چیز کو مٹا دے گا۔

(الاذکار للنووی، کتاب الاذکار المتفرقۃ، باب مایقول لمن ازال الخ، رقم الحدیث:1598، ج:1 ص:501، مطبوعہ: دار ابن حزم، بیروت)

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اقدس سے کوئی چیز اٹھائی تو آپ نے دو مرتبہ ان کے لئے یہ دعا فرمائی:

لَمْ يَكُنْ بِكَ السُّوْءُ يَا اَبَا اَيُّوْبَ.

ترجمہ: اے ابوایوب! تیری ذات میں کوئی برائی نہ رہے۔

(الاذکار للنووی، کتاب الاذکار المتفرقۃ، باب مایقول لمن ازال الخ، رقم الحدیث:1599، ج:1 ص:501، مطبوعہ: دار ابن حزم، بیروت)

یزید پر لعنت کا مسئلہ

سوال...... احیاء العلوم میں منقول اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟ اور مؤمن مذکور پر لعنت کیسے ہوگی؟

جواب...... لَعْنُ الْمُؤْمِنِ كَقَتْلِهٖ؟ (مؤمن پر لعنت کرنا اس کو قتل کرنے کی طرح ہے۔)

(مسند احمد، مسند المدنیین، حدیث ثابت بن الضحاک الانصاری، رقم الحدیث:16386، ج:26 ص:312، مطبوعہ: ایضاً)

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ حدیث متفق علیہ ہے۔

جواب...... اس حدیث کا مطالب یہ ہے کہ مؤمن پر لعنت کرنا اسی طرح شدید حرام ہے جس طرح اس کو قتل کرنا شدید حرام ہے۔ کیونکہ مسلمان پر لعنت کرنا حرام ہے بلکہ غیر حربی کافر پر لعنت کرنا بھی اسی طرح حرام ہے بلکہ حیوان پر لعنت کرنا بھی ایسے ہی حرام ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لعنت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے دور کرنے اور دھتکارنے سے عبارت ہے۔ اور یہ سوائے اس شخص کے کسی پر جائز نہیں۔ جو شخص کسی ایسی بری صفت سے متصف ہو جو اسے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے دور کرنے والی ہے۔ اور وہ بری صفت کفر، بدعت اور فسق ہے۔ پس جو ان میں سے کسی ایک کے ساتھ متصف ہے اس پر وصف عام کے اعتبار سے یا وصف خاص کے اعتبار سے لعنت بھیجنا جائز ہے۔ مثلاً یوں کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی کافروں اور بدعتیوں اور فاسقوں پر لعنت ہو۔ اور وصف خاص کا اعتبار کرتے ہوئے یوں کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ یہودیوں خارجیوں اور قدریہ روافض، زندیقوں، ظالموں اور سود خوروں پر لعنت فرمائے۔ لیکن کسی معین شخص پر اگر وہ زندہ ہے تو مطلقاً لعنت کرنا جائز نہیں البتہ اگر کسی کے بارے میں یقینی علم ہو کہ اس کی موت کفر پر آئے گی تو اس پر لعنت کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ ابلیس (کہ جس کے بارے میں یقینی علم ہے کہ اس کی موت کفر پر ہوگی۔)

اور جس کی موت کفر کی حالت پر واقع ہونے کا یقینی علم نہیں اگرچہ وہ فی الحال کافر ہے تو اس پر لعنت کرنا جائز نہیں

کیونکہ ممکن ہے کہ وہ کسی وقت اسلام قبول کرلے اور اس کی موت اللہ تعالیٰ کے مقرب بندہ ہونے کی حالت پر آئے۔ پس ایسے شخص کے بارے میں ملعون اور بارگاہ خدا سے دھتکارے ہوئے اور دور کئے ہوئے ہونے کا کیسے حکم لگایا جاسکتا ہے۔لہذا مسئلہ لعنت میں حالیہ اور موجودہ کفر کا کوئی اعتبار نہیں۔لیکن ایسے شخص کے بارے میں یوں کہنا جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر لعنت فرمائے اگر کفر کی حالت اس کی موت آجائے۔اسی طرح کسی معین فاسق اور معین بدعتی کے بارے میں بھی یہ کہنا جائز ہے کہ اگر وہ بغیر توبہ کے مرجائے تو اس پر اللہ تعالیٰ لعنت فرمائے۔

اسی لئے امام غزالی رحمہ اللہ وغیرہ علماء کرام کے قول کے مطابق یزید پر لعنت کرنا جائز نہیں۔کیونکہ وہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا قاتل تھا یا اس نے آپ کو شہید کرنے کا حکم دیا تھا۔اس میں بعض غیر معتبر لوگوں نے مساہلت سے کام لیتے ہوئے اختلاف کیا ہے اور اس کو جائز سمجھا ہے۔اور یہ ایسے غیر معتبر لوگ ہیں جن کی بات احکام شرعیہ میں معتبر نہیں۔یزید پر لعنت جائز نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ ثابت نہیں کہ اس نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا یا ان کے قتل کا حکم دیا تھا یا اس پر وہ راضی تھا۔البتہ بعض تواریخ جو حجت بننے کے قابل نہیں ان میں کچھ ایسی چیزیں منقول ہیں۔

بلکہ امام غزالی رحمہ اللہ کے قول کے مطابق امام حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کی نسبت یزید کی طرف کرنی جائز نہیں کیونکہ کسی مسلمان کو بغیر کسی تحقیق کے گناہ کبیرہ کی طرف منسوب کرنا جائز نہیں۔ہاں البتہ یہ کہنا جائز ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے قاتل یا ان کے قتل کا حکم دینے والے یا اس پر راضی ہونے والے پر اللہ تعالیٰ لعنت فرمائے۔اگر توبہ کرنے سے پہلے اس کی موت آئی ہے تو۔کیونکہ یہ احتمال ہے کہ اس کی موت توبہ کرنے کے بعد آتی ہو۔جیسا کہ حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل وحشی کی موت توبہ کرنے کے بعد واقع ہوئی ہے۔

(احیاء علوم الدین،کتاب آفات اللسان،ج:3،ص:125،مطبوعہ:ایضا)

اعتراض......مؤمن کا قتل گناہ کبیرہ بلکہ کفر کے بعد اکبر الکبائر ہے۔اور لعنت اس طرح کا گناہ نہیں۔لہذا یہ کیسے کہا جائے گا کہ لعنت بھیجنا مؤمن کو قتل کرنے کی طرح ہے۔

جواب......لعنت کا علی الاطلاق قتل کی طرح نہ ہونا صحیح نہیں بلکہ محققین کے نزدیک لعنت بھیجنا گناہ کبیرہ ہے۔ انہوں نے اسی مذکورہ حدیث اور اس کے علاوہ دیگر احادیث سے اس پر استدلال کیا۔لیکن لعنت بھیجنا اکبر الکبائر نہیں پس اس کے پیش نظر مذکورہ حدیث میں تشبیہ اصل تحریم میں ہے یا لعنت بھیجنے اور قتل کرنے میں سے ہر ایک کے گناہ کبیرہ ہونے میں تشبیہ ہے نیز مشبہ کو من کل الوجوہ مشبہ بہ کا حکم دیا جانا لازم نہیں۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب

قیامت کے روز سب سے پہلے تین افراد سے سوال ہوگا؟

سوال......''احیاء العلوم'' میں یہ حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

اَوَّلُ مَنْ يُّسْئَلُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثَلَاثَةٌ رَجُلٌ اٰتَاهَا لِعِلْمٍ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ مَاذَا صَنَعْتَ فِيْمَا عَلِمْتَ ؟ قَالَ اَیْ رَبِّ كُنْتُ اَقُوْمُ اٰنَاءَ اللَّيْلِ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ كَذَبْتَ تَقُوْلُ الْمَلَائِكَةُ كَذَبْتَ بَلْ اَرَدْتَ اَنْ يُّقَالَ فُلَانٌ عَالِمٌ اَلَا فَقَدْ قِيْلَ ذَالِكَ. وَرَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَيَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰی قَدْ اَنْعَمْتُ عَلَيْكَ فَمَا ذَا صَنَعْتَ ؟ فَيَقُوْلُ يَارَبِّ كُنْتُ اَنْفُقُهُ وَاَصَدَّقُ بِهٖ آنَاءَ اللَّيْلِ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰی كَذِبْتَ وَتَقُوْلُ الْمَلَائِكَةُ كَذِبْتَ بَلْ اَرَدْتَ اَنْ يُّقَالَ فُلَانٌ سَخِیٌّ اِنَّ فَقَدْ قِيْلَ .قَالَ اَبُوْهُرَيْرَةَ فَقَدْ ضَبَطَ عَلَیَّ فَخِذِیْ وَقَالَ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ اُولٰئِكَ اَوَّلُ خَلْقٍ تُسْعَرُبِهِمُ النَّارُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ .

(احیاء علوم الدین، کتاب النیۃ والاخلاص، باب الثانی فضیلۃ الاخلاص، ج:4 ص: 377، مطبوعہ:ایضا)

قیامت کے روز سب سے پہلے تین طرح کے لوگوں سے سوال ہوگا ایک شخص وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے علم عطا فرمایا ہے۔پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا اپنے علم پر تم نے کیا عمل کیا؟ وہ عرض کرے گا اے میرے پروردگار میں شب روز اس میں مشغول رہا کرتا تھا۔اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔تو نے جھوٹ بولا ہے اور فرشتے کہیں گے تو نے جھوٹ کہا ہے بلکہ تمہارا مقصد یہ تھا کہ تمہارے بارے میں کہا جائے کہ فلاں عالم ہے۔خبردار تمہارے بارے میں کہہ دیا گیا ہے۔اور ایک شخص وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مال و دولت سے نوازا ہے۔پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا جو نعمتیں میں نے تجھے دی تھیں اس میں تو نے کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا اے میرے رب! میں اسکو دن رات تیری راہ میں خرچ اور صدقہ کیا کرتا تھا۔اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو نے جھوٹ کہا ہے اور فرشتے کہیں گے تو نے جھوٹ بولا ہے بلکہ تیرا مقصد تھا کہ تیرے بارے میں کہا جائے کہ فلاں بڑا سخی ہے خبردار! ایسا کہا گیا ہی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے میری ران پر دست اقدس مارا اور فرمایا اے ابوہریرہ! (رضی اللہ عنہ) یہ وہ پہلی مخلوق ہے جن پر قیامت کے دن جہنم بھڑکائی جائے گی۔

کیا یہ حدیث صحیح ہے یا کہ نہیں؟

جواب......''احیاء العلوم'' میں مذکور حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے لیکن تیسری قسم کا ذکر نہیں کیا گیا

حالانکہ ''احیاء العلوم'' کی حدیث میں بھی اس کا ذکر موجود ہے۔مذکورہ حدیث میں خلل سوال کے کاتب کی جانب سے واقع ہوا ہے۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب

اَلْفُقَرَاءُ سِرَاجُ الْاَغْنِيَاءِ . والی حدیث موضوع نہیں

سوال......درج ذیل حدیث صحیح یا حسن ہے؟ اس کی صورت حال کیسی ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَلْفُقَرَاءُ سِرَاجُ الْاَغْنِيَاءِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَوْلاَ الْفُقَرَاءُ لَهَلَكَ الْاَغْنِيَاءُ وَدَوْلَةُ الْاَغْنِيَاءِ لاَبَقَاءَ لَهَا وَدَوْلَةُ الْفُقَرَاءِ فِي الْآخِرَةِ لاَ فَنَاءَ لَهَا .

دنیا وآخرت میں فقراء اغنیاء کے چراغ ہیں۔اگر فقراء نہ ہوتے تو اغنیاء ہلاک ہو جاتے۔اور دولت مند لوگوں کی دولت کو بقاء نہیں اور فقراء کی دولت کا اظہار آخرت میں ہوگا اور وہ کبھی فنا نہ ہوگی۔

اور حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ اَكْرَمَ غَنِيًّا لِاَجْلِ غِنَائِهٖ وَاَمَّا الْفَقِيْرُ لِفَقْرِهٖ فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ سُمِّيَ فِي السَّمٰوَاتِ عَدُوُّ اللّٰهِ وَعَدُوُّ الْاَنْبِيَاءِ وَلاَ يُسْتَجَابُ الدَّعْوَةُ وَلاَ تُقْضٰى لَهٗ حَاجَةٌ .

اللہ تعالیٰ لعنت فرماتا ہے اس شخص پر جو کسی دولت مند کی عزت اس کی دولت کی وجہ سے کرے اور فقیر کی توہین اس کے فقر کی وجہ سے کرے اور جو ایسا کرے اسے آسمانوں میں اللہ تعالیٰ کے دشمن اور انبیاء کرام علیہم السلام کے دشمن سے موسوم کیا جاتا ہے۔اور اس کی دعا قبول نہیں کی جاتی اور اس کی کوئی حاجت پوری نہیں کی جاتی۔

اس حدیث کو طوسی نے حدیث الاربعین میں ذکر کیا ہے۔

جواب......پہلی حدیث میں نے مذکورہ اربعین کے سوا کسی دوسری کتاب میں نہیں دیکھی اور کتاب کے مصنف کی جلالت علمی اس امر کے مانع ہے کہ وہ وضع حدیث کے علم کے باوجود کسی موضوع حدیث کو اپنی کتاب میں شامل کریں۔اور اس میں یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ مذکور ہے۔

سِرَاجُ الْاَغْنِيَاءِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ اَلْفُقَرَاءُ وَلَوْلاَ الْفُقَرَاءُ لَهَلَكَ الْاَغْنِيَاءُ مِثْلُ الْفَقِيْرِ كَمَثَلِ الْعَصَا فِيْ يَدِ الْاَعْمٰى دَوْلَةُ الْاَغْنِيَاءِ لاَبَقَاءَ لَهَا وَدَوْلَةُ الْفُقَرَاءِ بَقَاءُ يَوْمُ الْقِيَامَةِ الخ

دنیا وآخرت میں مالدار لوگوں کے چراغ فقراء ہیں۔اگر فقیر نہ ہوتے تو دولت مند ہلاک

ہو جاتے۔ فقیر کی مثال نابینا شخص کے ہاتھ میں لاٹھی کی مانند ہے۔ اغنیاء کی دولت کو کوئی بقا نہیں اور فقیروں کی دولت کو قیامت کے دن بقاء حاصل ہے۔

اس حدیث کا شاہد بھی ہے جس کو ابو نعیم نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے:

اِتَّخِذُوْا ... الْفُقَرَاءِ يُنَادِيْ فَاِنَّ لَهُمْ دَوْلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَاِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ نَادٰى مُنَادٍ سِيْرُوْا اِلَى الْفُقَرَاءِ فَاعْتَذِرُوْا اِلَيْهِمْ كَمَا يَعْتَذِرُ اَحَدُكُمْ اِلٰى اَخِيْهِ فِي الدُّنْيَا .

فقیروں پر احسانات کرو کیونکہ ان کی دولت کا اظہار قیامت کے دن ہوگا جب قیامت کا دن ہوگا تو ایک منادی پکارے گا۔ فقراء کے پاس جاؤ اور ان سے اسی طرح معذرت کرو جس طرح تم میں سے ایک دنیا میں اپنے بھائی سے معذرت کیا کرتا تھا۔

دوسری حدیث بھی مذکورہ اربعین میں ہے لیکن ان الفاظ کے ساتھ ہے:

لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ اَكْرَمَ الْغَنِيَّ لِاَجْلِ غِنَائِهٖ وَاَهَانَ الْفَقِيْرَ لِاَجْلِ فَقْرِهٖ وَ سُمِّيَ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَدُوُّ اللّٰهِ وَعَدُوُّ الْاَنْبِيَاءِ وَلَا يُسْتَجَابُ الدَّعْوَةُ وَلَا تُقْضٰى لَهٗ حَاجَةٌ .

اللہ تعالیٰ اس شخص پر لعنت فرماتا ہے جو مالدار کی عزت اس کی دولت کی وجہ سے کرے اور فقیر کی توہین اس کے فقر کی وجہ سے کرے اور اس کو آسمانوں اور زمین میں اللہ تعالیٰ کے دشمن اور انبیاء کرام علیہم السلام کے دشمن کا نام دیا جاتا ہے اور اس کی کوئی دعا قبول نہیں کی جائے گی اور اس کی کوئی حاجت پوری نہیں کی جاتی۔

اور اس حدیث کو شیخ الاسلام حافظ ابوالفضل احمد بن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے ''تشدید القوس عند الفردوس'' میں بھی ذکر کیا ہے۔ اور اس کے الفاظ یہ ہیں:

لَعَنَ اللّٰهُ فَقِيْرًا تَوَاضَعَ لِغَنِيٍّ مِنْ اَجْلِ مَالِهٖ . (الحدیث)

اللہ تعالیٰ اس فقیر پر لعنت فرماتا ہے جو کسی غنی کے سامنے اس کے مال کی وجہ سے تواضع کرے۔

(شعب الایمان للبیہقی، باب الصبر، فصل فی ذکر مافی الاوجاع، الخ، رقم الحدیث: 9573، ج: 12، ص: 375، مطبوعہ: ایضاً)

ابن ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ یہ حدیث حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور حدیث کا بقیہ حصہ یہ ہے:

مَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ مِنْهُمْ فَقَدْ ذَهَبَ ثُلُثَا دِيْنَهٗ .

اور ان میں سے جس نے ایسا کیا اس کے دین کا دو تہائی حصہ ضائع ہو گیا۔

(شعب الایمان للبیہقی، باب الصبر، فصل فی ذکر مافی الاوجاع، الخ، رقم الحدیث: 9573، ج: 12، ص: 375، بالفاظ مختلف)

اور اسی حدیث کو دیلمی رحمہ اللہ نے بھی حضرت ابو نعیم رحمہ اللہ کی "الحلیۃ" میں وھب بن منبہ کے ترجمہ کے تحت مرفوعاً روایت کیا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

مَنْ تَوَاضَعَ لِذِیْ سُلْطَانٍ اَرَادَ دُنْیَاهُ اَعْرَضَ اللّٰهُ عَنْهُ .

جو کسی صاحب اقتدار کے سامنے تواضع کرے اور اس کا مقصد اس کی دنیا داری سے فائدہ اٹھانا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے اعراض فرماتا ہے۔

(حلیۃ الاولیاء، ذکر اہل الصفۃ، ج:5 ص:364، مطبوعہ: دار الفکر بیروت)

اور دیلمی رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً تخریج کیا ہے:

مَنْ تَضَرَّعَ لِصَاحِبِ دُنْیَا ضَاعَ بِذٰلِکَ نِصْفُ دِیْنِهٖ .

جو شخص کسی دنیادار کے سامنے عاجزی کا اظہار کرے تو اس کے سبب اس کا نصف دین ضائع ہو گیا۔

(شعب الایمان للبیہقی، باب الصبر، فصل فی ذکر ما فی الاوجاع الخ، رقم الحدیث:9573، ج:12 ص:375، مطبوعہ: ایضاً بالفاظ مختلف)

ساری روایات ضعیف بلکہ بہت ضعیف ہیں۔ لیکن ان کی شاہد یہ حدیث ہے:

مَنْ تَوَاضَعَ لِغَنِیٍّ اَجَلَ غِنَائِهٖ ذَهَبَ ثُلُثَا دِیْنِهٖ .

جو شخص کسی مالدار کے لئے اس کی دولت کی وجہ سے فروتنی اختیار کرے اس کے دین کا دو تہائی حصہ ضائع ہو جاتا ہے۔

(الطہورات، باب 7، رقم الحدیث:592، ج:2 ص:657، مطبوعہ: مکتبہ اضواء السلف، ریاض)

اس کو امام بیہقی رحمہ اللہ نے "شعب الایمان" میں حضرت حسن بن بشر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا ہے اور انہوں نے اعمش سے اور انہوں نے حضرت ابراہیم سے اور انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے:

مَنْ خَضَعَ لِغَنِیٍّ وَوَضَعَ لَهٗ نَفْسَهٗ اِعْظَامًا لَهٗ طَمْعًا فِیْمَا قَبْلَهٗ ذَهَبَ ثُلُثَا مُرُوَّتِهٖ وَشَطْرَ دِیْنِهٖ.

جو کسی مالدار کے سامنے عاجزی کرے اور مالدار کے پاس موجود مال کی لالچ میں اس کی تعظیم کرتے ہوئے اس کے سامنے تواضع اختیار کرے تو اس کی دو تہائی مروت اور اس کے دین کا نصف حصہ ضائع ہو جاتا ہے۔

(شعب الایمان للبیہقی، کتاب حسن الخلق، فصل فی التواضع الخ، رقم الحدیث:7882، ج:10 ص:503، مطبوعہ: ایضاً)

اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے سمرہ بن عطیہ رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے جس کو انہوں نے ابن زائدہ سے اور انہوں نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ:

مَنْ اَصْبَحَ مَحْزُوْنًا عَلَى الدُّنْيَا اَصْبَحَ سَاخِطًا عَلٰى رَبِّهٖ وَمَنْ اَصْبَحَ يَشْكُوْ مُصِيْبَةً نَزَلَتْ بِهٖ فَاِنَّهٗ يَشْكُوْ رَبَّهٗ وَمَنْ تَوَاضَعَ لِغَنِيٍّ اَسْخَطَ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ وَمَنْ اُعْطِيَ الْقُرْآنَ فَدَخَلَ النَّارَ فَاَبْعَدَهٗ.

جس کسی نے دنیا پر مغموم ہونے کی حالت میں صبح کی تو اس نے اپنے رب کے ہاں ناپسندیدہ ہونے کی حالت میں صبح کی۔ اور جس کسی نے اپنے اوپر نازل ہونے والی مصیبت کا شکوہ کرتے ہوئے صبح کی تو اس نے اپنے رب کا شکوہ کیا اور جس کسی نے کسی دولت مند کے سامنے اس کے پاس موجود مال کی وجہ سے تواضع کی تو اس نے اللہ تعالیٰ کو ناراض کیا۔ اور جس کو قرآن عطا فرمایا گیا اور وہ اس کے باوجود جہنم میں داخل ہو جائے گا (سمجھ لو کہ) اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے۔

(شعب الایمان للبیہقی، باب الصبر، فصل فی ذکر مافی الاوجاع الخ، رقم الحدیث: 9572، ج: 12 ص: 373، مطبوعہ: ایضاً)

امام بیہقی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس حدیث کو ثابت نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اس سند کے ساتھ ثابت سے سوائے وہب بن راشد بصری کے کسی نے روایت نہیں کیا ہے اور وحب بن راشد صالحین میں سے تھے۔ اور ان الفاظ کے ساتھ بھی روایت ہے:

فَتَوَاضَعَ لِمَالِهٖ وَقَصَدَ مَاعِنْدَهٗ اَحْبَطَ اللّٰهُ عَمَلَهٗ.

مالدار کے مال کی وجہ سے تواضع کرے اور اس کا مقصد اُس کے پاس موجود دولت ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے عمل کو ضائع فرمائے گا۔

(شعب الایمان للبیہقی، باب الصبر، فصل فی ذکر مافی الاوجاع الخ، رقم الحدیث: 9572، ج: 12 ص: 373، مطبوعہ: ایضاً بالفاظ مختلف)

اور یہ دونوں روایتیں نہایت ضعیف ہیں حتیٰ کہ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے ان دونوں کو موضوعات میں ذکر کیا ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ان روایات میں کوئی چیز بھی نہ صحیح ہے اور نہ حسن، اس حدیث کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس دین کے تیسرے ثلث پر کوئی حکم اس لئے نہیں لگایا گیا کہ وہ حصہ مخفی ہے کیونکہ اس کا تعلق دل کے ساتھ ہے۔ ایمان تین چیزوں کا نام ہے۔ قول باللسان، عمل بالارکان۔ اور تصدیق بالقلب۔ جن میں سے پہلی دو چیزیں ظاہر ہیں ان پر حکم لگایا گیا ہے اور تیسری چیز مخفی ہے اس لئے اس پر حکم نہیں لگایا گیا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب

قبور والدین کی زیارت کرنا؟

سوال ......حضور ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ:

مَنْ زَارَ قَبْرَ اَبَوَيْهِ اَوْ اَحَدُهُمَا فِيْ كُلِّ يَوْمِ جُمُعَةٍ غُفِرَلَهٗ وَكُتِبَ بِرًّا .

جواپنے ماں باپ دونوں کی قبر یا ان میں سے ایک کی قبر کی ہر جمعہ کے دن زیارت کرتا ہے اس کو بخش دیا جاتا ہے اور اس کے حق میں براءت لکھ دی جاتی ہے۔

(المعجم الکبیر للطبرانی، باب المیم، من اسمہ محمد، رقم الحدیث:613، ج:6 ص:175، مطبوعہ: ایضا)

اور ابن سیرین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ:

اِنَّ الرَّجُلَ لِيَمُوْتَ وَالِدَاهُ اَوْ اَحَدُهُمَا وَهُوَ عَاقٌ لَهُمَا فَيَدْعُوا اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ لَهُمَا مِنْ بَعْدِهِمَا اِلَّا كَتَبَهُ اللّٰهُ مِنَ الْبَارِيْنَ .

بے شک وہ شخص کہ اس کے والدین یا ان میں سے کوئی ایک اس کے نافرمان ہونے کی حالت میں وفات پاجائیں اور وہ ان کی وفات کے بعد ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ اس کو فرمانبرداروں میں لکھ دیتا ہے۔

(تاریخ دمشق لابن عساکر، المستدرک من حرف الشین، شافع بن محمد، الخ، رقم الحدیث:14237، ج:73 ص:106، مطبوعہ: دار الفکر بیروت)

کیا مذکورہ حدیثیں صحیح ہیں یا کہ نہیں؟

جواب ......مذکورہ دونوں حدیثوں کو میں نے حدیث کی معتبر کتب میں سے کسی کتاب میں نہیں دیکھا۔ لیکن ان میں سے دو چیزیں ابن عساکر رحمہ اللہ کے ہاں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے وارد ہیں۔ اور اس کی سند میں یحییٰ بن علقہ رضی اللہ عنہ ہیں جس کو ابن معین رحمہ اللہ نے کاذب قرار دیا ہے۔ ابن عساکر رحمہ اللہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

اِنَّ الرَّجُلَ لَيَمُوْتَ وَالِدَاهُ اَوْ اَحَدُهُمَا وَاِنَّهٗ لَعَاقٌ لَهُمَا فَلَايَزَالُ يَدْعُوْلَهُمَا وَيَسْتَغْفِرُ لَهُمَا حَتّٰى يَكْتُبَهُ اللّٰهُ بِرًّا.

بے شک ایک شخص کے ماں باپ دونوں یا ان میں سے ایک اس حالت میں وفات پاجائیں کہ وہ اُن کا نافرمان ہے پس وہ شخص ان کے لئے ہمیشہ دعا کرتا رہتا ہے اور ہمیشہ ان کے لئے بخشش طلب کرتا رہتا ہے حتی کہ اللہ تعالیٰ اس کو فرمانبردار لکھ دیتا ہے۔

(تاریخ دمشق لابن عساکر، المستدرک من حرف الشین، شافع بن محمد، الخ، رقم الحدیث: 14237، ج:73 ص:106، مطبوعہ: دار الفکر بیروت)

لیکن اس بارے میں حضور ﷺ کا یہ ارشاد وارد ہے:

مَنْ اَصْبَحَ رَضِیًّا لِاَبَوَیْهِ اَصْبَحَ لَهُ بَابَانِ مَفْتُوْحَانِ اِلَى الْجَنَّةِ وَمَنْ اَمْسٰى فَلَهُ مِثْلُ ذٰلِکَ فَاِنْ کَانَ وَاحِدًا فَوَاحِدٌ قِیْلَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَاِنْ ظَلَمَا؟ قَالَ ﷺ وَاِنْ ظَلَمَا.

جواپنے والدین کوراضی کرتے ہوئے صبح کرتا ہے تواس کے لئے جنت کے دو دروازے کھولے جاتے ہیں۔اور جواس طرح شام کرتا ہے تواس کے لئے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔اگر والدین میں سے ایک ہے توایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔حضور ﷺ سے عرض کیا گیا یارسول اللہ! اگر والدین زیادتی کریں تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا اگرچہ وہ زیادتی کریں۔

اس حدیث کو بیہقی رحمہ اللہ نے ''شعب الایمان'' میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے روایت کیا ہے۔لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔اور یہ حدیث صحیح ہے:

مَنْ اَرْضٰى وَالِدَیْهِ فُتِحَ لَهُ بَابُ اَوْسَطِ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ وَمَعَ ذٰلِکَ الْبَابِ کَذَا وَکَذَا.

جواپنے والدین کوراضی کرتا ہے تواس کے لئے جنت کے دروازوں میں سے درمیانی دروازہ کھول دیا جاتا ہے اوراس دروازے کے ساتھ اس پر ایسے ایسے انعامات کئے جاتے ہیں۔

جنت کے دروازوں میں سے درمیانی دروازہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ جنت تک پہنچانے والے اسباب میں سے سب سے افضل سبب ہے۔حضرت ابن ماجہ رحمہ اللہ نے یہ حدیث روایت کی ہے کہ:

اِنَّ الرَّجُلَ تُرْفَعُ دَرَجَتُهُ فِی الْجَنَّةِ فَیَقُوْلُ اَنّٰى هٰذَا فَیُقَالُ لَهُ اِسْتِغْفَارُ وَلَدِکَ لَکَ.

ایک شخص کا جنت میں درجہ بلند کیا جائے گا تو وہ کہے گا یہ کیسے ہوا؟ تواس کو کہا جائے گا یہ تیری اولاد کا تیرے لئے استغفار کرنے کی وجہ سے ہوا ہے۔

(شرح اصول اعتقاد اہل سنۃ والجماعۃ الطبری، باب الشفاعۃ لاہل الکبائر، رقم الحدیث:2171،ج:6،ص:1226،مطبوعہ:دارطیبۃ السعودیۃ)

امام طبرانی رحمہ اللہ نے اوسط میں سند ضعیف کے ساتھ روایت کیا ہے کہ:

مَاعَلٰى اَحَدٍ عِنْدَهُ دَارٌ اَنْ یَتَصَدَّقَ بِهَا لِوَالِدَیْهِ.

اس شخص پر کوئی حرج نہیں جس کے پاس ایک گھر ہے وہ اس کواپنے والدین کے لئے صدقہ کرے۔

(المعجم الاوسط للطبرانی، باب میم، من اسمہ محمد، رقم الحدیث:6950،ج:7،ص:92،مطبوعہ:ایضا)

مالک بن ربیعہ سے یہ صحیح حدیث مروی ہے کہ: ہم رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں تھے اچانک بنی سلمہ کا ایک شخص

آیا اور اس نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! والدین کی وفات کے بعد کوئی ایسی چیز باقی ہے کہ میں اس کے سبب ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤں۔ تو آپ نے فرمایا:

نَعَمْ اَلصَّلاۃُ عَلَیْھِمَا وَ لِاسْتِغْفَارِ لَھُمَا وَ اِنْفَاذِ عَھْدِھَا وَ اِکْرَامِ صِدِیْقِھِمَا وَصِلَۃُ الرَّحْمِ الَّتِیْ لاَ تُوْصَلُ اِلاَّ بِھِمَا.

ہاں ان کے لئے دعا کرنا اور ان کے لئے بخشش طلب کرنا اور ان کے کیے ہوئے عہد کو پورا کرنا اور باپ کے دوستوں اور ماں کی سہیلیوں کے ساتھ عزت سے پیش آنا اور اس رشتہ کو جوڑنا جو ان دونوں کے سبب ہی جوڑا جاسکتا ہے۔

(المعجم الاوسط، باب المیم من بقیۃ من اول اسمہ الخ، رقم الحدیث:7976، ج:8 ص:65، مطبوعہ: ایضا)

اس حدیث میں سے صلاۃ سے مراد ان کے لئے دعا کرنا ہے۔ دوسری حدیث معنی کے اعتبار سے صحیح ہے اور جو حدیث اس کے معنی کو ادا کر رہی ہے وہ بھی صحیح ہے لیکن ان کے الفاظ کا حضور ﷺ سے مروی ہونا صحیح نہیں۔ دوسری حدیث کا معنی صحیح ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حقوق سے اللہ تعالیٰ کا حق بھی ضائع ہوا ہے اور والدین کا حق بھی۔ اللہ تعالیٰ کے حق کے ضائع ہونے سے جو گناہ ہوا ہے اس کی معافی شرائط توبہ کے ساتھ توبہ سے ہو جائیگی اور والدین کے حق کے ضائع ہونے سے جو گناہ ہوا ہے اس کے معافی ان نصوص کے عموم پر عمل کرتے ہوئے ان کے حق میں دعا کرنے سے ممکن ہے۔

اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْھِبْنَ السَّیِّئَاتِ. (سورۃ الھود، آیت:114)

ترجمہ: بے شک نیکیاں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں۔

وَاتْبِعِ السَّیِّئَۃَ الْحَسَنَۃُ تَمْحِھَا.

برائی کے پیچھے نیکی کر جو اس برائی کو مٹا دے گی۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب

(المعجم الکبیر للطبرانی، باب المیم، میمون بن ابی شبیب الخ رقم الحدیث:297، ج:20 ص:145، مطبوعہ: ایضا)

کھجور کا تنا رسول اللہ ﷺ کی جدائی میں گریہ وزاری کرنے لگا

سوال ......کیا حدیث میں یہ وارد ہے کہ کھجور کا تنا حضور ﷺ کی جدائی میں رونے لگا تو حضور ﷺ منبر شریف سے نیچے اُترے اور اُس کو اپنے گلے سے لگایا۔

جواب......ہاں یہ وارد ہے بلکہ صحیح ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی بخاری کی روایت ہے کہ:

اَنَّہُ لَمَّا صَاحَ نَزَلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ وَضَمَّہُ اِلَیْہِ فَجَعَلَ یَئِنُّ اَنِیْنَ الصَّبِیُّ الَّذِیْ یُسْکَتُ.

کھجور کا تنا چیخا تو رسول اللہ ﷺ منبر سے نیچے اترے اور اس کو اپنے ساتھ لگایا تو وہ اس بچے کی طرح گریہ کرنے لگا جس کو چپ کرایا جاتا ہے۔

(صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ الخ رقم الحدیث: 3584، ج:4 ص:195 مطبوعہ: ایضا)

ابو یعلیٰ موصلی رحمہ اللہ کی روایت ہے کہ:

اَنَّهٗ ﷺ لَمَّا قَصَدَ عَلَى الْمِنْبَرِ خَارَ الْجِذْعُ خُوَارَ الثَّوْرِ حَتّٰى اَرْتَجَ الْمَسْجِدَ لِخُوَارِهٖ حُزْنًا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَنَزَلَ اِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَوْلَمْ اَلْتَزِمْهُ لَمَا زَالَ هٰكَذَا حَتّٰى تَقُوْمَ السَّاعَةُ حُزْنًا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَاَمَرَ بِهٖ ﷺ فَدُفِنَ۔

حضور ﷺ جب منبر پر تشریف فرما ہوئے تو کھجور کے تنے نے بیل کی آواز کی طرح آواز نکالی حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ کی جدائی کے غم میں اس سے نکلنے والی آواز سے مسجد نبوی گونج اٹھی۔ پس رسول اللہ ﷺ اس کے پاس تشریف لے گئے۔ اور آپ ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد ﷺ کی جان ہے۔ اگر میں اس کو اپنے سینے سینہ لگاتا تو ہمیشہ اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی جدائی کے غم میں روتا رہتا حتیٰ کہ قیامت قائم ہو جاتی پس رسول اللہ ﷺ نے اس کے دفن کا حکم دیا اور وہ زمین میں دفن کر دیا گیا۔

(سنن دارمی، باب ما اکرم النبی، رقم الحدیث: 42، ج:1 ص:184 مطبوعہ: دار المغنی معریہ)

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے روایت کرنے کے بعد فرمایا ہے یہ حدیث صحیح غریب ہے۔ اسی طرح اس کو امام ابن ماجہ، امام احمد بن حنبل علیہما الرحمہ نے حسن کی سند سے روایت کیا ہے اور اس میں یہ الفاظ ہیں:

اَخْبَرَ اَنَسٌ اَنَّهٗ سَمِعَ الْخَشَبَةَ تَحِنُّ حَنِيْنَ الْوَلَدِ قَالَ فَمَازَالَتْ تَحِنُّ حَتّٰى نَزَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِنَ الْمِنْبَرِ فَمَشٰى اِلَيْهَا فَاحْتَضَنَهَا فَسَكَنَتْ۔

پس حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ انہوں نے خشک لکڑی سے بچے کے رونے کی طرح کی آواز سنی انہوں نے فرمایا کہ وہ اسی طرح روتی رہی حتیٰ کہ حضور ﷺ منبر شریف سے نیچے اتر کر اس کے پاس تشریف لے گئے اور اس کو اپنے سینے اقدس کے ساتھ لگایا تو اس کو سکون آیا۔

(مسند احمد، مسند المکثرین من الصحابۃ، مسند انس بن مالک، رقم الحدیث: 13363، ج:21 ص:17)

فائدہ

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث جس کی تخریج امام دارمی رحمہ اللہ نے کی ہے اس میں ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تنے سے فرمایا:

إِنْ أَرَدْتَ أَنْ أَرُدَّكَ إِلَى الْحَائِطِ الَّذِي كُنْتَ فِيهِ تَنْبُتُ لَكَ عُرُوقُكَ وَتَكْمَلُ خِلْقَتُكَ وَيُجَدِّدُ لَكَ خُوصٌ وَثَمَرَةٌ وَإِنْ شِئْتَ أَغْرِسُكَ فِي الْجَنَّةِ فَيَأْكُلُ أَوْلِيَاءُ اللّٰهِ مِنْ ثَمَرِكَ ثُمَّ أَصْغَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَسْتَمِعُ مَا يَقُولُ فَقَالَ بَلْ تَغْرِسُنِي فِي الْجَنَّةِ فَيَأْكُلُ مِنِّي أَوْلِيَاءُ اللّٰهِ وَأَكُونُ فِي مَكَانٍ لَا أَبْلَى فِيهِ فَسَمِعَهُ مَنْ يَلِيهِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَدْ فَعَلْتُ ثُمَّ قَالَ اِخْتَارَ دَارَ الْبَقَاءِ عَلَى دَارِ الْفَنَاءِ.

اگر تم چاہتے ہو تو میں تمہیں اسی باغ کی طرف لوٹا دوں جس میں تم تھے تمہاری جڑیں اُگ آئیں گیں اور تمہاری خلقت مکمل ہو جائیگی نئے سرے سے پتے ہرے ہو جائیں گے اور پھل لگنے لگے گا۔ اور اگر تم چاہتے ہو تو میں تمہیں جنت میں گاڑ دوں تاکہ اولیاء اللہ تمہارا پھل تناول کریں؟ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی جانب کان لگائے تاکہ اس کی بات سن لیں۔ پس اس نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! بلکہ مجھے جنت میں گاڑ دیں تاکہ اولیاء اللہ میرا پھل تناول کریں اور میں ایسی جگہ میں رہوں گا جہاں میری ذات بوسیدگی سے محفوظ رہے گی ۔اس کی اس بات کو جو لوگ اُس کے قریب تھے انہوں نے بھی سنی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے ایسے ہی کر دیا ہے۔ اور اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس نے دار بقاء کو دار فنا پر ترجیح دی ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب

(سنن دارمی، باب ما اکرم النبی، رقم الحدیث:32،ج:1ص:178،مطبوعہ:ایضا)

حدیث اَیُّ الْبِقَاعِ خَیْرٌ

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

إِنَّ حَبْرًا مِنَ الْيَهُودِ سَأَلَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم أَيُّ الْبِقَاعِ خَيْرٌ؟ فَسَكَتَ عَنْهُ وَقَالَ أَسْكُتُ حَتّٰى يَأْتِيَ جِبْرِيلُ فَسَكَتَ وَجَاءَ جِبْرِيلُ فَسَأَلَهُ فَقَالَ مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ وَلٰكِنْ أَسْأَلُ رَبِّي ثُمَّ قَالَ جِبْرِيلُ يَا مُحَمَّدُ إِنِّي دَنَوْتُ مِنَ اللّٰهِ دُنُوًّا مَا دَنَوْتُ مِنْهُ قَطُّ قَالَ وَكَيْفَ كَانَ يَا جِبْرِيلُ؟ قَالَ كَانَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ سَبْعُونَ أَلْفَ

حِجَابٌ مِنْ نُوْرٍ فَقَالَ شَرُّ الْبِقَاعِ اَسْوَاقُهَا وَخَيْرُ الْبِقَاعِ مَسَاجِدُهَا.

یہودیوں کے ایک عالم نے نبی اکرم ﷺ سے سوال کیا کہ کون سا خطہ افضل ہے؟ حضور ﷺ نے اس بارے میں خاموشی اختیار فرمائی اور فرمایا جبریل علیہ السلام کے آنے تک خاموش رہو۔ وہ خاموش ہو گیا۔ اور جبریل علیہ السلام آئے تو آپ نے ان سے پوچھا وہ بولے جس سے اس بارے میں سوال کیا گیا ہے وہ سوال کرنے والے سے زیادہ جاننے والا نہیں لیکن میں اس کے متعلق اپنے رب تبارک وتعالیٰ سے پوچھتا ہوں۔ اور اس کے بعد جبریل علیہ السلام نے کہا اے محمد! میں اپنے رب کے ہاں اتنا قریب ہوا کہ اس سے قبل کبھی بھی اتنا قرب نصیب نہیں ہوا تھا حضور ﷺ نے فرمایا کہ اے جبریل وہ قرب کیسا تھا؟ جبریل علیہ السلام نے عرض کیا کہ میرے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان نور کے ستر ہزار حجاب تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بدترین خطہ بازار ہیں اور بہترین خطہ مساجد ہیں۔

(المعجم الاوسط، باب المیم من اسمہ محمد، رقم الحدیث: 7140، ج: 7 ص: 154)

اس حدیث کو ابن حبان رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

سوال...... مذکورہ حدیث میں ستر ہزار حجاب کے تذکرہ سے کیا یہ بتانا مقصود ہے کہ (قرب خاص کے وقت) وہ باقی تھے یا یہ بتانا مقصود ہے کہ وہ اٹھا دیئے گئے تھے؟

جواب...... یہ مخفی نہیں کہ اللہ تعالیٰ جہات اور مساحات سے منزہ و پاک ہے، اس مقام میں یا اس کے علاوہ جہاں کہیں بھی حجابات کا ذکر ہے وہ بطور استعارہ و تمثیل کے ہے۔ حدیث پاک کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے جب اُس خاص قرب کی خبر دی جو انہیں اس سے قبل کبھی حاصل نہیں ہوا تھا تو نبی کریم ﷺ کو شوق ہوا کہ آپ ان سے اس قرب کی حقیقت دریافت فرمالیں تا کہ اس پر آپ کا یقین اور زیادہ ہو جائے۔ اگر چہ آپ کو پہلے سے ہی اس کا علم تھا۔ اور اگر معاملہ ایسا نہیں تھا تو پھر آپ کے سوال کا مقصد اُس قربِ خاص کے بارے میں تجدیدِ علم ہے۔ پس آپ ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے اس خاص قرب کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے اس کا جو جواب دیا اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ قرب خاص جو مجھے اس سے قبل کبھی حاصل نہ تھا وہ ایسا تھا کہ میری رسائی اس مقام تک ہوئی جہاں میرے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان بہت سارے نور کے پردے حائل تھے۔ اس انتہاء درجہ کے قرب کے باوجود جب اتنے پردے حائل ہیں تو پھر اس کے علاوہ میں تمہارا کیا خیال ہے؟

خلاصۂ کلام یہ کہ یہاں مقصد اس قرب خاص میں اللہ تعالیٰ اور جبریل امین علیہ السلام کے درمیان پائی جانے والی

مسافت کے بارے میں خبر دینا ہے۔ جب جبریل امین اور اللہ تعالیٰ کے درمیان قرب خاص کی یہ کیفیت ہے تو پھر دیگر اکابر فرشتوں وغیرہم کی بات تو دور کی ہے۔ اور اس حدیث سے یہ وہم نہیں ہونا چاہئے کہ حضرت جبریل علیہ السلام کا ان پردوں کی خبر سے مقصد ان پردوں کے اٹھائے جانے کی خبر دینا ہے کیونکہ اس میں اس بات کا ابہام پایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور حضرت جبریل علیہ السلام کے درمیان کوئی حجاب باقی نہ رہا ہو۔ حالانکہ کوئی مخلوق بھی اس پر قدرت نہیں رکھتی کہ وہ بے حجاب اللہ تعالیٰ کا دیدار کر سکے بلکہ ضروری ہے مخلوق اور اللہ تعالیٰ کے درمیان بہت سارے پردے حائل رہیں البتہ پردوں کی تعداد میں اکابر کے مرتبے مختلف ہوتے ہیں جیسا کہ اس پر شب معراج میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وارد احادیث دلالت کرتی ہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب

عذابِ قبر سے متعلق حدیث کی تشریح

سوال...... صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں:

مَرَّ النَّبِيُّ ﷺ بِحَائِطٍ مِنْ حِيْطَانِ الْمَدِيْنَةِ اَوْ مَكَّةَ فَسَمِعَ صَوْتَ اِنْسَانَيْنِ يُعَذَّبَانِ فِيْ قُبُوْرِهِمَا فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ يُعَذَّبَانِ فِيْ كَبِيْرٍ ثُمَّ قَالَ بَلٰى كَانَ اَحَدُهُمَا لَا يَسْتَبْرِئُ مِنْ بَوْلِهٖ وَكَانَ الْاٰخَرُ يَمْشِيْ بِالنَّمِيْمَةِ ثُمَّ دَعَا بِجَرِيْدَةٍ فَكَسَرَهَا كَسْرَتَيْنِ فَوَضَعَ عَلٰى كُلِّ قَبْرٍ مِنْهُمَا كَسْرَةً فَقِيْلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ لِمَ فَعَلْتَ بِهٰذَا؟ فَقَالَ لَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ يُخَفِّفَ عَنْهُمَا مَالَمْ يَيْبَسَا اَوْ اِلٰى اَنْ يَّيْبَسَا.

(صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب من الکبائر ان لایستتر الخ، رقم الحدیث: 216، ج:1، ص:53، مطبوعہ: ایضا)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ منورہ یا مکہ مکرمہ کے باغات میں سے ایک باغ سے گزر ہوا۔ آپ نے دو انسانوں کی آواز سنی جنہیں اپنی قبور میں عذاب ہو رہا تھا۔ پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے۔ اور کسی کبیرہ گناہ میں عذاب نہیں ہو رہا۔ اس کے بعد فرمایا ہاں! ان میں سے ایک اپنے پیشاب سے نہیں بچا کرتا تھا اور دوسرا چغل خوری کیا کرتا تھا۔ پھر آپ نے کھجور کی ایک شاخ منگوائی اور اس کو توڑ کر دو حصے کئے اور ان میں سے ہر قبر پر اس کا ایک حصہ رکھا۔ عرض کی گئی یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ نے ایسا کیوں کیا؟ تو آپ نے فرمایا شاید اللہ تعالیٰ ان کے عذاب میں اس وقت تک تخفیف فرمائے جب تک یہ ہری رہیں یا فرمایا ان کے خشک ہونے تک۔

اس حدیث میں کھجور کی شاخ کی تخصیص میں کیا حکمت ہے؟ کیا ہر کسی کے لئے جس قبر پر چاہے ایسا عمل کرنا جائز

ہے؟ عذاب قبر میں جو گرفتار تھے کیا وہ مسلمان تھے یا کہ کافر؟۔

جواب..... حدیث کے بعض الفاظ کی تشریح کے دوران اس سوال کے اجزاء کا جواب معلوم ہو جائے گا۔ ہم مزید فائدے کے لئے اس حدیث کے بعض اجزاء کی شرح کرتے ہیں (بلٰی) اس لفظ میں ایجاب نفی ہے یعنی ہاں ان کو کبیرہ گناہ میں عذاب ہو رہا ہے۔ حدیث پاک کے پہلے جملے کہ (وَمَا یُعَذَّبَانِ فِیْ کَبِیْرٍ) کہ کسی کبیرہ میں عذاب نہیں دیا جارہا۔ اور ایجاب نفی کے درمیان تطبیق دو مختلف اعتباروں کی وجہ سے ہے۔ پہلے جملے کا مطلب ہے کہ تمہارے نزدیک وہ کبیرہ نہیں (اور دوسرے کا مطلب ہے) لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کبیرہ ہے۔ جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے: (وَتَحْسَبُونَهُ هَيِّنًا وَ هُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ) (سورۃ النور: 15) (اور اسے ہلکا سمجھتے تھے اور وہ اللہ کے نزدیک بڑی بات ہے۔) (مَا يُعَذَّبَانِ فِيْ كَبِيْرٍ) اس کا مطلب ہے کہ ان کو کسی ایسے معاملے میں عذاب نہیں ہو رہا جس سے بچنا ان کے لئے دشوار اور مشکل تھا۔ کیونکہ پیشاب اور چغل خوری سے بچنے میں کوئی مشقت و تکلیف نہیں ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ دین کے معاملے میں کبیرہ نہیں۔ بلکہ یہ دونوں کبیرہ گناہ ہیں کیونکہ پیشاب سے عدم اقرار کی وجہ سے نماز کا بطلان لازم آتا ہے اور نماز کا ترک گناہ کبیرہ ہے اور چغل خوری قبیح ترین کبیرہ ہے۔ بالخصوص حضور ﷺ کا دونوں کے بارے میں لفظ کان استعمال فرمانے میں ان کا کبیرہ ہونا اور بھی زیادہ واضح ہو جاتا ہے کیونکہ یہ لفظ بتا رہا ہے کہ یہ عمل ان سے کثرت کے ساتھ صادر ہوتا تھا۔

گناہِ کبیرہ کی تعریف

کبیرہ گناہ صرف ان گناہوں میں منحصر نہیں جن کے ارتکاب پر حدّ لازم آتی ہے یا جن پر وعید شدید سنائی گئی ہے۔ بلکہ گناہ کبیرہ کی زیادہ واضح تعریف یہ ہے کہ کبیرہ ہر وہ جرم ہے۔ جو یہ بتائے کہ اس کے ارتکاب کرنے والے میں دین کی قلتِ پرواہی اور دیانتداری کی کمزوری پائی جاتی ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ پیشاب اور چغل خوری میں سے ہر ایک سے نہ بچنا اس بات کو واضح کر رہا ہے کہ ان کا مرتکب دین میں لاپرواہی برت رہا ہے اور دیانتداری کو کمزور سمجھ رہا ہے اس حدیث میں (یَبِسَا) کے صیغہ میں ضمیر مکسورتین (شاخ کے دونوں حصوں) کی طرف راجع ہے۔ علماء نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث اس بات پر محمول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں اہل قبور کی شفاعت فرمائی تو آپ کی شفاعت ان کے حق میں قبول فرماتے ہوئے یہ بتایا گیا کہ شاخ کے ان دونوں ٹکڑوں کے خشک ہونے تک ان کے عذاب میں تخفیف کی جائے گی۔ اور یہ احتمال بھی ہے کہ آپ ﷺ نے ان دونوں کے حق میں اتنی ہی مدت تک یعنی ان کے خشک ہونے تک تخفیفِ عذاب کی دعا فرمائی ہو۔ اور یہ احتمال بھی ہے شاخ کے وہ ٹکڑے جب تک ہرے رہیں گے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے رہیں گے (اور ان کے عذاب میں تخفیف ہوتی رہے گی) کیونکہ

خشک شاخ میں تسبیح نہیں پائی جاتی اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ: وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ. (بنی اسرائیل: 17) (اس کا مطلب ہے کہ ہر جاندار شے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے) اور ہر چیز کی حیات اس کے حسب لائق ہوتی ہے۔ لکڑی خشک ہونے تک زندہ ہوتی ہے اور پتھر جب تک نہیں کاٹا جاتا زندہ ہے، اور جمہور علماء کے نزدیک یہ آیت اپنے عموم پر ہے کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے خواہ جاندار ہو یا بے جان۔ اور پھر محققین کے نزدیک تسبیح حقیقت پر محمول ہے کیونکہ عقل اس کو محال نہیں سمجھتی ہے اور محققین کے علاوہ دیگر علماء کے نزدیک ہر چیز لسانِ حال کے ساتھ تسبیح کرتی ہے کہ ہر چیز کا حال اپنے صانع وخالق کے وجود پر دلالت کرتا ہے اور یہ بتاتا ہے کہ وہ ہر نقص اور ہر ایسے وصف سے پاک ہے جو کمال میں اپنی انتہاء کو نہیں پہنچتا۔

علامہ خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ممکن ہے کہ عذاب میں تخفیف حضور ﷺ کی دعا اور آپ ﷺ کے ان ٹہنیوں کو چھونے کی برکت سے ہوا ہو۔ گویا کہ حضور ﷺ نے تخفیفِ عذاب کی مدت اور حد ٹہنیوں کی تروتازگی برقرار رہنے تک مقرر کی ہے۔ کیونکہ سبز اور تروتازہ شاخ میں جو معنی پایا جاتا ہے وہ خشک میں نہیں پایا جاتا۔ اس حدیث کے بعض شارحین نے فرمایا ہے کہ عوام قبور میں جو سبز پتے بچھاتے ہیں ان کے اس عمل کی کوئی دلیل نہیں۔

(معالم السنن، کتاب الطہارۃ، ومن باب الاستبراء من البول، ج: 1 ص: 19 المطبعۃ العلمیۃ، حلب، شام)

ہماری اس مذکورہ تفصیل سے شاخ کے توڑنے کی حکمت واضح ہوگئی ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ عذابِ قبر میں گرفتار دونوں مُردے مسلمان تھے کیونکہ کافر کے حق میں رسول اللہ ﷺ شفاعت نہیں فرماتے۔ چنانچہ علماء کرام کی تشریح گزر چکی ہے کہ یہ حدیث اس بات پر محمول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے حق میں شفاعت فرمائی تھی اور آپ کی شفاعت ان کے حق میں قبول فرمائی گئی اس سے ثابت ہوتا ہے وہ دونوں مسلمان تھے۔ شاخِ کھجور کی تخصیص میں جو حکمت کارفرما ہے اس کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر یہ واقعہ مدینہ منورہ میں وقوع پذیر ہوا ہے تو ممکن ہے کہ وہاں پر یہی میسر ہو۔ یا اس تخصیص سے یہ بتانا مقصود ہو کہ انسان اور کھجور کے درخت کے درمیان مکمل قرب اور اتحاد پایا جاتا ہے جیسا کہ دوسری حدیث اس کی شہادت دے رہی ہے کہ:

اَکْرِمُوْا عَمّٰاتِکُمُ النَّخْلَ فَاِنَّهَا خُلِقَتْ مِنْ فُضْلَةِ طِيْنَةِ آدَمَ.

تم اپنی پھوپھیوں اشجار کھجور کی تکریم کرو کیونکہ ان کی تخلیق حضرت آدم علیہ السلام کے ڈھانچے سے بچے ہوئے گارے سے ہوئی ہے۔

(مغنی المحتاج الخطیب، کتاب المساقاۃ، ج: 3 ص: 322 مطبوعہ: دار الکتب العلمیۃ بیروت)

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جنس اپنی جنس کے لئے دوسرے کے مقابلے میں زیادہ مہربان ہوتی ہے۔ پس کھجور

کے درخت اور انسان کے درمیان پائے جانے والے اس اتحاد کی وجہ سے کھجور میں انسان کے لئے زیادہ شفقت کا عنصر پایا جاتا ہے۔ لہٰذا درختِ خرما میں انسان کے لئے پائی جانے والی زیادتِ شفقت کے لئے یہ لازم ہے کہ وہ انسان کے عذاب میں تخفیف میں کثرت کرے یا وہ عذابِ قبر کی تخفیف کے لئے کثرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا وسوال کرے۔ کیونکہ اگر ہم محققین کی سابقہ تشریح اور ان کے قول کو تسلیم کریں کہ جمادات زبانِ حال سے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں تو پھر اس میں کوئی بعد نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے بعض مکلفین کے لئے رحمت بھی طلب کرتے ہوں کیونکہ زبانِ قال کے ساتھ ان کے تسبیح کرنے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان میں ادراک موجود ہے اور اہلِ ادراک کا اپنے قریبی کے لئے نفع بخش چیز طلب کرنے میں کوئی بعد نہیں۔

قبور پر پھول ڈالنا مسنون ہے

سابقہ سطور میں ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کی اتباع میں ہر کسی کے لئے قبور پر شاخہائے تر اور پھول ڈالنا مسنون ہے کیونکہ حضور ﷺ کے افعال میں اصل یہ ہے کہ جب تک کوئی دلیل خصوصیت نہیں پائی جاتی ان میں آپ ﷺ کی پیروی کی جائے گی۔ اور یہاں خصوصیت پر کوئی دلیل نہیں پائی جاتی ہے۔ لہٰذا اس بارے میں ہمارے لئے آپ ﷺ کی پیروی کرنا مستحب ہے اور عوام قبور میں کھجور کے جو پتے بچھاتے ہیں اس حدیث میں ان کے اس عمل کی دلیل بھی پائی جاتی ہے۔ برخلاف ان بعض شارحین کے جن کا قول سابقاً گزر چکا ہے۔ اور اس کی دلیل وہ سابقہ تشریح ہے کہ کھجور کے درخت کے تمام اجزاء اور انسان کے درمیان کامل موافقت پائی جاتی ہے۔ لہٰذا جب انسان کے ساتھ قبر میں کھجور کے درخت کے کچھ اجزاء موجود ہوں گے تو وہ کثرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کریں گے جس کی وجہ سے انسان کو اُنس حاصل ہوگا یا اس کے عذاب میں تخفیف ہوگی۔

اس کے بعد مجھے یاد آیا کہ میں نے فتاویٰ میں ایک سوال اور جواب ذکر کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرنا مستحب ہے اور عوام کے مذکورہ عمل کی واضح دلیل موجود ہے۔ اور وہ سوال وجواب درج ذیل ہیں۔

سوال...... کیا قبر کے اوپر یا قبر کے اندر پھول وغیرہ رکھنا چاہیے؟

جواب...... حضور ﷺ کے قبر کے اوپر ٹہنیاں رکھنے کے عمل سے علماء کرام نے پودے اور پھول رکھنے کا استنباط کیا ہے اور اس کی کیفیت بیان نہیں کی لیکن صحیح حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ہر قبر پر ایک ایک ٹہنی رکھی تھی پس اس میں ساری قبر شامل ہے لہٰذا قبر کے جس مقام پر بھی شاخ رکھی جائے مقصود حاصل ہو جائے گا۔ البتہ عبداللہ بن حمید نے اپنی مسند میں یہ حدیث تخریج کی ہے کہ حضور ﷺ نے قبر پر شاخ مُردے

کے سر کی جانب رکھی تھی۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب

(مغنی المحتاج الخطیب، کتاب الجنائز، فصل فی دفن المیت الخ، ج 2 ص 39، مطبوعہ ایضا)

رسول اللہ ﷺ کا مرضِ وفات میں سات مشکیزوں سے غسل فرمانا؟

سوال..... صحیح بخاری میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث مروی ہے کہ:

اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ بَعْدَ مَا دَخَلَ بَیْتِهٖ وَ اشْتَدَّ وَجْعِهٖ اَهْرِیْقُوْا عَلَیَّ مِنْ سَبْعِ قِرَبٍ لَمْ تَحلل اَوْکیتهن لَعَلی اعهد اِلَی النَّاسِ فَاَجْلَسَ فِیْ مِخْضَبٍ لِحَفْصَةَ زَوْجِ النَّبِیِّ ﷺ ثُمَّ طَفِقْنَا نصب عَلَیْهِ حَتّٰی طَفِقَ یُشِیْرُ اِلَیْنَا قَدْ فَعَلْتُنَّ ثُمَّ خَرَجَ اِلَی النَّاسِ.

حضور ﷺ نے اپنے کاشانہ اقدس میں داخل ہونے اور مرض کی شدت محسوس کرنے کے بعد فرمایا میرے اوپر سات ایسے مشکیزوں کا پانی بہاؤ جن کے بندھن نہ کھولے گئے ہوں۔ تاکہ میں لوگوں کو وصیت کرسکوں۔ پس آپ کو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے ملکیتی ایک لگن میں بٹھا دیا گیا اوراس کے بعد ہم آپ پر پانی بہانے لگے حتیٰ کہ آپ ﷺ نے ہماری طرف اشارہ فرمایا کہ تم نے اپنا کام مکمل کردیا ہے (اب بس کرو) پھر آپ ﷺ لوگوں کے پاس تشریف لے گئے۔

(صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبی ووفاتہ، رقم الحدیث: 4442، ج:6 ص:11، مطبوعہ ایضا)

اس حدیث میں پانی بہانے اور سات مشکیزوں کی تخصیص میں کیا حکمت ہے؟

جواب..... حضور ﷺ نے یہ مطالبہ اس لئے فرمایا تھا کہ ٹھنڈے پانی کا استعمال بعض بیماریوں میں فائدہ مند ہوتا ہے کہ بیماری کی حرارت کو کم کردیتا ہے اور اس سے مریض کی قوت مدافعت میں اضافہ ہوتا ہے اور اس کی طبیعت میں فرحت پیدا ہوتی ہے اور ٹھنڈا پانی مریض کے بخار اور درد کی جن تکالیف میں گرفتار ہوتا ہے ان کا ازالہ کردیتا ہے۔ ٹھنڈا پانی طبعی حرارت کو تقویت دیتا ہے۔ اور مرض کو مغلوب کرکے اس کے عمل کو کمزور کردیتا ہے۔ پس آپ ﷺ کے اس مطالبہ کا مقصد علاج معالجہ کی مشروعیت وجواز کو واضح کرنا اوران لوگوں کی تردید فرمانا تھا جن کا گمان تھا کہ علاج کروانا توکل کے خلاف ہے۔ اسی لئے توکل کی بہترین اور جامع ترین تعریف درج ذیل ہے۔

توکل کی جامع ترین تعریف

یعنی اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے اسباب کو اختیار کرنے کا نام توکل ہے۔ اورعلاج کروانا ہمارے آئمہ کے

اس قول کے منافی نہیں کہ اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے علاج کو ترک کرنا فضیلت ہے۔ کیونکہ انہوں نے اس کو افضل نہیں فرمایا بلکہ اس کو فضیلت قرار دیا جائے نیز اسباب کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ پر توکل کرنا باعث فضیلت ان افراد کے لئے ہے جو تشریع احکام کے لئے مبعوث نہیں ہوتے۔ اسی لئے جب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا گیا کہ کیا ہم آپ کے علاج کے لئے کسی طبیب کو بلائیں؟ تو انہوں نے توکل اور تسلیم ورضا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ طبیب (حقیقی) نے ہی تو مجھے بیمار کیا ہے۔ لیکن نبی کریم ﷺ اپنے قول وفعل سے احکام شریعت بیان کرنے کے لئے مبعوث ہیں۔ اگر حضور ﷺ علاج کروانا ترک فرماتے تو آپ کے ترکِ علاج سے یہ وہم پیدا ہوتا کہ شاید علاج کروانا ممنوع وحرام ہے۔ پس آپ نے علاج کو اختیار فرما کر یہ بیان فرما دیا کہ اس علاج میں کوئی ممانعت وحرج نہیں اور ایسا کرنا توکل کے خلاف نہیں اور اس کے کرنے اور اللہ پر توکل کرتے ہوئے اس کو ترک کرنے میں انسان کو اختیار دیا گیا ہے۔

اسی لئے مذکورہ حدیث پاک میں اس چیز کی طرف اشارہ ہے کہ جہاں کہیں مریض کو اپنے علم وتجربہ کی بنیاد پر یا عادل طبیب کے بتانے کی وجہ سے ٹھنڈا پانی فائدہ مند ہوسکتا ہے تو مریض پر علاج کی نیت اور شفاء کے ارادے سے ٹھنڈا پانی بہانا چاہیے۔ اور مشکیزوں کی تعداد سات ہونے میں یہ حکمت ہے کہ اس عدد میں استقراء وتتبع کی بنیاد پر برکت پائی جاتی ہے اور اس کو زہروں کے ازالہ یا ان سے پیدا ہونے والے درد والم کی تخفیف میں کافی دخل حاصل ہے۔ اور حضور ﷺ کے مرض وصال میں اس زہر کے اثر نے حملہ کیا تھا۔ جو زہر خیبر کے مقام پر آپ کو کھانے میں شامل کر کے دیا گیا تھا۔ جیسا کہ اس بارے میں آپ ﷺ سے صحیح احادیث مروی ہیں۔ پس آپ نے صحابہ کرام کو اپنے اوپر پانی سے بھرے ہوئے سات مشکیزے بہانے کا حکم دیا تاکہ اس کے سبب اس زہر کا کچھ اثر زائل ہوجائے جس نے آپ ﷺ پر حملہ کیا ہوا تھا۔

سات کے عدد کی شان

نیز سات کے عدد کی بڑی عظیم شان ہے کہ یہ عدد اللہ تعالیٰ کی عظیم مخلوقات میں سے بہت ساری مخلوقات کی تعداد میں واقع ہے۔ مثلاً آسمانوں کی تعداد سات اور زمینوں کی تعداد سات اور جہنم کے دروازوں کی تعداد سات ہے اور بعض امور شرعیہ کی تعداد بھی سات ہے جیسا کہ مخفی نہیں۔ (مثلاً طواف کے سات چکر ہیں صفا ومروہ کے درمیان سعی کے سات چکر وغیرہ) اور مشکیزوں کے بندھن کھولے ہوئے نہ ہوں کی قید لگانے میں یہ حکمت ہے کہ پانی بھرنے کے بعد مشکیزوں کے منہ باندھے ہوئے ہونے کی صورت میں پانی انسانی ہاتھوں وغیرہ کے اختلاط کے سبب آلودہ ہونے سے مکمل پاک اور صاف رہتا ہے۔ نیز مشکیزہ کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے کھولا اور بند کیا جاتا ہے۔ حضور ﷺ نے

مشکیزوں کے بندھن نہ کھولے ہوئے ہونے کی شرط اس لئے لگائی تاکہ مشکیزوں کا پانی اُن دونوں برکتوں کا جامع رہے جو برکتیں بندھن باندھنے اور کھولنے کے وقت ذکر الٰہی کرنے سے پیدا ہوتی ہیں۔ مطلب فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے اپنے اوپر پانی بہانے کا حکم علاج کے طور پر دیا تھا۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے اپنے وضو سے بچا ہوا پانی غشی والے شخص پر بطور علاج بہایا تھا۔ اور وہ لوگ غلطی کا شکار ہوئے ہیں جنہوں نے کہا ہے کہ حضور ﷺ پر غشی طاری ہونے کی وجہ سے غسل فرمانے کے لئے پانی بہایا گیا تھا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب

سوال ......امام نسائی رحمہ اللہ نے حدیث روایت کی ہے کہ حضور ﷺ کی موجودگی میں ایک شخص مسجد میں داخل ہوا اور آپ ﷺ اس کو دیکھ رہے تھے اور وہ آپ ﷺ کے دیکھنے کو محسوس نہیں کر رہا تھا۔ پھر وہ شخص واپس لوٹا اور آپ ﷺ کے پاس آیا اور آپ ﷺ کو سلام کیا اور آپ ﷺ نے اس کے سلام کا جواب دیا اور اس کے بعد فرمایا لوٹ جاؤ اور نماز دوبارہ پڑھو۔ کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔ راوی کہتے ہیں مجھے یاد نہیں کہ دوسری یا تیسری بار نماز پڑھنے کے بعد اس شخص نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی ہے۔ میں نے صحیح نماز ادا کرنے کی بڑی کوشش کی ہے۔ پس آپ مجھے نماز کا صحیح طریقہ سکھائیں اور حکم دیں۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا: جب تم نماز ادا کرنے کا ارادہ کرو تو وضو کرو اور اچھی طرح وضو کرو۔ پھر کھڑے ہو جاؤ اور قبلہ کی طرف منہ کرو پھر تکبیر کہو پھر قرأت کرو اور اس کے بعد اس طرح رکوع کرو کہ رکوع کی حالت میں تمہیں اطمینان حاصل ہو جائے پھر رکوع سے اٹھ جاؤ حتیٰ کہ سیدھے کھڑے ہو جاؤ پھر سجدہ کرو حتیٰ کہ سجدہ کی حالت میں تمہیں اطمینان حاصل ہو جائے۔ جب تم ایسا کر چکو تو پھر تم نے نماز ادا کر دی۔ اور جو اس میں سے جتنی مقدار ناقص رہے گی تو اتنی مقدار تمہاری نماز ناقص ہوگی۔

(سنن نسائی، کتاب التطبیق، باب الرخصۃ فی ترک الذکر فی الرکوع، رقم الحدیث: 1053، ج:2 ص:193، مطبوعہ: ایضاً)

حضور ﷺ کا اس شخص کو اس طرح کی ناقص نماز پڑھتے ہوئے دیکھنے کے باوجود اس کو اس پر برقرار رکھنے کی کیا وجہ ہے اور اس کا جواب کیا ہے؟ نیز آپ نے عدم طمانینت کے باوجود اس کی نماز کو صحیح قرار دیا ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اتنی مقدار تمہاری نماز ناقص ہوگی۔ یعنی نماز تو ہوگی مگر ناقص ہوگی۔

جواب......حضور ﷺ کا اس کو اس نماز پر برقرار رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے یہ تصور کر لیا تھا کہ اس نے بعض واجبات بھول کر چھوڑ دیئے ہوں گے۔ نہ کہ جہالت کی وجہ سے۔ جب آپ پر حقیقت واضح ہو گئی کہ اس نے بھول کر نہیں چھوڑے بلکہ لاعلمی کی وجہ سے چھوڑے ہیں تو آپ ﷺ نے اس کو نماز کی تعلیم دی۔ اور یہ حدیث طمانیت کے واجب ہونے کی صریح دلیل ہے کیونکہ آپ ﷺ نے اس کو نماز کے اعادہ کا حکم

دیا ہے اور اس کی علت یہ بیان فرمائی کہ تم نے نماز ادا نہیں کی ہے ۔لہٰذا حضور ﷺ کے ارشاد کو تم نے اس اتنی مقدار اپنی نماز ناقص کی ہے ۔اس کا مطلب یہ ہے کہ جب طمانیت یا اس کی مثل کوئی اور رکن چھوٹ جائے تو نماز کا کوئی نہ کوئی جزء ناقص ہو جائے گا اور یہ بڑی واضح بات ہے کہ جزء کا ناقص ہونا کل کو باطل کر دیتا ہے ۔

اعتراض......آپ نے سوال کا جو جواب دیا ہے وہ ظاہر حدیث کے خلاف ہے ۔

جواب......اس جواب کا خلاف ظاہر ہونا ہمیں تسلیم نہیں اور بالفرض اگر اس کو تسلیم کیا جائے تو تب بھی ظاہر کو ہمارے مذکورہ جواب پر محمول کرنا ضروری ہے کیونکہ حدیث شریف کے پہلے حصے میں وجوب اعادہ کی تصریح ہے اور اس کی علت بیان کی گئی ہے ۔واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب

روایت بالمعنیٰ کا حکم اور شرط بخاری کا مطلب

سوال......حدیث پاک ہے کہ

مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّءْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ ......الحدیث

جو مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم کو بنالے ۔

(صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب ما یکرہ من النیاحۃ علی المیت، رقم الحدیث: 1291، ج:3ص:80)

اگر کوئی شخص رسول اللہ ﷺ سے حدیث بالمعنیٰ روایت کرتا ہے اور اس کی عربیت زیادہ اتنی اچھی نہیں جس کی وجہ سے وہ اعرابی غلطی کرتا ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟ اور محدثین حدیث بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ حدیث بخاری کی شرط پر ہے یا مسلم کی شرط پر ہے ۔بخاری و مسلم کی مذکورہ شرط کیا ہے؟

جواب......حدیث کو بالمعنیٰ روایت کرنا صرف اسی شخص کے لئے جائز ہے جو الفاظ اور ان کے معانی کی معرفت رکھنے والا ہے اور ان کی مراد کو جاننے والا ہے ۔پس اس صورت حال کے پیش نظر مذکورہ شخص جو اعرابی غلطی کرتا ہے اس کے لئے کسی بھی حدیث کو بالمعنیٰ روایت کرنا جائز نہیں کیونکہ وہ الفاظ اور ان کے مدلولات سے جاہل ہے ۔اور جب بھی وہ ایسا عمل کرے گا تو وہ رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ باندھنے والوں میں سے ایک جھوٹ باندھنے والا بن جائے گا ۔اور رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس پر جھوٹ کے باندھنا گناہ کبیرہ ہے اور شیخ ابو محمد رحمہ اللہ نے تو یہ فرمایا ہے کہ ایسا کرنا کفر ہے ۔

بخاری کی شرط یہ ہے کہ عادل ،ضابط ، حافظ اور متقن راوی اپنی مثل عادل ضابط ، حافظ متقن سے روایت کرنے اور یوں یہ سلسلہ صحابی تک پہنچ جائے ۔اور اس کے ساتھ راوی کی اپنے اس شیخ اور استاذ کے ساتھ جس سے وہ روایت کر رہا ہے ملاقات بھی ثابت ہو ۔امام مسلم رحمہ اللہ کے نزدیک بھی راوی میں مذکورہ

شرائط کا ہونا لازم ہے البتہ ان کے نزدیک اپنے شیخ کے ساتھ ملاقات کا ثابت ہونا شرط نہیں بلکہ وہ امکانِ ملاقات ہی کو کافی قرار دیتے ہیں۔ اس پر صحیح مسلم کے مقدمہ میں انہوں نے طویل استدلال فرمایا ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب

سوال ...... کیا درج ذیل حدیث حضور ﷺ سے وارد ہے؟

لَوْ لَمْ يَخِفِ اللّٰهَ لَمْ يَعْصِهِ.

اگر وہ اللہ تعالیٰ سے نہ ڈرتا تو اس کی نافرمانی نہ کرتا۔

(فتاوی السبکی، کتاب العتق، باب جامع، مسئلۃ من عبداللہ الخ، ج 2 ص 559)

جواب...... بہاء سبکی رحمہ اللہ نے بعض محدثین سے اس حدیث کا نبی اکرم ﷺ کی طرف منسوب ہونا نقل کیا ہے۔ اور ابن مالک رحمہ اللہ نے ''شرح الکافیہ'' میں اس کی نسبت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف کی ہے۔ اور ان کے علاوہ بھی کچھ علماء نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف اس کی نسبت کی ہے۔

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ بڑی تلاش کے باوجود مجھے یہ حدیث کتب حدیث میں نہ مرفوع ملی ہے اور نہ موقوف نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ملی اور نہ اس کے سوا کسی اور سے اور فرماتے ہیں میں نے اس حدیث کو ابوالفضل عراقی کے سامنے پیش کیے جانے والے ایک فتویٰ میں دیکھا جس پر انہوں نے لکھا ہے کہ یہ حدیث ابن العربی کی شرح ترمذی میں واقع ہے لیکن وہ اس کی سند سے مطلع نہیں ہو سکے ہیں البتہ یہ حدیث حضرت سالم رضی اللہ عنہ کے بارے میں وارد ہے۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کے بارے میں وارد نہیں۔ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ ابونعیم نے الحلیۃ میں اس کی تخریج کی ہے۔ اس کی سند میں ابن لھیعہ ہیں جنہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے روایت کیا ہے۔

(الحاوی للفتاوی، کتاب البعث، باب مسالک الحنفاء الخ ج 2 ص 270)

اس کے الفاظ یہ ہیں:

إِنَّ سَالِمًا شَدِيْدُ الْحُبِّ لِلّٰهِ وَلَوْلَمْ يَخِفِ اللّٰهَ عزوجل لَمْ يَعْصِهِ.

سالم اللہ تعالیٰ سے شدید محبت رکھتا ہے اگر وہ اللہ تعالیٰ سے نہ ڈرتا تو تب بھی وہ اس کی نافرمانی نہ کرتا۔ (کیونکہ وہ اللہ سے شدید محبت کرتا ہے۔)

(حلیۃ الاولیاء، المہاجرون من الصحابۃ، سالم مولی ابی حذیفۃ الخ، ج 1 ص 177، مطبوعہ ایضاً)

اور اسی حدیث کو دیلمی نے بھی مسند الفردوس میں حافظ ابوبکر بن مردویہ کی سند سے تخریج کیا ہے۔ اور انہوں نے حضرت عمر سے اور حضرت عمر نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے۔

اس کے الفاظ درج ذیل ہیں:

وَمَعَاذُ بْنُ جَبَلٍ اِمَامُ الْعُلَمَاءِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لاَ يَحْجِبُهُ عَنْ رَبِّهِ اِلاَّ الْمُرْسَلُوْنَ وَ اَنَّ سَالِمًا مَوْلٰى اَبِىْ حُذَيْفَةَ شَدِيْدُ الْحُبِّ لِلّٰهِ وَ لَوْلَمْ يَخِفِ اللّٰهَ مَا عَصَاهُ.

(مستدرک للحاکم، کتاب معرفۃ الصحابۃ الخ ذکر مناقب احد الفقہاء الستۃ من الصحابۃ الخ

رقم الحدیث: 5170، ج: 3 ص: 301 مطبوعہ: ایضا بالفاظ مختلف)

معاذ بن جبل قیامت کے دن علماء کے امام ہوں گے، ان کے اور ان کے رب کے درمیان صرف انبیاء کرام علیہم السلام کا واسطہ ہوگا۔ اور ابو حذیفہ کے آزاد کردہ غلام سالم اللہ تعالیٰ سے شدید محبت کرنیوالے ہیں۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کا خوف نہ رکھتے تو تب بھی وہ اس کی کوئی نافرمانی نہ کرتے۔ (کیونکہ اللہ سے اس قدر شدید محبت کرتے ہیں کہ ان کی محبت ان کو نافرمانی نہ کرنے دیتی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تین محبوب چیزیں

سوال...... درج ذیل حدیث کو کس نے تخریج کیا ہے؟ اور اس کا مطلب کیا ہے؟

حُبِّبَ اِلَیَّ مِنْ دُنْيَاكُمْ ثَلاَثٌ. (دنیا کی تین چیزیں میری محبوب ہیں۔)

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب والرقائق، آخر الصحابۃ الخ، ج: 2 ص: 43، مطبوعہ: ایضا)

جواب...... اس حدیث کو امام طبرانی رحمہ اللہ نے "الاوسط" میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ تخریج کیا ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں:

حُبِّبَ اِلَیَّ اَلنِّسَاءُ، وَ الطِّيْبُ وَ جعلت قُرَّةُ عَيْنِىْ فِى الصَّلٰوةِ.

(المعجم الاوسط للطبرانی، باب المیم من اسمہ محمد، رقم الحدیث: 5203، ج: 5 ص: 241)

اور ضیاء نے بھی اسی سند کے ساتھ تخریج کیا ہے اور امام نسائی رحمہ اللہ نے بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے انہیں الفاظ کے ساتھ صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اور ایسے ہی ابن عدی رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اس حدیث کو امام نسائی رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی ان کے الفاظ کے ساتھ بھی روایت کیا ہے۔

حُبِّبَ اِلَیَّ مِنَ الدُّنْيَا اَلنِّسَاءُ وَ الطِّيْبُ وَ جعلت قُرَّةُ عَيْنِىْ فِى الصَّلٰوةِ.

(المعجم الاوسط للطبرانی، باب المیم من اسمہ محمد، رقم الحدیث: 5203، ج: 5 ص: 241)

اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے انہی الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے اور ابوعوانہ رحمہ اللہ نے بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے (جعلت) کے لفظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ابویعلی رحمہ اللہ نے اس کو اسی طرح ایک سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اور اس سے پہلے والی حدیث کو ایک دوسری سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اور طبرانی رحمہ اللہ نے ایک اور سند کے ساتھ ان الفاظ کو روایت کیا ہے۔

اِنَّمَا حُبِّبَ اِلَيَّ مِنَ الدُّنْيَا اَلطِّيْبُ وَ النِّسَاءُ وَجعلت قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ.

(المعجم الاوسط للطبرانی، باب المیم من اسمہ محمد، رقم الحدیث: 5203، ج:5 ص:241)

اس روایت کے بعد امام طبرانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس کو ثابت الاسلام سے کسی نے روایت نہیں کیا ہے۔ ان کے اس قول کو اس بناء پر رد کر دیا گیا ہے۔ طبرانی رحمہ اللہ کے علاوہ دیگر محدثین نے اس کو ثابت الاسلام سے بھی روایت کیا ہے۔ اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے:

اِنَّمَا حُبِّبَ اِلَيَّ مِنْ دُنْيَاكُمْ ثَلَاثٌ اَلنِّسَاءُ وَ الطِّيْبُ وَجعلت قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ.

(المعجم الاوسط للطبرانی، باب المیم من اسمہ محمد، رقم الحدیث: 5203، ج:5 ص:241)

اور مِنَ الدُّنْيَا کے الفاظ کے ساتھ بھی روایت کیا ہے۔ اسی حدیث کو اسی طرح ابن ابی شیبہ، ابن سعد اور بزار رحمہم اللہ نے بھی تخریج کیا ہے۔ اور عقیلی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس حدیث کی تمام سندیں ضعیف ہیں لیکن ان کا یہ قول ہماری مذکورہ توضیح سے باطل قرار پاتا ہے۔ اور آئمہ حدیث کے اقوال سے بھی عقیلی کے مذکورہ قول کو مردود قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس حدیث کو امام نسائی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے اور ''احیاء العلوم'' کی تخریج میں زین عراقی نے فرمایا ہے کہ اس حدیث کو نسائی اور حاکم نے روایت کیا ہے اور اس کی سند جید ہے اور امام ذہبی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس کی سند قوی ہے۔ اور اس حدیث کو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے ایک عمدہ نکتہ کے اضافے کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اور وہ اضافہ یہ ہے:

اَصْبِرُ عَنِ الطَّعَامِ وَ الشَّرَابِ وَ لَا اَصْبِرُ عَنْهُنَّ .

میں کھانے پینے سے صبر کر سکتا ہوں، لیکن ازواج مطہرات کو میں نہیں چھوڑ سکتا۔

(المعجم الاوسط للطبرانی، باب المیم من اسمہ محمد، رقم الحدیث: 5203، ج:5 ص:241)

دیلمی نے ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے:

وَ حُبِّبَ اِلَیَّ النِّسَاءُ وَ الطِّیْبُ.....الحدیث

(المعجم الاوسط للطبرانی، باب المیم من اسمہ محمد، رقم الحدیث: 5203، ج:5 ص: 241)

اور دیلمی رحمہ اللہ نے اس اضافہ کو مسند امام احمد، مسند ابویعلیٰ، سنن نسائی اور معجم طبرانی رحمہم اللہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ لیکن ان کے اس قول کو اس بنیاد پر رد کر دیا گیا ہے۔ کہ مذکورہ اضافہ مندرجہ بالا کتب میں سے کسی میں بھی موجود نہیں۔ البتہ (ثلاث) کے لفظ کا اضافہ احیاء العلوم کے دو مقامات میں اور کشاف میں سورہ آل عمران کی تفسیر میں موجود ہے۔

زین عراقی، ابن حجر اور زرکشی رحمہم اللہ وغیرہ محدثین نے فرمایا ہے کہ (ثلاث) کا لفظ اس حدیث کی کسی سند میں واقع نہیں ہے بلکہ یہ حدیث کے معنی کو فاسد کرنے والا ہے کیونکہ نماز دنیا سے تعلق رکھنے والی چیز نہیں۔ لیکن ابن فورک نے (ثلاث) کے لفظ کے وارد ہونے کی بناء پر حدیث کی شرح کی ہے۔ اور اس کی توجیہ کرتے ہوئے طویل گفتگو کی ہے۔

اور امام غزالی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب (ذم الدنیا) میں بھی اس کی توجیہ کی ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں نماز سے جو لذت حاصل ہوتی ہے اس کے اعتبار سے نماز کا تعلق دنیا سے ہے کیونکہ جو چیز حس اور مشاہدہ کے تحت داخل ہوتی ہے اس کا تعلق دنیا سے ہوتا ہے۔

(احیاء علوم الدین، کتاب ذم الدنیا، ج:3 ص: 219، مطبوعہ: ایضا)

امام غزالی رحمہ اللہ کی یہ توجیہ ابن فورک کی توجیہ کے قریب قریب ہے۔ چنانچہ ابن فورک نے فرمایا ہے: نماز دنیا میں رب تعالیٰ کے مطیع کی اطاعت ہے۔ پس وہ محل اور وقت کے اعتبار سے دنیا کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ لیکن حکم اور اسم کے اعتبار سے دنیا سے تعلق نہیں رکھتی ہے۔ خوشبو اور خواتین وقت، محل، حکم و وضع سب کے لحاظ سے دنیا سے تعلق رکھتی ہیں۔ اسی لئے حضور ﷺ نے نماز کو ایک مستقل الگ عبادت کے ساتھ تعبیر فرمایا ہے اور اس عبادت کو دوسری مرتبہ ذکر نہیں فرمایا تاکہ یہ بتائیں کہ نماز کو خاص اس لئے کیا گیا ہے کہ وہ دنیا میں ہے حالانکہ وہ آخرت تک پہنچانے والی ہے۔

اس کو بیان کرتے ہوئے طویل گفتگو کی ہے اور اس کے بعد فرمایا ہے کہ ہر وہ چیز جس کا محل دنیا میں ہے اور حکم آخرت سے تعلق رکھتا ہے تو وہ چیز محل کے اعتبار سے دنیا سے تعلق رکھتی ہے اور مرجع و مآل کے لحاظ سے آخرت سے تعلق رکھتی ہے۔ مسند احمد میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ:

کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یُعْجِبُہٗ مِنَ الدُّنْیَا ثَلَاثَۃٌ اَلطَّعَامُ وَ النِّسَاءُ وَ الطِّیْبُ.

رسول اللہ ﷺ کو دنیا کی تین چیزیں پسند تھیں ۔ طعام، خواتین اور خوشبو۔

(المعجم الاوسط للطبرانی، باب المیم من اسمہ محمد، رقم الحدیث: 5203، ج:5 ص: 241)

دو چیزیں آپ کو نصیب ہوئیں اور طعام کی فراوانی آپ نے اختیار نہ فرمائی ۔ اگر یہ حدیث ثابت ہوجائے تو پھر اس سے ثلاث کے لفظ کی توجیہ ہوسکتی ہے کہ حضور ﷺ نے ان تین خصلتوں میں سے صرف ان دو خصلتوں کے بیان پر اقتصار فرمایا ہے جو آپ ﷺ کو نصیب ہوئیں تھیں ۔ اور تیسری خصلت جس کی فراوانی اور کثرت کو آپ ﷺ نے اختیار نہیں فرمایا اس کا تذکرہ نہیں فرمایا۔ اور جُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ . یہ جملہ مستانفہ ہے ۔ اس کا ان تین چیزوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

(المعجم الاوسط للطبرانی، باب المیم من اسمہ محمد، رقم الحدیث: 5203، ج:5 ص: 241)

''تفسیر کشاف'' کی وہ عبارت جو قرآن کریم کی آیت (فِيْهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ) کی تفسیر بیان کرتی ہے وہ عبارت بھی ہماری اس مذکورہ تشریح کی تائید کرتی ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ سابقہ روایت میں حصر مطلوب نہیں کیونکہ نسائی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے تخریج کیا ہے:

لَمْ يَكُنْ شَيْءٌ اَحَبُّ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ بَعْدَ النِّسَاءِ مِنَ الْخَيْلِ وَ كَانَ يُحِبُّ لَحْمَ الْكَتِفِ وَالْقِثَاءِ بِالرُّطَبِ.

حضور ﷺ کے ہاں ازواج مطہرات کے بعد گھوڑوں سے زیادہ کوئی چیز پسندیدہ نہ تھی اور آپ ﷺ شانے کے گوشت اور ککڑی کے ساتھ کھجور ملا کر تناول فرمانا پسند فرماتے تھے ۔

(مسند احمد، مسند المکثرین من الصحابۃ، مسند انس بن مالک، رقم الحدیث: 12294، ج:19 ص: 307)

مذکورہ حدیث اور اس کے علاوہ اور احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ سابقہ حدیث میں تین چیزوں کا حصر مطلوب نہیں یا اس حدیث کا یہ مطلب ہے آپ ﷺ کی دیگر چیزوں سے محبت اس درجہ کی نہیں تھی جس درجہ کی محبت ازواج مطہرات اور خوشبو کے ساتھ تھی۔

مجردیانی میں ازواج مطہرات کے ساتھ محبت کی علت میں دو قول نقل کئے گئے ہیں ۔ ایک یہ کہ آپ ﷺ کی ازواج مطہرات سے محبت کی وجہ یہ تھی ازواج مطہرات کی کفالت وغیرہ میں زیادہ آزمائش و مشقت پائی جاتی تھی اس کی باوجود آپ ﷺ رسالت کے فریضہ کی ادائیگی سے غافل نہیں رہے پس یہ آپ ﷺ کے لئے زیادہ مشقت والا کام تھا ۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ آپ ﷺ کو ازواجِ مطہرات کے ساتھ زیادہ محبت کی وجہ یہ تھی کہ آپ کا ان کے ساتھ وقت میسر کرنے کی وجہ سے شاید ان لوگوں کے اس گمان کا ازالہ ہوجائے جو نعوذ باللہ آپ ﷺ کو ساحر

کہتے تھے۔

قاضی عیاض نے شفاء شریف میں ازواج مطہرات اور خوشبو کی تخصیص کا نکتہ بیان کرتے ہوئے بڑی نفیس اور عمدہ گفتگو کی ہے، شفاء شریف کا مطالعہ کریں۔اسی طرح ابن قیم نے الھدی اور الطب النبوی میں عمدہ گفتگو کی ہے۔

چار چیزیں سنن مرسلین میں سے ہیں

امام ترمذی اور امام احمد رحمہما اللہ کی مروی درج ذیل حدیث بھی مذکورہ قول کی تائید کرتی ہے:

اَرْبَعٌ مِنْ سُنَنِ الْمُرْسَلِيْنَ اَلْحَيَاءُ وَ الْجِمَاعُ وَالتَّعَطُّرُ وَالسِّوَاكُ .

چار چیزیں مرسلین کی سنتوں میں سے ہیں۔حیاء، جماع، عطر استعمال کرنا، اور مسواک کرنا۔

(مسند احمد، مسند الانصار، حدیث ابی ایوب انصاری، رقم الحدیث: 23580، ج:38 ص:553)

امام طبرانی رحمہ اللہ نے "معجم کبیر" میں اور ابونعیم رحمہ اللہ نے وَ الْحِلْمُ (اور حلم) کا اضافہ روایت کیا ہے۔ اور امام عقیلی رحمہ اللہ نے بھی اسی طرح ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے:

مِنْ سُنَنِ الْمُرْسَلِيْنَ اَلْحَيَاءُ وَ الْحِلْمُ وَ الْحِجَامَةُ وَ السِّوَاكُ وَ التَّعَطُّرُ وَ كَثْرَةُ الْاَزْوَاجِ .

رسولوں کی سنتوں میں سے ہیں حیاء، حلم اور سنگی لگوانا، مسواک کرنا، اور خوشبو استعمال کرنا، اور کثرت نکاح۔

(مسند احمد، مسند الانصار، حدیث ابی ایوب انصاری، رقم الحدیث: 23580، ج:38 ص:553)

اسی طرح یہ حدیث طبرانی کے ہاں (خَمْسٌ مِنْ سُنَنِ الْمُرْسَلِيْنَ) کے لفظ کی زیادتی کے ساتھ مروی ہے لیکن یہ دونوں روایتیں ضعیف ہیں۔نکاح کی ترغیبات زیادہ اور مشہور ہیں۔

(مکارم الاخلاق، باب فضیلۃ الحیاء، الخ رقم الحدیث: 319، ص:113)

حدیث پاک میں اَحْبَبْتُ (میں محبت کرتا ہوں) کے لفظ کی بجائے (حُبِّبَ) میرے لئے محبوب بنائی گئیں ہیں۔ اختیار فرمانے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حضور ﷺ معصوم ہیں کسی کام کا آغاز آپ ﷺ اپنی ذات کی طرف سے نہیں فرماتے اور آپ ﷺ خواتین کے ساتھ محبت کرنے میں محفوظ اور اس میں ہر قسم کی خطاء سے معصوم ہیں اسی لئے حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے اس ارشاد کی وجہ سے آزمائش میں ڈالے گئے کہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ .

(شرح السنۃ للبغوی، کتاب السیر والجہاد، باب اتخاذ الخیل للجہاد، رقم الحدیث: 2646، ج:10 ص:386، مطبوعہ: ایضا)

اور حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے قول میں اپنے لئے قید خانہ کو ترجیح دی تو ان کو ان کی پسندیدہ چیز کے سپرد کر دیا گیا۔

رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْهِ. (سورۃ یوسف، آیت:33)

اے میرے ربّ! قید خانہ مجھے زیادہ پسندیدہ ہے اس کام سے جس کی طرف وہ مجھے بلاتی ہیں۔

اور روایتِ حدیث میں عن الدنیا کے لفظ کی بجائے عن دنیاکم کے لفظ کو استعمال فرمایا گیا تا کہ حضور ﷺ کی ذات اقدس اس بات سے محفوظ رہے کہ آپ ﷺ کی نسبت دنیا کی طرف کی جائے یا دنیا کی نسبت آپ ﷺ کی طرف کی جائے کیونکہ آپ ﷺ کو دنیا کی کسی بھی شے کی طرف راغب ہونے سے روکا گیا ہے حدیث پاک میں خواتین اور خوشبو کی تخصیص فرمائی گئی۔ خواتین کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ لوگ آپ ﷺ کے احوال باطنہ کو حاصل کریں اور وہ جب اس عمل میں آپ کی اقتداء کریں تو نسل اور اولاد کی کثرت ہو جائے گی اور خوشبو کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ خوشبو دواعی جماع میں سے ہے بلکہ ان میں سب سے زیادہ قوی ہے۔

اور حدیث مذکورہ میں نماز کو ایک مستقل الگ سیاق کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نماز محبوب اعظم ہے اور اس کا محبوبات دنیویہ میں سے کوئی تعلق نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب

حدیث شریف کی قرأت وسماع کا حکم

سوال......حدیث شریف کی قرأت وسماع میں ثواب ہے یا کہ نہیں؟

جواب......اگر سماع حدیث سے حدیث کو یاد کرنا اور احکام کی تعلیم یا حضور ﷺ پر درود بھیجنا یا اتصال سند مقصود ہے تو اس میں ثواب ہے۔ لیکن متون احادیث کی قرأت کے متعلق شیخ ابو اسحٰق شیرازی نے شرح اللمع میں فرمایا ہے کہ متون احادیث کی قرأت کے ساتھ ثواب مخصوص نہیں کیونکہ احادیث کی بالمعنی قرأت اور روایت جائز ہے۔ ابن عماد نے فرمایا ہے یہی قول ظاہر ہے کیونکہ اگر احادیث کے الفاظ کے ساتھ ثواب مخصوص ہوتا تو پھر الفاظ کی بالمعنی تغییر اور روایت جائز نہ ہوتی کیونکہ جس چیز کے ساتھ کوئی حکم شرعی تعلق رکھتا ہے اس کی تغییر جائز نہیں۔ برخلاف قرآن کریم کے کہ وہ معجز ہے (اس لئے اس کے الفاظ کے ساتھ ثواب خاص ہے) لہٰذا مذکورہ دلائل کے پیش نظر جب حدیث کی مجرد قرأت میں کوئی ثواب نہیں تو پھر اس کے مجرد استماع میں بدرجہ اولیٰ ثواب نہیں ہوگا۔ اور بعض علماء کرام نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ حدیث کی مجرد قرأت واستماع میں ثواب ہے اور میرے نزدیک یہ فتویٰ زیادہ قابل قبول اور اہم ہے۔ کیونکہ سماع احادیث فائدے سے خالی نہیں اس میں کم از کم رسول اللہ ﷺ کی قاری اور سامع پر برکت کا نزول ضرور ہوتا ہے۔ اور یہ فتویٰ علماء کرام کے اس قول کے منافی نہیں کہ سماع اذکار مباح ہے، سنت نہیں (کیونکہ اس میں حصول فوائد کی نفی ہے)

قربِ قیامت

سوال......حدیث پاک میں ہے کہ:

بُعِثْتُ اَنَا وَ السَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ.

مجھے اور قیامت کو ان دو انگلیوں کی مانند مبعوث فرمایا گیا ہے۔

(شعب الایمان للبیہقی، باب فی الصبر علی المصائب الخ فصل ومما یلحق بالصبر الخ، رقم الحدیث:9754، ج:12 ص:466، مطبوعہ: ایضا)

کیا یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو قیامت کا علم تھا؟ کیا یہ حدیث اس قول کے منافی ہے یا اس کی تائید کرتی ہے کہ: زمین میں ہزار سال سے زیادہ نہیں ٹھہرا جائے گا؟

جواب......امام بیہقی رحمہ اللہ نے "البعث والنشور" میں فرمایا ہے کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آپ ﷺ وقتِ قیامت کو جاننے والے ہیں اس سے آپ ﷺ کا مقصد یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے۔ اور آپ ﷺ آخری نبی ہیں۔ اور اس کے باوجود قیامت قریب ہے کیونکہ اس کی علامات پے در پے ظاہر ہو رہی ہیں۔ اور ان کو آپ نے بیان کیا ہے۔ (انتھیٰ)

"التذکرۃ" میں ہے کہ اس حدیث کا مطلب قیامت کی آمد کا قریب ہونا ہے۔ اور جو یہ کہا گیا ہے کہ قربِ قیامت کے بارے میں جو احادیث مروی ہیں ان میں سے کوئی بھی صحیح نہیں ہے۔ لیکن امام بیہقی رحمہ اللہ نے مذکورہ کتاب میں آپ ﷺ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ:

اِنِّیْ لَاَرْجُوْ اَنْ لَنْ يَّعْجِزَ اُمَّتِیْ عِنْدَ رَبِّهَا عزوجل اَنْ يُّؤَخِّرَهُمْ نِصْفَ يَوْمٍ قِيْلَ وَكَمْ نِصْفَ يَوْمٍ قَالَ ﷺ خَمْسُمِائَةٍ.

مجھے امید ہے کہ میری امت کو اس کے رب عزوجل کے ہاں ان کے لئے نصف دن کی تاخیر عاجز نہیں کرے گی۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! نصف دن کی مقدار کتنی ہے؟ تو آپ نے فرمایا پانچ سو سال ہے۔

(مسند احمد، مسند العشرۃ المبشرین، الخ، مسند ابی اسحاق، الخ، رقم الحدیث:1465، ج:2 ص:220)

سراج بلقینی کے بارے میں بیان ہے کہ انہوں نے یہ حدیث روایت کی ہے کہ:

اُعْطِيَ اُمَّتِیْ نِصْفَ يَوْمٍ مِنْ اَيَّامِ الْاٰخِرَةِ فَاِنْ اَصْلَحَتْ كَمَلَ لَهَا ذٰلِكَ الْيَوْمُ.

میری امت کو آخرت کے ایام میں سے نصف یوم دیا گیا ہے۔ پس اگر وہ اصلاح کرے تو اس کے لئے یہ دن مکمل ہو جائے گا۔

(مستدرک للحاکم، کتاب الفتن والملاحم، رقم الحدیث:8307، ج:4 ص:470)

مصنف فرماتے ہیں: ان شاء اللہ وہ اصلاح کرے گی۔

عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ کا مطلب

سوال ......اس حدیث میں وجہ تمثیل کیا ہے؟

عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ . میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی مانند ہیں۔

(سنن ابن ماجہ، ابواب السنۃ، باب فضل العلماء الخ، رقم الحدیث: 224، ج:1 ص: 151)

جواب ......اس حدیث کو امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام ابن ماجہ اور امام حاکم رحمہم اللہ نے اپنی کتب حدیث میں تخریج کیا ہے۔ دیلمی کی ''الفردوس'' میں ہے:

اِنَّ لِلّٰهِ عزوجل ثَلٰثمائَةً قُلُوْبُهُمْ عَلٰى قَلْبِ آدَمَ وَ لَهُ اَرْبَعُوْنَ قُلُوْبُهُمْ عَلٰى قَلْبِ مُوْسٰى . وَلَهُ سَبْعٌ قُلُوْبُهُمْ عَلٰى قَلْبِ اِبْرَاهِيْمَ وَلَهُ خَمْسَةٌ قُلُوْبِهِمْ عَلٰى قَلْبِ جِبْرِيْلَ وَ لَهُ ثَلاثَةٌ قُلُوْبِهِمْ عَلٰى قَلْبِ مِيْكَائِيْلَ وَلَهُ وَاحِدٌ قَلْبِهٖ عَلٰى قَلْبِ اِسْرَافِيْلَ.

(الحاوی الفتاوی، الفتاوی الصوفیہ، الخبر الدال علی وجود الخ، ج:2 ص: 208)

اللہ تعالیٰ کے تین سو بندے ایسے ہیں جن کے قلوب حضرت آدم علیہ السلام کے قلب اقدس پر ہیں اور اللہ تعالیٰ کے چالیس بندے ایسے ہیں جن کے دل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قلب مبارک پر ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سات بندے ایسے ہیں جن کے قلوب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قلب اطہر پر ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے پانچ بندے ایسے ہیں جن کے قلوب حضرت جبریل امین علیہ السلام کے قلب انور پر ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے تین بندے ایسے ہیں جن کے قلوب حضرت میکائیل علی علیہ السلام کے قلب اقدس پر ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ایک بندہ ایسا ہے جس کا قلب حضرت اسرافیل علیہ السلام کے قلب انور پر ہے۔

تمثیل وتنظیر کا مطلب یہ ہے کہ علماء علم کی میراث یا احکام کی تشریع میں انبیاء کرام علیہم السلام کی مثل ہیں۔ لیکن انبیاء کرام علیہم السلام کا علم اور تشریع وحی الٰہی کی وجہ سے قطعی ہے۔ اور علماء کرام کی تشریع اجتہاد کے ذریعہ ہوتی ہے اس لئے وہ ظنی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی انگلی مبارک درمیانی انگلی سے طویل تھی

سوال......علامہ دمیری رحمہ اللہ نے ''شرح المنہاج'' میں مصنف کے قول وَ يُوْصِلُ الْمُسَبِّحَةَ (شہادت کی انگلی

میں ارسال کرے) پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ حضور ﷺ کی شہادت کی انگلی مبارک درمیانی انگلی سے لمبی تھی اور درمیانی انگلی بنصر (ساتھ والی انگلی) سے لمبی تھی اور بنصر چھانگلی انگلی سے لمبی تھی۔اس پر انہوں نے ایک حدیث ذکر کی ہے کیا ان کے علاوہ کسی اور نے بھی یہ حدیث ذکر کی ہے؟

جواب......اس حدیث کو شیخ الاسلام ابن حجر رحمہ اللہ نے "اسد الغابة" میں اور علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے سورہ بقرہ کی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔(الحاوی الفتاوی، الفتاوی الصوفیۃ، الخبر الدال علی وجود الخ، ج: 2 ص:208)

قبر انور کے قریب درود پیش کرنے کا مطلب

سوال......حدیث پاک ہے کہ:

مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِيْ سَمِعْتُهٗ وَ مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ بَعِيْدًا عَنْ قَبْرِيْ بُلِّغْتُهٗ.

جو مجھ پر میری قبر انور کے پاس درود پڑھتا ہے تو میں خود اس کو سنتا ہوں اور جو مجھ پر میری قبر انور سے دوری کی حالت میں پڑھتا ہے وہ مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب البعث، انباء الاذکیاء بحیاۃ الانبیاء، ج:2 ص:178)

اس حدیث میں قبر انور کے پاس اور دور ہونے سے کیا مراد ہے؟

جواب......ظاہر یہ ہے کہ قبر انور کے پاس سے ایسے مقام ومحل میں ہونا مراد ہے جس پر عرف کے اعتبار سے قبر انور کے پاس ہونا صادق آئے اور بعد سے مراد اس کے سوا باقی تمام مقامات ہیں اگر چہ وہ مسجد نبوی شریف میں ہی کیوں نہ ہوں۔اس کی نظیر وہ مسئلہ ہے جس کے بارے میں اکثر سوال کیا جاتا ہے کہ فقہاء کرام نے فرمایا ہے کہ مقام ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے طواف کی دو رکعت نماز پڑھنا مسنون ہے۔اور خلف المقام سے کیا مراد ہے؟ اس کا جواب بھی یہی ہے کہ خلف المقام سے مراد ایسے محل ومقام میں ہونا مراد ہے جس پر صرف عادت کے اعتبار سے خلف المقام ہونا صادق آئے۔اگر چہ اس کے اور مقام ابراہیم کے درمیان کسی قدر دوری اور بعد کیوں نہ ہو۔

سوال......اس حدیث کو کس نے روایت کیا ہے:

مَنْ عَطَسَ اَوْ تَجَشَّأَ فَقَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ مِنَ الْاَحْوَالِ رَفَعَ اللّٰهُ عَنْهُ سَبْعِيْنَ دَاءٍ اَهْوَنُهَا الْجَزَامُ.

جس کو چھینک یا ڈکار آئے اور وہ الحمد للہ علی کل من الاحوال پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس سے ستر بیماریوں کو اٹھا دیتا ہے۔جن میں حقیقت ترین جذام کی بیماری ہے۔

(مسند البزار، مسند ابی موسیٰ، اول حدیث، رقم الحدیث:3125، ج:8 ص:121)

جواب......اس حدیث کو خطیب نے حسن بن جعفر واعظ کے تعارف و ترجمہ کے تحت روایت کیا ہے۔

بدعتی سے نفرت کرنے کا انعام

سوال......ان احادیث کو کس نے روایت کیا ہے؟

1......مَنْ اَعْرَضَ عَنْ صَاحِبِ بِدْعَةٍ بُغْضًا لَهُ فِي اللّٰهِ مَلَاءَ اللّٰهُ قَلْبَهُ اَمْنًا وَّ اِيْمَانًا وَ مَنْ اِنْتَهَرَ صَاحِبَ بِدْعَةٍ اَمَنَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْفَزَعِ الْاَكْبَرِ وَ مَنْ اَهَانَ صَاحِبَ بِدْعَةٍ رَفَعَهُ اللّٰهُ فِي الْجَنَّةِ مِائَةَ دَرَجَةٍ وَمَنْ سَلَّمَ صَاحِبَ بِدْعَةٍ اَوْ لَقِيَهُ بِالْبِشْرِ اَوِ اسْتَقْبَلَهُ بِمَا يَسُرُّهُ فَقَدِ اسْتَخَفَّ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ.

(حدیث ابی الفضل الزہری، من اعرض بوجہ عن صاحب بدعۃ الخ، رقم الحدیث: 147، ج: 1، ص: 188، مطبوعہ: اضواء السلف الریاض)

جو کوئی کسی بدعتی سے اللہ تعالیٰ کی محبت میں نفرت کرتے ہوئے اعراض کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو ایمان اور امن سے بھر دے گا۔ اور جو کوئی کسی بدعتی کو جھڑک دے تو اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کی بڑی ہولناکی کے دن امن عطا فرمائے گا۔ اور جو کوئی کسی بدعتی کی اہانت کرے گا اللہ تعالیٰ جنت میں اس کے سو درجات بلند فرمائے گا، اور جو کوئی کسی بدعتی پر سلام کرے یا اس کے ساتھ خندہ پیشانی سے ملاقات کرے یا اس کا اس انداز کے ساتھ استقبال کرے جس کی وجہ سے وہ خوش ہو جائے تو بے شک اس نے اس چیز کا استخفاف کیا جو اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمائی ہے۔

2......اَللّٰهُمَّ لَا تُطِعْ فِيْنَا تَاجِرَنَا وَلَا مُسَافِرَنَا فَاِنَّ تَاجِرَنَا يُحِبُّ الْغَلَاءَ وَ مُسَافِرَنَا يَكْرَهُ الْمَطَرَ.

اے اللہ ہمارے بارے میں ہمارے تاجر کو خوش نہ کرنا اور نہ ہمارے مسافر کو کیونکہ ہمارا تاجر مہنگائی کو پسند کرتا ہے اور ہمارا مسافر بارش کو ناپسند کرتا ہے۔

(حدیث ابی الفضل الزہری، من اعرض بوجہ عن صاحب بدعۃ الخ، رقم الحدیث: 147، ج: 1، ص: 188، مطبوعہ: اضواء السلف الریاض)

3......مَنْ دَخَلَ عَلٰى اَخِيْهِ الْمُسْلِمِ فَاَطْعَمَهُ مِنْ طَعَامِهِ فَلْيَاْكُلْ وَ لَا يَسْئَلْهُ عَنْهُ وَ اِنْ سَقَاهُ مِنْ شَرَابِهِ فَلْيَشْرَبْ وَ لَا يَسْئَالُ عَنْهُ.

جو اپنے مسلمان بھائی کے پاس جائے اور وہ اپنے کھانے میں سے اس کو کھانا پیش کرے تو اس کو چاہیے کہ وہ اور میزبان سے کھانے کے بارے میں سوال نہ کرے اور وہ اگر اپنے مشروب

میں سے پلائے تو اس کو پینا چاہیے اور اس کے متعلق سوال نہ کرے؟

(مسند احمد مسند المکثرین، مسند ابی ہریرۃ، رقم الحدیث: 9185، ج:15 ص:99)

جواب......ان تینوں احادیث کو خطیب نے اپنی تاریخ میں روایت کیا ہے۔ حضرت محمد دینوری رحمہ اللہ سے ایک حکایت مروی ہے جو مذکورہ آخری حدیث کے منافی ہے۔ اور وہ حکایت یہ ہے کہ: ان کی خدمت میں کھانا پیش کیا گیا تو انہوں نے پیش کرنے والے سے فرمایا یہ آپ نے کہاں سے حاصل کیا ہے؟ اس نے عرض کی حلال سے حاصل کیا ہے نہ ہی ظلم سے حاصل کیا ہے اور نہ غصب سے۔ انہوں نے فرمایا تم کس چیز کی تجارت کرتے ہو تو اس نے کہا میں غلے کی تجارت کرتا ہوں وہ حضرت دینوری رحمہ اللہ یہ سن کر وہاں سے تشریف لے گئے اور فرمایا یہ طعام مسلمانوں کے غم سے جمع کیا گیا ہے۔ بعض علماء نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ مذکورہ حدیث اس شخص پر محمول ہے جس کو کھانے کے بارے میں کوئی شک نہ ہو اور حکایت اس کھانے پر محمول ہے جس میں کوئی شبہ پایا جاتا ہو۔ اور یہی ظاہر ہے۔

بہرے شخص کی موجودگی میں گفتگو کا حکم

سوال......بہرا شخص جو گفتگو سن اور سمجھ نہیں سکتا اس کی موجودگی میں آپس میں گفتگو کرنا کیا ان دو آدمیوں کی سرگوشی کی مانند ہے جو مجلس میں موجود تیسرے شخص کو چھوڑ کر آپس میں سرگوشی کرتے ہیں۔ جس کے بارے میں نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد وارد ہے کہ:

لَا یَتَنَاجیٰ اِثْنَانِ دُوْنَ الثَّالِثِ اَوْ یَفْرُقْ.

دو شخص تیسرے کو چھوڑ کر آپس میں سرگوشی نہ کریں یا وہ مجلس سے جدا ہو جائے۔

(موطا امام مالک، کتاب الجامع، باب ما یکرہ من الخ، رقم الحدیث: 2081، ج:2 ص:168)

جواب......مجلس میں موجود تیسرے شخص کو چھوڑ کر دو کی آپس میں سرگوشی کی حرمت پر دلالت کرنے والی نہی کی جو علت ہمارے آئمہ کرام نے بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ ایسا کرنے میں تیسرے شخص کو ڈرانے اور اسے اذیت پہنچانے کا خوف پایا جاتا ہے خواہ سرگوشی کرنے والے اس کے دوست کیوں نہ ہوں۔ ہمارے آئمہ نے اس کو مطلقاً حرام کہا ہے۔ ان کے اس اطلاق سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اس کی حرمت کی علت مذکورہ خوف ہی ہے۔ گویا کہ آئمہ نے اس بارے میں خوف کی موجودگی کے گمان کو پیش نظر رکھا ہے۔ اگرچہ بعض صورتوں میں اس خوف وخشیت کا انتفاء قطعی ہوتا ہے۔ مثلاً سفر کی مشقت کی وجہ سے دو آدمی آپس میں سرگوشی کرتے ہیں۔ تو اس میں مذکورہ خشیت کا انتفاء قطعی طور پر پایا جاتا ہے۔ جب اس حرمت کی یہ علت ہے تو پھر یہ کہنے میں کوئی بعد اور حرج نہیں کہ بہرے انسان کی موجودگی میں گفتگو کرنا دو انسانوں کا آپس میں سرگوشی کرنے

کے مانند ہے کیونکہ ایسا کرنے میں مذکورہ خشیت موجود ہے لہٰذا یہاں خوف کی موجودگی کا گمان پایا جاتا ہے
اور ایسا ہی ان دو انسانوں کے بارے میں کہا جائے گا جو آپس میں کسی ایسی زبان میں گفتگو کرتے ہیں جس کو
تیسرا آدمی نہیں سمجھتا ہے۔ کیونکہ یہ بھی بالکل سرگوشی کی مانند ہے۔ لہٰذا یہ بھی اسی کی طرح حرام ہونی چاہیے۔
اعتراض...... ان مذکورہ دونوں صورتوں اور سرگوشی کی صورت کے درمیان فرق ممکن ہے کہ آپس میں سرگوشی کرنے
والوں کے لئے مجلس میں حاضر تیسرے شخص کو بات بتانی اور سمجھانی ممکن ہے کیونکہ وہ ایسا کرنے پر قدرت
رکھتے ہیں برخلاف مذکورہ دونوں صورتوں کے کہ ان میں تیسرے انسان کو سمجھانا ممکن نہیں۔ آخری صورت
میں تو واضح ہے کہ تیسرا شخص زبان سمجھتا ہی نہیں اور پہلی صورت میں بہرے کو بات سمجھانی کس قدر ممکن
تو ہے لیکن اس میں مشقت پائی جاتی ہے۔ لہٰذا یہ دونوں صورتیں حرام نہیں ہونی چاہیے۔
جواب...... اس میں کوئی شک نہیں کہ ان میں فرق ممکن ہے لیکن آئمہ کرام کے اطلاق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر
اس فرق کو مدنظر نہیں رکھا جائے گا۔ کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ان دونوں صورتوں میں بھی علت کے موجود
ہونے کا گمان پایا جاتا ہے۔ اسی لئے آئمہ نے اُس شخص کی موجودگی میں سرگوشی کرنے میں اس فرق کو مدنظر
نہیں رکھا جس کی مجلس سے مفارقت ممکن ہے۔ اور نہ ہی اس کے لئے مجلس لازم قرار دی ہے۔ بلکہ اس کے
باوجود اس کی موجودگی میں آپس میں سرگوشی کرنے والوں پر سرگوشی حرام قرار دی ہے پس اسی طرح ان
دونوں صورتوں میں بھی گفتگو حرام ہوگی۔ تفہیم یا عدم تفہیم ممکن ہونے کا کوئی اعتبار نہیں۔ اور یہ توجیہہ ہو سکتی
ہے کہ ایسے شخص کی موجودگی میں گفتگو کرنے والے کے لئے یہ ممکن ہے کہ وہ اس سے خوف میں مبتلا کئے
بغیر اور کوئی ایسا عمل کئے بغیر جو خوف میں مبتلا کرنے کا مدار بنے۔ اس سے دور چلا جائے۔ اسی لئے اگر یہ
فرض کر لیا جائے کہ وہ شخص گفتگو کرنے والوں کے پاس بیٹھنے میں حد سے تجاوز کرنے والا ہے تو پھر ممکن ہے
کہ گفتگو کرنے والوں پر کوئی گناہ نہ ہو کیونکہ وہ حد سے تجاوز کر رہا ہے۔ برخلاف اس شخص کے جس نے حد
سے تجاوز نہیں کیا ہے۔ اور انہوں نے اس کی موجودگی میں سرگوشی کی ہے۔ تو وہ گنہگار ہیں گویا کہ محل مجلس
مباح تھی اور وہ ان کے پاس بیٹھ گیا ہے پس ان پر لازم ہے کہ وہ یا تو خاموشی اختیار کریں یا اس سے اٹھ کر
چلے جائیں کیونکہ مفاسد کا دفاع مصالح کے حصول سے اولیٰ ہے۔ اس کے دل کو امن و ایمان سے بھر دے
گا۔ اور جو بدعتی کو جھڑکے اللہ تعالیٰ اس کو بڑی گھبراہٹ (قیامت) کے دن امن عطا فرمائے گا۔ اور جو
بدعتی کی اہانت کرے اللہ تعالیٰ جنت میں اس کے سو درجے بلند فرمائے گا۔ اور جو بدعتی کو سلام کرے یا اس
کے ساتھ خندہ پیشانی سے ملے۔ یا اس کا ایسے انداز میں استقبال کرے کہ جس کی وجہ سے وہ خوش ہو جائے
تو بے شک اس نے اس چیز کا استخفاف کیا جو اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمائی ہے۔
صاحبانِ بدعت سے کون لوگ مراد ہیں؟ اور وہ شخص جو ستاروں کے احوال سے پیشگوئیاں کرتا ہے کیا وہ

بدعتیوں میں سے ہے؟

جواب.....مذکورہ حدیث کو خطیب نے تاریخ بغداد میں روایت کیا ہے اور صحیح حدیث میں ہے:

شَرُّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ.

سب سے برے کام نئے پیدا ہونے والے کام ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

(صحیح ابن حبان، باب الاعتصام بالسنۃ الخ، ذکر الاخبار عما یجب الخ، رقم الحدیث:10، ج:1 ص:186، مطبوعہ: مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

حدیث میں اصحابِ بدعت سے مراد وہ لوگ ہیں جو اہل السنۃ والجماعۃ کے مسلک کے مخالف مسلک پر قائم ہیں اور اہل السنۃ والجماعۃ سے مراد حضرت امام اہل سنت شیخ ابوالحسن اشعری اور حضرت امام اہل سنت شیخ ابومنصور ماتریدی رحمہما اللہ کے متبعین ہیں۔ اور بدعتیوں میں ہر وہ شخص داخل ہے جو اسلام میں ایسا نیا کام ایجاد کرے جس کے حسن اور اچھا ہونے کی شریعت شہادت نہ دے جیسا کہ ظالمانہ ٹیکس اور دیگر مظالم وغیرہ۔ البتہ اگر ظالم کے ساتھ نرمی کے ساتھ بات کرنے میں کسی مظلوم کو اس کے ظلم سے بچانا یا اس کو نیکی اور اچھائی پر آمادہ کرنا مقصود ہے تو پھر ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى. (سورۃ طہ، آیت:44)

تو اس سے نرم بات کہنا اس امید پر کہ وہ سمجھ لے یا ڈرے۔

اسی لئے بعض اکابر سے منقول ہے کہ وہ ذمی کے آنے پر اس کی خاطر مجلس سے اٹھتے تھے اور اس کی وجہ یہ بتاتے تھے کہ وہ ذمی اور خلیفہ وقت کے درمیان واسطہ ہیں اور اس آیت کریمہ سے استدلال کیا کرتے تھے۔

لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَ تُقْسِطُوْا اِلَيْهِمْ. (سورۃ الممتحنۃ، آیت:8)

جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی نہیں لڑی اور تمہیں جلاوطن نہیں کیا ان کے ساتھ سلوک واحسان اور منصفانہ بھلے برتاؤ کرنے سے اللہ تمہیں نہیں روکتا۔

حدیث پاک میں ہے:

مَنْ كَانَ آمِرًا بِالْمَعْرُوْفِ فَلْيَكُنْ اَمْرُهٗ ذٰلِكَ بِمَعْرُوْفٍ.

جو امر بالمعروف کا فریضہ انجام دینے والا ہو اس کو چاہیے کہ وہ اپنے امر بالمعروف کے فریضہ کو اچھے طریقے سے انجام دے۔

(مسند الشہاب القضاعی، من کان آمرا بمعروف الخ، رقم الحدیث:465، ج:1 ص:285)

یہی ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کی سیرت طیبہ ہے کہ آپ جس کے مشرف باسلام ہونے کی امید رکھتے تھے

اس کے ساتھ نرم گفتار سے پیش آتے تھے جیسا کہ ثمامہ بن اثال وغیرہ لوگوں کے اسلام قبول کرنے کی امید پر آپ ان کے ساتھ نرم گفتار سے پیش آتے۔

بدعت کی تعریف

بعض علماء کرام نے بدعت کی جو تعریف کی ہے اس کے مطابق بدعت ہماری بیان کردہ سابقہ تمام اقسام اور ان کے علاوہ کو بھی شامل ہے اور وہ تعریف یہ ہے کہ:

بدعت وہ عمل ہے جس کے واجب یا مستحب ہونے پر کوئی شرعی دلیل قائم نہ ہو خواہ وہ عمل حضور ﷺ کے عہد مبارک میں کیا گیا ہو یا نہ کیا گیا ہو۔ جیسا کہ یہود ونصاریٰ کا جزیرہ عرب سے اخراج (جو آپ کے عہد مبارک میں واقع نہیں ہوا) اور ترک کے ساتھ قتال جو آپ ﷺ کے حکم کے مطابق انجام دیا جائے گا اور یہ بدعت نہیں اگر چہ یہ آپ ﷺ کے عہد مبارک میں نہیں کیا گیا۔

ایسے ہی قرآن کریم کو مصاحف کی صورت میں جمع کرنا اور ماہِ رمضان میں نمازِ تراویح کے لئے اجتماع وغیرہ امثال کہ جن کا وجوب یا استحباب دلیل شرعی سے ثابت ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تراویح کے بارے میں یہ فرمانا کہ نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هِيَ (یہ اچھی بدعت ہے) اس سے آپ کی مراد بدعت لغویہ ہے بدعت لغویہ سے مراد وہ فعل ہے جس کی پہلے کوئی مثال موجود نہ ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ. (سورۃ الاحقاف، آیت: 9)

تم فرماؤ میں کوئی انوکھا رسول نہیں۔

اور بدعت لغویہ شرعاً بدعت نہیں کیونکہ بدعت شرعیہ گمراہی ہے جیسا کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔ اور جن علماء کرام نے بدعت کو حسن اور غیر حسن میں تقسیم کیا ہے انہوں نے بدعت لغویہ کو تقسیم کیا ہے اور جن علماء نے

كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ. (ہر بدعت گمراہی ہے)

(صحیح ابن حبان، باب الاعتصام بالسنۃ، الخ ذکر الاخبار عما عجب الخ، رقم الحدیث: 10 ج: 1 ص: 186 مطبوعہ: ایضاً)

فرمایا ہے ان کی مراد بدعت سے بدعت شرعیہ ہے۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کرام نے نمازِ پنجگانہ کے علاوہ کسی بھی نماز کی فرضیت کا انکار کیا ہے۔ مثلاً عیدین اگر چہ اس میں نہی وارد نہیں ہے۔ اور صحابہ وتابعین نے صفا ومروہ کے درمیان سعی کے بعد طواف پر قیاس کرتے ہوئے نوافل پڑھنے کو اور دونوں شامی رکنوں کے استلام کو مکروہ قرار دیا ہے اور اسی طرح ہر وہ عمل جس کو حضور ﷺ نے قیامِ مقتضی کے باوجود ترک کیا ہے اس کو ترک کرنا سنت ہے اور اس کو انجام دینا بدعتِ مذمومہ ہے۔

بدعت کی مذکورہ تعریف میں کہا گیا ہے کہ حضور ﷺ کی حیات اقدس میں مقتضی کے قیام کے باوجود آپ نے اس کو ترک کیا ہے تو اس کو ترک کرنا سنت ہے اور اس کا کرنا بدعت مذمومہ ہے قیام مقتضی کی قید سے جزیرہ عرب سے یہود کے اخراج کو ترک کرنا اس تعریف سے خارج ہو گیا کیونکہ اُس وقت مقتضی نہیں پایا گیا تھا۔ اور اسی طرح قرآن کریم کو مصاحف کی شکل میں جمع نہ کرنا بھی اس تعریف سے خارج ہو گیا کیونکہ آپ ﷺ کی حیات مبارکہ میں اس کا مقتضی نہیں پایا گیا تھا۔ آپ کی حیاتِ اقدس کے بعد ان دونوں امور کا مقتضی پایا گیا اس لئے ان کا ترک سنت اور ان کا کرنا بدعت مذمومہ نہیں۔

ستاروں کے ذریعہ پیش گوئی کرنے والے کا حکم

جو کہتا ہے کہ ستارے فلاں حادثے کے رونما ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ لیکن یہ اللہ تعالیٰ کے اس فعل کے سبب ہوتا ہے جو وہ اپنی مخلوق میں جاری کرتا ہے۔ ابن الحاج مالکی رحمہ اللہ نے اس کے بارے میں بیان کیا ہے کہ اس کا یہ قول بدعت اور منہی عنہ ہے لہٰذا اس کو تعزیری سزا دی جائے گی۔ لیکن اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔ البتہ اگر وہ ستاروں کی تاثیر کا عقیدہ رکھتا ہے تو اسے قتل کیا جائے گا۔ اور علامہ المارزی رحمہ اللہ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا کہنے والا اگر اس کو اللہ تعالیٰ کی عادت جاریہ کی طرف منسوب کرتا ہے تو اس کا یہ قول جائز ہے اور حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں پہلے ایک حدیث ذکر کی اور اس کے ساتھ یہ حدیث بھی ذکر کی ہے:

اَصْبَحَ مِنْ عِبَادِیْ مُؤْمِنٌ لِیْ وَ کَافِرٌ.

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندوں میں دو طرح کے لوگ صبح کو اٹھتے ہیں۔ ایک مجھ پر ایمان لانے والا ہے اور دوسرا کفر کرنیوالا ہے۔

(المسند لابی نعیم، باب من قال مطرنا، الخ رقم الحدیث: 290، ج:1 ص:155)

اس حدیث کے ذکر کے بعد دونوں کے درمیان تطبیق دیتے ہوئے پہلی حدیث کو اس قول کے جواز کی دلیل قرار دیا ہے کہ جب وہ اس کو اللہ تعالیٰ کی عادت جاریہ کی طرف منسوب کرتے ہوئے ایسا کہتا ہے تو یہ حدیث اس کے جواز کی دلیل ہے۔ اور دوسری حدیث اس قول کی حرمت یا کفر پر دلالت کرتی ہے اگر وہ اس کی نسبت ستاروں کے طلوع کی طرف کرتا ہے تو علامہ باجی رحمہ اللہ نے اسی کی تصریح کی ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں بارش برسنے کی نسبت ستاروں کے طلوع کی طرف اگر اس اعتقاد کے ساتھ کی جائے کہ ستارے کا طلوع اس کا فاعل ہے تو یہ کفر ہے اور اگر اس کی نسبت اس عقیدے کے ساتھ کی جائے کہ ستارے کا طلوع ہونا اس کی علامت و دلیل ہے۔ تو کوئی حرج نہیں۔ علامہ باجی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اور بعض جاہل لوگوں نے کہا ہے کہ اس کا اخبار عن الغیب سے کوئی تعلق نہیں خبر دینے

والے نے تو صرف اس چیز کی خبر دی ہے جس پر ستارے دلالت کرتے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر چیز پر ستارے دلالت کرتے ہیں ان جاہلوں کا یہ قول باطل ہے کیونکہ اس کا تعلق ان چیزوں سے ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے ساتھ خاص کیا ہے اس لئے اس پر کوئی چیز دلیل نہیں ہو سکتی۔ اگر خبر دینے والا یہ کہے کہ عادت یہ ہے کہ فلاں ستارے کے طلوع کے وقت بارش برستی ہے اور ستارے کے طلوع کو بارش کے برسنے میں کوئی تاثیر حاصل نہیں تو ایسا کہنے والا کافر نہ ہوگا البتہ اس لفظ کا اطلاق کسی طرح بھی جائز نہیں۔ اگرچہ وہ اسکا اعتقاد نہ بھی رکھے۔ کیونکہ شریعت نے اس کے اطلاق کو منع کیا کہ اس سے سامع کو وہم ہو سکتا ہے۔ (علامہ باجی کی عبارت ختم ہوگئی۔)

علامہ الباجی کا مذکورہ قول قابل نظر ہے۔ شریعت میں مذکورہ معنی کے اعتبار سے اس لفظ کے اطلاق کی ممانعت وارد نہیں ہے۔ بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے:

مُطِرْنَا بِنَوْءِ كَذَا. (فلاں ستارے کے طلوع کے وقت ہم پر بارش برسائی گئی ہے۔)

(المسند لابی نعیم، باب من قال مطرنا، الخ رقم الحدیث: 290، ج: 1 ص: 155)

لہٰذا حق وہی قول ہے جو علامہ باجی رحمہ اللہ کے علاوہ دیگر علماء نے فرمایا ہے۔ اور یہی ہمارے آئمہ کا مذہب ہے کہ جو شخص صرف ستارے کی تاثیر کا عقیدہ رکھتے ہوئے یا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ستارے کی تاثیر کا عقیدہ رکھتے ہوئے ایسا کہتا ہے تو وہ کفر کرنے والا اور اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں۔

اور جس کا ستارے کے بارے میں یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو فلاں چیز کے لئے حسب عادت علامت قرار دیا ہے اور اس عقیدے کے باوجود اگر وہ یہ بات کہے تو اس کا یہ قول حرام نہیں، اسی پر حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے تنقیص فرمائی ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں: اگر کوئی مطرنا بنوء کذا کہے اور اس سے اس کی مراد فلاں ستارے کے طلوع کا وقت ہے۔ تو اُس کا یہ قول اس قول کی طرح ہے کہ مطرنا فی شهر کذا (ہم پر فلاں مہینے میں بارش برسائی گئی) یہ اس کا صدور کسی مسلمان کی طرف سے نہ کفر ہے اور نہ حرام ہے۔ برخلاف اہل شرک کے قول کے کہ ان کا ایسا قول کفر ہے کیونکہ وہ ستارے کے مؤثر ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ سماع ابن القاسم میں ہے کہ اگر کوئی شخص ستاروں کو دیکھ کر کہے کہ کل سورج گرہن لگے گا اور فلاں شخص کل کے بعد آئے گا تو میری رائے یہ ہے کہ ایسے شخص کی زجر و توبیخ کی جائے۔ اور انہوں نے فرمایا کہ میں ان لوگوں کو معالج تسلیم نہیں کرتا جو اپنے بارے میں یہ زعم رکھتے ہیں کہ وہ قرآن کریم سے پاگل افراد کا علاج کرتے ہیں حالانکہ وہ جھوٹ بولتے ہیں۔ معاملہ ایسا نہیں جیسا وہ کہتے ہیں اگر ایسا ہوتا تو انبیاء کرام علیہم السلام اس کی تعلیم دیتے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے زہریلا کھانا تیار کیا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتداء میں اس کی معرفت نہ ہوئی حتیٰ کہ بکری کے گوشت نے آپ کو خبر دی۔

چاند فلک کو ایک مہینے میں اور سورج بارہ مہینوں میں قطع کرتا ہے

ابن رشد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

علم حساب کے ذریعہ کسی کا یہ کہنا کہ سورج کو کل گرہن لگے گا اس کا یہ قول جمیع وجوہ میں اس کے اس قول کی مانند نہیں کہ فلاں شخص کل آئے گا۔ کیونکہ سورج اور چاند اللہ تعالیٰ نے مسخر کئے ہوئے ہیں اور وہ اپنے مدار میں ایک برج سے دوسرے برج کی طرف ترتیب اور حساب کے مطابق منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ اور یہ کوئی بعید نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ الْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ○ لاَ الشَّمْسُ يَنْبَغِيْ لَهَا اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَ لاَ الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ . (سورہ یٰسین، آیت 40,39)

اور چاند کے لئے ہم نے منزلیں مقرر کیں۔ یہاں تک کہ پھر ہو گیا جیسے کھجور کی پرانی ٹہنی۔ سورج کو نہیں پہنچتا کہ چاند کو پکڑے۔ اور نہ رات دن پر سبقت لے جائے ہر ایک ایک گھیرے میں ہے۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ . (سورۃ الرحمٰن، آیت:5)

سورج اور چاند حساب سے ہیں۔

پس چاند کی رفتار تیز ہے جو فلک کو ایک ماہ میں طے کر لیتا ہے اور سورج اس کو بارہ ماہ میں طے کرتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ سورج گرہن کا دعویٰ کسی طور پر بھی علم غیب سے تعلق نہیں رکھتا۔ کیونکہ اس کا حساب سے ادراک کیا جاتا ہے یہ اس میں نہ گمراہی ہے اور نہ ہی کفر ہے۔ لیکن اس میں مشغولیت مکروہ ہے کیونکہ یہ بے مقصد چیزوں میں سے ہے اور سورج گرہن کے وقوع سے پہلے اس کی خبر دینا دین کے لئے نقصان دہ ہے کہ جاہل انسان جب یہ سنے گا تو وہ اس کو علم غیب گمان کرے گا۔ اس لئے ایسی خبر دینے والے کو اس سے روکا جائے گا اور اس کو اس پر تعزیری سزا دی جائے گی کیونکہ یہ من جملہ شیطان کی رسیوں میں سے ایک رسی ہے۔

حاصل کلام یہ کہ سابقہ سطور میں یہ ذکر ہوا کہ علامہ مارزی رحمہ اللہ نے علامہ سحنون رحمہ اللہ سے یہ نقل کیا ہے وہ سورج گرہن کی خبر دینے والے کو تعزیری سزا دیا کرتے تھے۔ اور حضرت ابو الطیب سے منقول ہے کہ سورج گرہن لگنے کی خبر دینا جائز ہے کیونکہ یہ ایسی چیز ہے جس کا علم حساب کی باریکیوں سے حاصل ہوتا ہے جیسا کہ منازل کا وغیرہ۔ اور اس حساب کا سیکھنا اور سکھانا بالاجماع جائز ہے۔ لہذا اسی طرح گرہن کی تعلیم و تعلم بھی جائز ہے۔ اور جس نے کہا

تھا کہ سورج گرہن کی خبر دینے والے کو تعزیری سزا دی جائے گی۔اس کے اس قول پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ جب ہم ان لوگوں کے قول کی صداقت اور ان کی خبر کی اصابت و درستگی کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں تو پھر (ان کو تعزیری سزا دینے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے)

اسی لئے ہم نے اس شخص کے مذکورہ قول کو اس بناء پر رد کیا ہے کہ یہ حس و مشاہدہ کے ساتھ مکابرہ ہے جب ایک عام انسان یا وہ شخص جس کو معرفت حاصل نہیں وہ اس کو دیکھے گا تو اس کے باطن میں شریعت اور دین کے بارے میں شک پیدا ہوگا۔پس اس میں مصلحت اسی میں ہے اس بارے میں ان کی تصدیق کی جائے اور جو کچھ وہ کہتے ہیں اس کا انکار نہ کیا جائے۔

بعض مالکی علماء کے نزدیک نجومی سے توبہ کا مطالبہ کئے بغیر اس کو قتل کرنا واجب ہے

علماء کا اس نجومی کے بارے میں اختلاف ہے جو اپنی تنجیم پر عمل کرتے ہوئے کہتا ہے کہ میں جانتا ہوں فلاں شخص کب آئے گا؟ اور ارحام میں کیا ہے؟ اور میں بارشوں کے برسنے اور فتنوں اور ہولناکیوں کے وقوع وحدوث کے اوقات اور لوگوں کی خوشی و فرحت کے باعث بننے والی خبروں وغیرہ غیبی امور کے رونما ہونے کا علم رکھتا ہوں۔ایسے شخص کے بارے میں بعض مالکی علماء نے فرمایا ہے کہ یہ کافر ہے۔اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مطابق اسے توبہ کا مطالبہ کئے بغیر اس کو قتل کرنا واجب ہے۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَاهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوْا فَاَبٰى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا. (سورۃ الفرقان، آیت:50)

اور بے شک ہم نے اس قرآن کو ان کے درمیان طرح طرح سے بیان کیا تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔مگر پھر بھی اکثر لوگوں نے سوائے ناشکری کے مانا نہیں۔

اور اس حدیث پاک کی روشنی میں بھی وہ کافر ہے:

اَصْبَحَ مِنْ عِبَادِيْ مُؤْمِنٌ بِيْ وَكَافِرٌ بِيْ .الحديث

صبح کرتے ہیں میرے بندوں میں دو طرح کے لوگ، ایک مجھ پر ایمان لانے والا ہے اور دوسرا کفر کرنے والا ہے۔

(المسند لابی نعیم، باب من قال مطرنا، الخ رقم الحدیث:290، ج:1 ص:155)

اور بعض علماء کے نزدیک توبہ کے مطالبے کے بعد قتل کیا جائے گا۔اگر وہ توبہ کرلے تو فبہا، ورنہ قتل کیا جائے گا۔اور اشہب سے مروی ہے کہ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ ایسے شخص کو تعزیری سزا دی جائے گی (قتل نہیں کیا جائے گا) بعض محققین علماء کا یہ قول ہے اسی کا میں بھی قائل ہوں کہ مذکورہ اختلاف کا تعلق اقوال کے اختلاف سے نہیں بلکہ

احوال کے اختلاف کی وجہ سے احکام میں اختلاف پیدا ہونے سے تعلق رکھتا ہے۔اگر نجومی ستاروں کے بارے میں خفیہ طور پر یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ ستارے ان تمام امور کے فاعل ہیں تو اس کے خلاف شہادت قائم ہو جائے یا وہ خود اقرار کرے تو پھر زندیق کی طرح اسے توبہ کا مطالبہ کئے بغیر اس کو قتل کرنا واجب ہے اور اگر وہ اس عقیدے کا برملا اظہار کرتا ہے تو وہ مرتد کی مانند ہے۔اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا اگر توبہ کر لے تو فبہا ورنہ قتل کیا جائے گا۔اور اگر نجومی اللہ تعالیٰ کا اقرار کرنے والا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والا اور اس بات کا اقرار کرنے والا ہے کہ ستاروں کو عالم میں کوئی تاثیر حاصل نہیں فاعل اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ستاروں کو عالم میں رونما ہونے والے واقعات وحوادث کے لئے علامات بنایا ہے تو ایسے شخص کو اس طرح کے عقیدہ سے روکا جائے گا اور اس کو اس وقت تک تعزیری سزا دی جائے گی جب تک وہ اس عقیدے سے باز نہیں آتا۔اور اس سے توبہ نہیں کرتا۔اس کا یہ عمل بدعت ہے۔اور علامہ سحنون رحمہ اللہ نے اپنی نوازل میں شہادات کے باب میں جو تفصیلات ذکر کیں ہیں ان کے مطابق اس شخص کی امانتداری اور شہادت ساقط ہو جاتی ہے۔جب تک توبہ نہ کرے اس کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں کہ نجومی جو کچھ کہتا ہے اس میں اس کی تصدیق کرے۔اور اللہ تعالیٰ کے درج ذیل ارشاد اور نبی کریم ﷺ کی درج ذیل حدیث کے باوجود کسی مسلمان کے لئے اس کی تصدیق کرنا کیسے جائز ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ . (سورۃ النمل، آیت:65)

تم فرماؤ خود غیب نہیں جانتے جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہیں۔(کنز الایمان)

اس کے علاوہ بھی بہت ساری آیات اس پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے خاص فرمایا ہے۔

حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ:

مَنْ صَدَّقَ کَاهِنًا اَوْ عَرَّافًا اَوْ مُنَجِّمًا فَقَدْ کَفَرَ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰی مُحَمَّدٍ ﷺ .

جس نے کسی کاہن یا کسی قیافہ شناس یا کسی نجومی کی تصدیق کی بے شک اس نے اس چیز کا انکار کیا جو اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمائی ہے۔

(معرفۃ السنن والآثار، کتاب النکاح، باب اتیان النساء الخ، رقم الحدیث: 14068، ج:10 ص:163، مطبوعہ: ایضا)

اور ممکن ہے کہ بعض مرتبہ ایسے لوگوں کی پیشگوئی درست ہو جائے لیکن اس کی وجہ سے کوئی بھی فریب اور دھوکہ میں نہ پڑے کیونکہ یہ شیطان کے ہتھکنڈوں میں سے ہے۔اسی طرح ان لوگوں کی تصدیق بھی نہیں کی جانی چاہیے۔جو مجانین اور پاگلوں کا علاج معالجہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم ان کا علاج قرآن کریم سے کرتے ہیں۔

امور کو ان کی تفصیلات کے مطابق علام الغیوب کے سوا کوئی نہیں جانتا۔یا وہ انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء عظام

جانتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے مطلع فرمایا ہے تاکہ وہ انبیاء کرام علیہم السلام کی نبوت کی صحت اور اولیاء کرام کی ولایت کی صحت پر دلیل بن جائے۔

اس بارے میں ہمارے مذہب کا خلاصہ یہ ہے کہ نجومی جب غیر اللہ کی تاثیر کا عقیدہ رکھے تو اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا۔توبہ کر لے تو فبہا ورنہ اسے قتل کر دیا جائے گا۔خواہ وہ اپنے اس عقیدہ کو پوشیدہ رکھے یا ظاہر کرے اسی طرح اگر اس کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ اس غیب کو جانتا ہے جس کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے۔

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ . (سورۃ الانعام،آیت:59)

اور غیب کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں انہیں وہی جانتا ہے۔

ایسے شخص سے بھی توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا۔اگر توبہ نہ کرے تو قتل کر دیا جائے گا کیونکہ یہ قرآن کریم کی تکذیب کرنے والا ہے۔اور اگر وہ ان مذکورہ دونوں عقیدوں سے تعلق نہیں رکھتا تو پھر کفر نہیں بلکہ اگر وہ یہ کہتا ہے کہ میں ان چیزوں کو قربت وعبادت اور عادتِ الٰہیہ وغیرہ کے واسطے اور وسیلے سے جانتا ہوں تو پھر اس پر کوئی گناہ بھی نہیں۔

فقہ کی دوسرے علوم پر فضیلت

سوال ......کیا یہ الفاظ حدیث کے ہیں اور ان کا مطلب کیا ہے؟ حالانکہ فقیہ کے لئے حدیث کی معرفت شرط ہے؟ فقہاء کرام اور محدثین عظام میں سے کن کا مرتبہ زیادہ عظمت وجلالت والا ہے؟

اَلْحَدِيْثُ مُضِلَّةٌ اِلَّا الْفُقَهَاءُ .

فقہاء کے سوا دوسرے لوگ حدیث کا صحیح مطلب نہ سمجھنے کی وجہ سے گمراہ ہو جاتے ہیں۔

(فتح العلی المالک ،الافتاء بغیر علم ،ج:1،ص:90،دار المعرفۃ ،بیروت)

جواب ......مذکورہ الفاظ حدیث کے نہیں۔حضرت ابن عیینہ یا ان کے علاوہ کسی عالم کے الفاظ ہیں۔اور ان کا مطلب یہ ہے کہ حدیث قرآن کریم کی مانند ہے کہ کبھی اس کا لفظ عام اور معنی خاص ہوتا ہے اور کبھی اس کے برعکس۔لفظ خاص اور معنی عام ہوتا ہے۔اور حدیث میں بھی قرآن کی طرح ناسخ ومنسوخ موجود ہیں۔اور حدیث میں ایسی چیزیں موجود ہیں جن کے ساتھ عمل کی موافقت نہیں پائی گئی ہے۔حدیث میں ایسی مشکل چیزیں ہیں کہ جن کا ظاہر تشبیہ کا مقتضی ہے۔مثلاً حدیث میں ہے:

(يَنْزِلُ رَبُّنَا...... ہمارا ربّ نزول جلال فرماتا ہے۔)

(فتح العلی المالک ،انواع الاحکام الشرعیۃ ،ج:1،ص:46،مطبوعہ:ایضا)

پس اس لئے ایسی احادیث کا مطلب فقہاء کرام ہی جانتے ہیں۔ برخلاف ان لوگوں کے جو صرف حدیث کی معرفت رکھتے ہیں کہ ایسے لوگ حدیث کا مطلب نہ سمجھنے کی وجہ سے گمراہ ہوجاتے ہیں۔ جیسا کہ بعض متقدمین اہل حدیث کے ساتھ ایسے حالات پیش آچکے ہیں۔ بلکہ متاخرین اہل حدیث کے ساتھ بھی ایسے واقعات پیش آچکے ہیں مثلاً ابن تیمیہ اور ان کے متبعین کو ان چیزوں سے سابقہ پڑا ہے۔

اسی سے احادیث سے احکام کا استنباط کرنے والے فقہاء کرام کی محدثین غیر مستنبطین پر فضیلت واضح ہوجاتی ہے۔ اسی لئے حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

رُبَّ مُبَلَّغٍ اَوْعٰی مِنْ سَامِعٍ وَ رُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ لَيْسَ بِفَقِيْهٍ وَ رُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ اِلٰی مَنْ هُوَ اَفْقَهُ مِنْهُ.

بہت سارے مبلغ سننے والے سے زیادہ یاد رکھنے والے ہوتے ہیں اور بہت سارے حاملین فقہ فقیہ نہیں ہوتے۔ اور بہت سارے وہ لوگ جو فقہ کو دوسروں تک پہنچاتے ہیں ان سے وہ لوگ زیادہ فقیہ ہوتے ہیں جن کو فقہ پہنچائی جاتی ہے۔

(مسند البزار، مسند ابی بکر، حدیث ابی بکر، رقم الحدیث: 3617، ج: 9 ص: 86)

اور حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ:

بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ اٰيَةً وَحَدِّثُوْا عَنْ بَنِیْ اِسْرَائِيْلَ وَ لَا حَرَجَ.

میری طرف سے تبلیغ کرو اگرچہ ایک آیت کیوں نہ ہو۔ اور بنی اسرائیل سے روایت کرو اور اس میں کوئی حرج نہیں۔

(سنن دارمی، المقدمہ، باب البلاغ عن النبی، رقم الحدیث: 559، ج: 1 ص: 455)

اس میں کوئی شک نہیں کہ فروع کا استنباط کرنے والے ہی سلف امت کے افضل افراد تھے اور یہی حضرات سلف کے علماء اور عدول تھے۔ اور اہل فقہ و معرفت ان ہی میں تھے فقہاء کرام کا گروہ وہ ہے جنہیں تقویٰ کی غذا نصیب ہوئی اور جن کی نشوونما ہدایت پر ہوتی ہے۔ جنہوں نے اپنی عمریں فروع کے استنباط و تحقیق میں فنا کیں۔ اور ان حضرات نے صحیح احادیث کو سقیم احادیث سے اور ناسخ احادیث کو منسوخ احادیث سے ممتاز کیا اور احادیث کے اصول وضع کئے اور فروع احادیث کو پھیلایا۔

فَجَزَاهُمُ اللّٰهُ عَنِ الْمُسْلِمِيْنَ وَاَحْسَنَ جَزَائَهُمْ كَمَا جَعَلَهُمْ وَرَثَةَ اَنْبِيَائِهٖ وَحُفَّاظَ شَرْعِهٖ وَشُهُوْدَ الْاُمَّةِ وَاَلْحِقْنَا لَهُمْ وَجَعَلْنَا مَنْ تَابَعِيْهِمْ بِاِحْسَانٍ اَنَّهُ الْكَرِيْمُ الْجَوَادُ الرَّحْمٰنُ.

(مسند الفاروق لابن کثیر، کتاب التفسیر، ج: 2 ص: 584، بالفاظ مختلف)

حکایت

حضرت یحیٰ بن معین، حضرت زہیر بن حرث، حضرت خلف بن صالح رحمہم اللہ اور علماء کی ایک جماعت جو آپس میں احادیث بیان کر رہے تھے ایک خاتون ان کی مجلس میں حاضر ہوئی اور ان سے سوال کیا کہ کیا حیض والی عورت مُردے کو غسل دے سکتی ہے؟ سوال سن کر سارے خاموش ہو گئے اتنے میں حضرت ابوثور رحمہ اللہ تشریف لائے تو اہل مجلس نے اس خاتون کو حکم دیا کہ وہ ان سے سوال کرے اُس عورت نے حضرت ابوثور سے وہی سوال کیا تو انہوں نے فرمایا ہاں حیض والی عورت مُردے کو نہلا سکتی ہے۔اس کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ مروی حدیث ہے جس میں حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ:

"اِنَّ حَیْضَکَ لَیْسَ بِیَدِکَ" (تمہارا حیض تمہارے ہاتھ میں نہیں۔)

(المعجم الاوسط للطبرانی، باب العین من اسمہ عثمان، رقم الحدیث: 3712، ج:4 ص:103)

اور حدیث میں ہی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حالتِ حیض میں رسول اللہ ﷺ کے سر اقدس کی مانگ نکالا کرتیں تھیں۔جب خاتون حالت حیض میں زندے کی مانگ نکال سکتی ہے۔میت کو نہلانا بدرجہ اولیٰ جائز ہونا چاہیے۔اہل مجلس یہ سن کر کہنے لگے ہاں یہ حدیث ہمیں فلاں راوی نے فلاں راوی سے بیان کی ہے۔مسئلہ دریافت کرنے والی خاتون ان علماء سے مخاطب ہو کر کہنے لگی ابھی تک تم لوگ کیا تھے؟

اسی طرح کی ایک اور حکایت ہے کہ حضرت اعمش حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے مسائل پوچھتے جاتے اور امام صاحب ان کا جواب دیئے جا رہے تھے۔آپ کی علمیت اور حاضر جوابی سے متاثر ہو کر حضرت اعمش کہنے لگے آپ کے ہاں یہ علم کہاں سے آیا ہے؟ حضرت امام صاحب نے فرمایا آپ ہی نے تو ہمیں حضرت نخعی سے یوں بیان کیا تھا یا حضرت شعبی سے یوں بیان کیا تھا۔یہ سن کر حضرت اعمش کہنے لگے۔اے فقہاء کے گروہ ہم (محدثین) پرندوں والے ہیں اور تم (فقہاء) ان کا شکار کرنے والے ہو۔

حضرت عطیہ سے منقول ہے کہ وہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ حضرت شعبہ کی مجلس میں حاضر تھا وہ فرمانے لگے۔اے ابومحمد! جب تمہارے سامنے کوئی مشکل مسئلہ پیش ہوتا ہے تو تم اس کے بارے میں کس سے پوچھتے ہو؟ کہتے ہیں میں نے اپنے دل میں سوچا کہ یہ شخص اپنے بارے میں تکبر میں مبتلا ہے۔پس میں نے ان سے کہا ایسی صورت میں ہم آپ کی طرف اور آپ کے اصحاب کی طرف رجوع کرتے ہیں تاکہ آپ حضرات اس کے بارے میں فتویٰ دیں۔تھوڑی دیر گزری تھی کہ مسئلہ دریافت کرنے والا ایک شخص ان کی خدمت میں آیا اور اس نے کہا اے ابو بسطام ایک شخص نے دوسرے شخص کے سر پر چوٹ لگائی ہے اور اس کا سر زخمی ہو گیا ہے۔زخمی شخص یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ اس ضرب

ہے اس کی قوت شامہ ضائع ہوگئی ہے؟ کیا اس کا یہ کہنا تسلیم کیا جائے یا کہ نہیں؟ حضرت شعبہ اس شخص کے سوال کا جواب دینے سے کتراتے ہوئے دائیں بائیں ہونے کی کوشش کرنے لگے تو میں نے اس شخص کی طرف اشارہ کیا کہ ان کو نہ چھوڑے جواب دینے پر مجبور کرے۔ تو حضرت شعبہ نے میری طرف دیکھا، مجھ سے فرمانے لگے اے ابومحمد! بڑی مشکل پیش آئی ہے۔ اس کا کوئی جواب میرے پاس نہیں تم ہی اس کا جواب دو۔ میں نے کہا سائل فتویٰ آپ سے طلب کر رہا ہے اور جواب میں دوں یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ انہوں نے فرمایا اب میں آپ سے سوال کرنے والا ہوں اور اس کو آپ میرا سوال سمجھ کر جواب دیں، تو میں نے جواب دیا کہ میں نے حضرت اوزاعی اور حضرت زھری رحمہ اللہ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ رائی کے دانوں کو باریک پیس کر ایسے شخص کو سونگھایا جائے اگر اس کو چھینک آ جائے تو وہ جھوٹ بولتا ہے اس کی قوت شامہ درست ہے اور اگر اس کو چھینک نہ آئے تو وہ سچا ہے کہ واقعی اس کی قوتِ شامہ ضائع ہو چکی ہے۔ یہ جواب سن کر حضرت شعبہ رحمہ اللہ نے فرمایا آپ نے صحیح جواب دیا ہے۔ اللہ کی قسم جس کی قوتِ شامہ ضائع ہو چکی ہوتی ہے اس کو چھینک نہیں آتی۔

حضرت ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت اعمش حج کے ارادے سے نکلے اور جب میرہ کے مقام پر پہنچے تو علی بن مشہد رحمہ اللہ سے فرمایا کہ تم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی خدمت میں جاؤ تاکہ وہ ہمیں مناسک حج لکھ کر دیں۔ اس واقعہ کو ذکر کرنے کے بعد ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے "تلبیس ابلیس" وغیرہ کتب سے بہت ساری طویل حکایات ذکر کیں ہیں جس میں انہوں نے محدثین کی احکام کی معرفت سے ناواقفیت کا تذکرہ کیا ہے۔

اور ابن وھب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہر وہ صاحب حدیث جس کو فقہ میں مہارت حاصل نہیں وہ کبھی بھی فلاح وکامرانی نہیں پاسکتا۔ اور فرماتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ ہمیں حضرت امام مالک رحمہ اللہ کے سبب نہ بچاتا تو ہم ضرور گمراہ ہوجاتے۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ صاحب حدیث اگر حدیث میں تفقہ نہیں رکھتا ہے تو اس سے بڑا جاہل کوئی نہیں۔

حضرت امام مالک رحمہ اللہ کی نصیحت

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ نے اپنے دو بھانجوں حضرت بکر اور حضرت اسماعیل رحمہما اللہ سے فرمایا تھا کہ میں دیکھتا ہوں کہ تم دونوں حدیث کے ساتھ محبت کرتے ہو اور اس کی تلاش میں رہتے ہو؟ تو دونوں نے عرض کیا ہاں واقعی ہم حدیث کے ساتھ محبت کرتے ہیں اور اس کی جستجو میں رہتے ہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا اگر تم یہ چاہتے ہو کہ تم حدیث سے فائدہ اٹھاؤ اور اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعہ لوگوں کو نفع پہنچائے تو تم حدیث کی روایت کم کرو اور تفقہ میں زیادہ کوشش کرو۔ اس فرمان میں حضرت امام مالک رحمہ اللہ نے اس بات کی طرف رہنمائی فرمائی ہے کہ حدیث کی معرفت لازمی ہے لیکن بنیادی چیز حدیث میں تفقہ حاصل کرنا ہی ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک کامل محدث بننے کے لئے شرائط

''اشیاخ القاضی عیاض'' میں ابو محمد بن العربی کے تذکرہ کے تحت یہ حکایت منقول ہے کہ حضرت عماد بن محمد بن مخلد التمیمی نے حضرت ابو محمد بن العربی سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ جب ابو العباس ہمدانی کو شہر..... کی قضاء سے معزول کر دیا گیا ان کے اور ابو الفضل قلعی کے درمیان پرانے مراسم تھے ان مراسم کی تجدید کے لئے بخارا میں تشریف لائے تو ہمارے پڑوس میں قیام کیا اور میرے معلّم مجھے ان کی خدمت میں لے گئے اور ان سے عرض کرنے لگے میری گزارش ہے آپ نے اپنے مشائخ سے جو احادیث سماع کیں ہیں وہ احادیث اس بچے سے بیان فرمائیں۔ انہوں نے فرمایا میں نے کچھ سماع نہیں کیا۔ میرے استاذ نے فرمایا یہ کیسے ہو سکتا ہے آپ تو فقیہ ہیں؟ انہوں نے فرمایا جب میں سنِ بلوغ کو پہنچا تو میرے اندر حدیث کی معرفت، اخبار کی روایت وسماع کا شوق پیدا ہوا تو میں حضرت امام محمد بن اسمٰعیل بخاری رحمہ اللہ کے پاس حاضر ہوا اور میں نے ان سے اس کی اجازت طلب کی تو انہوں نے فرمایا اے بیٹے! کسی معاملے میں اس وقت تک داخل نہ ہونا جب تک تم اس کی حدود کی معرفت اس کی مقدار کی واقفیت حاصل نہ کرلو۔ میں نے عرض کیا حضور! اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے جس چیز کے میں در پے ہوں اس کی حدود اور جس کی جانب میں گامزن ہوں اور جس کا میں نے آپ سے سوال کیا ہے اس کی مقدار سے مجھے روشناس کروائیں۔

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: یاد رکھو کہ انسان حدیث میں محدث کامل اس وقت تک نہیں بن سکتا جب تک وہ چار کے ساتھ چار کی طرح چار کی مثل چار میں چار کے ہاں چار کے ساتھ چار پر چار سے چار کے لئے نہ لکھے۔ اور یہ تمام رباعیات چار کے ساتھ مع چار کے مکمل ہوتیں ہیں۔ جب یہ مکمل ہو جاتیں ہیں تو اس کے لئے چار چیزیں ہلکی اور آسان ہو جاتیں ہیں اور چار چیزوں سے اس کی آزمائش ہو جاتی ہے۔ جب وہ اس پر صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو دنیا میں چار چیزوں سے نوازتا ہے اور آخرت میں چار چیزوں کے ساتھ جزاء وثواب عطا فرماتا ہے۔

(المستخرج علی المستدرک للحاکم، اثر لطیف ابخ، ج:1 ص:91 مطبوعہ مکتبۃ السنۃ، قاہرہ)

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے جب یہ بیان فرمایا تو میں نے ان سے عرض کیا کہ مہربانی آپ حصولِ ثواب واجر کی خاطر انشراح صدر اور بیانِ شافی کے ساتھ ان رباعیات کی میرے لئے تشریح وتفسیر فرمائیں۔

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ جن چار چیزوں کے لکھنے کی ضرورت ہے وہ (۱) نبی کریم ﷺ کی اخبار آپ کی شرائع، (۲) صحابہ کرام اور ان کی مقادیر، (۳) تابعین اور ان کے احوال، (۴) تمام علماء کرام اور ان کی تواریخ۔ اور چار کے ساتھ سے مراد (1) رجال حدیث (2) اُن کی کنیتیں (3) ان کی جگہیں اور ان کے زمانے ہیں سابقہ امور کے ساتھ ان کو لکھنا بھی ضروری ہے۔ ان کو چار چیزوں کے ساتھ چار چیزوں کی

طرح ہونا ضروری ہے۔ (1) خطبوں کے ساتھ حمد اور (2) رسائل کے ساتھ دعا (3) اور قرآن سورتوں کے ساتھ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (4) نمازوں کے ساتھ تکبیرات کی طرف ساتھ ہونا ضروری ہے۔اور چار کی مثل سے مراد (1) مسندات (2) مرسلات (3) موضوعات اور (4) مقطوعات ہیں۔اور چار میں سے مراد یہ ہے کہ ان کو وہ اپنے (1) بچپن کے زمانے میں (2) اپنی بلاغت کے زمانے میں اور (3) اپنی جوانی کے زمانے میں اور (4) اپنے بڑھاپے کے زمانے میں حاصل کرے۔چار کے ہاں سے مراد یہ ہے کہ وہ ()1 اپنی فراغت کے وقت اور)2(اپنی مشغولیت کے وقت اور (3) اپنے فرو تنگدستی کے وقت اور (4) اپنی مالداری اور غنا کے وقت حاصل کرے۔اور چار میں سے مراد یہ ہے۔()1 وہ ان کو پہاڑوں میں ،(2) سمندروں میں ، (3) شہروں اور (4) یا ویرانوں میں جا کر حاصل کرے۔اور چار پر سے مراد ہے کہ وہ ان کو پتھروں ،سیپیوں ،چمڑوں پر اور جانوروں کے شانوں کی ہڈیوں پر اس وقت تک لکھے جب تک اس کے لئے ان کو اوراق میں نقل کرنا ممکن نہیں۔ چار سے لکھنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے سے علم میں فوقیت رکھنے والے سے اور علم میں اپنے مثل سے اور علم میں اپنے سے کم درجہ رکھنے والے سے اور ہر اس مکتوب سے لکھے جو اس کی طرف لکھا گیا ہے اور جس کے بارے میں یہ یقین ہو کہ یہ خط اسی کا ہے کسی اور کا نہیں ہے۔اور چار کے لئے لکھے سے مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لئے اس کی رضا کی خاطر اور کتاب اللہ کے موافق عمل کرنے کے لئے اور اس کو اس کے متلاشی اور طلب گار لوگوں تک پھیلانے اور پہنچانے کے لئے لکھے اور اپنے بعد اپنے ذکر کے احیاء میں تالیف کے لئے لکھے۔اور اس کے بعد یہ تمام چیزوں کی تکمیل چار چیزوں سے چار چیزوں کے ساتھ ہوگی۔ان سے مراد کتابت کی ثقہ کی ضبط کی اور نحو کی معرفت ہے۔اور چار چیزوں کے ساتھ سے مراد وہ چار چیزیں جو محض اللہ تعالیٰ کی عطا سے ملتی ہیں اور وہ قدرت ،صحت ،شوق ،اور حفظ ہیں۔جب یہ چیزیں مکمل ہو جائیں تو چار چیزیں اس پر ہلکی اور آسان ہو جاتی ہیں۔اہل ، مال ، وطن اور اولاد۔ اور چار چیزوں کے ساتھ اس کی آزمائش کی جاتی ہے۔دشمنوں کی بدخواہی ،دوستوں کی ملامت ، جہلاء کی طعن و تشنیع اور علماء کے حسد سے اس کی آزمائش ہوتی ہے۔جب وہ ان چار امتحانات پر صبر سے کام لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو چار چیزوں سے نوازتا ہے۔ قناعت کے غلبہ ،نفس کے اطمینان ،علم کی لذت اور حسنِ تذکرہ سے نوازتا ہے۔اور آخرت میں چار چیزوں کے ساتھ جزاء سے نوازتا ہے۔(1) اپنے احباب میں جس کے حق میں شفاعت کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی شفاعت قبول فرمائے گا۔(2) اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے عرش کا سایہ نصیب ہوگا جس دن سوا اُس کے کوئی سایہ نہ ہوگا۔(3) اور اپنے نبی کریم ﷺ کے حوضِ کوثر سے جس کو چاہے گا جام پلائے گا۔(4) اور جنت میں اعلیٰ علیین کے مقام پر اس کو اللہ رب العالمین کا جوارِ رحمت نصیب ہوگا۔

اے بیٹے ! میں نے اس بارے میں اپنے مشائخ سے جو چیزیں متفرق طور پر سنی تھیں ان سب کو میں نے مجموعی

طور پر آپ کے سامنے بیان کر دیا ہے۔ بس اب تمہاری مرضی تم جس کے در پے ہو اس کو حاصل کرنے کی کوشش کر دیا چھوڑ دو۔ عماد بن محمد فرماتے ہیں حضرت ابوالعباس ہمدانی کی اس بات نے مجھے خوف زدہ کر دیا۔ کچھ دیر کے لئے میں سوچ میں گم خاموش رہا اور ندامت کی حالت میں سر جھکا دیا، جب انہوں نے میری یہ حالت دیکھی تو مجھ سے فرمانے لگے۔ جب تم یہ ساری مشقتیں جھیلنے کی طاقت نہیں رکھتے ہو تو تم پر لازم ہے کہ تم علم فقہ حاصل کرو جس کی تحصیل تمہارے لئے اپنے گھر میں ہی ممکن ہے۔ اس کی تحصیل کے لئے تمہیں دور دراز کے سفر طے کرنے، مختلف شہروں اور علاقوں کی خاک چھاننے اور خوفناک سمندروں کو عبور کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ اور اس پر مستزاد یہ ہے کہ علم فقہ حدیث کا ثمر ہے اور آخرت میں فقہ کا ثواب حدیث کے ثواب سے کم نہیں اور نہ ہی فقیہ کا فن، محدث کے فن سے کم درجہ کا ہے۔ عماد بن محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب میں نے یہ سنا تو طلب حدیث کے لئے میں نے جو عزم وارادہ کیا تھا وہ ٹوٹ گیا اور میں نے فقہ پڑھنے، سمجھنے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اور میں نے اس علم کے حصول میں اس حد تک کوشش کی حتیٰ کہ مجھے اس میں خوب عبور حاصل ہو گیا۔ اس لئے میرے پاس ایسی کوئی چیز نہیں جس کا املاء میں اس بچے پر کر سکوں یہ سن کر عماد بن محمد رحمہ اللہ کے استاذ نے عرض کیا حضور! یہ بات جو آپ کے سوا کسی دوسرے سے نہیں مل سکتی۔ یہ اس بچے کے لئے دوسروں کے ہاں سے ملنے والے کلام کثیر سے کئی درجہ بہتر اور قیمتی سرمایہ ہے۔ (انتھی)

مذکورہ حکایت سے معلوم ہوا کہ فقہ کی بہت فضیلت ہے۔ اور یہ حدیث کا ثمر ہے اگرچہ حدیث کی طلب میں بہت زیادہ تکالیف اور سختیاں ہیں اور اس کی تحصیل زیادہ مشقت کا باعث ہے۔

حکایت

خطیب نے ''تاریخ بغداد'' میں یہ حکایت نقل کی ہے کہ:

ایک معتزلی نے ایک محدث کو حدیث کی کثرت کتابت پر ملامت کرتے ہوئے کہا اے بیٹے! کتنا لکھتے رہو گے۔ تمہاری بینائی چلی جائے گی اور تمہاری کمر کبڑی ہو جائیگی۔ اور تمہارا فقر و فاقہ بڑھتا جائے گا اور اس کے بعد اس نے محدث کی کتاب کی پشت پر یہ شعر لکھا۔

إِنَّ التَّفَقُّهَ وَ الْقِرَاةَ وَ التَّشَاغُلَ بِالْعُلُوْمِ .
اَصْلُ الْمَذِلَّةِ وَ الْاَذَابَةِ وَ الْمَهَانَةِ وَ الْهُمُوْمِ

بے شک تفقہ، قرأت اور علوم میں مشغولیت ذلت، ضعف، حقارت اور غموں و پریشانیوں کی جڑ ہے۔

جب محدث نے یہ پڑھا تو فرمایا اپنی جان کے دشمن نے جھوٹ کہا ہے۔ بلکہ علوم میں مشغولیت تمہارے ذکر کو بلند کر دے گی اور تمہارے علم کو نشر کرے گی اور تمہارے نام کو رسول اللہ ﷺ کے نام اقدس کے ساتھ قیامت تک باقی رکھے گی۔

اوراس کے بعد اس معتزلی کی طرف یہ شعر لکھ کر بھیجا:

إِنَّ التَّشَاغُلَ بِالدَّفَاتِرِ وَ الْكِتَابَةِ وَ الدِّرَاسَةِ

أَصْلُ التَّفَقُّهِ وَ الزَّهَادَةِ وَ الْفَهَامَةِ وَ الرِّيَاسَةِ

بے شک رجسٹروں اور کتابت اور درس وتدریس کے ساتھ مشغولیت تفقہ، زہد، فہم وفراست اورسیادت کی بنیاد ہے۔

(تاریخ بغداد، باب الصاد، صالح بن محمد الخ، رقم الحدیث: 4815، ج:10 ص:439)

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
جو فقہ کو حفظ کرے اس کی قدر ومنزلت بڑھے گی اور جو حدیث کو سیکھے اس کی حجت قوی ہوجائے گی اور جو اشعار اور عربی زبان کا علم حاصل کرے اس کی طبیعت میں رقت پیدا ہوگی اور جو حساب کا علم حاصل کرے اس کی رائے میں پختگی آئے گی۔اور جو اپنی ذات کی حفاظت نہ کرے اس کا علم اس کو کوئی فائدہ نہ دے گا۔

(الرسالۃ للشافعی، المقدمۃ، الاحادیث والاثار، ج:1 ص:73، مطبوعہ ایضا)

علم پر عمل کی برکت

سوال......درج ذیل حدیث کا کیا مطلب ہے؟

مَنْ عَمِلَ بِمَا يَعْلَمُ وَرِثَهُ اللّٰهُ عِلْمَ مَا لَا يَعْلَمُ .

جو اپنے علم پر عمل کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس چیز کے علم کا وارث بنائے گا جس کو وہ نہیں جانتا۔

(حلیۃ الاولیاء، احمد بن ابی الحواری، ج:10 ص:15 مطبوعہ: ایضا)

جواب......یہی سوال حضرت ابن عبدالسلام رحمہ اللہ سے کیا گیا تھا انہوں نے اس کا جو جواب دیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص شریعت کے واجبات، مندوبات اور مکروہات ومحرمات کا علم رکھتا ہے اوراس علم پر عمل کرتے ہوئے واجبات ومندوبات کی ادائیگی کرتا ہے اور مکروہات ومحرمات سے اجتناب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ علم الٰہی سے اس کو اس چیز کا وارث بناتا ہے جس کو وہ اس سے پہلے نہیں جانتا تھا۔اوراس کی دلیل قرآن کریم کی یہ آیت ہے:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا . (سورۃ العنکبوت، آیت:69)

اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم انہیں اپنی راہیں ضرور دکھادیں گے۔

اوراس حدیث سے یہی مطلب ظاہر ہوتا ہے۔اوراس کی اُس شخص کے ساتھ تخصیص جائز نہیں جو اپنے ہاں غیر موجود چیزوں میں پیش آنے والے واقعات وحادثات میں غور وفکر کرتا ہے کیونکہ اس تخصیص پر کوئی دلیل نہیں پائی جاتی

بلکہ یہ حدیث فقہاء اور غیر فقہاء سب کو شامل ہے۔ بعض علماء عارفین جن پر اللہ تعالیٰ نے یہ فضل فرمایا ہے انہوں نے بیان کیا ہے کہ ہر طاقت کیلئے علم کی ایک نوع مقرر ہے جو اسی طاعت کے ساتھ خاص ہوتی ہے اور اس کے علاوہ کسی دوسری طاعت پر علم کی وہ نوع مرتب نہیں ہوتی۔ جیسا کہ ہر نیکی کے لئے ایک ثواب مقرر ہے جو اسی نیکی کے ساتھ خاص ہوتا ہے۔ دوسری کسی نیکی پر وہ ثواب مرتب نہیں ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اعمالِ صالحہ پر دنیا میں جو جزاء وثواب عطا فرماتا ہے۔ اس مجموعہ ثواب میں سے ایک الہام بھی ہے۔ (یعنی اطاعت گزار لوگوں کو اللہ تعالیٰ دنیا میں الہام سے نوازتا ہے) کیونکہ اللہ تعالیٰ اعمال صالحہ کا بدلہ دنیا میں بھی عطا فرماتا ہے اور آخرت میں بھی ان کی جزاء عطا فرمائے گا۔ لہٰذا ہر نیک عمل کے لئے ایک الہام مقرر ہے جو اسی عمل کے ساتھ خاص ہے۔ پس افضل عمل کے لئے ایک الہام مختص ہے کہ الہام اس عمل کے من جملہ ثواب میں سے ایک ہے۔ اسی طرح فضائل اعمال سے طاعات اور نیک اعمال کی توفیق ملتی ہے۔

سوال ......کیا سورہ رحمٰن کی آیت کریمہ: فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ کی تلاوت کے دوران لَا بِشَيْءٍ (اے ہمارے ربّ! ہم تیری نعمتوں میں کسی نعمت کی تکذیب نہیں کرتے تیرے لئے ہی حمد ہے۔) پڑھنا مستحب ہے؟ اور کیا آیت کے تکرار سے ان الفاظ کا تکرار مستحب ہی؟ اور کیا سورہ ملک کے آخر میں واللہ رب العالمین (اور اللہ رب العالمین ہے) پڑھنا مستحب ہے۔ اور کیا سورۃ والضحیٰ سے لے کر آخر قرآن تک ہر سورۃ کے اختتام پر تکبیر کہنا مستحب ہے اور اس کی دلیل کیا ہے؟ اور اس کو روایت کس نے کیا ہے؟

جواب......پہلی چیز کو امام طبرانی رحمہ اللہ نے حضور ﷺ سے روایت کیا ہے جس میں ہے کہ حضور ﷺ نے اُن جنات کی تعریف فرمائی جن پر آپ ﷺ نے سورہ رحمٰن کی تلاوت فرمائی تو انہوں نے فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ کے تلاوت کے دوران ہر مرتبہ یہ کلمات پڑھے تھے اور باقی کو حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

اسماء الحسنیٰ کی مشہور حدیث

سوال ......کیا اسماء الحسنیٰ سے متعلق مشہور حدیث کے تمام طرق میں اتفاق ہے یا بعض اسماء میں الفاظ وحروف کے اختلاف یا کمی وبیشی کی وجہ سے طرق میں اختلاف پایا جاتا ہے؟

جواب......المغیث کی بجائے المقیت اور المعین کی بجائے المبین اور الرقیب کی بجائے القریب، المانع کی بجائے الرافع اور الدائم کی بجائے القائم اور القابض کی بجائے الباسط اور الرشید کی بجائے الشدید وارد ہیں۔

اور کچھ روایات میں یہ اسماء کریمہ بھی وارد ہیں:

اَلْاَعْلٰى ، اَلْمُحِيْطُ ، مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ، اَلرَّاشِدُ الْفَاطِرُ ، اَلْعَادِلُ الْمُنِيْرُ ، اَلرَّبُّ الْفَرْدُ ، اَلْكَافِيْ ، اَلْقَاهِرُ ، اَلصَّادِقُ الْجَمِيْلُ ، اَلْبَارِئُ الْقَدِيْمُ الْبَاقِيْ ، اَلْوَفِيُّ

،اَلْبُرْھَانُ اَلْوَافِیْ اَلْقَدِیْرُ اَلْحَافِظُ اَلْمُعْطِیْ اَلْعَالِمُ اَلْاَحَدُ اَلْوِتْرُ ،ذُوالْقُوَّۃِ ، اَلْحَنَّانُ ، اَلْمَنَّانُ اَلْخَلَّاقُ الْعَلَّامُ.

سوال ......علامہ دمیری رحمہ اللہ نے شرح المنہاج اور شرح سنن ابن ماجہ کی تخریج میں ابن سنی کی سنن اور صحاح اور ابویعلی موصلی کی مسند سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث نقل کی ہے:

اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَانَ بِمَکَّۃَ اِذَا اَرَادَ قَضَاءَ الْحَاجَۃِ خَرَجَ اِلَی الْمُغَمَّسِ .

حضور ﷺ مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران قضاء حاجت کا ارادہ فرماتے تو مقام مغمس کی طرف تشریف لے جاتے تھے۔

(مسند ابی یعلی ،مسند عبداللہ بن عمر، رقم الحدیث: 5626،ج:9،ص:476،مطبوعہ: ایضا)

نافع نے فرمایا ہے کہ مغمس مکہ مکرمہ سے دو میلوں کے فاصلے پر ہے کیا اس حدیث سے قضاء حاجت کا ارادہ کرنے والے کے لئے مکہ معظمہ سے باہر جانے کا ندب ثابت ہوتا ہے یا کہ نہیں؟۔ اس حدیث کا ایک جواب دیا جاتا ہے اوراس پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے پس اس کا کیا جواب ہے؟ اگر آپ اس کے ندب کے قائل ہیں تو کیا آئمہ شافعیہ یا ان کے علاوہ کسی امام نے اس کی تصریح کی ہے؟ اور صاحب المنہاج کے قول ویبعد (اور آپ ﷺ دور تشریف لے جاتے تھے) کی موجودگی میں علامہ دمیری رحمہ اللہ کی عبارت کے سیاق سے کیا ثابت ہوتا ہے؟

جواب...... یہ حدیث سنن ابی داؤد وغیرہ کی اس حدیث کے موافق ہے:

اَنَّہٗ ﷺ کَانَ لَا یَاْتِی الْبَرَازَ حَتّٰی یَتَغَیَّبَ فَلَا یُرٰی.

حضور ﷺ قضائے حاجت کے لئے اتنا دور تشریف لے جاتے کہ آنکھوں سے اوجھل ہوجاتے پس دکھائی نہ دیتے تھے۔

(سنن ابن ماجہ، کتاب الطہارۃ، باب الارتیاد للغائط الخ، رقم الحدیث: 335،ج:1 ص:222)

اسی لئے آئمہ نے فرمایا ہے کہ قضائے حاجت کے لئے لوگوں سے اتنا دور جانا مستحب ہے کہ قضائے حاجت کرنے والے کا جسم دکھائی نہ دے اسی پر یہ حدیث دلالت کررہی ہے۔

اعتراض......اتنا اوجھل ہونا کہ قضائے حاجت والے کا جسم دکھائی نہ دے یہ چیز تو اس بعد مسافت کے بغیر بھی ممکن ہے پھر اس بعدِ مفرط میں کیا حکمت ہے؟

جواب ......مکہ مکرمہ کے اردگرد لوگوں کا منتشر رہنا شاید آپ ﷺ کے علم میں تھا اور آپ کو سوائے مقام مغمس کے کوئی جگہ لوگوں سے خالی میسر نہ تھی اس لئے آپ اتنے دور تشریف لے جاتے تھے۔ اسی سے معلوم ہوا کہ حدیث پاک مکہ مکرمہ سے باہر نکلنے کی خصوصیت پر دلالت نہیں کرتی۔ نیز اس خصوصیت کا تو ہم اس صورت

میں ہوسکتا ہے اگر مقام مغمس حل میں داخل ہے تو اور اگر وہ حرم میں شامل ہے تو پھر اس کا سرے سے کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ مکہ مکرمہ اور باقی سارا حرم احترام کے حق میں برابر ہیں۔

دارالحرب میں اقامت کا حکم

سوال...... حضور ﷺ کے اس فرمان کا کیا مطلب ہے؟

اَنَا بَرِیْئٌ مِنْ مُسْلِمٍ مُقِیْمٍ بَیْنَ اَظْهُرِ الْمُشْرِکِیْنَ قَالُوْا لِمَ ؟ قَالَ لَا تَتَرَایٰ نَارَهُمَا.

مشرکین کے درمیان اقامت رکھنے والے مسلمان سے میں بری ہوں صحابہ نے عرض کیا اس کی وجہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا مسلمان اور کافر دونوں کی دو آتشوں کو نہ دیکھا جائے گا۔

(شعب الایمان للبیہقی تشمیت العاطس فصل فی التثاؤب، رقم الحدیث: 8929، ج: 12 ص: 10 مطبوعہ ایضا)

جواب...... لَا تَتَرَایٰ نَارَهُمَا سے برأت کی علت بیان کی گئی ہے علت ومعلوم کے درمیان وجہ مناسبت یہ ہے کہ کفار کے درمیان اقامت کفار کے لشکر کی کثرت کا سبب ہے کیونکہ اگر غازیوں اور مجاہدوں کا کوئی لشکر اگر کفار کے لشکر پر چڑھائی کرنے کا ارادہ کرے گا تو ایسی صورت میں بسا اوقات مسلمانوں کی آگ کا کفار کی آگ کے ساتھ مل کر روشن ہوتے ہوئے دیکھا مجاہدین اسلام کو اقدام جہاد سے روکنے کا سبب بن سکتا ہے کیونکہ اہل عرب دو لشکروں کے تقابل کے وقت مدِ مقابل کی کثرت کا اندازہ ان کی آگ کے روشن ہونے سے لگاتے تھے جتنی زیادہ آگ روشن ہوتی تھی اسی اعتبار سے دشمن کی تعداد زیادہ ہونا سمجھا جاتا تھا۔ جیسا کہ فتح مکہ کے موقع پر کفر نے مرالظہران کے مقام پر لشکر اسلام کا اندازہ لگانے کے لئے اپنے لوگوں کو بھیجا تھا کہ وہ رات کے وقت مسلمانوں کی آگ کے روشن ہونے سے ان کے لشکر کا اندازہ لگائیں۔ لہٰذا جب مسلمانوں کا کفار کے درمیان اقامت رکھنا اتنے بڑے نقصان کا باعث ہے یعنی مسلمانوں کو جہاد سے روکنے یا مسلمانوں کا رعب کفار پر نہ پڑنے کا سبب ہے اور حضور ﷺ ایسے مسلمان سے اس لئے بری ہیں کہ یہ شخص مسلمانوں کے عدمِ جہاد کا سبب بن رہا ہے۔ دونوں صورتوں میں آگ اپنی حقیقت پر محمول ہے اور یہی وجہ ظاہر اور مناسب اور منضبط ہے۔ جیسا کہ تم جان چکے۔

اعتراض...... آپ کا مذکورہ جواب فقہاء کرام کے اس قول کے منافی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ جس شخص کو کفار سے کوئی ڈر وخوف نہیں اور ان کے درمیان مامون ہے تو اس کے لئے ان کے درمیان مقیم رہنا جائز ہے۔

جواب...... یہ جواب فقہاء کرام کے مذکورہ قول کے ہرگز منافی نہیں کیونکہ فقہاء کرام نے اس قول میں یہ شرط لگائی ہے کہ وہ شخص اپنے دین کے اظہار میں مامون ہو اور جب وہ اپنے دین کے اظہار میں مامون ہوگا تو کفار کے درمیان اس کی اقامت مسلمانوں کی بہتری اور مصلحت کا باعث ہونے لگی۔ اور اس صورت حال کے پیش

نکر اس کا کفار کے درمیان مقیم رہنا اس کا ان کے درمیان سے خروج اور نکل جانے پر راجح ہوگا۔لہٰذا فقہاء کرام نے اس کے لئے کفار کے درمیان قیام کو جائز قرار دیا ہے تا کہ اسکی جائے اقامت اس کی ہجرت کی وجہ سے دارالحرب نہ بن جائے بلکہ ایسی صورت میں اس پر وہاں قیام کرنا واجب ہوگا۔

سوال: مذکورہ حدیث میں اگر یہ علت بیان کی جاتی تو زیادہ واضح ہوتی کہ کفار کے درمیان اقامت رکھنے والے کو اُن سے اپنے دین وایمان کو خطرہ ہے اس تعلیل کے ترک میں کیا حکمت ہے؟

جواب: آپ نے جو علت بیان کی ہے اس میں صرف اس شخص کا نقصان وضرر ہے جو ان کے درمیان اقامت رکھنے والا ہے اور حدیث میں جو بیان کیا گیا ہے اس میں تمام مسلمانوں کے لئے ضرررساں ہونے کا بیان ہے نیز فتنہ کے خطرے کی وجہ سے کفار کے درمیان قیام کا حرام ہونا ہر ایک کو معلوم ہے۔اس لئے وہ محتاج تنبیہ نہیں، برخلاف دوطرح کی آگ کے دکھائی دینے کی وجہ سے اقامت کے حرام ہونے کے کہ یہ ہر ایک کو معلوم نہیں ہوتی اسی لئے حضور ﷺ نے اپنی عادت کریمہ کے مطابق اس پر تنبیہ فرمائی آپ کی عادت کریمہ یہ تھی کہ آپ اپنی امت کو ان خفی اور پوشیدہ چیزوں سے مطلع فرمایا کرتے تھے جن کی معرفت ایک طرح کی توقیف ہی سے حاصل ہوسکتی تھی۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب

حدیث استخارہ صحیح ہے

سوال......شیخ الاسلام الزین العراقی علیہ الرحمہ ''احیاء العلوم'' کی احادیث کی تخریج کرتے ہوئے حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ انہوں نے استخارہ کی مشہور حدیث کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ حدیث منکر ہے، حالانکہ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ:

كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُعَلِّمُنَا الْاِسْتِخَارَةَ فِي الْاُمُوْرِ كُلِّهَا كَالسُّوْرَةِ مِنَ الْقُرْآنِ يَقُوْلُ اِذَا هَمَّ اَحَدُكُمْ بِاَمْرٍ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ مِنْ غَيْرِ الْفَرِيْضَةِ ثُمَّ لِيَقُلْ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْتَخِيْرُكَ بِعِلْمِكَ.

حضور ﷺ ہمیں تمام امور میں استخارہ کی اس طرح تعلیم دیتے جس طرح قرآن کریم کی سورہ کی تعلیم دی جاتی ہے۔آپ فرماتے ہیں کہ تم میں سے کسی کو کوئی معاملہ پیش آئے تو وہ فرائض کے علاوہ دو رکعت نماز پڑھے۔اور پھر یہ کہے کہ اے اللہ! میں تیرے سے تیرے علم کے مطابق خیر طلب کرتا ہوں۔

(صحیح بخاری، کتاب الدعوات، باب الدعاء عند الاستخارة، رقم الحدیث:6382، ج:8، ص:81، مطبوعہ:ایضا)

کیا حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مذکورہ قول اس حدیث کے ضعیف ہونے میں مؤثر ہوگا یا کہ نہیں؟

جواب......امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مذکورہ قول حدیث استخارہ کے ضعیف ہونے میں مؤثر نہیں کیونکہ ان کے قول کا ظاہر مراد نہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ آئمہ نے حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ یہ امام مذکورہ کی خاص اصطلاح ہے۔اور وہ اس کا اطلاق فرد مطلق پر کرتے ہیں اگر چہ اس کا راوی ثقہ کیوں نہ ہو۔یہ حدیث ان سے بھی مروی ہے۔البتہ الفاظ میں کمی بیشی ہے۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ حدیث فرد مطلق نہیں کیسے فرد مطلق ہوسکتی ہے؟ کہ اس کو حضور ﷺ سے روایت کرنے میں چھ صحابہ کرام حضرت جابر رضی اللہ عنہم کی موافقت کررہے ہیں۔

سوال......اس حدیث پاک کا کیا مطلب ہے؟

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ بَعَثَ سَرِيَّةً اِلٰى خَثْعَمَ فَاعْتَصَمَ نَاسٌ بِالسُّجُوْدِ فَاَسْرَعَ فِيْهِمُ الْقَتْلُ فَبَلَغَ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَاَمَرَلَهُمْ بِنِصْفِ الْعَقْلِ وَ قَالَ اَنَا بَرِئٌ مِنْ كُلِّ مُسْلِمٍ يُقِيْمُ بَيْنَ اَظْهُرِ الْمُشْرِكِيْنَ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَ لِمَ قَالَ لَا تَرٰى نَارَهُمَا.

(سنن الترمذی، ابواب السیر، باب ماجاء فی کراہیۃ المقام الخ، رقم الحدیث:1604، ج:4 ص:155)

رسول اللہ ﷺ نے ایک چھوٹا لشکر قبیلہ خثعم کی طرف بھیجا تو کچھ لوگوں نے سجدہ کے ذریعہ اپنی جان بچانے کی کوشش کی لیکن اس کے باوجود ان کے کچھ لوگ قتل کردیئے گئے یہ خبر جب رسول اللہ ﷺ تک پہنچی تو آپ ﷺ نے مجاہدین اسلام کو مقتولین کی نصف دیت ادا کرنے کا حکم دیا اور فرمایا میں ہر اس مسلمان سے بری الذمہ ہوں جو مشرکین کے درمیان اقامت رکھے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! اس کی کیا وجہ ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: مسلمان اور کافر دونوں کی آگ ایک ساتھ نظر نہیں آنی چاہیے۔

یہ حدیث صحیح ہے یا کہ نہیں؟

جواب......اس حدیث کو امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام نسائی رحمہم اللہ اور ان سے قبل امام ابوبکر بن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے عظیم تابعی حضرت قیس بن ابی حازم رضی اللہ عنہ تک اسانید صحیحہ کے ساتھ روایت کیا ہے۔ان میں سے بعض نے اس کو رسول اللہ ﷺ تک مرسل روایت کیا ہے۔اور بعض حضرات نے حضرت قیس بن ابی حازم سے بروایت جریر بجلی مسند روایت کیا ہے۔اور امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ مرسل روایت زیادہ صحیح ہے۔

اہل غریب کی تفسیر کے مطابق اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اپنی اقامت گاہ حربی

مشرکین کی اقامت گاہ سے دور بنائے اور وہ ایسی جگہ پڑاؤ نہ ڈالے کہ جہاں آگ جلائی جائے۔

چنانچہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے انما الاعمال بالنیات والی حدیث پر بھی اس کا اطلاق کیا ہے کیونکہ یہ حدیث اپنے اول کے اعتبار سے فردِ مطلق ہے۔ اگرچہ آخر کے اعتبار سے متواتر ہے پس محمد بن ابراہیم رحمہ اللہ کی روایت کے بارے میں فرمایا ہے کہ انہوں نے حدیث منکر روایت کی ہے۔ اور محمد بن ابراہیم رحمہ اللہ کو حدیث منکر روایت کرنے والا قرار دیا ہے حالانکہ محمد بن ابراہیم رحمہ اللہ ثقہ ہیں لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ یہ حضرت امام احمد رحمہ اللہ کی خاص اصطلاح ہے جس کا وہ فرد مطلق پر اطلاق کرتے ہیں جس سے واضح ہوتا ہے اس کا کسی حدیث پر اطلاق اس حدیث کے ضعیف ہونے پر کسی طور پر بھی مؤثر نہیں ہوتا۔ نیز حافظ ابن عدی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی مذکورہ حدیث استخارہ فردِ مطلق نہیں۔ کیونکہ اس کو ان کے علاوہ کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے علاوہ دو صحابہ کرام حضرت ابن مسعود اور حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہما کا ذکر کیا ہے کہ ان سے بھی یہ حدیث مروی ہے اور امام ترمذی رحمہ اللہ کے علاوہ دیگر محدثین نے حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر، حضرت ابو ہریرہ اور ابو سعید رضی اللہ عنہم کا اضافہ کیا ہے کہ وہ مشرکین کی اپنے ٹھکانے میں جلائی ہوئی آگ محسوس ہونے لگے۔ جب دونوں طرح کی آگ ایک ساتھ نظر آئیں گیں تو پھر مسلمان مشرکین میں شمار ہوگا حالانکہ یہ مسلم ہے کہ دار الحرب سے اپنی شرائط کے ساتھ ہجرت واجب ہے تراای رویۃ سے تفاعل کے وزن پر ہے۔ تَرَی الْقَوْمُ اس وقت کہا جاتا ہے جب قوم کے بعض افراد بعض کو دیکھیں۔ جب کوئی چیز تمہارے سامنے اس طرح ظاہر ہو جائے کہ تم اس کو دیکھ لو تو کہا جاتا ہے تَرَائِی لِیَ الشَّیْئُ حدیث میں ترائی کا النارین کی طرف اسناد مجازی ہے۔ جیسا کہ اہل عرب جب دو گھر آمنے سامنے ہوں تو کہتے ہیں دَارِیْ تَنْظُرُ اِلٰی دَارِ فُلَانٍ میرا گھر فلاں کے گھر کو دیکھ رہا ہے یعنی دونوں آمنے سامنے ہیں حدیث پاک میں کافر کی آگ کے سامنے مسلمان کے لئے آگ جلانے کو ناپسند فرمانے کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔ مسلمان اور کافر کی آگ دو مختلف قسم کی آگیں ہیں مسلمان کی جلائی ہوئی آگ اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والی ہے اور کافر کی جلائی ہوئی آگ شیطان کی طرف بلانے والے۔ لہٰذا یہ دونوں آپس میں کیسے جمع ہو سکتی ہیں؟ تَرَائی اصل میں تترائی تھا ایک تاء کو تخفیف کے لئے حذف کر دیا گیا ہے۔

بتکلف اظہارِ بلاغت کرنے والوں کی مذمت

سوال......اس حدیث کو کس نے روایت کیا ہے؟ اور کیا یہ حدیث صحیح ہے؟

اِنَّ اللّٰہَ یُبْغِضُ الْبَلِیْغَ مِنَ الرِّجَالِ الَّذِیْ یَتَخَلَّلُ بِلِسَانِہٖ تَخَلُّلَ الْبَاقِرَۃُ بِلِسَانِھَا.

بے شک اللہ تعالیٰ اظہار فصاحت میں مبالغہ کرنے والے اس شخص کو پسند نہیں فرماتا جو اظہار فصاحت میں مبالغہ کے لئے اپنی زبان کو دانتوں کے گرد اس طرح پھیرتا ہے جس طرح گائے چارا کھاتے ہوئے اپنی زبان کو لپیٹتی ہے۔

(سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب ماجاء فی المتشدق فی الکلام، رقم الحدیث: 5005، ج:4 ص: 301 مطبوعہ: ایضا)

جواب......اس حدیث کو امام ابوداؤد اور امام ترمذی رحمہما اللہ نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس کو حسن قرار دیا ہے اور مذکورہ حدیث اس حسن حدیث کے معنے میں ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يُبْغِضُ الثَّرْثَارِيْنَ وَ الْمُتَشَدِّقِيْنَ.

بیشک اللہ تعالیٰ کثرت سے کلام کرنے والوں، بتکلف فصاحت وبلاغت ظاہر کرنے کے لئے باچھیں کھولنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔

(مساوئ الاخلاق، باب ماجاء فی ذم العجب الخ رقم الحدیث: 552، ج: 1 ص: 257، مطبوعہ: مکتبۃ السواری، جدہ، بالفاظ مختلف)

اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ:

اِنَّ اَبْغَضَكُمْ اِلَيَّ وَاَبْعَدَكُمْ مِنِّيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الثَّرْثَارُوْنَ وَ الْمُتَشَدِّقُوْنَ وَ الْمُتَفَيْهِقُوْنَ.

بے شک تم میں سے میرے نزدیک مبغوض ترین اور قیامت کے دن مجھ سے بعید ترین کثرت سے کلام کرنے والے اور بتکلف فصاحت وبلاغت کے لئے باچھیں کھولنے والے اور کلام میں بغیر احتیاط کے فراخی کرنے والے یعنی تکبر کرنے والے ہوں گے۔

(مساوئ الاخلاق، باب ماجاء فی ذم العجب الخ رقم الحدیث: 552، ج: 1 ص: 257، مطبوعہ: مکتبۃ السواری، جدہ، بالفاظ مختلف)

عیادتِ مریض

سوال......کیا کسی حدیث میں یہ الفاظ وارد ہیں؟

لَا تَعُدْ مَنْ لَّا يَعُوْدُكَ. (اس کی تیمارداری مت کر جو تیری تیمارداری نہ کرے۔)

(السنن الکبریٰ للبیہقی، جماع ابواب صفۃ الصلاۃ، باب الامام یتحول عن الخ، رقم الحدیث: 3047، ج: 2 ص: 272، بالفاظ مختلف)

جواب......ان الفاظ کے ساتھ حدیث وارد نہیں البتہ یہ الفاظ ابن وہب کے کلام کا حصہ ہیں اور سند ضعیف کے ساتھ یہ الفاظ وارد ہیں۔

مَنْ عَادَ مَرْضَانَا عُدْنَا مَرْضَاهُ.

جو ہمارے مریضوں کی عیادت کرے گا تو ہم اس کے مریضوں کی عیادت کریں گے۔

اس میں مذکورہ الفاظ کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ (سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ، رقم الحدیث: 2504، ج:6 ص:19) اور سند ضعیف سے مروی اس حدیث سے بھی ان الفاظ کی تائید ہوتی ہے:

لَا خَيْرَ فِيْ صُحْبَةِ مَنْ لَا يُرٰى لَكَ مِثْلَ مَا تَرٰى لَهُ.

اس شخص کی صحبت میں کوئی بھلائی نہیں جو تمہیں اس طرح مقام نہیں دیتا جس طرح تم اس کو دیتے ہو۔

(امثال الحدیث الشیخ الاصبهانی قولہ لاخیر فی صحبۃ، رقم الحدیث: 47، ج:1 ص:85، مطبوعہ: ایضا)

اس لئے حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اپنے بیٹے کے اس سوال پر کہ ابا جان ہمارا پڑوسی بیمار ہے اور ہم اس کی تیمارداری نہیں کر رہے تو آپ نے فرمایا، اس نے ہماری تیمارداری نہیں کی تو ہم اس کی تیمارداری کریں گے۔

اعتراض...... مذکورہ اس مرسل حدیث کے منافی ہے جس میں ارشاد ہے:

عُدْ مَنْ لَا يَعُوْدُكَ. (تم اس کی بھی عیادت کرو جو تمہاری عیادت نہیں کرتا۔)

(السنن الکبریٰ للبیہقی، جماع ابواب صفۃ الصلاۃ، باب الامام تحول الخ، رقم الحدیث: 3047، ج:2 ص:272، بالفاظ مختلف)

جواب...... ان دونوں میں کوئی منافات نہیں کیونکہ مذکورہ قول کو اس شخص کی تادیب پر محمول کرنا ممکن ہے جو تمہیں حقیر سمجھتے ہوئے تمہاری عیادت نہیں کرتا ہے، اور حدیث مرسل کو مقام اکمل پر محمول کرنا ممکن ہے اور مقام اکمل یہ ہے انسان اپنے نفس کی مخالفت کرتے ہوئے اس کی بھی عیادت کرے جو اس کی عیادت نہیں کرتا اس میں کسر نفسی ہے اور یہی کامل ترین مقام ہے۔

اپنے حصے سے زیادہ دسترخوان سے کھانا اٹھانا مناسب نہیں

سوال...... کیا دو کھجوروں کو ایک ساتھ اٹھا کر کھانا مطلقاً مکروہ ہے؟ اور کیا اس حکم میں کھانے کی دوسری اشیاء بھی داخل ہیں؟

جواب...... دو کھجوروں کو ایک ساتھ اٹھا کر تناول کرنے کے بارے میں نہی وارد ہے اور بعض حفاظ حدیث نے اس نہی کو اس شخص کے ساتھ خاص قرار دیا ہے۔ جس نے اپنے ساتھ کھانے میں شریک دوسرے انسان سے اس کی اجازت نہ لی ہو لیکن ان حفاظ کی یہ تخصیص محتاج دلیل ہے کیونکہ لفظ کا عموم معتبر ہوتا ہے۔ خصوص سبب کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا نیز مہمانوں کو کھانے میں مساوات کو مدنظر رکھنا چاہئے۔ جبکہ وہ کھجوروں کو ایک ساتھ ملا کر تناول کرنے میں یہ مساوات نہیں پائی جاتی بلکہ بعض آئمہ نے فرمایا ہے کہ مہمانوں میں سے اگر کوئی دوسروں سے زیادہ کھانا تناول کرنے یا ان کو کھانے سے محروم رکھنے کی غرض سے بڑا لقمہ اٹھا لیتا ہے تو ایسا کرنا اس پر حرام ہے کیونکہ جو کھانا ان کے سامنے پیش کیا گیا ہے اس میں وہ سب برابر کے حق دار ہیں۔

لہٰذا دوسروں کی رضا کے بغیر ایسا کرنا جائز نہیں ہوگا۔اس مسئلہ میں مہمانوں اور شرکاء طعام کے درمیان کوئی فرق نہیں البتہ اجازت طلب نہ کرنے کی قید معتبر ہوگی۔دوسروں کا خوش دلی کے ساتھ دو کھجوروں کو ایک ساتھ اٹھانے کی اجازت دینے سے کراہت یا حرمت زائل ہوجائے گی۔کھجور کے علاوہ دیگر کھانے کی اشیاء میں بڑا لقمہ اٹھانے کی کراہت یا حرمت اس صورت پر محمول ہے اگر ایسا کرنے والا اپنے شریکِ طعام کی حقارت کی وجہ سے ایسا کرتا ہے یا کھانا تناول کرنے میں بے باکی اور بے ادبی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایسا کرتا ہے تو اس کا یہ عمل مکروہ یا حرام ہوگا۔

فرعون کی موت حالتِ کفر میں واقع ہوئی ہے

سوال......کیا کسی حدیث میں یہ وارد ہے کہ فرعون کی موت حالتِ کفر میں واقع ہوئی ہے؟

جواب......ہاں اس بارے میں کئی احادیث وارد ہیں ان میں سے ایک وہ حدیث ہے جس کو عدی اور طبرانی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

خَلَقَ اللّٰہُ یَحۡیَی بۡنَ زَکَرِیَّا فِیۡ بَطۡنِ اُمِّہٖ مُؤۡمِنًا وَّ خَلَقَ فِرۡعَوۡنَ فِیۡ بَطۡنِ اُمِّہٖ کَافِرًا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کو انکی والدہ محترمہ کے شکم اطہر میں ہی مؤمن پیدا کیا اور فرعون کو اس کی ماں کے پیٹ میں ہی کافر پیدا کیا۔

(المعجم الکبیر للطبرانی، باب العین، عبداللہ بن مسعود، رقم الحدیث: 10543، ج:10 ص:224، مطبوعہ: ایضاً)

سوال......اس حدیث کو کس نے روایت کیا ہے؟

اَنَا مِنَ اللّٰہِ وَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ مِنِّیۡ. (میں اللہ سے ہوں اور مؤمن مجھ سے ہیں۔)

(الحاوی الفتاوی، الفتاوی القرآنیہ سورۃ المدثر، ج:1 ص:384، بالفاظ مختلف)

جواب......یہ گھڑا ہوا جھوٹ ہے اگرچہ اس کو دیلمی نے بغیر کسی سند کے ذکر کیا ہے۔

سوال......اس حدیث کو کس نے روایت کیا ہے؟

اَوَّلُ مَاخَلَقَ اللّٰہُ رُوۡحِیۡ وَالۡعَالِمُ بَاسرہ مِنۡ نُوۡرِیۡ کُلُّ شَیۡءٍ یَرۡجِعُ اِلٰی اَصۡلِہٖ.

سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میری روح کو پیدا کیا اور سارا عالم میرے نور سے ہے ہر چیز اپنے اصل کی طرف لوٹے گی۔

(الحاوی الفتاوی، الفتاوی القرآنیہ سورۃ المدثر، ج:1 ص:384، بالفاظ مختلف)

جواب......میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جس نے اس کو اس طرح روایت کیا ہو لیکن وہ حدیث جس کو امام عبدالرزاق رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے وہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ نُوْرَ مُحَمَّدٍ قَبْلَ الْاَشْیَاءِ مِنْ نُوْرِہٖ.

بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے محمد (ﷺ) کے نور کو اپنے نور کے فیض سے پیدا کیا ہے۔

(الحاوی الفتاوی، الفتاوی القرآنیۃ سورۃ المدثر، ج:1 ص:384، بالفاظ مختلف)

سوال...... یہ حدیث کس درجہ کی ہے؟

مَنْ رَاٰنِیْ فَقَدْ رَاَی الْحَقَّ.

جس نے خواب میں میری زیارت کی بے شک اس نے سچی خواب دیکھی ہے۔

(صحیح ابن حبان، کتاب الرؤیا، باب ذکر اثبات رؤیۃ الحق الخ، رقم الحدیث:6051، ج:13 ص:416، مطبوعہ: ایضا)

جواب...... یہ صحیح حدیث ہے۔ اور فَقَدْ رَاَی الْحَقَّ کا مطلب یہ ہے اس کی یہ خواب واقعی سچی ہے۔

سوال...... اس حدیث کو کس نے روایت کیا ہے؟ مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ عَرَفَ رَبَّہٗ.

جس نے اپنی ذات کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔

(الحاوی الفتاوی، الفتاوی الصوفیۃ، الزہد، ج:2 ص:288)

جواب...... اس کی کوئی اصل نہیں۔ یہ یحییٰ بن معاذ رازی صوفی کے کلام سے منقول ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس نے اپنی ذات کو عاجزی، احتیاج، کوتاہی، ذلت وانکساری کے ساتھ پہچانا تو بے شک اس نے اپنے رب کو صفاتِ جلال وجمال کے ساتھ پہچان لیا ہے۔ اور اسکے نتیجہ میں وہ ہمیشہ اسی تصور ومراقبہ میں رہے گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اُس کے لئے مشاہدہ کا دروازہ کھول دے گا اور وہ اللہ تعالیٰ کے اُن خاص بندوں میں شامل ہو جائے گا جنہیں اُس نے اپنی معرفت کے کامل درجہ سے نواز ہے۔

سوال...... اس حدیث پاک کو کس نے روایت کیا ہے؟ اَلْمُؤْمِنُ مِرْاٰۃُ الْمُؤْمِنِ.

ایک مؤمن دوسرے مؤمن کے لئے آئینہ ہے۔

(مکارم الاخلاق للطبرانی، باب فضل معونۃ المسلمین، الخ، رقم الحدیث:92، ج:1 ص:344)

جواب...... اس حدیث پاک کو امام ابوداؤد رحمہ اللہ وغیرہ محدثین نے روایت کیا ہے۔ اس کی کئی اسناد ہیں جو اس کو حسن بنا دیتی ہیں۔

سوال...... اس حدیث کو کس نے روایت کیا ہے؟ تَفَکُّرُ سَاعَۃٍ خَیْرٌ مِّنْ عَمَلِ الثَّقَلَیْنِ.

ایک لمحہ کا تفکر جن وانس کے عمل سے بہتر ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبۃ، کتاب الزہد، کلام الحسن البصری، رقم الحدیث:35223، ج:7 ص:190، بالفاظ مختلف)

جواب...... یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ مجھے نہیں ملی۔ لیکن ابوشیخ نے جس حدیث کو روایت کیا اس کے یہ الفاظ ہیں:

تَفَكُّرُ سَاعَةٍ خَيْرٌ مِّنْ عِبَادَةِ سِتِّيْنَ سَنَةٍ. (ایک لمحہ کا تفکر ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔)

(مصنف ابن ابی شیبۃ، کتاب الزہد، کلام الحسن البصری، رقم الحدیث: 35223، ج:7، ص:190، بالفاظ مختلف)

سوال ...... کیا ان الفاظ کے ساتھ خَلَقَ اللّٰهُ آدَمَ عَلٰى صُوْرَتِهٖ (اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔) یا ان الفاظ کے ساتھ خَلَقَ اللّٰهُ آدَمَ عَلٰى صُوْرَةِ الرَّحْمٰنِ (اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو رحمٰن کی صورت پر پیدا کیا ہے۔) حدیث وارد ہے؟

(المعجم الکبیر للطبرانی، باب العین، عطاء بن ابی رباح، الخ، رقم الحدیث: 13580، ج:12، ص:430، مطبوعہ: ایضا)

جواب ...... مذکورہ الفاظ حدیث کے ہیں لیکن اگر صورت سے اس کا حقیقی معنی مراد لیا جائے تو پھر صورتہ کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ صورت اور اس کے لوازم سے پاک اور بلند وبالا ہے۔ اس فرمان کا سبب یہ ہے کہ ایک شخص اپنے غلام کے چہرے پر طمانچہ رسید کر رہا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر اس کو ایسا کرنے سے روکا اور اس کی تادیب کرتے ہوئے اسے فرمایا کہ "اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰى صُوْرَتِهٖ"

(فتاوی السبکی، کتاب الجہاد، باب عقد الذمۃ، ج:2، ص:362، مطبوعہ: ایضا)

یعنی تم اس کے چہرے پر تھپڑ کیسے رسید کر رہے ہو اس کا چہرہ تیرے باپ حضرت آدم علیہ السلام کے مقدس چہرے اور ان کی مقدس صورت کی نقل ہے۔ اور اگر صورت سے مراد مجرد وصف لیا جائے تو پھر ضمیر کا اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہونا صحیح ہے۔ جیسا کہ عَلٰى صُوْرَةِ الرَّحْمٰنِ کی روایت تصریح کر رہی ہے کہ یہاں صورت سے مراد مجرد وصف ہے۔ مجرد وصف مراد ہونے کی صورت میں حدیث کا یہ مفاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی کچھ صفات کا مظہر بنا کر پیدا کیا ہے۔ مثلاً رحمت وغیرہ اوصاف کا۔ اسی لئے دوسری روایت میں وصفِ رحمٰن کے ذکر کی تخصیص فرمائی گئی ہے اور اس کی تائید یہ حدیث بھی کر رہی ہے۔ تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ. (اللہ تعالیٰ کے اخلاق کو اپناؤ)

(حلیۃ الاولیاء، ذکر الطائف من جماہیر، الخ، ذوالنون المصری، ج:9، ص:249، مطبوعہ: ایضا)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں یہ قول بھی اسی کا مؤید ہے وَكَانَ خُلُقُهُ الْقُرْاٰنُ. (آپ کا اخلاق قرآن تھا)

(شعب الایمان، حب النبی، فصل فی خلق رسول اللہ وخلقہ، رقم الحدیث: 1360، ج:3، ص:22)

اللہ تعالیٰ حضرت عمر کی زبان پر بولتا ہے

سوال ...... یہ حدیث کس نے روایت کی ہے؟

اَلْحَقُّ يَنْطِقُ عَلٰى لِسَانِ عُمَرَ. (حق تعالیٰ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان پر بولتا ہے۔)

(مسند احمد، مسند عثمان الخ، ومن مسند علی، الخ رقم الحدیث: 835، ج:1 ص:629 مطبوعہ: ایضا)

جواب......اس حدیث کو حضرت امام احمد بن حنبل اور امام ترمذی رحمہما اللہ نے روایت کیا ہے اور حضرت امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ جَعَلَ الْحَقَّ عَلٰى لِسَانِ عُمَرَ وَ قَلْبِهٖ. (بے شک اللہ تعالیٰ نے حق کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان اقدس اور قلب اطہر پر رکھ دیا ہے۔)

(مسند احمد، مسند عثمان الخ، ومن مسند علی، الخ رقم الحدیث: 5146، ج:4 ص:528 مطبوعہ: ایضا)

اور امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى وَضَعَ الْحَقَّ عَلٰى لِسَانِ عُمَرَ يَقُوْلُ بِهٖ. (بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر کی زبان مبارک پر حق رکھ دیا ہے جس کو وہ بولتے ہیں۔)

(سنن ابن ماجہ، باب فی فضائل اصحاب رسول اللہ فضل عمر الخ، رقم الحدیث: 108، ج:1 ص:79 مطبوعہ: ایضا)

سوال......اس حدیث کو کس نے روایت کیا ہے؟

مَا وَسِعَنِيْ سَمَائِيْ وَ لَا اَرْضِيْ وَ وَسِعَنِيْ قَلْبُ عَبْدِ الْمُؤْمِنِ. (مجھے نہ میرا آسمان سما سکا ہے اور نہ میری زمین۔ مجھے میرے مؤمن بندے کے دل نے سما لیا ہے۔)

(اسباب المغفرۃ، ابن رجب، السبب الثالث التوحید، التوحید یطہر قلب، ج:1 ص:6)

جواب......اس کی کوئی اصل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں البتہ یہ اسرائیلیات میں مذکور ہے۔ امام زرکشی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ حدیث باطل ہے جس کو ملحدین نے وضع کیا ہے اور صوفیاء کرام رحمہم اللہ کی ایک جماعت نے اس کا تذکرہ کیا ہے لیکن وہ اس کا ظاہر مراد نہیں لیتے کیونکہ اس کا ظاہر اتحاد اور حلول ہیں اور ان میں سے ہر ایک کفر ہے۔ صالحین صوفیاء کرام اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے لئے واجب اور اس پر محال صفات کی تمام لوگوں سے زیادہ معرفت رکھنے والے ہیں۔ اس سے ان کی مراد صرف یہ ہے کہ مؤمن کا دل اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس کی محبت و معرفت کی وسعت رکھتا ہے۔

سوال......اس حدیث کو کس نے روایت کیا ہے؟

اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ خَلْقَهٗ فِيْ ظُلْمَةٍ فَاَلْقٰى عَلَيْهِمْ مِنْ نُوْرِهٖ فَمَنْ اَصَابَهٗ مِنْ ذٰلِكَ النُّوْرِ شَيْئٌ اِهْتَدٰى وَمَنْ اَخْطَاهُ ضَلَّ فَلِذٰلِكَ اَقُوْلُ جَفَّ الْقَلَمُ عَلٰى عِلْمِ اللّٰهِ.

بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو تاریکی میں پیدا کیا ہے اور اس کے بعد ان پر اپنے نور کی تجلی

50
50

ڈالی پس ان میں سے جس کو اس کا کچھ حصہ پہنچا وہ ہدایت پا گیا اور جو اس نور کی تجلی سے محروم رہا وہ گمراہ ہو گیا اسی لئے میں کہتا ہوں کہ قلم تقدیر اللہ کے علم پر خشک ہو گیا ہے۔

(مستدرک للحاکم، کتاب الایمان، واما حدیث معمر، رقم الحدیث: 84، ج: 1 ص: 84)

خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت

سوال......دیلمی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث روایت کی ہے اس کا کیا مطلب ہے؟

مَنِ اسْتَكْمَلَ وَرَعُهُ حُرِمَ رُؤْيَتِيْ فِي الْمَنَامِ.

جسکا ورع کامل ہو گیا وہ خواب میں میری زیارت سے محروم ہو گیا۔

(مستدرک للحاکم، کتاب الایمان، واما حدیث معمر، رقم الحدیث: 84، ج: 1 ص: 84)

جواب......اس حدیث میں اشکال ورعہ کو استکمل بمعنی کمل کا فاعل قرار دینے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے حالانکہ ایسا نہیں بلکہ ورعہ، استکمل کا مفعول بہ ہے اور اس کا فاعل ضمیر مستتر ہے جو مَن کی طرف راجع ہے۔ اس طرح اشکال پیدا نہیں ہوتا اور اس کا واضح معنی یہ ہے جو اپنے تقویٰ اور ورع کو کامل سمجھے تو وہ خواب میں میری زیارت سے محروم ہوگا جو خواب دیکھنے والے کے اس شرف پر دلالت کرتی ہے جو رسول اللہ ﷺ کو آپ کے اوصاف معروفہ کے ساتھ زیارت کرنے کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے۔ اس محرومی کی وجہ یہ ہے اس کا اپنے تقویٰ کو کامل سمجھنا یہ بتا رہا ہے کہ وہ اپنے عمل کے گھمنڈ میں مبتلا ہے اور اس پر اس کے نفس کے ناقص اخلاق کا غلبہ ہے۔ اور وہ اپنی عبادت واخلاص میں سچا نہیں ہے۔ ورنہ وہ اپنے بارے میں یہ رائے رکھتا کہ میرے اندر سرے سے کوئی ورع وتقویٰ نہیں پایا جاتا۔ بلکہ ورع اور تقویٰ اور اس کا کامل ہونا تو بہت دور کی بات ہے میرے اندر تو سرے سے کوئی نیک عمل بھی نہیں پایا جاتا۔ اس کو خصوصیت کے ساتھ اس محرومی کی سزا اس لئے دی گئی ہے کہ خواب کا صدق عمل کے صدق کی اور خواب کا کذب عمل کے کذب کی خبر دیتا ہے پس حضور ﷺ کی زیارت سے اس کو اس لئے محروم رکھا گیا ہے تا کہ یہ چیز اس کے اس دعویٰ کے جھوٹا ہونے کی دلیل بن جائے کہ اس کا ورع کامل ہے۔ اور اس بات کی دلیل بن جائے کہ اس میں ورع کی کوئی چیز نہیں پائی جاتی ہے۔

حالتِ بیداری میں زیارتِ نبوی ﷺ

سوال......کیا مذکورہ حدیث کو پہلے معنی پر محمول کرنا ممکن ہے اور اس کی کوئی توجیہ تلاش کی جا سکتی ہے؟

جواب......اس کو پہلے معنی پر بھی محمول کرنا ممکن ہے لیکن اس میں تکلف کرتے ہوئے یہ کہنا پڑے گا کہ نیند کے لازم یعنی

خواب میں زیارت سے محرومی کنایہ ہے، نیند سے محروم ہونے سے کیونکہ کمال ورع زہد ہے اور زہد شکم سیری وغیرہ قبیح اوصاف واخلاق سے اجتناب کا متقاضی ومستدعی ہے۔اوران اخلاق واوصاف قبیحہ سے اجتناب کی وجہ سے لازماً نیند میں اس حد تک قلت پیدا ہوتی ہے کہ گویا کہ اس کا وجود نہیں رہتا۔یا اس حدیث کو پہلے معنی پر محمول کرتے ہوئے یہ کہا جائے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس کا ورع کامل ہو جاتا ہے تو وہ خواب میں میری زیارت سے اس لئے محروم کردیا جائے گا کہ میری زیارت کا شرف خواب کا محتاج نہیں کیونکہ اس کو اس کے عوض اس سے اعلیٰ وافضل درجہ کی زیارت نصیب ہوگی۔وہ اعلیٰ وافضل درجہ کی زیارت حالت بیداری کی زیارت ہے۔

انبیاء کرام اپنی قبور میں زندہ ہیں

اور تحقیق سے یہ بات ثابت ہے کہ حالت بیداری میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت ممکن بلکہ واقع ہے۔جیسا کہ کئی اولیاء کرام نے اس کا تذکرہ اور مشاہدہ فرمایا ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ حجابات اٹھا دیئے جاتے ہیں اور وہ حالتِ بیداری میں رسول اللہ ﷺ کا آپ کی قبر انور میں دیدار کرتے ہیں۔کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی مقدس قبور کے اندر زندہ ہیں اور نماز ادا کرتے ہیں اور کبھی رسول اللہ ﷺ کی صورت مثالیہ کا وقوع ہوتا ہے اور اس صورت مثالیہ کا قبر انور سے منفصل اور الگ ہونے کی حالت میں دیدار کیا جاتا ہے۔جیسا کہ سیدی عارف باللہ علی وفا رحمہ اللہ کو آپ ﷺ کی اس صورت مثالیہ کا قرافہ کے مقام پر شرف زیارت نصیب ہوا ہے۔اور اس حدیث کو پہلے معنی پر محمول کرتے ہوئے یا یہ کہا جائے گا کہ جس کا ورع کامل ہے اس کا خواب میں زیارت نبوی سے محروم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ خواب میں زیارت نبوی کا وقوع غالباً ضعفاء کو انس وشوق دلانے اور ان کو اس بات کی خوشخبری دینے کے لئے ہوتا ہے کہ وہ حق پر ہیں۔اور جس کا ورع کامل ہوتا ہے وہ ان راسخ قدم لوگوں میں سے ہو جاتا ہے جو ضعفاء کی طرح مانوسیت اور حق پر ہونے کی خوشخبری سننے کے محتاج نہیں ہوتے۔ان کو اپنے حق پر ہونے کا پہلے سے ہی یقین ہوتا ہے اس کی مثال یہ ہے کہ مرید صادق جب اپنے ابتدائی مراحل میں ہوتا ہے تو اس کو انس دلانے اور ثابت قدم رکھنے کے لئے اس کے حق میں کثرت کے ساتھ کرامات صادر ہوتی ہیں اور وہ جب درجہ کمال کو پہنچ جاتا ہے تو کرامات میں تخفیف ہوتی ہے یا بالکل معدوم ہو جاتی ہیں کیونکہ وہ اب ان کا محتاج نہیں رہا ہے۔اسی لئے سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ کچھ لوگ پانی پر چلے اور ان سے افضل لوگ پیاس کے سبب دنیا سے رخصت ہو گئے۔اور فرمایا کہ استقامت کا ایک ذرہ ایک ہزار کرامت سے بہتر ہے۔

بعض مشائخ سے اُن کے کسی مرید نے شکایت کی کہ حضور کرامت پائی جاتی تھی لیکن بعد میں وہ معدوم ہوگئی ہے

توانہوں نے فرمایا اے بیٹے! بچہ جب سکول میں داخل ہوتا ہے تو اس کو کچھ کھلونے دیئے جاتے ہیں تاکہ وہ اس کے ساتھ کھیلے اور جب وہ ان کی مشق مکمل کر لیتا ہے تو ان کو پھینک دیتا ہے اور کھیلنا چھوڑ دیتا ہے۔ بلاشبہ تمثیل حضور ﷺ کی خواب میں زیارت ابتدائی مراحل کے مریدین کو اشتیاق دلانے کے لئے واقع ہوئی ہے اور وہ جب اپنے ورع کے کمال کے سبب کامل ہو جاتے ہیں تو وہ اس ترغیب اور اشتیاق سے بے نیاز ہو جاتے ہیں۔ پس اس استغناء و بے نیازی کو حرمانِ زیارت سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے اپنے نبی کی مراد کو خوب جاننے والا ہے یہ تمام احتمالات حدیث کی صحت کی تقدیر پر ہیں کیونکہ دیلمی کی احادیث میں وہ کچھ ہے جو کچھ اس میں ہے جسکی تشریح اپنے محل میں موجود ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب

کفرِ فرعون کی تصریح

سوال......کیا کسی حدیث میں فرعون کے کفر کی تصریح وارد ہے؟

جواب......اس بارے میں متعدد احادیث وارد ہیں جن میں سے چند احادیث درج ذیل ہیں۔

ابن عدی، طبرانی کی حدیث ہے جس کو امام بیہقی نے ضعیف قرار دیا ہے:

خَلَقَ اللّٰهُ يَحْيَ بْنَ زَكَرِيَّا فِيْ بَطْنِ اُمِّهٖ مُؤْمِنًا وَّ خَلَقَ فِرْعَوْنَ فِيْ بَطْنِ اُمِّهٖ كَافِرًا.

اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ بن ذکریا علیہما السلام کو ان کی والدہ ماجدہ کے شکم اطہر میں ہی مؤمن پیدا کیا اور فرعون کو اس کی ماں کے پیٹ میں ہی کافر پیدا کیا ہے۔

(المعجم الکبیر للطبرانی، باب العین، احادیث عبداللہ بن عباس الخ، رقم الحدیث: 10543، ج:10 ص:224، مطبوعہ: ایضا)

دار قطنی اور ابن عساکر کی حدیث ہے:

خَلَقَ اللّٰهُ النَّاسَ عَلٰى طَبَقَاتٍ ثُمَّ قَالَ وَمِنْهُمْ مَنْ يُّوْلَدُ كَافِرًا وَ يَحْيَا كَافِرًا وَيَمُوْتُ كَافِرًا مِنْهُمْ فِرْعَوْنَ ذُوالْاَوْتَادِ.

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو مختلف طبقات پر پیدا کیا ہے۔ ان میں سے کچھ وہ لوگ ہیں جو کافر پیدا ہوتے ہیں۔ اور کفر کی حالت پر ہی زندگی بسر کرتے ہیں اور کفر کی حالت پر ہی انکی موت آجاتی ہے۔ میخوں والا فرعون ان میں سے ہی تعلق رکھتا ہے۔

(العظمۃ لابی الشیخ الاصبہانی، خلق آدم وحواء الخ، ج:5 ص:1609، مطبوعہ: ایضا)

اور بیہقی کی حدیث ہے:

يُوْلَدُ الْعَبْدُ مُؤْمِنًا وَ يَحْيَا مُؤْمِنًا وَيَمُوْتُ مُؤْمِنًا مِنْهُمْ يَحْيَ بْنَ زَكَرِيَّا وَيُوْلَدُ كَافِرًا

وَيَحْيَا كَافِرًا وَيَمُوْتُ كَافِرًا مِنْهُمْ فِرْعَوْنَ.

بندہ مؤمن ہونے کی حالت پر پیدا ہوتا ہے اورمؤمن ہونے کی حالت پرزندگی بسر کرتا ہے اورمؤمن ہونے کی حالت پر ہی اسکی موت واقع ہوتی ہے ۔ان میں سے ہی حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام ہیں اور بندہ حالت کفر پر پیدا ہوا ہے اورحالت کفر پر ہی زندگی گزارتا ہے اورحالت کفر پر ہی مرتا ہے ۔فرعون ان میں سے ہی ہے۔

(القضاء والقدر للبیہقی ،باب ذکر البیان ان کل الخ ،رقم الحدیث:99،ج:1 ص:154)

تین انسانوں کی دعا قبول نہیں ہوتی

سوال......اس حدیث کوکس نے روایت کیا ہے؟

ثَلاثَةٌ يَدْعُوْنَ اللّٰهَ فَلا يُسْتَجَابُ لَهُمْ.رَجُلٌ أُعْطِيَ مَالَهُ سَفِيْهًا .وَ قَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى "وَ لا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ اَمْوَالَكُمْ."وَرَجُلٌ لَهُ اِمْرَاَةٌ سَيِّئَةُ الْخَلْقِ وَ لَمْ يُطَلِّقْهَا وَرَجُلٌ بَائِعٌ وَلَمْ يُشْهِدْ.

(مصنف ابن شیبہ ،کتاب النکاح ،ومن المراۃ الصلحۃ والسیئۃ الخلق ،رقم الحدیث:17133،ج:3 ص:559)

تین اشخاص اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں توان کی دعا قبول نہیں ہوتی ایک اس شخص کی جو اپنا مال ناسمجھ کو دیتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ (اپنے اموال بے عقلوکو نہ دو۔)اور دوسرے اس شخص کی جس کی بیوی بد اخلاق ہے اوروہ اسے طلاق نہیں دیتا،اورتیسرے اس شخص کی جوخرید وفروخت کا کام کرتا ہے اوراس پر گواہ نہیں بناتا۔

جواب......اس حدیث کوابن عساکر نے روایت کیا ہے۔

تین اشخاص کے قبر سے اٹھنے کی حالت

سوال......اس حدیث کوکس نے روایت کیا ہے؟

يَخْرُجُ الْخَمَّارُ مِنْ قَبْرِهٖ مَكْتُوْبًا بَيْنَ عَيْنَيْهِ آيِسٌ مِنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَ يَقُوْمُ اٰكِلُ الرِّبٰوا مَكْتُوْبًا بَيْنَ عَيْنَيْهِ لا حُجَّةَ لَهُ عِنْدَ اللّٰهِ وَ يَقُوْمُ الْمُحْتَكِرُ مونْ قَبْرِهٖ مَكْتُوْبًا بَيْنَ عَيْنَيْهِ كَافِرٌ تَبَوَّءَ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ.

(الفردوس للدیلمی ،باب الخاء ،رقم الحدیث:8866،ج:5 ص:494،مطبوعہ:ایضا)

شراب فروش اپنی قبر سے اس حالت میں نکلے گا کہ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان لکھا ہوا

ہوگا یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید ہے اور سود خور اپنی قبر سے اس حالت میں اٹھے گا اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان لکھا ہوا ہوگا اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی حجت نہیں۔ اور ذخیرہ اندوز اپنی قبر سے اس حالت میں اٹھے گا کہ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان لکھا ہوا ہوگا کہ یہ کافر ہے جس نے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالیا ہے۔

جواب......اس حدیث کو دیلمی نے روایت کیا ہے۔

سوال......اس حدیث کو روایت کس نے کیا ہے اور اس کا ضبط کیا ہے؟

خَيْرُكُمْ بَعْدَالْمِائَتَيْنِ اَلْخَفِيْفُ الْحَاذُ.

دوصدیقوں بعد تم میں ہلکی پشت والا شخص بہتر ہوگا۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الاداب والرقائق، القول الجلی الخ، ج:1 ص:438)

جواب......ابو یعلی موصلی نے اپنی مسند میں اس کو ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے:

خَيْرُكُمْ فِي الْمِائَتَيْنِ كُلُّ خَفِيْفِ الْحَاذِ.

دوصدیوں میں تم میں سے ہر ہلکی پشت والا بہتر ہوگا۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الاداب والرقائق، القول الجلی الخ، ج:1 ص:438 بالفاظ مختلف)

صحابہ کرام نے یہ سن کر عرض کیا یارسول اللہ مَنْ خَفِيْفُ الْحَاذِ؟ (ہلکی پشت والا کون ہے؟) آپ نے فرمایا: مَنْ لاَ مَالَ لَهٗ وَ لاَ اَصْلَ لَهٗ. (خفیف الحاذ وہ شخص ہے جس کے ہاں نہ مال ہے اور نہ اہل۔)

(الحاوی الفتاوی، کتاب الاداب والرقائق، القول الجلی الخ، ج:1 ص:438)

اس حدیث کی اسناد میں ایک راوی ابن الجراح رحمہ اللہ ہیں آئمہ کا ان کے بارے میں بہت اختلاف ہے اسی لئے ذھبی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے یہ روایت وہ ہے جس میں ابن الجراح نے غلطی کی ہے کیونکہ ابوحاتم نے ان کے بارے میں فرمایا ہے وہ منکر احادیث کو روایت کیا کرتے تھے۔ ان کی حدیث ثقات کی حدیث کی مثل نہیں ہوسکتی ہے۔

اور اس حدیث کا ضبط یہ ہے کہ الحاذ کا لفظ حاء مہملہ اور ذال معجمہ خفیفہ کے ساتھ اور جن لوگوں نے اس کا خفیف الحال یعنی دال کے بجائے لام کے ساتھ ضبط بیان کیا ہے یا حرف جیم اور دال مہملہ کے ساتھ ضبط بیان کیا ہے وہ لحن اور خطاء لفظی ہے۔ اور یہاں پر اس سے مراد پشت ہے اور اس کا اطلاق قلتِ مال وعیال پر ضرب المثل کے طور پر ہوتا ہے۔ اور اصل حقیقت میں گھوڑے کی پشت کے اس حصہ کو حاذ کہا جاتا ہے جس پر نمدہ ڈالا جاتا ہے۔

یہ حدیث فتنہ کے زمانے میں ترک تزوج پر محمول ہے یعنی فتنہ کے زمانے میں شادی نہ کی جائے تاکہ اولاد پیدا نہ ہو یا یہ حدیث اس شخص پر محمول ہے جس میں استحبابِ نکاح کی بعض شرائط مفقود ہیں۔ یا یہ حدیث اس شخص پر محمول ہے

جس کو نکاح کرنے کی صورت میں طلب معاش کی وجہ سے کسی ایسی مشکل میں پڑنے کا اندیشہ ہو جو اس کی جان یا دین کے لئے خطرے اور نقصان کا باعث بن سکتی ہے۔ یہ حدیث منسوخ نہیں۔ برخلاف ان لوگوں کے کہ جنہوں نے اس کے منسوخ ہونے کا وہم کیا ہے۔ اس کے منسوخ نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ خبر ہے اور خبر نسخ کو قبول نہیں کرتی۔

چالیس سال کی عمر تک جس کی اچھائی برائی پر غالب نہ آئے وہ جہنم میں جانے کی تیاری کرے

سوال......اس حدیث کو کس نے روایت کیا ہے؟

مَنْ بَلَغَ الْاَرْبَعِيْنَ وَ لَمْ يَغْلِبْ خَيْرُهٗ عَلٰى شَرِّهٖ فَلْيَتَجَهَّزْ اِلَى النَّارِ.

جس کی عمر کے چالیس سال بیت گئے اور اس کی بھلائی اس کی برائی پر غالب نہیں آئی ہے تو وہ جہنم کی تیاری کرے۔

(شرح مشکل الآثار، باب بیان مشکل من ذہب الخ، رقم الحدیث: 1962، ج:5 ص:214، بالفاظ مختلف)

جواب......حدیث کے الفاظ یہ ہیں: مَنْ اَتَتْ عَلَيْهِ اَرْبَعُوْنَ سَنَةً وَ لَمْ يَغْلِبْ خَيْرُهٗ عَلٰى شَرِّهٖ فَلْيَتَجَهَّزْ اِلَى النَّارِ. (جس پر چالیس سال بیت گئے اور اس کی بھلائی اس کی برائی پر غالب نہیں آئی ہے تو وہ جہنم کی تیاری کرے۔)

(الفردوس للدیلمی، باب المیم، رقم الحدیث: 5543، ج:3 ص:498، مطبوعہ: ایضا)

اس حدیث کو الازدی نے ضحاک سے اور انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے اور خطیب نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰى صُوْرَتِهٖ کا مطلب

سوال......اس حدیث کا مطلب کیا ہے؟ اور یہ صحیح حدیث ہے یا کہ نہیں؟

اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰى صُوْرَتِهٖ.

(فتاوی السبکی، کتاب الجہاد، عقد الذمۃ، ج:2 ص:362)

جواب......یہ صحیح حدیث ہے۔ اس حدیث کے وارد ہونے کا سبب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ اپنے غلام کے چہرے پر تھپڑ رسید کر رہا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا اسکا مطلب یہ ہے کہ تم اس کے چہرے پر طمانچے نہ مارو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے چہرہ اقدس کو اس چہرے کی صورت پر پیدا فرمایا ہے اور حضرت آدم علیہ السلام تمہارے باپ ہیں پس تم ایسے چہرے پر طمانچے کیسے مار رہے ہو جو تمہارے باپ کے چہرہ اقدس کے مشابہ ہے صورتہ کی ضمیر غیر مذکور کی طرف راجع ہے جس پر

قرینہ حال دلالت کررہا ہے اور یہ جائز ہے اور ضمیر کا اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہونا بھی صحیح ہے جیسا کہ ظاہر سیاق ہے۔اس وقت صورت سے مراد صفت ہونا متعین ہو جائے گا یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو علم، قدرت وغیرہ اپنے اوصاف پر پیدا کیا ہے اور اس کی تائید حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی یہ صحیح بھی کررہی ہے کہ: کَانَ ﷺ خُلُقُهُ الْقُرْاٰن. (حضور ﷺ کا اخلاق قرآن تھا۔)

(حلیۃ الاولیاء، ذکر الطائف من جماہیر الخ، ذوالنون مصری الخ، ج:9 ص:249، مطبوعہ: ایضا)

اور یہ حدیث بھی اس کی مؤید ہے: تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ (یعنی اللہ تعالیٰ کے اخلاق اپناؤ۔)

(شعب الایمان للبیہقی، کتاب حب النبی، فصل فی خلق رسول اللہ الخ، رقم الحدیث: 1360، ج:3 ص:22، مطبوعہ: ایضا)

بندہ کامل سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ اپنے اخلاق و اوصاف کو ہر نقص وعیب سے پاک رکھے تاکہ وہ اپنے رب کے اخلاق یعنی صفات کو کس قدر اپنے لئے نمونہ بنا سکے۔ورنہ قدیم اور حادث کے اوصاف کے درمیان بہت بُعد اور دوری ہے۔

اس حدیث کی مذکورہ تشریح سے معلوم ہوا کہ حدیث میں حضرت آدم علیہ السلام کی انتہاء درجہ کی مدح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں مذکورہ معنی کے لحاظ سے اپنی صفات کی مانند صفات پیدا فرمائی ہیں۔اور اس حدیث پاک میں صورت سے روح کا مرادی معنی لیا جانا بھی صحیح ہے۔اور اضافت سے حضرت آدم علیہ السلام کی انتہاء درجہ کی تکریم و تعظیم مقصود ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر اس حدیث میں ضمیر کو اللہ تعالیٰ کی طرف راجع کیا جائے تو اس کی تاویل واجب ہے جیسا کہ خلف کا معروف مذہب ہے اور یہ سب سے زیادہ علم و حکمت والا مذہب ہے برخلاف اس فرقہ کے جو حق سے گمراہ ہوا اور بہت بڑے گناہوں کا مرتکب ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لئے جہت و جسم کا قائل ہوا ہے، حالانکہ بہت سارے علماء کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے لئے ان کا اثبات کفر ہے۔اللہ تعالیٰ اپنے احسان و کرم سے ہمیں اپنی پناہ میں رکھے۔آمین

کیا ابن صیاد دجال تھا؟

سوال ......کیا ابن صیاد دجال تھا یا دجال اس کے علاوہ کوئی اور ہے؟

جواب......ابن صیاد کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان اختلاف تھا۔ان میں سے بہت سارے ابن صیاد ہی کے دجال ہونے کے قائل تھے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس پر حلف اٹھایا کرتے تھے۔اور دیگر صحابہ کرام اس کے دجال نہ ہونے کے قائل تھے۔اور یہی زیادہ مشہور قول ہے۔

(صحیح مسلم، کتاب الفتن واشراط الخ، باب ذکر ابن صیاد، رقم الحدیث: 2980، ج:4 ص:2244، مطبوعہ: ایضا)

اوراس پر مسلم شریف کی وہ طویل حدیث صراحتًا دلالت کررہی ہے جس میں دجال کے کچھ ایسے اوصاف بیان کئے گئے ہیں جو ابن صیاد پر منطبق نہیں ہوتے۔ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ بحرین کے جزائر میں سے کسی جزیرہ میں پابند سلاسل ہے۔حالانکہ ابن صیاد اس وقت مدینہ منورہ میں موجود تھا۔نیز وارد ہے کہ ابن صیاد نے رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد اسلام قبول کیا اور اس نے شادی کی اور اس کے ہاں اولاد ہوئی اور یہ بھی وارد ہے کہ وہ گم گیا تھا اور کہاں چلا گیا کچھ معلوم نہیں۔یہ اس کے دجال ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب

باب تصوف

سوال......مسلمان فقراء کی ایک جماعت بوقت ظہر مسجد میں آئی اور انہوں نے ظہر کی نماز فرض باجماعت ادا کی اور ظہر کی سنتیں بھی پڑھیں اور اس کے بعد انہوں نے حلقہ بنایا اور قرآن کریم کی تلاوت اور درس کا شرف حاصل کیا۔تلاوت اور درس قرآن کے اختتام پر قرآن پاک کے پارے اپنے سامنے رحیل پر رکھے اور قرآن کریم کے پاروں اور اجزاء عظیمہ سے شفاعت طلب کرتے ہوئے رحیل کو ڈھانپنے کی بجائے کھلا رکھا اور اپنے ساتھیوں میں سے ایک کو دعا مانگنے کا کہا اور باقی سب اس کی دعا پر آمین کہتے رہے اور جب اس نے دعا کا اختتام کیا تو سب مل کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے لگے اور ان لوگوں کا ہمیشہ یہی طریقہ ہے اور انکی اس مجلس میں نہ اغیار میں سے کوئی شامل ہوتا اور نہ ہی اس میں شور وغل ہوتا ہے سب کا مقصد رضائے الٰہی ہوتا ہے۔اور ان کے ظاہری حواس میں سکون ہوتا ہے۔اور ہمیشہ انعقاد مجلس کا وقت بے غبار اور ہر طرح کی مداخلت سے صاف وپاک ہوتا ہے اور حاضرین میں بھی اخلاص پایا جاتا ہے۔

ان کی اس مجلس میں رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد پاک کا راز واضح اور ظاہر ہوتا ہے:

مَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِي بَيْتٍ مِنْ بُيُوْتِ اللّٰهِ يَتْلُوْنَ كِتَابَ اللّٰهِ وَ يَتَدَارَسُوْنَهُ بَيْنَهُمْ وَيَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ وَ غَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَحَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيْمَنْ عِنْدَهُ.

جب کوئی گروہ اللہ کی مساجد میں سے کسی مسجد میں جمع ہو کر اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتا ہے اور ایک دوسرے کو اس کی تعلیم دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں تو ان پر اطمینان نازل ہوتا ہے اور رحمت ان کو ڈھانپ لیتی اور فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے ہاں موجود فرشتوں میں ان کا تذکرہ فرماتا ہے۔

(سنن ابن ماجہ،ابواب السنۃ،باب فضل العلماء الخ،رقم الحدیث:225،ج:1،ص:152)

پس مذکورہ مجلس میں ان لوگوں کے باطن پاک وصاف ہوجاتے ہیں اور دوام ذکر کی وجہ سے اجزاء خبیثہ جل کرنا
ہوجاتے ہیں ۔مکان اور وقت کی پاکیزگی کے ساتھ پاکیزہ اجزاء باقی رہتے ہیں ۔پس اس حالت میں ان میں بعض
لوگ خشوع وخضوع کرتے اور روتے ہوئے بے ہوش ہوکر گر پڑتے ہیں:

قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ. (سورۃ الاعراف، آیت:160)

ترجمہ: ہر گروہ نے اپنا گھاٹ پہچان لیا ہے۔

اور ان میں سے بعض وہ فقراء جو خوش الحانی کے ساتھ ممتاز ہیں وہ جب خوش الحانی کے ساتھ ذکر کرتے ہیں
تو سائل پر بعض اوقات ان کے احوال کے مشابہ حال طاری ہوجاتا ہے باوجودیکہ سائل کے دیگر تمام احوال میں کوتاہی
اور تقصیر پائی جاتی ہے۔اور سائل کو اس بات کا بخوبی علم ہے سائل پر طاری ہونے والے اس حال کی وجہ اُن فرشتوں کی
جو اس مجلس میں حاضر ہوتے ہیں ۔اور اس روحانی مخلوق کی برکت ہے جو اُن انسانوں کی مجلس میں آتی ہے ۔جن پر
اطمینان اور رحمت الٰہی کا نزول ہوتا ہے ۔پس ایسی صورت میں جب سائل پر حال طاری ہوتا ہے تو سائل کو مغلوب
کردیتا ہے اور سائل کے باطن میں اضطراب پیدا ہوتا ہے اور دل دھڑکنے لگتا ہے جس کے سبب ظاہری اعضاء ایسی
مختلف کیفیات کے ساتھ حرکت کرنے لگتے ہیں ۔سائل اپنے اختیار وارادہ سے نہ ایسی کیفیات کرتا ہے اور نہ ان پر
راضی ہوتا ہے بلکہ ان کے کرنے پر طاقت وقدرت بھی نہیں رکھتا پس اس طرح کے انسان کو جب ہوش آجائے اس
کے لئے اس مجلس ومکان سے باہر نکلنا بہتر ہے/ یا اس میں بیٹھا رہنا بہتر ہے؟ یا اس کے مجلس سے نکلنے کی وجہ سے مجلس
میں خلل پڑتا ہے تو اس کا مجلس میں رہنا بہتر ہے اور مجلس میں خلل نہیں پڑتا تو نکلنا بہتر ہے ۔اگر آپ کا جواب یہ ہے
کہ اس کا مجلس میں بیٹھا رہنا بہتر ہے اور اس لذت وسرور سے لطف اندوز ہوتا رہے جس کے مقابلے میں دنیا وآخرت
کی نعمتیں حقیر محسوس ہوتی ہیں اور اس شخص کو اس حال کی موجودگی میں اپنی ذات اپنے جسم اور اپنے لباس میں سے کسی
چیز کا شعور واحساس نہیں رہتا بس صرف اتنی بات کا احساس ہوتا ہے کہ وہ ذکر الٰہی کو سن رہا ہے جس کے سبب اس
کو لذت وسرور اور لطف حاصل ہورہا ہے ۔اور کبھی ذکر اور قول کا شعور ہوتا ہے اور کبھی ذکر اور قول کا بھی شعور نہیں ہوتا
اور کبھی تمام چیزوں کا شعور واحساس نہیں رہتا ۔آپ کے نزدیک اس کی اس حالت کو بے ہوشی پر قیاس کرتے ہوئے
وضوتوڑنے کے اسباب میں شمار کیا جائے گا یا کہ اس کو اونگھ پر قیاس کرتے ہوئے وضوتوڑنے کے اسباب میں شمار نہیں
کیا جائے گا؟ یا آپ کے خیال میں اگر کلی طور پر اس کا شعور باقی نہیں رہا ہے تو اس کا وضوٹوٹ چکا ہے اور اگر کسی قدر
شعور باقی ہے تو اونگھنے والے کی طرح اس کا وضو قائم ہے کیونکہ اصل طہارت ہے یا جو بھی حکم ہے جواب میں اس کی
وضاحت فرمادیں؟

جواب......جس کو اپنی ذات پر ریاکاری کا خوف نہیں کیونکہ جب اس کی ذات اچھے اوصاف سے متصف ہوچکی ہے

اور نفس کی آلائشوں سے پاک وصاف ہو چکی ہے اور نفس کی خواہشات ومالوفات سے خالی ہو چکی ہے اور وارداتِ حق اس پر ظاہر ہو چکے ہیں۔اور اوصاف صدق سے مزین ہو چکی ہیں۔اس کے سبب اس کے آسمانِ سرّ دراز سے آلودگیوں کے بادل چھٹ چکے ہیں۔اس کی بصیرت کی آنکھ سے اغیار کے پردے پھٹ چکے ہیں۔اور اس کی تمام تر توجہ اللہ تعالیٰ کے لئے خالص ہو چکی ہے اور اس کو اللہ کے حضور واضح وغالب ادب کے ساتھ حاضری نصیب ہو چکی ہے۔اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کسی بھی چیز کی جانب اس کی نگاہ نہیں اٹھتی اور اس کے دل ودماغ میں ہمیشہ اللہ تعالیٰ ہی کا دھیان رہتا ہے۔کیونکہ وہ ذات اس مقام احسان کی غایت وانتہاء تک پہنچ چکی ہے جو عیان کو برھان کے ساتھ ملانے کا موجب ہے۔لہٰذا ایسے شخص کے لئے اس بلند بارگاہ سے اور پاکیزہ عطیات اختصاصیہ سے باہر نہیں نکلنا چاہئے بلکہ وہ ہمیشہ ان انوار سے روشنی اور جلاء حاصل کرتا رہے اور ہمیشہ ان اسرار کے انکشاف کی طلب ہی رہے حتیٰ کہ اس کا باطن پُر ہو جائے اور وہ لذیذ خطابات سننے لگے۔اور وہ حق کے ان چشموں میں سے ایک چشمہ بن جائے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی ہدایت اور رُشد کی راہوں کو واضح کرنے کے لئے جاری وظاہر فرمائے ہیں اور وہ شخص جو اس اعلیٰ درجہ اور مقامِ بالا اور عروج وبلندی کے حقائق اور خلافت کے بلند مراتب اور مرتبۂ شہود اور احسان کی فراخیوں اور کشادگیوں میں ناز کے ساتھ ٹہلنے تک رسائی کا اہل بن جائے اس کے لئے یہ کیسے زیب دیتا ہے کہ وہ اُن کمالات کی بلندیوں اور ان منازل کے عطیات سے نکل کر زائل وفانی ہونے والی چیزوں کی پستی میں اتر آئے اور پست اغراض ومقاصد پر جا کر ٹھہر جائے۔بلکہ اس پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو جس بلند درجہ عبادت میں اپنی محبت وارادت والوں کے درمیان ٹھہرایا ہے۔اس میں اللہ تعالیٰ اس پر اپنی معرفت وحکمت کے چشموں کے جو دروازے کھولتا ہے ان سے اللہ تعالیٰ کی بارانِ رحمت طلب کرتے ہوئے ٹھہرا رہا ہے۔اور حق کی ان خوشبوؤں کے لئے اپنے اندر اہلیت پیدا کرتا رہے۔جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم ان کو دن ورات اور خفیہ اور اعلانیہ ہر حال میں طلب کرتے رہیں اور اس شخص کو چاہتے کہ وہ عیب جوئی وچغل خوری کرنے والے کوتاہ ہمت اور گمراہ اور محروم محجوب لوگوں کی باتوں سے اعراض کرتے ہوئے اس مجلس میں ٹھہرا رہے خواہ اس کے چلے جانے سے مجلس میں خلل واقع ہو یا نہ ہو۔کیونکہ یہ بات واضح اور ظاہر ہو چکی ہے اس کا وہاں ٹھہرنا زیادہ مناسب اور زیادہ اچھا اور بہتر ہے اور اس کو چاہئے کہ وہ مخلوق کی طرف نظر کرنے سے مکمل پرہیز کرے۔کیونکہ جس نے مخلوق کی طرف اپنی بصر کی یا بصیرت کی آنکھ سے نگاہ کی ہے اس کا فعل برا ہو گیا اور وہ بارگاہِ حق سے دوری کا مستحق ہو گیا اور اس کے حجابات کثیف ہو گئے اور اس کے لئے عذاب دائمی بن گیا ہے۔اور وہ اپنے اعمال سے سوائے باطل کی ملمع کاری کے کچھ حاصل نہ کر سکا۔پس ایسی حالت میں اس پر نفس وشیطان کا غلبہ ہو جاتا ہے اور وہ اس کے

احوال کو اس پر غلط ملط کرتے ہیں اور اس کے سامنے اس کے کمال کو مزین وخوبصورت بنا کر پیش کرتے ہیں تو اس کے قدم پھسل جاتے ہیں اور ندامت اسکا مقدر بن جاتی ہے۔

مذکورہ تمہید کے بعد ہم کہتے ہیں کہ جب سالک صدق وتقویٰ کے زیور سے آراستہ ہو جاتا ہے اور واردات قلبی اس میں مستحکم ہو جاتے ہیں تو وہ اس کو صحو سے نکال کر سکر کی طرف لے جاتے ہیں وہ کبھی اچانک پیش آنے والے ان غالب انوار کے بوجھ کو قبول میں کمزوری وضعف محسوس کرتا ہے جو انوار عقل کے مستور ہونے کا موجب ہوتے ہیں۔تو عقل مکمل طور پر مستور ہو جاتی ہے اور وہ سوئے ہوئے انسان کی مانند ہوتا ہے بلکہ اس کا استغراق اس سے بھی زیادہ ہوتا ہے ایسی حالت میں اس کے وضو کے ٹوٹنے میں کوئی شک نہیں۔اگر چہ یہ اس شخص کی طرح نہیں ہوتا جس کا شعور سرے سے ہی زائل ہوتا ہے لیکن ہم اس کی اس حالت کو بے ہوشی کی مانند قرار نہیں دیتے کیونکہ بے ہوشی ایک بیماری ہے جو عقل پر غالب آ جاتی ہے اور اس کو غفلت میں مبتلا کر دیتی ہے اور اس کے ادراک کو معطل کر دیتی ہے اور اس کو تباہ کر دیتی ہے۔اسی لئے عام طور پر اس کو علاج کی ضرورت پڑتی ہے۔اور جو اس کا شکار ہوتا ہے اس کو کوئی کام درست نہیں ہوا۔اور جس چیز کا ہم تذکرہ کر رہے ہیں اس میں عقل مکمل طور پر قائم رہتی ہے۔البتہ اس پر وقتی طور پر ایسی چیز عارض ہوتی ہے جو اس کو مغلوب کر دیتی ہے اور انوار شہود میں استغراق اور اپنے وجود سے ذھول کی وجہ سے اسکو حد اعتدال سے نکالتی ہے اور ایسا شخص کبھی تو اُن انوار کے بوجھ کو قبول کرنے میں ضعف محسوس نہیں کرتا کیونکہ وہ ان واردات سے مانوس ہو چکا ہوتا ہے اور ان راہوں کے گہرے پانیوں میں غوطے لگا چکا ہوتا ہے۔پس ایسی حالت میں اس کی عقل کا ادراک باقی ہوتا ہے۔اس حال میں زیادہ سے زیادہ اس کو ایک طرح کا ذھول لاحق ہوتا ہے اور وہ اونگھنے والے کی مانند ہوتا ہے کیونکہ وہ آوازوں کو سن رہا ہوتا ہے اور ہر وہ شخص جس کی ایسی حالت ہو اس کا وضو باقی رہتا ہے۔اگر چہ وہ جو سنتا ہے اس کو سمجھتا نہیں اور جو کر رہا ہے اس کا اسے شعور نہیں ہوتا ہے۔یہ سب کچھ اس صورت میں ہے کہ جب اس کو جو کچھ اس پر وارد ہو رہا ہے اس کا اس کو یقین ہو اور اس کے وصف اور اسکے ساتھ حاصل ہونے والے چیزوں کی معرفت رکھتا ہو۔لیکن اگر اسکو ایسی حالت لاحق ہوتی ہے جس کے وصف کی وہ معرفت نہیں رکھتا تو پھر اس کے بارے میں شک ہوگا کہ اس پر وارد ہونے والا حال اس پر غالب ہے یا کہ نہیں۔اگر غالب ہے تو پھر وہ سوئے ہوئے انسان کی مانند ہوگا اور غالب نہیں تو اونگھ والے کی طرح ہوگا لیکن اسکا وضو باقی رہے گا کیونکہ اصل اس کی طہارت کا بقاء اور اس کی فہم وتمیز کا دوام ہے۔خاص کر ارباب احوال قدس اللہ ارواحہم پر احوال کی موجودگی میں شعور کا باقی رہنا اور کمال کی راہ سے عدم انحراف غالب ہے۔

حضرت محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ نے ایک وضو کے ساتھ تین ماہ گزارے

حضرت محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ نے ایک وضو کے ساتھ تین ماہ گزارے۔اور آپ نے اپنی کتاب فتوحات مکیہ

تصنیف کرنے کے بعد اس کے اوراق کو ایک سال تک کعبہ معظمہ کی چھت پر رکھ دیا جنہیں کوئی نقصان نہیں ہوا۔

سوال...... شیخ محی الدین بن عربی رحمہ اللہ کی کتب کے مطالعہ بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب...... ہمارے وہ اکابر مشائخ جو ایسے علماء وحکماء ہیں جن کے وسیلے سے باران رحمت طلب کی جاتی ہے اور جن پر اعتماد بھروسہ کیا جاتا ہے اور تحریر احکام اور احوال ومعارف اور مقامات واشارات کے بیان میں جن کی طرف رجوع کیا جاتا ہے ان سے جو چیز ہم نے نقل کی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء عارفین اور علماء عاملین میں سے ہیں اور ان اکابر کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ابن عربی رحمہ اللہ اپنے ہم عصر لوگوں میں سب سے زیادہ علم والے تھے۔ کہ آپ ہر فن میں متبوع تھے تابع نہ تھے یعنی اہل علم ہر فن میں آپ سے استفادہ کرتے تھے آپ کسی کے خوشہ چین نہ تھے اور آپ تحقیق، کشف اور مقام فرق وجمع میں کلام کرنے میں ایسا سمندر تھے کہ جس کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا ہے اور ایسے امام وپیشوا تھے جن کو مغالطہ اور شک میں نہیں ڈالا جا سکتا ہے آپ اپنے ہمعصر لوگوں میں سب سے زیادہ متقی اور پرہیزگار اور سب سے زیادہ سنت کی پابندی کرنے والے اور سب سے زیادہ مجاہدہ وریاضت کرنے والے تھے حتیٰ کہ آپ نے تین مہینے ایک ایک وضو کے ساتھ گزارے اسی پر آپ کے مجاہدات سابقہ اور لاحقہ کو قیاس کر لیں اس سے بھی بہت زیادہ عظیم واقعات آپ کے حق میں واقع ہوتے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپ نے جب اپنی کتاب فتوحات مکیہ تصنیف فرمائی تو آپ نے اس کے اوراق کو بغیر کسی حفاظت کے کعبہ معظمہ کی چھت پر رکھ دیا۔ اور وہ اوراق ایک سال تک وہاں رہے جن پر نہ بارش پڑی اور نہ ہی کسی ورق کو ہوا لے اڑی حالانکہ مکہ مکرمہ میں کثرت کے ساتھ بارشیں ہوئیں اور ہوائیں چلتی رہیں تھیں۔ پس اللہ تعالیٰ کا آپ کی اس کتاب کو ان دونوں ضدوں سے محفوظ رکھنا اس چیز کی دلیل وعلامت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس کتاب کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما لیا ہے۔ اور اس پر آپ کو جزاء وثواب عطا فرمایا ہے۔ آپ کی اس تصنیف کو پسند فرما لیا ہے۔ لہٰذا آپ کی مخالفت نہیں کرنی چاہیے۔ کیونکہ زہر قاتل ہے جیسا کہ ہم اس کا ان لوگوں میں مشاہدہ اور تجربہ کر چکے ہیں۔ ہلاکت وسوئے انجام جن کا مقدر تھا جس نے ان کو اس امام عارف کی مخالفت کا مرتکب بنایا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی عداوت ونفرت کی جڑ کاٹ ڈالی اور ان کی بیخ کنی فرما دی۔ پس اب تمہیں ان کے مکانات اور آرامگاہوں کے سوا کچھ نظر نہیں آئے گا۔ اللہ تعالیٰ کی ہم ان لوگوں کے احوال سے پناہ مانگتے ہیں اور ان کے اقوال سے سلامت رکھنے کی التجا کرتے ہیں۔

عام انسان کے لئے ابن العربی رحمہ اللہ کی تصانیف کے مطالعہ سے احتراز کرنا چاہیے

ابن عربی رحمہ اللہ کی کتابوں کے مطالعہ سے عام انسان کو ہر ممکن صورت میں اعراض کرنا چاہیے کیونکہ ان

کتابوں کا سمجھنا سوائے کتاب وسنت کے ماہر عارفین اور معارف کے حقائق اور حقائق کے عوارف پر آگاہ لوگوں کے
مشکل اور دشوار ہے اور جس کی اس مرتبہ تک رسائی نہیں اس کے بارے میں یہ خطرہ ہے کہ کہیں اس کے قدم پھسل نہ
جائیں اور وہ کہیں حیرت وندامت کا کار نہ ہوجائے جیسا کہ ہم اس کا ان جاہل لوگوں میں مشاہدہ کر چکے ہیں جوان
کے مطالعہ میں مدہوش رہے اورانہوں نے اسلام اور تکلیفات شرعیہ کا پٹہ اپنی گردنوں سے اتار پھینکا اور حال نے ان
کو شرک اکبر کے ارتکاب تک پہنچایا اورانہوں نے دنیا وآخرت کا خسارہ اٹھایا اور یہی خسران مبین ہے۔نیز ان کتابوں
میں متعدد ایسے مقامات بھی ہیں ان کے واضع کی خاص مقرر کردہ اصطلاح پر اعتماد کرتے ہوئے اُن کی تعبیر ایسی چیز
کے ساتھ کی گئی ہے کہ اس کے اور ان مقامات کی عبارات کے ظواہر کے درمیان مطابقت نہیں پائی جاتی جس کے سبب
مطالعہ کرنے والا ظاہر مفہوم مراد لیتا ہے حالانکہ ان کا ظاہر مفہوم مراد نہیں اور وہ کھلی گمراہی میں مبتلا ہوجاتا ہے۔اوراس
کے علاوہ ان کتابوں میں اُن امور کشفیہ کا تذکرہ بھی ہے۔جو حالتِ انقطاع میں واقع ہوئے ہیں۔اور یہ چیزیں محتاج
تاویل ہیں اور تاویل علوم ظاہرہ بلکہ علوم باطنہ کے رسوخ پر موقوف ہے۔جو شخص اس اہلیت کی بجائے خلاف مراد سمجھتا
ہے۔جس کے سبب وہ خود بھی گمراہ ہوجاتا ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کردیتا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ کلی طور پر ان
کے مطالعہ سے اجتناب برتنا بہتر ہے۔

عارف ان کتابوں کے مطالعہ کا محتاج صرف اس لئے ہے تاکہ وہ اپنے اور غیر کے احوال کو ان کتابوں میں جو کچھ
بیان ہے اس کے ساتھ مطابقت کرسکے بشرطیکہ ان کی نفع بخش چیزیں اس کے لئے ضرر رساں نہ ہوں تو اس کے لئے
ان کتابوں کا مطالعہ جائز ہے۔لیکن اس کے باوجود عارف کے مطالعہ کے لئے ان کے علاوہ ایسی کتابیں موجود ہیں
جو خالص تربیت اور اخلاق واحوال حسنہ وغیرہ اُن تمام اوصاف کی ترغیب پر مشتمل ہیں جو سلوک کے مناسب ہیں لہٰذا
اس طرح کی کتابوں کے مطالعہ میں کوئی حرج نہیں۔مثلاً حضرت امام غزالی اور حضرت ابوطالب مکی رحمہما اللہ کی کتب
یا ان کی مثل دیگر وہ کتابیں جو دنیا وآخرت دونوں میں نفع بخش ہیں ان کا مطالعہ کرنا چاہیے اللہ تعالیٰ ان کے مصنفین
کو افضل واکمل جزاء عطا فرمائے آمین۔

ابن عربی وابن الفارض کی کتابوں کے مطالعہ کا حکم

سوال ......ابن عربی اور ابن الفارض کی کتابوں کے مطالعہ کا کیا حکم ہے؟

جواب......ان شخصیات کی کتب کا مطالعہ جائز بلکہ مستحب ہے کیونکہ یہ کتب بہت سارے ایسے فوائد پر مشتمل ہیں جو ان
کے علاوہ دوسری کتب میں نہیں ملتے اور بہت ساری ایسی منفعتوں پر محیط ہیں جن کی موسلادھار بارش منقطع
نہیں ہوتی۔اور یہ کتابیں اُن اسرار الٰہیہ کے عجائب میں سے کئی عجائب پر مشتمل ہیں جن اسرار الٰہیہ کے خیر

کی مدد غیر متناہی ہے۔اور یہ کتابیں بہت سارے ایسے مقامات کو بیان کرتی ہیں جن کے بیان میں ان کے سوا دوسری کتب عاجز ہیں۔اور یہ کتابیں جامع و مکمل عبارت کے ساتھ حال کا اظہار کرتی ہیں ان کے دیگر کتب ایسا کرنے سے قاصر ہیں اور یہ کتابیں ایسے امور کی نشاندہی کرتی ہیں جن کو سوائے عارفین کے کوئی نہیں سمجھ سکتا اور ان کی حفاظتی فصیل کے گرد سوائے ان علماء ربانیین کے کوئی نہیں گھوم سکتا جو شریعت کے باطن اور اس کے احکام ظاہریہ کے مکمل طور پر جامع ہیں اسی لئے یہ حضرات ان کتابوں کے مؤلفین کے فضل و شرف کے معترف ہیں اور ان میں جن اخلاق و احوال اور معارف و مقامات اور کمالات کا تذکرہ ہے ان پر اعتماد کرتے آئے ہیں۔ایسا کیوں نہ کرتے کہ یہ دونوں امام سلوک و معارف کے آئمہ میں سے ہیں اور ان کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ان پسندیدہ لوگوں میں سے ہے جن کو اس نے لطائف کی غایات اور عوارف کے لطائف سے نوازا ہے۔اور ان کے دلوں کو ماسوی اللہ کی محبت سے دور رکھا ہے۔اور ان کو اپنے ذکر اور اپنے شہود سے معمور و آباد فرمایا ہے اور انہیں اپنی کامل رضا سے نوازا اور انہیں اپنی عبادت کے لئے خالص فرمایا ہے۔پس یہ حضرات بشری طاقت کے مطابق اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی میں مصروف رہے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا قرب نصیب فرمایا اور اُن پر واحدانیت فردانیہ کے حقائق کی معرفت کے دروازے کھول دیئے۔

یا اللہ! ان دونوں اماموں کی قبور پر اپنی رحمت و رضا کی موسلادھار بارش نازل فرما اور انہیں جنت الفردوس میں اپنا قرب نصیب فرما بے شک تو حنان و منان ہے۔

اس تمہید کے بعد ہم کہتے ہیں کہ بے شک کچھ عام جاہل گمراہ لوگوں نے ان کتابوں کا مطالعہ اختیار کیا اور وہ ان کے مطالعہ میں مگن و مدہوش رہے حالانکہ ان کے معانی نہایت دقیق اور ان کے اشارات حد درجہ باریک اور ان کے مبانی بے انتہاء درجہ مشکل و پیچیدہ ہیں۔کیونکہ ان کی بناء صوفیاء کرام رحمہم اللہ کے اس گروہ کی اصطلاح پر قائم ہیں جو عیوب و ملامت سے محفوظ ہیں۔ان کتب کا مکمل فہم علوم ظاہرہ کے اتقان و رسوخ اور احوال و اخلاق باہرہ کے زیور سے مزین ہونے پر موقوف ہے۔اسی لئے یہ جاہل لوگ ان کو سمجھنے سے قاصر رہے اور ان کے قدم پھسل گئے اور خلاف مراد سمجھے اور اسی کے صحیح و صواب ہونے کا یقین کر لیا اور آخرت کا خسارہ اٹھایا اور عقائد میں الحاد کا شکار ہو گئے اور ان کے قاصر فہموں اور ناسمجھیوں نے ان کو حلول و اتحاد کے گڑھے میں گرا دیا۔حتیٰ کہ ان کتابوں کے اسالیب اور ان کے خطرناک مآل و انجام سے ناواقفیت کے باوجود ان کے مطالعہ میں مگن رہنے والے بعض لوگوں سے میں نے ان مفاسد قبیحہ اور مکفرات صریحہ کا کچھ حصہ اپنے کانوں سے سنا ہے۔یہی وجہ ہے کہ بہت سارے آئمہ نے ان کتابوں کو وہ درجہ و مقام نہیں دیا جو ان کا تھا اور ان کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا ہے لیکن وہ اس میں ایک طرح سے معذور ہیں کیونکہ ان کا مقصد ان جاہل لوگوں کو ان ہلاک کرنے والے زہروں سے بچانا تھا۔ان کے مؤلفین پر ان کی ذات

وحال کے اعتبار سے تنقید اور انکار کرنا ہرگز مقصود نہ تھا۔اور بعض منکرین و ناقدین ان کتابوں کی ظاہر عبارت سے دھوکہ میں مبتلا ہوکر انکار کرتے ہیں ۔اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ ان صوفیاء کرام کے ہاں مقررہ وصطلاحات اور ان کی ان تحقیقات سے بے خبر ہیں جو تحقیقات ان کے ہاں قواعد شرعیہ کے مطابق ثابت شدہ ہیں ۔

اس بارے میں حق بات یہ ہے کہ ان آئمہ اطہار سے جن چیزوں کا ظہور ہوا ہے ان کا انکار کرنے کی بجائے ان کو تسلیم کیا جائے ۔اور ساتھ ہی ان جاہل لوگوں کو ان کتابوں کے مطالعہ سے سختی کے ساتھ منع کیا جائے جو اُن قواعد اور اصطلاحات سے ناواقف اور بے خبر ہیں جن کی ان کے مطالعہ میں ضرورت ہے ۔اسی لئے حضرت امام ابن العربی نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ ان کی کتب کا مطالعہ سوائے ان لوگوں کے دیگر پر حرام ہے ۔جو لوگ ان بزرگوں کے اخلاق سے مزین ہیں اور ان کے اصطلاحات کے مطابق ان کے کلمات کے معانی کو جانتے اور سمجھتے ہیں ۔اور یہ چیز صرف ان لوگوں میں پائی جاتی ہے جنہوں نے خوب محنت اور جد وجہد کی ہو اور برائی سے اجتناب کیا ہو اور راہِ عزیمت میں کمر کس لی ہو ۔اور علوم ظاہرہ سے وافر حصہ حاصل کیا ہو اور دنیا وآخرت سے تعلق رکھنے والے ہر پست اخلاق سے اپنے آپ کو پاک کرلیا ہو۔ پس یہ وہ لوگ ہیں جو خطاب کو سمجھ سکتے ہیں اور وہ جب دروازہ پر کھڑے ہو جائیں تو انکو اندر داخل ہونے کی اجازت دی جاتی ہے ۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب

تاج بن عطاء اللہ کے قول کی اصل سنت سے ثابت ہے

سوال ......کیا تاج بن عطاء اللہ کے اس قول کی اصل سنت سے ثابت ہے؟اور معصیت پر خیر کا اطلاق کیسے کیا جائے گا؟

رُبَّ مَعْصِيَةٍ اَوْرَثَتْ ذِلًّا وَ اسْتِصْغَارًا خَيْرٌ مِّنْ طَاعَةٍ اَوْرَثَتْ عِزًّا وَّ اسْتِكْبَارًا.

بہت سارے گناہ جو ذلت وحقارت کا باعث بنتے ہیں وہ اس اطاعت سے بہتر ہیں جو فخر وتکبر کا سبب بنتی ہے۔

(حقیقۃ العبودیۃ، تصحیح الذات، ج:1 ص:10،مطبوعہ:موسسۃ اقراء،قاہرہ)

جواب......اس قول کی اصل سنت سے ثابت ہے ابوالشیخ ابن حبان رحمہ اللہ نے ''کتاب الثواب'' میں اپنی ایسی سند کے ساتھ جو نبی کریم ﷺ تک پہنچتی ہے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى لَوْ لَا اِنَّ الذُّنُوْبَ خَيْرٌ لِّعَبْدِى الْمُؤْمِنِ مِنَ الْعَجَبِ مَاخَلَّيْتُ بَيْنَ عَبْدِى الْمُؤْمِنِ وَ بَيْنَ الذُّنُوْبِ.

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر گناہ میرے مؤمن بندے کے لئے تکبر سے بہتر نہ ہوتے تو میں اپنے مؤمن بندے اور گناہوں کو تنہا نہ چھوڑتا۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الادب والرقائق،باب القول الجلی الخ ج:1 ص:436)

اسی حدیث کو دیلمی نے ''مسند الفردوس'' میں ان الفاظ کے ساتھ تخریج کیا ہے:

لَوْلَا اَنَّ الْمُؤْمِنَ يُعْجِبُ بِعَمَلِهٖ لَعَصَمَ مِنَ الذُّنُوْبِ حَتّٰى لَا يَهُمَّ بِهٖ وَلٰكِنَّ الذَّنْبَ خَيْرٌ لَّهٗ مِنَ الْعَجَبِ.

اگر مؤمن اپنے عمل پر تکبر وفخر نہ کرتا تو وہ گناہ سے محفوظ رہتا حتیٰ کہ وہ گناہ کی خواہش ہی نہ کرتا۔لیکن گناہ اس کے لئے تکبر سے بہتر ہے۔

(الفردوس للدیلمی، باب الام، رقم الحدیث:5069،ج:3ص:355)

ابن ابی الدنیا رحمہ اللہ نے مذکورہ مشہور حدیث قدسی کو سورہ شوریٰ کی تفسیر میں ''تفسیر بغوی'' سے نقل کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے اس کی سند میں ایک راوی منفرد ہے جس کی توثیق میں اختلاف ہے۔

وَ اِنَّ عِبَادِي الْمُؤْمِنِيْنَ لِمَنْ يَّسْأَلُنِي الْبَابَ مِنَ الْعِبَادَةِ فَاَكِفُّهٗ عَنْهُ اَنْ لَّا يَدْخُلَهٗ عَجَبٌ فَيُفْسِدُ ذٰلِكَ.

(الفردوس للدیلمی، باب القاف، رقم الحدیث:4454،ج:3ص:181)

میرے مؤمن بندوں میں سے کچھ ایسے بندے بھی ہیں جو مجھ سے عبادت کے کسی دروازے کا سوال کرتے ہیں تو میں ان کو اس سے روک دیتا ہوں تا کہ ان میں تکبر داخل نہ ہو جائے جو ان کو تباہ کر دے گا۔

جب تم اس میں غور وفکر کرو گے تو تمہیں معلوم ہوگا کہ یہاں خیریۃ (بہتری) ثمرات اور اس پر مرتب ہونے والیں غایات کے اعتبار سے نسبیہ ہے۔اور اس امر نسبی کے لحاظ سے معصیت پر خیر کے اطلاق میں کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔

گمنامی نعمت ہے

سوال.....کیا کسی حدیث میں یہ الفاظ وارد ہیں؟

اِنَّ الْخُمُوْلَ نِعْمَةٌ وَ كُلٌّ يَابَاهُ وَ الشُّهْرَةُ آفَةٌ وَ كُلٌّ يَتَمَنَّاهُ.

گمنامی نعمت ہے اور ہر کوئی اس کو ناپسند کرتا ہے اور شہرت آفت ہے اور ہر کوئی اس کی تمنا کرتا ہے۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الاداب والرقائق، القول الجلی الخ، ج:1ص:437،مطبوعہ:ایضا)

جواب.....یہ الفاظ حدیث میں وارد نہیں البتہ ہمارے آئمہ میں سے امام ابی المحاسن الرویانی کے کلام کا حصہ ہیں۔

سوال.....کیا یہ حدیث کے الفاظ ہیں؟

اِتَّخِذُوْا مَعَ الْفُقَرَآءِ اَیادی قَبْلَ اَنْ تَحْجَزَ دَوْلَتُھُمْ.

فقراء پر اس سے پہلے احسان کرو کہ اُن کی دولت اسکے لئے رکاوٹ بن جائے۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الاداب والرقائق ،القول الجلی الخ، ج:1 ص:437، مطبوعہ: ایضا)

اور کیا حضور ﷺ کے سامنے جب یہ شعر پڑھا گیا تو آپ پر وجد طاری ہوگیا حتیٰ کہ آپ کے مبارک شانوں سے کملی مبارک گر پڑی۔

لَسَعَتْ حَیَّۃُ الْھَوٰی کَبِدِیْ فَمَا لَھَا طَبِیْبٌ وَ لَا رَاقِیْ

خواہشات کے سانپ نے میرے جگر کو ڈس لیا ہے۔جس کے علاج کے لئے نہ کوئی طبیب میسر ہے اور نہ کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الاداب والرقائق ،القول الجلی الخ، ج:1 ص:437، مطبوعہ: ایضا)

جواب......مذکورہ سارے الفاظ حدیث میں وارد نہیں بلکہ علماء حدیث کا اتفاق ہے کہ یہ جھوٹ اور باطل ہیں۔

اب بھی بیداری حالت میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت ممکن ہے

سوال......کیا اب بھی بیداری کی حالت میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت اور آپ سے ملاقات کا شرف ممکن ہے؟

جواب......ہاں یہ ممکن ہے۔آئمہ شافعیہ میں سے امام غزالی، بارزی، تاج سبکی، اور عفیف یافعی رحمہم اللہ نے اور آئمہ مالکیہ میں سے امام قرطبی، ابن ابی جمرہ رحمہما اللہ نے تصریح فرمائی ہے کہ یہ اولیاء کرام کی کرامات میں سے ہے اور بعض اولیاء کرام سے حکایت کی گئی ہے کہ ایک ولی کسی فقیہ کی مجلس میں حاضر ہوئے تو اس فقیہ نے ایک حدیث روایت کی جس پر اس ولی نے فقیہ سے کہا یہ حدیث باطل ہے۔فقیہ کہنے لگا آپ کو یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث باطل ہے۔ ولی نے جواب میں کہا یہ رسول اللہ ﷺ تیرے سر پر کھڑے ہیں اور فرمارہے ہیں کہ میں نے یہ حدیث نہیں کہی۔اسی اثناء میں فقیہ کو کشف نصیب ہوا اور اس کو بھی رسول اللہ ﷺ کی زیارت کا شرف نصیب ہوا۔

زہد سے اعراض کر کے فقہ کے ساتھ مشغولیت

سوال......صوفی کے اس قول کا کیا مطلب ہے؟

مَنِ اکْتَفٰی بِالْفِقْهِ عَنِ الزُّھْدِ فِسَقَ . (جس نے زہد سے اعراض کرتے ہوئے فقہ کے ساتھ مشغولیت اختیار کی وہ فاسق ہوگیا۔)

(الحاوی الفتاوی، الفتاوی الصوفیۃ ،الزہد، ج:2 ص:282)

جواب......اس قول کا مطلب یہ ہے کہ جو زہد وورع سے غفلت برتتا ہے تو یہ غفلت اس کو شبہات کے ارتکاب تک پہنچاتی ہے۔اور جو شبہات کے ارتکاب میں تساہل وغفلت سے کام لیتا ہے تو یہ چیز اس کو حرام کے ارتکاب تک لے جاتی ہے۔اور جو حرام میں غفلت برتتا ہے تو یہ غفلت اس کو کبائر کے ارتکاب تک پہنچاتی ہے۔نیز صوفیاء کرام رضی اللہ عنہم گناہوں سے نفرت دلانے کے لئے مبالغہ کرتے ہوئے سیئہ، فسق، کفر وغیرہ الفاظ کا اطلاق ان کے شرعی معانی کی بجائے ان کے غیر شرعی معانی پر بھی کرتے ہیں جیسا کہ ان کا قول ہے۔

حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّاٰتُ الْمُقَرَّبِیْنَ. (ابرار کی نیکیاں مقربین کے لئے برائیاں ہیں۔)

(الحاوی الفتاوی، الفتاوی الصوفیۃ، الزہد، ج:2 ص:282)

سیدی عمر بن الفارض رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

وَاِنْ خَطَرَتْ لِیْ فِیْ سِوَاکَ اِرَادَۃٌ عَلٰی خَاطِرِیْ سَھْوًا قَضَیْتُ بِرِدَّتِیْ.

میرے دل میں تیرے سوا کسی کا خیال سہوا بھی گزرے جائے تو میں اپنی ردّت کا فیصلہ کروں گا۔

(الحاوی الفتاوی، الفتاوی الصوفیۃ، الزہد، ج:2 ص:282)

مذکورہ شعر میں حضرت ابن الفارض ردۃ سے اس کا حقیقی معنی مراد نہیں لے رہے ہیں۔کیونکہ یہ حقیقت میں ارتداد نہیں بنتا۔

صوفیاء کے رقص کی اصل

سوال......صوفیاء کرام وجد طاری ہونے کی حالت میں رقص کرتے ہیں کیا ان کے اس رقص کی کوئی اصل اور دلیل ہے؟

جواب......ہاں اس کی اصل ہے۔حدیث پاک میں روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اَشْبَھْتَ خَلْقِیْ وَ خُلُقِیْ. (تم میری صورت وسیرت کے مشابہ ہو۔)

(الحاوی الفتاوی، الفتاوی الصوفیۃ، الزہد، ج:2 ص:282)

تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے رقص کیا اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس خطاب کی لذت وسرور کی وجہ سے ایسا کیا تھا۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کے اس فعل کو برا نہیں منایا۔اور آئمہ کبار کی ایک جماعت سے ذکر وسماع کی مجالس میں قیام اور رقص کرنا ثابت ہے۔ان آئمہ میں سے ایک حضرت شیخ الاسلام عز الدین عبد السلام بھی ہیں۔

حالتِ بیداری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ممکن ہے

سوال......کیا حالتِ بیداری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ممکن ہے؟

جواب......علماء کی ایک جماعت نے اس کا انکار کیا ہے۔اور دیگر علماء نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔اور یہی رائے حق ہے۔

صالحین میں سے وہ حضرات جن کی ولایت میں کوئی شبہ نہ ہے انہوں نے حالت بیداری میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت سے مشرف ہونے کی خبر دی ہے۔ بلکہ اس پر بخاری کی اس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے:

مَنْ رَآنِيْ فِي الْمَنَامِ فَسَيَرَانِيْ فِي الْيَقْظَةِ. (جو خواب میں میری زیارت کرے تو وہ عنقریب بیداری کی حالت میں بھی میری زیارت کرے گا۔)

(سنن ابن ماجہ، ابواب تعبیر الرؤیا، باب رؤیۃ النبی، رقم الحدیث: 8901، ج:5 ص:60)

یعنی وہ اپنے سر کی آنکھوں سے میری زیارت سے مشرف ہوگا۔ایک قول کے مطابق اس کا مطلب ہے وہ عنقریب حالت بیداری میں اپنے دل کی آنکھ سے میری زیارت کرے گا۔اور اس حدیث میں قیامت مراد ہونے کا احتمال حالت بیداری کے الفاظ کے تذکرہ کی وجہ سے نہایت بعید ہے نیز قیامت مراد ہونے کی صورت میں خواب میں زیارت نصیب ہونے کی قید کا کوئی فائدہ نہیں رہتا کیونکہ قیامت کے روز ساری امت آپ کی زیارت سے مشرف ہوگی خواہ کسی نے خواب میں آپ کی زیارت کی ہو یا نہ،ابن ابی جمرۃ نے بخاری کی جن احادیث کا انتخاب کیا ہے ان کی شرح میں فرماتے ہیں اس حدیث کا اپنے عموم پر باقی ہونا مرجح ہے آپ ﷺ کی ظاہری حیات اور اتباع سنت کی اہلیت رکھنے والوں اور اہلیت نہ رکھنے والوں سب کو عام ہے۔اور جو رسول اللہ ﷺ کی جانب بغیر کسی تخصیص کے اس میں خصوص کا دعویٰ کرتا ہے وہ تعسف سے کام لے رہا ہے۔اس کے بعد ابن ابی جمرۃ نے اس کا انکار کرنے والے پر یہ الزام لگایا ہے کہ ایسا شخص رسول صادق کے قول کی تصدیق کرنے والا نہیں اور قادر کی قدرت سے جاہل ہے اور سنت کے واضح دلائل سے ثابت کرامات اولیاء کا انکار کرنے والا ہے۔

حدیث کے عموم سے ابن ابی جمرۃ کی مراد یہ ہے کہ حالت بیداری میں جس زیارت کا وعدہ فرمایا گیا ہے اس زیارت سے ہر وہ شخص مشرف ہوگا جس نے خواب میں آپ ﷺ کی زیارت کی ہو خواہ ایک بار بھی یہ شرف حاصل ہوا ہو۔ تاکہ آپ کا وہ وعدہ مبارک پورا ہو جائے جس کی خلاف ورزی نہیں ہو سکتی۔اور یہ شرف عام لوگوں کو زیادہ تر موت سے پہلے قریب المرگ ہونے کی حالت میں حاصل ہوتا ہے۔اور اس طرح کے قریب المرگ انسان کی روح اس کے جسم کو اس وقت نہیں چھوڑتی جب تک وہ رسول اللہ ﷺ کی زیارت سے مشرف نہیں ہوتا۔تاکہ آپ ﷺ کا وعدہ پورا ہو جائے۔اور خواص کو اپنی موت سے پہلے بقلب یا بکثرت یہ شرف حاصل ہوتا ہے۔اور اس شرف کا قلت یا کثرت کے ساتھ حصول ان کی اہلیت اور تعلق اور سنت نبوی کی پیروی واتباع کے اعتبار سے ہوتا ہے کیونکہ اتباع سنت میں کمی اس شرف کے حصول میں بہت بڑا مانع اور بہت بڑی رکاوٹ ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ بواسیر کے مریض تھے اور بواسیر کی تکلیف پر صبر کرنے کی وجہ سے فرشتے ان کی تکریم وتعظیم کی خاطر انہیں سلام کیا کرتے تھے لیکن جب انہوں نے بطور علاج داغا

فرشتوں کے سلام کا سلسلہ ان سے منقطع ہوگیا۔ اور جب انہوں نے داغنے کے عمل کو چھوڑ دیا یعنی وہ صحت مند ہو گئے تو دوبارہ فرشتوں کے سلام کا سلسلہ جاری ہوگیا۔ سلام کے منقطع ہونے کی وجہ یہ تھی کہ داغنا خلاف سنت عمل تھا۔ شدت ضرورت کے باوجود یہ عمل توکل وتسلیم اور صبر ورضا میں اثر انداز ہونے کی وجہ سے خلاف سنت ہے جس کے سبب فرشتوں کے سلام کے لئے رکاوٹ اور مانع بن گیا تھا۔

بیہقی کی روایت میں ہے کہ:

كَانَتِ الْمَلَائِكَةُ تُصَافِحُهُ فَلَمَّا كوى تنحت عَنْهُ. (فرشتے ان کے ساتھ مصافحہ کیا کرتے تھے جب انہوں نے داغنے کا عمل کیا تو فرشتے ان سے دور ہٹ گئے۔)

(الحاوی الفتاوی، الفتاوی الصوفیہ، تنویر الحلک فی ان، ج:2 ص:310، مطبوعہ: ایضا)

حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی رحمہ اللہ اپنی کتاب "المنقذ من الضلال" میں صوفیاء کرام کی تعریف ومدح کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

صوفیاء کرام بہترین مخلوق ہیں حتی کہ یہ حضرات وہ ہیں جو اپنی بیداری کی حالت میں فرشتوں اور انبیاء کرام علیہم السلام کی ارواح کا مشاہدہ کرتے ہیں اور ان کی آوازوں کو سنتے ہیں اور ان سے فوائد وفیوض کا اقتباس کرتے ہیں پھر ان کے حال میں ترقی ہوتی ہے صورتوں اور امثال کے مشاہدہ سے آگے بڑھ کر ایسے درجات تک رسائی حاصل کر لیتے ہیں جن کے بیان سے زبان قاصر ہوتی ہے۔

اور امام غزالی رحمہ اللہ کے شاگرد ابو بکر بن عربی مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مومن کے لئے بطور کرامت اور کافر کے لئے بطور عقوبت انبیاء کرام اور فرشتوں کو دیکھنا اور ان کے کلام کو سننا ممکن ہے۔

ابن الحاج مالکی کی کتاب "المدخل" میں ہے:

بیداری کی حالت میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کا نصیب ہونا تنگ دروازہ ہے اور ان لوگوں کی تعداد بہت قلیل ہے جنہیں یہ شرف نصیب ہوتا ہے اس کا شرف انہیں لوگوں کو حاصل ہوتا ہے جو ایسی صفات سے متصف ہوتے ہیں جن صفات کا اس زمانے میں وجود نہایت قلیل بلکہ غالباً معدوم ہو چکا ہے اس کے باوجود ہم ان اکابر میں سے جن کے ظاہر وباطن کی اللہ تعالیٰ نے حفاظت فرمائی ہے ان میں سے جن کو یہ شرف نصیب ہوتا ہے ان کا انکار نہیں کرتے۔

اور ابن الحاج رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں:

بعض علماء ظاہر نے اس کا انکار کیا ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ فانی ہونے والی آنکھ باقی رہنے والی آنکھ کو نہیں دیکھ سکتی۔ حضور ﷺ دار بقاء میں تشریف فرما ہیں اور دیکھنے والا دار فناء میں مقیم ہے۔ ان کی اس دلیل کو اس بناء پر رد کر دیا گیا ہے کہ مومن جب موت سے ہمکنار ہوتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہوتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ موت سے پاک ہے اس کی ذات ہمیشہ باقی ہے۔ اکابرین امت جنہیں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل ہوتا ہے ان میں سے ہر ایک پر ہر روز ستر مرتبہ موت طاری ہوتی ہے۔ ہمارے زمانے میں موجود اولیاء کرام اور ان سے قبل کے اولیاء کرام کی ایک جماعت سے سنا گیا ہے کہ انہوں نے حالتِ بیداری میں نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد حالتِ حیات میں آپ کی زیارت کا شرف حاصل کیا ہے۔

(الحاوی للفتاوی، الفتاوی الصوفیہ، تنویر الحلک فی ارکان، ج:2 ص:310، مطبوعہ: ایضا)

انبیاء کرام علیہم السلام کا قبور سے باہر تشریف لانا اور ملکوت میں تصرف کرنا

حضرت یافعی رحمہ اللہ وغیرہ نے شیخ کبیر ابو عبداللہ قرشی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ مصر میں گرانی ومہنگائی کا طوفان بپا ہوا تو انہوں نے اس کے رفع کے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کا ارادہ کیا تو ان کو غیب سے ندا دی گئی کہ آپ اس کے لئے دعا نہ کریں کیونکہ اس معاملے میں تم میں سے کسی کی دعا قبول نہیں کی جائے گی۔ وہ فرماتے ہیں اسی اثناء میں میں نے شام کا سفر کیا اور میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے مزار اقدس کے قریب جا پہنچا تو انہوں نے مجھے اپنی ملاقات کا شرف بخشا۔ میں نے ان سے عرض کیا، اے اللہ کے رسول ﷺ! اپنے ہاں میری مہمان نوازی وضیافت اہل مصر کے حق میں دعا کو بنائیں۔ آپ نے میری درخواست قبول فرماتے ہوئے اہل مصر کے لئے دعا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کی بدولت اہل مصر کو گرانی کی اس مصیبت سے نجات عطا فرمائی۔ امام یافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ کبیر رحمہ اللہ کا یہ فرمانا کہ حضرت خلیل علیہ السلام نے مجھے ملاقات کا شرف بخشا۔ ان کا یہ قول حق ہے اس کا انکار سوائے اس شخص کے کوئی نہیں کرتا جو اولیاء کرام پر وارد ہونے والے ان احوال سے جاہل ہے جن احوال میں اولیاء کرام آسمانوں اور زمین کے ملکوت کا مشاہدہ کرتے ہیں اور انبیاء کرام علیہم السلام کو زندہ حالت میں دیکھنے کا شرف حاصل کرتے ہیں۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے شب معراج آسمانوں پر انبیاء کرام علیہم السلام کی ایک جماعت کو دیکھا اور ان کی گفتگو سنی ہے، اور یہ مسلمہ حقیقت ہے جو چیز انبیاء کرام کے لئے بطور معجزہ جائز ہے وہ اولیاء کرام کے لئے بشرط عدم تحدی بطور کرامت جائز ہے۔

ابن ملقن نے طبقات الاولیاء میں نقل کیا ہے کہ حضرت غوث اعظم شیخ سید عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ نے

فرمایا ہے کہ:

میں نے ظہر سے قبل نبی کریم ﷺ کی زیارت کی اور آپ نے فرمایا اے بیٹے اتم خطاب کیوں نہیں کرتے ہو؟ میں نے عرض کی اے اباجان! میں عجمی شخص ہوں فصحاء بغداد کے سامنے کیسے خطاب کروں؟ آپ نے مجھ سے فرمایا اپنا دھن کھولو، میں نے اپنا منہ کھولا تو آپ نے سات مرتبہ اپنا لعاب دھن مبارک میرے منہ میں ڈالا اور فرمایا جاؤ لوگوں سے خطاب کرو اور انہیں حکمت اور موعظہ حسنہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کی طرف دعوت دو۔ میں نے نماز ظہر ادا کی اور بیٹھ گیا میرے گرد لوگوں کا ایک جم غفیر جمع ہوگیا میں نے ان کو وعظ ونصیحت کرنے لگا اور مجھے بولنے اور تقریر کرنے میں کچھ دشواری پیش آنے لگی تو میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو اپنے سامنے مجلس میں کھڑے دیکھا۔ اور وہ فرمارہے ہیں اے بیٹے! بول کیوں نہیں رہے ہو؟ میں نے عرض کیا اے اباحضور! مجھے بولنے میں دقت پیش آرہی ہے۔ انہوں نے فرمایا اپنا منہ کھولو میں نے اپنا منہ کھولا تو انہوں نے چھ مرتبہ اپنا لعاب دھن مبارک میرے منہ میں ڈالا میں نے ان سے گزارش کی آپ نے سات مرتبہ لعاب دھن کیوں نہیں ڈالا؟ تو انہوں نے فرمایا میں نے حضور ﷺ کے ادب کے پیش نظر ایسا نہیں کیا۔ اس کے بعد آپ میری نگاہ سے اوجھل ہوگئے اور میں نے خطاب کا سلسلہ شروع کیا۔

ابن الملقن نے ایک اور ولی کے تعارف کے ضمن میں لکھا ہے کہ وہ بیداری اور نیند کی حالت میں کثرت کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوا کرتے تھے۔ اور ابن دقیق وغیرہ نے جس شخصیت سے علم حاصل کیا ہے کمال ادفعری نے ان سے یہی حکایت کسی دوسرے ولی کے بارے میں ذکر کی ہے۔ اور تاج بن عطاء اللہ رحمہ اللہ نے اپنے شیخ عارف کامل ابی العباس المرسی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ میں نے اپنی اس ہتھیلی کے ساتھ نبی کریم ﷺ سے مصافحہ کرنے کا شرف حاصل کیا ہے ابن فارس نے سیدی علی وفا رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میری عمر ابھی پانچ سال تھی کہ میں ایک قاری صاحب کے پاس قرآن کریم پڑھنے جایا کرتا تھا ایک مرتبہ جب میں ان کے پاس گیا تو میں نے بیداری کی حالت میں نہ کہ نیند کی حالت میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی آپ کے جسم اقدس پر سوتی کپڑے کی سفید رنگ کی قمیص تھی۔ پھر میں نے دیکھا کہ وہ قمیص میرے اوپر ہے۔ اور آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا پڑھو تو میں نے آپ کے سامنے سورہ ''والضحیٰ'' اور ''الم نشرح'' تلاوت کیں۔ اس کے بعد آپ میری آنکھوں سے اوجھل ہوگئے۔ اور جب میں اکیس برس کا ہوا تو ایک دن قرافہ کے مقام پر میں نماز فجر ادا کرنے لگا تو میں نے اپنے سامنے نبی کریم ﷺ کو دیکھا آپ نے میرے ساتھ معانقہ فرمایا اور اسکے بعد یہ

آیت کریمہ تلاوت فرمائی "وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ" اس وقت سے آخر عمر تک سیدی علی وفا نے اپنی زبان کی مضبوطی کے ساتھ حفاظ فرمائی۔

اس بارے میں اولیاء کرام کی بہت ساری حکایات ہیں۔ بیداری کی حالت میں نبی کریم ﷺ کی زیارت کا انکار سوائے معاند یا محروم شخص کے کوئی نہیں کرتا۔

حضرت ابن عربی رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ حضور ﷺ کی زیارت زیادہ تر دل کے ذریعہ ہوتی ہے۔ اور اس کے بعد آنکھ سے ہوتی ہے لیکن آنکھ کے ساتھ ہونے والی زیارت، متعارف رؤیت کی طرح نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ ایک حالت برزخیہ اور ایک وجدانی امر ہوتا ہے۔ جس کی حقیقت کا ادراک سوائے اس کے جس کو یہ شرف نصیب ہوا ہے کوئی اور نہیں کر سکتا۔ اور یہ احتمال بھی ہے کہ وہ متعارف و معروف رؤیت ہو بایں طور کہ دیکھنے والا نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس کو عالم کی سیر کرنے کی حالت میں دیکھتا ہو یا زیارت کرنے والے اور نبی کریم ﷺ کے درمیان موجود حجابات اٹھا دیئے جاتے ہوں اور آپ ﷺ قبر انور میں تشریف فرما ہوں۔ اور زیارت کرنے والا آپ کو قبر انور میں حیات کی حالت میں رؤیت حقیقیہ کے طور پر دیکھتا ہو۔ اور اس میں کوئی استحالہ نہیں لیکن زیادہ تر آپ کی مثال کی زیارت ہوتی ہے آپ کی ذات اقدس کی زیارت نہیں ہوتی۔ اور امام غزالی رحمہ اللہ کے اس قول کو اسی پر محمول کیا جائے گا۔ وہ فرماتے ہیں:

> آپ کی زیارت سے مراد یہ نہیں کہ آپ کے جسم اقدس اور بدن اطہر کو دیکھا جاتا ہے بلکہ اس سے مراد آپ کی مثال کو دیکھنا ہے اور وہ مثال سبب بن جاتی ہے جس کے ساتھ زیارت کرنے والا اپنی ذات میں موجود مطلب کو ادا کرتا ہے۔ اور وہ آلہ حقیقی یا خیالی ہوتا ہے اور ذات و نفس خیال متخیل کا غیر ہوتی ہے پس دیکھنے والا جو شکل و صورت دیکھتا ہے وہ نہ حضور ﷺ کی روح اقدس ہوتی ہے اور نہ آپ کی ذات مطہرہ کی ہوتی ہے بلکہ حقیقت میں وہ آپ ﷺ کی مثال ہوتی ہے۔

اور امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> اور اسی کی مانند ہے وہ شخص بھی جو خواب میں اللہ تعالیٰ کی زیارت کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات شکل و صورت سے منزہ و پاک ہے۔ لیکن بندے کو نور یا غیر نور کی مثال محسوس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کی معرفت سے نوازا جاتا ہے اور وہ مثال معرفت الٰہی کا واسطہ و ذریعہ ہونے میں حق ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے خواب دیکھنے والا کہتا ہے میں نے خواب میں اللہ تعالیٰ کی زیارت کی ہے اور اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کو دیکھا۔ جیسا کہ وہ کسی اور چیز کو خواب میں دیکھنے کی صورت میں جب کہتا ہے کہ میں نے فلاں کو خواب

میں دیکھا ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ میں نے اس کی ذات کو دیکھا ہے۔

(امام غزالی کی عبارت ختم ہوگئی ہے۔)

(الحاوی الفتاوی، الفتاوی الصوفیہ بتنویر الحلک فی الخ، ج:1 ص:316 مطبوعہ: ایضا)

اس کے بعد میں نے دیکھا کہ جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے ابن العربی رحمہ اللہ نے بھی اسکی تصریح کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس کی زیارت روح مطہرہ اور جسد پاک کے ساتھ ممکن ہے۔ کیونکہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام زندہ ہیں انبیاء کرام کی ارواح مبارکہ کو ان کے اجساد مقدسہ سے جدا کرنے کے بعد دوبارہ اجساد مطہرہ میں لوٹا دیا گیا ہے اور انہیں اپنی قبور منورہ سے باہر تشریف لانے اور ملکوت علوی وسفلی میں تصرف کرنے کی اجازت دی گئی ہے اور بہت سارے لوگوں کا ایک ہی وقت میں حضور ﷺ کی زیارت سے مشرف ہونا ممکن ہے۔ کیونکہ آپ کی ذات اقدس آفتاب کی مانند ہے (ایک ہی وقت میں بے شمار لوگ آفتاب کو دیکھتے ہیں)

تاج بن عطاء اللہ رحمہ اللہ کے بقول قطب وقت پوری کائنات کو بھر دیتا ہے۔ تو نبی کریم ﷺ کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔ خواب میں نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس کی روح اور جسم سمیت شرف زیارت سے یہ لازم نہیں آتا کہ زیارت کرنے والا صحابی بن جائے۔ کیونکہ صحابیت کے لئے عالم دنیا میں آپ کی زیارت کرنا شرط ہے۔ جبکہ اس رؤیت وزیارت کا تعلق عالم ملکوت کے ساتھ اور عالم ملکوت میں ہونے والی رؤیت وزیارت صحابیت کا فائدہ نہیں دیتی ۔ ورنہ آپ کی تمام امت کے لئے صحابیت کا شرف ثابت ہو جاتا کیونکہ عالم ملکوت میں ساری امت آپ ﷺ پر پیش کی گئی اور آپ نے امت کو دیکھا اور امت نے آپ کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔ جیسا کہ احادیث میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔

حضرت منصور حلاج رحمہ اللہ کے قول "اَنَا الْحَقُّ" اور حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ کے قول "سُبْحَانِیْ، سُبْحَانِیْ" کا مطلب

سوال ...... حضرت منصور حلاج کے قول "اَنَــا الْـحَـقُّ" اور حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ کے قول سُبْـحَـانِـیْ، سُبْحَانِیْ کا کیا مطلب ہے؟

جواب ...... حضرت عارفین رضی اللہ عنہم پر کچھ ایسے اوقات آتے ہیں جن میں ان پر علم وبصیرت کی آنکھ کے ساتھ شہودِ حق کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ جب ان کے حق میں یہ شہود کامل وتام ہو جاتا ہے وہ ہر چیز سے حتیٰ کہ اپنی ذوات ونفوس سے بھی بے خبر ہو جاتے ہیں سوائے حق تعالیٰ کے انہیں کسی کا شعور باقی نہیں رہتا۔ پس ایسی حالت میں وہ اس قرب اقدس کی زبان پر گفتگو کرتے ہیں۔ جس قرب اقدس سے ان کو نوازا گیا ہوتا ہے اور جس

کی طرف اس حدیث قدسی میں اشارہ کیا گیا ہے:

فَاِذَا اَحْبَبْتُهٗ صِرْتُ سَمْعَهٗ وَ عَیْنَهٗ وَ یَدَهٗ وَرِجْلَهٗ .الحدیث

جب میں اپنے بندے سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کی سمع، اس کی آنکھ اس کا ہاتھ اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں۔

(صحیح ابن حبان، کتاب البر والاحسان، ذکر الاخبار عما یجب الخ، رقم الحدیث: 347، ج:2 ص:58)

اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات اقدس کے لئے جو چیز ثابت فرمائی ہے اس حال میں صوفیاء کرام اس کو اپنی ذوات کے لئے بطریق ابہام ثابت کرتے ہیں۔ اس کو وہ نہ بطریق حقیقت ثابت کرتے ہیں اور نہ ہی اس اتحاد کے معنی میں ثابت کرتے ہیں جو عین کفر والحاد ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے عارفین کو محفوظ رکھا ہوا ہے۔ بلکہ اس اتحادِ شہود کے معنی میں ثابت کرتے ہیں جو شہود صرف اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کی طرف حکم راجع کرتا ہے۔

لہٰذا ان بزرگوں کا قول انا الحق، اور سبحانی کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے شہود کی تجلی مجھ پر ڈالی حتی کہ میں گویا وہ بن گیا۔ یہ ساری گفتگو تو اس صورت میں ہے کہ جب اس طرح کے اقوال کا صدور ان سے حال صحو میں ہوا ہو اور اگر اس طرح کے اقوال کا صدور ان سے حال غیبت (جب وہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز سے بے خبر ہوتے ہیں) میں ہوا ہے تو وہ شطحات ہیں جن پر کوئی حکم نہیں لگ سکتا۔ کیونکہ الفاظ پر حکم تب ہی لگایا جاتا ہے۔ جب ان کا تلفظ کرنے حال محو اور حالتِ اختیار میں انکا تلفظ کرے۔ لیکن تلفظ کرنے والے نے اگر حیز محو وغیبت میں ان کا تلفظ کیا ہے تو ان پر قطعاً کوئی حکم دائر نہیں ہوتا۔ حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ کا یہ قول بھی انہی اقوال سے تعلق رکھتا ہے

"مَا فِی الْجُبَّةِ غَیْرُ اللّٰهِ" (میری جبے میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں)

(مشکوٰۃ الانوار للغزالی، الفصل الاول، ج:1 ص:57)

اس طرح کے اقوال اگر حالت صحو میں صادر ہوں تو ان کی تاویل اور ان کا حکم وہ ہے جس کا ہم تذکرہ کر چکے ہیں اور اگر حالت صحو میں صادر نہ ہوں تو پھر ان کا کوئی مطلب نہیں ہوتا اور ان پر کوئی حکم دائر نہیں ہوتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کرامات اولیاء پر مفصل کامل ترین کلام

سوال...... کیا کرامات اولیاء حق ہیں؟ کیا کرامت، معجزہ کے درجہ تک پہنچ سکتی ہے؟ کرامت و معجزہ اور سحر کے درمیان کیا فرق ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے کے بعد کرامات کی کثرت کی کیا وجہ ہے حالانکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا گروہ ساری امت سے افضل ہے۔

جواب...... نظریۂ حق جس پر اہل السنۃ والجماعۃ کے فقہاء، اصولیین، محدثین ان کے علاوہ دیگر بہت سارے اہل علم قائم

ہیں وہ یہ ہے کہ اولیاء کرام سے کرامت کا ظہور عقلاً جائز ہے۔اولیاء کرام وہ طبقہ ہے جو علم وعمل کے جامع ہونے اور لغزشوں سے محفوظ وسلامت رہنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اور بندوں کے حقوق ادا کرنے والے ہیں۔معتزلہ اوران لوگوں کا اس نظریہ کے ساتھ اختلاف ہے جن لوگوں نے بغیر کسی فکر وتامل کے معتزلہ کی اُن کے بہتان اور گمراہی میں تقلید کی ہے۔اور استاد ابواسحاق بھی تقریباً معتزلہ کے مذہب کی طرف جھکاؤ رکھتے ہیں یاان کے کلام کا مآل معتزلہ کا مذہب بنتا ہے۔جیسا کہ ظاہر ہے۔

اہل سنت وجماعت کے نزدیک اولیاء کرام سے کرامات کا ظہور عقلاً ممکن ہے جیسا کہ واضح ہے کرامات من جملہ ممکنات میں سے ہیں۔اور قبح عقلی کی وجہ سے کسی شے کا وقوع ممتنع نہیں ہوتا کیونکہ حکم لگانے کا حق عقل کے لئے ثابت نہیں اور کرامت کے وقوع میں کوئی ایسی چیز نہیں پائی جاتی جو کسی طور پر معجزہ میں کوئی نقص یا عیب پیدا کرتی ہو۔معجزہ بذاتہا دلالت نہیں کرتا بلکہ دعوائے رسالت کے ساتھ تعلق رکھنے کی وجہ سے دلالت کرتا ہے لہٰذا جس طرح مدعی رسالت کی تصدیق اس کے دعوے سے مطابقت رکھنے والی چیز کے ذریعے جائز ہے اسی طرح اس کی مثل کا اولیاء کی تکریم کے لئے صدور جائز ہے۔عنقریب جہاں معجزہ اور کرامت کے درمیان فرق بیان ہوگا وہاں اس کی مزید تحقیق آئے گی۔

کرامت کا وقوع نقلاً بھی ثابت ہے جو مفید یقین ہے کہ قرآن کریم نے اس کو بیان کیا ہے اور اس پر قرناً بعد قرنٍ اور جیلاً بعد جیلٍ مشرق ومغرب،اور عرب وعجم میں کتب علم تواتر معنوی کے ساتھ اس کے وقوع کی شہادت دے رہی ہیں۔جس کا انکار سوائے غبی یا معاند انسان کے کوئی نہیں کرسکتا۔قرآن کریم میں حضرت مریم کے پاس جنت سے رزق آنے کا تذکرہ ہے اوران کا کھجور کے تنے کو حرکت دینے کا تذکرہ بھی ہے کہ جب انہوں نے اس کو حرکت دی تو پکی ہوئی تازہ کھجوریں ان کے اوپر گریں حالانکہ وہ تازہ کھجوروں کا موسم نہ تھا۔اور حضرت خضر علیہ السلام کے عجائبات کا ذکر ہے اور قول مرجوع کی بناء پر وہ ولی تھے،نبی نہ تھے۔اس قول مرجوح کی بناء پر ان کے عجائبات بھی کرامات کے زمرہ میں شامل ہوں گے۔

اور قرآن کریم میں حضرت ذوالقرنین کا قصہ بھی موجود ہے۔اور اصحاب کہف اوران کے کتے کا ان سے ہمکلام ہونے کا واقعہ بھی ہے اور اس ولی کا تذکرہ بھی ہے جس کے پاس کتاب کا علم تھا اور وہ حضرت آصف بن برخیا تھے جنہوں نے ایک ماہ سے زیادہ مسافت سے آنکھ جھپکنے سے پہلے بلقیس کے تخت کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں حاضر کردیا تھا۔

اور سنت میں جن کرامات کا تذکرہ ہے ان میں چند درج ذیل ہیں:

چھوٹے سے بچے کا جریج کے ساتھ کلام کرنا اور غار میں پھنسے ہوئے تین افراد سے دُعا کی بدولت پتھر کی چٹان کا ہٹ جانا،حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کھانے کا بڑھ جانا،آپ کے پیالے میں مہمان کے ہمراہ کھانا تناول

فرما رہے تھے کہ آپ کے کھانے میں اتنی برکت وکثرت پیدا ہوئی کہ کھانے کے بعد وہ پہلے سے بھی زیادہ تھا۔تین مرتبہ آپ کے ساتھ اس طرح کا واقعہ پیش آیا ہے۔ان تینوں واقعات کو بخاری ومسلم دونوں نے روایت کیا ہے۔
بخاری ومسلم نے ہی روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حق میں فرمایا کہ:

اِنَّهٗ مِنَ الْمُحَدَّثِیْنَ. (کہ حضرت عمر الہام والوں میں سے ہیں)

(صحیح ابن حبان، کتاب باب مناقب الصحابۃ الخ، ذکر الخبر الخ، رقم الحدیث: 6894، ج:15، ص:317)

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ آپ مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کے منبر پر جمعہ کے دن خطبہ ارشاد فرما رہے تھے اور اچانک آپ نے خطبہ کے دوران با آواز بلند فرمایا: اے ساریہ! پہاڑ کی طرف آؤ۔اس پر لوگ تعجب کرنے لگے اور آپ کے اس عمل کو پسند نہ کیا حتیٰ کہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ خطبہ کے بعد حضرت عمر کے ساتھ سختی سے پیش آئے اور لوگوں نے ان کے بارے میں جو کچھ کہا تھا اس کی بھی اطلاع دی۔کچھ عرصہ بعد لوگوں پر واقعہ اور اس کی صداقت اور اس بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کرامات ظاہر ہوئیں۔یہ واقعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کئی کرامات پر مشتمل ہے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی مسلمانوں اور ان کے دشمن کا حال منکشف ہوا۔حضرت ساریہ عجم کی سرزمین پر نہاوند کے مقام میں دشمن کے ساتھ نبرد آزما تھے اس بُعد مسافت کے باوجود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آواز ان تک پہنچی اور انہوں نے آپ کی آواز پہچان لی حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسلمان مجاہدین کا ایک لشکر بھی تھا۔دشمن پہاڑ میں چھپے ہوئے تھے تاکہ وہاں سے وہ مسلمانوں پر حملہ کرسکیں۔حضرت عمر پر ان کا حال منکشف ہوا تو آپ نے آواز دی اور پہاڑ کے دامن میں چھپے ہوئے دشمن سے لشکر اسلام کو محتاط رہنے کی تاکید فرمائی پس آپ کی آواز حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ تک پہنچی اور انہوں نے آپ کی آواز سن لی اور لشکر اسلام پہاڑ کے دامن میں چھپے ہوئے دشمن سے محتاط ہوگیا اور دشمن پر فتح یاب ہوگیا۔

(الاعتقاد للبیہقی، باب القول فی کرامات الخ، ج:1، ص:314)

صحیح بخاری میں روایت ہے کہ جب مکہ معظمہ میں حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کا ارادہ کیا گیا تو لوگوں نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ میں بے موسمی انگور تھا۔اور صحیح بخاری میں ہی ہے کہ حضرت اسید بن حضیر اور حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہما ایک تاریک شب حضور ﷺ کی مجلس سے اٹھ کر جانے لگے تو ان کے آگے آگے چراغ کی مانند روشنی چلنے لگی۔

(صحیح بخاری، کتاب تفسیر القرآن، باب قولہ: ان تعذبہم فانہم عبادک الخ، رقم الحدیث: 4626، ج:، ص:55 مطبوعہ: ایضا)

بخاری ومسلم نے روایت کیا ہے کہ عشرہ مبشرہ سے تعلق رکھنے والے حضرت سعد اور سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں

سے ہرایک نے اپنے اوپر جھوٹ باندھنے والے کے خلاف بددعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور وہی ہوا جس کی انہوں نے درخواست کی تھی۔

(صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ تبوک الخ رقم الحدیث: 4415، ج:6 ص:2)

صحیح مسلم میں ہے:

رُبَّ اَشْعَثَ اَغْبَرَ مَدْفُوْعٍ بِالْاَبْوَابِ لَوْاَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَاَبَرَّهٗ.

بہت سارے پراگندہ بالوں والے، غبار آلود، دروازوں سے دھکیلے جانے والے اگر اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھائیں تو اللہ تعالیٰ انہیں ان کی قسموں میں ضرور سچا ثابت کرتا ہے۔

(صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب قبول الصدقۃ الخ، رقم الحدیث: 1015، ج:2 ص:703)

علماء کرام نے فرمایا ہے کہ اس موضوع پر سوائے اس حدیث کے کوئی اور دلیل نہ ہوتی تو یہ حدیث ہی اس موضوع پر دلالت کے لئے کافی ہوتی۔ جب کرامت کا جواز اور بغیر کسی حصر و مقدار کے اسکا وقوع ثابت ہو چکا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ آئمہ کرام کی اکثریت کا نظریہ یہ ہے کہ کرامت کا اپنی جنس اور عظمت میں معجزہ کے برابر ہونا جائز ہے۔ اور البتہ ان دونوں کے درمیان اس چیز میں فرق ہے کہ معجزہ دعوائے نبوت کے ساتھ مقترن ہوتا ہے یعنی باعتبار جنس کے دعوۂ نبوت کے ساتھ مقترن ہو یا اس اعتبار سے کہ اس کی شان یہ ہے کہ وہ دعوۂ نبوت کے ساتھ مقترن ہو۔ ورنہ انبیاء کرام علیہم السلام بالخصوص ہمارے نبی کریم ﷺ کے اکثر معجزات ادعائے نبوت کے بغیر واقع ہوتے ہیں۔ اور کرامت دعوۂ ولایت کے ساتھ مقترن ہوتی ہے یا وہ بغیر کسی چیز کے دعویٰ کے ولی کے ہاتھ پر ظاہر ہوتی ہے اور زیادہ تر ایسا ہی ہوتا ہے۔ ان آئمہ کرام میں امام ابوبکر بن فورک رحمہ اللہ بھی شامل ہیں۔

ان کا قول ہے کہ معجزات صدق کی دلیلیں ہیں۔ پھر اگر صاحب دلیل نبوت کا دعویٰ کرے تو وہ معجزہ ہے جو اس کے قول میں صادق ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ اور اگر صاحب دلیل ولایت کی طرف اشارہ کرتا ہے تو پھر یہ معجزہ اس کے قول میں سچا ہونے پر دلالت کرتا ہے اور اس کو کرامت کے ساتھ موسوم کیا جاتا ہے معجزہ کے ساتھ موسوم نہیں کیا جاتا۔ اگرچہ اس کا تعلق معجزات ہی کی جنس سے ہوتا ہے۔ اور ان آئمہ میں امام الحرمین بھی شامل ہیں الارشاد میں ان کی جو عبارت ہے اس کا ملخص یہ ہے۔

اہل حق جس کی طرف مائل ہیں وہ یہ ہے اولیاء کرام کے حق میں خرقِ عادت جائز ہے اور اس کے بعد کرامات کے مجوزین مختلف گروہوں میں تقسیم ہیں ان میں سے بعض نے کرامت کے لئے یہ شرط عائد کی ہے کہ ولی اس پر اختیار نہ رکھتا ہو۔ اور اسی سے انہوں نے معجزہ اور کرامت کے درمیان فرق کیا ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں۔ اور ان میں سے بعض

نے کرامت کا دعوۂ ولایت کے مطابق واقع ہونے کو ممنوع قرار دیا ہے تاکہ معجزہ کرامت کے تشابہ نہ ہو جائے۔ لیکن انکا یہ نظریہ ہمیں پسند نہیں کیونکہ کرامت کبھی دعوۂ ولایت کے باوجود واقع ہو جاتی ہے اور ہمارے بعض اصحاب نے کرامت کے لئے یہ شرط قرار دیا ہے کہ وہ کسی نبی کا معجزہ نہیں ہوگی۔ مثلاً سمندر کا پھٹ جانا اور مُردوں کو زندہ کرنا وغیرہ لیکن ان کا یہ نظریہ درست نہیں۔ ہمارے نزدیک کرامات کے ضمن میں جملہ خوارق عادات کو جائز قرار دینا پسندیدہ نظریہ ہے اوراس کے بعد امام الحرمین نے بیان کیا ہے کہ کرامت و معجزہ کے درمیان صرف اتنا فرق ہے کہ معجزہ دعوۂ نبوت کے مطابق واقع ہوتا ہے اور کرامت بدون ادّعائے نبوت کے واقع ہوتی ہے۔

امام ابوحامد غزالی رحمہ اللہ نے خارقِ عادت کو معجزہ کے ساتھ موسوم کرنے کے لئے یہ شرط لازم قرار دی ہے کہ وہ دعوائے نبوت کے ساتھ مقترن ہو۔ امام غزالی رحمہ اللہ کے اس قول سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ کرامت اور معجزہ کے درمیان سوائے اس کے کوئی فرق نہیں۔ اسی لئے امام غزالی رحمہ اللہ اپنی کتاب "**الاقتصاء فی الاعتقاد**" میں کرامات کی بحث میں خوارق عادات کے تذکرے کے دوران فرماتے ہیں:

> خرقِ عادت فی نفسہ مستحیل نہیں ہوتا کیونکہ یہ ممکن ہے اور یہ بطلانِ معجزہ کا سبب بھی نہیں ہوتا اسکی وجہ یہ ہے کہ کرامت اس خارقِ عادت کو کہا جاتا ہے جس کے ساتھ تحدّی کا اقتران نہ ہو۔ اور اگر خارق عادت کے ساتھ تحدّی مقترن ہو تو ہم اس کو معجزہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

(الاقتصاد فی الاعتقاد للغزالی، فی اثبات نبوۃ نبیا محمد، ج:1 ص:114، مطبوعہ: ایضا)

امام فخر الدین رازی اور علامہ بیضاوی رحمہ اللہ نے بھی معجزہ اور کرامت کے درمیان تحدّی نبوت ہی کو فرق قرار دیا ہے اسی طرح حافظ الدین نسفی رحمہ اللہ نے بھی دونوں کے درمیان ادعائے نبوت ہی کو فرق قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

> یہ اعتراض نہیں ہوسکتا کہ اگر کرامت جائز ہو تو پھر نبی ﷺ کی معرفت تک رسائی کا راستہ بند ہو جائے گا۔ کیونکہ معجزہ دعوائے نبوت کے ساتھ مقترن ہوتا ہے۔ اور اگر ولی نبوت کا دعویٰ کرے تو وہ اسی وقت کافر ہو جائے گا۔

(تفسیر الکبیر الرازی، سورۃ الاعراف، آیت نمبر:14، ج:14 ص:213، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی بیروت)

اسی فرق کو ان سے پہلے امام ابوالقاسم قشیری رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ:

> دعوائے نبوت کے سوا معجزہ کی تمام یا اکثر شرائط کرامت میں پائی جاتی ہیں۔

(الرسالۃ القشریۃ، باب الصمت، ج:2 ص:521)

بطور کرامت مُردوں کو زندہ کرنا

حضرت امام یافعی رحمہ اللہ مذکورہ آئمہ اوران کے علاوہ دیگر آئمہ کے اس طرح کے اقوال ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

ان تمام آئمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ معجزہ اور کرامت کے درمیان فرق کرنے والی چیز صرف تحدّی نبوت ہے۔

ان آئمہ میں سے کسی نے بھی کرامت کا اپنی جنس وعظمت میں معجزہ سے کم درجہ ہونے کو شرط قرار نہیں دیا۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ ماسوائے تحدی کے باقی امور میں ان دونوں کا برابر ہونا جائز ہے۔ جیسا کہ امام الحرمین نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ لہٰذا ماسوائے تحدّی کے تمام خوارق میں حتیٰ کہ احیاء موتی میں بھی ان دونوں کا اجتماع جائز ہے

امام قشیری رحمہ اللہ کے الرسالہ میں امام قشیری رحمہ اللہ اپنی سند کے ساتھ جو امام ابوعبداللہ تستری رحمہ اللہ تک متصل ہے اور شیخ تستری رحمہ اللہ ''الرسالہ'' کے کبار مشائخ میں سے ایک ہیں ان کے بارے میں نقل کیا ہے کہ وہ ایک مرتبہ جہاد کے لئے اسلامی لشکر کے ساتھ ایک صحرا سے گزر رہے تھے کہ ان کی سواری کا گھوڑا مر گیا۔ تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اے میرے ربّ! اس گھوڑے کو تُستر اپنے گاؤں پہنچنے تک ہمیں بطور عاریہ عطا فرما۔ اچانک وہ مرا ہوا گھوڑا اٹھ کھڑا ہو گیا جب وہ جہاد سے فارغ ہو کر واپس اپنے گاؤں تُستر پہنچے تو اپنے بیٹے سے فرمایا بیٹے! گھوڑے سے زین اُتار لو۔ بیٹے نے عرض کی گھوڑا پسینے سے شرابور ہے۔ اس حالت میں اس سے زین اتاری جائے تو ہوا اُس کو نقصان دے گی۔ حضرت تستری رحمہ اللہ نے فرمایا۔ اے بیٹے! یہ گھوڑا عاریہ کے طور پر لایا گیا ہے اس کو فوری واپس کرنا ہے۔ بیٹے نے یہ سن کر گھوڑے کی پشت سے زین اتاری تو گھوڑا مردہ حالت میں زمین پر گر پڑا۔

(الرسالۃ القشیریۃ، باب فی ذکر مشائخ ہذہ الطریقۃ الخ، ج:1 ص:60)

اور اسی رسالہ میں شیخ تستری رحمہ اللہ کا یہ واقعہ بھی منقول ہے کہ وہ ایک دفعہ اپنے گدھے پر سوار ہو کر جہاد کے لئے نکلے تو راستے میں گدھا مر گیا۔ آپ نے وضو کیا اور نماز ادا کی اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے میرے رب میری سواری کے گدھے کو زندہ فرما تا کہ مجھے کسی کا احسان نہ اٹھانا پڑے اللہ تعالیٰ نے اُن کی دعا قبول فرمائی اور گدھا اپنے کان جھاڑتے ہوئے اٹھ کھڑا ہو گیا۔

(الرسالۃ القشیریۃ، باب المعرفۃ باللہ الخ، ج:2 ص:557)

اور اسی رسالہ میں یہ واقعہ بھی منقول ہے کہ ایک اعرابی کا اونٹ گر کر مر گیا اور اس کا کجاوہ وپالان اس کی پشت سے الگ ہو کر زمین پر گر پڑے تو اعرابی نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا کو شرف قبولیت

عطا فرمایا اور وہ اونٹ اس حال میں اٹھا کہ کجاوہ و پالان اس کی پشت پر موجود تھے۔ اور اسی رسالہ میں حضرت سہل
تستری رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ خلوص نیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا اگر مُردوں
کو زندہ کرنے کا ارادہ کرے تو وہ باذن اللہ ایسا کر گزرے گا اور اگر وہ اپنے پاس موجود کسی مریض پر اپنا ہاتھ پھیرے
تو وہ صحت مند ہو کر اٹھ کھڑا ہو جائے گا۔

(الرسالۃ القشیریۃ، باب العرفۃ باللہ الخ، ج:2 ص:557)

حضرت امام یافعی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اہل یمن کے صالحین میں سے بعض نے مجھے بتایا کہ حضرت شیخ اعدل
رحمہ اللہ جو حضرت شیخ ابوالمغیث رحمہ اللہ کے مرشد اور شیخ ہیں ان کے ہاں ایک بلی تھی جس کی وہ دیکھ بھال کرتے
اور کھانا کھلایا کرتے تھے ایک دن ان کے خادم نے اس بلی کو اتنا مارا کہ وہ ضرب کی وجہ سے مرگئی اور خادم خاموشی کے
ساتھ اس کے لاشہ کو اٹھا کر کسی ویرانے میں پھینک آیا دو یا تین دن کے بعد شیخ اعدل رحمہ اللہ نے خادم سے بلی کے
بارے میں پوچھا تو اس نے ڈر کے مارے صحیح بات نہ بتائی اور کہا مجھے کوئی علم نہیں۔ شیخ نے اس کی بات سن کر بلی
کو آواز دی تو وہ دوڑتی ہوئی شیخ کے پاس آئی اور شیخ نے حسب عادت اس کو کھانا کھلایا۔

ایک مغربی صالح عالم جن کا میں عقیدت مند ہوں، نے اپنی سند کے ساتھ مجھے یہ بتایا کہ حضرت شیخ ابو یوسف
دھمانی رحمہ اللہ کے کسی مرید کا وصال ہوا تو اسکے عزیز و اقارب شدید غم و پریشانی میں مبتلا ہو گئے۔ پس شیخ دھمانی رحمہ
اللہ اس مرید کی میت کے پاس آئے اور فرمایا: قُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ . (اللہ کے حکم سے کھڑے ہو جاؤ) تو وہ کھڑا ہو گیا اور
اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے جتنا زمانہ چاہا زندہ رہا۔

اور امام یافعی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ مشہور واقعات میں سے ایک وہ واقعہ بھی ہے جو پانچ مختلف سندوں کے
ساتھ اعظم و اجل شیوخ کی ایک جماعت سے مروی ہے کہ حضرت غوث اعظم شیخ سید عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی
خدمت اقدس میں ایک خاتون اپنا بیٹا لے کر حاضر ہوئیں اور بیٹے کو آپ کے سپرد کر کے چلیں گئیں حضرت غوث اعظم
رحمہ اللہ نے اس کو اپنی تربیت میں قبول فرماتے ہوئے اسے ریاضت و مجاہدہ کا حکم دیا۔ کچھ عرصہ بعد اس کی والدہ اس
سے ملنے کے لئے آئی تو اس نے دیکھا کہ اس کا بیٹا نہایت لاغر ہو چکا ہے اور اس کا رنگ زرد ہو چکا ہے اور وہ جَو کے
خشک ٹکڑے تناول کر رہا ہے۔ اور اس کے بعد وہ حضرت غوث اعظم رحمہ اللہ کے پاس گئی تو دیکھا کہ آپ کے سامنے
ایک برتن میں مرغی کی ہڈیاں پڑی ہوئیں ہیں تو اُس نے عرض کیا اے میرے سردار! آپ تو مرغی کا گوشت تناول
فرماتے ہیں اور میرا بیٹا جو کی روٹی کے خشک ٹکڑے کھا رہا ہے۔ یہ سن کر حضرت غوث الاعظم نے مرغی کی ہڈیوں پر اپنا
دست اقدس رکھ کر فرمایا اللہ تعالیٰ جو ہڈیوں کا زندہ فرمانے والا ہے اس کے حکم سے اٹھ جا، تو مرغی صحیح سلامت حالت
میں اٹھ کھڑی ہوئی اور آوازیں دینے لگی۔ حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے اس خاتون سے فرمایا تیرا بیٹا جب ایسا

ہوگا تو پھر وہ مرغی اور جو چاہے کھائے گا۔

مشائخ کی ایک جماعت نے بتایا کہ شدید گرمی کے دن ایک مرتبہ ایک چیل حضرت غوث الاعظم رحمہ اللہ کی مجلس وعظ سے گزری جس کے سبب حاضرین مجلس کی توجہ بٹنے لگی تو حضرت غوث الاعظم رحمہ اللہ ہوا سے مخاطب ہوکر فرمانے لگے اے ہوا! اس کے سرکوتن سے جدا کردو اتنا فرمانا تھا کہ چیل کا سر ایک کنارے میں اورتن دوسرے کنارے میں گر گیا۔ یہ دیکھ کر حضرت غوث الاعظم منبر سے نیچے تشریف لائے۔ اور مردہ چیل کو ایک ہاتھ سے پکڑا اور دوسرا ہاتھ اس کے اوپر پھیرا اور زبان سے کہا: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ قُوْمِيْ بِاِذْنِ اللّٰهِ (بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اللہ تعالیٰ کے حکم سے اٹھ جا) پس وہ زندہ ہوکر اُڑ گئی۔ تمام حاضرین نے اس منظر کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا۔ اولیاء کرام کا مُردوں سے کلام کرنا بھی ثابت ہے۔

رسالہ قشیریہ میں حضرت ابو سعید الخراز رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کہ آپ مکہ مکرمہ میں مقیم تھے ایک مرتبہ آپ کا باب بنی شیبہ سے گزر ہوا تو آپ نے ایک خوبصورت نوجوان کو مُردہ حالت میں دیکھا تو آپ نے اس کے چہرے پر نگاہ ڈالی تو وہ مسکرا کر کہنے لگا۔

يَا اَبَا سَعِيْدٍ مَا عَلِمْتَ اَنَّ الْاَحِبَّاءَ اَحْيَاءٌ وَ اِنْ مَاتُوْا وَ اِنَّمَا يَنْتَقِلُوْنَ مِنْ دَارٍ اِلٰى دَارٍ.

اے ابو سعید! آپ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والے مرنے کے باوجود زندہ ہوتے ہیں وہ تو صرف ایک گھر سے دوسرے گھر منتقل ہوتے ہیں۔

(الرسالۃ القشیریۃ، باب الادب، ج:2 ص:475)

تین مختلف سندوں کے ساتھ مروی ہے کہ حضرت غوث الاعظم شیخ سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ لوگوں کے ایک جم غفیر کے ہمراہ حضرت شیخ حماد دباس رحمہ اللہ کی قبر مبارک کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے اور وہاں طویل قیام کیا جب آپ وہاں سے لوٹے تو بہت خوش نظر آئے۔ اس کی وجہ دریافت کی گئی تو آپ نے فرمایا ایک مرتبہ میں حضرت شیخ حماد اور ان کے اصحاب کے ہمراہ نماز جمعہ ادا کرنے کے لئے بغداد کے پل سے گزر رہا تھا کہ شیخ حماد نے شدید سردی سے میری آزمائش کی خاطر مجھے دھکا دے کر نہر میں گرا دیا۔ لیکن مجھ پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا تو انہوں نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ عبدالقادر وہ پہاڑ ہے جو اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرتا۔ میں نے قبر میں ان کو بہت حسین ہیئت میں دیکھا لیکن ان کا داہنا ہاتھ کام نہیں کر رہا تھا۔ میں نے ان سے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے فرمایا یہ وہی ہاتھ ہے جس کے ساتھ میں نے آپ کو نہر میں دھکا دیا تھا، کیا آپ مجھے معاف نہیں فرمائیں گے؟ میں نے کہا ہاں میں نے معاف کر دیا۔ تو انہوں نے کہا پھر تم اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ میرے ہاتھ کو درست حالت پر لوٹا دے۔ اس

لئے میں دیر تک ان کی قبر کے پاس بیٹھا رہا اور اس بارے میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہا اور میرے ساتھ پانچ ہزار اولیاء کرام اپنی قبروں میں اٹھ کر دعا کرتے رہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے حق میں میری دعا کو قبول فرمائے۔

پس میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ کو صحیح وسالم حالت میں لوٹا دیا اور انہوں نے اسی ہاتھ کے ساتھ میرے ساتھ مصافحہ کیا۔ اس واقعہ کے بعد مشائخ جمع ہوئے اور انہوں نے حضرت غوث اعظم رحمہ اللہ سے اس پر دلیل طلب کی۔ تو آپ نے فرمایا تم دو آدمیوں کو منتخب کرو میں ان کی زبان سے اس کی دلیل بیان کروں گا۔ مشائخ نے مجلس سے غیر حاضر افراد کا انتخاب کیا اور کہنے لگے ہم ان کے آنے تک آپ کو مہلت دیتے ہیں جب وہ آجائیں تو ان کی زبان سے اپنے اس دعوے پر دلیل پیش کریں۔ آپ نے فرمایا ان دونوں سے اس کی دلیل سننے تک تم اپنی مجلس میں بیٹھے رہو۔ تھوڑی دیر گزری تھی ان دونوں میں سے ایک اس طرح دوڑتے ہوئے آیا جیسا کہ وہ دشمن پر حملہ آور ہو رہا ہے اور اس نے کہا اللہ تعالیٰ نے مجھے ابھی ابھی حضرت شیخ حماد کا دیدار کرایا اور شیخ نے مجھے فرمایا کہ اے یوسف! جلدی سے شیخ عبدالقادر کے مدرسہ میں جاؤ اور اس میں موجود مشائخ سے کہو کہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ نے میرے بارے میں جو خبر دی اس میں وہ سچے ہیں۔ اُس نے ابھی اپنی بات مکمل نہیں کی تھی کہ دوسرا شخص بھی پہنچ گیا۔ اور اُس نے بھی اسی طرح کا واقعہ بیان کیا جو پہلے نے بیان کیا تھا۔ مشائخ نے یہ سن کر مجلس برخاست کی اور اپنی اس جسارت پر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنے لگے۔

اولیاء کرام سے سمندر کے پھٹنے اور اس کے خشک ہونے کی کرامات بھی صادر ہوتی رہتی ہیں۔ رسالہ قشیریہ میں بعض اولیاء کرام سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں ہم کشتی کے ذریعہ سمندری سفر کر رہے تھے کہ دوران سفر ہمارے ایک ساتھی کا انتقال ہو گیا ہم نے اس کی تجہیز وتکفین کے بعد اس کو سمندر میں پھینکنے کا ارادہ کیا تو یکا یک سمندر خشک ہو گیا۔ ہم نے خشک زمین میں اس کے لئے قبر کھودی، اور اس کو دفن کر دیا۔ دفن سے فارغ ہوئے تو پانی بلند ہو گیا اور ہماری کشتی پانی کے اوپر تیرنے لگ گئی۔ اور ہم نے اس کشتی کے ذریعہ اپنا سفر جاری رکھا۔

(الرسالۃ القشیریۃ، باب المعرفۃ باللہ الخ ج:2 ص:544)

اولیاء کرام سے انقلاب اعیان کرامات کا ظہور بھی ہوتا ہے۔ اور انکی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ شمار نہیں کیا جاسکتا ہے۔ شراب کا گھی بننا انقلاب اعیان میں سے ہی ہے۔ جیسا کہ شیخ عیسیٰ ہتاؤ یمنی رحمہ اللہ کے بارے میں ہے کہ ان کا کسی فاحشہ عورت سے گزر ہوا تو انہوں نے اس کے ساتھ وعدہ کیا کہ میں عشاء کے بعد تیرے پاس آؤں گا۔ جس پر وہ بہت خوش ہوئی اور اپنے آپ کو خوب سجایا۔ شیخ حسب وعدہ اس کے گھر گئے اور دو رکعت نفل ادا کئے اور پھر واپس لوٹ آئے اور فرمانے لگے مقصد حاصل ہو گیا۔ اس عورت نے توبہ کی اور شیخ نے اپنے ایک مرید کے ساتھ اس کا نکاح کروادیا۔ اور ولیمہ کے لئے عصیدہ (ایک طرح کا کھانا جو آٹا اور گھی ملا کر پکایا جاتا ہے) پکانے کا حکم

دیا اور اس کے لئے سالن کا سامان خریدنے سے منع فرما دیا۔ اس کے بعد شیخ اور فقراء تشریف لائے ایسے محسوس ہوتا تھا گویا کہ وہ سالن کا انتظار کررہے ہیں۔ خدن کے امیر کو اس بات کا علم ہوا کہ شیخ کے مرید کی دعوت ولیمہ میں سالن کا کوئی بندوبست نہیں تو اس نے شیخ کی آزمائش کی خاطر شراب کی بھری دو بوتلیں بھیجیں تاکہ وہ اس کو سالن سمجھ کر کھانے کے ساتھ استعمال کریں۔ شیخ نے دونوں بوتلیں اپنے ہاتھ میں لے کر کھانے پر انڈیلا تو وہ نہایت نفیس اور عمدہ گھی تھا۔ امیر کے قاصد نے بھی اس کو تناول کیا۔ جب امیر حزن کو یہ خبر ملی تو وہ آیا اور اس نے بھی کھانا تناول کیا اور یہ معلوم کر کے حیرت میں مبتلا ہو گیا ہے وہ شراب کی بجائے عمدہ قسم کا گھی ہے۔ اسی وقت اس نے اپنی گستاخی سے توبہ کی۔

اولیاء کرام کے لئے زمین کی مسافت کا سمٹ جانا۔ اوران کے جسم کی متعدد صورتوں کا مختلف مقامات پر دیکھا جانا اور زمین سے پانی کا پھوٹ جانا جمادات وحیوانات کا ان کے ساتھ کلام کرنا۔ اور اشیاء حتیٰ کہ جنات وغیرہ کا ان کی اطاعت کرنا وغیرہ وہ مشہور اور متواتر کرامات ہیں جو مخالفین کے دلائل کو باطل کرتی ہیں اور جاہلوں کے شبہات کا قلع قمع کردیتی ہیں۔

کرامت ومعجزہ کے درمیان فرق

امام یافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کرامت اور معجزہ کے درمیان ایک یہ فرق ہے کہ نبی ﷺ پر معجزہ کا اظہار واجب ہوتا ہے۔ اور ولی پر کرامت کا اخفاء واجب ہوتا ہے۔ لیکن ضرورت یا اظہار کی اجازت کے وقت یا حال غالب ہونے کے وقت کہ جس میں ولی کو کوئی اختیار نہیں رہتا یا مرید کے یقین کی تقویت کے لئے کرامت کا اظہار جائز ہے۔ اور جن محققین نے ولی کے لئے اظہار کرامت کو مطلقاً جائز قرار دیا ہے ان کے اس اطلاق کو مذکورہ بعض صورتوں پر محمول کیا جائے گا کیونکہ ہر کوئی جانتا ہے کہ بغیر کسی صحیح غرض کے کرامت کا اظہار جائز نہیں برخلاف کسی صحیح غرض کے کہ اس کے لئے بلاشبہ جائز ہے۔ اور اظہار کرامت کے جواز کا ضابطہ یہ ہے کہ کرامت کے اظہار میں کوئی مصلحت پائی جاتی ہے تو پھر اس کا اظہار جائز ہے۔ جیسا کہ کسی کافر بادشاہ کا واقعہ ہے کہ اس نے ایک بزرگ سے کہا اگر تم نے میرے سامنے کسی کرامت کا اظہار نہ کیا تو میں تمہیں قتل کردوں گا۔ اس بزرگ نے اونٹ کے دل کو سونا بنا کر پیش کیا اور خالی کوزے کو ہوا میں اچھال دیا۔ تو وہ پانی سے بھر گیا اور پھر اس کو اوندھا کیا تو اس سے پانی کا ایک قطرہ بھی نہ گرا۔ بادشاہ سے لوگوں نے کہا یہ جادو ہے۔ اس بزرگ نے آگ کا الاؤ جلانے اور سماع کی محفل منعقد کرنے کا حکم دیا۔ جب آگ جلنے لگی تو بزرگ اپنے مریدین سمیت اس آگ میں داخل ہو گئے اور بادشاہ کا بیٹا بھی اس کے ساتھ آگ میں اتر گیا تھوڑی دیر کے لئے وہ آنکھوں سے اوجھل ہو گیا اور پھر وہ اپنے ایک ہاتھ میں انار اور دوسرے ہاتھ میں سیب لے کر آگ سے باہر نکل آیا۔ پھر بادشاہ سے کہا گیا کہ یہ بھی جادو ہے۔ بادشاہ نے زہر سے بھرا ہوا ایک پیالہ پیش کیا اور کہا

کہ میں تمہاری تصدیق تب کروں گا کہ تم اس پیالے میں موجود سارے زہر کو نوش کرلو گے۔ اس بزرگ نے سماع کا حکم دیا اور اس کے بعد اس کو نوش کرنے لگے۔ تو ان کے کپڑے پھٹ گئے۔ ان کو لباس تبدیل کروایا گیا تو پھر کپڑے پھٹ گئے یہاں تک کئی بار کپڑے تبدیل کئے اور ہر بار وہ پھٹتے گئے۔

بالآخر جب یہ سلسلہ رُک گیا تو لوگوں نے دیکھا کہ شیخ پر زہر کا کوئی اثر نہیں تھا۔ البتہ وہ پسینے سے شرابور تھے۔

عارف باللہ حضرت ابوالعباس المرسی رحمہ اللہ کا واقعہ ہے کہ ایک شخص نے ان کی ضیافت کی اور ان کے سامنے ان کی آزمائش کے لئے ناپاک کھانا پیش کیا تو انہوں نے فرمایا حضرت حارث بن اسد محاسبی رحمہ اللہ کے ہاتھ میں ایک رگ تھی جب ان کے سامنے حرام پیش کیا جاتا تھا تو وہ پھڑکنے لگتی تھی اور میرے ہاتھ میں اس طرح کی ستر رگیں ہیں۔ یہ سن کر اس شخص نے استغفار کیا اور تائب ہوگیا۔

کرامت اور سحر کے درمیان فرق

کرامت وسحر کے درمیان یہ فرق ہے کہ تحدّی نبوت کے ساتھ غیر مقترن خارق عادت امر کا ظہور اگر کسی صالح شخص کے ہاتھ پر ہوجائے تو وہ کرامت ہے۔ صالح سے مراد وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کے حقوق بھی ادا کرنے والا ہے اور اس کی مخلوق کے حقوق بھی ادا کرنے والا ہے۔ اور اگر خارق عادت امر کا ظہور غیر صالح شخص کے ہاتھ پر ہوجائے تو وہ سحر ہے یا استدراج ہے۔ امام الحرمین فرماتے ہیں کرامت کے لئے خارق عادت امر کا صالح شخص کے ہاتھ پر ظاہر ہونا عقل کا مقتضاء نہیں لیکن علماء کے اجماع سے یہ ثابت ہے۔ (امام یافعی کی عبارت ختم ہوگئی)

صالح شخص کا غیر صالح سے ممتاز ہونا بہت واضح ہے جس میں کوئی خفاء نہیں کیونکہ داغ اور خوبصورتی کی علامت کے درمیان واضح فرق ہوتا ہے۔ اگر غیر صالح انسان فریب دینے کی کوشش کرے تو تب بھی لازماً اس کے فعل یا قول سے پھیلنے والی بدبوں اُس کو صالح شخص سے ممتاز کردیتی ہے۔

براہمہ کی تعریف

صالح اور غیر صالح کے درمیان خود بخود امتیاز ہوجاتا ہے اسی لئے یہاں پر ایک صوفی کے ایک برھمن کے ساتھ مناظرے کا واقعہ بیان کیا جاتا ہے۔ براھمہ ایک ایسا گروہ ہے جن سے کثرت ریاضت کے سبب خوارق کا ظہور ہوتا ہے۔ جب ان دونوں کا آپس میں مناظرہ ہوا تو برھمن فضاء میں اڑنے لگا۔ اور شیخ کی جوتی فضاء میں بلند ہوئی اور برھمن کے سر پر برستی رہی حتیٰ کہ وہ سر کے بل شیخ کے قدموں میں زمین پر گر پڑا۔ اور لوگ یہ سارا منظر دیکھتے رہے میں کہتا ہوں کہ اسی کی مثل ایک واقعہ ہمارے شیخ ومرشد حضرت عارف بن ابوالحمائل رحمہ اللہ کو پیش آیا ہے کہ وہ شہر دمیاط کے قریب فارس کور کے مقام پر قیام پذیر تھے۔ اُن دنوں ایک جعل ساز نقلی صوفی صوفیاء کے بھیس میں وہاں آیا

اور لوگوں کے سامنے خوارق ظاہر کرنے شروع کر دیئے جس کی وجہ سے شہر کی اکثر آبادی اس کے پیچھے لگ گئی اور بہت سارے لوگ جادۂ مستقیم اور راہِ استقامت سے دور ہونے لگے حتیٰ کہ اس نے بہت سارے لوگوں کو اپنے دامِ فریب میں پھنسا کر گمراہ کر دیا۔ جس جامع مسجد میں ہمارے مرشد اور شیخ مجلس ذکر منعقد کرتے تھے اسی میں اس نے بھی مجلس ذکر منعقد کرنی شروع کر دی۔

ایک رات ہمارے شیخ اپنی مجلس ذکر سے فارغ ہو چکے تھے لیکن اس جعلی صوفی کی مجلس ذکر ابھی قائم تھی۔ ہمارے شیخ تھوڑی دیر خاموشی سے سنتے رہے اور پھر انہوں نے اپنے استعمال کی کھڑاؤ سے فرمایا اے کھڑاؤ! اس شیخ کے پاس جاؤ اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کو مارتے مارتے جامعہ سے نکال دو۔ ہمارے شیخ کی وہ جماعت جس کے سامنے شیخ نے یہ بات کی تھی اس نے تھوڑی دیر کے بعد جعلی صوفی کی گردن پر کھڑاؤ کے برسنے کی آواز سنی۔ جس کے سبب وہ جعلی شیخ اور اس کے ساتھی وہاں سے بھاگ نکلے اور اس کے بعد شہر سے بھی نکل گئے اور پتہ نہیں چلا کہ وہ کہاں چلے گئے۔

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ کے ایک عارف بھائی سندی مرید کا واقعہ ہے کہ برہمن ان کی مجلس میں آیا اور فضاء میں بلند ہو گیا۔ یہ دیکھ کر شیخ بھی اسی وقت فضاء میں بلند ہو گئے اور مجلس کے اطراف میں گھومنے لگے۔ لیکن برہمن مجلس کے گرد گھوم نہ سکا کیونکہ یہ طبقہ فضاء میں گھومنے پر قدرت نہیں رکھتا صرف سیدھا فضاء میں بلند ہو سکتا ہے۔ برہمن اپنی اس کمزوری اور کوتاہی اور شیخ کی قدرت وکرامت دیکھ کر مشرف باسلام ہو گیا۔

ایک مرتبہ عبداللہ بن حنیف رحمہ اللہ کا ایک برہمن کے ساتھ اسلام کی حقیقت کے بارے میں مناظرہ ہوا۔ اس نے عبداللہ بن حنیف سے کہا ہم دونوں چالیس دن تک بھوکے رہتے ہیں جو چالیس دن مکمل کر لے گا اس کا مذہب سچا ہو گا چنانچہ دونوں نے ایک ساتھ بھوکا رہنے کا آغاز کیا اور برہمن مدت مکمل نہ کر سکا اور حضرت عبداللہ بن حنیف رحمہ اللہ نے انتہائے لذت وسرور اور قوت کے ساتھ یہ مدت مکمل کر لی اور انہی بزرگ کا ایک دوسرے برہمن کے ساتھ پانی میں ایک مدت تک ٹھہرنے کا مقابلہ ہوا تو برہمن دوران مدت مر گیا اور اس کی لاش پانی پر تیرتے ہوئے ظاہر ہوئی اور حضرت عبداللہ بن حنیف پانی میں زندہ وسلامت رہے اور جو مدت مقرر تھی اس کو مکمل کیا اور اس کے بعد زندہ وسلامت باہر نکل آئے۔

صحیح مذہب کے مطابق ولی کو کبھی اپنے ولی ہونے کا علم ہوتا ہے

معجزہ اور کرامت کے درمیان ایک فرق یہ ہے کہ معجزہ کی نبوت پر دلالت قطعی ہوتی ہے اور نبی کو اپنے نبی ہونے کا یقینی علم ہوتا ہے۔ اور کرامت کی ولایت پر دلالت ظنی ہوتی ہے اور جس سے کرامت کا ظہور ہوتا ہے یا جس پر کرامت ظاہر ہوتی ہے اس کو اپنے ولی ہونے کا علم کبھی ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا۔ اس پر امام کبیر شیخ ابو علی دقاق اور

امام کبیر شیخ ابوالقاسم قشیری رحمہ اللہ کا اتفاق ہے۔اس میں ان لوگوں کا رد بھی ہے جن کا خیال ہے کہ ولی کو اپنے ولی ہونے کا علم نہیں ہوتا کیونکہ یہ خوف خدا کے منافی ہے۔ان کا رد اس طرح ہے کہ اولیاء کرام کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی ہیبت و تعظیم پائی جاتی ہے جو ان میں خوف الٰہی کے اضافے کا باعث ہوتی ہے۔(انتہی)

مصنف فرماتے ہیں۔تحقیق یہ ہے کہ علم ولایت خوف کے ہرگز منافی نہیں کیا تمہیں علم نہیں کہ وہ دس صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جن کو جنت کی خوشخبری دی گئی ہے وہ اپنے بارے میں جانتے تھے کہ وہ جنتی ہیں اور اس کے باوجود ان کے ہاں بے انتہاء وغیر محدود خوف پایا جاتا تھا جیسا کہ ان کی مقدس سیرتوں سے معلوم ہوتا ہے۔

صحابہ کرام کے زمانے کے بعد کثرت کرامات کی وجہ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے کے بعد کرامت کا زیادہ کثرت کے ساتھ ظہور کی وجہ بقول حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ یہ ہے کہ صحابہ کرام کے ایمان مضبوط وقوی تھے وہ مزید کسی تقویت پہنچانے والے سبب کے محتاج نہ تھے برخلاف صحابہ کرام کے بعد والے لوگوں کے کہ ان کے ایمان اتنے مضبوط نہیں اس لئے وہ کثرت کرامات کے محتاج ہیں تاکہ ان کے ایمان کی تقویت ہو جائے۔

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ نے اس بارے میں جو کچھ فرمایا ہے وہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے سابقہ ارشاد کی شرح کی مانند ہے۔چنانچہ وہ فرماتے ہیں: کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے کے بعد کرامات کی کثرت کا سبب یہ ہے کہ حضور ﷺ کے دیدار اور آپ کے مشاہدے اور نزول وحی کی برکت سے صحابہ کرام کے باطن منور اور ان کے نفوس پاک وصاف اور ان کے قلوب کے آئینے صیقل ہو چکے تھے۔اللہ تعالیٰ کی اس عطاء کے سبب وہ کرائم کی رؤیت اور نوادر قدرت کی چمک حاصل کرنے سے بے نیاز ہو چکے تھے۔حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ نے اس قول کے ذریعے اپنے سابقہ قول سے اتفاق کیا ہے چنانچہ انکا سابقہ قول ہے:

بعض دفعہ مکاشف کے یقین کے کمزور ہونے کی وجہ سے خرق عادت کے ذریعے مکاشفہ عطا کیا جاتا ہے اور یہ مکاشفہ بعض بندوں کے لئے بطور دستی وفوری ثواب اور نقد و بلا تاخیر جزاء کے طور پر ہوتا ہے۔بندوں کا ایک گروہ ان سے فائق اور اعلیٰ درجہ کا ہوا ہے کہ جن کے قلوب سے حجابات اٹھ چکے ہوتے ہیں اور ان کے باطن روح یقین اور محض معرفت کے ساتھ مخلوط ہو چکے ہیں جس کے سبب انہیں رؤیتِ کرامت کی ضرورت نہیں رہتی۔

اور حضرت امام یافعی رحمہ اللہ مذکورہ سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کرامت نور اور زینت ہے۔نور کے حسن کی رونق تاریکی وظلمت میں ظاہر ہوتی ہے۔اور زینت کے حسن کا کمال عیب ونقص کے مقابلے میں ظاہر ہوتا ہے ظلمت وتاریکی اور عیب ونقص صحابہ کرام کے بعد وجود پذیر ہوئے ہیں۔

کیا تمہیں معلوم نہیں کہ سورج جب غروب ہوتا ہے تو اس کے غروب ہونے کے ساتھ ہی نہ تاریکی ظاہر ہوتی ہے اور نہ ہی ستارے ظاہر ہوتے ہیں بلکہ سورج افق سے کافی دور ہوتا ہے تو اس کے بعد تاریکی بھی ظاہر ہوتی ہے اور ستارے بھی خوب واضح ہوتے ہیں۔

اور حضرت امام یافعی رحمہ اللہ نے اسی سوال کا دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اہل حق، اہلسنت واہل عدل تھے اور انکے بعد کے لوگ ان کے برعکس ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے تمام شہروں میں ایسے لوگ پیدا کئے کہ جن کی گردنوں پر ایسی تیز کاٹنے والی تلواریں (کرامات کا ڈر ڈالا) لٹکائیں جن کے ساتھ انہوں نے بدعات، مساوات اور مخالفات کے مواد کو کاٹ پھینکا حتی کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں میں اپنے ان بندوں کا اس قدر خوف ڈالا کہ لوگ انہیں تسلیم کرنے لگے۔ پس اسی وجہ سے ان بندوں میں ان تلواروں کا جن کے ساتھ کرامات سے کنایہ کیا گیا ہے کثرت کے ساتھ ظہور رہا ہے اور ان کا یہ سلسلہ ہمیشہ حضور ﷺ کے حق میں بطور معجزہ کے جاری رہے گا۔

(حضرت امام یافعی رحمہ اللہ کے دونوں جوابوں کا خلاصہ ختم ہوگیا)

امام یافعی رحمہ اللہ کے دوسرے جواب کے خلاصہ کا مآل سابقہ دونوں جواب ہی ہیں۔ اور ان کا دوسرا جواب جواب بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا کیونکہ اس بارے میں کثرت کے ساتھ سوال کیا جاتا ہے بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے کے بعد لوگوں کے دلوں میں کرامت کے وقوع کی عظمت کا ظہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں ظہور سے زیادہ ہے اور یہ ایک دوسری بحث ہے۔ نیز انہوں نے سورج اور ستاروں کی جو مثال بیان کی ہے اس سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ بعد والے زمانوں میں عارفین کے ایسے ستارے اور اہل ہدایت کے ایسے کواکب ہیں جو پہلے زمانوں میں نہیں تھے یہ بات اس حد تک درست ہے کہ کچھ افراد ایسے تھے لیکن صحابہ کی نسبت نہیں بلکہ غیر صحابہ کی نسبت ایسے افراد موجود تھے۔ کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد کوئی کتنا بھی کامل ہوجائے مگر وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی غایت اور ان کے درجہ کمال تک نہیں پہنچ سکتا ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ:

لَوْ اَنْفَقَ اَحَدُكُمْ مِثْلَ جَبَلِ اُحُدٍ ذَهَبًا .مَا بَلَغَ مُدَّاَحَدِهِمْ وَ لَا نَصِيْفَهُ.

اگر تم میں سے کوئی اُحد پہاڑ کی مثل سونا صدقہ کرے تو وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی کے ایک مُد کی مقدار صدقہ کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتا ہے۔ اور نہ ہی مد کے نصف کی مقدار تک پہنچ سکتا ہے۔

(مسند احمد، مسند المکثرین من الصحابۃ، مسند ابی سعید الخدری، رقم الحدیث: 11079، ج: 17 ص: 137)

اور ابن عبد البر رحمہ اللہ کا یہ قول ہے کہ مخلوق میں کبھی ایسا شخص پایا جاسکتا ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی افضل ہو کیونکہ حدیث میں ہے کہ:

أُمَّتِيْ كَالْمَطَرِ لَا يَدْرِيْ أَوَّلُهُ خَيْرٌ أَمْ آخِرُهُ.

میری امت بارش کی مانند ہے کہ بارش کے بارے میں یہ معلوم نہیں کیا جاسکتا ہے کہ اس کا پہلا قطرہ بہتر ہے یا آخری قطرہ بہتر ہے۔

(المعجم الاوسط للطبرانی، باب السین، من اسمہ سیف، رقم الحدیث: 3660، ج:4، ص:78)

اور اس کے علاوہ دیگر احادیث بھی ہیں جو اس حدیث کے قریب ہیں۔

ابن عبدالبرؒ رحمہ اللہ کا یہ قول نہایت ہی شاذ ہے اور جن احادیث کا انہوں نے حوالہ دیا ہے ان میں اس پر کوئی دلالت نہیں پائی جاتی ہے۔ان میں صرف اس قدر دلالت پائی جاتی ہے کہ بعض متاخرین میں کچھ ایسی خصوصیات اور خوبیاں پائی جائیں گی جو متقدمین میں موجود نہ ہوں گی۔اور یہ طے شدہ اصول ہے کہ مفضول یعنی غیر افضل کبھی اپنی بعض خصوصیات کی وجہ سے ممتاز ہو جاتا ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں حضرت ابن المبارک رحمہ اللہ کا قول

ہماری مذکورہ بات کی تائید ابن المبارک رحمہ اللہ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے جو انہوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا ہے۔ابن المبارک کا قول ان کی امامت اور علم و معرفت کے اعتبار سے تمہارے لئے بطور دلیل بس کرتا ہے۔چنانچہ جب ان سے سوال کیا گیا کہ حضرت امیر معاویہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہما میں سے کون افضل ہے؟ تو انہوں نے فرمایا:

> اللہ تعالیٰ کی قسم کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کی ناک میں داخل ہونے والا غبار عمر بن عبدالعزیز جیسے ایک سو سے بہتر ہے۔اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور آپ کی زیارت کا شرف اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ کرم کے پڑنے کا شرف اتنا عظیم ہے کہ کوئی عدل اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا اور نہ کوئی دوسرا شرف اس کے برابر ہوسکتا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے کے بعد کرامتوں کی کثرت میں حکمت

حضرت امام یافعی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ اولیاء کرام کی کرامات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا تتمہ ہیں کیونکہ کرامات ولی کے صدق کی شہادت دیتی ہیں اور ولی کا صدق اس کے دین کے کامل ہونے کی دلیل ہے۔اور دین کا کامل ہونا اس کے حق ہونے کی دلیل ہے اور دین کا حق ہونا اس بات کی دلیل ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رسالت کے

متعلق جو خبر دی ہے اس میں وہ صادق ہیں ۔اس اعتبار سے کرامت جملہ معجزات میں سے ہے۔

منکرین کرامات کی مذمت

کرامات اپنی کثرت اور اپنے ظہور میں اس حد تک پہنچی ہیں کہ انکا علم ضروری بلکہ بدیہی بن چکا ہے ۔اس کے باوجود ایک گروہ نے کرامات کا انکار کیا ہے ان کے اس انکار پر حیرت نہیں ہونی چاہیے کیونکہ ایک گروہ نے تو قرآن کریم کا بھی انکار کیا ہے جو اعظم المعجزات اور ابھر الآیات (واضح وممتاز ترین نشانی) ہے اور اس بارے میں ان کا عناد اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے:

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَابًا فِي قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِنْ هٰذَا اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ.

(سورۃ الانعام، آیت:7)

اگر ہم تم پر کاغذ میں کچھ لکھا ہوا اتارتے کہ وہ اسے اپنے ہاتھوں سے چھوتے جب بھی کافر کہتے کہ یہ نہیں مگر کھلا جادو۔

اور معتزلہ کے انکار کرامت پر بھی کوئی تعجب نہیں کیونکہ وہ اس سے بھی زیادہ قبیح گہرائیوں میں گر چکے ہیں انہوں نے نبی کریم ﷺ سے متواتر المعنی نصوص کا انکار کیا ہے ۔مثلاً نکیرین کے سوال اور عذاب قبر، حوض کوثر اور میزان وغیرہ کا انکار کیا ہے ۔وہ اپنی عقول فاسدہ کی تقلید میں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور اس کے اسماء وافعال اور اس کی آیات پر اپنی عقول فاسدہ کو حَکَم قرار دینے کے نتیجے میں اس عظیم کذب وافتراء کے مرتکب ہوئے ہیں ۔پس انہوں نے جس چیز کو اپنی مریض، فاسد اور لئیم عقلوں کے موافق پایا اس کو قبول کیا اور اس کے علاوہ ہر چیز کو رد کیا ہے اور انہوں نے قرآن وسنت اور اجماع امت کی تکذیب کی ذرہ بھر پرواہ نہیں کی کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کے مستحق ہو چکے تھے اور مذمت پہلے سے ہی ان کا مقدر بن چکی تھی۔

حیرت تو ان بعض لوگوں پر ہوتی ہے جو اپنے آپ کو اہل السنۃ کہتے ہیں وہ اپنے بارے میں یہ گمان رکھتے ہیں وہ اس نعمت واحسان کے حاملین ہیں اس کے باوجود وہ کرامات کا شدت کے ساتھ انکار کرتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ بدقسمتی اور محرومی کا اس حد تک مستحق ہو چکے ہیں کہ بدقسمتی نے ان کو ہلاک ہونے والوں کے ساتھ ملا دیا ہے اور ان کو ایک طرح کے وبال اور خسارے کا حقدار بنا دیا ہے ان منکرین کی چند قسمیں ہیں ۔ایک قسم وہ ہے جو صوفیاء کرام کے مشائخ عظام اور ان کے متبعین کی مخالفت کرتے ہیں اور ان میں سے ایک گروہ صوفیاء کرام کو اجمالی طور پر تسلیم کرتا ہے اور یہ بھی تسلیم کرتا ہے کہ اُن سے کرامات کا صدور ہوتا ہے ۔لیکن جب اس کے سامنے کسی معین اور خاص بزرگ کا تذکرہ کیا جاتا ہے یا کوئی کرامت دیکھتا ہے تو پھر وہ اس کا انکار کرتا ہے کیونکہ شیطان نے اس گروہ کے دماغ

میں یہ چیز ڈال دی ہے کہ وہ اولیاء کرام اور صوفیاء عظام جن سے کرامات کا صدور ہوتا تھا ان کا سلسلہ اب منقطع ہو چکا ہے۔اس وقت جن کو صوفیاء کہا جاتا ہے وہ دھوکہ اور فریب میں مبتلا ہیں شیطان نے ان پر تسلط جمالیا ہے اور وہ ان پر امور کو غلط ملط کر کے پیش کرتا ہے۔منکرین کا یہ گروہ بھی محرومی اور عناد کے اسی درجہ کا حامل ہے جس درجے کا پہلا گروہ حامل تھا۔ابن الجوزی نے بھی اس طرح کے خیالات کا اظہار کیا ہے ممکن ہے کہ اس میں ان کی نیت اچھی ہو مثلاً ان کا اس سے مقصد اپنے زمانے کے بدعتیوں کی سرکوبی ہو۔

ابن الجوزی رحمہ اللہ نے "تلبیس ابلیس" نامی ایک کتاب تصنیف کی ہے اور اس میں انہوں نے صوفیاء کرام کے شیوخ اور ان کے طریقہ کے خلاف گفتگو کی ہے چنانچہ ان کا خیال ہے کہ مشائخ صوفیاء پر ابلیس نے امور غلط ملط کر دیئے ہیں۔امام یافعی رحمہ اللہ نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ابن الجوزی کو یہ معلوم نہیں ہوا کہ وہ خود اپنی اس گفتگو اور صوفیاء کرام کے بارے میں اپنے اس اعتقاد میں تلبیس ابلیس کا شکار ہوئے ہیں اور ان کو اس کا شعور تک نہیں ہوا۔ان کے بارہ میں انتہائے تعجب ہے کہ انہوں نے ایسے سادات صوفیاء کرام کا انکار کیا ہے جو اوتاد، ابدال ،صدیقین اور عارفین ہیں جنہوں نے کائنات کو کرامات وانوار اور معارف سے پُر کیا ہے۔ان اولیاء کرام نے اپنی حیات کے آغاز سے ہی ماسوی اللہ سے اعراض کیا جس کے نتیجے میں انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ فضل ملا جس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ان میں سے چھوٹے درجے کے ولی کا یہ قول ہے کہ:

> میں نے اپنے دل کے دروازے پر بیس سال پہرہ دیا ہے جب بھی کوئی چیز اس کو غیر خدا کی طرف مائل کرنا چاہتی تو میں اس کو سختی کے ساتھ دور کر دیتا تھا۔

ابن الجوزی رحمہ اللہ نے اس کے باوجود صوفیاء کرام کی طویل حکایات بیان کیں ہیں اور ان کے محاسن صفات کے بیان میں اپنی بہت قوت صرف کی ہے کاش کہ ان کی کتاب صوفیاء کرام کے تذکرہ سے بالکل خالی ہوتی اور وہ ان لوگوں میں سے نہ ہوتے جو ایک سال کو حرام اور دوسرے سال کو حلال قرار دیتے ہیں۔۔

تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ علماء اعلام، آئمہ مجتہدین اور ان کے بعد کے تمام آئمہ متقدمین ومتاخرین ہمیشہ سے صوفیاء کرام کے معتقدین رہے ہیں اور اُن سے تبرک حاصل کرتے رہے ہیں اور ان سے استمداد کرتے رہے ہیں۔

حضرت المتقی بن دقیق العید رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ وہ ایک درویش کے معتقد تھے اور اس کے ساتھ بڑے ادب واحترام سے پیش آتے تھے۔اس درویش کے بارے میں انہوں نے فرمایا تھا کہ یہ درویش میرے نزدیک سو فقہاء سے یا ایک ہزار فقہاء سے بہتر ہے۔اسی طرح حضرت امام نووی رحمہ اللہ حضرت شیخ یٰسین المزین کے بہت معتقد تھے اور ان کے اشارے کو بھی قبول کرتے تھے حتیٰ کہ امام نووی رحمہ اللہ کے وصال سے تھوڑا عرصہ پہلے شیخ نے ان کو سفر کا حکم دیا اور فرمایا کہ سفر میں جانے سے پہلے لوگوں سے مستعار لی ہوئیں کتابیں ان کو واپس لوٹا دو چنانچہ امام

نووی نے ان کے حکم کے مطابق مستعار کتابیں لوٹا دیں اور دمشق سے نوای شہر کی طرف لوٹنے کی غرض سے سفر اختیار کیا اور نوئی شہر میں اپنے اہل اور عزیز اقارب کے پاس پہنچتے ہی ان کا وصال ہوگیا اسی طرح حضرت عز بن عبد السلام رحمہ اللہ بھی صوفیاء کرام کی حد درجہ تعظیم کیا کرتے تھے۔

حضرت خضر علیہ السلام کی حیات کے دلائل

ابن الجوزی رحمہ اللہ نے حضرت خضر علیہ السلام کی حیات کا انکار کیا ہے حالانکہ اس میں انہوں نے خود اپنی ذات کی مخالفت کی ہے کیونکہ انہوں نے بذات خود حضرت خضر علیہ السلام کی حیات پر دلالت کرنے والی چار روایات کو سند متصل کے ساتھ روایت کیا ہے جو درج ذیل ہیں۔

1...... حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

اَنَّهٗ رَاٰهُ مُعَلِّقًا بِاَسْتَارِ الْكَعْبَةِ.

انہوں نے حضرت خضر علیہ السلام کو کعبہ معظمہ کے غلاف سے چمٹے ہوئے دیکھا ہے۔

(اخبار النساء لابن جوزی، باب ما جاء فی الخ، ج:1 ص:194)

2...... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے کہ جس کے بارے میں کہتے ہیں میرے علم کے مطابق یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوع ہی روایت کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ:

يَلْتَقِي الْخِضْرُ وَ اِلْيَاسُ فِيْ كُلِّ عَامٍ فِي الْمَوْسِمِ فَيَحْلِقُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا رَأْسَ صَاحِبِهِ.

ہر سال حج کے موقع پر حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت الیاس علیہ السلام کی ملاقات ہوتی ہے اور وہ ایک دوسرے کے سر کا حلق کرتے ہیں۔

(الموضوعات لابن جوزی، کتاب ذکر جماعۃ من الانبیاء الخ، ج:1 ص:195)

3...... اور حضرت علی کرام اللہ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ:

اَنَّهٗ يَجْتَمِعُ مَعَ اِسْرَافِيْلَ وَ جِبْرِيْلَ وَمِيْكَائِيْلَ بِعَرَفَاتٍ وَ الْحَجِيْجَ بِهَا.

حضرت خضر علیہ السلام حضرت اسرافیل، جبریل اور میکائیل علیہم السلام کے ساتھ میدان عرفات میں اس حال میں ملاقات کرتے ہیں کہ حجاج کرام عرفات میں موجود ہوتے ہیں۔

(الموضوعات لابن جوزی، کتاب ذکر جماعۃ من الانبیاء الخ، ج:1 ص:195)

حکایت

ایک شخص کسی درویش کی اس لئے مخالفت کرتا تھا کہ وہ محفل سماع منعقد کرتے ہیں اور خواتین ان کے پاس موجود ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ وہ اپنے آپ کو عورت محسوس کرنے لگا کہ اُس کا عضو تناسل عورت کی اندام نہانی میں بدل چکا ہے۔ جس پر وہ حیران و پریشان ہوگیا اور کافی دیر تک اسی پریشانی میں مبتلا رہا۔ ادھر وہ درویش اپنی مجلس سے اُٹھے اور اس کے پاس تشریف لے گئے اور اُس کو فرمانے لگے درویشوں اور فقراء کے پاس جب خواتین بیٹھتی ہیں تو فقراء کا ایسا ہی حال ہوا ہے۔ یہ سن کر وہ شخص تائب ہوا اور شیخ نے اس کے لئے دعا فرمائی۔ تو اسکی سابقہ حالت بحال ہوگئی۔

مصنف فرماتے ہیں: اس قسم کا سماع صرف اس طرح کے شیخ اور اس کے ان مریدین کیلئے ہی مباح ہے جو شیخ کی برکت سے محفوظ ہیں ورنہ محرمات ظاہرہ سے خالی و پاک سماع میں بھی اختلاف اور تفصیل ہے۔

حکایت

ایک بادشاہ نے کسی درویش کی زمین سے خراج وصول کرنے کیلئے اپنے کارندے بھیجے جب وہ درویش کی زمین میں پہنچے تو وہاں سے کئی اژدھا نکلے اور انہوں نے ان کارندوں کا پیچھا کیا اور وہ وہاں سے بھاگ نکلے اور اس کے بعد جب تک وہ درویش اور اس کی اولاد زندہ رہی بادشاہ کے کارندے ان کی زمین کا خراج وصول کرنے نہیں آئے۔ جب درویش اور انکی اولاد کا زمانہ گزرا تو وہ درویش کے پوتوں کے پاس خراج وصول کرنے کے لئے آئے تو ان کے سامنے بھی اژدھا نمودار ہوئے اور ان کا بھی اسی طرح پیچھا کرنے لگے۔ میں ان لوگوں میں سے ایک ہوں جنہوں نے اس زمین کو اس وقت دیکھا ہے جس وقت اس کے اندر سے اژدھے نکل رہے تھے۔ اسی شیخ کی ذریت میں کسی کی گائے چوری کی گئی اور چوری کرنے والے اس کو اپنے گھر لے جا کر اس سے دودھ نکالنے لگے تو ان کی ٹانگوں کے ساتھ اژدھے لپٹ گئے یہ دیکھ کر چوروں نے جلدی سے گائے واپس کر کے اژدھوں سے اپنی جان چھڑائی۔ (حضرت امام یافعی قدس سرہٗ کے کلام کی تلخیص ختم ہوگئی)

حضرت شیخ عارف ابالحسن شاذلی رحمہ اللہ نے اس گروہ کے بارے میں فرمایا ہے جو اپنے زمانے کے اولیاء کی کرامات کا انکار کرتے تھے کہ اللہ کی قسم یہ اسرائیلیہ گروہ ہے جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کی اور حضرت محمد ﷺ کی تکذیب کی کیونکہ انہوں نے آپ کا زمانہ پایا تھا۔

ارھاص

انبیاء کرام علیہم السلام کے وہ خوارق جو قبل از نبوت ان سے صادر ہوتے ہیں وہ بھی کرامات سے تعلق رکھتے ہیں

مثلاً ہمارے حضور ﷺ کے لئے بادلوں کا سایہ کرنا اور شق صدر وغیرہ واقعات یہ معجزات نہیں کیونکہ یہ تحدّی اور ادّعائے نبوت سے پہلے کے واقعات ہیں بلکہ یہ کرامات ہیں جن کو ارھاص کہا جاتا ہے یعنی نبوت کی تاسیس کے طور پر انکا وقوع ہوتا ہے اس کو آئمہ اصول وغیرہم نے ذکر کیا ہے۔

تحدّی

معجزہ میں تحدّی ہوتی ہے اور تحدی کا معنی مقابلہ کرنا ہے جوھری فرماتے ہیں کہ تم کسی شخص کے ساتھ مقابلہ کرو اور اس پر غالب آ جاؤ تو عربی میں کہا جاتا ہے کہ تَحَدَّیْتُ فُلَانًا (تم نے فلاں کے ساتھ مقابلہ کیا اور غالب آ گئے)

اور لغت کی کتاب ''الاساس'' میں ہے۔ حَدَای یَحْدُوْا کا معنی بلند آواز کے ساتھ حدی گانا ہے۔ یعنی اونٹ بان اونٹوں کو جانکنے اور ان کو چلنے پر برانگیختہ کرنے کے لئے جو نغمہ گاتے ہیں اس کو حدی کہا جاتا ہے۔ اور اس کے بعد یہ مقابلہ کرنے اور غالب آنے پر بطور مجاز استعمال ہوا ہے۔

اس کی اصل الحدو ہے اور الحدو کا مطلب دو حدی خوان افراد کا حدی خوانی میں مقابلہ کرنے کو کہا جاتا ہے کہ جن میں سے ہر ایک اپنے مقابل سے حدی خوانی کا مطالبہ کرتا ہے۔ درحقیقت حدی خوانی کرنے والوں میں سے ایک ایک حد یعنی کنارے میں اور دوسرا دوسرے کنارے میں ہوتا ہے۔ کیونکہ ان میں سے ایک اونٹوں کی قطار کی داہنی جانب اور دوسرا قطار کی بائیں جانب ہوتا ہے اور ان میں سے ہر ایک اپنے ساتھی سے حدی خوانی اور نغمہ گانے کا مطالبہ کرتا ہے۔ پھر اس لفظ میں اس حد تک توسیع سے کام لیا گیا کہ ہر مقابلے کے لئے استعمال ہونے لگا۔

معجزہ میں تحدّی کا ہونا لازم ہے گرچہ بالقوہ ہی کیوں نہ ہو

علماء کرام کا اس میں اختلاف ہے کہ کیا سحر کے سبب حقیقتوں اور طبیعتوں میں انقلاب پیدا ہو سکتا ہے؟ مثلاً انسان کو گدھا بنایا جا سکے۔ ایک گروہ کے نزدیک ایسا نہیں ہو سکتا لہٰذا ساحر اور صالح مطلقاً کسی حقیقت کو تبدیل نہیں کر سکتے ان کی دلیل یہ ہے کہ اگر ایسا ہو جائے تو پھر معجزہ اور کرامت کے درمیان اور کرامت اور سحر کے درمیان اشتباہ پیدا ہو جائے گا۔ لیکن ان کی اس دلیل کو اس بناء پر ردّ کیا گیا ہے کہ معجزہ تحدی کے ساتھ مقترن ہونے کی وجہ سے کرامت اور سحر سے ممتاز ہوتا ہے۔

اعتراض...... حضور ﷺ کی اکثر واغلب آیات کا صدور بغیر کسی تحدی کے ہوا ہے مثلاً کنکریوں کا کلمہ پڑھنا استون حنانہ کا گفتگو کرنا۔ انگلیوں سے پانی کا چشمہ جاری ہونا لہٰذا یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ معجزہ کیساتھ تحدی مقترن ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ سحر وغیرہ سے ممتاز ہوتا ہے۔ شاہد حضور ﷺ نے سوائے قرآن کریم اور موت کی تمنا کا مطالبہ کرنے کے کسی اور چیز کے ساتھ تحدی نہیں فرمائی ہے۔ اور ان دونوں کے علاوہ

آپ کے دیگر خوارق کو معجزہ یا آیت کے ساتھ موسوم نہ کرنا کفر کی بجائے بدعت کے زیادہ قریب ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے خود انبیاء کرام کے معجزات کو آیات سے موسوم فرمایا ہے اور تحدی شرط قرار نہیں دی۔

جواب...... معجزہ میں تحدی کے لازم ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس میں بالفعل یا بالقوہ تحدی کا ہونا لازم ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اعلان نبوت کے بعد آپ ﷺ سے صادر ہونے والے تمام معجزات تحدی کے ساتھ مقرون ہیں۔ آپ ﷺ کے احوال واقال کے قرائن خود یہ بتاتے تھے کہ آپ نبوت کا دعویٰ کر رہے ہیں اور اپنے مخالفین کو چیلنج دے رہے ہیں اور ایسی چیز کا اظہار کر رہے ہیں جو مخالفین کو مغلوب کر دے گی۔ پس آپ ﷺ سے ظاہر ہونے والی تمام خوارق عادات چیزوں کو آیات اور معجزات سے موسوم کیا جائے گا۔ اور آپ ﷺ کا بعض آیات کے ظہور کے وقت اَشْهَدُ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ (میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ کا رسول ہوں) فرمانا ہم نے جو بیان کیا ہے اس پر شاہد عادل ہے۔

(مسند احمد، مسند بنی ہاشم، مسند عبداللہ بن مسعود الخ، رقم الحدیث: 3708، ج:3 ص:556)

لفظِ معجزہ انبیاء کرام کے خوارق کے ساتھ خاص ہے

کرامت اور معجزہ کے درمیان ایک فرق یہ بھی ہے کہ لفظِ معجزہ انبیاء کرام علیہم السلام کے خوارق کے ساتھ خاص ہے اور لفظ کرامت اولیاء کرام کے خوارق کے ساتھ خاص ہے اور یہ خلف کی اصطلاح ہے۔ اور سلف مثلاً حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ وغیرہ آئمہ دونوں کو معجزہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور انبیاء کرام علیہم السلام کے خوارق کو آیت یا برھان کے نام سے خاص کرتے ہیں اور کبھی کرامت کو بھی آیت کہہ دیتے ہیں کیونکہ وہ ولی جس سے کرامت کا ظہور ہوا ہے وہ جس نبی کی اتباع کرتے ہیں کرامت اس نبی کی نبوت کی دلیل ہوتی ہے۔ جیسا کہ پہلے اس اس کو ہم نے بیان کیا ہے۔ (واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب)

کیا صاحب کرامت اولیاء اُن اولیاء سے افضل ہیں جن کے ہاتھوں پر کوئی کرامت ظاہر نہیں ہوتی؟

سوال...... کیا کرامت والے اولیاء اُن اولیاء سے افضل ہیں جن کے ہاتھوں پر کوئی کرامت ظاہر نہیں ہوتی؟

جواب...... کرامات والے اولیاء کرام دوسروں سے علی الاطلاق افضل نہیں بلکہ کرامت کبھی تو ہمت بالیقین کے ضعیف وکمزور ہونے کی خبر دیتی ہے جس کی وجہ سے فوری طور پر اللہ تعالیٰ کی اُس ولی پر عنایت ہو جاتی ہے تاکہ اس سے ہمت ویقین دونوں کی یا ان میں سے کسی ایک کی کمزوری زائل ہو جائے بلکہ کرامت کا ظہور محب سے یا زاہد سے ہوتا ہے عارف سے کرامت کا ظہور نہیں ہوتا حالانکہ اکثر علماء کے نزدیک معرفت محبت سے افضل ہے کیونکہ زہد اوائل مقامات سے تعلق رکھتا ہے اور محبت مقامات کے طے کرنے سے جو احوال پیدا ہوتے

ہیں ان میں سب سے پہلا حال ہے۔

حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ کا یہ قول اس کی تائید کرتا ہے کہ:

اَلْعَارِفُ طَیَّارٌ وَ الزَّاھِدُ سَیَّارٌ. (عارف اڑنے والا اور زاہد پیدل چلنے والا ہے)

(الرسالۃ القشیریۃ، باب المعرفۃ باللہ، ج:2 ص:480)

اور حضرت بایزید بسطامی کے علاوہ دیگر اولیاء نے جو فرمایا ہے وہ بھی اس کا موید ہے چنانچہ ان کا فرمان ہے:

اَنّٰی یَلْحَقُ السَّیَّارُ الطَّیَّارَ.

پیدل چلنے والا (زاہد) اُڑنے والے (عارف) کے ساتھ کیسے آ کر مل سکتا ہے۔

(الرسالۃ القشیریۃ، باب المعرفۃ باللہ، ج:2 ص:480)

اور حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ:

اَلزُّھَّادُ مُلُوْکُ الْاٰخِرَۃِ وَ ھُمْ فُقَرَآءُ الْعَارِفِیْنَ.

زھاد آخرت بادشاہ ہیں حالانکہ وہ عارفین کے فقراء (محتاج) ہیں۔

((الرسالۃ القشیریۃ، باب المعرفۃ باللہ، ج:2 ص:482)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ افضلیت میں کرامت کا کوئی داخل نہیں۔افضلیت کا منشاء قوتِ یقین اور کمالِ معرفت ہے۔لہٰذا ہر وہ ولی جس کا یقین زیادہ قوی اور جس کی معرفت زیادہ کامل ہے وہ افضل ہے۔اسی لئے سید الطائفہ ابوالقاسم جنید بغدادی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ:

کچھ لوگ یقین کی بدولت پانی پر چلے اور جوان سے یقیناً افضل تھے وہ پیاس کے سبب وصال کر گئے۔

حضرت جنید بغدادی قدس سرہٗ نے ہی فرمایا ہے کہ: مشہد غیب میں ارتفاعِ ریب کا نام یقین ہے۔یعنی مشاہدۂ غیب کے وقت شک وشبہات کے حجابات کے اٹھنے کا نام یقین ہے۔حضرت سہل تستری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس قلب پر یقین کی خوشبوں تک سونگھنا حرام ہے جس میں غیر اللہ کی طرف ذرہ بھر بھی جھکاؤں پایا جاتا ہے۔ہم نے محب اور عارف کے درمیان فضیلت کا جو اطلاق نقل کیا ہے اس کی وجہ سے تمہارے ہاں یہ اشکال پیدا نہیں ہونا چاہئے کہ عارف کا محب ہونا لازم ہے پھر یہ فرق کیسا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں پر جو فضیلت بیان کی گئی ہے۔وہ غلبۂ محبت اور غلبۂ معرفت کے درمیان بیان کی گئی ہے کیونکہ بعض اولیاء کرام پر نشۂ محبت اور شدتِ شیفتگی کا غلبہ ہوتا ہے اور ان کی عقلیں اپنے محبوب کی شدید محبت میں مغلوب و متحیر ہوتی ہیں۔

اور بعض اولیاء کرام پر مشاہدہ اور اسرار و معارف کے ظہور اور تجلیات کی کثرت کا غلبہ ہوتا ہے اور اس کے باوجود غالب حالات میں ان کے احوالِ محبت معتدل ہوتے ہیں جس کے سبب ان کے معارف کی تعداد میں زیادہ اضافہ ہو جاتا ہے اور پہلی قسم کے اولیاء کرام میں نشۂ محبت اور اشتیاق کی شدت میں اضافہ ہو جاتا ہے اسی لئے محققین نے فرمایا ہے کہ محبت لذت و سرور میں اپنے آپ کو ہلاک کرنے کا نام ہے اور معرفت حیرت و فناء میں مشہود کا نام ہے۔

یقین، علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین میں فرق

یقین انتہائے معرفت کا نام ہے یقین کے تین درجے ہیں۔

(1) علم الیقین یہ نظر و فکر اور استدلال سے پیدا ہوتا ہے۔ (2) عین الیقین یہ کشف اور اللہ تعالیٰ عطا سے حاصل ہوتا ہے۔ (3) حق الیقین یہ موجودات خارجیہ کے مشاہدے کی طرح غیب کو مشاہدہ کرنے کا نام ہے۔ یعنی جس طرح دیکھنے والا موجود خارجی کا مشاہدہ کرتا ہے اسی طرح غیب کو مشاہدہ کرنے کو حق الیقین کہا جاتا ہے۔ پہلا درجہ اولیاء کرام کا ہے اور دوسرا درجہ خواصِ اولیاء کا اور تیسرا درجہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ہے۔ اور حق الیقین کی حقیقت ہمارے نبی کریم ﷺ کے ساتھ مختص ہے۔

علماء باطن اور علماءِ ظاہر میں سے کون سا طبقہ افضل ہے؟

سوال ...... علماء باطن اور علماء ظاہر میں سے کون سا افضل ہے؟

جواب ...... علماء باطن سے تمہاری مراد اگر وہ گروہ ہے جو اہل باطن کے ہاں متبادر ہے یعنی وہ حضرات جو اللہ تعالیٰ کے عارف ہیں اور اللہ تعالیٰ کے عارف ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انہیں افضل اعمال کی توفیق بخشی ہے اور جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمام احوال میں جمیع مخالفتوں سے محفوظ رکھا اور اس کے بعد ان کی آنکھوں سے حجابات اٹھا دیئے اور انہوں نے اپنے رب کی اس طرح عبادت کر گویا کہ وہ اس کو دیکھ رہے تھے اور ماسوا اللہ سے قطع تعلق کرنے اللہ تعالیٰ کی محبت میں مشغول رہے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی سلطنت و حکمت کے عجائب و غرائب پر مطلع کیا اور انہیں اپنی بارگاہِ اقدس کا قرب نصیب کیا۔ اور ان کو اپنی محبت و اشتیاق کی قالینوں پر براجمان کیا اور ان کے قلوب کو اپنے جمال و جلال کی صفات سے لبریز کیا اور ان کے قلوب کو اپنے انوار کی جلوہ گاہ اور اپنے اسرار و رموز کے معادن اور اپنے معارف کے خزائن اور اپنے لطائف کے خزینے بنایا۔ اور ان کے ذریعے دین کا احیاء فرمایا اور ان کے سبب اہل ارادت کو نفع پہنچایا اور ان کے سبب اپنے بندوں کی مدد فرمائی اور ان کے ذریعے شہروں اور ملکوں کی اصلاح فرمائی اور علماء ظاہر سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے علوم کسبیہ حاصل کئے اور حادثات قولیہ و فعلیہ کی مشکلات کی معرفت حاصل کی براہین عقلیہ و نقلیہ کے عجائب

وغرائب کا علم حاصل کیا جس کے ذریعے انہوں نے شریعت کی فصیل کی حفاظت کی تا کہ کوئی ڈاکو اس میں داخل نہ ہو سکے یا کوئی مرتد بدعتی اس میں نقب زنی نہ کر سکے۔لہٰذا اگر علماء باطن اور علماء ظاہر سے مراد تمہاری مذکورہ دو گروہ ہیں تو پھر پہلا گروہ افضل ہے اگر چہ دوسرے گروہ کو بھی بہت بڑی فضیلت حاصل ہے بلکہ بسا اوقات کسی حیثیت سے دوسرا گروہ پہلے افضل ہوتا ہے۔لیکن مطلقاً افضل نہیں اور اس کے باوجود پہلے طبقہ کی افضلیت اپنی جگہ قائم رہتی ہے کیونکہ کبھی مفضول کو افضل پر ایک بلکہ ایک سے زائد خوبیاں حاصل ہوئیں ہیں۔علماء ظاہر کو یہ فضیلت تو اس وقت حاصل ہے جب ان میں صفت عدالت پائی جاتی ہو ورنہ ان کے اور علماء باطن کے درمیان فضیلت میں کوئی تقابل نہیں کیونکہ اس صورت میں ان کے اور علماء باطن کے درمیان صفات کمال میں سے کسی صفت کے اندر مشارکت نہیں پائی جائے گی۔کیونکہ ظاہری علوم جو اعمالِ صالحہ سے خالی ہوں وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور اس کے غضب کا سبب ہیں۔اس لئے احادیث صحیحہ میں اپنے علم پر عمل نہ کرنے والے علماء کا جو انجام بیان فرمایا گیا اس سے عقل دنگ اور فکر حیرت میں پڑ جاتی ہے۔

اس مسئلہ کے بارے میں ہم نے جو کچھ بیان کیا وہی حق ہی اور یہ ان لوگوں کی رائے کے خلاف ہے جنہوں نے دونوں طبقوں میں سے کسی ایک طبقہ کی مطلقاً افضلیت بیان کی ہے۔اور جو تفصیل میں نے بیان کی اس کی طرف انہوں نے توجہ نہیں دی اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جمہور صوفیاء کرام کے نزدیک حضرت خضر ولی ہیں نبی نہیں اور اس بنیاد پر حضرت موسیٰ و خضر کے درمیان پیش آنے والے واقعہ سے ہمارے مذکورہ جواب کو رد نہیں کیا جا سکتا کیونکہ موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام سے بالاجماع افضل ہیں۔کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بے شمار خصوصیات کے سبب حضرت خضر علیہ السلام سے ممتاز ہیں حضرت خضر علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جس چیز کے سبب ممتاز ہیں اس کی انتہاء یہ ہے کہ وہ عالم غیب کی چند ایسی جزئیات پر مطلع تھے جن پر حضرت موسیٰ علیہ السلام مطلع نہ تھے۔ان جزئیات کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام کا تلمذ حاصل کیا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور تادیب آپ کو حضرت خضر علیہ السلام کا تلمذ حاصل کرنا پڑا۔کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا گیا تھا کہ اس وقت انسانوں میں سب سے زیادہ علم والا کون ہے۔تو آپ نے جواب میں فرمایا تھا اس وقت دنیا میں تمام انسانوں سے زیادہ علم والا میں ہوں۔آپ نے اس کا جواب اللہ تعالیٰ کے علم کی طرف تفویض نہ فرمایا جس کی وجہ سے بطور تادیب آپ کو حضرت خضر علیہ السلام کا تلمذ حاصل کرنا پڑا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے مذکورہ واقعہ کا ہمارے اس مسئلہ کے ساتھ کسی کا کوئی تعلق نہیں بنتا۔ لیکن حضرت امام یافعی رحمہ اللہ کا اس میں اختلاف ہے کہ انہوں نے اس واقعہ کو علماء باطن کی افضلیت کی دلیل قرار

دیا ہے اور علماء باطن کی افضلیت کے دلائل میں سے ایک دلیل وہ طے شدہ اصول ہے کہ علماء کو اپنے معلوم کے شرف کی مقدار شرف حاصل ہوتا ہے۔یعنی معلوم کا شرف جس درجے اور مرتبے کا ہوگا اس کا عالم اسی درجے و مرتبے کے شرف والا ہوگا۔اور علوم کا شرف اور ان کی فضیلت اپنے مقاصد اور اپنی اغراض وغایات کے تابع ہوتا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے اسماء وصفات سے تعلق رکھنے والے معارف کا علم تمام علوم سے اشرف وافضل ہے اور ان معارف کے ارباب علم تمام علماء سے اشرف وافضل ہیں۔اور شرف وفضیلت میں علم فقہ اس علم کے قریب ہے کیونکہ علم فقہ کی غرض وغایت اللہ تعالیٰ کے احکام اور اللہ تعالیٰ کی اس شریعت کی معرفت ہے جس شریعت کے مطابق اس کے بندے اس کی عبادت کرتے ہیں۔یہ دونوں علم اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی عبادت کی معرفت پر مشتمل ہیں اور دیگر تمام علوم ان دونوں علموں تک رسائی کا وسیلہ ہیں کیونکہ مخلوق کی تخلیق کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی عبادت ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ مَاخَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ ۔ (سورۃ الذاریات، آیت:56 پ:27)

ترجمہ: میں نے جن اور انسان صرف اس لئے بنائے کہ میری بندگی کریں۔

اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عبادت معرفت کی محتاج ہے۔اور کچھ لوگوں نے عبادت کی تفسیر معرفت کے ساتھ کی ہے جس کے مطابق معرفت اور عبادت کے درمیان لزوم ہے یعنی معرفت کے لئے عبادت لازم ہے کیونکہ جس کو اللہ تعالیٰ کی معرفت بھی حاصل ہو جائے گی تو اس کو اللہ تعالیٰ کی عبادت واطاعت کے واجب ہونے کی معرفت بھی حاصل ہو جائے گی۔

مذکورہ مسئلہ کی مزید وضاحت اس طرح کی جاتی ہے کہ تمام علوم مذکورہ دونوں علموں تک پہنچنے کے لئے وسیلہ ہیں یعنی تمام علوم فقہ کی معرفت تک رسائی کا وسیلہ ہیں۔اور فقہ عمل کی معرفت تک رسائی کا وسیلہ ہے اور عمل اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے قرب تک پہنچنے کا وسیلہ ہے اور اللہ تعالیٰ کا قرب اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے کیلئے وسیلہ ہے۔ لہٰذا جو ان تمام مسائل کو صحیح طریقہ کے ساتھ استعمال کرتا ہے تو وہ مقصود اعظم تک پہنچ جاتا ہے۔ورنہ وہ جہالت میں مبتلا خسارہ اٹھانے والا ہے اگر چہ وہ بظاہر عالم کی صورت میں کیوں نہ ہو۔

فقہ وغیرہ علوم پر علم معرفت کی افضلیت کے دلائل

فقہ وغیرہ علوم پر علم معرفت کی افضلیت پر دلالت کرنے والے چند امور درج ذیل ہیں۔

1.....لدنی علوم ومعارف اولیاء اللہ اور صدیقین کے ساتھ خاص ہیں ظاہری علوم کو ہر کوئی حاصل کر سکتا ہے حتیٰ کہ فاسق اور زندیق لوگ بھی حاصل کر لیتے ہیں۔اسی لئے شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ علیہ نے عوارف

المعارف میں فرمایا ہے کہ صوفیاء کرام اور زُہّاد کے علم کا شرف اس چیز سے واضح ہوتا ہے کہ تمام علوم کو دنیا کی محبت اور حائق تقویٰ کی مخالفت کے باوجود حاصل کرنا ممکن ہے اور بسااوقات دنیا کی محبت ان ظاہری علوم کے حاصل کرنے کیلئے ممد ومعاون ہوتی ہے کیونکہ ان کا حاصل کرنا نفوس پر مشقت کا باعث ہوتا ہے۔لیکن نفوس کی جبلت اور فطرت میں جاہ ومرتبہ حاصل کرنے کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے۔جب انہیں اس بات کا شعور آجاتا ہے کہ جاہ ومرتبہ کا حصول علم کے حصول کے سبب ممکن ہے تو وہ تحصیل علم کی راہ میں پیش آنے والی تمام تکالیف اور شب بیداری کو برداشت کرنے اور وطن سے دور رہنے اور دور دراز کے سفر اختیار کرنے کی مشقت اور لذتوں اور خواہشات سے محرومی پر صبر کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں لیکن صوفیاء کرام کے علوم ومعارف تو وہ ہیں جو دنیا کی محبت کے ساتھ حاصل نہیں کئے جاسکتے۔ ان کا انکشاف خواہشات سے اجتناب کی بدولت ہی ہوتا ہے اور اور ان کی تدریس تقویٰ کے مدرسہ میں ہی ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ يُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ . (سورۃ البقرۃ، آیت:282)

ترجمہ: اور اللہ سے ڈرو اور اللہ تمہیں علم عطا کرتا ہے۔

2......صاحبِ علم جس قدر علم سے نفع اٹھاتا ہے اور جس قدر دوسرے کو نفع پہنچاتا ہے اسی قدر علم کو شرف وفضیلت حاصل ہوتی ہے۔اور اسمیں کوئی شبہ نہیں کہ عارفین ہی وہ حضرات ہیں جو واقعی علم سے نفع اٹھانے والے اور دوسروں تک اس کا نفع پہنچانے والے ہیں یہ حضرات ماسوی اللہ سے اپنے قلوب کو پاک کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی معرفت سے ان کو منور کرتے ہیں یہ اس بات کی دلیل ہے کہ عارفین ہی حقیقت میں علم سے نفع اٹھانے والے ہیں اور عارفین کی برکت سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مدد فرماتا ہے اور ان کی برکت سے زمین سے فساد دور فرماتا ہے ورنہ زمین تباہ وبرباد ہو جاتی اور ان کی برکت سے دین کا قیام ہوتا ہے۔اور جو لوگ ہر قسم کی پست اخلاقی سے تطہیر اور ہر اعلیٰ وبلند وصف کے زیور سے آراستگی کی طرف ترقی کرنے کا ارادہ کرتے ہیں عارفین کی برکت سے انکی رہنمائی کی جاتی ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ عارفین ہی حقیقی معنوں میں اپنے علم سے دوسروں کو فائدہ پہنچانے والے ہیں۔

اولیاء کرام قدس سرھم کی چند عجیب حکایات

عارفین اپنے علم سے دوسروں کو کیسے فائدہ پہنچاتے ہیں ذرا ان حکایات پر غور کریں۔

1......کسی عارف کا واقعہ ہے کہ ان کے ایک مرید نے کسی عورت کے ساتھ زنا کا ارادہ کیا اور جب اس نے اپنی خواہش پوری کرنے کا قصد کیا تو دور دراز کے شہر سے اس کا کان میں اپنے مرشد کی آواز پڑی جو کہہ رہے تھے اے فلاں انسان تم ایسا کام کر رہے ہو یہ سن کر مرید وہاں سے بھاگ نکلا۔

2......ایک دوسرے شیخ کا بھی اپنی مرید کے ساتھ ایسا ہی واقعہ ہے کہ جب مرید نے گناہ کا قصد کیا تو شیخ نے

اس کو ایک ایسا تھپڑ رسید کیا کہ مرید کی بینائی زائل ہوگئی اور وہ وہاں سے بھاگ نکلا اور شیخ کی خدمت میں حاضری دینے کے لئے جانے والے ایک شخص سے کہا کہ وہ جب شیخ کے پاس جائے تو ان سے گزارش کرے کہ شیخ میرے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ میری بینائی لوٹا دے اور میں اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتا ہوں ۔ شیخ کو جب مرید کا پیغام ملا تو فرمایا ہاں میں اس کے لئے دعا کرتا ہوں لیکن اس کی موت بینائی کے زائل ہونے کی حالت میں آئے گی ۔ پس جب شیخ نے اس کے لئے دعا کی تو اس کی بینائی لوٹ آئی اور پھر اس کی موت سے تین دن قبل بینائی زائل ہوگئی ۔

3......اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت شیخ ابوالغیث بن جمیل یمنی رحمہ اللہ کا ہے کہ ان کا ایک مرید عجم میں رہتا تھا ۔ اس نے کسی عورت کے ساتھ زنا کا ارادہ کیا تو شیخ نے فقراء اور درویشوں کی موجودگی میں شدید غصہ کے ساتھ اپنی کھڑاؤ اٹھا کر پھینک دی ۔ درویشوں اور فقراء کو اس کی وجہ معلوم نہ ہوسکی ۔ یہاں تک کہ ایک ماہ کے بعد وہ عجمی مرید تائب ہوکر شیخ کی کھڑاؤ اپنے ہمراہ لے کر شیخ کی خدمت میں آیا تو انہیں کھڑاؤں پھینکنے کا راز معلوم ہوا ۔

4......حضرت غوث اعظم شیخ سید عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ نے ایک مرتبہ وضو فرمانے کے بعد اپنی دونوں کھڑاؤں کو اٹھا کر پھینکا تو ان سے شدید قسم کی دو آوازیں سنائی دیں آپ کے پاس موجود درویش اس راز سے بے خبر رہے یہاں تک تیئیس (23) دن بعد ایک قافلہ آیا اور قافلہ والوں نے بتایا کہ دوران سفر کچھ ڈاکوؤں نے ہمارا مال لوٹا اور وہ اس کو باہم تقسیم کرنے لگے اور ہم انہیں دیکھتے رہے ،اور ہم نے اس وقت شیخ کی کچھ نذر مانی کہ اگر ہم ان ڈاکوؤں سے نجات پا جائیں تو یہ نذر ہم شیخ کی خدمت میں پیش کریں گے ۔ اللہ کا کرنا کہ ہم نے دو شدید قسم کی آوازیں سنیں اور اس کے تھوڑی دیر بعد وہ ڈاکو ہمارا لوٹا ہوا مال لے کر آئے اور ہمیں واپس کر دیا اور انہوں نے ہمیں بتایا کہ یہ دونوں کھڑاؤں ہمارے سردار کو آ کر لگیں اور اس کو ہلاک کر دیا ہے اور جب ہم نے وہ کھڑاؤ اٹھائیں تو وہ پانی سے تر تھیں اور انہوں نے وہ کھڑاؤں بھی پیش کیں ۔

5......علم معرفت کے دیگر علوم پر افضل ہونے کے دلائل میں وہ احادیث وآثار بھی شامل ہیں جو حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور بعض روایات مسلم کے مطابق ان کے تابعین سے افضل ہونے پر وارد ہیں حالانکہ تابعین میں بے شمار علماء کبار ہیں ۔

6......عارفین اور علم معرفت کی افضلیت کے دلائل میں سے ایک دلیل حضرت عز بن عبدالسلام رحمہ اللہ کا وہ قول بھی ہے جس میں انہوں نے عارفین کی افضلیت کی تصریح فرمائی ہے اسی لئے جب انہوں نے رسالہ قشیریہ پر قطب وقت حضرت ابوالحسن شاذلی رحمہ اللہ کی تحریرات کا سماع کیا تو فرمانے لگے ۔ اس عجیب وغریب اور اپنے رب کے ساتھ قرب کا مقام رکھنے والے کلام کو بغور سماعت کرو ۔

7......حضرت ابوالقاسم جنید بغدادی رحمہ اللہ کا یہ قول بھی علم معرفت کی افضلیت کی دلیل ہے ۔ چنانچہ آپ

کا ارشاد ہے:

اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ آسمان کے نیچے ہمارے اس علم (معرفت) سے زیادہ شرف وفضیلت رکھنے والا کوئی علم ہے تو میں ضرور اس کو حاصل کرتا۔

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ حضور ﷺ کی اس حدیث میں اسی علم اور قوتِ یقین کی طرف اشارہ ہے کہ:

فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِيْ عَلٰى اَدْنَاكُمْ.

(احیاء علوم الدین، کتاب آداب العزلۃ الخ، ج:4 ص:242)

عالم کو عابد پر اس طرح فضیلت حاصل ہے جس طرح میری ذات کو تم میں سے کسی ادنیٰ درجہ کے مسلمان پر حاصل ہے۔

اس حدیث میں اُسی علم کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی معرفت اور قوتِ یقین سے تعلق رکھتا ہے۔ اس علم سے مراد بیع، طلاق اور عتاق وغیرہ کا علم نہیں۔ حضرت سہروردی رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں انسان بسا اوقات عارف باللہ اور یقین والا ہوتا ہے لیکن وہ فرض کفایہ کا عالم نہیں ہوتا۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حقائق یقین اور دقائق معرفت میں علماء تابعین سے زیادہ بڑے عالم تھے حالانکہ علماء تابعین میں ایسے علماء بھی تھے جو بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے علم فقہ کے زیادہ ماہر تھے۔ حضرت سہروردی رحمہ اللہ ہی کا فرمان ہے کہ:

زہد والے علماء ضروری علوم کے حاصل کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے اور ہر چیز سے قطع تعلق کر کے اسی کی ذات کے ساتھ رشتہ مضبوط کیا اور ان کی ارواح کو مقامِ قرب تک رسائی حاصل ہوئی تو اس کے نتیجے میں ان کے قلوب پر انوار الٰہی اور تجلیات ربانی کا فیضان ہوا جس نے ان کو علوم ربانیہ اور معارف الٰہیہ کے ادراک کے لائق بنا دیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

حقیقت وشریعت کے درمیان فرق

سوال..... حقیقت اور شریعت کے درمیان کیا فرق ہے؟

جواب..... حقیقت وشریعت کے درمیان چند فرق بیان کئے گئے ہیں۔ حقیقت اسرار ربوبیہ کے مشاہدے کا نام ہے جس کے حاصل کرنے کا طریقہ شریعت کی عزیمتوں پر عمل کرنا ہے۔ حقیقت شریعت کا انتہائی درجہ ہے۔ اور شے کی انتہا شے کی مخالف نہیں ہوا کرتی بلکہ اس کا حصہ ہوتی ہے۔ لہٰذا شریعت اصل اور حقیقت اس سے نکلنے والی فرع ہے۔ اسی لئے شریعت کو سمندر کے ساتھ اور حقیقت کو موتی کے ساتھ اور شریعت کو معدن

(کان) کے ساتھ اور حقیقت کو اس سے نکلنے والے سونے کے ساتھ اور شریعت کو دودھ کے ساتھ حقیقت کو مکھن کے ساتھ اور شریعت کو درخت کے ساتھ اور حقیقت کو پھل کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔اور ان دونوں کے درمیان مذکورہ مخالفت کی نفی سے مراد یہ ہے کہ ان کے درمیان احکام عبودیت کے جاری ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔اختلاف صرف اسرار ربوبیت کے مشاہدے میں ہے اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ صفات قلب و باطن کے علم اور احکام ک عزیموں کے اخذ کی جانب توجہ دینے اور ان کے اہتمام کرنے میں اہل حقیقت او راہل شریعت کے درجات و مراتب میں تفاوت پایا جاتا ہے۔اور یہ تفاوت ان دونوں طبقوں کے درمیان کسی اختلاف کا باعث نہیں۔اس تفاوت کے باوجود دونوں آپس میں متحد ہیں اسی بات کو حضرت امام یافعی رحمہ اللہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

شریعت علم و عمل کا نام ہے اور علم کی دو قسمیں ہیں۔(1) علم ظاہر۔(2) علم باطن۔اور علم ظاہر کی دو قسمیں ہیں۔(1) شریعت کا علم۔(2) شریعت کے علاوہ کا علم۔اور شرعی علم کی دو قسمیں ہیں۔(1) فرائض کا علم۔(2) مندوبات کا علم۔اور فرض کی دو قسمیں ہیں۔(1) فرض عین۔(2) فرض کفایہ۔اور وہ علم جو فرض عین ہے اس کی تین قسمیں ہیں۔(1) صفات قلب کا علم۔(2) اصول کا علم۔(3) فروع کا علم۔

اور عمل کی دو قسمیں ہیں۔(1) عزائم۔(2) رخصتیں۔اور حقیقت بھی دو قسموں پر مشتمل ہے۔(1) علم۔(2) عمل۔اور اس علم کی بھی دو قسمیں ہیں۔(1) وھبی۔(2) کسبی۔علم وھبی سے مراد علم مکاشفہ ہے اور علم کسبی کی دو قسمیں ہیں۔(1) فرض عین۔(2) فرض کایہ)اور فرض عین تین قسم کا ہے۔(1) علم قلب۔(2) علم اصل۔(3) علم فرع۔لہٰذا اس تفصیل کے مطابق علم کسی حقیقت کی دو قسموں میں سے ایک قسم یعنی علم کی ایک نوع ہے اور یہی علم شریعت ہے اور عمل کی وہ قسم جو عزائم سے تعلق رکھتی ہے یہ قسم سلوک طریقت پر مشتمل ہے اور طریقت سالکین کے منازل پر مشتمل ہے اور ان منازل کو مقامات یقین کہا جاتا ہے۔اس سے ثابت ہوا کہ حقیقت اپنے علم و عمل اور اپنے اصول و فروع اور اپنے فرائض و مندوبات سب میں شریعت کے موافق ہے ان کے درمیان سرے سے کوئی اختلاف نہیں البتہ یہاں دو چیزیں ہیں ایک چیز صفات قلب کا علم اور دوسری چیز شریعت کی رخصتیں ہیں اہل حقیت قلب و باطن کے علم کی طرف زیادہ توجہ دیتے ہیں اور اس کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں کیونکہ ان کا سلوک طریقت اس علم کی معرفت اور قلب کی صفات ذمیمہ کی تبدیلی پر موقوف ہوتا ہے۔اور اہل شریعت کی اکثریت اس علم کو اہمیت نہیں دیتی اور اس کے ساتھ بے اعتنائی کا مظاہرہ کرتی ہے حالانکہ یہ بغیر کسی اختلاف کے شریعت اور طریقت دونوں میں فرض عین ہے۔

شریعت کی رخصتوں کے بارے میں اہل حقیقت علم و اعتقاد کی حیثیت سے ان کی حقیقت میں اور ان کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں کے لئے رحمت ہونے میں کوئی شک نہیں کرتے لیکن عمل کی حیثیت سے وہ شریعت مطہرہ

کے عزائم پر عمل کرتے ہیں پس ان میں سے کچھ حضرات عزائم شریعت کی بلندیوں کو ستر سال میں طے کر کے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کا قرب حاصل کرتے ہیں اور کچھ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نصرت مدد سے ایک ساعت میں طے کرتے ہیں۔

مومن کے لئے علم غیب کے قائل کا حکم

سوال……اگر کوئی شخص یہ کہے کہ مومن غیب جانتا ہے تو کیا وہ ان آیات کی رُو سے کافر ہو جائے گا۔؟

۱……قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۔ (سورۃ النمل، آیت:65)

تم فرماؤ غیب نہیں جانتے جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہیں مگر اللہ۔ (کنز الایمان)

۲……عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖۤ اَحَدًا ۔ (سورۃ الجن، آیت:26)

غیب جاننے والا تو اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا۔ (کنز الایمان)

یا غیب کی جزئیات کے علم کے جواز کی بناء پر اس کے قائل سے اس کی تفصیل کا مطالبہ کیا جائے گا؟

جواب……اس پر کفر کا فتویٰ نہیں لگایا جائے گا کیونکہ اس کے کلام میں احتمال پایا جاتا ہے یہ طے شدہ اصول ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے منہ سے ایسے الفاظ ادا کرے جو کفر اور غیر کفر دونوں کا احتمال رکھتے ہیں تو اس وقت اس سے اس کی تفصیل پوچھنا واجب ہے۔جیسا کہ روضہ وغیرہ کتب میں ہے۔اسی لئے امام رافعی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ جب کسی سے ایسا لفظ نقل کیا جائے جس کا ظہر کفر بنتا ہے تو اس لفظ میں خوب غور وفکر کیا جائے گا اگر وہ ایسے معنے کا احتمال رکھتا ہو جو اس لفظ کو اس کے ظاہر سے نکال دیتا ہے مثلاً تخصیص یا مجاز وغیرہ مراد ہونے کا احتمال رکھتا ہے تو پھر اس کے متکلم سے پوچھا جائے گا کہ اس سے اس کی مراد کیا تھی؟اگرچہ کلام میں حقیقت اور عموم ہی اصل ہیں لیکن اس معاملہ میں احتیاط کی ضرورت ہے اور الفاظ احتمال کے بھی حامل ہیں۔پس اگر وہ ایسی مراد بیان کرتا ہے جس سے کفر کی نفی ہوتی ہے اور وہ الفاظ بھی اس معنی کا احتمال رکھتے ہیں تو اس کے ساتھ تعرض نہ کیا جائے گا۔اور اگر الفاظ اپنے ظاہر کے خلاف احتمال نہیں رکھتے یا وہ ایسی مراد بیان کرتا ہے کہ الفاظ اس کا احتمال نہیں رکھتے یا وہ کچھ بھی بیان نہیں کرتا تو اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا اگر وہ توبہ کرتے تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی۔اگر توبہ کا مطالبہ کرنے کے باوجود وہ توبہ نہیں کرتا ہے تو پھر دیکھا جائے گا کہ اگر اس کے الفاظ کا مدلول ایسا کفر ہے جس پر اجماع ہے تو پھر اس کے مرتد ہونے کا حکم لگایا جائے گا اور گر وہ توبہ نہ کرے تو اس کو قتل کر دیا جائے گا۔اور اگر اس کے الفاظ کا مدلول ایسا ہے کہ اس کے کفر ہونے میں اختلاف ہے تو پھر قاضی دلائل سے جو پہلو راجح ہے اس کے دلائل میں غور وفکر کرے اگر قاضی اسکی اہلیت رکھتا ہے تو بہتر ورنہ اہل نظر میں سے اکثر محققین کے نزدیک جو راجح ہے۔اس پر عمل کیا جائے گا اور اگر اختلاف میں مساوات ہے تو پھر زیادہ احتیاط والی جانب پر عمل کیا جائے گا۔اور وہ عدم

1......ابوالنجیب سہروردی رحمہ اللہ جنہوں نے حضرت غوث اعظم رحمہ اللہ کا ارشاد سن کر کہا آپ کا پاؤں مبارک میرے سر پر ہے میرے سر پر ہے۔

2......حضرت احمد الرفاعی رحمہ اللہ جنہوں نے یہ سن کر فرمایا احمد رفاعی ان میں سے ایک ہے ان کی مجلس میں موجود لوگوں نے ان سے پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ تو انہوں نے فرمایا کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرا پاؤں ہر ولی کی گردن پر ہے تو میں نے ان کے قول کو تسلیم کرتے ہوئے کہا کہ جن کی گردن پر آپ کا قدم ہے ان میں سے ایک میں بھی ہوں۔

3......ابومدین مغربی رحمہ اللہ آپ اپنے شہر میں تشریف فرما تھے وہاں سے فرمایا کہ میں بھی ان لوگوں میں سے ہوں جن کی گردن پر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کا قدم اقدس ہے اور کہا اے اللہ میں تیری ذات کو اور تیرے فرشتوں کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے حضرت شیخ عبدالقادر کا قول سنا اور میں نے ان کی اطاعت کی۔ حاضرین مجلس نے ان سے اس بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ شیخ عبدالقادر رحمہ اللہ نے بغداد میں منعقد مجلس وعظ ونصیحت کے دوران یہ اعلان کیا ہے کہ میرا یہ پاؤں ہر ولی کی گردن پر ہے۔ میں نے ان کا یہ قول تسلیم کیا اور ان کی اطاعت وفرمانبرداری قبول کی ہے۔ حاضرین نے وہ تاریخ دن اور وقت لکھ لیا۔ بعد میں پتہ چلا کہ حضرت ابومدین مغربی رحمہ اللہ نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے مذکورہ قول کے فوراً بعد یہ فرمایا تھا۔

4......حضرت شیخ عبدالرحیم القناوی رحمہ اللہ نے حضرت غوث اعظم کے مذکورہ ارشاد کو سن کر اپنی گردن دراز کی اور کہنے لگے صادق ومصدوق نے سچ فرمایا ہے۔ مجلس میں موجود لوگوں نے اس کا پس منظر دریافت کیا تو فرمایا کہ حضرت شیخ عبدالقادر رحمہ اللہ نے یہ فرمایا ہے اور میں نے ان کی اطاعت کرتے ہوئے یہ کہا ہے:

> مذکورہ عارفین کے علاوہ بہت سارے دیگر صوفیاء کرام وعارفین نے فرمایا ہے کہ حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ نے یہ اپنی قطبیت کی اطلاع دینے کے لئے فرمایا تھا۔ کسی کو اس کی مخالفت کی سکت نہ رہی۔ بلکہ بہت سارے عارفین سے متعدد اسانید کے ساتھ منقول ہے کہ انہوں نے حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے ولادت سے تقریباً ایک صدی پہلے یہ خبر دی تھی کہ عنقریب عجم کی سرزمین میں ایک عظیم الشان بچے کی ولادت ہوگی جو یہ اعلان کرے گا کہ میرا پاؤں ہر ولی کی گردن پر ہے۔ تو ان کے زمانے میں موجود تمام اولیاء کرام ان کے پاؤں مبارک کے تحت مندرج ہونے کا شرف حاصل کریں گے۔

ایک عجیب حکایت

اپنے زمانے میں شافعیہ کے امام حضرت ابوسعید عبداللہ بن ابی عصرون رحمہ اللہ نے یہ حکایت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ میں حصول علم کے لئے بغداد گیا تو وہاں پر میری ابن سقا نامی ایک طالب علم سے واقفیت ہوگئی اور جامعہ نظامیہ بغداد میں ہم دونوں تعلیم حاصل کرنے لگے۔ اور اس دوران ہماری یہ عادت بن گئی کہ ہم صالحین کی زیارت کیا کرتے تھے بغداد میں ایک شخص رہتے تھے جن کے بارے میں لسان زد عام تھا کہ وہ اپنے وقت کے غوث ہیں جب چاہتے وہ ظاہر ہوتے اور جب چاہتے لوگوں کی آنکھوں سے اوجھل ہوجاتے تھے۔ ہم نے بھی ان کی زیارت کا ارادہ کیا۔ ہمارے اس گروپ میں میرے شیخ ابن سقا اور شیخ عبدالقادر جیلانی شامل تھے۔ اس زمانے میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ نوجوان تھے۔ راہ چلتے ہوئے ابن سقاء نے کہا میں اس شخص سے ایسا سوال کروں گا کہ وہ اس کا جواب نہیں دے سکے گا۔ میں نے کہا کہ میں بھی اس سے سوال کروں گا اور دیکھوں گا۔ کہ وہ اس کا کیا جواب دے گا۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ نے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں اس سے کوئی سوال کرو ں میں تو بس ان کے سامنے بیٹھ کران کی زیارت کی برکات وفیوضات کا نظارہ کروں گا۔ اس کے بعد ہم اس ولی کی مجلس میں پہنچ گئے اور چند لمحوں کے بعد وہ ہمیں نظر آگئے اور انہوں نے ابن سقا کی طرف غضبناک نظروں سے دیکھا اور فرمایا اے ابن سقا! تجھ پر ہلاکت ہو تم مجھ سے ایسا سوال کرنا چاہتے ہو کہ جس کا جواب مجھے معلوم نہیں۔ تمہارا سوال یہ ہے اور اس کا جواب یہ ہے میں دیکھ رہا ہوں کہ کفر کی آگ تیرے اندر بھڑک رہی ہے اور اس کے بعد اس ولی نے میری طرف دیکھا اور فرمایا اے عبداللہ! تم مجھ سے سوال کرنا چاہتے تا کہ تم دیکھو کہ میں اس کا کیا جواب دوں گا۔ وہ سوال یہ ہے اور اس کا جواب یہ ہے میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہاری بے ادبی کی وجہ سے دنیا تم پر اتنی غالب آئے گی کہ وہ تمہارے کانوں کی لوح تک پہنچ جائے گی۔ اس کے بعد اس ولی نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی طرف دیکھا اور ان کو اپنے قریب کیا اور ان کی تکریم کی اور فرمایا اے عبدالقادر! تم نے اپنے حسن ادب کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو راضی کیا ہے۔ گویا کہ میں تمہیں شہر بغداد میں منبر پر تشریف فرما لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں کہ تم کہہ رہے ہو کہ میرا یہ پاؤں ہر ولی کی گردن پر ہے اور گویا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم کہہ رہے ہو کہ میرا یہ پاؤں ہر ولی کی گردن پر ہے اور گویا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے زمانے کے اولیاء کرام تمہاری تعظیم کی خاطر اپنی گردنیں خم کئے ہوتے ہیں۔ اس کے بعد وہ ولی اللہ غائب ہوگئے اور ہمیں نظر نہ آئے۔ حضرت عبداللہ بن عصرون نے فرمایا کہ (ہم تینوں کے بارے میں اس ولی اللہ نے جو فرمایا تو وہ سچا ثابت ہوا) حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ پر اللہ تعالیٰ سے قرب کی علامات جب ظاہر ہوئیں تو عوام وخواص ان کے گرد جمع ہوگئے اور آپ نے

لوگوں کے مجمع میں فرمایا کہ میرا یہ پاؤں ہر ولی کی گردن پر ہے ۔۔اوران کے زمانے کے تمام اولیاء کرام نے ان کے اس فرمان کو تسلیم کیا۔ اورابن سقا علوم شرعیہ میں اتنا منہمک رہا کہ وہ ان علوم میں یکتا بن گیا اور اپنے زمانے کے بہت سارے لوگوں پر اس کو فوقیت حاصل ہوگئی ۔اور تمام علوم میں اس کے ساتھ جو بھی مناظرہ کرتا وہ اس کو شکست دیتا اور اس حوالے سے اس کی خوب شہرت ہوگئی اور وہ فصیح اللسان اور خوب صورت شخص تھا۔خلیفۂ وقت نے اس کو اپنے قریبی لوگوں میں شامل کیا اور بادشاہ روم کے پاس اپنا ایلچی بنا کر بھیجا ۔جب بادشاہ روم کو معلوم ہوا کہ وہ کئی علوم وفنون پر دسترس رکھنے والا اور فصاحت اور حسین جسامت والا نوجوان ہے تو وہ اس پر تعجب کرنے لگا ۔اوراس کے ساتھ مناظرہ کے لئے نصرانیت کے علماء اور درویشوں کو جمع ابن سقاء نے مناظرے میں ان سب کو لاجواب اور ساکت کردیا۔جس کے نتیجے میں بادشاہ کے ہاں اس کی عزت اور بڑھ گئی اور اس کی آزمائش میں مزید اضافہ ہوگیا کہ بادشاہ کی بیٹی نے اس کو کہیں دیکھ لیا اور وہ اس پر فریفتہ ہوگئی اور یہ اس پر فریفتہ ہوگیا۔ بالآخر ابن سقا نے بادشاہ سے درخواست کی کہ وہ اپنی بیٹی کی اس کے ساتھ شادی کروائے ۔بادشاہ نے کہا کہ اس کے لئے میری شرط ہے کہ تم نصرانیت اختیار کرو۔ چنانچہ اس نے نصرانیت اختیار کی اور بادشاہ کی بیٹی کے ساتھ شادی کرلی ۔کچھ عرصہ بعد اس کو کوئی بیماری لاحق ہوگئی تو بادشاہ کے کارندوں نے اس کو اٹھا کر بازار میں پھینک دیا اور وہ اس حالت میں لوگوں سے کھانا مانگتا رہتا تھا مگر کوئی اس کو جواب نہیں دیتا تھا۔اوراس کے جسم پر سیاہ رنگ کے پھوڑے نمودار ہوگئے تھے ۔ایک مرتبہ اس کو جاننے والا کوئی شخص اس کے قریب سے گزرا اور اس سے پوچھا یہ کیا ہوا ہے؟ تو اس نے جواب میں کہا یہ مجھ پر آزمائش نازل ہوئی ہے جس کا سبب تمہیں معلوم نہیں ۔اس شخص نے اس سے پوچھا کیا تمہیں قرآن کریم کا کوئی حصہ یاد ہے تواس نے کہا مجھے قرآن کریم کی اس آیت کے سوا کچھ بھی یاد نہیں رہا:

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ۔ (سورۃ الحجر، آیت:2)

ترجمہ: بہت آرزوئیں کریں گے کافر کاش مسلمان ہوتے ۔

اس شخص نے کہا کہ اس کے کچھ عرصہ بعد میں ایک دن پھر اس کے پاس گیا تو میں نے دیکھا کہ اس کا سارا جسم جل چکا تھا اور حالتِ نزع میں تھا میں نے اس کا رُخ قبلہ کی طرف کیا وہ پھر مشرق کی طرف گھوم گیا۔دوبارہ میں نے اس کو قبلہ رُخ کیا لیکن وہ پھر مشرق کی طرف گھوم گیا۔کئی مرتبہ میں نے اس کو قبلہ رُخ کیا مگر وہ مشرق کی جانب گھومتا رہا حتیٰ کہ اس کی روح اسی حالت میں نکلی کہ اس کا منہ مشرق کی جانب تھا۔اور وہ اس غوث کی بات کو یاد کیا کرتا تھا اور اس کو یقین تھا کہ وہ اسی کے سبب اس مصیبت میں گرفتار ہوا ہے ۔اورابن عصرون فرماتے ہیں کہ میں بغداد سے دمشق آیا تو مجھے سلطان نورالدین شہید نے اپنے پاس بلایا اور وزارت اوقاف کا قلمدان سنبھالنے پر مجبور کیا جس کی وجہ سے میں وزارت اوقاف پر فائز ہوگیا اور دنیا کا مجھ پر بڑی کثرت کے ساتھ غلبہ ہوگیا یوں اس ولی کی ہم سب کے متعلق

لکھی ہوئی باتیں سچی ثابت ہوئیں۔

(مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں) مذکورہ حکایت اپنے ناقلین کی کثرت اور ان کی عدالت کے سبب متواتر المعنیٰ ہونے کے قریب ہے۔اس حکایت میں اولیاء اللہ کی مخالفت اور ان کی گستاخی سے باز رکھنے اور روکنے کا نہایت بلیغ اور انتہائے تاکید کا انداز پایا جاتا ہے کہ کہیں کوئی انسان ان کی گستاخی کے ارتکاب سے اس ابدی مہلک آزمائش میں گرفتار نہ ہوجائے جس میں ابن سقا گرفتار ہوا ہے۔جس آزمائش میں وہ گرفتار ہوا ہے اس سے زیادہ قبیح اور زیادہ بڑی آزمائش کوئی نہیں ہوسکتی۔ہم اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔اور ہم اللہ تعالیٰ سے اس کی ذات کریم اور اس کے حبیب روف رحیم ﷺ کے طفیل یہ درخواست کرتے ہیں وہ اپنے فضل واحسان کے ساتھ ہمیں اس طرح کی آزمائش اور ہر طرح کے فتنہ اور مصیبت سے محفوظ رکھے۔

مذکورہ حکایت میں جتنا ممکن ہوسکے اولیاء کرام کے ساتھ حسن ظن رکھنے اور ان کے ساتھ ادب واحترام سے پیش کرنے اور ان سے عقیدت رکھنے کی کامل ترین ترغیب بھی پائی جاتی ہے۔

مسلکِ چہارم

اولیاء کرام بعض مرتبہ شطحات کا تکلم اس لئے کرتے ہیں کہ ان میں مخلوق خدا کا فائدہ پوشیدہ ہوتا ہے۔اولیاء کرام کو اس فائدہ کا علم الہام یا کشف یا خطاب وغیرہ وجوہِ معرفت کے ذریعے ہوتا ہے جیسا کہ اپنے زمانے میں صوفیاؤ فقہاء کے امام عارف باللہ حضرت شیخ اسماعیل حضرمی رحمہ اللہ کے بارے میں تواتر کے ساتھ یہ منقول ہے کہ انہوں نے یہ فرمایا تھا کہ جو میرے پاؤں کا بوسہ لے گا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ یہ اعلان سن کر اُن کی زیارت کے لئے آنے والا ہر انسان ان کے پاؤں کو بوسہ دیا کرتا تھا۔خواہ وہ جس قدر بلند مراتب کا مالک ہوتا۔

حضرت اسماعیل حضرمی رحمہ اللہ کے لئے سورج ٹھہر گیا

ان کی کرامات میں سے یہ کرامت بڑی معروف ہے کہ وہ ایک مرتبہ شہر زبید کی طرف جارہے تھے کہ سورج غروب ہونے کے قریب تھا انہوں نے سورج سے مخاطب ہوکر فرمای اے سورج! ہمارے شہر میں داخل ہونے تک غروب نہ ہونا۔آپ کے اس فرمان پر سورج کافی وقت تک ٹھہرا رہا۔جب شہر میں داخل ہوئے تو سورج کی طرف اشارہ فرمایا۔اشارہ فرماتے ہی دنیا تاریک ہوگئی اور ستاری واضح طور پر مکمل دکھائی دینے لگے۔

مسلک پنجم

صوفیاء کرام کے شطحات کا معنیٰ خود ان کے الفاظ سے ظاہر ہوجاتا ہے کہ اگرچہ ان کا ظاہر مشکل ہوتا ہے۔جیسا کہ

حضرت شیخ ابوالغیث بن جمیل رحمہ اللہ کا واقعہ ہے کہ ان کی خدمت میں فقہاء کا ایک گروہ آیا تو انہوں نے ان سے فرمایا میرے غلامو تمہیں خوش آمدید۔ فقہاء نے یہ سن کر ان پر شدید تنقید کی اور حضرت اسماعیل حضرمی جن کا ذکر ابھی گزرا ہے ان کے خدمت میں جا کر حضرت ابوالغیث بن جمیل رحمہ اللہ کی شکایت کی۔ تو حضرت شیخ حضرمی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ابوالغیث نے سچ کہا ہے کیونکہ تم خواہش نفس کے غلام ہو اور نفس کی خواہش شیخ کی غلام ہے۔ لہٰذا تم شیخ کے غلام کے غلام ہو۔

مسلک ششم

صوفیاء کرام کی شطحات میں اس بات کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کائنات میں تصرف کی اجازت دے کر اپنی خلافت سے نوازا ہے۔ جیسا کہ حضرت شیخ ابوالغیث رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ

حَبَانِی الْمُلْکُ الْمُهَیْمِنُ خِلْعَةً فَالْاَرْضُ اَرْضِیْ وَ السَّمَآءُ سَمَائِیْ.

اللہ ملک مہیمن نے مجھے خلعت بخشی ہے۔ پس زمین میری زمین ہے اور آسمان میرا آسمان ہے۔

مسلکِ ہفتم

شطحات سے صوفیاء کرام کا مقصد تخریب ہوتا ہے۔ تخریب کا مطلب یہ ہے صوفیاء کرام جب دیکھتے ہیں لوگ ان کے ساتھ زیادہ عقیدت و محبت سے پیش آ رہے ہیں تو وہ کسی ایسے فعل یا قول کا ارتکاب کرتے ہیں جو بظاہر قابل مذمت ہوتا ہے۔ یہ کام زیادہ تر صوفیاء کرام کا ملامتی فرقہ کرتا ہے۔ یہ صوفیاء کرام کا وہ گروہ ہے جس کا باطن بڑا پاکیزہ ہوتا ہے لیکن وہ یہ نہیں چاہتے کہ لوگ ان کے اعمال وغیرہ پر مطلع ہوں۔ جب انہیں معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شخص ان کے ساتھ عقیدت رکھتا ہے تو تخریب کا اظہار کرتے ہیں یعنی ایسے قول یا فعل کا ارتکاب کرتے ہیں جو بظاہر قابل مذمت ہوتا ہے جیسا کہ بعض اولیاء کرام کے بارے میں مشہور ہے کہ انہوں نے سرقہ کا ارتکاب کیا۔ حضرت ابراہیم خواص رحمہ اللہ علم و معرفت کے مالک تھے۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ ان کے شہر والے لوگ ان سے عقیدت رکھتے ہیں تو انہوں نے ابن الملک کے حمام سے ایک کپڑا چرایا اور اس کو اپنے ساتھ لے کر ناز کے ساتھ چلتے ہوئے حمام سے باہر آ گئے راستے میں انہیں پکڑا گیا اور اس پر انہیں خوب مار پڑی اور کپڑا بھی واپس لیا گیا۔ اور حمام کے چور کے نام سے مشہور ہو گئے اس کے بعد فرمانے لگے اب اس شہر میں قیام پُر لطف اور خوشگوار بن گیا ہے۔

سوال ...... حضرت ابراہیم خواص رحمہ اللہ کے نزدیک دوسرے کے لباس کو بدون اجازت استعمال کرنے کی کیا تاویل ہوگی؟

جواب ...... ممکن ہے کہ ابراہیم خواص رحمہ اللہ کو اس کی خفگی اور رضامندی کا علم ہو بلکہ اس کو راضی کروانے کا علم

ہو۔اور اگر آپ کو اس سے پہلے اس کا علم نہیں تو پھر آپ نے غالب احوال کے پیش نظر ایسا کیا ہے کیونکہ جب کوئی شخص کسی بندے کے باطن پر مطلع ہوتا ہے اور اس کے بارے میں اس کو علم ہوتا ہے کہ یہ شخص نہایت صالح اور پارسا ہے اور اس نے یہ کپڑا صرف اس لئے استعمال کیا ہے تاکہ وہ اپنے آپ کو لوگوں کی طرف دیکھنے اور نظر کرنے سے پاک رہے تو وہ یقیناً ایسا کام کرنے والے پر راضی ہوجاتا ہے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ دوسرے کے مال سے ایک یا دو خلال حاصل کرنا جائز ہے کیونکہ یہ ایسی چیز ہے جس سے عام طور پر صرف نظر کرنا لوگوں کی عادت ہوتی ہے ہم جس مسئلے کا تذکرہ کررہے ہیں وہ تو حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے بیان کردہ مذکورہ مسئلہ سے زیادہ اس کے لائق ہے کیونکہ اکثر لوگوں کی جبلت میں اس طائفہ (صوفیاء) کی محبت ہوتی ہے بلکہ سارے لوگ اس طائفہ کے صادقین کے مطیع وفرمان بردار ہوتے ہیں۔

اس کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ بعض علماء کرام نے مذکورہ سوال کا ایک اور جواب دیا ہے ان سے کسی فقیہ نے کہا مجھے فقہاء کرام کے کلام سے ہی تسلی ہوتی ہے لہٰذا تم فقہاء کرام کے کلام کی روشنی میں اس کا جواب دو۔تو انہوں نے فرمایا کہ کیا فقہ سے یہ واضح نہیں کہ؟ ضرورت کی وجہ سے بعض محرمات کا استعمال جائز ہے مثلاً نجس اشیاء سے علاج کرنا؟ سوال کرنے والے نے کہا ہاں یہ حکم فقہ میں موجود ہے۔اس پر جواب دینے والے نے فرمایا کہ پس اسی طرح حضرت ابراہیم خواص نے اس حرام کے ساتھ اپنے نفس بلکہ اپنے قلب کا علاج کیا ہے۔(مصنف فرماتے ہیں) لیکن میں نے جو جوب دیا ہے وہ زیادہ بہتر ہے کیونکہ نجس اشیاء کے ساتھ علاج کرنے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے حق کی خلاف ورزی ہوتی ہے اور مرض کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے حق میں چشم پوشی اختیار کی جاسکتی ہے اور مذکورہ مسئلے کا تعلق انسانی حق سے ہے اور انسانی حق کی تلفی انسان کی رضامندی کے بغیر جائز نہیں لہذا اصلاح قلب کے لئے انسان کے حق کی تلفی کیسے جائز ہوگی؟ اس لئے ہم نے جو جواب دیا ہے وہی درست ہے۔

حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ کے قول "فضت بَحرًا وَقَفَ الْاَنبِيَاءُ بِسَاحِلِهٖ" کا مطلب

سوال......حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ کے اس قول کا کیا مطلب ہے؟

"فضت بَحرًا وَقَفَ الْاَنبِيَاءُ بِسَاحِلِهٖ"

(میں نے سمندر میں غوطہ لگالیا انبیاء کرام اس کے ساحل پر ٹھہرے رہے۔

جواب......اس قول کی حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ کی طرف نسبت صحیح نہیں اور اگر نسبت تسلیم کی جائے تو پھر اس کا مطلب ہے کہ اولیاء کرام کو جو کچھ بھی عطا کیا گیا ہے وہ انبیاء کرام کو جو کچھ عطا کیا گیا ہے اس کا بعض حصہ اور معمولی سی مقدار ہے۔اس کی مثال شہد سے بھرے ہوئے اس مشکیزہ کی ہے جس سے چند بوندیں

ٹپکتی ہیں۔ پس یہ چند بوندیں مثال ہے اس کی جو اولیاء کرام کو عطا کیا گیا ہے اور جو کچھ مشکیزے کے اندر موجود ہے یہ مثال ہے اس کی جو انبیاء کرام کو عطا فرمایا گیا ہے۔

اگر یہ قول اُن سے سکر کی حالت میں صادر نہیں ہوا ہے تو پھر اس کی تاویل واجب ہے اور تاویل بھی ایسی کی جائے گی جو انبیاء کرام علیہم السلام کی جلالتِ شان اور ان کی عظمت کے لائق ہوگی۔ کہ یہ کہا جائے کہ انبیاء کرام ساحلِ سمندر پر ٹھہرے رہے تا کہ جس میں اُن کو اہلیت نظر آئے اس کو سمندر عبور کروائیں اور جس میں انہیں اہلیت نظر نہ آئے اس کو سمندر عبور کرنے سے روکیں۔ یا جس کو وہ سمندر میں غرق ہونے کے قریب دیکھیں تو اس کو بچانے کے لئے سمندر کے کنارے ٹھہرے رہے یا اس طرح کی کسی اور حکمت کے پیش نظر ٹھہرے رہے جس میں دوسروں کو فائدہ پہنچانا مقصود ہوتا ہے۔ جیسا کہ قیامت کے روز دخولِ جنت کی شفاعت کرنے کے لئے افضل ٹھہرا رہے گا اور مفضول جنت میں ڈاخل ہو جائے گا۔ یا اس قول کی یہ تاویل کی جائے گی کہ یہاں وقوف سے مراد وقوفِ صدور ہے نہ کہ وقوفِ ورود۔ یعنی انبیاء کرام علیہم السلام معرفتِ الٰہی کے سمندر میں غوطہ زن رہے باہر نہیں آئے۔ بہرحال حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ کے بارے میں اسی چیز کا گمان رکھا جائے گا جو ان کی جلالتِ قدر اور بلندیٔ مقام کے لائق ہے۔ اور ان کے متعلق ہر کسی کو یہ علم ہے کہ وہ انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی شریعتوں کا نہایت تعظیم اور ادب واحترام کرنے والے تھے لہٰذا ان کے حق میں ایسا ہی گمان رکھا جائے گا جو اُن کی مذکورہ روش اور طرزِ حیات کے لائق ہوگا۔

اولیاء کرام جس خطاب کا ذکر کرتے ہیں اس کا مطلب

سوال ...... اولیاء کرام جس خطاب کا ذکر کرتے ہیں اس کا کیا مطلب ہے؟ مثلاً کوئی کہتا ہے۔ مجھے میرے دل نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بیان کیا، اور کوئی کہتا ہے میرے ساتھ میرے ربّ نے اس طرح فرمایا۔ کیا اس خطاب کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے؟ اور اس کی حقیقت کیا ہے؟ اور کیا اس کو کلام یا حدیث کہا جا سکتا ہے؟ انبیاء کرام علیہم السلام نے جو کچھ سنا اور اولیاء کرام نے جو کچھ سماع کیا ہے ان کے درمیان کیا فرق ہے؟ ان دونوں میں سے کسی ایک کے انکار کرنے والے کا کیا حکم ہے۔؟

جواب ...... قطب ربانی شیخ سید عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ نے نبوت وولایت کے درمیان جو فرق بیان فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے۔ نبوت اللہ تعالیٰ کا وہ کلام ہے جو نبی تک فرشتے اور روح امین کے واسطہ سے پہنچتا ہے۔ اور ولایت کسی بات کو ولی کے قلب میں بطور الہام القاء کا نام ہے اور اس الہام میں ایسا سکون پایا جاتا ہے جو اس بات پر اطمینان کا باعث اور اس کو بغیر کسی توقف کے قبول کرنے کا موجب ہوتا ہے۔ پہلی چیز یعنی وحی کو رد کرنا کفر ہے اور دوسری چیز یعنی الہام کو رد کرنا نقص وعیب ہے۔

حکایت

ایک فقیہ حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوکر آپ پر اعتراض کرتے ہوئے کہنے لگے۔ تمہارا علم کس سے اور کس جگہ سے منقول ہے؟ حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ نے فرمایا: میرا علم اللہ تعالیٰ کی عطاء سے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور وہ وہاں سے ہے جس کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

مَنْ عَمِلَ بِمَا يَعْلَمُ اَوْرَثَهُ اللّٰهُ عِلْمَ مَا لَمْ يَعْلَمْ.

جو اپنے علم پر عمل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس چیز کا علم عطا فرماتا ہے جس کا علم اسکے پاس نہیں ہوتا۔

(شعب الایمان للبیہقی، المناسک، فصل فی السد یدالخ رقم الحدیث: 5169، ج: 7 ص: 385)

اور آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ:

اَلْعِلْمُ عِلْمَانِ عِلْمٌ ظَاهِرٌ وَ عِلْمٌ بَاطِنٌ فَالْعِلْمُ الظَّاهِرُ حُجَّةُ اللّٰهِ عَلٰى خَلْقِهٖ وَ الْعِلْمُ الْبَاطِنُ هُوَ الْعِلْمُ النَّافِعُ.

علم کی دو قسمیں ہیں ایک علم ظاہر ہے اور دوسرا علم باطن۔ علم ظاہر اللہ تعالیٰ کی حجت ہے اپنی مخلوق پر اور علم باطن وہ علم نافع ہے۔

(شعب الایمان للبیہقی، نشر العلم الخ فصل قال وینبغی الخ رقم الحدیث: 1686، ج: 3 ص: 293)

اس کے بعد حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ نے اس فقیہ سے مخاطب ہوکر فرمانے لگے۔

اے فقیہ تمہارا علم صرف سیکھنے کی غرض سے نہ کہ عمل کی غرض سے، ایک زبان سے دوسری زبان کی طرف نقل کیا گیا ہے۔ اور مرا علم اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام ہے۔ یہ سن کر فقیہ کہنے لگا۔ میرا علم ثقات کے ذریعہ نبی کریم ﷺ سے منقول ہے اور آپ ﷺ تک جبریل امین علیہ السلام کے واسطے سے پہنچا اور حضرت جبریل امین علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے حاصل کیا ہے۔ حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ نے جواب میں فرمایا اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو وہ علم بھی عطا فرمایا ہے جس پر جبریل امین اور میکائیل علیہما الصلوٰۃ والسلام بھی مطلع نہیں ہوئے ہیں۔ فقیہ نے ان سے مطالبہ کیا کہ آپ اس علم کی وضاحت فرمائیں جس کا آپ تذکرہ کررہے ہیں؟

حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ نے فرمایا: اے فقیہ! کیا تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا اور حضرت سیدنا محمد ﷺ کے ساتھ کلام فرمایا اور آپ نے اللہ تعالیٰ کی زیارت کی ہے اور اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ بطور وحی کلام فرمایا ہے؟

فقیہ نے کہا ہاں ایسا ہی ہے حضرت بایزید نے فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ صدیقین اور اولیاء کرام کے ساتھ الہام کے ذریعہ کلام فرماتا ہے اوران کے قلوب میں فوائد کا القاء فرماتا ہے اوران کی تائید ونصرت فرماتا ہے اوراس کے بعد ان کی زبانوں پر حکمت کا نطق جاری فرماتا ہے اوران کی ذوات کو اُمت کے لئے نفع بخش بناتا ہے۔میرے اس قول کی تائید اس چیز سے ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کو الہام فرمایا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تابوت میں رکھیں اوراس کے بعد اس تابوت کو سمندر میں بہادیں۔اوراسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کو کشتی کا اور بچے کا اور دیوار کا معاملہ سمجھا دیا تھا۔اورحضرت خضر علیہ السلام کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ کہنا کہ:

وَ مَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ. (سورۃ الکہف، آیت:82)

ترجمہ: یہ سب کچھ میں نے اپنے حکم سے نہیں کیا۔) یہ اللہ تعالیٰ ہی کا علم ہے۔

اوراللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ

وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا. (سورۃ الکہف، آیت:65)

ترجمہ: اوراسے اپنا علم لدنی عطا کیا ہے۔

حضرت خضر علیہ السلام کا مذکورہ واقعہ ہمارے قول کی دلیل اس بناء پر ہے کہ تمام صوفیاء کرام کا ان کے بارے میں یہ نظریہ ہے وہ ولی ہیں نبی نہیں۔اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو جیل خانہ میں الہام کیا تو انہوں نے فرمایا:

ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِیْ رَبِّیْ . (سورہ یوسف، آیت:37)

ترجمہ: یہ ان علموں میں سے ہے جو مجھے میرے ربّ نے سکھایا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ واقعہ نبوت سے پہلے کا ہے۔اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا کہ بنت خارجہ کے بطن سے ایک بچی کی پیدائش ہوگی حالانکہ اس وقت ان کا حمل واضح نہ تھا۔پس آپ کے قول کے مطابق ان کے بطن سے بچی ہی پیدا ہوئی۔اسی طرح کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔

اہل الہام ایسا گروہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے فوائد کے ساتھ مختص فرمایا ہے اوراللہ تعالیٰ نے ان میں سے بعض کو الہام وفراست میں بعض پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔فقیہ نے جب حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ کی مذکورہ گفتگو سنی تو وہ کہنے لگا۔بے شک آپ نے مجھے ایک اصول سے نوازا اور میرے سینے کو شفاء بخشی ہے۔ہمارے

اس مذکورہ جواب کی تائید صوفیاء کرام سے منقول اس نظریہ سے بھی ہوتی ہے جس کے بارے میں وہ فرماتے ہیں کہ الہام ہر اس چیز میں حجت ہے جس میں کسی شرعی حکم کی مخالفت نہ پائی جاتی ہو۔ اس کی دلیل رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث قدسی ہے کہ:

فَاِذَا اَحْبَبْتُهٗ کُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِهٖ وَ بَصَرَهُ الَّذِیْ یُبْصِرُبِهٖ .الحدیث

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب میں کسی بندے سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کا وہ کان بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ سنتا ہے اور میں اس کی وہ آنکھ بن جاتا ہے جس کے ساتھ وہ دیکھتا ہے۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الاداب والرقائق، القول الجلی الخ، ج:1 ص:433)

اور ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں:

"فَبِیْ یَسْمَعُ وَ بِیْ یُبْصِرُ وَ بِیْ یَنْطِقُ".

پس وہ میرے ہی ساتھ سنتا ہے اور میرے ہی ساتھ دیکھتا ہے اور میرے ہی ساتھ بولتا ہے۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الاداب والرقائق، القول الجلی الخ، ج:1 ص:433)

ایک اور روایت میں اس طرح کی الفاظ آتے ہیں:

وَ کُنْتُ لَهٗ سَمْعًا وَّ بَصَرًا وَّ یَدًا وَّمُؤَیِّدًا.

میں اس کا کان اس کی آنکھ اور اس کا ہاتھ اور اس کی تائید و نصرت کرنے والا بن جاتا ہوں۔

(الحاوی الفتاوی، کتاب الاداب والرقائق، القول الجلی الخ، ج:1 ص:433)

خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ عارفین باللہ وہ گروہ ہے جسے علوم و اعمال اور مقامات و احوال اور اقوال و افعال اور تمام حرکات و سکنات اور ارادات و خطرات میں اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل ہے اور یہی حضرات اسرار کے معاون اور انوار کے مطالع اور عارفین، محبین اور محبوبین و مقربین ہیں۔

اس تفصیل کے بعد سوال کے تمام اجزاء کے جوابات واضح ہو چکے ہیں کہ نبی کے خطاب اور ولی کے خطاب کے درمیان فرق یہ ہے کہ نبی کا خطاب فرشتے کے واسطے سے ہوتا یا بغیر کسی واسطے کے ہوتا یا سچی خوابوں کے ذریعہ ہوتا ہے یا دل میں القاء کے ذریعہ ہوتا ہے اور ان سب کو وحی اور کلام سے موسوم کیا جاتا ہے اور اس کو حقیقتاً اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ اور ضروریاتِ دین سے تعلق رکھنے والے حصہ کا جو انکار کرے وہ کافر ہو جاتا ہے۔ اور ولی کا خطاب ایسی چیز ہے جو دل میں القاء کی جاتی ہے جس کی وجہ سے سینے میں ٹھنڈک اور اطمینان پیدا ہوتا ہے اور اسی کو رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کی وجہ سے حدیث اور الہام موسوم کیا جاتا ہے۔ آپ کا فرمان ہے:

اِنَّ فِیْ اُمَّتِیْ مُحَدَّثُوْنَ وَمِنْهُمْ عُمَرُ.

میری امت میں الہام والے لوگ ہیں حضرت عمران میں سے ایک ہیں ۔

(مسند احمد، مسند عثمان الخ، ومن مسند علی الخ، رقم الحدیث: 835، ج: 1ص: 529)

فقہاء کرام کے نزدیک راجح ترین مذہب کے مطابق الہام حجت نہیں

سابقہ قید (یعنی الہام ہر اس چیز میں جس میں کسی شرعی حکم کی مخالفت نہیں پائی جاتی ہے) کے باوجود فقہاء کرام کے نزدیک الہام کی حجیت میں اختلاف پایا جاتا ہے ۔ان کے ہاں راجح ترین مذہب یہ ہے کہ الہام حجت نہیں کیونکہ غیر معصوم کے دل پر وارد ہونے والے آثار وخطرات پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا ۔اور صوفیاء کرام کے نزدیک جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے سارے اعمال ظاہرہ وباطنہ میں محفوظ رکھا ہے ۔اس کا الہام حجت ہے ۔اولیاء کرام کو اگرچہ عصمت حاصل نہیں کیونکہ ان سے گناہ کا واقع ہونا محال نہیں ۔اور ولایت اس کے منافی نہیں ۔اسی لئے جب حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ سے یہ سوال کیا گیا کہ کیا ولی زنا کا ارتکاب کرسکتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تقدیر میں جو مقدر کیا ہے وہ ہوکر رہتا ہے لیکن اولیاء کرام کی گناہوں سے حفاظت ہوتی ہے اسی لئے ان سے کبیرہ کا وقوع نہیں ہوتا اور غالبًا صغیرہ کا وقوع بھی نہیں ہوتا ۔الہام کو حجت تسلیم کرنے والے مذہب کے مطابق الہام کو اس معنی میں اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جائے گا کہ ولی کے لئے کرامت اور احسان کے طور پر اس کے قلب میں القاء فرمانے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے ۔تاکہ یہ ولی کے درجات میں مزید ترقی اور دوسرے لوگوں کی اصلاح کا سبب بن جائے ۔

رجال الغیب کی تعداد وغیرہ کا بیان

سوال ......رجال الغیب کی تعداد کتنی ہے اور ان کے وجود پر دلیل کیا ہے؟

جواب......رجال الغیب کو رجال الغیب اس لئے کہا جاتا ہے کہ اکثر لوگوں کو ان کی معرفت نہیں ہوتی ہے ۔رجال الغیب کے سردار اور رئیس کو قطب، غوث، فرد، جامع کہا جاتا ہے ۔جس کو اللہ تعالیٰ ارکانِ دنیا میں چاروں آفاق پر اس طرح دائر فرماتا ہے جس طرح فلک آسمان کے افق پر گھومتا ہے ۔اللہ تعالیٰ نے غوث کے احوال اُس پر غیرت کرتے ہوئے عوام وخواص سب سے پوشیدہ رکھے ہیں ۔اولیاء کرام میں غوث کا مرتبہ ایسے ہی ہے جیسے دائرے میں نقطہ کا مقام ہے کہ وہ دائرہ کا مرکز ہوتا ہے اور غوث ہی کے سبب نظامِ عالم قائم رہتا ہے ۔

اوتاد وابدال

اوتاد کی تعداد چار ہے جن سے صرف خواص آگاہ ہوتے ہیں ان میں سے ایک یمن میں اور ایک شام میں اور ایک

مشرق میں اور ایک مغرب میں ہوتا ہے۔ اصح قول کے مطابق ابدال کی تعداد سات ہے۔ ایک قول کے مطابق ان کی تعداد تیس ہے اور ایک قول کے مطابق ان کی تعداد چودا ہے۔ اس طرح ہی امام یافعی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے۔

عنقریب ان دونوں حدیثوں کا تذکرہ آئے گا جن میں سے ایک میں ہے کہ ابدال کی تعداد چالیس ہے اور دوسری میں ہے کہ ان کی تعداد تیس ہے یہ دونوں حدیثیں امام یافعی رحمہ اللہ کے مذکورہ قول کے مخالف ہیں۔ زیادہ صحیح یہ ہے کہ ان کی تعداد سات ہے۔

اور نقباء کی تعداد چالیس اور نجباء کی تعداد تین سو ہے۔ جب قطب وقت (غوث) کا وصال ہوتا ہے تو چاروں یعنی اوتاد میں سے افضل کو یا ان میں سے کسی ایک کو قطب بنادیا جاتا ہے اور سات یعنی ابدال میں سے افضل کو یا ان میں سے کسی ایک کو اوتاد بنایا جاتا ہے اور چالیس یعنی نقباء میں سے افضل کو یاان میں سے کسی ایک کو ابدال بنایا جاتا ہے اور تین سو یعنی نجباء میں سے افضل کو یاان میں سے کسی ایک کو نقیب بنایا جاتا ہے اور صالحین میں سے افضل کو نجیب بنایا جاتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ قیامت قائم کرنا چاہے گا تو سب کو موت دے دے گا۔ قیام قیامت تک ان کا وجود باقی رہے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے سبب اپنے بندوں سے آزمائشیں اور مصائب ٹالتا ہے اور ان کے سبب آسمانوں سے بارش برساتا ہے۔ بعض صوفیاء کرام نے حضرت خضر علیہ السلام سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ تین سو اولیاء اور ستر نجباء اور چالیس اوتاد اور دس نقباء اور سات عرفاء اور تین مختار ہیں اور ایک غوث ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ:

اَلْاَبْدَالُ بِالشَّامِ وَ النُّجَبَآءُ بِمِصْرَ وَ الْعَصَائِبُ بِالْعِرَاقِ وَالنُّقَبَآءُ بِخُرَاسَانِ وَ الْاَوْتَادُ بِسَائِرِ الْاَرْضِ وَالْخِضْرُ عَلَيْهِ السَّلَامُ سَيِّدُ الْقَوْمِ.

ابدال شام میں، نجباء مصر میں، عصائب عراق میں، نقباء خراسان میں، اوتاد تمام روئے زمین میں ہوتے ہیں۔ اور حضرت خضر علیہ السلام اس قوم کے سردار ہیں۔

(الحاوی للفتاوی، الفتاوی الصوفیہ، الخبر الدال علی وجود القطب، ج:2 ص:302)

حضرت امام رافعی رحمہ اللہ کی مروی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

اِنَّ لِلّٰهِ فِى الْاَرْضِ ثَلَاثَ مِائَةٍ قُلُوْبُهُمْ عَلٰى قَلْبِ اٰدَمَ وَلَهٗ اَرْبَعُوْنَ قُلُوْبُهُمْ عَلٰى قَلْبِ مُوْسٰى وَلَهٗ سَبْعَةٌ قُلُوْبُهُمْ عَلٰى قَلْبِ اِبْرَاهِيْمَ وَ لَهٗ خَمْسَةٌ قُلُوْبُهُمْ عَلٰى قَلْبِ جِبْرِيْلَ وَ لَهٗ ثَلَاثَةٌ قُلُوْبُهُمْ عَلٰى قَلْبِ مِيْكَائِيْلَ وَ وَاحِدٌ مَكَانُهٗ مِنَ الثَّلَاثَةِ وَ اِذَا مَاتَ مِنَ الثَّلَاثَةِ اَبْدَلَ مَكَانَهٗ مِنَ الْخَمْسَةِ وَ اِذَا مَاتَ مِنَ الْخَمْسَةِ اَبْدَلَ اللّٰهُ مَكَانَهٗ مِنَ السَّبْعَةِ وَ اِذَا مَاتَ مِنَ السَّبْعَةِ اَبْدَلَ اللّٰهُ مَكَانَهٗ مِنَ الْاَرْبَعِيْنَ وَاِذَا مَاتَ

مِنَ الْاَرْبَعِیْنَ اَبْدَلَ اللّٰہُ مَکَانَہٗ مِنَ الثَّلٰثِ مِائَۃٍ وَاِذَا مَاتَ مِنَ الثَّلٰثِ مِائَۃٍ اَبْدَلَ اللّٰہُ مَکَانَہٗ مِنَ الْعَامَۃِ یَدْفَعُ اللّٰہُ بِھِمُ الْبَلَاءَ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ۔

(الحاوی الفتاوی، الفتاویٰ الصوفیۃ، الخبر الدال علی وجود اخ، ج 2 ص 302)

زمین میں اللہ تعالیٰ کے تین سو ایسے بندے ہیں جن کے قلوب حضرت آدم علیہ السلام کے قلب اقدس پر ہیں اور اس کے چالیس بندے ایسے ہیں جن کے قلوب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قلب اطہر پر ہیں اور اس کے سات بندے ایسے ہیں جن کے قلوب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قلب پاک پر ہیں اور اس کے پانچ بندے ایسے ہیں جن کے قلوب حضرت جبریل امین علیہ السلام کے قلب مبارک پر ہیں اور اس کے تین بندے ایسے ہیں جن کے قلوب حضرت میکائیل علیہ السلام کے قلب مقدس پر ہیں اور ایک بندہ ایسا ہے جس کا قلب حضرت اسرافیل علیہ السلام کے قلب انور پر ہے۔ جب ایک کا وصال ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ تین میں سے ایک کو فائز فرماتا ہے اور جب تین میں سے کسی کا وصال ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے مقام پر پانچ میں سے ایک کو منتخب فرماتا ہے اور جب پانچ میں سے کسی کا وصال ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ سات میں سے کسی ایک کو اس کے مرتبہ پر فائز فرماتا ہے اور جب سات میں سے کسی کا وصال ہوتا ہے تو اس کے مقام پر چالیس میں سے ایک کو مقرر فرماتا ہے اور جب چالیس میں سے کسی کا وصال ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ تین سو میں سے ایک کو منتخب فرماتا ہے اور جب تین سو میں سے کسی کا وصال ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ عام مومنین میں سے کسی کے ذریعہ اس کی جگہ کو پُر فرماتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ان بندوں کے سبب اس امت سے ابتلاء وآزمائش دور فرماتا ہے۔

حضرت امام یافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بعض عارفین نے فرمایا ہے کہ حدیث میں جس ایک بندے کا تذکرہ ہے وہی غوث اور وہی قطب ہے۔ بعض عارفین نے فرمایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ حدیث میں انبیاء کرام علیہم السلام اور فرشتوں کے تذکرے کے درمیان اپنے قلب انور کا تذکرہ نہیں فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عالم خلق وامر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر سے زیادہ معزز ومکرم اور زیادہ مشرف وعظمت والا اور زیادہ لطیف کسی قلب اطہر کو پیدا نہیں کیا۔ تمام انبیاء علیہم السلام وفرشتوں اور اولیاء کے قلوب کو آپ کے قلب اقدس کے مقابلے میں وہی حیثیت حاصل ہے جو تمام کواکب کو سورج کے مقابلے میں حاصل ہے۔

حکایت

(امام یافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں) میں نے حضرت نجم اصبہانی رحمہ اللہ کو مقام ابراہیم کے پیچھے یہ بیان کرتے ہوئے سنا کہ حضرت خضر علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی ہے کہ:

اے اللہ! جب قرآن کریم اٹھایا جائے گا تو اس وقت تو مجھے موت دے دے۔

اللہ تعالیٰ ہی خوب جاننے والا ہے ظاہر یہ ہے کہ قطب وقت اور تمام اولیاء کرام جو اس وقت موجود ہوں گے۔ وہ سب اس وقت موت کی درخواست کریں گے۔ کیونکہ رفع قرآن کریم کے بعد اہل خیر کے لئے زندگی کا لطف نہیں رہے گا بلکہ زمین میں خیر ہی نہیں رہے گا۔

حضرت خضر علیہ السلام کی حیات

(حضرت امام یافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں) میں نے حضرت خضر علیہ السلام کی حیات کا جو تذکرہ کیا ہے یہ ایسی چیز ہے جس پر اولیاء کرام نے قطع ویقین کا اظہار کیا ہے اور فقہاء واصولیین اور اکثر محدثین نے اسی کو ترجیح دی ہے اور ہر زمانے میں بے شمار صدیقین واولیاء کرام نے ان سے ملاقات کی اور ان کے بارے میں خبر دی ہے۔ بلکہ اللہ کی قسم مجھے اولیاء کرام نے بتایا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے میرے ساتھ بھی ملاقات فرمائی ہے اور مجھ سے کسی چیز کے بارے میں سوال کیا اور میں نے انہیں جواب دیا لیکن میں انہیں نہیں پہچان سکا۔ کیونکہ صاحب استعداد لوگوں میں سے جس کو اللہ تعالیٰ چاہے اس کے سوا انہیں کوئی پہچان نہیں سکتا۔

ابن جوزی رحمہ اللہ کا حضرت خضر کی حیات کے انکار سے مبالغہ ان کا غلو ہے جیسے چمکتے ہوئے سورج کا انکار، کیونکہ یہ چمکتے ہوئے آفتاب کا انکار ہے۔ بلکہ اس بارے میں خود ابن الجوزی رحمہ اللہ کے کلام میں تناقض ہے۔ انہوں نے خود حضرت خضر علیہ السلام کی حیات کے بارے میں حضرت علی، حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے اسانید متصلہ کے ساتھ چار روایات نقل کیں ہیں۔ اسی طرح ابن الجوزی کا اکابر صوفیاء کرام سے صادر ہونے والی اشیاء کا انکار بھی ان کا غلو ہے۔ وہ ایسے احوال اور علوم ہیں جن کی نہ ابن الجوزی کو معرفت ہے اور نہ ان کا ادراک ہے اور نہ وہ ان کو سمجھ سکتے ہیں۔ ان پر نہایت تعجب ہے کہ وہ بذات خود کسی مقام پر اولیاء کرام سے نہایت عجیب وغریب اور بہت عظیم باتیں نقل کر کے ان کے ساتھ اپنی گفتگو کو منقش ومزین کرتے ہیں اور اس کے بعد دوسرے مقام میں ان پر اعتراضات کرتے ہیں۔ (امام یافعی رحمہ اللہ کے کلام کی تلخیص ختم ہوگئی ہے)

(مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں) جن حفاظ محدثین پر اعتماد کیا جاتا ہے میرے علم کے مطابق ان میں سے کسی نے

بھی اس حدیث کی تخریج نہیں فرمائی لیکن بہت ساری دوسری ایسی احادیث وارد ہیں جو اس حدیث میں موجود بہت ساری چیزوں کی تائید کرتی ہیں۔ان میں سے چند درج ذیل ہیں۔

1......امام ابونعیم رحمہ اللہ نے "الحلیة" میں یہ حدیث روایت کی ہے کہ:

خِيَارُ أُمَّتِيْ كُلُّ قَرْنٍ خَمْسُ مِائَةٍ وَ الْاَبْدَالُ اَرْبَعُوْنَ فَلاَ الْخَمْسُ مِائَةٍ يَنْقُصُوْنَ وَ لاَ الْاَبْدَالُ . كُلَّمَا مَاتَ مِنْهُمْ رَجُلٌ اَبْدَلَ اللّٰهُ مِنَ الْخَمْسِ مِائَةٍ مَكَانَهُ وَ اَدْخَلَهُ فِي الْاَرْبَعِيْنَ مَكَانَهُ . يَعْفُوْنَ عَمَّنْ ظَلَمَهُمْ وَيَحْسِنُوْنَ لِمَنْ اَسَآءَ اِلَيْهِمْ وَ يَتَسَامَحُوْنَ فِيْمَا اٰتَاهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ فِي الْاَرْضِ كُلِّهَا.

(حلیۃ الاولیاء للابی نعیم ،مقدمۃ المولف ،ج:1 ص:7)

ہر زمانے میں میری امت کے منتخب لوگ پانچ سو ہوں گے اور ابدال چالیس ہوں گے پس نہ پانچ سو میں کمی ہوگی اور نہ چالیس میں جب ابدال میں سے کسی کا انتقال ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ پانچ سو میں سے اس جگہ کو پُر فرماتا ہے اور ان میں سے ایک کو چالیس میں داخل فرما کر ابدال کا مقام عطا فرماتا ہے۔اور یہ لوگ اپنے پر ظلم کرنے والے کو معاف کرتے ہیں اور اپنے ساتھ برائی سے پیش آنے والے پر احسان سے پیش آتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے میں سخاوت کرتے ہیں اور یہ حضرات پوری روئے زمین میں پھیلے ہوئے ہوتے ہیں۔

2......حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے یہ حدیث نقل کی ہے۔

اَلْاَبْدَالُ فِيْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ ثَلاَثُوْنَ رَجُلاً قُلُوْبُهُمْ عَلٰى قَلْبِ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلِ الرَّحْمٰنِ كُلَّمَا مَاتَ رَجُلٌ اَبْدَلَ اللّٰهُ مَكَانَهُ رَجُلاً .

اس امت میں ابدال تیس ہیں ۔ان کے قلوب حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے قلب پر ہیں ان میں سے جب کسی کا انتقال ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ کسی دوسرے کو ابدال بناتا ہے۔

(مسند احمد ،مسند الانصار ،حدیث عبادۃ الخ ،رقم الحدیث: 22750 ،ج: 37 ص: 413)

مذکورہ دونوں حدیثوں میں ابدال کی تعداد میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ ابدال کے دو اطلاق ہیں ۔ایک اطلاق کے مطابق ان کی تعداد چالیس ہے اور دوسرے کے مطابق تیس ہے ۔اس کی دلیل آئندہ آنے والیں وہ احادیث ہیں کہ جن میں ابدال کی علامات اور صفات میں تخالف پایا جاتا ہے ۔یا اس تعداد میں اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ کسی زمانے میں ابدال کی تعداد چالیس ہوتی ہے اور کسی زمانے میں تیس ہوتی ہے لیکن سابقہ وہ حدیث جس میں فرمایا

گیا ہے ابدال کی تعداد چالیس سے کم نہیں ہوگی ۔وہ حدیث بھی اس روایت کی تائید نہیں کرتی اور آئندہ آنے والی وہ حدیث بھی اس کی تائید نہیں کرتی جس میں ابدال کی تعداد چالیس بیان فرمائی گئی ہے۔

3......امام طبرانی رحمہ اللہ کی حدیث میں ہے کہ:

اِنَّ الْاَبْدَالَ فِیْ اُمَّتِیْ ثَلاثُوْنَ بِهِمْ تَقُوْمُ الْاَرْضُ وَبِهِمْ يُمْطَرُوْنَ وَ بِهِمْ يُنْصَرُوْنَ .

میری امت میں تیس ابدال ہیں جن کے سبب زمین قائم ہے اور جن کے سبب بارش برسائی جاتی ہے اور جن کے سبب مدد کی جاتی ہے۔

(الحاوی الفتاوی ،الفتاوی الصوفیہ ،الخبر الدال الخ ،ج:2 ص:292)

4......ابن عساکر رحمہ اللہ کی حدیث میں ہے کہ:

اِنَّ الْاَبْـدَالَ بِـالشَّامِ يَكُوْنُوْنَ وَهُمْ اَرْبَعُوْنَ رَجُلاً بِهِمْ تُسْقُوْنَ وَبِهِمْ تُنْصَرُوْنَ عَلٰى اَعْدَائِكُمْ يُصْرَفُ بِهِمْ عَنْ اَهْلِ الْاَرْضِ الْبَلاءُ وَ الْغَرَقُ .

ابدال شام میں ہوتے ہیں اور وہ چالیس ہیں ان کے سبب تم پر بارش برسائی جاتی ہے اور ان کے سبب تمہیں دشمنوں پر مدد دی جاتی ہے ۔اور ان کے سبب زمین والوں سے امتحان وآزمائش اور غرق کرنے والے عذاب کو دور کیا جاتا ہے۔

(الحاوی الفتاوی ،الفتاوی الصوفیہ ،الخبر الدال الخ ،ج:2 ص:292)

5......امام طبرانی رحمہ اللہ کی حدیث میں ہے کہ:

اَلْاَبْدَالُ فِیْ اَهْلِ الشَّامِ وَ لَهُمْ تُنْصَرُوْنَ وَ بِهِمْ تُرْزَقُوْنَ .

ابدال اہل شام میں ہیں ۔انہی کی وجہ سے تمہاری مدد کی جاتی ہے اور انہی کی وجہ سے تمہیں رزق دیا جاتا ہے۔

(الحاوی الفتاوی ،الفتاوی الصوفیہ ،الخبر الدال الخ ،ج:2 ص:292)

6......امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی مروی حدیث میں ہے کہ:

اَلْاَبْـدَالُ بِـالشَّـامِ وَهُـمْ اَرْبَـعُوْنَ رَجُلاً كُلَّـمَا مَاتَ رَجُلٌ اَبْدَلَ اللّٰهُ مَكَانَهٗ رَجُلاً تُسْـقَـوْنَ بِهِـمُ الْغَيْثُ وَتُنْصَرُوْنَ بِهِمْ عَلَى الْاَعْدَاءِ وَ يُصْرَفُ عَنْ اَهْلِ الشَّامِ بِهِمُ الْعَذَابُ .

(الحاوی الفتاوی ،الفتاوی الصوفیہ ،الخبر الدال الخ ،ج:2 ص:292)

ابدال شام کی سرزمین میں ہیں۔اور وہ چالیس افراد ہیں۔جب ان میں کوئی انتقال کر جاتا ہے تو اس کی جگہ کسی دوسرے کو ابدال بنایا جاتا ہے تم پر ان کے سبب بارش برسائی جاتی ہے اور ان کے سبب دشمنوں کے مقابلے میں تمہاری نصرت کی جاتی ہے۔اور ان کے سبب اہل شام سے عذاب دور کیا جاتا ہے۔

7......امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے کرامات اولیاء میں اور دیلمی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے:

اَلْاَبْدَالُ اَرْبَعُوْنَ رَجُلاً وَاَرْبَعُوْنَ اِمْرَاَةً کُلَّمَا مَاتَ رَجُلٌ اَبْدَلَ اللّٰہُ مَکَانَہٗ رَجُلاً وَکُلَّمَا مَاتَتْ اِمْرَاَۃٌ اَبْدَلَ اللّٰہُ مَکَانَہَا اِمْرَاَۃً.

(الحاوی الفتاوی، الفتاوی الصوفیہ، الخبر الدال الخ، ج:2 ص:292)

ابدال چالیس مرد اور چالیس خواتین ہیں جب ان میں سے کسی مرد کا وصال ہوتا ہے تو اس کی جگہ اللہ تعالیٰ مرد کو ابدال بناتا ہے۔اور جب کوئی خاتون انتقال کر جاتی ہے تو اسکی جگہ کسی خاتون کو ابدال بنایا جاتا ہے۔

8......امام حاکم رحمہ اللہ نے عطاء سے یہ حدیث مرسلا روایت کی ہے کہ:

اَلْاَبْدَالُ مِنَ الْمَوَالِیْ. (ابدال کا تعلق موالی میں سے ہے۔)

(سنن ابی داود، کتاب الخراج الخ، باب فی بیان مواضع قسم الخمس الخ، رقم الحدیث:2990، ج:3 ص:151)

9......ابن ابی الدنیا رحمہ اللہ نے مرسلا روایت کیا ہے کہ:

عَلَامَۃُ اَبْدَالِ اُمَّتِیْ اَنَّہُمْ لَا یَلْعَنُوْنَ شَیْئًا اَبَدًا.

میری امت کے ابدال کی علامت یہ ہے کہ وہ کبھی کسی چیز پر لعنت نہیں کرتے۔

(الحاوی الفتاوی، الفتاوی الصوفیہ، الخبر الدال الخ، ج:2 ص:301)

اس حدیث کو انہوں نے بطور معضل مرفوع بھی روایت کیا ہے۔

10......ابن حبان رحمہ اللہ کی مروی حدیث میں ہے کہ:

لَا تَخْلُو الْاَرْضُ مِنْ ثَلَاثِیْنَ وَثَمَانِیْنَ مِثْلَ اِبْرَاہِیْمَ خَلِیْلِ اللّٰہِ بِہِمْ تُغَاثُوْنَ وَ بِہِمْ تُرْزَقُوْنَ وَبِہِمْ تُمْطَرُوْنَ.

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی صفات کی مثل صفات والے تیس اور اسی افراد سے زمین خالی نہیں رہتی۔ان ہی کے سبب تمہاری مدد کی جاتی ہے اور انہی کے سبب تمہیں رزق دیا جاتا ہے

اوران ہی کے سبب تم پر بارش برسائی جاتی ہے۔

(الحاوی الفتاوی، الفتاوی الصوفیۃ ،الخبر الدال الخ ،ج:2 ص: 301)

11......امام بیہقی رحمہ اللہ کی مروی حدیث میں ہے کہ:

اِنَّ الْاَبْدَالَ اُمَّتِیْ لَمْ یَدْخُلُوا الْجَنَّۃَ بِاَعْمَالِھِمْ وَلٰکِنْ اِنَّمَا دَخَلُوْا بِرَحْمَۃِ اللّٰہِ وَ سَخَاوَۃِ الْاَنْفُسِ وَسَلَامَۃِ الصَّدْرِ وَرَحْمَۃٍ لِجَمِیْعِ الْمُسْلِمِیْنَ .

میری امت کے ابدال جنت میں اپنے اعمال کی وجہ سے داخل نہیں ہوں گے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت وراپنے نفسوں کی سخاوت اوراپنے سینوں کی سلامتی اورتمام مسلمانوں کے ساتھ رحمت وشفقت سے پیش آنے کی وجہ سے داخل ہوں گے۔

(الحاوی الفتاوی، الفتاوی الصوفیۃ ،الخبر الدال الخ ،ج:2 ص: 301)

12......امام طبرانی رحمہ اللہ ''معجم الاوسط'' میں یہ حدیث روایت کی ہے:

لَنْ تَخْلُوا الْاَرْضُ مِنْ اَرْبَعِیْنَ رَجُلاً مِثْلَ خَلِیْلِ اللّٰہِ بِھِمْ تُسْقَوْنَ وَبِھِمْ تُنْصَرُوْنَ مَامَاتَ مِنْھُمْ اَحَدٌ اِلاَّ اَبْدَلَ اللّٰہُ مَکَانَہٗ اٰخَرَ.

حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کی مانند چالیس افراد سے زمین خالی نہیں رہتی ان ہی کے سبب تمہیں پانی دیاجاتاہے اوران ہی کے سبب تمہاری نصرت کی جاتی ہے اوران میں سے کوئی انتقال کرتاہے اس کی جگہ اللہ تعالیٰ دوسرے کومقرر فرماتاہے۔

(الحاوی الفتاوی، الفتاوی الصوفیۃ ،الخبر الدال الخ ،ج:2 ص: 301)

13......ابن عدی رحمہ اللہ نے اپنی کامل میں یہ حدیث نقل کی ہے کہ:

اَلْبُدَلَاءُ اَرْبَعُوْنَ اِثْنَانِ وَ عِشْرُوْنَ بِالشَّامِ وَثَمَانِیَۃَ عَشَرَ بِالْعِرَاقِ کُلَّمَا مَاتَ مِنْھُمْ اَحَدٌ اَبْدَلَ اللّٰہُ مَکَانَہٗ اٰخَرَ فَاِذَا جَاءَ الْاَمْرُ قُبِضُوْا کُلُّھُمْ فَعِنْدَ ذٰلِکَ تَقُوْمُ السَّاعَۃُ

ابدال کی تعداد چالیس ہے بائیس شام میں ہوتے ہیں اوراٹھارا عراق میں ان میں سے جب کسی کا وصال ہوتاہے تواللہ تعالیٰ اس کی جگہ کسی دوسرے کومقرر فرمادیتاہے۔جب اللہ تعالیٰ کاامر آئے گا توان سب کوموت دے دی جائے گی پس اس وقت قیامت قائم ہوجائے گی۔

(الحاوی الفتاوی، الفتاوی الصوفیۃ ،الخبر الدال الخ ،ج:2 ص: 301)

14......ابونعیم نے الحلیۃ میں بھی اس حدیث کوروایت کیاہے:

لَا یَزَالُ اَرْبَعُوْنَ رَجُلاً مِنْ اُمَّتِیْ قُلُوْبُھُمْ عَلٰی قَلْبِ اِبْرَاھِیْمَ یُدْفَعُ بِھِمْ عَنْ اَھْلِ الْاَرْضِ یُقَالُ لَھُمُ الْاَبْدَالُ اِنَّھُمْ لَمْ یُدْرِکُوْھَا بِصَلَاۃٍ وَّ لَا بِصَوْمٍ وَ لَا بِصَدَقَۃٍ قَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ رَاوِیْہِ فَبِمَ اَدْرَکُوْھَا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ؟قَالَ بِالسَّمَاءِ وَ النَّصِیْحَۃُ لِلْمُسْلِمِیْنَ .

میری امت میں ہمیشہ چالیس افراد ایسے ہوں گے جن کے قلوب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قلب اقدس پر ہوں گے ۔زمین والوں سے انہی کے سبب عذاب ٹالا جائے گا۔ان کو ابدال کیا جاتا ہے ۔انہیں یہ مرتبہ نماز، روزہ اور صدقہ کی وجہ سے نہیں ملا۔حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ جو اس حدیث کے راوی ہیں انہوں نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم !پھر انہیں یہ مرتبہ کیسے ملا ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انہیں یہ مرتبہ سخاوت اور مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی کی وجہ سے ملا ہے۔

(الحاوی الفتاوی ،الفتاوی الصوفیۃ ،الخبر الدال الخ ،ج:2 ص:301)

15......بقول بعض محدثین قطب کے بارے میں وارد احادیث میں سے ابو نعیم رحمہ اللہ کی یہ مروی حدیث ہے جس کو انہوں نے ''الحلیہ'' میں روایت کیا ہے:

اِنَّ لِلّٰہِ تَعَالٰی فِیْ کُلِّ بِدْعَۃٍ کِیْدَ بِھَا الْاِسْلَامُ وَاَھْلُہٗ وَلِیًّا صَالِحًا یَذُبُّ عَنْہُ وَ یَتَکَلَّمُ بِعَلَامَاتِہٖ فَاغْتَنِمُوْا حُضُوْرَ تِلْکَ الْمَجَالِسِ بِالذَّبِّ عَنِ الضُّعَفَاءِ وَتَوَکَّلُوْا عَلَی اللّٰہِ وَ کَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیْلاً.

(الحاوی الفتاوی ،الفتاوی الصوفیۃ ،الخبر الدال الخ ،ج:2 ص:301)

ہر وہ بدعت جس کے ذریعے اسلام اور اہل اسلام کو فریب دینے کی کوشش کی جائے گی ۔اس بدعت کی ترویج کے دوران اللہ تعالیٰ کا ایک صالح ولی موجود ہوگا جو اس بدعت کو اسلام اور اہل اسلام سے دور کرے گا۔ اور اسلام کی صحیح علامات بتائے گا۔پس تم ضعفاء سے دفاع کی ان مجالس میں حاضری کو غنیمت سمجھو اور اللہ پر توکل کرو اور اللہ ہی بطور کارساز کافی ہے۔

16......جن اولیاء کرام کا تذکرہ ہوا ہے یا نہیں ہوا ان سب کا حکیم ترمذی اور ابو نعیم رحمہما اللہ کی مروی اس حدیث میں تذکرہ ہے:

فِیْ کُلِّ قَرْنٍ مِنْ اُمَّتِیْ سَابِقُوْنَ ۔(ہر زمانے میں میری امت میں سے سابقون ہوں گے ۔)

(الحاوی الفتاوی ،الفتاوی الصوفیۃ ،الخبر الدال الخ ،ج:2 ص:301)

17......اور ابونعیم کی حدیث میں ہے کہ:

لِكُلِّ قَرْنٍ مِنْ أُمَّتِيْ سَابِقُوْنَ . (ہر زمانے کیلئے میری امت میں سابقین ہوں گے۔)

(الحاوی الفتاوی، الفتاوی الصوفیۃ، الخبر الدال الخ، ج:2 ص:301)

18......مشہور ومعروف حدیث ہے کہ:

يُبْعَثُ لِهٰذِهِ الْأُمَّةِ عَلٰى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُجَدِّدُ لَهَا أَمْرَ دِيْنِهَا .

اس امت کے لئے ہر سو سال کے آغاز میں ایسا شخص مبعوث کیا جائے گا جو اس کے لئے اس کے دین کے معاملہ کی تجدید کرے گا۔

(المعجم الاوسط، باب المیم، من اسمہ: محمد، رقم الحدیث: 6527، ج:6 ص:523)

19......شیخین وغیرہما محدثین رحمہم اللہ نے طرق کثیرہ سے یہ حدیث روایت کی ہے:

لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِيْ ظَاهِرِيْنَ حَتّٰى يَأْتِيَ أَمْرُ اللّٰهِ وَ هُمْ ظَاهِرُوْنَ .

میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ غالب رہے گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کا امر ان کے غالب ہونے کی حالت میں آئے گا۔

(صحیح بخاری، کتاب الاعتصام......الخ، باب قولہ: لاتزل الخ، رقم الحدیث: 7311، ج:9 ص:101)

20......شیخین رحمہما اللہ کی ایک اور روایت ہے کہ:

لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِيْ قَائِمَةٌ عَلَى الْحَقِّ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ وَ لَا مَنْ خَالَفَهُمْ حَتّٰى يَأْتِيَ أَمْرُ اللّٰهِ وَ هُمْ ظَاهِرُوْنَ عَلَى النَّاسِ .

میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا۔ ان کی مخالفت کرنے والا ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کا امر اس حال میں آئے گا کہ وہ لوگوں پر غالب ہوں گے۔

(صحیح بخاری، کتاب الاعتصام الخ، باب قولہ: لاتزل الخ، رقم الحدیث: 7311، ج:9 ص:101)

21......ابن ماجہ رحمہ اللہ کی روایت ہے کہ:

لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِيْ قَائِمَةٌ عَلَى الْحَقِّ قَوَّامَةٌ عَلٰى أَمْرِ اللّٰهِ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ

میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا اور اللہ تعالیٰ کے امر کی نگہبانی کرتا رہے گا ان کی مخالفت کرنے والا ان کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔

(سنن ابن ماجہ، ابواب السنۃ، باب اتباع سنۃ الخ، رقم الحدیث: 9، ج:1 ص:7)

22.....ابن ماجہ رحمہ اللہ کی دوسری روایت میں ہے کہ:

لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي مَنْصُورُوْنَ لَا يَضُرُّهُمْ خُذْلَانُ مَنْ خَذَلَهُمْ حَتّٰى تَقُوْمَ السَّاعَةُ

میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ نصرت یافتہ ہوگا مخالفت کرنے والے کی مخالفت ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی حتیٰ کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔

(سنن ابن ماجہ، ابواب السنۃ، باب اتباع سنۃ الخ، رقم الحدیث:9، ج:1ص:7)

23.....حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور امام مسلم رحمہ اللہ کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ:

لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي يُقَاتِلُوْنَ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِيْنَ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ فَيَنْزِلُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ فَيَقُوْلُ أَمِيْرُهُمْ فَقَالَ صَلِّ بِنَا فَيَقُوْلُ لَا إِنَّ بَعْضَكُمْ عَلٰى الْبَعْضِ أَمِيْرٌ تَكْرِمَةً مِنَ اللّٰهِ لِهٰذِهِ الْأُمَّةِ.

میری امت کا یک گروہ ہمیشہ حق پر قتال کرتا رہے گا اور وہ قیامت تک غالب رہے گا جب حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کا نزول ہوگا تو اس گروہ کا امیر ان سے کہے گا۔آیئے اور ہمیں نماز پڑھایئے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے۔میں نماز نہیں پڑھاؤں گا۔کیونکہ اللہ کی طرف سے اس امت کی تکریم کے لئے تم میں سے بعض بعض پر امیر ہیں۔

(صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب نزول عیسیٰ الخ، رقم الحدیث:156، ج:1ص:137)

تنبیہ

یزید بن ہارون رحمہ اللہ فرماتے ہیں"

ابدال اہل علم ہی ہیں۔علم سے مراد علم نافع ہے۔جو ظاہر اور باطن کا علم ہے صرف ظاہر کا علم مراد نہیں۔

(تفصیل المشائخین، الباب الحادی والثلاثون، فصل، ج:1ص:112، مطبوعہ: دار مکتبۃ الحیاۃ، بیروت)

حضرت امام احمد بن حنبل کے قول کا مطلب

اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اصحاب حدیث اگر ابدال نہیں تو کون ہیں؟ اس سے ان کی مراد اپنی مثل وہ حضرات ہیں جو علم ظاہر اور علم باطن دونوں کے جامع ہیں اور جنہوں نے احکام وحکم اور معارف واسرار کا احاطہ کیا ہوا ہے۔جیسا کہ آئمہ ثلاثہ حضرت امام ابوحنیفہ وحضرت امام شافعی اور حضرت امام مالک رحمہما اللہ اور ان کی مثل دیگر آئمہ کرام رحمہم اللہ کیونکہ یہ حضرات ممتاز

ترین ابدال ونجباء اور اوتاد تھے ان کی مثل کسی بھی شخصیت کے بارے میں سوء ظن سے محتاط رہیں۔شیطان صفت اور نور علم سے محروم وہ لوگ جن پر شیطان غالب آچکا ہے۔ان سے بھی محتاط رہیں کہ وہ تمہیں کہیں گمراہ نہ کردیں کہ آئمہ فقہاء ومجتہدین ان مراتب کونہیں پہنچے تھے حالانکہ علماء اسلام اور صوفیاء کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ اوتاد میں سے تھے اور ایک روایت کے مطابق آپ اپنے وصال سے پہلے قطبیت کے درجہ پر فائز ہو چکے تھے حضرت امام شافعی کے متبعین بعض فقہاء مثلاً امام نووی رحمہ اللہ وغیرہم علماء کے بارے میں بھی اس طرح کی روایات ہیں کہ وہ بھی ان مراتب کے حامل تھے۔

(تلبیس ابلیس ،ظہور الصوفیہ ،ذکر تلبیس ابلیس علی الصوفیہ الخ ،ج:1 ص:292)

نقباء وغیرہم کامسکن زمین کے کس خطہ میں ہے؟

خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے تاریخ بغدادی میں حضرت کنانی رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ:

انہوں نے فرمایا کہ نقباء کی تعداد تین سو اور نجباء کی ستر اور ابدال کی چالیس ہے اور اخیار سات اور عمد چار اور غوث ایک ہے۔نقباء کامسکن مغرب ،نجباء کا مصر اور ابدال کا شام ہے۔اور اخیار تمام روئے زمین کی سیاحت کرتے ہیں۔ اور عمد زمین کے چاروں کونوں میں ہوتے ہیں۔اور غوث کامسکن مکہ معظمہ ہے۔جب مخلوق کو کوئی حاجت پیش آتی ہے تو اس کے لئے نقباء دعا کرتے ہیں اور ان کے بعد نجباء اور ان کے بعد اخیار اور ان کے بعد عمد دعا کرتے ہیں۔ اگر ان کی دعا قبول ہوجاتی ہے تو فبہا ورنہ غوث دعا کرتا ہے۔اس کا سوال ابھی پورا نہیں ہوتا کہ اس کی دعا قبول ہوجاتی ہے۔ (خطیب بغدادی رحمہ اللہ کی روایت ختم ہوگی)

(الحاوی الفتاوی ،الفتاوی الصوفیہ ،الخبر الدال الخ ،ج:2 ص:302)

اس روایت میں سابقہ کچھ امور کی تائید اور کچھ کی مخالفت پائی جاتی ہے۔اس ساری بحث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اولیاء کرام کی مذکورہ تعداد کا تعلق اصطلاحات کے ساتھ اور اصطلاح میں کوئی شاحت نہیں ہوا کرتی ہے۔

حکایت

اس مسئلے میں مجھے اپنے بعض اساتذہ کے ساتھ ایک عجیب واقعہ پیش آیا ہے چونکہ میری پرورش اولیاء کرام کے اس طائفہ سے تعلق رکھنے والے بعض بزرگوں کی آغوش میں ہوئی ہے جس کی وجہ سے میرے ہاں اُن کے کلام کی بڑی توقیر وعظمت ہے جب میں علوم ظاہرہ پڑھنے لگا تو اس وقت میری عمر تقریباً چودہ سال تھی۔میرے استاذ حضرت امام ابوعبداللہ جن کے تقویٰ وطہارت اور عبادت وزہد پر اجماع ہے اور جنہوں نے مصر کے جامع ازھر میں حضرت شیخ محمد جوینی رحمہ اللہ سے تعلیم حاصل کی تھی ان کے پاس میں نے مختصر ابی شجاع پڑھی اور ایک مدت تک میں شیخ محمد جوینی

کے پاس رہا۔ ان کی طبیعت میں حدت وتیزی پائی جاتی تھی۔ ایک دن ان کی مجلس میں قطب، نجباء، نقباء اور ابدال وغیرہم کا ذکر چھڑ گیا تو انہوں نے بڑی سختی کے ساتھ ان کا انکار کیا اور کہا ان سب کی کوئی حقیقت نہیں اور نبی کریم ﷺ سے اس بارے میں کچھ بھی منقول نہیں۔ میں حاضرین مجلس میں سب سے چھوٹا تھا میں نے ان سے عرض کیا۔ معاذ اللہ بلکہ یہ ایسا سچ اور حق ہے جس میں کوئی شبہ نہیں کیونکہ اولیاء اللہ نے اس کی خبر دی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو جھوٹ سے محفوظ رکھا ہوا ہے۔ اس کو نقل کرنے والوں میں حضرت امام یافعی رحمہ اللہ بھی شامل ہیں اور وہ علوم ظاہرہ وباطنہ کی جامع شخصیت ہیں۔ یہ سن کر شیخ نے اور زیادہ انکار کیا اور میرے ساتھ اور زیادہ سختی سے پیش آئے۔

مجھے خاموشی کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آیا خاموش ہو گیا اور دل میں سوچا کہ اس بارے میں میری مدد سوائے ہمارے استاذ شیخ الاسلام والمسلمین امام الفقہاء والعارفین حضرت ابو یحییٰ زکریا انصاری کے کوئی نہیں کرے گا۔ میری عادت تھی کہ میں شیخ محمد جوینی کا ہاتھ پکڑ کر حضرت شیخ زکریا انصاری کی مجلس میں لے جایا کرتا تھا کیونکہ شیخ جوینی بینائی سے محروم تھے۔ چنانچہ شیخ جوینی جب بھی شیخ زکریا انصاری کی خدمت میں سلام پیش کرنے جاتے تو میں ان کے ہمراہ شیخ کی خدمت میں آتا جاتا تھا۔ اس واقعہ کے بعد جب میں شیخ جوینی کے ہمراہ حضرت انصاری کی خدمت میں جانے لگا تو ان کے محلے کے قریب پہنچ کر میں نے شیخ جوینی سے عرض کی کہ میں شیخ زکریا انصاری سے قطب وغیرہ سے متعلق سوال کرنا چاہتا ہوں تا کہ ہمیں معلوم ہو جائے کہ شیخ کے ہاں اس کا جواب ہے جب ہم ان کی خدمت میں پہنچے تو وہ شیخ جوینی کی طرف متوجہ ہوتے اور ان کے ساتھ بہت اکرام سے پیش آئے اور ان کے لئے دعا فرمائی اور اس کے بعد میرے حق میں بھی دعائیں فرمائیں۔ ان دعاؤں میں سے ایک دعا یہ تھی۔

اے اللہ اس کو دین میں فقاہت عطا فرما۔ اور وہ اکثر میرے لئے اس کی دعا فرمایا کرتے تھے۔ جب شیخ انصاری نے اپنی گفتگو مکمل فرمائی تو شیخ جوینی واپس لوٹنے لگے۔ تو میں نے حضرت شیخ الاسلام کی خدمت میں عرض کیا اے میرے سردار! قطب، اوتاد، نجباء اور ابدال وغیرہم جن کا صوفیاء کرام تذکرہ کرتے ہیں کیا وہ حقیقت میں موجود ہیں؟ انہوں نے فرمایا ہاں اللہ کی قسم اے بیٹے! میں نے ان سے شیخ جوینی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عرض کیا کہ شیخ تو ان کا انکار کرتے ہیں اور جو ان کا تذکرہ کرتا ہے اس کا شدت کے ساتھ رد کرتے ہیں شیخ الاسلام نے یہ سن کر فرمایا اے شیخ ایسا ہی ہے۔ کئی بار شیخ سے یہ فرماتے رہے۔ حتیٰ کہ شیخ جوینی نے ان سے عرض کیا اے شیخ الاسلام میں اس پر ایمان لاتا ہوں اور اس کی تصدیق کرتا ہوں اور اس پر میں قائم اور ثابت قدم رہوں گا۔ شیخ الاسلام نے فرمایا اے شیخ محمد! آپ کے بارے میں یہی توقع تھی۔ اس کے بعد ہم ان کی مجلس سے اٹھ گئے اور میں نے جو جسارت کی تھی اس پر شیخ نے مجھ پر کسی طرح کی ناراضگی کا اظہار نہ فرمایا: اسی طرح کا ایک واقعہ مجھے اپنے استاذ حضرت شیخ الاسلام شمس دلجی کے ساتھ بھی پیش آیا ہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے علوم شرعیہ وعقلیہ میں تصنیف کی صلاحیت ومتانت اور عمدگی تحریر کی

جو قوت عطا فرمائی تھی وہ انکے ہمعصر لوگوں میں سے کسی کو عطا نہیں فرمائی تھی۔ایک دن ان کے ہاں ہم تلخیص المفتاح پر شیخ تفتازانی کی لکھی ہوئی شرح اور ایک دوسری کتاب جو شیخ نے اصول الدین میں تصنیف کی تھی وہ پڑھ رہے تھے۔ اس دوران مجلس میں حضرت عارف باللہ عمر بن الفارض رضی اللہ عنہ کا تذکرہ ہوا تو شیخ جھٹ پٹ بولے۔اللہ تعالیٰ اس کو سزا دے کہ وہ کفر میں مبتلا ہوا ہے۔وہ کیسے کافر نہ ہو کہ اس کا کلام حلول واتحاد کا ناطق ہے۔البتہ اس کے استعار بلند پایہ ہیں۔میں نے حاضرین کی موجودگی میں ان سے کہا اللہ تعالیٰ نے ابن الفارض کو کفر، حلول اور الحاد سے محفوظ رکھا ہوا ہے۔شیخ نے یہ سن کر مجھ پر اور ان پر اور زیادہ سختی کی میں نے بھی ان کو سختی کے ساتھ جواب دیا۔اور شیخ دمہ کے مریض تھے۔اور ہمیں بتایا گیا تھا کہ شیخ مدت مدیدہ سے دن ورات کسی لحہ بھی زمین پر نہیں لیٹ سکتے۔تو میں نے ان سے کہا اگر تم شیخ ابن الفارض اور ابن عربی رحمہ اللہ اور ان کے متبعین کی مخالفت سے باز آؤ تو میں تمہیں اس بات کی ضمانت دیتا ہوں کہ تم اس اذیت ناک مرض سے شفاء پا جاؤ گے۔انہوں نے کہا یہ درست نہیں میں نے حاضرین سے کہا اگر ان کی بیماری ختم ہو جائے تو پھر تم میری بات کی تصدیق کرو گے کہ انہوں نے قلیل سی مدت کے اندر توبہ کر لی ہے۔ورنہ تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ وہ کس انجام سے دوچار ہو جاتے ہیں۔یہ سن کر شیخ نے کہا اچھا ہم اس کا تجربہ کر لیتے ہیں۔چنانچہ اس کے بعد ہمیں معلوم ہوا کہ انہوں نے توبہ کر لی ہے۔جس کے نتیجہ میں ان کی حالت بہتر ہوگئی اور ایک طویل مدت تک ان کے مرض میں تخفیف رہی اور اس عرصے میں مَیں اُن سے کہا کرتا تھا۔اے شیخ میری ضمانت صحیح ثابت ہوئی ہے تو وہ اس پر مسکراتے اور خوشی کا اظہار کرتے تھے اور اس مدت میں ہم نے ان سے اس طائفہ کے بارے میں کلمہ خیر کے سوا کچھ نہیں سنا۔اس کے بعد وہ اپنی پرانی روش کی طرف لوٹ گئے تو ان پر دوبارہ پہلے سے بھی زیادہ شدت کے ساتھ مرض حملہ آور ہوا۔اور تقریباً بیس سال تک اس بیماری میں مبتلا رہے اور اسی حال میں انکی موت واقع ہوگئی۔

تصوف کی تعریف اور فوائد کا بیان

سوال ......تصوف اور صوفی کی تعریف کیا ہے؟ اس نام سے موسوم ہونے کی کیا وجہ ہے؟ یہ تسمیہ کب وجود میں آیا ہے؟ صوفی اور ان فرقوں کے درمیان کیا فرق ہے جو صوفیاء کی طرف منسوب ہوتے ہیں؟ تصوف، فقر اور زہد کے درمیان اور صوفی، متصوف اور متشبہ کے درمیان کیا فرق ہے؟

جواب......تصوف کی تعریف میں عارفین کے ایک ہزار سے زائد مختلف اقوال ہیں۔تصوف کی شروط، آداب اور اس کی غایات وثمرات کے پیش نظر یہ اختلاف پیدا ہوا ہے۔

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ نے تصوف کی درج ذیل تعریفات کیں ہیں:

1......بندے کا بغیر کسی تعلق کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہو جانے کا نام تصوف ہے۔
2......اللہ تعالیٰ کا تجھے تیری ذات کے حق میں مارنے اور تجھے اپنی ذات کے ساتھ زندہ رکھنے کا نام تصوف ہے۔
3......ذکر مع اجتماع اور وجد مع استماع اور عمل مع اتباع کا نام تصوف ہے۔

(الرسالۃ القشیریۃ، باب الفتوۃ، ج:2 ص:441)

4......ابو محمد ردیم رحمہ اللہ نے تصوف کی یہ تعریف کی ہے کہ اپنی ذات کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق اس کی ذات کے سپرد کر دینے کا نام تصوف ہے۔

(الرسالۃ القشیریۃ، باب الفتوۃ، ج:2 ص:441)

5......حضرت ابو محفوظ معروف کرخی رحمہ اللہ نے ان الفاظ کے ساتھ تصوف کی تعریف کی ہے۔حقائق کو حاصل کرنے اور مخلوق کے پاس موجود چیز سے ناامیدی کا نام تصوف ہے۔

(الرسالۃ القشیریۃ، باب الفتوۃ، ج:2 ص:441)

6......ابو محمد الحریری رحمہ اللہ نے ان الفاظ کے ساتھ تصوف کی تعریف فرمائی ہے کہ:

"تصوف ہر اچھے بلند خلق سے مزین ہونے اور ہر پست صفت سے خالی ہونے کا نام ہے۔"

صوفی کی تعریف

مذکورہ امور کے پیش نظر صوفی کی تعریف میں بھی عارفین کی عبارات میں اختلاف ہے۔

1......حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ نے صوفی کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

صوفی زمین کی مانند ہے، زمین کے اوپر ہر گندی چیز پھینکی جاتی ہے مگر اس کے اندر سے سوائے ہر خوبصورت چیز کے کچھ بھی نہیں اُگتا۔

(الرسالۃ القشیریۃ، باب الفتوۃ، ج:2 ص:441)

2......حضرت استاذ ابو علی دقاق رحمہ اللہ مذکورہ قول کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں اس بات میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے ان میں سب سے حسین قول ان کا ہے جنہوں نے فرمایا ہے:

"تصوف وہ راہ ہے جو صرف ان لوگوں کے لائق ہے جنہوں نے اپنی ارواح کے ساتھ کوڑا کرکٹ جمع ہونے کی جگہوں کو جھاڑو دیا ہے۔"

(الرسالۃ القشیریۃ، باب الفتوۃ، ج:2 ص:441)

3......حضرت ابو محمد سہل بن عبداللہ رحمہ اللہ نے صوفی کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

''صوفی وہ ہے جس نے اپنی ذات کو گناہوں کی میل کچیل سے پاک کیا اور کفر سے دور رہا اور بشر سے قطع تعلق کر کے اللہ تعالیٰ کی ذات کے قریب ہو گیا اور اس کے نزدیک سونے اور ڈھیلے کی قدر برابر ہوئی۔''

(الرسالۃ القشیریۃ، باب الفتوۃ، ج:2 ص: 441)

4......حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ نے صوفی کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

''صوفیاء کرام وہ طبقہ ہے جنہوں نے ہر چیز پر اللہ تعالیٰ کو ترجیح دی جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر ان کو ترجیح دی۔''

(الرسالۃ القشیریۃ، باب الفتوۃ، ج:2 ص: 441)

صوفی کس چیز کی طرف منسوب ہے اس میں بھی عارفین کے درج ذیل مختلف اقوال ہیں:

1......فقراء مہاجرین کے لئے مسجد نبوی میں جو صفہ (چبوترا) قائم تھا اس کی طرف منسوب ہے۔

2......اللہ تعالیٰ کے حضور قائم ہونے والی پہلی صف کی طرف منسوب ہے۔ کیونکہ صوفیاء کرام اپنی بلند ہمتی اور اپنے قلوب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کے سبب صف اول میں داخل ہونے والوں میں سے ہیں۔

3......صوفی صوف (اون) کی طرف منسوب ہے کیونکہ غالباً ان کا لباس صوف (اُون) کا ہوتا ہے۔ اس لباس کو استعمال کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ لباس فروتنی و عاجزی اور تواضع و زہد کے زیادہ قریب ہے۔ یا اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ انبیاء کرام علیہم السلام کا لباس ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ ہمارے نبی کریم ﷺ دراز گوش کی سواری کیا کرتے تھے اور اونی لباس زیب تن فرمایا کرتے تھے۔

ایک حدیث میں ہے کہ:

''مقامِ روحاء کے قریب چٹان کے پاس سے ستر انبیاء کرام علیہم السلام ننگے پاؤں گزرے جنہوں نے عبایا (چوغے) زیب تن کئے ہوئے تھے اور وہ بیت الحرام جا رہے تھے۔''

اور اس حدیث کے آخر میں یہ الفاظ ہیں:

يَوْمَ كَلَّمَ اللّٰهُ مُوسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ عَلَيْهِ جُبَّةٌ مِنَ الصُّوفِ وَسَرَاوِيْلُ مِنَ الصُّوفِ وَكِسَاءٌ مِنَ الصُّوفِ.

جس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کلام فرمایا اس دن حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جسم اقدس پر اونی جبہ تھا اور آپ کی شلوار اور چادر اُون کی بنی ہوئی تھیں۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے ستر بدری صحابہ کرام سے ملاقات کا شرف حاصل کیا ہے ان سب کا لباس اونی تھا۔اور یہ تیسرا قول لغوی اشتقاق یعنی صوف کی طرف نسبت کے مناسب ہے۔

......ایک قول کے مطابق اس اسم صوفی کی اصل صفا ہے یا مصافاۃ ہے۔

صوفی کے تسمیہ کا زمانہ حدوث

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ نے اس اسم کے حدوث کا وقت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

"اسکا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ اقدس میں یہ نام موجود نہ تھا۔تابعین کرام کے زمانے میں اس کا وجود ملتا ہے۔چنانچہ حضرت حسن بصری سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں نے مطاف کعبہ میں ایک صوفی کو دیکھا تو میں نے اس کی خدمت میں کوئی چیز پیش کی اس نے فرمایا میرے پاس چار دانق (ایک درھم کی دو تہائی) موجود ہیں جو میرے لئے بس کرتے ہیں۔اور اسی کی مثل حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اگر ابو ہاشم صوفی نہ ہوتے تو مجھے ریاء کی باریکیوں کی معرفت نہ ہوتی۔"

(الرسالۃ القشیریۃ،باب فی ذکر مشائخ ہذہ الطریقۃ الخ،ج:1ص:34)

ایک قول کے مطابق اسم صوفی ہجرت کے دوسو سال بعد معروف ہوا ہے۔کیونکہ جس نے نبی کریم ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل کیا ہے وہ صحابی کے نام کا زیادہ حق دار ہے کیونکہ اسکو ہر وصف پر شرف وفضیلت حاصل ہے۔ اور جس نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زیارت کی اور ان سے علم حاصل کیا۔وہ تابعی کے نام کا زیادہ حق دار ہے کہ اس کو دیگر وصف پر شرف حاصل ہے اور اس کے بعد جب عہد نبوت سے دوری ہوتی گئی اور نور نبوت اوجھل ہوگیا اور آراء میں اختلاف پیدا ہوگیا اور علوم کے گھاٹ کو خواہشات کے گھاٹ نے آلودہ کردیا اور متقی لوگوں کی بنیادیں اپنی جگہ سے سرک گئیں اور زاہد لوگوں کے عزائم میں اضطراب آگیا اور جہالتیں غالب آگئیں اور ان کے حجابات کثیف ہوگئے اور عادات ورسوم کی کثرت ہوگئی اور لوگ ان کے غلام بن گئے۔اور دنیا مزین لگنے لگی اور اس کے حادثات میں کثرت آگئی تو ایک گروہ نے اعمال صالحہ اور احوال سنیہ کو اپنے گلے کے ساتھ لگالیا اور گوشہ نشینی کو غنیمت جانا اور اپنے لئے زاویئے اور گوشے بنالئے جن میں وہ اہل صفہ کی اقتداء کرتے ہوئے اسباب کو ترک کرتے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی وزاری کرتے ہوئے کبھی جمع ہوئے اور کبھی تنہائی اختیار کرتے تھے جس کے نتیجے میں انہیں اعمال صالحہ کی توفیق ملی اور بلند احوال کے مالک بن گئے اور ان کے اذھان کی پاکیزگی وصفائی علوم کو قبول کرنے کے لائق بن گئی۔اور انہیں ایک زبان کے بعد دوسری زبان اور ایک عرفان کے بعد دوسرا عرفان اور ایک ایمان کے بعد دوسرا

ایمان نصیب ہوا۔ جیسا کہ حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ نے جب انہیں ایمان کے سابقہ درجہ کے بعد دوسرے درجہ کا انکشاف ہوا تو فرمایا کہ میں سچا مومن بن گیا ہوں۔

پس ان مذکورہ امور کی وجہ سے انہیں ایسے علوم ملے جن کی معرفت صرف ان ہی کو ہے اور ایسے اشارات ملے جن کی حفاظت وہ ہی کرتے ہیں لہٰذا انہوں نے اپنے لئے ایسی اصطلاحات وضع کیں جو ان معارف کی طرف رہنمائی کرتی ہیں جن کی معرفت وہی لوگ رکھتے ہیں اور یہ اصطلاحات ان احوال کو بیان کرتی ہیں جو ان لوگوں میں ہی پائے جاتے ہیں اور ان اصطلاحات کو خلف نے سلف سے حاصل کیا حتیٰ کہ ہر عصر اور ہر زمانے میں یہ رسم مستمر اور خیر مستقر بن گیا۔ اور یہ نام (صوفی) ان کے درمیان مشہور ہو گیا اور وہ اس کے ساتھ موسوم ہو گئے۔ پس یہ اسم ان کی علامت اور اللہ تعالیٰ کی معرفت ان کی صفت اور عبادت ان کا زیور اور تقویٰ ان کا شعار اور حقیقت کے حقائق ان کے اسرار بن گئے (حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ کی عبارت ختم ہو گئی)

حضرت قشیری رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ میں صوفی کے بارے میں حضرت سہروردی سے بھی پہلے اس سے زیادہ بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ انہوں نے جو فرمایا اس کا خلاصہ یہ ہے رسول اللہ ﷺ کے بعد مسلمانوں نے اپنے زمانے میں موجود افضل لوگوں کو صحابہ کا نام دیا کیونکہ صحابیت سے اوپر کوئی افضلیت نہیں اور اس کے بعد جن لوگوں نے صحابہ کرام کی ملاقات کی انہیں تابعین کا نام دیا گیا اور اس کے بعد جن لوگوں نے تابعین سے ملاقات کی ان کو تبع تابعین کا نام دیا گیا۔ اور اس کے بعد جب مراتب میں فرق پیدا ہوا تو پھر وہ خواص لوگ جو دین کے معاملے میں شدت کے ساتھ عمل پیرا تھے ان کو زھاد اور عباد کہا جانے لگا۔ اور اس کے بعد جب بدعات کا ظہور ہونے لگا اور مختلف فرقوں کی جانب سے اپنی جانب لوگوں کو دعوت دینے کا سلسلہ شروع ہوا اور ہر فریق اپنے اندر زہد کی موجودگی کا دعویٰ کرنے لگا تو پھر خواص اہل السنۃ جو اپنی ذات کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر رکھتے ہیں اور اپنے قلوب کو غفلت کی راہوں سے محفوظ رکھتے ہیں وہ تصوف کے نام کے ساتھ خاص ہو گئے۔ اور یہ نام ان اکابر کے لئے دو سو سال پہلے مشہور ہو چکا ہے۔ (حضرت قشیری رحمہ اللہ کی عبارت ختم ہو گئی ہے۔)

فرقہ قلندریہ اور فرقہ ملامتیہ

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

صوفیاء کرام کی طرف منسوب ہونے والے لوگوں میں ایک گروہ وہ ہے جو اپنے آپ کو کبھی قلندریہ اور کبھی ملامتیہ کہتا ہے حالانکہ اس گروہ کا صوفیاء کرام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ اور فرماتے ہیں۔ اور وہ گروہ جو درحقیقت ملامتیہ ہے اس کا حال ہم بیان کر چکے ہیں۔ کہ انکا حال مکرم اور ان کا مقام معزز ہے۔ کہ وہ سنن و آثار پر عمل کرنے والے ہیں

اوران میں صدق واخلاص پایا جاتا ہے۔لیکن یہ لوگ جواپنے آپ کوملامتیہ کہتے ہیں ان میں ایسی کوئی چیز نہیں پائی جاتی ۔اورفرقہ قلندریہ وہ طبقہ ہے جس پر سکر غالب آچکا ہوتا ہے جس کے سبب وہ عادات کے خلاف کرتے ہیں اورمجالس کے آداب کی تقلید نہیں کرتے اور دلوں کی پاکیزگی کے میدانوں کی سیر کرتے ہیں فرائض کے سوا نماز، روزہ کی ان کے ہاں کمی پائی جاتی ہے ۔شریعت کی رخصت کی بنیاد پروہ دنیا کی مباح لذتوں کی ہرچیز سے لطف اندوز ہونے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتے اور بسااوقات وہ رخصت کی رعایت پر ہی اکتفاء کرتے ہیں ۔اورعزیمت کے حقائق کوتلاش نہیں کرتے لیکن اس کے باوجود وہ ذخیرہ اندوزی اوراشیاء کوزیادہ سے زیادہ جمع کرنے کے درپے نہیں رہتے ۔اوریہ لوگ اپنے آپ کوفقیروں ،درویشوں ،زاہدوں اورعابدوں کی علامات اپنا کرممتاز نہیں کرتے ۔اوراللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ دلوں کی پختہ وابستگی پرقناعت کرتے ہیں ۔اس کے سوا مزید کسی چیز کی تلاش میں نہیں رہتے ۔

قلندری اورملامتی گروہوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ ملامتی گروہ سے تعلق رکھنے والے نیکی اور بھلائی کے کاموں میں شدت کے ساتھ کاربند ہوتے ہیں اوراپنی ساری توانائیاں اورقوتیں اس میں صرف کرتے ہیں اوراپنی عبادات اوراپنے احوال کولوگوں کی نگاہ سے پوشیدہ رکھنے کی خوب کوشش کرتے ہیں ۔حتیٰ کہ علوم کے ذریعہ اپنے تمام احوال میں اس قدرترقی حاصل کرتے ہیں کہ کسی کواس کاعلم تک نہیں ہوتا ہے ۔اورقلندری طبقہ کے لوگ کسی خاص ہیئت کی پابندی کے بغیر عبادات کی ادائیگی میں خوب کوشش کرتے ہیں ۔اورانہیں اس بات کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ کوئی ان کے احوال کوجانتا ہے یاکہ نہیں اوران کی ساری پونجی قلوب کی طہارت وپاکیزگی ہوتی ہے اورصوفی وہ لوگ ہوتے ہیں جوہرچیز کواس کے مقام پررکھتے ہیں اپنے تمام اوقات اورسارے احوال کی علم کے ذریعہ تدبیروتنظیم کرتے ہیں ۔ مخلوق کومخلوق کادرجہ دیتے ہیں اورامرِ حق کوامرِ حق کادرجہ دیتے ہیں جوپوشیدہ رکھنے کے لائق چیز ہے اس کوپوشیدہ رکھتے ہیں اورجوچیز قابل اظہار ہے اس کوظاہر کرتے ہیں ۔اوریہ تمام اموروہ حضورِعقل، صحتِ توحیداورکمالِ معرفت اوررعایتِ صدق واخلاق کے ساتھ انجام دیتے ہیں ایک اورگمراہ فرقہ اپنے آپ کوملامتیہ کہتا ہے اورصوفیاء کرام کالبادہ اوڑھتا ہے تاکہ وہ اپنے آپ کوصوفیاء کی طرف منسوب کرسکے حالانکہ اس گروہ کاصوفیاء سے کوئی تعلق نہیں بلکہ وہ فریب اورباطل اورغلطی میں مبتلا ہے ۔جوکبھی اپنے آپ کوصوفیاء کے لباس میں پوشیدہ رکھتا ہے اورکبھی کچھ اوردعویٰ کرتا ہے ۔اوران میں بعض لوگ اہل اباحت کی راہ پرگامزن ہوتے ہیں اوریہ گمان رکھتے ہیں انکے باطن اورضمائر کو اللہ تعالیٰ تک رسائی حاصل ہوچکی ہے اورشریعت کے احکام پرعمل کرناعوام کامرتبہ ہے ۔ان لوگوں کایہ نظریہ عین الحاد اورزندیقی ہے کیونکہ ہروہ حقیقت جس کوشریعت رد کرے وہ زندیقی ہے اوران میں سے بعض لوگ حلول کے قائل ہیں ان کاخیال ہے کہ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ نے ان میں حلول کیا ہوا ہے ۔اوروہ پسندیدہ ومنتخب اجسام میں حلول کرتا ہے ۔انکے ہاں یہ نظریہ نصاریٰ کی طرف سے آیا ہے ۔اللہ تعالیٰ اس چیز سے پاک ہے کہ وہ کسی شے میں حلول

کرے یا کوئی چیز اس میں حلول کرے۔ان میں سے کچھ لوگ حسین خواتین کو دیکھنا حلال وجائز سمجھتے ہیں اوران میں سے کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ وہ ان کاموں پر مجبور و بے بس ہیں۔انہیں تو کسی فعل پر قدرت حاصل نہیں۔ان سے صادر ہونے والا کوئی بھی فعل ان کا اپنا نہیں۔گناہوں کے ارتکاب اور ہر خواہش نفس کی تکمیل کے لئے اپنے آپ کو کھلا چھوڑا ہوا ہوتا ہے۔اوروہ بے کاری اوردائمی غفلت اوراللہ تعالیٰ کی ذات سے بے خوفی،اورملت سے خروج اورحدود واحکام اورحلال وحرام کے ترک کی طرف مائل رہتے ہیں۔

حضرت سہل تستری رحمہ اللہ سے ایک ایسے شخص کے بارے میں دریافت کیا گیا جو کہتا تھا کہ میں اس دروازے کی مانند ہوں جو خود حرکت نہیں کرتا سوائے اس کے کہ کوئی اس کو حرکت دے تو اس میں حرکت پیدا ہوتی ہے۔حضرت سہل تستری نے فرمایا یہ بات سوائے دو آدمیوں کے کوئی نہیں کہہ سکتا۔یا تو وہ اللہ کا سچا بندہ ہوگا جو اس بات سے یہ بتانا چاہتا ہے کہ اصول کے استحکام اورعبودیت کی حدود کی رعایت کے باوجود اشیاء کا وجود اوران کے نظام کا قیام اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔یا وہ شخص زندیق ہوگا جو یہ کہہ کر اشیاء کو اللہ تعالیٰ کی ذات پر ڈال کر اپنی ذات سے ہر طرح کی ملامت کو اتارنا چاہتا ہے اوردین اوراس کے احکام سے اپنے آپ کو آزاد کرنا چاہتا ہے۔

اوران میں کچھ لوگ ذہانت وفطانت کے مالک ہوتے ہیں اورانہوں نے باطن سے تعلق رکھنے والیں چند باتیں سنی ہوئیں ہوتیں ہیں جس کی وجہ سے وہ اپنے باطن سے کچھ باتیں ترتیب دے کر ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں اوربتاتے ہیں یہ وہ مکالمہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ فرمایا ہے۔مثلاً وہ کہتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ فرمایا اورمیں نے اس کے حضور یہ عرض کیا۔اس طرح کے لوگ یا تو اپنی ذات اورحدیث نفس اوراپنے رب سے بے خبر اورمکالمہ ومحادثہ کے بیان کی کیفیت سے جاہل ہوتے ہیں یا وہ اپنے قول کے باطل ہونے کو تو جانتے ہیں لیکن خواہشات نفسانی ان کو اس دعویٰ پر ابھار رہی ہیں تاکہ وہ لوگوں کو اپنے بارے میں اس وہم میں مبتلا کرسکیں کہ انہیں کوئی کامیابی حاصل ہوچکی ہے۔اوران کے یہ تمام اعمال اوردعوے گمراہی ہیں۔

ان لوگوں کا اسی راہ پر چلنے کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے بعض محققین کی ان پر وارد ہونے والے مخاطبات کے متعلق باتیں سنی ہوئیں ہوتیں ہیں حالانکہ ان محققین پر ظاہری اورباطنی لحاظ سے طویل ریاضت اورمشقت والے اعمال کی انجام دہی اورصوفیاء کرام کے اصول صدق تقویٰ اورکمال زہد وغیرہ پر سختی کے ساتھ پابند ہونے کے نتیجے میں ان مخاطبات کا ورود ہوا ہوتا ہے۔جب صوفیاء کرام کا باطن صاف وشفاف ہوتا ہے تو ان کے باطن میں کتاب وسنت کے موافق ایسے مخاطبات متشکل ہوجاتے ہیں جنہیں ان کے اہل ہی سمجھ سکتے ہیں اوروہ علم ویقین کے موافق ہوتے ہیں اور یہ خطابات ان کے باطن کے لئے راز ونیاز اور باطن کے ان کے ساتھ راز ونیاز کی باتیں ہوتیں ہیں۔اوریہ لوگ اپنے آپ کو عبودیت کے مقام پر رکھے ہوئے اوراپنے مالک ومولیٰ کے لئے ربوبیت تسلیم کرتے ہوئے اپنے باطن

میں محسوس ہونے والے خطابات کو اپنے مالک ومولیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں اس کے باوجود انہیں یہ یقین ہوتا ہے کہ یہ خطابات اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں وہ صرف علمِ حادث ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ان کے باطن میں پیدا فرمایا ہے۔
پس وہ لوگ جو حالتِ صحو میں ہوتے ہیں ان کا طریقہ یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو ان کے نفوس میں پیدا ہوتی ہے اس سے فرار اختیار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے رہتے ہیں حتیٰ کہ جب ان کا آنگن خواہشات نفسانی سے پاک ہو جاتا ہے تو ان کے باطن میں جس چیز کا الہام کیا جاتا ہے وہ اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف اسی طرح منسوب کرتے ہیں جس طرح مخلوق کو خالق کی طرف منسوب کیا جاتا ہے لیکن کلام کو جس طرح متکلم کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔اس طرح اس کی نسبت نہیں کرتے۔اس میں ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ کج روی وگمراہی اور تحریف سے محفوظ رہیں۔
(حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ کے کلام کا خلاصہ ختم ہو گیا)

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مذکورہ خطابات کا تعلق اس الہام سے ہے جس کے متعلق سرخیل وممتاز صوفیاء کرام حجت ہونے کے قائل ہیں۔اس کے حجت ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جس کے ساتھ یہ معاملہ پیش آتا ہے اس کے پاس اتنے زیادہ قرائن موجود ہوتے ہیں جو اس کے حقیقت ہونے کا تقاضا کرتے ہیں اور یہ بتاتے ہیں کہ اس کا نفسانی خیالات سے قطعاً کسی طرح کا کوئی تعلق نہیں۔مگر فقہاء کرام واصولیوں کا اس بارے میں صوفیاء کرام کے ساتھ اختلاف ہے لیکن فقہاء اہل اصول الہام کا سرے سے انکار نہیں کرتے۔اس کا انکار ہو بھی کیسے سکتا ہے کہ صحیح حدیث میں ہے کہ:

اِنَّ فِیْ اُمَّتِیْ مُحَدِّثُوْنَ اَوْ مُلْهَمُوْنَ وَ مِنْهُمْ عُمَرُ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ.

بے شک میری امت میں الہام والے لوگ ہیں اور ان میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔

فقہاء کرام واصولیوں کا الہام کے حجت ہونے کا انکار کرنے سے مقصد یہ ہے کہ کہیں وہ لوگ جو اس کے اہل نہیں وہ دعویٰ نہ کریں اور اس کو حجت نہ بنائیں کیونکہ غیر معصوم کے قلبی واردات وخواطر پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا اس کی وجہ یہ ہے کہ غیر معصوم بسا اوقات اپنے قلبی واردات کو الہام سمجھا کرتا ہے حالانکہ شیطان نے اس کو اس کے سامنے اپنی فریب کاریوں کے ساتھ مزین کر کے پیش کیا ہوتا ہے۔اور وہ شیطان کی ان فریب کاریوں اور دھوکہ بازیوں کو سچ سمجھنے لگتا ہے جس کے نتیجے میں وہ اپنے دل پر وارد ہونے والے ان خیالات کے حق ہونے کا یقین کر لیتا ہے۔حالانکہ وہ حق نہیں ہوتے وہ صرف حدیث نفس اور شیطانی خیالات ہوتے ہیں۔شیطان کو اسے اس جسارت پر آمادہ کرنے کا موقع اس لئے ملا ہے کہ اس نے استقامت اور کامل ترین طریقہ پر عبودیت کے قیام کے قوانین پر عمل نہیں کیا۔
جب یہ واضح ہے کہ نفس،خواہش اور شیطان کی ان خیالات کی تزیین اور ان کی تلبیس میں مداخلت پائی جاتی ہے تو فقہاء واصولیین نے لوگوں کی مصلحت اسی میں دیکھی کہ وہ ان کو الہام سے احتجاج واستدلال کرنے سے دور رکھیں تا کہ وہ شیطان کے دھوکے اور سرکشی کی لغزشوں میں پڑنے سے محفوظ رہیں۔اور یہ ایسا دروازہ ہے جس کو لوگوں پر بند

کرنا واجب ہے تاکہ اس سے پیدا ہونے والے بے شمار مفاسد سے لوگ بچے رہیں۔

تصوف، فقر اور زہد کے درمیان فرق

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ کے بقول تصوف، فقر اور زہد کے درمیان فرق یہ ہے کہ تصوف فقر اور زہد کے تمام معانی اور ان کے علاوہ مزید ایسی چیزوں کا جامع ہے جن کے بغیر کوئی شخص صوفی نہیں بن سکتا ہے اگرچہ وہ زاہد اور فقیر ہو سکتا ہے بلکہ ایک قول کے مطابق فقر اپنے شرف کے باوجود جہاں جا کر ختم ہو جاتا ہے وہاں سے تصوف کا آغاز ہوتا ہے۔ حضرت سہروردی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اہل شام اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں فقراء اور صوفیاء کے درمیان فرق نہیں کرتے:

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ. (سورۃ البقرۃ، آیت:273)

صدقات ان فقیروں کیلئے ہیں جو راہِ خدا میں روکے گئے ہیں زمین پر چل نہیں سکتے۔

لیکن حق یہ ہے کہ تصوف اور فقر میں فرق ہے۔ کیونکہ فقیر وہ ہوتا ہے جو فضائل فقر کو جاننے کی وجہ سے فقر کے ساتھ چپٹا ہوا ہوتا ہے اور اس کو غناء و فراخی پر ترجیح دیتا ہے۔ فقر کے بے شمار فضائل ہیں ان میں سے ایک فضیلت یہ ہے کہ فقراء اغنیاء سے پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔ پس فقیر عوض باقی کو پیش نظر رکھتے ہوئے حاصل فانی سے اعراض کرنے والا ہوتا ہے اور یہی عینِ اعتدال ہے۔ جو صوفیاء کرام کے طریقہ میں پایا جاتا ہے۔ کیونکہ فقیر کی نگاہ معاوضات باقیہ کی جانب رہتی ہے اور وہ ان ہی کے لئے غناء کو ترک کرتا ہے۔ جبکہ صوفی اشیاء کو معاوضات موجودہ کے لئے ترک نہیں کرتا بلکہ وہ احوال موجودہ کی وجہ سے ترک کرتا ہے کیونکہ صوفی ابن الوقت ہوتا ہے۔ نیز فقیر فوری حصہ کو اپنے ارادہ و اختیار سے ترک کرتا ہے جبکہ صوفی کے حال میں ارادہ و اختیار علت ہوا کرتے ہیں کیونکہ صوفی کا اشیاء کے ساتھ تعلق اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے ہوتا ہے اس کے لئے ارادے کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اسی لئے صوفی نہ فقر کی صورت میں کوئی فضیلت دیکھتا ہے اور نہ غنا کی صورت میں کوئی فضیلت دیکھتا ہے وہ تو صرف اسی چیز میں فضیلت دیکھتا ہے جس میں حق کی موافقت پائی جاتی ہے اور کسی بھی شے میں داخل ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت کا یقین رکھتا ہے۔ کبھی وہ اللہ تعالیٰ کے اذن سے کشائش کی اس صورت میں داخل ہوتا ہے جو فقر کے مباین ہوتی ہے۔ تو وہ اس وقت اللہ تعالیٰ کی جانب سے اذن کی وجہ سے کشائش میں فضیلت سمجھتا ہے۔ صادقین کے لئے کشائش میں داخل ہونا اسی صورت میں مناسب ہے جب انہیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے اذن کا مستحکم علم حاصل ہو جائے۔ اور یہ قدموں کے پھسلنے کا مقام ہے اور مدعی لوگوں کے دعوے کا باب ہے۔ صاحب حال جس حال سے بھی متصف ہو جائے اس کو راکب حال بیان کرتا ہے۔

لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ (سورۃ الانفال، آیت: 42)

کہ جو ہلاک ہو دلیل سے ہلاک ہو۔ اور جو جیئے دلیل سے جیئے۔

لہٰذا تمہارے سامنے فقر اور تصوف کے درمیان فرق واضح ہو گیا ہے اگر چہ فقر تصوف کی بنیاد اور اساس ہے اور طریقۂ فقر پر تصوف کے مراتب تک رسائی کے لئے فقری کے ساتھ تصوف کا قیام ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وجودِ تصوف سے وجودِ فقر لازم آئے۔ (حضرت سہروردی رحمہ اللہ کی عبارت ختم ہوگئی)

فقر اور زہد میں فرق یہ ہے کہ فقر اپنے تمام محاسن کے ساتھ زہد میں موجود ہوتا ہے۔ مثلاً اطراح (اپنی ذات کو گرانا) خمول (گمنامی) تمزق (پراگندہ ہوتا ہے) خدمتِ فقراء۔ کیاست (عقل مندی وذہانت) اور فقیر تمام اوصاف ذمیمہ مثلاً کبر، عجب، حسد وغیرہ سے پاک وصاف ہوتا ہے اور یہ چیزیں کبھی زہد کے ساتھ نہیں پائی جاتی ہیں۔

خلاصہ یہ کہ زاہد کے محاسن فقیر کے محاسن کا بعض حصہ ہوتے ہیں اور فقیر کے محاسن صوفی کے محاسن کا بعض حصہ ہوتے ہیں۔

صوفی، متصوف اور متشبہ کے درمیان فرق

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ ان کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

طریق صوفیاء کرام میں سب سے پہلی چیز ایمان اور اس کے بعد علم اور اس کے بعد ذوق ہوتا ہے۔ متشبہ صاحب ایمان ہوتا ہے لیکن ایمان بطریق صوفیاء اصل کبیر ہے۔ سید الطائفہ حضرت شیخ جنید بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہمارے اس طریق کے مطابق تصدیق کا نام ولایت ہے حضرت سہروردی رحمہ اللہ فرماتے ہیں صوفیاء کرام احوال شریفہ اور آثار عجیبہ کے ساتھ ممتاز ہوتے ہیں اور ان کے لئے تقدیر اور علوم کے عجائب منکشف ہوتے ہیں اور ان کی اللہ تعالیٰ کے امر عظیم اور اس کے قرب کی طرف رہنمائی ہوتی ہے اس لئے ان کے طریق کے مطابق ایمان رکھنا ایمان بالقدرۃ ہے اور انہیں اسی قبیل سے تعلق رکھنے والے علوم بھی حاصل ہوتے ہیں۔ لہٰذا طریق صوفیاء کے مطابق ایمان صرف وہی شخص رکھتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ اپنی مزید عنایت سے خاص فرماتا ہے۔

پس متشبہ صاحب ایمان ہوتا ہے اور متصوف صاحب علم ہوتا ہے کیونکہ اس نے ایمان کے بعد طریق صوفیاء کے مطابق مزید علم حاصل کیا ہوتا ہے اور اسے وجد کی کیفیات پیدا ہوتی ہیں۔ اور صوفی صاحب ذوق ہوتا ہے۔ متصوف صادق کو صوفی کے حال سے حصہ نصیب ہوتا ہے اور متشبہ صادق کو متصوف کے حال سے حصہ نصیب ہوتا ہے۔ حضرت سہروردی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یوں ہی اللہ تعالیٰ کی سنت جاری ہے کہ ہر صاحب حال میں ذوق پایا جاتا ہے جس حال میں وہ موجود ہوتا ہے لامحالہ اس کو اس سے بھی اعلیٰ حال کا علم منکشف ہو جاتا ہے۔ لہٰذا وہ اپنے پہلے حال میں

صاحب ذوق ہوتا ہے اور اپنے اس حال میں جو اس کے لئے منکشف کیا گیا ہے اس میں وہ صاحب علم ہوتا ہے اور وہ حال جو اس سے بھی بلند ہوتا ہے اس میں وہ صاحب ایمان ہوتا ہے۔اس کے بعد کافی طویل گفتگو حضرت سہروردی رحمہ اللہ نے فرمائی اور اس کے بعد کہا:

صوفی روح کے مقابلے میں صاحب مشاہدہ ہوتا ہے اور متصوف قلب کے مقابلے میں صاحب مراقبہ ہوتا ہے اور متشبہ نفس کے مقابلے میں صاحب مجاہدہ ومحاسبہ ہوتا ہے۔لہٰذا صوفی کی تکوین اپنے قلب کے وجود کے ساتھ ہوتی ہے اور متصوف کی تکوین اپنے نفس کے وجود کے سبب ہوتی ہے اور متشبہ کی کوئی تکوین نہیں ہوتی کیونکہ تکوین ارباب احوال کے لئے ہوتی ہے۔متشبہ مجاہدہ کرنے والا سالک ہوتا ہے جسے ابھی احوال تک رسائی حاصل نہیں ہوئی ہوتی ہے۔ان سب حضرات کو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں جس میں اصطفاء کا تذکرہ ہے اس اصطفاء کے دائرے نے اپنے اندر جمع کیا ہوا ہے۔

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَّ مِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرَاتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ. (سورۃ الفاطر،آیت:32)

ترجمہ: پھر ہم نے کتاب کا وارث کیا اپنے چنے ہوئے بندوں کو تو ان میں سے کوئی اپنی جان پر ظلم کرتا ہے اور ان میں کوئی میانہ چال پر ہے اور ان میں سے کوئی وہ ہے جو اللہ کے حکم سے بھلائیوں میں سبقت لے گیا۔

بعض حضرات نے اس آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ظالم وہ ہے جو مصیبت کے وقت جزع وفزع کرتا ہے اور مقتصد (میانہ روی کرنے والا) وہ ہے جو مصیبت کے وقت صبر کرتا ہے۔اور سابق (سبقت لے جانے والا) وہ ہے جو مصیبت سے لذت پاتا ہے۔اور بعض نے فرمایا کہ ظالم وہ ہے جو غفلت میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے اور بطور عادت عبادت میں مشغول رہتا ہے اور مقتصد وہ ہے جو رغبت اور خوف کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے اور سابق وہ ہے جو ڈر وہیبت اور اللہ تعالیٰ کی احسان مندی کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے۔اور بعض نے فرمایا ہے کہ ظالم صاحب اقوال ہوتا ہے اور مقتصد صاحب افعال اور سابق صاحب احوال ہوتا ہے۔

(مسند احمد،مسند الانصار،حدیث ابی ذر الخ،رقم الحدیث:21379،ج:35،ص:305)

مذکورہ سارے اقوال صوفی،متصوف اور متشبہ کے احوال کے مناسب ہیں اور یہ تمام حضرات اہل فلاح ونجاح یعنی کامیاب لوگوں میں سے ہیں۔متشبہ وہ شخص ہے جس نے صوفیاء کرام کے ساتھ مشابہت اختیار کی ہوئی ہوتی ہے۔اس مشابہت کو اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے اس کو صرف صوفیاء کرام کے ساتھ شدید محبت ہوتی ہے۔ایسا شخص اگرچہ صوفیاء کرام کی طرح عبادت وریاضت اور مجاہدہ کرنے سے قاصر ہوتا ہے لیکن اپنی ارادت ومحبت کی وجہ سے ان

کے ساتھ ہوگا۔ چنانچہ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ:

اَلْمَرْءُ مَنْ اَحَبَّ فَقَالَ اَبُوْذَرٍّ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَلرَّجُلُ یُحِبُّ الْقَوْمَ وَ لَا یَسْتَطِیْعُ یَعْمَلُ کَعَمَلِهِمْ قَالَ اَنْتَ یَااَبَا ذَرٍّ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ ،قَالَ فَاِنِّیْ اُحِبُّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ قَالَ فَاِنَّکَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ .

(المعجم الاوسط للطبرانی، باب المیم ،اسمہ موسیٰ الخ ،رقم الحدیث: 8327،ج:8ص:179)

ہر انسان اس کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ وہ محبت کرتا ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! ایک شخص کسی گروہ سے محبت کرتا ہے لیکن وہ ان کے عمل کی طرح عمل کی استطاعت نہیں رکھتا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اے ابوذر! تم اسی کے ساتھ ہوگے جس کے ساتھ محبت کرتے ہو۔ انہوں نے عرض کی میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں حضور ﷺ نے فرمایا بے شک تم اسی کے ساتھ ہوگے جس کے ساتھ تم محبت کرتے ہو۔

خرقۂ خلافت سے متعلق حکایت

حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی رحمہ اللہ کے برادر حضرت شیخ احمد غزالی رحمہ اللہ کی خدمت میں ایک نوجوان اس غرض سے حاضر ہوا کہ شیخ اس کو خرقۂ خلافت سے نوازیں، شیخ احمد غزالی نے اس نوجوان کو ہمارے شیخ یعنی اپنے چچا حضرت ابوالنجیب سہروردی رحمہ اللہ کی خدمت میں بھیجا تاکہ وہ اس کو خرقۂ خلافت کا مطلب سمجھائیں جب وہ نوجوان ان کے پاس پہنچا تو انہوں نے مبتدی کے لئے خرقہ خلافت کی شرائط اور اس کے آداب وحقوق بتائے تو وہ نوجوان ان سے گھبرا گیا اور واپس حضرت شیخ احمد غزالی کے پاس آ گیا۔ جس پر حضرت احمد غزالی حضرت ابوالنجیب سہروردی کے پاس گئے اور ان سے کہا اس نوجوان کو آپ نے جو شروط آداب اور حقوق بتائے ہیں وہ صحیح ہیں لیکن جب ہم مبتدی پر یہ چیزیں لازم قرار دیں گے تو وہ بھاگ جائے گا اور ان چیزوں کی ادائیگی نہیں کر سکے گا۔ اس لئے ہم خرقہ خلافت صرف اس مقصد کے تحت عطا کرتے ہیں تاکہ وہ گروہ صوفیاء کرام کی مشابہت اختیار کرے اور ان کا لباس اور ان کی شکل وصورت اختیار کرے تاکہ یہ چیز اس کو ان کی مجالس ومحافل کے قریب کردے۔ اور ان کی محبت ان کے احوال وسیرت کو دیکھنے کی برکت سے اس کے دل میں انکی راہ پر چلنے اور ان کے احوال اپنانے کی تڑپ ومحبت پیدا ہو جائے۔

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی فرماتے ہیں۔

حقیقی متشبہ صاحب مجاہدہ ومحاسبہ ہوتا ہے۔ اس کے بعد وہ صاحب مراقبہ متصوف بن جاتا ہے اور اس کے بعد وہ صاحب مشاہدہ صوفی بن جاتا ہے۔ لیکن وہ شخص جو صوفیاء کرام کے ابتدائی مقاصد کی طرف توجہ نہیں دیتا صرف ظاہری

تشبہ اختیار کرتا ہے یعنی ان کے لباس اور شکل وصورت کو اختیار کر لیتا ہے لیکن انکی سیرت اور انکی صفات کو اختیار نہیں کرتا تو وہ متشبہ نہیں۔ پس وہ متشبہ کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے والا ہے کہ وہ صرف صوفیاء کرام کے لباس کو زیب تن کر کے ان کی طرف منسوب ہو رہا ہے۔ اس کے باوجود صوفیاء کرام وہ گروہ ہے جن کے پاس بیٹھنے والا محروم نہیں ہوتا۔

(المعجم الاوسط للطبرانی، باب المیم، اسمہ موسیٰ الخ، رقم الحدیث: 8327، ج:8 ص:179)

حدیث پاک میں ہے کہ:

مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ ۔ جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرتا ہے تو وہ ان میں سے ہی ہے۔

(الرسالۃ القشیریۃ، باب المعرفۃ باللہ، ج:2 ص:579)

صوفیاء کرام کا اجمالاً یا تفصیلاً انکار کرنے والوں کا بیان

سوال...... فقہاء کے اس گروہ کا کیا حکم ہے جو صوفیاء کرام کا اجمالاً یا تفصیلاً انکار کرتا ہے انکا عذر قابل قبول ہے یا کہ نہیں؟۔

جواب...... ہر صاحب عقل اور دیندار شخص کو چاہیے کہ وہ اس گروہ کی مخالفت کے گڑھے میں نہ گریں اس گروہ کی مخالفت زہر قاتل ہے۔ جس کا ماضی وحال ہر دور میں مشاہدہ کیا گیا ہے۔

اولیاء کرام کی گستاخی کی سزا

اس سے قبل ہم نے ابن سقاء کا واقعہ بیان کیا ہے جس نے اللہ تعالیٰ کے ایک ولی کی گستاخی کی تھی۔ جس پر اس ولی نے فرمایا تھا کہ اس کی موت حالت کفر پر آئے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا وہ ایک نصرانیہ لڑکی پر عاشق ہو گیا اور اسکو حاصل کرنے کے لئے نصرانی بن گیا، اس کو موت کے وقت دیکھا گیا کہ اس کا منہ مشرق کی طرف مڑا ہوا تھا اس کے رخ کو قبلہ کی جانب کرنے کی بارہا کوشش کی گئی مگر ہر بار اس کا چہرہ مشرق کی طرف مڑ گیا۔ اور اسی حالت میں اس کی روح نکل گئی یہ شخص اپنے زمانے میں علم، ذہانت اور شہرت میں اپنے ہم عصر لوگوں سے ممتاز تھا۔ بادشاہ وقت کے ہاں اس کو اہم مقام حاصل تھا۔ اس پر اس عذاب کے نازل ہونے کی وجہ یہ تھی اس نے ولی اللہ کی گستاخی کی تھی اور اس نے کہا تھا کہ میں اس ولی سے ایسا سوال کروں گا کہ جس کا جواب یہ نہیں دے سکے گا۔ سابقاً ہم نے یہ بھی بیان کیا تھا کہ حضرت امام ابوسعید بن ابی عصرون جو اپنے زمانے میں شافعیہ کے امام تھے ان سے بھی اس ولی کے حق میں معمولی سی بے ادبی واقع ہوئی تھی۔ جس پر اس ولی نے ان کو یہ وعید سنائی تھی کہ وہ اپنے کانوں تک دنیا میں غرق ہو جائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ انہیں نور الدین شہید نے دمشق کی وزارت اوقاف تفویض کی اور وہ دنیا میں بہت زیادہ منہمک ہو کر رہ گئے۔ (بعد میں اللہ تعالیٰ نے انہیں توبہ کی توفیق نصیب فرمائی)

امام العارفین تاج الخلفاء الوارثین حضرت محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ بھی ان دونوں کے ہمراہ اس ولی کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ مذکورہ دونوں افراد کے ساتھ وہ واقعہ پیش آیا جس کا ہم نے تذکرہ کیا ہے۔ اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ اس ولی کے ساتھ نہایت ادب سے پیش آئے تو اس نے ان کے لئے دعا فرمائی اور انہیں یہ خوشخبری سنائی کہ وہ ولایت بلکہ قطبیت پر فائز ہوں گے اور ان کا قدم مبارک عنقریب اللہ تعالیٰ کے ہر ولی کی گردن پر ہوگا۔ دیکھئے کہ قلتِ ادب کی نحوست کیسی ہوتی ہے۔ اور ادب وعقیدت کا فائدہ کیسا ہوتا ہے؟

مشائخ عارفین اور آئمہ وارثین سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ صالحین کی گستاخی کے مرتکب انسان کی کم سے کم سزا یہ ہے کہ وہ ان کی برکت سے محروم ہو جاتا ہے اور مشائخ نے فرمایا ہے کہ ایسے شخص کے سوئے خاتمہ کا خوف ہے۔ (نعوذ باللہ من سوء القضاء)

بعض عارفین نے فرمایا ہے کہ جب تم کسی ایسے شخص کو دیکھو جو اولیاء اللہ کی اذیت کے درپے ہے اور صوفیاء کرام کے مواہب وفیوضات کا منکر ہے تو یقین کرلو کہ وہ اللہ تعالیٰ سے جنگ کرنے والا ہے اور اللہ تعالیٰ کے قرب کی حقیقت سے اس کو دور کر دیا گیا ہے۔ حضرت امام ابوتراب نخشبی رضی اللہ عنہ جن کی امامت پر اتفاق ہے وہ فرماتے ہیں جب کسی دل میں اللہ تعالیٰ سے اعراض اور دوری کی الفت پائی جاتی ہے تو وہ اولیاء اللہ کی شان میں گستاخی کا مرتکب ہو جاتا ہے۔ حضرت امام عارف شاہ بن شجاع کرمانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ:

کسی بھی عابد کی کوئی عبادت اولیاء اللہ کے ساتھ محبت سے بڑھ کر نہیں کیونکہ ان کی محبت اللہ تعالیٰ کی محبت کی دلیل ہے۔

حضرت ابوالقاسم قشیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مشائخ کے قلوب کا مرید کو قبول کرنا اس کی سعادت مندی کی سچی شہادت ہے۔ اور جس کو شیوخ میں سے کسی شیخ کا قلب رد کر دے تو وہ لامحالہ اس کے انجام کو دیکھ لے گا خواہ کچھ عرصہ بعد ہی اور جس نے شیخ کے ادب واحترام کو ترک کیا بے شک اس نے اپنی شقاوت وبدبختی کے نشان کو ظاہر وواضح کر دیا ہے اور وہ اس سے کبھی نہ بچ سکے گا۔ (ابوالقاسم قشیری کا کلام ختم ہو گیا)

(صحیح بخاری، کتاب الرقائق، باب التواضع، رقم الحدیث:6502، ج:8 ص:105)

اولیاء کرام کی گستاخی کرنے والوں کے انجام کو بیان کرنے میں حضور ﷺ کا وہ ارشاد کافی ہے جو اس صحیح میں ہے:

مَنْ اٰذٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ.

جو میرے کسی ولی کو اذیت دے تو میں اس کے ساتھ اعلان جنگ کرتا ہوں۔

اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ جنگ کرتا ہے وہ کبھی بھی فلاح نہیں پا سکتا۔ علماء کرام نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

اولیاء کرام کے گستاخ اور سود خور کے سوا کسی گنہگار کے ساتھ اعلان جنگ نہیں فرمایا اور ان دونوں کے سوء خاتمہ کا بہت زیادہ خطرہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ صرف کافر کے ساتھ جنگ فرماتا ہے۔

حکایت

حضرت امام یافعی رحمہ اللہ اپنے ہم عصر شیخ امام عبدالعزیز دریني رحمہ اللہ سے حکایت کرتے ہیں کہ وہ اپنے کسی مقصد کے گھر سے نکلے تو راستے میں نماز مغرب کا وقت ہو گیا اور کسی فقیہ کی اقتداء میں نماز مغرب ادا کرنے لگے تو فقیہ نے قرأت میں کوئی غلطی کی۔ شیخ نے دل میں ارادہ کیا کہ میں اس کے پاس تھوڑی دیر کے لئے ٹھہر کر اُس غلطی سے آگاہ کروں گا۔

فقیہ نے نماز سے سلام پھیرتے ہی شیخ سے مخاطب ہو کر فرمایا اے عبدالعزیز اپنے مقصد کا پیچھا کر و جس آدمی کے پاس تمہارا کام ہے وہ سفر پر جانے کا ارادہ کر رہا ہے قرأت میں جس غلطی کو تم نے سنا ہے اور جس سے تم آگاہ کرنا چاہتے ہو وہ تمہارے لئے اتنی ضروری نہیں۔ شیخ کہتے ہیں یہ سن کر میں وہاں سے نکلا اور سیدھا اس شخص کے پاس پہنچا جس کے پاس میرا کام تھا چنانچہ میں نے دیکھا واقعی وہ رخت سفر باندھ کر تیار ہو چکا ہے اور اگر میں ایک لمحہ بھی تاخیر سے پہنچتا تو میرا مقصد فوت ہو جاتا۔

حکایت

ایک فقیہ کسی ولی کے شدید مخالف تھے۔ ایک روز اس فقیہ کا ایک شیر کے ساتھ آمنا سامنا ہو گیا۔ جس پر وہ بہت گھبرا گیا اچانک اس ولی کا بھی وہاں سے گزر ہوا ولی نے یہ حالت دیکھ کر شیر کو وہاں سے ہٹ جانے کا حکم دیا۔ جس پر شیر دم دبا کر بھاگ نکلا اور فقیہ کی جان بچ گئی اس کے بعد اس ولی نے فقیہ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

> تم لوگ ظاہر کو سنوارتے رہے ہو جس کا نتیجہ یہ ہے کہ تم شیر سے ڈرتے ہو اور ہم لوگ باطن کی اصلاح میں مشغول رہے جس کی بدولت شیر ہم سے ڈرتے ہیں۔

حکایت

ایک ولی قرآن کریم کی تلاوت کر رہا تھا۔ ایک شخص نے اس کی تلاوت سن کر اعتراض کیا کہ تم نے قرأت میں غلطی کی ہے۔ یہ سن کر ولی نے اس سے کہا میں نے اگرچہ قرآن کریم کی قرأت میں غلطی کی ہے تم تو ایمان میں غلطی کے مرتکب ہو۔ یہ سن کر اعتراض کرنے والا اُس ولی کی مجلس سے چلا گیا اور راستے میں اس کو ایک درندہ ملا جو اس پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کر رہا تھا۔ یہ حالت دیکھ کر وہ شخص اپنے ایمان کی کمزوری اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقین کی کمی

کی وجہ سے شدید خوف زدہ ہو گیا۔ حالانکہ درندہ تو انہی میں سے ایک تھا اور زمین پر پرورش پانے والے جانوروں میں سے ایک جانور ہی تو ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کوئی چیز حرکت بھی نہیں کر سکتی۔

حکایت

ایک صوفی کسی شہر میں تشریف لے گئے۔ اس شہر کے تمام لوگ ان کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے مگر ایک فقیہ انکی زیارت کے لئے نہ آیا۔ اس شہر کے لوگوں نے اس ولی سے اپنے حالات اور شہر میں پائی جانے والی شدید خشک سالی کے بارے میں گزارش کی کہ دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ اس خشک سالی سے نجات عطا فرمائے۔ اس ولی نے فرمایا اس بارے میں تم اپنے شہر کے فقیہ سے گزارش کرو اگر اس کی دعا سے بارش ہو جائے تو میں اس کی زیارت کے لئے اس کے پاس جاؤں گا۔ لوگ اس فقیہ کے پاس گئے اور بارش کے لئے دعا کرنی کی درخواست کی تو اس نے جواب دیا کہ میں دعا نہیں کرتا۔ تم اسی ولی کے پاس جاؤ اور اسی سے دعا کی درخواست کرو اگر اس کی دعا سے بارش برسے تو میں اس کی زیارت کے لئے حاضر ہو جاؤں گا۔ وہ لوگ اس ولی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بارش کے لئے دعا کرنے کی درخواست کی جس پر اس اللہ کے ولی نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بارش کے لئے دعا کی اس کی دعا کے فوراً بعد بارش برسنے لگی۔ یہ منظر دیکھ کر وہ فقیہ حسب وعدہ ولی کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کی زیارت کی۔

حکایت

صوفیاء کرام و اولیاء عظام سے عقیدت رکھنے پر مجبور کرنے والے واقعات میں سے ایک واقعہ حضرت ابوالحسن نوری رحمہ اللہ اور آپ کے اصحاب کے ساتھ پیش آنے والا یہ واقعہ بھی ہے۔ حضرت ابوالحسن نوری رحمہ اللہ اور آپ کے اصحاب رحمہم اللہ پر زندیق ہونے کا الزام لگایا گیا۔ آپ کے اصحاب میں سے صرف حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ اس الزام سے اس لئے محفوظ رہے کہ آپ فقیہ تھے اور حضرت ابو ثور رحمہ اللہ جو حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے اصحاب میں سے تھے ان کے مذہب کے مطابق فتویٰ دیا کرتے تھے۔ چنانچہ اس الزام کی بنیاد پر حضرت ابوالحسن نوری رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب کی گردن زنی کا حکم صادر کیا گیا۔ اور انکی گردن زنی کے لئے چمڑے کا فرش بچھا دیا گیا۔ یہ دیکھ کر حضرت ابوالحسن نوری رحمہ اللہ نے سب سے پہلے اپنی گردن پیش کر دی۔ جلاد نے ان سے پوچھا کہ تم اپنے قتل کی کیوں جلد بازی کر رہے ہو تو انہوں نے فرمایا کہ میں ایک لمحہ کی زندگی کے لئے بھی اپنے ساتھیوں کو ترجیح دے رہا ہوں کیونکہ ہم ایسی قوم ہیں کہ ہمارے مذہب کی بنیاد ایثار پر ہے۔

اس واقعہ کا علم خلیفۂ وقت کو ہوا تو اس کو حیرت ہوئی اور اس نے اپنے قاضی کو ان کے پاس بھیجا۔ قاضی خلیفہ کے حکم پر عمل کرتے ہوئے ان کے پاس گیا اور ان سے چند مشکل سوالات کئے۔ حضرت ابوالحسن نوری رحمہ اللہ سوالات

سن کر پہلے دائیں جانب توجہ فرمانے لگے اور پھر بائیں جانب متوجہ ہو گئے اور اس کے بعد ایک لمحہ کے لئے اپنا سر جھکایا اور اس کے بعد ان تمام سوالات کے ایسے جوابات دیئے جن سے سینوں میں ٹھنڈک اور اطمینان محسوس ہونے لگا۔قاضی جوابات سن کر واپس خلیفہ کے پاس آ کر کہنے لگا اگر یہ لوگ زندیق ہیں تو پھر روئے زمین پر کوئی بھی صدیق نہیں ۔اس پر خلیفہ نے ان کو آزاد کرنے کا حکم دیا۔بعد میں کسی نے حضرت ابوالحسن نوری رحمہ اللہ سے سوالات کے وقت دائیں ، بائیں متوجہ ہونے کی وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا میں اس وقت دائیں جانب کے فرشتے سے ان سوالات کے جوابات پوچھ رہا تھا۔اس نے کہا کہ ان کا مجھے کوئی علم نہیں ۔تو میں نے بائیں جانب والے فرشتے سے جوابات دریافت کئے تو اس نے بھی یہی جواب دیا کہ ان کے جوابات میرے علم میں نہیں ہیں ۔تو میں نے اپنے دل سے ان کے جوابات پوچھے تو میرے دل نے اپنے رب کی جانب سے وہ جوابات بتائے جو میں نے دیئے۔

حضرت ابوالحسن نوری رحمہ اللہ اس وقت شدید مشکل میں پڑے ہوئے تھے ورنہ آپ علماء ظاہر کے آئمہ میں سے بھی تھے ۔اللہ تعالیٰ ہمیں تمام اولیاء کرام اور عارفین سے نفع عطا فرمائے کیونکہ ہم انکے معتقدین اور محبین ہیں ۔اور جو جس قوم سے محبت رکھتا ہے ۔قیامت کے دن اس کا حشر ان کے ساتھ ہوگا ۔اللہ تعالیٰ دنیا وآخرت میں ہمیں انکی صفوں میں دخول کا مستحق بنائے ۔آمین

حضرت ابن عربی رحمہ اللہ راہِ ہدایت پر تھے

سوال ......حضرت ابن عربی کے بارے میں آپ کا کیا نظریہ ہے ۔کیا وہ راہِ ہدایت پر تھے یا راہِ ہلاکت پر؟ اور کیا ان کی تکفیر صحیح ہے یا کہ نہیں؟ اور کیا ان کے بارے میں کسی نے یہ کہا ہے کہ ان کا طریقہ درست تھا یا کہ نہیں؟ براہِ کرم ان سوالات کے واضح جوابات دیں اور ہمارے لئے ابن عربی کے حال کو کھول کر بیان فرمائیں کیونکہ ان کے بارے میں بہت کچھ کہا جاتا ہے ۔ہم صحیح اور سقیم اقوال کے درمیان امتیاز نہیں کر سکتے ؟
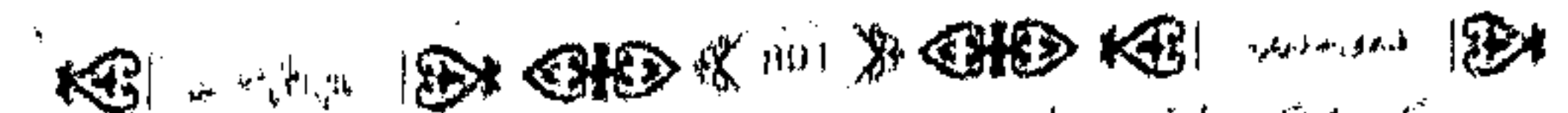
جواب......حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ علم وعمل کا جامع امام ہیں ۔جیسا کہ معتمد اور قابل اعتبار حضرات کا اس پر اتفاق ہے ۔اور خود بعض منکرین نے حضرت ابن عربی کے تعارف میں یہ اعتراف کیا ہے کہ ابن عربی مرتبہٴ اجتہاد پر فائز تھے ۔اس صورت حال کے پیش نظر ان کا سچا مسلمان ہونا یقینی ہے اور اسی طرح ان کا علم وعمل اور زہد وورع اور انکی عبادت میں مجاہدہ کے اس درجہ تک رسائی یقینی ہے جس درجہ تک اہل طریقت کے اکابر کی رسائی نہیں ہوتی ہے ۔جب ان کی حیات کے یہ تمام احوال معلوم ومتیقن ہیں تو پھر یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اپنے وصال تک ان پر باقی وقائم رہے ہیں ۔لہٰذا صرف بیبا کی اور بے بنیاد خیالات کی بناء پر ان کی تنقیص کا اقدام کرنا کسی طور پر بھی جائز نہیں ۔

یہ تو وہ جواب تھا جو ان کی ذات سے متعلق تھا۔لیکن ان کی طرف منسوب کتابوں سے متعلق حق یہ ہے کہ ان میں

ایسی باتیں موجود ہیں جن کا ظاہر قابلِ اعتراض ہے ہمارے مشائخ کے بعض مشائخ اور ان سے پہلے کے مشائخ نے ان مشکلات کی تاویل کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ابن عربی رحمہ اللہ نے یہ باتیں قوم کی مخصوص اصطلاح کے تحت کیں ہوئیں ہیں اور ان کا ظاہر مراد نہیں۔ اور مشائخ کے مشائخ میں سے بعض محققین نے فرمایا ہے کہ ابن عربی کے بارے میں میرا یہ اعتقاد ہے کہ ان میں معرفتِ کبریٰ اور نزاہت عظمیٰ پائی جاتی ہے لیکن اس اعتقاد کے باوجود اگر میری ان کے ساتھ ملاقات ہوئی تو میں ضرور ان کو ملامت کرتا اور ان سے یہ کہتا کہ آپ نے اپنی کتابوں میں ایسی اشیاء داخل کی ہیں جو بہت سارے ان لوگوں کی جو تمہارے طریقے اور تمہاری اصطلاح سے جاہل اور ناواقف ہیں ان کی گمراہی کا سبب بن گئی ہیں۔ کیونکہ اکثر لوگوں کا تعلق ظاہر کلام سے ہوتا ہے۔ اور تمہارے ان کلمات کا ظاہر صریح کفر ہے۔ اور بہت سارے وہ لوگ جنہوں نے آپ کے کلام سے دھوکہ کھایا وہ اس میں الجھ گئے ہیں۔ اور انہیں اس بات کا علم ہی نہیں ہوا کہ تمہارے یہ کلمات تمہارے اپنی مخصوص اصطلاح کے تحت جاری ہوئے ہیں کاش کہ آپ نے ان کتابوں کو ان کلمات مشکلہ سے خالی رکھا ہوتا۔ (بعض محققین کا کلام ختم ہوگیا)

مذکورہ محقق نے جو فرمایا ہے بہت اچھا فرمایا ہے اور اگر شیخ ابن عربی رحمہ اللہ کے بارے میں یہ فرض کیا جائے کہ ان کلمات کے تذکرہ میں شیخ معذور تھے کہ انہوں نے اپنے طریقہ پر غیرت کھاتے ہوئے ایسا کہا ہے تاکہ جھوٹے لوگ اس میں داخل نہ ہوسکیں۔ تو میں کہتا ہوں کہ اگر جھوٹے لوگوں کا اس طریقہ میں داخل ہونا فرض کیا جائے تو تب بھی وہ اتنا بڑا نقصان نہ ہوتا جتنا ان کلمات کی وجہ سے نقصان ہو رہا ہے کہ یہ بہت ساری لغزشوں کا سبب بن رہے ہیں۔ میں نے خود ان کلمات کے سبب گمراہ ہونے والے بعض لوگوں کو دیکھا کہ وہ ایسے منکرات کا برملا اظہار کر رہے ہیں جن کے منکرات ہونے پر مسلمانوں کا اجماع ہے اس کے باوجود وہ انکا اعتقاد رکھتے ہیں اور ان کو ابن عربی رحمہ اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ اس بارے میں جھوٹ بول رہے ہیں اور ابن عربی رحمہ اللہ پر افتراء باندھ رہے ہیں۔ حقیقت میں ابن عربی کا دامن ان سے پاک ہے۔ جس پر ان کے احوال زندگی سے حاصل ہونے والی معلومات دلیل ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ ہر وہ شخص جو اپنے دین کی سلامتی چاہتا ہے اس پر لازم ہے کہ وہ ان اشکالات والے کلمات کا مطالعہ نہ کرے اور نہ ان پر اعتماد کرے۔ خواہ ہم ان کے بارے میں یہ کہیں ان کا باطن درست ہے یا درست نہیں اور اپنے دین کی سلامتی چاہنے والے ہر شخص پر واجب ہے کہ وہ ابن عربی کے بارے میں ان کی حیات میں جس خارقِ عادت زہد و عبادت کی معلومات ہیں ان کے خلاف کوئی اعتقاد نہ رکھے۔ ان سے کئی ایسی کرامات کا ظہور ہوا ہے جو ہمارے اس مذکورہ قول کی تائید کرتی ہیں۔ مثلاً صاحب قاموس نے نقل کیا ہے کہ ابن عربی رحمہ اللہ جب اپنی معروف کتاب ''الفتوحات المکیۃ'' کی تالیف سے فارغ ہوئے تو انہوں نے اس کتاب کے منتشر اوراق کعبہ معظمہ کی

چھت پر رکھا رہا ایک سال تک اسی طرح رہا بارشوں اور ہواؤں کی کثرت کے باوجود ان میں سے ایک ورق بھی ہوا سے نہیں اڑا اور نہ ہی کسی ورق پر بارش کا ایک قطرہ پڑا پس ان اوراق کا کھلی چھت پر ایک سال تک بارش اور ہوا سے محفوظ رہنا یہ اس کتاب (فتوحات مکیہ) کی تالیف میں حضرت ابن عربی رحمہ اللہ کے اخلاص پر واضح دلالت کرنے والی کرامات میں سے ایک کرامت ہے۔ اور اس بات کی روشن دلیل ہے کہ اس کتاب میں یا اس کے علاوہ ان کی دیگر کتب میں موجود وہ قابل اعتراض چیزیں جو ان کی طرف منسوب کی گئی ہیں ان سے مصنف کا دامن پاک ہے۔ اور ان سے صادر ہونے والے وہ اقوال جو نہ تاویل کو قبول کرتے ہیں اور نہ تعلیل کا تقاضا کرتے ہیں ان کے سبب ان کی ذات کو مورد الزام نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔ مثلاً جیسا کہ فرعون کے اسلام وغیرہ سے متعلق ان کے اقوال ہیں۔ کیونکہ اس قسم کے اقوال کفر کا تقاضا نہیں کرتے۔ ان کے بارے میں زیادہ سے زیادہ اتنا کہا جاسکتا ہے کہ یہ اجتہادی خطاء ہے اور اجتہادی خطاء مجتہد کے حق میں قادح نہیں ہوا کرتی۔ کیونکہ معصومین کے سوا ہر عالم کے کچھ اقوال مقبول اور کچھ مردود ہوتے ہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب

قَدْ تَمَّ الْكِتَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ وَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِهٖ وَ صَحْبِهٖ وَ سَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا دَائِمًا اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ۔ آمِيْن

اللہ تعالیٰ کی تائید وتوفیق سے اس کتاب (فتاویٰ حدیثیہ) کا ترجمہ 25 جون 2010ء/۱۲/رجب المرجب ۱۴۳۱ھ بروز جمعۃ المبارک صبح آٹھ بجے شروع کیا گیا اور الحمد للہ آج 31 دسمبر 2012ء/۱۷/صفر المظفر ۱۴۳۴ھ بروز سوموار بوقت دن دس بج کر ۳۹ منٹ پر بخیر خوبی تمام ہوا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس حقیر وناچیز کوشش کو حسن قبول عطا فرمائے اور تادیر اس کی افادیت قائم وجاری رکھے اور تیری اور میرے والدین، میرے اساتذہ ومشائخ، میرے بہن، بھائی ودیگر اعزہ واقارب اور احباب کی مغفرت فرمائے اور ساری امت محمدی پر رحمت کی بارش نازل فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم الامین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارك وسلم علیہ وعلیہم اجمعین۔

شیخ فرید عفی اللہ تعالیٰ عنہ، وعن والدیہ

مظفرآباد۔ آزاد کشمیر

۲۰۱۲/۱۲/۳۱ء

آپ بیعت جہاں بھی ہوں اس کتاب کا مطالعہ آپ کے لئے
بے حد لازم وضروری ہے۔

الانوار القدسیہ
فی معرفۃ قواعد الصوفیہ

کا اردو ترجمہ بنام

آدابِ مُریدِ کامل

تصنیف
قطب ربانی امام عبد الوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ
متوفی ۹۷۳ھ

مترجم
شیخ الحدیث مفتی محمد صدیق ہزاروی مدظلہ العالی
سابق رکن اسلامی نظریاتی کونسل

کاوش
ابو حنظلہ محمد اجمل قادری عطاری

مکتبہ اعلیٰ حضرت
042-37247301
0300-8842540